وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم: ۳۴)

نعم الباری
فی
شرح صحیح البخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی ۲۰۰...

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

شرح صحیح البخاری کے نام "**نِعم الباری**" کی توجیہ

میں نے 18 رجنوری 2006ء کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ کی مشہور زمانہ کتاب "المسند الصحیح الجامع المعروف بہ صحیح البخاری" کی شرح لکھنے کا آغاز کیا، میں نے ابتداءً اس کا نام انعام الباری رکھا تھا، بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ شیخ محمد تقی عثمانی بھی اس نام سے صحیح البخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اور اس وقت تک انعام الباری کی چار جلدیں ہو چکی تھیں، اس لیے میں نے اس کا نام بدل کر نعمۃ الباری رکھ دیا اور فرید بک اسٹال لاہور سے اس کی سات جلدیں لکھنے کا معاہدہ کیا اور 14 ستمبر 2010 کو میں نے نعمۃ الباری کی ساتویں جلد مکمل کر کے سید محسن اعجاز شاہ صاحب کے حوالہ کر دی اور یوں میری حد تک اس معاہدہ کی تکمیل ہوگئی۔

بعد ازاں میرا رابطہ ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز سے ہوا اور میں نے محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب سے شرح صحیح البخاری لکھنے کا معاہدہ طے کیا اور اب آٹھویں جلد سے میں نے اس کا نام نعمۃ الباری کے بجائے "**نِعم الباری**" رکھ دیا ہے تاکہ معاندین اور مفسدین کے لیے کسی شر کی گنجائش نہ رہے اور وہ یہ نہ کہیں کہ نعمۃ الباری کا معاہدہ تو ہم سے تھا اب یہ ضیاء القرآن اس کو کیوں شائع کر رہا ہے۔ اس لیے میں نے اس کا نام ہی بدل دیا ہے اور بجائے نعمۃ الباری کے اس کا نام "**نِعم الباری**" رکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ میرا اور ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا حافظ اور ناصر ہو اور ہمیں معاندین اور مفسدین کے شر اور فساد سے محفوظ اور مامون رکھے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ الف الف صلوات وتسلیمات دائما ابدا۔

غلام رسول سعیدی

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی 38

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم: ۳۴)

نِعمُ الباری فی شرح صحیح البُخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری

علامہ غلام رسول سعیدی

الجزء حادی عاشر

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا
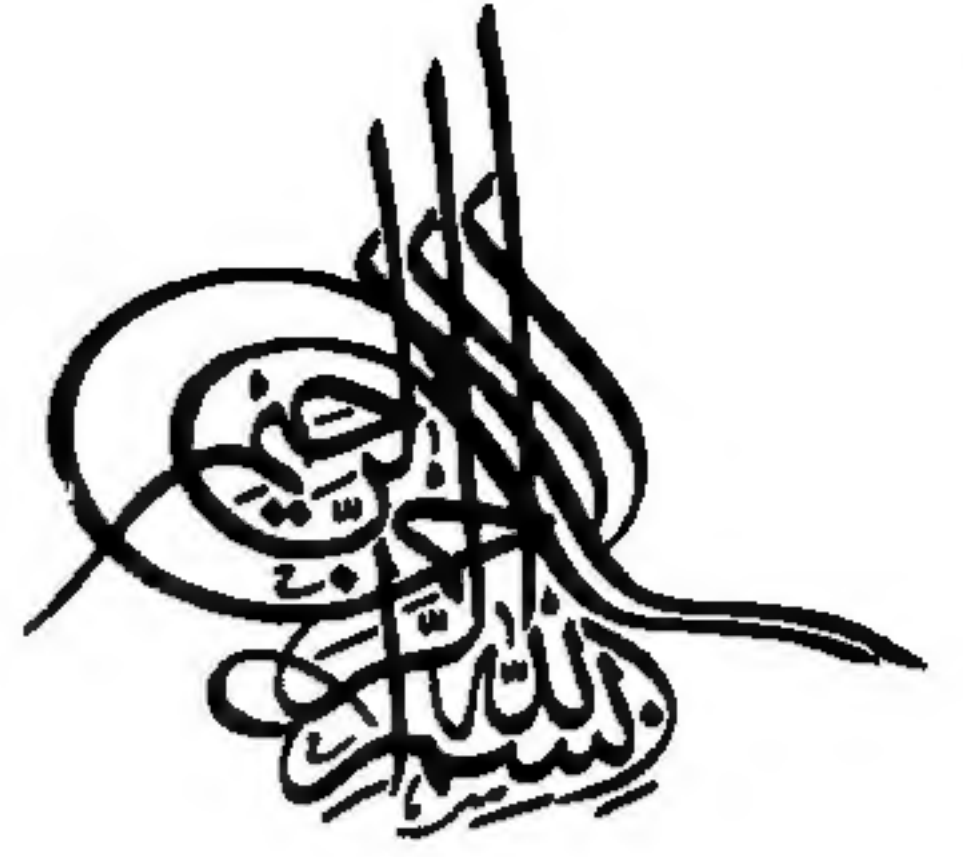
اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم: ۳۴)

نعم الباری
فی
شرح صحیح البخاری

جلد حادی عاشر (۱۱)

الاحادیث: ۵۳۵۱ ـــــ ۵۶۷۷

کتاب النفقات، کتاب الاطعمہ، کتاب العقیقہ، کتاب الذبائح والصید
کتاب الاضاحی، کتاب الاشربہ، کتاب المرضیٰ

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

نام کتاب	نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد حادی عاشر (۱۱)
تصنیف	علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی
سال اشاعت	جنوری 2013ء
بار	اول
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	HS24

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون:۔021-32212011-32630411_فیکس:۔021-32210212
e-mail:- info@zia-ul-quran.com
Website:- www.ziaulquran.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری (جلد عاشر)

افتتاحیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله رب العالمین، الذی جعلنا من المسلمین، ووصفنا بخیر امة من الأمم الماضین، و انعم علینا بتنزیل القرآن الکریم و هدانا به الی الصراط المستقیم، و الصلوٰة والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین قائد الغر المحجلین، الذی شرح الفرقان با حادیثه و بیانه القویم، و کشف عن اسرارہ و غوامضه لهدایة الناس اجمعین، و انقذنا بحسن سیرته من الظلمات والضلال المبین، و علی اله الطیبین واصحابه الطاهرین الذین قاموا باشاعة الدین المتین مع کمال الخلوص والجهد العظیم، و علی ازواجه الطاهرات امهات المؤمنین، و علی جمیع الائمة التابعین من المفسرین والمحدثین المخلصین الکاملین الی یوم الدین۔

و بعد فیقول العبد الفقیر الی مولاہ القدیر غلام رسول السعیدی دائم الاحتیاج الی کرم ربه السرمدی انی بعد الفراغ من التفسیر قد شرعت فی شرح الصحیح للامام البخاری (علیه نعم الباری) توکلا علی رحمة الله و فضله العمیم۔ ولا یکون تحریرہ و تقریرہ و تکمیله الا نعمته العظمیٰ۔ فلذا سمیته بنعمة الباری فی شرح الصحیح للبخاری۔ (تقبله الله بلطفه و تغمدنی بغفرانه بمحض فضله)

اشهد ان لا اله الا الله وحدہ لا شریک له واشهد ان سیدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسوله۔ اعوذ بالله من شرور نفسی و من سیئات اعمالی۔ من یهدہ الله فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له۔ اللهم ارنی الحق حقاً وارزقنی اتباعه۔ اللهم ارنی الباطل باطلاً وارزقنی اجتنابه۔ اللهم اجعلنی فی تصنیف هذا الکتاب علی صراط مستقیم واجعله موافقاً باسمه واحفظه من شرور الاشرار والحاسدین۔ اللهم اجعله خالصا لوجهک الکریم و مقبولاً عندک و عند رسولک الرؤف الرحیم واجعله شائعاً و مستفیضاً و مفیضاً و مرغوباً فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعله لی ولجمیع من انتسب الی من المسلمین صدقة جاریة الی یوم القیامة وارزقنی زیارة النبی الکریم ﷺ فی الدنیا و شفاعته فی الاخرة واحینی علی الاسلام بالسلامة و امتنی علی الایمان بالکرامة۔ اللهم انت ربی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عهدک ووعدک ما استطعت۔ اعوذ بک من شر ما صنعت ابوٗ لک بنعمتک علی وابوٗ لک بذنبی فاغفرلی فانه لا یغفر الذنوب الا انت۔ رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی و علی والدی وان اعمل صالحاً ترضٰه۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

ترجمہ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں، جس نے ہمیں مسلمان بنایا اور سب سے بہترین امت کا لقب عطا فرمایا، قرآن کریم نازل فرما کر ہم پر احسان کیا اور اس کتاب کے ذریعہ ہمیں سیدھی راہ دکھائی۔ حمد کے بعد سب سے افضل اور بلند رتبہ پیغمبر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہو، جو سفید رو اور سفید ہاتھ پیروں والوں کے قائد ہیں، جنہوں نے اپنی احادیث اور مستحکم بیان سے قرآن مجید کی تشریح فرمائی اور تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے اس کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا اور ہمیں اپنا بہترین نمونہ عمل عطا کر کے ظلمت و گمراہی سے نجات بخشی۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد پاک اور صحابہ کرام پر رحمتوں کا نزول ہو جو پورے اخلاص اور محنت کے ساتھ اشاعت دین میں مصروف رہے، اور آپ کی ازواج مطہرات پر رحمتوں کا نزول ہو جو مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ان سب کے بعد تا قیام قیامت آنے والے مخلص اور باکمال ائمہ مفسرین اور محدثین پر رحمتیں نازل ہوں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد رب کائنات کے دائمی کرم کا بندۂ محتاج غلام رسول سعیدی غفرلہٗ عرض پرداز ہے کہ میں تفسیر تبیان القرآن سے فارغ ہونے کے بعد اللہ عزوجل کی رحمت اور اس کی عنایت پر بھروسا کرتے ہوئے صحیح بخاری کی شرح کا آغاز کر چکا ہوں۔ چونکہ ظاہری قویٰ اس عظیم کام کے متحمل نہیں ہیں اس لیے تصنیف کے جملہ مراحل سے گزر کر پایۂ تکمیل کو پہنچنے تک اس شرح کا مکمل دارومدار صرف اور صرف اللہ عزوجل کی خصوصی نعمت اور احسان پر ہے۔ اسی لیے میں نے اس شرح کا نام ''نعم الباری فی شرح صحیح البخاری'' رکھا ہے۔ (اللہ تعالیٰ اپنے لطف و عنایت سے اس تصنیف کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنی بخشش میں ڈھانپ لے)۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ عزوجل کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح فرما اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور باطل کو مجھ پر منکشف فرما اور اس سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اے اللہ! مجھے اس شرح کی تصنیف میں صراط مستقیم پر گامزن فرما اور اس شرح کو اسم بہ مسمّٰی کر دے اور اسے شریروں کے شر اور حاسدوں کے حسد سے محفوظ فرما۔ اے اللہ! اس تصنیف میں صرف اپنی رضا مقدر فرما دے اور اس کو اپنی اور اپنے مہربان رسول (سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں مقبول بنا دے، اور صبح قیامت تک اس کو اکناف عالم میں مشہور و مقبول، مرغوب و محبوب اور اثر آفرین بنا دے، اس کو میرے لیے اور میرے جملہ مسلمان متعلقین کے لیے قیامت تک صدقۂ جاریہ بنا۔ مجھے دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندگی اور عزت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ نصیب فرما۔ اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں ان کا میں اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میری بخشش فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے، پروردگار! تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر جو انعامات فرمائے ہیں ان پر مجھے ہمیشہ شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے ایسے نیک اعمال کی توفیق دے جو تجھے محبوب اور پسند ہوں۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

٦٩۔ كِتَابُ النَّفَقَاتِ

بیوی کے خرچ کا بیان

نعم الباری جلد حادی عشر ''کتاب النفقات'' سے شروع ہورہی ہے، کتاب کا معنی ہے: ان مسائل کا مجموعہ جن مسائل کی جنس واحد ہو اور انواع اور اصناف مختلف ہوں، اور النفقات، النفقۃ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: خرچ کرنا۔

ہم اس بحث کے شروع میں پہلے النفقۃ کا لغوی معنی مستند اور محقق اہل لغت کے حوالہ جات سے نقل کریں گے، اور پھر نفقہ کے متعلق قرآن مجید کی آیت اور مستند اور محقق مفسرین کی تفاسیر کو نقل کریں گے، پھر خرچ کرنے کی فضیلت اور بخل کی مذمت میں احادیث کا ذکر کریں گے، اور نفقہ کے متعلق مذاہب اربعہ کے فقہاء کی آراء کو نقل کریں گے، اور پھر اس کے بعد امام محمد بن اسماعیل بخاری المتوفی ٢٥٦ھ نے جو النفقات کے متعلق احادیث ذکر کی ہیں، ان کا ذکر کریں گے اور صحیح البخاری کے مشہور شارحین نے جو ان احادیث کی شرح کی ہے، اس کو پیش کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

نفقہ کے لغوی معنی از مستند و محقق ارباب لغت

امام خلیل بن احمد الفراہیدی المتوفی ١٧٥ھ، نفقہ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نفقہ وہ ہے جس کو تم خود اپنے اوپر خرچ کرو اور اپنے عیال (زیر پرورش لوگوں) پر خرچ کرو یا تم سے ان کا خرچ طلب کیا جائے۔ (کتاب العین ج ٣ ص ١٨٢٥، المطبعہ باقری، قم (ایران)، ١٤١٤ھ)

امام ابوالقاسم الحسین بن محمد المعروف بہ راغب الاصفہانی المتوفی ٥٠٦ھ، نفقہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''نفق الشیئ مضی ونفد''، یعنی کسی چیز کو خرچ کرنا یہ ہے کہ وہ چیز ختم ہو جائے، یا تو فروخت کرنے سے، جیسے کہا جاتا ہے: ''نفق البیع نفاقا''، یعنی کسی بھی چیز کو فروخت کر کے اس کو ختم کر دیا، اور اسی سے ماخوذ ہے ''نفاق الایم''، یعنی بیوہ کا خرچ۔

اور انفاق مال میں ہوتا ہے کبھی دوسری چیزوں میں اور کبھی انفاق یعنی خرچ کرنا واجب ہوتا ہے اور کبھی نفل ہوتا ہے۔

انفاق کے متعلق قرآن مجید کی درج ذیل آیات ہیں:

وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ (البقرہ:١٩٥)	اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔
اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰكُمۡ (البقرہ:٢٥٤)	ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں۔
لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿٩٢﴾ (آل عمران:٩٢)	تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکو گے حتیٰ کہ تم ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن کو تم پسند کرتے ہو، اور تم جس چیز کو بھی خرچ کرتے ہو، اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے O

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَهُوَ یُخۡلِفُهٗ ۚ (سبا:۳۹)
اور تم جو کچھ بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہو، وہ اس کا بدل مہیا کردے گا۔

لَا یَسۡتَوِیۡ مِنۡکُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ (الحدید:۱۰)
(اے مسلمانو!) تم میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہوسکتا جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا۔

قُلۡ لَّوۡ اَنۡتُمۡ تَمۡلِکُوۡنَ خَزَآئِنَ رَحۡمَةِ رَبِّیۡۤ اِذًا لَّاَمۡسَکۡتُمۡ خَشۡیَةَ الۡاِنۡفَاقِ ؕ (بنی اسرائیل:۱۰۰)
آپ کہیے: اگر تم (بالفرض) میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم خرچ کے ڈر سے ان کو روک کے رکھتے۔

(المفردات فی غریب القرآن، ج ۲ ص ۶۵۰، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

امام مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ نفقہ کے معنی کے متعلق لکھتے ہیں:

کہا جاتا ہے: ''نفقة السلعة فهي نافقة'' یعنی سودا چل پڑا اور کہا جاتا ہے: ''انفقتها'' یعنی جب میں نے سودا کو خرچ کردیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جھوٹی قسم سودا کو چلانے والی ہوتی ہے اور برکت کو مٹانے والی ہوتی ہے۔

(صحیح البخاری: البیوع، ۲۶، صحیح مسلم: المساقات: ۱۳۱، مسند احمد: ج ۲ ص ۲۳۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص دوسروں کے لیے خرچ نہ کرے۔ (سنن ترمذی، البیوع: ۴۱)

اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو رغبت دلانے کے لیے اپنے سودے کی قیمت کم نہ لگائے تاکہ خریدار اس کی زیادہ قیمت لگائے، اور یہ اس کے سودا فروخت کرنے کا سبب بن جائے۔

احادیث میں نفاق کا ذکر بہ کثرت ہے اور جو اس سے اسم اور فعل مشتق ہے اس کا ذکر بھی بہت کثیر ہے، اور یہ اسلامی اسم ہے، عرب اس کے معنی مخصوص کو نہیں جانتے تھے، منافق اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنا کفر چھپاتا ہے اور ایمان کو ظاہر کرتا ہے، اگرچہ اس کی اصل لغت میں معروف ہے، کہا جاتا ہے: ''نافق ینافق منافقة ونفاقا''، یہ الیربوع کے بل کے لیے کہتے ہیں، ''الیربوع'' اس چوہے کو کہتے ہیں جس کے اگلے پاؤں چھوٹے اور پچھلے پاؤں لمبے ہوتے ہیں۔ جب اس کو تلاش کیا جائے تو یہ بل کے ایک منہ میں داخل ہوکر بل کے دوسرے منہ سے نکل جاتا ہے۔ اور اسی سے ''النفق'' ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: سرنگ، جس میں کوئی شخص چھپ جاتا ہے، کیونکہ منافق بھی ایمان کو ظاہر کرکے اپنے کفر کو چھپالیتا ہے، اس سلسلہ میں درج ذیل احادیث ہیں:

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''نافق حنظلة'' یعنی حنظلہ منافق ہوگیا''۔ (صحیح مسلم، التوبہ: ۱۲، مسند احمد ج ۴ ص ۳۴۶)

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں تو ان میں بہت زیادہ اخلاص ہوتا ہے اور دنیا سے بہت بے رغبتی ہوتی ہے اور جب وہ آپ کی مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو ان کی پہلی کیفیت زائل ہوجاتی ہے اور وہ پھر دنیا میں راغب ہوجاتے ہیں تو گویا کہ یہ بھی ایک قسم کا ظاہر اور باطن کا اختلاف تھا، اس لیے انہوں نے اپنے آپ کو منافق کہا۔

نیز حدیث میں ہے: ''اس امت کے اکثر منافق قرآن کی قراءت کرنے والے ہیں''۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۰، ج ۴ ص ۱۵۵، ۱۵۱، مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

اس حدیث میں نفاق سے مراد ریاکاری اور دکھاوا ہے، کیونکہ نفاق اور ریاکاری دونوں میں باطن کے خلاف ظاہر کیا جاتا

ہے۔(النہایہ فی غریب الحدیث والاثر ج ۵ ص ۸۵-۸۶، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

امام ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری المتوفی ۷۱۱ھ نفقہ کے متعلق لکھتے ہیں:

نفقہ کا معنی ہے: کسی چیز کا ناقص ہونا اور کم ہونا اور یہ بھی کہا گیا ہے: کسی چیز کا فنا ہونا اور ختم ہو جانا، اور کہا جاتا ہے: ''انفق الرجل'' جب وہ محتاج ہو جائے۔ اور ''انفق المال'' اس کا معنی ہے: مال کو خرچ کرنا قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ (یٰس: ۴۷) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں میں سے بعض کو خرچ کرو جو اللہ نے تمہیں دی ہیں۔

نفقہ کا معنی ہے: جو خرچ کیا جائے اور اس کی جمع نفاق ہے، جو آدمی بہت زیادہ خرچ کرتا ہو اس کو ''رجل منفاق'' کہا جاتا ہے، اور نفقہ کا معنی ہے: جس مال کو انسان اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال کے اوپر خرچ کرے، اور جب کسی بیوہ کے پاس نکاح کے پیغام بہ کثرت آئیں تو کہا جاتا ہے: ''نفقة الایم'' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

من حظ المرء نفاق ایمه۔ یعنی کسی مرد کی سعادت یہ ہے کہ اس کی بیٹیوں اور بہنوں کے رشتے بہ کثرت آئیں۔

اور ''النفق'' کا معنی ہے: جو چیز بہت جلد منقطع ہو جائے اور ''فرس نفِق'' کا معنی ہے: جو گھوڑا بہت تیزی سے قدم اٹھا کر دوڑتا ہو، اور ''النفق'' کا معنی ہے: زمین میں سرنگ بنانا قرآن مجید میں ہے:

فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ (الانعام: ۳۵) تو آپ اگر زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی تلاش کر سکتے ہیں۔

اور کہا جاتا ہے: ''انفق الضب والیربوع'' جب گوہ اور جنگلی چوہا ایک سوراخ سے نکل کر دوسرے سوراخ میں داخل ہو جائیں اور اسی سے منافق کا اسم ماخوذ ہے، کیونکہ وہ بھی گوہ اور جنگلی چوہے کی طرح اپنے کفر کو چھپا کر ایمان کو ظاہر کرتا ہے، اور نفاق کہتے ہیں: ایک طریقہ سے اسلام میں داخل ہونا اور دوسرے طریقہ سے اسلام سے نکل جانا، اور اسی اعتبار سے کھوٹے سکے قرآن پڑھنے والوں کو بھی حدیث میں منافقین کہا گیا ہے۔ (لسان العرب لابن منظور ج ۱۴ ص ۳۲۶-۳۲۷، دار صادر بیروت ۲۰۰۳ء)

امام محمد بن ابی بکر بن عبد القادر الرازی الحنفی المتوفی ۶۶۰ھ نفقہ کے معنی کے متعلق لکھتے ہیں:

''نفقت الدابة'' یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب سواری مر جائے ''نفق البیع'' یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب سودا چل پڑے، اور نفاق، منافق کے فعل کو کہا جاتا ہے اور منافق وہ شخص ہے جو اپنے کفر کو چھپائے اور اسلام کو ظاہر کرے اور ''انفق الرجل'' اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص محتاج ہو جائے اور ''النفق'' کا معنی ہے: زمین میں سرنگ۔

(مختار الصحاح ص ۳۸۷، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

غلام احمد پرویز متوفی ۱۹۸۵ء نفقہ کے متعلق لکھتے ہیں:

نفق اس سرنگ کو کہتے ہیں جس کے داخل ہونے اور نکلنے کے دونوں راستے کھلے ہوں۔ (جس سرنگ میں نکلنے کا راستہ نہ ہو اسے سَرَب کہتے ہیں)، النُفقة، والنافیقاء جنگلی چوہے کے بل کے متعدد سوراخوں میں سے ایک سوراخ کو کہتے ہیں جس پر وہ مٹی کی

باریک سی پٹری بچھا کر اسے بند رکھتا ہے اور اسے اس وقت سر مار کر کھول لیتا ہے جب اس کا کوئی دشمن اسے بل کے اندر سے پکڑنے کی کوشش کرے، نَیْفَق اس نیفہ کو کہتے ہیں جس کے دونوں کنارے کھلے ہوں، (بعض کا خیال ہے کہ یہ نیفہ سے معرب ہے)، اسی لئے مُنافق اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی نظام (یا سوسائٹی) میں داخل ہونے سے پہلے یہ دیکھ لے کہ اس سے باہر نکلنے کا راستہ کون سا ہے؟ نَفَقَت السوق، بازار گرم ہوا، اور اس کے سامان کی مانگ ہوئی، (یعنی جو اشیاء کی درآمد اور برآمد کے لئے ہر وقت کھلا رہے، ہر وقت مال آتا رہے اور اس کا نکاس ہوتا رہے)، لہٰذا انفاق کے معنی ہیں: اپنی دولت کو کھلا رکھنا، عام کر دینا، باقی نہ رکھنا، ختم کر دینا (تاج وابن فارس) قرآن کریم نے اس کے مقابل میں ''امساک'' (روک رکھنے) کا لفظ لا کر اس کے معانی کو واضح کر دیا ہے۔

چونکہ روپے کو کھلا رکھنے کا نتیجہ سرمایہ کی نفی (ختم ہو جانا) یا کمی ہوتا ہے، اس لئے نفاق کے معنی کسی چیز کے کم ہو جانے یا ختم ہو جانے کے بھی لئے گئے، یہاں تک کہ ان معانی کو بنیادی معنی کی سی اہمیت حاصل ہوگئی، چنانچہ ''اَنْفَقَتِ الْاِبِل'' اس وقت کہتے ہیں جب موسم کی وجہ سے اونٹوں کی اون جھڑ جائے، یعنی منتشر اور پراگندہ ہو کر ضائع ہو جائے۔

قرآن کریم میں انفاق کے بنیادی معنی اپنی محنت کے ماحصل کو ربوبیت عالمی کے لئے کھلا رکھنا ہیں، ''**وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ**'' (البقرہ:۲۱۹) یہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم کس قدر مال و دولت (ربوبیت عامہ کے لیے) کھلا رکھیں، ان سے کہو کہ جس قدر تمہاری ضرورت سے زائد ہے، سب کا سب، یعنی فاضل دولت (Surplus money)، جو سرمایہ داری کی بنیاد ہے، سب کی سب ربوبیت عامہ کے لیے وقف ہونی چاہیے، یہ کسی کی ذاتی ملکیت میں نہیں رہ سکتی۔

یہ قرآنی نظام کا بنیادی نقطہ ہے، مومن کی ہمیانی کے دونوں سرے کھلے رہتے ہیں اور یہ ہمیانی نظام کے ہاتھ میں رہتی ہے، اس میں ہر فرد اپنی محنت کا ماحصل ڈالتا جاتا ہے اور نظام ربوبیت اسے نوع انسانی کی نشوونما کے لئے صرف کرتا جاتا ہے، چونکہ اس نظام میں ہر فرد کی تمام ضروریات زندگی کی ذمہ داری خود نظام پر ہوتی ہے، اس لئے کسی فرد کو کچھ بچا کر رکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی، نہ ہی اسے اپنے یا اپنی اولاد کے مستقبل کے متعلق کوئی خدشہ یا اندیشہ رہتا ہے، یہ تمام ذمہ داریاں نظام کے سر ہوتی ہیں جو قوانین خداوندی کے مطابق قائم ہوتا ہے۔

بنا بریں ان مقامات میں انفاق کے معنی خرچ کرنے کی بجائے کھلا رکھنا زیادہ مناسب ہیں، ''کھلا رکھنے'' کا مطلب ہوگا: نوع انسانی کی ربوبیت عامہ کے لئے نظام خداوندی کی تقسیم میں رکھنا، نَفَقَةٌ ہر وہ چیز جسے اس طرح کھلا رکھا جائے، بعض مقامات میں اس کے معنی خرچ کرنے کے بھی آئیں گے۔

نفق، منافق ہونا، معاشرہ میں منافق سب سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں، ایک تو وہ لوگ ہیں جو دل کے پورے جھکاؤ کے ساتھ نظام خداوندی سے وابستہ ہو جاتے ہیں، یہ مومن ہیں، دوسرے وہ ہیں جو کھلے بندوں اس نظام سے باہر رہتے اور اس کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں کافر کہئے، تیسرے وہ ہیں جو محض اپنی مطلب براری کے لئے جماعت مومنین کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں، منافع میں ان کے برابر کے شریک رہتے ہیں اور جہاں کسی مشکل کا سامنا ہوا، تو یا جماعت کا ساتھ چھوڑ کر صاف نکل گئے، اور یا اس میں بددلی پھیلانے اور فتنہ پردازی کرنے لگ گئے، یہ منافق ہیں اور بدترین خلائق، اسی لئے قرآن کریم نے ان کا مقام جہنم کا سب سے نچلا طبقہ بتایا ہے، قرآن کریم نے (سورہ فاتحہ کے بعد) سب سے پہلے انہی تینوں جماعتوں (مومن، کافر، منافق) کا ذکر

واضح الفاظ میں کیا ہے، اس کے بعد، سارے قرآن کریم میں ان تین جماعتوں کا ذکر ہے، یہ جماعتیں زمانہ نزول قرآن تک محدود نہ تھیں، یہ ہمیشہ رہی ہیں اور ہمیشہ رہیں گی، ان کی خصوصیات اس قدر طویل ہیں کہ ان کی تفصیل بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔

(لغات القرآن ج ۱ ص ۱۶۵۱-۱۶۵۳، ادارہ طلوع اسلام، لاہور)

نفقہ کے متعلق قرآن مجید کی آیت مبارکہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ (البقرہ:۲۱۹) یہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں؟ آپ کہیے: جو چیز ضرورت سے زائد ہو (وہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں)۔

البقرہ:۲۱۹ کی تفسیر از علامہ ماتریدی حنفی

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''الْعَفْوَ'' کا معنی ہے: جو چیز انسان کی روزی یا اس کے خرچ سے زائد ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ کاشت کار لوگ اپنی زراعت میں سے ایک سال کی خوراک سے جو زراعت زائد ہوتی تھی اس کو صدقہ کر دیا کرتے تھے اور جو تاجر ہوتے تھے ان کی ایک مہینہ کی آمدنی میں سے ان کے اخراجات میں سے جو مقدار زائد ہوتی تھی اس کو صدقہ کر دیا کرتے تھے، اور محنت کش لوگ ایک دن کی کمائی میں سے ان کے اخراجات میں سے جو مقدار زائد ہوتی تھی، اس کو صدقہ کر دیا کرتے تھے، پھر یہ معاملہ منسوخ کر دیا گیا، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زکوٰۃ نے ہر صدقہ کو منسوخ کر دیا اور رمضان کے مہینہ کے روزوں نے ہر نفلی روزہ کو منسوخ کر دیا اور قربانی نے ہر نفلی قربانی کو منسوخ کر دیا۔

(سنن دارقطنی ج ۴ ص ۲۸۱، سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۶۲)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ صدقات زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے تھے۔ (تفسیر جامع البیان: ۱۷۷۰-۱۷۱)

ضرورت سے زائد تمام مال کو صدقہ کرنے کا استحباب

اس میں یہ دلیل ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس اس دور سے لے کر آج تک بہت زیادہ اموال تھے اور وہ اموال ان کی ملکیت سے نہیں نکلے تھے، اور نہ وہ ان تمام اموال کا صدقہ کرتے تھے اور نہ ان پر کسی نے انکار کیا، تو اس سے معلوم ہو گیا کہ اس آیت میں جو حکم ہے کہ ضرورت سے زائد چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو، یہ حکم اب منسوخ ہو گیا ہے، یا پھر یہ حکم استحباب پر محمول ہے۔

سوشلسٹ لوگوں کا البقرہ:۲۱۹ سے نجی ملکیت کے خلاف استدلال کرنے کا ابطال اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی اس مسئلہ میں اجتہادی خطا کا بیان، اضافہ از مصنف

میں کہتا ہوں: جو مسلمان سوشلسٹ اور اشتراکی نظریات کے حامل ہیں، وہ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ تمام مسلمانوں پر اس آیت میں یہ فرض کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد تمام چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیں، اور اسی بناء

پر وہ نجی ملکیت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس جو مال ان کی ضرورت سے زائد ہے، اس سب کو قومی ملکیت میں لے لیا جائے، لیکن علامہ ماتریدی کی اس تفسیر سے یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ حکم اب منسوخ ہو چکا ہے، اسی لیے نجی ملکیت کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں اور اسلام میں اشتراکی نظریہ کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا بھی یہی نظریہ تھا، وہ فرماتے تھے کہ مسلمانوں کے پاس جو مال ان کی ضرورت سے زائد ہو، ان پر واجب ہے کہ وہ اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیں اور مال کو جمع کرنا جائز نہیں ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے اس نظریہ کی وجہ سے مسلمانوں میں کافی اختلاف ہو گیا تھا اور انتشار ہو گیا تھا، اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ کا سد باب کرنے کے لیے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ربذہ (مدینہ کے قریب ایک ریگستانی علاقہ) میں جلاوطن کر دیا تھا، اور کہا تھا کہ آپ کا کلام بہت بلند درجہ کا ہے اور عام لوگ آپ کے کلام کو سمجھ نہیں سکتے۔

نیز اگر نجی ملکیت کا انکار کر دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ انسان کے پاس ضرورت سے زائد جس قدر مال ہو، اس سب کا صدقہ کرنا واجب ہے، تو پھر زکوٰۃ کی فرضیت کی ضرورت نہیں رہے گی، کیونکہ زکوٰۃ تو مسلمان پر اس وقت واجب ہوتی ہے جب اس کے پاس سارا سال مال جمع رہے تو اس کے اخراجات نکالنے کے بعد اس میں سے ڈھائی فیصد زکوٰۃ اس پر واجب ہوتی ہے، اور ڈھائی فیصد زکوٰۃ نکالنے کے بعد اس کے لیے مال کو جمع کرنا جائز ہو جاتا ہے، اسی طرح قربانی بھی مسلمان پر اس وقت واجب ہوتی ہے، جب دس ذی الحجہ کو اس کے پاس اس کی ضروریات سے زائد بقدر نصاب رقم جمع ہو، جو یا تو دو سو درہم کی مالیت ہے، یا اس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا ہو، یا ساڑھے باون تولہ چاندی ہو۔ اسی طرح صدقہ فطر بھی اسی وقت واجب ہوتا ہے جب عید کے دن مسلمان کے پاس اس کی ضروریات سے زائد بقدر نصاب مال ہو اور حج اگرچہ زندگی میں ایک سال میں فرض ہوتا ہے لیکن یہ بھی اسی وقت فرض ہوگا جب اس کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ حرمین شریفین کے آنے جانے کا خرچ اٹھا سکے اور ایام حج میں حرمین شریفین میں رہائش کا خرچ اٹھا سکے اور اس دوران جن کی کفالت اس پر واجب ہے ان کا خرچ ادا کر سکے، اور اگر اس پر کوئی قرض ہو تو وہ ادا کر دے، تو اگر اپنی ضرورت سے زائد تمام مال کا صدقہ کرنا فرض ہو اور نجی ملکیت بالکل جائز نہ ہو تو حج کی فرضیت کا کوئی معنی نہیں ہوگا نہ زکوٰۃ کی فرضیت کا کوئی معنی ہوگا نہ قربانی اور صدقہ فطر کے وجوب کا کوئی معنی رہے گا، اسی طرح اسلام میں جو چوری اور ڈاکہ کی حدود مقرر کی ہیں، وہ بھی اس وقت نافذ ہوں گی جب انسان کے پاس اتنا مال ہوگا کہ جس کی چوری ہو سکے یا جس پر ڈاکہ ڈالا جا سکے، تو اسلام کے تمام احکام نجی ملکیت کے جواز کے اوپر موقوف ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ اسلام میں نجی ملکیت جائز نہیں ہے اور ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد ہر چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو پھر اسلام کے یہ تمام احکام ساقط ہو جائیں گے اس لیے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا یہ اجتہادی نظریہ بھی صحیح نہیں ہے اور نہ اشتراکیت کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور اب تمام دنیا میں اشتراکی نظریہ دم توڑ چکا ہے، پاکستان میں بھی ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں نجی ملکیت کا خاتمہ کر دیا گیا تھا اور بڑے بڑے کارخانوں اور فیکٹریوں کو قومیا لیا گیا تھا، لیکن بالآخر یہ نظریہ ناکام ہو گیا اور ان تمام قومیائی گئی فیکٹریوں اور کارخانوں کو بحال کر دیا گیا اور نجی ملکیت کو جائز قرار دے دیا گیا، لہٰذا علامہ ماتریدی نے جو تفسیر کی ہے وہی صحیح ہے اور ہر ضرورت سے زائد چیز کو صدقہ کرنا فرض نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

رواں سال میں زکوٰۃ کا نصاب

رواں سال اسلامی زکوٰۃ کا نصاب اکیاون ہزار چھیاسی روپے (51,086) روپے مقرر کیا گیا ہے۔ (روزنامہ ایکسپریس کراچی ۱۹ جولائی ۲۰۱۲ء، ۲۸ شعبان ۱۴۳۳ھ، صفحہ اول)

اس حساب سے دوسو درہم اکیاون ہزار چھیاسی روپے کے برابر ہیں اور ایک درہم کی قیمت 255.43 روپے ہے۔ اور دس درہم کی قیمت 2554.3 روپے ہے اور یہ کم از کم شرعی مہر کی مقدار ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ (البقرہ: ۲۱۹-۲۲۰) اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات بیان فرماتا ہے تاکہ تم تدبر کرو ۝ دنیا اور آخرت کے کاموں میں۔

علامہ ماتریدی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ تم کو دنیا میں یہ آیات بیان فرماتا ہے تاکہ تم جان لو کہ یہ دنیا دار ابتلاء اور دار الفناء ہے اور آخرت دار جزاء اور بقا ہے، سو تم غور وفکر کرو اور دار جزاء اور دار البقاء کے لیے عمل کرو۔ حسن بصری نے کہا ہے یعنی جس نے یہ تفکر کیا کہ دنیا دار ابتلاء ہے اور آخرت دار البقاء ہے تو وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو گیا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۲ ص ۱۱۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

البقرہ: ۲۱۹-۲۲۰ کی تفسیر از امام بغوی

''العفو'' کا معنی اور ضرورت سے زائد مال کو خرچ کرنے کے متعلق احادیث میں ہدایات

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صدقہ کرنے پر برانگیختہ کیا تو مسلمانوں نے پوچھا کہ ہم کیا خرچ کریں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''العفو''۔

''العفو'' کے معنی میں اختلاف ہے، قتادہ، عطاء اور السدی نے کہا ہے کہ ''العفو'' کا معنی ہے: جو چیز ضرورت سے زائد ہو اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین محنت مزدوری کر کے مال کو حاصل کرتے تھے اور اپنے خرچ کی مقدار کو رکھ لیتے تھے اور باقی مال کو صدقہ کر دیتے تھے، تاکہ اس آیت کے حکم پر عمل ہو، پھر اس آیت کو زکوٰۃ کی آیت سے منسوخ کر دیا گیا ہے، اور مجاہد نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب آدمی کی پشت خوشحال ہو اس وقت وہ صدقہ کرے تاکہ اپنا سارا مال صدقہ کر کے وہ لوگوں پر بوجھ نہ بن جائے۔

حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو غنی کی پشت سے دیا جائے، اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے اور تم اپنے زیر کفالت لوگوں کو دینے سے خرچ کی ابتداء کرو۔

(صحیح البخاری: ۵۳۵۵، ۱۴۲۶، ۵۳۵۶، مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۲، ۴۷۸، ۲۷۶، ۵۲۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۶۶، ۴۷۱، سنن نسائی ج ۵ ص ۶۹، صحیح ابن حبان: ۳۳۶۳، ۴۲۴۲، شرح السنۃ: ۱۶۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اپنے اوپر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اپنی اولاد کے اوپر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کو اپنے اہل کے اوپر خرچ کرو یعنی اپنی بیوی پر، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے تو آپ نے فرمایا: اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کے متعلق اپنے علم سے خرچ کرو۔

(سنن ابوداؤد: ۱۶۹۱، مسند الشافعی ج ۲ ص ۶۳-۶۴، صحیح ابن حبان: ۴۲۳۳، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۱۵، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۶۶، سنن نسائی ج ۵ ص ۶۲، مسند احمد ج ۲ ص ۴۷۱، ۲۵۱، شرح السنۃ: ۱۶۷۹)

علامہ بغوی فرماتے ہیں: اس آیت میں ارشاد ہے:

''اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات بیان فرماتا ہے تا کہ تم تدبر کرو○ دنیا اور آخرت کے کاموں میں''۔ (البقرۃ: ۲۲۰-۲۱۹)

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے، لیکن یہ خطاب تمام امت کو شامل ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَآيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ۔ (الطلاق: ۱) اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے:) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو۔

اس آیت میں بھی خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن یہ حکم تمام امت کے لیے ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لیے نفقہ یعنی خرچ کرنے کے حکم کو بیان فرماتا ہے تا کہ تم دنیا اور آخرت میں غور کرو، تو تم اپنے اموال میں سے اس طرح خرچ کرو جو تمہارے لیے دنیا کی معاش میں اصلاح کا باعث ہو اور باقی اموال کو خرچ کرنے میں تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے اموال کو ان مدات میں خرچ کرو جس سے تم کو آخرت میں فائدہ ہو۔

اور اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات کو بیان فرماتا ہے تا کہ تم یہ غور و فکر کرو کہ دنیا زائل ہونے والی ہے اور فناء ہونے والی ہے، سو تم دنیا میں رغبت نہ کرو اور آخرت کی طرف متوجہ ہو جو باقی رہنے والی ہے اور آخرت میں فائدہ دینے والے کاموں میں رغبت کرو۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۸۱-۲۸۳ ملخصاً، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

البقرۃ: ۲۱۹-۲۲۰ کی تفسیر از علامہ ابن عطیہ اندلسی

علامہ ابو محمد عبد الحق بن عطیہ الاندلسی المتوفی ۵۴۱ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''العفو'' کا معنی ہے: نفلی نفقات اور البقرہ ۲۱۹ کا زکوٰۃ مفروضہ سے منسوخ ہونا اور اس آیت کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال اور ضرورت سے زائد مال کو خرچ کرنے کے متعلق احادیث

قیس بن سعد نے کہا ہے: یہ آیت زکوٰۃ مفروضہ سے متعلق ہے، یعنی ''العفو'' کا معنی ہے: ''زکوٰۃ مفروضہ''۔ اور جمہور علماء نے کہا ہے: بلکہ اس سے مراد نفلی نفقات ہیں اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ آیت فرضیت زکوٰۃ سے منسوخ ہو گئی ہے، اور بعض مفسرین نے کہا: بلکہ یہ آیت محکم ہے اور مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی حقوق ہیں۔

''اَلْعَفْو'' کا معنی ہے: جس مال کو مرد اپنی محنت سے حاصل کر کے خرچ کرے اور اس کے متعلق مفسرین کی عبارت یہ ہے۔ ''اَلْعَفْو'' ''عفا الشئی'' سے ماخوذ ہے، یعنی جب کوئی چیز بہت زیادہ ہو جائے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہاری ضروریات سے زائد جو مال ہو اس کو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اس خرچ کی وجہ سے تم اپنی جانوں کو ایذاء نہ دو حتیٰ کہ تم تنگدست ہو جاؤ۔

اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس آدمی کے پاس ضرورت سے زائد مال ہو، وہ اس کو اپنے اوپر خرچ کرے، پھر ان پر خرچ کرے جو اس کے زیر کفالت ہوں، پھر بھی اگر مال بچ جائے تو اس کو صدقہ کرو۔

اور نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے کہ جس کے بعد مسلمان خوش حال رہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ بہترین صدقہ وہ ہے کہ جو آدمی خوشحالی کی پشت سے ادا کرے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو یہ بیان کیا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں غور و فکر کریں اور یہی نجات کا طریقہ ہے۔

(المحرر الوجیز فی تفسیر کتاب العزیز ص ۱۹۳، دار ابن حزم ۱۴۲۳ھ)

البقرہ:۲۱۹ کی تفسیر از علامہ زمخشری

علامہ ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَلْعَفْو''، مشقت کی ضد ہے، یعنی مسلمان اس مال کو خرچ کرے جس کے حصول میں اس کو کوئی مشقت نہ اٹھانی پڑی ہو اور زیادہ کوشش نہ کرنی پڑی ہو۔

''اَلْعَفْو'' کا معنی اور تمام مال کو صدقہ کرنے کی مذمت

جو زمین نرم اور سہل ہو اس کو ''اَلْعَفْو'' کہا جاتا ہے۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد آیا جس کو کسی غزوہ میں سونے کا انڈا ملا تھا تو اس مرد نے کہا: آپ اس سونے کے انڈا کو لے لیجئے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا، تو وہ دائیں جانب سے آیا، پھر اسی کی مثل کہا، آپ نے پھر اعراض فرمایا، پھر وہ بائیں جانب سے آیا، آپ نے پھر اس سے اعراض فرمایا، پھر آپ نے ناراض ہو کر فرمایا: لاؤ، سونے کا انڈا دو اور اس کو لے کر آپ نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، پھر فرمایا: تم میں سے کوئی مرد اپنا تمام مال لے کر آتا ہے تا کہ وہ اس کو صدقہ کرے پھر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے لیے بیٹھ جاتا ہے، صدقہ صرف وہی عمدہ ہے جس کے بعد انسان خوشحال رہے۔

(سنن دارمی: زکوٰۃ ۳۹، ۲۵)، (تفسیر الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل ص ۱۲۸، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۳۰ھ)

البقرہ:۲۱۹ کی تفسیر از علامہ ابن الجوزی حنبلی

الامام ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفقہ کے متعلق سوال کرنے والے صحابی کا نام، اور العفو کا لغوی معنی اور ''العفو'' کے متعلق مفسرین کے پانچ اقوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفقہ کے متعلق سوال کیا، ان کا نام حضرت عمرو بن

الجموح رضی اللہ عنہ تھا، علامہ ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ اس آیت میں نفقہ سے مراد صدقہ اور عطاء ہے۔

الزجاج نے کہا ہے کہ لغت میں العفو کا معنی ہے: الکثرۃ اور الفضل یعنی کسی چیز کا ضرورت سے زائد ہونا۔ کہا جاتا ہے: ''قد عفا لقوم'' جب لوگ بہت زیادہ ہو جائیں اور العفو اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر مشقت کے حاصل ہو، اور علامہ ابن قتیبہ نے کہا ہے: العفو وہ مال ہے جو سہولت سے حاصل ہو، کہا جاتا ہے: ''خذ ما عفات'' یعنی جو مال تمہارے پاس سہولت سے آیا ہو اور اس میں تم کو کوئی جبر اور مشقت اٹھانی نہ پڑی ہو، اس کو لے لو۔

مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں العفو سے مراد پانچ اقوال ہیں:

(۱) جو مال مرد کی اپنی اور اپنے عیال کی ضرورت سے زائد ہو، اس قول کو مقسم نے از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔

(۲) جس مال کو لوگ اپنی خوشی سے عطا کریں، خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر ہو، اس قول کو عطیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(۳) جس مال کو اسراف اور اقتار یعنی فضول خرچی اور بخل کے بغیر خرچ کیا جائے، یہ قول حسن بصری، عطاء اور سعید بن جبیر کا ہے۔

(۴) اس سے مراد صدقہ مفروضہ ہے یعنی زکوٰۃ، یہ مجاہد کا قول ہے۔

(۵) یعنی جس مال کو خرچ کرنے کی مقدار لوگوں پر منکشف نہ ہو، کیونکہ عرب کہتے ہیں: ''عفا الاثر'' جب کوئی چیز مخفی ہو اور مٹ جائے۔ اس قول کو ہمارے شیخ نے متعدد مفسرین سے نقل کیا ہے۔

البقرہ: ۲۱۹ کے متعلق الناسخ والمنسوخ کی بحث

السدی نے اپنے شیوخ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت زکوٰۃ سے منسوخ ہوگئی ہے، یعنی پہلے ہر ضرورت سے زائد چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم تھا، پھر جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور دوسرے مفسرین نے اس کے منسوخ ہونے کا انکار کیا ہے۔

اور بعض مفسرین نے تفسیر کی ہے، انہوں نے کہا کہ جب البقرہ: ۲۱۹ سے ہر زائد مال کو صدقہ کرنا فرض ہو گیا تو زکوٰۃ کی آیت نازل ہونے کے بعد یہ آیت منسوخ ہوگئی، اور جب ہم یہ کہیں کہ یہ آیت زکوٰۃ مفروضہ پر محمول ہے جیسا کہ مجاہد نے کہا یا صدقہ مستحبہ پر محمول ہے تو پھر یہ آیت محکمہ ہے۔ (زاد المسیر فی علم التفسیر ص ۱۲۹، دار ابن حزم، بیروت ۱۴۲۳ھ)

البقرہ: ۲۱۹ کی تفسیر از علامہ سیوطی شافعی

حافظ جلال الدین سیوطی الشافعی متوفی ۹۱۱ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

البقرہ: ۲۱۹ کی تفسیر میں صحابہ کرام اور فقہاء تابعین کے اقوال اور تاویلات اور البقرہ: ۲۱۹ کے حکم کا منسوخ ہونا

امام ابن اسحاق اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب صحابہ کرام کی ایک جماعت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، سو انہوں نے کہا: ہم از خود نہیں جانتے کہ یہ کونسا نفقہ ہے جس کو ہمیں اپنے اموال میں سے خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو ہم اپنے اموال میں سے کس چیز کو خرچ کریں؟ تب یہ

آیت نازل ہوئی:

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ۔ (البقرہ:۲۱۹) یہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں؟ آپ کہیے: جو چیز ضرورت سے زائد ہو، (وہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں)۔

اور اس سے پہلے مسلمان اپنے مال میں سے خرچ کرتے تھے اور ان کو یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ کتنا مال صدقہ کریں اور کتنے مال میں سے از خود کھائیں۔

اور امام ابن ابی حاتم نے از ابان از یحییٰ روایت کی ہے کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس ان دونوں نے کہا: یارسول اللہ! ہمارے پاس غلام بھی ہیں اور ہمارے گھر والے بھی ہیں تو ہم اپنے اموال میں سے کتنا صدقہ کریں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اور امام ابن جریر اور امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم اور امام النحاس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا کہ العفو سے مراد وہ مال ہے جس کے خرچ کرنے کی مقدار کم و معلوم نہیں ہے، اور یہ حکم زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے نازل ہوا تھا۔

اور امام وکیع، سعید بن منصور، عبد بن حمید، امام ابن جریر، امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم وغیرہ نے امام الطبرانی اور امام بیہقی سے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: العفو سے مراد وہ چیز ہے جو تمہارے گھر والوں کی ضروریات سے زائد ہو اور دوسری روایت میں مذکور ہے کہ العفو سے مراد وہ مال ہے جو تمہارے بال بچوں کی ضروریات سے زائد ہو۔

اور امام ابن المنذر نے از عطاء بن دینار الہذلی روایت کی ہے کہ عبد الملک بن مروان نے حضرت سعید بن جبیر کو خط لکھا اور ان سے "العفو" کے متعلق سوال کیا تو حضرت سعید بن جبیر نے کہا: العفو کے تین معانی ہیں: (۱) گناہ سے درگزر کرنا (۲) میانہ روی سے خرچ کرنا (۳) لوگوں کے ساتھ احسان کرنا اور نیکی کرنا، مثلاً تنگ دست بیماروں کا علاج کرنا، ضرورت مندوں کو قرض دینا اور اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کی مدد کرنا۔

امام عبد بن حمید نے از ابن ابی نجیح از طاؤس روایت کی ہے: العفو کا معنی ہے: ہر چیز میں آسان خرچ کرنا۔

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ العفو کے متعلق کوئی مقدار معین نازل نہیں ہوئی، پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ (الاعراف:۱۹۹) آپ عفو و درگزر کا طریقہ اختیار کیجئے اور نیکی کا حکم دیجئے۔

پھر اس کے بعد فرائض سے متعلق احکام نازل ہوئے۔

امام ابن جریر نے السدی سے روایت کی ہے کہ البقرہ:۲۱۹ کو زکوٰۃ کی آیت نے منسوخ کر دیا۔

(الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ج ۱ ص ۵۶۹-۵۷۹، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

البقرہ: ۲۱۹، کی تفسیر از پیر محمد کرم شاہ الازہری

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری الحنفی المتوفی ۱۹۹۸ء اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جو تمہاری ضروریات سے زیادہ ہو یا جس کا خرچ کرنا تمہاری طبیعتوں پر بوجھ نہ ہو "العفو ما سهل وتيسر وفضل ولم يشق على القلب اخراجه" (قرطبی)، ایک شخص سونے کا انڈا لیے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میری طرف سے یہ صدقہ قبول فرمایئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا، وہ بار بار اصرار کرتا رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعراض فرماتے رہے۔ جب وہ باز نہ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ انڈا اس سے لے کر غصے سے دور پھینک دیا، اور اگر وہ اسے لگ جاتا تو اس کا سر پھوڑ دیتا، پھر اس حکیم و مشفق استاد اور مربی نے فرمایا: تم میں سے کوئی آتا ہے اور اپنا سارا مال خیرات کر دیتا ہے اور پھر لوگوں سے بھیک مانگنے لگتا ہے، صدقہ تو تب ہے جب احتیاج نہ ہو۔ نیز اس لفظ میں ان لوگوں کے لیے بھی درس عبرت ہے جن کے پاس بے حساب دولت ہے اور ان کے گردونواح اور پڑوس میں کئی غریب، مسکین اور محتاج زندگی کی اہم ضروریات کے لیے بھی ترس رہے ہوتے ہیں، وہ بھی یہ نہ سمجھیں کہ زکوۃ ادا کر کے اب وہ ہر قسم کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے ہیں بلکہ ان کی ضروریات سے زیادہ جو سرمایہ ہے، اس سے وہ اپنے اسلامی بھائیوں کی ضرور مدد کریں۔ بعض کا خیال ہے کہ زکوۃ سے پہلے یہ حکم تھا کہ ضرورت سے زیادہ مال صدقہ کر دیا کرو، لیکن زکوۃ کی فرضیت کے بعد یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ یہ رائے درست نہیں کیونکہ آیت زکوۃ جو سورۂ بقرہ کی ابتداء میں ہے، اس آیت سے پہلے نازل ہوئی، اس لیے وہ اس آیت کی ناسخ نہیں بن سکتی۔ (مظہری) نیز یہاں نسخ کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ زکوۃ فرضی صدقہ ہے اور یہ آیت نفلی صدقات کے بارے میں ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن، جلد اول ص ۱۵۰، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

البقرہ: ۲۱۹، کی تفسیر از مصنف

اب ہم اس آیت کو ذرا زیادہ گہرائی سے دیکھتے ہیں، اس آیت میں لفظ "عفو" سے استدلال کیا گیا ہے، ہم نے ائمہ تفسیر سے اس لفظ کے تین معانی نقل کیے ہیں: زائد از ضرورت، میانہ روی اور آسان۔ جن صحابہ، تابعین اور ائمہ تفسیر نے اس کا معنی زائد از ضرورت بیان کیا ہے انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ زائد از ضرورت مال خرچ کرنے کا حکم زکوۃ کی فرضیت اور اس کی مقدار بیان کرنے سے پہلے تھا، اور اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا، اور جن ائمہ تفسیر نے یہ بیان کیا کہ اس کا معنی ہے: راہِ خدا میں میانہ روی سے خرچ کرو یا جس کا خرچ کرنا آسان ہو اس کو خرچ کرو، سو اس معنی میں یہ حکم اب بھی باقی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر "عفو" کا معنی زائد از ضرورت ہے تو زکوۃ کی فرضیت کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اگر اس کا معنی ہے: میانہ روی سے خرچ کرنا یا جس کو خرچ کرنا آسان ہو اس کو خرچ کرنا تو یہ حکم اب بھی باقی ہے، ہم نے جو کچھ لکھا اس کی تائید حسب ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام بخاری اور امام نسائی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی رہے، اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے (یعنی سارا مال صدقہ نہ کرو کہ اس کے بعد بھیک مانگتے پھرو) خرچ کی ابتداء اپنے اہل و عیال سے کرو، بیوی کہے گی: یا مجھے نفقہ دو یا مجھے طلاق دو، خادم کہے گا: مجھے کھانا دو اور مجھ سے کام لو، بیٹا کہے گا: مجھے

کھلاؤ! تم مجھے کس پر چھوڑتے ہو؟

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اپنی ضروریات سے زائد کل مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا شرعاً محمود اور مستحسن بھی نہیں ہے۔ اگر ہر شخص پر یہ لازم ہوتا کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد چیز خدا کی راہ میں دے دے تو کوئی شخص صاحب نصاب نہ ہوتا نہ کسی کے نصاب پر سال گزرتا اور پھر زکوٰۃ کا فرض کرنا بالکل لغو اور بے فائدہ ہوتا، نہ کسی شخص پر قربانی واجب ہوتی نہ کسی پر حج فرض ہوتا، نہ صدقۂ فطر ہوتا تو پھر قربانی اور حج کی مشروعیت کے احکام بھی عبث ہوتے، کیونکہ جب مال جمع کرنا شرعاً جائز ہی نہیں ہے تو پھر ان احکام کے کیا معنی؟ اور عشر اور نصف عشر کے احکام صحیح نہ ہوتے، یہ حکم نہ ہوتا کہ اپنی زرعی پیداوار کا دسواں حصہ راہِ خدا میں دو بلکہ یہ حکم ہوتا کہ اپنی ضرورت کا غلہ رکھ کر باقی سارا غلہ راہِ خدا میں دے دو، چور کا ہاتھ کاٹنا بھی غلط ہوتا بلکہ الٹا چور مالک سے باز پرس کرتا کہ تم نے اتنا مال جمع ہی کیوں کیا جس کو چرایا جا سکے، غرضیکہ سوشلسٹ علماء کے مزعوم کے مطابق اگر اس آیت کی (بزعمِ خود) تفسیر کی گئی تو ساری شریعت اسلامیہ ہی غلط ہو جائے گی، العیاذ باللہ! (تبیان القرآن ج اول ص ۷۷۹-۸۰ طبع ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

نفقات کے متعلق احادیث اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے محامل اور مصارف اور خرچ کرنے کی فضیلت میں چالیس (۴۰) احادیث مبارکہ

(۱) امام بخاری اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد انسان خوشحال رہے اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے اور جب تم خرچ کرو تو اپنے زیر پرورش لوگوں سے ابتداء کرو، عورت کہے گی: یا تو تم مجھے کھلاؤ اور یا مجھے طلاق دو اور نوکر کہے گا: تم مجھے کھانا کھلاؤ یا مجھ سے کام کراؤ اور بیٹا کہے گا: مجھے کھانا کھلاؤ، تم مجھے کس کے سپرد کرتے ہو؟

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۳۴، باب الصدقۃ عن ظہر غنی)

(۲) امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جو خوش حالی سے دیا جائے اور اپنے زیر پرورش لوگوں سے ابتداء کرو۔

(صحیح البخاری: ۱۴۲۶، صحیح مسلم: ۱۰۳۴، سنن نسائی: ۲۵۳۴، سنن ابوداؤد: ۱۶۷۶، مسند احمد: ۷۰۹۸، سنن دارمی: ۱۶۵۱)

(۳) امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن جریر، امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنے اوپر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو، اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنی بیوی پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، تو آپ نے فرمایا: اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے تو آپ نے فرمایا: اس کے متعلق تم خود بصیرت رکھتے ہو۔

(سنن ابوداؤد: ۱۶۹۱، مسند الشافعی ج ۲ ص ۶۳-۶۴، صحیح ابن حبان: ۳۳۳۴، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۱۵، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۶۶، سنن نسائی ج ۵ ص ۶۲، مسند احمد ج ۲ ص ۴۷۱، ۲۵۱، شرح السنۃ: ۱۶۷۹)

(۴) امام محمد بن اسحاق، امام ابوداؤد اور امام حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو آپ کی خدمت میں ایک مرد حاضر ہوا اور وہ کبوتر کے انڈے کے برابر سونا لے کر آیا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے یہ سونا معدنیات میں سے ملا ہے، آپ نے فرمایا: اس کو تم رکھ لو، اس نے کہا: یہ صدقہ ہے اور میں اس کے علاوہ اور کسی چیز کا مالک نہیں ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا، وہ پھر آپ کے پیچھے سے آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سونے کو لے کر پھینک دیا، اور اگر وہ سونا اس مرد کو لگ جاتا تو اس کو بہت تکلیف ہوتی یا وہ مرد زخمی ہو جاتا، پھر آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس چیز کو لے کر آتا ہے جو اس کی ملکیت میں ہوتی ہے، پھر کہتا ہے کہ یہ صدقہ ہے، پھر صدقہ کرنے کے بعد وہ بیٹھ کر لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائے گا، بہترین صدقہ وہ ہے جو خوش حالی کے بعد کیا جائے اور اپنے زیر پرورش لوگوں سے خرچ کرنے کی ابتداء کرو۔ (سنن ابوداؤد: ۱۶۷۳، سنن نسائی: ۲۵۶۶)

(۵) امام بخاری اور امام مسلم نے از حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے اور تم خرچ میں اپنے زیر کفالت لوگوں سے ابتداء کرو اور بہترین صدقہ وہ ہے جو خوش حالی کے بعد ہو، اور جو سوال سے رکتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو روکے رکھتا ہے اور جو لوگوں سے مستغنی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو غنی کر دیتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۲۷، صحیح مسلم: ۱۰۳۴، سنن نسائی: ۲۵۴۴، سنن ابوداؤد: ۱۶۷۶، مسند احمد: ۸۹۷۰، سنن دارمی: ۱۶۵۱)

(۶) امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد سے فرمایا: تم اپنے آپ سے خرچ کی ابتداء کرو اور اپنے اوپر صدقہ کرو، پس اگر کوئی چیز بچ جائے تو وہ تمہارے اہل کے لیے ہے، پھر اگر کوئی چیز بچ جائے تو وہ تمہارے رشتہ داروں کے لیے ہے، پھر دیگر رشتہ داروں کے لیے ہے۔

(صحیح مسلم: ۹۹۷، سنن نسائی: ۲۵۴۲، مسند احمد: ۱۴۲۷۷، ۱۴۹۷۴)

(۷) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد مسجد میں داخل ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ اس کے لیے کپڑے پھینکیں، تو صحابہ نے کپڑے پھینکے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ ان میں سے دو کپڑے لے لو، پھر آپ نے صحابہ کو صدقہ کرنے پر برانگیختہ کیا، پھر ایک مرد آیا اور اس نے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑا پھینکا تو آپ نے اس مرد سے فرمایا: تم ان کپڑوں میں سے ایک کپڑا اٹھا لو۔ (سنن ابوداؤد: ۱۶۷۵، سنن ترمذی: ۵۱۱، سنن نسائی: ۲۵۳۵)

(۸) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا، اس دن اتفاق سے میرے پاس بہت مال تھا تو میں نے دل میں کہا: اگر میں کسی دن ابوبکر پر سبقت کر سکتا ہوں تو آج صدقہ کروں گا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کتنا رکھا ہے، میں نے عرض کیا: اتنا ہی رکھا ہے، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے، اور وہ جتنا بھی مال تھا سب لے آئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا بچا کر رکھا ہے، تو انہوں نے کہا: میں نے اللہ اور اس کے رسول کو ان کے لیے بچا کر رکھا ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے دل میں کہا کہ میں ابوبکر پر کبھی بھی سبقت نہیں کر سکوں گا۔ (سنن ابوداؤد: ۱۶۷۸، سنن ترمذی: ۳۶۷۵)

(۹) امام ابن عدی اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبد الرحمن بن عوف سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے ابن عوف! تم مال دار لوگوں میں سے ہو اور جنت میں جو بھی جائے گا وہ سرین کے بل گھسٹتا ہوا جائے گا، سو تم اللہ کو

قرض دو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے قدموں سے چلنا آسان کر دے، انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! میں کیا قرض دوں؟ آپ نے فرمایا: تمہیں شام کو جو سونا حاصل ہوا ہے، وہ اللہ کی راہ میں دو، انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا میں اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں خرچ کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، پھر حضرت ابن عوف چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکر میں تھے تو آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: عبد الرحمن بن عوف کو حکم دو کہ وہ مہمان کی مہمان نوازی کریں اور مساکین کو کھانا کھلائیں اور سائل کو عطا کریں اور اپنے زیرِ کفالت لوگوں سے خرچ کی ابتداء کریں، سو جب انہوں نے ایسا کر لیا تو اس سے ان کا تزکیہ ہو جائے گا۔

(کنز العمال: ۱۶۱۴۱، مسانید ج ۲ ص ۵۲۹)

نفقات کے متعلق دیگر احادیث، خرچ کرنے کی فضیلت اور خرچ نہ کرنے کی مذمت اور صدقہ کی فضیلت

(۱۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہوتا تو مجھے اس سے خوشی ہوتی کہ مجھ پر تین راتیں نہ گزریں اور میرے پاس ان میں سے کچھ بھی باقی رہے، سوا اس چیز کے جس کو میں قرض کی ادائیگی کے لیے رکھ لوں۔ (صحیح البخاری: ۲۳۸۹، صحیح مسلم: ۹۹۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۳۲، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۶)

(۱۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر روز جب بندے صبح کرتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس مال کا بدلہ عطا فرما اور دوسرا دعا کرتا ہے: اے اللہ خرچ نہ کرنے والے کے مال کو ضائع کر دے۔ (صحیح البخاری: ۱۴۴۲، صحیح مسلم: ۱۰۱۰، مسند احمد: ج ۲ ص ۳۰۵)

(۱۲) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم خرچ کرو اور گن گن کے نہ رکھو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے لیے گن گن کے رکھے گا اور تم مال کو جمع نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے لیے مال کو جمع کرے گا اور جتنا ہو سکتا ہے تم خرچ کرو۔ (صحیح البخاری: ۲۵۹۱، صحیح مسلم: ۱۰۲۹، مسند احمد: ج ۶ ص ۳۵۴)

(۱۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! تم خرچ کرو، میں تم پر خرچ کروں گا۔ (صحیح البخاری: ۵۳۵۲، صحیح مسلم: ۹۹۳، مسند احمد: ج ۲ ص ۲۴۲)

(۱۴) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن آدم! تم ضرورت سے زائد چیز کو خرچ کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم اس کو روک کے رکھو گے تو یہ تمہارے لیے شر ہے، اور بقدرِ ضرورت خرچ کرنے پر تمہیں ملامت نہیں کی جائے گی اور خرچ کرنے کی ابتداء اپنے زیرِ کفالت لوگوں سے کرو۔ (صحیح مسلم: ۱۰۳۶)

(۱۵) حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کرو، کیونکہ تم پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک مرد اپنے صدقہ کو لے کر جائے گا تو اس سے اس صدقہ کو قبول کرنے والا کوئی شخص نہیں ملے گا اور کوئی شخص یہ کہے گا: اگر تم کل آتے تو میں یہ صدقہ قبول کر لیتا لیکن آج مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱۱، صحیح مسلم: ۱۰۱۱، سنن نسائی: ۲۵۵۵، مسند احمد: ج ۴ ص ۳۰۶)

(۱۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! کون سے صدقہ کا سب سے زیادہ اجر ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اس وقت صدقہ کرو جب تم تندرست ہو اور تمہیں مال کی ضرورت ہو اور تمہیں فقر کا خوف ہو اور تمہیں خوش حالی کی امید

ہو اور صدقہ کرنے کو مہلت نہ دیتے رہو حتیٰ کہ جب تمہاری روح حلقوم تک پہنچ جائے تو تم کہو یہ مال فلاں کے لیے ہے اور یہ مال فلاں کے لیے ہے اور یہ ثواب فلاں کے لیے ہو ہی جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱۹، صحیح مسلم: ۱۰۳۲، سنن نسائی: ۲۵۴۲، مسند احمد: ج ۲ ص ۲۳۱)

(۱۷) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے، جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: رب کعبہ کی قسم! وہ ضرور نقصان اٹھانے والے ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے باپ اور میری ماں قربان ہوں، وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو بہت زیادہ مال جمع کرتے ہیں، سوا ان کے جو اس طرح اور اس طرح اور اس طرح خرچ کرتے ہیں، اپنے آگے سے، اپنے پیچھے سے اور اپنی دائیں جانب سے اور اپنی بائیں جانب سے، اور فرمایا: یہ بہت کم لوگ ہیں۔

(صحیح البخاری: ۶۶۳۸، صحیح مسلم: ۹۹۰، سنن ترمذی: ۶۱۷، سنن نسائی: ۲۴۴۰، مسند احمد: ج ۵ ص ۱۵۲)

(۱۸) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سخی مرد اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے اور جنت کے قریب ہوتا ہے، اور لوگوں کے قریب ہوتا ہے اور دوزخ سے دور ہوتا ہے اور بخیل مرد اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے اور جنت سے دور ہوتا ہے اور لوگوں سے دور ہوتا ہے اور دوزخ کے قریب ہوتا ہے اور جاہل سخی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبادت گزار بخیل سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۹۶۱)

(۱۹) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں ایک درہم خرچ کرے یا صدقہ کرے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ موت کے وقت سو درہم صدقہ کرے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۸۶۶)

(۲۰) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی مثال جو اپنی موت کے وقت صدقہ کرتا ہے یا غلام آزاد کرتا ہے، اس شخص کی طرح ہے جو سیر ہونے کے بعد صدقہ کرتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۹۶۸، سنن ترمذی: ۲۱۲۳، سنن نسائی: ۳۶۱۴، سنن دارمی: ۳۲۲۶، مسند احمد: ج ۵ ص ۱۹۷)

(۲۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوتیں، بخل اور بدخلقی۔ (سنن ترمذی: ۱۹۶۲)

(۲۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں دغاباز داخل نہ ہوگا، اور نہ بخیل داخل ہوگا اور نہ احسان جتلانے والا داخل ہوگا۔ (سنن ترمذی: ۱۹۶۳، مسند احمد: ج ۱ ص ۷)

(۲۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد کی بدترین خصلت یہ ہے کہ وہ بخیل اور ڈرپوک ہو اور بزدل ہو اور اپنی جگہ سے ہٹنے والا ہو۔ (سنن ابوداؤد: ۲۵۱۱، مسند احمد: ج ۲ ص ۳۰۲)

(۲۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مرد نے کہا: میں ضرور صدقہ کروں گا، وہ اپنا صدقہ لے کر گھر سے نکلا اور کسی چور کے ہاتھ میں رکھ دیا تو صبح لوگ باتیں کرنے لگے کہ آج رات ایک چور پر صدقہ کیا گیا، اس مرد نے کہا: اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے کہ میں نے چور پر صدقہ کیا، میں ضرور صدقہ کروں گا، پھر وہ صدقہ لے کر نکلا اور ایک زانیہ کے

ہاتھ پر صدقہ رکھ دیا تو صبح لوگوں نے باتیں کیں کہ آج رات ایک زانیہ پر صدقہ کیا گیا، اس نے کہا: اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے کہ میں نے ایک زانیہ پر صدقہ کیا، میں ضرور صدقہ کروں گا، پھر وہ نکلا اور اس نے ایک مالدار کے ہاتھ پر صدقہ کر دیا، پھر لوگوں نے باتیں کیں کہ آج رات ایک مالدار پر صدقہ کیا گیا، اس نے کہا: اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے کہ میں نے ایک چور پر صدقہ کیا، اور زانیہ پر صدقہ کیا اور ایک مالدار پر صدقہ کیا، پھر اس کے پاس ایک فرشتے نے آ کر بتایا: تم نے جو چور پر صدقہ کیا تو شاید وہ چوری سے باز آ جائے، اور تم نے جو زانیہ پر صدقہ کیا، شاید کہ وہ زنا سے باز آ جائے، اور تم نے جو مالدار پر صدقہ کیا تو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے جو مال دیا ہے، وہ اس میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۲۱، صحیح مسلم: ۱۰۲۲، سنن نسائی: ۲۵۲۳، مسند احمد: ج ۲ ص ۳۲۲)

(۲۵) حضرت ام بجید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک مسکین میرے دروازہ پر کھڑا ہوتا ہے حتیٰ کہ مجھے حیاء آتی ہے اور میں اپنے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتی جو اس کے ہاتھ پر رکھ دوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ بھی تمہارے ہاتھ میں ہے، وہ اس کو دو، خواہ وہ بکری کا جلا ہوا پایا کیوں نہ ہو۔

(سنن ابوداؤد: ۱۶۶۷، سنن ترمذی: ۶۶۵، سنن نسائی: ۲۵۷۴، مسند احمد: ج ۶ ص ۳۸۳)

(۲۶) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام نے بیان کیا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو گوشت کا ایک پارچہ صدقہ کیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت پسند تھا، تو انہوں نے خادم سے کہا: اس کو گھر میں رکھ دو شاید کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کھائیں، تو انہوں نے گوشت کے اس پارچہ کو گھر کے ایک طاق میں رکھ دیا اور ایک سائل آ کر دروازہ پر کھڑا ہوا، اس نے کہا: صدقہ کریں اللہ تعالیٰ آپ کو اس میں برکت دے گا، تو گھر والوں نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے، وہ سائل چلا گیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے، آپ نے پوچھا: اے ام سلمہ! کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! انہوں نے خادم سے کہا: جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ گوشت کا پارچہ لے آؤ، وہ خادمہ گئیں تو اس طاق میں صرف پتھر کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا پایا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہی گوشت ہے جو پتھر کا ٹکڑا بن گیا کیونکہ تم نے سائل کو گوشت نہیں دیا تھا۔ (مشکوٰۃ: ۱۸۸۰، بحوالہ دلائل النبوۃ للبیہقی)

(۲۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدترین مرد کون ہے؟ عرض کیا گیا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: جس شخص سے اللہ تعالیٰ کے نام سے سوال کیا جائے اور وہ اس کو نہ عطا کرے۔ (سنن نسائی: ۲۵۶۹، سنن دارمی: ۲۳۹۵)

(۲۸) حضرت عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں مدینہ میں عصر کی نماز پڑھی، آپ نے سلام پھیرا، پھر آپ جلدی سے کھڑے ہو گئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے نکلے اور اپنی ازواج کے کسی حجرہ میں چلے گئے، سو لوگ آپ کے جلد جانے سے گھبرائے، پھر لوگ آپ کے پاس آئے اور آپ نے فرمایا: تم کو میرے جلد جانے سے تعجب ہوا ہے، آپ نے فرمایا: مجھے یاد آیا کہ میرے پاس سونے کا ایک ٹکڑا ہے، میں نے ناپسند کیا کہ وہ سونے کا ٹکڑا مجھے اپنے پاس مشغول رکھے تو میں نے حکم دیا کہ اس سونے کو تقسیم کر دیا جائے۔ (صحیح البخاری: ۱۴۳۰، سنن نسائی: ۱۳۶۵، مسند احمد: ج ۴ ص ۷)

(۲۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کی بیماری کے ایام میں چھ یا سات دینار تھے، رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کو تقسیم کروں، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی وجہ سے مشغول رہی، پھر آپ نے مجھ سے ان دیناروں کے متعلق سوال کیا کہ تم نے ان چھ یا سات دیناروں کا کیا کیا؟، انہوں نے بتایا کہ اللہ کی قسم! میں آپ کی مرض کی وجہ سے مشغول رہی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دیناروں کو منگوایا اور ان کو ہاتھوں میں رکھا اور آپ نے فرمایا: اللہ کے نبی کے متعلق یہ گمان کرتی ہو کہ وہ اللہ سے ملاقات کرے اور ان کے پاس یہ دینار ہوں۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۴)

(۳۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کے پاس کھجوروں کا ایک ڈھیر تھا، آپ نے پوچھا: اے بلال یہ کیسا ڈھیر ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یہ وہ کھجوریں ہیں جن کو میں نے کل کے لیے ذخیرہ کر کے رکھا ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس سے نہیں ڈرتے کہ کل قیامت کے دن تم جہنم کی آگ میں دھوئیں کو دیکھو۔ اے بلال! خرچ کرو اور عرش والے سے کمی کرنے کا خوف نہ کرو۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۱۳۴۶)

(۳۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سخی مردوں کے لیے جنت میں ایک درخت ہے، سو جو شخص سخی ہوگا وہ اس درخت کی ایک شاخ کو پکڑے گا، پھر اس شاخ کو نہیں چھوڑے گا حتیٰ کہ وہ شاخ اس کو جنت میں داخل کر دے گی، اور بخیل کے لیے دوزخ میں ایک درخت ہے، سو جو شخص بخیل ہوگا وہ اس کی ایک شاخ کو پکڑے گا، پھر جب وہ اس شاخ کو چھوڑے گا تو وہ شاخ اس کو دوزخ میں داخل کر دے گی۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۱۰۸۷۶)

(۳۲) حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کرنے میں جلدی کرو، کیونکہ مصائب صدقات سے تجاوز نہیں کرتے۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۳۳۵۳)

(۳۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے عطا فرما رہے تھے تو میں کہتا: آپ فلاں مرد کو دے دیں وہ مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے، آپ فرماتے: تم اس مال کو لے لو، جب تمہارے پاس یہ مال اس حال میں آئے کہ تم اس مال کی طرف جھکنے والے نہ ہو، نہ سوال کرنے والے ہو، تم اس مال کو لے کر اپنی ملکیت میں رکھو، پھر اگر چاہو تو سارا مال رکھو اور اگر چاہو تو اس کو صدقہ کر دو، اور جو اس طرح نہ ہو تو تم اس مال کے درپے نہ ہو، سالم بن عبداللہ بن عمر نے کہا: پس اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کسی شخص سے سوال نہیں کرتے تھے اور جو شخص ان کو کوئی چیز دیتا تو اس کو رد نہیں کرتے تھے۔
(صحیح البخاری: ۱۴۷۳، صحیح مسلم: ۱۰۴۵، سنن نسائی: ج ۵ ص ۱۰۵)

(۳۴) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، وہ شخص ملعون ہے جس نے اللہ کے نام سے سوال کیا، اور وہ شخص ملعون ہے جس سے اللہ کے نام سے سوال کیا گیا، پھر اس نے سائل کو منع کر دیا۔
(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۰۳)

(۳۵) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نام سے صرف جنت کا سوال کیا جائے۔
(سنن ابوداؤد: ۱۶۷۱، المقاصد الحسنۃ: ۱۳۲۳)

(۳۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنی حلال کمائی سے کھجور کا ایک ٹکڑا صدقہ کیا، اور اللہ تعالیٰ صرف حلال کی کمائی سے صدقہ کو قبول فرماتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس صدقہ کو بڑھاتا رہتا ہے جیسے تم میں کوئی شخص اپنے

گھوڑے کی مالش کر کے اس کو بڑھاتا ہے، حتیٰ کہ وہ کھجور کا ٹکڑا پہاڑ کی طرح ہو جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱۰، صحیح مسلم: ۱۰۱۴، سنن نسائی: ج ۵ ص ۵۷، سنن ترمذی: ۶۶۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۲، صحیح ابن خزیمہ: ۲۴۲۵)

(۳۷) حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بندہ روٹی کے ایک ٹکڑہ کو صدقہ کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑھتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ احد پہاڑ جتنا ہو جاتا ہے۔ (مجمع الزوائد: ج ۳ ص ۱۱۰-۱۱۱)

(۳۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں ہوتی اور معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ عزت کو زیادہ کرتا ہے اور جو شخص بھی اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے، اللہ عزوجل اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۵۸۸، سنن ترمذی: ۲۰۲۹)

(۳۹) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لوگو! مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو اور نیک اعمال میں سبقت کرو اور اللہ تعالیٰ کا کثرت کے ساتھ ذکر کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو اور خفیہ اور پوشیدہ صدقہ بہ کثرت کرو، تمہیں رزق دیا جائے گا اور تمہاری مدد کی جائے گی اور تمہارے نقصان کو پورا کیا جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۰۸۱، الترغیب والترہیب: ۹۱)

(۴۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کے گھر والوں نے ایک بکری کو ذبح کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اس میں سے کیا باقی ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: صرف ایک دستی باقی ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کل باقی ہے، سوا اس دستی کے، (یعنی جو اللہ کی راہ میں دے دیا جائے وہ باقی ہے اور جو اپنے لیے رکھ لیا جائے وہ فانی ہے)۔ (سنن ترمذی: ۲۴۷۰)

نفقات یعنی خرچ کرنے کی فضیلت اور خرچ نہ کرنے کی مذمت میں احادیث بہت زیادہ ہیں، لیکن ہم نے صرف چالیس احادیث کے ذکر کرنے پر اکتفاء کی ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: اس کے لیے بشارت ہے کہ جو شخص میری امت کو میری چالیس حدیثیں پہنچائے گا، قیامت کے دن اس کا حشر علماء میں کیا جائے گا، اس بشارت کے پیش نظر میں نے تبیان القرآن اور نعمۃ الباری میں متعدد عنوانات پر چالیس احادیث کو جمع کیا ہے، اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو بخش دے اور میرا حشر قیامت کے دن علماء اور فقہاء کے گروہ میں کرے۔ آمین یارب العالمین

نفقات کے متعلق فقہاء شافعیہ کے نظریات، نفقات کے مسائل اور دیگر تحقیقات

علامہ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر الشافعی النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

زیر کفالت لوگوں پر مال خرچ نہ کرنے پر وعید

وہب بن جابر بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس تھا تو ان کا غلام کھانا لے کر آیا، انہوں نے پوچھا: تم نے اپنے گھر والوں کو کھانا دے دیا ہے؟، اس نے کہا: نہیں! انہوں نے فرمایا: جاؤ ان کو کھانا دو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: کسی آدمی کے گناہ گار ہونے کے لیے کافی ہے کہ جن کی روزی اس پر واجب ہے اس کو وہ ضائع کر دے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۶۸۹، مسند احمد: ج ۲ ص ۱۶۰، مسند الحمیدی: ۵۹۹)

عورتوں اور بیویوں کے ساتھ احسان کرنے کی ترغیب کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومنوں میں سب سے کامل ایمان والا یا سب سے افضل ایمان والا وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں، اور تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیویوں کے ساتھ بہترین ہو۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۶ ص ۸۸، سنن ابوداؤد: ۴۶۸۲، سنن ترمذی: ۱۱۶۲، مسند احمد: ج ۲ ص ۲۵۰، صحیح البخاری: ۳۵۵۹، صحیح مسلم: ۲۱۲۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہو۔ (سنن ترمذی: ۳۸۹۵، سنن دارمی: ۲۲۶۰، صحیح ابن حبان: ۴۱۷۷)

میانہ روی سے خرچ کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۝ (الفرقان: ۶۷)

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ وہ فضول خرچ کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا میانہ روی سے ہوتا ہے۝

از ابوالاحوص از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میانہ روی سے کام لیا، وہ فقر میں مبتلا نہیں ہوگا۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۶ ص ۲۵۲، المعجم الاوسط: ۵۰۹۴، مسند احمد: ج ۱ ص ۴۴۷، المعجم الکبیر: ۱۰۱۱۸، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۵۵)

خوش حال اور تنگدست کے خرچ کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ شوہر کے اوپر بیوی کا کتنا خرچ دینا فرض ہے، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ وہ ہر روز ایک کلو گندم اپنی بیوی کو خرچ دے۔ (المنتقیٰ ج ۵ ص ۴۳۸، باب فی قدر النفقۃ)

اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے: جو شخص تنگ دست ہو وہ اپنے شہر کی روزی سے اس کو گندم دے یا جو دے یا جوار دے یا زیتون کا تیل دے یا گھی دے، جو تقریباً تیس کلو کے برابر ہو، اور یہ خرچ خوش حال شخص کے لیے اپنی وسعت کے مطابق ہے اور تنگ دست کے لیے اپنی گنجائش کے مطابق ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۱۲۹)

علامہ ابراہیم بن المنذر شافعی متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ جو فقہاء بیوی کے خرچ میں تحدید کو فرض نہیں قرار دیتے، ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند سے فرمایا کہ تم ابوسفیان کے مال سے اتنا لے لیا کرو جتنا تمہارے لیے اور تمہاری اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۷۱۸۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱۴)

اور فقہاء احناف نے یہ کہا ہے: اس کی کوئی مقدار معین نہیں ہے، یہ ہر شخص کی حیثیت کے مطابق ہے۔

والدین پر خرچ کرنے کے احکام

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پاکیزہ رزق وہ ہے جو مرد اپنی کمائی سے کھاتا ہے اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی سے ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۰، سنن ابن ماجہ: ۲۱۳۷، سنن نسائی: ۴۴۶۱، سنن ابوداؤد: ۳۵۲۲)

علامہ ابراہیم بن المنذر الشافعی النیشاپوری متوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں کہ امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور سفیان ثوری اور حسن بن صالح اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے اصحاب نے کہا اور اسی طرح امام احمد اور اسحاق اور ابوثور نے کہا کہ کسی شخص کے لیے اپنے والدین کے اوپر خرچ کرنا واجب ہے، اور اس مسئلہ میں ہمیں کسی اختلاف کا علم نہیں ہے۔

(بدائع الصنائع، ج ۴ ص ۳۰ (فصل فی نفقۃ الاقارب)، کتاب الام للشافعی ج ۵ ص ۱۲۸، المدونہ ج ۲ ص ۲۶۳ (باب فی نفقۃ الولد علی الوالد).)

باپ کے اوپر اولاد کے خرچ کا واجب ہونا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ہند ام معاویہ رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا: یا رسول اللہ! ابوسفیان بخیل مرد ہیں اور وہ مجھے اتنا نہیں دیتے جو میرے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو، مگر وہ جو میں چپکے سے ان کے مال سے نکال لوں اور ان کو علم نہ ہو، کیا اس سے مجھ پر کوئی حرج ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اتنی مقدار لے لو جو تمہارے اور تمہاری اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو۔ (مسند الشافعی ص ۲۸۸، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۷۰، صحیح البخاری: ۷۱۸۰، مسند احمد ج ۶ ص ۳۹، صحیح مسلم: ۱۷۱۴)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، ج ۹ ص ۸۴-۵۲، ملخصاً وملتقطاً، دار الفلاح، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

نفقات کے متعلق فقہاءِ حنبلیہ کے نظریات، نفقات کے مسائل اور دیگر تحقیقات

علامہ موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ھ، ان مسائل کے متعلق لکھتے ہیں:

بیوی کا نفقہ یعنی اس پر خرچ کرنا، کتاب سنت اور اجماع سے واجب ہے، کتاب کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (الطلاق: ۷)

صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا ۝

اور اس کے متعلق حدیث درج ذیل ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خطبہ دیا، پس فرمایا: تم لوگ اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرو، کیونکہ وہ بیویاں تمہاری مددگار ہیں، تم نے ان کو اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے، اور تم نے ان کی فروج کو اللہ کے حکم سے حلال کیا ہے اور ان بیویوں کے لیے تم پر ان کا رزق اور ان کا لباس دستور کے مطابق واجب ہے۔ (صحیح مسلم: ۸۹۲، سنن ابوداؤد: ۱۹۰۵)

حضرت عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! تمہارے لیے تمہاری بیویوں کے حقوق ہیں اور تمہاری بیویوں کے تم پر حقوق ہیں، تمہارا تمہاری بیویوں پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر اس کو نہ آنے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے گھروں میں اس کو نہ آنے دیں جس کے آنے کو تم ناپسند کرتے ہو اور سنو تم پر تمہاری بیویوں کا حق یہ ہے کہ تم ان کے لباس میں اور ان کے طعام میں ان کے ساتھ احسان کرو۔

(سنن ترمذی: ۱۱۶۳، سنن ابن ماجہ: ۱۸۵۱، سنن نسائی: ۲۸۷، زاد المعاد ج ۵ ص ۹۷، مسند احمد ج ۵ ص ۷۳، ۷۲، ۱۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

نیز اس مسئلہ میں حضرت ہند زوجہ ابوسفیان رضی اللہ عنہا کی بھی حدیث ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۳۶۴، صحیح مسلم: ۱۷۱۴، سنن نسائی: ج ۸ ص ۲۴۷، سنن ابن ماجہ: ۲۲۹۳، مسند احمد: ج ۶ ص ۳۹، سنن بیہقی: ج ۷ ص ۴۶۶، ج ۱۰ ص ۱۴۱، ۲۷۰)

رہا اس مسئلہ میں اجماع، تو تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ بیویوں کے نفقات ان کے شوہروں پر واجب ہیں، سوا اس کے کہ ان کی بیویاں نافرمان ہوں۔

بیویوں پر خرچ کرنے کی مقدار اور امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس خرچ کی کوئی مقدار معین نہیں ہے

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، نے کہا ہے کہ بیویوں پر خرچ کرنا انسان کی حیثیت کے مطابق فرض کیا گیا ہے اور انسان کی حیثیت کے اعتبار سے یہ حکم مختلف ہوتا ہے۔

امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ غریب شخص کے اوپر ایک کلو طعام دینا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفارہ قسم میں ایک مد کو واجب کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ (المائدہ: ۸۹) جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔

نیز امام شافعی نے کہا کہ جو شخص خوشحال ہو اس پر دو کلو طعام دینا ہر روز واجب ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس میں مقدار معین نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہند رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم ابوسفیان کے مال سے اتنا لے لو جو تمہاری اور تمہاری اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خرچ میں کسی مقدار کو معین نہیں فرمایا۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کی ماؤں کا روٹی اور کپڑا ہے جو (البقرہ: ۲۳۳) دستور اور رواج کے مطابق ہو۔

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے بچوں کی ماؤں کے لیے کسی خرچ کی مقدار کو معین نہیں فرمایا۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیویوں کے لیے تم پر ان کا رزق اور ان کا لباس دینا دستور کے مطابق واجب ہے۔ (صحیح مسلم: ۸۹۲، سنن ابوداؤد: ۱۹۰۵)

اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کے خرچ کے لیے کسی مقدار کو معین نہیں فرمایا۔

(المغنی ج ۱۱ ص ۱۷۴-۱۷۷، ملخصاً وملتقطاً، دار الحدیث القاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

نفقات کے متعلق فقہاء احناف کے نظریات، نفقات کے مسائل اور دیگر تحقیقات

علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

مصنف نے کہا: خاوند کے اوپر بیوی کا نفقہ واجب ہے، مسلمان ہو یا کافرہ ہو۔ جب بیوی نے اپنے نفس کو خاوند کے گھر میں سپرد کر دیا تو خاوند کے اوپر اس کا نفقہ یعنی خرچ اور اس کا لباس اور اس کی رہائش واجب ہے، اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (الطلاق:۷)

صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ (البقرہ:۲۳۳)

جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کی ماؤں کا روٹی اور کپڑا ہے جو دستور اور رواج کے مطابق ہو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حجۃ الوداع میں یہ ارشاد ہے:

حضرت عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! تمہارے لیے تمہاری بیویوں کے حقوق ہیں اور تمہاری بیویوں کے تم پر حقوق ہیں، تمہارا تمہاری بیویوں پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر اس کو نہ آنے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے گھروں میں اس کو نہ آنے دیں جس کے آنے کو تم ناپسند کرتے ہو اور سنو تم پر تمہاری بیویوں کا حق یہ ہے کہ تم ان کے لباس میں اور ان کے طعام میں ان کے ساتھ احسان کرو۔

(سنن ترمذی: ۱۱۶۳، سنن ابن ماجہ: ۱۸۵۱، سنن نسائی: ۷-۲۸، زاد المعاد ج ۵ ص ۹۷، مسند احمد ج ۵ ص ۷۳-۷۲، ارواء الغلیل: ۲۰۳۰)

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ نفقہ یعنی خرچ بیوی کو روکنے کی جزا ہے، پس ہر وہ شخص جو کسی غیر کے مقصود کی وجہ سے روکا ہوا ہو، تو اس کا نفقہ اس شخص پر واجب ہے، اور صدقات کے عامل کا بھی خرچ واجب ہے اور ان دلائل کے اندر مسلمان عورت اور کافر عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں اور اس میں ان دونوں کے حال کا اعتبار کیا جائے گا۔

العبد الضعیف نے کہا ہے کہ یہ امام خصاف کا مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور اس کی تفسیر یہ ہے کہ جب شوہر اور بیوی دونوں مالدار ہوں تو بیوی کے لیے خوشحالی کا نفقہ واجب ہے، اگر وہ دونوں غریب ہوں تو پھر غربت کا نفقہ واجب ہے اور اگر عورت غریب ہو اور مرد مالدار ہو تو عورت کا نفقہ مالدار عورتوں کے نفقہ سے کم ہوگا اور غریب عورتوں کے نفقہ سے زیادہ ہوگا اور امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ شوہر کے حال کا اعتبار کیا جائے گا اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (الطلاق:۷)

صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا O

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت ہند سے فرمایا: تم اپنے خاوند کے مال سے اتنا لے لو جتنا تمہارے لیے اور تمہاری اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت معاویہ کی والدہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ! ابوسفیان کنجوس مرد ہیں اور

وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولاد کے لیے کافی ہو، سوا اس کے کہ میں از خود ان کے مال سے نکال لوں اور ان کو علم نہ ہو، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے اور اپنی اولاد کے لیے دستور کے مطابق لے لو۔

(صحیح البخاری، البیوع باب: ۹۵، النفقات باب ۱۴،۹، الاحکام، باب: ۲۸ صحیح مسلم: حدیث: ۷، سنن ابوداؤد: البیوع باب ۸۹ حدیث: ۳۵۳۲، سنن نسائی، کتاب القضاۃ باب ۳۱: حدیث: ۵۰۱۰، سنن ابن ماجہ: التجارات، باب: ۶۵، حدیث: ۲۲۹۳، سنن دارمی: باب ۵۴، مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۶،۵۰،۳۹)

اس دلیل کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خرچ کے معاملہ میں عورت کے حال کا اعتبار کیا (مرد کی مالی حالت کا اعتبار نہیں کیا جیسا کہ امام شافعی نے کہا ہے)، کیونکہ خرچ بطریق کفایت واجب ہوتا ہے اور جو عورت فقیرہ ہو وہ مال دار عورتوں کی کفایت کی محتاج نہیں ہوتی، لہٰذا اس کو زیادہ خرچ دینے کی کوئی وجہ نہیں۔

اور رہی قرآن مجید کی نص صریح، تو ہم بھی اس کے مطابق کہتے ہیں کہ مرد اپنی حیثیت کے مطابق مخاطب ہے، اور جو باقی خرچ ہے وہ اس کے ذمہ قرض ہے اور نبی ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ دستور کے مطابق اس کا خرچ واجب ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ متوسط خرچ، اور اس سے واضح ہو گیا کہ خرچ کی مقدار کا تعین کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے، کہ انہوں نے کہا: جو مالدار ہو، اس پر ہر روز دو کلو طعام دینا واجب ہے اور جو غریب ہو اس پر ہر روز ایک کلو طعام دینا واجب ہے اور جو متوسط ہو اس پر ڈیڑھ کلو طعام دینا واجب ہے، کیونکہ جو چیز بہ طور کفایت واجب ہے، اس کی شریعت میں کوئی مقدار متعین نہیں ہوتی۔

اور اگر بیوی اپنا نفس سپرد کرنے سے انکار کرے حتیٰ کہ اس کا پورا مہر دے دیا جائے تب بھی اس کا نفقہ اور خرچ واجب ہے، کیونکہ منع کرنا اس کا حق ہے اور نفقہ اور خرچ اس وجہ سے واجب ہوتا ہے کہ اس نے اپنے نفس کو اپنے خاوند کے لیے ٹھہرایا ہوا ہے۔

اگر بیوی نافرمانی کرے تو اس کے لیے نفقہ اور خرچ نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ اپنے شوہر کے گھر واپس آ جائے، کیونکہ شوہر کے گھر میں قیام کا فوت ہونا عورت کی جہت سے ہے اور اگر عورت لوٹ آئے اور وہ شوہر کے گھر میں ٹھہرے تو اس کا نفقہ واجب ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر وہ گھر میں شوہر کو اپنے نفس پر قادر نہ ہونے دے تب بھی اس پر نفقہ واجب ہوگا کیونکہ شوہر جبراً اس کے ساتھ جماع کر سکتا ہے۔

اور اگر بیوی کم سن ہو اور شوہر اس سے مباشرت پر قادر نہ ہو تو پھر اس کم سن بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہوگا، کیونکہ بیوی کا شوہر کے گھر میں ٹھہرنا اس لیے ہوتا ہے کہ نکاح سے جو مقصود ہے وہ حاصل ہو، اور جب وہ مقصود حاصل نہیں ہوا تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہوگا۔

اور امام شافعی نے کہا: کم سن بیوی کا بھی نفقہ واجب ہوگا، کیونکہ نفقہ ملکیت کے عوض میں سے ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ مہر ملکیت کا عوض ہے اور ایک معوض کے دو عوض جمع نہیں ہوتے۔

اور اگر شوہر کم عمر ہو اور وہ جماع پر قادر نہ ہو اور عورت بڑی عمر کی ہو تو شوہر کے مال سے اس پر بھی نفقہ اور خرچ واجب ہوگا کیونکہ وہ اپنے آپ کو شوہر کے سپرد کر چکی ہے اور جماع سے عاجز ہونا شوہر کی طرف سے ہے، تو یہ ایسا ہے جیسے کوئی شوہر مقطوع الذکر ہو یا نامرد ہو، تب بھی اس کا نفقہ بیوی کے لیے واجب ہوتا ہے۔

اگر بیوی شوہر کے گھر میں بیمار ہو جائے تو اس کے لیے نفقہ واجب ہوگا، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے لیے نفقہ واجب نہ ہو، کیونکہ جب مرد بیمار ہو اور وہ جماع نہ کر سکے تو پھر بھی مرد پر خرچ واجب ہوتا ہے اور الاستحسان کی وجہ یہ ہے کہ بیوی جب شوہر کے گھر ٹھہر گئی تو شوہر اس کے ساتھ مانوس ہوگا اور اس کو چھوئے گا اور بیوی اس کے گھر کی حفاظت کرے گی، اور بیوی کا بیمار ہونا ایک عارضہ کی وجہ سے ہے، سو یہ حیض کے مشابہ ہے، کیونکہ حالت حیض میں بھی مرد بیوی سے جماع نہیں کر سکتا لیکن اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہوتا ہے۔ (البدایہ مع نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۹۶-۳۹۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

نفقات کے متعلق مذاہب اربعہ کا خلاصہ

صاحب تکملۃ المجموع شرح المہذب اس بحث میں لکھتے ہیں:

نفقہ کا لغوی معنی ہے کہ انسان اپنے اوپر یا دوسرے کے اوپر جو دراہم خرچ کرتا ہے۔

اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک نفقہ کا اصطلاحی معنی ہے: وہ طعام جو بیوی اور اس کے خادم کے لیے اس کے خاوند کے اوپر فرض کیا جاتا ہے یا ان کے غیر کے لیے جن کا تعلق اصل اور فرع اور غلام اور حیوان سے ہو، اتنی مقدار جو ان کے لیے کافی ہو۔

اس تعریف میں جو طعام کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد وہ طعام ہے جو عرف کے مطابق ہو اور اس میں لباس اور رہائش بھی داخل ہے۔

اور فقہاء احناف کے نزدیک نفقہ کا اصطلاحی معنی ہے کہ بیوی کو ایسی چیز مہیا کرنا اور اس کے لیے خرچ کرنا جس سے اس کی بقاء کا حصول ہو، اور بقاء سے مراد وہ ہے جو امور ضروری ہوں یعنی طعام، لباس اور رہائش۔

اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک نفقہ کی اصطلاحی تعریف ہے: اتنی مقدار خرچ کرنا جس سے عادتاً آدمی زندگی گزار سکے۔ یعنی اس کو اتنی روزی دینا جس سے اس کی زندگی بسر ہو اور اس میں طعام اور لباس اور جمیع ضروریات شامل ہیں، اور فقہاء حنبلیہ کے نزدیک نفقہ کی تعریف یہ ہے کہ بیوی کو اتنا خرچ مہیا کرنا جس سے وہ روٹی اور سالن اور لباس اور رہائش اور دیگر ضروریات پوری کر سکے۔

(تکملۃ المجموع شرح المہذب، ج ۲۲ ص ۲۱۱-۲۱۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۳ھ)

ہم نے کتاب النفقات کی شرح کے شروع میں لکھا تھا کہ ہم اس کی شرح میں نفقات کے لغوی معنی بیان کریں گے، سو ہم نے مستند اہل لغت کے حوالوں سے نفقہ کے لغوی معنی بیان کیے ہیں، پھر ہم نے لکھا تھا: ہم اس کے بعد نفقہ کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور محقق مفسرین کے حوالوں سے ان کی تفسیر ذکر کریں گے، پھر ہم نے لکھا تھا: پھر ہم اس کے بعد نفقہ کے متعلق احادیث کا ذکر کریں گے، سو ہم نے اس سلسلہ میں چالیس احادیث باحوالہ بیان کیں، پھر ہم نے لکھا تھا: ہم اس کے بعد نفقات کے سلسلہ میں فقہاء مذاہب کی آراء بیان کریں گے، سو ہم نے تفصیل کے ساتھ یہ چاروں امور بیان کر دیئے۔ اب ہم ان شاء اللہ العزیز صحیح البخاری میں کتاب النفقات کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کی شرح کریں گے۔

١- بَابُ: فَضْلِ النَّفَقَةِ عَلَى الْأَهْلِ — بیوی پر خرچ کرنے کی فضیلت

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۚ قُلِ الْعَفْوَ ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ — یہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں؟ آپ کہیے: جو

اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (البقرہ: ۲۱۹-۲۲۰)

چیز ضرورت سے زائد ہو، (وہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں)، اسی طرح اللہ تمہارے لیے (اپنی) آیات بیان فرماتا ہے تا کہ تم تدبر کرو ۝ دنیا اور آخرت کے کاموں میں۔

وَقَالَ الْحَسَنُ الْعَفْوُ الْفَضْلُ۔

حسن بصری نے کہا: اَلْعَفو کا معنی ہے الفضل یعنی جو مال ضرورت سے زائد ہو۔ (تفسیر جامع البیان ج ۲ ص ۳۶۹)

تنبیہ: اس آیت کی تفسیر ہم کتاب کے شروع میں متعدد مفسرین کے حوالہ جات سے بیان کر چکے ہیں۔

۵۳۵۱- حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ يَزِيدَ الْأَنْصَارِيَّ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ فَقُلْتُ عَنِ النَّبِيِّ فَقَالَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا أَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلَى أَهْلِهِ وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةً۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عدی بن ثابت، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن یزید الانصاری رضی اللہ عنہ سے سنا از حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا: از نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو انہوں نے کہا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جب کوئی مسلمان اپنی بیوی پر خرچ کرے اور اس میں وہ ثواب کی نیت کرے تو یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۵، ۴۰۰۶، ۵۳۵۱، صحیح مسلم: ۱۰۰۲، سنن نسائی: ۲۵۴۵، مسند احمد: ۱۶۶۳۴، سنن دارمی: ۲۶۶۴)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ کتاب نفقات کے احکام کے بیان میں ہے اور اپنے گھر والوں پر خرچ کرنے کی فضیلت کے بیان میں ہے۔

علامہ عینی البقرہ: ۲۱۹-۲۲۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں فرمایا ہے: ''قل العفو''، اس آیت کے نزول کا سبب وہ ہے جس کو امام ابن ابی حاتم نے سند مرسل کے ساتھ از یحییٰ بن ابی کثیر روایت کیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبیر اور حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہما کو جب یہ آیت پہنچی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: بے شک ہمارے پاس غلام بھی ہیں اور ہمارے گھر والے بھی ہیں تو ہم اپنے اموال میں سے کیا خرچ کریں؟ تو پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم ''العفو'' یعنی زائد از ضرورت کو خرچ کرو۔

''العفو'' کی تفسیر میں اختلاف ہے، پس سالم اور قاسم سے روایت ہے کہ العفو سے مراد ہے: وہ زائد مال جس کو خوشحالی کے ساتھ صدقہ کیا جائے، اور مجاہد سے روایت ہے کہ یہ صدقہ مفروضہ ہے اور زجاج نے کہا کہ لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ زائد مال کو خرچ کریں حتیٰ کہ زکوٰۃ فرض کر دی گئی، پھر جو لوگ روزانہ مشقت کر کے کمائی کرتے تھے، وہ ہر روز کی کمائی میں سے جو ان کی ضروریات کے لیے کافی ہوتا اس کو رکھ لیتے اور باقی کو صدقہ کر دیتے اور جو مالدار لوگ سونا اور چاندی رکھتے تھے، وہ پورا سال سونے اور چاندی

کوخرچ کرتے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "العفو" کا معنی ہے کہ جو سہولت سے دیا جاسکے اور یہ اس حدیث کے مطابق ہے کہ سب سے افضل صدقہ وہ ہے جس کو خوش حالی کی پشت سے دیا جائے اور اس آیت میں فرمایا ہے: "لعلکم تتفکرون" تا کہ تم غور وفکر کرو اور تم یہ جان لو کہ دنیا پر آخرت کی فضیلت ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ تمہارے لیے دنیا اور آخرت کے احکام بیان کرتا ہے تا کہ تم غور وفکر کرو۔

اور امام بخاری نے اپنی تعلیق میں کہا ہے: "العفو" سے مراد ہے: "الفضل"۔

حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ نے کہا ہے کہ "العفو" کا معنی ہے: زائد چیز، یعنی جو مال انسان کی ضرورت سے زائد ہو، اور اس تعلیق کو امام عبد بن حُمید نے سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے اور حسن بصری سے روایت ہے: تم اتنا مال خرچ نہ کرو۔ پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ اور لوگوں سے سوال کرو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، صحیح البخاری: ۵۳۵۱، کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابو مسعود انصاری البدری رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نفقہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جب مسلمان اپنے گھر والوں پر ثواب کی نیت سے صدقہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔

ائمہ لغت کے نزدیک اہل وعیال کا مصداق

صاحب المغرب نے کہا ہے کہ گھر والوں سے مراد مرد کی بیوی اور اس کی اولاد ہیں اور وہ لوگ جو اس کے زیر پرورش ہیں اور اسی طرح اس کا ہر بھائی یا ہر بہن یا چچا یا چچا کا بیٹا یا وہ اجنبی بچہ جو اس کے گھر میں زیر پرورش ہے۔

اور الازہری نے کہا ہے کہ گھر والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو مرد کے ساتھ مخصوص ہیں اور اس کی جمع اھلین اور اھالی خلاف قیاس آتی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ الاھل میں اس کی بیوی اور اس کے رشتہ داروں کا احتمال ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ گھر والوں کے ساتھ بیوی مخصوص ہے، کیونکہ بیوی پر خرچ کرنا واجب ہے اور دوسروں کی بہ نسبت واجب کا ثواب زیادہ اولیٰ ہے۔

اس سوال کا جواب کہ بیوی پر خرچ کرنا تو واجب ہے، پھر اس کو صدقہ کیوں فرمایا؟

اگر تم یہ سوال کرو کہ مرد کا اپنی بیوی کو کھلانا کس طرح صدقہ ہوگا حالانکہ مرد پر واجب ہے کہ وہ بیوی کو کھلائے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ عام قرار دیا ہے خواہ فرض ہو یا نفل ہو اور مرد کو اس کے قصد کے اعتبار سے جزا ملے گی، اور اس میں کوئی منافات نہیں ہے کہ صدقہ واجب پر صدقہ نفلی کا اطلاق کر دیا جائے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شارع نے فرض صدقہ پر نفل کا اس لیے اطلاق کیا ہے تا کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ واجب پر عمل کرنے سے ان کو اجر نہیں ہوتا۔

اہل وعیال پر خرچ کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

اور المہلب المالکی نے کہا ہے کہ اہل وعیال پر خرچ کرنا بالاجماع واجب ہے۔

اور امام طبری نے کہا ہے کہ جب تک اولاد نابالغ ہو اس وقت تک اولاد پر خرچ کرنا بھی فرض ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد ہے کہ تم خرچ کی ابتداء ان سے کرو جو تمہارے زیر پرورش ہوں اور اولاد جب تک کم سن اور نابالغ ہے وہ مرد کے زیر پرورش ہے۔

اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ مرد کی اولاد میں سے جو نابالغ ہوں اور ان کے پاس مال نہ ہو اور نہ وہ کمائی کر سکتے ہوں تو ان پر خرچ کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، فقہاء کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ باپ پر واجب ہے کہ وہ اپنی صلبی اولاد پر خرچ کرے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائیں اور بیٹیوں پر خرچ کرے حتیٰ کہ وہ ان کا نکاح کر دے، اور اگر بیٹیوں کو رخصتی سے پہلے طلاق دے دی جائے تو ان کا خرچ بھی اس کے ذمہ ہے، اور اگر ان کو رخصتی کے بعد طلاق دی یا ان کا خاوند فوت ہو گیا تو پھر باپ کے اوپر ان کا نفقہ لازم نہیں ہے اور نہ پوتوں کا نفقہ دادا پر لازم ہے، یہ امام مالک کا قول ہے۔

بہنوں اور بھائیوں اور محارم پر خرچ کرنے کے متعلق فقہاءِ اسلام کی عبارات

اور ہمارے نزدیک بھائیوں اور بہنوں اور چچاؤں، پھوپھیوں اور خالاؤں پر خرچ کرنا بھی واجب ہے بشرطیکہ وہ عاجز ہوں اور ان کو ضرورت ہو، لیکن چچاؤں کی اولاد اور پھوپھیوں کی اولاد پر خرچ کرنا عام علماء کے نزدیک واجب نہیں ہے، اس میں ابن ابی لیلیٰ کا اختلاف ہے۔

اس حدیث میں فرمایا ہے: کہ وہ ثواب کی نیت سے خرچ کریں، یعنی محض اللہ کی رضا کے لیے خرچ کریں۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ یعنی وہ یہ یاد کرے کہ اس کے اوپر ان کا خرچ کرنا واجب ہے اور اس واجب کو ادا کرنے کے لیے وہ خرچ کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس باب اور اس حدیث کی شرح میں کوئی زائد بات نہیں لکھی، ان کی شرح وہی ہے جس کو ہم اس سے پہلے علامہ بدر الدین عینی حنفی سے نقل کر چکے ہیں۔

صحیح البخاری: ۵۳۵۱ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنے نفس اور اپنے اہل و عیال اور دیگر ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کی تفصیل

اللہ تعالیٰ نے بعض صدقات فرض قرار دیے ہیں اور بعض صدقات نفل قرار دیے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ فرض کو ادا کرنا نفل کو ادا کرنے سے افضل ہے، پس جب مرد کے پاس اس کی روزی کی مقدار ہو اور اس کے پاس اس کی اپنی روزی سے زائد کوئی چیز نہ ہو اور اس کو اپنے اوپر خرچ کرنے کی ضرورت ہو اور اس کو یہ خطرہ ہو کہ اگر وہ دوسروں پر خرچ کر کے ایثار کرے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گا یا اور کچھ ہو جائے گا یا اس کا غیر ایسا ہو کہ اس کی ضرورت بھی اس کی اپنی ضرورت کے مثل ہو خواہ وہ اس کا والد ہو یا اس کی اولاد ہو یا اس کی بیوی ہو یا اس کا خادم ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ پہلے اپنے نفس کو زندہ رکھے، پھر اگر اس کے پاس زائد مال ہو تو دوسروں پر خرچ کرے جن پر خرچ کرنا اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے اور اگر اس کے پاس اس سے زائد مال ہو جو اس کی اپنی ضروریات اور اس کے اہل و عیال کی ضروریات سے زائد ہو تو پھر وہ ان پر بھی خرچ کرے اور اگر اس کے پاس اس سے بھی زائد مال ہو کہ جن پر

خرچ کرنا اس پر واجب نہیں ہے ان پر بھی خرچ کرسکتا ہو اور اس کو یہ خطرہ ہو کہ اگر اس نے ان پر بھی خرچ کیا تو وہ اور اس کے گھر والے ہلاکت میں پڑ جائیں گے تو پھر اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ ان پر خرچ کرے اور اگر اس کے پاس وسعت اور گنجائش ہو اور اس کو اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال پر خطرہ نہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ ان پر خرچ کرے جن پر خرچ کرنا اللہ تعالیٰ نے اس کے مال سے واجب کیا ہے، پھر زائد مال کو خرچ کرنے میں وہ چاہے تو نفلی صدقہ کی نیت کرلے اور اگر چاہے تو اس مال کا ذخیرہ کرلے اور اپنی بیوی پر خرچ کرنا نفلی صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۵۲۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ''یحتسبھا'' کا لفظ ہے، یہ احتساب سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: اجر کے طلب کا قصد کرنا۔

اور صدقہ سے مراد ثواب ہے اور بیوی کے اوپر خرچ کرنے کو جو صدقہ فرمایا ہے یہ مجاز ہے اور اس پر اجماع ہے کہ اگر اس کی بیوی ہاشمیہ ہو تو اس پر بھی خرچ کرنے کا اس کو ثواب ملے گا، اور اس میں اصل ثواب کی تشبیہ ہے، اس کی مقدار اور کیفیت میں تشبیہ نہیں ہے۔

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اجر اس عمل پر ملتا ہے جو عبادت کی نیت کے ساتھ ملا ہوا ہو، اسی وجہ سے امام بخاری نے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا ہے کہ ''اعمال کا مدار نیات پر ہے''۔ اور اس حدیث میں اجر کی مقدار کا ذکر نہیں فرمایا تاکہ یہ قلیل اور کثیر اجر کو شامل ہو۔ اس حدیث میں اہل سے مراد بیوی اور رشتہ دار ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ اہل کا لفظ بیوی کے ساتھ مخصوص ہو اور دیگر لوگ اس میں بہ طریق اولیٰ شامل ہوں، کیونکہ جب واجب کو ادا کرنے پر ثواب ملے گا تو جن پر خرچ کرنا اس پر واجب نہیں ہے ان پر خرچ کرنے سے اس کو بہ طریق اولیٰ ثواب ملے گا۔

امام ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ اہل پر خرچ کرنا واجب ہے اور جو اہل پر عبادت کے قصد سے خرچ کرے گا، اس کو اجر دیا جائے گا اور اس میں کوئی منافات نہیں ہے کہ جو خرچ واجب ہو، اس پر صدقہ کا اطلاق کر دیا جائے بلکہ یہ نفلی صدقہ سے افضل ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۹۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۴۹، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۱، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے الفاظ کی شرح

اس حدیث میں ارشاد ہے: ''علی اھلہ'' یعنی جب مسلمان اپنے اہل پر خرچ کرے۔

اہل سے مراد اس کی بیوی اور اس کی اولاد ہے اور وہ لوگ جو اس کے زیر پرورش ہوں یا اس کے رشتہ دار ہوں مثلاً بھائی اور بہن اور چچا، اس کے بعد اس حدیث میں ارشاد ہے: ''یحتسبھا'' اس کا معنی ہے: وہ اس خرچ سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کرے اور اس خرچ پر اللہ تعالیٰ سے ثواب کو طلب کرے۔

حدیث مذکور کے مطالب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصادق المصدوق نے خبر دی ہے کہ جو مسلمان اپنی بیوی پر اور اپنی اولاد پر خرچ کرے اور ان رشتہ داروں پر خرچ کرے جو اس کے زیر کفالت ہوں اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا قصد کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو زیر پرورش لوگوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور رشتہ داروں پر خرچ کرنے کا بھی حکم دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (الطلاق: ۷)

صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا ۝

سو یہ خرچ اس کے لیے صدقہ ہو جائے گا، گویا کہ اس نے غرباء پر صدقہ کیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندۂ مومن کے اوپر کرم اور فضل ہے کہ وہ اس کو بندہ کی نیت صالحہ پر اجر و ثواب عطا فرماتا ہے حالانکہ بندہ کے اوپر اس کی بیوی اور اولاد کا خرچ واجب ہے، لیکن جب وہ اس حکم پر عمل کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی نیت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو صدقہ کرنے کا کامل اجر عطا فرمائے گا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمائی ہے جب آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ بے شک تم جو بھی خرچ کرو گے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی نیت کرو گے تو تمہیں اس پر اجر دیا جائے گا حتیٰ کہ تم جو اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ رکھتے ہو، اس پر بھی تم کو اجر دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۵۶، صحیح مسلم: ۱۶۲۸، سنن ترمذی: ۲۱۱۶، سنن ابوداؤد: ۲۸۶۴، مسند احمد: ۱۵۴۹، موطا امام مالک: ۱۴۹۵)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اجر اور ثواب محض عمل پر مرتب نہیں ہوتا بلکہ ضروری ہے کہ عمل کے ساتھ نیت صالحہ بھی کی جائے۔

(۲) اہل پر خرچ کرنا واجب ہے اور مرد جو اپنے رشتہ داروں پر خرچ کرتا ہے اس پر بھی اس کو اجر ملے گا۔

(۳) اہل کے اوپر خرچ کرنے کو جو صدقہ فرمایا ہے یہ مجاز ہے اور اس سے مراد ثواب ہے، کیونکہ اہل پر خرچ کرنا فرض لازم ہے اور صدقۂ نافلہ جو ہے اس کا تعلق احسان کے ساتھ ہے۔

(الشرح المیسر المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۴۰، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

صحیح البخاری باب: ۶۹ کے عنوان کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں امام بخاری نے کہا ہے: "کتاب النفقات" "نفقہ" کا لفظ نفوق سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: ہلاک ہونا، کہا جاتا ہے: "نفقت الدابة تنفق نفوقا" جب سواری ہلاک ہو جائے۔ اور کہا جاتا ہے "نفقة الدراهم تنفق نفقا" جب دراہم خرچ ہو جائیں۔ اور کہا جاتا ہے: "انفق الرجل" جب مرد محتاج ہو جائے اور اس کا تمام مال چلا جائے۔

علامہ ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ نے کہا ہے: ہر وہ مادہ جس میں فاءکلمہ نون ہو اور اس کا عین کلمہ فاء ہو، وہ نکلنے اور جانے پر دلالت کرتا ہے جیسے نفق، نفر، نفخ، نفس اور نفذ، اور شریعت میں نفقہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کو بیوی پر یا رشتہ دار پر یا نوکر اور غلام پر خرچ کرنا واجب ہو اور اس کی جمع نفقات اس وجہ سے ہے کہ اس کی انواع مختلف ہیں یعنی بیوی پر خرچ کرنا، رشتہ دار پر خرچ کرنا اور نوکر و غلام پر خرچ کرنا۔

صحیح البخاری: ۵۳۵۱ میں مذکور ہے کہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جو مسلمان اپنی بیوی پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے وہ اس کے لیے صدقہ ہوگا۔

ثواب کی نیت سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی رضا جوئی کا ارادہ کرے بایں طور کہ یہ یاد کرے کہ اس کے اوپر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی پر خرچ کرے تو وہ اس نیت سے خرچ کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ادا کرنے کے لیے خرچ کر رہا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ یہ نفقہ اس کے لیے صدقہ ہو جائے گا یعنی یہ ثواب میں صدقہ کی مثل ہوگا اور اس سے مراد صدقہ واجب نہیں ہے، ورنہ اگر اس کی بیوی ہاشمیہ اور مطلبیہ ہو تو ان پر تو صدقہ واجبہ نہیں لگتا تو اس سے مراد صرف ثواب ہے۔

المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ بیوی پر خرچ کرنا اجماعاً واجب ہے اور شارع علیہ السلام نے اس کو صدقہ اس لیے فرمایا ہے کہ لوگ یہ گمان کریں گے کہ واجب پر عمل کرنے سے اجر نہیں ہوتا اور لوگوں کو معلوم ہے کہ صدقہ کرنے میں بہت اجر ہوتا ہے، اسی لیے آپ نے لوگوں کو یہ بتایا کہ یہ ان کے لیے صدقہ ہے حتیٰ کہ لوگ اس کو اپنی بیوی کے غیر کے اوپر خرچ نہ کریں، سوا اس صورت کے کہ وہ غیر بھی ان کے زیر کفالت ہوں۔

علامہ ابن المنیر نے کہا ہے کہ بیوی پر خرچ کرنے کو صدقہ اس طرح فرمایا ہے جیسے بیوی کے مہر کو 'نحلة'' فرمایا ہے، کیونکہ مرد کو عورت کی احتیاج اس سے لذت حاصل کرنے کے لیے اور اس سے انس حاصل کرنے کے لیے اور اپنا گھر بسانے کے لیے اور اولاد کو طلب کرنے کے لیے ہوتی ہے، تو اصل یہ تھی کہ عورت پر اس کے لیے کوئی چیز واجب نہ ہوتی مگر اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے کیونکہ مرد اس کے قیام کا انتظام کرتا ہے، اس وجہ سے مردوں کا عورتوں پر درجہ بلند رکھا ہے اور اسی وجہ سے مہر کے اوپر نحلة کا اطلاق ہوتا ہے اور نفقہ پر صدقہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۹ ۱۳۰۰-۱۴، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری باب: ۶۹، کتاب النفقات کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

النفقات سے مراد ہے طعام، مشروب، لباس اور مسکن، اور یہ ہر حال میں بیوی کو دینا مرد پر واجب ہے، عام ازیں کہ بیوی مالدار ہو یا فقیر ہو، کیونکہ یہ نفقہ اس کے معاوضہ میں ہے جو اس نے بیوی سے استمتاع کیا ہے اور رہے بیوی کے غیر اور دوسرے رشتہ داران پر خرچ کرنا کئی شرائط کے ساتھ واجب ہے، یعنی جو رشتہ دار ضرورت مند ہو اور مرد کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد اس پر خرچ کر سکے اور وہ خوشحال ہو اور اس مرد اور رشتہ دار دونوں کا دین مساوی ہو اور وہ رشتہ دار یا اس کا وارث ہو یا عصبہ ہو، سو رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی یہ چار شرائط ہیں، مگر چوتھی شرط سے اس کے اصول اور فروع مستثنیٰ ہیں، کیونکہ اصول اور فروع میں باہمی وراثت کی شرط نہیں ہے، ان کی قوت قرابت اور صلہ رحم کی وجہ سے۔

پس خاوند پر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی پر ہر حال میں خرچ کرے، خواہ خاوند اس کا وارث ہو یا وارث نہ ہو اور خواہ اس کی بیوی مالدار ہو یا فقیر ہو، لیکن رشتہ داروں میں یہ چار شرطیں ہیں:

(۱) خرچ کرنے والا غنی ہو۔

(۲) جس پر خرچ کیا جائے وہ ضرورت مند ہو۔

(۳) دونوں دین میں متفق ہوں۔

(۴) خرچ کرنے والا اس کا وارث ہو جس پر خرچ کیا جائے، سوا اصول اور فروع کے۔

حدیث مذکور کی شرح

اس حدیث میں ارشاد ہے کہ جو مسلمان اپنی بیوی پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو یہ اس کا صدقہ ہے، ثواب کی نیت کی قید لگانے سے وہ خرچ نکل گیا جو مرد اپنی بیوی پر غفلت سے خرچ کرے، یعنی اس کو روٹی، سالن، گوشت اور طعام لا کر دے اور اس میں ثواب کی نیت نہ کرے، تو اس کو اس میں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوگی اور یہ اس کے لیے صدقہ نہیں ہوگا لیکن جب وہ اس میں ثواب کی نیت کرے گا تو پھر یہ اس کے لیے صدقہ اور باعث ثواب ہوگا اور اکثر لوگ اس سے غافل ہیں، وہ بے پرواہی سے اور غفلت سے اپنی بیوی کو کھانے پینے کی اور اس کی ضروریات کی چیزیں لا کر دیتے ہیں اور اس میں ثواب کی نیت نہیں کرتے اور وہ عادتاً بیوی پر خرچ کرتے ہیں۔

اور یہ حدیث ان تمام احادیث کے لیے مقید ہے جن میں علی الاطلاق خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، خواہ بندہ اپنے نفس پر خرچ کرے یا بیوی پر یا رشتہ داروں پر خرچ کرے اور اس میں ثواب کی نیت نہ کرے، تو اجر و ثواب کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس میں ثواب کی نیت کرے۔

شیخ عثیمین کی شرح پر مصنف کا رد اور اس کی تحقیق کہ ہر نیک اور جائز کام پر مسلمان کو اجر ملتا ہے خواہ وہ کام عبادت کی نیت سے کرے یا عادتاً کرے یا غفلت سے کرے

شیخ عثیمین نے لکھا ہے کہ اگر کوئی انسان ثواب کی نیت سے کوئی جائز یا نیک کام کرے پھر اس کو اجر ملتا ہے، اور اگر ثواب کی نیت کے بغیر کوئی جائز یا نیک کام کرے تو پھر اس کو اجر نہیں ملتا، شیخ عثیمین کی یہ شرح صراحتاً حدیث کے خلاف ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مال دار لوگ اجر لے گئے، وہ نماز پڑھتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں اور حج کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: تم بھی نماز پڑھتے ہو، روزے رکھتے ہو اور حج کرتے ہو، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ صدقہ کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کرتے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے کاموں میں بھی صدقہ کا اجر ہے، تم راستے سے کوئی ہڈی اٹھا لو تو یہ بھی صدقہ ہے، تم کسی کو راستہ دکھا دو تو یہ بھی صدقہ ہے اور تم کسی کمزور آدمی کو اپنی فاضل روزی دو تو یہ بھی صدقہ ہے، اور کسی گونگے کو معلوم چیز کا بیان کرنا یہ بھی صدقہ ہے اور تمہارا اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرنا یہ بھی صدقہ ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ! اگر ہم اپنی شہوت کے ساتھ اپنی بیوی کے ساتھ جماع کریں، پھر بھی ہمیں اجر ملے گا؟ تو آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ

اگر تم اپنی شہوت کو حرام طریقے سے پورا کرتے تو کیا تم گناہگار ہوتے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: سو تم کو شر پر سزا ملے گی اور خیر پر جزا نہیں ملے گی؟

(سنن بیہقی ج ۶ ص ۸۲، شعب الایمان للبیہقی: ۷۶۱۹، الادب المفرد للبخاری: ۸۹۱، مسند احمد: ج ۵ ص ۱۶۷-۱۶۸، موسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی سے قضاء شہوت کے لیے جماع کرے اور اس میں ثواب کی نیت نہ کرے، پھر بھی اس کا یہ عمل صدقہ ہے اور اس کو اجر ملے گا، تو جو شخص اپنی بیوی کو عادتاً کھانے پینے کی چیزیں اور رہائش مہیا کرے گا تو اس کا یہ عمل صدقہ کیوں نہیں ہوگا؟ (سعیدی غفرلہٗ)

مسند احمد کی یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی مذکور ہے اور اس کا متن درج ذیل ہے:

امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیشاپوری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! مالدار لوگ تو اجور لے گئے، وہ نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں، وہ روزہ رکھتے ہیں جس طرح ہم روزہ رکھتے ہیں اور وہ اپنے فاضل اموال سے صدقہ کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے صدقہ مقرر نہیں کیا، ہر سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے اور اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے اور ہر الحمد للہ کہنا صدقہ ہے اور ہر لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے اور ہر نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور ہر برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے، اور تم میں سے کوئی مرد جو اپنی بیوی کی فرج میں جماع کرتا ہے اس میں بھی صدقہ ہے، تو صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کوئی مرد اپنی بیوی کے پاس اپنی شہوت کے تقاضے کو پورا کرنے کے لیے جائے تو کیا اس میں بھی اس کو اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر وہ یہ کام حرام جگہ میں کرتا تو کیا اس پر گناہ ہوتا؟ اسی طرح جب وہ اپنی شہوت کو حلال طریقہ سے پورا کرے گا تو اس کو اس کا اجر ملے گا۔

(صحیح مسلم: ۱۰۰۶، الرقم المسلسل: ۲۲۱۹، مسند احمد: ۲۱۵۲۹، ۲۱۵۳۱)

حدیث مذکور کی شرح از مصنف

اس حدیث کے فوائد حسب ذیل ہیں:

(۱) تسبیح (سبحان اللہ کہنا) اور تہلیل (لا الہ الا اللہ کا پڑھنا) کی طرح نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے، یاد رہے کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا فرض کفایہ ہے اور اگر مسئلہ جاننے والا منفرد ہو تو پھر فرض عین ہے اور فرض کا ثواب ہر حال میں نفل سے زیادہ ہوتا ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل تزویج (اپنی بیوی سے جماع کرنا) کو بھی صدقہ قرار دیا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مباح کام بھی حسن نیت سے مستحب ہو جاتا ہے، جب مسلمان عمل تزویج کرتے وقت عورت کا حق ادا کرنے کی نیت کرے یا نیک اولاد کی طلب کی نیت کرے یا خود کو اور بیوی کو گناہ سے دور رکھنے کی نیت کرے یا اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کی نیت کرے تو یہ فعل بھی عبادت بن جاتا ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ قضاء شہوت کی نیت سے بھی عمل تزویج ثواب ہے کیونکہ ناجائز طریقہ سے قضاء شہوت جب گناہ ہے، تو جائز طریقہ سے یہ کام ثواب ہوگا، آپ نے اس ارشاد میں قیاس فرمایا اور یہ حدیث قیاس کے حجت ہونے کی واضح

دلیل ہے، اس حدیث میں جس قیاس کا ذکر ہے اس کو فقہ کی اصطلاح میں قیاس عکس کہتے ہیں۔
(شرح صحیح مسلم جلد دوم، ص ۹۲۸-۹۲۹، مرکز اہل سنت برکات رضا، امام احمد رضا روڈ پور بندر گجرات انڈیا، ۱۴۲۳ھ)

حدیث مذکور کی شرح از قاضی عیاض مالکی

امام ابوالفضل عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں سبحان اللہ، اللہ اکبر، الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ پڑھنے کو بھی صدقہ فرمایا ہے، کیونکہ ان کے پڑھنے سے صدقہ کرنے کا اجر ملتا ہے اور یہ کام اجور میں صدقات کی مثل ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بندہ نے ان کلمات کو پڑھ کر اپنے نفس کے ایمان کی تصدیق کی۔

آیا فقراء افضل ہیں یا مالدار؟

بعض اصحاب معانی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں فقراء کی جوان اجور کے ساتھ تخصیص کی ہے اور ان کلمات کے پڑھنے کو صدقات کا قائم مقام قرار دیا ہے، تو اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ فقراء کو اُمراء پر فضیلت حاصل ہے، لیکن دوسری احادیث میں ہے کہ مالدار بھی یہ تسبیحات پڑھتے ہیں تو ان کو زائد اجر ملتا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مالداروں کو فقراء پر فضیلت حاصل ہے اور یہی صحیح بات ہے۔

مباح کاموں کا بھی حسنِ نیت سے عبادات ہو جانا

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک جو اپنی بیوی کی فرج میں جماع کرتا ہے، اس میں بھی صدقہ ہے، اس میں یہ بیان ہے کہ مباح کام بھی نیتِ صادقہ سے عبادات بن جاتے ہیں۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قیاس فرمایا کہ جب حرام طریقہ سے شہوت پوری کی جائے تو اس سے بندہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو اگر وہ جائز طریقہ سے شہوت پوری کرے گا تو اس کو اجر ملے گا۔

بعض محققین کا مذہب ہے کہ شریعت میں کوئی کام مباح نہیں ہے

امام مازری نے کہا ہے: الکعبی کا مذہب یہ ہے کہ شریعت میں کوئی کام مباح نہیں ہے، کیونکہ ہر وہ کام جس کو بندہ کرے مثلاً وہ چلے پھرے، یا کھائے پیے اور گناہ سے مجتنب رہے تو اس میں اس کو اجر ملے گا، کیونکہ اس کے یہ افعال معصیت سے مجتنب ہیں، اور اسی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جب کوئی انسان زنا میں مشغول ہونے کی وجہ سے کسی اور گناہ سے مجتنب ہو تو اس پر بھی اس کو اجر ملے گا، لیکن اس کا محققین نے رد کر دیا ہے کیونکہ اجر اس وقت ملے گا جب اس کا ارادہ یہ ہو کہ وہ حلال کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے حرام کام سے مجتنب ہے اور اگر وہ کسی مباح کام کے قصد سے معصیت سے منقطع ہونے کا ارادہ کرے تو اس پر وہ ماجور ہوگا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ذہنوں میں اس مسئلہ کو سمجھانے کے لیے یہ بتایا کہ کیا یہ بات نہیں ہے کہ تمہاری عقول میں یہ مرقوم ہے کہ زنا کے فعل سے لذت حاصل ہوتی ہے جب کہ اس سے بندہ گناہگار ہوتا ہے حالانکہ یہ امر طبعی ہے، اسی طرح سے یہ بعید نہیں ہے کہ جب بندہ اس لذت کو حلال طریقہ سے حاصل کرے تو ہر چند کہ یہ بھی امر طبعی ہے لیکن اس پر بھی وہ اجر کا مستحق

ہوگا۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم، ج ۳ ص ۵۲۷-۵۲۸، ملخصاً، دار الوفاء، بیروت)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ اُبی مالکی

امام محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی متوفی ۸۲۷ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحابہ نے جو بیوی سے جماع پر اجر کے استحقاق کے متعلق سوال کیا، اس سوال کی توجیہ

صحابہ نے جو پوچھا کہ اگر ہم میں سے کوئی مرد شہوت پوری کرنے کے لیے اپنی بیوی کے پاس جائے تو کیا اس میں بھی اس کو اجر ملے گا؟ دراصل صحابہ نے اس کو بعید سمجھا تھا کہ کوئی شخص بغیر عبادت کی نیت کے قضاء شہوت کرے تو اس پر بھی وہ اجر کا مستحق ہوگا۔ اور یہ نہ کہا جائے کہ ان کو اس پر اجر کے استحقاق کو بعید سمجھنا معتزلہ کے مذہب کو ثابت کرتا ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ حسن اور قبح عقلی ہوتا ہے، کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ صحابہ نے اس وجہ سے اس اجر کو بعید سمجھا ہو کہ ان کو معلوم ہے کہ شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ انسان کو بقدر مشقت اجر ملتا ہے، اور یہ فعل ایسا ہے جس سے لذت حاصل ہوتی ہے اور طبیعت اس کی طرف میلان کرتی ہے، اور ان کا یہ سوال کرنا وحی کا انکار نہیں تھا بلکہ ان کو یہ اشکال ہوا کہ اجر تو کسی مشقت والے کام پر ملتا ہے اور یہ مشقت والا کام نہیں ہے بلکہ لذت والا کام ہے تو اس کو سمجھنے کے لیے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص محض قضائے شہوت کے لیے اپنی بیوی کے پاس جائے تو کیا اس کو بھی اجر ملے گا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ طور قیاس فرمایا کہ اگر وہ لذت حرام طریقہ سے حاصل کرتا تو گناہ کا مرتکب ہوتا؟ سو اسی طرح جب وہ حلال طریقہ سے اپنی شہوت کو پورا کرے گا تو وہ اجر کا مستحق ہوگا۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۲۶۷-۲۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہر جائز کام کرنے پر مسلمان اجر کا مستحق ہوگا خواہ وہ کام غفلت سے کرے یا عادتاً کرے

صحیح مسلم کی حدیث مذکور اور شارحین نے جو اس کی شرح کی ہے، اس سے یہ واضح ہوگیا کہ شیخ عثیمین کا یہ کہنا غلط ہے کہ اگر کوئی شخص غفلت سے اپنی بیوی کو کھانا کھلائے یا عادتاً کھانا کھلائے اور اس میں ثواب کی نیت نہ کرے تو اس کو اجر نہیں ملے گا، جب کہ اس حدیث مذکور سے واضح ہوا کہ انسان جو بھی جائز کام کرے، خواہ اس میں ثواب کی نیت نہ کرے تو وہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور یہ تو بہت بعید ہے کہ انسان ہر ہر کام کے اندر ثواب کی نیت کرے، مثلاً انسان چلتا پھرتا ہے، سوتا جاگتا ہے، کھاتا پیتا ہے، اعزاء اور اقرباء سے ملاقات کرتا ہے، محنت مزدوری کرتا ہے، کاروبار کرتا ہے، ملازمت کرتا ہے، سفر کرتا ہے، تو ان میں سے ہر ہر کام کے اوپر بلکہ چلنے پھرنے میں ہر ہر قدم کے اوپر اور کسی سے کلام کرنے میں ہر ہر بات کے اوپر وہ ثواب کی نیت کرے تو یہ عادتاً مشکل اور متعذر ہے بلکہ جب وہ ان تمام کاموں کے اندر حرام سے مجتنب رہے گا، مثلاً اس کا چلنا پھرنا کسی جائز مقصد کے لیے ہوگا، اس کا کھانا پینا حلال چیز سے ہوگا، سفر کرنا جائز ذرائع سے ہوگا، ملازمت اور محنت مزدوری جائز ذرائع سے ہوگی تو وہ ان کاموں کے اندر اجر اور ثواب کا مستحق ہوگا، خواہ وہ ان تمام افعال میں ہر ہر فعل کے اوپر ثواب کی نیت نہ کرے، کیونکہ انسان دن اور رات میں ہزاروں کام کرتا ہے اور ہزاروں باتیں کرتا ہے اور ہر ہر کام اور ہر ہر بات میں ثواب کی نیت کرنا بہت مشکل اور متعذر ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۱، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یحتسبھا کا لفظ ہے، اس کا مصدر الاحتساب ہے، یعنی وہ جو کام کرے اس میں یہ نیت کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کے لیے وہ کام کر رہا ہے یا جو کام اس نے واجب کیا ہے اس کو ادا کرنے کے لیے وہ کر رہا ہے، اور اس کے صدقہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس پر وہ ثواب مرتب ہوگا جو صدقہ کا ثواب ہوتا ہے۔

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ ایک دینار تم غلام کو آزاد کرنے کے لیے دیتے ہو اور ایک دینار تم کسی مسکین کو دیتے ہو اور ایک دینار تم اللہ کی راہ میں دیتے ہو اور ایک دینار تم اپنی بیوی پر خرچ کرنے کے لیے دیتے ہو، پس وہ دینار جو تم اپنی بیوی پر خرچ کرنے کے لیے دیتے ہو، اس کا سب سے زیادہ اجر ہے۔ (صحیح مسلم: ۹۹۵، کتاب الزکوۃ، باب فضل النفقۃ علی العیال)

میں کہتا ہوں کہ خلاصہ یہ ہے کہ آدمی ہر نئے کام سے پہلے یہ نیت کرلے کہ وہ اس کام کو اللہ کی رضا کے لیے کر رہا ہے اور اس کے حکم پر عمل کرنے کے لیے کر رہا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر ہر جزی کام سے پہلے یہ نیت کرے، بلکہ اس کے دل و دماغ میں اجمالاً یہ معنی مرکوز ہو کہ وہ کسی بھی نئے کام کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرے گا اور اس کام میں گناہ اور ممانعت سے اجتناب کرے گا۔ (سعیدی غفرلہ) (الکوثر الجاری، ج ۹ ص ۶۸، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۵۳۵۲۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ قَالَ اللّٰهُ أَنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ أُنْفِقْ عَلَيْكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم خرچ کرو، میں تم پر خرچ کروں گا۔

(صحیح البخاری: ۴۶۸۴، ۵۳۵۲، ۷۴۱۱، ۷۴۱۹، ۷۴۹۶، صحیح مسلم: ۹۹۳، سنن ترمذی: ۳۰۴۵، سنن ابن ماجہ: ۱۹۷، مسند احمد: ۷۲۵۶)

حدیث مذکور کا مکمل متن

میں کہتا ہوں امام بخاری نے صحیح البخاری: ۵۳۵۲ میں اس حدیث کو مختصراً ذکر کیا ہے اور اس حدیث کی تفصیل صحیح البخاری: ۴۶۸۴ میں ہے، اس کا متن درج ذیل ہے:

امام بخاری کہتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے خبر دی از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: تم خرچ کرو، میں تم پر خرچ کروں گا، اور آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، اس کے ہاتھ میں کسی پر خرچ کرنے سے کمی نہیں ہوتی، وہ رات اور دن سخاوت کرتا ہے، یہ بتاؤ کہ جب سے اس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ کتنا خرچ کر چکا ہے اور اس خرچ کے باوجود جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے اس میں کمی نہیں ہوئی، اور اس کا عرش پانی پر تھا اور اسی کے ہاتھ میں میزان ہے جس کو وہ جھکاتا ہے اور بلند کرتا ہے۔

اس متن کے بعد امام بخاری نے قرآن مجید میں مذکور چند الفاظ کے معانی ذکر کیے ہیں۔

صحیح البخاری: ۵۳۵۲ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، ان کا نام ہے اسماعیل بن ابی اویس اور ابوالزناد کا ذکر ہے، ان کا نام ہے عبداللہ بن ذکوان، اور الاعرج کا ذکر ہے ان کا نام ہے عبدالرحمٰن بن ہرمز، امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کی صرفی اور نحوی تحقیق

اس حدیث میں ''انفق'' کا لفظ ہے، اس میں الف پر زبر ہے اور یہ انفاق کا امر ہے یعنی خرچ کرو، اس کے بعد مذکور ہے، ''أُنفق علیك'' یہ مضارع کی بحث سے متکلم کا صیغہ ہے اور امر کے جواب میں یعنی تم خرچ کرو تو میں تم پر خرچ کروں گا، اور صحیح مسلم میں از ہمام از ابوہریرہ ان الفاظ کے ساتھ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: تم خرچ کرو میں تم پر خرچ کروں گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح میں مصنف کا اضافہ، بندہ مخلوق کے ساتھ جیسا عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اسی طرح کی جزا دے گا

اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہے، وہ فرماتا ہے: فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ ''سو تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا''۔ (البقرہ: ۱۵۲)

اور فرماتا ہے: اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ''تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا''۔ (البقرہ: ۴۰)

اور فرماتا ہے: اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ ''دعا کرنے والا جب دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں''۔ (البقرہ: ۱۸۶)

نیز حدیث میں ہے: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تم گن گن کر نہ دو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم کو بھی گن گن کر دے گا۔ (صحیح البخاری: ۱۴۳۳، صحیح مسلم: ۱۰۲۹، سنن ترمذی: ۱۹۶۰، سنن نسائی: ۲۵۵۱، سنن ابوداؤد: ۱۶۹۹، مسند احمد: ۲۶۳۷۲)

اسی طریقہ سے اس حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ابن آدم! تم خرچ کرو تو میں تم پر خرچ کروں گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو یہ تلقین کی ہے کہ تم اس کے بندوں کے ساتھ جیسا سلوک کرو گے اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ویسا سلوک کرے گا، نیز اللہ تعالیٰ بندوں کو یاد کرتا ہے تو بندوں کو بھی چاہیے کہ وہ اس کو یاد کریں، اللہ تعالیٰ بندوں سے کیا ہوا وعدہ پورا فرماتا ہے تو بندوں کو بھی چاہیے کہ اس سے کیا ہوا وعدہ پورا کریں، نیز اللہ تعالیٰ بندوں کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے تو بندوں کو بھی چاہیے کہ وہ اس کے احکام پر عمل کریں۔

صحیح البخاری: ۵۳۵۲ کی شرح از علامہ القسطلانی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے خرچ کرنے اور بندوں کے خرچ کرنے میں محض صوری مشاکلت ہے ورنہ بندہ جس مال سے خرچ کرتا ہے وہ متناہی اور منقطع ہے اور اللہ تعالیٰ کے خزانے غیر متناہی اور غیر منقطع ہیں

شرح مشکوٰۃ میں مذکور ہے کہ یہ حدیث باب مشاکلۃ سے ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے خرچ کرنے اور بندوں کے خرچ کرنے میں زمین وآسمان سے زیادہ فرق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے خزانے میں سے کوئی چیز کم نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے اور خرچ کرنے سے اس میں کمی نہیں ہوتی اور قرآن مجید میں ہے:

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ (النحل:۹۶) جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا۔

النحل:۹۶ کی تفسیر، آخرت کی نعمتوں کی برتری کی وجوہ

آخرت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے دو وجوہات کی بناء پر افضل ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اعلیٰ درجہ کی دنیا کی نعمتیں ہوں تو جس وقت وہ نعمتیں اس کے پاس ہوں گی اس وقت بھی وہ بہت فکر اور پریشانی میں ہوگا کہ کہیں وہ نعمتیں اس کے پاس سے چھن نہ جائیں، گم نہ ہو جائیں اور ضائع نہ ہو جائیں اور جب وہ نعمتیں اس کے پاس سے چھن جائیں گی تو اس کا دن رات غم وغصہ، حسرت اور افسوس میں گزرے گا، کاش! وہ ان نعمتوں کی حفاظت کرتا، کاش وہ اس کے پاس سے نہ جاتیں، پس واضح ہو گیا کہ آخرت کی نعمتیں ہی بہتر ہیں جن کو فنا نہیں ہے، جو دائمی اور غیر منقطع ہیں اور اگر دنیا کی نعمتیں اعلیٰ درجہ کی نہیں ہیں، بہت معمولی قسم کی ہیں تو پھر ظاہر ہے کہ جنت کی نعمتیں بہت اعلیٰ اور بہت افضل ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اس حدیث میں ابنِ آدم سے مراد خصوصاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا عام افرادِ امت، اس کی تحقیق

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں:

صحیح مسلم میں از ہمام از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابن آدم! تم میرے لیے خرچ کرو میں تمہارے لیے خرچ کروں گا، اور ابنِ آدم سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا بنو آدم کی جنس ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اضافت کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ آپ تمام مسلمانوں کے سردار ہیں، تو آپ کی طرف خطاب متوجہ ہوا تا کہ آپ اس خطاب کے مطابق عمل کریں اور اپنی امت کو تبلیغ کریں۔ (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۱۴۱، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۲ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کا مشروط ہونا

اس حدیث میں جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم خرچ کرو، میں تم پر خرچ کروں گا، اس حدیث کا منطوق یہ ہے کہ جب تم خرچ کرو گے تو اللہ تم پر خرچ کرے گا، اور اس کا مفہومِ مخالف یہ ہے کہ اگر تم خرچ نہیں کرو گے تو اللہ تم پر خرچ نہیں کرے گا، اور اس کی نظیر یہ حدیث ہے:

از ہشام از فاطمہ از حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جمع کر کے نہ رکھو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر جمع کر کے رکھے گا۔ (صحیح البخاری: ۱۴۳۳، صحیح مسلم: ۱۰۲۹)

اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''انفق'' یعنی میں خرچ کروں گا، یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ پر اس فعل کے اسم کا اطلاق کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کو ''المنفق'' کہا جائے، کیونکہ صفات کا باب اسماء سے زیادہ وسیع ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۱۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ عثیمین کی شرح میں مصنف کا اضافہ

میں کہتا ہوں: کہ اللہ تعالیٰ کے افعال سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ان افعال سے مشتق اسماء کا بھی اطلاق کیا جائے، مثلاً قرآن مجید میں مذکور ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ۔ (البقرۃ: ۳۱) اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھا دیے۔

لیکن علّم کے اطلاق سے اللہ تعالیٰ پر معلم کا اطلاق لازم نہیں آتا، کیونکہ قرآن اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے معلم کا لفظ نہیں ہے اور اس میں معنوی سقم یہ ہے کہ معلم اس کو کہتے ہیں جو معاوضہ لے کر تعلیم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بلا معاوضہ تعلیم دیتا ہے، اسی طرح قرآن مجید میں علّام کا لفظ ہے:

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۝ (المائدہ) بے شک تو ہی تمام غیبوں کا جاننے والا ہے۔

لیکن علّام کے اطلاق سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر علّامہ کا بھی اطلاق کیا جائے، حالانکہ علّامہ کے لفظ میں تاء کا اضافہ ہے اور زیادتی لفظ زیادتی معنی پر دلالت کرتی ہے، تو علّامہ کے لفظ میں علّام کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات پر علّامہ کا اطلاق جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں تاء کا بھی ذکر ہے اور تاء تانیث کے لیے بھی آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے عیب اور نقص سے بری ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی ذات پر علّام کا اطلاق جائز ہے کیونکہ وہ قرآن مجید میں مذکور ہے اور علّامہ کا اطلاق جائز نہیں ہے۔

پس واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں، قرآن اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر جن اسماء کا اطلاق آ گیا ہے، انہی اسماء کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر جائز ہے۔ یہاں پر یہ شبہ نہ ہو کہ پھر اللہ تعالیٰ کو خدا بھی نہیں کہنا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسماء کے توقیفی ہونے کا قاعدہ اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات میں ہے اسماء اعلام میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو کسی بھی زبان میں جس لفظ سے تعبیر کیا جائے، اس کا اطلاق جائز ہے اور لفظِ خدا سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا ارادہ کیا جاتا ہے نہ کہ اس کی کسی صفت کا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی ذات پر خدا کا اطلاق کرنا جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۲ کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور میں خرچ کرنے کی ترغیب

اس حدیث میں خرچ کرنے کی ترغیب ہے اور خرچ نہ کرنے سے تنفر فرمایا ہے اور محققین و مشائخ نے یہ کہا ہے کہ متوکل وہ ہے جس کا اعتماد اس پر ہو جو اللہ کے پاس ہو، نہ اس پر اعتماد ہو جو بندہ کے پاس ہو، کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ لازوال ہے اور جو بندہ کے پاس ہے وہ زوال پذیر ہے، اس حدیث میں اگرچہ ابن آدم کو خطاب ہے یعنی آدم کے بیٹوں کو لیکن آدم کی بیٹیاں بھی اس خطاب میں شامل ہیں، کیونکہ یہ حقیقت عرفیہ ہے یا قیاس ہے۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج۹ص ۶۸-۶۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۹ھ)

۵۳۵۳ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوِ الْقَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن قزعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از ثور بن یزید از ابوالغیث از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیوہ اور مسکین کے لیے سعی (کوشش) کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثل ہے یا اس کی مثل ہے جو رات کو قیام کرتا ہے اور دن کو روزہ رکھتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۳۵۳، ۶۰۰۶، ۶۰۰۷، صحیح مسلم: ۲۹۸۲، سنن ترمذی: ۱۹۶۹، سنن نسائی: ۲۵۷۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۴۰، مسند احمد: ۸۵۱۵)

صحیح البخاری: ۵۳۵۳ کی شرح از شیخ وحید الزمان غیر مقلد

شیخ وحید الزمان کا مسلمانوں کے طرزِ عمل سے شکوہ

شیخ وحید الزمان غیر مقلد المتوفی ۱۳۲۸ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یتیم خانہ یا محتاج خانہ بنواؤ گے، یتیموں اور بیواؤں اور محتاجوں کی پرورش بھی مسلمانوں نے بالکل چھوڑ دی ہے، نصاریٰ نے اپنے ملکوں میں اس کا بھی انتظام خوب کیا ہے، ان کی قوم کا کوئی شخص محتاجی کی وجہ سے دوسری قوموں میں جا کر نہیں ملتا اور مسلمانوں کی لاپرواہی کی وجہ سے ان کی بیوائیں اور یتیم بچے مجبور ہو کر عیسائیوں میں جا کر مل جاتے ہیں، مسلمان ریاستوں میں جا کر دیکھو تو عجب منظر نظر آتا ہے، بڑے بڑے امراء اور رئیس اور ان کے عالیشان محل اور مکانات، اور پر تکلف سواریوں پر سوار ہو کر نکلتے ہیں، کئی رئیس دن بھر میں چار جوڑے بدلتے ہیں اور رات دن گانوں بجانوں اور ناچ کے جلسوں میں اور شادی بیاہ میں ہزار ہا روپیہ لٹاتے ہیں مگر خود انہی کے محلوں میں ہزار ہا یتیم لڑکے مسلمانوں کے اور بیوائیں بھوکی مرتی ہیں، ان کی خبر تک نہیں لیتے، جس اسلامی ریاست میں جا کر دیکھو نہ کوئی محتاج خانہ نظر آتا ہے نہ کوئی یتیم خانہ نہ کہیں بیوہ فنڈ کا سراغ ملتا ہے، غرض عجب اندھا دھند ہے یہ اللہ کا قہر نہیں ہے تو کیا ہے، ان کی عقل اوندھی ہوگئی ہے۔ (تیسیر الباری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۶۱ نعمانی کتب خانہ لاہور، جون ۱۹۹۰ء)

شیخ وحید الزمان کی شرح پر مصنف کا تبصرہ اور یہ کہ مسلمانوں نے بھی فلاحی ادارے قائم کیے ہیں اور یتیموں اور بیواؤں کی دادرسی کے لیے مختلف شعبہ جات قائم کیے ہیں

میں کہتا ہوں کہ شیخ وحید الزمان نے مسلمانوں کی بے حسی اور لاپرواہی کی جو تصویر کشی کی ہے فی الواقع ایسا نہیں ہے، اگرچہ اسلامی ممالک میں یورپ کی طرح بے روزگاری فنڈ نہیں ہوتا پھر بھی مسلمانوں نے یتیم خانے بھی قائم کیے ہوئے ہیں، محتاج خانے بھی قائم کیے ہوئے ہیں۔ ہمارے شہر کراچی میں سیلانی ویلفیئر ٹرسٹ کے متعدد شعبہ جات قائم ہیں جہاں پر صبح شام غریبوں اور فقراء کو مفت کھانا کھلایا جاتا ہے، اور اسی طرح عالمگیر ٹرسٹ ہے، اس میں بھی صبح وشام غریبوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے، اور ملک اور بیرون ملک ضرورت مندوں، سیلاب زدگان اور مصیبت زدہ لوگوں کے لیے ضرورت کے سامان کی ترسیل کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح المصطفیٰ ویلفیئر ٹرسٹ ہے جو غریب مریضوں کا مفت علاج کرتے ہیں اور دیگر فلاحی کام کرتے ہیں، اسی طرح عبدالستار ایدھی کا ٹرسٹ ہے جو انواع واقسام کے فلاحی کام کرتے ہیں، اور لاوارث مرنے والوں کی اور ضرورت مند لوگوں کی میتوں کی تجہیز وتکفین کرتے ہیں، اور شہر میں جو مختلف حوادث اور ٹارگٹ کلنگ کی وجہ سے مختلف مقامات پر لاشیں پڑی ہوتی ہیں، ان لاشوں کو اٹھاتے ہیں اور ان کی تجہیز وتکفین کرتے ہیں، اور نادار لڑکیوں کی شادیاں کراتے ہیں، بیماروں کا علاج کرتے ہیں اور یتیموں کی کفالت کرتے ہیں، اسی طرح 2005ء میں جب زلزلہ آیا تو سعودی عربیہ اور دیگر مسلمان ممالک کی طرف سے مسلمانوں کی بڑے پیمانے پر امداد کی گئی، ان کے لیے خیمے مہیا کیے گئے اور کھانے پینے کے لیے راشن مہیا کیا گیا، اسی طرح چند سال پہلے جب پاکستان میں سیلاب آیا تو سیلاب زدگان کی امداد کے لیے خود پاکستانی قوم نے اور دیگر اسلامی ممالک نے سیلاب زدگان کی بڑے پیمانے پر امداد کی، تو ایسا نہیں ہے کہ مسلمان قوم بالکل ہی بے حس ہوگئی ہو اور اس نے غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی دادرسی کا بالکل انتظام نہ کیا ہو اور قرآن مجید اور احادیث کے احکام کو کلیۃً فراموش کر دیا ہو، مگر شکوہ ہے تو حکومت سے یعنی جو کام حکومت کی طرف سے ہونا چاہیے تھا وہ مسلمان اہل ثروت اور درمیانہ طبقہ کے لوگ کر رہے ہیں۔ اگر ان کو حکومتی سرپرستی حاصل ہو تو مزید کار خیر انجام دیے جا سکتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ثور کا ذکر ہے، یہ لفظ ثاء کے ساتھ ہے اور ابوالغیث کا ذکر ہے یہ سالم ہیں جو ابن مطیع القرشی کے آزاد شدہ غلام ہیں۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں ''الارملۃ'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: بیوہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو۔ اور اس حدیث میں ''او القائم اللیل'' کا ذکر ہے، یہ راوی کو شک ہے اور سنن ابن ماجہ کی روایت میں واؤ کے ساتھ ہے، اور ''القائم اللیل'' میں تینوں حرکات

جائز ہیں جیسے الحسن الوجہ میں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۳ کی شرح از علامہ القسطلانی

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت

اس باب کا عنوان ہے: ''اہل پر خرچ کرنے کی فضیلت'' اور اس حدیث میں بیوہ اور مسکین پر خرچ کرنے کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے، اس کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ جب بیوہ اور مسکین پر خرچ کرنے کا ایسا مرتبہ ہے کہ جو آدمی دن کو روزہ رکھتا ہو اور رات کو قیام کرتا ہو جب کہ بیوہ اور مسکین اس کے اہل میں سے نہیں ہیں تو پھر اپنے اہل پر خرچ کرنے کا ثواب بہ طریقِ اولیٰ زیادہ ہوگا۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۴۲، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۳ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بیوہ اور مسکین کی کفالت بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہے

اس حدیث میں جن لوگوں کا ذکر کیا ہے، ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو بیواؤں اور یتیموں کی کفالت کرتے ہیں اور ان کی اصلاحِ احوال کے لیے انتظامی امور سرانجام دیتے ہیں، کیونکہ جو ان لوگوں کی کفالت کرے تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو یا راتوں کو قیام کرتا ہو اور دن کو روزہ رکھتا ہو اور یہ بندہ کے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ وہ اپنی اولاد پر خرچ کرے اور اپنی بیوی پر خرچ کرے اور اس خرچ کرنے کی وجہ سے وہ مجاہد اور روزہ دار کے ثواب کو پالے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۱۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۳ کی شرح از شیخ محمد علی صابونی

شیخ محمد علی صابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

رشتہ داروں کو صدقہ دینے کا عظیم اجر ہونا

کمزوروں اور بیواؤں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ احسان کرنا اللہ تعالیٰ کی عظیم قربات اور عبادات میں سے ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے جس نے کسی بیوہ عورت کی مدد کی اور جس نے کسی کمزور مسکین پر خرچ کیا تو وہ مجاہدین فی سبیل اللہ کے مرتبہ میں ہے، کیونکہ اس احسان کے ذریعہ ان کمزور لوگوں کی حیات کے حصول کا سبب ہے تو ایسا شخص اس مرد کی طرح ہے جو رات کو اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور دن میں روزہ رکھتا ہے، اور اس میں اجرِ عظیم ہے، اور وہ کتنا عظیم اجر ہے جس کو مومن آخرت میں حاصل کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ

پس آپ قرابت داروں کو ان کا حق ادا کریں، اور مسکینوں کو اور مسافروں کو، یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کا ارادہ

الْمُفْلِحُوْنَ⊙ (الروم) کرتے ہیں اور وہی کامیاب ہیں O

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جب مالدار لوگ غریبوں کی مدد کریں تو اس میں ترجیح یہ ہے کہ پہلے اپنے قرابت داروں کو دیں کیونکہ اس میں صلہ رحم ہے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو، خواہ زیورات سے کیا کرو، حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور ان سے کہا: آپ خالی ہاتھ اور مفلس ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیا ہے، آپ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کریں کہ اگر آپ کو دینا بھی ادائیگی صدقہ کے لیے کافی ہو تو فبہا ورنہ میں آپ کے سوا کسی اور کو صدقہ دے دیتی ہوں، حضرت زینب بیان کرتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: تم خود جاؤ، حضرت زینب بیان کرتی ہیں کہ میں گئی تو میں نے دیکھا کہ انصار کی ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر کھڑی ہے اور اس کو بھی یہی مسئلہ درپیش تھا اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مرعوب رہتے تھے، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ باہر آئے تو ہم نے کہا: آپ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں کہ دو عورتیں دروازہ پر یہ معلوم کرنے کے لیے کھڑی ہیں کہ وہ اپنے شوہروں اور ان کی گود میں جو یتیم بچے ہوں اور وہ ان کو صدقہ دیں تو کیا ان کا صدقہ ادا ہو جائے گا؟ اور یہ نہ بتانا کہ ہم کون ہیں۔ حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے یہ مسئلہ معلوم کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے پوچھا: وہ عورتیں کون ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ ایک انصار کی عورت ہے اور دوسری زینب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کونسی زینب؟ انہوں نے بتایا کہ عبداللہ بن مسعود کی بیوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں دو اجر ملیں گے، ایک اجر قرابت کا اور ایک اجر صدقہ کا۔ (صحیح البخاری: ۱۴۶۶)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں کمزوروں اور خصوصاً بیواؤں اور مسکینوں پر خرچ کرنے کی فضیلت اور ترغیب ہے۔

(۲) ان ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کا اجر اس مجاہد کے اجر کی مثل ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور اس روزہ دار کے اجر کی مثل ہے جو دن میں روزہ رکھتا ہے اور رات کو اٹھ کر نمازیں پڑھتا ہے اور اس کو سستی عارض نہیں ہوتی۔ اور حدیث قدسی میں ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے ابن آدم! خرچ کرو، میں تم پر خرچ کروں گا''۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۴۱، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۵۳۵۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ سَعْدٍ رضى الله عنه قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَعُودُنِي وَأَنَا مَرِيضٌ بِمَكَّةَ فَقُلْتُ لِي مَالٌ أُوصِي بِمَالِي كُلِّهِ قَالَ لَا قُلْتُ فَالشَّطْرِ قَالَ لَا قُلْتُ فَالثُّلُثِ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ فِي أَيْدِيهِمْ وَمَهْمَا أَنْفَقْتَ فَهُوَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از سعد بن ابراہیم از عامر بن سعد از حضرت سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت فرما رہے تھے اور میں مکہ میں بیمار تھا تو میں نے عرض کیا: میرے پاس مال ہے، میں اپنے تمام مال کی وصیت کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے کہا: تو کیا میں آدھے مال کی وصیت کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں

لَكَ صَدَقَةٌ حَتَّى اللُّقْمَةَ تَرْفَعُهَا فِي فِي امْرَأَتِكَ وَلَعَلَّ اللهَ يَرْفَعُكَ يَنْتَفِعُ بِكَ نَاسٌ وَيُضَرُّ بِكَ آخَرُونَ۔

نے کہا: پھر میں تہائی مال کی وصیت کردوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تہائی مال، اور تہائی مال بہت زیادہ ہے، اگر تم اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ و تو وہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقراء چھوڑو، وہ لوگوں کے سامنے اپنے ہاتھوں کو پھیلائیں اور تم جو بھی خرچ کرو گے تو وہ تمہارے لیے صدقہ ہوگا حتیٰ کہ لقمہ جو تم اپنی بیوی کے منہ میں رکھو، وہ بھی صدقہ ہوگا اور یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارا مرتبہ بلند کرے گا (یعنی تم کو حاکم بنائے گا)، اور تم سے لوگوں کو نفع ہوگا (یعنی مسلمانوں کو) اور دوسروں کو (یعنی کافروں کو) تم سے نقصان پہنچے گا۔

(صحیح البخاری: ۵۶، ۱۲۹۵، ۲۷۴۲، ۲۷۴۴، ۳۹۳۶، ۴۴۰۹، ۵۳۵۴، ۵۶۵۹، ۵۶۶۸، ۶۳۷۳، ۶۷۳۳، صحیح مسلم: ۱۶۲۸، سنن ترمذی: ۲۱۱۶، سنن ابوداؤد: ۲۸۶۴، مسند احمد: ۱۵۴۹، موطا امام مالک: ۱۴۹۵)

امام بخاری نے صحیح البخاری: ۵۶ میں اس حدیث کا مکمل متن نہیں لکھا، اس حدیث کا مکمل متن صحیح البخاری: ۱۲۹۵ میں مذکور ہے جو درج ذیل ہے:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے سال مجھے شدید درد تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے، سو میں نے کہا: مجھے سخت درد ہو رہا ہے اور میں مالدار ہوں اور میری وارث صرف میری ایک بیٹی ہے، کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! پھر میں نے پوچھا: میں آدھا مال صدقہ کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! پھر آپ نے فرمایا: تم تہائی مال صدقہ کردو، تہائی مال بھی بہت زیادہ ہے، بے شک اگر تم اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ و تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقراء چھوڑو وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہیں، اور بے شک تم جو بھی خرچ کرو گے جس سے تم اللہ کی رضا جوئی کا ارادہ کرو گے تو تم کو اس پر اجر ملے گا حتیٰ کہ تم جو کچھ اپنی بیوی کے منہ میں رکھو گے (اس پر بھی تم کو اجر ملے گا)، پس میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ، کیا میں اپنے اصحاب کے پیچھے رہ جاؤں گا، آپ نے فرمایا: تم بے شک ہرگز پیچھے نہیں چھوڑے جاؤ گے، تم جو بھی نیک کام کرو گے اس سے تمہارا درجہ اور بلند ہوگا، پھر یقیناً تم پیچھے چھوڑے جاؤ گے حتیٰ کہ ایک قوم تم سے نفع حاصل کرے گی اور دوسری قوم تم سے نقصان اٹھائے گی، اے اللہ! میرے اصحاب کی ہجرت کو جاری رکھنا اور ان کو ان کی ایڑھیوں پر نہ لوٹانا، لیکن بے چارہ (حضرت) سعد بن خولہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے افسوس کر رہے تھے کیونکہ وہ مکہ میں فوت ہو گئے تھے۔

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن الملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر مرثیہ پڑھا یعنی اظہار افسوس کیا، کیونکہ وہ مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد مکہ میں ہی فوت ہو گئے تھے۔

فوت شدہ لوگوں پر مرثیہ کرنے کی ممانعت

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرثیہ پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۳۸۳ (کتاب الجنائز))

قاضی عیاض نے کہا ہے: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حدیث میں جو ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ان کی وفات پر اظہار افسوس کر رہے تھے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہ ہو، کیونکہ ایک روایت میں ہے لیکن سعد بن خولہ بے چارہ اس زمین میں فوت ہو گیا جس زمین سے اس نے ہجرت کی تھی اور اس میں مرثیہ کا لفظ نہیں ہے۔ (اکمال المعلم ج ۵ ص ۳۶۷)

حضرت سعد بن ابی وقاص کا تذکرہ

علامہ عزالدین ابن الاثیر ابوالحسن علی بن محمد الجزری المتوفی ۶۳۰ ھ، لکھتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص کا نام سعد بن مالک بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن نضر بن کنانہ القرشی الزہری ہے، ان کی والدہ کا نام حمنہ بنت ابی سفیان بن امیہ ہے۔

یہ قدیم الاسلام صحابی ہیں، یہ چھ افراد کے بعد مسلمان ہوئے تھے، ایک قول یہ ہے کہ چار افراد کے بعد مسلمان ہوئے تھے، جس وقت انہوں نے اسلام قبول کیا ان کی عمر سترہ سال تھی، یہ ان عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی اور ان چھ صحابہ میں سے ہیں جن کو حضرت عمر نے مجلس شوریٰ میں شامل کیا تھا، جن کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ شہادت دی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے وقت ان سے راضی تھے۔ بدر، احد، خندق اور تمام غزوات میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے ہیں، یہ وہ صحابی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے راہ خدا میں خون بہایا، یہ وہ صحابی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اللہ کی راہ میں تیر چلایا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں پہلا عرب ہوں جس نے راہِ خدا میں تیر چلایا، بخدا! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں جاتے تھے اور درختوں کے پتوں کے سوا ہمارے کھانے کے لیے کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نماز پڑھنے کے بعد پہاڑ کی گھاٹیوں میں کفر قریش کے خوف سے چھپ جاتے تھے، ایک مرتبہ ایک گھاٹی میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ چند صحابہ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے اچانک کچھ مشرکین آ گئے، انہوں نے مسلمانوں کی مذمت کی اور ان کے دین کو برا کہا، پھر ان سے لڑائی چھڑ گئی، حضرت سعد نے اونٹ کے جبڑے کی ایک ہڈی ایک مشرک کو مار کر اس کا سر پھاڑ دیا، اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون بہایا گیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فارسیوں کے خلاف جو فوج بھیجی تھی، اس کا امیر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا، حضرت سعد نے ایرانیوں کو قادسیہ کے مقام پر شکست دی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ہی مدائن کسریٰ کو عراق میں فتح کیا، کوفہ کی بنیاد رکھی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو عراق کا گورنر بنایا گیا، پھر معزول کر دیا گیا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو شوریٰ میں رکھا تھا تو فرمایا: اگر ان کو خلیفہ بنا دیا جائے تو فبہا، ورنہ میرے بعد جو بھی شخص خلیفہ بنے میں اس کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ سعد کو گورنر بنائے، کیونکہ میں نے سعد کو کسی عجز یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر بنایا، پھر ان کو معزول کر کے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔

قیس بن حازم، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ سعد! کی دعاؤں کو قبول فرما، حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب بھی دعا کرتے تھے، ان کی دعا قبول ہوتی تھی، لوگوں کو اس کا علم تھا اور وہ حضرت سعد کی دعاء ضرر سے ڈرتے تھے، جب حضرت عثمان شہید کر دیے گئے اور مسلمانوں کے دو گروہوں میں جنگ ہوئی تو حضرت سعد بن ابی وقاص فتنہ سے الگ رہے اور اپنے گھر میں بیٹھے رہے، ان کے بیٹے اور بھتیجوں نے یہ چاہا کہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت سعد لوگوں کو اپنی خلافت کی دعوت دیں لیکن انہوں نے یہ بات نہیں مانی اور سلامتی کو طلب کیا، حضرت معاویہ نے انہیں اپنے ساتھ ملانا چاہا لیکن حضرت سعد نے انکار کر دیا۔

حضرت سعد نے ۵۵ھ میں وفات پائی، مروان نے نماز جنازہ پڑھائی، مہاجرین میں سے فوت ہونے والے آپ آخری صحابی تھے۔
(اسد الغابہ، ج ۲ ص ۴۵۶-۴۵۲، ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت سعد بن خولہ کا تذکرہ

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد البر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

موسیٰ بن عقبہ نے حضرت سعد بن خولہ کا تذکرہ بدریین میں کیا ہے اور یہ حضرت سُبیعہ اسلمیہ کے خاوند تھے، جن کے ہاں ان کی وفات کے چند راتوں کے بعد بچہ پیدا ہوا تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب تمہاری عدت پوری ہو گئی ہے اب تم جس سے چاہو نکاح کرو۔

امام عبد الرزاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ مروان نے حضرت عبد اللہ بن عتبہ کو حضرت سبیعہ بنت الحارث کے پاس بھیجا اور ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کیا فتویٰ دیا تھا؟ تو انہوں نے بتایا کہ وہ حضرت سعد بن خولہ کے نکاح میں تھیں، وہ حجۃ الوداع میں فوت ہو گئے اور وہ بدری صحابی تھے اور ان کی وفات کے چند راتوں بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری عدت پوری ہو گئی ہے اب تم جس سے چاہو نکاح کرو۔

اور اس میں اختلاف نہیں ہے کہ حضرت سعد بن خولہ مکہ میں حجۃ الوداع میں فوت ہوئے تھے، سوا اس کے کہ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ ۷ ہجری میں فوت ہوئے تھے اور صحیح یہ ہے کہ وہ حجۃ الوداع میں فوت ہوئے تھے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۲ ص ۱۵۳-۱۵۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مریض کی عیادت کرنا مستحب ہے، اور امام اور سربراہِ ملک کا اپنے اصحاب کی عیادت کرنا مستحب ہے، خواہ وہ سفر میں ہوں اور حضر میں عیادت کرنا زیادہ بہتر ہے۔ نیز حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کو مرض کی شدت پہنچے تو وہ اس کا اظہار کرے، نہ بہ طور ناراضگی اور شکایت کے بلکہ اس لیے کہ اس کے لیے دوا حاصل کی جائے اور علاج کیا جائے یا کوئی مرد صالح اس کے لیے دعا کرے یا وصیت کرے یا وہ اپنے حال کے متعلق فتویٰ حاصل کرے اور یہ اس کے مرض کے اجر کے منافی نہیں ہے، اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال کو جمع کرنا مباح اور جائز ہے، اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ میرے پاس بہت مال ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۶۲۸)

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالداروں کے لیے صدقہ کرنا مستحب ہے اور وصیت میں وارث کی رعایت کرنی چاہیے اور وارث کے لیے تہائی مال کی وصیت کرنا مخصوص ہے اور اس میں ظاہر یہ کا اختلاف ہے اور ان کا قول غلط ہے جنھوں نے کہا کہ تہائی مال کی وصیت اس کے لیے جائز ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو، جو اس کے ترکہ سے مال حاصل کرے۔

(۳) وصیت کرنے میں تہائی مال کی وصیت کرنا کثرت کی حد ہے اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس کا وارث ہو تو اس کی وصیت تہائی مال سے زیادہ میں جائز نہیں ہے، اور جس کا کوئی وارث نہ ہو تو ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس کے لیے تہائی مال سے زیدہ وصیت کرنا جائز نہیں ہے، اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام اسحاق بن راہو یہ اور امام احمد بن حنبل نے ایک روایت میں اس کو جائز قرار دیا ہے۔ (الشرح الکبیر ج ۷ اص ۲۱۷، احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۱۱۲)

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وارثوں کے لیے خوش حالی کو طلب کرنا اس پر راجح ہے کہ ان کو حالِ فقر میں چھوڑ دیا جائے، اور اسی وجہ سے غنی شاکر کو فقیر صابر پر فضیلت دی گئی ہے۔

(۵) اس حدیث میں صلۂ ارحام اور اقارب کی طرف احسان کو برانگیختہ کیا ہے، اور یہ کہ اقارب میں سے جو بتدریج قریب ہو اس کے ساتھ بتدریج احسان کیا جائے۔

(۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ثواب کے حصول میں اور نیکی کے کام میں خرچ کرنے میں اخلاص شرط ہے، اور مباح بھی نیت صالحہ کے ساتھ عبادت ہو جاتا ہے کیونکہ بیوی کے منہ میں لقمہ رکھنا انسان کی عادت ہے جب وہ اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی کرتا ہے، لیکن اس میں بھی اللہ کے حکم پر عمل کرنے کی نیت کی جائے تو اس پر بھی اس کا ثواب ملے گا۔

(۷) کبھی انسان کے مقاصد دینیہ ہوتے ہیں اور وہ مصائب میں مبتلا ہوتا ہے، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا انجام بخیر کرے اور اس حدیث میں طویل عمر کی بھی فضیلت ہے تاکہ طویل عمر کی وجہ سے انسان نیک کام زیادہ کرے۔

(۸) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ظاہرہ ہیں، کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ حضرت سعد کی عمر طویل ہوگی تو وہ شہروں کو فتح کریں گے اور کچھ قومیں ان سے فائدہ حاصل کریں گی یعنی مسلمان قومیں اور کچھ قوموں کو ان سے ضرر ہوگا یعنی کافر قومیں، اور اس حدیث میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی منقبت اور فضیلت ہے اور اس حدیث میں اور بھی بے شمار فضائل ہیں کہ نیکی کے کاموں کی طرف سبقت کرنا چاہیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر کمالِ شفقت کا بیان ہے اور ہجرت کی تعظیم کا بیان ہے۔

(۹) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے لیے وصیت کریں اور یہ تو اس حدیث میں خبر ہے کہ ان کی وارث صرف ان کی بیٹی تھی، اور اگر رشتہ داروں کے لیے وصیت منسوخ نہ ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کو یہ حکم دیتے کہ تم باقی رشتہ داروں کے لیے بھی وصیت کرو، اس سے معلوم ہوا کہ یہ رشتہ داروں کے لیے وصیت منسوخ نہیں ہے، لیکن عام علماء کے نزدیک رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنا منسوخ ہو چکا ہے۔

اور شعبی اور النخعی نے کہا ہے کہ رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنا مستحب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور آپ نے رشتہ داروں کے لیے وصیت نہیں کی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی بیماری کے ایام میں آپ کے پاس گئے، انہوں نے ارادہ کیا کہ آپ ان کے لیے وصیت کریں تو آپ نے ان کو منع فرمایا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۹۳۶، کتاب الوصایا، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۲۷۳-۲۷۴)

(۱۰) صحیح مسلم میں یہ حدیث مذکور ہے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت سعد نے کہا: مجھے یہ خوف ہے کہ میں اس زمین میں فوت ہو جاؤں گا جس سے مجھے ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا تھا، تو آپ نے تین مرتبہ دعا فرمائی: اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما، اور اس میں یہ بھی اضافہ ہے کہ تمہارا اپنے مال سے صدقہ کرنا بھی صدقہ ہے، اور تمہارا اپنے عیال پر بھی صدقہ کرنا یہ بھی صدقہ ہے اور تمہاری بیوی جو تمہارے مال سے کھائے وہ بھی صدقہ ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۶۲۸، کتاب الوصیت، باب الوصیۃ بالثلث)

اور حاکم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میری پیشانی پر رکھا، پھر آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینے اور پیٹ پر پھیرا اور پھر آپ نے دعا کی: اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما اور اس کی ہجرت کو مکمل فرما۔

(المستدرک ج ۱ ص ۳۴۲، کتاب الجنائز، باب ثواب عیادۃ المریض)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۹ ص ۵۴۲-۵۵۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: اس حدیث کی شرح نعمۃ الباری ج ۳ ص ۴۴۸-۴۵۱ میں گزر چکی ہے، وہاں ہم نے اس کی شرح عمدۃ القاری اور شرح ابن بطال کے حوالہ سے کی تھی اور یہاں اس کی شرح علامہ ابن الملقن کی التوضیح کے حوالہ سے کی ہے اور یہ شرح پہلی شرح سے زیادہ مفصل اور زیادہ محقق ہے اور اس وقت ہمارے پاس قطر سے علامہ ابن الملقن کی التوضیح نہیں پہنچی تھی، سو یہاں ہم نے علامہ ابن الملقن کی اس شرح کو تفصیل سے ذکر کر دیا اور یہ تنبیہ اس لیے کر دی ہے کہ قارئین میں سے کسی کو شرح کی تکرار کا وہم نہ ہو۔

صحیح البخاری: ۵۳۵۴ کی شرح از شیخ وحید الزمان غیر مقلد

شیخ وحید الزمان غیر مقلد متوفی ۱۳۲۸ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسی امید ظاہر فرمائی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کو پورا کیا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آنحضرت کی وفات کے بعد مدت دراز تک زندہ رہے، عراق کا ملک انہوں نے ہی فتح کیا، کافروں کو زیر کیا، مدتوں عراق کے حاکم رہے۔

(تیسیر الباری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۶۲ نعمانی کتب خانہ لاہور، جون ۱۹۹۰ء)

شیخ وحید الزمان غیر مقلد کی شرح پر مصنف کا تبصرہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا ثبوت

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں جب لَعَلَّ کا لفظ آئے تو اس کا معنی شاید یا امید نہیں ہوتا بلکہ یقین ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق جو پیش گوئی فرمائی تھی، یہ کسی امید یا احتمال کی وجہ سے نہیں فرمائی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعہ علم غیب سے مطلع فرما دیا تھا اور آپ نے جان لیا تھا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس بیماری میں فوت نہیں ہوں گے اور مدت دراز تک زندہ رہیں گے اور عراق ان کے ہاتھوں پر فتح ہوگا اور ان کی وجہ سے اسلامی مملکت میں اضافہ ہوگا، مسلمان فتحیاب ہوں گے اور کفار خائب و خاسر اور ناکام ہوں گے اور ان کو شکست ہوگی، سو اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا ثبوت ہے اور چونکہ شیخ وحید الزمان غیر مقلد ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عطائی علم غیب کے قائل نہیں ہیں، اس لیے انہوں نے یہاں علم غیب کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ صرف یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امید پوری ہوگئی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۴ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے لغوی معانی، نحوی ترکیب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا بیان

یہ حدیث کتاب الجنائز باب رثاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں گزر چکی ہے، امام بخاری نے وہاں اس حدیث کو از عبد اللہ بن یوسف از مالک از ابن شہاب از عامر بن سعد بن ابی وقاص از والد خود روایت کی ہے اور وہاں اس حدیث کی زیادہ تفصیل ہے۔

علامہ عینی نے اس حدیث کی عربی عبارات کی ترکیب بیان کی ہے اور لغوی معنی بیان کیا ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ'' شطر'' کا معنی ہے: نصف اور یہ منصوب ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''الثلث''، یعنی تم تہائی دے دو، اور تہائی دینا تمہیں کافی ہوگا۔ پھر علامہ عینی نے لکھا ہے کہ جب تم اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ رکھو گے تو اس پر بھی تمہیں اجر ملے گا، حالانکہ بیوی کے منہ میں لقمہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے قبیل سے نہیں ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے بیوی کے منہ میں لقمہ رکھنے سے بھی اجر ملے گا تو جو بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرے گا تو اس کو تو بہ طریق اولیٰ زیادہ اجر ملے گا۔

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں معجزہ ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاص زندہ رہے حتیٰ کہ انہوں نے عراق کو فتح کیا اور ان سے مسلمانوں کو ان کے دین اور دنیا میں نفع پہنچا اور کفار کو اپنے عقائد میں ضرر پہنچا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰-۲۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۴ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عنقریب کتاب الادب میں یہ حدیث آئے گی، اس میں یہ الفاظ ہیں: اس کا اجر اس شخص کی طرح ہے جو رات کو قیام کرتا ہو اور سست نہ ہوتا ہو اور دن کو اس روزہ دار کی طرح ہے جو روزہ چھوڑتا نہ ہو اور سعی کا معنی یہ ہے کہ جو بیوہ اور مسکین کے لیے آتا اور جاتا ہے اور ''الارملة'' کا معنی ہے: جو عورت فوت ہو جائے اور اس کا خاوند نہ ہو۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۹۹، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۵۰، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۴ کی شرح از علامہ کورانی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو مکہ میں بیمار ہو گئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عیادت کی، اور اس میں تہائی مال کی وصیت کرنے کا حکم ہے اور یہ ارشاد ہے کہ اپنے ورثاء کو فقراء نہ چھوڑو کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں، کہ لوگ ان کے ہاتھوں میں اپنے صدقات عطا کریں۔ یہ حدیث کتاب الوصایا میں گزر چکی ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۷۴۲)

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۹ ص ۶۹، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۲۔ بَابُ: وُجُوبِ النَّفَقَةِ عَلَى الْأَهْلِ وَالْعِيَالِ — بیوی اور بچوں پر خرچ کرنے کا وجوب

باب مذکور کے عنوان کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اہل کا نفقہ مرد کے اوپر واجب ہے اور اہل سے یہاں مراد بیوی ہے اور اس پر العیال کا عطف ہے، اور یہ عام کا خاص پر عطف ہے، اور عیال سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر مرد خرچ کرتا ہے اور ان کو روزی مہیا کرتا ہے اور جوہری نے کہا ہے: عیال کا واحد عیّل ہے، اور اس کی جمع عیائل ہے، جیسے جید اور جیاد اور جیائید ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۳۵۵۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ مَا تَرَكَ غِنًى وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ تَقُولُ الْمَرْأَةُ إِمَّا أَنْ تُطْعِمَنِي وَإِمَّا أَنْ تُطَلِّقَنِي وَيَقُولُ الْعَبْدُ أَطْعِمْنِي وَاسْتَعْمِلْنِي وَيَقُولُ الِابْنُ أَطْعِمْنِي إِلَى مَنْ تَدَعُنِي فَقَالُوا يَا أَبَا هُرَيْرَةَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ لَا هَذَا مِنْ كِيسِ أَبِي هُرَيْرَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو خوشحالی کو چھوڑے اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے اور خرچ کرنے کی ابتداء اپنے زیر کفالت لوگوں سے کرو، بیوی کہے گی: یا تو مجھے تم کھلاؤ یا تم مجھے طلاق دو اور نوکر یا غلام کہے گا: مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام لو، اور بیٹا کہے گا: مجھے کھلاؤ، تم مجھے کس کے سپرد کرتے ہو؟ لوگوں نے پوچھا: اے ابو ہریرہ! کیا تم نے یہ پوری حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، انہوں نے کہا: نہیں، یہ ابو ہریرہ کی فراست سے مستفاد ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۲۶، ۱۴۲۸، ۵۳۵۵، ۵۳۵۶، صحیح مسلم: ۱۰۳۴، سنن نسائی: ۲۵۴۴، سنن ابوداؤد: ۱۶۷۶، مسند احمد: ۸۹۷۰، سنن دارمی: ۱۶۵۱)

صحیح البخاری: ۵۳۵۵ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے رجال

اس حدیث کی سند مذکور ہے کہ عمر بن حفص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، ان کے والد کا نام حفص بن غیاث ہے اور اس سند میں مذکور ہے کہ وہ الاعمش سے روایت کرتے ہیں، اس سے مراد ہیں سلیمان الاعمش: پھر مذکور ہے کہ وہ ابو صالح سے روایت

کرتے ہیں اور ابو صالح کا نام ہے ذکوان السمان۔

"الکیس" کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے: یہ کیس ابو ہریرہ سے ہے یعنی یہ ابو ہریرہ کا قول ہے، یہ صاحب التوضیح نے کہا ہے اور علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ الکیس میں کاف کے نیچے زیر ہے یعنی کیس اور اس سے مراد ہے ظرف اور اس قول سے حضرت ابو ہریرہ نے ان پر انکار کیا ہے جو ان سے اس حدیث سے متعلق سوال کرتے تھے یعنی یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عقل اور فراست سے تفصیل مستفاد ہے اور بعض شارحین نے کہا: یہ حدیث مدرج ہے۔

حدیث مذکور سے استنباط شدہ مسائل اور احکام

(۱) مرد کا حق دوسروں کے حقوق پر مقدم ہے۔

(۲) اولاد اور بیوی کا خرچ فرض ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۳) نوکر اور غلام کا خرچ بھی واجب ہے۔

اگر کوئی شخص افلاس کی وجہ سے بیوی کو خرچ نہ دے تو بیوی کی اپنے شوہر سے علیحدگی کے متعلق فقہاء کا اختلاف

(۴) اس حدیث میں ارشاد ہے: "بیوی کہے گی: یا تو مجھے کھلاؤ یا مجھ کو طلاق دو"، اس سے بعض فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر مرد بیوی کو اپنی غربت اور افلاس کی وجہ سے خرچ نہ دے سکے اور عورت اس سے علیحدگی چاہے تو ان میں تفریق کر دی جائے گی۔

بعض علماء نے کہا ہے اور یہی جمہور علماء کا قول ہے اور مخالف نے کہا ہے کہ عورت پر لازم ہے کہ وہ صبر کرے اور عورت کا خرچ مرد کے ذمہ لازم ہے اور جمہور فقہاء کا استدلال درج ذیل آیت سے ہے:

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا (البقرہ: ۲۳۱) اور ان کی بیویوں کو ضرر پہنچانے کے لئے نہ روکے رکھو تا کہ تم ان پر زیادتی کرو۔

اور فقہاء احناف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر اس صورت میں شوہر اور بیوی کے درمیان مفارقت واجب ہوتی تو اگر عورت اس تنگدستی میں رہنے پر راضی ہوتی تو ان کے درمیان نکاح کی بقاء جائز نہ ہوتی اور اس پر یہ رد کیا گیا ہے کہ ان کا اجتماع ان کی بقاء کے جواز پر دلالت کرتا ہے بشرطیکہ عورت راضی ہو جائے اور جب عورت راضی نہ ہو تو وہ ممانعت کے عموم پر باقی ہے اور اس کا قیاس ہے غلام اور حیوان پر، کیونکہ جو شخص غلام کو اپنی غربت کی وجہ سے نہ کھلا سکے تو اس کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس غلام کو فروخت کر دے۔

جمہور فقہاء کے دلائل کا علامہ عینی کی طرف سے جواب

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ فقہاء احناف نے جو کہا ہے وہی عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ کا قول ہے، اور ابن شبرمہ اور ابو سلیمان اور عمر بن عبد العزیز متوفی ۱۰۱ھ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے بھی یہی منقول ہے اور عبد الوارث نے از عبید اللہ بن عمر از نافع از ابن عمر اسی طرح روایت کی ہے اور انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لشکر کے

امراء کی طرف مکتوب لکھا کہ فلاں اور فلاں کو بلاؤ، کیونکہ کچھ لوگ مدینہ سے منقطع ہو گئے اور مدینہ سے سفر کر کے چلے گئے یا تو وہ اپنی بیویوں کے پاس واپس جائیں یا اپنی بیویوں کا نفقہ ان کی طرف بھیجیں اور یا ان کو طلاق دے دیں اور جو پچھلا نفقہ گزر چکا ہے وہ بھی ادا کریں، اور اس کے علاوہ اور کسی چیز سے انہوں نے تعارض نہیں کیا اور اس معترض نے جو کہا ہے کہ مخالف نے کہا ہے اگر اس سے اس کی مراد امام ابوحنیفہ ہیں تو امام ابوحنیفہ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے جب کہ یہ کثرت فقہاء تابعین اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے، اور اس کا یہ قول محض اس کے تعصب کی بناء پر ہے، اور اگر معترض کی مراد بالخصوص امام ابوحنیفہ نہیں ہے تو اس کو چاہیے تھا کہ وہ یوں کہتا کہ مخالفین نے یہ جواب دیا ہے اور ان کا استدلال البقرہ: ۲۳۱ سے مکمل نہیں ہوتا، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد اور مسروق اور حسن بصری اور قتادہ اور ضحاک اور ربیع اور مقاتل بن حیان اور متعدد فقہاء تابعین نے کہا ہے کہ یہ آیت اس مرد کے متعلق ہے جو اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور جب وہ عدت کے قریب پہنچ جاتی ہے تو اس سے رجوع کر لیتا ہے تاکہ بیوی کو ضرر پہنچائے اور وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر سکے، پھر اس کو طلاق دیتا ہے، پھر وہ عدت گزارتی ہے، پھر جب وہ عدت پوری ہونے کے قریب پہنچتی ہے تو پھر اس کو طلاق دے دیتا ہے تاکہ اس کی عدت مسلسل طویل ہوتی جائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس فعل سے منع کر دیا اور ان پر وعید سنائی اور فرمایا:

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (البقرہ: ۲۳۱) اور جس نے ایسا کیا تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

یعنی اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی اور اپنی جان پر ظلم کیا، لہٰذا جمہور فقہاء کا اس آیت سے استدلال کرنا باطل ہو گیا۔ اور اس ممانعت کا عموم اس طرح نہیں ہے جس طرح انہوں نے بیان کیا ہے، بلکہ یہ ممانعت اس مرد کے متعلق ہے جو مرد اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں روکے رکھنے کے لیے طلاق دیتا ہے اور عدت پوری ہونے سے پہلے پھر رجوع کر لیتا ہے تاکہ بیوی کو تنگ کرے، اور ان کا غلام اور حیوان پر قیاس کرنا، قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ غلام اور حیوان کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے اور نہ غلام کو ایسا شخص میسر ہوتا ہے جو اس کی کفالت کے لیے اس کو قرض دے اور وہ خرچ نہ ملنے پر صبر نہیں کر سکتا، اس کے برخلاف بیوی صبر کر سکتی ہے اور بیوی کے ذمہ جو اس کا خرچ ہے اس کے لیے قرض لے سکتی ہے اور اس لیے کہ اگر شوہر اور بیوی کے درمیان اس صورت میں طلاق لازم ہو تو بیوی کا حق باطل ہو جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

فقہاء احناف کے مذکورہ مسلک پر ایک اشکال اور اس کا حل

یہ درست ہے کہ جو مرد عورت کو تنگ کرنے کے لیے طلاق دیتے ہیں اور عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کر لیتے ہیں، اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ تم بیویوں کو ضرر پہنچانے کے لیے اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو، اور جو ایسا کرے گا وہ یقیناً اپنی جان پر ظلم کرے گا اور گناہ گار ہوگا اور ایسی صورت میں عورت کو یہ چاہیے کہ وہ صبر کرے اور خاوند کے ذمہ جو اس کا خرچ ہے اتنی مقدار کسی سے قرض لے کر اپنا گزارہ کرے، لیکن ہمارے زمانے میں بالعموم ایسا ہوتا ہے کہ شوہر بیوی کو اس کا خرچ نہیں دیتا اور طلاق بھی نہیں دیتا کہ وہ کسی اور سے نکاح کر کے اپنا گزارہ کر لے اور اس کو کوئی ایسا کفیل میسر نہیں ہوتا جو اس کو ایک طویل مدت تک بہ طور قرض خرچ دیتا رہے، عورت اس صورت میں خلع کا مطالبہ کرتی ہے اور عدالت میں شوہر کے خلاف دعویٰ دائر کرتی ہے تو شوہر پیش نہیں ہوتا، تو فقہ حنفی میں تو اس کی اجازت نہیں ہے کہ عورت ایسی صورت میں خلع کر لے اور اس ظالم خاوند سے نجات حاصل کر لے، لیکن

ائمہ ثلاثہ نے اس صورت میں اجازت دی ہے کہ وہ عورت ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر خلع حاصل کرلے اور دوسری جگہ نکاح کرلے، کیونکہ اس پرآشوب دور میں عورت کا ملازمت کے لیے نکلنا اور جوان عورت کا عرصۂ دراز تک اپنی خواہشات پر قابو پانا بہت مشکل ہے اور یہ ایک مشکل صورت حال ہے اور اس سے نجات کی صورت یہی ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر عدالت سے خلع حاصل کرلیا جائے اور وہ مظلوم اور مجبور عورت دوسری جگہ نکاح کرلے۔

میں نے اس مسئلہ میں کافی تفصیل سے گفتگو کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں ان مسائل میں جو عورتیں اور ان کے متعلقین پریشان پھرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ بتلائیے جب خاوند عورت کو نہ آباد کرے نہ طلاق دے تو وہ کیا کرے؟ اسلام میں اس کا کیا حل ہے، یا ایک جوان عورت کا شوہر مفقود الخبر ہوگیا ہو یا پاگل ہوگیا یا کسی اور لا علاج مرض میں مبتلا ہوگیا یا کسی جرم کی وجہ سے اس کو عمر قید کی سزا ہوگئی اور اس کی بیوی کے خرچ کی کوئی سبیل نہیں، شوہر طلاق دینے کا اہل نہیں یا دیتا نہیں، اور اس پرفتن دور میں وہ عورت عزت وآبرو کے ساتھ کسب معاش نہیں کرسکتی، بتلائیے وہ عورت کیا کرے؟ اسلام میں اس کا کیا حل ہے؟ تو ہمارے زمانے کے مفتی یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ وہ اسی شوہر کے نکاح میں بیٹھی رہے، جب تک وہ طلاق نہیں دیتا وہ دوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی، فقہ حنفی کا یہی حکم ہے اور اگر وہ عورت عدالت میں چلی جائے اور شوہر پیش نہ ہو اور عدالت طلاق دے دے تو ہمارے زمانے کے فقہاء اس کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ غیر اسلامی طلاق ہے، اس وجہ سے میرے دل میں مدت سے یہ تڑپ تھی کہ میں اس مسئلہ کا حل پیش کروں، صحیح مسلم میں نان ونفقہ سے متعلق حدیث کے تحت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں نے یہ واضح کردیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے اقوال میں بے شک اس مسئلہ کا حل نہیں ہے لیکن امام اعظم کے اقوال سے ہی فقہاء حنفیہ نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ ضرورت کے وقت مذہب غیر پر فتویٰ دینا، قضاء کرنا اور عمل کرنا جائز ہے، سو اس قاعدہ کی روشنی میں میں نے ائمہ ثلاثہ خصوصاً امام مالک اور امام احمد کے اقوال کے مطابق ان مسائل کا حل بیان کیا ہے، اور میں نے صرف ان اقوال پر اکتفا نہیں کی بلکہ قرآن مجید، احادیث مبارکہ، آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے ان مسائل کو ثابت کیا ہے، میری یہ کاوش صرف اس لیے ہے کہ کوئی شخص اسلام کو ناقابل عمل دین نہ سمجھے بلکہ یہ یقین رکھے کہ اسلام میں ہر پیش آمدہ مشکل کا حل موجود ہے، اگر ہم اس حل کو تلاش نہیں کرسکے تو یہ ہماری فہم اور مطالعہ کی کمی ہے، اسلام میں کوئی کمی نہیں ہے۔

اے اللہ! اس مقالہ کو نافع بنا، اسے قبول عام فرما، اس کے مصنف، قاری اور معاون کی خطاؤں سے درگزر کر اور ان کے لیے دارین کی خیر اور سعادت کو مقدر کردے۔ والحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على محمد خاتم النبيين سيد المرسلين قائد غر المحجلين وعلى اله واصحابه وازواجه واولياء امته وعلماء ملته اجمعين۔

صحیح البخاری: ۵۳۵۵ کی شرح از علامہ ابن ملقن

ہر مسئول سائل سے افضل نہیں ہوتا

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سے پہلے اوپر والے ہاتھ اور نیچے والے ہاتھ کی تفسیر میں اقوال گزر چکے ہیں اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اوپر والا ہاتھ دینے والا ہے اور نیچے والا ہاتھ سوال کرنے والا ہے، اور ہر وہ شخص جس سے سوال کیا جائے وہ سائل سے افضل نہیں ہوتا، کیونکہ حضرت

موسیٰ اور حضرت خضر علیہم السلام نے بستی والوں سے کھانے کو طلب کرنے کے لیے سوال کیا حالانکہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام دونوں نبی تھے اور انبیاء علیہم السلام عام لوگوں سے ہر حال میں افضل ہوتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر آئے تو آپ نے سوال کیا کہ کوئی کھانے کی چیز ہے، تو گھر والوں نے بتایا: کچھ نہیں، آپ نے فرمایا: وہ دیگچی میں جو گوشت ہے، تو گھر والوں نے بتایا وہ تو بریرہ پر صدقہ کیا گیا ہے، تو آپ نے فرمایا: اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔ یہاں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں سے کھانے کی چیز کے متعلق سوال کیا تھا حالانکہ آپ گھر والوں سے افضل تھے۔

شوہر کے افلاس کی وجہ سے نکاح کے فسخ ہونے کے متعلق مذاہب فقہاء

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ عورت یہ کہے گی کہ مجھے کھانا کھلاؤ ورنہ مجھ کو علیحدہ کردو۔ (السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۲۱۱)

اس حدیث سے امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر شوہر مفلس ہو اور بیوی کو کھانا نہ کھلا سکے تو ان کے درمیان نکاح فسخ کردیا جائے گا اور اس میں امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا اختلاف ہے۔ (مختصر الطحاوی ص ۲۲۳، الموطا للامام مالک ص ۳۶۴، کتاب الام للامام الشافعی ج ۵ ص ۹۶، الہدایہ للمرغینانی ج ۲ ص ۳۲۲)

فقہاء مالکیہ کے نزدیک افلاس کی مدت میں اختلاف ہے، آیا وہ ایک مہینہ ہے یا تین مہینے ہیں یا چند ایام ہیں، سو اس صورت کے کہ مرد نے اس عورت سے حالت فقر میں نکاح کیا ہو اور عورت اس کے حال سے واقف ہو تو اب نکاح فسخ نہیں ہوگا۔
(المنتقیٰ ج ۴ ص ۱۳۱)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ (الطلاق: ٦)

ان مطلقہ عورتوں کو اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو اور ان پر تنگی کرنے کے لیے ان کو ضرر نہ پہنچاؤ۔

سو افلاس کی حالت میں عورت کو نکاح میں روکے رکھنا اس پر ضرر کی حالت ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بیوی کا خرچ اس سے حصول نفع اور حصول لذت کی بناء پر واجب ہوتا ہے، کیونکہ اگر عورت نافرمانی کرے اور اس کو جماع کا موقع نہ دے تو اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہوتا، اور جیسا کہ اگر شوہر نامرد ہو تو اس سے مفارقت ہو جاتی ہے، اسی طرح جب شوہر بیوی کو خرچ دینے پر قادر نہ ہو اور اس کو نکاح میں روکے رکھے تو اب بھی مفارقت واجب ہو جائے گی۔

بیوی اور بچوں پر خرچ کرنے کے وجوب پر اجماع

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے دعویٰ کیا ہے کہ مرد پر اہل اور عیال کا خرچ واجب ہے، اور حدیث اس مفہوم میں ظاہر ہے، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اور تم اپنے زیر کفالت لوگوں سے صدقہ کی ابتداء کرو'' اور آپ نے صرف صدقہ کا ذکر کیا ہے، اس میں یہ دلیل ہے کہ مرد اپنے زیر کفالت افراد پر یعنی اپنی بیوی پر اور اپنی اولاد پر جو خرچ کرتا ہے اس کا شمار بھی صدقہ میں ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بیوی پر خرچ کرنے کے حکم سے ابتداء کی ہے، تاکہ یہ گمان نہ کیا جائے کہ بیوی پر خرچ کرنے پر کوئی اجر نہیں ہوتا، پس لوگوں کو بتایا کہ بیوی پر خرچ کرنا بھی ان کے لیے صدقہ ہے، یعنی اس حدیث میں جو بیوی اور بچوں پر خرچ کو صدقہ

فرمایا ہے اس سے یہ گمان نہ کیا جائے کہ یہ خرچ کرنا واجب نہیں ہے بلکہ نفلی صدقہ کی طرح ہے، سواس کی توجیہ یہ ہے کہ اگرچہ بیوی اور بچوں پر خرچ کرنا واجب ہے لیکن اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے صدقہ فرمایا ہے کہ اس واجب پر عمل کرنے سے بھی صدقہ کا اجر وثواب ملتا ہے۔

جس شخص کو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کی ضرورت ہو، اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دوسروں کی ضروریات کو پورا کرے الا یہ کہ اس کے پاس اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات سے زیادہ مال ہو

اس حدیث میں ارشاد ہے'' کہ تم اپنے عیال پر صدقہ کرنے سے ابتداء کرو''، یہ آپ نے اس لیے ارشاد فرمایا کہ انسان پر یہ واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے بعد سب سے پہلے اپنے نفس کے حقوق کو ادا کرے، اور جب یہ صحیح ہے تو جس شخص کو اپنے نفس پر خرچ کرنے کی ضرورت ہے اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مال کو کسی اور پر خرچ کرے، کیونکہ کسی شخص کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے نفس اور اپنے اہل وعیال کے نفوس کو ضائع کر کے دوسروں کے نفوس کو زندہ کرے، ہاں اس کے لیے دوسروں پر خرچ کرنا اس وقت جائز ہے جب اس کے پاس اس کی اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات کو پورا کرنے سے زائد اور فارغ مال ہو، تو پھر وہ دوسروں کی ضروریات کو بھی پورا کرے، کیونکہ اس کے اوپر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے اور اس پر یہ فرض نہیں ہے کہ وہ دوسروں کے اوپر بھی خرچ کرے، البتہ یہ نفل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرض پر عمل کرنا نفلی عبادات کو ترجیح دینے سے افضل ہے۔

بیٹے اور خادم پر خرچ کرنے کا وجوب

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اولاد پر خرچ کرنا بھی فرض ہے جب کہ وہ اولاد کم سن اور نابالغ ہو، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ'' بیٹا یہ کہے گا کہ آپ مجھے کس کے سپرد کرتے ہیں اور اسی طرح غلام اور نوکر یہ کہے گا کہ مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام لو''، اس سے معلوم ہوا کہ ان پر خرچ کرنا بھی واجب ہے، علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: اسی طرح اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا '' کہ اپنے عیال پر صدقہ کرنے کی ابتداء کرو''، بلکہ یہ زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ اس کا بیٹا اور اس کا خادم بھی اس کے عیال میں سے ہیں۔

بیوی پر خرچ کرنے کا وجوب

بیوی پر خرچ کرنا بھی قرآن مجید اور حدیث کی نصوص سے واجب ہے، اور نصوص میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عرفہ کو فرمایا: '' ان بیویوں کا تم پر رزق اور لباس دستور کے مطابق واجب ہے''۔ (صحیح مسلم: ۱۲۱۸، کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت ہند رضی اللہ عنہا سے فرمایا: '' تم ابوسفیان کے مال سے اتنا لے لو جو تمہارے اور تمہاری اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو''۔ (صحیح البخاری: ۲۲۱۱)

جو بچے مالدار نہ ہوں، ان پر خرچ کے وجوب میں فقہاء اسلام کے اقوال

اس پر بھی اجماع قائم ہے کہ مرد پر اپنے کم سن بچوں کا خرچ واجب ہے جن بچوں کے پاس نہ مال ہو اور نہ وہ کمانے پر قادر ہوں۔

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ جو اولاد بالغ ہو اور مالدار نہ ہوں اور نہ وہ کمائی پر قادر ہوں، ان کے خرچ میں بھی اختلاف ہے۔

فقہاء مالکیہ نے کہا ہے کہ باپ پر واجب ہے کہ وہ اپنی صلبی اولاد پر خرچ کرے

فقہاء کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ باپ پر واجب ہے کہ اپنی صلبی اولاد میں سے جو نابالغ مرد ہوں ان پر خرچ کرے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائیں اور بیٹیوں پر خرچ کرے حتیٰ کہ ان کا نکاح کردے اور ان کی رخصتی ہو جائے، اگر ان کا شوہر رخصتی کے بعد طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تو پھر باپ کے ذمہ اس کا خرچ نہیں ہے، اور اگر اس نے رخصتی سے پہلے طلاق دی تو پھر باپ کے ذمہ اس کا خرچ ہے، اور امام مالک کے نزدیک بیٹے کی اولاد کا خرچ دادا پر واجب نہیں ہے۔ (المدونہ ج ۲ ص ۲۵۲)

امام شافعی کے نزدیک نابالغ اولاد پر خرچ کرنا ضروری ہے اور جب وہ بالغ ہو جائیں تو پھر ان پر خرچ کرنا ضروری نہیں ہے سوا اس کے کہ وہ اپاہج ہو جائیں

اور فقہاء کے دوسرے گروہ نے کہا ہے کہ وہ اپنی اولاد پر اس وقت تک خرچ کرے حتیٰ کہ لڑکے کو احتلام ہو جائے اور لڑکی کو حیض آ جائے، یعنی دونوں بالغ ہو جائیں، پھر باپ کے اوپر ان کا نفقہ واجب نہیں ہے، سوا اس صورت کے کہ اس کی اولاد اپاہج ہو، برابر ہے کہ وہ مرد ہو یا عورت جب تک کہ ان کے پاس اموال نہ ہوں اور اس میں بیٹا اور بیٹے کی اولاد کا حکم ایک ہی ہے، جب تک کہ ان کے لیے ان کا باپ ان پر خرچ پر قادر نہ ہو اور یہ امام شافعی کا قول ہے، اور الثوری نے کہا: مرد کو اس کی کم سن اولاد کے خرچ پر مجبور کیا جائے گا اور مردوں کے خرچ پر بھی مجبور کیا جائے گا لڑکا ہو یا لڑکی، پس اگر وہ بڑے ہوں تو لڑکیوں کے نفقہ پر مجبور کیا جائے گا اور لڑکوں کے نفقہ پر مجبور نہیں کیا جائے گا سوا اس کے کہ وہ اپاہج ہوں۔

اور فقہاء کے ایک اور گروہ نے کہا ہے کہ تمام بچوں کا خرچ دینا ضروری ہے، خواہ لڑکا اور لڑکی بالغ ہوں یا نہ ہوں اور ان کے پاس اموال ہوں، خواہ وہ خرچ سے مستغنی ہوں یا نہ ہوں، جیسا کہ حضرت ہند کی ظاہر حدیث کا تقاضا ہے اور انہوں نے بالغ کا استثناء نہیں کیا۔

علامہ ابن الملقن کہتے ہیں کہ حضرت ہند کی حدیث میں ایک واقعہ کا ذکر ہے اور اس میں عموم نہیں ہے، اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ بیٹا کہے گا: مجھے کھلاؤ مجھے کس کے سپرد کرتے ہو، یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ بیٹا یہ اس وقت کہے گا جب اسے روزی کمانے اور محنت مزدوری کی طاقت نہ ہو اور جو بلوغت کی عمر کو پہنچ گیا وہ ایسا نہیں کرے گا، کیونکہ جو چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچ گیا اور کمانے کی عمر کو پہنچ گیا تو پھر اس کا خرچ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (النساء: ۶) اور یتیموں کا (بہ طور تربیت) امتحان لیتے رہو، حتیٰ کہ وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں۔

اس آیت میں نکاح کی حد تک پہنچنے کو بلوغت کی حد قرار دیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۱۵-۱۸، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۵ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی الشافعی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہل اور عیال کے نفقہ کے وجوب پر فقہاءِ اسلام کی عبارات

المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اہل وعیال کا نفقہ بالا جماع واجب ہے، اور یہ حدیث جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "تم اپنے عیال سے خرچ کی ابتداء کرو"۔ الحدیث۔ اس سلسلہ میں حجت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے عیال سے خرچ کی ابتداء کرو اور صرف صدقہ کا ذکر فرمایا ہے یہ اس کی دلیل ہے کہ مرد پر ان کا نفقہ واجب ہے جو اس کے زیر کفالت ہوں اس کی بیوی ہو اور اس کی اولاد، اور ان پر خرچ کو صدقہ میں شمار کیا گیا ہے، اور اس کو صدقہ سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ بیوی اور اولاد پر خرچ کرنے سے بھی وہی اجر ملتا ہے جو صدقہ کرنے کا اجر ہوتا ہے۔

امام ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے عیال سے خرچ کی ابتداء کرو۔ یہ اس لیے فرمایا ہے کہ مرد پر سب سے زیادہ حق تو اس کے اپنے نفس کا ہوتا ہے اور جب یہ صحیح ہے تو کسی محتاج پر اسے خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کیونکہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو ضائع کر کے دوسروں پر خرچ کرے اور اس کے لیے دوسروں پر خرچ کرنا اس وقت جائز ہوگا کہ جب اس کو خطرہ نہ ہو کہ اگر اس نے اس مال کو اپنے آپ پر اور اپنے اہل اور اپنی اولاد پر خرچ نہیں کیا تو وہ ضائع ہو جائے گا، کیونکہ اس کے اوپر اپنے اہل وعیال کا خرچ فرض ہے اور دوسروں پر خرچ کرنا اس پر فرض نہیں ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرض پر عمل کرنا دوسروں پر نفلی ایثار کرنے سے زیادہ اولیٰ ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب تک اولاد کم سن ہو تو ان پر خرچ کرنا فرض ہے، کیونکہ بیٹا کہتا ہے تم مجھے کس کے سپرد کرو گے، اسی طرح نوکر اور خادم کا خرچ کرنا بھی مرد پر لازم ہے۔

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ اس کے جو بیٹے بالغ ہوں اور ان کے پاس مال نہ ہو اور نہ وہ کمائی کرنے پر قادر ہوں تو ایک گروہ نے کہا ہے کہ باپ پر لازم ہے کہ اپنے صلبی بیٹوں پر خرچ کرے، حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائیں اور عورتوں پر خرچ کرے حتیٰ کہ ان کا نکاح کردے اور ان کی رخصتی ہو جائے، پس اگر رخصتی کے بعد ان کے شوہر نے طلاق دے دی یا ان کا شوہر فوت ہو گیا تو باپ پر اس کا کوئی نفقہ واجب نہیں ہے اور اگر رخصتی سے پہلے طلاق دے دی تو اس کا نفقہ باپ پر لازم ہوگا۔

شوہر کے افلاس کی وجہ سے شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان مفارقت کے متعلق اختلافِ فقہاء

اگر شوہر مفلس ہو تو آیا اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان خرچ نہ ہونے کی وجہ سے مفارقت کردی جائے گی، تو امام مالک، اللیث، الاوزاعی، امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور ابوثور نے کہا کہ جب شوہر بیوی کو خرچ دینے سے عاجز ہو تو پھر بیوی کو اختیار ہے کہ وہ اس کے پاس رہے یا نہ رہے اور بیوی کا کوئی خرچ شوہر کے ذمہ نہیں ہوگا۔ اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ وہ شوہر سے علیحدگی کو طلب کرے گی یا نہیں اور حاکم ان کے درمیان تفریق کرے گا یا نہیں؟ صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابوہریرہ

رضی اللہ عنہم، اور تابعین میں سے سعید بن المسیب نے کہا ہے کہ یہ سنت ہے، یعنی حاکم ان کے درمیان تفریق کر دے گا۔

اور فقہاء کے ایک دوسرے گروہ نے کہا ہے کہ ان کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی اور عورت پر لازم ہے کہ وہ صبر کرے اور عورت کے نفقہ کا حاکم حکم دے گا کہ وہ مرد کے ذمہ لازم ہے، یہ عطاء بن ابی رباح، الزہری کا قول ہے اور فقہاء احناف اور ثوری کا بھی یہی مذہب ہے اور ان کی دلیل قرآن مجید کی درج ذیل آیت ہے:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ (البقرہ:۲۸۰) اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کو فراخ دستی تک مہلت دو۔

پس واجب ہے کہ شوہر کو مہلت دی جائے حتیٰ کہ وہ خرچ ادا کرنے پر قادر ہو جائے، اور نیز ان کا استدلال درج ذیل آیت سے ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (النور:۳۲) اور تم اپنے بے نکاح (آزاد) مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا نکاح کر دو، اگر وہ فقراء ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

اس آیت میں بھی یہ فرمایا ہے کہ اگر وہ فقراء ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا، اور اس میں فقہاء احناف کی یہ دلیل ہے کہ عورت کو صبر کرنا چاہیے کہ اگر اس کا شوہر مفلس اور محتاج ہے تو عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو غنی کر دے گا اور جب وہ اس کو غنی کر دے گا تو وہ بیوی کو اس کا خرچ ادا کر دے گا۔

اور جمہور فقہاء نے فقہاء احناف کے خلاف اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ بیوی کہے گی: یا تو تم مجھے کھلاؤ یا تم مجھے طلاق دو، اور اس موضعِ اختلاف کے اندر یہ حدیث نصِ قاطع اور نص صریح ہے، یعنی شوہر پر فی الفور ضروری ہے کہ وہ بیوی کو اس کا نفقہ ادا کرے۔ اور اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ عورت کو اس وقت تک صبر کرنا چاہیے حتیٰ کہ اس کا شوہر اس کا خرچ ادا کرنے پر قادر ہو جائے۔

اور النور:۳۲ میں یہ فرمایا ہے کہ اگر وہ فقراء ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو غنی کر دے گا، اس سے وہ فقیر مراد نہیں ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، بلکہ اس سے وہ فقیر مراد ہے جس کی حالت خوش حال مرد سے کم ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے نکاح کو مستحب قرار دیا ہے اور اس پر اجماع ہے کہ جو مرد بیوی کے نفقہ پر قادر نہ ہو اس کا نکاح کرنا مندوب اور مستحب نہیں ہے۔

اور البقرہ:۲۸۰ میں جو فرمایا ہے کہ اگر وہ غریب ہے تو اس کو خوش حالی تک مہلت دو، اس کا تعلق نکاح سے نہیں ہے، اس کا تعلق قرض سے ہے، اور جمہور فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے البقرہ:۲۳۱ میں فرمایا ہے کہ عورتوں کو ضرر پہنچانے کے لیے نہ روکو، اور جب مرد بیوی پر خرچ نہیں کرے گا تو وہ اس کو ضرر پہنچائے گا، تو اس پر واجب ہے کہ وہ بیوی کو خود سے علیحدہ کر دے اگر بیوی مطالبہ کرے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۲۶-۴۲۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۵ کی شرح از علامہ القسطلانی الشافعی

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نفقہ کے وجوب کے اسباب

مرد کی عیال میں وہ لوگ ہیں جو اس کے زیرِ کفالت ہوں اور جن پر وہ خرچ کرے اور اس حدیث میں خرچ کی ابتداء بیوی سے کی گئی ہے، کیونکہ اس کا اس پر خرچ کرنا زیادہ قوی ہے، کیونکہ وہ بیوی سے جماع کر کے خرچ کے ذریعہ اس کا عوض ادا کرتا ہے اور بیوی اس کے ساتھ جو غمگساری کرتی ہے، اس کا معاوضہ ادا کرتا ہے، نیز اس لیے کہ بیوی کا خرچ ساقط نہیں ہوتا خواہ مدت گزر جائے یا مرد عاجز ہو جائے، اس کے برخلاف دوسروں پر جو خرچ کیا جاتا ہے وہ زیادہ مدت کے گزرنے اور عجز کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے، اور نفقہ کے وجوب کے دو سبب ہیں، ایک سبب نسب ہے اور دوسرا سبب ملکیت ہے، پس نسب کی وجہ سے درج ذیل نفقات واجب ہوتے ہیں:

نسب اور ملکیت کی وجہ سے نفقات کا وجوب

(۱) آزاد مرد اور اس کے آباء اور اس کے امہات پر خرچ کرنا واجب ہے اور آزاد ماں اور اس کے آباء اور اس کی امہات پر خرچ کرنا واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا۔ (لقمان:۱۵) اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔

(۲) آزاد اولاد اور ان کی اولاد کا خرچ بشرطیکہ وہ اس قدر خوش حال ہو کہ وہ اپنی بیوی پر خرچ کے بعد ان پر خرچ کر سکے۔

(۳) اور بیوی کے خادم پر خرچ کرنا اور اپنے خادم پر خرچ کرنا اور اس کی اولاد پر خرچ کرنا اور اس خرچ میں لباس اور رہائش کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔

اور ملکیت کی وجہ سے بھی چند نفقات واجب ہوتے ہیں:

(۱) بیوی کا خرچ (۲) بیوی کی باندی کا خرچ (۳) عدت گزارنے والی عورت کا خرچ اگر اس کو طلاقِ رجعی دی ہو یا اس کی بیوی حاملہ ہو اور اس کی باندی کا خرچ۔

پس بیوی کے لیے غنی کے اوپر ایک کلو طعام دینا واجب ہے، اور اس کے خادم کے لیے تین پاؤ طعام دینا واجب ہے، اور متوسط پر واجب ہے کہ وہ نصف کلو اور چوتھائی کلو خرچ دے۔

اور ہم نے جس کے لیے نفقہ واجب کیا ہے اس کے لیے لباس اور رہائش کو بھی واجب کیا ہے، اور ایک مدت تک اگر کوئی نفقہ ادا نہیں کیا تو بیوی کے سوا دوسروں کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اور بیوی کا نفقہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ شوہر کے ذمہ قرض ہوتا ہے، کیونکہ بیوی کا نفقہ اس معاوضہ میں ہے کہ بیوی نے شوہر کو جماع کی پیش کش کی اور دوسروں کا نفقہ غم خواری کے قبیل سے ہے۔

جس نفقہ کی مدت گزر گئی ہے اس کے وجوب کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

فقہاء احناف نے کہا ہے کہ جس نفقہ کی مدت گزر گئی ہے وہ نفقہ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ یہ صلہ ہے اور بغیر قبضہ کے عورت اس کی مالک نہیں ہوگی سوائے اس صورت کے کہ قاضی اس کے لیے نفقہ کو مقرر کر دے یا بیوی شوہر سے نفقہ کی کسی مقدار کے اوپر صلح کر لے، کیونکہ اس میں دو حق ہیں، بیوی کا حق بھی ہے اور شریعت کا حق بھی ہے۔ چونکہ بیوی نے اس کو جماع کا موقع دیا ہے تو یہ بیوی کا

حق ہے اور اس کو شہوت پوری کرنے کا حق دیا ہے تو یہ بھی بیوی کا حق ہے اور اس حیثیت سے کہ نکاح کی وجہ سے اولاد کا حصول ہوتا ہے اور فریقین میں سے ہر ایک زنا سے بچا رہتا ہے تو یہ شریعت کا حق ہے، تو مرد کے حق کے اعتبار سے یہ معاوضہ ہے اور شریعت کے حق کے اعتبار سے یہ صلہ ہے، پس جب معاملہ ان دو چیزوں میں متردد ہو گیا تو اس میں قاضی کے حکم کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۴۳، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۵ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب شوہر فقیر ہو تو بیوی کو اس سے طلاق کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے

بیوی پر خرچ کرنا اس سے جماع کا فائدہ حاصل کرنے کے معاوضہ میں ہے، اس کے باوجود شوہر کو اس پر خرچ کرنے کا اجر ملتا ہے لیکن ماں باپ اور بہن بھائیوں پر خرچ کرنا محض فضل اور احسان ہے۔

سوال: جب شوہر فقیر ہو تو کیا اس کی بیوی کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ صبر کرے یا طلاق کا مطالبہ کرے؟

جواب: افضل یہ ہے کہ وہ صبر کرے، اس میں کوئی شک نہیں ہے، بلکہ جب وہ طلاق کا مطالبہ کرے گی تو طلاق تو عورت کے اختیار میں نہیں ہے، طلاق کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے اور یہ اکثر اہل علم کا مذہب ہے، اور قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے:

وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (الطلاق: ۷)	اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا ۝

اس آیت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ طلاق کا مطالبہ کرے۔

میں کہتا ہوں: فقہاء احناف کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ شیخ عثیمین حنبلی نے لکھا ہے، البتہ امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ایسی صورت میں عورت خاوند سے طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۲۰)

صحیح البخاری: ۵۳۵۵ کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنا تمام مال صدقہ کرنے کے جواز کا محمل

اس حدیث میں مذکور ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی باقی رہے، یعنی صدقہ کرنے کے بعد بھی صدقہ کرنے والا خوش حال رہے، اس کا محمل یہ ہے کہ جب اس کے پاس قوت نہ ہو اور مقامِ توکل میں صبر نہ ہو اور اس سے کوئی حقِ واجب فوت نہ ہو، کیونکہ حدیث میں ہے:

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: افضل صدقہ جهد المقل ہے، (یعنی وہ صدقہ ہے جو تنگ دست کی مشقت

سے دیا جائے)۔ (سنن ابوداؤد: ۱۶۷۷، کتاب الزکوۃ، باب الرخصۃ فی ذالک)۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا تھا اور اپنے لیے کچھ باقی نہیں رکھا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع نہیں فرمایا۔ (سنن ترمذی: ۳۶۷۵، سنن ابوداؤد: ۱۶۷۸، سنن داری: ۱۶۶۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر آدمی اپنا سارا مال بھی صدقہ کر دے حتیٰ کہ اس کے پاس کچھ مال باقی نہ بچے تو یہ بھی جائز ہے لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب کسی شخص میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح قوت توکل ہو اور فقر پر برداشت کرنے کی قوت ہو اور اس کو یہ خطرہ نہ ہو کہ اتنا مال صدقہ کرنے سے وہ اور اس کے اہل وعیال کسی ناگہانی مصیبت سے دوچار ہو جائیں گے، لیکن جب اس کو علاج معالجہ کی اور طعام کے لیے مال کی ضرورت ہو یا دیگر ضروریات زندگی کے لیے مال کی ضرورت ہو اور اس کو کسی کا قرض نہ دینا ہو اور اس میں اس درجہ کا صبر اور توکل نہ ہو تو پھر اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو خطرہ میں ڈالے اور لوگوں کا جو قرض اس نے دینا ہے ان کے مال کو خطرہ میں ڈالے اور اپنا سارا مال خرچ کر کے بیٹھ جائے۔

۵۳۵۶۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدِ بْنِ مُسَافِرٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ۔

۵۳۵۶۔ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے لیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرحمن بن خالد بن مسافر نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از ابن المسیب از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی رہے اور خرچ کی ابتداء ان سے کرو جو تمہارے عیال ہیں۔

(صحیح البخاری: ۱۴۲۶، ۱۴۲۸، ۵۳۵۵، ۵۳۵۶، صحیح مسلم: ۱۰۳۴، سنن نسائی: ۲۵۴۴، سنن ابوداؤد: ۱۶۷۶، مسند احمد: ۷۰۹۷، سنن داری: ۱۶۵۱)

صحیح البخاری: ۵۳۵۶ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی باقی رہے، اس سے مراد یہ ہے کہ اس مال کو صدقہ کرے جو اس کے زیر پرورش لوگوں پر خرچ کرنے سے زائد ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۶ کی شرح از علامہ قسطلانی شافعی

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غنی کی پشت کے معانی

صاحب شرح السنہ نے کہا ہے: یعنی صدقہ کرنے کے بعد وہ ایسا غنی رہے جو پیش آمدہ مشکلات اور مصائب کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

علامہ التورپشتی نے کہا ہے: یہ ان کے اس قول کی مثل ہے جیسے وہ کہتے ہیں کہ وہ ایسی سواری کی پشت پر ہے، جس کی پشت سلامت رہے، اور یہ اس قسم کے الفاظ ہیں جن سے اس معنی کی تعبیر کی جاتی ہے کہ وہ حالات کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

علامہ طیبی نے کہا ہے: خرچ کرنے کے لیے صدقہ کے لفظ کا استعارہ کیا گیا ہے، تاکہ خرچ کرنے پر برانگیختہ کیا جائے اور خرچ کرنے والا اس میں عظیم ثواب کی توقع رکھے۔ نیز اس حدیث میں ارشاد ہے کہ خرچ کرنے کی ابتداء اپنے عیال سے کرو، اس میں نفلی صدقہ اور واجب صدقہ دونوں شامل ہیں، اور اس میں یہ بتایا ہے کہ صدقہ اصل مال سے نہ کیا جائے بلکہ اصل مال کے نفع سے کیا جائے۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۴۵، دارالفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۶ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کا ایک دوسری حدیث سے تعارض کا جواب

اس حدیث میں ارشاد ہے کہ بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی رہے، اس کے برخلاف دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا صدقہ سب سے افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "جھد المقل" یعنی تنگ دست جو مشقت اٹھا کر صدقہ کرے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۶۷۶، سنن نسائی: ۲۵۴۴)

ان میں اس لیے تعارض نہیں ہے کہ اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی رہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے بعد انسان بہت زیادہ خوش حال رہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ کرنے کے بعد اس کے پاس اتنا مال ہو جس سے وہ اپنی ضروریات کو پورا کر سکے، تو وہ بھی غنی ہے اگرچہ لوگوں کے نزدیک وہ تنگدست ہو، یعنی اس کے پاس زیادہ مال نہیں ہے اور وہ فی نفسہٖ تنگ دست ہے لیکن وہ اپنی ضروریات پوری کر سکتا ہے تو اس اعتبار سے اس کو المقل فرمایا اور چونکہ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے میں لوگوں کا محتاج نہیں ہے اس اعتبار سے اس کو غنی اور خوش حال فرمایا۔

(شرح صحیح البخاری: ج ۵ ص ۱۲۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۔ بَابُ: حَبْسِ نَفَقَةِ الرَّجُلِ قُوتَ سَنَةٍ عَلَى أَهْلِهِ وَكَيْفَ نَفَقَاتُ الْعِيَالِ؟

مرد کا اپنے اہل وعیال کے لیے ایک سال کے خرچ کو روک لینا، اور اہل وعیال کے خرچ کی کیفیت

یہ باب اس حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ کل کے لیے کچھ نہیں رکھتے تھے، کیونکہ دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ خاص اپنے لیے کچھ نہیں رکھتے تھے، اور جس روایت میں مذکور ہے کہ وفات کے وقت آپ کی زرہ چند جَو کے عوض ایک یہودی کے پاس گروی تھی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ سال بھر کا خرچ اہل وعیال کے لیے نکال رکھتے مگر غیر معمولی مہمانوں کے آجانے سے وہ مال پہلے ہی خرچ ہو جاتا تو قرض لینے کی ضرورت پڑ جاتی، علامہ قسطلانی نے کہا ہے کہ اہل وعیال پر خرچ کرنے کے لیے سال بھر کا غلہ فراہم کرنا اور رکھ لینا توکل کے خلاف نہیں ہے کیونکہ سید المتوکلین نے ایسا کیا ہے اور اسباب کا ترک کرنا توکل کے لیے ضروری نہیں ہے بلکہ ممنوع ہے، توکل کی تعریف یہ ہے کہ اسباب حاصل کر کے اس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے جو کہ

مسبب الاسباب ہے، یہی توکل ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ایک سال کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے خرچ کو ذخیرہ کر کے رکھ لے، یعنی اپنے اہل وعیال کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک سال کی روزی جمع کر کے رکھ لے، اور اہل وعیال پر خرچ کرنے کی کیا کیفیت ہے؟ اور کیفیت نفقات کی صفات کی طرف راجع ہے یعنی وہ نفقات واجبہ ہوں یا غیر واجبہ ہوں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۵۷۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ قَالَ لِي مَعْمَرٌ قَالَ لِي الثَّوْرِيُّ هَلْ سَمِعْتَ فِي الرَّجُلِ يَجْمَعُ لِأَهْلِهِ قُوتَ سَنَتِهِمْ أَوْ بَعْضِ السَّنَةِ قَالَ مَعْمَرٌ فَلَمْ يَحْضُرْنِي ثُمَّ ذَكَرْتُ حَدِيثًا حَدَّثَنَاهُ ابْنُ شِهَابٍ الزُّهْرِيُّ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَبِيعُ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَيَحْبِسُ لِأَهْلِهِ قُوتَ سَنَتِهِمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے خبر دی از ابن عیینہ، انہوں نے بیان کیا کہ مجھ سے معمر نے کہا، انہوں نے کہا: مجھ سے الثوری نے کہا: کیا تم نے اس کے متعلق کوئی حدیث سنی ہے۔ ایک مرد اپنے گھر والوں کے لیے ایک سال کی روزی جمع کرتا ہے یا سال کے بعد حصہ کی روزی جمع کرتا ہے تو معمر نے کہا: مجھے یہ مستحضر نہیں ہے، پھر مجھے وہ حدیث یاد آئی جو ہمیں ابن شہاب زہری نے بیان کی تھی از مالک بن اوس از حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے درختوں کے کھجوروں کو فروخت کرتے تھے اور اپنے اہل وعیال کے لیے ایک سال کی روزی جمع کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۲۹۰۴، ۳۰۹۴، ۴۰۳۳، ۴۸۸۵، ۵۳۵۷، ۵۳۵۸، ۶۷۲۸، ۷۳۰۵، صحیح مسلم: ۱۷۵۷، سنن ترمذی: ۱۷۱۹، سنن نسائی: ۴۱۴۰، سنن ابوداؤد: ۲۹۶۵، مسند احمد: ۱۷۲:۲)

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے صحیح البخاری: ۵۳۵۷ میں اس حدیث کا مکمل متن ذکر نہیں کیا، اس حدیث کا مکمل متن صحیح البخاری: ۲۹۰۴ میں مذکور ہے اور وہ درج ذیل ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو نضیر کے اموال اس قسم میں سے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور فئے عطا کیا تھا۔ (مال فے کا مطلب یہ ہے کہ دشمنانِ اسلام اپنا جوتر کہ مسلمانوں کے پاس چھوڑ کر چلے جائیں تو مسلمانوں کا اس پر قبضہ کرنا اور اس کو خرچ کرنا جائز ہے، جیسے برصغیر کی تقسیم کے وقت ہندو اور سکھ جو اپنی جائیدادیں اور دکانیں اور اموال چھوڑ کر بھارت منتقل ہو گئے تو ہجرت کے بعد مسلمانوں نے ان پر قبضہ کر لیا تو یہ بھی مال فے ہے اور ان کا یہ قبضہ کرنا اور اس کو اپنی ضروریات پر خرچ کرنا جائز تھا، اسی طرح جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو ان کی سازشوں اور اسلام دشمنی کی وجہ سے مدینہ سے جلاوطن کر دیا تو وہ بنو نضیر میں اپنے باغات کو چھوڑ کر چلے گئے، اور ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبضہ کر لیا، سعیدی غفرلہ)۔ یہ مال اس قبیل سے تھا کہ جس

کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اپنے گھوڑے اور اپنے اونٹ نہیں دوڑائے تھے تو یہ اموال خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے اپنے اہل کے اوپر سال بھر خرچ کرتے تھے، پھر باقی اموال سے ہتھیار اور گھوڑے خریدتے تھے جو کہ جہاد فی سبیل اللہ میں کام آتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۲۹۰۴)

صحیح البخاری: ۵۳۵۷ کی شرح از علامہ عینی

بنونضیر کا مصداق اور حدیث مذکور سے مستنبط مسائل

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بنونضیر: اس لفظ میں نون پر زبر ہے اور ضاد کے نیچے زیر ہے اور راء کے نیچے بھی زیر ہے، اور یہ خیبر کے یہود کا ایک قبیلہ ہے جو عرب میں داخل ہو گئے تھے اور ان کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف ہے۔

بنونضیر کو مدینہ سے جلاوطن کرنے کا سبب

میں کہتا ہوں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ہجرت فرمائی تو بنونضیر سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کفار قریش کی مدد نہیں کریں گے، لیکن انہوں نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں اور خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء رسانی کی کوشش کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی وجہ سے ان کو مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا۔ وہ اپنے باغات چھوڑ کر چلے گئے اور ان باغات کو مالِ فئے قرار دیا گیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اہل وعیال پر خرچ کرنے کے لیے مال کو جمع کرنا جائز ہے، اور یہ ذخیرہ اندوزی نہیں ہے، اور انسان جو اپنے کھیتوں میں سے یا اپنے باغات میں سے یا پھلوں میں سے سال بھر کے خرچ کے لیے نکال لے تو اس کو ذخیرہ اندوزی نہیں کہا جاتا اور اس میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ان صوفیاء کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ کل کے لیے بچا کر رکھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ جو انسان کل کے لیے مال بچا کر رکھے وہ اپنے رب پر توکل نہیں کرتا اور اس قول کا فساد مخفی نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

توکل کی تعریف میں مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ توکل کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کے حصول کے لیے جو اسباب عادتاً مقرر ہیں، ان اسباب کو حاصل کر کے نتائج کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا مثلاً انسان کھیتوں کی فصل کے لیے زمین میں ہل چلاتا ہے، بیج بوتا ہے، زمین میں پانی دیتا ہے، پھر جو اس کے بس میں ہے وہ کرتا ہے اور نتیجہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ سورج کی گرمی سے غلہ کو پکاتا ہے، چاند کی کرنوں سے اس میں ذائقہ پیدا کرتا ہے اور نرم و نازک بیج سخت زمین کو چیر کر اس میں سے پودا نکالتا ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاتا رہتا ہے، حتیٰ کہ کبھی وہ تناور درخت بن جاتا ہے اور کبھی اس سے فصل تیار ہو جاتی ہے، تو اسی طرح ہر معاملہ میں اسباب کو اختیار کر کے نتائج کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا چاہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید المتوکلین ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ (المائدہ:٦٧) اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔

اس بشارت کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہن کر میدانِ جہاد میں جاتے تھے اور ہتھیار اپنے ساتھ رکھتے تھے اور بعض اوقات صحابہ آپ کے گھر کے باہر آپ کی حفاظت کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی مقصود کے حصول کے لیے اسباب واختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ امتحان کی تیاری کے لیے دن رات محنت کریں اور رزق کی تلاش کے لیے محنت مزدوری کریں اور ملازمت کریں اور صرف یہ نہ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ رزاق ہے اور ہمیں صرف اس پر توکل کرنا چاہیے کہ وہی رزق دے گا، اسی طرح بیماریوں میں علاج کرنا چاہیے اور قدرتی آفات اور مصائب میں اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کرنی چاہیے اور یہ تمام امور توکل کے خلاف نہیں ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۷ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ اپنے اہل وعیال کے خرچ کے لیے ایک سال کی روزی کو جمع کرنا جائز ہے، دوسری احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ نہیں کرتے تھے، ان احادیث کا اس باب کی حدیث سے تعارض ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لیے کسی چیز کو کل کے لیے بچا کر نہیں رکھتے تھے اور اس باب کی حدیث میں ہے کہ آپ دوسروں کے لیے یعنی اپنے اہل وعیال کی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے ایک سال کا مال جمع کر کے رکھتے تھے۔

اور اس حدیث میں امام ابو جعفر طبری کے رد کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ مطلقاً مال جمع کرنا جائز ہے، برخلاف ان لوگوں کے جو مطلقاً مال جمع کرنے کو منع کرتے ہیں، لیکن امام طبری کا استدلال قوی ہے اور اس حدیث کے اندر جو ایک سال کے خرچ کو جمع کرنے کا جواز ہے یہ ضرورت کی بناء پر ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا تو کھجوروں کو جمع کرتے تھے یا جو کو جمع کرتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عیال کی روزی کے لیے ایک سال کی روزی کو جمع کرتے تھے اور سال کے درمیان میں بسا اوقات جو آپ کے پاس سائلین آتے آپ ان پر خرچ کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ چند جو کے عوض یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۰۳ ملخصا، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۵۳، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۷ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو چیزیں سال بھر محفوظ رہ سکتی ہوں، ان کو ایک سال کے خرچ کے لیے جمع کر کے رکھنے کا جواز

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو وسعت دی ہو، اور اس کے لیے آسان ہو کہ وہ اپنے گھر والوں کے لیے ایک سال کا خرچ جمع کر کے رکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے گھر والوں کے لیے ایک سال کا خرچ جمع کر کے رکھے، تاہم جو

دن رات خرچ کرنے والی چیزیں ہیں مثلاً روٹی سالن وغیرہ، تو ان کو ایک سال تک جمع کر کے رکھنا ممکن نہیں ہے، لیکن جن چیزوں کو ایک سال تک جمع کر کے رکھنا ممکن ہو ان کو ایک سال کے خرچ کے لیے جمع کر کے رکھنا چاہیے جیسے گندم، جو، چاول اور کھجوریں وغیرہ۔

ایک سال کے لیے خوراک کو محفوظ کرنا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ پورا سال وہ خوراک محفوظ رہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کے لیے ایک سال کی خوراک کو جمع کر کے رکھتے تھے، سو کیا یہ لازم ہے کہ آپ سال کے اخیر تک خوراک کو جمع کر کے رکھتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لازم نہیں ہے، کیونکہ احادیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی مرد مہمان آیا تو آپ نے اس کو اپنے گھر بھیجا اور وہ آپ کے نو گھروں میں گیا اور وہاں پر سوائے پانی کے اور کوئی چیز نہیں ملی، اس میں یہ دلیل ہے کہ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سال کے لیے خوراک کو جمع کر کے رکھتے تھے لیکن کبھی وہ خوراک ختم ہو جاتی تھی اور باقی نہیں رہتی تھی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرم نوازی کے ساتھ معروف تھے اور مہمانوں پر خرچ کرتے تھے، ضرورت مندوں کو عطا کرتے تھے حتیٰ کہ وہ سال بھر کی خوراک سال سے پہلے ختم ہو جاتی تھی۔

کم سن اولاد اور بڑی عمر کی اولاد کے متعلق خرچ کو چھوڑنے کی تحقیق

سوال: بعض لوگ اپنی بالغ اولاد کا اس وقت نکاح کر دیتے ہیں جب وہ نکاح کرنے کی عمر کو پہنچ جائے اور ان کی کم سن اولاد بھی ہوتی ہے، تو وہ اپنی کم سن اولاد کے لیے مہر کی مقدار کے برابر وصیت کر دیتے ہیں، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ حرام ہے، اور کسی انسان کے لیے وصیت کو نافذ کرنا اس کے بغیر جائز نہیں ہے کہ باقی ورثاء اس پر راضی ہو جائیں اور اس لیے کہ نکاح اس خرچ کی مثل ہے جو اس کی حاجتِ اصلیہ پر زائد ہے، ہاں چھوٹا بچہ جو ابھی زیرِ پرورش ہو اور پنگوڑے میں ہو تو اس کے لیے خرچ کو چھوڑنا جائز ہے، لیکن جو بڑا بیٹا بالغ ہو اور خود کما سکتا ہو اس کے لیے خرچ کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

(شرح صحیح البخاری: ج ۵ ص ۱۲۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۷ کی شرح از علامہ کورانی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے کھجوروں کے درخت کو فروخت کر دیتے تھے: یہ اس وقت کی بات ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا تھا اور ان کے اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے (بہ طور فئے) مخصوص ہو گئے تھے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مال کو جمع کرنا توکل کے منافی نہیں ہے اور اس حدیث میں جو ایک سال کی قید ہے وہ خصوصیت سبب کی وجہ سے ہے، کیونکہ کھجوروں کے درختوں کے پھل صرف ایک سال کے لیے حاصل ہوتے ہیں اور اس حدیث میں ایک سال سے زائد مال کو رکھنے کی ممانعت نہیں ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ دوسری حدیث میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کل کے لیے کوئی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے۔

(سنن ترمذی: ۲۳۶۲، کتاب الزہد، باب ماجاء فی معیشۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحیح ابن حبان: ۶۳۵۶، شعب الایمان للبیہقی: ۱۴۷۸)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لیے کوئی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ آپ

اپنے اہل وعیال کے لیے ایک سال کے خرچ کو جمع کرتے تھے۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۹ ص ۷۱، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۵۳۵۸۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ وَكَانَ مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ ذَكَرَ لِي ذِكْرًا مِنْ حَدِيثِهِ فَانْطَلَقْتُ حَتَّى دَخَلْتُ عَلَى مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ مَالِكٌ انْطَلَقْتُ حَتَّى أَدْخُلَ عَلَى عُمَرَ إِذْ أَتَاهُ حَاجِبُهُ يَرْفَا فَقَالَ هَلْ لَكَ فِي عُثْمَانَ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ وَالزُّبَيْرِ وَسَعْدٍ يَسْتَأْذِنُونَ قَالَ نَعَمْ فَأَذِنَ لَهُمْ قَالَ فَدَخَلُوا وَسَلَّمُوا فَجَلَسُوا ثُمَّ لَبِثَ يَرْفَا قَلِيلًا فَقَالَ لِعُمَرَ هَلْ لَكَ فِي عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ قَالَ نَعَمْ فَأَذِنَ لَهُمَا فَلَمَّا دَخَلَا سَلَّمَا وَجَلَسَا فَقَالَ عَبَّاسٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ اقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ هَذَا فَقَالَ الرَّهْطُ عُثْمَانُ وَأَصْحَابُهُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ اقْضِ بَيْنَهُمَا وَأَرِحْ أَحَدَهُمَا مِنَ الْآخَرِ فَقَالَ عُمَرُ اتَّئِدُوا أَنْشُدُكُمْ بِاللَّهِ الَّذِي بِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ يُرِيدُ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم نَفْسَهُ قَالَ الرَّهْطُ قَدْ قَالَ ذَلِكَ فَأَقْبَلَ عُمَرُ عَلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ فَقَالَ أَنْشُدُكُمَا بِاللَّهِ هَلْ تَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ ذَلِكَ قَالَا قَدْ قَالَ ذَلِكَ قَالَ عُمَرُ فَإِنِّي أُحَدِّثُكُمْ عَنْ هَذَا الْأَمْرِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ قَدْ خَصَّ رَسُولَهُ صلى الله عليه وسلم فِي هَذَا الْمَالِ بِشَيْءٍ لَمْ يُعْطِهِ أَحَدًا غَيْرَهُ قَالَ اللَّهُ ﴿وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿قَدِيرٌ﴾ فَكَانَتْ هَذِهِ خَالِصَةً لِرَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَاللَّهِ مَا احْتَازَهَا دُونَكُمْ وَلَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عُفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عُقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے مالک بن عوف بن الحدثان نے خبر دی اور محمد بن جبیر بن مطعم نے مجھ سے اس حدیث کا کچھ ذکر بیان کیا تھا، پس میں گیا حتیٰ کہ میں مالک بن اوس کے پاس پہنچا، میں نے ان سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو مالک بن اوس نے کہا: میں گیا حتیٰ کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوا، جب ان کے پاس ان کا دربان یرفا آیا، اس نے کہا: آپ کی حضرت عثمان، حضرت عبد الرحمٰن، حضرت زبیر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم کے متعلق کیا رائے ہے، وہ آپ سے اجازت طلب کر رہے ہیں، حضرت عمر نے فرمایا: ہاں! پس ان کو ملاقات کی اجازت دے دی، یرفا نے کہا: وہ لوگ آئے اور انہوں نے سلام کیا، پس وہ بیٹھ گئے، پھر یرفا تھوڑی دیر ٹھہرے تو انہوں نے حضرت عمر سے کہا: آپ کی حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق کیا رائے ہے، آپ نے فرمایا: ہاں! پس ان کو بھی ملاقات کی اجازت دے دی، پھر وہ دونوں آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اے امیر المومنین! میرے اور اس شخص (یعنی حضرت علی) کے درمیان فیصلہ کر دیجئے، تو حضرت عثمان اور دیگر صحابہ کی جماعت نے بھی کہا کہ اے امیر المومنین ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور ان دونوں کو ایک دوسرے سے راحت میں رکھیے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ٹھہرو، میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم دیتا ہوں، جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں! کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہمارا (گروہِ انبیاء کا) کوئی وارث نہیں بنایا جاتا، ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا

اسْتَأْثَرَ بِهَا عَلَيْكُمْ لَقَدْ أَعْطَاكُمُوهَا وَبَثَّهَا فِيكُمْ حَتَّى بَقِيَ مِنْهَا هَذَا الْمَالُ فَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةَ سَنَتِهِمْ مِنْ هَذَا الْمَالِ ثُمَّ يَأْخُذُ مَا بَقِيَ فَيَجْعَلُهُ مَجْعَلَ مَالِ اللهِ فَعَمِلَ بِذَلِكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَيَاتَهُ أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ هَلْ تَعْلَمُونَ ذَلِكَ قَالُوا نَعَمْ قَالَ لِعَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ أَنْشُدُكُمَا بِاللهِ هَلْ تَعْلَمَانِ ذَلِكَ قَالَا نَعَمْ ثُمَّ تَوَفَّى اللهُ نَبِيَّهُ ﷺ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللهِ فَقَبَضَهَا أَبُو بَكْرٍ يَعْمَلُ فِيهَا بِمَا عَمِلَ بِهِ فِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَنْتُمَا حِينَئِذٍ وَأَقْبَلَ عَلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ تَزْعُمَانِ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَذَا وَكَذَا وَاللهُ يَعْلَمُ أَنَّهُ فِيهَا صَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ ثُمَّ تَوَفَّى اللهُ أَبَا بَكْرٍ فَقُلْتُ أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ فَقَبَضْتُهَا سَنَتَيْنِ أَعْمَلُ فِيهَا بِمَا عَمِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ ثُمَّ جِئْتُمَانِي وَكَلِمَتُكُمَا وَاحِدَةٌ وَأَمْرُكُمَا جَمِيعٌ جِئْتَنِي تَسْأَلُنِي نَصِيبَكَ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ وَأَتَى هَذَا يَسْأَلُنِي نَصِيبَ امْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيهَا فَقُلْتُ إِنْ شِئْتُمَا دَفَعْتُهُ إِلَيْكُمَا عَلَى أَنَّ عَلَيْكُمَا عَهْدَ اللهِ وَمِيثَاقَهُ لَتَعْمَلَانِ فِيهَا بِمَا عَمِلَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَبِمَا عَمِلَ بِهِ فِيهَا أَبُو بَكْرٍ وَبِمَا عَمِلْتُ بِهِ فِيهَا مُنْذُ وُلِّيتُهَا وَإِلَّا فَلَا تُكَلِّمَانِي فِيهَا فَقُلْتُمَا ادْفَعْهَا إِلَيْنَا بِذَلِكَ فَدَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا بِذَلِكَ أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ هَلْ دَفَعْتُهَا إِلَيْهِمَا بِذَلِكَ فَقَالَ الرَّهْطُ نَعَمْ قَالَ فَأَقْبَلَ عَلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ فَقَالَ أَنْشُدُكُمَا بِاللهِ هَلْ دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا بِذَلِكَ قَالَا نَعَمْ قَالَ أَفَتَلْتَمِسَانِ مِنِّي قَضَاءً غَيْرَ ذَلِكَ فَوَالَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ لَا أَقْضِي فِيهَا قَضَاءً

ہے وہ صدقہ ہے، رسول اللہ ﷺ کی مراد آپ کی اپنی ذات تھی، تو جماعتِ صحابہ نے کہا: بے شک آپ نے اس طرح فرمایا تھا، پس حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا تھا؟ ان دونوں نے کہا: بے شک آپ نے اس طرح فرمایا تھا، حضرت عمر نے کہا: پس اب میں تمہیں اس معاملہ کے متعلق حدیث بیان کرتا ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس مال (اموال بنو نضیر) میں سے چند چیزوں کے ساتھ خاص کر لیا تھا، اور وہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے سوا اور کسی کو نہیں دی تھیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور اللہ نے جو اموال ان (کافروں) سے نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیے، حالانکہ تم نے ان کے حصول کے لیے نہ گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جن پر چاہے مسلط فرما دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے O پس یہ اموالِ فئے خالص رسول اللہ ﷺ کی ملکیت تھے، اور اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے تمہیں چھوڑ کر ان اموال فئے کو اپنے لیے جمع نہیں کیا اور نہ رسول اللہ ﷺ نے ان اموال فئے کو اپنے ساتھ مخصوص کیا، بے شک رسول اللہ ﷺ نے ان اموال میں سے تم کو بھی عطا کیا ہے اور یہ اموال تمہارے درمیان تقسیم کر دیے حتیٰ کہ ان اموال میں سے اب یہ مال باقی بچ گیا ہے (یعنی اموال بنو نضیر)، پس رسول اللہ ﷺ ان اموال میں سے اپنے گھر والوں کو ایک سال کا خرچ دیتے تھے، پھر جو باقی بچ جاتا اس کو اللہ تعالیٰ کا مال قرار دیتے، سو رسول اللہ ﷺ اپنی پوری حیات میں اسی طرح عمل کرتے رہے، میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم کو اس کا علم ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: میں تم دونوں کو قسم دیتا ہوں کیا تم اس بات کو جانتے ہو، تو ان دونوں نے کہا: جی ہاں،

غَيْرَ ذٰلِكَ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ فَإِنْ عَجَزْتُمَا عَنْهَا فَادْفَعَاهَا فَأَنَا أَكْفِيكُمَاهَا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات دے دی، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی اور خلیفہ ہوں، پھر ان اموالِ فئے پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قبضہ کر لیا اور اس میں وہی عمل کرتے رہے جس طرح ان اموالِ فدک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے، اور اب تم دونوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے، یعنی اب تم دونوں یہ گمان کرتے ہو کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ایسے تھے اور ایسے تھے، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ سچے تھے، نیک تھے، ہدایت یافتہ تھے اور حق کی پیروی کرنے والے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر کو وفات دے دی تو میں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کا خلیفہ ہوں، پس میں نے دو سال تک ان اموال (اموالِ بنو نضیر) کو اپنے قبضہ میں رکھا اور میں ان میں وہی عمل کرتا رہا جو ان اموال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ عمل کرتے تھے، پھر تم دونوں میرے پاس آئے اور تم دونوں ایک بات کر رہے تھے اور تمہارا معاملہ متفق علیہ تھا، حتیٰ کہ تم (یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ) میرے پاس آئے اور تم نے ان اموالِ بنو نضیر میں سے اپنا اور اپنے بھتیجے کا حصہ طلب کیا اور یہ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) آئے اور یہ ان اموال میں سے اپنی زوجہ کا حصہ جو ان کو ان کے والد کی طرف سے ملا ہے، وہ طلب کرتے ہیں، سو میں نے کہا: اگر تم چاہو تو میں یہ اموالِ بنو نضیر تمہارے حوالہ اس شرط پر کر دیتا ہوں کہ تم دونوں پر یہ ذمہ ہے کہ تم دونوں اللہ تعالیٰ کے عہد اور میثاق کو پورا کرتے رہو اور تم دونوں ان اموال میں وہی عمل کرو جو ان اموال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا تھا اور حضرت ابو بکر نے عمل کیا تھا اور جو میں نے ان اموال میں عمل کیا ہے، جب سے میں ان اموال کا متولی ہوا ہوں، ورنہ تم دونوں ان اموال کے متعلق مجھ سے کلام نہ کرو، پس تم دونوں نے کہا کہ یہ اموال ہمارے سپرد کر دیں، تو میں نے یہ

اموال تم دونوں کے سپرد کر دیئے، اب میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا میں نے اس شرط کے ساتھ یہ اموال تمہارے حوالہ کیے تھے، تو جماعت صحابہ نے کہا: ہاں! پھر حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے پس فرمایا میں تم دونوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا میں نے تم کو یہ اموال اس شرط کے ساتھ حوالہ کیے تھے، ان دونوں نے کہا: جی ہاں، حضرت عمر نے کہا: کیا اب تم مجھ سے اس کے سوا کوئی اور فیصلہ چاہتے ہو، پس اس ذات کی قسم جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں میں ان اموالِ بنونضیر میں اس کے سوا اور کوئی فیصلہ نہیں کروں گا حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے، پس اگر تم دونوں ان اموال میں کسی طرح تصرف کرنے سے عاجز ہو جاؤ تو پھر تم یہ اموال میرے سپرد کر دو، میں تمہاری جگہ ان میں تصرف کروں گا۔

(صحیح البخاری: ۳۰۹۴، صحیح مسلم: ۱۷۵۷، سنن ابوداؤد: ۲۹۶۳، سنن ترمذی: ۱۶۱۰، مسند احمد: ۱۷۸۵)

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مالک بن اوس کی حدیث کے فقہی فوائد

(۱) ہر قبیلہ پر واجب ہے کہ وہ اپنے معاملات کو اپنے قبیلے کے سردار کے سپرد کر دے، کیونکہ وہ سرداران معاملات کو تمام مردوں سے زیادہ جاننے والا ہے، جیسا کہ اموالِ فدک کے معاملات کو صحابہ کرام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا تھا۔

(۲) خلیفۃ المسلمین کے دربان کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی معزز مرد کو اس کے نام کے ساتھ پکارے اور اس میں اس معزز آدمی کی کوئی کمی نہیں ہے اور نہ یہ اس کے لیے باعثِ عار ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربان یرفا نے کہا کہ آپ کی حضرت عثمان، اور عبد الرحمٰن اور زبیر اور سعد (رضی اللہ عنہم) کے متعلق کیا رائے ہے؟ وہ آپ سے ملاقات کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔

(۳) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ خلیفہ اور امام دربان کو مقرر کر سکتا ہے، تا کہ کوئی معزز آدمی ہو یا غیر معزز ہو وہ خلیفہ کی اجازت کے بغیر اس سے ملنے نہ آسکے۔

(۴) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ جب دو فریق کسی معاملہ میں جھگڑا کریں تو کوئی شخص امام اور خلیفہ سے ان کے درمیان صلح کی سفارش کر سکتا ہے، جیسا کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اموالِ بنونضیر کے متعلق ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے کہ ان کی تولیت کون کرے گا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ آپ حضرت عباس اور حضرت علی کے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے راحت دلائیے، کیونکہ صحیح البخاری: ۴۰۳۳ میں یہ مذکور ہے کہ حضرت علی اور حضرت عباس نے بنونضیر کے اموال کے معاملہ میں ایک دوسرے کو برا کہا۔

(۵) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ خلیفۃ المسلمین اور امام اپنے فیصلہ کے اوپر لوگوں کو گواہ بنالیں۔

حضرت عباس اور حضرت علی کے درمیان منازعت اور جھگڑے کی تفصیل

حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تھے اور ان سے یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک کی زمین میں جو ترکہ چھوڑا ہے، اور جو خیبر کی زمین میں آپ کا حصہ ہے اور جو مدینے میں آپ کے صدقات ہیں، ان کی وراثت میں سے ان کو حصہ عطا کریں، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ مطالبہ کیا تھا، کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ سے ان کی وراثت کو تقسیم کریں، جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اموالِ فئے عطا کیے تھے، اس میں سے ان کا حصہ دیں۔ (صحیح البخاری: ۳۰۹۳، ۴۰۳۵، ۴۲۴۰، ۶۷۲۵، ۶۷۲۵، صحیح مسلم: ۱۷۵۹)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو اس کا جواب دیا تھا، وہ درج ذیل حدیث میں ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم کسی کو وارث نہیں بناتے، ہم نے جو بھی ترکہ چھوڑا وہ صدقہ ہے تو سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوگئیں اور انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑے رکھا اور اس وقت تک ان سے ملاقات نہیں کی حتیٰ کہ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چھ ماہ تک زندہ رہیں تھیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ترکہ میں سے حصہ طلب کرتی تھیں جو خیبر کی زمین میں تھا اور جو مدینہ کے صدقات میں تھا تو حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے انکار کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمین میں جو کچھ بھی کرتے تھے میں اس کو ترک کرنے والا نہیں ہوں، مگر میں اس میں وہی عمل کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کرتے تھے، کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیے ہوئے عمل میں سے کسی چیز کو ترک کیا تو میں گمراہ ہو جاؤں گا، پھر رہا مدینہ کا صدقہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے سپرد کر دیا اور رہا خیبر اور فدک کا حصہ تو اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روک لیا اور کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کے لیے خاص ہے اور آپ کی ضروریات کے لیے اور ان کی تولیت کا معاملہ اسی کی طرف مفوض ہوگا جو آپ کا خلیفہ ہو، اور اب تک اس زمین کے معاملات اسی طرح قائم ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۰۹۲، ۴۰۳۶، ۴۲۴۱، ۶۷۲۶، صحیح مسلم: ۱۷۵۹)

حضرت سیدہ فاطمہ کے حضرت ابوبکر سے وراثت کے سوال کرنے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر سے مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ کا سوال کیا، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ کس طرح ان صدقات کو طلب کرتی تھیں، حالانکہ وہ تمام مومنین کے لیے صدقہ تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس صدقہ کو طلب کر رہی تھیں جو ان کے گمان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھا، حضرت ابوبکر نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا وارث نہیں بنایا جاتا، اس جگہ یہ اعتراض ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے تو پھر حضرت سیدہ نے حضرت ابوبکر سے وراثت کا سوال کیوں کیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سیدہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا علم نہیں تھا۔

نیز علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئی تھیں اور فدک اور خیبر اور ان کے علاوہ بنونضیر کے صدقات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث سے سوال کرتی تھیں، اور فدک کی زمینیں اس قبیل سے تھیں جس زمین میں مسلمانوں نے اپنے گھوڑے نہیں دوڑائے تھے، سو اس میں خمس جائز نہیں اور رہا خیبر تو زہری نے بھی ذکر کیا ہے کہ خیبر کی بعض زمینیں صلح سے فتح ہوئی تھیں اور بعض زمینیں جنگ سے فتح ہوئی تھیں، سو ان میں خمس جاری ہو سکتا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے، ہمارا جو بھی ترکہ ہے وہ صدقہ ہے، اس کو حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے بھی تسلیم کر لیا تھا اور باقی صحابہ نے بھی تسلیم کر لیا تھا۔

حدیث مذکور کے بقیہ فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنی ذات کی مدح کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ اس کی مدح حق اور صواب پر مبنی ہو، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ میں اس زمین میں وہی عمل کرتا رہا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور حضرت ابوبکر نے عمل کیا تھا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اپنی اس بات میں سچا ہوں، نیک ہوں، ہدایت یافتہ ہوں اور حق کے تابع ہوں۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مرد اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے ایک سال کی روزی کو جمع کر کے رکھ سکتا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیا، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوپر بنونضیر اور فدک کی زمینوں کو فتح کر دیا تو آپ نے ان زمینوں کی آمدنی سے اپنے گھر والوں کے لیے ایک سال کا خرچ جمع کر لیا اور اس میں ان جاہل صوفیوں کا رد ہے جو مال جمع کرنے سے منع کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ جس نے کل کے لیے مال جمع کیا اس نے اپنے رب کے ساتھ بدگمانی کی اور اس نے اللہ تعالیٰ پر ایسا توکل نہیں کیا جو توکل کرنے کا حق تھا۔

(۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس اور حضرت فاطمہ کے خلاف اس حدیث سے فیصلہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمارا کوئی وارث نہیں بنایا جاتا اور اور آپ نے اس سلسلہ میں کسی اور سے محاکمہ نہیں کیا، اسی طرح واجب ہے کہ حکام اور ائمہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کریں جب کہ ان کو یہ معلوم ہو کہ انہوں نے جو فیصلہ کیا ہے وہ صحیح ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۱۸، ص ۲۷۳-۲۷۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سوال کا جواب کہ جب حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ترکہ صدقہ ہے، تو پھر وہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے کیوں آئے؟

علامہ حمد بن محمد خطابی متوفی ۳۸۸ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ جب حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما

دونوں معترف تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ہمارا کوئی وارث نہیں بنایا جاتا، ہم نے جو بھی ترک کیا ہے وہ صدقہ ہے، تو پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کیوں آئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنونضیر اور فدک کی زمین کا انتظام اور تولیت حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں کے سپرد کردی تھی کہ آپ دونوں مل کر اس میں اس طرح انتظام کریں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان زمینوں میں انتظام کرتے تھے، اور ان دونوں کو اس میں شرکت پسند نہیں تھی، اور ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ وہ اس انتظام کرنے میں منفرد اور مستقل ہو، تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مطالبہ کیا کہ ان دونوں کو الگ الگ انتظام کرنے کا متصرف بنا دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کیا کہ کہیں اس سے یہ دروازہ نہ کھل جائے کہ جو مال وقف ہو اس کا کسی کو مالک بنایا جا سکتا ہے، اور پھر جب زمانہ طویل ہو جائے تو لوگ یہ سمجھیں کہ یہ حضرات ان زمینوں میں تصرف کرنے کے مالک ہیں، حالانکہ یہ زمینیں از قبیل وقف تھیں اور وقف کا کوئی مالک نہیں ہوتا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے مطالبہ کو تسلیم نہیں کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۸ کی شرح از علامہ کورانی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے مطالبہ کو تسلیم نہ کرنے کی توجیہ

یہ حدیث ابواب الخمس میں مکرر گزر چکی ہے، (صحیح البخاری: ۳۰۹۴)۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات جو بنونضیر اور فدک کی زمینوں سے متعلق تھے، وہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں میں تھے کہ وہ غور و فکر سے ان زمینوں کی پیداوار کو تقسیم کریں، پھر ان میں سے ہر فریق نے یہ ارادہ کیا کہ ان کو الگ الگ مستقل طور پر ان زمینوں میں تصرف کرنے کی اجازت دی جائے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں زیادہ وقت گزرنے کے بعد ان میں سے ہر ایک کی ذُرّیت یہ دعویٰ نہ کرے کہ وہ ان زمینوں کی مالک ہے، اس کا سدِ باب کرنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے مطالبہ کو تسلیم نہیں کیا۔ (الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۹ ص ۲۷، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۴۔ باب:

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا

۴۔ باب:

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ (حکم) اس کے لیے جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہے، اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے موافق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے، کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کیا جائے گا، نہ ماں کو اس کی بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے گا اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے گا اور وارث پر بھی اسی طرح لازم ہے، پھر اگر ماں اور باپ باہمی مشورہ اور رضامندی سے دودھ

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَّا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ (البقرہ:۲۳۳)

چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہے اور اگر تم دائیوں سے اپنے بچوں کو دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے، بہ شرطیکہ تم (ان کو) دستور کے مطابق اجرت ادا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے O (البقرہ:۲۳۳)

وَقَالَ: وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا۔ (الاحقاف:۱۵)

اور اس کو پیٹ میں اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ میں تھا۔ (الاحقاف:۱۵)

وَقَالَ: وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ ۝ لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۝ (الطلاق:۷۔۶)

اور اگر تم دونوں کوئی دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی O صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا O (الطلاق:۷۔۶)

باب مذکور کی تعلیق

وَقَالَ يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ نَهَى اللَّهُ أَنْ تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَذَلِكَ أَنْ تَقُولَ الْوَالِدَةُ لَسْتُ مُرْضِعَتَهُ وَهِيَ أَمْثَلُ لَهُ غِذَاءً وَأَشْفَقُ عَلَيْهِ وَأَرْفَقُ بِهِ مِنْ غَيْرِهَا فَلَيْسَ لَهَا أَنْ تَأْبَى بَعْدَ أَنْ يُعْطِيَهَا مِنْ نَفْسِهِ مَا جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَيْسَ لِلْمَوْلُودِ لَهُ أَنْ يُضَارَّ بِوَلَدِهِ وَالِدَتَهُ فَيَمْنَعَهَا أَنْ تُرْضِعَهُ ضِرَارًا لَهَا إِلَى غَيْرِهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَسْتَرْضِعَا عَنْ طِيبِ نَفْسِ الْوَالِدِ وَالْوَالِدَةِ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا بَعْدَ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فِصَالُهُ فِطَامُهُ۔

اور یونس نے کہا از زہری، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے ضرر دیا جائے، اور یہ اس وقت ہے کہ جب ماں یہ کہے کہ وہ دودھ نہیں پلائے گی، اور ماں کا دودھ بچہ کے لیے غذا اور شفقت اور ملائمت کے اعتبار سے دوسری عورتوں کے دودھ کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے، پس ماں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جب بچہ کا باپ اس کو اپنی طرف سے دودھ پلانے کی اجرت دے وہ دودھ پلانے سے انکار کرے، حالانکہ ماں کا دودھ بچہ کی اچھی غذا ہے اور ماں کو جو اپنے بچہ پر شفقت اور محبت ہوتی ہے وہ دوسری عورت کو کہاں سے ہونے لگی تو ماں کو دودھ پلانے سے انکار کا حق نہیں پہنچتا جب بچہ کا باپ اس کا حق ادا کرے (روٹی کپڑا دے)، اسی طرح فرمایا: یعنی باپ اپنے بچہ کی وجہ سے ماں کو نقصان نہ پہنچائے، اس کی صورت یہ ہے مثلاً باپ بچہ کی ماں کو دودھ پلانے سے روکے، اور کسی دوسری عورت کو دودھ

پلانے کے لیے مقرر کرے، البتہ اگر ماں باپ دونوں اپنی خوشی سے کسی دوسری عورت کو دودھ پلانے کے لیے مقرر کریں تو دونوں پر کچھ گناہ نہ ہوگا۔ اگر ماں اور باپ دونوں اپنی خوشی سے مشورہ کر کے بچہ کا دودھ چھڑانا چاہیں تب بھی ان پر کچھ گناہ نہ ہوگا، جب کہ وہ دونوں اپنی خوشی سے مشورہ کر کے اپنے بچہ کا دودھ چھڑائیں، تب بھی ان پر کچھ گناہ نہ ہوگا (خواہ ابھی مدتِ رضاعت باقی ہو) اور فصالہ کا معنی ہے: دودھ چھڑانا۔

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی

یعنی یونس بن یزید القرشی الایلی نے کہا از محمد بن مسلم زہری۔

اس تعلیق کی عبداللہ بن وہب نے اپنی جامع میں از یونس سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

البقرہ: ۲۳۳ کی تفسیر میں مذکور ہے کہ کوئی ماں اپنے بچہ کی وجہ سے اپنے شوہر کو ضرر نہ دے بایں طور کہ بچہ کو اپنے سے دور کر دے تا کہ اس کے باپ کو ضرر پہنچائے، لیکن اس کے لیے اس بچہ کو دور کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ بچہ اس سے پیدا ہوا ہے، حتیٰ کہ اس کو دودھ پلائے کیونکہ عموماً بچہ ماں کے دودھ کے بغیر زندہ نہیں رہتا، پھر دودھ پلانے کے بعد وہ اگر چاہے تو بچہ کو اپنے سے دور کر سکتی ہے، لیکن اگر اس سے بچہ کے باپ کو ضرر ہو تب بھی بچے کی ماں کے لیے یہ جائز نہیں ہے، جیسا کہ باپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بچہ کو ماں سے چھین لے۔

اور بچہ کی ماں کا بچہ کو دودھ پلانا اس کے لیے بچہ کی غذا کے اعتبار سے زیادہ افضل ہے، کیونکہ بچہ کی ماں بچہ کے اوپر دوسروں کی بہ نسبت زیادہ شفیق ہوتی ہے۔

اور جب بچہ کا باپ بچے کی ماں کو اس کا خرچ اور دودھ پلانے کی اجرت دے تو پھر بچہ کی ماں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس کو دودھ پلانے سے انکار کر دے۔

اگر بچہ کے ماں باپ دونوں اس پر متفق ہو جائیں کہ دو سال سے پہلے بچہ کو دودھ چھڑا دیں اور اس میں وہ باہمی مشورہ سے کوئی مصلحت دیکھیں اور ان کا اس پر اتفاق ہو تو اس میں ان پر کوئی حرج نہیں ہے، اور بغیر باہمی مشورہ کے ان میں سے کسی ایک کا فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

فِصَالُهٗ: کا معنی ہے: بچہ کا دودھ چھڑانا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر ہے جس کی امام طبری نے روایت کی ہے، اور لفظ الفصال مصدر ہے، کہا جاتا ہے: "فاصلته وفاصله مفاصلة وفصالا" یہ اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب دو مردوں کے درمیان جو چیز مشترک ہو، اس سے علیحدگی کا ارادہ کیا جائے، اور بچہ کا فصال یہ ہے کہ بچہ کو دودھ پینے سے منع کیا جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

البقرہ: ۲۳۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس آیت کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں جملہ خبریہ ہے اور اس کا معنی امر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے اور یہ لازم کیا ہے کہ مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں، یعنی ان کے شوہروں سے جو اولاد پیدا ہوئی ہے، وہ ان کو دودھ پلائیں اور ان کو دودھ پلانے کی وہ زیادہ حق دار ہیں اور یہ حکم بہ طورِ وجوب اور فرضیت کے نہیں ہے، جب کہ اس بچہ کا باپ زندہ ہو اور خوشحال ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الطلاق میں یہ فرمایا ہے:

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ (الطلاق:۶)　اور اگر وہ (تمہارے بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو۔

اور اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں مراد وہ مائیں ہیں جو فقط مبتوتات ہوں یعنی جن کو طلاقِ بائنہ ہو چکی ہو، اور اس پر اجماع ہے کہ دودھ پلانے کی اجرت خاوند کے ذمہ ہے، جب مطلقہ عدت سے نکل جائے اور اس میں اختلاف ہے کہ جو مائیں شوہر والیاں ہوں تو کیا ان کو بچہ کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا؟ ابن ابی لیلیٰ نے کہا: ہاں جب تک وہ اس کی بیوی ہے، اس کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا اور یہی امام مالک اور ابو ثور کا مذہب ہے، اور ثوری اور فقہاء احناف اور امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ عورت پر دودھ پلانا لازم نہیں ہے، اور دودھ پلانے کی اجرت ہر حال میں خاوند کے ذمہ ہے اور ابن القاسم مالکی نے کہا ہے کہ شوہروں کو دودھ پلانے کی اجرت دینے پر مجبور کیا جائے گا، سوا اس صورت کے کہ ان ماؤں کی مثل کوئی اور عورت ہو جو بچہ کو دودھ پلائے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ یعنی دودھ پلانے کی اجرت دو سال ہے۔

اور الاحقاف: ۱۵، میں فرمایا ہے، حمل کی مدت اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے، اس آیت کریمہ کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس مدت کو بیان کیا جائے جس میں دودھ پلانا واجب ہے اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ کم سے کم حمل کی مدت چھ ماہ ہے، کیونکہ دودھ پلانے کی مدت پورے دو سال ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے البقرہ: ۲۳۳ میں حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ فرمایا، یعنی دودھ پلانے کی مدت پورے دو سال ہے، پس حمل کے لیے چھ ماہ باقی بچے۔

بعجۃ بن عبد اللہ الجہنی روایت کرتے ہیں کہ ہم میں سے ایک مرد نے ایک عورت سے نکاح کیا، سو چھ ماہ کے بعد اس کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا، وہ مرد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا، تو ان کے پاس حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا یعنی حمل کی مدت اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے، اور فرمایا کہ دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے، کیونکہ سورہ لقمان میں ارشاد ہے: وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ (لقمان: ۱۴) اور دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب دودھ پلانے کی مدت کو منہا کر لیا جائے تو پھر حمل کی مدت چھ ماہ رہ جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کے ہاں نکاح کے چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہو جائے تو اس بچہ کا نسب ثابت ہوگا اور اس عورت کو رجم نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے اختلاف اسی بنیاد پر کیا تھا۔ (سعیدی غفرلہ)

البقرہ: ۲۳۳ کی شرح از پیر محمد کرم شاہ الازہری

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری الحنفی المتوفی ۱۹۹۸ء اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہاں طلاق کے بعد یہ سوال طبعاً سامنے آتا ہے کہ اگر طلاق والی عورت کی گود میں شیر خوار بچہ ہو تو اس جدائی کے بعد اس کی پرورش کا کیا طریقہ ہوگا، اس لیے ضروری تھا کہ بچہ کی پرورش کی ذمہ داریاں جو ماں باپ پر ہیں انہیں اس موقع پر بیان فرما دیا جائے، لہٰذا یہاں ان مسائل کا بیان ہوا۔

مسئلہ: ماں خواہ مطلقہ ہو یا نہ ہو اس پر اپنے بچے کو دودھ پلانا واجب ہے بشرطیکہ باپ کو اجرت پر دودھ پلوانے کی قدرت و استطاعت نہ ہو یا کوئی دودھ پلانے والی میسر نہ آئے یا بچہ ماں کے سوا اور کسی کا دودھ قبول نہ کرے، اگر یہ باتیں نہ ہوں یعنی بچہ کی پرورش خاص ماں کے دودھ پر موقوف نہ ہو تو ماں پر دودھ پلانا واجب نہیں مستحب ہے۔ (منقول از حاشیہ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ مراد آبادی)

مسئلہ: اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور عدت گزر چکی تو وہ اس بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے۔

(حاشیہ صدر الافاضل)

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۱ ص ۱۶۱، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

البقرہ: ۲۳۳ کی شرح از مصنف

دودھ پلانے کے شرعی احکام

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے طلاق کے احکام بیان کیے جس سے فرقت واقع ہوئی ہے، اور اب ان چیزوں کے احکام بیان کیے جو نکاح کے نتیجہ میں واقع ہوتی ہیں، کیونکہ بعض مطلقہ عورتوں کے دودھ پیتے بچے ہوتے ہیں اور کبھی کبھی ماں باپ کے جھگڑوں کی وجہ سے دودھ پیتے بچے ضائع ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات باپ سے انتقام لینے کے لیے ان کی مائیں دودھ نہیں پلاتیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ماؤں کو یہ نصیحت کی کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلائیں اور یہ کہ باہمی رضامندی سے وہ بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں، اور بچوں کے باپ پر یہ لازم کیا کہ وہ اپنی طاقت اور وسعت کے مطابق دودھ پلانے والیوں کو کھانے اور کپڑوں کا خرچ مہیا کریں اور یہ کہ بچوں کی وجہ سے ماں باپ میں سے کوئی فریق دوسرے پر زیادتی نہ کرے، مثلاً ماں بچوں کو پالنے اور پرورش کرنے کی وجہ سے باپ کو ضرر پہنچائے اور کھانے اور کپڑوں کا دستور سے زیادہ خرچ طلب کرے، یا ماں بچوں کو دودھ پلانا چاہتی ہے اور باپ زبردستی بچوں کو ماں سے چھین لے یا اس کو دودھ پلانے پر مجبور کرے یا اس کے خرچ میں قدر معروف سے کمی کرے، اس تفسیر کی بناء پر اس آیت میں وہ مطلقہ عورتیں مراد ہیں جن کی ان کے خاوندوں سے اولاد ہو، اور اجنبی دائیوں کی بہ نسبت دودھ پلانے کی وہ زیادہ حق دار ہیں اور بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ اس آیت میں مطلقاً دودھ پلانے والی مائیں مراد ہیں خواہ وہ مطلقہ عورتیں ہوں یا منکوحہ عورتیں ہوں۔

امام مالک کے نزدیک ماں پر دودھ پلانا واجب ہے خواہ وہ منکوحہ ہو یا مطلقہ اور جمہور کے نزدیک ماں پر اس وقت دودھ پلانا واجب ہے جب بچہ کسی اور عورت کا دودھ نہ پئے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دودھ پلانے کی مکمل مدت دو سال ہے، کیونکہ

اس مدت میں بچہ کو اپنی نشو و نما کے لیے دودھ کی حاجت ہوتی ہے، نیز اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کم از کم دودھ پلانے کی کوئی حد نہیں ہے، کیونکہ ماں باپ باہمی مشورہ سے جتنے عرصہ تک چاہیں دودھ پلائیں اور اس کے بعد دودھ چھڑا دیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دودھ پلانے والی کے کھانے اور کپڑے کا خرچ باپ کے ذمہ ہے اور دایہ کی اجرت بھی باپ کے ذمہ ہے اور امام شافعی کے نزدیک بچہ کی ماں کا بھی دودھ پلانے کی اجرت طلب کرنا جائز ہے، خواہ وہ نکاح میں ہو یا عدت میں، اور بچہ کا خرچ بھی باپ کے ذمہ ہے اور اگر باپ زندہ نہ ہو تو باپ کے وارث کے ذمہ بھی یہی احکام ہیں، اس پر لازم ہے کہ وہ دودھ پلانے والی کے کھانے اور کپڑے کا خرچ دے اور دودھ پلانے کی اجرت دے اور دودھ پلانے والی کو ترک نہ کرے۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک یہ آیت محارم کے نفقہ کے وجوب کی اصل ہے، ان کے نزدیک ہر ذورحم محرم پر خرچ واجب ہے مثلاً ماموں اور پھوپھی پر اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک بچوں کا خرچ صرف والدین پر واجب ہے، بچہ کا خرچ باپ پر واجب ہے، باپ فوت ہو گیا ہو تو اس کے ترکہ سے خرچ کرنا واجب ہے اور اگر اس کا مال نہ ہو تو پھر ماں پر واجب ہے، قرآن مجید کی اس آیت سے امام ابوحنیفہ اور امام احمد کی رائے کی تاکید ہوتی ہے، کیونکہ قرآن مجید نے باپ کے بعد وارث پر بچہ کے خرچ کو واجب کیا ہے۔

دودھ پلانے کی مدت میں ائمہ مذاہب کی آراء

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں: دو سال کی مدت کی تفسیر میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ جس عورت کے ہاں چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہو جائے، وہ دو سال دودھ پلائے تاکہ تیس مہینے پورے ہو جائیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا۔ (الاحقاف: ۱۵) اور حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور عطاء اور ثوری کا قول یہ ہے کہ ہر بچہ کو دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے۔

(النکت والعیون ج ۱ ص ۳۰۰، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قاضی ابوبکر بن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ دودھ پلانے کی کم از کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے اور زیادہ سے زیادہ حد دو سال ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۲۷۳، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے لکھا ہے کہ دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ کے علاوہ باقی ازواج مطہرات، امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد، شعبی، اوزاعی اور ابوثور کا یہی مسلک ہے۔ (المغنی ج ۸ ص ۱۴۲، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ المرغینانی الحنفی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دودھ پلانے کی مدت تیس مہینے ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک دو سال ہے، امام شافعی کا بھی یہی قول ہے اور امام زفر کے نزدیک یہ مدت تین سال ہے، کیونکہ دو سال کے بعد بچے کو دفعتہً دودھ سے غذا کی طرف لانا مشکل ہے، اس لیے بعد کے ایک سال میں دودھ کے ساتھ اس کو غذا کا عادی بنایا جائے اور تین سال کے بعد مکمل دودھ چھڑا دیا جائے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ (الاحقاف: ۱۵) اور کم از کم حمل کی مدت چھ ماہ ہے تو دودھ چھڑانے کے لیے دو سال باقی بچے، امام دار قطنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طفولیت کی دو سال کی عمر کے بعد دودھ

پلانے کا عمل نہیں ہے۔ (سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۷۴) اس حدیث کو امام عبدالرزاق اور امام مالک نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہی آیت ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں ذکر کیں (حمل اور دودھ چھڑانا) اور دونوں کی ایک مدت ذکر فرمائی یعنی تیس مہینے، لہٰذا ان میں سے ہر ایک کی مدت مکمل تیس ماہ ہوگی لیکن ان میں ایک یعنی حمل کی مدت ایک حدیث سے دو سال متعین ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں باقی رہتا۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۳۲۲ ،مطبوعہ: ملتان، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۴۳ ،مطبوعہ ملتان)

ان میں سے ایک کی مدت اس حدیث کی بناء پر دو سال رہ گئی تو دوسرے یعنی دودھ چھڑانے کی مدت اپنی اصل پر تیس ماہ رہے گی، نیز دو سال تک بچہ کو دودھ پلانے کے بعد فوراً غذا کی طرف راجع کرنا مشکل ہوگا اس لیے اس کو بقیہ چھ مہینے میں بہ تدریج غذا کا عادی بنایا جائے گا اور اڑھائی سال کے بعد کلی طور پر دودھ چھڑا دیا جائے گا اور سورۂ بقرہ میں جو ارشاد ہے: اور مائیں اپنے بچوں کو مکمل دو سال دودھ پلائیں۔ (البقرہ: ۲۳۳) اور حدیث میں ہے: دو سال کے بعد دودھ پلانا نہیں ہے، اس آیت اور اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ دو سال سے زیادہ بچے کو دودھ پلانے کا استحقاق نہیں ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۳۵۰-۳۵۱ ،مطبوعہ: مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

ہر چند کہ امام اعظم اور صاحبین دونوں کے قول مفتیٰ بہ ہیں لیکن علامہ حصکفی نے امام اعظم کے قول کو ترجیح دی ہے۔

(درمختار علی ہامش الرد ج ۱ ص ۴۰۳ ،مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(تبیان القرآن ج ۱ ص ۸۴۳-۸۴۵ ،مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، ۱۴۳۰ھ)

الطلاق: ۶-۷ کی تفسیر از علامہ عینی

وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ ۞ لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ ۖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۞ (الطلاق: ۶-۷)

اور اگر تم دونوں کوئی دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی ○ صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کردے گا ○

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ سے خرچ کرنے کی مقدار کی طرف اشارہ کیا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ خرچ کرنے کی مقدار خرچ کرنے والے کی حیثیت کے اعتبار سے ہے، پھر فرمایا: اگر تم کو دودھ پلانے میں دشواری ہو اور شوہر بیوی کو دودھ پلانے کی اجرت دینے سے انکار کرے اور ماں زائد اجرت کے بغیر دودھ پلانے سے انکار کرے تو شوہر کے لیے عورت کو دودھ پلانے پر مجبور کرنے کا حق نہیں ہے، سو کوئی اور عورت بچہ کو دودھ پلا دے گی، اور یہ مشکل نہیں ہے کہ بچہ کی ماں کے علاوہ کوئی اور عورت بچہ کو دودھ پلائے، اس کے بعد فرمایا: کہ جو شخص خوشحال ہو وہ اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے، اور جو شخص تنگدست ہو وہ اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کرے، اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس کو دیا ہے اس کے مطابق خرچ کرے، اگر اس کی گنجائش کم ہے تو اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ مشکل کے بعد آسانی پیدا فرما دے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶-۲۷ ،دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح کا خلاصہ

میں کہتا ہوں کہ باب مذکور کی شرح کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ ماں پر اپنے بچہ کو دودھ پلانا واجب ہے، یہ اس صورت میں ہے جب بچہ کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پیئے یا کوئی دوسری عورت نہ ملے، یا باپ محتاج ہو اور دودھ پلانے والی کے خرچ کو اٹھانے کی طاقت نہ رکھتا ہو، اس آیت میں یعنی وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ (البقرہ: ۲۳۳) ماؤں سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کو ان کے خاوند نے طلاق دے دی ہے تو ایسی عورتوں کو دودھ پلانے کی اجرت خاوند کو دینی ہوگی۔ اور دوسری آیت یعنی وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (الاحقاف: ۱۵)، میں دودھ پلانے کی مدت کا ذکر ہے، اس آیت کو اور سورۂ لقمان کی آیت وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ (لقمان: ۱۴) ان دونوں آیتوں کو ملا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ مہینے ہیں، اور تیسری آیت یعنی (الطلاق: ۷۔۶) میں مذکور ہے کہ خاوند دودھ پلانے کی اجرت اپنی طاقت کے مطابق دے۔

باب: ۴ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

البقرہ: ۲۳۳ میں جملہ خبریہ ہے، اور اس کا معنی امر اور حکم ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ لازم کیا ہے کہ مائیں اپنی اس اولاد کو جو ان کے خاوند سے پیدا ہوئی ہے دودھ پلانے کی زیادہ حق دار ہیں اور یہ واجب نہیں ہے جب کہ بچہ کا باپ زندہ ہو اور خوش حال ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الطلاق میں فرمایا ہے:

وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰی ۞ لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَیَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا ۞ (الطلاق: ۷۔۶)

اور اگر تم دونوں کوئی دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی ۞ صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا ۞

یعنی اگر شوہر اور بیوی پر اجرت دشوار ہو تو کوئی اور عورت بچہ کو دودھ پلا دے۔

اور البقرہ: ۲۳۳ میں دو سال کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ یہ شارع کے نزدیک دودھ پلانے کی انتہائی مدت ہے۔

اور اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں ماؤں سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کو فقط طلاق بائن دی جا چکی ہو۔

اور اس پر اجماع ہے کہ دودھ پلانے کی اجرت خاوند کے ذمہ ہے جب مطلقہ عورت عدت سے نکل جائے۔

امام مالک نے کہا ہے کہ اگر خاوند نے بیوی کو طلاق رجعی دی ہو تو پھر عورت کے ذمہ بچہ کو دودھ پلانا ہے، جب تک کہ عدت پوری نہ ہو، پس اگر مطلقہ رجعیہ کی عدت پوری ہوگئی ہے تو پھر باپ کے ذمہ دودھ پلانے کی اجرت ہے، اسی طرح جب طلاق بائن ہو تب بھی خاوند کے ذمہ دودھ پلانے کی اجرت ہے، خواہ عدت پوری نہ ہوئی ہو اور ماں دودھ پلانے کے زیادہ لائق ہو، اور اگر بچہ

کسی اور عورت کا دودھ نہ پئے اور بچہ کی جان کو خطرہ ہو تو پھر اس کی ماں کو دودھ پلانے کی اجرت رواج کے مطابق ملے گی، اور ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا۔ (المدونہ ج ۲ص ۲۹۵)

اور اس میں اختلاف ہے کہ جو عورت شوہر والی ہو، کیا اسے بچہ کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا؟

ابن ابی لیلیٰ نے کہا: ہاں! مجبور کیا جائے گا جب تک وہ اس کی بیوی ہے، یہ امام مالک اور ابوثور کا قول ہے، اور الثوری اور فقہاء احناف اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اس عورت کو بچہ کے دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اور دودھ پلانے کا خرچ ہر حال میں شوہر کے ذمہ ہے۔

اور علامہ ابن القاسم مالکی نے کہا: عورت کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا، سوا اس صورت کے کہ اس عورت کی مثل کوئی دودھ نہ پلائے، تو اس صورت میں دودھ پلانے کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے۔

جن لوگوں نے کہا ہے کہ دودھ پلانا ماں کے ذمہ ہے، ان کا اس آیت سے استدلال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ** (البقرہ: ۲۳۳) یعنی بچہ کے باپ کے ذمہ دودھ پلانے والی کا رزق ہے، پس جو منکوحہ عورتیں مائیں ہیں، انہیں دودھ پلانے کا حکم دیا ہے اور ان کے خاوندوں پر یہ لازم کیا ہے کہ ان کو خرچ اور کپڑے وغیرہ دیں، اس آیت میں دودھ پلانے کی اجرت کا ذکر نہیں کیا، صرف یہ ذکر کیا ہے کہ دودھ پلانے والیوں کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے۔

اس کے بعد علامہ ابن الملقن نے وہی مباحث تفصیل سے لکھے ہیں جن کو ہم علامہ عینی کی شرح میں ذکر کر چکے ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۳۲-۳۴، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

باب: ۴ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

دودھ پلانے کی اجرت کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام مالک نے کہا ہے: اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی ہو، تو جب تک عدت پوری نہ ہوئی ہو، عورت پر لازم ہے کہ وہ بچہ کو دودھ پلائے، اور اگر عدت پوری ہو گئی ہو تو پھر باپ کے ذمہ دودھ پلانے کی اجرت ہے اور اسی طرح اگر مرد نے عورت کو تین طلاقیں دی ہوں، پھر بھی اس کے ذمہ دودھ پلانے کی اجرت ہے اور اگر عدت پوری نہیں ہوئی تو ماں دودھ پلانے کی زیادہ حق دار ہے، سوا اس صورت کے کہ باپ کو عورت کے سوال کے بغیر کوئی اور دودھ پلانے والی میسر ہو جائے، اب اس کو اختیار ہے کہ ماں سے دودھ پلوائے یا کسی اور عورت سے، ہاں اگر بچہ دوسری عورت کا دودھ قبول نہ کرے اور بچہ کی موت کا خطرہ ہو تو پھر اس پر لازم ہے کہ وہ بچہ کی ماں کو دودھ پلانے کی اجرت دے اور اس کی ماں کو اس صورت میں دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا۔

اور جو عورت شوہر والی ہو، اس کے متعلق اختلاف ہے، کیا اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنے بچہ کو دودھ پلائے؟ تو ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ ہاں اس کو مجبور کیا جائے گا جب تک کہ وہ اپنے شوہر کی بیوی ہے اور یہ امام مالک اور ابوثور کا بھی قول ہے۔

اور فقہاء احناف، ثوری اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اس عورت پر دودھ پلانا لازم نہیں ہے، دودھ پلانے کی اجرت ہر حال میں شوہر کو دینا لازم ہے، اور ابن القاسم مالکی نے کہا: عورت کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا، سوا اس صورت کے کہ ایسی عورت دودھ

نہ پلاسکتی ہو، پر اس صورت میں اس کے شوہر کو اختیار ہے۔

(شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۲۹-۴۳۰، ملخصا وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۵۔ بَابُ: نَفَقَةِ الْمَرْأَةِ إِذَا غَابَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَنَفَقَةِ الْوَلَدِ

جب بیوی کا شوہر غائب ہو تو اس کا اور اس کی اولاد کا خرچ

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان صرف اولاد کے خرچ میں ظاہر ہے، کیونکہ اس وقت حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ شہر میں موجود تھے اور شہر سے غائب نہیں تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۵۹۔ حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ جَاءَتْ هِنْدٌ بِنْتُ عُتْبَةَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ مِسِّيكٌ فَهَلْ عَلَيَّ حَرَجٌ أَنْ أُطْعِمَ مِنَ الَّذِي لَهُ عِيَالَنَا قَالَ لَا إِلَّا بِالْمَعْرُوفِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا آئیں، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ابو سفیان کنجوس مرد ہیں، پس کیا مجھ پر کوئی حرج ہے اگر میں اپنی اولاد کو ان کے مال سے کھلاؤں، آپ نے فرمایا نہیں، مگر دستور کے مطابق۔

(صحیح البخاری: ۲۲۱۱، ۲۴۶۰، ۳۸۲۵، ۵۳۵۹، ۵۳۶۴، ۵۳۷۰، ۶۶۴۱، ۷۱۶۱، ۷۱۸۰، صحیح مسلم: ۱۷۱۴، سنن نسائی: ۵۴۲۰، سنن ابوداؤد: ۳۵۳۲، سنن ابن ماجہ: ۲۲۹۳، مسند احمد: ۲۵۱۸۵، سنن دارمی: ۲۲۵۹)

میں کہتا ہوں: امام بخاری نے اس حدیث کا پورا متن ذکر نہیں کیا، اس حدیث کا پورا متن حسبِ ذیل ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ہند جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور انہوں نے کہا: بے شک (حضرت) ابوسفیان بخیل مرد ہیں، کیا مجھ پر کوئی گناہ ہوگا اگر میں ان کے مال میں سے چپکے سے نکال لوں، آپ نے فرمایا: تم لو اور تمہارے بیٹے لیں جو تمہیں دستور کے مطابق خرچ کے لیے کافی ہو۔

حدیث مذکور کی شرح از علامہ عینی

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبد اللہ کا ذکر ہے، اور وہ عبد اللہ بن المبارک المروزی ہیں۔

حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ ہے۔

ہند میں ہا پر پیش ہے اور نون پر جزم ہے، اور عتبہ سے مراد ہے: عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ نے فتح مکہ کے سال اپنے شوہر حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام قبول کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ان کے نکاح پر قائم رکھا اور حضرت ہند رضی اللہ عنہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں فوت ہو گئی تھیں، جس دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تھے، اور حضرت ابوسفیان کا نام صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہے، ان کا تینتیس (۳۳ھ) میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انتقال ہوا اور ان کے بیٹے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عثمان نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی، ان کو البقیع میں دفن کیا گیا تھا، اس وقت ان کی عمر ۸۸ سال تھی اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۹۲ سال تھی۔

مسیک کا معنی: اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ہند نے کہا کہ ابوسفیان مسیک مرد ہیں، یعنی بخیل ہیں جو اپنے مال میں سے کچھ دیتے نہیں ہیں، اور مسیک فاعل کا وزن ہے جو فاعل کے معنی میں ہے۔

حضرت ہند نے پوچھا: کیا مجھ پر کوئی حرج ہے یعنی کیا مجھ پر کوئی گناہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو صرف دستور کے مطابق کھلاؤ، یعنی تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ اور تم ان کے مال میں سے صرف دستور کے مطابق خرچ کرو، اور یہ وہ مقدار ہے جو عرف میں لوگ اپنی اولاد پر بغیر اسراف کے خرچ کرتے ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے کہ تم اسراف نہ کرو اور دستور کے مطابق کھلاؤ۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اولاد پر خرچ کرنا واجب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۹ کی شرح از علامہ ابن الملقن

علامہ سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن الملقن کا علامہ ابن البطال پر تعاقب

علامہ ابن بطال نے اس حدیث سے قضاء علی الغائب پر استدلال کیا ہے، یعنی جو شخص شہر میں موجود نہ ہو بلکہ شہر سے غائب ہو، اس کے خلاف فیصلہ کرنا لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ مکہ سے غائب نہیں تھے، حتیٰ کہ اس حدیث سے قضاء علی الغائب پر استدلال کیا جائے، بلکہ وہ مجلسِ حاکم سے غائب تھے، یعنی حضرت ہند نے حضرت ابوسفیان کی غیر موجودگی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ چونکہ وہ پورا خرچ نہیں دیتے تو کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں ان کے مال میں سے کچھ نکال کر ان کی اولاد پر خرچ کروں، اور امام بخاری نے جو اس حدیث کے عنوان میں یہ کہا ہے کہ "بیوی کا خرچ جب اس سے اس کا شوہر غائب ہو" تو اس سے امام بخاری کی مراد یہ نہیں ہے کہ اس کا شوہر شہر سے غائب ہو بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ اس کا شوہر مجلس حاکم سے غیر حاضر ہو، اور شوہر کی غیر موجودگی میں بیوی شوہر کے مال سے خرچ کرنے کے متعلق سوال کرے۔

حدیث مذکور کی تائید میں ایک اور حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب عورت اپنے شوہر کی کمائی سے اس کے حکم کے بغیر خرچ

کرے تو بیوی کو بھی شوہر کا نصف اجر ملتا ہے۔

(صحیح البخاری:۲۰۶۶،۵۱۹۲،۵۱۹۵،۵۳۶۰ صحیح مسلم:۱۰۲۶،سنن ابوداؤد:۱۶۸۷،مسند احمد:۲۷۴۰۵)

سو یہ حدیث نفلی صدقات کے متعلق ہے اور حضرت ہند کی حدیث انصاف کے حصول کے متعلق ہے، جب بیوی اپنے اس حق کو حاصل کرے جس سے اس کو روک دیا گیا ہو۔

اور ان دونوں حدیثوں میں امرِ مشترک یہ ہے کہ جس طرح عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنے شوہر کے مال سے اس کے حکم کے بغیر صدقہ کرے، جب کہ عورت کو یہ معلوم ہو کہ اس کا شوہر بھی اس قسم کے مال کا صدقہ کرتا ہے، اور وہ صدقہ کرنا نہ شوہر پر واجب ہو اور نہ اس کی بیوی پر واجب ہو اور وہ اس کے مال سے صدقہ کردے، گویا وہ شوہر کے مال سے کچھ مال اس کی اجازت کے بغیر نکالے اور جو مال شوہر نے قرض خواہوں کو دینا ہو یا جن کا حق شوہر پر واجب ہو اس میں اس عورت کا خرچ کرنا بہ طریق اولیٰ جائز ہے، اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ بیوی اور بچوں کا خرچ شوہر پر واجب ہے، اور شوہر پر یہ خرچ کرنا لازم ہے، اگرچہ وہ مجلسِ حاکم سے غائب ہو جب کہ اس کا مال شہر میں موجود ہو۔

شوہر کی غیر موجودگی میں اس کے مال سے خرچ کرنے کے متعلق فقہاءِ اسلام کا اختلاف

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصری نے یہ کہا ہے کہ عورت کا خرچ شوہر کی غیر موجودگی میں بھی شوہر پر ثابت ہے اور ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مذہب ہے، سوائے امام ابوحنیفہ کے، کیونکہ انہوں نے کہا: عورت کے لیے اس وقت تک خرچ ثابت نہیں ہوگا جب تک کہ سلطان یا سربراہِ ملک اس کے لیے اس خرچ کو مقرر نہ کردے، اور اگر عورت شوہر کے اوپر قرض لے اور شوہر موجود نہ ہو تو عورت کے لیے کچھ مقرر نہیں کیا جائے گا، اور ائمہ میں سے اسحاق اور ابوثور نے امام ابوحنیفہ کی موافقت کی ہے۔

(مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۴۷۰)

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے:

بیوی کا خرچ شوہر کے اوپر فرض ہے، اور یہ خرچ اس پر واجب ہے اور یہ اس کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا مگر صرف ایک صورت میں اور وہ یہ ہے کہ عورت شوہر کی نافرمانی کرتی ہو، اور اس کو جماع کا موقع نہ دیتی ہو، سو اس صورت میں اس پر اجماع ہے کہ بیوی کا خرچ شوہر سے ساقط ہو جاتا ہے، سوائے الحکم بن عتیبہ اور ابن القاسم مالکی کے، اور ان کا قول شاذ ہے، اور جن کا قول جماعت سے شاذ ہو ان کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے فرض کردیا ہے اور سنت سے اس کی فرضیت ثابت ہے اس میں حاکم کے حکم کی ضرورت نہیں ہے، اور فرائض اور قرض وغیرہ کا ادا کرنا واجب ہے، اسی طرح نذر کو پورا کرنا بھی واجب ہے، اسی طرح جنایات میں جو اموال واجب ہوتے ہیں ان کا پورا کرنا بھی واجب ہے، اسی طرح حج میں بھی مال کو خرچ کرنا واجب ہے، اور حاکم کے حکم نہ ہونے کی وجہ سے ان کا وجوب ساقط نہیں ہوگا۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) عورت کے لیے اپنے بچوں کے خرچ کے اوپر قبضہ کرنا جائز ہے۔

(۲) اگر کوئی شخص کسی کے حق کی ادائیگی میں کمی کرے تو وہ پسِ پشت اس کے حق میں کمی کرنے کو بیان کرسکتا ہے، اور یہ غیبت نہیں

ہے۔ نیز حاکم کے سامنے اپنے حق کے وصول کا معاملہ پیش کرنا اور جو حق دار کو اس کا حق نہ دے اس کے حق نہ دینے کو بیان کرنا تا کہ انصاف کا حصول ہو، یہ بھی غیبت نہیں ہے۔

(۳) اس حدیث میں فرمایا: کہ اگر تم دستور اور عرف کے مطابق اپنے اوپر اور اپنی اولاد کے اوپر خرچ کرو تو اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، یعنی تم اسراف نہ کرنا اور غیر ضروری اخراجات نہ کرنا، مثلاً کھانے پینے، لباس اور رہائش میں تو خرچ کرنا اور سامان تعیش کے حصول میں خرچ نہ کرنا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۳۷-۳۸، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۹ کی شرح از شیخ وحید الزمان غیر مقلد

مشہور غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر خاوند کہیں چل دیا ہو اور اس کا پتا معلوم نہ ہو تو عورت اپنے شہر کے قاضی کے پاس جائے، وہ اس شہر کے قاضی کو لکھ کر اس کے خاوند پر جو عورت کا خرچ ہے وہ منگوا دے، اگر پیام ممکن نہ ہو تو جیسے ہمارے زمانہ میں ہے کہ ہر ایک ایک پر کافر مسلط ہیں اور بے چارے قاضیوں کو ایک دمڑی برابر اختیار ان کافروں نے نہیں دیا ہے تو عورت اپنے شہر کے قاضی کو اطلاع دے اور وہ نکاح فسخ کردے، اسی پر فتویٰ ہے، اگر خاوند کا بالکل پتانہ ہو تب بھی قاضی نکاح کو فسخ کر سکتا ہے، اسی طرح خاوند اگر مفلس ہو اور نان نفقہ نہ دے سکتا ہو تب بھی یہی قول ہے، حنفیہ نے جو مذہب اختیار کیا ہے وہ صریح ظلم ہے عورتوں پر تکلیف مالا یطاق ہے، اور اس زمانہ میں کوئی عورت اس پر نہیں چل سکتی، وہ کہتے ہیں: خاوند مفلس ہو یا غائب ہر حالت میں عورت صبر کیے بیٹھی رہے، البتہ اس کے نام پر قرض لے کر کھا سکتی ہے، بتلائیے مفلس یا غائب کو کون قرض دے گا، اس زمانہ میں تو مالداروں کو بھی بغیر گروی کے کوئی قرض نہیں دیتا۔ (تیسیر الباری ج ۵ ص ۲۶۸-۲۶۹ نعمانی کتب خانہ، لاہور، جون ۱۹۹۰ء)

شیخ وحید الزمان کی شرح پر مصنف کا تبصرہ، اس حدیث کا قضاء علی الغائب سے تعلق ہے نہ مفقود الخبر سے اور نہ متعنت سے، متعنت وہ شخص ہے جو سرکشی کی بناء پر نہ عورت کو خرچ دے اور نہ اس کو طلاق دے

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی شرح میں شیخ وحید الزمان نے سخت مغالطہ آفرینی کی ہے، اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ حضرت ہند نے حضرت ابوسفیان کی غیر موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں اگر ابوسفیان کے مال میں سے کچھ لے کر اپنے اوپر اور اپنی اولاد پر خرچ کروں تو کچھ حرج تو نہیں ہے؟ تو حضرت ابوسفیان اس وقت مکہ سے غائب نہیں تھے مکہ میں موجود تھے، صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر نہیں تھے، اس لیے شیخ وحید الزمان نے اس حدیث کی شرح میں جو مفقود الخبر کا مسئلہ بیان کیا ہے، وہ اس حدیث سے متعلق نہیں ہے، نیز انہوں نے جو یہ لکھا ہے کہ احناف یہ کہتے ہیں کہ اگر مرد عورت کو خرچ نہ دے تو عورت اس کے اوپر صبر کرے، یہ بھی انہوں نے محض فقہاء احناف پر طعن کرنے کے لیے لکھا ہے، ورنہ اگر کوئی مرد بیوی پر ظلم کرے، نہ اس کو خرچ دے اور نہ اس کو طلاق دے کر آزاد کرے تا کہ وہ کسی دوسری جگہ نکاح کر سکے تو اس صورت میں متاخرین فقہاء نے عورت کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ عدالت میں خلع کی درخواست دے اور عدالت شوہر کو حکم دے کہ وہ عدالت میں پیش ہو کر یا تو بیوی کو خرچ دے اور یا اس کو طلاق دے، اور اگر شوہر بار بار بلانے پر بھی عدالت میں پیش نہ ہو تو متاخرین فقہاء احناف نے کہا ہے کہ ائمہ ثلاثہ

کے مذہب پر عدالت کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا اور عدالت جو خلع کا فیصلہ کرے گی، وہ طلاقِ بائن کے قائم مقام ہو گا اور اس فیصلہ کی بنیاد پر عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۵۹ کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد بن القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال لینے کا جو حکم دیا ہے، یہ امرِ اباحت ہے

علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس کے مال سے بقدرِ ضرورت لے لو، یہ امرِ اباحت ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ اباحت اگرچہ لفظاً مطلق ہے لیکن معناً مقید یہ ہے، گویا کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تم نے جو ذکر کیا ہے وہ صحیح ہے تو پھر تم بقدرِ ضرورت لے سکتی ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ہند کو جو حضرتِ ابوسفیان کے مال سے بقدرِ ضرورت خرچ کرنے کی اجازت دی تھی، آیا یہ فتویٰ تھا یا قضاء تھی؟

اور ہمارے اصحاب کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا کسی عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ضرورت کے وقت قاضی کی اجازت کے بغیر از خود شوہر کے مال سے خرچ لے سکے؟ اور اس کی دو صورتیں ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حضرت ہند کو لینے کی اجازت دی تھی، یہ فتویٰ تھا یا قضاء تھی، اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ فتویٰ تھا، پس یہ ہر اس صورت میں جاری ہو گا جو حضرت ہند کے معاملہ کے مشابہ ہو، اور اگر یہ قضاء ہو تو یہ حضرت ہند کے علاوہ اور کسی کے لیے جائز نہیں ہو گا، سوائے قاضی کے اذن کے، اور ابن دقیق العید نے اس کی تائید کی ہے کہ یہ فتویٰ تھا، کیونکہ جس حکم میں کسی ایسے سبب کو ثابت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جو غیر کے مال کے لینے کو جائز قرار دیتا ہو اور اس میں فتویٰ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس وقت شہر میں حاضر تھے، اور اس حدیث میں قضاء علی الغائب کا ثبوت نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابوسفیان کو مجلس حاکم میں حاضر کرنا اور ان کا دعویٰ سننا یہ ممکن تھا۔ (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، ج ۱۲ ص ۱۵۳)

صحیح البخاری: ۵۳۵۹ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہل و عیال کے خرچ کے وجوب کے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر شوہر غائب ہو اور اس کا مال موجود ہو تو اس کے اہل اور عیال کا خرچ شوہر کے ذمہ واجب ہے اور شوہر پر لازم ہے۔

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۳ھ اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کا مذہب یہ ہے کہ جب شوہر موجود نہ ہو اور مال موجود ہو تو اس کے اہل و عیال کا خرچ شوہر پر واجب ہے، اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور ابوثور کا بھی یہی مذہب

ہے، اور امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ عورت کے لیے از خود نفقہ واجب نہیں ہوتا مگر یہ کہ سلطان یا سربراہِ ملک اس کے لیے خرچ کو مقرر کردیں اور اگر عورت شوہر پر قرض لے اور شوہر غائب ہو تو عورت کے لیے کچھ مقرر نہیں کیا جائے گا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۵۳۰-۵۳۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

تنبیہ: علامہ ابن بطال مالکی نے اس کے بعد علامہ ابن المنذر کی عبارت پیش کی ہے جس کا ذکر التوضیح لشرح الجامع الصحیح میں علامہ ابن الملقن نے کردیا ہے، اس لیے ہم نے اس کو چھوڑ دیا ہے، اور علامہ ابن بطال نے حضرت ہند کی اس حدیث میں اور حضرت ابو ہریرہ کی اس حدیث میں جس میں مذکور ہے کہ عورت اپنے شوہر کی کمائی سے اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرے تو شوہر کو نصف اجر ملتا ہے، ان دونوں میں تطبیق بیان کی ہے، اس کا ذکر بھی علامہ ابن ملقن کی شرح میں آچکا ہے۔

۵۳۶۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ كَسْبِ زَوْجِهَا عَنْ غَيْرِ أَمْرِهِ فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرزاق نے حدیث بیان کی از معمر از ہمام، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی ﷺ، آپ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی عورت اپنے شوہر کی کمائی سے اس کے حکم کے بغیر خرچ کرے تو شوہر کو نصف اجر ملتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۰۶۶، ۵۱۹۲، ۵۱۹۵، ۵۳۶۰، صحیح مسلم: ۱۰۲۶، سنن ابوداؤد: ۱۶۸۷، مسند احمد: ۲۷۴۰۵)

صحیح البخاری: ۵۳۶۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس اعتراض کا جواب کہ حدیث مذکور باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے

اس باب کا عنوان ہے کہ شوہر کی غیر موجودگی میں بیوی کا اپنے اوپر اور اپنی اولاد کے اوپر خرچ کرنا اور حدیث مذکور کی اس عنوان کے ساتھ مطابقت نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جب عورت شوہر کے مال سے اس کے حکم کے بغیر خرچ کرے گی تو اس سے معلوم ہوگیا کہ وہ شوہر کے مال میں اس قسم کی سخاوت کرسکتی ہے اور یہ اس پر واجب نہیں ہے، کیونکہ شوہر کا جو خرچ واجب ہے جب وہ اس کو اس کی غیر موجودگی میں لے سکتی ہے تو جو خرچ شوہر پر واجب نہیں ہے، اس کو بھی اس کی غیر موجودگی میں بہ طریقِ اولیٰ لے سکتی ہے۔

شوہر کو نصف اجر ملنے کی توجیہ

اس حدیث میں فرمایا ہے کہ جب بیوی شوہر کے مال سے خرچ کرے گی تو شوہر کو بھی نصف اجر ملے گا، اس کی توجیہ یہ ہے کہ جو طعام گھر میں موجود ہے، وہ شوہر اور بیوی دونوں کے خرچ کے لیے ہے، تو بیوی اس مال سے خرچ کرسکتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ شوہر کے صراحتاً امر کے بغیر بیوی خرچ کرے تو اس کو نصف اجر ملے گا، لیکن جب یہ معمول ہو کہ بیوی

شوہر کے مال سے خرچ کرتی رہتی ہے یا اس پر قرائن موجود ہوں کہ بیوی شوہر کے مال سے خرچ کرے تو شوہر کو اعتراض نہیں ہوتا تو پھر شوہر کو نصف اجر ملے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸-۲۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ہر نیک اور جائز کام سے پہلے اس کی خصوصی نیت کا ضروری نہ ہونا

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو نیک اور جائز کام معمول کے مطابق کیا جائے، اس پر اجر وثواب ملتا ہے خواہ خصوصیت سے اس میں ثواب کی نیت نہ کی جائے، کیونکہ ہم دن اور رات میں سینکڑوں نیک اور جائز کام کرتے ہیں اور ان کاموں سے پہلے بالخصوص ان کاموں میں ثواب کی نیت نہیں کرتے جیسے نمازیں پڑھنا، نمازوں کے بعد تسبیحات پڑھنا، خرید وفروخت کرنا، درس وتدریس کرنا، اور دیگر اس طرح کے نیک اور جائز کام ہیں، تاہم ان کاموں سے پہلے ان میں ثواب کی نیت کرنا مستحب ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

میں کہتا ہوں: یہ حدیث صحیح البخاری: ۵۱۹۵ میں بھی مذکور ہے، وہاں اس کی شرح میں حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

خاوند کی اجازت کے بغیر بیوی کے خرچ کرنے کے متعلق متعدد احادیث کی شرح اور ان میں باہمی تعارض کی تطبیق

اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر خرچ کرے، اس سے مراد ہے اس کی صریح اجازت کے بغیر خرچ کرے اور آیا شوہر کی رضا کی علامات بھی اس کی تصریح کے قائم مقام ہیں یا نہیں، سو اس میں بحث ہے، کیونکہ کتاب النفقات میں یہ حدیث ہے کہ جب کوئی عورت اپنے شوہر کی کمائی سے اس کے حکم کے بغیر خرچ کرے تو اس کو نصف اجر ملتا ہے۔

اور علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اگر عورت مقدار واجب سے زیادہ شوہر کی کمائی سے خرچ کرے تو جتنا زیادہ وہ خرچ کرے گی، اس پر اس کا تاوان ہوگا اور مقدار واجب کے مطابق خرچ کرنے کے جواز کی دلیل حضرت ہند کی حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ تم ابوسفیان کے مال سے دستور کے مطابق لے کر اپنے اوپر اور اپنی اولاد پر خرچ کرو۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے کہ حدیث میں جو ارشاد ہے، شوہر کے حکم کے بغیر، اس سے مراد ہے کہ شوہر کے صریح حکم کے بغیر مقدار معین میں خرچ کرے اور یہ اس کو منافی نہیں ہے کہ اس سے پہلے اس کے شوہر نے اس کو اذنِ عام دیا ہو جو اس مقدار کے خرچ کرنے کو بھی شامل ہو، یا صراحتاً حکم دیا ہو یا عرف سے وہ حکم ثابت ہو۔

اور یاد رکھنا چاہیے کہ خرچ کرنے کی یہ تمام صورتیں معمولی مقدار میں ہیں، اس معمولی مقدار سے عرفاً مالک کی رضا معلوم ہو، پس اگر اس معمولی مقدار سے زیادہ عورت اس کو خرچ کرے تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ کتاب الزکوٰۃ اور کتاب البیوع میں یہ حدیث ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب عورت گھر کے کھانے کو خرچ کرے اور اس کھانے کو خراب کرنے والی نہ ہو تو اس کو اجر ملے گا، کیونکہ یہ معلوم ہے کس قسم کے خرچ میں شوہر کی رضا عادتاً معلوم ہوتی ہے، اور طعام کے لفظ میں یہ تنبیہ ہے کہ عادتاً طعام کو

خرچ کر دیا جاتا ہے بخلاف سونا چاندی کے۔

اور اس تقیید کی تائید یہ ہے کہ سنن ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے: کسی نے پوچھا کہ عورت اپنے خاوند کے گھر سے صدقہ کرے؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں! صرف خوراک میں سے خرچ کرے اور اجر دونوں کو ملے گا، اور عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ شوہر کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرے۔

نیز امام ابوداؤد اور امام ابن خزیمہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے کہا: اے اللہ کے نبی! ہم اپنے ماں باپ کو اور اپنے شوہروں کو اور بیٹوں کو کھلاتے ہیں، ان کے اموال میں سے ہمارے لیے کیا چیز حلال ہے تو آپ نے فرمایا: جو تازہ اور تر کھجوریں ہوں، وہ تم کھلا بھی سکتی ہو اور ہدیہ بھی دے سکتی ہو۔

اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوامامہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر کی کسی چیز کو خرچ نہ کرے مگر خاوند کی اجازت سے، پوچھا گیا: طعام کو بھی خرچ نہ کرے؟ فرمایا: وہ تو ہمارے افضل اموال میں سے ہے۔ بہ ظاہر اس حدیث کا حدیث سابق سے تعارض ہے، کیونکہ حدیثِ سابق میں یہ تصریح ہے کہ تازہ اور تر کھجوریں تم کھلا بھی سکتی ہو اور ہدیہ بھی دی سکتی ہو، اور ان میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ ان چیزوں کو خاوند کی اجازت کے بغیر صدقہ کیا جا سکتا ہے جن کو اگر گھر میں رکھا جائے تو ان کے خراب اور فاسد ہونے کا اندیشہ ہو، لیکن جن چیزوں کو گھر میں رکھنے سے ان کے خراب اور فاسد ہونے کا یا سڑ جانے کا خطرہ اور خدشہ نہ ہو جیسے گندم یا چاول وغیرہ یا سونا چاندی تو ان کو خاوند کی اجازت کے بغیر خرچ کرنا جائز نہیں ہے، تاہم اگر خاوند کی طرف سے ان چیزوں کے خرچ کرنے کی ممانعت نہ ہو اور عورت ان چیزوں کو خرچ کرتی ہو اور خاوند منع نہ کرتا ہو تو پھر ان کا خرچ کرنا بھی جائز ہوگا، کیونکہ ہر چیز کے خرچ کرنے میں صراحتاً اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۲۹۶-۲۹۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور پاکستان، فتح الباری ج ۶ ص ۳۸۷-۳۸۸، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۰ کی شرح از شیخ وحید الزمان

مشہور غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلا کہ ضرورت کے وقت عورت خاوند کا مال بے اس کی اجازت کے خرچ کر سکتی ہے، شافعیہ کے اس میں دو قول ہیں، بعضوں نے کہا کہ قاضی سے اجازت لے کر خرچ کرے۔ (تیسیر الباری ج ۵ ص ۲۶۹ نعمانی کتب خانہ جون ۱۹۹۰ء)

شیخ وحید الزمان کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

فقہاء شافعیہ کے اس مسئلہ میں ایسے دو قول نہیں ہیں جو شیخ وحید الزمان نے ذکر کیے ہیں، البتہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے خرچ کی یہ تفصیل ذکر کی ہے کہ جس طعام کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو، اس کو تو عورت خاوند کی صراحتاً اجازت کے بغیر خرچ کر سکتی ہے اور جس طعام یا جس مال کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو، اس میں شوہر کی اجازت کی ضرورت ہے یا صراحتاً اجازت ہو یا عرفاً اجازت ہو۔ (سعیدی غفرلہٗ)

٦_ بَابُ: عَمَلِ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا

٥٣٦١_ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِي الْحَكَمُ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى حَدَّثَنَا عَلِيٌّ أَنَّ فَاطِمَةَ عَلَيْهِمَا السَّلَامِ أَتَتِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم تَشْكُو إِلَيْهِ مَا تَلْقَى فِي يَدِهَا مِنَ الرَّحَى وَبَلَغَهَا أَنَّهُ جَاءَهُ رَقِيقٌ فَلَمْ تُصَادِفْهُ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لِعَائِشَةَ فَلَمَّا جَاءَ أَخْبَرَتْهُ عَائِشَةُ قَالَ فَجَاءَنَا وَقَدْ أَخَذْنَا مَضَاجِعَنَا فَذَهَبْنَا نَقُومُ فَقَالَ عَلَى مَكَانِكُمَا فَجَاءَ فَقَعَدَ بَيْنِي وَبَيْنَهَا حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمَيْهِ عَلَى بَطْنِي فَقَالَ أَلَا أَدُلُّكُمَا عَلَى خَيْرٍ مِمَّا سَأَلْتُمَا إِذَا أَخَذْتُمَا مَضَاجِعَكُمَا أَوْ أَوَيْتُمَا إِلَى فِرَاشِكُمَا فَسَبِّحَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَاحْمَدَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَكَبِّرَا أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمَا مِنْ خَادِمٍ۔

عورت کا خاوند کے گھر میں کام کاج کرنا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از شعبہ، انہوں نے کہا: مجھے حکم نے حدیث بیان کی از ابن ابی لیلیٰ، انہوں نے کہا کہ ہمیں حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور وہ شکایت کر رہی تھیں جو چکی پینے سے ان کے ہاتھوں میں تکلیف اور مشقت پہنچی ہے اور حضرت فاطمہ کو یہ خبر معلوم ہوئی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ غلام آئے ہیں، پس حضرت فاطمہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں ہوئی، سو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا پھر اس بات کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا جب آپ گھر میں تشریف لائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور اس وقت ہم اپنے بستروں میں لیٹ چکے تھے، ہم کھڑے ہونے لگے تو آپ نے فرمایا: تم اسی طرح لیٹے رہو، پس آپ آئے اور میرے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان بیٹھ گئے حتیٰ کہ میں نے آپ کے پیروں کی ٹھنڈک اپنے پیٹ پر محسوس کی، پس آپ نے فرمایا: کیا میں تمہاری رہنمائی اس چیز پر نہ کروں جو تمہارے کیے ہوئے سوال سے بہتر ہے؟ جب تم اپنے لیٹنے کی جگہوں پر جاؤ یا فرمایا: جب تم اپنے بستروں پر جاؤ تو تم دونوں تینتیس بار سبحان اللہ پڑھو، اور تینتیس بار الحمد للہ پڑھو، اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھو، تو یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری: ٣١١٣، ٣٧٠٥، ٥٣٦١، ٥٣٦٢، ٦٣١٨، صحیح مسلم: ٢٧٢٧، سنن ترمذی: ٣٤٠٨، سنن ابوداؤد: ٥٠٦٢، مسند احمد: ١١٤٥، سنن دارمی: ٢٦٨٥)

صحیح البخاری: ٥٣٦١ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا چکی پیستی تھیں، جس سے ان کے ہاتھوں میں مشقت اور تکلیف ہوتی، اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے کام کاج کرتی تھیں، چکی میں آٹا پیستی تھیں اور آٹا گوندتی تھیں اور روٹی پکاتی تھیں اور یہ گھر کے وہ کام ہیں جو عورتیں اپنے خاوند کے گھروں میں کرتی ہیں۔

حدیث مذکور کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے اور وہ ابنِ سعید القطان ہیں، اور اس حدیث کی سند میں الحکم کا ذکر ہے اور یہ ابن عتیبہ ہیں اور عُتیبہ تصغیر کا صیغہ ہے اور اس میں ابن ابی لیلیٰ کا ذکر ہے، ان کا نام عبدالرحمن ہے اور ابولیلیٰ کا نام یسار ہے، جو یمین کی ضد ہے۔

حدیث مذکور کی شرح اور خلاصہ از مصنف

خلاصہ یہ ہے کہ چکی کی سختی سے جو حضرت سیدہ کے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے اور حضرت سیدہ کو معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے ہیں جن کو آپ نے غلام بنا کر صحابہ میں تقسیم کیا ہے تو انہوں نے چاہا کہ کوئی غلام بہ طور خادم انہیں بھی دے دیا جائے تا کہ وہ غلام چکی میں آٹا پیسے اور سیدہ فاطمہ چکی میں آٹا پیسنے کی مشقت سے راحت پالیں، جب حضرت سیدہ آئیں تو اس وقت گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما نہیں تھے، بعد ازاں حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ کسی کام سے حضرت سیدہ فاطمہ آئیں تھیں اور آپ نہیں ملے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ام المومنین عائشہ اور حضرت سیدہ فاطمہ زہراء کے درمیان بہت الفت اور یگانگت تھی جبھی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سیدہ کے آنے کی خبر دی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از راہِ کرم خود ان کے گھر تشریف لے گئے، اور آپ نے حضرت سیدہ کے آنے کا سبب معلوم کیا، جب آپ تشریف لائے تو حضرت مولیٰ علی اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما دونوں آپ کے استقبال کے لیے کھڑے ہونے لگے اور اس میں قیامِ تعظیمی کے جواز کا ثبوت ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسی طرح اپنے بستروں میں لیٹے رہو، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مسئلہ کا حل بیان فرمایا۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غلام آئے تو آپ نے وہ صحابہ میں تقسیم کر دیے اور اپنی ضرورت مند بیٹی کو نہیں دیے، جن کے ہاتھوں میں خود چکی پیسنے سے چھالے پڑ جاتے تھے، آج ہمارا حال یہ ہے کہ اگر کسی افسر کے پاس کہیں سے کوئی مال آئے تو سب سے پہلے تو وہ اس سے اپنا گھر بھرے گا، پھر اپنے رشتہ داروں کو دے گا، پھر اگر کچھ بچ گیا تو مستحقین کو بھی اس میں سے دے دے گا، زمانہ قریب میں جب زلزلہ آیا یا سیلاب آیا تو زلزلہ زدگان اور سیلاب زدگان کی امداد کے لیے جو دنیا بھر سے امداد آئی اس امداد کا بیشتر حصہ تو تقسیم کاروں نے اپنے گھر والوں میں، رشتہ داروں میں، دوستوں اور عزیزوں میں تقسیم کیا اور خانہ پُری کے لیے کچھ ضرورت مند لوگوں کو بھی دے دیا۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر کوئی کیسے یقین کرے گا کہ یہ اسی نبی کو ماننے والی امت ہے جس کے پاس غلام اور خدام آئے تو سب کو دیے، نہیں دیا تو صرف اپنی ضرورت مند بیٹی کو نہیں دیا۔ (سعیدی غفرلہ)

اس سوال کا جواب کہ حضرت سیدہ فاطمہ کو تو خادم کی ضرورت تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حل کے لیے ان کو تسبیحات پڑھنے کا حکم دیا، ان تسبیحات سے حضرت سیدہ فاطمہ کی ضرورت کیسے پوری ہوگی؟

علامہ عینی اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ تسبیح پڑھنے والے کو ایسی قوت عطا فرمائے، جس کی وجہ سے وہ از خود گھر کے کام کاج کرنے پر خادم کی بہ نسبت زیادہ قوت پائے یا اس کے لیے گھر کے کام کاج کرنا سہل اور آسان ہو جائے، یا اس کا معنی یہ ہے کہ تسبیح کا نفع آخرت میں ملے گا اور خادم کا نفع دنیا میں ملے گا، وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ﴿ (الاعلیٰ) اور آخرت ہی بہت عمدہ اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے ﴿"۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹-۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۱ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے ذکر کو لازم رکھو گی تو اللہ تعالیٰ تم کو ایسی قوت عطا فرمائے گا جو خادم کو عطا کرنے سے زیادہ مفید ہوگی یا تم پر کام آسان ہو جائیں گے حتیٰ کہ تمہیں خادم کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اسی طرح بعض شارحین نے اس حدیث کے مسائل میں بیان کیا ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ تسبیح کا نفع آخرت کے ساتھ مختص ہے اور خادم کا نفع دنیا کے ساتھ مختص ہے اور آخرت زیادہ بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۰۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، فتح الباری ج ٦ ص ۵۵۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲٦ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۱ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

قدر و منزلت والی خاتون کے لیے بھی گھر کے کام کرنے کا ثبوت

علامہ ابن حبیب نے کہا ہے کہ جب شوہر تنگدست ہو اور اس کی بیوی قدر و منزلت اور فضیلت والی ہو تو اس کی بیوی پر گھر کے کاموں کی خدمت کرنا لازم ہے مثلاً آٹا گوندھنا، روٹی پکانا، گھر کی صفائی کرنا اور دیگر اس قسم کے کام کرنا، اسی طرح اس حدیث کی ابن الماجشون اور اصبغ نے روایت کی، علامہ ابن الحبیب نے کہا: اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو گھر کے کاموں میں خدمت کرنے کا حکم دیا، اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو ظاہری کاموں میں خدمت کرنے کا حکم دیا، اور میرے بعض مشائخ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث ثابتہ ہیں، ان میں ہمیں یہ چیز معلوم نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خدمتِ باطنہ کا حکم دیا، ان کا نکاح صرف حسنِ معاشرت کے طریقہ سے ہوا تھا، رہا یہ کہ عورت کو گھر کی خدمت پر مجبور کیا جائے تو اس کی اصل سنت میں نہیں ہے، بلکہ اس پر اجماع ہے کہ خاوند کے اوپر بیوی کی تمام مشقتوں کی ذمہ داری ہے۔

امام طحاوی نے کہا ہے: اس میں اختلاف نہیں ہے کہ عورت پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنی خدمت کرے اور زوج پر یہ لازم ہے کہ وہ ان کاموں میں اپنی بیوی سے کفایت کرے اور اگر بیوی کے ساتھ کوئی خادم ہو تو خاوند کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس خادم کو گھر سے نکالے، پس خاوند کے ذمہ لازم ہے کہ وہ خادم کی ضروریات کو پورا کرے اور ابن حکم نے از امام مالک یہ روایت کی ہے کہ

بیوی کے اوپر خاوند کی خدمت کرنا لازم نہیں ہے۔

علامہ ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو عورتیں گھروں میں روٹی پکاتی ہیں یا آٹا پیستی ہیں یا گھروں میں اور ایسے کام کرتی ہیں جس میں گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں ہوتی، تو ان کاموں کے کرنے کا اس کا خاوند مکلف نہیں ہے، جیسا کہ اس کی بیوی بیمار ہو یا اپاہج ہو اور پھر وہ کام نہ کرے تو اس کا خاوند اس کا مکلف نہیں ہے کہ اس سے وہ کام کرائے، کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ شکایت کی کہ چکی میں آٹا پیسنے سے اور آٹا گوندھنے سے ان کو مشقت ہوتی ہے اور انہوں نے ان کاموں کے لیے خادم کا سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو کوئی خادم مہیا کریں جو یہ کام کر سکے اور نہ یہ حکم دیا کہ تم اجرت پر کوئی خادم مقرر کرو، بلکہ یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے میری بیٹی! صبر کرو، کیونکہ عورتوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کو نفع پہنچائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں یہ واضح دلیل ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا ان خدمات کو انجام دینے کے باوجود بعض پر مشقت کاموں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد کرتی تھیں۔ اور اگر حضرت علی کے اوپر یہ واجب ہوتا کہ وہ ان کاموں میں حضرت فاطمہ کے لیے کسی خادم کو مہیا کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حکم دیتے، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو حکم دیا تھا کہ حضرت فاطمہ کا مہر ادا کرو اور فرمایا تھا: تمہاری زرہ کہاں ہے؟، اور یہ جائز نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو تو محاسن اخلاق کی تعلیم دیں اور گھر والوں کے لیے فرائض کے بیان کو ترک فرما دیں، کیونکہ آپ نے حضرت علی کو مہر دینے کا حکم دیا تھا، حالانکہ مہر کی ادائیگی میں تاخیر بھی جائز ہے۔

جب خاوند خوش حال ہو تو اس کو چاہیے کہ گھر کے کاموں کے لیے کسی خادم کا خرچ دے

اہلِ ظاہر کا یہ قول شاذ ہے کہ مرد پر یہ لازم نہیں ہے کہ جب وہ خوش حال ہو تو اپنی بیوی کو خادم مہیا کرے یا جب اس کی بیوی ان عورتوں میں سے ہو کہ ان جیسی عورتیں گھر کے کام کاج نہیں کرتیں اور دیگر فقہاء کی دلیل یہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (النساء: ۱۹) اور تم ان کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

اور جب عورت کو خادم کی ضرورت ہو اور اس کا خاوند اس کو خادم مہیا نہ کرے تو وہ اس کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا نہیں ہے۔

اور امام مالک بن انس، اللیث اور محمد بن حسن شیبانی نے کہا ہے کہ خاوند بیوی کے لیے اور اس کے خادموں کے لیے خرچ مہیا کرے جب کہ اس کی بیوی شرف اور مرتبہ والی ہو۔

اور فقہاء احناف اور امام شافعی نے کہا ہے کہ وہ بیوی کے لیے اور اس کے خادم کے لیے نفقہ مقرر کرے۔

عام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ جو مرد تنگ دست ہو اور خادم کا خرچ نہ اٹھا سکتا ہو تو اس مرد اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی، خواہ اس کی بیوی قدر و منزلت والی ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر یہ لازم نہیں کیا کہ وہ اپنی تنگدستی میں بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے کوئی خادم مہیا کریں اور نہ ان کو یہ حکم دیا کہ وہ چکی سے آٹا پیسنے میں ان کی مدد کریں۔

اور المہلب مالکی نے کہا ہے: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جو عورت بلند مرتبہ والی ہو اس کو گھر کے کام مثلاً چکی سے آٹا پیسنا اور روٹی پکانے کی مشقت برداشت کرنی چاہیے، کیونکہ کوئی عورت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سے زیادہ بلند مرتبہ والی نہیں ہے

،اور یہ حضرات آخرت کو ترجیح دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید کے اوپر اس کی عبادت میں تواضع کرتے تھے۔
نیز اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ دنیا کی تھوڑی مقدار پر کفایت کرنی چاہیے اور دنیا سے بے رغبتی کرنی چاہیے اور آخرت کے ثواب میں رغبت کرنی چاہیے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کیا میں تم کو ایسی چیز پر رہنمائی نہ کروں جو تم دونوں کے سوال سے بہتر ہو، پھر آپ نے ان کو سبحان اللہ، الحمدللہ، اور اللہ اکبر پڑھنے کی طرف رہنمائی فرمائی۔
(شرح ابن بطال ج ۷ ص ۵۳۳-۵۳۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۱ کی شرح از علامہ القسطلانی شافعی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بیویوں کو چاہیے کہ وہ ازخود گھر کا کام کاج کیا کریں، اور اس میں عار اور بوجھ نہ سمجھیں

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چند کلمات ہیں جن کی مجھے حضرت جبریل علیہ السلام نے تعلیم دی ہے، پس تم دونوں اپنے بستروں پر جاؤ تو تینتیس مرتبہ سبحان اللہ کہو اور تینتیس مرتبہ الحمدللہ کہو اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کہو، تو یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے، اس حدیث سے یہ مستفاد ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر کو لازم رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اتنی قوت عطا فرماتا ہے جتنی قوت کے ساتھ کوئی خادم اس کے لیے عمل کرتا ہے، یا اس سے مراد یہ ہے کہ تسبیح مختص ہے دارِ آخرت کے ساتھ اور خادم کا نفع مختص ہے دارِ دنیا کے ساتھ اور آخرت زیادہ بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے۔
اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خاوند پر یہ بھی لازم نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کے لیے خادم یا خادمہ کو مہیا کرے، جب کہ بیوی گھر کے کام کاج ازخود کرتی ہو، روٹی پکاتی ہو آٹا گوندتی ہو اور گھر کی صفائی کرتی ہو اور جب کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خادم کا سوال کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ حضرت فاطمہ کو خادم یا خادمہ مہیا کریں، اور ابن حبیب نے اصبغ سے روایت کی ہے اور انہوں نے امام مالک سے کہ بیوی پر لازم ہے کہ وہ گھر کے کام کاج کرے خواہ وہ بہت بلند مرتبہ کی ہو جب کہ اس کا خاوند تنگ دست اور غریب ہو، اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بلند مرتبہ والی خاتون کون ہوگی، پس جب وہ اپنے گھر کا کام کرنے میں عار محسوس نہیں کرتی تھیں اور اس کو بوجھ نہیں سمجھتی تھیں تو عام عورتوں کو بدرجہ اولیٰ گھر کے کام کاج کرنے چاہئیں اور اس کو اپنے اوپر عار اور بوجھ نہیں سمجھنا چاہیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اور آپ کی صاحبزادیوں کا یہی اسوہ اور یہی طریقہ ہے۔
(ارشاد الساری، شرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۱۵۵، دارالفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۱ کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خادم کی ضرورت ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم عطا نہ کرنے کی توجیہات

اگر تم یہ سوال کرو کہ جب حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خادم کی ضرورت تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خادم مہیا کرنے سے

کیوں منع فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم تھا کہ سیدہ فاطمہ اس مشقت والے کام پر قدرت رکھتی ہیں اور وہ مجبور نہیں ہیں اور فقراء صحابہ ان سے زیادہ ضرورت مند تھے، یا آپ کو یہ علم تھا کہ سیدہ فاطمہ ان پر مشقت کاموں پر صبر کر سکتی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور حدیث میں یہ ارشاد ہے: میں ایک مرد کو عطا کرتا ہوں اور دوسرا مرد مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جس کو میں عطا نہیں کر رہا، اس کی طبیعت کے اندر غنا ہے۔ (صحیح البخاری: ۹۲۳، مسند احمد: ۲۰۱۴۹)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی کے گھر میں کام کاج کرتی تھیں اور یہ اگر چہ ان پر واجب نہیں تھا، کیونکہ جب وہ یہ کام کرتی تھیں تو ان کے خاوند کو اس پر عار محسوس نہیں ہوتا تھا۔ (الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۹ ص ۷۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کی سادہ اور بے تکلف زندگی

میں کہتا ہوں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے اس طرح سادگی سے زندگی بسر کی ہے کہ اپنے ہاتھ سے چکی پیستی تھیں، پانی بھر کر لے آتی تھیں، تو ان کے مقابلہ میں دوسری دنیا دار عورتوں کی کیا حقیقت ہے جو اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر ان کاموں کو ننگ و عار محسوس کریں، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بازار سے چیزیں خرید کر اپنے ہاتھ میں اٹھا کر لاتے تھے، حالانکہ صدہا خدام اپنی جان کو آپ پر نچھاور کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ زندگی اور آپ کی صاحبزادی کی پر مشقت زندگی کو دیکھ کر بھی کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نبی ہونے پر شک کرے تو اس سے بڑا بدنصیب کون ہوگا۔ (سعیدی غفرلہ)

۷۔ بَابٌ: خَادِمِ الْمَرْأَةِ

عورت کا خادم

۵۳۶۲۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي يَزِيدَ سَمِعَ مُجَاهِدًا سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي لَيْلَى يُحَدِّثُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَام أَتَتِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم تَسْأَلُهُ خَادِمًا فَقَالَ أَلَا أُخْبِرُكِ مَا هُوَ خَيْرٌ لَكِ مِنْهُ تُسَبِّحِينَ اللهَ عِنْدَ مَنَامِكِ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَتَحْمَدِينَ اللهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَتُكَبِّرِينَ اللهَ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ ثُمَّ قَالَ سُفْيَانُ إِحْدَاهُنَّ أَرْبَعٌ وَثَلَاثُونَ فَمَا تَرَكْتُهَا بَعْدُ قِيلَ وَلَا لَيْلَةَ صِفِّينَ قَالَ وَلَا لَيْلَةَ صِفِّينَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن ابی یزید نے حدیث بیان کی، انہوں نے مجاہد سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ سے سنا، وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، اور آپ سے خادم کا سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں خبر نہ دوں جو تمہارے لیے اس سے زیادہ بہتر ہے، تم سونے کے وقت تینتیس مرتبہ سبحان اللہ پڑھو، اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ پڑھو اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھو، پھر سفیان نے کہا: ان میں سے ایک چونتیس مرتبہ ہے، پھر میں نے ان تسبیحات کو کبھی ترک نہیں کیا، کہا گیا: اور آپ نے صفین کی رات میں بھی ترک نہیں کیا، حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ میں نے صفین کی رات میں بھی اس کو ترک نہیں کیا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۱۳، ۳۷۰۵، ۵۳۶۸، ۵۳۶۲، ۶۳۱۸؛ مسند احمد: ۷۴۰؛ صحیح مسلم: ۶۹۱۵)

صحیح البخاری: ۵۳۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ وہی حدیث ہے جو اس سے پہلے مذکور ہے، لیکن اس کا سیاق زیادہ مختصر ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے: اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جو عورت گھر کے کام کاج کرنے اور گھر کی خدمت کرنے کی طاقت رکھتی ہو مثلاً روٹی پکا سکتی ہو، چکی میں آٹا پیس سکتی ہو، آٹا گوندھ سکتی ہو اور اس طرح کے کام کر سکتی ہو تو اس کے خاوند پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کے لیے کوئی خادمہ رکھے، جب کہ یہ معلوم ہو کہ اس جیسی عورت اس قسم کے کام از خود کر لیتی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خادم کا سوال کیا تو آپ نے ان کے شوہر کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ سیدہ فاطمہ کے لیے کوئی خادم مہیا کریں، یا اجرت پر کوئی خادم مہیا کریں، یا خود ان کے ساتھ مل کر یہ کام کریں، اور اگر حضرت علی کے لیے ان کاموں کے کرنے میں کفایت ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے لیے خادم مہیا کرنے کا حکم دیتے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے اور باب کے عنوان کی وضاحت کرتی ہے، کیونکہ امام بخاری نے جو باب کے عنوان میں کہا ہے: "خادم المرأة" یعنی عورت کا خادم اور یہ مبہم ہے اور باب کی حدیث میں اس کی وضاحت کر دی۔

علامہ ابن بطال مالکی نے بعض شیوخ سے نقل کیا ہے کہ ہم کو کسی حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہو کہ وہ گھر کے کام کاج کیا کریں اور یہ چیز عرف پر مبنی ہے اور حسنِ معاشرت پر مبنی ہے اور عمدہ اخلاق پر مبنی ہے، رہا یہ کہ عورت کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ گھر کے کام کاج کیا کرے تو اس کی کوئی اصل نہیں ہے، بلکہ اجماع اس پر منعقد ہے کہ خاوند کے ذمہ ہے کہ وہ عورت کے تمام پُر مشقت کاموں کی ذمہ داری قبول کرے اور امام طحاوی نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ خاوند پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کی خادمہ کو گھر سے نکال دے، بلکہ خاوند پر یہ لازم ہے کہ بیوی کی خادمہ کا بھی حسب ضرورت حق ادا کرے۔

اور فقہاء احناف اور امام شافعی نے کہا ہے کہ خاوند پر لازم ہے کہ وہ خادم کا اور اس کی بیوی کا خرچ مقرر کرے۔

سفیان نے کہا کہ حضرت علی نے صفین میں بھی ان تسبیحات کے پڑھنے کو ترک نہیں کیا، اور صفین کے لفظ میں صاد کے نیچے زیر ہے اور فاء پر تشدید ہے اور نون سے پہلے یاء ہے اور یہ عراق اور شام کے درمیان ایک جگہ ہے، جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان عظیم معرکہ برپا ہوا تھا، اور سفیان کی مراد یہ ہے کہ اس رات میں اتنی عظیم جنگ کے باوجود اور اتنے سنگین معاملات ہونے کے باوجود میں نے ان تسبیحات کو پڑھنا نہیں چھوڑا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰-۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۲ کی شرح از علامہ ابن الملقن

علامہ سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن التوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر مومنات کو اپنی صاحبزادی پر ترجیح دی، کیونکہ آپ کی صاحبزادی کی شان بہت بلند تھی۔

ابن حبیب نے کہا ہے کہ جب خاوند تنگ دست ہو اور اس کی بیوی عظیم المرتبت اور عظیم القدر ہو تب بھی اس کی بیوی پر لازم ہے کہ وہ خدمت باطنہ یعنی گھر کے کام کاج کرے، آٹا گوندھے، روٹی پکائے، گھر کی صفائی کرے اور اس قسم کے دیگر کام کاج کرے۔

نیز علامہ ابن حبیب نے کہا ہے: اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خدمت باطنہ کا حکم دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدمتِ ظاہرہ کا حکم دیا یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تو گھر کے کام کاج کریں اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ گھر کی ضروریت پوری کرنے کے لیے گھر کے باہر حصولِ رزق کی تگ و دو کریں۔

امام عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میری بیٹی صبر کرو، کیونکہ عورتوں میں سے بہترین عورت وہ ہے جو اپنے گھر والوں کو نفع پہنچائے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۲۰۵۹۴)

عام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ جب مرد تنگ دست ہو اور وہ بیوی کی خادمہ کا خرچ نہ اٹھا سکتا ہو تو اس مرد اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی خواہ اس کی بیوی شرف اور مرتبہ والی ہو، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر شارع علیہ السلام نے یہ لازم نہیں کیا کہ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے ان کی تنگدستی میں کوئی خادمہ مہیا کریں۔

اور المہلب مالکی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جو عورت بلند مرتبہ والی ہو، اس کے لیے بھی اپنے خاوند کی خدمت کرنے میں مشقت کو برداشت کرنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سے بڑھ کر تو کوئی خاتون نہیں ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے تھے اور گھر کے کام کاج کرنے میں عار نہیں سمجھتے تھے، اور عبادت میں تواضع کرتے تھے، اور اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ دنیا کی تھوڑی چیزوں پر کفایت کرنی چاہیے اور دنیا میں بے رغبتی کرنی چاہیے اور ثواب میں رغبت کرنی چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ فرمایا: کہ خادمہ کے حصول سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ تم رات کو سونے سے پہلے سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۳۱-۴۳ ملخصاً و ملتقطاً وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، ۱۴۳۱ ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ ھ نے اپنی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ کی شرح سے استفادہ کیا ہے اور ہم نے اس میں سے قدرے ضروری کو ذکر کیا ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۶۲ کی شرح از علامہ قسطلانی شافعی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی التوفی ۹۱۱ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ خاوند پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کے لیے خادمہ کو مہیا کرے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس

حدیث کو اس پر محمول کیا جائے جو حسنِ معاشرت اور عمدہ اخلاق کا تقاضا ہے، ورنہ خاوند پر واجب ہے خواہ وہ تنگدست ہو یا غلام ہو کہ وہ آزاد عورت کی خدمت کے لیے خواہ وہ عورت ذمیہ ہو تو وہ کسی خادمہ کو مہیا کرے جو اس کے گھر کے کام کاج کرے کیونکہ یہ بھی حسنِ معاشرت میں سے ہے اور عرف کے مطابق ہے۔ (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، ج ۱۲ ص ۱۵۶، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۸۔ بَابُ: خِدْمَةِ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ

مرد کا اپنے گھر کے کام کاج کرنا

۵۳۶۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رضي الله عنها مَا كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَصْنَعُ فِي الْبَيْتِ قَالَتْ كَانَ يَكُونُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ فَإِذَا سَمِعَ الْأَذَانَ خَرَجَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عرعرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از حکم بن عتیبہ از ابراہیم از اسود بن یزید، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے، تو انہوں نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے پر مشقت کاموں میں مصروف رہتے تھے، پھر جب آپ اذان کو سنتے تو گھر سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۶، ۵۳۶۳، ۶۰۳۹، سنن ترمذی: ۲۴۸۹، مسند احمد: ۲۴۷۰۶)

صحیح البخاری: ۵۳۶۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے، اس باب میں ''جو شخص اپنے گھر میں مصروف ہو، پھر نماز کی اقامت کہی جائے تو وہ گھر سے باہر جائے''۔

اس حدیث میں ''المهنة'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: خدمت۔

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ گھر کی خدمت کرنا اور گھر والوں کی خدمت کرنا اللہ کے نیک بندوں کی سنت اور ان کا طریقہ ہے اور اس حدیث میں جماعت سے نماز پڑھنے کی فضیلت ہے، کیونکہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ جب آپ اذان کو سنتے تو گھر سے باہر چلے جاتے یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے چلے جاتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کام کاج کرنے کے متعلق مزید احادیث

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ شمائل میں روایت کرتے ہیں:

عمرہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے، تو انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشروں میں سے بشر تھے، اپنے کپڑے سے جوئیں چن لیتے تھے اور بکری کا دودھ دوہ لیتے تھے اور گھر والوں کی خدمت کرتے تھے۔ (الشمائل المحمدیہ: ۳۴۳، دار المنهاج للنشر والتوزیع، المدینۃ المنورہ، ۱۴۲۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں میں جوؤں کی تحقیق

امام فقیہ ابراہیم بن محمد الباجوری الشافعی المتوفی ۱۲۷۷ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ بشروں میں سے ایک بشر تھے، یہ بطور تمہید ہے اور اس میں کفار کے اس عقیدہ کا رد ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب اس کے منافی ہے کہ آپ وہ کام کریں جو کام عام لوگ کرتے ہیں، آپ کی شان کے یہ لائق ہے کہ آپ بادشاہوں کی طرح رہیں اور عام لوگوں سے اپنے آپ کو بلند و بالا رکھیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: "یفلی ثوبہ" یعنی جوں نکال کر پھینک دیتے تھے، یعنی اپنے کپڑے سے جوؤں کو تلاش کرتے تا کہ اس کو نکال کر پھینک دیں، اس کا معنی ہے کہ کپڑوں میں کانٹوں کی مثل کوئی چبھنے والی چیز ہوتی تو اس کو نکال دیتے، یا کپڑا کہیں سے پھٹا ہوا ہوتا تو اس میں پیوند لگا لیتے تھے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کے کپڑوں میں فی الواقع جوں ہوتی تھی، کیونکہ جوں تعفن کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور آپ کے بدن میں تعفن نہیں تھا، اور جوں اکثر پسینے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور آپ کا پسینہ پاکیزہ اور خوشبودار تھا، اسی وجہ سے شراحِ شفاء میں سے ابن سبع نے کہا ہے کہ آپ کے بدن اور کپڑے میں جوئیں نہیں تھیں، کیونکہ آپ نور تھے اور جس نے کہا کہ آپ کے کپڑے یا بدن میں جوئیں تھیں اس نے آپ کی تنقیص کی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کے کپڑے میں جوئیں تھیں لیکن وہ آپ کو ایذاء نہیں پہنچاتی تھیں اور آپ کپڑوں سے جوئیں اس لیے نکالتے تھے کہ آپ کو ان سے گھن آتی تھی۔ (میں کہتا ہوں کہ پہلا قول صحیح ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اور اس حدیث میں مذکور ہے آپ اپنی خدمت کرتے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ اپنا کپڑا سی لیتے تھے اور اپنی جوتی کی مرمت کر لیتے تھے اور ایک اور روایت میں ہے کہ آپ اپنے کپڑوں میں پیوند لگا لیتے تھے اور وہ تمام کام کرتے تھے جو مرد اپنے گھروں میں کرتے ہیں، پس مرد کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ اپنی اور اپنے گھر والوں کی خدمت کرے، کیونکہ اس میں تواضع ہے اور تکبر کو ترک کرنا ہے۔ (المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ، ص ۵۴۸-۵۴۹، دار المنہاج للنشر والتوزیع، ۱۴۲۸ھ)

دیگر روایات کے حوالہ جات

(مصنف عبد الرزاق: ۲۰۴۹۲، مسند احمد: ج ۶ ص ۱۶۷، ۱۲۱، ۱۰۶، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۳۸۴، مسند ابویعلیٰ: ۴۶۵۳، صحیح ابن حبان: ۲۱۳۳، شرح السنۃ: ۳۶۷۸، ۳۶۷۵)

صحیح البخاری: ۵۳۶۳ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر والوں کی خدمت میں رہتے تھے اور جب اذان سنتے تو گھر سے باہر نکل جاتے۔ (صحیح البخاری: ۶۷۶)، یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے اور کتاب الادب میں آئے گی۔ (صحیح البخاری: ۶۰۳۹)

علامہ مہلب مالکی نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے کام کاج بہ طور تواضع کرتے تھے تا کہ آپ کی امت کے لیے گھر کے کاموں کا کرنا سنت ہو جائے، اور سنت سے یہ ہے کہ انسان اپنے گھر کے کام کرے جو اس کے گھر میں دنیاوی ضروریات سے متعلق ہوں اور جن کاموں سے اسے اس کے دین پر مدد حاصل ہو اور اپنے آپ کو ان کاموں سے بلند سمجھنا یہ قابل تعریف نہیں ہے اور نہ یہ

صالحین کا طریقہ ہے، یہ تو عجمی بادشاہوں کا طریقہ ہے، اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا سب سے مؤکد سنت ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے شدید بیماری کی حالت کے جماعت کو ترک نہیں فرمایا اور آپ نماز با جماعت کی بہت زیادہ حفاظت فرماتے تھے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۴۴، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۹۔ بَابٌ: إِذَا لَمْ يُنْفِقِ الرَّجُلُ فَلِلْمَرْأَةِ أَنْ تَأْخُذَ بِغَيْرِ عِلْمِهِ مَا يَكْفِيهَا وَوَلَدَهَا بِالْمَعْرُوفِ

جب مرد خرچ نہ کرے تو عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ مرد کے علم کے بغیر اتنی مقدار لے لے جو اس کے اور اس کی اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو

۵۳۶۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ هِنْدَ بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ وَلَيْسَ يُعْطِينِي مَا يَكْفِينِي وَوَلَدِي إِلَّا مَا أَخَذْتُ مِنْهُ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ فَقَالَ خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ہشام، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، کہ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا آئیں اور انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! بے شک ابوسفیان بخیل مرد ہیں، وہ مجھے خرچ کی اتنی مقدار نہیں دیتے جو میرے لیے کافی ہو اور میری اولاد کے لیے کافی ہو، سوا اس کے کہ جو میں ان کے مال سے نکال لوں اور ان کو اس کا علم نہ ہو، تو آپ نے فرمایا: تم اتنی مقدار لے لو جو تمہارے اور تمہاری اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو۔

(صحیح البخاری: ۲۲۱۱، ۲۴۶۰، ۳۸۲۵، ۵۳۵۹، ۵۳۶۴، ۵۳۷۰، ۶۶۴۱، ۷۱۶۱، ۷۱۸۰، صحیح مسلم: ۱۷۱۴، سنن نسائی: ۵۴۲۰، سنن ابوداؤد: ۳۵۳۲، سنن ابن ماجہ: ۲۲۹۳، مسند احمد: ۲۵۱۸۵، سنن دارمی: ۲۲۵۹)

صحیح البخاری: ۵۳۶۴ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لفظ ھند کو منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح سے پڑھنے کا جواز

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ان ھند أبنت عتبة'' یہ لفظ منصرف ہے، کیونکہ اس پر تنوین داخل ہے اور اس سے پہلی حدیث میں جو کتاب المظالم میں گزر چکی ہے یہ لفظ غیر منصرف ہے، اور یہ معلوم ہے کہ اس لفظ کا درمیانی حرف ساکن ہے اور جب کسی اسم کا درمیانی حرف ساکن ہو تو اس کو منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے، جیسا کہ نوح میں۔

شحیح کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ابوسفیان شحیح ہیں، شحیح کا معنی بخیل ہے، اور اس سے پہلی روایت میں مذکور ہے کہ وہ

مستیک ہیں، یعنی وہ کم خرچ کرتے ہیں۔

مرد پر اس کی اولاد کے نفقہ کا لزوم

اس حدیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ مرد پر اس کی اولاد کا نفقہ لازم ہے، خواہ وہ بڑی عمر کی ہو اور اس استدلال کو رد کیا گیا ہے کہ یہ خصوصی واقعہ ہے اور اس میں افعال کا عموم نہیں ہے، اور ہو سکتا ہے کہ یہ اس وقت ہو جب اولاد کم سن ہو یا بڑی عمر کی ہو اور اپاہج ہو اور کمانے سے عاجز ہو اور بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ مرد پر اولاد کا نفقہ لازم ہے جب اس کی اولاد اپاہج ہو۔

حدیث مذکور کے بعض دیگر مسائل

جب کسی انسان کا دوسرے انسان پر حق ثابت ہو اور اس سے اس کا حق ملنا دشوار ہو تو پھر اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کی لاعلمی میں اپنا حق وصول کرلے یا جب وہ غیر موجود ہو تو اپنا حق وصول کرلے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہند کو حضرت ابوسفیان کے مال سے بقدر ضرورت لینے سے منع نہیں فرمایا۔

اس حدیث سے بعض شافعیہ نے فقہاء احناف کے خلاف یہ استدلال کیا ہے کہ فقہاء احناف قضاء علی الغائب کو ناجائز کہتے ہیں، یعنی جو شخص موجود نہ ہو اس کے خلاف فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے اور اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ حضرت ابوسفیان موجود نہیں تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فیصلہ فرمایا، تو اس حدیث میں قضاء علی الغائب کا ثبوت ہے۔ فقہاء احناف اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے اور اس وقت حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں موجود تھے۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ عورت اور اس کی اولاد کے خرچ کی کتنی مقدار شوہر پر مقرر کی جائے، تو امام مالک نے کہا ہے کہ اتنی مقدار فرض کی جائے جو اس کے لیے تنگی اور فراخی میں کافی ہو، اور اس میں عورت اور مرد دونوں کے حال کا اعتبار کیا جائے گا اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اس کی کوئی مقدار معین نہیں اور امام شافعی نے کہا: اس کی مقدار کا تعین کرنا حاکم اور قاضی کی رائے اور اس کے اجتہاد پر موقوف ہے اور حاکم خرچ کی مقدار متعین کرتے وقت مرد کی حالت کا اعتبار کرے گا نہ کہ عورت کی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱-۳۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۴ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ہند کے اسلام لانے کی تفصیل

حضرت ہند کا نام ہے ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

انس بن عیاض نے ہشام سے روایت کی ہے کہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں اور جب حضرت ہند کے باپ عتبہ اور ان کے چچا شیبہ کو قتل کر دیا گیا اور ان کے بھائی ولید بن عتبہ کو غزوہ بدر کے دن قتل کر دیا گیا تو ان پر یہ چیز بہت شاق اور دشوار تھی، پس غزوہ احد کے دن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو یہ اس سے بہت خوش ہوئیں اور انہوں نے حضرت حمزہ کا پیٹ چاک کیا اور ان کا کلیجہ (جگر) نکالا، پھر اس کو چبایا، پھر اس کو تھوک دیا، پس جب فتح مکہ کا دن ہوا تو حضرت ابوسفیان مکہ میں مسلمان

ہو کر داخل ہوئے، جب ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے سواروں نے گرفتار کرلیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو پناہ دی، تو حضرت ہند حضرت ابوسفیان کے اسلام لانے پر بہت ناراض ہوئیں اور ان کی ڈاڑھی کو پکڑ لیا، پھر بعد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ٹھہر گئے تو یہ آپ کے پاس آئیں اور انہوں نے اسلام قبول کیا اور آپ سے بیعت کرلی، اور اواخر مناقب میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! پہلے روئے زمین کے اوپر مجھے اس سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں تھی کہ آپ کے گھر والے ذلیل وخوار ہوں، اور اب روئے زمین پر میرے نزدیک سب سے زیادہ معزز اور محبوب آپ کے گھر والے ہیں۔

اور اسی حدیث میں ہے کہ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! بے شک ابوسفیان بخیل مرد ہے، اور حافظ ابن عبدالبر مالکی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ہند چودہ (۱۴) ہجری محرم میں فوت ہوئی تھیں جس دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تھے۔ اور امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے الطبقات الکبریٰ میں ایک روایت ذکر کی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اس کے بعد بھی زندہ رہی ہیں۔

اور علامہ الواقدی نے از ابن ابی سبرہ از عبداللہ بن ابی بکر بن حزم، روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ کو ان کے بھائی کی جگہ عامل مقرر کیا تھا، پھر حضرت معاویہ حضرت عمر کی طرف سے والی اور گورنر رہے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے اور انہوں نے حضرت معاویہ کو اس منصب پر برقرار رکھا اور ان کو شام کی پوری سلطنت کا مستقل گورنر بنا دیا، اور حضرت ابوسفیان حضرت معاویہ کی طرف روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ ان کے دو بیٹے عتبہ اور عنبسہ تھے، تو حضرت ہند نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ تمہارے پاس تمہارے باپ اور تمہارے دو بھائی آرہے ہیں، تم اپنے باپ کو گھوڑے پر سوار کرنا اور اس کو چار ہزار درہم دینا اور عتبہ کو ایک خچر پر سوار کرنا اور اس کو دو ہزار درہم دینا اور عنبسہ کو دراز گوش پر سوار کرنا اور ان کو ایک ہزار درہم دینا، تو حضرت معاویہ نے اسی طرح کیا، پس حضرت ابوسفیان نے کہا: میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ حضرت ہند نے اپنی رائے سے کہا تھا۔

اور ''الامثال السیدانی'' میں مذکور ہے کہ حضرت ہند حضرت ابوسفیان کی وفات کے بعد بھی زندہ رہیں، اور اس میں یہ قصہ مذکور ہے کہ ایک مرد نے حضرت معاویہ سے سوال کیا کہ وہ اپنی والدہ کی شادی اس کے ساتھ کر دیں، تو حضرت معاویہ نے کہا کہ اب حضرت ہند اس عمر سے گزر چکی ہیں کہ ان کے ہاں بچے ہوں اور حضرت ابوسفیان کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی تھی۔

حضرت ابوسفیان کا تذکرہ

حضرت ابوسفیان کا نام ہے صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس۔ انہوں نے حضرت ہند سے واقعہ بدر کے بعد نکاح کیا تھا، اور واقعہ بدر کے بعد یہ قریش کے سردار تھے اور قریش کو لے کر یہ جنگِ احد میں روانہ ہوئے تھے، پھر جنگ احزاب میں انہوں نے قیادت کی، پھر جنگِ خندق میں قیادت کی، پھر فتح مکہ کی شب کو انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اس کا تفصیل سے ذکر کتاب المغازی میں ہو چکا ہے۔

شحیح اور بخیل کا فرق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوسفیان کے متعلق حضرت ہند نے کہا: ''وہ رجل شحیح ہیں''، اور تین ابواب پہلے گزر

ہے"وہ رجل مسیک ہیں"، اور شح کا معنی ہے۔ وہ بخل جس کے ساتھ حرص بھی ہو، اور شح بخل سے زیادہ عام ہے، کیونکہ بخیل وہ شخص ہے جو مال سے منع کرتا ہے اور شحیح وہ شخص ہے جو ہر چیز کو منع کرتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شح طبعی وصف ہے اور لازم ہے اور بخل غیر لازم ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) انسان کا ذکر تعظیم کے ساتھ کرنا جائز ہے، مثلاً لقب کے ساتھ اور کنیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا جائے، مگر اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ابوسفیان اپنی کنیت کے ساتھ مشہور تھے نہ کہ اسم کے ساتھ، پس حضرت ہند کا یہ قول اس پر دلالت نہیں کرتا کہ انہوں نے ابوسفیان کا لفظ ذکر کر کے ان کی تعظیم کا ارادہ کیا ہے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو فریقوں میں سے کسی ایک فریق کا کلام دوسرے کی غیر موجودگی میں سننا جائز ہے۔

(۳) حضرت ہند نے حضرت ابوسفیان کے مال سے ان کی موجودگی میں خرچ کرنے کی اجازت طلب کی، اور اس کا عذر بھی بیان کیا کہ حضرت ابوسفیان ان کو ان کا اور ان کے بچوں کا پورا خرچ نہیں دیتے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص اپنی طرف کسی کمی کی نسبت کرے تو اسے چاہیے کہ اس کا عذر بھی بیان کردے۔

(۴) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حاکم اور مفتی کے سامنے کسی اجنبی عورت کی بات سننا جائز ہے، اور یہ ان کے مذہب پر ہے جو کہتے ہیں کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے، اور یہاں پر ضرورت کی بناء پر اجنبی عورت کا کلام سننا جائز ہے۔

(۵) جب عورت خرچ پر قبضہ کرنے کے متعلق کہے تو اس میں صرف عورت کا قول معتبر ہوگا، کیونکہ اگر یہاں مرد کا قول معتبر ہوتا اور مرد موجود نہیں تھا تو اس پر گواہی کی ضرورت ہوتی، اور علامہ مازری نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس بحث کا تعلق فتویٰ کے ساتھ ہے نہ کہ قضاء کے ساتھ۔

(۶) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بیوی کا خرچ واجب ہے، اور اس کی مقدار وہ ہے جو اس کی ضروریات کے لیے کافی ہو، اور یہی اکثر علماء کا قول ہے۔

(۷) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اولاد کا خرچ بھی مرد کے ذمہ واجب ہے، جب اس کی ضرورت ہو اور امام شافعی کے نزدیک یہ اس وقت ہے کہ جب اولاد کم سن ہو یا اپاہج ہو۔

(۸) اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی خادمہ کا خرچ بھی مرد کے ذمہ ہے، علامہ خطابی نے کہا ہے کیونکہ حضرت ابوسفیان اپنی قوم کے سردار تھے اور یہ بعید ہے کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو خرچ دینے سے منع کرے، پس گویا کہ وہ حضرت ہند کو اور ان کی اولاد کو بقدر کفایت دیتے تھے اور ان کے خادموں کا خرچ نہیں دیتے تھے، تو حضرت ہند نے خادموں کے خرچ کو بھی اپنی ذات کی طرف منسوب کیا، کیونکہ عورت کا خادم بھی اس کے حقوق میں داخل ہوتا ہے۔

(فتح الباری ج۹ ص۵۰۷-۵۰۹، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج۶ ص۵۵۶-۵۵۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

١٠- بَابُ: حِفْظِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا فِي ذَاتِ يَدِهِ وَالنَّفَقَةِ

عورت کا اپنے خاوند کے مال کی اور اس کے دیے ہوئے خرچ کی حفاظت کرنا

٥٣٦٥ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ وَأَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْإِبِلَ نِسَاءُ قُرَيْشٍ وَقَالَ الْآخَرُ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ أَحْنَاهُ عَلَى وَلَدٍ فِي صِغَرِهِ وَأَرْعَاهُ عَلَى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ وَيُذْكَرُ عَنْ مُعَاوِيَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

(صحیح البخاری: ٣٤٣٤، صحیح مسلم: ٧٤٠٧، مسند احمد: ٩١١٣)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن طاؤس نے حدیث بیان کی از والد خود اور ابو الزناد نے از الاعرج از ابو ہریرہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہترین عورتیں جو اونٹوں پر سواری کرتی ہیں، وہ قریش کی عورتیں ہیں اور دوسرے نے کہا کہ قریش کی عورتوں میں صالح وہ ہیں جو اپنے بچوں پر ان کے بچپن میں شفیق ہوں اور اپنے خاوند کا جو مال خاوند کے پاس ہے اس کی زیادہ رعایت اور حفاظت کرنے والی ہوں اور از حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی ﷺ سے بھی یہ حدیث ذکر کی جاتی ہے۔

صحیح البخاری: ٥٣٦٥ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبداللہ کا ذکر ہے، جو ابن المدینی کے نام سے معروف ہیں، اور سفیان سے مراد ہیں سفیان بن عیینہ، اور ابن طاؤس کا نام عبداللہ ہے، اور ابو الزناد کا نام عبداللہ بن ذکوان ہے، اور الاعرج سے مراد عبدالرحمن بن ہرمز ہیں۔

حدیث مذکور میں اونٹوں سے مراد گدھے ہیں

اس حدیث میں مذکور ہے کہ بہترین عورتیں جو اونٹوں پر سواری کرتی ہوں وہ قریش کی عورتیں ہیں اور سعید بن المسیب نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ یہ کہتے تھے کہ حضرت مریم ابنۃ عمران کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں، اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے: بہترین عورتیں جو اونٹوں پر سوار ہوئی ہوں، اور صاحب النجم الثاقب نے کہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا تھا کہ بعیر کا لفظ بھی ابل سے ہے، یعنی بعیر سے مراد بھی اونٹ ہیں، حالانکہ بعیر کبھی گدھے کو بھی کہتے ہیں:

وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ۝ (یوسف: ٧٢)

اور جو اس کو لے کر آئے گا اس کو غلہ سے لدا ہوا ایک اونٹ ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں O

ابن خالویہ نے کہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سواریوں میں صرف گدھے تھے اور ان کے پاس اونٹ نہیں تھے، اور وہ اپنے سفر وغیرہ میں صرف گدھوں پر آتے جاتے تھے، اسی طرح مجاہد نے کہا ہے کہ "البعیر" سے یہاں پر مراد "الحمار" ہے یعنی اونٹ سے مراد یہاں گدھے ہیں اور یہ بھی ایک لغت ہے جس کی الکواشی نے یہاں حکایت کی ہے۔

اونٹوں پر سواری کرنے والی قریش کی عورتوں کے متعلق دیگر روایات

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی جو روایت ہے اس کی امام احمد اور امام طبرانی نے از زید بن ابی عتاب از حضرت معاویہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے اور وہ ابن طاؤس کی روایت کے مثل ہے جس میں مذکور ہے کہ قریش کی عورتیں صالحات ہیں اور وہ اپنے بچوں پر زیادہ مہربان اور شفیق ہیں۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی امام احمد نے از شہر بن حوشب روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کی ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا جس کا نام سوداء تھا، جس کے اس کے شوہر سے پانچ یا چھ بچے تھے جو فوت ہو چکا تھا، اس نے آپ سے کہا کہ مجھے کیا چیز منع کرے گی کہ میں آپ سے نکاح کروں جب کہ آپ میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں، مگر میں چاہتی ہوں کہ آپ میری اس بچی کو اپنے سر کے پاس رکھیں، تو آپ نے اس عورت سے فرمایا: اللہ تم پر رحم فرمائے، بہترین عورتیں وہ ہیں جو اونٹوں کے پچھلے دھڑ پر سواری کرتی ہیں۔ الحدیث

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ عورت ام ہانی تھیں اور شاید ان کا لقب سودہ تھا، علامہ عینی فرماتے ہیں: مشہور یہ ہے کہ ان کا نام فاختہ تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام ہند تھا، یہ وہ سودہ نہیں ہیں جو سودہ بنت زمعہ ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے بہت پہلے مکہ میں نکاح کیا تھا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد، اور ان کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دخول سے پہلے دخول کیا تھا اور حضرت سودہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں فوت ہو گئی تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲-۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری ۵۳۶۵ کی شرح از علامہ ابن الملقن شافعی

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کی تحقیق کہ بعیر کا معنی صرف اونٹ نہیں ہوتا بلکہ گدھا بھی ہوتا ہے

یہ حدیث اوائل نکاح میں ابو زناد کی سند سے گزر چکی ہے، اس کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ "صالح نساء قریش" یعنی قریش کی عورتوں میں عمدہ وہ ہیں، اور دوسری روایت میں ہے قریش کی عورتیں کم سن بچوں پر ان کی کم سنی میں شفیق ہوتی ہیں، اور ابن المسیب کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے بارے میں کہتے تھے کہ حضرت مریم ابنۃ عمران کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: بہترین عورتیں وہ ہیں جو اونٹوں پر سواری کرتی ہیں۔

(صحیح مسلم: ۲۵۲۷، کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل نساء قریش)

صاحب النجم الثاقب نے ذکر کیا ہے کہ قریش کے مناقب میں جو احادیث وارد ہیں ان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا ہے کہ البعیر کا معنی فقط اونٹ ہے، اور اس طرح نہیں ہے بلکہ البعیر کا معنی گدھا بھی ہوتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَلِمَنۡ جَآءَ بِهٖ حِمۡلُ بَعِيۡرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيۡمٌ ۝ اور جو اس کو لے کر آئے گا اس کو غلہ سے لدا ہوا ایک اونٹ (گدھا) ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں O (یوسف:۷۲)

ابن خالویہ نے کہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سواریوں میں صرف گدھے تھے اور ان کے پاس اونٹ نہیں تھے، اور وہ اپنے سفر وغیرہ میں صرف گدھوں پر آتے جاتے تھے، اسی طرح مجاہد نے کہا ہے کہ "البعیر" سے یہاں پر مراد "الحمار" ہے یعنی اونٹ سے مراد یہاں گدھے ہیں اور یہ بھی ایک لغت ہے جس کی الکواشی نے یہاں حکایت کی ہے۔

اور حضرت ابوہریرہ کی مراد یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ مستفاد نہیں ہوتا کہ قریش کی عورتیں حضرت مریم سے افضل ہیں کیونکہ حضرت مریم کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں، اور شارع علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بہترین عورتیں وہ ہیں جو اونٹ پر سوار ہوتی ہیں۔

قریش کی عورتوں کی دوسری عورتوں پر فضیلت

اس حدیث میں قریش کی عورتوں کی عرب کی باقی عورتوں پر دو وجہ سے فضیلت ہے:

(۱) قریش کی عورتیں بچوں پر شفیق ہوتی ہیں اور بچوں کی عمدہ طریقہ سے تربیت کرتی ہیں۔

(۲) شوہر کی ملک میں جو مال ہوتا ہے، قریش کی عورتیں اس کی بہت عمدہ طریقہ سے حفاظت کرتی ہیں اور اسی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک عورت کی فضیلت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے اس عورت کی مدح کی جو دہر کے خلاف مدد کرتی ہے اور دہر اس کے خلاف مدد نہیں کرتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۱۷۱۴۱)

اور ابن التین نے کہا ہے: یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے بچوں کی پرورش کے لیے قائم رہتی ہیں اور دوسرا نکاح نہیں کرتیں۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۷-۴۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ نے اس حدیث کی شرح میں قریش کی عورتوں کی باقی عرب کی عورتوں پر فضیلت کی یہی دو وجہیں بیان کی ہیں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری، ج ۷ ص ۲۳۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں حضرت معاویہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیث کو بیان کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس کی حدیث میں جس عورت کا ذکر ہے، ہوسکتا ہے وہ ام ہانی ہوں۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۵۱۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، فتح الباری ج ۶ ص ۵۵۹، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۱۔ بَابٌ: كِسْوَةِ الْمَرْاَةِ بِالْمَعْرُوْفِ — دستور کے مطابق عورت کا لباس مہیا کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خاوند پر واجب ہے کہ وہ عورت کو دستور کے مطابق لباس مہیا کرے۔

۵۳۶۶۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ عَنْ عَلِيٍّ رضی الله عنه قَالَ آتَى إِلَيَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم حُلَّةَ سِيَرَاءَ فَلَبِسْتُهَا فَرَأَيْتُ الْغَضَبَ فِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبد الملک بن میسرہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے زید بن وہب سے سنا از حضرت علی

وَجْهِهِ فَشَقَّقْتُهَا بَيْنَ نِسَائِي۔

رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک ریشمی حلہ عطا فرمایا، سو میں نے اس کو پہن لیا، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر ناراضگی کے آثار دیکھے، پس میں نے اس کو پھاڑ کر اپنی عورتوں میں تقسیم کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۶۱۴، ۵۳۶۶، ۵۸۴۰، صحیح مسلم: ۲۰۷۱، سنن نسائی: ۵۲۹۸، سنن ابوداؤد: ۴۰۴۳، مسند احمد: ۷۵۷)

صحیح البخاری: ۵۳۶۶ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حُلّہ اور سیراء کا معنی اور جن عورتوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان ریشمی چادروں کو تقسیم کیا تھا ان کا بیان

حلہ کا معنی ہے: دو چادریں، ایک اوپر اوڑھنے کی چادر اور ایک تہبند۔ امام ابوعبید نے کہا ہے کہ حلہ اس وقت کہا جاتا ہے جب دو کپڑے ہوں، اور اس حدیث میں سیراء کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: وہ چادر جس میں زرد رنگ کی دھاریاں ہوں اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ریشمی کپڑا ہے، اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں نے اس کپڑے کو پھاڑ کر اپنی عورتوں میں تقسیم کر دیا، اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مراد ہے کہ انہوں نے اس کپڑے کو حضرت فاطمہ اور ان کے قرابت داروں میں تقسیم کر دیا، کیونکہ اس وقت علی رضی اللہ عنہ کے عقد میں صرف حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا تھیں اور کوئی بیوی نہ تھی اور نہ کوئی باندی تھی۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت کے لیے خاوند کے ذمہ خرچ کے ساتھ لباس بھی لازم ہوتا ہے جو اس کی ضرورت کے لیے کافی ہو اور یہ اس کی تنگدستی اور خوشحالی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ بدر الدین عینی نے لکھا ہے کہ حلہ کی تقسیم درج ذیل طریقہ سے ہوئی:

امام ابن ابی الدنیا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: میں نے اس حلہ کو پھاڑ کر چار دوپٹے بنائے، ایک دوپٹہ اپنی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد کے لیے، دوسرا دوپٹہ اپنی زوجہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے، تیسرا دوپٹہ حضرت فاطمہ بنت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے لیے، چوتھے کو راوی بھول گیا۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ حق کے مشابہ یہ ہے کہ چوتھا دوپٹہ حضرت فاطمہ بنت شیبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہا کے لیے تھا جو حضرت علی کے بھائی عقیل کی زوجہ تھیں اور ابوالعلاء بن سلیمان نے کہا ہے کہ یہ حضرت ام ہانی فاختہ بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کے لیے تھا، اس کے علاوہ دو قول اور ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۲۳۷-۲۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری ۵۳۶۶ کی شرح از علامہ ابن الملقن شافعی

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر ہے، جنہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ریشمی حلہ عطا فرمایا تو میں نے اس کو پہنا، تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ میں غضب کے آثار دیکھے تو میں نے اس کپڑے کو پھاڑ کر اپنی عورتوں کے دوپٹے بنا لیے۔

مرد پر عورت کے نفقہ اور لباس کا وجوب

اس پر اجماع ہے کہ مرد کے ذمہ عورت کا خرچ اور اس کا لباس دستور کے مطابق واجب ہے، اور بعض اہل علم نے یہ ذکر کیا ہے کہ مرد پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اس شہر کے کپڑے پہنائے، اور صحیح یہ ہے کہ عرف کے مطابق جس شہر کے کپڑے بیوی کو پہنائے جاتے ہیں، وہ کپڑے پہنائے اور یہ مرد کی خوشحالی اور تنگدستی کے اعتبار سے ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حلہ کو پھاڑ کر اپنی عورتوں کے درمیان تقسیم کر دیا جب کہ وہ اس پر قادر نہیں تھے کہ ان عورتوں میں سے ہر ایک کو الگ الگ حلہ دیں، میں کہتا ہوں کہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقد میں صرف حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا تھیں، اگرچہ حدیث میں یہ لفظ ہے کہ میں نے اپنی عورتوں میں تقسیم کر دیا، اور حدیث کے یہ الفاظ اس شرح کے خلاف ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۵۰، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے بھی مرد پر عورت کے کپڑوں کے وجوب کے متعلق وہی لکھا ہے جو ہم علامہ ابن الملقن شافعی کی شرح سے نقل کر چکے ہیں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۶ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور عورتوں کے لیے تم پر ان کا رزق اور ان کا لباس دستور کے مطابق واجب ہے، لیکن جب کہ یہ حدیث امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں تھی تو انہوں نے اس دوسری حدیث سے عورتوں کے لباس کے وجوب کے حکم کو مستنبط کیا، جس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ریشمی حلہ دیا اور انہوں نے اس کو پہنا اور جب انہیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ریشمی حلہ پہننے کی وجہ سے ناراض ہیں تو انہوں نے اس کو پھاڑ کر اپنی عورتوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر نے عورتوں کے لباس کے وجوب کے متعلق وہی احکام بیان کیے ہیں جن کو ہم اس سے پہلے علامہ ابن الملقن اور ابن بطال اور علامہ عینی کے حوالہ سے ذکر کر چکے ہیں۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۱۲-۵۱۳، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۰۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۲- بَابُ: عَوْنِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا فِي وَلَدِهِ — عورت کا اپنے شوہر کے بچوں کی خدمت میں مدد کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت کا اپنے شوہر کے بچوں کی خدمت میں مدد کرنا مستحب ہے۔

۵۳۶۷- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہما قَالَ هَلَكَ أَبِي وَتَرَكَ سَبْعَ بَنَاتٍ أَوْ تِسْعَ بَنَاتٍ فَتَزَوَّجْتُ امْرَأَةً ثَيِّبًا فَقَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَزَوَّجْتَ يَا جَابِرُ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا قُلْتُ بَلْ ثَيِّبًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از عمرو از جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد شہید ہو گئے اور انہوں نے سات بیٹیاں چھوڑی تھیں یا نو بیٹیاں چھوڑی تھیں، میں نے ایک بیوہ عورت سے نکاح کیا،

قَالَ فَهَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ وَتُضَاحِكُهَا وَتُضَاحِكُكَ قَالَ فَقُلْتُ لَهُ إِنَّ عَبْدَ اللهِ هَلَكَ وَتَرَكَ بَنَاتٍ وَإِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أَجِيئَهُنَّ بِمِثْلِهِنَّ فَتَزَوَّجْتُ امْرَأَةً تَقُومُ عَلَيْهِنَّ وَتُصْلِحُهُنَّ فَقَالَ بَارَكَ اللهُ لَكَ أَوْ قَالَ خَيْرًا

(صحیح مسلم: ۷۱۵، سنن ترمذی: ۱۱۰۰، سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۰، مسند احمد: ۱۴۴۴۷، سنن دارمی: ۲۲۱۶)

پس مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے جابر! تم نے نکاح کرلیا ہے، میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کنواری سے نکاح کیا ہے یا بیوہ سے، میں نے عرض کیا: بیوہ عورت سے نکاح کیا ہے، آپ نے فرمایا: پس تم نے کیوں نہ ایک لڑکی سے نکاح کیا، تم اس کے ساتھ کھیلتے وہ تمہارے ساتھ کھیلتی، تم اس کے ساتھ ہنستے اور دل لگی کرتے اور وہ تمہارے ساتھ ہنستی اور دل لگی کرتی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا: میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے والد حضرت عبداللہ شہید ہو گئے اور انہوں نے بیٹیاں چھوڑیں اور میں نے ناپسند کیا کہ میں ان کے پاس ان کی ہم عمر عورت کو لے آؤں تو میں نے ایسی عورت سے نکاح کیا جو ان کی حفاظت کرے اور ان کی اصلاح کرے، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم کو برکت دے یا اللہ تعالیٰ تم کو نیکی عطا کرے۔

صحیح البخاری: ۵۳۶۷ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خاوند کی اولاد کی خدمت کرنے کا استحباب

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شوہر کی اولاد کی خدمت کرنا عورت پر واجب نہیں ہے، یہ حسنِ صحبت کا تقاضا ہے اور معاشرت کی خوبی ہے اور نیک خواتین کی سیرت ہے کہ جو ان میں سے فضیلت والی تھیں وہ اپنے خاوند کی اولاد کی خدمت کرتی تھیں۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

تنبیہ: باقی شارحین نے اس حدیث کی مطلقاً شرح نہیں کی، علامہ کورانی حنفی متوفی ۸۹۳ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ حدیث متعدد بار گزر چکی ہے، اور صحیح البخاری: ۲۰۹۷ میں اس حدیث کی مفصل شرح کی جا چکی ہے۔

۱۳۔ بَابُ: نَفَقَةِ الْمُعْسِرِ عَلَى أَهْلِهِ

مفلس مرد پر اس کی بیوی بچوں کا خرچ

۵۳۶۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم رَجُلٌ فَقَالَ هَلَكْتُ قَالَ وَلِمَ قَالَ وَقَعْتُ عَلَى أَهْلِي فِي رَمَضَانَ قَالَ فَأَعْتِقْ رَقَبَةً قَالَ لَيْسَ عِنْدِي قَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے حدیث بیان کی از حمید بن عبدالرحمٰن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد آیا، سو اس نے کہا: میں ہلاک

فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا أَسْتَطِيعُ قَالَ فَأَطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ لَا أَجِدُ فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ فَقَالَ أَيْنَ السَّائِلُ قَالَ هَا أَنَا ذَا قَالَ تَصَدَّقْ بِهَذَا قَالَ عَلَى أَحْوَجَ مِنَّا يَا رَسُولَ اللهِ فَوَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَحْوَجُ مِنَّا فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى بَدَتْ أَنْيَابُهُ قَالَ فَأَنْتُمْ إِذًا۔

ہوگیا، آپ نے پوچھا: کس وجہ سے؟، اس نے کہا: میں نے رمضان میں اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرلیا، آپ نے فرمایا: تم ایک غلام کو آزاد کرو، اس نے کہا: میرے پاس غلام نہیں ہے، آپ نے فرمایا: تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھو، اس نے کہا: میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا: تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، اس نے کہا: میرے پاس اتنا مال نہیں ہے، پھر نبی ﷺ کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا یا تھیلا آیا، تو آپ نے پوچھا: وہ سائل کہاں ہے؟، اس نے کہا: میں یہاں پر موجود ہوں، آپ نے فرمایا: ان کھجوروں کو صدقہ کردو، اس نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم سے بھی زیادہ محتاج پر؟ پس اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے: مدینہ کی ان دو سیاہ پتھروں والی زمینوں کے درمیان کوئی گھر ہم سے زیادہ محتاج نہیں ہے، تو نبی ﷺ ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں، آپ نے فرمایا: پھر تم ہی خرچ کرلو۔

(صحیح البخاری: ۱۹۳۶، ۱۹۳۷، ۲۶۰۰، ۵۳۶۸، ۶۰۸۷، ۶۱۶۴، ۶۷۰۹، ۶۷۱۰، ۶۷۱۱، ۶۸۲۱، صحیح مسلم: ۱۱۱۱، سنن ترمذی: ۷۲۴، سنن ابوداؤد: ۲۳۹۰، سنن ابن ماجہ: ۱۶۷۱، مسند احمد: ۷۲۸۸، موطا امام مالک: ۶۶۰، سنن داری: ۱۷۱۶)

صحیح البخاری ۵۳۶۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: ''تنگدست کا اپنے اہل پر خرچ کرنا''۔ کیونکہ اس خرچ کو کفارہ پر مقدم کیا ہے، کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے اس کو جائز قرار دیا کہ وہ ان کھجوروں کو اپنے اہل کو کھلا دے اور کفارہ نہ دے۔

(اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جو شخص عمداً رمضان کا روزہ توڑ دے، تو وہ یہ کفارہ ادا کرے، لیکن نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار دیا ہے کہ آپ اگر چاہیں تو اس قاعدہ کی وضاحت فرما سکتے ہیں، آپ نے اس شخص کی مجبوری کی حالت کو دیکھتے ہوئے اس کو یہ اجازت دی کہ صدقہ میں جو کھجوریں آپ کے پاس آئی تھیں، وہ کھجوریں وہ اپنے اہل کو کھلا دے اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ تنگدست آدمی کو جہاں سے بھی کوئی چیز مل جائے، وہ اس چیز کو اپنے اہل کو کھلائے تاکہ اہل کا نفقہ ادا ہوجائے، اور کفارہ کو مؤخر کردے۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: کہ یہ حدیث کتاب الصوم کے دو ابواب میں گزر چکی ہے۔ ایک باب ہے ''جب کسی شخص نے رمضان میں جماع کیا'' اور دوسرا باب ہے ''رمضان میں جماع کرنے کا حکم''۔ اور اس کی مفصل شرح وہیں کی جاچکی ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں ''عرق'' کا لفظ ہے، جس میں عین پر زبر ہے، یہ ایسا ٹوکرا ہے جس میں پندرہ صاع (یعنی ساٹھ کلوگرام) چیزیں رکھنے کی گنجائش ہوتی ہے، اور اس حدیث میں دوسرا لفظ ہے: ''لابتیھا'' یعنی مدینہ کی دوطرفوں میں پتھریلی زمینیں جنہوں نے مدینہ کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اور اس حدیث کے آخر میں یہ لفظ ہے ''فانتم اذا'' یعنی پھر تم ان کھجوروں کے زیادہ حق دار ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۸ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تنگدست پر اہل وعیال کے خرچ کا لزوم

امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ تنگ دست پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے اہل پر خرچ کرے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنگ دست مرد پر یہ مباح کیا کہ آپ کے پاس جو کھجوریں آئی تھیں وہ اپنے بیوی بچوں کو کھلا دے اور آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ تم کو کفارہ ادا کرنے سے کافی ہوگا، کیونکہ اس مرد کے اوپر اپنے اہل کا خرچ دینا فرض تھا اور جب اس کو وہ کھجوریں مل گئیں تو اپنے اہل کو خرچ دینا اس کے اوپر کفارہ سے زیادہ لازم تھا۔

اس تنگدست مرد سے کفارہ ساقط نہیں ہوا بلکہ اس کی تنگدستی کی وجہ سے اس کی ادائیگی مؤخر ہوگئی

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے یہ کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا اور ثوری کا قول یہ ہے کہ قیاس یہ ہے کہ کفارہ اس کے ذمہ قرض ہے جو اس کی تنگدستی کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا، اور یہی امام مالک اور عام علماء کا قول ہے، اور اس کی اصل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کا ادا کرنا خوشحالی میں لازم ہو تو وہ اس کے ذمہ لازم رہے گی جب تک اس کو خوشحالی میسر ہو۔

رمضان میں عمداً جماع کرنے اور بھولے سے جماع کرنے کے شرعی احکام

اس تنگدست مرد نے کہا: میں ہلاک ہوگیا، اس میں یہ دلیل ہے کہ اس مرد نے رمضان میں عمداً جماع کیا تھا، کیونکہ اگر اس نے بھولے سے جماع کیا ہوتا تو وہ یہ نہ کہتا کہ میں ہلاک ہوگیا، دوسرا قول یہ ہے کہ جب اس کو کھجوروں کا ٹوکرا دے دیا گیا اور وہ ضرورت مند تھا تو اس کے لیے ان کھجوروں میں سے صدقہ کرنا جائز نہیں تھا، کیونکہ صدقہ کرنے میں افضل یہ ہے کہ خوش حالی سے صدقہ کیا جائے، پس جب وہ اس میں سے ایک دن کی خوراک کھالے گا تو وہ صدقہ کم ہوجائے گا تو اس کا کھانا جائز نہیں رہے گا اور کفارہ اس کے ذمہ لازم رہے گا اور جو شخص بھول کر رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کرلے تو امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے اس پر کفارہ نہیں ہے۔ (المدونہ ج ۱ ص ۱۸۵، کتاب الام ج ۲ ص ۸۵)

اور ابن نافع اور ابن الماجشون نے کہا ہے: اس پر کفارہ لازم ہے۔ (النوادر والزیادات، ج ۲ ص ۴۹) اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے، کیونکہ اس حدیث میں یہ واضح نہیں ہے کہ اس نے یہ جماع عمداً کیا تھا یا بھول کر کیا تھا، (میں کہتا ہوں کہ فقہاء احناف کے نزدیک بھی رمضان میں بھول کر جماع کرنے والے پر بھی کفارہ لازم ہے اور اس کو رمضان میں بھول کر کھانے پینے پر

قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ جماع کرنے میں ایسے افعال ہوتے ہیں جن سے انسان کو یاد رہتا ہے کہ وہ یہ کام کر رہا ہے حالانکہ وہ روزہ سے ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفارہ کی ادائیگی میں جن امور کو بیان فرمایا آیا ان میں ترتیب لازم ہے یا نہیں؟

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''پس تم غلام آزاد کرو'' اس مرد نے کہا: میرے پاس غلام نہیں ہے، آپ نے فرمایا: پھر تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھو، اس سے ظاہر یہ ہے کہ اس میں ترتیب ہے یعنی پہلے غلام آزاد کرے اور غلام میسر نہ ہو تو پھر دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔

اور ابن حبیب مالکی کا بھی یہی قول ہے، اور امام مالک نے کہا کہ اس کو اختیار ہے اور اس کو کھانا کھلانا مستحب ہے۔

مسکین کو کفارہ ادا کرنے کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف

اور حدیث میں مذکور ہے کہ ''تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ'' اور امام مالک کے نزدیک اس کی مقدار یہ ہے کہ ہر مسکین کو ایک کلو طعام کھلائے جیسا کہ قسم کے کفارہ میں ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ ہر مسکین کو دو کلو گندم یا اس کی قیمت دے۔

(المدونہ ج ۱ ص ۱۹۱، المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۱۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

''العرق'' کا معنی

اور اس حدیث میں ''العرق'' کا لفظ ہے، یہ عین کی زبر کے ساتھ ہے اور مشہور یہ ہے کہ یہ ایسا تھیلا ہے یا ایسا ٹوکرا ہے جس میں پندرہ (۱۵) صاع یعنی ساٹھ (۶۰) کلو سے لے کر بیس (۲۰) صاع یعنی اسی (۸۰) کلو تک کی گنجائش ہو، ایک حدیث میں اس کی تفسیر المکتل ہے اور یہ بھی زنبیل (یعنی تھیلے) کی ایک قسم ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''اس تھیلہ میں کھجوریں تھیں'' اور یہ گزر چکا ہے کہ اس میں پندرہ (۱۵) صاع سے لے کر بیس (۲۰) صاع تک کھجوریں تھیں اور اسی طرح الموطا (ص ۱۹۸) میں مذکور ہے، اور اس کی ابن حبیب مالکی نے امام مالک سے روایت کی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ اس میں بیس (۲۰) صاع کھجوریں تھیں۔ (سنن ابوداؤد: ۲۳۹۵)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں''۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کے ہنسنے کی وجہ یہ ہو کہ اس مرد کے اوپر کفارہ دینا واجب تھا تا کہ وہ ان کھجوروں کو نکال کر کفارہ ادا کرتا اور اس نے ان کھجوروں کو لے لیا اور اٹھا کر لے گیا اور اس کے باوجود وہ گناہ گار نہیں ہوگا اور یہ ہمارے رب (عزوجل) کے احسانات میں سے ہے۔

فقہاء کا اس میں اختلاف کہ اس تنگدست مرد کے کھجوروں کے کھا لینے سے اس کا کفارہ ادا ہوا یا نہیں؟

کیا اس کا ان کھجوروں کو کھانا اس کے کفارہ کو ادا کرنے سے کفایت کرے گا؟ زہری نے کہا: ان کھجوروں کو کھانا اس کے ساتھ مخصوص تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اس کو کفایت نہیں کرے گا اور اس کو جو کھجوریں کھانے کی اجازت دی گئی وہ اس کی ضرورت کی وجہ سے تھی اور کفارہ اس کے ذمہ باقی ہے، اور ہمارے نزدیک یہی زیادہ ظاہر ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جب آپ نے اس کو کھجوریں دیں کیونکہ وہ ضرورت مند تھا تو اس کے لیے ان کھجوروں کو صدقہ کرنا جائز نہ

تھا، کیونکہ افضل صدقہ وہ ہے جو خوشحالی کی حالت میں دیا جائے، پس جب وہ اس میں سے ایک دن کی خوراک کھالیتا تو وہ صدقہ اپنی مقدار سے کم ہو جاتا، پھر یہ کفارہ اس کے ذمہ باقی رہا، یہ تمام امور پہلے بیان کیے جا چکے ہیں، لیکن ان کو دہرانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ ان کا بیان کافی دور ہو چکا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۵۳-۵۵، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر ہے جس میں اس مرد کا قصہ ہے جس نے رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا تھا اور اس کی مفصل شرح کتاب الصیام میں گذر چکی ہے، علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ تنگدست کے اوپر بھی اپنے اہل وعیال کا خرچ دینا لازم ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے کھجوریں مباح کر دی تھیں اور یہ نہیں فرمایا تھا کہ تمہارے لیے ان کھجوروں کو کھانا تمہارے کفارہ سے کفایت کرے گا کیونکہ اس کے اوپر اس کے اہل وعیال کا خرچ دینا لازم تھا اور جب اسے کھجوریں مل گئیں تو ان کھجوروں کو اپنے اہل وعیال کو کھلانا کفارہ کی بہ نسبت زیادہ لازم تھا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: علامہ ابن بطال کا یہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جب آپ نے اسے کھجوریں دیں کہ وہ کفارہ ادا کرے اور اس مرد نے کہا: مجھ سے زیادہ محتاج تو کوئی ہے نہیں، تو اگر اس پر کفارہ ادا کرنا ضروری ہوتا تو آپ فرماتے کہ تم پہلے کفارہ ادا کرو۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۱۴، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۶۱، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۸، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث ابواب الصوم میں گزر چکی ہے، اور حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنگدست مرد سے فرمایا کہ تم ان کھجوروں کو صدقہ کرو تو اسے چاہیے تھا کہ وہ ان کھجوروں کو صدقہ کرنے میں جلدی کرتا، اس سے معلوم ہوا کہ اس پر ان کھجوروں کو صدقہ کرنا واجب نہیں تھا، علامہ کورانی فرماتے ہیں: اس تفصیل کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اس کا سبقت کرنا کسی حکم شرعی پر دلالت نہیں کرتا بلکہ دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ حکم دیا کہ اپنے گھر والوں کو وہ طعام کھلائے، تو اس میں یہ دلیل ہے کہ تنگدست کے اوپر بھی اپنے اہل وعیال کا خرچ دینا واجب ہے، ورنہ اس کے لیے کفارہ واجبہ کو ترک کرنا جائز نہ ہوتا۔

(الکوثر الجاری، ج ۹ ص ۷۹، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۱۴۔ بَابٌ: وَ الْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، یہ (حکم) اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہے، اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے موافق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے، کسی شخص کو

وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ (البقرہ: ۲۳۳)

اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کیا جائے گا، نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے اور وارث پر بھی اسی طرح لازم ہے۔

وَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْهُ شَيْءٌ

کیا عورت کے اوپر بھی بچوں کی کفالت کے لیے خرچ کرنا واجب ہے؟

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۖ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (النحل: ۷۶)

اور اللہ (ایک اور) مثال بیان فرماتا ہے، دو مرد ہیں ان میں سے ایک گونگا ہے جو کوئی کام نہیں کر سکتا اور وہ اپنے مالک پر بار ہے اس کا مالک اسے جہاں بھی بھیجے وہ کوئی خیر کی خبر نہیں لاتا، کیا یہ شخص اس کے برابر ہو جائے گا جو نیکی کا حکم دیتا ہے اور وہ راہِ راست پر ہے O

اس باب کے عنوان کا خلاصہ یہ ہے کہ دودھ پلانے والی کو خرچ دینے کے مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، اور امام بخاری کا عنوان یہ ہے کہ عورت کی مثال گونگے مرد کی سی ہے، اور گونگے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں فرمایا ہے کہ وہ کسی چیز پر قادر نہیں ہوتا، عورت پر بھی کوئی خرچ واجب نہیں ہوگا۔

باب مذکور کے عنوان کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

البقرہ: ۲۳۳ کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "مثل ذلک" کا معنی یہ ہے کہ بچہ کے رشتہ دار کو اس کی وجہ سے ضرر نہیں دیا جائے گا، اور یہی مجاہد، شعبی اور ضحاک کا قول ہے۔ اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جب بچہ کا مال نہ ہو تو اس کے وارث کے اوپر دودھ پلانے والی کی اجرت کو دینا لازم ہے اور جمہور فقہاء نے کہا ہے کہ وارثوں میں سے کسی ایک پر بھی تاوان نہیں ہے، اور ان کے اوپر بچہ کا نفقہ بھی لازم نہیں ہے۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ وارث سے مراد کون ہے، حسن بصری اور نخعی نے کہا ہے کہ مردوں اور عورتوں میں سے جو بھی بچے کے باپ کا وارث ہو، اس سے وہ مراد ہے، اور یہی امام احمد اور امام اسحاق کا قول ہے، اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ وارث سے مراد وہ ہے جو بچہ کا ذو رحم محرم ہو، اور قبیصہ بن ذؤیب، نے کہا ہے کہ اس سے مراد خود وہ مولود ہے یعنی بچہ، اور زید بن ثابت نے کہا ہے کہ جب اس نے ماں یا چچا کو چھوڑا ہو تو ان میں سے ہر ایک کے اوپر بچہ کے دودھ پلانے کا خرچ لازم ہے

مقدار سے وہ اس بچہ کا وارث ہوگا اور یہی ثوری کا قول ہے۔

اور امام بخاری نے کہا کہ عورت کے اوپر بھی بچہ کے دودھ پلانے کا خرچ لازم ہے اور یہاں پر نفی استفہام کے لیے ہے، اور امام بخاری نے اپنے اس قول سے ثوری کے قول مذکور کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے اور عورت کی جو وارث کی طرف سے میراث ہے، اس کو گونگے کے منزلہ میں قرار دیا ہے جو کسی متکلم سے بولنے پر قادر نہیں ہوتا، اور اس آیت میں اس کو اپنے پرورش کرنے والوں پر بار قرار دیا ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس قول سے ثوری کے قول کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے وارث کی عورت کو گونگے مرد کے مرتبہ میں قرار دیا ہے۔

علامہ الزمخشری نے النحل: ۷۶ کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین سے فرماتا ہے:

تم جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک کرتے ہو اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی آدمی اپنے اس غلام کو جو تصرف کرنے سے عاجز ہو، آزاد مرد کے مساوی قرار دیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کو مال عطا کیا ہو جس میں اس نے تصرف کیا ہو اور جس میں وہ مال خرچ کرتا ہو، اس آیت میں فرمایا: اس کا مالک اس کو جہاں بھی بھیجے وہ کوئی خیر کی خبر نہیں لاتا، یعنی وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے اسے جہاں بھی بھیجتا ہے وہ خیر کی کوئی خبر نہیں لاتا یعنی اپنے مالک کو کوئی نفع نہیں پہنچاتا، تو کیا ایسا غلام جو گونگا اور ناکارہ ہو اس آزاد کے برابر ہو سکتا ہے جو لوگوں کو عدل اور خیر کا حکم دیتا ہو اور وہ فی نفسہ صراط مستقیم پر ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ گونگا کسی چیز پر قادر نہیں ہوتا۔ اسی طرح عورت پر بھی یہ لازم نہیں ہے کہ وہ بچہ کے دودھ پلانے کا خرچ ادا کرے، کیونکہ وہ بھی کسی چیز پر قادر نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۳۶۹- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ هَلْ لِي مِنْ أَجْرٍ فِي بَنِي أَبِي سَلَمَةَ أَنْ أُنْفِقَ عَلَيْهِمْ وَلَسْتُ بِتَارِكَتِهِمْ هَكَذَا وَهَكَذَا إِنَّمَا هُمْ بَنِيَّ قَالَ نَعَمْ لَكِ أَجْرُ مَا أَنْفَقْتِ عَلَيْهِمْ۔

(صحیح البخاری: ۱۴۶۸، ۵۳۶۹، صحیح مسلم: ۱۰۰۱، مسند احمد: ۲۶۱۳۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از والد خود، از زینب ابنۃ ابی سلمہ از ام سلمہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر میں ابوسلمہ کے بچوں پر کچھ خرچ کروں تو کیا مجھے اس پر کوئی اجر ملے گا، اور میں اس کو اس طرح اور اس طرح چھوڑنے والی نہیں ہوں کیونکہ وہ میری بھی اولاد ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں تم جو ان پر خرچ کرو گی تمہیں اس کا اجر ملے گا۔

صحیح البخاری ۵۳۶۹ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ بچہ کی ماں بچہ کے باپ کے اوپر بار ہے، پس بچہ کی ماں پر اس کے مرد کے بچوں کا خرچ واجب نہیں ہے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ بچوں کے باپ کی اولاد پر خرچ کریں اور یہ فرمایا: کہ اگر تم خرچ کرو گی تو تمہیں اس پر اجر ملے گا۔

حدیث کے مشکل الفاظ کی شرح

اس حدیث میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں ان بچوں کو اس طرح اور اس طرح چھوڑنے والی نہیں ہوں''۔ یعنی ان کو محتاج اور بے یار و مددگار چھوڑنے والی نہیں ہوں، اور کہا کہ وہ میرے بیٹے ہیں، یعنی جو حضرت بنو سلمہ کے بیٹے ہیں وہ میرے بیٹے بھی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم ان پر خرچ کرو، تم جو ان پر خرچ کرو گی اس کا تمہیں اجر ملے گا''، اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت ام سلمہ پر اپنے شوہر کے بچوں پر خرچ کرنا واجب نہیں تھا، بلکہ ان کا اپنے شوہر کے بچوں پر خرچ کرنا مستحب تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۶۹ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ (البقرہ: ۲۳۳) کی تاویل میں اختلاف ہے، پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مرد پر لازم ہے کہ وارث کو ضرر نہ پہنچائے، اور یہی شعبی، مجاہد اور ضحاک اور امام مالک کا قول ہے، انہوں نے کہا کہ مرد پر واجب ہے کہ وارث کو ضرر نہ پہنچائے اور نہ اس پر کوئی تاوان ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۹۰، ۱۸۹، المدونۃ: ج ۲ ص ۲۵۲)

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ جب بچہ کی ملکیت میں مال نہ ہو تو اس کے وارث پر دودھ پلانے کی اجرت لازم ہے، پھر ان فقہاء نے وارث کے متعلق کئی اقوال ذکر کیے ہیں، فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے: یہ ہر وہ شخص ہے جو باپ کا وارث ہے، بھائی ہو یا چچا ہو یا چچا زاد ہو یا بھتیجا ہو۔ اور یہ قول حسن بصری سے مروی ہے، انہوں نے وعلی الوارث مثل ذلک کی تفسیر میں کہا کہ اس سے مراد مرد ہیں نہ کہ عورتیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۹۰)

اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ اس سے مراد اس کے وارثوں میں سے وہ ہیں جو بچہ کا ذو رحم محرم ہیں، لیکن جو ذو رحم ہو اور محرم نہ ہو جیسے چچا کا بیٹا اور آزاد شدہ غلام تو وہ اس آیت میں مراد نہیں ہیں اور یہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے، اور دوسروں نے کہا: اس سے خود بچہ مراد ہے۔

قبیصہ بن ذویب اور ضحاک نے وَعَلَى الْوَارِثِ کی تاویل المولود کے ساتھ کی ہے، یعنی جو مولود لہ یعنی بچہ کے باپ کے ذمہ ہو، اور امام بخاری نے اس باب کے تحت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کی ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے جو ابو سلمہ سے پیدا ہوئے تھے اور ان کے پاس نفقہ نہیں تھا، تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر حضرت ابو سلمہ کے بیٹوں پر خرچ کرنے سے ان کو اجر ملے تو وہ ان پر خرچ کریں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ ان کو اس میں

اجر ملے گا، اس سے معلوم ہوا کہ مرد کی اولاد کا نفقہ اس کی بیوی پر واجب نہیں ہے، اور اگر واجب ہوتا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا یہ نہ کہتیں کہ اب میں ان بچوں کو چھوڑنے والی نہیں ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے کہ ان کا نفقہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پر واجب ہے، خواہ وہ ان کو چھوڑیں یا نہ چھوڑیں۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۵۷-۵۸، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۳۷۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ هِنْدُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ أَنْ آخُذَ مِنْ مَالِهِ مَا يَكْفِينِي وَبَنِيَّ قَالَ خُذِي بِالْمَعْرُوفِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ہند نے کہا: یا رسول اللہ! بے شک ابوسفیان مرد بخیل ہیں کیا مجھ پر کوئی گناہ ہوگا اگر میں ان کے مال سے اتنی مقدار لے لوں جو مجھے اور میری اولاد کے لیے کافی ہو؟ آپ نے فرمایا: تم دستور کے مطابق لے لو۔

(صحیح البخاری: ۲۲۱۱، ۲۴۶۰، ۳۸۲۵، ۵۳۵۹، ۵۳۶۴، ۵۳۷۰، ۶۶۴۱، ۷۱۶۱، ۷۱۸۰، صحیح مسلم: ۱۷۱۴، سنن نسائی: ۵۴۲۰، سنن ابوداؤد: ۵۳۳۲، سنن ابن ماجہ: ۲۲۹۳، مسند احمد: ۲۵۱۸۵، سنن دارمی: ۲۲۵۹)

صحیح البخاری ۵۳۷۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں یہ بتایا تھا کہ عورت پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ اپنے مال سے شوہر کی اولاد پر خرچ کرے، اور اس باب کی حدیث میں بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہند رضی اللہ عنہا کو یہ حکم نہیں دیا کہ تم اپنے مال سے ابوسفیان کے بچوں کو کھلاؤ، بلکہ یہ فرمایا کہ تم ابوسفیان کے مال سے دستور کے مطابق اتنی مقدار لے لو جو تمہارے اور ابوسفیان کے بچوں کے لیے کافی ہو، اور اس کی حدیث کی مفصل شرح عنقریب گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۰ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

ماں پر اولاد کا خرچ واجب نہیں ہے، صرف باپ پر اولاد کا خرچ واجب ہے، اس پر علامہ ابن ملقن شافعی کے دلائل

رہی حضرت ہند کی حدیث تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ بچوں کے باپ کے مال سے خرچ لے لیں اور حضرت ہند پر یہ واجب نہیں کیا جیسا کہ بچوں کے باپ کے اوپر خرچ کو واجب کیا تھا تو امام بخاری نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ ماؤں پر ان کے بچوں کے آباء کی زندگی میں بچوں کا خرچ واجب نہیں ہے، اسی طرح سے جب بچوں کے باپ فوت ہو جائیں تب بھی ماؤں پر

ان کا خرچ واجب نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: باپ کے فوت ہونے کے بعد ماں پر بچوں کا خرچ واجب تو نہیں ہے لیکن ہمارے ہاں ایسا ہوتا ہے کہ جب باپ فوت ہو جائے تو ماں محنت مزدوری کر کے نوکریاں کر کے اپنے یتیم بچوں کا پیٹ پالتی ہے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر ماں دوسری جگہ نکاح کر لیتی ہے اور بچوں کی پرورش کی کوشش کرتی ہے، اللہ تعالیٰ ایسی ماؤں کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: پھر دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ (البقرہ: ۲۳۳) اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے موافق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے۔

اس آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ بچوں کی پرورش کا خرچ اور اس کی ذمہ داری بچوں کے باپ پر ہے ماں پر نہیں ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶، ص ۵۸، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۰ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باپ پر اولاد کا خرچ واجب ہے اور باپ کے علاوہ کسی اور رشتہ دار پر اس کی اولاد کا خرچ واجب نہیں ہے، اس پر علامہ ابن بطال مالکی کے دلائل

اسماعیل بن اسحاق نے کہا ہے: رہا امام ابوحنیفہ کا یہ قول کہ بچہ کو دودھ پلانا اور اس کا خرچ ہر ذی رحم مَحرم پر واجب ہے، مثلاً ایک مرد کا کم عمر بھانجا ہو جو ضرورت مند ہو یا اس کا کم عمر بھتیجا ہو جو ضرورت مند ہو اور وہ مرد اس بھانجے یا بھتیجے کا وارث ہو تو نفقہ ہر حال میں ماموں پر واجب ہے اس کے بہن کے بیٹے کی وجہ سے جس کا وہ وارث نہیں ہوگا اور ساقط ہو جائے گا اس کے چچا کے بیٹے کے لیے جس کا وہ وارث ہوگا، فقہاء نے کہا: یہ ایسا قول ہے جو کتاب اللہ میں نہیں ہے، اور نہ ہمارے علم میں کسی اور نے ایسا قول کہا ہے، ہاں بعض فقہاء نے دودھ پلانے کے خرچ کو وارث پر واجب کیا ہے، جب کہ انہوں نے قرآن میں تاویل کی ہے اور بعض فقہاء نے اس کو وارث سے ساقط کر دیا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ وارث پر لازم ہے کہ اس کو نہ ضرر دیا جائے اور نہ اس پر تاوان ڈالا جائے لیکن ہر ذو رحم مَحرم کا خرچ، تو اس قول کی قرآن مجید میں کوئی تاویل نہیں ہے اور نہ حدیث میں اس کی اتباع ہے اور نہ اس کا کسی اصلِ صحیح پر قیاس ہے جس کی طرف رجوع کیا جائے اور امام مالک کا اس باب میں مذہب یہ ہے کہ کم عمر کا نفقہ صرف باپ پر واجب ہے خاص طور پر اور اسی کا قرآن مجید میں ذکر ہے، اور وہ آیت ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ (البقرہ: ۲۳۳) اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے موافق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے۔

اور دوسری قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو اور اگر وہ

حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ۔ (الطلاق:٦)

تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو اجرت دو۔

پس جب باپ پر واجب ہے کہ وہ اس عورت کو اجرت دے جو اس کے بچہ کو دودھ پلاتی ہے تو باپ پر اپنی اولاد کا نفقہ اور خرچ بھی واجب ہے جب وہ دودھ پینے کی مدت سے نکل جائے جب تک کہ وہ کم عمر ہو، اور باپ پر واجب ہے کہ اس کو طعام کے ساتھ غذا مہیا کرے جیسا کہ پہلے وہ اس کو دودھ کے ساتھ غذا مہیا کرتا تھا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری، ج ۷ ص ۴۴۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۵۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ مَنْ تَرَكَ كَلًّا أَوْ ضَيَاعًا فَإِلَيَّ

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: جس شخص نے قرض کا بوجھ چھوڑا یا اولاد کی پرورش کی ذمہ داری چھوڑی تو اس کا انتظام میرے ذمہ ہے

۵۳۷۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ الله ﷺ كَانَ يُؤْتَى بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفَّى عَلَيْهِ الدَّيْنُ فَيَسْأَلُ هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهِ فَضْلًا فَإِنْ حُدِّثَ أَنَّهُ تَرَكَ وَفَاءً صَلَّى وَإِلَّا قَالَ لِلْمُسْلِمِينَ صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ فَلَمَّا فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ الْفُتُوحَ قَالَ أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از ابو سلمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک فوت شدہ مرد لایا جاتا جس پر قرض ہوتا، تو آپ سوال کرتے: کیا اس نے اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے کوئی زائد مال چھوڑا ہے، اگر آپ کو یہ بتایا جاتا کہ اس نے اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے زائد مال چھوڑا ہے تو آپ اس کی نمازِ جنازہ پڑھا دیتے، اور اگر یہ بتایا جاتا کہ اس نے کوئی زائد مال نہیں چھوڑا تو آپ فرماتے: تم اپنے صاحب کی نمازِ جنازہ خود پڑھ لو، پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر فتوحاتِ اسلامیہ کھول دیں تو آپ نے فرمایا: میں مومنوں کی جانوں سے زیادہ ان پر متصرف ہوں، پس مومنین میں سے جو فوت ہو گیا اور اس نے قرض کا بوجھ چھوڑا تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۲۹۸، ۲۳۹۸، ۲۳۹۹، ۴۷۸۱، ۵۳۷۱، ۶۷۳۱، ۶۷۴۵، ۶۷۶۳، صحیح مسلم: ۱۶۱۹، سنن ترمذی: ۱۰۷۰، سنن نسائی: ۱۹۶۳، سنن ابن ماجہ: ۲۴۱۵، مسند احمد: ۹۵۳۸)

صحیح البخاری: ۵۳۷۱ کے باب کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس باب کے عنوان میں ''الکَلّ'' کا لفظ ہے، (کاف پر زبر اور لام پر تشدید)، اس کا معنی ہے: قرض وغیرہ کا بوجھ۔

ابن فارس نے کہا ہے: ''الکَلّ'' کا معنی ہے: العیال اور بوجھ، اور اس باب کے عنوان میں ''الضَیاع'' کا لفظ ہے (اس میں ضاد پر زبر ہے) اس کا معنی ہے: ہلاک، یعنی جو اپنا خرچ اٹھانے میں مستقل اور منفرد نہ ہو اور اگر اس کو اس کے نفس کے سپرد کر دیا جائے تو وہ ہلاک ہو جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''الضِیاع'' (ضاد کے نیچے زیر) یہ ضائع کی جمع ہے، اور اس باب میں فرمایا: ''اِلَیَّ'' یعنی میرے ذمہ ہے، اس کا معنی ہے کہ اس کا قرض اور اس کے وہ بچے جو خود اپنی کفالت نہ کر سکتے ہوں ان کا تدارک کرنا میرے ذمہ ہے، یعنی میں اس کا قرض ادا کروں گا اور اس کے عیال کی مصلحتوں کا انتظام کروں گا۔

عوام کی کفالت کی ذمہ داری حکومت پر ہے، قرونِ اولیٰ میں مسلمان حکمران ایسا ہی کرتے تھے اور اب کفار تو اپنے ملکوں میں عوام کی فلاح و بہبود کے لیے ایسے انتظامات کرتے ہیں اور مسلمان حکام سرکاری خزانوں سے صرف اپنے لیے مال جمع کرتے ہیں اور پر تعیش زندگی بسر کرنے کا بندوبست کرتے ہیں

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص قرض چھوڑ کر فوت ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا قرض میں ادا کروں گا اور اگر کوئی شخص نابالغ بچوں کو چھوڑ کر فوت ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی کفالت میرے ذمہ ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت دی ہے کہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ عوام کی کفالت کرے، عوام کی زندگی میں بھی اور عوام کی وفات کے بعد بھی، زندگی میں جو لوگ نادار اور مفلس ہوں تو حکومت ان کی کفالت کے لیے وظائف مقرر کرے، جو بے روزگار ہوں ان کے لیے روزگار کے حصول تک ان کے خرچ کا بندوبست کرے اور موت کے بعد بھی ان کی کفالت کرے جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

خلفاء راشدین کے دور میں ایسا ہی ہوتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ راتوں کو مدینہ میں گشت کرتے اور جو لوگ ضرورت مند ہوتے اور ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں نہ ہوتیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو کھانے پینے کی چیزیں مہیا کرتے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: اگر نیل کے ساحل پر کوئی بکری بھی بھوک سے مرگئی تو مجھے ڈر ہے کہ مجھ سے اس کے متعلق پرسش ہوگی، مسلم حکمرانوں کے دور میں بیت المال کے اندر جو مالِ غنیمت جمع ہوتا تھا اور مالِ فئے جمع ہوتا تھا اور عشر اور زکوٰۃ کی رقومات جمع ہوتی تھیں، ان اموال کو مسلمانوں کی کفالت کے اوپر خرچ کیا جاتا تھا، اور ہمارے دور میں سرکاری خزانہ میں جو مال جمع ہوتا ہے وہ حکمرانوں کے تعیش میں خرچ ہوتا ہے، حکمران اپنے لیے اور اپنے وزیروں اور مشیروں کے لیے اور دیگر سرکاری افسروں کے لیے بڑی بڑی پر تعیش کاریں خریدتے ہیں، بڑے بڑے بنگلے بناتے ہیں جو پرانے زمانے کے محلات کی مثل ہوتے ہیں اور عیش و عشرت کی بھرمار ہوتی ہے، اور غریب عوام کو پیٹ بھر کر روٹی بھی میسر نہیں ہوتی۔

افسوس یہ ہے کہ مغربی ممالک میں یہ انتظام ہے کہ وہاں بے روزگاروں کے لیے وظائف مقرر کیے جاتے ہیں، جن کے پاس مکانات نہیں ہوتے، حکومت اپنے خرچ سے ان کے لیے مکان مہیا کرتی ہے، ان کے بچوں کی پرورش کا انتظام کرتی ہے، جن بچوں کے ماں باپ فوت ہو جائیں ان کی تعلیم کا بوجھ اٹھاتی ہے، اور جو لوگ بیمار ہوں اور علاج کی سہولت نہ رکھتے ہوں حکومت اپنے خرچ پر ان کا علاج کرتی ہے، ان کے لیے بڑے بڑے ہسپتال قائم کرتی ہے جہاں ان کا مفت علاج ہوتا ہے، سو جو کام قرونِ اولیٰ میں مسلم حکام اپنے عوام کے مفاد اور خیر خواہی کے لیے کرتے تھے، وہ تمام کام اب دوسری اقوام اپنے عوام کے لیے کرتی ہیں اور ہمارے اسلامی ممالک میں حکمران صرف لوٹ مار کر کے اپنے خزانوں کو بھرتے ہیں اور غریبوں کو فاقہ کشی اور تنگ دستی میں چھوڑ دیتے ہیں۔

ایک المیہ یہ ہے کہ اس دور کے حکمران اور بڑے بڑے سرمایہ دار لوٹ کھسوٹ کر کے اور عوام کا استحصال کر کے اپنی دولت کو غیر ملکی بینکوں میں محفوظ رکھے ہوئے ہیں، دوسرا المیہ یہ ہے کہ صدر اور وزیر اعظم وغیرہ اپنے آپ کو احتساب سے بالاتر سمجھتے ہیں اور عدالت میں حاضر ہونے کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، جب کہ عہدِ رسالت میں صحابہ کرام عدالتوں میں پیش ہوتے رہے اور خلفاءِ راشدین کے دور میں حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما عدالت میں پیش ہوئے، کیا اس دور کے حکمران اپنے آپ کو صحابہ اور خلفاءِ راشدین سے بھی اعلیٰ اور برتر خیال کرتے ہیں، جو اپنے آپ کو عدالت میں پیش ہونے سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں؟ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۱ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقروض کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے اجتناب کی توجیہ

اس حدیث میں "فضلا" کا لفظ ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اتنا مال چھوڑ کر جائے کہ اس کے ذمہ جو قرض ہے وہ ادا کر دیا جائے اور "الا" کا لفظ ہے یعنی اگر اس نے اتنا مال نہیں چھوڑا جو اس کے قرض کی ادائیگی کے لیے کافی ہو تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے فرماتے: تم خود اپنے صاحب کا جنازہ پڑھ لو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقروض پر نمازِ جنازہ پڑھنے سے انکار کرنا اس لیے تھا کہ لوگ قرض کی ادائیگی کے لیے جلدی کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر قرض ہو اور وہ مر جائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور دعا سے محروم رہیں۔

صحیح البخاری: ۵۳۷۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث باب الاستقراض اور باب الکفالہ میں گزر چکی ہے اور اس کی باقی شرح ان شاء اللہ کتاب الفرائض میں آئے گی۔

اور امام بخاری نے اس حدیث کو ابواب النفقات میں داخل کر کے یہ اشارہ کیا ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے اور اس کی اولاد ہو اور وہ ان کے خرچ کے لیے کوئی ترکہ نہ چھوڑے تو ان کا خرچ مسلمانوں کے بیت المال سے واجب ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۱۶، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۶۲، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

تنبیہ: علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی نے بھی اس حدیث کی شرح میں اسی کا خلاصہ لکھا ہے جو ہم عمدۃ القاری اور فتح

الباری سے نقل کر چکے ہیں۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۶۳، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۱، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''الکلّ'' اور ''الضیاع'' کا معنی اور مقروض کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کی توجیہ

علامہ ابن الاثیر الجزری نے لکھا ہے کہ ''الکلّ'' کا معنی ہے: ثقل یعنی بوجھ اور ہر وہ چیز جس میں تکلف ہو اور اس سے مراد قرض ہے اور باقی حقوقِ لازمہ ہیں، اور ''ضَیاع'' (ضاد پر زبر) اس سے مراد ہے وہ عیال جو ہلاکت کے قریب ہوں، اور یہ حدیث ''ابواب الکفالۃ'' میں گزر چکی ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۲۹۷)

اور ہم نے یہ اشارہ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقروض کی نمازِ جنازہ اس لیے نہیں پڑھی کیونکہ قرض ایسی چیز ہے جو معاف نہیں ہو سکتی، اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپ یہ اس لیے کرتے تھے کہ لوگ قرض کے ادا کرنے میں جلدی کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ بندہ مر جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں اور وہ آپ کی دعا سے محروم ہو جائے۔ اور امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب النفقات میں ذکر کر کے یہ اشارہ کیا ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے اور اس کی اولاد فقراء ہو اور ان کی کفالت کرنے والا کوئی نہ ہو تو ان کا خرچ بیت المال پر واجب ہے۔ (الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۹ ص ۸۱، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۱۶- بَابُ: الْمَرَاضِعِ مِنَ الْمَوَالِيَاتِ وَغَيْرِهِنَّ

دودھ پلانے والیاں خواہ وہ باندیاں ہوں یا آزاد

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب ان دودھ پلانے والیوں کے حکم میں ہے جو السوالیات میں سے ہیں، علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ یہ لفظ السُّوالیات ہے اور السُّوالیۃ کی جمع ہے، اور یہ درست نہیں ہے بلکہ اولیٰ یہ ہے کہ میم پر زبر ہے اور یہ مولاۃ کے معنی میں ہے جو کہ باندی ہے اور یہ لفظ موالات کے معنی میں نہیں ہے۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ عرب پہلے زمانہ میں باندیوں سے اپنے بچوں کو دودھ پلوانا ناپسند قرار دیتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ آزاد عورتیں ان کو دودھ پلائیں تاکہ ان کی اولاد کے پیٹ میں عمدہ دودھ اور خون پہنچے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بتایا کہ غیر عرب نے بھی بچوں کو دودھ پلایا ہے اور باندیوں کا دودھ پلانا کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۷۲- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ انْكِحْ أُخْتِي بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عُقیل از ابن شہاب، انہوں نے بتایا کہ مجھے عُروہ نے خبر دی کہ زینب ابنۃ ابی سلمہ نے ان کو خبر دی کہ حضرت ام حبیبہ

قَالَ وَتُحِبِّينَ ذٰلِكِ قُلْتُ نَعَمْ لَسْتُ لَكَ بِمُخْلِيَةٍ وَأَحَبُّ مَنْ شَارَكَنِي فِي الْخَيْرِ أُخْتِي فَقَالَ إِنَّ ذٰلِكِ لَا يَحِلُّ لِي فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ فَوَاللهِ إِنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّكَ تُرِيدُ أَنْ تَنْكِحَ دُرَّةَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ فَقَالَ بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ فَقُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَوَاللهِ لَوْلَمْ تَكُنْ رَبِيبَتِي فِي حَجْرِي مَا حَلَّتْ لِي إِنَّهَا بِنْتُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ أَرْضَعَتْنِي وَأَبَا سَلَمَةَ ثُوَيْبَةُ فَلَا تَعْرِضْنَ عَلَيَّ بَنَاتِكُنَّ وَلَا أَخَوَاتِكُنَّ وَقَالَ شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ عُرْوَةُ ثُوَيْبَةُ أَعْتَقَهَا أَبُو لَهَبٍ۔

زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ میری بہن جو حضرت ابوسفیان کی بیٹی ہے ان سے نکاح کرلیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتی ہو تو انہوں نے کہا: جی ہاں، لیکن میں آپ کو چھوڑنے والی نہیں ہوں، اور میں یہ پسند کرتی ہوں کہ جو خیر میں میری شریک ہو وہ میری بہن ہو، آپ نے فرمایا: یہ میرے لیے حلال نہیں ہے، میں نے پوچھا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم!) اللہ کی قسم! ہم یہ باتیں کرتے ہیں کہ آپ دُرّۃ ابنۃ ابی سلمہ سے نکاح کا ارادہ رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا: ابنۃ ام سلمہ؟ تو میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم اگر وہ میری گود میں لے پالک نہ ہوتی (یعنی اس نے میری گود میں پرورش نہ پائی ہوتی) تب بھی اس سے نکاح کرنا میرے لیے حلال نہیں تھا، کیونکہ وہ میری رضاعی بھتیجی ہے، مجھے اور ابوسلمہ کو ثُویبہ نے دودھ پلایا ہے (ثُویبہ ابولہب کی باندی تھی)، پس تم اپنے بیٹیوں کو اور اپنی بہنوں کو مجھ پر ہرگز پیش نہ کرو۔ شعیب نے کہا از زہری، عروہ نے کہا: ثُویبہ کو ابولہب نے آزاد کردیا تھا، (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں)۔

(صحیح البخاری: ۵۱۰۱، ۵۱۰۶، ۵۱۰۷، ۵۱۲۳، ۵۳۷۲، صحیح مسلم: ۱۴۴۹، سنن نسائی: ۳۲۸۴، سنن ابوداؤد: ۲۰۵۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۹، مسند احمد: ۲۶۸۶۶)

صحیح البخاری: ۵۳۷۲ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب النکاح میں اس باب میں گزر چکی ہے "امھاتکم التی ارضعنکم" اور وہاں اس کی شرح بیان کی جاچکی ہے۔

اس حدیث میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ ہے، ان کا نام رملہ بنت ابی سفیان ہے اور ان کی بہن کا نام عزّۃ ہے۔ اور اس حدیث میں "دُرّۃ" کا ذکر ہے (دال پر پیش ہے اور راء پر تشدید ہے)، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دُرّۃ دو وجہوں سے مجھ پر حلال نہیں ہے، ایک وجہ یہ ہے کہ وہ میری لے پالک ہے، یعنی اس نے میری گود میں پرورش پائی ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ میری رضاعی بھتیجی ہے، اور اس حدیث میں ثُویبۃ کا ذکر ہے (ثاء پر پیش ہے اور واؤ پر زبر ہے اور یاء پر جزم ہے اور باء پر زبر ہے، یہ تصغیر کا صیغہ ہے) یہ ابولہب عبدالعزّیٰ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا، اس کی باندی تھی، اور جب ثُویبۃ نے ابولہب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی بشارت دی تو اس نے انگلی کے اشارہ سے ثُویبہ کو آزاد کردیا اور اسی وجہ سے ابولہب کے عذاب میں پیر کے دن تخفیف ہوتی ہے، اور

علماء نے لکھا ہے کہ ابولہب جو کافر تھا اور اس نے نسبی رشتہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر خوشی منائی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عذاب میں تخفیف کر دی، تو مسلمان جب ایمان کے رشتہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد کو منائیں گے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے ان شاء اللہ ان کی بھی نجات ہو جائے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۳ موضحاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: کتاب النفقات میں پچیس (۲۵) احادیث مرفوعہ ہیں، ان میں سے تین تعلیقات ہیں، اور تین کے سوا باقی احادیث مکررہ ہیں۔

نفقہ کے متعلق صدر الشریعہ علامہ امجد علی کی تحقیق

صدر الشریعہ بدر الطریقۃ علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۶۷ھ تحریر فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (الطلاق: ۷)

صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا۔

اور فرماتا ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَ لَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ۔ (البقرہ: ۲۳۳)

جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کی ماؤں کا روٹی اور کپڑا ہے جو دستور اور رواج کے مطابق ہو، اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے موافق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے، کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کیا جائے گا، نہ ماں کو اس کی بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے گا اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے گا اور وارث پر بھی اسی طرح لازم ہے۔

اور فرماتا ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ (الطلاق: ۶)

ان مطلقہ عورتوں کو اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو اور ان پر تنگی کرنے کے لیے ان کو ضرر نہ پہنچاؤ۔

حدیث ۱: صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ''عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو کہ وہ تمہارے پاس قیدی کی مثل ہیں، اللہ (عزوجل) کی امانت کے ساتھ تم نے ان کو لیا اور اللہ (عزوجل) کے کلمہ کے ساتھ ان کے فروج کو حلال کیا، تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ تمہارے بچھونوں پر (مکانوں میں) ایسے شخص کو نہ آنے دیں جس کو تم ناپسند رکھتے ہو اور اگر ایسا کریں تو تم اس طرح مار سکتے ہو جس سے ہڈی نہ ٹوٹے اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ انہیں کھانے اور پہننے کو دستور کے موافق دو۔ (صحیح مسلم: کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، الحدیث: ۱۲۱۸، ص ۶۳۴)

حدیث ۲: صحیحین میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہ ہند بنت عتبہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ابوسفیان (میرے شوہر) بخیل ہیں، وہ مجھے اتنا نفقہ نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو مگر اس صورت میں کہ ان کی بغیر اطلاع میں کچھ لے لوں (تو آیا اس طرح لینا جائز ہے؟) فرمایا: کہ ''اس کے مال میں سے اتنا تو لے سکتی ہے جو تجھے اور تیرے بچوں کو دستور کے موافق خرچ کے لیے کافی ہو''۔ (صحیح البخاری، کتاب النفقات، باب اذا لم ینفق الرجل، الحدیث: ۵۳۶۴، ج ۳ ص ۵۱۶)

حدیث ۳: صحیح مسلم میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب خدا کسی کو مال دے تو خود اپنے اور گھر والوں پر خرچ کرے۔ (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب الناس تبع لقریش۔۔ الحدیث: ۱۸۲۲، ص ۱۰۱۳)

حدیث ۴: صحیح بخاری میں ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان جو کچھ اپنے اہل پر خرچ کرے اور نیت ثواب کی ہو تو یہ اس کے لیے صدقہ ہے''۔ (صحیح البخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقۃ علی الاھل۔۔۔ الحدیث: ۵۳۵۱، ج ۳ ص ۵۱۱)

حدیث ۵: بخاری شریف میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کچھ تو خرچ کرے گا وہ تیرے لیے صدقہ ہے، یہاں تک کہ لقمہ جو بی بی کے منہ میں اٹھا کر دے دے''۔

(صحیح البخاری، کتاب النفقات: باب اذا لم ینفق الرجل۔۔۔ الحدیث: ۵۳۵۴، ج ۳ ص ۵۱۲)

حدیث ۶: صحیح مسلم شریف میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''آدمی کو گنہگار ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ جس کا کھانا اس کے ذمہ ہو، اسے کھانے کو نہ دے''۔

(صحیح مسلم: کتاب الزکوۃ، باب فضل النفقۃ علی العیال۔۔ الحدیث: ۹۹۴، ص ۴۹۹)

حدیث ۷: ابو داؤد و ابن ماجہ بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ راوی کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، کہ میرے پاس مال ہے اور میرے والد کو میرے مال کی حاجت ہے؟ فرمایا: ''تو اور تیرا مال تیرے باپ کے لئے ہیں، تمہاری اولاد تمہاری عمدہ کمائی سے ہیں، اپنی اولاد کی کمائی کھاؤ''۔

(سنن ابوداؤد، کتاب البیوع، باب فی الرجل یاکل من مال ولدہ، الحدیث: ۳۵۳۰، ج ۳ ص ۴۰۳)

مسائل فقہیہ

مسئلہ ۱: نفقہ سے مراد کھانا کپڑا رہنے کا مکان ہے اور نفقہ واجب ہونے کے تین سبب ہیں، زوجیت (نکاح میں ہونا)، نسب، مِلک (ملکیت)۔ (الجوہرۃ النیرہ، کتاب النفقات، الجزء الثانی ص ۱۰۸، الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۲۸۳)

مسئلہ ۲: جس عورت سے نکاح صحیح ہوا اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، عورت مسلمان ہو یا کافرہ، آزاد ہو یا مکاتبہ، محتاج ہو یا مالدار، دخول ہوا ہو یا نہیں، بالغہ ہو یا نابالغہ مگر شرط یہ ہے کہ جماع کی طاقت رکھتی ہو یا مشتہاۃ ہو، اور شوہر کی جانب کوئی شرط نہیں بلکہ کتنا ہی صغیر السن (کم عمر) ہو اس پر نفقہ واجب ہے، اس کے مال سے دیا جائے گا، اور اگر اس کی ملک میں مال نہ ہو تو اس کی عورت کا نفقہ اس کے باپ پر واجب نہیں، ہاں اگر اس کے باپ نے نفقہ کی ضمانت کی ہو تو باپ پر واجب ہے شوہر عنین ہے یا اس کا عضو تناسل کٹا ہوا ہے یا مریض ہے کہ جماع کی طاقت نہیں رکھتا یا حج کو گیا ہے جب بھی نفقہ واجب ہے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر، الفصل الاول فی نفقۃ الزوجۃ، ج ۱ ص ۵۴۴، الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ ج ۵ ص ۲۸۳)

مسئلہ ۳: نابالغہ جو قابلِ جماع نہ ہو، اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں، خواہ شوہر کے یہاں ہو یا اپنے باپ کے گھر جب تک قابلِ وطی نہ ہو جائے، ہاں اگر اس قابل ہو کہ خدمت کر سکے یا اس سے اُنس حاصل ہو سکے اور شوہر نے اپنے مکان میں رکھا تو نفقہ واجب ہے اور نہیں رکھا تو نہیں۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر، الفصل الاول فی نفقۃ الزوجۃ، ج ۱ ص ۵۴۴، الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ ج ۵ ص ۲۸۶)

مسئلہ ۴: عورت کا مقام بند ہے جس کے سبب سے وطی نہیں ہو سکتی یا دیوانی ہے یا بوہری تو نفقہ واجب ہے۔

(درمختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۲۸۶)

مسئلہ ۵: زوجہ کنیز ہے یا مدبرہ یا ام ولد تو نفقہ واجب ہونے کے لیے تبوِیہ شرط ہے، یعنی اگر مولیٰ کے گھر رہتی ہے تو واجب نہیں۔

(الجوہرۃ النیرہ، کتاب النفقات، الجزء الثانی ص ۱۰۸)

مسئلہ ۶: نکاحِ فاسد مثلاً بغیر گواہوں کے نکاح ہو تو اس میں یا اس کی عدت میں نفقہ واجب نہیں۔ یوہیں وطی بالشبہ میں اور اگر بظاہر نکاح صحیح ہوا اور قاضی شرع نے نفقہ مقرر کر دیا بعد کو معلوم ہوا کہ نکاح صحیح نہیں مثلاً وہ عورت اس کی رضاعی بہن ثابت ہوئی تو جو کچھ نفقہ میں دیا ہے واپس لے سکتا ہے اور اگر بطورِ خود بلا حکمِ قاضی (قاضی کے حکم کے بغیر) دیا ہے تو نہیں لے سکتا۔

(الجوہرۃ النیرہ، کتاب النفقات، الجزء الثانی، ص ۱۰۸، ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، مطلب: لاتجب علی الاب، ج ۵ ص ۲۸۸)

مسئلہ ۷: انجانے میں عورت کی بہن یا پھوپھی یا خالہ سے نکاح کیا، بعد کو معلوم ہوا اور تفریق ہوئی تو جب تک اس کی عدت پوری نہ ہوگی عورت سے جماع نہیں کر سکتا، مگر عورت کا نفقہ واجب ہے اور اس کی بہن، پھوپھی، خالہ کا نہیں اگرچہ ان عورتوں پر عدت واجب ہے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الاول ج ۱ ص ۵۴۷)

مسئلہ ۸: بالغہ عورت جب اپنے نفقہ کا مطالبہ کرے اور ابھی رخصت نہیں ہوئی ہے تو اس کا مطالبہ درست ہے جب کہ شوہر نے اپنے مکان پر لے جانے کو اس سے نہ کہا ہو، اور اگر شوہر نے کہا: تو میرے یہاں چل اور عورت نے انکار نہ کیا جب بھی نفقہ کی مستحق ہے اور اگر عورت نے انکار کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں، اگر کہتی ہے: جب تک مہرِ معجل نہ دو گے نہیں جاؤں گی جب بھی نفقہ پائے گی کہ اس کا انکار ناحق نہیں اور اگر انکار ناحق ہے مثلاً مہرِ معجل ادا کر چکا ہے یا مہرِ معجل تھا ہی نہیں یا عورت معاف کر چکی ہے تو اب نفقہ کی مستحق نہیں جب تک شوہر کے مکان پر نہ آئے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الاول ج ۱ ص ۵۴۷)

مسئلہ ۹: دخول ہونے کے بعد اگر عورت شوہر کے یہاں آنے سے انکار کرتی ہے تو اگر مہرِ معجل کا مطالبہ کرتی ہے کہ دے دو تو چلوں تو نفقہ کی مستحق ہے، ورنہ نہیں۔ (الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۲۸۶)

مسئلہ ۱۰: شوہر کے مکان میں رہتی ہے مگر اس کے قابو میں نہیں آتی، تو نفقہ ساقط نہیں اور اگر جس مکان میں رہتی ہے وہ عورت کی ملک ہے اور شوہر کا وہاں آنا بند کر دیا تو نفقہ نہیں پائے گی، ہاں اگر اس نے شوہر سے کہا کہ مجھے اپنے مکان میں لے چلو یا میرے لیے کرایہ پر کوئی مکان لے دو اور شوہر نہ لے گیا تو قصور شوہر کا ہے، لہٰذا نفقہ کی مستحق ہے۔ یوہیں اگر شوہر نے پرایا مکان غصب کر لیا ہے اس میں رہتا ہے عورت وہاں رہنے سے انکار کرتی ہے تو نفقہ کی مستحق ہے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الاول ج ۱ ص ۵۴۵)

مسئلہ ۱۱: شوہر عورت کو سفر میں لے جانا چاہتا ہے اور عورت انکار کرتی ہے یا عورت مسافتِ سفر (یعنی ساڑھے ستاون میل (تقریباً ۹۲ کلومیٹر) کی راہ) پر ہے، شوہر نے کسی اجنبی شخص کو بھیجا کہ اسے یہاں اپنے ساتھ لے آ، عورت اس کے ساتھ جانے سے انکار کرتی ہے تو نفقہ (کھانے پینے اور رہائش وغیرہ کے اخراجات) ساقط نہ ہوگا اور اگر عورت کے محرم کو بھیجا اور آنے سے انکار کرے تو نفقہ ساقط ہے۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۲۹۰)

مسئلہ ۱۲: عورت شوہر کے گھر بیمار ہوئی یا بیمار ہو کر اس کے یہاں گئی یا اپنے ہی گھر رہی مگر شوہر کے یہاں جانے سے انکار نہ کیا تو نفقہ واجب ہے اور اگر شوہر کے یہاں بیمار ہوئی اور اپنے باپ کے یہاں چلی گئی، اگر اتنی بیمار ہے کہ ڈولی وغیرہ پر بھی نہیں آسکتی تو نفقہ کی مستحق ہے اور اگر آسکتی ہے مگر نہیں آئی تو نہیں۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۲۹۰)

مسئلہ ۱۳: عورت شوہر کے یہاں سے ناحق چلی گئی تو نفقہ نہیں پائے گی جب تک واپس نہ آئے اور اگر اس وقت واپس آئی کہ شوہر مکان پر نہیں بلکہ پردیس چلا گیا ہے جب بھی نفقہ کی مستحق ہے، اور اگر عورت یہ کہتی ہے کہ میں شوہر کی اجازت سے گئی تھی اور شوہر انکار کرتا ہے یا یہ ثابت ہو گیا کہ بلا اجازت چلی گئی تھی، مگر عورت کہتی ہے کہ گئی تو تھی بغیر اجازت مگر کچھ دنوں شوہر نے وہاں رہنے کی اجازت دے دی تھی تو بظاہر عورت کا قول معتبر نہ ہوگا۔

(الدر المختار و رد المحتار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، مطلب: لا تجب علی الاب ۔۔۔ الخ، ج ۵ ص ۲۸۹)

مسئلہ ۱۴: چند مہینے کا نفقہ شوہر پر باقی تھا، عورت اس کے مکان سے بغیر اجازت چلی گئی تو یہ نفقہ بھی ساقط ہو گیا اور لوٹ کر آئے جب بھی اس کی مستحق نہ ہوگی اور اگر باجازت اس نے قرض لے کر نفقہ میں صرف کیا تھا اور اب چلی گئی تو ساقط نہ ہوگا۔

(الدر المختار و رد المحتار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، مطلب: لا تجب علی الاب ۔۔۔ الخ، ج ۵ ص ۲۸۹)

مسئلہ ۱۵: عورت اگر قید ہو گئی اگرچہ ظلماً تو شوہر پر نفقہ واجب نہیں، ہاں اگر خود شوہر کا عورت پر دَین تھا اسی نے قید کرایا تو ساقط نہ ہوگا، یوہیں اگر عورت کو کوئی اٹھالے گیا یا چھین لے گیا جب بھی شوہر پر نفقہ واجب نہیں۔

(الجوہرۃ النیرہ، کتاب النفقات، الجزء الثانی ص ۱۱۱)

مسئلہ ۱۶: عورت حج کے لیے گئی اور شوہر ساتھ نہ ہو تو نفقہ واجب نہیں اگرچہ محرم (ایسا رشتہ دار جس کے ساتھ نکاح ہمیشہ حرام ہو) کے ساتھ گئی ہو اگرچہ حج فرض ہو۔ اگرچہ شوہر کے مکان پر رہتی تھی اور اگر شوہر کے ہمراہ ہے تو نفقہ واجب ہے حج فرض ہو یا نفل مگر سفر کے مطابق نفقہ واجب نہیں بلکہ حضر کا نفقہ (حالت اقامت کا نفقہ) واجب ہے، لہٰذا کرایہ وغیرہ مصارفِ سفر (سفر کے اخراجات) شوہر پر واجب نہیں۔ (الفتاوی الخانیہ، کتاب النکاح، باب النفقۃ، ج ۱ ص ۱۹۶، الجوہرۃ النیرہ، کتاب النفقات، الجزء الثانی ص ۱۱۱)

مسئلہ ۱۷: کسی عورت کو حمل ہے لوگوں کو شبہ ہے کہ فلاں شخص کا حمل ہے، لہٰذا عورت کے باپ نے اسی سے نکاح کر دیا مگر وہ کہتا ہے کہ حمل مجھ سے نہیں تو نکاح ہو جائے گا مگر نفقہ شوہر پر واجب نہیں اور اگر حمل کا اقرار کرتا ہے تو نفقہ واجب ہے۔

(الفتاوی الھندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الاول ج ۱ ص ۵۴۶)

مسئلہ ۱۸: جس عورت کو طلاق دی گئی ہے بہر حال عدت کے اندر نفقہ پائے گی، طلاق رجعی ہو یا بائن یا تین طلاقیں، عورت کو حمل ہو یا نہیں۔ (الفتاوی الخانیہ، کتاب النکاح، باب النفقۃ، ج ۱ ص ۱۹۶)

مسئلہ ۱۹: جو عورت بے اجازتِ شوہر گھر سے چلی جایا کرتی ہے اس بنا پر اسے طلاق دے دی تو عدت کا نفقہ نہیں پائے گی، ہاں اگر بعد طلاق شوہر کے گھر میں رہی اور باہر جانا چھوڑ دیا تو پائے گی۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الاول، ج ۱ ص ۵۴۵)

مسئلہ ۲۰: جب تک عورت سنِ ایاس (یعنی ایسی عمر جس میں حیض کا خون آنا بند ہو جاتا ہے) کو نہ پہنچے اس کی عدت تین حیض ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے اور اگر اس عمر سے پہلے کسی وجہ سے جوان عورت کو حیض نہیں آتا تو اس کی عدت کتنی ہی طویل ہو زمانہ عدت کا نفقہ واجب ہے، یہاں تک کہ اگر سنِ ایاس تک حیض نہ آیا تو بعدِ ایاس تین ماہ گزرنے پر عدت ختم ہوگی اور اس وقت تک نفقہ دینا ہوگا۔ ہاں اگر شوہر گواہوں سے ثابت کردے کہ عورت نے اقرار کیا ہے کہ تین حیض آئے اور عدت ختم ہوگئی تو نفقہ ساقط کہ عدت پوری ہو چکی اور اگر عورت کو طلاق ہوئی اس نے اپنے کو حاملہ بتایا تو وقتِ طلاق سے دو برس تک وضعِ حمل (بچے پیدا ہونے) کا انتظار کیا جائے وضعِ حمل تک نفقہ واجب ہے اور دو (۲) برس پر بھی بچہ نہ ہوا اور عورت کہتی ہے کہ مجھے حیض نہیں آیا اور حمل کا گمان تھا تو نفقہ برابر لیتی رہے گی یہاں تک کہ تین حیض آئیں یا سنِ ایاس آکر تین مہینے گزر جائیں۔

(الفتاوی الخانیہ، کتاب النکاح، فصل فی نفقۃ العدۃ، ج ۱ ص ۲۰۲)

مسئلہ ۲۱: عدت کے نفقہ کا نہ دعویٰ کیا نہ قاضی نے مقرر کیا تو عدت گزرنے کے بعد نفقہ ساقط ہوگیا۔

مسئلہ ۲۲: مفقود (وہ شخص جس کا کوئی پتا نہ ہو اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مر گیا ہے) کی عورت نے نکاح کرلیا اور اس دوسرے شوہر نے دخول بھی کرلیا ہے، اب پہلا شوہر آیا تو عورت اور دوسرے شوہر میں تفریق کردی جائے گی اور عورت عدت گزارے گی، مگر اس عدت کا نفقہ نہ پہلے شوہر پر ہے نہ دوسرے پر۔ (الفتاوی الخانیہ، کتاب النکاح، باب النفقۃ، ج ۱ ص ۱۹۶)

مسئلہ ۲۳: اپنی مدخولہ عورت کو تین طلاقیں دے دیں، عورت نے عدت میں دوسرے سے نکاح کرلیا اور دخول بھی ہوا تو تفریق کر دی جائے اور پہلے شوہر پر نفقہ ہے، اور منکوحہ نے دوسرے سے نکاح کیا اور دخول کے بعد معلوم ہوا اور تفریق کرائی گئی، پھر شوہر کو معلوم ہوا اس نے تین طلاقیں دے دیں تو عورت پر دونوں کی عدت واجب ہے اور نفقہ کسی پر نہیں۔

(الفتاوی الخانیہ، کتاب النکاح، باب النفقۃ، ج ۱ ص ۱۹۶)

مسئلہ ۲۴: عدت اگر مہینوں سے ہو تو کسی مقدارِ معین پر صلح ہو سکتی ہے اور حیض یا وضعِ حمل سے ہو تو نہیں کہ یہ معلوم نہیں کتنے دنوں میں عدت پوری ہوگی۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۳۴۲)

مسئلہ ۲۵: وفات کی عدت میں نفقہ واجب نہیں، خواہ عورت کو حمل ہو یا نہیں۔ یوہیں جو فرقت عورت کی جانب سے معصیت کے ساتھ ہو اس میں بھی نہیں مثلاً عورت مرتدہ ہوگئی یا شہوت کے ساتھ شوہر کے بیٹے یا باپ کا بوسہ لیا یا شہوت کے ساتھ چھوا، ہاں اگر مجبور کی گئی تو ساقط نہ ہوگا۔ یوہیں اگر عدت میں مرتدہ ہوگئی تو نفقہ ساقط ہوگیا پھر اگر اسلام لائی تو نفقہ عود کر آئے گا۔ اور اگر عدت میں شوہر کے بیٹے یا باپ کا بوسہ لیا تو نفقہ ساقط نہ ہوا اور جو فرقت زوجہ کی جانب سے سبب مباح سے ہو اس میں نفقۂ عدت ساقط نہیں، مثلاً خیارِ عتق، خیارِ بلوغ عورت کو حاصل ہوا، اس نے اپنے نفس کو اختیار کیا بشرطیکہ دخول کے بعد ہو ورنہ عدت ہی نہیں اور خلع میں نفقہ ہے، ہاں اگر خلع اس شرط پر ہوا کہ عورت نفقہ و سکنیٰ (یعنی رہنے کا مکان) معاف کرے تو نفقہ اب نہیں پائے گی مگر سکنیٰ سے

شوہراب بھی بری نہیں کہ عورت اس کو معاف کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔ (الجوہرۃ النیرۃ، کتاب النفقات، الجزء الثانی ص ۱۱۰، ۱۱۱)

مسئلہ ۲۶: عورت سے ایلاء، یا ظہار یا لعان کیا یا شوہر مرتد ہوگیا یا شوہر نے عورت کی ماں سے جماع کیا یا عنین کی عورت نے فرقت اختیار کی تو ان سب صورتوں میں نفقہ پائے گی۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر، الفصل الثالث فی نفقۃ المعتدۃ، ج ا ص ۵۵۷)

مسئلہ ۲۷: عورت نے کسی کے بچہ کو دودھ پلانے کی نوکری کی مگر دودھ پلانے جاتی نہیں بلکہ بچہ کو یہاں لاتے ہیں تو نفقہ ساقط نہیں، البتہ شوہر کو اختیار ہے کہ اس سے روک دے بلکہ اگر اپنے بچہ کو جو دوسرے شوہر سے ہے دودھ پلائے تو شوہر کو منع کر دینے کا اختیار حاصل بلکہ ہر ایسے کام سے منع کر سکتا ہے جس سے اسے ایذا ہوتی ہے یہاں تک کہ سلائی وغیرہ ایسے کاموں سے بھی منع کر سکتا ہے بلکہ اگر شوہر کو مہندی کی بو نا پسند ہے تو مہندی لگانے سے بھی منع کر سکتا ہے اور اگر دودھ پلانے وہاں جاتی ہے خواہ دن میں وہاں رہتی ہے یا رات میں تو نفقہ ساقط ہے۔ یوہیں اگر عورت مُردہ نہلانے یا دائی کا کام کرتی ہے اور اپنے کام کے لیے باہر جاتی ہے مگر رات میں شوہر کے یہاں رہتی ہے اگر شوہر نے منع کیا اور بغیر اجازت گئی تو نفقہ ساقط ہے۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ ج ۵ ص ۲۹۰)

مسئلہ ۲۸: اگر مرد و عورت دونوں مالدار ہوں تو نفقہ مالداروں کا سا ہوگا اور دونوں محتاج ہوں تو محتاجوں کا سا اور ایک مالدار ہے، دوسرا محتاج ہے تو متوسط درجہ کا یعنی محتاج جیسا کھاتے ہوں اس سے عمدہ اور اغنیاء جیسا کھاتے ہوں اس سے کم اور شوہر مالدار ہو اور عورت محتاج تو بہتر یہ ہے کہ جیسا آپ کھاتا ہو عورت کو بھی کھلائے، مگر یہ واجب نہیں متوسط ہے۔

(الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۲۸۶ وغیرہ)

مسئلہ ۲۹: نفقہ کا تعین روپوں سے نہیں کیا جا سکتا کہ ہمیشہ اتنے ہی روپے دیے جائیں اس لیے کہ نرخ بدلتا رہتا ہے ارزانی و گرانی (بھاؤ کا اتار چڑھاؤ، یعنی سستائی اور مہنگائی) دونوں کے مصارف یکساں نہیں ہوتے بلکہ گرانی میں اس کے لحاظ سے تعداد بڑھائی جائے گی اور ارزانی میں کمی کی جائے گی۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الاول، ج ا ص ۵۴۷)

مسئلہ ۳۰: عورت آٹا پیسنے روٹی پکانے سے انکار کرتی ہے، اگر وہ ایسے گھرانے کی ہے کہ ان کے یہاں کی عورتیں اپنے آپ یہ کام نہیں کرتیں یا وہ بیمار یا کمزور ہے کہ کر نہیں سکتی تو پکا ہوا کھانا دینا ہوگا یا کوئی ایسا آدمی دے جو کھانا پکاوے، پکانے پر مجبور نہیں کی جا سکتی اور اگر نہ ایسے گھرانے کی ہے نہ کوئی سبب ایسا ہے کہ کھانا نہ پکا سکے تو شوہر پر یہ واجب نہیں کہ پکا ہوا اسے دے اور اگر عورت خود پکاتی ہے مگر پکانے کی اجرت مانگتی ہے تو اجرت نہیں دی جائے گی۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الاول ج ا ص ۵۴۸، الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ ج ۵ ص ۲۹۳)

مسئلہ ۳۱: کھانا پکانے کے تمام برتن اور سامان شوہر پر واجب ہے، مثلاً چکی، ہانڈی، توا، چمٹا، رکابی، پیالہ، چمچہ وغیرہا جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے حسب حیثیت اعلیٰ، ادنیٰ، متوسط۔ یوہیں حسب حیثیت اثاث البیت دینا واجب، مثلاً چٹائی، دری، قالین، چارپائی، لحاف، توشک (پلنگ کا بچھونا، گدا)، تکیہ، چادر وغیرہا۔ یوہیں کنگھا، تیل، سر دھونے کے لیے کھلی (تل یا سرسوں کا پھوک جو سر دھونے سے پہلے سر پر لگاتے ہیں) وغیرہ اور صابن یا بیسن (چنے کا آٹا، یہ پہلے ہاتھ دھونے کے لیے استعمال ہوتا تھا)، میل دور کرنے کے لیے اور سرمہ، مسی (ایک سیاہ قسم کا منجن یا پاؤڈر جسے دانتوں پر ملتے ہیں)، مہندی دینا شوہر پر واجب نہیں، اگر لائے

تو عورت کو استعمال ضروری ہے۔ عطر وغیرہ خوشبو کی اتنی ضرورت ہے جس سے بغل اور پسینہ کی بُو کو دفع کر سکے۔
(الجوہرۃ النیرہ، کتاب النفقات، الجزء الثانی ص ۱۰۸، وغیرہا)

مسئلہ ۳۲: غسل و وضو کا پانی شوہر کے ذمہ ہے عورت غنی ہو یا فقیر۔
(الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الاول، ج ۱ ص ۵۴۹)

مسئلہ ۳۳: عورت اگر چائے یا حقہ پیتی ہے تو ان کے مصارف شوہر پر واجب نہیں اگرچہ نہ پینے سے اس کو ضرر پہنچے گا۔ یوہیں پان، چھالیا، تمبا کو شوہر پر واجب نہیں۔ (ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، مطلب: لاتجب علی الاب۔۔۔ الخ ج ۵ ص ۲۹۴)

مسئلہ ۳۴: عورت بیمار ہو تو اس کی دوا کی قیمت اور طبیب کی فیس شوہر پر واجب نہیں، فصد یا پچھنے کی ضرورت ہو تو یہ بھی شوہر پر نہیں۔ (الجوہرۃ النیرہ، کتاب النفقات، الجزء الثانی ص ۱۰۹)

مسئلہ ۳۵: بچہ پیدا ہو تو جنائی کی اجرت شوہر پر ہے اگر شوہر نے بلایا، اور عورت پر ہے اگر عورت نے بلوایا اور اگر وہ خود بغیر ان دونوں میں کسی کے بلائے آجائے تو ظاہر یہ ہے کہ شوہر پر ہے۔
(البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۴ ص ۲۹۹، ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، مطلب: لاتجب علی الاب۔۔۔ الخ، ج ۵ ص ۲۹۴)

مسئلہ ۳۶: سال میں دو (۲) جوڑے کپڑے دینا واجب ہے ہر ششماہی پر ایک جوڑا، جب ایک جوڑا کپڑا دیدیا تو جب تک مدت پوری نہ ہو دینا واجب نہیں اور اگر مدت کے اندر پھاڑ ڈالا اور عادۃً جس طرح پہنا جاتا ہے اس طرح پہنتی تو نہیں پھٹتا تو دوسرے کپڑے اس ششماہی میں واجب نہیں ورنہ واجب ہیں، اور اگر مدت پوری ہوگئی اور وہ جوڑا باقی ہے تو اگر پہنا ہی نہیں یا کبھی اس کو پہنتی تھی اور کبھی اس کپڑے کو اس وجہ سے باقی ہے تو اب دوسرا جوڑا دینا واجب ہے اور اگر یہ وجہ نہیں بلکہ کپڑا مضبوط تھا اس وجہ سے نہیں پھٹا تو دوسرا جوڑا واجب نہیں۔ (الجوہرۃ النیرہ، کتاب النفقات، الجزء الثانی ص ۱۰۹)

مسئلہ ۳۷: جاڑوں میں (سردیوں میں) جاڑے کے مناسب اور گرمیوں میں گرمی کے مناسب کپڑے دے مگر بہر حال اس کا لحاظ ضروری ہے کہ اگر دونوں مالدار ہوں تو مالداروں کے سے کپڑے ہوں اور محتاج ہوں تو غریبوں کے سے اور ایک مالدار ہو اور ایک محتاج تو متوسط جیسے کھانے میں تینوں باتوں کا لحاظ ہے۔ اور لباس میں اس شہر کے رواج کا اعتبار ہے جاڑے گرمی میں جیسے کپڑوں کا وہاں چلن (رواج) ہے وہ دے، چمڑے کے موزے عورت کے لیے شوہر پر واجب نہیں مگر عورت کی باندی (لونڈی) کے موزے شوہر پر واجب ہیں، اور سوتی، اونی موزے جو جاڑوں میں سردی کی وجہ سے پہنے جاتے ہیں یہ دینے ہوں گے۔
(الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، مطلب: لاتجب علی الاب۔۔۔ الخ ج ۵ ص ۲۹۴)

مسئلہ ۳۸: عورت جب رخصت ہو کر آئی تو اسی وقت سے شوہر کے ذمے اس کا لباس ہے اس کا انتظار نہ کرے گا کہ چھ مہینے گزر لیں تو کپڑے بنائے، اگرچہ عورت کے پاس کتنے ہی جوڑے ہوں نہ عورت پر یہ واجب کہ میکے سے جو کپڑے لائی ہے وہ پہنے بلکہ اب سب شوہر کے ذمہ ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، مطلب: لاتجب علی الاب۔۔۔۔ ج ۵ ص ۲۹۴)

مسئلہ ۳۹: شوہر کو خود ہی چاہیے کہ عورت کے مصارف اپنے ذمہ لے یعنی جس چیز کی ضرورت ہو لا کر یا منگا کر دے، اور اگر لانے میں ڈھیل ڈالتا ہے (یعنی تاخیر کرتا ہے) تو قاضی کوئی مقدار وقت اور حال کے لحاظ سے مقرر کر دے کہ شوہر وہ رقم دے دیا کرے۔

اورعورت اپنے طور پر خرچ کرے، اور اگر اپنے اوپر تکلیف اٹھا کر عورت اس میں سے کچھ بچالے تو وہ عورت کا ہے واپس نہ کرے گی نہ آئندہ کے نفقہ میں مُجرا دیگی (یعنی بچائی ہوئی رقم آئندہ کے نفقہ میں شامل نہ ہوگی) اور اگر شوہر بقدرِ کفایت عورت کو نہیں دیتا تو بغیر اجازتِ شوہر عورت اس کے مال سے لے کر صرف کرسکتی ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، مطلب: لاتجب علی الاب۔۔۔ الخ، ج ۵ ص ۲۹۵، البحرالرائق، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۴ ص ۲۹۴)

مسئلہ ۴۰: نفقہ کی مقدار معین کی جائے تو اس میں جو طریقہ آسان ہو وہ برتا جائے مثلاً مزدوری کرنے والے کے لیے یہ حکم دیا جائے گا کہ وہ عورت کو روزانہ شام کو اتنا دے دیا کرے کہ دوسرے دن کے لیے کافی ہو کہ مزدور ایک مہینے کے تمام مصارف ایک ساتھ نہیں دے سکتا اور تاجر اور نوکری پیشہ جو ماہوار تنخواہ پاتے ہیں، مہینے کا نفقہ ایک ساتھ دے دیا کریں اور ہفتہ میں تنخواہ ملتی ہے تو ہفتہ وار اور کھیتی کرنے والے ہر سال یا ربیع و خریف دو فصلوں میں دیا کریں۔ (الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۲۹۶)

مسئلہ ۴۱: اگر شوہر باہر چلا جاتا ہو اور عورت کو خرچ کی ضرورت پڑتی ہو تو اسے یہ حق ہے کہ شوہر سے کہے کہ کسی کو ضامن بنا دو کہ مہینے پر اس سے خرچ لے لوں، پھر اگر عورت کو معلوم ہے کہ شوہر ایک مہینے تک باہر رہے گا تو ایک مہینے کے لیے ضامن طلب کرے اور یہ معلوم ہے کہ زیادہ دنوں سفر میں رہے گا مثلاً حج کو جاتا ہے تو جتنے دنوں کے لیے جاتا ہے، اتنے دنوں کے لیے ضامن مانگے اور اس شخص نے اگر یہ کہہ دیا کہ میں ہر مہینے میں دے دیا کروں گا تو ہمیشہ کے لیے ضامن ہو گیا۔

(الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الطلاق، مطلب: فی اخذ المرأۃ۔۔۔ الخ، ج ۵ ص ۲۹۷)

مسئلہ ۴۲: شوہر عورت کو جتنے روپے کھانے کے لیے دیتا ہے اپنے اوپر تکلیف اٹھا کر ان میں سے کچھ بچا لیتی ہے اور خوف ہے کہ لاغر ہو جائے گی تو شوہر کو حق ہے کہ اسے تنگی کرنے سے روک دے، نہ مانے تو قاضی کے یہاں اس کا دعویٰ کر کے رکوا سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے جمال میں فرق آئے گا اور یہ شوہر کا حق ہے۔ (الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۳۰۰)

مسئلہ ۴۳: اگر باہم رضامندی سے کوئی مقدار معین ہوئی یا قاضی نے معین کر دی اور چند ماہ تک وہ رقم نہ دی تو عورت وصول کرسکتی ہے اور معاف کرنا چاہے تو کرسکتی ہے بلکہ جو مہینہ آ گیا ہے اس کا بھی نفقہ معاف کرسکتی ہے جب کہ ماہ بماہ نفقہ دینا ٹھہرا ہو اور سالانہ مقرر ہو تو اس سنہ (سال) اور سال گزشتہ کا معاف کرسکتی ہے، پہلی صورت میں بعد والے مہینے کا دوسری میں اس سال کا جو ابھی نہیں آیا معاف نہیں کرسکتی اور اگر نہ باہم کوئی مقدار معین ہوئی نہ قاضی نے معین کی تو زمانہ گزشتہ کا نفقہ نہ طلب کرسکتی ہے، نہ معاف کرسکتی ہے کہ وہ شوہر کے ذمہ واجب ہی نہیں، ہاں اگر اس شرط پر خلع ہوا کہ عورت عدت کا نفقہ معاف کر دے تو یہ معاف ہو جائے گا۔ (الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، مطلب فی الابراء عن النفقۃ، ج ۵ ص ۳۰۳)

مسئلہ ۴۴: عورت کو مثلاً مہینہ بھر کا نفقہ دے دیا اس نے فضول خرچی سے مہینہ پورا ہونے سے پہلے خرچ کر ڈالا یا چوری جاتا رہا یا کسی اور وجہ سے ہلاک ہو گیا تو اس مہینے کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں۔ (الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۳۰۶)

مسئلہ ۴۵: عورت کے لیے اگر کوئی خادم مملوک ہو یعنی لونڈی یا غلام تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر ہے، بشرطیکہ شوہر تنگدست نہ ہو اور عورت آزاد ہو اور اگر عورت کو چند خادموں کی ضرورت ہو کہ عورت صاحب اولاد ہے ایک سے کام نہیں چلتا تو دو تین جتنے کی ضرورت ہے ان کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الاول ج ۱ ص ۵۴۷،

الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۳۰۷۔۳۰۹)

مسئلہ ۴۶: شوہر اگر ناداری کے سبب نفقہ دینے سے عاجز ہے تو اس کی وجہ سے تفریق نہ کی جائے، یوہیں اگر مالدار ہے مگر مال یہاں موجود نہیں جب بھی تفریق نہ کریں بلکہ اگر نفقہ مقرر ہو چکا ہے تو قاضی حکم دے کہ قرض لے کر یا کچھ کام کر کے صرف کرے اور وہ سب شوہر کے ذمہ ہے کہ اسے دینا ہوگا۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۳۰۷۔۳۰۹)

مسئلہ ۴۷: عورت نے قاضی کے پاس آکر بیان کیا کہ میرا شوہر کہیں گیا ہے اور مجھے نفقہ کے لیے کچھ دے کر نہ گیا تو اگر کچھ روپے یا غلہ چھوڑ گیا ہے اور قاضی کو معلوم ہے کہ یہ اس کی عورت ہے تو قاضی حکم دے گا کہ اس میں سے خرچ کرے مگر فضول خرچ نہ کرے مگر یہ قسم لے لے کہ اس سے نفقہ نہیں پایا ہے اور کوئی ایسی بات بھی نہیں ہوئی ہے جس سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اور عورت سے کوئی ضامن بھی لے۔ (الفتاوی الخانیہ، کتاب النکاح، باب النفقۃ، ج ۱ ص ۱۹۸)

مسئلہ ۴۸: شوہر کہیں چلا گیا ہے اور نفقہ نہیں دے گیا مگر گھر میں اسباب وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو نفقہ کی جنس سے نہیں تو عورت ان چیزوں کو بیچ کر کھانے وغیرہ میں نہیں صرف کر سکتی۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الاول، ج ۱ ص ۵۵۰)

مسئلہ ۴۹: جس مقدار پر رضامندی ہوئی یا قاضی نے مقرر کی، عورت کہتی ہے کہ یہ ناکافی ہے تو مقدار بڑھا دی جائے یا شوہر کہتا ہے کہ یہ زیادہ ہے اس سے کم میں کام چل جائے گا کیونکہ اب ارزانی ہے یا مقرر ہی زیادہ مقدار ہوئی اور قاضی کو بھی معلوم ہو گیا کہ یہ رقم زائد ہے تو کم کر دی جائے۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۳۱۴)

مسئلہ ۵۰: چند مہینے کا نفقہ باقی تھا اور دونوں میں سے کوئی مر گیا تو نفقہ ساقط ہو گیا: ہاں اگر قاضی نے عورت کو حکم دیا تھا کہ قرض لے کر صرف کرے پھر کوئی مر گیا تو ساقط نہ ہوگا۔ طلاق سے بھی پیشتر کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے، مگر جب کہ اسی لیے طلاق دی ہو کہ نفقہ ساقط ہو جائے تو ساقط نہ ہوگا۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج ۵ ص ۳۱۷)

(بہار شریعت ج دوم، حصہ ہشتم ص ۲۶۰۔۲۶۸، مکتبۃ المدینہ (دعوت اسلامی) ۱۴۳۰ھ)

تنبیہ: باقی شارحین نے بھی اس باب اور حدیث کی کوئی قابل ذکر شرح نہیں کی ہے، اس لیے ہم کتاب النفقات کے بعد اب ''کتاب الاطعمہ'' کو شروع کر رہے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

٧٠۔ كِتَابُ الْأَطْعِمَةِ

کھانے پینے کی چیزوں کا بیان

۱۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی: كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (البقرہ:۱۷۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں۔

وَقَوْلِهٖ: اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ (البقرہ:۲۶۷)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: (اللہ کی راہ میں) اپنی کمائی سے پاک چیزوں کو خرچ کرو۔

وَقَوْلِهٖ: كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ (المومنون:۵۱)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: پاک چیزوں سے کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو، بے شک تم جو بھی کام کرتے ہو میں اس کو خوب جاننے والا ہوں O

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ کتاب اطعمہ کی انواع اور احکام کے بیان میں ہے اور اطعمہ کا لفظ طعام کی جمع ہے، علامہ جوہری نے کہا ہے: طعام اس کو کہتے ہیں جسے کھایا جائے اور بعض اوقات طعام گندم کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے، اور الطعم (طاء پر زبر) اس چیز کو کہتے ہیں جس کو چکھ کر کسی چیز کی مٹھاس یا کڑواہٹ کا پتا چلے، اور الطُعم (طاء پر پیش) اس کا معنی ہے: کھانا، کہا جاتا ہے: "طعم یطعم طعمافھو طاعم"، جب کوئی مرد کسی چیز کو کھائے یا چکھے جیسے کہا جاتا ہے: "غنم یغنم غنما فھو غانم" یعنی کسی شخص نے مال غنیمت حاصل کیا اور وہ مال غنیمت حاصل کرنے والا ہے۔

اس باب میں امام بخاری نے البقرہ کی دو آیتیں اور المومنون کی ایک آیت درج کی ہے، ان کی تفسیر حسب ذیل ہے:

البقرہ: ۲۶۷، کی تفسیر از علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری الحنفی المتوفی ۱۹۹۸ء، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

طیبات سے وہ چیزیں مراد ہیں جو عمدہ بھی ہوں، حلال بھی ہوں اور حلال طریقہ سے کمائی بھی گئی ہوں، کیونکہ اس طرح خرچ کرنے کے تین مقاصد ہیں، غریب کا فائدہ، اپنے نفس کی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کی رضا۔ اور یہ مقاصد تب ہی حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ عمدہ اور پاکیزہ چیز خرچ کی جائے۔ اگر ردی چیز خرچ کی تو نہ غریب کو کچھ فائدہ پہنچا، نہ بخل کی آلودگی سے نفس کی صفائی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ وہ ذات جو اپنے بہتر سے بہتر انعامات کی تم پر بارش فرما رہی ہے، جب اس

کے نام پر دینے کا وقت آیا تو سب سے ناکارہ چیز تم نے اس کی راہ میں دے دی تو وہ کیونکر تم سے راضی ہوگا، کیونکہ جب ردی چیز تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ردی چیزوں کو کب پسند فرمائے گا۔ (ضیاء القرآن، جلد اول ص ۱۸۸، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

المومنون: ۵۱ کی تفسیر از علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری الحنفی المتوفی ۱۹۹۸ء اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک روز نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ پاک ہے اور پاک چیز کو ہی پسند فرماتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اسی بات کا حکم دیا ہے جس کا حکم اس نے اپنے رسولوں کو دیا تھا، اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی:

يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔ اے ایمان والو! پاکیزہ طیب چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں۔ (البقرہ: ۱۷۲)

پھر ارشاد فرمایا: ایک آدمی دور دراز کا سفر کرتا ہے، اس کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہیں، وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے، یارب! یارب! کہتا ہے، حالانکہ اس نے جو کھایا ہے وہ بھی حرام ہے اور جو اس نے پیا ہے وہ بھی حرام، جو اس نے پہنا ہوا ہے وہ بھی حرام، اور اس کی خوراک بھی حرام مال سے ہے، (تو ایسے حرام خور آدمی کی دعا کیسے قبول ہوگی؟) (رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ)، اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ قبولیتِ دعا کے لیے رزقِ حلال ایک بنیادی شرط ہے، کاملینِ امت نے فرمایا ہے کہ اکلِ حلال (حلال روزی) اور صدق مقال (سچی بات) کا نام ہی ولایت ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن جلد سوم ص ۲۵۸، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

البقرہ: ۱۷۲ کی تفسیر از مصنف

حرام مال کھانے کا وبال

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک چیز کے سوا کسی اور چیز کو قبول نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو حکم دیا تھا، سو فرمایا: اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو، میں تمہارے کاموں سے باخبر ہوں، اور فرمایا: اے مسلمانو! ہماری دی ہوئی چیزوں سے پاک چیزیں کھاؤ، پھر آپ نے ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے، اس کے بال غبار آلود ہیں، وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے: یارب! یارب! اس کا کھانا پینا حرام ہو، اس کا لباس حرام ہو، اس کی غذا حرام ہو تو اس کی دعا کیسے قبول ہوگی!

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۶، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام دارمی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۲۱۰-۲۱۱، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان)

البقرہ: ۲۶۷ کی تفسیر از مصنف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۔ (البقرہ:۲۶۷)

اے ایمان والو! (اللہ کی راہ میں) اپنی کمائی سے پاک چیزوں کو خرچ کرو، اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں۔

عشر کا بیان

اس آیت میں صدقات فرضیہ زکوٰۃ اور عشر ادا کرنے کا حکم دیا ہے، امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا: اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں، تو حضرت علی نے فرمایا: یعنی دانے (غلہ)، پھل اور ہر وہ چیز جس پر زکوٰۃ ہے۔

(جامع البیان، ج ۳ ص ۵۵۔ ۵۴ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

چونکہ اس آیت میں اصالۃً زمین کی پیداوار سے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے ہم زرعی پیداوار پر عشر میں مذاہب فقہاء بیان کر رہے ہیں:

عشر کے نصاب میں فقہاء کے نظریات

غلہ اور پھلوں کی زکوٰۃ (عشر) کے نصاب میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل حدیث مذکور کی روشنی میں غلہ اور پھلوں کے لیے پانچ وسق (بتیس من) کو نصاب قرار دیتے ہیں، جس شخص کے کھیتوں اور باغات سے پانچ وسق یا اس سے زائد پیداوار حاصل ہو جائے اس پر عشر واجب ہوگا اور جس شخص کی پیداوار پانچ وسق سے کم ہو اس پر عشر واجب نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زمین کی پیداوار کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں ہے، غلہ، پھل اور سبزیوں کی زمین سے جس قدر پیداوار ہو اس پر عشر یا نصف عشر دینا واجب ہوگا۔

عشر کے نصاب میں ائمہ ثلاثہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

امام مالک، امام ثوری، امام اوزاعی، امام ابن ابی لیلیٰ، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد اور تمام اہل علم کا قول یہ ہے کہ پھلوں اور غلہ میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب ان کی مقدار پانچ وسق کو پہنچ جائے، البتہ امام ابوحنیفہ اور مجاہد کہتے ہیں کہ قلیل اور کثیر سب میں زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالعموم فرمایا ہے: جس زمین کو بارش سیراب کرے اس میں عشر ہے اور چونکہ زمین کی پیداوار میں سال گزرنے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے، اس لیے اس کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے، یہ حدیث خاص ہے اور امام ابوحنیفہ کی پیش کردہ حدیث عام ہے، جس کی اس حدیث سے تخصیص کرنا واجب ہے۔ (المغنی ج ۲ ص ۲۹۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

عشر کے نصاب میں امام ابوحنیفہ کا نظریہ

امام ابوحنیفہ کا نظریہ یہ ہے کہ زرعی پیداوار کا کوئی نصاب نہیں ہے اور زمین سے جس قدر بھی پیداوار حاصل ہو اس پر عشر یا

نصف عشر واجب ہے، امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ۔ درخت کا پھل جب پھل دے تو اس سے کھاؤ اور اس کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔ (الانعام: ۱۴۱)

اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پھلوں سے زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے پھلوں کا کوئی نصاب نہیں بیان کیا، اس سے معلوم ہوا کہ درخت کے پھلوں پر مطلقاً عشر واجب ہے، خواہ ان کی مقدار کثیر ہو یا قلیل ہو، نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۔ (البقرۃ: ۲۶۷) اے ایمان والو! اپنی کمائی سے پاک چیزوں کو خرچ کرو، اور جو کچھ زمین سے ہم نے تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں خرچ کرو)۔

امام ابوحنیفہ کا استدلال یوں ہے کہ اس آیت میں "ما" عام ہے جس کا تقاضا ہے: زمین سے ہم نے جو بھی تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے خرچ کرو، اور پانچ وسق والی حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے قرآن مجید کے عام کو خاص نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ خبر واحد ظنی ہے اور قرآن مجید کا عموم قطعی ہے اور ظنی دلیل سے قطعی کی تخصیص کرنا صحیح نہیں ہے۔

خبر واحد سے قرآن مجید کے عام کو خاص نہ کرنا، امام ابوحنیفہ کا مشہور قاعدہ ہے اور یہ انتہائی دقت نظری اور باریک بینی پر مبنی ہے، اس قاعدہ میں فرق مراتب ملحوظ رکھا گیا ہے اور قرآن مجید سے ثابت شدہ چیز کو حدیث شریف سے ثابت شدہ چیز پر ترجیح اور فوقیت دی گئی ہے۔ فقہ حنفی کے متعدد احکام اس قاعدہ پر موقوف ہیں اور یہ صرف فقہ حنفی کی خصوصیت ہے جب کہ دیگر ائمہ ثلاثہ اس اصول کو پیش نظر نہیں رکھتے اور قرآن مجید کے عموم قطعی کی احادیث غیر متواترہ سے تخصیص کر کے قرآن مجید کو حدیث کے تابع کر دیتے ہیں، اسی وجہ سے وہ آیت کریمہ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ کی پانچ وسق والی حدیث سے تخصیص کر دیتے ہیں۔

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں:

ہم آیت کریمہ کے عموم کے مقابلہ میں پانچ وسق والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور قرآن کریم کے عموم کی خبر واحد سے تخصیص کرنے میں اختلاف ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۱۱۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت،)

قرآن مجید کے علاوہ احادیث صحیحہ میں بھی زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم عام ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو زمین بارش یا چشموں سے سیراب ہو یا دریائی پانی سے سیراب ہو اس پر عشر (۱۰/۱) ہے اور جس زمین کو کنویں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس پر نصف عشر ہے (یعنی ۲۰/۱)۔ (صحیح البخاری: ج ۱ ص ۲۰۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ل ۱۳۸۱ ھ)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیل اور کثیر کا فرق کیے بغیر مطلقاً زمین سے حاصل شدہ پیداوار پر عشر یا نصف عشر کا حکم عائد فرمایا اور یہ حدیث عموم قرآن کے مطابق ہے، نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زمین کو دریا یا بارش سیراب کرے اس پر عشر (۱۰/۱) ہے اور جس زمین کو کنوئیں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس پر نصف عشر (۲۰/۱، بیسواں حصہ)

ہے۔(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، الطبعۃ الثانیہ، ۱۳۷۵ھ)

امام ابوداؤد نے بھی اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی ان دونوں روایات کو ذکر فرمایا ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۲۵، مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۰۵ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زمین کو بارش یا چشمے سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جس کو اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۳۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

اس حدیث کے بعد امام ابن ماجہ نے حضرت جابر کی حدیث کو بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام نے اپنی "مصنف" میں اس مضمون کی انیس احادیث روایت کی ہیں، ہم ان میں سے چند کا ذکر کر رہے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ معمر نے کہا: میں نے تمام (معتبر) لوگوں کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا ہوا فرمان دیکھا کہ جس زمین کو رسیوں اور ڈولوں کے ذریعہ کنویں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے (معمر کہتے ہیں کہ میرے علم میں اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے) اور جس زمین کو بارش یا دریائی پانی سے سیراب کیا جائے اس میں عشر ہے، معمر کہتے ہیں کہ میرے علم میں اس بات میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے۔(المصنف ج ۴ ص ۱۳۴، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۳۹۰ھ)

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی اپنی "سنن" میں روایت کیا ہے۔(سنن کبریٰ ج ۴ ص ۱۳۰، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس زمین کو دریائی پانی، بارش اور چشمے سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جس کو رسیوں کے ذریعہ کنویں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ۴ ص ۱۳۴، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۳۹۰ھ)

عاصم بن ضمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس زمین کو بارش سیراب کرے اس میں عشر ہے اور جس زمین کو ڈول کے ذریعہ کنویں سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ۴ ص ۱۳۳، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۳۹۰ھ)

مجاہد بیان کرتے ہیں: زمین جس چیز کو بھی نکالے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر، اس میں عشر یا نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ۳ ص ۱۳۹، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی، الطبعۃ الاولی ۱۴۰۶ھ)

حماد کہتے ہیں: ہر وہ چیز جس کو زمین نکالے اس میں عشر ہے یا نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ۳ ص ۱۳۹، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی، الطبعۃ الاولی ۱۴۰۶ھ)

ابراہیم کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کو زمین نکالے، اس میں زکوۃ ہے۔

(المصنف ج ۳ ص ۱۳۹، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی، الطبعۃ الاولی ۱۴۰۶ھ)

ائمہ ثلاثہ جو پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ کو واجب نہیں قرار دیتے، قرآن کریم کی عمومی آیت اور ان تمام احادیث اور آثار کے تارک ہیں اور عمومی دلائل کے پیش نظر ان کا نظریہ صحیح نہیں ہے۔

پانچ وسق والی احادیث کی احناف یہ توجیہ کرتے ہیں کہ یہ احادیث اموال تجارت پر محمول ہیں، کیونکہ اس وقت پانچ وسق (بارہ سو کلوگرام) دو سو درہم کے برابر ہوتے تھے، اس لیے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

عشری اور خراجی اراضی کی تعریفیں

جو زمین عشری ہو اس سے عشر (زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ) لیا جاتا ہے اور جو زمین خراجی ہو اس سے خراج لیا جاتا ہے، عشر کی ادائیگی عبادت ہے اور یہ صرف مسلمانوں سے وصول کیا جاتا ہے، اور خراج اصالۃً غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے اور اس کی مختلف پیداوار کے اعتبار سے ادائیگی کی مختلف شرح ہے، جس کی تفصیل ان شاء اللہ عنقریب آرہی ہے، اگر مسلمان کسی خراجی زمین کو خرید لے تب بھی اس سے حسب سابق خراج ہی وصول کیا جائے گا، عشری اور خراجی زمین کے بیان میں علامہ المرغینانی لکھتے ہیں:

ہر وہ زمین جہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا ہو، یا جس زمین کو جنگ سے فتح کر کے مال غنیمت حاصل کرنے والوں (مجاہدین) میں تقسیم کردیا ہو وہ زمین عشری ہے، اور ہر وہ زمین جس کو جنگ سے فتح کیا گیا ہو اور وہاں کے رہنے والوں کو اسی زمین پر برقرار رکھا گیا ہو وہ زمین خراجی ہے، اور اسی طرح اس زمین کا حکم ہے جہاں کے رہنے والوں سے صلح کر کے اس پر قبضہ کیا ہو، اور مکہ مکرمہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جنگ اور غلبہ سے فتح کیا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہیں رہنے دیا اور ان پر خراج مقرر نہیں کیا، اور ''جامع صغیر'' میں مذکور ہے کہ ہر وہ زمین جس کو جنگ سے فتح کیا گیا ہو اور اس میں دریاؤں کا پانی پہنچتا ہو تو وہ خراجی زمین ہے اور اگر اس تک دریاؤں کا پانی نہ پہنچتا ہو اور اس زمین سے چشمہ نکالا جائے تو وہ عشری زمین ہے، کیونکہ عشر کا تعلق اس زمین سے ہوتا ہے جس میں نشوونما ہو، اور نشوونما کا تعلق اس زمین کے پانی سے ہے اس لیے عشر کے پانی یا خراج کے پانی سے سیرابی کا اعتبار کیا جائے گا۔

جس شخص نے کسی غیر آباد زمین کو آباد کیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس زمین کے عشری یا خراجی ہونے میں اس کے قرب کا اعتبار کیا جائے گا، اگر وہ خراجی زمین کے قریب ہے تو خراجی ہے اور اگر عشری زمین کے قریب ہے تو عشری ہے، اور امام محمد نے کہا: اگر اس نے اس زمین میں کنواں کھود کر اس کے پانی کو سیراب کیا ہے یا اس زمین کے چشمہ سے اس کو سیراب کیا ہے یا ان بڑے بڑے دریاؤں سے پانی کو سیراب کیا ہے تو بھی وہ زمین عشری ہے اور اگر اس زمین کو عجمیوں کی کھودی ہوئی نہروں سے سیراب کیا ہے تو وہ زمین خراجی ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۵۹۰-۵۹۱، مطبوعہ: مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

خراج کی مقدار کا بیان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کو فتح کرنے کے بعد ہر جریب (تیس گز زمین) پر ایک صاع (چار کلوگرام غلہ) اور ایک درہم مقرر کیا تھا، بشرطیکہ اس زمین میں پانی پہنچتا ہو، اور جس زمین میں ککڑی، خربوزے اور بینگن وغیرہ سبزیوں کی کاشت ہو اس میں ہر جریب پر پانچ درہم مقرر کیے اور جس زمین میں انگور کی بیلیں لگی ہوں یا کھجور کے درخت ہوں اس میں ہر جریب پر دس درہم مقرر کیے، حضرت عمر نے صحابہ کی جماعت کے سامنے یہ شرح مقرر کی اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا، اس لیے اس پر اجماع ہو گیا، نیز اس

لیے کہ کاشتکاری میں کم وبیش مشقت ہوتی ہے، انگوروں کی بیل لگانے میں سب سے کم مشقت اور غلہ اگانے میں سب سے زیادہ مشقت ہے، اور سبزیوں کی کاشت میں درمیانی مشقت ہے، اور مشقت کے فرق کی وجہ سے وظیفہ خراج میں بھی تفریق کی گئی اور انگوروں کی بیل میں سب سے زیادہ یعنی دس درہم فی جریب وظیفہ مقرر کیا گیا اور غلہ کی کھیتی باڑی میں سب سے کم یعنی ایک صاع غلہ اور ایک درہم فی جریب مقرر کیا گیا اور سبزیوں کی کاشت میں درمیانی وظیفہ یعنی پانچ درہم فی جریب مقرر کیا گیا، ان کے علاوہ زراعت کی دیگر اجناس مثلاً زعفران اور باغات (جن کے گرد چار دیواری ہو) میں کاشتکاری کی مشقت کے اعتبار سے خراج مقرر کیا جائے گا اور یہ امام کے اجتہاد پر موقوف ہے، ہمارے مشائخ نے یہ کہا ہے کہ ان زمینوں سے پیداوار کے نصف سے زیادہ خراج نہ لیا جائے کیونکہ کاشتکار نصف پیداوار سے زیادہ ادا کرنے کا متحمل نہیں ہوگا، اگر کاشتکار امام کے مقرر کردہ خراج کو ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھے تو پھر امام کو اس کی مقدار میں کمی کر دینی چاہیے۔ (ہدایہ اولین ص ۵۹۲۔۵۹۱، مطبوعہ: شرکت علمیہ، ملتان)

ایک درہم ۳،۰۶۰ گرام چاندی کے برابر ہے اور پانچ درہم ۱۵،۳ گرام چاندی کے برابر ہیں اور دس درہم ۳۰،۶ گرام چاندی کے برابر ہیں۔

اراضی پاکستان کے عشری ہونے کا بیان

جو زمینیں پاکستان کے زمینداروں کی ملکیت میں ہیں، ان پر قطعیت کے ساتھ عشری یا خراجی ہونے کا حکم لگانا بہت مشکل ہے، کیونکہ جب سلاطین اسلام نے ابتداءً ہندوستان کے اس حصہ کو فتح کیا تھا تو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان سلاطین نے کون سی صورت اختیار کی تھی، بعض صورتیں عشری زمین کی ہیں اور بعض خراجی زمین کی، اور جو زمینیں مسلمانوں کے زیر تصرف ہوں اور ان کے متعلق عشری یا خراجی ہونا یقینی اور متحقق نہ ہو ان کو عشری زمین پر محمول کیا جائے گا۔

علامہ شمس الدین سرخسی لکھتے ہیں:

ہر وہ شہر جس کے رہنے والے بہ خوشی مسلمان ہوئے اس کی زمین عشری ہے، کیونکہ مسلمانوں کے مسلمانوں پر وظیفہ (زمین کا محصول) مقرر کرنے کی ابتداء خراج سے نہیں کی جائے گی تاکہ مسلمان کو ذلت سے محفوظ رکھا جا سکے، لہٰذا ان پر عشر ہوگا۔

(المبسوط ج ۳ ص ۷، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۸ھ)

لہٰذا جب پاکستان بنا اور مسلمان مسلمانوں پر حاکم ہوئے تو یہاں کے کاشتکاروں سے زمین میں زراعت کرنے کے وظیفہ کی ابتداء بھی عشر سے کی جائے گی نہ کہ خراج سے، کیونکہ عشر اصالۃً مسلمانوں کا فریضہ ہے اور خراج اصالۃً کافروں پر ہے۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

زمینیں وظیفہ (محصول یا ٹیکس) کی ادائیگی سے خالی نہیں ہیں اور یہ وظیفہ یا عشر ہوگا یا خراج اور مسلمانوں کے زیر تصرف زمین میں عشر سے ابتداء کرنا اولیٰ ہے، کیونکہ عشر میں عبادت کا معنی ہے: خراج میں ذلت کا معنی ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۵۷، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۴۰۰ھ)

اسی طرح حکومت پاکستان نے جو زمینیں مسلمانوں کو الاٹ کر دیں یا ان کو بہ طور عطیہ دیں، یا کسی کارگزاری یا خدمت کے معاوضہ میں دیں، وہ بھی عشری ہیں، علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

جس زمین کو مال غنیمت حاصل کرنے والوں (مجاہدین) کے غیر میں ہماری حکومت تقسیم کرے وہ بھی عشری ہے، کیونکہ مسلمان پر ابتداءً خراج مقرر نہیں کیا جاتا۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۲۵۴، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

(تبیان القرآن ج اول ص ۹۵۸-۹۶۳ فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۳۰ھ)

المومنون: ۵۱ کی تفسیر از مصنف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ○ (المومنون: ۵۱)

اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو، بے شک تم جو بھی کام کرتے ہو میں اس کو خوب جاننے والا ہوں ○

تمام رسولوں سے بیک وقت خطاب کرنے کی توجیہ

اس آیت میں بہ ظاہر تمام رسولوں سے خطاب ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ تمام رسولوں کو الگ الگ قوموں کی طرف الگ الگ زمانوں میں مبعوث کیا گیا ہے، پھر تمام رسولوں کی طرف یہ خطاب کس طرح متوجہ ہوگا، اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس آیت کا محمل یہ ہے کہ ہر رسول کے ساتھ اس کے زمانہ میں یہ خطاب کیا گیا اور اس کو یہ ندا اور وصیت کی گئی اور یہاں پر اس کو جمع کے صیغے سے اس لئے ذکر کیا گیا ہے تا کہ سننے والا یہ جان لے کہ یہ وہ حکم ہے جو تمام رسولوں کو دیا گیا اور سب کو اس حکم کی وصیت کی گئی ہے، اس لئے یہ حکم اس لائق ہے کہ اس پر مضبوطی کے ساتھ دائماً عمل کیا جائے۔

(۲) اس آیت میں الرسل سے مراد ہمارے رسول ہیں، کیونکہ تمام رسولوں کے ذکر کے بعد آپ کا ذکر کیا گیا اور آپ کو جمع کے صیغہ ''الرسل'' سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ ہر چند کہ آپ واحد رسول ہیں لیکن آپ تمام رسولوں کی صفات محمودہ کے جامع اور تمام رسولوں کے کمالات کو محیط ہیں۔

(۳) یہ حکم ہمارے رسول کو دیا گیا ہے اور تمام رسولوں کے ساتھ اس لئے تعبیر فرمایا کہ اگر تمام رسول اس وقت حاضر اور مجتمع ہوتے تو ان سے بھی یہی خطاب کیا جاتا تا کہ ہمارے رسول یہ جان لیں کہ اس حکم کا بوجھ صرف آپ پر نہیں ہے بلکہ یہ حکم تمام انبیاء علیہم السلام کو لازم رہا ہے۔

(۴) ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

اپنی حلال کمائی سے کھانے کی ترغیب اور ناپاک اور حرام چیزیں کھانے کی ترہیب (ممانعت)

اس آیت میں پاک چیزوں سے کھانے کا حکم دیا گیا ہے اور پاک چیزوں سے مراد حلال چیزیں ہیں اور سب سے زیادہ حلال چیز وہ ہے جس کو انسان نے اپنے کسب اور محنت سے حاصل کیا ہو، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اس نے بکریاں چرائی ہیں، آپ کے اصحاب نے پوچھا: اور آپ نے؟ فرمایا: ہاں میں چند قیراط کے عوض مکہ والوں کی بکریاں چراتا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:

۲۲۶۲،دارارقم بیروت)

قیراط سے مراد درہم یا دینار کا ایک جز ہے،آپ ہر بکری کو چرانے کا ایک قیراط لیتے تھے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۱۹۹،دارالکتب العلمیہ ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص نے بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر طعام نہیں کھایا اور اللہ کے نبی داؤد اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۲،سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۳۸،مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۳۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص لکڑیاں کاٹ کر اس کا گٹھا اپنی پشت پر لاد کر لائے ،وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے اور وہ اس کو دیں یا منع کر دیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۴،صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۲،سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۸۴،مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۱۵،عالم الکتب،بیروت)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پاک اور حلال چیزوں کے کھانے کا حکم دیا ہے اور یہ حکم اس حکم کو متضمن ہے کہ ناپاک اور حرام چیزیں نہ کھائی جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ طیب ہے اور وہ سوا طیب اور طاہر چیز کے کسی چیز کو قبول نہیں کرتا (طاہر کا معنی ہے: وہ چیز فی نفسہ حلال ہو اور طیب کا معنی ہے: وہ چیز حلال ذرائع سے حاصل کی گئی ہو مثلاً چوری کا دودھ فی نفسہ حلال ہے لیکن حلال ذریعہ سے حاصل نہیں ہوا اس لئے وہ طاہر ہے طیب نہیں ہے اور انسان دودھ خرید کر لائے اور اس میں کوئی ناپاک چیز گر جائے تو وہ دودھ طیب تو ہے لیکن طاہر نہیں ہے) اور بے شک اللہ نے مسلمانوں کو اسی چیز کا حکم دیا ہے جس چیز کا حکم اس نے اپنے رسولوں کو دیا ہے،اس نے فرمایا:

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۞ (المومنون: ۵۱)

اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو، بے شک تم جو بھی کام کرتے ہو میں اس کو خوب جاننے والا ہوں ○

اور فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔ (البقرہ: ۱۷۲)

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں۔

پھر آپ نے اس شخص کا ذکر فرمایا جو دور دراز کا سفر طے کر کے آتا ہے،اس کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہوتے ہیں ،وہ آسمان کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا کرتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! اس کا کھانا حرام ہوتا ہے اور اس کا پینا حرام ہوتا ہے اور اس کا لباس حرام ہوتا ہے اس کی غذا حرام ہوتی ہے تو اس کی دعا کہاں سے قبول ہو گی؟

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۵،سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۸۹،مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۸)

عبد الوہاب بن ابی حفص بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام شام کو روزے سے تھے،افطار کے وقت ان کے پینے کے لئے دودھ لایا گیا،انہوں نے پوچھا: تمہارے پاس یہ دودھ کہاں سے آیا؟ کہا: یہ ہماری بکریوں کا دودھ ہے،آپ نے پوچھا: اس کی قیمت

کہاں سے آئی، انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! آپ یہ سوال کیوں کر رہے ہیں، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہم رسولوں کی جماعت کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم پاک چیزوں سے کھائیں اور نیک عمل کریں۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۶۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ)

ام عبد اللہ بن شداد بن اوس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ سے تھے، میں نے آپ کے افطار کے لئے ایک پیالہ میں دودھ بھیجا، اس وقت ابتدائی دن کا وقت تھا اور شدید گرمی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ واپس کر دیا اور پوچھا: جس بکری کا یہ دودھ ہے، وہ بکری کہاں سے آئی ہے؟ میں نے کہا: میں نے اپنے مال سے خریدی تھی، تب آپ نے اس دودھ کو پیا، دوسرے دن صبح کو ام عبد اللہ بنت شداد آپ کے پاس آئیں اور کہا: یا رسول اللہ! میں نے آپ کے پاس بہت اچھا دودھ بھیجا تھا، وہ دن بہت طویل اور سخت گرم تھا، پھر آپ نے وہ دودھ میری طرف واپس بھیج دیا تھا، آپ نے فرمایا: رسولوں کی اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ سوا طیب چیزوں کے اور کچھ نہ کھائیں اور سوا نیکی کے اور کوئی عمل نہ کریں۔

(تفسیر ابن کثیر، ج ۳ ص ۲۷۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ، حافظ ابن کثیر نے یہ حدیث امام ابن ابی حاتم کی سند سے ذکر کی ہے لیکن مطبوعہ تفسیر امام ابن ابی حاتم میں یہ حدیث نہیں ہے اور امام رازی نے اس حدیث کو بلا حوالہ نقل فرمایا ہے، تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۸۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ، اور حدیث کی کسی کتاب میں ہم کو یہ حدیث نہیں ملی)۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے طیب چیز کو کھایا اور سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگوں کو اپنے مظالم سے محفوظ رکھا وہ جنت میں ہوگا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سی چیز لوگوں کو جنت میں داخل کرنے کا زیادہ سبب ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کا ڈر اور اچھے اخلاق! اور آپ سے سوال کیا گیا کہ کون سی چیز لوگوں کو دوزخ میں داخل کرنے کا زیادہ سبب ہے؟ آپ نے فرمایا: شرم گاہ اور منہ۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۵۶)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جنت میں وہ گوشت اور خون داخل نہیں ہوگا جو اس مال سے حاصل کیا گیا ہو جو لوگوں کا حق مار کر اور انہیں نقصان پہنچا کر حاصل کیا گیا ہو۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے منہ مین مٹی ڈال لے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے منہ میں اس چیز کو ڈالے جس کو اللہ عزوجل نے حرام کر دیا ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۶۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو ان کے لئے کچھ مال کما کر لاتا تھا، اور حضرت ابو بکر اس مال سے کھاتے تھے، ایک دن وہ کوئی چیز لے کر آیا جس سے حضرت ابو بکر نے کھا لیا، پھر اس غلام نے آپ سے کہا: کیا آپ کو یہ معلوم ہے کہ یہ کیا چیز ہے؟ حضرت ابو بکر نے فرمایا، بتاؤ کیا چیز ہے؟ اس نے کہا: میں زمانہ جاہلیت میں کاہنوں (نجومیوں) کا کام کرتا تھا اور مجھے یہ کام اچھی طرح نہیں آتا تھا، مگر میں لوگوں کو فریب دیتا تھا، آج مجھے ایک شخص ملا جس نے مجھے اس کام کا معاوضہ دیا اور یہ وہی معاوضہ ہے جس سے آپ نے کھایا، حضرت ابو بکر نے اپنا ہاتھ حلق میں ڈالا اور ہر اس چیز کی قے کر دی جو ان کے پیٹ میں گئی تھی۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۷۰)

حسب ذیل حدیث میں اس کی زیادہ وضاحت ہے:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ان کے پاس ان کا ایک غلام طعام لے کر آیا، انہوں نے اس میں سے ایک لقمہ کھالیا، پھر پوچھا: تم نے یہ طعام کیسے حاصل کیا تھا، اس نے کہا: میں زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا پادری تھا، انہوں نے مجھے کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا، آج انہوں نے مجھے یہ طعام دیا تھا، آپ نے فرمایا: میں یہی گمان کرتا ہوں کہ تم نے مجھے اس طعام سے کھلایا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے، پھر آپ نے حلق میں انگلیاں ڈال کر قے کر دی، پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جو گوشت لقمۂ حرام سے بنا وہ دوزخ کے زیادہ لائق ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۶۱) (تبیان القرآن ج ہفتم ص ۸۷۹-۸۷۷، فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۳۱ھ)

۵۳۷۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ أَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُودُوا الْمَرِيضَ وَفُكُّوا الْعَانِيَ قَالَ سُفْيَانُ وَالْعَانِي الْأَسِيرُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از منصور از ابی وائل از حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بھوکے کو کھلاؤ اور مریض کی عیادت کرو، اور قیدی کو قید سے چھڑاؤ۔

سفیان نے کہا: اَلْعَانِیْ سے مراد ہے: قیدی۔

(صحیح البخاری: ۳۰۴۶، ۵۱۷۴، ۵۳۷۳، ۵۶۴۹، ۷۱۷۳، سنن ابوداؤد: ۳۱۰۵، مسند احمد: ۱۹۱۴۴، سنن دارمی: ۲۴۶۵)

صحیح البخاری: ۵۳۷۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے رجال کا تذکرہ

سفیان سے مراد سفیان بن عیینہ ہیں اور منصور سے مراد ابن المعتمر ہیں، اور ابووائل سے مراد شقیق بن سلمہ ہیں، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن قیس ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ حدیث کتاب النکاح کے باب ''من حق اجابة الولیمہ'' میں گزر چکی ہے، اور اس کی عبارت اس طرح ہے: ''قیدیوں کو چھڑاؤ اور دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرو اور مریض کی عیادت کرو''۔ اور یہ حدیث کتاب الجہاد کے باب ''فکاک الاسیر'' میں بھی گزر چکی ہے اور اس کی عبارت ہے: ''قیدیوں کو چھڑاؤ اور بھوکے کو کھلاؤ اور مریض کی عیادت کرو''۔

''اَلْعَانِیْ'' عنا یعنوا سے ماخوذ ہے اور اس کی جمع ''عوان'' ہے، اور ہر وہ آدمی جو ذلیل ہو اور مسکین ہو وہ عانی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۳ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ضرورت منداور سائل کواس کی ضرورت کے مطابق مال دینے کی تفصیل

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں لوگوں کے ساتھ غم گساری کا حکم دیا اور بھوکے کو کھانا کھلانے کا حکم دیا اور یہ چیزیں فروضِ کفایہ میں سے ہیں۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: سوا اس صورت کے کہ مرد خود محتاج ہو اور اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے وہ ان حقوق کو ادا کرے، پس اس پر واجب ہے کہ جتنا کسی کو دے سکتا ہے اتنا دے، اور ضرورت منداس سے جبراً لے لے، اور اگر جبراً لینے پر قادر نہ ہو تو خفیہ طریقہ سے لے لے، اور اس حدیث میں سائل کو دینے کا بھی حکم ہے، اور اگر اسے کوئی چیز میسر ہو تو وہ اس کو دے، اور اگر کوئی چیز میسر نہ ہو اور جس سے سوال کیا گیا ہے اس کو معلوم ہو کہ اس کے پاس اتنا مال نہیں ہے جو اس کو دے سکے، تو اس کو چاہیے کہ اس سے کوئی نیک اور اچھی بات کہے اور یہ حدیث باب ''فکاک الاسیر'' میں گزر چکی ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۴۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۳ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

الفضیل بن عیاض سے سوال کیا گیا: جو مرد عمدہ اور پاکیزہ چیزوں کو ترک کر دے یعنی کنیزوں کو حاصل نہ کرے اور نہ گوشت کھائے اور نہ حلوہ کھائے اور اس کی وجہ زُہد ہو تو اس کا کیا حکم ہے، تو انہوں نے جواب دیا: جس نے حلوہ کھایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، شاید کہ تم اللہ سے ڈرو اور کھالو اور بے شک اللہ تعالیٰ اس کو ناپسند نہیں کرتا کہ تم حرام سے بچو اور حلال چیز کو کھاؤ، اور البقرہ: ۱۷۲ میں طَیِّبٰتِ سے مراد حلال چیزیں ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ عمدہ اور پاکیزہ چیزیں اور اس کی تائید حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ بعض صحابہ اپنے پھلوں میں سے ردّی چیزوں کو صدقہ کرتے تھے اور اپنے طعام میں سے خراب طعام کو صدقہ کرتے تھے، تو پھر یہ آیت نازل ہوئی، قرآن مجید میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (المائدہ)

اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو، جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا O

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے اپنے اوپر لذیز طعام اور لذائذ مباحہ کو حرام قرار دے دیا تھا، عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عثمان بن مظعون اور ان کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے جب انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ عورتوں کو اور گوشت کو چھوڑ دیں گے اور خصی ہو جائیں گے، اور انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ دنیا کو ترک کر دیں گے اور زُہد کو اختیار کریں گے، اور ان میں سے حضرت علی، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہما بھی تھے، اور اس کا کچھ حصہ ''باب مایکرہ من التبتل والخصاء'' میں گزر چکا ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے از ابو وائل از حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ یہ حدیث ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بھوکے کو کھلاؤ اور مریض کی عیادت کرو، اور قیدی کو چھڑاؤ اور یہ حدیث بھی ''باب الولیمہ'' میں گزر چکی ہے۔

اور اسی کے متعلق یہ حدیث ہے کہ عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں۔

(سنن ترمذی: ۱۱۶۳، سنن ماجہ: ۱۸۵۱، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۵ ص ۳۷۲)

اور اسی سے متعلق یہ حدیث بھی ہے:

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو، وہ قیدیوں کو چھڑاتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۲۸۹۹، سنن ابن ماجہ: ۲۷۳۸، مسند ابوداؤد الطیالسی، ج ۲ ص ۳۶۶)

ماموں کے متعلق قیدی کا معنی یہ ہے کہ انسان کو جو جنایات لازم ہوتی ہیں، تو ماموں ان کو چھڑاتا ہے، یہ اس کے نزدیک ہے جو ماموں کو وارث بناتا ہے اور جو ماموں کو وارث نہیں بناتا اس کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ یہ وہ لقمہ ہے جس کو ماموں کھلاتا ہے۔

تنبیہ: اس کے بعد علامہ ابن الملقن نے اس حدیث کی وہی شرح کی ہے جو ہم اس سے پہلے علامہ ابن بطال سے نقل کر چکے ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۶۶-۶۸، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں جو بھوکے کو کھانا کھلانے اور مریض کی عیادت کا حکم دیا ہے یہ حکم استحباب کے لیے ہے، اور بعض احوال میں یہ حکم واجب ہو جاتا ہے اور اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے جس میں بھوکے کو کھانا کھلانے کا حکم دیا ہے کہ اس کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے کیونکہ پیٹ بھرنے سے پہلے وہ بھوکا ہی ہوگا، اور اس کو کھلانے کا حکم دائمی ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۱۹، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، فتح الباری ج ۶ ص ۵۶۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۳ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ بھوکے کو کھانا کھلائیں تو بھوکے کو بھی یہی حکم ہے کہ وہ اپنے آپ کو خود کھلائے، اسی لیے جو شخص بھوکا ہو اور اس کو ہلاک ہونے کا خطرہ ہو، اس پر واجب ہے کہ کچھ کھائے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۳۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۵۳۷۴۔ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم مِنْ طَعَامٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ حَتَّى قُبِضَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یوسف بن عیسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن فضیل نے حدیث بیان کی از والد خود از ابی حازم از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل نے کبھی تین دن پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

(صحیح البخاری: ۵۳۷۴، صحیح مسلم: ۲۹۷۶، سنن ترمذی: ۲۳۵۸، سنن ابن ماجہ: ۳۳۴۳، مسند احمد: ۹۳۲۸)

صحیح البخاری: ۵۳۷۴ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے رجال کا تذکرہ

یوسف بن عیسیٰ ابویعقوب المروزی ہیں، اور محمد بن فضیل (جو فضل کی تصغیر ہے)، یہ اپنے باپ فضیل بن غزوان بن جریر سے روایت کرتے ہیں، اور ابوالفضیل الکوفی، ابوحازم سلمان الاشجعی سے روایت کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۱، دارالکتب العلمیہ)

حدیث مذکور کے بعض مجمل الفاظ کی تفصیل

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کا تذکرہ ہے، اس سے مراد آپ کے قریبی رشتہ دار ہیں۔
اس حدیث میں تین ایام کا ذکر ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ تین دن مسلسل آپ کی آل نے پیٹ بھر کر نہیں کھایا اور صحیح مسلم کی روایت میں تین راتوں کا ذکر ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ دن اور رات دونوں کا مجموعہ مراد ہے۔
اور سنن ترمذی میں یہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ کبھی آپ نے دو مسلسل دن جَو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آپ پیٹ بھر کر اس لیے نہیں کھاتے تھے کہ آپ کے پاس کھانے کی چیزیں کم ہوتی تھیں، علاوہ ازیں کبھی آپ کھانے کی چیزیں تو پاتے تھے لیکن دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے اور عنقریب کتاب الرقاق میں حضرت ابوہریرہ سے یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ نے کبھی جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۱۹، دارنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، فتح الباری ج ۶ ص ۵۶۵، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح پر مواخذہ اور کم کھانے کی فضیلت کا بیان

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ یہ وجہ نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی چیزیں میسر نہیں تھیں، بلکہ وجہ صرف یہ ہے کہ آپ دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے تھے یا اس لیے کہ آپ کے نزدیک پیٹ بھر کر کھانا مذموم تھا اور فضیل بن عیاض نے کہا ہے کہ سیر ہو کر کھانا مذموم اور باعث ملامت ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ بھوکے رہنے سے بدن کا تزکیہ ہوتا ہے، اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا کھانا کم ہو اس کا پیٹ تندرست رہتا ہے اور اس کا دل صاف رہتا ہے اور جس کا کھانا زیادہ ہو، اس کا پیٹ بیمار رہتا ہے، اس کا دل سخت ہو جاتا ہے، اور روایت ہے کہ زیادہ کھانے سے اور زیادہ پینے سے اپنے دلوں کو مردہ نہ کرو، کیونکہ دل کھیت کی فصل کی طرح پھل ہے، جب کھیت میں پانی زیادہ دیا جائے گا تو پھل زیادہ ہوں گے اور علامہ زمخشری نے ربیع الابرار میں حضرت مقدام بن معدیکرب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی ابن آدم کا بھرا ہوا برتن اس سے زیادہ شر نہیں ہے جو اس کا بھرا ہوا پیٹ ہو، پس مرد کے لیے کافی یہ ہے کہ وہ اتنا کھائے کہ جس سے اس کی پیٹھ اور پشت قائم رہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کے درمیان مصنف کا محاکمہ

اس حدیث میں ہے: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل نے تین دن مسلسل پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی دو وجہیں بیان کی ہیں، ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ آپ کے پاس کھانے کی قلت تھی، اور دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ آپ کھانے پینے کی چیزیں دوسروں کو دے دیتے تھے، علامہ عینی نے پہلی وجہ سے اختلاف کیا اور فرمایا ہے کہ صحیح وجہ یہی ہے کہ آپ کھانے پینے کی چیزیں دوسروں کو کھلا دیتے تھے اور خود پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے اور علامہ عینی کی بیان کردہ وجہ زیادہ راجح ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے زیادہ مشابہ اور زیادہ مناسب ہے، کیونکہ آپ کی سیرت یہی تھی کہ آپ اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دیتے تھے اور خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلاتے تھے۔ علامہ عینی کی شرح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ تعظیم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبت کا اظہار ہے، لہٰذا حافظ ابن حجر کی شرح کی بہ نسبت علامہ عینی کی شرح نہایت نفیس اور عمدہ ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۴ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ غمگساری کرنے کا حکم دیا ہے اور بھوکے کو کھانا کھلانے کا حکم دیا ہے اور یہ فروضِ کفایہ میں سے ہے۔

علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: سوا اس صورت کے کہ مرد خود محتاج ہو اور وہ ایسی چیز کو نہ پائے جو کسی کو کھلا سکے اور کسی کی ضرورت پوری کر سکے، اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو ایسی چیز میسر ہو جو وہ سائل کو دے سکے تو اسے چاہیے کہ وہ چیز سائل کو دے دے، اور اگر اس کے پاس ایسی کوئی چیز حاضر نہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ سائل کی مدد کرے، خواہ اس کا حال معلوم نہ ہو اور اس سے مناسب بات کہے۔

امام مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے اہل نے مسلسل تین دنوں تک گندم کی روٹی نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ (صحیح مسلم: ۲۹۷۶، کتاب الزہد والرقاق)

نیز حدیث میں ہے: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس کا کھانا کم ہو اس کا پیٹ تندرست رہتا ہے اور اس کا دل صاف رہتا ہے اور جس کا کھانا زیادہ ہو تو اس کا دل بیمار رہتا ہے اور اس کا دل سخت رہتا ہے۔

(تخریج احادیث الاحیاء، ج ۳ ص ۷۱، العراقی نے کہا: میں اس حدیث کی اصل پر مطلع نہیں ہو سکا)

علامہ زمخشری نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ابن آدم کا اس سے برا کوئی برتن نہیں ہے کہ اس کا پیٹ بھرا ہوا ہو، مرد کے لیے اتنا کھانا کافی ہے جس سے اس کی پشت سیدھی رہ سکے۔

(سنن ترمذی: ۲۳۸۰، سنن ابن ماجہ: ۳۳۴۹، سنن کبریٰ للنسائی: ج ۴ ص ۱۷۷، مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۲)

پس ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ بھر کر کھانے کو ان وجوہ سے ترک فرما دیا ہو، نہ اس وجہ سے کہ آپ کو کھانا میسر نہیں تھا، اور فضیل بن عیاض نے کہا ہے کہ پیٹ بھر کر کھانا کھانا باعث ملامت ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۶۸-۶۹، وزارۃ الاوقاف

والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۳۷۵۔ وَعَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَصَابَنِي جَهْدٌ شَدِيدٌ فَلَقِيتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَاسْتَقْرَأْتُهُ آيَةً مِنْ كِتَابِ اللهِ فَدَخَلَ دَارَهُ وَفَتَحَهَا عَلَيَّ فَمَشَيْتُ غَيْرَ بَعِيدٍ فَخَرَرْتُ لِوَجْهِي مِنَ الْجَهْدِ وَالْجُوعِ فَإِذَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَائِمٌ عَلَى رَأْسِي فَقَالَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ فَأَخَذَ بِيَدِي فَأَقَامَنِي وَعَرَفَ الَّذِي بِي فَانْطَلَقَ بِي إِلَى رَحْلِهِ فَأَمَرَ لِي بِعُسٍّ مِنْ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ عُدْ يَا أَبَا هِرٍّ فَعُدْتُ فَشَرِبْتُ ثُمَّ قَالَ عُدْ فَعُدْتُ فَشَرِبْتُ حَتَّى اسْتَوَى بَطْنِي فَصَارَ كَالْقِدْحِ قَالَ فَلَقِيتُ عُمَرَ وَذَكَرْتُ لَهُ الَّذِي كَانَ مِنْ أَمْرِي وَقُلْتُ لَهُ فَوَلَّى اللهُ ذَلِكَ مَنْ كَانَ أَحَقَّ بِهِ مِنْكَ يَا عُمَرُ وَاللهِ لَقَدِ اسْتَقْرَأْتُكَ الْآيَةَ وَلَأَنَا أَقْرَأُ لَهَا مِنْكَ قَالَ عُمَرُ وَاللهِ لَأَنْ أَكُونَ أَدْخَلْتُكَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ لِي مِثْلُ حُمْرِ النَّعَمِ۔

اور ابو حازم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: (میں فاقوں کی وجہ سے) سخت تکلیف اور مشقت میں مبتلا تھا، پس میری حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، تو میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت کی قراءت کے متعلق سوال کیا، پھر وہ اپنے گھر چلے گئے اور مجھ کو وہ آیت پڑھ کر سنائی، پھر میں تھوڑی دور چلا تو بھوک اور تکلیف (کی شدت) سے بے ہوش ہو کر منہ کے بل گر پڑا، پس اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے سر کے پاس کھڑے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! میں نے کہا: میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! اور میں آپ کا حکم ماننے کے لیے تیار ہوں، آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کھڑا کیا اور آپ نے جان لیا کہ مجھ پر جو بھوک اور تکلیف طاری ہے، آپ مجھے اپنے گھر لے گئے، پھر مجھے حکم دیا کہ میں ایک دودھ کا بڑا پیالہ اٹھاؤں، پس میں نے اس سے پیا، پھر آپ نے فرمایا: اور پیو اے ابو ہریرہ! پس میں نے دوبارہ پیا، پھر آپ نے فرمایا: اور پیو، پھر میں نے اور پیا حتیٰ کہ میرا پیٹ تیر کی مثل (سیدھا) ہو گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: پھر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملا، اور میں نے ان سے ذکر کیا جو میرے ساتھ معاملہ پیش آیا تھا اور میں نے کہا: اے عمر! اللہ تعالیٰ نے مجھے اس ذات کی طرف پھیر دیا جو آپ سے زیادہ حق دار تھی، اور اللہ کی قسم! میں نے آپ سے قرآن مجید کی آیت کے متعلق دریافت کیا تھا اور بے شک میں اس آیت کو آپ سے زیادہ پڑھنے والا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر میں تمہیں اپنے گھر میں داخل کرتا تو میرے نزدیک یہ اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہوتا کہ مجھے سرخ اونٹ مل جاتے۔

(صحیح البخاری: ۶۲۴۶، ۶۴۵۲، سنن ترمذی: ۲۴۷۷، مسند احمد: ۱۰۳۰۱)

صحیح البخاری: ۵۳۷۵ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: مجھ کو جُھد پیش آئی، جُھد میں اگر جیم پر پیش ہو تو اس کا معنی ہے: طاقت اور اگر جیم پر زبر ہو تو اس کا معنی ہے انتہائی مشقت، اور یہاں اس سے مراد ہے: سخت بھوک۔

اس کے بعد اس حدیث میں مذکور ہے: ''فاستقراتہ'': اس کا معنی ہے: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ میرے سامنے قرآن مجید کی آیت معینہ پڑھیں تاکہ مجھے اس سے استفادہ ہو۔

ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس آیت کے متعلق سوال کیا تھا، وہ آل عمران کی آیت تھی اور اس میں یہ مذکور ہے کہ انہوں نے مجھے وہ آیت پڑھائی، حالانکہ میں آیت کے پڑھنے کا ارادہ نہیں کرتا تھا، میرا ارادہ یہ تھا کہ حضرت عمر مجھے کھانا کھلائیں، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ میری مراد کو نہیں سمجھ سکے۔

اس حدیث میں عس کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: بڑا پیالہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے عمر! اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شخص کی طرف پھیر دیا جو آپ سے زیادہ حق دار تھا اور میں نے آپ سے اس آیت کے متعلق پڑھنے کو کہا تھا حالانکہ میں آپ سے زیادہ اس آیت کو پڑھنے والا ہوں۔

ابن بطال نے کہا ہے کہ صحابہ کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی شخص قرآن کی کسی آیت کے پڑھنے کو طلب کرتا تو وہ اس کو اپنے گھر لے جاتا اور گھر میں جو طعام میسر ہوتا وہ اس کو کھلاتا، اور حضرت عمر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کو جو کھانا نہیں کھلایا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو کوئی ایسا کام تھا جس کی وجہ سے ان کو کھانا کھلانے کی طرف توجہ نہیں ہوئی یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کھلاتے، اور یہ دوسری وجہ بعید ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کھانا نہ کھلانے پر بعد میں افسوس کا اظہار کیا اور مجھ سے محدث دیار الحلبیہ نے کہا کہ ہمارے شیخ سراج الدین البلقینی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس قول کو مستبعد قرار دیا ہے کہ میں اس آیت کو آپ سے زیادہ پڑھنے والا تھا۔ ایک وجہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رعب ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع نہیں تھی کہ حضرت عمر بھی ان کی طرح اس آیت کو پڑھ سکتے ہیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: مجھے اس اعتراض پر تعجب ہے کیونکہ یہ اعتراض دراصل اس حدیث کے بعض راویوں کے اوپر اعتراض ہے، اور ان کی طرف غلطی کی نسبت ہے، جب کہ اس کی توجیہ واضح ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ کلام کیا اور اس وقت وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرعوب نہیں تھے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اور حضرت عمر نے اس آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی واسطہ سے سنا تھا۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۲۰، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، فتح الباری ج ۶ ص ۵۶۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر سے مناقشہ

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ حافظ ابن حجر سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: معاملہ اس طرح نہیں ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو کلام کیا تھا، وہ بہ طور عتاب کیا تھا،

کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مراد کو نہیں سمجھ سکے تھے، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ اس آیت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھتے، بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو کوئی چیز کھلاتے، اور اس کی وضاحت اس چیز سے ہوتی ہے کہ اسی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آپ سے یہ آیت اس لیے نہیں پوچھی تھی کہ آپ مجھے پڑھائیں بلکہ میری مراد یہ تھی کہ آپ مجھے اپنا کھانا کھلائیں، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کو برقرار رکھا، یعنی ان کو اس سے حیاء آئی کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کچھ نہیں کھلایا اور وہ خاموش رہے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر انکار کیا اور حافظ ابن حجر نے جو اس کی حضرت عمر کی طرف سے توجیہ پیش کی ہے، اس میں ایک طرح سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنقیص ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: کہ تمہیں کھانا کھلانا میرے نزدیک سرخ اونٹوں کے ملنے سے زیادہ پسندیدہ تھا، کیونکہ عرب والوں کے نزدیک سرخ اونٹ بہت زیادہ عمدہ مال ہیں، اور اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نیک کاموں کے اوپر حرص ہے اور غم گساری کی ترغیب ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد از علامہ عینی

(۱) اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ صراحتاً سوال کرنے سے حیاء کرنی چاہیے، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صراحتاً یہ نہیں کہا کہ میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلائیں، بلکہ ان سے ایک آیت کے متعلق دریافت کیا تا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے حال پر مطلع ہو جائیں اور ان کو کھانا کھلائیں۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب انسان کو فاقوں کی وجہ سے سخت مشقت اور تکلیف پہنچے تو اس کا کنایہ کے ساتھ اظہار کرنا چاہیے۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بھوک کے وقت سیر ہو کر کھانا جائز ہے۔

(۴) سلف صالحین کا یہ طریقہ تھا کہ وہ طعام کی قلت کے اوپر اور تنگی گزران کے اوپر صبر کرتے تھے اور دنیا کی تھوڑی چیز کے حصول کے اوپر راضی رہتے تھے۔

(۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کی عادت یہ تھی کہ جب ان سے کوئی قرآن مجید کی آیت سے متعلق دریافت کرتا تو وہ ان کو گھر لے جاتے اور جو طعام میسر ہوتا وہ اس کو کھلاتے۔

(۶) اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فراست، آپ کا علم غیب اور آپ کی سخاوت کا علم ہوا کہ آپ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ حال دیکھ کر انہیں اپنے گھر لے گئے اور ان کو دودھ پلایا اور بار بار دودھ پینے کا حکم دیا تا کہ وہ اچھی طرح سیر ہو کر دودھ پی لیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد از علامہ ابن الملقن

(۱) اس حدیث کے آخر میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں ابو ہریرہ کو اپنے گھر میں لے جاتا تو یہ میرے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر تھا۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ وہ بھوکے کو کھلانے پر ترغیب دیتے تھے اور ان کو نیکی کے کاموں پر حرص تھی اور غمگساری کرنے کی طلب تھی اور سرخ اونٹ عربوں کے نزدیک نہایت پسندیدہ محبوب مال ہوتا ہے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سوال کو کنایۃً پیش کرنا چاہیے اور جب انسان کو شدید بھوک ہو تو وہ صراحتاً سوال کرنے سے حیاء کرے۔

(۴) اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بھوک کے وقت پیٹ بھر کر کھانا جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرار کر کے بار بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا۔

(۵) پہلے بھوک کی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیٹ میں گڑھا پڑا ہوا تھا اور ان کا پیٹ ٹیڑھا ہو گیا، پھر جب تین بار دودھ پیا تو ان کا پیٹ بالکل تیر کی طرح سیدھا ہو گیا۔

(۶) اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سلف صالحین کی یہ عادت تھی کہ وہ کھانے کی کم مقدار کے اوپر صبر کرتے تھے اور تنگی معیشت کے باوجود اللہ سے راضی رہتے تھے اور دنیا کے تھوڑے مال پر کفایت کرتے تھے۔

(۷) کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو صرف یہ فکر تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی بھوک کو مٹا دیں، پھر جب شارع علیہ السلام نے ان کو پیٹ بھر کر دودھ پلا دیا تو انہوں نے اس پر قناعت کر لی اور اس کے سوا اور کسی چیز کو طلب نہیں کیا، اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ دنیا کی جس قدر چیز مل جائے وہ اس پر کفایت کرتے تھے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل نے تین دن سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔

(۸) اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے بھائی کی حاجت کو پورا کرے، جب اس کو معلوم ہو کہ اس کے بھائی کو ضرورت ہے خواہ اس کے بھائی نے اس سے سوال نہ کیا ہو۔

(۹) اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں صحابہ کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی شخص اپنے کسی صاحب سے قرآن مجید کی کسی آیت کو معلوم کرتا تو وہ اسے اپنے گھر لے جاتا اور جو اس کے پاس طعام میسر ہوتا وہ اس کو کھلاتا، اور اللہ ہی کو علم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسا کیوں نہیں کیا، حتیٰ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے قرآن مجید کی آیت کو طلب کیا یا تو وہ کسی کام میں مصروف تھے اور ان کی توجہ اس طرف نہیں ہوئی، یا ان کو کوئی ایسی چیز میسر نہیں تھی جس سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کھلاتے اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ نیکی کے کاموں پر حرص کرنی چاہیے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر افسوس ہوا کہ وہ کیوں نہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر لے گئے اور انہیں کھانا کھلاتے جب کہ ان کو ضرورت تھی اور یہ کھانا کھلانا ان کو سرخ اونٹوں سے زیادہ پسند تھا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۷۰-۷۱، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۵ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد از شیخ عثیمین

(۱) اس حدیث میں دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم خوشی کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔

(۲) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محاسنِ اخلاق کا بیان ہے۔

(۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کبھی کبھی پیٹ بھر کر کھانا چاہیے۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصرار کر کے بار بار ان کو دودھ پلایا حتیٰ کہ ان کا پیٹ تیر کی طرح سیدھا ہو گیا اور اس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی جب کہ آپ کا ارشاد ہے کہ ابن آدم کے لیے اتنے لقمے کافی ہیں جن سے اس کی پشت سیدھی رہے اور اگر اس نے لامحالہ زیادہ کھانا ہو تو ایک تہائی پیٹ کام کے لیے رکھے اور ایک تہائی پیٹ پانی کے لیے رکھے اور ایک تہائی پیٹ سانس لینے کے لیے رکھے۔ (الاحادیث الصحیحہ للالبانی: ۲۲۶۵)

(۴) اور تعجب کی بات یہ ہے کہ حکماء اور اطباء نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی موافقت کی ہے اور یہ کہا ہے: انسان کا بہترین کھانا یہ ہے کہ وہ ایک تہائی پیٹ خالی رکھے۔

(۵) اس حدیث میں حیلہ کے جواز کی دلیل ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید کی آیت کے متعلق دریافت کیا تو اس میں ان کا یہ حیلہ تھا کہ شاید اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی بھوک کے حال کی طرف متوجہ ہوں اور ان کو کھانا کھلائیں۔

(۶) نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان اپنے غلبہ ظن کے اعتبار سے اللہ کی قسم کھا سکتا ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے آپ سے جس آیت کے متعلق دریافت کیا تھا، مجھے آپ سے زیادہ اس کا علم تھا، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات اللہ کی قسم کھا کر کہی کیونکہ ان کو غالب گمان یہ تھا کہ فی الواقع ان کو اس آیت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ علم ہے۔

(۷) لیکن ان کی مراد یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی بھوک کے حال کو دیکھ کر یہ سمجھ جائیں گے کہ حضرت ابو ہریرہ بھوکے ہیں اور انہیں اپنے گھر لے جائیں گے اور انہیں کھانا کھلائیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان کی بھوک دور کرنے کے لیے زیادہ بہتر وسیلہ عطا فرما دیا تھا۔

(۸) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اصحاب کے احوال کی طرف متوجہ رہتے تھے اور ان کے احوال کی جستجو میں رہتے تھے، اور اپنی فراست سے کام لیتے تھے۔

(میں کہتا ہوں: اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست کا ذکر نہیں ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فراست اور آپ کے علم غیب کا ذکر ہے، لہٰذا زیادہ بہتر یہ کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے احوال کی طرف متوجہ رہتے تھے اور ان کے احوال کی جستجو میں رہتے تھے اور اپنی فراست سے کام لے کر ان کی ضرورت میں مداوا کرتے تھے، سو یہ فائدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منطبق ہو رہا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

(۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصرار فرما کر بار بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی ضرورت مند حیاء کرے یا تکلف سے کام لے اور کھانا کم کھائے تو اصرار کر کے اس کو زیادہ کھلانا چاہیے۔

(۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار کے بعد دو مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اور پیو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہمان کو اصرار کر کے دو یا تین مرتبہ کھلانا چاہیے۔ (شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۳۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۵، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض شارحین نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کوئی کام تھا یا ان کے پاس کوئی کھانے کی چیز نہیں تھی، تو اس وجہ سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کھانا نہیں کھلایا، کیونکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ یہ تھا کہ جو شخص ان سے کسی آیت کے متعلق دریافت کرتا تو اس کو اپنے گھروں کی طرف لے جاتے، لیکن یہ شرح درست نہیں ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر افسوس کیا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کیوں نہیں کھلایا اور انہوں نے کہا: اگر میں ان کو کھانا کھلا دیتا تو مجھے یہ کھانا کھلانا سرخ اونٹوں کے ملنے سے زیادہ بہتر ہوتا۔ (الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۹ ص ۸۴، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۵ کی شرح از علامہ دمامینی مالکی

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن ابو بکر بن عمر القرشی المخزومی الاسکندرانی المالکی المتوفی ۸۲۷ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں عُسٌّ کا لفظ ہے، اس میں عین پر تشدید ہے اور سین پر بھی تشدید ہے، اس کی جمع عِساس ہے، اور کا معنی ہے: بڑا پیالہ۔ (التنقیح ج ۳ ص ۱۰۷۹)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: "حتی استوی بطنی" یعنی حتیٰ کہ میرا پیٹ سیدھا ہو گیا، اس سے مراد ہے: میرا پیٹ بھر گیا۔

اس کے بعد حدیث میں ہے: "فصار کالقدح": اَلْقِدح اس تیر کو کہتے ہیں جس میں پیکان نہ ہو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس میں یہ کنایہ کیا ہے کہ پہلے ان کے پیٹ میں بھوک کی وجہ سے گڑھا تھا، پیٹ بھرنے کے بعد وہ تیر کی طرح سیدھا ہو گیا۔

(مصابیح الجامع، ج ۹ ص ۱۰۸-۱۰۹، دار النوادر بیروت ۱۴۳۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۵ کی شرح از شیخ محمد علی صابونی

شیخ محمد علی صابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: "اصابنی جھد": یعنی مجھے سخت بھوک لگی ہوئی تھی جس کی وجہ سے میری قوتیں کمزور ہو رہی تھیں حتیٰ کہ قریب تھا کہ میں بھوک کی وجہ سے ہلاک ہو جاؤں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: "فاستقراته ایة": یعنی میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے طلب کیا کہ ایک آیت معینہ مجھے پڑھائیں، حالانکہ میں پڑھنے کا ارادہ نہیں کرتا تھا، میں تو یہ ارادہ کرتا تھا کہ مجھے کھانا کھلائیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فتحہا علی'': یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے وہ آیت پڑھائی اور وہ میری مراد کو نہیں سمجھ سکے کہ میں تو اس آیت کو جانتا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فخررت لوجھی'': یعنی میں بھوک کی شدت اور کمزوری کی وجہ سے زمین پر منہ کے بل گر گیا۔

''الی رحلہ'': یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے مسکن کی طرف لے گئے۔

''عُسٌّ من لبن'': یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بڑا پیالہ لانے کا حکم دیا جس میں دودھ تھا۔

''استوی بطنی'': یعنی دودھ پینے سے میرا پیٹ بھر گیا اور بھوک کی تکلیف دور ہو گئی جب کہ قریب تھا کہ میں پہلے بھوک کی وجہ سے ہلاک ہو جاتا۔

''فصار کالقدح'': یعنی میرا پیٹ اس تیر کی طرح سیدھا ہو گیا جس میں پیکان نہ ہو، ان کی مراد یہ تھی کہ میرا پیٹ اتنا بھر گیا کہ اس میں اور کچھ کھانے کی گنجائش نہیں تھی۔

''اقرألھا منك'': یعنی مجھے یہ آیت آپ سے زیادہ محفوظ ہے اور مجھے اس کی قراءت آپ سے زیادہ آتی ہے۔

''حُمر النعم'': یعنی آپ کی میزبانی میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب تھی کہ مجھے سرخ اونٹ مل جاتے اور سرخ اونٹ عرب والوں کے نزدیک سب سے بہترین مال ہوتے ہیں، لیکن میں آپ کی مراد کو سمجھ نہیں سکا۔

حدیث مذکور کی شرح

کسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے بھائیوں کے راستہ میں کھڑے ہو گئے کہ شاید ان میں سے کوئی ایک ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو گھر لے جائے اور ان کو کھانا کھلائے اور وہ جان لے کہ ان کو کتنی شدید بھوک ہے تو ان کے پاس سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ گزرے، پس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت کے متعلق سوال کیا جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اچھی طرح یاد تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا اور ان کی مراد اور غرض کو نہ جان سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر نہیں لے گئے، حتیٰ کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھوک کی شدت سے نڈھال ہو کر اور کمزوری کے غلبہ کی وجہ سے زمین پر گر گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے، آپ نے ان کو زمین سے اٹھایا اور آپ نے جان لیا کہ ان کا زمین پر گرنے کا کیا سبب تھا؟ آپ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر لے گئے اور ان کے سامنے دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا اور ان سے فرمایا: اے ابوہریرہ! بیٹھو اور یہ دودھ پیو، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے دودھ پیا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اور پیو، انہوں نے اور پیا، تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! اب میں اپنے پیٹ میں مزید دودھ پینے کی گنجائش نہیں پاتا۔

پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے کہا: کیا آپ کو یاد ہے کہ میں نے آپ سے فلاں آیت کے متعلق عرض کیا تھا تو آپ نے مجھے وہ آیت پڑھائی اور اللہ کی قسم! مجھے یہ آیت یاد تھی اور اس کی قراءت مجھے رواں تھی اور میں نے تو آپ سے صرف اس لیے پوچھا تھا کہ آپ مجھے اپنے گھر لے جائیں گے اور آپ مجھے کھانا کھلائیں گے کیونکہ اس دن مجھے سخت بھوک لگی ہوئی تھی لیکن آپ میری غرض کو نہیں سمجھ سکے۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں اس دن آپ کو مہمان بنا کر لے جاتا تو یہ میرے نزدیک اپنے مال میں سے سب سے زیادہ محبوب مال ہوتا، جس مال کو عرب بہت محبوب رکھتے ہیں اور وہ سرخ اونٹ ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حسرت ہوئی کہ وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مراد کو کیوں نہ سمجھ سکے۔

حدیث مذکور کے فوائد از علامہ صابونی

(۱) اس حدیث میں نیکی کے کام پر اور غم گساری پر برانگیختہ کرنا ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر غم ہوا کہ انہوں نے اس دن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کیوں نہ کھانا کھلایا۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سوال کرنا چاہیے اور اپنی غرض نہیں بتانی چاہیے اور طعام کو طلب کرنے سے حیاء کرنی چاہیے جو کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مقصد تھا۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر انسان کو شدید بھوک ہو تو وہ اپنا حال کسی کے سامنے بیان کرے تو یہ جائز ہے۔

(۴) سلف صالحین کا یہ طریقہ تھا کہ وہ مال کی قلت پر صبر کرتے تھے اور تنگی معیشت پر بھی صبر کرتے تھے اور دنیا کے تھوڑے مال پر راضی رہتے تھے۔

(۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شدید بھوک کے وقت سیر ہو کر کھانا بھی جائز ہے، اسی لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے تین بار دودھ پیا حتیٰ کہ ان کا پیٹ بھر گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فعل کو برقرار رکھا۔

(۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے بھائی کے حیلہ پر پردہ رکھے، جب اس کو اپنے بھائی کی ضرورت معلوم ہو اور وہ اس سے سوال کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال نہیں کیا کہ تمہارا کیا حال ہے اور تم اس آیت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیوں دریافت کر رہے تھے؟

(۷) صحابہ کا یہ معمول تھا کہ جب ان سے کوئی قرآن مجید کی آیت کے متعلق دریافت کرتے تو وہ ان کو اپنے گھر لے جاتے اور ان کو جو طعام میسر ہوتا وہ ان کو کھلاتے۔ (الشرح المیسر صحیح البخاری المسمی الدرر والآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۴۷، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

میں کہتا ہوں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح البخاری: ۵۳۷۵، صحیح البخاری: ۶۲۴۶، میں بہت اختصار کے ساتھ صرف دو تین سطروں میں مذکور ہے اور صحیح البخاری: ۶۴۵۲ میں یہ حدیث اسی طرح تفصیل سے مذکور ہے جس طرح امام ترمذی نے اپنی سنن میں اس حدیث کی بہت تفصیل کے ساتھ روایت کی ہے۔ صحیح البخاری: ۶۴۵۲ کی شرح تو اپنے مقام پر آئے گی، ہم قارئین کے مطالعہ کے لیے اس حدیث کو سنن ترمذی کے حوالہ سے بیان کر رہے ہیں، تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ وہ دودھ کا ایک پیالہ تمام اہل صفہ کو کافی ہو گیا تھا اور اخیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیالہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو پلایا اور پھر بعد میں خود بھی اس پیالہ سے پیا، چونکہ صحیح البخاری: ۵۳۷۵ میں یہ تفصیل نہیں تھی، اس لیے ہم نے چاہا کہ قارئین کو یہ تفصیل معلوم ہو جائے اور اس کا مکمل بیان ان شاء اللہ صحیح البخاری: ۶۴۵۲ کی شرح میں آئے گا۔

صحیح البخاری: ۵۳۷۵ کا مفصل متن سنن ترمذی میں

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ از ہناد از یونس بن بکیر از عمر بن ذر از مجاہد از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل صفہ اہلِ اسلام کے مہمان تھے، وہ کسی گھر میں نہیں رہتے تھے اور نہ ان کے پاس کوئی مال تھا، اور اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے! بے شک میں بھوک کی شدت سے اپنے جگر کو زمین کے ساتھ چپکا تا تھا اور بھوک کی شدت سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا، اور ایک دن میں صحابہ کے راستے میں بیٹھا ہوا تھا اور صحابہ نکل کر جا رہے تھے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے، میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت کے متعلق سوال کیا، اور میں نے ان سے یہ سوال صرف اس لیے کیا تھا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں مگر وہ گزر گئے اور وہ مجھے اپنے ساتھ نہیں لے گئے، پھر میرے پاس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے، پس میں نے ان سے بھی کتاب اللہ کی آیت کے متعلق سوال کیا اور میں نے ان سے بھی اس لئے سوال کیا تھا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں مگر وہ گزر گئے اور مجھے اپنے ساتھ نہیں لے گئے، پھر میرے پاس سے حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے، آپ نے جب مجھے دیکھا تو آپ مسکرائے، آپ نے فرمایا: ابوہریرہ؟ میں نے کہا: لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: میرے ساتھ آؤ، میں گیا، پس میں آپ کے پیچھے پیچھے چلا اور آپ اپنے گھر میں داخل ہو گئے، پس میں نے اجازت طلب کی تو مجھے اجازت دی گئی، پھر آپ کو دودھ کا ایک پیالہ ملا، آپ نے گھر والوں سے پوچھا: تمہارے پاس یہ دودھ کہاں سے آیا ہے تو آپ کو بتایا گیا کہ فلاں نے یہ دودھ ہمیں ہدیہ بھیجا ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوہریرہ! میں نے کہا: لبیک، آپ نے فرمایا: اہل صفہ کے پاس جاؤ اور ان کو بلا کر لاؤ اور وہ بھی اہلِ اسلام کے مہمان ہیں، ان کا بھی نہ کوئی گھر ہے اور نہ کوئی مال ہے، جب آپ کے پاس کوئی صدقہ آتا تو آپ ان کے پاس بھیج دیتے اور آپ خود اس میں سے کچھ نہ لیتے اور جب آپ کے پاس کوئی ہدیہ آتا تو آپ ان کی طرف بھیجتے اور آپ خود بھی اس میں سے لیتے اور اہلِ صفہ کو بھی اس میں شریک کرتے، سو اس بات نے مجھے رنجیدہ کیا اور میں نے دل میں کہا: یہ ایک پیالہ تمام اہلِ صفہ کے درمیان کیسے پورا ہوگا؟ اور میں اب ان کو بلانے جا رہا ہوں، اب عنقریب آپ مجھے حکم دیں گے کہ میں یہ پیالہ ان کو پیش کروں، پھر مجھے یہ توقع نہیں ہے کہ مجھے اس میں سے کچھ ملے گا، اور میں یہ امید رکھتا تھا کہ اس دودھ کے پیالہ میں سے اتنا ملے گا کہ جو مجھے کفایت کر دے گا اور میرے لیے اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کے سوا چارہ نہیں تھا، پس میں اہلِ صفہ کے پاس گیا اور میں نے ان کو دعوت دی، پس جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا: ابوہریرہ! یہ پیالہ لو اور ان کو پیش کرو، میں نے پیالہ لیا تو میں وہ پیالہ ایک مرد کو دیتا، وہ اس میں سے پیتا حتیٰ کہ وہ سیر ہو جاتا، پھر وہ مجھے پیالہ واپس کر دیتا، پھر میں دوسرے کو پیالہ دیتا حتیٰ کہ آخر میں میں وہ پیالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا اور تمام اہلِ صفہ سیر ہو چکے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ لیا اور اس کو اپنے ہاتھوں پر رکھا، پھر آپ نے سر اٹھایا، پھر آپ مسکرائے، پھر فرمایا: ابوہریرہ! پیو، سو میں نے پیا، پھر فرمایا: پیو، پھر مسلسل پیتا رہا اور آپ فرماتے رہے، پیو، حتیٰ کہ میں نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے: میں اب اپنے پیٹ میں اتنی گنجائش نہیں پاتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ لیا اور اللہ کی حمد کی اور بِسْمِ اللّٰهِ پڑھی، پھر آپ نے اس پیالہ سے دودھ پیا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۴۷۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۳ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۵۱۵)

۲- بَابُ: التَّسْمِيَةِ عَلَى الطَّعَامِ وَالْأَكْلِ بِالْيَمِينِ

کھانے پر بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنا اور دائیں ہاتھ سے کھانا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ کھانے پر بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنی چاہیے، یعنی کھانے کی ابتداء میں، کیونکہ امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے از ام کلثوم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو کہے: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، پس اگر وہ کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو پھر کہے: بسم الله اوله وآخره۔ (سنن ترمذی: ۱۸۵۷، سنن ابوداؤد: ۳۷۶۷)

میں کہتا ہوں: کھانے سے پہلے بِسْمِ اللهِ پڑھنے کے متعلق مزید احادیث بھی مروی ہیں جن کو ہم پیش کر رہے ہیں:

کھانے سے پہلے بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنے کے متعلق مزید احادیث

(۱) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی مرد اپنے گھر میں داخل ہو اور گھر میں داخل ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور اس کے پاس کھانا بھی ہو تو شیطان کہتا ہے: تمہارے لیے نہ رات کو کوئی ٹھکانا ہے اور نہ رات کا کوئی کھانا ہے اور جب کوئی مرد رات کو گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے، تو شیطان کہتا ہے: تمہارے لیے رات کا ٹھکانا ہے، پھر جب وہ کھانے پر اللہ کا ذکر نہ کرے تو شیطان کہتا ہے: تم نے رات کا ٹھکانا بھی پالیا اور رات کا کھانا بھی پالیا۔ (صحیح مسلم: ۲۰۱۸، سنن ابوداؤد: ۳۷۶۵، سنن ابن ماجہ: ۳۸۸۷)

(۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی طعام یا کھانے پر حاضر ہوتے تو ہم میں سے کوئی شخص اپنا ہاتھ نہ رکھتا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہاتھ رکھتے، اور ایک مرتبہ ہم آپ کے ساتھ کھانے پر حاضر ہوئے تو ایک اعرابی (دیہاتی) آیا، گویا کہ وہ جلدی میں تھا، اور وہ اپنا ہاتھ طعام پر رکھنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر ایک باندی آئی گویا کہ وہ بھی جلدی میں تھی، وہ بھی اپنا ہاتھ طعام پر رکھنے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کو پکڑ لیا اور فرمایا: شیطان اس طعام کو حلال کر لیتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر نہ کیا جائے اور بے شک جب یہ اعرابی آیا تو شیطان اس طعام کو حلال کر دے اور میں نے اس اعرابی کا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر جب یہ باندی آئی تو شیطان اس طعام کو اپنے لیے حلال کرنے لگا تو میں نے اس باندی کا ہاتھ پکڑ لیا، پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک شیطان کا ہاتھ میرے ہاتھ ان دونوں کے ہاتھوں کے ساتھ تھا۔ (صحیح مسلم: ۲۰۱۷، سنن ابوداؤد: ۳۷۶۶)

(۳) امیہ بن مخشی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے اور ایک مرد کھانا کھا رہا تھا، اس نے بِسْمِ اللهِ نہیں پڑھی تھی حتیٰ کہ پورے کھانے میں سے صرف ایک لقمہ رہ گیا تھا، جب اس مرد نے وہ لقمہ اٹھایا تو اس نے کہا: بسم الله اوله وآخره، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور آپ نے فرمایا: شیطان مسلسل اس کے ساتھ کھا رہا تھا اور جب

اس نے اللہ عزوجل کے نام کا ذکر کیا تو شیطان نے جو کچھ اس کے پیٹ میں تھا اس کی قے کردی۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۶۸)

کھانے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھنے کے حکم کی تفصیل

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک کھانے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنے کا حکم استحباب پر محمول ہے اور بعض علماء نے اس حکم کو ظاہر امر کی وجہ سے وجوب پر محمول کیا ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے: کھانے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھنے کے استحباب پر اجماع ہے، اسی طرح کھانے کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے کے استحباب پر بھی اجماع ہے اور علماء نے کہا ہے کہ بلند آواز سے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھیں تاکہ دوسروں کو تنبیہ ہو، اگر اس نے بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنے کو عمداً یا نسیاناً یا ناواقفیت کی بناء پر یا اکراہ کی بناء پر یا عجز کی بناء پر یا کسی اور عارضہ کی بناء پر ترک کیا، پھر کھانے کے درمیان اس کو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھنے کا موقع ملا تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ درمیان میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ لے اور صرف بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنے سے بھی اس حکم پر عمل ہو جاتا ہے لیکن اگر اس نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھا تو یہ مستحسن ہے اور جتنے بھی کھانے والے ہیں وہ سب بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھیں اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک نے بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ لی تو بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنے کے حکم پر عمل ہو گیا۔

اس باب کا دوسرا جزو ہے: دائیں ہاتھ سے کھانا۔

دائیں ہاتھ سے کھانے کے متعلق احادیث

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو وہ دائیں ہاتھ سے کھانا کھائے اور جب پانی پیے تو دائیں ہاتھ سے پانی پیے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔
(صحیح مسلم: ۲۰۲۰، سنن ابوداؤد: ۳۷۷۶، سنن ترمذی: ۱۸۰۰)

(۲) حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بیٹے! قریب ہو، پس اللہ کا نام لو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے آگے سے کھاؤ۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۷۷)

(۳) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور نہ بائیں ہاتھ سے پیے، کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔
(صحیح مسلم: ۵۲۳۳ باب آداب الطعام والشراب، سنن ابوداؤد: ۳۲۶۸، باب الاکل بالیمین، سنن ترمذی: ۱۷۹۹، مسند احمد ج ۲ ص ۸)

دائیں ہاتھ سے کھانے کے حکم کی تفصیل

علامہ عینی دائیں ہاتھ سے کھانے کے متعلق فرماتے ہیں:

ہمارے شیخ زین الدین نے کہا ہے کہ اپنے سامنے سے کھانے اور دائیں ہاتھ سے کھانے کے حکم کو اکثر علماء نے استحباب پر محمول کیا ہے، امام غزالی اور علامہ نووی نے اس کی تصریح کی ہے اور امام شافعی نے کتاب الام میں اس کے واجب ہونے کی تصریح

کی ہے، اور علامہ قرطبی کا یہ کہنا ہے کہ دائیں ہاتھ سے کھانے کا حکم استحباب پر محمول ہے، کیونکہ اس میں دائیں ہاتھ کی فضیلت اور شرف ہے اور اس لیے کہ دائیں ہاتھ عمل کرنے میں قوی ہے، ثابت ہے اور اس کا زیادہ تصرف ہوتا ہے اور اس لیے بھی دائیں ہاتھ کو عربی میں ایمن کہتے ہیں اور ایمن کا لفظ یُمن سے ماخوذ ہے اور یُمن کے معنی ہیں: برکت۔

امام ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ دائیں ہاتھ کو کھانے اور پینے کے لیے استعمال کریں اور باقی کاموں کے لیے بائیں ہاتھ کو استعمال کریں اور اگر اسے بائیں ہاتھ کو استعمال کرنے کی ضرورت ہو تو اس کو بالطبع استعمال کرے اور علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ اپنے آگے سے کھانے کا سنت ہونا متفق علیہ ہے اور اس کا خلاف کرنا مکروہ ہے اور شدید قبیح ہے جب کہ کھانا ایک قسم کا ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۷۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ قَالَ الْوَلِيدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنِي أَنَّهُ سَمِعَ وَهْبَ بْنَ كَيْسَانَ أَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ أَبِي سَلَمَةَ يَقُولُ كُنْتُ غُلَامًا فِي حَجْرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَكَانَتْ يَدِي تَطِيشُ فِي الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ يَا غُلَامُ سَمِّ اللهَ وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ طِعْمَتِي بَعْدُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی، الولید بن کثیر نے کہا: مجھے انہوں نے خبر دی کہ انہوں نے وہب بن کیسان سے سنا، انہوں نے حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے زیر پرورش ایک لڑکا تھا اور میرا ہاتھ پیالہ میں ادھر ادھر گھوم رہا تھا (یعنی کبھی ایک طرف سے کھاتا اور کبھی دوسری طرف سے کھاتا)، تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے لڑکے! بسم اللہ پڑھو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے آگے سے کھاؤ، پھر میں ہمیشہ اس کے بعد اسی طریقہ سے کھاتا رہا۔

(صحیح البخاری: ۵۳۷۷، ۵۳۷۸، صحیح مسلم: ۲۰۲۲، سنن ابوداؤد: ۳۷۷۷، سنن ابن ماجہ: ۳۲۶۷، مسند احمد: ۱۵۸۹۵، موطا امام مالک: ۱۷۳۸، سنن دارمی: ۲۰۱۹)

صحیح البخاری: ۵۳۷۶ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے دو جز ہیں، ایک جز ہے طعام سے پہلے بِسْمِ اللهِ پڑھنا اور دوسرا جز ہے دائیں ہاتھ سے کھانا اور یہ حدیث باب کے دوسرے جز کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے: علی بن عبد اللہ، اور وہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث میں سفیان کا ذکر ہے، وہ سفیان بن

عُیینہ ہیں۔

اس کی سند میں مذکور ہے کہ الولید بن کثیر نے کہا: یہ المخزومی القرشی ہیں اور اہل مدینہ سے ہیں۔ انہوں نے یہ خبر دی کہ الولید نے وہب بن کیسان سے سنا جو حضرت عبداللہ بن زبیر بن العوام کے آزاد شدہ غلام تھے۔ اسی طرح ہمیں سفیان نے خبر دی، الولید بن کثیر نے کہا کہ انہوں نے وہب بن کیسان سے سنا ہے اور اس کے آخر میں مذکور ہے: "أَخْبَرَنِيْ" اور یہ راوی کے تصرف میں سے ہے۔

اور حضرت عمر بن ابی سلمہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم، ابوسلمہ کا نام عبداللہ بن عبدالاسد ہے اور ان کی ماں کا نام برہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم ہے اور عمر مذکور کی ماں وہی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں اور حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ربیب تھے یعنی آپ کے زیر پرورش تھے، ان سے کئی احادیث مروی ہیں جو ان کے شرف صحبت کو واجب کرتی ہیں، یعنی ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہونے کا شرف اور فضیلت حاصل تھی اور ان کی عمر طویل ہوئی۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر بن ابی سلمہ نے کہا: میں غلام تھا یعنی نابالغ (لڑکا) تھا اور جب بچہ پیدا ہو تو اس کے بالغ ہونے تک اس کو غلام کہا جاتا ہے، اور حافظ ابن عبدالبر مالکی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما ہجرت کے دوسرے سال سرزمین حبشہ میں پیدا ہوئے تھے اور متعدد مورخین نے اس کی پیروی کی ہے، لیکن اس میں اعتراض ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ اس سے پہلے پیدا ہوئے تھے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ میں اور عمر بن ابی سلمہ عورتوں کے ساتھ خندق کے دن سے تھے اور وہ مجھ سے دو سال بڑے تھے اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی پیدائش صحیح قول کے مطابق ہجرت کے پہلے سال ہوئی تھی، پس حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما کی پیدائش ہجرت سے دو سال پہلے ہوئی تھی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس قائل کے اعتراض پر بھی اعتراض ہے، کیونکہ حافظ ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما کی عمر جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی، نو سال تھی، پس غور کرو، کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی ولادت ایک ہجری میں ہوئی تھی۔

حَجَر کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر پرورش تھا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لے پالک تھا۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: حجر کے لفظ میں حاء پر زبر بھی ہے اور حاء کے نیچے زیر بھی ہے اور وہی صحیح ہے۔

قاضی عیاض نے کہا ہے: حَجَر کا اطلاق پرورش کرنے پر بھی ہوتا ہے اور کپڑے پر بھی ہوتا ہے اور اس کے اندر اس لفظ پر زبر اور زیر دونوں جائز ہیں اور جب اس سے پرورش کے معنی کا ارادہ کیا جائے تو اس پر زبر ہی ہوگی یعنی اَلْحَجَر ہی ہوگا۔

صَحْفَة کا معنی

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ میرا ہاتھ جو تھا وہ پیالہ کے اطراف میں حرکت کر رہا تھا اور کسی ایک جگہ ٹھہر نہیں رہا تھا، اس حدیث میں "الصحفة" کا لفظ ہے، صَحْفة اس پیالے کو کہتے ہیں جس سے پانچ آدمی سیر ہو کر کھا سکیں اور "القصعة" اس بڑے

پیالہ کو کہتے ہیں جس سے دس آدمی سیر ہو کر کھا سکیں، پھر میں ہمیشہ اسی طرح کھاتا رہا یعنی میں ہمیشہ بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ کر کھاتا اور دائیں ہاتھ سے کھاتا اور اپنے قریب سے کھاتا۔

دائیں ہاتھ سے کھانے کا استحباب اور بائیں ہاتھ سے کھانے پر وعید

ہم نے عنقریب ذکر کیا ہے کہ کھانے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا حکم جمہور کے نزدیک استحباب پر محمول ہے اور رہا دائیں ہاتھ سے کھانے کا حکم تو بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ واجب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے اور بائیں ہاتھ سے کھانے کے اوپر وعید ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت سلمہ بن الاکوع سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو دیکھا جو بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اس نے کہا: میں دائیں ہاتھ سے کھانے کی طاقت نہیں رکھتا اور اس کو صرف تکبر نے منع کیا تھا، تو آپ نے فرمایا: تم اس کی طاقت نہیں رکھو گے۔ اس کے بعد وہ مرد اپنے منہ تک وہ ہاتھ نہیں پہنچا سکا۔

اور امام احمد نے سند حسن کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے شیطان اس کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔

اور امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔

شیطان اور جنات کے کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

علامہ طیبی نے کہا ہے کہ آپ نے جو فرمایا کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ شیطان اپنے ان دوستوں کو جو انسانوں میں سے ہیں، اس پر برانگیختہ کرتا ہے کہ تم بائیں ہاتھ سے کھاؤ تاکہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو ضرر پہنچے۔

اور بعض علماء نے کہا اس میں ظاہر سے عدول ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ خبر کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے کیونکہ شیطان حقیقتاً کھاتا ہے اور عقل کے نزدیک شیطان کا کھانا مستبعد نہیں ہے، اور جب حدیث میں شیطان کے کھانے کے متعلق حدیث وارد ہے تو اس میں تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ شیطان کے کھانے کے متعلق علماء کے تین قول ہیں:

(۱) شیطان کی ایک قسم ہے جو کھاتی ہے اور پیتی ہے۔

(۲) شیطان کی ایک قسم وہ ہے جو نہ کھاتی ہے اور نہ پیتی ہے۔

(۳) تمام شیاطین کھاتے ہیں اور پیتے نہیں ہیں، اور یہ قول ساقط الاعتبار ہے۔

اور حافظ ابو عمر نے اپنی سند کے ساتھ از وہب بن منبہ روایت کی ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ جنات کون ہیں؟ کیا وہ کھاتے اور پیتے ہیں اور کیا وہ نکاح کرتے ہیں اور مرتے ہیں، تو انہوں نے جواب دیا: جنات کی کئی اجناس ہیں، سو جو خالص الجن ہیں وہ صرف ہوا ہیں، وہ نہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں اور نہ ان میں توالد اور تناسل ہوتا ہے، اور ان کی بعض اجناس ایسی ہیں جو کھاتی ہیں اور پیتی ہیں اور ان میں توالد ہوتا ہے اور ان میں نکاح ہوتا ہے۔ انہی میں سے "السعالی" ہے اور "الغول" ہے اور "القطرب" وغیرہ ہیں۔

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ جنات کھاتے اور پیتے ہیں، ان کے دو قول ہیں:
(۱) ان کا کھانا اور پینا صرف سونگھنا ہے اس میں چبانا اور نگلنا نہیں ہوتا اور اس قول کے اوپر کوئی دلیل نہیں ہے۔
(۲) ان کے کھانے اور پینے میں چبانا اور نگلنا ہوتا ہے اور یہ وہ قول ہے جس کی احادیث صحیحہ میں تائید ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۳-۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۶ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ کر کھانے اور دائیں ہاتھ سے کھانے کے متعلق مزید احادیث

(۱) حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بیٹے! قریب ہو، پس بِسْمِ اللّٰہِ پڑھو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے یا اپنے قریب سے کھاؤ۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۷۷)
(۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شیطان اس طعام کو حلال قرار دیتا ہے جس پر اللہ کا نام نہ پڑھا جائے، پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ اللہ کا نام لو اور کھاؤ۔ (صحیح مسلم: ۲۰۱۷، کتاب الاشربہ، باب ادب الطعام والشراب واحکامہما)

میں کہتا ہوں: اس حدیث کا اصل متن درج ذیل ہے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک کھانے پر حاضر تھے، ہم کھانے پر ہاتھ نہیں رکھتے تھے، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے اوپر ہاتھ رکھتے اور ہم ایک مرتبہ آپ کے ساتھ کھانے پر حاضر تھے تو ایک باندی آئی، گویا وہ جلدی میں تھی اور وہ کھانے پر ہاتھ رکھنے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کو پکڑ لیا، پھر ایک دیہاتی آیا تو وہ بھی بہت جلدی میں تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان اس طعام کو حلال قرار دیتا ہے جس پر اللہ کے نام کا ذکر نہ کیا جائے اور شیطان اس باندی کے ساتھ آیا تھا کہ کھانے کو حلال قرار دے تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر اس دیہاتی کے ساتھ آیا کہ کھانے کو حلال کر دے، پھر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک اس کا ہاتھ میرے ہاتھ کے ساتھ تھا۔ (صحیح مسلم: ۲۰۱۷، سنن ابوداؤد: ۳۷۶۶، مسند احمد: ۹؛ ۲۳۳)
(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب تم میں سے کوئی ایک کھانا کھائے تو اس کو چاہیے کہ وہ کہے: بِسْمِ اللّٰہِ، پس اگر ابتداء میں وہ کہنا بھول جائے تو آخر میں کہے: بسم اللہ فی اولہ وآخرہ۔ (سنن ترمذی: ۱۸۵۸، سنن ابوداؤد: ۳۷۶۷)
(۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی مرد اپنے گھر میں جائے اور داخل ہوتے وقت اللہ کا نام لے اور کھانے کے وقت بھی اللہ کا نام لے تو شیطان کہتا ہے: نہ تمہارے لیے رات کا کوئی ٹھکانا ہے اور نہ رات کا کوئی کھانا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۰۱۸)
(۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور دائیں ہاتھ سے پانی پیے۔ (صحیح مسلم: ۲۰۲۰)
(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: وہ دائیں ہاتھ سے کوئی چیز لے اور دائیں ہاتھ سے کوئی چیز

دے۔(سنن ابن ماجہ:۳۲۶۹)

علامہ بوصیری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے رجال ثقات ہیں اور البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔(الاحادیث الصحیحۃ:۱۲۳۶)

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھ اصحاب کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، پس ایک اعرابی آیا اور اس نے وہ سارا کھانا دو لقموں میں کھا لیا تو آپ نے فرمایا: اگر یہ اعرابی بِسْمِ اللّٰہِ پڑھتا تو یہ کھانا تم سب کے لیے کافی ہو جاتا۔(سنن ترمذی:۱۸۵۸)

(۸) حضرت عکراش بن ذویب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا اور میرا ہاتھ پیالہ کے چاروں طرف گھوم رہا تھا تو آپ نے فرمایا: اے عکراش! ایک جگہ سے کھاؤ، کیونکہ یہ ایک کھانا ہے۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ ہمارے پاس ایک طباق لایا گیا جس میں مختلف قسم کے پھل تھے تو میں اپنے سامنے سے کھا رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ گھوم رہا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عکراش! تم جہاں سے چاہو کھاؤ، کیونکہ یہ مختلف قسم کے پھل ہیں۔

(سنن ترمذی:۱۸۴۸، سنن ابن ماجہ:۳۲۷۴، کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۳ ص ۱۲۵)

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر پیالہ یا رکابی یا پلیٹ میں ایک ہی قسم کے کھانے کی چیزیں ہوں تو صرف اپنے قریب سے کھانا چاہیے، اور اگر اس میں مختلف اجناس کی چیزیں ہوں تو پھر آدمی کو جو چیز اچھی لگے اس کو اٹھا کر کھائے۔

(سعیدی غفرلہ)

(۹) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک زہر آلود بکری لائی گئی، تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تم اللہ کا نام پڑھو اور کھاؤ، صحابہ نے کہا: ہم نے کھایا تو ہم میں سے کسی کو بھی اس زہر آلود گوشت سے ضرر نہیں ہوا۔

(کشف الاستار:۲۴۲۴، المستدرک ج ۴ ص ۱۰۹، حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی امام بزار نے روایت کی ہے اور اس کے رجال ثقات ہیں، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۵)

(۱۰) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھانا کھائے اور پانی پیے تو بائیں ہاتھ سے پیے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۱، مسند ابو یعلیٰ ج ۷ ص ۲۶۰-۲۶۱، المعجم الاوسط للطبرانی ج ۲ ص ۶۲، رقم الحدیث:۱۲۵۳)

(۱۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں سے کسی ایک کو منع کیا کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھائے۔

(صحیح مسلم:۲۰۱۹، کتاب الاشربہ، باب آداب الطعام والشراب واحکامہما)

(۱۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ (لے پالک) حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد سے فرمایا: جو چیز تمہارے ہاتھ میں ہے اس کو رکھ دو، پھر بِسْمِ اللّٰہِ پڑھو اور اپنے قریب سے کھاؤ تو تم سیر ہو جاؤ گے۔

(صحیح مسلم:۲۰۲۱، الاحاد والمثانی:۳۳۴۳، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۴ ص ۳۰۰، حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ امام طبرانی کی سند کے رجال ثقات ہیں، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۲-۲۳)

(۱۳) حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ اور اللہ کا نام لو۔

(سنن ابن ماجہ:۳۲۷۶، مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۰، المعجم الکبیر للطبرانی: ج ۲۲ ص ۹۰-۹۱، المستدرک ج ۴ ص ۱۱۶-۱۱۷، الاحادیث الصحیحہ للالبانی: ۲۰۳۰)

طعام پر بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے کے مسائل

طعام پر ابتداء میں بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا سنتِ موکدہ ہے بالاجماع اور بلند آواز سے بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا مستحب ہے تاکہ دوسروں کو تنبیہ ہو، اور کھانے کے آخر میں بلند آواز سے الحمدللہ پڑھنا بھی مستحب ہے اور اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا مستحب ہے، اگر کسی شخص نے عمداً بِسْمِ اللّٰهِ کو ترک کر دیا یا بھول کر یا جبر سے یا کسی اور وجہ سے، پھر وہ کھانے کے درمیان میں بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے پر قادر ہوا تو اس کو چاہیے کہ اس کا تدارک کرے اور یوں پڑھے: ''بسم اللہ اولا و آخرا'' جیسا کہ حدیث میں ہے۔

صرف بسم اللہ پڑھنے سے بھی ان احادیث پر عمل ہو جاتا ہے، اگر اس کے بعد بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھا تو یہ مستحسن ہے اور جتنے بھی کھانے والے ہیں وہ سب بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھیں، اگر ان میں سے کسی ایک نے پڑھ لیا تب بھی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے پڑھنے کے حکم پر عمل ہو جائے گا۔

اور اہلِ ظاہر کے نزدیک کھانے والے پر بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا فرض ہے۔ (المحلی ج ۷ ص ۴۲۴)

طعام کو دائیں ہاتھ سے کھانے کے مسائل

حدیث میں ہے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے، اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھانا نسیان کو پیدا کرتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۱) اور یہ حدیث استحباب پر محمول ہے، کیونکہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر فضیلت ہے اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی بہ نسبت زیادہ قوی اور ثابت ہے، کیونکہ دائیں ہاتھ کو ایمن کہتے ہیں اور یہ یُمن سے ماخوذ ہے جس کے معنی برکت اور شرف ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت کو یہ فضیلت عطا کی ہے کہ ان کو اصحاب الیمین فرمایا ہے، پس ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اچھے اور نیک اعمال کو دائیں ہاتھ سے شروع کیا جائے۔ سنن ابوداؤد میں یہ حدیث ہے کہ دائیں ہاتھ کو کھانے اور پینے کے لیے رکھا جائے اور بائیں ہاتھ کو باقی کاموں کے لیے۔

(سنن ابوداؤد:۳۲، الاحادیث الصحیحہ للالبانی:۲۵)

اور صحیح مسلم میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح مسلم:۲۶۲)

اگر بائیں ہاتھ کی مدد کی ضرورت ہو تو بالطبع بائیں ہاتھ کو بھی استعمال کرنا جائز ہے، کیونکہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تازہ کھجوروں کو خربوزوں کے ساتھ کھا رہے تھے، آپ کے ایک ہاتھ میں تازہ کھجور تھی اور دوسرے ہاتھ میں خربوزہ تھا۔

(المعجم الاوسط ج ۸ ص ۴۴، المستدرک: ج ۴ ص ۱۲۰-۱۲۱، شعب الایمان للبیہقی ج ۵ ص ۱۱۱، حافظ الہیثمی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند میں یوسف بن عطیہ بن السفار ہے اور وہ متروک ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۸) اور علامہ العراقی نے تخریج احادیث الاحیاء ج ۲ ص ۶۸ میں اور علامہ العجلونی نے کشف الاستار ج ۱ ص ۱۷۴ میں کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں یوسف بن عطیہ بن السفار ہے اور اس کے ضعف پر اجماع ہے)۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۷۲-۷۷، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کتاب الاذکار کے آداب الاکل میں لکھا ہے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ کا پڑھنا ان اہم کاموں میں سے ہے جن کی معرفت حاصل کرنی چاہیے اور افضل یہ ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھے اور اگر اس نے صرف بِسْمِ اللّٰهِ پڑھا تو بھی کافی ہے اور سنت حاصل ہو جائے گی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ علامہ نووی نے جو افضلیت کا دعویٰ کیا ہے، اس کے اوپر میں نے کوئی دلیلِ خاص نہیں دیکھی۔

کھانے سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے کا مستحب ہونا

اور امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ نے احیاء العلوم کی کتاب "آداب الاکل" میں لکھا ہے کہ اگر کھانے والے نے ہر لقمہ پر بِسْمِ اللّٰهِ پڑھی تو یہ مستحسن ہے اور مستحب یہ ہے کہ پہلے لقمہ کے ساتھ بِسْمِ اللّٰهِ پڑھے اور دوسرے لقمہ کے ساتھ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ پڑھے اور تیسرے لقمہ کے ساتھ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ میں نے اس کے استحباب پر کوئی دلیل دیکھی نہ اس کے تکرار پر۔

دائیں ہاتھ سے اور اپنے قریب سے کھانے کے متعلق فقہاء کے اقوال

ہمارے شیخ نے شرح الترمذی میں لکھا ہے کہ اکثر شافعیہ نے دائیں ہاتھ سے کھانے اور اپنے قریب سے کھانے کو مستحب قرار دیا، پھر علامہ نووی اور امام غزالی نے اس کو وثوق کے ساتھ لکھا ہے، لیکن امام شافعی نے "الرسالہ" میں اور "کتاب الام" میں ایک جگہ پر لکھا ہے کہ دائیں ہاتھ سے کھانا واجب ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اسی طرح اس مسئلہ کو الصیرفی نے "شرح الرسالہ" میں لکھا ہے اور علامہ بویطی نے اس کو اپنی مختصر میں نقل کیا ہے کہ راستہ میں ثرید کو کھانا اور کھجوروں کو ملا کر کھانا اس قبیل سے ہے کہ اس کی ضد حرام ہے، اور قاضی بیضاوی نے اپنی کتاب منہاج میں لکھا ہے کہ یہ مستحب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آگے سے کھاؤ، اور تاج الدین سبکی وغیرہ نے اس پر تعاقب کیا ہے کہ امام شافعی نے متعدد مقامات پر یہ تصریح کی ہے کہ جس شخص نے اپنے آگے سے نہ کھایا جب کہ اس کو معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے کہ کوئی شخص اپنے آگے کے بغیر سے نہ کھائے بلکہ ادھر ادھر سے کھائے، پھر بھی اگر اس نے ادھر ادھر سے کھایا تو وہ گنا ہگار ہوگا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۲۱-۵۲۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، فتح الباری ج ۶ ص ۵۶۸، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۶ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب مرد کے ساتھ کھانے میں کوئی اور شریک نہ ہو یا کھانا کئی قسم کا ہو تو پھر پیالہ میں ادھر ادھر سے کھانے کا جواز

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کھانے کی ابتداء میں بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنی چاہیے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے لڑکے! بِسْمِ اللّٰهِ پڑھو اور اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ بچوں کو آداب شریعہ سکھانا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لڑکے! بِسْمِ اللہِ پڑھو، اور اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ دائیں ہاتھ سے کھانا چاہیے، کیونکہ آپ نے فرمایا: دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے آگے سے کھاؤ، یہ حکم اس وقت ہے جب اس کے ساتھ کوئی دوسرا بھی ہو اور جب اس کے ساتھ کوئی اور نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنے آگے سے نہ کھائے اور ادھر ادھر سے کھائے اور یہ بھی اس صورت کے ساتھ مقید ہے کہ جب طعام مختلف اقسام کا نہ ہو، اگر طعام مختلف اقسام کا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنے آگے سے نہ کھائے، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سالن میں سے کدو (لوکی) کو تلاش کر کے کھا رہے تھے۔

(شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۴۳۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۶، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) بچوں کو طعام کے آداب اجتماعیہ کے سکھانے کی ضرورت۔

(۲) سنت یہ ہے کہ اپنے سامنے سے اور اپنے قریب سے کھائے۔

(۳) اس حدیث میں بائیں ہاتھ سے کھانے کی ممانعت ہے، کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔

تنبیہ لطیف

اس حدیث میں تین چیزیں ہیں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اور یہ تینوں آداب طعام سے ہیں۔

(۱) کھانے کے ارادہ کے وقت بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھنا یا بِسْمِ اللہِ پڑھنا۔

(۲) دائیں ہاتھ سے کھانا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں ہاتھ سے کھانے کی مذمت کی ہے۔ امام مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا جو بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا، آپ نے اس سے فرمایا: دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اس نے کہا: میں طاقت نہیں رکھتا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کی طاقت نہ رکھو گے، پھر وہ لقمہ کو اپنے منہ تک نہ لے جا سکا اور اس شخص نے محض تکبر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ (میں کہتا ہوں: اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ نے جو فرمایا تھا اسی طرح ہو گیا۔ سعیدی غفرلہٗ)

(۳) انسان اپنے آگے سے اور اپنے قریب سے کھائے اور برتن کے اطراف سے نہ کھائے، کیونکہ برتن کے اطراف سے کھانا مروت کے منافی ہے، گویا کہ وہ اپنے لیے سب سے اچھی چیز کو اختیار کر رہا ہے۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر والللآلی لشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۴۸-۱۴۹، المکتبۃ العصریہ، لبنان، ۱۴۳۲ھ)

۳۔ بَابُ: الْأَكْلِ مِمَّا يَلِيهِ — اپنے قریب سے کھانا

وَقَالَ أَنَسٌ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ وَلْيَأْكُلْ — حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ

كُلُّ رَجُلٍ مِمَّا يَلِيهِ۔ (کتاب ابن ابی عاصم فی الاطعمہ) کے نام کا ذکر کرو اور ہر شخص اپنے قریب سے کھائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جو تعلیق ہے، اس کو امام ابن ابی عاصم نے کتاب الاطعمہ میں روایت کیا ہے، اور اس کی اصل صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۷۷۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ الدِّيلِيِّ عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ أَبِي نُعَيْمٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ وَهُوَ ابْنُ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَكَلْتُ يَوْمًا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ طَعَامًا فَجَعَلْتُ آكُلُ مِنْ نَوَاحِي الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ كُلْ مِمَّا يَلِيكَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد العزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی از محمد بن عمرو بن حلحلہ الدیلی از وہب بن کیسان ابی نعیم از حضرت عمر بن ابی سلمہ اور وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ کے بیٹے تھے، انہوں نے بیان کیا کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا تو میں پیالہ کے اطراف سے کھا رہا تھا، مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے قریب سے کھاؤ۔

(صحیح البخاری: ۵۳۷۷، ۵۳۷۸، صحیح مسلم: ۲۰۲۲، سنن ابوداؤد: ۳۷۷۷، سنن ابن ماجہ: ۳۲۶۷، مسند احمد: ۱۸۹۵، موطا امام مالک: ۱۷۳۸، سنن دارمی: ۲۰۱۹)

علامہ عینی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ صحیح البخاری: ۵۳۷۶ میں جس حدیث کی روایت کی گئی ہے، یہ اس حدیث کی دوسری سند سے روایت ہے۔

امام مسلم نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھایا تو میں پیالہ کے اطراف سے گوشت کو اٹھا رہا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آگے سے کھاؤ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۷۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ أَبِي نُعَيْمٍ قَالَ أُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِطَعَامٍ وَمَعَهُ رَبِيبُهُ عُمَرُ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ فَقَالَ سَمِّ اللهَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از وہب بن کیسان ابو نعیم، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا لایا گیا اور آپ کے ساتھ آپ کے ربیب (لے پالک) عمر بن ابی سلمہ تھے، آپ نے فرمایا: اللہ کا نام لو اور اپنے قریب سے کھاؤ۔

(اس حدیث کی تخریج بھی حسب سابق ہے)۔

صحیح البخاری: ۵۳۷۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سوال کا جواب کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث مرسل کی روایت کیوں کی ہے؟

یہ حدیث مرسل ہے، کیونکہ وہب بن کیسان جو تابعی ہیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی ہے، سو یہ حدیث مرسل ہوگئی۔ اسی طرح امام مالک کے اصحاب نے الموطا میں اس کی روایت کی ہے اور خالد بن مخلد نے اور یحییٰ بن صالح الوحاظی نے اس حدیث کی سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے، ان دونوں نے کہا از امام مالک از وہب بن کیسان از حضرت عمر بن ابی سلمہ۔ اگر تم یہ سوال کرو کہ اسحاق بن ابراہیم الحنینی نے اس حدیث کی امام مالک سے روایت کی ہے از وہب بن کیسان از جابر؟ تو میں کہوں گا: یہ حدیث منکر ہے، اور اسحاق بن ابراہیم الحنینی ضعیف راوی ہیں۔

اگر تم سوال کرو کہ امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں کیوں روایت کیا جب کہ امام مالک سے یہ منقول ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے، میں کہوں گا: جب کہ اس سے پہلی سند کے ساتھ یہ واضح ہوگیا کہ وہب بن کیسان نے حضرت عمر بن ابی سلمہ سے اس حدیث کو سنا ہے تو یہ محقق ہوگیا کہ یہ حدیث اصل میں موصول ہے اگرچہ امام مالک نے اس کی سند کو مختصر کیا اور اس حدیث کے موصول ہونے کی تصریح نہیں کی، اس وجہ سے امام بخاری نے اس حدیث کی روایت کو جائز قرار دیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۵-۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۷۷، ۵۳۷۸ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کھانے پینے کے احکام اور آداب کے متعلق احادیث اور ان کی شروح

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک درزی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طعام کی دعوت دی جو اس نے تیار کیا تھا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طعام کی طرف گیا، درزی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے روٹی اور شوربہ رکھا جس میں کدو کے ٹکڑے تھے اور گوشت تھا، پس میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیالہ کے گرد سے کدو کے ٹکڑوں کو ڈھونڈ رہے ہیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: پس میں اس دن سے کدو سے محبت رکھتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۰۹۲، صحیح مسلم: ۲۰۴۱، سنن ترمذی: ۱۸۵۰، سنن ابوداؤد: ۳۷۸۲، مسند احمد: ۱۲۴۵۰، موطا امام مالک: ۱۱۲۱، سنن دارمی: ۲۰۵۰)

علامہ ابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۵۳۷۷ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ کے اطراف میں ہاتھ مارنے سے منع فرمایا اور حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ اپنے آگے سے کھاؤ، اور صحیح البخاری: ۲۰۹۲ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پیالہ کے اطراف سے کدو کے قتلوں کو ڈھونڈ کر کھایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیالہ کے اطراف میں ہاتھ مارنا جائز ہے۔

علامہ ابن التین نے ان دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ جب انسان کے ساتھ اس کے خدام اور عیال کے سوا اور کوئی نہ ہو تو پیالہ کے اطراف میں ہاتھ نہ مارے، اور جب انسان کے ساتھ اس کے خادم ہوں تو پھر پیالہ کے اطراف میں ہاتھ مارنا جائز ہے، کیونکہ دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ تھے اور درزی تھا اور وہ بھی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد شدہ غلام تھا جیسا کہ عنقریب باب الدباء میں آئے گا۔ (صحیح البخاری: ۵۴۳۳)

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے اس کی اجازت دی ہے کہ آدمی اپنے گھر والوں کے ساتھ کھائے اور اس کا ہاتھ پیالہ میں گھومتا رہے اور یہ اس وقت ہے کہ جب برتن میں ایک قسم کی کھانے کی چیزیں ہوں، اور اگر برتن میں مختلف انواع کی چیزیں ہوں، پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آدمی اپنے سامنے کے علاوہ برتن کے دوسرے اطراف سے بھی کھائے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے لکھا ہے کہ طعام کے آداب میں سے یہ ہے کہ جب برتن میں مختلف قسم کے کھانے کی چیزیں ہوں، تو پھر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ برتن کے کسی بھی طرف سے نکال کر کھانے کی چیزیں کھائے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عکراش سے اس وقت فرمایا جب آپ کے پاس ایک طباق میں تر اور خشک کھجوریں لائی گئیں تو آپ نے فرمایا: تم جہاں سے چاہو کھاؤ، کیونکہ یہ ایک قسم کی چیزیں نہیں ہیں۔

علامہ قرطبی مالکی نے لکھا ہے کہ اپنے قریب اور اپنے سامنے سے کھانا متفق علیہ سنت ہے اور اس کے خلاف کرنا شدید مکروہ اور قبیح ہے جب کہ طعام ایک قسم کا ہو، جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ (المفہم ج ۵ ص ۲۹۸) لیکن امام شافعی نے کتاب الام میں اور الرسالہ میں تصریح کی ہے کہ اپنے قریب کے علاوہ سے کھانا حرام ہے یعنی مکروہ تحریمی ہے جب کہ کھانے والے کو ممانعت کا علم ہو۔ (کتاب الام ج ۷ ص ۲۶۶)

آداب طعام کے متعلق متعدد اور متفرق فصول

علامہ ابن الملقن لکھتے ہیں: میں آداب طعام کے متعلق فصول متفرقہ ذکر کروں گا۔

شیخ ابن حزم ظاہری نے کہا ہے: کھانے پر بسم اللہ پڑھنا فرض ہے۔ (المحلی ج ۷ ص ۴۲۴)

گوشت کھانے کا جواز

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَآيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۖ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ (المومنون)

اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو، بے شک تم جو بھی کام کرتے ہو میں اس کو خوب جاننے والا ہوں ○

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۖ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (المائدہ)

اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو، جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○

ان آیتوں کے شان نزول کے متعلق امام ابن ابی عاصم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: بے شک میں جب گوشت کھاتا ہوں تو مجھ میں شہوت بیدار ہوتی ہے اور میں عورتوں کے پاس جاتا ہوں، تو انہوں نے گوشت کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا۔

(سنن ترمذی: ۳۰۵۴، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۳۵۰، الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۹۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گوشت کو چھری سے نہ کاٹو کیونکہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے اور

گوشت کو دانتوں سے کاٹ کر کھاؤ، یہ زیادہ خوش گوار اور لذیذ ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۷۸، امام ابوداؤد نے کہا: یہ حدیث قوی نہیں ہے)

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھا رہا تھا، پس میں گوشت کو ہڈی سے اپنے ہاتھ سے چھڑا رہا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہڈی کو اپنے منہ کے پاس لے جاؤ، یہ زیادہ خوشگوار اور زیادہ لذیذ ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۷۷۹، امام ابوداؤد نے کہا: یہ حدیث عثمان بن ابی سلیمان نے حضرت صفوان سے روایت کی ہے، اور عثمان کا صفوان سے سماع نہیں ہے، سو یہ حدیث مرسل ہے)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کا دودھ بہت زیادہ محبوب تھا۔

(سنن ابوداؤد: ۳۷۸۰)

محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کی دستی کا گوشت زیادہ محبوب تھا اور آپ کو بکری کی دستی میں زہر دیا گیا تھا اور ان کا گمان یہ تھا کہ یہود نے آپ کو زہر دیا تھا۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۸۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ پسندیدہ کھانا وہ تھا جو ثرید ہو یعنی جو گوشت کے سالن اور روٹی کے ٹکڑوں کو ملا کر بنایا گیا ہو۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۸۳، امام ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے)

طعام کے حصول کے آداب

جب آدمی طعام کو حاصل کرے تو اس کو خود خریدے اور اس کے لیے خود عمل کرے اور اس کا وہ عمل حلال محض ہونا چاہیے۔

کسب اور کمانے کی جہت سے ضروری ہے کہ وہ بیع فاسد سے اور اس کے مشابہ بیوع سے اجتناب کرے، امام دارمی نے کتاب الاطعمہ میں یہ حدیث روایت کی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مرد بھی حلال مال سے کمائے تو وہ اسے خود بھی کھائے اور خود بھی پہنے اور اللہ کی مخلوق میں سے تم جس کو دیکھو اسے کھلاؤ اور پلاؤ، کیونکہ یہ اس آدمی کے لیے زکوۃ ہو جائے گی۔

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں کہ اس حدیث کی امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے (صحیح ابن حبان: ۴۲۳۶) اور الحاکم نے المستدرک میں روایت کی ہے (ج ۴ ص ۱۲۹) اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں بہت طویل روایت کی ہے (ج ۲ ص ۸۶) اور البانی نے اس کو ضعیف اور جامع میں ذکر کیا ہے۔ (۲۲۳۹)

نیز علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: جس مال سے انسان نے طعام حاصل کیا ہے، ضروری ہے کہ وہ مال رشوت نہ ہو اور نہ کسی فاسد چیز کا عوض ہو اور نہ کسی بدعتی کے ہاتھ سے وہ طعام لیا ہو اور نہ ظالم کے ہاتھ سے اور نہ وہ مال سود پر مشتمل ہو اور نہ ایسے تاجر سے مال حاصل کیا ہو جس کی غالب کمائی حرام ہو، اور اگر کوئی نیک آدمی اس کو طعام پیش کرے تو وہ اس کے متعلق اس سے سوال نہ کرے اور وہ یہ نیت رکھے کہ اس کا حصول اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہے اور وہ اس طعام کو اس نیت کے ساتھ کھائے کہ اس کے کھانے سے اس کو عبادت پر طاقت حاصل ہوگی اور اگر اس نے لذت کی نیت سے طعام کو کھایا تو یہ بھی جائز ہے، اور وہ منعم کا شکر ادا کرے۔

کھانے سے پہلے ہاتھوں کو دھونا

طعام کے آداب میں سے یہ ہے کہ کھانے سے پہلے صفائی کے حصول کے لیے ہاتھوں کو دھوئے، ہر چند کہ اس میں ایک حدیث

ضعیف بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھوں کو دھونا فقر اور تنگدستی سے بچاتا ہے اور بعد میں ہاتھوں کو دھونا گناہوں سے بچاتا ہے، (اس حدیث کو امام ابن الجوزی نے ضعیف قرار دیا ہے)۔

نیز حدیث میں ہے:

طعام کی برکت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے بھی ہاتھوں کو دھوئے اور کھانے کے بعد بھی ہاتھوں کو دھوئے۔

(سنن الترمذی ۱۸۴۶، سنن ابوداؤد: ۳۷۶۱، مسند احمد ج ۵ ص ۴۴۱، المستدرک ج ۴ ص ۱۰۶-۱۰۷)

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے آئے تو آپ کے پاس طعام لایا گیا، تو گھر والوں نے آپ سے وضو کرنے کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: میں نماز پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہوں جو وضو کروں؟

(صحیح مسلم: ۳۷۴، الرقم المسلسل: ۷۱۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، آپ قضاء حاجت سے آئے، آپ کے پاس طعام لایا گیا، آپ سے کہا گیا: کیا آپ وضو نہیں کریں گے، آپ نے فرمایا: کیوں؟ کیا میں نماز پڑھ رہا ہوں جو وضو کروں؟

(صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۷۱۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے آئے تو آپ کے پاس طعام لایا گیا، آپ نے وہ کھایا اور پانی کو نہیں چھوا۔ (صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۷۱۶)

علامہ ابن الملقن لکھتے ہیں کہ کھانے والا ہاتھ دھونے سے عبادت کی نیت کرے، کیونکہ جب اس نے یہ نیت کی کہ اس کو کھانے سے عبادت پر طاقت حاصل ہوگی تو اس کے لیے مستحب ہے کہ ہاتھوں کو دھوئے اور وہ کھانے کے بعد بھی ہاتھوں کو دھوئے۔

میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں کھانے سے پہلے وضو کرنے پر اعتراض کیا اور فرمایا: میں کوئی نماز تو نہیں پڑھ رہا جو وضو کروں، تو ان احادیث میں کھانے سے پہلے ہاتھوں کو دھونے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ آپ نے یہ تعلیم دی ہے کہ کھانے سے پہلے وضو کرنا فرض نہیں ہے، وضو کرنا صرف نماز کے لیے ہے اور کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھوں کو دھونے کا ثبوت ان احادیث میں ہے جو سنن ترمذی اور سنن ابوداؤد وغیرہما کے حوالہ سے ابھی گزری ہیں۔

''خوان'' اور ''سفرۃ'' یعنی دسترخوان پر کھانا

کھانے والے کو چاہیے کہ زمین پر بیٹھ کر کھائے نہ کہ دسترخوان پر، کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے کے دسترخوان پر نہیں کھاتے تھے، لیکن اگر اس نے دسترخوان پر کھانا رکھ کر کھایا تو اگرچہ یہ بدعت ہے لیکن اس میں کوئی کراہت نہیں ہے اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سُفَر یعنی چمڑے کے دسترخوان پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے کے دسترخوان پر اور نہ رکابی یا پلیٹ پر رکھ کر کھانا کھایا، قتادہ نے پوچھا: پھر وہ کس چیز پر کھاتے تھے؟ انہوں نے کہا: وہ چمڑے کے دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۳۶۸، سنن ابوداؤد: ۳۲۹۲، سنن ترمذی: ۱۷۹۵)

میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے کے دسترخوان اور رکابی یا پلیٹ میں کھانا رکھ کر کھانے سے منع بھی نہیں فرمایا۔ غالباً

اس زمانہ میں ان چیزوں پر کھانا رکھ کر کھانے کا معمول نہیں تھا۔اسی طرح میز اور کرسی پر کھانا رکھ کر کھانے سے بھی آپ نے منع نہیں فرمایا، کیونکہ اس زمانہ میں اس کا معمول نہیں تھا،لیکن چونکہ وقت کے بدلنے سے تمدن اور معاشرت کی چلن اور طور طریقے بدل جاتے ہیں، اس زمانہ میں چمڑے کے مستطیل ٹکڑوں پر رکھ کر کھانا کھایا جاتا تھا،لیکن اب چونکہ اتنا وافر چمڑا دستیاب نہیں ہوتا اور تہذیب اور تمدن کے تقاضوں سے اب گھروں میں پلاسٹک کی شیٹس، کپڑے کے دسترخوان اور پلیٹوں پر رکھ کر کھانا کھاتے ہیں اور ہوٹلوں میں میز اور کرسی پر رکھ کر کھانا کھایا جاتا ہے اور ان چیزوں کی شریعت میں ممانعت نہیں ہے، لہٰذا اب اگر اس طرح کھانا کھایا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

کھانے کے وقت بیٹھنے کا طریقہ

کھانے والے کو چاہیے کہ زمین پر بیٹھے اور دایاں پیر نصب کرلے اور بائیں پیر پر بیٹھے اور لیٹے نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام سے بھیجا، جب میں واپس آیا تو آپ کھجوریں کھا رہے تھے اور آپ بہ طور اقعاع بیٹھے ہوئے تھے، یعنی سرین کے بل بیٹھے ہوئے تھے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۷۱، صحیح مسلم: ۲۰۴۴)

حضرت ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔
(صحیح البخاری: ۵۳۹۸، سنن ابوداؤد: ۳۷۶۹، سنن ترمذی: ۱۸۳، سنن ابن ماجہ: ۳۲۶۲)

نمکین چیز کو کھانے سے ابتداء کرنا

اور کھانے کے آداب میں سے یہ ہے کہ نمکین چیز سے کھانے کی ابتداء کرے، ابن طاہر نے صفۃ التصوف میں از جعفر بن محمد از والد خود از جد خود یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! نمکین چیز سے ابتداء کرو اور اسی پر ختم کرو، کیونکہ اس میں ستر بیماریوں سے شفاء ہے۔ (بغیۃ الباحث: ۴۶۸، اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

دائماً گوشت کھانے سے اجتناب کرنا چاہیے

اور دائماً گوشت نہ کھائے، کیونکہ حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے منع کیا ہے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۴۵۲۰، ۲۴۵۲۱)

کھانے میں تکلف نہ کیا جائے

انسان کو جو کھانے کی چیز مل جائے اس پر راضی رہے اور تکلف نہ کرے اور اکیلے نہ کھائے، کیونکہ جب وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ کھائے گا تو اس سے تکبر دور ہوگا۔ (شعب الایمان للبیہقی ج ۵ ص ۱۵۳، یہ حدیث حضرت جابر پر موقوف ہے)

کھانا پکانے والے خادم کو بھی اپنے ساتھ کھانا کھلائیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک کے پاس اس کا خادم کھانا لے کر آئے تو اگر وہ اس کو اپنے ساتھ بٹھا کر نہ کھلا سکے تو اس کو ایک لقمہ یا دو لقمے کھلائے، کیونکہ اس نے کھانا پکانے کی مشقت برداشت کی ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۵۵۷، صحیح مسلم: ۱۶۶۳، سنن ترمذی: ۱۸۵۳، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۹، مسند احمد: ۷۴۹۲، سنن دارمی: ۲۰۷۴)

مجوسی کے برتنوں کو دھوئے بغیر ان میں کھانا نہ کھائے

اگر کسی شخص کو مجوسی کے برتنوں میں کھانے کی ضرورت پڑے تو ان برتنوں کو دھو کر ان میں کھائے ، کیونکہ حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مجھے مجوسی کے برتنوں کے بارے میں بتلائیں ، جب ہمیں ان کے برتنوں میں کھانے کی ضرورت ہو ، تو آپ نے فرمایا: ان برتنوں کو دھو لو اور پھر ان میں کھانا کھا لو۔ (سنن ابوداؤد: ۳۸۵۷)

اگر چہ گنجائش ہو پھر بھی آدھے پیٹ کھانا کھائے

حدیث میں ہے: پیٹ کا تیسرا حصہ کھانے کیلئے ہے اور پیٹ کا تیسرا حصہ پانی کے لیے اور پیٹ کا تیسرا حصہ سانس کے لیے۔
(سنن الترمذی: ۲۳۸۰ ، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۴ ص ۱۷۷ ، مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۲ ، صحیح ابن حبان ج ۱۲ ص ۴۱ ، المستدرک لسی تم ج ۴ ص ۱۲۱)
اور المہلب نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط کے سال یہ ارادہ کیا کہ ہر گھر پر یہ لازم کر دیں کہ اپنے ساتھ دوسرے گھر کے لوگوں کو بھی کھلائیں اور فرمایا: کوئی آدمی اگر اپنی نصف خوراک کو کھائے گا تو وہ ہلاک نہیں ہوگا۔

کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا

کھانے کے بعد بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور یہ کلمات کہے:
''الحمد للہ حمدا طیبا مبارکا فیہ غیر مکفی ولا مکفور ولا مودع ولا مستغنی عنہ ربنا'' ، جیسا کہ اس کا ذکر عنقریب صحیح البخاری: ۵۴۵۸ میں آئے گا۔

مذکور دعا کا ترجمہ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جو بہت زیادہ بہت پاکیزہ اور بہت برکت والا ہے ، ہم اس کھانے کا پوری طرح حق ادا نہ کر سکے اور یہ کھانا ہمیشہ کے لیے رخصت نہیں کیا گیا ہے (یہ اس لیے کہا تا کہ) اس سے ہم کو بے پرواہی کا خیال نہ ہو ، اے ہمارے رب!

ایک تھال سے جمع ہو کر کھانا

ایک طشت یا ایک تھال میں لوگ جمع ہو کر کھائیں ، کیونکہ حدیث میں ہے:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تھالوں کی حفاظت کرو اور مجوس کی مخالفت کرو۔ (شعب الایمان ج ۵ ص ۷۱ ، تاریخ بغداد ج ۵ ص ۹)
اور گیلے ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کو صاف کرے اور ہاتھ کو نہ جھاڑے ، کیونکہ حدیث میں ہے:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم وضو کرو تو اپنی آنکھوں کو پانی کے ساتھ دھوؤ۔
(مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۶ ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰ ، الطبرانی ج ۴ ص ۱۷۷ ، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۳۵ ، ج ۵ ص ۳۰)
میں کہتا ہوں: کہ میڈیکل سائنس سے بھی یہ ثابت ہے کہ آنکھوں کو دھونے سے آنکھوں کی حفاظت ہوتی ہے اور بینائی تیز ہوتی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

کھانے کے بعد دانتوں میں خلال کرنا

کھانا کھانے کے بعد کلی کرنی چاہیے اور کھانے کے ذرات کو منہ سے صاف کرنا چاہیے اور دانتوں میں جو گوشت کے ریشے

پھنسے ہوئے ہوں، ان کو نکالنا چاہیے، کیونکہ حدیث میں ہے:

کتنے اچھے لوگ ہیں وہ جو کھانے کے بعد خلال کرتے ہیں، کیونکہ بندہ کے ساتھ جو فرشتہ ہوتا ہے، اس پر اس سے زیادہ کوئی چیز دشوار نہیں ہوتی کہ اسے کھانے کی بد بو آئے۔

اور اگر اس کے دانتوں میں جو گوشت کے ریشے ہیں اس کو اس نے زبان سے کھالیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سرمہ لگایا تو طاق مرتبہ لگائے، جس نے ایسا کیا تو اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں اور جس نے استنجا کیا وہ بھی طاق مرتبہ کرے، جس نے ایسا کیا تو اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں، اور جس نے کھانا کھایا تو جو اس کے دانتوں میں گوشت کے ریشے پھنسے ہیں وہ ان کو نکال کر پھینک دے، اور جس نے ان کو زبان سے کھالیا ہے تو اس کو نگل لے، جس نے ایسا کیا تو اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ الحدیث۔

(سنن ابوداؤد: ۳۵، سنن ابن ماجہ: ۳۴۹۸)

مجذوم (جس کو جذام یا کوڑھی کا مرض ہو) کو ساتھ بٹھا کر کھلانا

اگر مرد کے ساتھ کوئی بیمار آدمی کھانا کھائے تو وہ اس سے الگ نہ ہو، بشرطیکہ اس پر یہ آسان ہو اور اسے مرض کے متعدی ہونے کا خوف نہ ہو، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجذوم کا ہاتھ پکڑا، اور اس کے ہاتھ کو پیالہ میں رکھا اور فرمایا: اللہ پر اعتماد کر کے کھاؤ اور اس پر توکل کر کے کھاؤ۔ (سنن ابوداؤد: ۳۹۲۵، سنن ترمذی: ۱۸۱۷، سنن ابن ماجہ: ۳۵۴۲)

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ پر شدید متوکل تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے وحی سے یہ مطلع فرمایا تھا کہ اس مجذوم کو ساتھ کھلانے سے آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے: کہ جذام کے مریض سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہیں۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ نے شیر کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی ہے کہ جذام کے مرض کا جرثومہ بعینہٖ شیر کی شکل کا ہوتا ہے، اور جدید میڈیکل سائنس سے بھی ثابت ہے کہ مہلک بیماریاں متعدی ہوتی ہیں، اس لیے مہلک بیماریوں والے کے ساتھ کھانے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ (سعیدی غفرلہٗ) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۸۰-۹۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن الملقن نے کھانے کے آداب میں اور بھی بہت مسائل ذکر کیے ہیں، لیکن ہم نے جتنے مسائل ذکر کیے ہیں اور ان کی تائید میں احادیث تلاش کر کے لکھی ہیں ان میں کفایت ہے۔

۴۔ بَابٌ: مَنْ تَتَبَّعَ حَوَالَيِ الْقَصْعَةِ مَعَ صَاحِبِهِ إِذَا لَمْ يَعْرِفْ مِنْهُ كَرَاهِيَةً

پیالہ کے اطراف سے کھانے کا جواز جب کھانے والے کو معلوم ہو کہ اس کے ساتھ کھانے والے کو اس سے کراہیت نہیں ہوگی

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پیالہ کے اطراف میں ہاتھ بڑھانا جائز ہے، جب کہ ہاتھ بڑھانے والے کو یہ معلوم ہو کہ اس کے اس عمل سے اس کے صاحب کو کراہیت نہیں ہوگی۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ یہ عنوان اس سے پہلے وارد شدہ احادیث کے خلاف ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ اپنے قریب سے کھاؤ۔

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے اس عنوان کو اس صورت پر محمول کیا ہے کہ جب چاروں طرف ہاتھ بڑھانے والے کو یہ معلوم ہو کہ جو اس کے ساتھ کھانا کھا رہا ہے وہ اس کے اس امر پر راضی ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں حضرت انس کی اس حدیث کو ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیالہ سے کدو تلاش کر کے کھا رہے تھے اور یہ حدیث بظاہر اس سے پہلے ذکر کی ہوئی ان احادیث کے خلاف ہے جن میں آپ نے یہ حکم دیا ہے کہ تم اپنے قریب سے کھاؤ، پس امام بخاری نے ان میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ جب کھانے والے کو یہ علم ہو کہ جو اس کے ساتھ کھا رہا ہے، وہ اس کے اس عمل پر راضی ہوگا تو اس کا اس طرح کرنا جائز ہے، اور اس میں اشارہ کیا ہے کہ حضرت عکراش کی وہ حدیث ضعیف ہے جس کی امام ترمذی نے روایت کی ہے، کیونکہ اس حدیث میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کھانا ایک قسم کا ہو تو وہ اپنے قریب کے کھانے سے تجاوز نہ کرے اور اگر کھانا کئی قسم کا ہو تو پھر اس کا اپنے قریب کے کھانے سے تجاوز کرنا جائز ہے۔

اور بعض شارحین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو اس پر محمول کیا ہے کہ جب کھانا شوربہ اور کدو اور گوشت پر مشتمل ہو اور کھانے والے کو کدو پسند ہو تو جو اس کو پسند نہیں ہے وہ اس کو چھوڑ دے، مثلاً گوشت کو چھوڑ دے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۲۴، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، فتح الباری ج ۶ ص ۵۷۰، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر سے مناقشہ

علامہ عینی تحریر فرماتے ہیں:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ابو الہذیل نے بیان کیا: مجھے عبید اللہ بن عکراش نے حدیث بیان کی از والد خود عکراش بن ذؤیب، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے بنو مرہ بن عبید نے اپنے اموال کے صدقات دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا، میں آپ کے پاس وہ صدقات لے کر مدینہ میں آیا، میں نے دیکھا آپ مہاجرین اور انصار کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر لے گئے، آپ نے پوچھا: کیا گھر میں کھانے کی کوئی چیز ہے؟ تو ہمارے پاس ایک بڑا برتن لایا گیا جس میں بہت زیادہ ثرید (گوشت کے سالن میں روٹی کے ٹکڑے ڈالے ہوئے ہوں تو اس کو ثرید کہتے ہیں) تھا، پس ہم اس میں سے کھانے لگے تو میرا ہاتھ برتن میں گھوم رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سامنے سے کھا رہے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرے دائیں ہاتھ کو پکڑ لیا اور پھر فرمایا: اے عکراش!

ایک جگہ سے کھاؤ، کیونکہ یہ ایک قسم کا کھانا ہے، پھر ہمارے پاس ایک طباق لایا گیا جس میں مختلف اقسام کی خشک اور تر کھجوریں تھیں، تو میں اپنے سامنے سے کھانے لگا اور رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ طباق میں چاروں طرف گھوم رہا تھا، آپ نے فرمایا: اے عکراش! تم جس جگہ سے چاہو کھاؤ، کیونکہ یہ ایک قسم کا کھانا نہیں ہے، پھر ہمارے پاس پانی لایا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کو دھویا اور اپنے ہاتھوں کی تری سے اپنے چہرے، کلائیوں اور سر پر مسح کیا اور فرمایا: اے عکراش! یہ ان چیزوں کے کھانے کے بعد وضو ہے جن کو آگ نے متغیر نہ کیا ہو۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے، ہم اس کو صرف العلاء بن فضل کی حدیث سے پہچانتے ہیں اور علاء اس حدیث میں متفرد ہیں، اور ہم عکراش کو نبی ﷺ کی صرف اسی حدیث سے پہچانتے ہیں۔

(سنن ترمذی: ۱۸۴۸)

علامہ عینی فرماتے ہیں:

کاش میری عقل حافظ ابن حجر عسقلانی کے پاس موجود ہوتی، انہوں نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ امام بخاری نے اس حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۷۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ إِنَّ خَيَّاطًا دَعَا رَسُولَ اللهِ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَهُ قَالَ أَنَسٌ فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَرَأَيْتُهُ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالَيِ الْقَصْعَةِ قَالَ فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمِئِذٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کے کھانے کی دعوت کی جو اس نے تیار کیا تھا، تو حضرت انس نے کہا: پس میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گیا، پس میں نے دیکھا کہ آپ پیالہ کے اطراف سے کدو (یعنی لوکی) کے قتلوں کو تلاش کر رہے تھے۔ حضرت انس نے بتایا پس میں اس دن سے ہمیشہ لوکی سے محبت کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۰۹۲، ۵۳۷۹، ۵۴۲۰، ۵۴۳۳، ۵۴۳۵، ۵۴۳۶، ۵۴۳۷، ۵۴۳۹، صحیح مسلم: ۲۰۴۱، سنن ترمذی: ۱۸۵۰، سنن ابو داؤد: ۳۷۸۲، مسند احمد: ۱۲۴۵۰، موطا امام مالک: ۱۱۶۱، سنن دارمی: ۲۰۵۰)

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۹۲ میں گزر چکی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۷۹ کی شرح از علامہ ابن ملقن

جب کسی کو کھانے والے کے پیالہ میں ہاتھ کی گردش سے گھن نہ آئے تو پھر کھانے والے کے ہاتھ کا پیالہ میں گردش کرنا جائز ہے

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ وہ پہلے ایک باب قائم کرتے ہیں جس میں کسی چیز کا بیان ہوتا ہے، پھر اس کے بعد دوسرا باب بیان کرتے ہیں جس سے پہلے باب کی مراد ظاہر ہوتی ہے، پس پہلے امام بخاری نے یہ حدیث ذکر کی کہ ہر شخص اپنے قریب سے

اور سامنے سے کھائے، پھر اس کے بعد یہ باب بیان کیا کہ جب ایسی حالت ہو کہ کھانے والے کو پتہ ہو کہ دوسرے آدمی کو اس کے ہاتھ کے پیالہ کے اطراف میں گھومنے سے کراہت نہیں آئے گی تو پھر پیالہ کے اطراف سے کھانا جائز ہے۔ تو اس لیے درحقیقت یہ حدیث پہلی حدیث کی تفسیر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی پیالہ میں گردش کسی صحابی کو ناگوار نہیں تھی، کیونکہ صحابہ تو آپ کے لعابِ دہن اور آپ کے بلغم سے بھی تبرک حاصل کرتے تھے

اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جب کوئی شخص اپنے گھر والوں کے ساتھ نہ کھا رہا ہو اور ان لوگوں کے ساتھ کھا رہا ہو جو کھانے کے پیالہ میں اس کے ہاتھ کی گردش کو مکروہ سمجھیں تو اس کو صرف اپنے سامنے سے کھانا چاہیے، لیکن جب وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ کھائے جو اس کے خالص بھائی ہوں اور ان پر اس کے ہاتھ کا پیالہ کے اطراف میں گردش کرنا ناپسندیدہ نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ پیالہ کے اطراف سے کھائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ہاتھ پیالہ کے اطراف میں اس لیے گردش کر رہا تھا کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ کسی کو بھی آپ کے ہاتھ کا پیالہ میں گردش کرنا ناگوار نہیں گزرے گا اور کسی کو اس سے گھن نہیں آئے گی بلکہ ہر مومن کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ آپ کے لعابِ مبارک سے تبرک حاصل کرے اور جس چیز کو آپ کے ہاتھ نے چھوا ہے، اس سے برکت حاصل کرے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغم تھوکتے تھے تو صحابہ اس بلغم سے تبرک حاصل کرتے تھے، اسی وجہ سے اگر آپ کسی کے ساتھ کھاتے اور آپ کا ہاتھ پیالہ میں گردش کرتا تو کسی کو ناگوار نہیں ہوتا تھا اور کسی کو اس سے گھن نہیں آتی تھی۔

حدیث مذکور میں بعض اضافات

حافظ ابن عبد البر مالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے لکھا ہے کہ الموطا میں تمام رواۃ سے یہ حدیث اسی طرح مذکور ہے اور بعض راویوں نے اس میں گوشت کا بھی اضافہ کیا ہے، امام ابونعیم نے از اسحاق از حضرت انس رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ کہ میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سالن لایا گیا جس میں لوکی کے قتلے اور گوشت تھا۔ الحدیث۔ اور اس حدیث کا امام بخاری نے بھی ذکر کیا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ (صحیح البخاری: ۵۴۳۷، باب القدید)

اور امام مالک نے اس حدیث کو شادی کے ولیمہ کے باب میں داخل کیا ہے۔ (التمہید ج ۱ ص ۲۷۱-۲۷۲، بیروت)

حدیث میں مذکور درزی کا تذکرہ اور لوکی کے قتلوں کے متعلق دیگر احادیث

ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ درزی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے اور انہوں نے اس کا ذکر باب الدباء میں کیا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ (صحیح البخاری: ۵۴۳۳)

اور امام بخاری نے اس باب میں یہ حدیث ذکر کی ہے: "جس نے کسی مرد کو کھانے کی دعوت دی"۔ پس امام بخاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آزاد کردہ غلام پر داخل ہوئے جو درزی تھا، وہ آپ کے پاس ایک پیالہ لایا جس میں طعام تھا اور اس پر لوکی کے قتلے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوکی کے قتلوں کو تلاش کر رہے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب میں نے یہ دیکھا تو میں نے لوکی کے قتلوں کو جمع کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا، اور امام بخاری نے "باب القدید" میں بھی اس

حدیث کی روایت کی ہے، یہ حدیث عنقریب صحیح البخاری: ۵۴۳۵ میں آئے گی، اور یہ حدیث اس باب کی موافق ہے۔

اور امام مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں لوکی کے قتلوں کو آپ کے آگے ڈال رہا تھا اور خود اس میں سے نہیں کھا رہا تھا۔ اور امام مسلم کی روایت میں ہے: آپ کے سامنے جو کی روٹی اور لوکی کا شوربہ اور گوشت ایک پیالہ میں پیش کیا گیا اور اس پیالہ میں ثرید تھا اور اس میں لوکی کے قتلے تھے۔ (صحیح مسلم: ۲۰۴۱، کتاب الاشربہ باب: اکل المرق)

اور امام دارمی نے کتاب الاطعمہ میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوکی کے قتلے پسند تھے، تو میں لوکی کے قتلوں کو پکڑتا اور آپ کے آگے رکھتا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ آپ اس سے خوش ہوتے ہیں۔

اور امام ترمذی نے حکیم بن جابر سے روایت کی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو میں نے آپ کے پاس لوکی کے قتلے دیکھے، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا: اس سے ہم اپنے طعام میں اضافہ کرتے ہیں۔ (الشمائل المحمدیہ: ۱۶۳، یعنی شمائل ترمذی)

کھانے والے کے ہاتھ کی پیالہ میں گردش کا جواز

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں پیالہ کے اندر ہاتھ کی گردش کا ثبوت ہے اور اہل علم کے نزدیک یہ صرف اس شخص کے لیے جائز ہے جو رئیس ہو اور گھر کا مالک ہو اور نیز جب شوربہ اور سالن اور باقی کھانوں میں کھانے کی دو قسمیں ہوں یا کئی اقسام ہوں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ کھانے والے کا ہاتھ برتن میں گردش کرے، کیونکہ جب دستر خوان میں مختلف قسم کے کھانے ہوں تو کھانے والے کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ جہاں سے چاہے کھائے، اور جب کہ اس پیالہ میں کئی قسم کی چیزیں تھیں، گوشت تھا اور لوکی کے قتلے تھے اور ثرید تھا یا شوربہ تھا تو کھانے والے کے لیے یہ مستحسن تھا کہ وہ جہاں سے چاہے نکال کر کھائے۔ (التمہید ج ۱ ص ۲۷۶-۲۷۷)

علامہ ابن التین شارح بخاری نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل اس لیے کیا کہ آپ تنہا کھا رہے تھے، کیونکہ حدیث میں مذکور ہے کہ درزی اپنے کام پر چلا گیا تھا اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں آپ کے آگے لوکی کے قتلے ڈال رہا تھا اور خود نہیں کھا رہا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا رکھ کر درزی کا اپنے کام کرنے کے لیے چلے جانا، اس میں کوئی بے ادبی نہیں ہے، اور نہ کسی اور کے لیے بے ادبی ہے اگر وہ اس طرح کرے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو مقرر رکھا اور اس پر انکار نہیں کیا۔ اور اگر میزبان اس پر قادر ہو کہ وہ مہمان کے ساتھ کھائے تو اس میں میزبان کی خوشی کے زیادہ اثرات ہیں اور اگر کوئی ایسا نہ کرے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

اسی سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیالہ کے وسط سے کھانے کو مکروہ فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ برکت پیالہ کے وسط میں نازل ہوتی ہے۔

علامہ حمد بن محمد خطابی شافعی المتوفی ۳۸۸ھ نے کہا ہے: یہ اس وقت ہے جب آدمی دوسروں کے ساتھ کھانا کھا رہا ہو۔ اس وقت وہ پیالہ کے وسط سے نہ کھائے لیکن جب وہ اکیلا کھا رہا ہو تو پھر پیالہ کے وسط سے کھانا بھی جائز ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ جو لوکی سے محبت کرتے تھے، اس کی توجیہ

اس حدیث میں صالحین کے ساتھ مشابہت کی حرص ہے اور اہلِ خیر کے کھانے کے طریقہ کی اتباع کرنے کی ترغیب ہے اور تمام احوال میں ان سے برکت حاصل کرنے کا ثبوت ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۹۹-۱۰۳، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے کھانے پینے پر کفار کا اعتراض اور اس کے جوابات

میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے کھانے پینے پر درج ذیل اعتراض کا ذکر ہے:

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ (المومنون)

اور رسول کی قوم کے وہ کافر سردار جنہوں نے آخرت کی ملاقات کی تکذیب کی تھی اور جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں فراوانی عطا فرمائی تھی، (وہ) کہنے لگے: یہ رسول صرف تمہاری مثل بشر ہے، یہ ان ہی چیزوں میں سے کھاتا ہے جن سے تم کھاتے ہو اور ان ہی چیزوں سے پیتا ہے جن سے تم پیتے ہو○

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۙ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ (الفرقان:۷)

اور کافروں نے کہا: یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے؟ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو اس کے ساتھ (عذاب سے) ڈرانے والا ہوتا○

الفرقان:۷ کی تفسیر از مصنف

مشرکین قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ تجارت اور کسب معاش کے لیے بازاروں میں چلتے تھے، ان کا یہ اعتراض بالکل لغو تھا، کیونکہ تجارت اور کسب معاش کے لیے بازاروں میں جانا مباح ہے، نیز جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسب معاش کے لیے بازاروں میں گئے تو امت کے لئے کسب معاش کے لیے بازاروں میں جانے کا نمونہ فراہم ہوگیا اور تجارت کرنا سنت اور باعثِ ثواب ہوگیا۔ قابل اعتراض چیز بازاروں میں شور کرنا اور بدکلامی کرنا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں سے پاک اور منزہ تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں فرمایا: اے نبی! ہم نے آپ کو شاہد، مبشر اور ان پڑھ قوم کی پناہ بنا کر بھیجا ہے، آپ میرے بندے اور رسول ہیں، میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ وہ نہ درشت کلام ہیں نہ بدزبان ہیں، نہ بازاروں میں شور کرنے والے ہیں، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں لیکن معاف کرتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۴۸۳۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پینے کے فوائد، حکمتیں اور عظمتیں

میں کہتا ہوں: کفار نے صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری کھانے پینے کو دیکھا اور اس میں جو مستور حکمتیں ہیں ان پر غور نہیں کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا پیا اور کھانے پینے کے آداب سکھائے، آپ نے تعلیم دی کہ کھانے کے اول میں بسم اللہ پڑھنا چاہیے اور کھانے

کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے اور دائیں ہاتھ سے کھانا چاہیے اور اپنے آگے سے کھانا چاہیے اور اگر وہ تنہا ہو تو ایک پیالہ میں سے کئی جگہ سے بھی کھا سکتا ہے، پھر ہمارے کھانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے میں فرق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چیز کو کھاتے اس چیز کا کھانا سنت ہو جاتا، جس چیز کو پسند فرماتے اس چیز کا مرتبہ بڑھ جاتا، آپ نے لوکی کے قتلوں کو پسند فرمایا تو لوکی کے قتلوں کا مرتبہ بڑھ گیا۔ اب لوگ اور سبزی کا تو صرف نام لیتے ہیں لیکن لوکی کے متعلق لوکی شریف یا کدو شریف کہتے ہیں، پھر جب ہم کھاتے ہیں تو اس سے جو چیز بنتی ہے مثلاً خون بنتا ہے تو وہ ناپاک ہے، بول و براز بنتا ہے تو وہ ناپاک ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون مبارک بھی پاک تھا اور آپ کے فضلاتِ کریمہ بھی پاک تھے، جس نے بھولے سے آپ کا پیشاب پی لیا اس کے منہ سے خوشبو آتی رہی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب آپ قضائے حاجت کر کے آتے تو وہاں کچھ نہیں ہوتا تھا، زمین آپ کے فضلات کو نگل لیتی تھی اور بیت الخلاء سے خوشبو آ رہی ہوتی، اور کھانے پینے سے جو چیز آپ کے جسم کا جزو بن جاتی اس کی عظمت کا کیا کہنا، کیونکہ آپ افضل الخلق ہیں، آپ کا پسینہ بھی خوشبودار ہے اور آپ کے تمام فضلات طیب و طاہر ہیں حتیٰ کہ صحابہ آپ کے تھوکے ہوئے بلغم کو بھی اپنے ہاتھوں پر لے لیتے تھے اور اس کو کھا جاتے تھے۔ (سعیدی غفرلہ)

شیخ تھانوی کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کا نجس ہونا

اسی طرح شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ نے بھی اپنی آخری تصنیف میں لکھا ہے:

بعض روایات کا تو ثبوت مقدوح ہے اور بعض کی دلالت اور بعض روایات میں شارحین کا یہ قول مذکور ہے: میں نے پیا اور مجھے پتا نہیں تھا اور ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہی فرمانا مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ سالم بن ابی الحجاج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فصد لگائی، پھر خون نگل لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ ہر خون حرام ہے اور دوسری روایت میں دوبارہ نہ پینا، کیونکہ ہر خون حرام ہے، پس مسئلہ بالکل منقح ہو گیا کہ طہارت کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ (بوادر النوادر ص ۴۴۹، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

شیخ تھانوی نے اس پر غور نہیں کیا کہ کسی چیز کا حرام ہونا، اس کی نجاست کو مستلزم نہیں ہے، انسان کا گوشت کھانا بھی حرام ہے، لیکن وہ نجاست کی بناء پر حرام نہیں ہے، کرامت کی بناء پر حرام ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون کا پینا تو بہ طریق اولیٰ کرامت کی وجہ سے حرام ہو گا نہ کہ نجاست کی بناء پر۔

الماوردی کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منڈائے ہوئے بال اور آپ کے فضلات نجس ہیں (العیاذ باللہ) لیکن بہ کثرت علماء شافعیہ کے نزدیک آپ کے بال مبارک اور آپ کے فضلات طاہر ہیں۔

بعض غیر مقلد علماء کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کا نجس ہونا

معروف غیر مقلد عالم عبداللہ روپڑی متوفی ۱۳۸۴ھ لکھتے ہیں:

اُمّ ایمن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک مٹی کا پیالہ تھا، جس میں آپ رات کو (عذر کی بناء پر) پیشاب کیا کرتے تھے۔ ایک رات میں پیاسی ہوگئی، پس غلطی سے وہ پیشاب پی لیا، پس رسول اللہ کے پاس میں نے اس کا ذکر کیا۔ فرمایا: اس دن کے بعد تجھے کبھی پیٹ کا درد نہیں ہوگا۔ اس روایت سے آپ کے پیشاب کا پاک ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ غلطی سے پیا گیا ہے۔ رہا آپ کا یہ فرمانا کہ تیرے پیٹ میں درد نہیں ہوگا، یہ علاج ہے۔ بعض نجس چیز بھی علاج بن جاتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ

چونکہ یہ غلطی اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی وجہ سے ہوئی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا معاوضہ یہ دیا کہ اس نجس چیز کو اس کے لیے شفاء بنا دیا، بہرصورت اس غلط فعل کو طہارت کی دلیل بنانا غلط ہے۔

(فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۲۵۰-۲۵۱ مطبوعہ: دار احیاء السنۃ النبویہ، سرگودھا)

حیرت ہے کہ یہی صاحب جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیشاب کو نجس لکھا ہے یہی مصنف بیل بلکہ ہر وہ جانور جس کا گوشت کھایا جاتا ہو، اس کے پیشاب کو نہ صرف پاک بلکہ حلال قرار دیتے ہیں۔ ان کی عبارت درج ذیل ہے:

قضیب گاؤ (بیل کا آلۂ تناسل) حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، مگر یہ مذہب صحیح نہیں ہے، بلکہ ماکول اللحم (جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہو) کا گوبر پیشاب تک پاک اور حلال ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۵۶۶)

تاہم بعض غیر مقلد علماء نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کو پاک لکھا ہے۔ چنانچہ شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

آنحضرت کے تو تمام فضلات تک پاک اور طاہر تھے، آپ پر دوسرے آدمیوں کا قیاس نہیں ہو سکتا ہے۔

(تیسیر الباری ج ۱ ص ۱۷۹، مطبوعہ: نعمانی کتب خانہ، لاہور ۱۹۹۰ء)

اکثر شافعیہ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلاتِ مبارکہ طاہر ہیں

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ انسان کا بال جسم سے الگ ہونے کے بعد پاک ہوتا ہے، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے بال کو اپنے پاس بہ طور تبرک رکھا، تاہم اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بال مکرم ہے، اس پر دوسرے انسان کے بال کو قیاس نہیں کیا جا سکتا، علامہ ابن المنذر اور علامہ خطابی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ خصوصیت بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتی اور اصل میں خصوصیت کا نہ ہونا ہے۔ اس جواب کا یہ رد کیا گیا ہے کہ ان کو چاہیے کہ یہ منی کی طہارت پر بھی اس حدیث سے استدلال نہ کریں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے کپڑوں سے منی کو کھرچ دیا کرتی تھیں، کیونکہ یہ کہنا جائز ہے کہ آپ کی منی پاک ہے اور اس پر دوسروں کی منی کو قیاس نہیں کیا جائے گا، اور حق یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ میں آپ کا وہی حکم ہے جو تمام مکلفین کا ہے، ماسوا ان احکام کے جن کی خصوصیت دلیل سے ثابت ہو اور آپ کے فضلات (خون، منی، بول اور براز وغیرہ) کی طہارت پر بہ کثرت دلائل ہیں اور ائمہ نے اس کو آپ کی خصوصیت قرار دیا ہے اور ائمہ نے آپ کے فضلات کی طہارت کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے، اس لیے اکثر فقہاء شافعیہ کی کتابوں میں اس کے خلاف جو کچھ لکھا ہے، اس کی طرف توجہ نہ کی جائے کیونکہ ائمہ کے درمیان اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ آپ کے فضلات طاہر ہیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں کی طہارت کی بحث میں چونکہ آپ کے فضلات (خون اور بول و براز) کی طہارت کا ذکر کیا گیا ہے، اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اصل احادیث کے حوالوں سے آپ کے فضلات کی طہارت کو بیان کردیں۔ فنقول وباللہ التوفیق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کی طہارت کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضاء حاجت کے لیے (بیت الخلاء میں) گئے، پھر میں گئی تو میں نے وہاں جا کر کوئی چیز نہیں دیکھی اور مجھے وہاں مشک کی خوشبو آ رہی تھی، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے وہاں کوئی چیز نہیں دیکھی،

آپ نے فرمایا: بے شک زمین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت سے جو کچھ نکلے، اس کو ڈھانپ لے۔

(المستدرک ج ۴ ص ۷۰، طبع قدیم، المستدرک: ۶۹۵۰ طبع جدید، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۲۰ھ، کنز العمال: ۳۲۲۵۳، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۳۵ طبع جدید، علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے لکھا ہے کہ ابن دحیہ نے کہا: اس حدیث کی سند ثابت ہے اور یہ اس باب میں سب سے قوی حدیث ہے، نسیم الریاض ج ۲ ص ۲۱ طبع جدید، ۱۴۲۱ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم جماعت انبیاء کے اجسام اہل جنت کی ارواح پر بنائے گئے ہیں اور زمین کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم سے جو چیز نکلے، اس کو نگل لے۔

(الفردوس بماثور الخطاب: ۱۴۳، جمع الجوامع: ۸۰۳۶، کنز العمال: ۳۲۲۴)

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر کی ایک جانب میں مٹی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا، آپ رات کو اٹھ کر اس میں پیشاب کرتے تھے، ایک رات میں اٹھی، مجھے پیاس لگ رہی تھی، میں نے اس برتن سے پی لیا اور مجھے پتا نہیں چلا (کہ یہ پیشاب ہے) جب صبح ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ام ایمن! اس مٹی کے برتن کو اٹھاؤ اور اس میں جو کچھ ہے اس کو پھینک دو، میں نے کہا: اللہ کی قسم! اس میں جو کچھ ہے، اس کو میں نے پی لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں، پھر آپ نے فرمایا: سنو! اس کے بعد کبھی تمہارے پیٹ میں درد نہیں ہوگا۔

(المستدرک ج ۴ ص ۶۳-۶۴، طبع قدیم، المستدرک: ۶۹۱۲ طبع جدید، المعجم الکبیر: ۲۳۰، ج ۲۵ ص ۸۹، کنز العمال: ۳۲۲۵۶، جمع الجوامع: ۹۵۴۹، تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۱۰۸۹-۲۰۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۱، البدایہ والنہایہ، ج ۴ ص ۴۲۱، الطبع الجدید، ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ برکہ نام کی دو عورتوں نے لکڑی کے پیالہ سے آپ کا پیشاب پیا، ایک کی کنیت ام ایمن تھی اور دوسری کی کنیت ام یوسف تھی، جب ام یوسف نے آپ کا پیشاب پی لیا تو آپ نے فرمایا: تم صحت مند رہو گی، سو وہ تا حیات بیمار نہیں ہوئیں۔ (تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۴)

حکیمہ بنت امیمہ بنت رقیقہ اپنی ماں رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک لکڑی کا پیالہ تھا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیشاب کرتے تھے اور اس کو اپنے تخت کے نیچے رکھتے تھے، آپ نے اس میں پیشاب کیا، پھر آپ آئے تو دیکھا کہ اس پیالہ میں کوئی چیز نہیں تھی، ایک خاتون جن کا نام برکہ تھا، جو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی تھیں اور ان کے ساتھ سرزمین حبشہ سے آئی تھیں، آپ نے ان سے پوچھا: وہ پیشاب کہاں ہے جو اس پیالہ میں تھا؟ انہوں نے کہا: میں نے اس کو پی لیا، آپ نے فرمایا: تم پر دوزخ کی آگ منع کر دی گئی ہے۔

(المعجم الکبیر: ۴۷۷، ج ۲۴ ص ۱۸۹، المعجم الکبیر: ۵۲۷، ج ۲۴ ص ۲۰۶، ۲۰۶، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۶۷، تاریخ دمشق الکبیر: ۵۲۰۰۔ ج ۳ ص ۳۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۱ھ، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے راوی صحیح ہیں اور ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۱، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۲۲، ۳۲۱، طبع جدید، ۱۴۱۸ھ)

عامر بن عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فصد لگائی، آپ نے مجھ

سے پوچھا: تم نے اس (خون) کا کیا کیا؟ میں نے کہا: میں نے اس کو غائب کر دیا، آپ نے فرمایا: شاید تم نے پی لیا، میں نے کہا: میں نے اس کو پی لیا۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار: ۲۴۳۶، حافظ الہیثمی نے کہا: بزار کی سند صحیح اور ثقہ ہے، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰)

بریہ بن عمر بن سفینہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی، آپ نے فرمایا: یہ خون لے جاؤ اور اس کو چوپایوں، پرندوں اور لوگوں سے چھپا کر دفن کر دو، میں نے اس کو چھپ کر پی لیا، پھر میں نے اس کا ذکر کیا تو آپ ہنسے۔

(المعجم الکبیر: ۶۴۳۴، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰، التاریخ الکبیر للبخاری: ۵۴۱۸، ۲۵۲۴، ج ۴ ص ۱۸۰، المطالب العالیہ: ۳۸۴۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۶۷، تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۲)

عبدالرحمٰن بن ابی سعید اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد مالک بن سنان بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زخمی ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون چوس کر نگل لیا، ان سے کہا گیا: کیا تم نے خون پی لیا؟ انہوں نے کہا: ہاں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پی لیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا خون جس کے خون کے ساتھ مل گیا، اس کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔

(المعجم الاوسط: ۹۰۹۸، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۱۴، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی نہیں ہے جس کے ضعف پر اجماع ہو، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد مالک بن سنان بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زخمی ہو گیا تو انہوں نے آپ کے زخم سے خون چوس لیا، حتیٰ کہ آپ کا چہرہ بالکل سفید اور صاف ہو گیا، ان سے کہا گیا کہ اس خون کو تھوک دو، انہوں نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! میں اس خون کو کبھی نہیں تھوکوں گا! پھر وہ پیٹھ موڑ کر جہاد کرنے چلے گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی جنتی آدمی کو دیکھنا چاہتا ہے، وہ اس کو دیکھ لے، پس وہ شہید ہو گئے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۳، رقم الحدیث: ۱۹)

عامر بن عبداللہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد لگائی، جب وہ فصد لگا کر فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے عبداللہ! اس خون کو ایسی جگہ گرا دو، جہاں اس کو کوئی نہ دیکھے، حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گیا تو میں نے اس خون کو پی لیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس گیا تو آپ نے فرمایا: شاید تم نے اس کو پی لیا؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تم کو خون پینے کے لیے کس نے کہا تھا؟ تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہو گا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہو گا! دوسری روایت میں ہے: آپ نے فرمایا: تم نے وہ خون کیوں پیا؟ حضرت ابن الزبیر نے کہا: میں نے یہ پسند کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون میرے پیٹ میں ہو، آپ نے حضرت ابن الزبیر کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا: تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہو گا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہو گا اور تم کو صرف قسم پوری کرنے کے لیے دوزخ کی آگ چھوئے گی۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۳۰ طبع قدیم، حلیۃ الاولیاء: ۱۱۶۷، ۱۱۶۶ طبع جدید، سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۲۸ طبع قدیم، سنن دار قطنی: ۸۷۱ طبع جدید،

المستدرک ج ۳ ص ۵۵۴ طبع قدیم، المستدرک ۶۳۴۳ طبع جدید، تاریخ دمشق الکبیر: ۶۲۲۵۔ ۶۲۲۴، ۶۲۲۳، ۶۲۲۲، ج ۳۰ ص ۱۲۵۔ ۱۲۴، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۶۷، تلخیص الحبیر: ۱۸، ج ۱ ص ۴۳۔ ۴۲، کنزالعمال: ۳۷۲۳۴۔ ۳۳۵۹۱، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۹۹۔ ۹۸، الطبع الجدید، ۱۴۱۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن الزبیر سے فرمایا: تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہوگا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہوگا، اس میں حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیش گوئی ہے، حضرت ابن الزبیر نے ۶۳ھ میں مکہ میں اپنی حکومت قائم کر دی تھی، بنو امیہ کو اس پر افسوس ہوا، یزید نے محرم چونسٹھ ہجری میں ان کے خلاف لشکر بھیجا اور کعبہ پر سنگ باری کی گئی اور کعبہ کے پردوں کو جلایا گیا اور چودہ ربیع الاول ۶۴ھ کو یزید کے مرنے کے بعد یہ لشکر واپس آ گیا، پھر عبدالملک بن مروان نے اپنے دور حکومت میں حجاج بن یوسف کی کمان میں لشکر بھیجا، بالآخر سترہ جمادی الاولیٰ ۷۲ھ میں حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کر دیا گیا اور حضرت ابن الزبیر اور بنو امیہ دونوں فریقوں کو ایک دوسرے سے افسوس ہوا اور یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہوگئی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن الزبیر سے جو یہ فرمایا کہ تم کو صرف قسم پوری کرنے کے لیے دوزخ کی آگ چھوئے گی، اس میں ان آیتوں کی طرف اشارہ ہے:

وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۚ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا (مریم: ۷۲۔۷۱)

اور بے شک تم سے ہر شخص ضرور دوزخ پر وارد ہوگا، یہ آپ کے رب کے نزدیک قطعی فیصلہ کیا ہوا ہے O پھر ہم متقین کو دوزخ سے نکال لیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے O

اس آیت کی تفسیر میں جمہور مفسرین کا مختار یہ ہے کہ مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی اس قسم کو پورا کرنے کے لیے دوزخ میں داخل کیا جائے گا اور پھر ان کو نکال لیا جائے گا اور دوزخ مسلمانوں پر ٹھنڈی ہوگی اور کافروں کو جلا رہی ہوگی، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ کافروں کو دہرا عذاب ہو، ایک عذاب ان کو اپنے جلنے کا ہوگا اور دوسرا عذاب یہ ہوگا کہ ان کے مخالف مسلمان اسی دوزخ سے گزر رہے ہیں اور ان کو عذاب نہیں ہو رہا، حسب ذیل احادیث اس تفسیر پر دلیل ہیں:

حضرت یعلیٰ بن منبہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن دوزخ مومن سے کہے گی:

جزیا مومن فقد اطفا نورک لھبی۔

اے مومن! (جلدی سے) گزر جا کیونکہ تیرے نور نے میرے شعلہ کو بجھا دیا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۵۸، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں سلیم بن منصور بن عمار ضعیف راوی ہیں، مجمع الزوائد: ۱۸۴۴۶)

حضرت ابو سمینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس آیت میں "ورود" کا معنی دخول ہے، پس ہر نیک اور بد شخص دوزخ میں داخل ہوگا اور مومنوں پر دوزخ اس طرح ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی ہوگئی تھی، پھر ہم متقین کو دوزخ سے نکال لیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۹، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد: ۱۸۴۴۷)

اس کی پوری بحث تبیان القرآن جلد سابع میں مریم: ۷۲۔۷۱ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب اور آپ کے تمام فضلات طاہر ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض ائمہ شافعیہ نے یہ تصریح کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب اور آپ کے تمام فضلات طاہر ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۵۳، ۴، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۹ھ)

۵۔ بَابُ: التَّيَمُّنِ فِي الْأَكْلِ وَغَيْرِهِ کھانا کھانے اور دوسرے کاموں میں دائیں ہاتھ سے ابتداء کرنا

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر چیز میں دائیں طرف سے ابتداء کرنا مسنون ہے، خواہ کھانے پینے سے متعلق کام ہوں یا دوسرے کام ہوں۔

قَالَ عُمَرُ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ لِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم كُلْ بِيَمِينِكَ۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ نے کہا: مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ (صحیح البخاری: ۵۳۷۶)

۵۳۸۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَشْعَثَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِي طُهُورِهِ وَتَنَعُّلِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَكَانَ قَالَ بِوَاسِطٍ قَبْلَ هَذَا فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از اشعث از والد خود از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر طاقت ہو دائیں جانب سے ابتداء کرنے کو پسند فرماتے تھے، وضو کرنے میں اور جوتا پہننے میں اور کنگھی کرنے میں، اور راوی نے واسط میں اس سے پہلے کہا تھا کہ آپ تمام کاموں میں دائیں جانب سے ابتداء کرنے کو پسند کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۶۸، ۴۲۶، ۵۳۸۰، ۵۸۵۴، ۵۹۲۶، صحیح مسلم: ۲۶۸، سنن ترمذی: ۶۰۸، سنن نسائی: ۴۲۱، سنن ابوداؤد: ۴۱۴۰، سنن ابن ماجہ: ۴۰۱، مسند احمد: ۲۵۰۱۸)

صحیح البخاری: ۵۳۸۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی التوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض شارحین نے گمان کیا ہے کہ اس باب کے عنوان میں تکرار ہے، کیونکہ اس سے پہلے "باب التسمية على الطعام والاكل باليمين" میں بھی دائیں ہاتھ سے کھانے کی ابتداء کا حکم گزر چکا ہے، علامہ ابن بطال نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ عنوان پہلے عنوان سے عام ہے، کیونکہ پہلے عنوان میں صرف کھانے کے فعل کا ذکر ہے اور اس عنوان میں تمام افعال داخل ہیں اور اس میں کھانا اور پینا اور دوسرے کاموں کی دائیں جانب سے ابتداء کرنا شامل ہے، اور اس سے اور بھی احکام مستنبط ہوتے ہیں، مثلاً دائیں ہاتھ

سے کھانا کھانا، کسی کو تحفہ دینا ہو تو دائیں ہاتھ سے تحفہ دینا اور اسی طرح ہر نیک اور عمدہ کام کو دائیں ہاتھ سے کرنا۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۵۲۶، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۷۱، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۸۰ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
تنبیہ: علامہ ابن ملقن نے اس حدیث کی شرح یہاں پر نہیں کی، بلکہ کتاب الوضوء میں صحیح البخاری: ۱۶۸ میں اس کی شرح کی ہے۔
وہاں پر علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں:

بیت الخلاء میں دخول کے وقت اور مسجد سے خروج کے وقت بائیں جانب سے ابتداء کرنا مستحب ہے

''التنعل'' کا معنی ہے: جوتا پہننا اور ''الترجل'' کا معنی ہے: بالوں کو سنوارنا، نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ تمام کاموں میں دائیں جانب سے ابتداء کو پسند کرتے تھے، اس عموم سے بیت الخلاء میں داخلہ مخصوص ہے، کیونکہ بیت الخلاء میں دخول کی ابتداء بائیں جانب سے کرنی چاہیے اور مسجد سے خروج بھی مخصوص ہے، کیونکہ مسجد سے نکلتے وقت بائیں جانب سے ابتداء کرنی چاہیے اسی طرح اور جو اس کے مشابہ کام ہیں۔

دائیں جانب سے ابتداء کے احکام

اس حدیث میں مذکور ہے کہ دائیں جانب سے ابتداء مستحب ہے۔
علامہ ابن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے: اس پر اجماع ہے کہ جس نے دائیں جانب سے ابتداء کرنے سے پہلے وضو میں بائیں جانب سے ابتداء کر لی تو اس پر وضو کا اعادہ نہیں ہے اور ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ سے روایت ہے کہ ان دونوں صحابہ نے کہا: تم پرواہ نہ کرو جس ہاتھ سے بھی تم نے ابتداء کی ہو۔
(سنن دارقطنی ج ۱ ص ۸۸، کتاب الطہارت: باب ماروی فی جواز تقدیم الیسریٰ علی الیمنیٰ)
اور امام دارقطنی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا قول قدیم یہ ہے کہ دائیں جانب کو بائیں جانب پر مقدم کرنا واجب ہے اور علامہ رافعی نے اس کو امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ غریب ہے۔

فائدہ

ابن عمرو سے مروی ہے: بہترین قیام کی جگہ مسجد ہے اور پھر مسجد کی دائیں جانب ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۴۳۴)
اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ مسجد کی دائیں جانب میں نماز پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۴۳۹)
اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی المتوفی ۹۶ھ اس کو پسند کرتے تھے کہ وہ امام کی دائیں جانب کھڑے ہوں۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۴۳۶)
اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ دائیں جانب میں نماز پڑھتے تھے اور اسی طرح حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور ابن سیرین بھی مسجد میں دائیں جانب نماز پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۴۳۷، ۳۴۳۸)
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۴ ص ۲۲۲، ۲۲۴، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۸۰ کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سیبویہ نے کہا کہ ''الطھور'' کے لفظ میں طاء پر زبر ہے اور اس کا معنی ہے: پانی اور یہ مصدر کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور ''تنعل'' کا معنی ہے: جوتی پہننا اور ''ترجل'' کا معنی ہے: بال سنوارنا۔ اور حدیث میں ''تنعلہ وترجلہ'' کے الفاظ نہیں ہیں، کیونکہ طہور سے مراد وہ افعال ہیں جن کا تعلق عبادت کے ساتھ ہو، اور اگر حدیث میں ''تطھرہ'' کا لفظ ہوتا تو اس میں نجاست کو زائل کرنا اور باقی صفائی کے کام بھی داخل ہوتے، اور اس لیے طہور کا لفظ ''تنعل اور ترجل'' کے ساتھ متعلق نہیں ہے۔

اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ آپ تمام کاموں میں دائیں جانب سے ابتداء کرتے تھے، ان کاموں سے مسجد سے خروج اور بیت الخلاء میں دخول مستثنیٰ ہیں۔ ان کاموں سے مراد وہ ہیں جن میں برکت کا حصول مشروع ہو اور جو باب تکریم سے ہوں جیسے قمیص پہننا اور شلوار پہننا، موزے پہننا اور مسجد میں داخل ہونا اور بیت الخلاء سے نکلنا، مثلاً قمیص پہنے تو پہلے دائیں آستین میں ہاتھ ڈالے، شلوار پہنے تو پہلے دائیں پائنچے میں ٹانگ داخل کرے، اسی طرح اگر موزے پہنے تو پہلے دائیں موزے میں پاؤں داخل کرے، اور مسجد میں داخل ہو تو پہلے دایاں پاؤں داخل کرے اور بیت الخلاء میں داخل ہو تو پہلے بائیں پاؤں داخل کرے۔

(ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۷۴-۱۷۳، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۸۰ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''التیمن فی الاکل'' کا معنی ہے: دائیں ہاتھ سے کھائے، اسی طرح دوسرے کاموں میں بھی دائیں جانب سے ابتداء کرے مثلاً کپڑے پہننے میں وغیرہ۔

مسئلہ: جب انسان کے سامنے مختلف اقسام کے کھانے ہوں تو کیا وہ دائیں جانب سے ابتداء کرے یا جو چیز اس کو پسند ہو اس سے ابتداء کرے؟

الجواب: جو چیز اس کو پسند ہو اس سے ابتداء کرے۔

مسئلہ: کیا اس حدیث سے یہ استدلال کیا جائے گا کہ دائیں صف میں داخل ہونا مطلقاً افضل ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں جانب کو افضل قرار دیا اور فرمایا ہے کہ دائیں جانب افضل ہے؟

الجواب: اس جواب کی چند صورتیں ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے قریب نماز پڑھنے کی ترغیب دی ہے، تو دائیں جانب سے اس وقت کھڑا ہو جب امام کے قریب ہو۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم میں سے صاحبانِ عقل اور بالغ میرے قریب کھڑے ہوں۔

(صحیح مسلم: ۴۳۲، سنن ترمذی: ۲۲۸، سنن نسائی: ۸۰۷، سنن ابوداؤد: ۶۷۴، سنن ابن ماجہ: ۹۷۶)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عاقل، بالغ کو یہ ہدایت دی ہے کہ وہ آپ کے قریب کھڑا ہو، سو دائیں جانب سے نماز کی صف

میں کھڑے ہونا بھی اسی کے ساتھ مقید ہے۔

(۳) جب امام کے پیچھے صرف تین مسلمان ہوں تو ان کے لیے مشروع یہ ہے کہ ایک امام کے دائیں جانب کھڑا ہو اور دوسرا امام کے بائیں جانب کھڑا ہو اور اگر دائیں جانب کھڑا ہونا مطلقاً افضل ہوتا تو یہ دو مرد امام کے دائیں جانب ہوتے۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب تک دائیں جانب کو اختیار کرنا ممکن اور سہل ہو تو دائیں جانب کو اختیار کیا جائے۔

(شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۳۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

٦۔ بَابُ: مَنْ أَكَلَ حَتَّى شَبِعَ

جس نے کھایا حتیٰ کہ سیر ہو گیا

اس باب کے عنوان سے مقصود یہ ہے کہ سیر ہو کر کھانا جائز ہے۔

۵۳۸۱۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ قَالَ أَبُو طَلْحَةَ لِأُمِّ سُلَيْمٍ لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ضَعِيفًا أَعْرِفُ فِيهِ الْجُوعَ فَهَلْ عِنْدَكِ مِنْ شَيْءٍ فَأَخْرَجَتْ أَقْرَاصًا مِنْ شَعِيرٍ ثُمَّ أَخْرَجَتْ خِمَارًا لَهَا فَلَفَّتِ الْخُبْزَ بِبَعْضِهِ ثُمَّ دَسَّتْهُ تَحْتَ ثَوْبِي وَرَدَّتْنِي بِبَعْضِهِ ثُمَّ أَرْسَلَتْنِي إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ فَذَهَبْتُ بِهِ فَوَجَدْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ النَّاسُ فَقُمْتُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَرْسَلَكَ أَبُو طَلْحَةَ فَقُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِطَعَامٍ قَالَ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِمَنْ مَعَهُ قُومُوا فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ حَتَّى جِئْتُ أَبَا طَلْحَةَ فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ قَدْ جَاءَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِالنَّاسِ وَلَيْسَ عِنْدَنَا مِنَ الطَّعَامِ مَا نُطْعِمُهُمْ فَقَالَتِ اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَانْطَلَقَ أَبُو طَلْحَةَ حَتَّى لَقِيَ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَقْبَلَ أَبُو طَلْحَةَ وَرَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَتَّى دَخَلَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم هَلُمِّي يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَا عِنْدَكِ فَأَتَتْ بِذَلِكَ الْخُبْزِ فَأَمَرَ بِهِ فَفُتَّ وَعَصَرَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ عُكَّةً لَهَا فَأَدَمَتْهُ ثُمَّ قَالَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی جس میں ضعف تھا اور میں نے اس میں بھوک کو پہچانا، کیا تمہارے پاس کوئی کھانے کی چیز ہے؟ تو حضرت ام سُلیم نے جَو کی چند روٹیاں نکالیں اور پھر اپنا دوپٹہ نکالا اور روٹیوں کو دوپٹہ کے بعض حصہ میں لپیٹ دیا، پھر ان روٹیوں کو میرے کپڑے کے نیچے چھپا دیا اور اس کپڑے کا کچھ حصہ مجھے لوٹا دیا، پھر انہوں نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں وہ لے کر گیا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہیں اور آپ کے ساتھ کافی لوگ تھے، تو میں وہاں کھڑا ہو گیا تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم کو ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کیا کھانا دے کر بھیجا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ سے فرمایا جو ان کے ساتھ تھے: چلو! پھر آپ چلے اور میں بھی ان کے ساتھ چلا، حتیٰ کہ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے کہا: اے ام سلیم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافی لوگوں کو لے کر آئے ہیں اور ہمارے پاس تو اتنا کھانا نہیں ہے جتنا ہم سب کو کھلا سکیں، تو

صلی اللہ علیہ وسلم مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَقُولَ ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا ثُمَّ أَذِنَ لِعَشَرَةٍ فَأَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَشَبِعُوا وَالْقَوْمُ ثَمَانُونَ رَجُلًا۔

حضرت ام سلیم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو خوب علم ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گئے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، پس حضرت ابوطلحہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں آئے اور گھر میں داخل ہو گئے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اے ام سلیم! جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ لے آؤ، تو حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا وہ روٹیاں لے آئیں، آپ نے فرمایا: ان روٹیوں کو چورا چورا کرو اور ان کے اوپر برتن سے گھی ڈال لو اور وہ گھی سالن ہو گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چاہا وہ کلمات دعائیہ پڑھے، پھر آپ نے فرمایا: دس آدمیوں کو کھانے کی اجازت دو، تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے دس آدمیوں کو کھانے کی اجازت دی، وہ آئے کھانا کھایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے اور چلے گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوطلحہ! دس کو اجازت دو، پس انہوں نے دس کو اجازت دی، سو انہوں نے کھایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے، پھر وہ چلے گئے، پھر فرمایا: دس کو اجازت دو، پھر انہوں نے دس کو اجازت دی، سو انہوں نے کھایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے، پھر وہ گھر سے چلے گئے، پھر انہوں نے دس کو اجازت دی، پس سب لوگوں نے کھالیا اور سب سیر ہو گئے اور چلے گئے، اور اس وقت ان لوگوں کی تعداد اسی (۸۰) مرد تھی۔

(صحیح البخاری: ۴۲۲، ۳۵۷۸، ۵۳۸۱، ۵۴۵۰، ۶۶۸۸، صحیح مسلم: ۲۰۴۰، سنن ترمذی: ۳۶۳۰، موطا امام مالک: ۱۷۲۵)

صحیح البخاری: ۵۳۸۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مباحث

(۱) انبیاء علیہم السلام کو بھوک لگنے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پست آواز سے آپ میں بھوک کے آثار محسوس کیے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو دنیا سے بے رغبت بنایا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کی وجہ سے

بھوک کے آثار محسوس کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ چاہیں تو وہ نبی اور بندہ بنیں اور چاہیں تو بادشاہ بنیں، تو آپ نے نبی اور بندہ بننے کو اختیار کر لیا، اور آپ پر دنیا پیش کی گئی تو آپ نے دنیا کو مسترد کر دیا اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس اجر ہے اس کو اختیار کر لیا تا کہ آپ کی امت بھی آپ کی سنت پر عمل کرے اور دنیا سے بے رغبتی کو اختیار کرے۔

اس حدیث میں امام ابن حبان کے اس قول کا رد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھوک نہیں لگی اور وہ جو بعض احادیث میں ہے کہ آپ پیٹ کے اوپر پتھر باندھتے تھے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے، اصل میں الحجر کا لفظ نہیں ہے بلکہ الحجز کا لفظ ہے یعنی آپ تہبند کو کس کر باندھتے تھے۔ (صحیح ابن حبان ج ۸ ص ۳۴۵)

(۲) آواز سن کر شہادت دینے کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پست آواز کو سن کر حضرت ابوطلحہ نے یہ سمجھا کہ آپ کو بھوک لگی ہوئی ہے، اس سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ آواز کی بنیاد پر بھی شہادت دینا جائز ہے اور علامہ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ نابینا کا آواز سن کر شہادت دینا جائز ہے، کیونکہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سن کر یہ جانا کہ آپ کو بھوک لگی ہوئی ہے، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز متغیر تھی، اور چونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اس لیے انہوں نے جان لیا کہ آپ کو بھوک لگی ہے اور اگر انہوں نے آپ کو نہ دیکھا ہوتا تو ان پر اشتباہ ہوتا کہ اس پست آواز کی وجہ بھوک ہے یا نہیں ہے۔

(۳) بغیر سوال کیے اپنے بھائی کی ضرورت کو پورا کرنا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال نہیں کیا کہ آیا آپ کو کھانا کھانے کی ضرورت ہے اور اس سوال کے بغیر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر لے گئے، اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کو یہ معلوم ہو کہ اس کے بھائی کو کسی چیز کی ضرورت ہے تو وہ اس کی ضرورت کو پورا کرے اور وہ اس سے سوال نہ کرے کہ کیا آپ کو اس چیز کی ضرورت ہے یا نہیں، اور یہ مکارمِ اخلاق میں سے ہے۔

(۴) جب یہ معلوم ہو کہ چند لوگوں کا ساتھ جانا دعوت دینے والے کے لیے باعث مسرت ہے تو پھر ان کا دعوت دینے والے کے ساتھ جانا جائز ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ اگر آپ اپنے ساتھ اپنے اصحاب کو بھی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی دعوت پر لے گئے تو وہ اس سے خوش ہوں گے، اسی وجہ سے ابوطلحہ آپ کو آپ کے اصحاب کے ساتھ لے جا کر خوش ہوئے، لیکن سب لوگ اس کی گنجائش نہیں رکھتے۔

اسی طرح امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے: جس شخص کو ولیمہ یا کسی اور دعوت پر بلایا گیا تو اس کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ اپنے ساتھ اوروں کو بھی لے جائے، کیونکہ اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ دعوت دینے والا دوسرے لوگوں کے ساتھ جانے سے خوش ہوگا یا نہیں؟ ہاں اگر اس نے یہ کہا کہ جو آپ کو ملے اس کو بھی لے جائیں، تو پھر جائز ہے۔

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: قاعدہ یہ ہے کہ اس میں دعوت دینے والے کے حال کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر وہ دوسروں کے جانے

سے خوش ہو تو دوسروں کو لے جانا جائز ہے اور اگر وہ دوسروں کو لے جانے سے خوش نہ ہو تو پھر دوسروں کو لے جانا جائز نہیں ہے۔

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاملہ کا علم وحی سے ہوا یا قرائن سے؟ اور حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا کی فقاہت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم کو ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! ہوسکتا ہے کہ آپ کو وحی سے معلوم ہوا ہو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا یا چونکہ حضرت ابوطلحہ ان کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے، اس سے آپ نے یہ استدلال کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہے۔

حضرت ابوطلحہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافی لوگوں کو لے کر آ گئے ہیں، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول تقاضائے عادت کے مطابق تھا اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں کہا: اللہ اور اس کے رسول کو خوب علم ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ طور معجزہ کے علم ہے کہ اس صورت حال میں کیا کیا جائے گا، اور یہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی عظیم فضیلت ہے اور یہ ان کی عظیم فقہ پر دلیل ہے، کیونکہ انہوں نے جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہے کہ ہمارے ہاں کھانے کی مقدار کم ہے اور وہ کھانا اسی (۸۰) مردوں کے لیے کافی نہیں ہوگا، تو انہوں نے جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بہتر تدارک کر لیں گے۔

(۶) عورت کی کنیت کا جواز اور ''عُکَّة'' اور ''ادام'' کا معنی

اس حدیث میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کا ذکر ام سُلیم کے ساتھ کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عورت کی کنیت بھی جائز ہے۔ اور ''عُكَّة'' چھوٹے سے برتن کو کہتے ہیں، اس کی جمع ''عُکَک'' اور ''عُکَاك'' آتی ہے، اس برتن میں شہد بھی رکھا جاتا ہے اور گھی بھی، مگر علامہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ یہ برتن گھی کے ساتھ خاص ہے۔ (النہایہ ج ۳ ص ۲۸۴)

اس حدیث میں مذکور ہے: ''آدمته''، انہوں نے اسے سالن بنایا۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: ''آدمته''، ''الادام'' سے ماخوذ ہے، ''الادام'' اس کو کہتے ہیں کہ جو اچھا کھانا ہو۔

علامہ ابن الملقن لکھتے ہیں: کہ حدیث میں ہے: اہلِ دنیا اور آخرت کے کھانوں کا سردار گوشت ہے اور آپ نے اس کو ادم فرمایا۔

(۷) مہمانوں اور ملاقات کے لیے آنے والوں کے استقبال کے لیے جانا اور سیر ہو کر کھانے کا جواز

اس حدیث میں مذکور ہے کہ'' حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، پھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے استقبال کے لیے گھر سے باہر نکلے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے دوست کو گھر میں بلائے اور گھر سے باہر جا کر اس کا استقبال کرے، جب کہ اسے یہ معلوم ہو کہ وہ لوگ اس کے استقبال کرنے سے خوش ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اس روٹی کو چورا چورا کر لو اور اس کے اوپر گھی ڈال لو اور پھر فرمایا: جو تمہارے پاس ہے وہ لے آؤ''۔

اس حدیث سے ثرید کی برکت لازم ہوئی، اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اتنا کھانا کہ آدمی سیر ہو جائے یہ جائز ہے، اور اس

کے جواز کے لیے امام بخاری نے یہ باب منعقد کیا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ سیر ہو کر کھانا مباح ہے۔ اسی طرح حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بھی مذکور ہے کہ سیر ہو کر کھانا مستحب ہے، اگرچہ بعض اوقات میں سیر ہو کر کھانے کو ترک کرنا افضل ہوتا ہے۔

اور حضرت سلمان اور حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اکثر جو لوگ دنیا میں سیر ہو کر کھاتے ہیں، آخرت میں ان کی بھوک لمبی ہوگی۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۳۵۱، مسند البزار: ج ۶ ص ۴۶۱، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ۱ ص ۱۹۸، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۲۰۴، شعب الایمان للبیہقی ج ۵ ص ۲۷)

(۸) بھوک اور پیاس کو ختم کرنے سے زیادہ مقدار میں کھانا اسراف ہے

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ اگرچہ سیر ہو کر کھانا مباح ہے لیکن اس کی ایک حد ہے اور اس حد سے زائد کھایا جائے گا تو وہ اسراف ہے، تو یہ اس صورت میں جائز ہے کہ جب سیر ہو کر کھانے سے عبادت کے اوپر اعانت حاصل ہو اور سیر ہو کر کھانے سے وہ کسی واجب کو ادا کرنے سے قاصر نہ ہو، اور یہ اس وقت ہے کہ جب زیادہ کھانا اس کے معدہ پر بار نہ ہو اور نفلی عبادات کے کرنے میں رکاوٹ نہ ہو، پس حق یہ ہے کہ بندہ اپنے کھانے اور پینے میں اتنی مقدار پر کفایت کرے جس سے اس کی بھوک مٹ جائے اور پیاس ختم ہو جائے اور اگر اس نے اس سے تجاوز کیا جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے سے قاصر رہا تو اس نے اپنے کھانے اور پینے میں اسراف کیا۔

حدیث میں ہے: کہ ہر وہ چیز جو گھر کے سائے سے اور روٹی کے ٹکڑے سے اور کپڑے کی اتنی مقدار سے جس سے اس کا ستر ہو سکے، زائد ہو تو اس میں ابن آدم کا حق نہیں ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۶۲، مسند عبد بن حمید: ۴۶، سنن ترمذی: ۲۳۴۱، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۱۲، الاحادیث الضعیفہ للالبانی: ۱۰۶۳)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ ابن آدم کے لیے طعام کی اتنی مقدار کافی ہے جس سے اس کی بھوک مٹ جائے اور پیاس ختم ہو جائے اور لباس کی اتنی مقدار کافی ہے جس سے وہ اپنی شرمگاہ کو چھپا لے، اور گھر کی اتنی مقدار کافی ہے جس سے اس کو سایہ حاصل ہو اور سردی اور گرمی میں وہ رہ سکے، اور اس سے زائد میں اس کا حق نہیں ہے، اور جو مرد اس سے زیادہ نعمتوں کو حاصل کرے گا تو ان نعمتوں کے بوجھ کا وبال اس کے اوپر ہوگا، تو جو لوگ بہت زیادہ کھانے پینے اور رہائش میں خرچ کرتے ہیں، ان کا کیا حال ہوگا؟ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۱۰۶-۱۱۱، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ افضل اور اولیٰ تو یہی ہے کہ انسان عموماً سیر ہو کر نہ کھائے، لیکن شارح علیہ السلام نے بعض احوال میں سیر ہو کر کھانے کو بھی جائز قرار دیا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ جن صحابہ کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے دعوت دی تھی سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا، تاہم اتنا زیادہ نہ کھائے جو اس کے معدہ پر گراں بار ہو اور عبادات کی انجام دہی میں مخل ہو۔ (سعیدی غفرلہٗ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم معجزہ کا بیان ہے، کیونکہ آپ نے چند جَو کی روٹیوں پر دعائیہ کلمات پڑھے تو وہ روٹیاں اسی (۸۰) صحابہ کے لیے کافی ہو گئیں اور ان سب نے سیر ہو کر کھایا۔ اگرچہ یہ دعائیہ کلمات کی تاثیر ہے لیکن یہ دعا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلی تھی، ہم اگر کم کھانے پر ڈھیروں دعائیہ کلمات پڑھیں تو کچھ نہیں ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند جَو کی روٹیوں پر دعائیہ کلمات پڑھے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت ڈال دی کہ وہ اسّی (۸۰) صحابہ کے لیے کافی ہوگئیں۔ اور اس قسم کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بھی بہت معجزات ہیں جن کا ذکر اس باب کی احادیث میں آگے چل کر آئے گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۳۸۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں تین حدیثیں ذکر کی ہیں، پہلی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے طعام میں کثرت ہوگئی اور اس حدیث کی شرح علاماتِ نبوت میں گزر چکی ہے، اور دوسری حدیث وہ ہے جو حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے لوگوں کو بکری کی کلیجی کھلائی اور وہ ایک سو تیس مرد تھے، سو ہم سب نے کھالیا اور سیر ہوگئے، اس حدیث کی شرح کتاب الہبہ میں گزر چکی ہے، اور تیسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو ہم پانی اور کھجوروں سے سیر ہوکر کھاتے تھے، اس میں اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے وہ سیر ہوکر نہیں کھاتے تھے، یہ علامہ کرمانی کا قول ہے۔

علامہ کرمانی کے اس قول پر حافظ ابن حجر کا رد کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے صحابہ سیر ہوکر نہیں کھاتے تھے

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: لیکن اس حدیث کا ظاہر مراد نہیں ہے اور اس سے پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے جو غزوۂ خیبر میں تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا: اب ہم سیر ہوکر کھجوریں کھایا کریں گے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ ہم اس وقت تک سیر ہوکر نہیں کھاتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر خیبر کو فتح کر دیا، تو مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح خیبر کے بعد سیر ہوکر کھاتے تھے اور ان کا سیر ہوکر کھانا برقرار رہا اور اس کی ابتداء فتحِ خیبر سے ہوئی اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تین سال پہلے کی بات ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ ہے کہ وہ خصوصاً فتحِ خیبر کے بعد کھجوروں سے سیر ہوکر کھاتی تھیں نہ کہ پانی، لیکن حضرت عائشہ نے کھجوروں کے ساتھ پانی کا بھی ذکر کیا، کیونکہ مکمل سیرابی پانی اور کھجوروں کے ساتھ ہوتی ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے قصہ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ میزبانی کے آداب سے یہ ہے کہ میزبان مہمان کے ساتھ اس کی تعظیم کے لیے دروازہ تک جائے۔

بعض احادیث میں سیر ہوکر کھانے کا جواز ہے اور بعض میں اس کی ممانعت ہے، ان میں تطبیق

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: ان احادیث میں سیر ہوکر کھانے کا جواز ہے اور اگر اس کو کبھی کبھی ترک کر دیں تو یہ افضل ہے۔

اور حضرت سلمان اور حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ دنیا میں زیادہ سیر ہوکر کھاتے ہیں، آخرت میں ان کی بھوک زیادہ ہوگی۔

علامہ قرطبی نے المفہم میں لکھا ہے کہ حضرت ابوالہیثم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے لیے بکری کو ذبح کیا، پس ان سب نے کھایا اور سیر ہو گئے، اس حدیث میں بھی یہ دلیل ہے کہ سیر ہو کر کھانا جائز ہے اور وہ جو بعض احادیث میں سیر ہو کر کھانے کی ممانعت ہے، وہ اس پر محمول ہیں کہ اتنا زیادہ کھائے جو معدہ پر ثقیل ہو جائے اور انسان کے لیے اس کی عبادات میں رکاوٹ ہو اور وہ تکبر اور فخر کی طرف مفضی ہو اور نیند اور سستی کی طرف لے جائے، اور اسی طرح کی دیگر خرابیوں کی وجہ سے زیادہ کھانا مکروہ تحریمی ہے۔

امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: کسی آدمی کا اس سے زیادہ برا برتن نہیں ہے جو اس کا بھرا ہوا پیٹ ہو، ابن آدم کے لیے چند لقمے کھانا کافی ہے جس سے اس کی پشت سیدھی رہے، پس اگر آدمی کو غلبہ ہو تو ایک تہائی کھانے کے لیے، ایک تہائی پانی پینے کے لیے اور ایک تہائی سانس لینے کے لیے، اور ان تین چیزوں کا ذکر اس لیے ہے کہ یہ جاندار کی حیات کے اسباب ہیں۔

سیر ہو کر کھانے کی سات اقسام

اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ سیر ہو کر کھانے کے سات مرتبے ہیں:

(۱) اتنا کھائے جس سے حیات قائم رہے۔

(۲) اس سے زیادہ کھائے حتیٰ کہ روزہ رکھ سکے، نماز پڑھ سکے اور تراویح پڑھ سکے، اور یہ فرض اور واجب ہے۔

(۳) اس سے زیادہ کھائے حتیٰ کہ نفلی عبادات کو ادا کرنے کی قوت حاصل ہو۔

(۴) اس سے بھی زیادہ کھائے حتیٰ کہ وہ محنت مزدوری کرنے اور رزق کے حصول کے لیے کمانے پر قادر ہو۔

(۵) تہائی پیٹ کو بھر لے، اور یہ بھی جائز ہے۔

(۶) اس سے زیادہ کھائے حتیٰ کہ اس کا بدن بھاری ہو جائے اور نیند زیادہ آئے اور یہ مکروہ ہے۔

(۷) اس سے بھی زیادہ کھائے حتیٰ کہ زیادہ کھانے کی وجہ سے اس کے جسم کو ضرر ہو اور اس کو پیٹ کی بیماریاں ہوں۔ اور یہ حرام ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۲۷-۵۲۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۷۲-۵۷۳، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری ۵۳۸۱، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں تین حدیثیں ذکر کی ہیں اور ان میں مسائل عظیمہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بشری تقاضوں کا طاری ہونا، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی ذکاوت، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ اور سیر ہو کر کھانے کا جواز

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوع بشر سے مبعوث ہوئے، اور آپ کو بھی بشری تقاضوں سے وہ چیزیں پہنچتی تھیں جو عام بشر کو پہنچتی ہیں۔ کیونکہ حضرت ابوطلحہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز میں ضعف کو پایا جس سے میں نے یہ جانا کہ آپ کو بھوک لگی ہوئی ہے، اسی طرح باقی احوال بشریہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طاری ہوتے تھے، آپ کو بھوک لگتی تھی، پیاس لگتی تھی،

سردی لگتی تھی، گرمی لگتی تھی، آپ کو بخار آتا تھا اور دیگر بیماریاں بھی ہوتی تھیں۔

(۲) اس حدیث میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی ذکاوت اور ذہانت کی دلیل ہے کہ جب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کو بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو کافی لوگوں کو لے کر آئے ہیں، تو انہوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ تمہارے پاس کتنا کھانا ہے تو انہوں نے بتایا: ہمارے پاس اتنا کھانا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں سے جان لیا کہ یہ کھانا سب لوگوں کو کافی ہو جائے گا۔

(۳) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا بیان ہے کہ آپ کی برکت سے کم کھانا زیادہ لوگوں کو کافی ہو گیا۔

(۴) اس حدیث میں سیر ہو کر کھانے کا جواز ہے، کیونکہ تمام صحابہ نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔

(شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۷ ۱۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۸۱، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میزبان سے اجازت طلب کرنا اور بعض مواقع پر اجازت طلب نہ کرنا، ان میں تطبیق

اگر تم یہ سوال کرو کہ ایک گوشت بیچنے والے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی تو ایک اور مرد بھی آپ کے ساتھ مل گیا تو آپ نے گوشت بیچنے والے سے کہا کہ یہ مرد ہمارے ساتھ مل گیا ہے، اگر تم چاہو تو اس کو اجازت دو۔

(صحیح البخاری: کتاب البیوع، باب ما قیل فی اللحام والجزار: ۲۰۸۱، صحیح مسلم: ۲۰۳۶، کتاب الاشربہ باب ما یفعل الضیف اذا تبعہ غیر من دعاہ صاحب الطعام)

سو اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک آدمی بھی آپ کے ساتھ مل گیا تو آپ نے میزبان سے اجازت طلب کی اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور میں ہے کہ اسی (۸۰) آدمی آپ کے ساتھ مل گئے اور آپ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب نہیں کی، ان میں تطبیق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ ابوطلحہ ایسے فیاض ہیں کہ اگر آپ کے ساتھ پوری امت بھی ہوتی تو وہ اس سے خوش ہوتے اور اس گوشت فروخت کرنے والے کے حال کے متعلق آپ کو یہ علم نہیں تھا اس لئے آپ نے اس سے اجازت طلب کی کہ یہ ایک بندہ ہمارے ساتھ مل گیا ہے تم چاہو تو اس کو بھی اجازت دے دو۔ (الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۹ ص ۸۸)

۵۳۸۲۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ قَالَ وَحَدَّثَ أَبُو عُثْمَانَ أَيْضًا عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثَلَاثِينَ وَمِائَةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَلْ مَعَ أَحَدٍ مِنْكُمْ طَعَامٌ فَإِذَا مَعَ رَجُلٍ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ أَوْ نَحْوُهُ فَعُجِنَ ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ مُشْرِكٌ مُشْعَانٌّ طَوِيلٌ بِغَنَمٍ يَسُوقُهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی از والد خود، انہوں نے کہا کہ ابوعثمان نے بھی یہ حدیث بیان کی از حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سو تیس (۱۳۰) صحابہ تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی طعام ہے؟ پس اس وقت

فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَبَيْعٌ أَمْ عَطِيَّةٌ أَوْ قَالَ هِبَةٌ قَالَ لَا بَلْ بَيْعٌ قَالَ فَاشْتَرَى مِنْهُ شَاةً فَصُنِعَتْ فَأَمَرَ نَبِيُّ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِسَوَادِ الْبَطْنِ يُشْوَى وَايْمُ اللهِ مَا مِنَ الثَّلَاثِينَ وَمِائَةٍ إِلَّا قَدْ حَزَّ لَهُ حُزَّةً مِنْ سَوَادِ بَطْنِهَا إِنْ كَانَ شَاهِدًا أَعْطَاهَا إِيَّاهُ وَإِنْ كَانَ غَائِبًا خَبَأَهَا لَهُ ثُمَّ جَعَلَ فِيهَا قَصْعَتَيْنِ فَأَكَلْنَا أَجْمَعُونَ وَشَبِعْنَا وَفَضَلَ فِي الْقَصْعَتَيْنِ فَحَمَلْتُهُ عَلَى الْبَعِيرِ أَوْ كَمَا قَالَ۔

ایک مرد کے ساتھ ایک صاع (چار کلوگرام) طعام تھا یا اس کی مثل تھا، پس آٹا گوندھا گیا، پھر ایک لمبا تڑنگا مشرک اپنی بکریوں کو ہانکتا ہوا آیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم یہ بکریاں فروخت کرو گے یا عطیہ دو گے یا ہبہ کرو گے؟ اس نے کہا: نہیں! بلکہ میں فروخت کروں گا، تو آپ نے اس سے ایک بکری خرید لی، پھر اس بکری کا گوشت تیار کیا گیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کلیجی کو بھوننے کا حکم دیا، اور اللہ کی قسم! ان ایک سو تیس (۱۳۰) میں سے کوئی شخص بھی نہیں تھا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے اس بکری کی کلیجی میں سے اس کا حصہ کاٹ کر رکھ دیا، جو حاضر تھا اس کو وہ حصہ عطا فرما دیا، اور جو غائب تھا تو اس کا حصہ چھپا کر رکھ دیا، پھر آپ نے اس باقی ماندہ کلیجی کو دو برتنوں میں ڈالا، ہم سب نے اس کلیجی سے کھایا اور ہم سب سیر ہو گئے اور باقی ان دو برتنوں میں رہا، تو میں نے اس برتن کو اونٹ پر لاد لیا جس طرح بھی حضرت عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہ) نے بتایا۔

(صحیح البخاری: ۲۲۱۶، ۲۶۱۸، ۵۳۸۲، صحیح مسلم: ۲۰۵۶، مسند احمد: ۱۷۱۳)

صحیح البخاری: ۵۳۸۲ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے رجال

اس حدیث کی سند میں موسیٰ کا ذکر ہے، یہ موسیٰ بن اسماعیل المنقری ہیں اور معتمر کا ذکر ہے یہ ابن سلیمان ہیں جو اپنے والد سلیمان بن طرخان التیمی البصری سے روایت کرتے ہیں۔ نیز اس کی سند میں مذکور ہے کہ ابو عثمان نے بھی یہ حدیث بیان کی، اس سے مراد یہ ہے کہ سلیمان نے کہا: مجھے یہ حدیث ابو عثمان کے علاوہ نے بھی بیان کی ہے اور مجھے یہ حدیث ابو عثمان نے بھی بیان کی ہے، اور وہ بھی عبدالرحمٰن بن مل النہدی ہیں۔ یہ علامہ کرمانی کا قول ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں ''مشعان'' کا لفظ ہے، اس میں میم پر پیش بھی ہے اور میم کے نیچے زیر بھی ہے، اس کا معنی ہے: جس کا قد بہت زیادہ لمبا ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ وہ مرد ہے جس کے بال بہت لمبے اور بکھرے ہوئے ہوں۔

اور اس حدیث میں ''سواد البطن'' کا ذکر ہے اس سے مراد ہے کلیجی۔

اور اس حدیث میں ''حزلہ حزۃ'' ''حَزَّ'' کا معنی ہے: ٹکڑے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۸-۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری ۵۳۸۲، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

طعام کی کثرت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ، مشرک سے اس سوال کا جواز کہ تم ہماری دعوت کرو گے یا ہم کو فروخت کرو گے؟

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ طعام کثیر ہو گیا اور یہ لوگ ایک سو سے زیادہ تھے، اس کے باوجود ان میں سے ہر ایک نے اپنا حصہ کاٹ لیا اور ہم جانتے ہیں کہ بکری کی کلیجی دس مردوں کو بھی کافی نہیں ہوتی، اس کے باوجود وہ بکری کی کلیجی ایک سو تیس مردوں کو کافی ہو گئی۔

اور میں کہتا ہوں: اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظاہر معجزہ ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بکری ہانکنے والے مشرک سے پوچھا کہ کیا یہ بکری تم فروخت کر رہے ہو یا عطا کر رہے ہو؟

مسئلہ: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مشرک سے یہ کیونکر کہا کہ یہ فروخت کر رہے ہو یا عطیہ، اور کیا اس میں اس مرد سے یہ سوال ہے کہ تم ہم کو یہ بکری عطا کرو؟

الجواب: نہیں! لیکن جب آپ نے یہ دیکھا کہ یہ مرد اپنی بکریوں کو لے کر آ رہا ہے تو آپ نے یہ گمان کیا کہ شاید یہ مسلمانوں کی ضیافت کرے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی، تو آپ نے اس سے پوچھا: کیا تم یہ بکری فروخت کرو گے یا عطا کرو گے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ عرب جو ہدیہ دیتے تھے آپ اس کو قبول فرما لیتے تھے اور جب اس نے کہا کہ میں اس کو فروخت کروں گا تو آپ نے اس سے ایک بکری خرید لی۔

گوشت کو ذخیرہ کرنے کا جواز اور غائبین کا حصہ رکھنے کا جواز

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ گوشت کا ذخیرہ کرنا جائز ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ انہوں نے زائد گوشت کو دو برتنوں میں رکھا اور حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے اس گوشت کو اونٹ پر لاد دیا۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غائب کے لیے بھی ذخیرہ کر کے رکھنا چاہیے لیکن اس وقت جب وہ چیز زیادہ ہو، لیکن جب وہ چیز صرف حاضرین کے لیے کافی ہو تو پھر حاضرین غائبین سے زیادہ حق دار ہیں۔

کافر اور مشرک سے خرید و فروخت کا جواز

نیز اس حدیث میں دلیل ہے کہ امیر یا سلطان یا حاکم کا خریدنا۔

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ کافر سے خریدنا جائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کافر مشرک سے بکری کو خریدا اور آپ نے یہودی سے بھی طعام کو خریدا، لیکن جب ہم کو یہ معلوم ہو کہ ان کو ایسی چیز فروخت کریں گے جس سے ہم کو نقصان ہو گا تو پھر اس میں احتیاط لازم ہے، اور جب کوئی خطرہ نہ ہو تو پھر ان سے خریداری میں کوئی خطرہ نہیں ہے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ مشرک کے ساتھ

خرید وفروخت کے معاملات جائز ہیں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۳۷-۱۳۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۳۸۳۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ أُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم حِينَ شَبِعْنَا مِنَ الْأَسْوَدَيْنِ التَّمْرِ وَالْمَاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وُہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں منصور نے حدیث بیان کی از مادرِ خود از ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اس وقت ہم دو سیاہ چیزوں سے سیر ہوتے تھے، کھجور سے اور پانی سے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۴۲، صحیح مسلم: ۲۹۷۵، مسند احمد: ۲۴۴۴۲)

صحیح البخاری: ۵۳۸۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے رجال

اس حدیث کی سند میں مسلم بن ابراہیم البصری القصاب کا ذکر ہے اور وُہیب اسم مصغر ہے اور یہ وہب بن خالد البصری ہیں اور منصور ابن عبد الرحمن التیمی ہیں جو اپنی والدہ صفیہ بنت شیبہ بن عثمان الحجبی سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے آخر کتاب میں از یحییٰ وغیرہ سے روایت کی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صرف کھجور اور پانی سے سیر ہونے کا بیان

اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی جب ہم ''الاسودین'' یعنی دو سیاہ چیزوں سے سیر ہوتے تھے، اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے زمانہ سے پہلے سیر ہو کر نہیں کھاتے تھے، یعنی دنیا سے بہت کم خوراک لیتے تھے اور دنیا میں بے رغبتی کرتے تھے، اسی طرح اس حدیث کی علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے تفسیر کی ہے۔ اور یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت ہم ان دو سیاہ چیزوں یعنی کھجوروں اور پانی سے سیر ہوتے تھے، کھجور کھاتے تھے اور اوپر سے پانی پی لیتے تھے۔

اور ہماری شرح کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ اس سے پہلے غزوۂ خیبر میں از عکرمہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ حدیث گزری ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا: اب ہم سیر ہو کر کھجوریں کھائیں گے اور حضرت ابن عمر کی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ ہم اس وقت تک سیر ہو کر نہیں کھاتے تھے حتیٰ کہ ہم نے خیبر کو فتح کر لیا، اس سے ظاہر ہوا کہ صحابہ کے سیر ہو کر کھانے کی ابتداء فتح خیبر سے ہوئی تھی اور خیبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تین سال پہلے فتح ہوا تھا۔

''الاسودین'' کا معنی اور باب تغلیب کی متعدد مثالیں

الاسودین، الاسود کا تثنیہ ہے، اور یہ اطلاق باب تغلیب سے ہے، کیونکہ تحقیق یہ ہے کہ پانی شفاف ہوتا ہے اس کا رنگ نہیں

ہوتا اور یہ تغلیب اس طرح ہے جیسے ''الابوین'' باپ اور ماں کو کہا جاتا ہے، اور ''القمرین'' سورج اور چاند کو کہا جاتا ہے، اور ''الاحمرین'' گوشت اور شراب کو کہا جاتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ سونے اور زعفران کو ''الاحمرین'' کہا جاتا ہے اور پانی اور دودھ کو ''الابیضین'' کہا جاتا ہے۔ اور پانی اور نمک کو ''الاسمرین'' بھی کہا جاتا ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہ کے لیے ''عُمرین'' کہا جاتا ہے، اور جس نے کہا عُمرین سے مراد حضرت عمر بن الخطاب اور عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ ہیں تو اس کا یہ قول جید ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کسی چیز کا نام اس کے مقارب سے رکھنا ہے، کیونکہ اسودان میں سے صرف کھجور ہے، پانی کا تو کوئی رنگ نہیں ہوتا۔

بھوک کے متعلق دو آراء

امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ بھوک کی حد کی دو رائے ہیں:

(۱) ایک رائے یہ ہے کہ آدمی کو صرف روٹی کی خواہش ہو، تو پھر یہ بھوک ہے اور جب وہ روٹی کے ساتھ سالن کی خواہش رکھے تو وہ بھوکا نہیں ہے۔

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ جب آدمی زمین پر تھوکے تو اس پر مکھی نہ بیٹھے۔

اس کے بعد علامہ عینی نے سیر ہونے کے سات مراتب ذکر کیے ہیں، جن کو ہم اس سے پہلے حافظ ابن حجر کے حوالہ سے ذکر کر چکے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۹-۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۔ بَابٌ: لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ اٰبَآئِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهٰتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوٰتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمّٰتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خٰلٰتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ أَوْ صَدِيقِكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا ۚ فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلٰٓى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ (النور: ۶۱)

نابینا پر کوئی حرج نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے، اور نہ خود تم پر کوئی حرج ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ، یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے کھاؤ، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے قبضے میں ہوں یا اپنے دوست کے گھر سے، اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ، پھر جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے

لوگوں پر سلام کرو اور اللہ سے اچھی دعا کرو کہ برکت اور پاکیزگی اللہ کی طرف سے نازل ہو، اللہ اسی طرح تمہارے لیے آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھ لو O

والنِّھد: الاجتماع علی الطعام۔

نِھد کا معنی ہے: طعام پر مجتمع ہونا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے بیان میں ہے اور یہ وہ طویل آیت ہے جو سورۂ نور میں ہے نہ کہ وہ آیت جو سورۃ الفتح میں ہے، کیونکہ ابواب اطعمہ کے مناسب وہ آیت ہے جو سورۂ نور میں ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ عنوان صرف نسفی کی روایت میں ہے اور نِھد میں نون کے نیچے زیر ہے اور ھاء پر جزم ہے، یہ لفظ مناہدہ سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے رفقاء میں سے ہر فریق اتنا نفقہ نکالے جتنا نفقہ اس کا صاحب نکالتا ہے، اور اس کی تفسیر "باب الشرکۃ والطعام والنھد" میں گزر چکی ہے۔

اور "الاجتماع علی الطعام" کا معنی ہے کھانے میں مجتمع ہونا، اور اس لفظ میں علیٰ بمعنی فی ہے، جیسے قرآن مجید کی اس آیت میں فی بمعنی علیٰ ہے:

وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ۔ (طٰہٰ: ۷۱)

اور میں تم کو ضرور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا۔ (طٰہٰ: ۷۱)

۵۳۸۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ سَمِعْتُ بُشَيْرَ بْنَ يَسَارٍ يَقُولُ حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى خَيْبَرَ فَلَمَّا كُنَّا بِالصَّهْبَاءِ قَالَ يَحْيَى وَهِيَ مِنْ خَيْبَرَ عَلَى رَوْحَةٍ دَعَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِطَعَامٍ فَمَا أُتِيَ إِلَّا بِسَوِيقٍ فَلُكْنَاهُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا فَصَلَّى بِنَا الْمَغْرِبَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ قَالَ سُفْيَانُ سَمِعْتُهُ مِنْهُ عَوْدًا وَبَدْءًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، یحییٰ بن سعید نے کہا کہ میں نے بُشیر بن یسار سے سنا وہ کہتے ہیں: ہمیں سوید بن نعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کی طرف گئے، جب ہم مقامِ الصہباء پر پہنچے تو یحییٰ نے کہا: یہ خیبر سے دوپہر کی مسافت کے فاصلہ پر ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طعام منگایا، تو آپ کے پاس صرف ستو لائے گئے، ہم نے وہ ستو سوکھے پھانک لیے، پھر آپ نے پانی منگایا اور آپ نے کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی، پھر آپ نے ہمیں مغرب کی نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔ سفیان نے کہا: میں نے اس حدیث کو یحییٰ سے اس طرح سنا کہ آپ نے عائداً اور مبتداءً وضو نہیں کیا، یعنی اولاً اور آخراً وضو نہیں کیا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۹، ۲۱۵، ۲۹۸۱، ۴۱۷۵، ۴۱۹۵، ۵۳۸۴، ۵۳۹۰، ۵۴۸۴، ۵۴۵۵، سنن نسائی: ۱۸۶، سنن ابن ماجہ: ۴۹۳، مسند احمد: ۱۵۵۶۰، موطا امام مالک: ۹۱)

صحیح البخاری: ۵۳۸۴ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں سورۂ نور: ۶۱ کا ذکر ہے اور اس کے وسط میں درج ذیل ارشاد ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا۔ اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ۔ (النور: ۶۱)

اور یہ مل کر کھانے یا الگ الگ کھانے کی اصل ہے، اسی لیے امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں "النہد" کا ذکر کیا ہے، یعنی ہر فریق اپنے کھانے کا حصہ اپنے صاحب کے حصہ کے برابر نکال لے۔

بعض علماء (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے: اس حدیث میں مذکور ہے کہ صرف ستو لائے گئے، اور یہ لفظ نہد سے ظاہرا مراد نہیں ہے، اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ ستو صرف ایک جہت سے لائے گئے ہوں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ یہ احتمال بعید ہے اور اس پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا، بلکہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جس شخص کے پاس جو کچھ ستو تھے اس نے وہ لا کر حاضر کر دیئے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طعام منگوایا اور آپ نے کسی شخص معین سے نہیں منگوایا تھا بلکہ آپ نے برسبیلِ عموم فرمایا تھا کہ کھانے کی چیزیں لاؤ اور حال اس پر دلالت کرتا ہے کہ جس کے پاس بھی کوئی چیز تھی، اس نے وہ لا کر حاضر کر دی۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اس آیت کی حضرت سُوید بن نعمان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مناسبت یہ ہے کہ اہلِ تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ جب وہ لوگ کھانے کے لیے جمع ہوتے تو نابینا کو الگ کر دیتے اور لنگڑے کو علیحدہ کر دیتے اور بیمار کو علیحدہ کر دیتے تا کہ وہ کھانے کے وقت تندرستوں سے الگ رہیں، پھر ان کو اس میں حرج ہوتا کہ ان کے لیے علیحدہ کھانا بچ ئیں، یہ کلبی کا قول ہے۔

اور عطاء بن یزید نے کہا کہ نابینا کو اس میں رنج ہوتا تھا کہ وہ دوسرے کا طعام کھائے، تو وہ اپنا ہاتھ کھانے کے علاوہ کسی اور جگہ پر رکھ دیتا اور لنگڑا بھی اسی طرح کرتا، کیونکہ کھانے کی جگہ وسیع ہوتی تھی، تو یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لیے دوسرے کے ساتھ کھانے کو مباح کر دیا اور حضرت سُوید بن نعمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیت کا معنی یہ ہے کہ صحابہ اپنے زادِ سفر میں جو کچھ میسر ہوتا اس میں برابر برابر ہاتھ رکھتے تھے، تو یہی سنت ہو گیا کہ سب لوگ جماعت کے ساتھ مل کر کھائیں اور اگر کوئی زیادہ کھا لے یا کم کھا لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور سفر و حضر کی دعوتوں میں بھی اسی اصول کو برقرار رکھا گیا ہے۔

یہ حدیث کتاب الوضوء میں مذکور ہے اس باب میں ''من مضمض من السویق ولم یتوضا''۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵۰-۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۸۔ بَابُ: اَلْخُبْزِ الْمُرَقَّقِ وَالْأَكْلِ عَلَى الْخِوَانِ وَالسُّفْرَةِ

باریک روٹیوں (چپاتیوں) کو کھانا اور میزوں اور دستر خوانوں پر کھانا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

''خبز مرقق''، ''خوان'' اور ''سُفرۃ'' کے معانی

''مُرقق'' کا معنی ہے: نرم اور ملائم، یہ ایسی روٹی ہے جس کو عرف میں چپاتی کہتے ہیں۔ اور ''خُوان'' کا معنی ہے: پیتل کا بڑا طباق جس کے نیچے پیتل کی کرسی ہو اور اس کے ساتھ ملی ہوئی ہو، اس کا طول ایک ہاتھ کے برابر ہے اور امیر لوگ اس پر کھانا رکھ کر کھاتے ہیں، اور ''سُفرۃ'' کا معنی ہے: چمڑے کا گول ٹکڑا، اور مسافر لوگ اس میں کھانا رکھ کر لے جاتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵۱-۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۸۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَنَسٍ وَعِنْدَهُ خَبَّازٌ لَهُ فَقَالَ مَا أَكَلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم خُبْزًا مُرَقَّقًا وَلَا شَاةً مَسْمُوطَةً حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سنان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس ان کا باورچی تھا تو انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پتلی روٹی (چپاتی) نہیں کھائی اور نہ مُسلّم بھنی ہوئی بکری کھائی، حتیٰ کہ آپ کی اللہ عزوجل سے ملاقات ہوگئی۔

(صحیح البخاری: ۵۴۲۱، ۶۴۵۷، سنن ترمذی: ۲۳۶۳، سنن ابن ماجہ: ۳۳۳۹، مسند احمد: ۱۱۸۸۷)

صحیح البخاری: ۵۳۸۵ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے رجال

محمد بن سنان، ان کا نام ہے ابو بکر العوقی الباہلی الاعمٰی (یعنی نابینا)۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

''شاۃ مسموطۃ'': علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: ''الشاۃ السمیطۃ'' اس بکری کو کہتے ہیں جو بھنی ہوئی ہو، یہ فعیل کا لفظ مفعول کے معنی میں ہے، ابن الجوزی نے کہا: یہ امیر لوگوں کا کھانا ہے، وہ بکری کی کھال کو اتار لیتے ہیں تا کہ اس سے نفع حاصل

کریں اور "المسموط" اس کو کہا جاتا ہے جس کے بال گرم پانی سے اتار لیے جائیں اور اس کو اس کی کھال سمیت پکالیا جائے یا بھون لیا جائے، اور کم عمر بکری کو اس طرح پکایا جاتا ہے، اور یہ دو وجہوں سے امیر لوگوں کا طریقہ ہے:

(۱) تا کہ بکری کو جلدی ذبح کرلیا جائے۔

(۲) اس کی کھال اتار لی جائے تا کہ اس کی کھال سے لباس وغیرہ بنا کر نفع حاصل کیا جائے۔

یہ امیر لوگوں کا طریقہ ہے اس لئے اس کو پسند نہیں کیا گیا، کیونکہ اگر اس بکری کے بچہ کو چھوڑ دیا جاتا تو وہ بڑا ہو کر قیمت اور گوشت کے اعتبار سے زیادہ مفید ہوتا، اسی طرح اس کی کھال سے بھی نفع حاصل ہوسکتا تھا، لیکن کھال سمیت پکانے سے اس کا امکان جاتا رہا اس لیے یہ پسندیدہ عمل نہیں ہے، تاہم جائز ہے۔

چپاتی کھانے کا جواز اور اس سوال کا جواب کہ بعض احادیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھنی ہوئی بکری کھائی ہے

علامہ ابن بطال مالکی نے لکھا ہے کہ پتلی روٹی (یعنی چپاتی) کا کھانا جائز ہے اور مباح ہے، اور ہمارے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صرف اس لیے ترک کیا کہ آپ کو دنیا سے بے رغبتی تھی اور دنیا کی نعمتوں کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے پاس جو اجر ہے اس کو اختیار کرنا چاہتے تھے، اسی طرح "خوان" پر کھانا بھی جائز ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جو یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خوان پر نہیں کھایا اور نہ کبھی آپ نے بھنی ہوئی بکری کھائی تو یہ انہوں نے اپنے علم کے مطابق کہا ہے، ورنہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوان پر کھایا ہے اور آپ نے بھنی ہوئی بکری بھی کھائی ہے اور ہر شخص نے اسی کے مطابق خبر دی ہے جس کے مطابق اس کو علم تھا، اور جس کو علم تھا اس کے اوپر نفی کرنے والے کا قول حجت نہیں ہوگا کیونکہ اس نے ایک چیز کا اضافہ کیا ہے اور اس کو قبول کرنا واجب ہے۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نہیں جانتا یا میں نے نہیں دیکھا کہ آپ نے بھنی ہوئی بکری کھائی ہے، اور یقین سے میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے بھنی ہوئی بکری کھائی ہے۔ اور ابن بطال کا یہ قول اس پر مبنی ہے کہ "مسموط" سے مراد بھنی ہوئی بکری ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ مسموط سے مراد بھنی ہوئی بکری ہے تو اس کے معارض وہ حدیث ہے جس کی امام ترمذی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھنا ہوا پہلو لایا گیا تو آپ نے اس سے کھایا، تو میں کہوں گا کہ ہر ایک نے اپنے علم کے مطابق حدیث کا ایک حصہ روایت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵۲-۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۸۶- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ يُونُسَ قَالَ عَلِيٌّ هُوَ الْإِسْكَافُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ مَا عَلِمْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَكَلَ عَلَى سُكْرُجَةٍ قَطُّ وَلَا خُبِزَ لَهُ مُرَقَّقٌ قَطُّ وَلَا أَكَلَ عَلَى خِوَانٍ قَطُّ قِيلَ لِقَتَادَةَ فَعَلَامَ كَانُوا يَأْكُلُونَ قَالَ عَلَى السُّفَرِ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معاذ بن ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از یونس، علی نے کہا اور وہ اسکاف ہیں (یعنی ان کا نام اسکاف ہے) از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پلیٹ یا رکابی پر کھانا رکھ کر کھایا ہو اور نہ کبھی آپ نے پتلی چپاتی کھائی اور نہ کبھی آپ نے خوان

(میز) پر کھانا رکھ کر کھایا، قتادہ سے پوچھا گیا، پھر وہ کس چیز پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے؟ تو انہوں نے کہا: چمڑے کے دستر خوان پر۔

(صحیح البخاری:۵۴۱۵، ۶۴۵۰، سنن الترمذی:۱۷۸۸، سنن ابن ماجہ:۳۲۹۲، مسند احمد:۱۱۹۱۶)

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

علی بن عبد اللہ سے مراد ابن المدینی ہیں، اور معاذ بن ہشام اپنے والد ہشام بن ابو عبد اللہ الدستوائی سے روایت کرتے ہیں۔ اور ابو عبد اللہ کا نام سفیان ہے اور الدستوائی میں دستواء کی طرف نسبت ہے جو اہواز کے اطراف میں ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں ''سُکُرَّجَۃٌ'' کا لفظ ہے (سین اور کاف پر پیش ہے اور راء پر تشدید اور جیم پر زبر ہے)، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ لفظ اصل میں فارسی کا ہے، اس کو عربی بنالیا گیا ہے، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ چونکہ عرب اس لفظ کو استعمال کرتے ہیں اس لیے یہ لفظ عربی ہی ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ یہ چھوٹا چکنا پیالہ ہوتا ہے اور ابن قرقول نے کہا ہے کہ یہ ایسا چھوٹا پیالہ ہوتا ہے جس کے نیچے لکڑی کے چھوٹے پائے ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ کس پر کھاتے تھے؟ تو قتادہ نے کہا کہ وہ چمڑے کے دستر خوان پر کھاتے تھے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں تھا بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی چمڑے کے دستر خوان پر کھانے میں آپ کی اتباع کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵۲-۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۸۶ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن مکی نے کہا ہے: یہ چھوٹی پیالیاں ہوتی ہیں جن میں کھایا جاتا ہے اور اس میں بڑے پیالے بھی ہوتے ہیں اور چھوٹی پیالیاں بھی ہوتی ہیں، بڑے پیالے وہ ہوتے ہیں جو زیادہ طعام کی گنجائش رکھتے ہیں، چھوٹی پیالیوں کا استعمال اس لیے ہوتا تھا کہ عجمی لوگ ان پیالوں میں ''الکوامیخ والجواریخ'' (یعنی اچار اور چٹنی وغیرہ) رکھتے تھے، جس سے ہضم میں مدد حاصل ہوتی تھی۔ (اور اچار اور چٹنی کا استعمال وہ لوگ کرتے تھے جو زیادہ کھانے کے شوقین ہوتے تھے)، (اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ زیادہ کھانے سے بے رغبتی تھی، اس لیے آپ ایسا نہیں کرتے تھے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ صحابہ کے ساتھ مل کر اجتماعی ہیئت میں کھانا کھاتے تھے تو اس وجہ سے چھوٹی پیالیوں میں نہیں کھاتے تھے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۳۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۷۵-۵۷۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۳۸۷۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ أَخْبَرَنِي حُمَيْدٌ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا يَقُولُ قَامَ النَّبِيُّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے خبر دی،

صلی اللہ علیہ وسلم يَبْنِي بِصَفِيَّةَ فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِينَ إِلَى وَلِيمَتِهِ أَمَرَ بِالْأَنْطَاعِ فَبُسِطَتْ فَأُلْقِيَ عَلَيْهَا التَّمْرُ وَالْأَقِطُ وَالسَّمْنُ وَقَالَ عَمْرٌو عَنْ أَنَسٍ بَنَى بِهَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ صَنَعَ حَيْسًا فِي نِطَعٍ۔

انہوں نے کہا: ہمیں حمید نے خبردی کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کر رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب زفاف گزار کر اٹھے، تو میں نے مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ولیمہ کی طرف بلایا، آپ نے چمڑے کے ایک بڑے ٹکڑے کو بچھانے کا حکم دیا، سو اس کو بچھایا گیا، پھر اس پر کھجوریں، پنیر اور گھی رکھ دیا گیا، عمرو نے کہا از حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب زفاف گزاری، پھر آپ نے حلوہ بنا کر چمڑے کے دسترخوان پر رکھا۔

(صحیح البخاری: ۳۷۱، ۶۱۰، ۹۴۷، ۲۲۲۸، ۲۲۳۵، ۲۸۸۹، ۲۸۹۳، ۲۹۴۳، ۲۹۴۴، ۲۹۴۵، ۲۹۹۱، ۳۰۸۵، ۳۰۸۶، ۳۳۶۷، ۳۶۴۷، ۴۰۸۳، ۴۰۸۴، ۴۱۹۷، ۴۱۹۸، ۴۱۹۹، ۴۲۰۱، ۴۲۰۲، ۴۲۱۱، ۴۲۱۲، ۴۲۱۳، ۵۰۸۵، ۵۱۵۹، ۵۱۶۹، ۵۳۸۷، ۵۴۲۵، ۵۵۲۸، ۵۸۵۹، ۵۹۶۸، ۶۱۸۵، ۶۳۶۳، ۶۳۶۹، ۷۳۳۳، صحیح مسلم: ۱۳۶۵، سنن ترمذی: ۱۵۵۰، سنن نسائی: ۳۳۸۰، مسند احمد: ۱۱۵۸۱، موطا امام مالک: ۱۰۲۰، سنن ابوداؤد: ۲۹۹۸)

صحیح البخاری: ۵۳۸۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابن ابی مریم کا ذکر ہے اور وہ سعید بن محمد بن حکم بن ابی مریم مصری ہیں۔ ان کی حدیث غزوۂ خیبر میں طوالت کے ساتھ گزری ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: عمرو نے کہا، اس سے مراد عمرو بن ابی عمرو مولی المطلب بن عبد اللہ بن حنطب ہیں از حضرت انس رضی اللہ عنہ، یہ حدیث بھی کتاب المغازی میں طوالت کے ساتھ گزر چکی ہے۔

''حیس'' کا معنی: اس حدیث میں حیس کا لفظ ہے اور یہ کھجوروں اور گھی کو ملا کر ایک قسم کا حلوہ بنایا جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۸۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ وَعَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ قَالَ كَانَ أَهْلُ الشَّامِ يُعَيِّرُونَ ابْنَ الزُّبَيْرِ يَقُولُونَ يَا ابْنَ ذَاتِ النِّطَاقَيْنِ فَقَالَتْ لَهُ أَسْمَاءُ يَا بُنَيَّ إِنَّهُمْ يُعَيِّرُونَكَ بِالنِّطَاقَيْنِ هَلْ تَدْرِي مَا كَانَ النِّطَاقَانِ إِنَّمَا كَانَ نِطَاقِي شَقَقْتُهُ نِصْفَيْنِ فَأَوْكَيْتُ قِرْبَةَ رَسُولِ اللهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو معاویہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از والد خود از وہب بن کیسان، انہوں نے بیان کیا کہ اہل شام حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کو طعنہ دیتے تھے اور کہتے تھے: اے دو کمر بند والی کے بیٹے! تو حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے ان کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے

صلی اللہ علیہ وسلم بِأَحَدِهِمَا وَجَعَلْتُ فِي سُفْرَتِهِ آخَرَ قَالَ فَكَانَ أَهْلُ الشَّأْمِ إِذَا عَيَّرُوهُ بِالنِّطَاقَيْنِ يَقُولُ إِيهًا وَالْإِلَهِ تِلْكَ شَكَاةٌ ظَاهِرٌ عَنْكَ عَارُهَا۔

کہا: اے میرے بیٹے! یہ تم کو دو کمر بند والی کے ساتھ طعنہ دیتے ہیں اور عار دلاتے ہیں، کیا تم جانتے ہو یہ دو کمر بند کیا تھے؟، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت میرا ایک کمر بند تھا جس کے میں نے دو ٹکڑے کیے، ایک ٹکڑے کے ساتھ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پانی کا مشکیزہ باندھا اور دوسرے ٹکڑے کے ساتھ اس میں آپ کا ناشتہ لپیٹا، پھر جب اہلِ شام حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو دو کمر بند والی کے بیٹے کا طعنہ دیتے تو وہ کہتے تھے: یہ ایسا طعنہ ہے، جو مجھے اللہ کی قسم! اچھا لگتا ہے، یا یہ ایسی بات ہے جس کی مجھے تصدیق اور اعتراف ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۸۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہل شام کا مصداق

اس سے مراد حجاج بن یوسف کا لشکر ہے جو حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مکہ میں قتال کرنے آئے تھے، اور یہ لشکر عبد الملک بن مروان کی طرف سے مقرر ہوا تھا، اور اس سے مراد الحسین بن نمیر ہے جنہوں نے اس سے پہلے یزید بن معاویہ کی طرف سے قتال کیا تھا۔

نطاقان کی شرح

اہل شام حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو طعنہ دیتے تھے کہ تم اس عورت کے بیٹے ہو جس کے دو کمر بند تھے، عورتیں ایک کمر بند کے ساتھ اپنی کمر کو باندھتی تھیں اور اس کا ایک سرا گھٹنے تک لٹکا رہتا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہجرت کی شب غارِ ثور میں تھے تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کے لیے پانی کا مشکیزہ اور طعام لے جاتی تھیں، انہوں نے اپنے کمر بند کے دو ٹکڑے کیے، ایک ٹکڑے کے ساتھ مشکیزے کا منہ باندھ دیا اور دوسرے ٹکڑے کے ساتھ کھانے کو لپیٹ کر باندھ دیا اور وہ اس طرح پانی کا مشکیزہ اور کھانا غارِ ثور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پہنچاتی تھیں۔ جب اہل شام نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو یہ طعنہ دیا کہ تم دو کمر بند والی کے بیٹے ہو تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو تسلی دی کہ اے میرے بیٹے! اس سے تم رنجیدہ نہ ہو، میں نے اپنے کمر بند کے دو ٹکڑے کر لیے تھے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا پہنچا سکوں، پھر جب اہل شام حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو ''ابن ذات النطاقین'' کا طعنہ دیتے، تو حضرت عبد اللہ بن زبیر کہتے: ''ای ھا والالہ'' یعنی مجھے اس کا اعتراف ہے اللہ کی قسم! یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اور کہو اللہ کی قسم! یہ بات مجھے محبوب ہے، کیونکہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے لیے یہ بات باعثِ فخر تھی کہ ان کی والدہ نے اپنے کمر بند کے دو ٹکڑے کیے تاکہ ایک

سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانی کا مشکیزہ باندھیں اور دوسرے میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا باندھیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵۴-۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۸۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ أُمَّ حُفَيْدٍ بِنْتَ الْحَارِثِ بْنِ حَزْنٍ خَالَةَ ابْنِ عَبَّاسٍ أَهْدَتْ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم سَمْنًا وَأَقِطًا وَأَضُبًّا فَدَعَا بِهِنَّ فَأُكِلْنَ عَلَى مَائِدَتِهِ وَتَرَكَهُنَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم كَالْمُسْتَقْذِرِ لَهُنَّ وَلَوْ كُنَّ حَرَامًا مَا أُكِلْنَ عَلَى مَائِدَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَلَا أَمَرَ بِأَكْلِهِنَّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کہ حضرت ام حُفید بنت الحارث بن حزن جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ میں گھی، پنیر اور کئی گوہ بھیجیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منگایا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر وہ چیزیں کھائی گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ترک فرمادیا، گویا آپ کو ان سے گھن آرہی تھی، اور اگر یہ چیزیں حرام ہوتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر نہ کھائی جاتیں اور نہ آپ انہیں کھانے کا حکم دیتے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۷۵، ۵۳۸۹، ۵۴۰۲، ۷۳۵۸، صحیح مسلم: ۱۹۴۷، سنن نسائی: ۴۳۱۹، سنن ابوداؤد: ۳۷۹۳، مسند احمد: ۲۹۵۴)

میں کہتا ہوں: صحیح البخاری: ۲۵۷۵ میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کو گھن کھاتے ہوئے ترک کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر گوہ کھائی گئی ہے اور اگر گوہ حرام ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر نہ کھائی جاتی۔

گوہ کھانے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن محمد قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

اکثر اہل علم کے نزدیک گوہ کا کھانا مباح ہے، ان میں حضرت عمر بن الخطاب اور دیگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں، حضرت ابو سعید نے کہا: ہمیں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو اگر کوئی شخص گوہ ہدیہ میں دیتا تو وہ اس کے نزدیک مرغی سے زیادہ پسندیدہ تھی، حضرت عمر نے کہا: اگر مجھے ہر گوہ کے بدلہ میں فربہ مرغی ملتی تو میں یہ چاہتا کہ مجھے ہر سوراخ میں گوہ مل جاتی، امام مالک، امام شافعی، لیث، اور ابن المنذر کا بھی یہی قول ہے، اور امام ابوحنیفہ نے کہا: گوہ حرام ہے (بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے۔

گوہ کھانے کے مکروہ تحریمی ہونے متعلق احادیث

حضرت عبدالرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۹۶)

حضرت خزیمہ بن جز رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گوہ کے کھانے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: کیا کوئی گوہ کو کھائے گا! اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور امام ابن ماجہ نے اس

حدیث کی ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ گوہ کون کھائے گا؟ اور امام احمد، اسحاق اور امام ابویعلی نے روایت کی ہے کہ سعید بن المسیب سے گوہ کے کھانے کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔
(الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ مع ہدایہ اخیرین ص ۴۴۰، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گوہ ہدیہ میں پیش کی گئی تو آپ نے اسے نہیں کھایا، پھر ایک سائل آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو گوہ دینے کا ارادہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس کو وہ چیز دے رہی ہو جس کو تم خود نہیں کھاتیں۔
(شرح معانی الآثار: ۶۲۲۲، قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے اور دوسروں کے کھانے کے لیے گوہ کو مکروہ قرار دیا۔

صحیح البخاری: ۵۳۸۹ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
یہ حدیث کتاب الہبہ میں باب قبول الھدیہ میں گزر چکی ہے، اور اس کی مکمل شرح وہاں ذکر کی گئی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

ام حُفید: (حاء پر پیش ہے اور فاء پر زبر ہے اور یاء پر جزم ہے)، بنت الحارث بن حزن، ان کا نام ہزیلہ ہے، یہ لفظ ہزلہ کی تصغیر ہے اور ان کی کئی بہنیں تھیں، ام خالد بن ولید اور ان کا نام لبابہ ہے اور یہ لبابہ صغریٰ ہیں، اور ام ابن عباس یہ لبابہ کبریٰ ہیں، اور حضرت میمونہ ام المومنین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ، یہ سب الحارث بن الحزن الہلالی کی بیٹیاں ہیں۔

گوہ کا معنی

اس حدیث میں ''الضب'' کا لفظ ہے، اس میں الف پر زبر ہے اور ضاد پر پیش ہے اور باء پر تشدید ہے، یہ لفظ ضب کی جمع ہے جیسے فلس کی جمع افلس ہے، اور کتاب العین میں مذکور ہے: ''الضب'' کی کنیت ''ابوحلس'' ہے اور یہ ایسا جانور ہے جو ''الوَرَل'' کے مشابہ ہوتا ہے، (الوَرَلُ کا معنی ہے: گوہ کی مثل ایک جانور اور گوہ کو اردو میں سوسمار کہتے ہیں)۔ عرب اس جانور کو کھاتے ہیں۔
اس حدیث میں مذکور ہے: ''کالمتقذر'' یعنی اس کو مکروہ سمجھتے ہوئے اور اس کو صفائی کے خلاف سمجھتے ہوئے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵۶-۵۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابُ: السَّوِيقِ
ستو کا بیان

اس باب میں ستو کا بیان ہے۔
جو یا گندم کو بھون کر آٹے کی طرح پیس لیا جائے، پھر جو اس سے حاصل ہوتا ہے اس کو ستو کہتے ہیں۔ اس کو پانی میں گھول کر اور اس میں شکر ملا کر بھی پیا جاتا ہے، اور اس میں گھی ملا کر اور چینی ڈال کر بھی جامد حالت میں کھایا جاتا ہے۔ احادیث میں ستو کے دونوں طرح کھانے کا ذکر ہے۔

۵۳۹۰۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ النُّعْمَانِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُمْ كَانُوا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِالصَّهْبَاءِ وَهِيَ عَلَى رَوْحَةٍ مِنْ خَيْبَرَ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَدَعَا بِطَعَامٍ فَلَمْ يَجِدْهُ إِلَّا سَوِيقًا فَلَاكَ مِنْهُ فَلُكْنَا مَعَهُ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَمَضْمَضَ ثُمَّ صَلَّى وَصَلَّيْنَا وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از یحییٰ از بُشیر بن یسار از سُوید بن نعمان، انہوں نے ان کو خبر دی کہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ مقام الصہباء میں تھے اور یہ جگہ خیبر سے دوپہر کے وقت کی مسافت کے فاصلہ پر ہے، پس نماز کا وقت آ گیا تو آپ نے کھانا منگایا، تو سوائے ستو کے اور کوئی چیز نہیں ملی تو آپ نے ستو پھانک لیے، ہم نے بھی آپ کے ساتھ پھانکے، پھر آپ نے پانی منگایا، آپ نے کلی کی اور آپ نے نماز پڑھی اور ہم نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ نے وضو نہیں فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۹، ۲۱۵، ۲۹۸۱، ۴۱۷۵، ۴۱۹۵، ۵۳۸۴، ۵۳۹۰، ۵۴۵۴، ۵۴۵۵)

صحیح البخاری: ۵۳۹۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے رجال

اس حدیث میں حماد کا ذکر ہے، یہ ابن زید ہیں اور یحییٰ کا ذکر ہے اور یہ ابن سعید الانصاری ہیں، اور بُشَیْر (با، پر پیش اور شین پر زبر) یہ ابن یسار ہیں، اور یسار کا معنی ہے: یمین کی ضد۔

مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فلاك منه''، یہ لفظ لوث سے ماخوذ ہے، یعنی کسی چیز کو منہ میں رکھ کر گھولنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''آپ نے وضو نہیں کیا''، اس میں یہ بیان ہے کہ آپ نے ستو کھانے کو وضو توڑنے کا سبب قرار نہیں دیا اور اس سے معلوم ہوا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۰۔ بَابُ: مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَأْكُلُ حَتَّى يُسَمَّى لَهُ فَيَعْلَمَ مَا هُوَ

اس بات کا بیان کہ نبی ﷺ کسی چیز کو نہیں کھاتے تھے حتیٰ کہ اس کا نام لیا جاتا، سو آپ جان لیتے کہ کیا چیز ہے

اس باب کے عنوان کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے جو چیز رکھی جاتی، آپ اس کو اس وقت تک نہیں کھاتے تھے جب تک

کہ اس چیز کا نام آپ کو نہ بتایا جائے۔

علامہ ابن بطال بیان کرتے ہیں کہ عرب کا طریقہ یہ تھا کہ کھانے کی جو چیز سامنے ہوتی تو وہ اس کے متعلق سوال نہیں کرتے تھے، کیونکہ کھانے کی چیزیں کم ہوتی تھیں، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے سے پہلے خود سوال نہیں کیا تھا۔

۵۳۹۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو أُمَامَةَ بْنُ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ الْأَنْصَارِيُّ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ الَّذِي يُقَالُ لَهُ سَيْفُ اللهِ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ دَخَلَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى مَيْمُونَةَ وَهِيَ خَالَتُهُ وَخَالَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ فَوَجَدَ عِنْدَهَا ضَبًّا مَحْنُوذًا قَدْ قَدِمَتْ بِهِ أُخْتُهَا حُفَيْدَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ مِنْ نَجْدٍ فَقَدَّمَتِ الضَّبَّ لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَكَانَ قَلَّمَا يُقَدِّمُ يَدَهُ لِطَعَامٍ حَتَّى يُحَدَّثَ بِهِ وَيُسَمَّى لَهُ فَأَهْوَى رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَدَهُ إِلَى الضَّبِّ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنَ النِّسْوَةِ الْحُضُورِ أَخْبِرْنَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَا قَدَّمْتُنَّ لَهُ هُوَ الضَّبُّ يَا رَسُولَ اللهِ فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَدَهُ عَنِ الضَّبِّ فَقَالَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ أَحَرَامٌ الضَّبُّ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ لَا وَلَكِنْ لَمْ يَكُنْ بِأَرْضِ قَوْمِي فَأَجِدُنِي أَعَافُهُ قَالَ خَالِدٌ فَاجْتَرَرْتُهُ فَأَكَلْتُهُ وَرَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَنْظُرُ إِلَيَّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل ابوالحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از زہری، انہوں نے کہا: مجھے خبر دی ابوامامہ بن سہل بن حُنیف الانصاری نے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی، کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جن کو سیف اللہ کہا جاتا ہے، انہوں نے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور وہ ان کی خالہ تھیں، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بھی خالہ تھیں، پس وہاں انہوں نے ایک بھنی ہوئی گوہ پائی، جس کو ان کی بہن حضرت حُفیدۃ بنت الحارث نجد سے لے کر آئی تھیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گوہ رکھ دی گئی اور کم ایسا ہوتا تھا کہ آپ کھانے کے اوپر ہاتھ بڑھاتے حتیٰ کہ آپ کو بتایا جاتا اور نام لیا جاتا کہ یہ کیا کھانا ہے، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ گوہ کی طرف بڑھایا، پس ایک خاتون نے جو اس وقت وہاں تھیں، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاؤ تم نے آپ کے سامنے کیا چیز پیش کی ہے، یارسول اللہ! وہ گوہ ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ سے اپنا ہاتھ اٹھالیا، پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا گوہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، لیکن یہ ہم لوگوں کی سرزمین میں نہیں ہوتی، میں اس سے تنفر ہوتا ہوں، حضرت خالد بن ولید نے کہا: پس میں نے اس کو گھسیٹ لیا اور اس کو کھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف دیکھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۰۰، ۵۵۳۷، صحیح مسلم: ۱۹۴۶، سنن نسائی: ۴۳۱۶، سنن ابوداؤد: ۳۷۹۴، مسند احمد: ۲۶۷۹، موطا امام مالک: ۱۸۰۵، سنن دارمی: ۲۰۱۷)

صحیح البخاری: ۵۳۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے رجال

اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے اور یہ عبداللہ بن المبارک المروزی ہیں، اور یونس کا ذکر ہے اور یہ یونس بن یزید ہیں۔ اور زہری کا ذکر ہے اور یہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں، اور ابواُمامہ کا ذکر ہے، یہ اسعد بن سہل بن حنیف ہیں۔

اس حدیث میں لکھا ہے کہ حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بھی خالہ تھیں اور ہم اس سے پہلے اس باب میں لکھ چکے ہیں جس میں چچا تیوں کا ذکر تھا کہ حضرت لبابہ صغریٰ یہ حضرت خالد بن ولید کی ماں ہیں اور حضرت لبابہ کبریٰ حضرت ابن عباس کی ماں ہیں، اور حضرت اُم حفیدہ آپس میں بہنیں ہیں اور یہ الحارث بن حزن کی بیٹیاں ہیں اور یہاں پر ذکر کیا ہے کہ حضرت حفیدہ یہی ام حفیدہ ہیں اور یہی اہل نسب کے نزدیک محفوظ ہیں اور ان کا نام ہزیلہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا تھا۔

''محنوذ'' کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے ''محنوذا'' یعنی بھنی ہوئی، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

أَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ (ہود) پھر تھوڑی دیر بعد وہ گائے کا بھنا ہوا بچھڑا لے آئے O

کہا جاتا ہے: ''حنذت الشاۃ'' یعنی میں نے بکری کو بھون لیا اور اس کے اوپر پتھر رکھ دیے تا کہ وہ پک جائے۔

امام مسلم کی روایت میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھانے کا ارادہ کیا تو حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ یہ گوہ کا گوشت ہے تو آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

''النسوۃ الحضور'' میں موصوف اور صفت میں عدم مطابقت کے اعتراض کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فقالت امراۃ من النسوۃ الحضور''، اس پر یہ اعتراض ہے کہ النسوۃ مؤنث ہے اور الحضور جمع کا صیغہ ہے اور صفت اور موصوف کے اندر تذکیر و تانیث میں مطابقت ضروری ہوتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر صورۃ الجمع مراد ہے یا یہ کہا جائے کہ یہاں پر الحضور مصدر ہے اس لیے یہ مذکر اور مونث کے برابر ہے۔

اس حدیث میں ''اعافه'' کا لفظ ہے، یعنی میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔

گوہ کھانے کے متعلق مذاہب فقہاء

اس حدیث سے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ اور سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۷ھ، نے یہ استدلال کیا ہے کہ گوہ کا کھانا جائز ہے، اور یہی ظاہریہ (غیر مقلدین) کا مذہب بھی ہے۔ اور ابن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے کہ گوہ کھانے کی اباحت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے منقول ہے اور دیگر صحابہ سے بھی۔

صاحب ہدایہ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ نے کہا ہے کہ گوہ کا کھانا مکروہ ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کے کھانے سے منع فرمایا تھا جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے کھانے کے متعلق سوال کیا، لیکن امام ابو

جعفر احمد بن محمد طحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے شرح معانی الآثار میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے گوہ کھانے کی اباحت کی طرف رجوع کر لیا اور کہا کہ گوہ کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ہمارے نزدیک یہی قول معتبر ہے اور امام طحاوی نے کہا: اور ایک قوم نے گوہ کھانے کو مکروہ قرار دیا ہے، ان میں سے امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ، اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: امام طحاوی کی قوم سے مراد الحارث بن مالک اور یزید بن ابی زیاد اور وکیع ہیں، کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ گوہ کا کھانا مکروہ ہے، اور یہ مذہب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ، اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما متوفی ۷۸ھ کا ہے۔ پھر ہمارے اصحاب کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ گوہ کھانے کی کراہت، کراہتِ تنزیہی ہے کراہتِ تحریمی نہیں ہے، کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ گوہ کھانا حرام نہیں ہے۔

گوہ کھانے کی کراہت پر دلیل اور جن احادیث میں گوہ کھانے کا جواز ہے ان کا منسوخ ہونا

اور ہمارے بعض اصحاب نے کہا کہ بعض احادیث گوہ کھانے کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں اور بعض احادیث گوہ کھانے کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں اور تاریخ معلوم نہیں ہے۔ پس محرم (حرام کرنے والی) کو مبیح (مباح کرنے والی) سے مؤخر قرار دیا جائے گا تو یہ نسخ کی دلیل ہے اور ان تمام احادیث میں سے جو گوہ کھانے کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے جس کو صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی نے ذکر کیا ہے، لیکن اس میں بحث ہے کیونکہ صاحب تخریج احادیث الہدایہ (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث غریب ہے۔

گوہ کھانے کی کراہت پر مزید احادیث اور فقہاء شافعیہ کے اعتراضات کے جوابات

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: کہ محمد بن الحسن نے از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ، سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گوہ پیش کی گئی تو آپ نے اس کو نہیں کھایا، پھر میں نے آپ سے گوہ کھانے کے متعلق پوچھا تو آپ نے مجھے اس سے منع فرمایا، پھر ایک سائل آیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سائل کو گوہ دینے کا ارادہ کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو وہ چیز دے رہی ہو جو تم خود نہیں کھاتیں، سو یہ نہی (ممانعت) تحریم پر دلالت کرتی ہے۔

نیز امام ابوداؤد نے کتاب الاطعمہ میں اس اسماعیل بن عیاش از ضمضم بن زرعہ از شریح بن عبید از ابی راشد الحبر انی از عبدالرحمن بن شبل روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کھانے سے منع فرمایا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی روایت میں ابن عیاش منفرد ہیں اور یہ حدیث حجت نہیں ہے اور حافظ المنذری نے کہا ہے: اسماعیل بن عیاش اور ضمضم دونوں میں مقال ہے، اور علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند اس پائے کی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا جواب یہ ہے کہ ضمضم حمصی اور ابن عیاش جب شامیین سے روایت کریں تو ان کی حدیث صحیح ہوتی ہے، اسی طرح اس کو امام بخاری اور یحییٰ بن معین نے کہا ہے اور امام بیہقی پر تعجب ہے کہ انہوں نے "باب ترك الوضوء من الدم" میں

بھی امام بخاری اور یحییٰ بن معین کی مثل کہا ہے اور یہاں پر کہا ہے کہ وہ حجت نہیں ہے، اور امام ابوداؤد نے اس حدیث کی روایت کی اور اس پر سکوت کیا۔ اور امام ابوداؤد کا قاعدہ یہ ہے کہ جس حدیث پر وہ سکوت کریں تو وہ ان کے نزدیک حسن ہوتی ہے، جیسا کہ اصولِ حدیث میں معروف ہے۔

نیز امام ترمذی نے سندِ صحیح کے ساتھ ابن عیاش از شرحبیل بن مسلم از ابی امامہ اور شرحبیل شامی روایت کی ہے اور امام طحاوی نے معانی الآثار میں روایت کی ہے عبدالرحمٰن بن حسنہ کی طرف اسناد کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ ہم ایک ایسی سرزمین میں داخل ہوئے جس میں گوہ بہت زیادہ تھیں، ہم کو بھوک لگی ہوئی تھی، ہم نے چند گوہ لے کر پکالیں اور پتیلیوں میں گوہ کا گوشت اُبل رہا تھا، اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ ہم نے بتایا کہ گوہ ہیں جن کو ہم نے پایا ہے، آپ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی ایک امت کو مسخ کر کے زمین کا ایک جانور بنا دیا گیا تھا اور مجھے خطرہ ہے کہ وہ جانور یہی گوہ ہے، سو تم ان پتیلیوں کو الٹ دو۔

یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے اور یہ فقہاءِ احناف کی قوی دلیل ہے کہ گوہ کھانا مکروہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵۸-۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۹۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کھانے کی چیزوں کے متعلق سوال کرنے کی توجیہ

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ کھانے کے متعلق اس لیے سوال کیا جاتا تھا کہ عرب کھانے کی چیزوں میں سے کسی کو ناپسند نہیں کرتے تھے، کیونکہ ان کے ہاں کھانے کی چیزیں کم ہوتی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض چیزوں کو ناپسند کرتے تھے، اور اس لیے ان کے متعلق سوال کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کہتے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سوال کا سبب یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر جنگلوں میں نہیں رہتے تھے، اس لیے آپ کو بہ کثرت حیوانات کی خبر نہیں تھی، یا اس وجہ سے کہ شریعت نے بعض حیوانات کو تو حرام قرار دیا اور بعض حیوانات کو مباح قرار دیا اور صحابہ از خود کسی چیز کو حرام نہیں قرار دیتے تھے اور بسا اوقات وہ کوئی جانور پکا ہوا لاتے اور کوئی جانور بھنا ہوا لاتے، پس ان کے نزدیک حلال ہونا متمیز نہ ہوتا سوائے اس کے کہ وہ اس کے متعلق سوال کریں۔

پھر امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث گوہ کے قصہ میں ذکر کی ہے اور اس کی شرح ''کتاب الصید والذبائح'' میں آئے گی۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۳۴-۵۳۵، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۷۷-۵۷۸، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۹۱ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث پہلی حدیث کی مثل ہے لیکن اس میں یہ اضافہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز لائی جاتی تو بہت کم ایسا

ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے متعلق سوال کرتے حتیٰ کہ آپ کو بتایا جاتا اور کہا جاتا کہ یہ چیز اس طرح ہے، اس طرح ہے، تاکہ آپ کا نفس مطمئن ہو۔

اور بعض مورخین نے ذکر کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہودی عورت خیبر میں زہر آلود بکری لائی تو اس کے بعد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز لائی جاتی تو آپ اس وقت تک نہیں کھاتے تھے جب تک کہ یہ معلوم نہیں کر لیتے کہ یہ کیا چیز ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پرہیز کرنا چاہیے اور احتیاط کے تقاضوں پر عمل کرنا چاہیے، اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متقی تھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنا ہاتھ گوہ سے کھینچ لیا تو حضرت خالد بن ولید نے پوچھا: کیا گوہ حرام ہے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)؟۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۴۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۱۔ بَابٌ: طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الِاثْنَيْنِ ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کو کافی ہوتا ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری کا یہ عنوان صرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مناسب ہے جو امام بخاری کی شرط کے مطابق ہے

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کو کافی ہوتا ہے۔ اور یہ عنوان اس حدیث میں ہے جس کی امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک ایک آدمی کا طعام دو آدمیوں کو کافی ہوتا ہے، اور دو آدمیوں کا طعام تین آدمیوں کو کافی ہوتا ہے اور چار آدمیوں کا طعام پانچ آدمیوں کو کافی ہوتا ہے۔

اور امام سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مل کر کھاؤ اور علیحدہ علیحدہ نہ کھاؤ، کیونکہ ایک آدمی کا طعام دو کو کافی ہوتا ہے اور امام طبرانی نے نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی کا طعام دو آدمیوں کو کافی ہوتا ہے اور دو آدمیوں کا طعام چار کو کافی ہوتا ہے، اور نیز امام طبرانی نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ متوفی ۵۸ھ، سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی کا طعام دو آدمیوں کو کافی ہوتا ہے۔

اور اس باب کی حدیث عنوان کے مخالف ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کا مرجع نصف ہے، اور دوسری احادیث کا مرجع ثلث اور ربع ہے، اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ الفاظ جو ان احادیث میں ذکر کیے گئے ہیں، یہ احادیث امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں تھیں تو انہوں نے عنوان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ذکر کیا کیونکہ وہ ان کی شرط کے مطابق تھی۔

۵۳۹۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ ح امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ

وحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ طَعَامُ الِاثْنَيْنِ كَافِي الثَّلَاثَةِ وَطَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِي الْأَرْبَعَةِ۔

بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی، ح اور ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابی زناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کو کافی ہوتا ہے اور تین آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کو کافی ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۰۵۸، سنن ترمذی: ۱۸۲۰، مسند احمد: ۹۰۲۳، موطا امام مالک: ۱۷۲۶)

صحیح البخاری: ۵۳۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان احادیث سے مراد ہمدردی اور غمگساری ہے

اس حدیث میں ارشاد ہے" دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کو کافی ہوتا ہے": یعنی جتنے کھانے سے دو آدمی سیر ہو جاتے ہیں تو تین آدمی بھی سیر ہو کر کھا سکتے ہیں اور جتنے کھانے سے تین آدمی سیر ہو کر کھا سکتے ہیں، اتنے کھانے سے چار آدمی بھی سیر ہو کر کھا سکتے ہیں۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: ان احادیث سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو کھانے کی اتنی مقدار پر کفایت کرنے کی ترغیب دی جائے جس سے ان کو قناعت ہو جائے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور سخاوت کا موقع حاصل ہو۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہر حال میں دو کا کھانا تین کے لیے کافی ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد لوگوں کے ساتھ غمگساری اور حسن سلوک ہے اور چاہیے کہ دو آدمی تیسرے آدمی کو اپنے ساتھ کھانے میں داخل کر لیں اور چوتھے کو بھی داخل کر لیں اگر وہ حاضر ہو تو۔

مل کر کھانے کی ترغیب

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ کھانا مل کر کھانا چاہیے اور کوئی مرد اکیلا نہ کھائے، کیونکہ اس سے برکت حاصل ہوتی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

ہم نے ذکر کیا ہے کہ امام طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ مل کر کھاؤ اور متفرق طور پر نہ کھاؤ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

پرہیزی کھانا الگ کھانے کا جواز

میں کہتا ہوں: اصل اور سنت تو یہی ہے کہ مل کر کھانا چاہیے اور الگ الگ بیٹھ کر نہیں کھانا چاہیے لیکن اگر کوئی آدمی بیمار ہو اور اس کا کھانا پرہیزی ہو اور دوسرے صحت مند ہوں جو عام قسم کا کھانا کھاتے ہوں تو پھر بیمار آدمی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنا پرہیزی کھانا الگ بیٹھ کر کھا لے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۳۹۲ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان احادیث سے مراد اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دینا ہے اور سخاوت اور غمگساری کرنا ہے

امام ترمذی متوفی ۲۷۹ ھ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کو کافی ہوتا ہے، اور دو آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کو کافی ہوتا ہے اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کو کافی ہوتا ہے۔

تاہم یہ حدیث امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہے۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ ھ نے کہا ہے: ان احادیث سے مراد کھانے میں سخاوت ہے اور غمگساری ہے اور اپنے نفس کے اوپر دوسروں کو ترجیح دینا ہے۔ اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہر آدمی کھانے میں برابر ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین کو کافی ہے، یہ دلیل ہے کہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دی جائے جس کی وجہ سے صحابہ کی اور مسلمانوں کی ستائش کی گئی ہے اور کھانے کی جتنی مقدار سے قناعت ہو جائے اتنی مقدار کے اوپر کفایت کی جائے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس سال قحط پڑ گیا تھا یہ ارادہ کیا کہ ہر گھر والا اپنے ساتھ اتنے لوگوں کو کھلائے جتنے لوگ اس کے گھر میں ہیں اور فرمایا: کوئی شخص اپنی نصف خوراک کے کھانے سے ہلاک نہیں ہوگا۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: اس باب کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مجتمع ہو کر کھانا مستحب ہے اور کوئی شخص اکیلا نہ کھائے، اور اسی میں برکت ہے اور عنقریب اس باب میں آئے گا کہ جس نے دس دس مہمانوں کو اپنے گھر میں داخل کیا اور اس سے ظاہر یہ ہو گیا کہ یہاں سیر ہو کر کھانا مراد نہیں ہے بلکہ اتنا کھانا مراد ہے جو ایک وقت کے لیے کافی ہو، کیونکہ حدیث میں ہے کہ ایک آدمی کا کھانا دو کو کافی ہوتا ہے اور دو کا کھانا چار کو کافی ہوتا ہے علیٰ ھذا القیاس۔ اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ جتنے کھانے سے ایک آدمی سیر ہو کر کھا سکتا ہو، وہ کھانا دو آدمیوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۱۳۲-۱۳۴، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۹۲، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو اس حدیث میں جو فرمایا ہے: "دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کو کافی ہوتا ہے اور تین آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کو کافی ہوتا ہے"۔ اس سے کیا مراد ہے؟ تو میں کہوں گا: اس سے مراد سیر ہو کر کھانا ہے۔ بعض شارحین نے کہا ہے: اگر تم کہو کہ عنوان اس پر دلالت کرتا ہے کہ ایک کا کھانا نصف سیر ہونے کے لیے کافی ہے اور حدیث دلالت کرتی ہے کہ دو تہائی کا کھانا چار آدمیوں کے سیر ہونے کے لیے کافی ہے تو میں کہوں گا: یہ کلام بہ طور تشبیہ یا بہ تقریب کے ہے، بہ طور تہدید کے نہیں ہے اور شارع علیہ السلام کی غرض یہ ہے کہ ایک کھانے کو زیادہ لوگ مل کر کھائیں تاکہ برکت حاصل ہو۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۹ ص ۹۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۹۲، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

قناعت اور مکارم اخلاق کی ترغیب

طعام اگر قلیل بھی ہو تو لوگوں کو مل کر کھانا چاہیے کیونکہ اس سے برکت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے کھانے کو مل کر کھاؤ تو اللہ تعالیٰ تم کو اس میں برکت عطا فرمائے گا اور اس حدیث کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ غمگساری اور حیات میں تعاون کی دعوت دی جائے، کیونکہ جو طعام ایک آدمی کے لیے کافی ہوتا ہے وہ دو کے لیے بھی کافی ہو جاتا ہے جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں ہے۔

اور اس حدیث شریف کا تقاضا یہ ہے کہ پانچ آدمیوں کا کھانا دس کو کافی ہوگا اور اس حدیث سے مقصود غمگساری ہے اور یہ کہ مسلمان اپنے کھانے میں بخل نہ کرے اور یہ کہے کہ یہ کھانا کافی نہیں ہے، یہ کھانا تو صرف ایک شخص کے لیے کافی ہے یا تین شخصوں کے لیے کافی ہے، تو ہم دوسروں کو کیسے دعوت دیں۔ اور اس حدیث میں مکارمِ اخلاق کی ترغیب ہے اور جو چیز میسر ہو، اس پر قناعت کرنے کو برانگیختہ کرنا ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) مل کر کھانا مستحب ہے اور یہ کہ انسان اکیلا نہ کھائے۔

(۲) ان احادیث میں غمگساری کی طرف اشارہ ہے، اس سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اور وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں O (الدہر)

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے پاس جو کھانا ہو، وہ اس کو حقیر نہ سمجھے اور وہ دوسروں کو کھلانے سے گریز نہ کرے، کیونکہ کبھی قلیل مقدار سے بھی بھوک مٹ جاتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص سے اس کا رب عنقریب کلام فرمائے گا، اور اس شخص کے درمیان اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا، پس وہ اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو اسی عمل کو دیکھے گا جو اس نے پہلے بھیجا ہے اور پھر بائیں جانب دیکھے گا تو اسی عمل کو دیکھے گا جو اس نے پہلے دیکھا ہے، پھر اپنے سامنے دیکھے گا تو وہ اپنے سامنے صرف دوزخ کی آگ دیکھے گا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دوزخ کی آگ سے بچو، اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کو صدقہ کر کے بچو، اور دوسری حدیث میں یہ اضافہ ہے اور خواہ نیک بات سے۔ (صحیح البخاری: ۷۵۱۲)

(الشرح المیسیر لصحیح البخاری المسمّی الدرر واللآلی، ج ۵ ص ۱۵۳، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۱۲۔ بَابٌ: اَلْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَاحِدٍ
(فِيهِ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ)

مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نبی ﷺ سے روایت ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور لفظ "مِعًی" اسم مقصور ہے، اس میں میم کے نیچے زیر ہے اور تنوین ہے اس کی جمع "امعاء" آتی ہے اور اس کا تثنیہ "معیان" آتا ہے، امام ابو حاتم نے کہا کہ یہ لفظ مذکر مقصور ہے اور میں نے کسی سے نہیں سنا کہ یہ لفظ مونث ہے۔

اور قاضی عیاض نے اہل طب سے اور اہل تشریح سے نقل کیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ انسان کی سات آنتیں ہوتی ہیں اور معدہ ہوتا ہے، پھر تین آنتیں اس کے بعد متصل ہوتی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۹۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاقِدِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَأْكُلُ حَتَّى يُؤْتَى بِمِسْكِينٍ يَأْكُلُ مَعَهُ فَأَدْخَلْتُ رَجُلًا يَأْكُلُ مَعَهُ فَأَكَلَ كَثِيرًا فَقَالَ يَا نَافِعُ لَا تُدْخِلْ هَذَا عَلَيَّ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ الْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الصمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از واقد بن محمد از نافع، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس وقت تک نہیں کھاتے تھے حتیٰ کہ ایک مسکین کو لایا جاتا جو ان کے ساتھ کھانا کھاتا، سو میں نے ایک مرد کو داخل کیا جو ان کے ساتھ کھا رہا تھا، اس نے بہت زیادہ کھانا کھایا، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے نافع! تم اس کو میرے پاس داخل نہ کرنا، میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۳۹۳، ۵۳۹۴، ۵۳۹۵)

صحیح البخاری: ۵۳۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان اس باب میں مذکور حدیث کا نصف ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں عبد الصمد کا ذکر ہے اور وہ عبد الوارث ہیں، اور واقد بن محمد کا ذکر ہے، اور یہ ابن محمد بن زید بن عبد اللہ بن عمر

رضی اللہ عنہما ہیں۔

حدیث مذکور میں کافر اور مومن کے مصداق کے متعلق متعدد اقوال

اس میں اختلاف ہے کہ اس حدیث سے کیا مراد ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس میں مومن کی مثال بیان کی گئی ہے کہ وہ دنیا سے بے رغبتی کرتا ہے اور کافر کی مثال بیان کی گئی ہے کہ وہ دنیا پر حرص کرتا ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں مومن کی تخصیص ہے کہ وہ زیادہ کھانے سے پرہیز کرتا ہے جس سے دل کی سختی اور نیند پیدا ہوتی ہے اور کافر کا وصف کیا گیا ہے کہ وہ زیادہ کھاتا ہے تا کہ مومن کافر کی صفت سے اجتناب کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا اس آیت میں ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ۝ (محمد) اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ (دنیا میں) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور جانوروں کی طرح کھا رہے ہیں اور ان کا ٹھکانا آگ ہے ○

اور یہ غالب اور اکثر احوال کے اعتبار سے ہے، ورنہ بعض مومنین بھی اپنی عادت یا کسی عارضہ کی وجہ سے زیادہ کھاتے ہیں اور کفار بھی بعض ایسے ہیں جو عادتاً کم کھاتے ہیں یا تو صحت کی رعایت کی وجہ سے جیسا کہ اطباء کہتے ہیں، یا رُہبانیت کی وجہ سے دنیا کو ترک کرتے ہیں یا معدہ کے ضعف کی وجہ سے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اس حدیث میں مومن سے مراد وہ مومن ہو جو کھانے کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھتا ہے تو اس کے کھانے میں شیطان شریک نہیں ہوتا اور کافر کھانے سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہیں پڑھتا تو شیطان اس کے کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ مومن سے مراد ہے مومنِ کامل، جس کا ایمان مکمل ہوتا ہے، کیونکہ جو اسلام میں اچھے کام کرے اور اس کا ایمان کامل ہو تو اس کی فکر اس میں مشغول رہتی ہے کہ موت کے وقت اور موت کے بعد اس کے کیا احوال ہوں گے، اور یہ فکر اس کو کھانے کی شہوت کو پورا کرنے سے روکتی ہے، اور رہا کافر تو اس کی شان سے حرص ہے، سو وہ اس طرح کھاتا ہے جس طرح جانور کھاتے ہیں، اور وہ اپنے بدن کی اصلاح کا خیال نہیں کرتا۔

امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ نے کہا: میں نے ابن ابی عمر سے سنا، وہ یہ کہتے تھے کہ ایک قوم اس حدیث کو دنیا میں رغبت پر محمول کرتی ہے جیسے کہتے ہیں: فلاں آدمی دنیا کو کھاتا ہے، یعنی دنیا میں رغبت کرتا ہے اور دنیا پر حرص کرتا ہے، سو مومن ایک آنت میں کھاتا ہے، کیونکہ اس کو دنیا سے بے رغبتی ہوتی ہے، اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے، کیونکہ اس کو دنیا میں رغبت ہوتی ہے اور انہوں نے اس کو طعام پر محمول نہیں کیا، انہوں نے کہا کہ ہم نے دیکھا کئی مومن کافر سے زیادہ کھاتے ہیں اور اگر اس کی طعام سے تاویل کی جائے تو حدیث کا معنی محال ہوگا۔

پانچواں قول یہ ہے کہ یہ حدیث خاص معین مرد کے متعلق ہے، وہ پہلے کافر تھا، پھر مسلمان ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق یہ فرمایا اور اس مرد کے نام میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ ثمامۃ بن اثال ہیں، المازری اور علامہ نووی نے اسی کو وثوق سے کہا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جھجاہ الغفاری ہیں۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ نضلہ بن عمرو الغفاری ہیں اور چوتھا قول یہ ہے کہ وہ

ابو بصرہ الغفاری ہیں۔ اور پانچواں قول یہ ہے کہ وہ ان کے بیٹے ابن بصرہ بن ابی بصرہ الغفاری ہیں، اور چھٹا قول یہ ہے کہ ابو غزوان ہیں۔

جس مرد نے حالتِ کفر میں سات گنا کھایا اور حالتِ اسلام میں اس کی ایک مثل کھائی

اور امام طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ ابو عبد الرحمٰن الحبلی از حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سات مرد آئے، پس ہر مرد کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک مرد نے لے لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک مرد کو لے لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے پوچھا: تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا: ابو غزوان، حضرت عبد اللہ بن عمرو نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ سات بکریوں کا دودھ دوہا تو اس نے ان ساتوں بکریوں کا دودھ پی لیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اے ابو غزوان، تمہاری کیا رائے ہے کہ تم اسلام قبول کرلو، اس نے کہا: جی ہاں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا، پھر جب صبح ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ایک بکری کا دودھ بھیجا تو وہ ایک بکری کا دودھ نہ پی سکا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: اے ابو غزوان! کیا ہوا؟ اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں سیر ہو گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل تمہارے لیے سات آنتیں تھیں اور آج تمہارے لیے صرف ایک آنت ہے۔

میں کہتا ہوں: ابو بصرہ کا نام حُمیل ہے (حاء پر پیش اور میم پر زبر) یہ اسم تصغیر ہے۔

سات آنتوں سے مبالغہ مراد ہے یا حقیقتِ عدد

اس حدیث میں سات آنتوں کا ذکر ہے، اس کی مراد میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ اپنے ظاہر پر محمول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مبالغہ کے لیے ہے، اور حقیقتاً سات آنتوں کا عدد مراد نہیں ہے اور یہ اکثر اور غالب احوال کے اعتبار سے ہے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ سات کی تخصیص مبالغہ میں کثرت کے لیے ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (لقمان)

اور اگر تمام روئے زمین کے درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر سیاہی ہوں اور اس کے بعد ان میں سات سمندروں کا اور اضافہ ہو، تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے، بے شک اللہ بہت غالب، بے حد حکمت والا ہے ۝ (لقمان: ۲۷)

کافر کی سات صفات

علامہ نووی نے کہا ہے: کافر کی سات صفات درج ذیل ہیں:

(۱) حرص (۲) بہت زیادہ حرص (۳) لمبی امید (۴) طمع (۵) بد مزاجی (۶) حسد (۷) موٹاپے سے محبت

شہوت کی سات قسمیں

علامہ قرطبی نے کہا: شہوات کی سات قسمیں ہیں:

(۱) طبعی شہوت، یعنی طبیعت کے تقاضوں کو پورا کرنا۔

(۲) نفس کی شہوت، یعنی لذتِ جماع کا حصول۔
(۳) آنکھوں کی شہوت، یعنی خوبصورت چیزوں کو دیکھنے کی خواہش کرنا۔
(۴) منہ کی شہوت، یعنی لذیذ کھانوں کی خواہش کرنا۔
(۵) کانوں کی شہوت، یعنی سریلی آوازوں کو سننے کی خواہش کرنا۔
(۶) ناک کی شہوت، خوشبودار چیزوں کو سونگھنے کی خواہش کرنا۔
(۷) بھوک کی شہوت، پیٹ بھر کر کھانے کی خواہش کرنا۔

اور بھوک کی شہوت مومن کے لیے ضروری ہے اور رہا کافر تو وہ سب اقسام سے کھاتا ہے۔
(عمدۃ القاری ج۲۱ ص۶۱-۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۹۳ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مومن اور کافر کے ایک آنت اور سات آنتوں میں کھانے کے متعلق پانچ اقوال

حافظ ابوعمر بن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات بکریوں کا دودھ نکالا، تو ایک شخص نے وہ ساتوں بکریوں کا دودھ پی لیا، پھر جب وہ شخص مسلمان ہو گیا تو اس نے صرف ایک بکری کا دودھ پیا۔ (الاستیعاب ج۱ ص۳۴۳)

امام ابوعبید وغیرہ نے کہا ہے: یہ حدیث خاص اس مرد کے متعلق ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا، تو ہم نے دیکھا کہ مسلمان کی بہ نسبت کافر زیادہ کھاتا ہے۔ (غریب الحدیث: ج۱ ص۳۸۷)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس حدیث میں تمثیل بیان کی گئی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہ ہے کہ کافر کی فکر اور جدوجہد صرف اپنا پیٹ بھرنے کے لیے ہوتی ہے اور مومن کو اللہ تعالیٰ نے قناعت عطا کی ہے اور اس کی اکثر فکر دین کے متعلق ہوتی ہے اور وہ اپنے رب عزوجل کے رزق پر توکل کرنے والا ہوتا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ مومن کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھتا ہے، تو اس میں برکت ہوتی ہے تو اس کو اتنا کھانا کافی ہو جاتا ہے جو کافر کو کافی نہیں ہوتا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ بعض مومنین کفار سے زیادہ کھانے والے ہوتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ زیادہ کھانے والا مومن کافر ہوتا تو اس سے زیادہ کھاتا اور اگر کم کھانے والا کافر مومن ہوتا تو وہ پہلے کی بہ نسبت زیادہ کم کھاتا۔

اور چوتھا قول یہ ہے کہ علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا ہے کہ یہ تمثیل ہے، جو تقلیل اور تکثیر سے متعلق ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابوجہم اپنے کاندھے سے لاٹھی نہیں اتارتے''، علامہ خطابی نے کہا: اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ جو زیادہ کھانے والا ہو گا اس کا اسلام ناقص ہو گا، کیونکہ متعدد اسلاف سے منقول ہے کہ بہت سے افاضل سلف زیادہ کھاتے تھے اور اس سے ان کے ایمان میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

اور پانچواں قول یہ ہے کہ مومن حلال کھاتا ہے اور حلال کھانا حرام کی بہ نسبت کم ہوتا ہے اور کافر حرام کھاتا ہے اور وہ حلال کی بہ

نسبت زیادہ ہوتا ہے، سو یہ پانچ اقوال ہیں۔

کھانے والوں کے تین طبقات

(۱) ایک طبقہ وہ ہے جو ہر کھانے پینے کی چیز کو کھا لیتا ہے خواہ اس کو کھانے پینے کی ضرورت ہو یا نہ ہو اور یہ گدھوں کی صفت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَ یَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝ (محمد)
اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ (دنیا میں) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور جانوروں کی طرح کھا رہے ہیں اور ان کا ٹھکانا آگ ہے ۝

وَ تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝ (الفجر)
اور تم وراثت کا پورا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو ۝

(۲) دوسرا طبقہ وہ ہے جنہیں جب بھوک لگتی ہے تب کھاتے ہیں اور جب بھوک مٹ جاتی ہے تو رک جاتے ہیں اور یہ ان لوگوں کی عادت ہے جو میانہ روی سے کام لیتے ہیں اور شمائل اور اخلاق میں نیک صفت ہوتے ہیں۔

(۳) تیسرا طبقہ وہ ہے جو بھوکے رہتے ہیں اور بھوک سے شہوتِ نفس کو منانے کا ارادہ کرتے ہیں اور سخت ضرورت کے بغیر نہیں کھاتے اور اس وقت بھی صرف اتنا کھاتے ہیں جس سے بھوک کی شدت مٹ جائے۔ یہ ابرار اور صالحین اور اخیار کا طریقہ ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کھانے کو لازم کر لو، اور آخرت میں غور و فکر کرو، کیونکہ جس کا غور و فکر آخرت میں زیادہ ہوتا ہے تو اس کا طعام کم ہو جاتا ہے اور اس کی زبان کم بولتی ہے اور جس کو آخرت کی فکر کم ہوتی ہے، اس کا کھانا زیادہ ہوتا ہے اور اس کا گناہ زیادہ ہوتا ہے اور اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور جس کا دل سخت ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بعید ہوتا ہے۔ (شعب الایمان ج ۵ ص ۱۵۱، المستدرک ج ۱ ص ۸۸، تاہم محدث ابن جوزی نے حدیث کو الموضوعات میں درج کیا ہے)

اس باب کی ان احادیث میں دنیا کے کم مال کو لینے پر برانگیختہ کیا ہے اور بے رغبتی کی ترغیب دی ہے، اور جتنا مال مل جائے اس پر قناعت کو ابھارا ہے۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے مجھے عطا کیا، میں نے آپ سے پھر سوال کیا، آپ نے پھر مجھے عطا کیا، میں نے پھر آپ سے سوال کیا، آپ نے مجھے پھر عطا کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حکیم! یہ مال میٹھا ہے، جو اس کو سخاوتِ نفس سے لے گا اس میں برکت دی جائے گی اور جو اس مال کو اپنے نفس کو جھکا کر لے گا اس میں برکت نہیں ہوگی اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔۔ الحدیث

(صحیح البخاری: ۱۴۷۲، صحیح مسلم: ۱۰۳۵، سنن ترمذی: ۲۴۶۳، سنن نسائی: ۲۶۰۲، مسند احمد: ۱۵۱۳۶)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن میں ایک صاع (چار کلوگرام) کھجوریں کھا لیتے تھے اور ان سے بڑھ کر کس کا ایمان ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کا علم ہے اور اس بات کا علم ہے کہ وہ کھانے پینے اور لباس کی بہت کم چیزوں کو حاصل کرتے تھے، تو وہ یہ اعتراض نہیں کرے گا اور یہ وہم نہیں کرے گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر دن میں چار کلوگرام کھجوریں کھاتے تھے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انتہا سے زیادہ کھانے پینے اور لباس میں کم خرچ کرتے تھے، اور تمام لوگوں سے زیادہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنے والے تھے، ہاں کسی دن ایسا ہوا ہوگا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھوک کی شدت کی وجہ سے ایک دن میں چار کلو کھجوریں کھائی ہوں۔

صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ مومن کے لیے چند چھوٹے لقمے کافی ہیں جن سے اس کی پشت سیدھی رہے۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۴ ص ۲۵)

اور ربیع الابرار میں مذکور ہے کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ ایک رات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس روزہ افطار کرتے اور دوسری رات حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس افطار کرتے اور تیسری رات حضرت ابن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس روزہ افطار کرتے، اور دو یا تین لقموں سے زیادہ نہیں کھاتے تھے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۳۶-۱۴۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۹۳ کی شرح از شیخ محمد علی صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

مومن کی ایک آنت اور کافر کی سات آنتوں کا ذکر بہ طور تمثیل اور تشبیہ ہے، بہ طور تحقیق نہیں ہے

یہ احادیث اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہیں، کیونکہ تمام انسان نیک ہوں یا بد ہوں، مومن ہوں یا کافر ہوں، ان کی خلقت ایک جیسی ہے اور ایسا نہیں ہوگا کہ ایک انسان کی تو ایک آنت ہو اور دوسرے انسان کی سات آنتیں ہوں اور اگر ہم تجربہ کریں اور جراحی کریں تو ہم دیکھیں گے کہ جس طرح مومن کی ایک آنت ہوتی ہے، اسی طرح کافر کی بھی ایک آنت ہوتی ہے، تو پھر یہ حدیث تشبیہ اور تمثیل پر محمول ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے زُہد اور دنیا سے بے رغبتی کی وجہ سے فرمایا کہ وہ ایک آنت میں کھاتا ہے اور چونکہ کافر کو دنیا سے محبت اور رغبت ہوتی ہے تو اس کے متعلق فرمایا کہ وہ سات آنتوں میں کھاتا ہے، یعنی آنت تو اس کی ایک ہی ہے لیکن اس کے کھانے سے یوں لگتا ہے جیسے وہ سات آنتوں میں کھا رہا ہو، جیسے کہا جاتا ہے: عقلمند انسان اس لیے کھاتا ہے تاکہ وہ زندہ رہے اور جاہل انسان کھانے کے لیے زندہ رہتا ہے، پس گویا کہ مومن دنیا سے کم حصہ لینے کی وجہ سے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس رغبت کی وجہ سے کم کھاتا ہے، زیادہ نہیں کھاتا اور کافر کو چونکہ دنیا میں شدید رغبت ہوتی ہے اور وہ دنیا کی لذیذ چیزوں سے فائدہ اٹھانے سے محبت رکھتا ہے، تو وہ گویا کہ سات آنتوں میں کھاتا ہے، اور وہ اس طرح کھاتا ہے جیسے جانور کھاتے ہیں اور حلال اور حرام میں تدبر نہیں کرتا اور نہ وہ یوم حساب اور یوم جزاء میں تدبر کرتا ہے اور وہ اس طرح زندہ رہتا ہے جیسے جانور جو اپنے پیٹوں کو بھرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝ (محمد)

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ (دنیا میں) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور جانوروں کی طرح کھا رہے ہیں اور ان کا ٹھکانا آگ ہے ۝

اور اس کی دلیل کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آنت اور سات آنتوں کا ذکر بہ طور تمثیل اور تصویر فرمایا ہے جس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آیا اور وہ کافر تھا، تو آپ نے اس کے لیے ایک بکری کا دودھ دوہنے کا حکم دیا، اس نے اس کا سارا دودھ پی لیا، حتیٰ کہ سات بکریوں کا دودھ پی لیا، پھر وہ صبح کو مسلمان ہو گیا، پھر آپ نے اس کے لیے

دودھ نکالنے کا حکم دیا تو وہ ایک بکری کے دودھ سے سیر ہو گیا، پھر آپ نے فرمایا: مومن ایک آنت سے کھاتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ آنت تو اس کی ایک ہی تھی لیکن کفر کی حالت میں وہ اتنا زیادہ کھاتا تھا کہ لگتا تھا کہ وہ سات آنتوں میں کھا رہا ہے۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۵۴-۱۵۵، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۵۳۹۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَاحِدٍ وَإِنَّ الْكَافِرَ أَوِ الْمُنَافِقَ فَلَا أَدْرِي أَيُّهُمَا قَالَ عُبَيْدُ اللهِ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ وَقَالَ ابْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِمِثْلِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدۃ نے خبر دی از عبید اللہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور بے شک کافر یا منافق، راوی کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں آپ نے کون سا کلمہ کہا ہے، عبید اللہ نے کہا کہ وہ سات آنتوں میں کھاتا ہے۔
ابن بکیر نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع از ابن عمر از نبی ﷺ، اسی کی مثل۔

اس حدیث کی تخریج بھی حسب سابق ہے، یعنی جو تخریج صحیح البخاری: ۵۳۹۳ کی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بالکل ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال

اس حدیث میں ''عبدۃ'' کا ذکر ہے، یہ ابن سلیمان ہیں اور ''عبید اللہ'' کا ذکر ہے، یہ عبید اللہ بن عمر العمری ہیں اور امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: کافر یا منافق، یہ عبدۃ کو شک ہے کہ حدیث میں کیا لفظ ہے اور اس کی طرف انہوں نے یہ اشارہ کیا کہ مجھے از خود معلوم نہیں کہ عبید اللہ نے کیا کہا تھا، یعنی عبید اللہ بن عمر العمری نے کیا کہا تھا۔ امام مسلم نے اس حدیث کو از یحییٰ القطان از عبید اللہ بن عمر لفظ کافر کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس میں شک کا لفظ نہیں ہے، اسی طرح اس حدیث کی عمرو بن دینار نے روایت کی ہے جیسا کہ اگلے باب میں آئے گا، اور طبرانی کی روایت میں حضرت سمرہ کی حدیث میں منافق کی بجائے کافر کا لفظ ہے۔

حدیث مذکور کی تعلیق

اس حدیث کے آخر میں ایک تعلیق ہے جس میں مذکور ہے کہ ابن بکیر نے کہا، اس سے مراد یحییٰ بن عبد اللہ بن بکیر ہیں، ابو زکریا المخزومی المصری ان سے امام بخاری نے بدء الوحی اور متعدد جگہ حدیث کی روایت کی ہے، علامہ الدمیاطی نے کہا کہ ابن یونس نے بیان کیا کہ یحییٰ بن بکیر ایک سو چون (۱۵۴ھ) میں پیدا ہوئے تھے اور صفر دو سو اکتیس (۲۳۱ھ) میں وفات ہوئی ہے، اس تعلیق کی

امام ابونعیم نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۳۹۵۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ كَانَ أَبُو نَهِيكٍ رَجُلًا أَكُولًا فَقَالَ لَهُ ابْنُ عُمَرَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِنَّ الْكَافِرَ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ فَقَالَ فَأَنَا أُومِنُ بِاللهِ وَرَسُولِهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو، انہوں نے کہا کہ ابونہیک بہت زیادہ کھانے والے مرد تھے، تو ان سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے، تو ابونہیک نے کہا: میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہوں۔

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جو صحیح البخاری: ۵۳۹۳ کی تخریج ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی ایک اور سند سے روایت ہے، اور یہ حدیث بھی امام بخاری کی منفرد روایات میں سے ہے۔

ابونہیک کا تعارف

لفظ نہیک میں نون پر زبر ہے اور ھاء کے نیچے زیر ہے، علامہ کرمانی نے کہا: یہ اہلِ مکہ کے ایک مرد تھے، علامہ عینی فرماتے ہیں: علامہ کرمانی نے یہ عبارت امام حُمیدی کے کلام سے اخذ کی، کیونکہ ان کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ ابونہیک اہلِ مکہ کے ایک مرد ہیں جو بہت زیادہ کھانا کھاتے تھے، تو ابونہیک نے کہا: میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہوں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۹۶۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَأْكُلُ الْمُسْلِمُ فِي مِعًى وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جو صحیح البخاری: ۵۳۹۳ کی تخریج ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے۔

۵۳۹۷۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا كَانَ يَأْكُلُ أَكْلًا كَثِيرًا فَأَسْلَمَ فَكَانَ يَأْكُلُ أَكْلًا قَلِيلًا فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَأْكُلُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عدی بن ثابت از ابی حازم از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد بہت زیادہ کھانا کھاتا تھا،

فِي مِعًى وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ.

پھر وہ مسلمان ہوگیا تو وہ پھر تھوڑا کھانا کھاتا تھا، سو اس بات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کہ مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جو صحیح البخاری: ۵۳۹۳ کی تخریج ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تعارف

اس حدیث کی امام بخاری نے از سلیمان بن حرب از شعبہ بن الحجاج روایت کی ہے، از عدی بن ثابت اور وہ عدی بن ابان بن ثابت الانصاری الکوفی ہیں، اور ان کے بیٹے کا بیٹا عبداللہ بن یزید الخطمی ہے جو ۱۱۵ھ میں فوت ہو گئے تھے، اور وہ شیعہ کی مسجد کے امام تھے اور کوفہ میں انہی کے قاضی تھے۔ امام بخاری اور امام مسلم ان کی حدیث سے استدلال کرنے پر متفق ہیں اور وہ ابو حازم سلمان الاشجعی سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہ سلمہ بن دینار زاہد نہیں ہیں کیونکہ وہ الاشجعی سے عمر میں کم ہیں اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

حدیث مذکور کی مزید تخریج

اس حدیث کی امام نسائی نے باب الولیمہ میں اور امام ابن ماجہ نے کتاب الاطعمہ میں از ابو بکر بن ابی شیبہ وغیرہ روایت کی ہے اور امام مسلم نے اس کی اپنی سند کے ساتھ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کی میزبانی کی اور وہ کافر تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری کو لانے کا حکم دیا، اس کا دودھ نکالا گیا تو وہ اس کا سارا دودھ پی گیا، پھر دوسری بکری کا دودھ پی گیا، پھر تیسری بکری کا دودھ پی گیا حتیٰ کہ وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا، پھر صبح کو وہ مسلمان ہو گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری کا دودھ نکالنے کا حکم دیا تو اس نے اس کو پی لیا، اور دوسری بکری کا دودھ نکالنے کا حکم دیا تو اس نے نہیں پیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۳۔ بَابٌ: الْأَكْلِ مُتَّكِئًا ٹیک لگا کر کھانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ٹیک لگا کر کھانے کا کیا حکم ہے، امام بخاری نے وثوق کے ساتھ اس کا حکم نہیں بیان کیا، کیونکہ اس کے متعلق کوئی صریح ممانعت نہیں آئی اور امام ترمذی نے اس باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے کہ ٹیک لگا کر کھانا مکروہ ہے، پھر انہوں نے حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی روایت کی ہے، جس کی امام بخاری نے بھی روایت کی ہے، اور ہمارے شیخ زین

الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: امام ترمذی نے ٹیک لگا کر کھانے کی احادیث کو کراہت پر محمول کیا ہے، جیسا کہ انہوں نے باب کا عنوان قائم کیا ہے اور یہی جمہور کا قول ہے اور متعدد صحابہ اور تابعین ٹیک لگا کر کھاتے تھے، ان احادیث کی امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کی ہے، پھر انہوں نے کہا کہ اس میں اختلاف ہے کہ کھانے کے وقت ٹیک لگانے سے کیا مراد ہے؟، پس ایک قول یہ ہے کہ مراد یہ ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ وہ چارزانوں بیٹھ کر کھائے جس سے معلوم ہو کہ وہ کھانے کے لیے تیار ہے۔

اور صاحب تلویح نے کہا کہ کھانے کے وقت زمین کے اوپر بیٹھے، اور اپنی سرین کو جما کر بیٹھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ٹیک لگانے سے مراد یہ ہے کہ کسی ایک جانب پر ٹیک لگائے اور یہ متکبرین کا طریقہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۴-۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۳۹۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا آكُلُ مُتَّكِئًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسعر نے حدیث بیان کی از علی بن الاقمر، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔

(صحیح البخاری: ۵۳۹۹، سنن ترمذی: ۱۸۰۳، سنن ابوداؤد: ۱۸۶۹، سنن ابن ماجہ: ۳۲۶۲، مسند احمد: ۱۸۲۷۹، سنن دارمی: ۲۰۷۱)

صحیح البخاری: ۵۳۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال

ابونعیم کا نام ہے الفضل بن دکین، اور یہ مسعر (میم کے نیچے زیر اور سین پر جزم) بن کدام العامری الکوفی ہیں۔ اور علی بن الاقمر بن عمرو بن الحارث بن معاویہ الہمدانی الکوفی تمام کے نزدیک ثقہ ہیں اور صحیح بخاری میں ان کی صرف یہی حدیث ہے اور حضرت ابو جحیفہ (جیم پر پیش اور حاء پر زبر اور یاء پر جزم) ان کا نام وہب بن عبد اللہ السوائی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی، ٹیک لگا کر بیٹھنا متکبرین کا طریقہ ہے اور مستحب یہ ہے کہ اس طرح بیٹھ کر کھائے جس طرح تشہد میں بیٹھتے ہیں

اس حدیث میں ارشاد ہے: "میں ٹیک لگائے ہوئے نہیں کھاتا"۔ یعنی جس حال میں میں نے ٹیک لگائی ہوئی ہو، اس حال میں، میں نہیں کھاتا۔

علامہ حمد بن محمد الخطابی الشافعی متوفی ۳۸۸ھ نے کہا ہے کہ عام لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ ٹیک لگانے والا وہ شخص ہے جس کی ایک جانب دوسری طرف جھکی ہوئی ہو اور اس طرح نہیں ہے، بلکہ ٹیک لگانے والا وہ ہے جس نے اس چیز پر اعتماد کیا ہو جس پر وہ بیٹھا ہوا ہے اور ہر وہ شخص جو اپنی جگہ پر سیدھا بیٹھا ہو تو وہ ٹیک لگانے والا ہے۔ یعنی جب میں کھاتا ہوں تو جگہوں پر متمکن ہو کر نہیں

بیٹھتا، اور سنن ترمذی میں حدیث ہے: رہا میں تو میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔ اور بعض علماء نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ ٹیک لگا کر نہ کھانا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے اور ابوالعباس بن العاص نے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں شمار کیا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ آپ کی خصوصیت نہیں ہے، کیونکہ امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ٹیک لگا کر نہ کھاؤ اور اس حدیث کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں اور امام بیہقی نے کہا: یہ بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ متکبرین کا طریقہ ہے اور اس کی اصل عجم کے بادشاہوں سے منقول ہے اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت خالد بن ولید، عبیدہ السلمانی، محمد بن سیرین، عطاء بن ابی یسار اور زہری سے اس کے مطلقاً جواز کی روایت کی ہے اور جب یہ ثابت ہو جائے کہ ٹیک لگا کر کھانا مکروہ ہے یا خلافِ اولیٰ ہے تو بیٹھنے کی صفت میں مستحب میں ہے کہ جب کوئی شخص بھوکا ہو تو وہ اپنے دونوں گھٹنوں پر بیٹھے اور اپنے دونوں قدموں کو ظاہر کرے یا دایاں پاؤں نصب کرے اور بائیں پاؤں پر بیٹھے جیسا کہ تشہد میں بیٹھتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۹۸ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ٹیک لگا کر کھانے کے متعلق مختلف متعدد احادیث

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ یہ نہیں دیکھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ٹیک لگا کر کھایا ہو۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۷۰)

ابن شاہین نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ٹیک لگا کر کھانا کھایا، پھر آپ نے اس سے منع فرما دیا۔ (الناسخ والمنسوخ لابن شاہین، ج ۱ ص ۴۲۴-۴۲۵)

اور عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی علیہ السلام کو ٹیک لگا کر کھاتے دیکھا تو انہوں نے آپ کو اس سے منع فرمایا، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے منع کیا تو پھر میں نے آپ کو ٹیک لگا کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

ابن شاہین نے کہا ہے: اس مسئلہ میں تشدید بہ طور اختیار کے ہے، بہ طور تحریم کے نہیں ہے، اور کھانے کے آداب میں سے اولیٰ یہ ہے کہ بغیر ٹیک لگا کے کھایا جائے اور ٹیک لگا کر کھانے کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ (الناسخ والمنسوخ لابن شاہین، ج ۱ ص ۴۷۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ بھیجا، انہوں نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو اختیار دیتا ہے کہ آپ چاہیں تو عبد اور نبی ہوں اور آپ چاہیں تو عبد اور بادشاہ ہوں، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بلکہ میں عبد اور نبی ہوں، پھر اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا۔ (السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۱۷۱)

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ مجاہد بن جُبیر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ایک مرتبہ ٹیک لگا کر کھانا کھایا اور کہا: اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں اور تیرا رسول ہوں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ٹیک لگا کر کھاتے تھے، تو میں کہوں گا: اس حدیث کی سند

ضعیف ہے، امام ابن ابی شیبہ نے اس کی یزید بن ابی زیاد سے روایت کی ہے کہ مجھے اس نے خبر دی جس نے حضرت ابن عباس کو ٹیک لگا کر کھاتے ہوئے دیکھا۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے از ہشیم از حصین بن عبدالرحمٰن روایت کی ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے صبح کا ناشتہ منگایا اور ٹیک لگا کر کھایا۔

اور عطاء بیان کرتے ہیں کہ ہم کھانا کھاتے تھے اور ہم ٹیک لگائے ہوئے تھے، اور ابو ہلال نے کہا کہ میں نے ابن سیرین کو دیکھا کہ وہ ٹیک لگا کر کھا رہے تھے اور میں نے عبیدہ سے ٹیک لگا کر کھانے سے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ ابراہیم نخعی نے کہا کہ فقہاء تابعین ٹیک لگا کر کھانے کو اس لیے مکروہ قرار دیتے تھے کہ اس سے ان کا پیٹ بڑھ جائے گا۔

اور امام ابن ابی حاتم نے از عبداللہ بن سائب بن خباب از والد خود از جد خود روایت کی ہے کہ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ ٹیک لگا کر کچھ کھا رہے تھے، پھر انہوں نے اپنے والد سے روایت کی کہ یہ حدیث باطل ہے۔ (علل ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۱۸-۱۹)

ٹیک لگا کر کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: کہ جب یہ احادیث واضح ہو گئیں تو معلوم ہو گیا کہ شارع علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی تواضع اور اس کے سامنے تذلل کرنے کے لیے ٹیک لگا کر کھانے سے احتراز کیا، اور اس سے پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ آپ کے پاس ایک فرشتہ آیا جو صرف اسی مرتبہ آیا تھا اور اس نے کہا: آپ کا رب آپ کو یہ خبر دیتا ہے کہ آپ عبدِ نبی بنیں یا بادشاہ نبی بنیں، تو آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف دیکھا گویا کہ مشورہ طلب کر رہے ہیں تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ تواضع کریں، آپ نے فرمایا: میں عبدِ نبی ہوں، پھر آپ نے ٹیک لگا کر نہیں کھایا۔

اور مجاہد نے کہا کہ نبی ﷺ نے صرف ایک مرتبہ ٹیک لگا کر کھایا، پھر آپ گھبرا کر بیٹھ گئے اور یہ دعا کی: اے اللہ! میں تیرا بندہ اور تیرا رسول ہوں، اور جس نے ٹیک لگا کر کھایا اس نے کسی حرام کا ارتکاب نہیں کیا، یہ صرف مکروہ ہے کیونکہ یہ اس تواضع کے خلاف ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے لیے اور اپنے پسندیدہ بندوں کے پسند فرمایا ہے۔

اور ابن سیرین اور زہری نے ٹیک لگا کر کھانے کی اجازت دی ہے۔

اور علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ ٹیک لگا کر کھانا اس لیے مکروہ ہے کہ یہ مکثرین یعنی زیادہ کھانے والوں کا طریقہ ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اس کا فعل ہے جو مختلف قسم کے دسترخوانوں کو اپنے سامنے رکھتا ہے، گویا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں ٹیک لگا کر اس لیے نہیں کھاتا کہ میں کم کھاتا ہوں اور کم مقدار پر کفایت کرتا ہوں، پس میں جم کر بیٹھ کر کھاتا ہوں اور کھانے سے فارغ ہو کر جلدی کھڑا ہو جاتا ہوں۔

اور امام ابن عدی نے سندِ مرسل سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے اس پر ڈانٹا کہ کوئی شخص اپنے بائیں ہاتھ پر کھاتے وقت ٹیک لگائے، امام مالک نے کہا: یہ بھی اتکاء (ٹیک لگانے) کی ایک قسم ہے۔ (المنتقیٰ ج ۷، ص ۲۵۰)

اور امام ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ کھانے پر دو زانوں بیٹھ گئے تو آپ سے کسی نے کہا: یہ آپ کس طرح بیٹھے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے عبدِ کریم بنایا ہے اور جبارِ عنید نہیں بنایا"۔ (سنن ابو داؤد: ۳۷۷۳)۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث کا مکمل متن درج ذیل ہے:

حضرت عبد اللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک بہت بڑا پیالہ تھا جس کو چار آدمی اٹھاتے تھے، اس کو الغراء کہا جاتا تھا، پس جب مسلمان قربانی کرتے اور چاشت کی نماز پڑھتے تو اس بڑے پیالہ کو لایا جاتا اور اس میں ثرید بنایا گیا تھا، پس جب زیادہ لوگ آ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو زانوں بیٹھ گئے تو ایک اعرابی نے کہا: یہ کیسا بیٹھنا ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے عبدِ کریم بنایا ہے اور مجھے سرکش جبار نہیں بنایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے اطراف سے کھاؤ اور اس کے درمیان کو چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے گا۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۷۳، سنن ابن ماجہ: ۳۲۶۳)

نیز امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت مصعب بن سُلیم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام سے بھیجا، جب میں واپس آیا تو آپ بیٹھے ہوئے کھجوریں کھا رہے تھے اور آپ نے ایک زانو بچھایا ہوا تھا اور دوسرا زانو نصب کیا ہوا تھا۔ (بیٹھنے کی اس کیفیت کو ''اقعاء'' کہتے ہیں)۔ (صحیح مسلم: ۲۰۴۴، سنن ابوداؤد: ۳۷۷۱)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۳۶-۱۳۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۳۹۹۔ حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَهُ لَا آكُلُ وَأَنَا مُتَّكِئٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے خبر دی از منصور از علی بن الاقمر از حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا تو آپ نے اپنے پاس ایک مرد سے فرمایا: میں اس حال میں نہیں کھاتا کہ میں ٹیک لگائے ہوئے ہوں۔

اس حدیث کی وہی تخریج ہے جو صحیح البخاری: ۵۳۹۸ کی تخریج ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۹۹ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح بخاری کی دونوں روایتوں کا فرق

صحیح البخاری: ۵۳۹۸ میں مذکور ہے: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا، یہ جملہ فعلیہ ہے جو حدوث پر دلالت کرتا ہے اور صحیح البخاری: ۵۳۹۹ میں مذکور ہے: میں اس حال میں نہیں کھاتا کہ میں ٹیک لگائے ہوئے ہوں۔ یہ جملہ اسمیہ ہے جو ثبوت پر دلالت کرتا ہے، پس دوسری حدیث پہلی حدیث سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اس میں ثبوت اور دوام ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ابوداؤد نے از حضرت عبد اللہ بن عمرو از والد خود یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی ٹیک لگا کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا اور امام نسائی نے از ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کو حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھیجا، اس فرشتے نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو اختیار دیتا ہے اس کے درمیان کہ آپ عبد نبی ہوں اور اس کے درمیان کہ آپ عبد بادشاہ ہوں، تو آپ نے کہا: نہیں! بلکہ میں نبی عبد ہوں گا، پھر اس کے بعد آپ کو ٹیک لگا کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث جس میں مذکور ہے کہ آپ کو ٹیک لگا کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، اس فرشتہ کے واقعہ کے بعد ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ کیسے روایت کی کہ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹیک لگا کر نہیں کھایا حالانکہ امام ابن ابی شیبہ نے یزید بن ابی زیاد سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: مجھے اس نے خبر دی ہے جس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ٹیک لگا کر کھاتے ہوئے دیکھا، تو میں کہوں گا کہ امام ابن ابی شیبہ کی روایت ضعیف ہے، اور اگر یہ صحیح ہو تو اعتبار ان کی روایت کا ہے، نہ کہ ان کی رائے کا اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جب راوی اپنی روایت کے خلاف کوئی بات کہے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ روایت اس کے نزدیک منسوخ ہو چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۵-۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۴۔ بَابُ: الشِّوَاءِ

بھنا ہوا گوشت کھانا

وَقَالَ اللهُ تَعَالَى: اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾ (ہود:۶۹) أَيْ مَشْوِيٍّ۔

اور اللہ عزوجل کا ارشاد: پھر تھوڑی دیر بعد وہ گائے کا بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ (ہود:۶۹) یعنی بھنا ہوا گوشت۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہود:۶۹ کا شانِ نزول

یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ہے جن کے پاس بھنا ہوا بچھڑا لایا گیا تھا اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے جب زمین میں فساد کیا اور سرکشی کی اور بغاوت کی تو حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ ان کی قوم کے خلاف ان کی مدد فرمائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے چار فرشتے بھیجے۔ حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت دردائیل تاکہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کر دیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دیں، پس وہ فرشتے خوبصورت مردوں کی شکلوں میں آئے حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ کر ٹھہرے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پندرہ راتوں سے کوئی مہمان نہیں آیا تھا، حتیٰ کہ ان پر یہ دشوار ہو رہا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جہاں تک ہو سکتا وہ کسی مہمان کے ساتھ کھاتے تھے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان چار خوبصورت مردوں کو دیکھا تو خوش ہو گئے اور فرمایا کہ ان لوگوں کی صرف میں خدمت کروں گا، سو وہ اپنے گھر گئے اور ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے جس کو پتھروں پر رکھ کر بھونا گیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۰۰۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِضَبٍّ مَشْوِيٍّ فَأَهْوَى إِلَيْهِ لِيَأْكُلَ فَقِيلَ لَهُ إِنَّهُ ضَبٌّ فَأَمْسَكَ يَدَهُ فَقَالَ خَالِدٌ أَحَرَامٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از زہری از ابو امامہ بن سہل از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، از حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھنی

هُوَ قَالَ لَا وَلٰكِنَّهُ لَا يَكُونُ بِأَرْضِ قَوْمِي فَأَجِدُنِي أَعَافُهُ فَأَكَلَ خَالِدٌ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ يَنْظُرُ قَالَ مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِضَبٍّ مَحْنُوذٍ۔

ہوئی گوہ لائی گئی، آپ نے اس کی طرف کھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو آپ کو بتایا گیا کہ یہ گوہ ہے، تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ روک لیا، پس حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، لیکن یہ میری قوم کے علاقے میں نہیں ہے، اس لیے میں اس سے متنفر ہوتا ہوں، پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے وہ گوہ کھائی اور رسول اللہ ﷺ دیکھ رہے تھے۔
امام مالک نے از ابن شہاب روایت کی ہے: ''بضب محنوذ'' یعنی (بھنی ہوئی گوہ)۔

اس حدیث کی وہی تخریج ہے جو صحیح البخاری: ۵۳۹۱ میں گزر چکی ہے۔
اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۵۳۹۱ میں گزر چکی ہے۔

۱۵۔ بَابُ: الْخَزِيرَةِ

خزیرہ (ایک قسم کا حلوہ)

قَالَ النَّضْرُ الْخَزِيرَةُ مِنَ النُّخَالَةِ وَالْحَرِيرَةُ مِنَ اللَّبَنِ

النضر نے کہا: خزیرہ بھوسی سے بنایا جاتا ہے اور حریرہ دودھ سے بنایا جاتا ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

''خزیرہ'' کا معنی

اس باب میں خزیرہ کا ذکر ہے، (خاء پر زبر ہے اور زاء پر کسرہ ہے، پھر بعد میں راء پر زبر ہے)، طبری نے کہا ہے: حریرہ وہ ہے جو آٹے سے عصیدہ کی شکل پر بنایا جاتا ہے لیکن یہ عصیدہ سے نرم ہوتا ہے، اور ابن فارس نے کہا: یہ آٹے سے بنایا جاتا ہے اور اس میں چربی ملائی جاتی ہے، اور جوہری نے کہا کہ خزیرہ یہ ہے کہ گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹے جائیں اور ان کے اوپر پانی ڈالا جائے اور اس پر آٹا چھڑک دیا جائے، اور اگر اس میں گوشت نہ ہو تو یہ عصیدہ ہوتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ خزیرہ صاف شوربہ ہوتا ہے جس میں بھوسی ملا کر اس کو پکاتے ہیں، اور ابن اثیر نے کہا ہے کہ یہ ایک قسم کا کھانا ہے، جو آٹے، پانی اور تیل سے بنایا جاتا ہے اور اس کے اندر مٹھاس ملائی جاتی ہے تو یہ رقیق ہو جاتا ہے اور اس کو چاٹ کر کھایا جاتا ہے۔

''النضر'' کا تذکرہ

اس حدیث کی تعلیق میں النضر کا ذکر ہے، اور یہ نضر بن شمیل ہیں، یہ نحوی اور لغوی اور مشہور محدث ہیں، ان کی کنیت ابوالحسن ہے، یہ بصرہ کے رہنے والے ہیں اور ان کی پیدائش مروالروذ میں ہوئی، یہ اپنے والد کے ساتھ بھاگ کر ۱۲۸ھ کے فتنہ میں بصرہ چلے گئے تھے، اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی، پھر یہ مروالروذ کی طرف لوٹ آئے، انہوں نے اسرائیل، شعبہ اور ہشام اور عروہ

وغیرہ سے سماع کیا، اور ان سے اسحاق الحنظلی محمود بن غیلان محمد بن مقاتل اور دوسروں نے سماع کیا، ابو جعفر الدارمی نے بیان کیا کہ ۲۰۴ھ میں ان کی وفات ہوگئی تھی۔

۵۴۰۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيُّ أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَنَّهُ أَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَنْكَرْتُ بَصَرِي وَأَنَا أُصَلِّي لِقَوْمِي فَإِذَا كَانَتِ الْأَمْطَارُ سَالَ الْوَادِي الَّذِي بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ آتِيَ مَسْجِدَهُمْ فَأُصَلِّيَ لَهُمْ فَوَدِدْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَنَّكَ تَأْتِي فَتُصَلِّيَ فِي بَيْتِي فَأَتَّخِذَهُ مُصَلًّى فَقَالَ سَأَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللهُ قَالَ عِتْبَانُ فَغَدَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ حِينَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ فَاسْتَأْذَنَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَذِنْتُ لَهُ فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى دَخَلَ الْبَيْتَ ثُمَّ قَالَ لِي أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ فَأَشَرْتُ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ الْبَيْتِ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَكَبَّرَ فَصَفَفْنَا فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ وَحَبَسْنَاهُ عَلَى خَزِيرٍ صَنَعْنَاهُ فَثَابَ فِي الْبَيْتِ رِجَالٌ مِنْ أَهْلِ الدَّارِ ذَوُو عَدَدٍ فَاجْتَمَعُوا فَقَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ أَيْنَ مَالِكُ بْنُ الدُّخْشُنِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ ذَلِكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا تَقُلْ أَلَا تَرَاهُ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ يُرِيدُ بِذَلِكَ وَجْهَ اللهِ قَالَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ قُلْنَا فَإِنَّا نَرَى وَجْهَهُ وَنَصِيحَتَهُ إِلَى الْمُنَافِقِينَ فَقَالَ فَإِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللهِ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ ثُمَّ سَأَلْتُ الْحُصَيْنَ بْنَ مُحَمَّدٍ الْأَنْصَارِيَّ أَحَدَ بَنِي سَالِمٍ وَكَانَ مِنْ سَرَاتِهِمْ عَنْ حَدِيثِ مَحْمُودٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از عُقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے حضرت محمود بن الربیع الانصاری نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عتبان بن مالک نبی ﷺ کے اصحاب میں سے تھے جو انصار میں سے غزوہ بدر میں حاضر ہوئے تھے، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، پس کہا: یا رسول اللہ! میری بینائی کمزور ہوگئی ہے اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں، پس جب بارشیں ہوتی ہیں تو وادی بہتی ہے، جو میرے اور ان کے درمیان ہے، اور میں یہ طاقت نہیں رکھتا کہ ان کی مسجد میں جا کر ان کو نماز پڑھاؤں، پس میں چاہتا ہوں یا رسول اللہ! کہ آپ میرے پاس آئیں اور میرے گھر میں نماز پڑھیں تو میں اس جگہ کو مصلّٰی بنالوں، پس آپ نے فرمایا: میں عنقریب ایسا کروں گا ان شاء اللہ!۔ حضرت عتبان نے کہا: پھر صبح کو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے جب دن چڑھ چکا تھا، تو نبی ﷺ نے اجازت طلب کی تو میں نے آپ کو اجازت دی، پس آپ نہیں بیٹھے حتیٰ کہ گھر میں داخل ہوگئے، پھر آپ نے مجھ سے پوچھا: تم کہاں پسند کرتے ہو جہاں میں تمہارے گھر میں نماز پڑھاؤں؟ تو میں نے گھر کی ایک جانب اشارہ کیا، پھر نبی ﷺ کھڑے ہوگئے اور آپ نے اللہ اکبر کہا، ہم نے آپ کے پیچھے صف باندھی، آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی، پھر آپ نے سلام پھیر دیا، اور ہم نے آپ کو خزیر کے لیے روک لیا، جو ہم نے آپ کے لیے تیار کیا تھا، پھر اس حویلی کے گھروں میں سے بہت سارے لوگ جمع ہوگئے، تو کسی کہنے والے نے کہا: مالک بن دخشن کہاں ہے؟ تو ان میں سے بعض نے کہا: وہ منافق ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں رکھتا، نبی

فَصَدَّقَهُ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ نہ کہو، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ، اور وہ اس سے اللہ کی رضا کا ارادہ کرتا ہے؟، اس شخص نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے، اس نے کہا: ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا رخ اور اس کی خیر خواہی منافقین کی طرف ہوتی ہے، آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے دوزخ پر اس شخص کو حرام کر دیا ہے جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور اس سے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کرتا ہے، ابن شہاب نے کہا: میں نے حصین بن محمد الانصاری سے سوال کیا، جو بنو سالم میں سے ایک ہیں اور ان کے سرداروں میں سے ہیں، ان سے میں نے محمود کی حدیث کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس حدیث کی تصدیق کی۔

(صحیح البخاری: ۴۲۴، ۴۲۵، ۶۶۷، ۶۸۶، ۸۳۸، ۸۴۰، ۱۱۸۶، ۴۰۰۹، ۴۰۱۰، ۵۴۰۱، ۶۴۲۳، ۶۹۳۸، صحیح مسلم: ۳۳، سنن ابن ماجہ: ۷۵۴)

صحیح البخاری: ۵۴۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے کہ ہم نے آپ کو خزیر پر روک لیا۔ یہ حدیث ''کتاب الصلوٰۃ باب مساجد البیوت'' میں گزر چکی ہے، نیز یہ باب الرخصۃ فی المطر والعلۃ میں بھی گزر چکی ہے، وہاں اس کی شرح مفصل بیان کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''انکرت بصری''، اس کا معنی ہے کہ میری بینائی کمزور ہو گئی، یا اس کا معنی ہے کہ وہ نابینا ہو گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''وحبسناہ''، یعنی ہم نے آپ کو اپنے گھر سے نکلنے سے منع کیا، کیونکہ ہم نے آپ کے لیے خزیر تیار کر لیا تھا، تاکہ آپ اسے کھائیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''فثاب من اهل الدار'' یعنی محلے کے لوگ جمع ہو گئے۔

نیز اس حدیث میں ''ابن الدخشن'' کا لفظ ہے اور اس کی روایت ''دُخیشن'' بھی کی گئی، حافظ ابو عمر نے کہا ہے کہ یہ غنم بن عوف بن عمرو بن عوف سے متعلق تھے، یہ ابن اسحاق، موسیٰ اور واقدی کے قول کے مطابق عقبہ میں حاضر ہوئے اور ابو معشر نے کہا کہ عقبہ میں حاضر نہیں ہوئے تھے، اور حافظ ابو عمر نے کہا: اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ بدر میں حاضر ہوئے تھے اور بعد کے مشاہد میں بھی حاضر ہوئے تھے اور ان پر نفاق کی تہمت تھی اور ان سے نفاق ثابت نہیں ہے، اور انہوں نے اسلام میں ایسے افعال کیے جس سے نفاق کی تہمت کی نفی ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ ابن ملقن نے اس حدیث کی شرح میں خزیرہ کے وہ معانی بیان کیے ہیں جن کو ہم علامہ عینی سے نقل کر چکے ہیں، اور انہوں نے اس حدیث کے فوائد میں یہ ذکر کیا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نابینا کا نماز پڑھانا جائز ہے جب کہ وہ اپنی قوم میں سب سے افضل ہو۔ اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نفل نماز جماعت کے ساتھ جائز ہے، امام مالک نے اس کی اجازت دی ہے۔ ابن حبیب مالکی نے کہا: یہ اس وقت ہے جب نماز سراً پڑھی جائے اور جہراً نہ پڑھی جائے اور جماعت میں کم لوگ ہوں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۱۵۲-۱۵۳، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ ھ)

صحیح البخاری ۵۴۰۱، کی شرح از علامہ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شیخ عثیمین کے ذکر کردہ ۱۵ فوائد اور بعض فوائد پر مصنف کا تعاقب

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوت کو قبول فرماتے تھے۔

(۲) سیلاب اور بارشوں کی وجہ سے جماعت سے نماز نہ پڑھنے کا عذر۔

(۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہونا۔

(۴) انسان کو چاہیے کہ جب وہ مستقبل کی کسی چیز کا وعدہ کرے، تو ان شاء اللہ کہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (الکہف: ۲۳-۲۴) اور آپ کسی کام کے متعلق یہ ہرگز نہ کہیں کہ میں کل یہ کام کرنے والا ہوں O مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

(۵) خواہ انسان کسی عظیم مرتبہ کا ہو اور بڑا آدمی ہو، پھر بھی وہ جب کسی کے گھر جائے تو اجازت طلب کر کے جائے۔

(۶) اس میں اجازت طلب کرنے کی مشروعیت ہے، خواہ انسان کو دعوت دی گئی ہو اور خواہ گھر کا دروازہ کھلا ہوا ہو، پھر بھی وہ اجازت طلب کر کے جائے گا۔

(۷) انسان کو چاہیے کہ اس چیز سے ابتداء کرے جو اس کا اصل مقصود ہو، یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم کہاں چاہتے ہو کہ میں نماز پڑھاؤں؟

(۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنا، اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور آپ کے غیر کے آثار سے تبرک حاصل نہ کیا جائے۔

میں کہتا ہوں: کہ شیخ عثیمین نے یہ فائدہ اپنے نجدی عقیدہ کے مطابق لکھا ہے، یہ درست ہے کہ جس جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہو اس سے جو برکت حاصل ہوگی وہ بے مثل ہوگی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسرے صالحین کسی جگہ نماز پڑھیں گے تو اس سے برکت نہ ہوگی، یقیناً یہ برکت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل شدہ برکت سے کم ہوگی لیکن اس میں بھی برکت ہوگی اور اس کی دلیل

یہ حدیث ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے قحط پڑنے پر حضرت عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے بارش کی دعا کی اور کہا: ہم پہلے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تیری طرف توسل کرتے تھے، پس تو ہم پر بارش نازل فرماتا تھا، اوراب بے شک ہم اپنے نبی کے چچا محترم کے توسل سے بارش طلب کر رہے ہیں تو ہم پر بارش نازل فرما، پس ان پر بارش نازل ہوتی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ صالحین اور اہل بیت نبوت کے توسل سے دعا کرنی چاہیے، بلکہ انہوں نے تو یہ لکھا ہے کہ صالحین اور اہل بیت نبوت سے شفاعت طلب کرنی چاہیے۔

نیز جب آیت تیمم نازل ہوئی تو حضرت اسید بن الحضیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اے آل ابوبکر! یہ آپ کی کوئی پہلی برکت تو نہیں۔ (صحیح البخاری: ۳۳۴)

قیامت تک کے مسلمانوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے برکت حاصل ہوئی اور ان کو تیمم کی سہولت مل گئی۔

نیز حدیث میں ہے: بعض درخت ایسے ہیں کہ ان کی برکت ضرور مسلمان کی برکت کی مثل ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۴۴۴)

غرض ایسی بہت حدیثیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مسلمانوں میں اور دوسری چیزوں میں بھی برکت رکھی ہے اور ان سے فائدہ حاصل کرنا اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(۹) اس حدیث میں نفل کی نماز کو جماعت سے پڑھنے کا ثبوت ہے، لیکن یہ ہمیشہ نہیں بلکہ کبھی کبھی ہونا چاہیے۔

(۱۰) اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عتبان بن مالک کے گھر والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خزیر کھلانے کے لیے روک لیا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کو گھر بلا کر اس کو کھانے کے لیے روکنا جائز ہے۔

(۱۱) اس حدیث میں مذکور ہے کہ کسی شخص نے حضرت مالک بن دخشن کے متعلق کہا: وہ منافق ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا ہے اور وہ صرف اللہ کی رضا سے کہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ محض بدگمانی سے کسی شخص پر تہمت نہیں لگانی چاہیے۔

(۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنی محبت کرتے تھے کہ جب ان کو معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عتبان کے گھر تشریف لائے ہیں تو سب محلے والے آپ سے ملاقات کے لیے جمع ہو گئے ہیں۔

(۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص منافقین سے میل جول رکھے، اس پر نفاق کا خدشہ ہوتا ہے، کیونکہ حضرت مالک بن دخشن منافقین کے ساتھ میل جول رکھتے تھے تو لوگوں نے ان پر نفاق کی تہمت لگائی۔

(۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات نصوص میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ مطلق ہوتا ہے اور بعض اوقات نصوص میں اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے ساتھ کوئی قید ہوتی ہے، کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ جس نے اللہ کی رضا کے لیے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا، اللہ تعالیٰ اس کے اوپر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیتا ہے۔ اگر ہم اس حدیث کو اپنے عموم اور اطلاق پر رکھیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کبھی بھی شرک کے سوا عذاب نہیں دے گا، حالانکہ اگر انسان شرک کے علاوہ اس سے کم درجہ کے گناہ کرے تب بھی وہ دوزخ میں دخول کا مستحق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ۝ وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ۝ (الماعون)

سوان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے O جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں O جو ریاکاری کرتے ہیں O اور وہ استعمال کی معمولی چیز دینے سے منع کرتے ہیں O

لہٰذا اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جس نے اللہ کی رضا کے لیے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا، اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کے دائمی عذاب کو حرام کر دیتا ہے نہ یہ کہ اس کے اوپر دوزخ میں مطلقاً دخول حرام کر دیتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک سے کم درجہ کے گناہوں کو جس کے لیے چاہتا ہے معاف فرما دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے، اس کو عذاب دیتا ہے۔

(۱۵) بعض لوگوں نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو بندہ تارکِ نماز ہو وہ کافر نہیں ہوتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بالعموم فرمایا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیتا ہے جس نے اللہ کی رضا کے لیے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا۔ لیکن یہ درست نہیں ہے، کیونکہ احادیث میں تصریح ہے کہ جس نے عمداً نماز کو ترک کیا، اس نے کفر کیا۔

میں کہتا ہوں: شیخ عثیمین کا یہ فائدہ ذکر کرنا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ تارکِ نماز پر کفر کا اطلاق کفر کے اصطلاحی معنی میں نہیں ہے، بلکہ اس کا معنی ناشکری ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے وقت پر نماز نہیں پڑھی اس نے کافروں کے مشابہ کام کیا، کیونکہ کافر بھی وقت پر نماز نہیں پڑھتے۔ (سعیدی غفرلہٗ) (شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۵۲-۱۵۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۱۶۔ بَابُ: الْأَقِطِ — پنیر کا بیان

وَقَالَ حُمَيْدٌ سَمِعْتُ أَنَسًا بَنَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِصَفِيَّةَ فَأَلْقَى التَّمْرَ وَالْأَقِطَ وَالسَّمْنَ وَقَالَ عَمْرُو بْنُ أَبِي عَمْرٍو عَنْ أَنَسٍ صَنَعَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم حَيْسًا۔

حمید نے بیان کیا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شبِ زفاف گزاری، پھر آپ نے کھجوریں اور پنیر اور گھی (بطور ولیمہ) رکھا، عمرو بن ابی عمرو نے کہا از حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قسم کا حلوہ بنایا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

پنیر بنانے کے طریقے

اس باب میں پنیر کا ذکر کیا جائے گا، ''اَقِط'' کے لفظ میں ہمزہ پر زبر ہے اور قاف کے نیچے زیر ہے اور کبھی اس پر جزم بھی ہوتا ہے اور اس کے آخر میں طاء ساکن ہے۔

التوضیح میں مذکور ہے: ''اَقِط'' وہ چیز ہے جس کو دودھ بنایا جاتا ہے اور دودھ کو برتن میں جوش دیتے ہیں، پھر جب دودھ کی سفیدی اوپر آ جاتی ہے تو اس کو ایک برتن میں جمع کیا جاتا ہے اور یہ عرب کے کھانوں میں سے ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں یہ عرب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام شمالی شہروں میں اور ترک میں ''اَقِط'' یعنی پنیر بنایا جاتا ہے۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: "اَقِط" دودھ کو خشک کر کے اس کو پکا لیا جاتا ہے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس کو اس وقت تک نہیں پکاتے جب تک کسی برتن میں اس کو گرم پانی میں نہیں ڈالتے حتیٰ کہ یہ دودھ کی طرح ہو جاتا ہے، پھر اس کو پکاتے ہیں۔
میں کہتا ہوں کہ یہ پنیر بنانے کا پرانے زمانہ کا طریقہ ہے، اب جدید دور میں مختلف جدید کیمیائی طریقوں سے پنیر کو بنایا جاتا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

باب مذکور کی تعلیق میں حُمید اور عمرو بن ابی عمرو کا تذکرہ اور "حَیس" کا معنی

اس حدیث کی تعلیق میں حُمید کا ذکر ہے، جنہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب زفاف گزاری۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ حُمید ابن ابی حُمید الطویل ہیں، اور یہ تعلیق سند موصول کے ساتھ "باب الخبز المرقق" میں گزر چکی ہے۔
اس کے بعد اس تعلیق میں ذکر ہے کہ عمرو بن ابی عمرو نے از حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "حیس" یعنی ایک قسم کا حلوہ بنایا۔
عمرو بن ابی عمرو، یہ المطلب بن عبد اللہ المخزومی کے آزاد شدہ غلام ہیں، اور یہ تعلیق بھی اس باب میں گزر چکی ہے اور اس پر کلام بھی گزر چکا ہے۔
نیز اس تعلیق میں "حَیس" کا ذکر ہے، یہ ایک قسم کا حلوہ ہے جو کھجوروں، گھی اور پنیر کے آمیزہ سے تیار کیا جاتا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۰۲۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ أَهْدَتْ خَالَتِي إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم ضِبَابًا وَأَقِطًا وَلَبَنًا فَوُضِعَ الضَّبُّ عَلَى مَائِدَتِهِ فَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَمْ يُوضَعْ وَشَرِبَ اللَّبَنَ وَأَكَلَ الْأَقِطَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از سعید از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گوہ اور پنیر اور دودھ کا ہدیہ بھیجا، پس گوہ کو آپ کے دستر خوان پر رکھا گیا، پس اگر گوہ حرام ہوتی تو آپ کے دستر خوان پر نہ رکھی جاتی اور آپ نے دودھ پی لیا اور پنیر کھا لیا۔

(صحیح البخاری: ۲۵۷۵، ۵۳۸۹، ۵۴۰۲، ۷۳۵۸، صحیح مسلم: ۱۹۴۷، سنن نسائی: ۴۳۱۹، سنن ابوداؤد: ۳۷۹۳، مسند احمد: ۲۹۵۴)

صحیح البخاری: ۵۴۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پنیر کھا لیا۔ یہ حدیث کتاب الھبہ

میں باب قبول الهدیہ میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۹-۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۲ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فصد لگانے کی اجرت پر استدلال

جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر گوہ کا کھانا حرام ہوتا تو گوہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر نہ رکھا جاتا، اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ استدلال بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد لگانے والے کو اجرت عطا فرمائی ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۶۹۱، صحیح مسلم: ۱۲۰۲)

سو اگر فصد لگانے کی اجرت حرام ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصد لگانے کی اجرت عطا نہ فرماتے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۵۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۱۷۔ بَابُ: السِّلْقِ وَالشَّعِيرِ

چقندر اور جو کا بیان

اس باب میں چقندر اور جو کا ذکر کیا جائے گا۔

۵۴۰۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ إِنْ كُنَّا لَنَفْرَحُ بِيَوْمِ الْجُمُعَةِ كَانَتْ لَنَا عَجُوزٌ تَأْخُذُ أُصُولَ السِّلْقِ فَتَجْعَلُهُ فِي قِدْرٍ لَهَا فَتَجْعَلُ فِيهِ حَبَّاتٍ مِنْ شَعِيرٍ إِذَا صَلَّيْنَا زُرْنَاهَا فَقَرَّبَتْهُ إِلَيْنَا وَكُنَّا نَفْرَحُ بِيَوْمِ الْجُمُعَةِ مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ وَمَا كُنَّا نَتَغَدَّى وَلَا نَقِيلُ إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ وَاللّٰهِ مَا فِيهِ شَحْمٌ وَلَا وَدَكٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن عبد الرحمٰن نے حدیث بیان کی از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جمعہ کے دن بہت خوش ہوتے تھے، کیونکہ ایک بوڑھی عورت تھی جو چقندر کی جڑوں کو لے کر پتیلی میں ڈالتی اور اس میں جَو کے دانے ڈالتی اور پکاتی، جب ہم نماز جمعہ پڑھ لیتے تو ہم ان کی زیارت کے لیے جاتے تو وہ ہمارے سامنے چقندر اور جَو پیش کرتی، اور ہم جمعہ کے دن اس وجہ سے خوش ہوتے تھے۔ اور ہم صبح ناشتہ نہیں کرتے تھے اور نہ قیلولہ کرتے تھے مگر نماز جمعہ کے بعد اور اللہ کی قسم! اس سالن میں چربی ہوتی تھی نہ چکنائی۔

(صحیح البخاری: ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۱، ۲۳۴۹، ۵۴۰۳، ۶۲۴۸، ۶۲۷۹، صحیح مسلم: ۸۵۹، سنن ترمذی: ۵۲۵، سنن ابن ماجہ: ۱۰۹۹)

صحیح البخاری: ۵۴۰۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زوال سے پہلے نمازِ جمعہ منعقد نہ ہونا

ابو حازم کا نام سلمہ بن دینار ہے، اور یہ حدیث اواخر کتاب الجمعہ میں درج ذیل باب میں گزر چکی ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ (الجمعہ:١٠) پھر جب نماز پڑھی لی جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ہم نمازِ جمعہ کے بعد ناشتہ کرتے تھے اور قیلولہ کرتے تھے۔ اس سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ نمازِ جمعہ زوال سے پہلے بھی ہوسکتی ہے، لیکن جمہور کے نزدیک نمازِ جمعہ زوالِ آفتاب کے بعد ہوتی ہے اور اس کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سلف صالحین کی دنیا سے بے رغبتی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اپنی پسندیدہ اور لذیذ چیزوں کو عام طور پر نہیں کھاتے تھے اور تھوڑی مقدار کھانے پر کفایت کرتے تھے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ صحابہ کو چقندر اور جَو کے کھانے پر حرص تھی، اس سے معلوم ہوا کہ ان کو ہر وقت چقندر اور جَو کھانا میسر نہیں تھا اور ان کو اپنی پسندیدہ چیزیں کھانے کی فکر نہیں ہوتی تھی، وہ صرف عبادات کے اندر مشغول رہتے تھے اور بھوک کی تیزی کو جہاں تک ممکن ہوسکتا تھا برداشت کرتے تھے، پس جو شخص آخرت پر حریص ہو، اس کو چاہیے کہ وہ صالحین کے نمونہ کی پیروی کرے اور ان کے طریقہ پر عمل کرے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۲۶ ص ۱۵۵، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۳ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

چقندر کے فوائد، صحابہ کرام جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لیے خوش ہوتے تھے مگر ان کی یہ عادت تھی کہ چقندر کھانے کی ان کی دعوت ہوتی تھی، اور گھر والے کا سلطان کی بہ نسبت امامت کا زیادہ حق دار ہونا

چقندر ایک معروف سبزی ہے جو جگر کے سدوں کو کھولتی ہے اور پیٹ کی اصلاح کرتی ہے۔ پھر امام بخاری نے اس باب میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ذکر کیا ہے کہ ایک بوڑھی عورت ان کے لیے ایک دیگچی میں چقندر کی جڑیں پکاتی تھی۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلف صالحین میانہ روی کے ساتھ زندگی گزارتے تھے اور کم خوراک کے اوپر صبر اور قناعت کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فتوحِ عظیمہ کو کھول دیا، اور بعض صحابہ ایسے بھی تھے جو اس سے بھی کم خوراک کے اوپر قناعت کرتے تھے۔

سوال: کیا وہ چقندر کھانے کی وجہ سے نمازِ جمعہ کے دن خوش ہوتے تھے؟

جواب: نہیں! وہ کھانے کی وجہ سے خوش نہیں ہوتے تھے، بلکہ اس دن عادت یہ تھی کہ ان کو چقندر کھلائے جاتے تھے، خوش تو وہ نماز ہی کی وجہ سے ہوتے تھے۔

سوال: اگر کسی مرد کو سلطان اپنے گھر میں بلائے اور نماز کا وقت آ جائے تو امام گھر والا ہو گا یا سلطان؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کوئی مرد دوسرے مرد کے گھر میں امامت نہ کرے اور گھر والا امامت کرنے کا زیادہ حق دار ہے، لیکن فقہاء نے کہا ہے کہ سلطان زیادہ حق دار ہے، کیونکہ اس کی ولایت عام ہے جو گھر کی ولایت کو بھی شامل ہے اور تمام لوگوں پر اس کی ولایت ہے، اسی لیے انہوں نے کہا ہے کہ گھر والا اور امام المسجد امامت کا زیادہ حقدار ہے، سوائے سلطان کے، کیونکہ اس کی سلطنت صاحب البیت پر بھی ہے اور مسجد پر بھی ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ سنت اس کے خلاف ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والے کو نماز پڑھانے کا زیادہ حق دار قرار دیا ہے۔ (شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۵۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۱۸۔ بَابُ: النَّهْسِ وَانْتِشَالِ اللَّحْمِ — گوشت کو دانتوں سے کھانا اور دیگچی سے گوشت نکال کر کھانا

۵۴۰۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ تَعَرَّقَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَتِفًا ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن عبد الوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از محمد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کی دستی کا گوشت نوچ کر کھایا، پھر آپ کھڑے ہوئے، پس آپ نے نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۷، ۵۴۰۴، ۵۴۰۵، صحیح مسلم: ۳۵۴، سنن نسائی: ۱۸۴، سنن ابوداؤد: ۱۸۷، سنن ابن ماجہ: ۴۸۸، مسند احمد: ۱۹۸۹، موطا امام مالک: ۵۰)

۵۴۰۵۔ وَعَنْ أَيُّوبَ وَعَاصِمٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْتَشَلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَرْقًا مِنْ قِدْرٍ فَأَكَلَ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: اور از ایوب وعاصم از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگچی سے گوشت نکالا، پس کھایا، پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۷، ۵۴۰۴، ۵۴۰۵، صحیح مسلم: ۳۵۴، سنن نسائی: ۱۸۴، سنن ابوداؤد: ۱۸۷، سنن ابن ماجہ: ۴۸۸، مسند احمد: ۱۹۸۹، موطا امام مالک: ۵۰)

صحیح البخاری: ۵۴۰۴، ۵۴۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"النھس" اور "انتشال اللحم" کا معنی

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک اور حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روٹی گوشت آیا تو آپ نے اس

میں سے چند لقمے کھائے۔الحدیث۔تو میں کہوں گا: ظاہر یہ ہے کہ یہ متعدد واقعات ہیں۔

نیز علامہ عینی نے لکھا ہے کہ ''النھس'' کا معنی ہے: دانتوں سے گوشت کو کاٹنا یا نوچ کر کھانا اور ''انتشال اللحم'' کا معنی ہے: پتیلی سے گوشت کو نکال کر کھانا۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷، دار الکتب العلمیہ ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۴، ۵۴۰۵، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگچی سے گوشت نکال کر کھایا اور وضو نہیں فرمایا۔

سوال: کیا اونٹ کا پکا ہوا گوشت کھانے سے بھی وضو واجب نہیں ہے؟

جواب: نہیں! اونٹ کے پکے ہوئے گوشت کے کھانے سے وضو کرنا واجب ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی کہ اونٹ کا گوشت وضو کو نہیں توڑتا۔(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۵۷، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۱۹۔ بَابٌ: تَعَرُّقِ الْعَضُدِ

بازو کو دانتوں سے کھانا

۵۴۰۶۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ الْمَدَنِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ مَكَّةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عثمان بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فلیح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو حازم المدنی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن ابی قتادہ نے اپنے والد سے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف گئے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۲۵۷۰، ۲۸۵۴، ۲۹۱۴، ۴۱۴۹، ۵۴۰۶، ۵۴۰۷، ۵۴۹۰، ۵۴۹۱، ۵۴۹۲، صحیح مسلم: ۱۱۹۶، سنن نسائی: ۲۸۲۴، مسند احمد: ۲۲۰۶۳، موطا امام مالک: ۷۸۶، سنن دارمی: ۱۸۳۶)

۵۴۰۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ كُنْتُ يَوْمًا جَالِسًا مَعَ رِجَالٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي مَنْزِلٍ فِي طَرِيقِ مَكَّةَ وَرَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَازِلٌ أَمَامَنَا وَالْقَوْمُ مُحْرِمُونَ وَأَنَا غَيْرُ مُحْرِمٍ فَأَبْصَرُوا حِمَارًا وَحْشِيًّا وَأَنَا مَشْغُولٌ أَخْصِفُ نَعْلِي فَلَمْ يُؤْذِنُونِي لَهُ وَأَحَبُّوا لَوْ أَنِّي أَبْصَرْتُهُ فَالْتَفَتُّ فَأَبْصَرْتُهُ فَقُمْتُ إِلَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد العزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی از ابی حازم از عبد اللہ بن ابی قتادہ السلمی از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں (یعنی حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں) کہ میں ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ساتھ مکہ کے راستہ کی منزل میں بیٹھا ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے آگے ٹھہرے ہوئے تھے اور صحابہ احرام باندھے ہوئے تھے اور میں غیر محرم تھا، اور صحابہ نے ایک جنگلی گدھے کو دیکھا اور میں

الْفَرَسِ فَأَتَيْتُهُ ثُمَّ رَكِبْتُ وَنَسِيتُ السَّوْطَ وَالرُّمْحَ فَقُلْتُ لَهُمْ نَاوِلُونِي السَّوْطَ وَالرُّمْحَ فَقَالُوا لَا وَاللهِ لَا نُعِينُكَ عَلَيْهِ بِشَيْءٍ فَغَضِبْتُ فَنَزَلْتُ فَأَخَذْتُهُمَا ثُمَّ رَكِبْتُ فَشَدَدْتُ عَلَى الْحِمَارِ فَعَقَرْتُهُ ثُمَّ جِئْتُ بِهِ وَقَدْ مَاتَ فَوَقَعُوا فِيهِ يَأْكُلُونَهُ ثُمَّ إِنَّهُمْ شَكُّوا فِي أَكْلِهِمْ إِيَّاهُ وَهُمْ حُرُمٌ فَرُحْنَا وَخَبَأْتُ الْعَضُدَ مَعِي فَأَدْرَكْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَسَأَلْنَاهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ مَعَكُمْ مِنْهُ شَيْءٌ فَنَاوَلْتُهُ الْعَضُدَ فَأَكَلَهَا حَتَّى تَعَرَّقَهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ وَحَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ مِثْلَهُ

اپنی جوتی کی مرمت میں مشغول تھا، سوانہوں نے مجھے اس جنگلی گدھے کی خبر نہیں دی، اوران کو یہ پسند تھا کہ کاش میں بھی اس کو دیکھ لیتا، پس میں نے توجہ کی اوراس کو دیکھا تو میں اپنے گھوڑے کی طرف کھڑا ہوااس پر زین ڈالی اور پھر میں اس پر سوار ہوااور میں کوڑا اور نیزہ اٹھانا بھول گیا، تو میں نے ان سے کہا: مجھے کوڑا اور نیزہ اٹھادو تو انہوں نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! ہم تمہاری بالکل مدد نہیں کریں گے، سو مجھے غصہ آیا اور میں اترا اور میں نے کوڑے اور نیزہ کو اٹھالیا، اور میں سوار ہوا، میں نے جنگلی گدھے کو زخمی کر دیا اور اس کو لے کر آیا، صحابہ اس کو کھانے لگے، پھر ان کو اس کے کھانے کے متعلق شک ہوا کیونکہ وہ احرام باندھے ہوئے تھے، پس ہم چل پڑے اور میں نے اس کا ایک بازو اپنے ساتھ چھپا لیا، پھر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیا، پھر ہم نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا، پھر آپ نے فرمایا: تمہارے پاس اس کی کوئی چیز ہے، پھر میں نے وہ بازو آپ کو پیش کیا اور آپ نے اس کو دانتوں سے چبا کر کھایا اور آپ اس وقت محرم تھے۔ محمد بن جعفر نے کہا: اور مجھے زید بن اسلم نے حدیث بیان کی از عطاء بن یسار از ابی قتادہ اسی کی مثل۔

(صحیح البخاری: ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۲۵۷۰، ۲۸۵۴، ۲۹۱۴، ۴۱۴۹، ۵۴۰۶، ۵۴۰۷، ۵۴۹۰، ۵۴۹۱، ۵۴۹۲، صحیح مسلم: ۱۱۹۶، سنن نسائی: ۲۸۲۴، مسند احمد: ۲۲۰۶۳، موطا امام مالک: ۷۸۶، سنن دارمی: ۱۸۲۶)

صحیح البخاری: ۵۴۰۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث کے الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''میں اپنی جوتی کی مرمت کر رہا تھا اور صحابہ نے مجھ کو نہیں بتایا کہ یہاں پر ایک شکار موجود ہے''۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''پس صحابہ اس شکار کو کھانے لگے''۔ یعنی اس کو پکانے اور اس کی اصلاح کرنے کے بعد۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ صحابہ کو شک ہوا، یعنی اس بات میں شک ہوا کہ ان کے لیے اس جنگلی گدھے کا گوشت کھانا حلال ہے یا حرام ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الحج میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح وہیں پر کی جا چکی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر غیر محرم نے کسی جانور کو شکار کیا ہو اور وہ محرم کو وہ گوشت کھلائے تو محرم کا اس گوشت کو کھانا جائز ہے، کیونکہ صحابہ نے بھی اس شکار کیے ہوئے گوشت سے کھایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس جنگلی گدھے کے بازو کو دانتوں سے کھایا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

تنبیہ: حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے کہ اس حدیث کی شرح کتاب الحج میں گزر چکی ہے۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۷۵۴، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۸۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۷ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طور پر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنگلی گدھے کے بازو کو دانتوں سے کھایا حتیٰ کہ اس کی ہڈی کے ساتھ جو گوشت ملا ہوا تھا وہ آپ نے کھا لیا۔
اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ محرم پر یہ حرام ہے کہ وہ کسی کو شکار کے جانور کو بتائے، جس کا محرم پر شکار کرنا حرام ہے، پس شکار یہاں پر احرام باندھنے والوں کے اوپر حرام تھا اور دوسرے لوگوں کے اوپر اس کا شکار کرنا مباح تھا۔

ایک چیز کا مختلف جہات سے حلال اور حرام ہونا

سوال: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم کسی چیز کے متعلق یہ کہیں کہ وہ حلال بھی ہے اور وہ حرام بھی ہے؟
جواب: کیونکہ اس میں جہات مختلف ہیں، کیونکہ محرم کے لیے کسی جانور کو شکار کرنا حرام ہے اور غیر محرم کے لیے اس کو شکار کرنا جائز ہے، جیسے کوئی شخص ایسا کپڑا پہن کر نماز پڑھے جس کپڑے کو پہننا اس پر حرام ہے تو اگر اس کے پاس اور کوئی کپڑا نہ ہو تو اس کا نماز پڑھنا جائز ہے لیکن کسی حرام کپڑے کو پہننا جائز نہیں ہے۔

مفتی کو چاہیے کہ وہ فتویٰ دیتے وقت اپنے فتویٰ پر عمل کر کے دکھائے تاکہ مستفتی کو اطمینان ہو

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مفتی کو چاہیے کہ وہ ایسا فعل کرے جس سے مستفتی اس کے فتویٰ پر مطمئن ہو جائے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے پاس اس شکار کے جانور میں سے کچھ ہے؟ یعنی اگر آپ صرف یہ فرما دیتے کہ غیر محرم کا کیا ہوا شکار محرم کے لیے کھانا جائز ہے تب بھی صحابہ کو مسئلہ تو معلوم ہو جاتا لیکن جب آپ نے یہ پوچھا کہ تمہارے پاس اس کا کچھ گوشت ہے تو انہوں نے بتایا کہ ایک بازو ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بازو کو کھایا تو صحابہ کو اطمینان ہو گیا کہ اگر غیر محرم کا کیا ہوا شکار محرم کے لیے حرام ہوتا تو آپ اس کو نہ کھاتے۔

شیخ ابن تیمیہ حنبلی کا حدیث مذکور سے یہ استدلال کہ حالتِ جہاد میں مقیم کے لیے بھی روزہ کو افطار کرنا جائز ہے

شیخ ابن تیمیہ نے اسی کی مثل فیصلہ کیا جب تاتاریوں نے دمشق کا محاصرہ کر لیا تو یہ رمضان میں ہوا تھا تو شیخ ابن تیمیہ نے لشکر کو

روزہ افطار کرنے کا حکم دیا اور دوسروں نے فتویٰ دیا کہ روزہ افطار نہ کریں، جنہوں نے افطار کرنے سے منع کیا تھا تو انہوں نے کہا: یہ روزہ کیسے افطار کریں گے حالانکہ نہ تو یہ سفر میں ہیں اور نہ بیمار ہیں بلکہ مقیم ہیں اور افطار کا سبب یا مرض ہوتا ہے یا سفر ہوتا ہے۔

رہے شیخ ابن تیمیہ تو انہوں نے کہا کہ جنگ اور قتال روزہ کے افطار کا سبب مبیح ہے اور انہوں نے اس سے استدلال کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتحِ مکہ کے غزوہ کے اندر رمضان میں تھے، آپ نے اپنے اصحاب کو روزہ افطار کرنے کا حکم دیا اور ان کو ندا کی لیکن سختی سے حکم نہیں دیا اور دوسری مرتبہ اور تیسری مرتبہ ان کو سختی سے حکم دیا اور فرمایا: تم صبح دشمن سے جنگ کرو گے اور روزہ کو افطار کرنا تمہارے لیے جہاد میں مددگار ہوگا۔ (صحیح مسلم: ۱۱۲۰، سنن ابوداؤد: ۲۴۰۶)

پس شیخ ابن تیمیہ نے یہ استدلال کیا کہ روزہ کا افطار کرنا دشمن سے مقابلہ کے وقت زیادہ قوی ہے اور کہا: یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے وقت روزہ کو افطار کرنا جائز ہے خواہ انسان اپنے شہر میں مقیم ہو۔

صحابہ کرام محارم سے مجتنب رہتے تھے

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے محارم سے بہت دور رہتے تھے، کیونکہ جب انہوں نے جنگلی گدھے کو دیکھا تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو نہیں بتایا کہ یہاں پر جنگلی گدھا موجود ہے کیونکہ محرم کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کو شکار کی طرف رہنمائی کرے اور بعد میں جب حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ خود سوار ہوئے اور کوڑا اور نیزہ اٹھانا بھول گئے اور صحابہ سے طلب کیا کہ انہیں کوڑا اور نیزہ اٹھا کر دیں تو انہوں نے انکار کیا۔

اور اس میں یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام دنیا کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کے محارم کا ارتکاب نہیں کرتے تھے، کیونکہ وہ صحابہ محرم تھے اور محرم کے لیے شکار کی مدد کے لیے نیزہ اور کوڑا وغیرہ فراہم کرنا جائز نہیں ہے، تو اگرچہ انہیں بھی گوشت کھانے کی ضرورت تھی لیکن انہوں نے محارم سے بچنے کے لیے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو کوڑا اور نیزہ فراہم نہیں کیا۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی حدیثوں میں تعارض کا جواب

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرے اور آپ کو جنگلی گدھے کا گوشت ہدیہ کیا گیا تو آپ نے اس کو واپس کر دیا، پس جب آپ نے دینے والے کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھے تو آپ نے فرمایا: ہم نے یہ جنگلی گدھا تم کو اس لیے واپس کیا ہے کہ ہم محرم ہیں۔ سو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر محرم کا کیا ہوا شکار اگر محرم کو پیش کیا جائے تو اس کا کھانا جائز ہے اور حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم کے لیے پیش کردہ شکار کو کھانا جائز نہیں ہے۔

سو اہل علم نے ان احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ حجۃ الوداع کا ہے اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا واقعہ غزوہ حدیبیہ کا ہے اور ان کے درمیان چار سال کی مدت ہے اور جو حدیث آخری ہو اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل یہ ہے کہ آپ نے غیر محرم کے کیے ہوئے شکار کو اس لیے قبول نہیں کیا کہ آپ محرم تھے۔

اور اس حدیث کا دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت صعب بن جثامہ نے وہ جنگلی گدھا حضور کو پیش کرنے کے لیے شکار کیا تھا، اس لیے آپ نے قبول نہیں فرمایا۔ اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے جس جنگلی گدھے کو شکار کیا تھا، وہ خصوصیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے

شکار نہیں کیا تھا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے شکار کیے ہوئے جانور سے کھالیا تھا اور حضرت صعب بن جثامہ کے شکار کیے ہوئے جنگلی گدھے کو قبول نہیں فرمایا تھا۔

اور اس جواب کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خشکی کا شکار تمہارے لیے حلال ہے جب تک کہ تم اس کا خود شکار نہ کرو یا تمہیں پیش کرنے کے لیے شکار کیا جائے۔ (سنن ترمذی: ۸۴۶، سنن ابوداؤد: ۱۸۵۱)

یعنی اگر مُحرم خشکی کا شکار خود کرے تو وہ اس کے لیے جائز نہیں ہے اور اگر غیر مُحرم مُحرم کو پیش کرنے کے لیے شکار کرے تب بھی وہ مُحرم کے لیے جائز نہیں ہے۔

سوال: ان دونوں حدیثوں میں کس طرح تطبیق ہوگی؟

جواب: جب حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو صحابہ نے کوڑا اور نیزہ دینے سے منع کیا اور اس پر ناراض ہوئے تو معلوم ہوا کہ حضرت ابوقتادہ کی یہ نیت نہیں تھی کہ وہ ان صحابہ کو شکار کر کے کھلائیں، انہوں نے خود اپنے لیے شکار کیا تھا اور ان کے لیے جائز تھا کہ وہ جس کو چاہیں اس شکار سے کھلا دیں، اس کے برخلاف حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ نے اس جنگلی گدھے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شکار کیا تھا اور ان کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ وہ جس کو چاہیں اس جنگلی گدھے کا مالک بنا دیں اور جس کو چاہیں عطا کریں، انہوں نے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس جنگلی گدھے کو شکار کیا تھا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۵۸-۱۵۹، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۰- بَابٌ: قَطْعِ اللَّحْمِ بِالسِّكِّينِ — گوشت کو چھری سے کاٹنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ گوشت کو چھری سے کاٹنا جائز ہے۔

۵۴۰۸- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ أَنَّ أَبَاهُ عَمْرَو بْنَ أُمَيَّةَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ فِي يَدِهِ فَدُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَلْقَاهَا وَالسِّكِّينَ الَّتِي يَحْتَزُّ بِهَا ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے جعفر بن عمرو بن امیہ نے خبر دی کہ ان کے والد حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بکری کا بازو اپنے ہاتھ میں کاٹ رہے تھے۔ پھر نماز کی دعوت دی گئی تو آپ نے وہ بازو بھی پھینک دیا اور وہ چھری بھی پھینک دی جس سے کاٹ رہے تھے پھر آپ کھڑے ہوئے، نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۸، ۶۷۵، ۲۹۲۳، ۵۴۰۸، ۵۴۲۲، ۵۴۶۲، صحیح مسلم: ۳۵۵، سنن ترمذی: ۱۸۳۶، سنن دارمی: ۷۲۷)

صحیح البخاری: ۵۴۰۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور اس حدیث کی سند میں ابوالیمان کا ذکر ہے، یہ حکم بن نافع ہیں اور شعیب کا ذکر ہے یہ شعیب بن ابی حمزہ الحمصی ہیں اور یہ حدیث کتاب الطہارۃ باب من لم یتوضا من لحم الشاۃ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں "یحتز" کا لفظ ہے یعنی کاٹتے تھے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گوشت کو چھری سے کاٹنا جائز ہے، شیخ ابن حزم ظاہری نے کہا کہ کھانے کے لیے گوشت کو چھری سے کاٹنا مستحسن ہے اور مکروہ نہیں ہے، نیز روٹی کو چھری سے کاٹنے کے متعلق کوئی صریح ممانعت نہیں آئی ہے۔

گوشت کو چھری سے کاٹنے کے خلاف معجم طبرانی اور سنن ابوداؤد کی احادیث سے اعتراض کا جواب

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ روٹی کو چھری سے اس طرح نہ کاٹو جس طرح عجمی لوگ روٹی کو چھری سے کاٹتے ہیں اور جب تم میں سے کوئی ایک گوشت کو کھانے کا ارادہ کرے تو اس کو چھری سے نہ کاٹے بلکہ گوشت کو اپنے ہاتھ سے پکڑے اور منہ میں رکھ کر دانتوں سے کھائے، یہ زیادہ لذت بخش اور خوشگوار ہے۔

اور امام ابوداؤد نے از ابو معشر از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گوشت کو چھری سے نہ کاٹو کیونکہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے، گوشت کو منہ میں رکھ کر دانتوں سے کاٹ کر کھاؤ، یہ زیادہ خوشگوار اور زیادہ لذت بخش ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: امام طبرانی کی حدیث کی سند میں عباس بن کثیر الثقفی ہے اور وہ ضعیف راوی ہے، اور امام ابوداؤد کی حدیث کے متعلق امام نسائی نے کہا کہ اس حدیث کی سند میں ابو معشر راوی ہے جس کی روایات منکر ہیں۔ اور امام ابن عدی نے کہا: اس حدیث کا کوئی متابع نہیں ہے اور یہ ضعیف ہے اور ابو معشر کا نام نجیح ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۷۳-۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوداؤد نے از ابو معشر نجیح سے روایت کی ہے اور وہ ضعیف راوی ہیں از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گوشت کو چھری سے نہ کاٹو، کیونکہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے، گوشت کو منہ میں رکھ کر دانتوں سے کاٹو یہ زیادہ خوشگوار اور زیادہ لذیذ ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۷۸)

امام ابوداؤد نے کہا کہ یہ قوی راوی نہیں ہیں اور حافظ عبد العظیم بن عبد القوی المنذری شافعی، متوفی ۶۵۶ھ نے اپنی مختصر میں کہا ہے کہ یحییٰ القطان ابو معشر سے روایت نہیں کرتے تھے اور اس کو بہت ضعیف قرار دیتے تھے اور جب ان کا نام لیا جاتا تو ہنستے تھے اور ایک سے زیادہ ائمہ نے ان کے متعلق کلام کیا ہے۔ (مختصر سنن ابوداؤد، ج ۵ ص ۳۰۴، مطبوعہ دارالمعرفہ، بیروت)

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۸۳۵)۔ العراقی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند منقطع ہے۔

شیخ ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ گوشت کو چھری سے کاٹ کر کھانا مستحسن ہے اور مکروہ نہیں ہے، اسی طرح روٹیوں کو کاٹ کر کھانا بھی مکروہ نہیں ہے، کیونکہ اس کے متعلق کوئی صریح ممانعت نہیں آئی کہ روٹی کو چھری سے نہ کاٹا جائے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۶۱-۱۶۲، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۸ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ضرورت کے وقت چھری سے گوشت کاٹنے کا جواز اور چھری اور کانٹوں کے ساتھ اور الٹے ہاتھ سے کھانے کی کراہت

گوشت میں کچھ سختی ہوتی ہے اس لیے اس کو چھری سے کاٹنے کی ضرورت پڑتی ہے، بعض احادیث میں چھری سے کاٹنے کی ممانعت ہے، ان میں تطبیق اس طرح سے ہے کہ جب چھری سے کاٹنے سے اپنی بلندی اور برتری مقصود ہو تو یہ ممنوع ہے اور اگر گوشت کو چھری سے کاٹنا کبھی کبھار ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس دور میں ہم نے دیکھا کہ بعض لوگ اپنے ہاتھوں کو گوشت سے دور رکھتے ہیں اور چھری اور کانٹے کے ساتھ کھاتے ہیں اور الٹے ہاتھ سے کھاتے ہیں اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے خلاف ہے، لیکن جب انسان کو چھری کے ساتھ گوشت کاٹنے کی ضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کیا ہے اور جب اس کی ضرورت نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ گوشت کو ہاتھ سے پکڑے اور دانتوں کے ساتھ کاٹ کر کھائے۔

جب کھانا حاضر ہو تو نماز نہیں پڑھنی چاہیے اور اس حدیث میں ہے کہ آپ کھانے کو ترک کر کے نماز میں مشغول ہو گئے

سوال: اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب طعام حاضر ہو تو نماز نہیں پڑھنی چاہیے، اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ طعام حاضر تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے لیے چھری سے گوشت کو کاٹ رہے تھے، پھر آپ نے چھری اور گوشت کو چھوڑ دیا اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔

جواب: کھانے کے وقت نماز پڑھنے سے ممانعت اس پر محمول ہے کہ جب نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے کھانا متروک ہو جائے، لیکن اگر یہ خطرہ نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ جب کھانا حاضر ہو اور اس کے لیے کھانے کو کھانا ممکن نہ ہو تو پھر وہ نماز پڑھنے سے مانع نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۶۰، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس سوال کا صحیح جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ اگرچہ کھانے کے وقت نماز شروع ہو جائے تو آدمی پہلے کھانا کھالے پھر نماز پڑھے تاہم ایسا کرنا ضروری نہیں ہے اور اس کی بھی گنجائش ہے کہ وہ کھانے کو چھوڑ دے اور پہلے نماز پڑھ لے، کیونکہ اللہ کا حق ادا کرنا بندہ کے حق ادا کرنے پر مقدم ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۲۱- بَابٌ: مَا عَابَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم طَعَامًا — نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کھانے کا عیب نہیں بیان کیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی طعام کا عیب نہیں بیان کیا، جب کہ وہ طعام مباح ہو لیکن جو طعام حرام ہو

آپ اس کی مذمت کرتے تھے اور اس کے تناول سے منع فرماتے تھے، یہ بھی کہا گیا ہے: اگر خلقت کی جہت سے عیب نکالنا ہو تو وہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خلقت کا عیب نہیں بیان کیا جاتا لیکن اگر آدمیوں کے بنانے کی وجہ سے اس میں عیب ہو تو اس کو بیان کرنا جائز ہے، مثلاً انگوروں سے خمر بنائی جاتی ہے تو انگور کا عیب بیان کرنا جائز نہیں ہے اور خمر کا عیب بیان کرنا جائز ہے یا گندم اور جو سے بھی شراب بنائی جاتی ہے، اسی طرح چاول اور مکئی وغیرہ سے بھی شراب بنائی جاتی ہے تو ان اجناس کی مذمت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ کی تخلیق سے ہیں اور جو انسان ان سے شراب بناتا ہے اس کا عیب بیان کرنا اور اس کی مذمت کرنا جائز ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے: کھانے کے آداب سے یہ ہے کہ کھانے کا عیب نہ نکالا جائے، جیسے تھوڑے نمک کی یا تھوڑی کھٹاس کی یا کھانا زیادہ گلا ہوا نہ ہو تو اس کا عیب نکالنا جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۰۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا عَابَ النَّبِيُّ ﷺ طَعَامًا قَطُّ إِنِ اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ وَإِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از الاعمش از ابی حازم از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے کبھی کسی طعام کا عیب نہیں بیان کیا، اگر آپ کو طعام کی خواہش ہوتی تو آپ اسے کھا لیتے اور اگر ناپسند فرماتے تو اسے ترک کر دیتے۔

(صحیح البخاری: ۳۵۶۳، ۵۴۰۹، صحیح مسلم: ۲۰۶۴، سنن ترمذی: ۲۰۳۱، سنن ابوداؤد: ۳۷۶۳، مسند احمد: ۹۸۲۲)

صحیح البخاری: ۵۴۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی مطابقت باب کے عنوان کے ساتھ ظاہر ہے۔ اور محمد بن کثیر میں کثیر کا لفظ قلیل کی ضد ہے اور سُفیان سے مراد ابن عُیینہ ہے اور اعمش سے مراد سلیمان ہے اور ابو حازم سلمان الاشجعی ہیں۔

یہ حدیث باب ''صفة النبی ﷺ'' میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

طعام اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت پر اس کا شکر ادا کرنا چاہیے نہ کہ اس کا عیب نکالنا چاہیے

یہ حدیث نبی ﷺ کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حُسنِ ادب پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ جب کوئی مرد کسی طعام کو ناپسند کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے رزق کو مسترد کرتا ہے، اور کبھی بعض لوگ کسی طعام کو ناپسند کرتے ہیں اور دوسرے اس طعام کو پسند کرتے ہیں۔ (مثلاً بعض لوگ اونٹ اور گھوڑے کے گوشت کو ناپسند کرتے ہیں اور بعض ان کو پسند کرتے ہیں، بعض لوگ بینگن کو ناپسند کرتے ہیں اور بعض پسند کرتے ہیں، اسی طرح بعض لوگ ناشپاتی کو ناپسند کرتے ہیں اور بعض پسند کرتے ہیں۔ سعیدی غفرلہ) اور اللہ تعالیٰ کی

نعمتوں کا عیب نکالنا نہیں چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ہمارے لیے ان نعمتوں میں سے کوئی نعمت واجب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا کردے تو یہ اس کا فضل ہے اور کوئی نعمت روک لے تو یہ اس کا عدل ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۶۳، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: اسی طرح صحت اور بیماری ہے، صحت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور بیماری اس کا عدل ہے بلکہ بعض اوقات بیماری بھی اس کا فضل ہوتی ہے کیونکہ بیماری کی وجہ سے انسان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا شکر گزار بندہ بنائے اور ناشکرا نہ بنائے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل چاہتے ہیں اور اس کے عذاب سے اور اس کی گرفت سے پناہ طلب کرتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۹ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اصلاح کی غرض سے طعام کو تبدیل کرنے میں کوئی حرج نہیں یا پکانے والے کو تبدیل کرنے میں کوئی حرج نہیں

اسی طرح انسان کو چاہیے کہ وہ طعام کا عیب نہ نکالے، اگر اس کو پسند ہو تو کھالے اور ناپسند ہو تو ترک کردے، لیکن اگر وہ اپنے گھر والوں کو بہ طور اصلاح کے بتائے کہ آج جو کھانا پکایا اس میں نمک زیادہ تھا یا اس میں زیادہ مرچ مصالحہ تھا اور اس سے عیب نکالنے کا قصد نہ کرے بلکہ یہ قصد کرے کہ آئندہ کھانے میں نمک زیادہ ڈالا نہ جائے یا مرچ مصالحہ زیادہ نہ ڈالا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مصنوع میں عیب نہ نکالا جائے اور صانع کا عیب نکالنے میں کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً جو کھانا پکاتا ہے اس نے اچھی طرح کھانا نہیں پکایا تو وہ کہے کہ ہم کسی دوسرے کھانا پکانے والے کو رکھتے ہیں اور کھانے میں عیب نہ نکالے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعام میں عیب نہیں نکالتے تھے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۶۰-۱۶۱، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۰۹ کی شرح از شیخ محمد علی صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق کریم جس سے آپ آراستہ تھے، وہ یہ تھا کہ جب آپ کھانے کے لیے بیٹھتے تو اس کا عیب نہیں نکالتے تھے، مثلاً آپ یہ نہیں کہتے تھے کہ یہ طعام رڈی ہے اور یہ طعام غیر طیب ہے، بلکہ جب آپ کا جی چاہتا تو کوئی چیز کھالیتے اور جب جی نہ چاہتا تو اس کو ترک فرما دیتے، جیسا کہ گوہ کے معاملہ میں واقع ہوا، جب آپ کے دستر خوان پر گوہ کو دیکھا گیا تو آپ نے اس کو نہیں کھایا، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! لیکن میں اپنے دل میں اس کی کراہیت پاتا ہوں اور یہی حسن ادب ہے کہ انسان طعام کا عیب نہ نکالے، کیونکہ انسان کبھی کسی چیز کو پسند نہیں کرتا اور دوسرے اس چیز کو پسند کرتے ہیں اور ہر طعام کو شریعت کی طرف سے کھانے کی اجازت ہے اور اس میں فی نفسہٖ کوئی عیب نہیں ہے، اور طعام کے آداب میں سے ہے کہ اس میں عیب نہ نکالا جائے، کیونکہ یہ خالق کی مخلوق پر نعمت ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (البقرہ)

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو O

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۵۷، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۲۲۔ بَابُ: النَّفْخِ فِي الشَّعِيرِ

جَو پیسنے کے بعد اس پر پھونک مار کر اس کے چھلکے وغیرہ اڑانا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جَو پیسنے کے بعد اس میں پھونک مار کر اس کے چھلکوں کو اڑانا جائز ہے اور جَو پیسنے کے بعد اس کو چھلنی کے ساتھ نہ چھانا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق کہ پھونک مارنے کی ممانعت صرف پکے ہوئے طعام کے ساتھ مخصوص ہے اور علامہ عینی کا اس سے اختلاف

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس باب کی شرح میں لکھا ہے:

امام بخاری نے اس باب سے اس پر تنبیہ کی ہے کہ کھانے میں پھونک مار کر کھانے کی جو ممانعت ہے وہ پکے ہوئے کھانے کے ساتھ مخصوص ہے اور کچے طعام میں پھونک مار کر کھانا جائز ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۴۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۵۸۸، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حافظ ابن حجر سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جَو کو جب پیسا جائے تو اس میں پھونک ماری جائے حتیٰ کہ اس کے چھلکے وغیرہ نکل جائیں، پھر اس پسے ہوئے جَو کی روٹی پکائی جائے، یا طعام بنایا جائے یا ستو بنایا جائے یا اور کچھ بنایا جائے اور چھلنی سے نہ چھانا جائے اور یہ معنی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے اور جو حافظ ابن حجر نے بیان کیا ہے وہ حدیث کے معنی سے بہت بعید ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث میں غور نہیں کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۱۰۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ أَنَّهُ سَأَلَ سَهْلًا هَلْ رَأَيْتُمْ فِي زَمَانِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم النَّقِيَّ قَالَ لَا فَقُلْتُ فَهَلْ كُنْتُمْ تَنْخُلُونَ الشَّعِيرَ قَالَ لَا وَلٰكِنْ كُنَّا نَنْفُخُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو غسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابو حازم نے حدیث بیان کی، انہوں نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں میدہ دیکھا تھا؟ انہوں نے کہا: نہیں! انہوں نے پھر پوچھا: کیا تم جَو کو پیس کر (چھلنی میں) چھانتے تھے؟

انہوں نے کہا: نہیں! لیکن ہم اس میں پھونک مارتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۱۳، سنن ترمذی: ۲۳۶۴، سنن ابن ماجہ: ۳۳۳۵، مسند احمد: ۲۲۳۰۷)

صحیح البخاری: ۵۴۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو غسان کا ذکر ہے، وہ محمد بن المطرف اللیثی ہیں اور ابو حازم کا ذکر ہے اور وہ سلمہ بن دینار ہیں نہ کہ سلمان الاشجعی اور یہ دونوں تابعی ہیں اور سہل سے مراد حضرت سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ صحابی ہیں۔

''النقی'' (یعنی میدہ کا بیان)

میدہ کی روٹی سفید ہوتی ہے، اور گندم یا جَو کو پیس کر اسے چھانا جائے تو جو سفید آٹا نکلتا ہے اس کو میدہ کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''کیا تم جَو کو چھانتے تھے؟ (یعنی اس کو پیسنے کے بعد)''۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد چھلنی کو نہیں دیکھا

اس کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے:

اس باب کے بعد مذکور ہے کہ کیا تمہارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں چھلنیاں تھیں، تو حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھلنی کو نہیں دیکھا جب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دے دی۔ اور میرا گمان ہے کہ اس حدیث میں اس سے احتراز ہے کہ جو بعثت سے پہلے واقعہ ہوتا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مدت میں شام کی طرف بہ طور تاجر سفر کرتے تھے اور شام اس وقت روم کے ساتھ تھا، اور میدہ کی روٹی ان کے نزدیک بہت زیادہ ہوتی تھی، اسی طرح چھلنیاں وغیرہ بھی آسائش اور تعیش کے آلات میں سے ہیں، پس کوئی شک نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں پر چھلنیوں کو نہ دیکھا ہو، لیکن بعثت کے بعد آپ مکہ میں رہے اور طائف میں اور مدینہ میں، اور تبوک کی طرف پہنچے جو شام کی اطراف میں ہے، لیکن آپ نے تبوک کو فتح نہیں کیا اور نہ آپ نے وہاں زیادہ عرصہ قیام کیا۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۴۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۸۸ ۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر کی تحقیق پر علامہ عینی کے تین اعتراضات

علامہ عینی حافظ ابن حجر سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: حافظ ابن حجر نے جو یہ شرح کی ہے، اس میں کئی وجوہ سے اعتراضات ہیں:

(۱) حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مدت میں تاجر تھے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاجر نہیں تھے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے شام کی سرزمین میں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ گئے اور اس وقت آپ کی عمر بارہ سال دو مہینے اور چند ایام تھی، پہلا

واقدی کا قول ہے اور امام ابوجعفر طبری نے کہا کہ اس وقت آپ کی عمر نو سال تھی، اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور اسی سفر میں بُحیرہ راہب کا واقعہ پیش آیا اور دوسری مرتبہ آپ شام کی طرف اس وقت گئے جب آپ کی عمر پچیس (۲۵) سال تھی۔ اس وقت آپ حضرت خدیجہ بنت خویلد کے ساتھ شام گئے تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو اُجرت پر رکھا تھا، آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر گئے اور آپ کے لیے اس مال میں کچھ نہیں تھا، اور دونوں مرتبہ آپ نے بصرہ سے تجاوز نہیں کیا اور تھوڑی مدت ٹھہرے تھے (خلاصہ یہ ہے کہ آپ ان دونوں سفر میں تاجر نہیں تھے)۔

(۲) حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس وقت شام روم کے ساتھ تھا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ نے اس وقت چھلنی اور میدہ کو دیکھا۔ سو حافظ ابن حجر کا یہ کہنا بھی غلط ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت رومیوں کے ساتھ مختلط نہیں ہوئے تھے اور نہ ان کے ساتھ نشست و برخاست کی تھی اور نہ ان کے ساتھ کھانا کھایا تھا، پس آپ کہاں سے واقف ہوئے کہ وہ لوگ میدہ اور سفید آٹے کی روٹی پکاتے ہیں اور آپ نے کہاں سے چھلنیوں کو دیکھا حتیٰ کہ حافظ ابن حجر نے وثوق سے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ نے اس وقت چھلنیوں اور میدہ کو دیکھا۔

(۳) حافظ ابن حجر نے کہا کہ بعثت کے بعد آپ مکہ اور طائف اور مدینہ میں رہے اور تبوک تک پہنچے جو اطراف شام میں سے تھا۔۔۔ الیٰ قولہ۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ بعثت کے بعد سے لے کر آخر زمانہ تک یہ لازم نہیں ہے کہ آپ نے چھلنی کو نہ دیکھا ہو یا چھلنی کو نہ سنا ہو، کیونکہ چھلنی اس وقت بھی موجود تھی اور اس پر دلیل یہ ہے کہ ابوحازم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم جَو کو چھانتے تھے یعنی چھلنی میں چھانتے تھے؟، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے چھلنی کو نہیں دیکھا کیونکہ انہوں نے اس کو طلب نہیں کیا تھا، کیونکہ وہ پیسے ہوئے جَو میں سے پھونک مار کر چھلکے اتارنے کو کافی سمجھتے تھے، خواہ وہ پیسے ہوئے جَو ہوں یا پیسے ہوئے گندم ہوں، لیکن چونکہ ان کی غالب خوراک جَو تھی تو اسی لیے ابوحازم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے جَو کے چھاننے کے متعلق دریافت کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۱۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سلف صالحین کا لذت اندوزی اور تعیش کو ترک کرنا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلف صالحین اپنے کھانے پینے میں نرم، ملائم اور لذیذ چیزوں کو ترک کر کے سخت چیزیں کھاتے تھے، چھلنی میں آٹا نہیں چھانتے تھے حالانکہ یہ ان کے لیے مباح تھا لیکن انہوں نے سخت کوشی کو اختیار کیا اور سہل پسندی کو ترک کیا اور ہم نے ان کے اس پسندیدہ طریقہ کو ترک کیا اور دنیاوی لذائذ اور تن آسانیوں کو اختیار کیا اور اپنے کھانے پینے میں عیش و عشرت کو پسند کیا، اور ہم اس چیز سے راضی نہیں ہوئے جس سے سلف صالحین راضی تھے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۶۴، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۱۰ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی التوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پسے ہوئے جو وغیرہ میں پھونک مارنے کا مشروع ہونا اور مشروبات میں پھونک مارنے کی ممانعت

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ پسے ہوئے جو وغیرہ میں چھلکے اڑانے کے لیے پھونک مارنا جائز ہے لیکن مشروبات مثلاً دودھ اور پانی وغیرہ میں پھونک مارنا منع ہے۔

''النقی'' کا معنی

''النقی'' کا معنی ہے: جس آٹے سے بھوسی نکال کر اس کو صاف کر دیا جائے، جس کو میدہ کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ لوگوں کو حشر کے دن ایسی زمین پر اٹھایا جائے گا جو میدہ کی طرح سفید ہوگی اور یہ حدیث عنقریب آرہی ہے۔

تنبیہ: اس کے بعد شیخ عثیمین نے حافظ ابن حجر کی وہ شرح لکھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد سے چھلنی کو نہیں دیکھا، اور اس شرح کا علامہ عینی نے رد کر دیا ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

کسی حرام کام سے منع کرنا چاہیے اور اگر کوئی شخص باز نہ آئے تو اس کی مجلس کو ترک کر دے

مسئلہ: جب کوئی مرد کسی شخص کو دیکھے کہ وہ الٹے ہاتھ سے کھا رہا ہے یا بائیں ہاتھ سے کھا رہا ہے اور وہ اس کو نصیحت کرے، لیکن وہ شخص اس کی نصیحت کا انکار کرے تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ اس کو اس حال پر چھوڑ دے یا اس پر واجب ہے کہ وہ اٹھ کر چلا جائے؟

الجواب: بائیں ہاتھ سے کھانا حرام ہے اور حرام کے فاعل کے ساتھ بیٹھنا جائز نہیں ہے، اگر اس میں یہ طاقت ہو کہ اس کی اصلاح کرے تو وہ افضل ہے خواہ وہ اس کا مہمان ہو اور اسے کہے کہ میں تمہیں برے کام سے روکتا ہوں اور اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے تو پھر افضل یہ ہے کہ وہ وہاں سے اٹھ جائے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۶۲، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۲۔ بَابُ: مَا كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَصْحَابُهُ يَأْكُلُونَ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کیا چیزیں کھاتے تھے؟

اس باب کی احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی خوراک میں کیا چیزیں ہوتی تھیں۔

۵۴۱۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَبَّاسٍ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَسَمَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمًا بَيْنَ أَصْحَابِهِ تَمْرًا فَأَعْطَى كُلَّ إِنْسَانٍ سَبْعَ تَمَرَاتٍ فَأَعْطَانِي سَبْعَ تَمَرَاتٍ إِحْدَاهُنَّ حَشَفَةٌ فَلَمْ يَكُنْ فِيهِنَّ تَمْرَةٌ أَعْجَبَ إِلَيَّ مِنْهَا شَدَّتْ فِي مَضَاغِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از عباس الجریری، از ابی عثمان النہدی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں کھجوریں تقسیم کیں، سو ہر انسان کو سات کھجوریں عطا فرمائیں، پس مجھے بھی سات کھجوریں عطا فرمائیں۔ ان میں سے ایک کھجور بہت سخت تھی اور ان میں اور کوئی کھجور مجھے اس سے

زیادہ پسند نہیں تھی، اس کا چبانا مجھ پر بہت مشکل ہو گیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۵۴۴۱ و ۵۴۴۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۵۷، مسند احمد: ۹۱۰۹)

صحیح البخاری: ۵۴۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اکثر اور غالب اوقات میں کھجوریں کھاتے تھے اور تھوڑی کھجوروں پر قناعت کرتے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

امام بخاری نے اس حدیث کی روایت ابو النعمان سے کی ہے، اور وہ محمد بن الفضل ہیں جن کو عارم السدوسی البصری کہا جاتا ہے۔ اور اس حدیث میں عباس الجریری کا ذکر ہے، اس میں جیم پر پیش ہے اور پہلی راء پر زبر ہے، یہ بصری ہیں اور یہ نسبت جریر بن عباد کی طرف ہے جو الحارث بن عباد بن ضبیعہ بن قیس بن بکر بن وائل کے بھائی تھے، اور ابو عثمان عبد الرحمٰن بن مل النہدی ہیں، نہدی میں نون پر زبر ہے اور یہ نہد بن لیث بن سود کی طرف نسبت ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں ''حشفة'' کا ذکر ہے اور وہ سب سے بدتر کھجور ہوتی ہے جو کھجور کے درخت پر پکتی نہیں ہے اور اس کا ذائقہ مکمل نہیں ہوتا اور وہ سوکھ جاتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کا چبانا مجھ پر دشوار اور مشکل ہو جاتا ہے، یا جس طرح دندانہ سخت ہوتا ہے اس کو چبانا مشکل ہوتا ہے، اسی طرح وہ کھجور بھی سخت اور سوکھی ہوئی تھی جس کا چبانا مشکل تھا، اور ان کھجوروں میں اور کوئی ایسی کھجور نہیں تھی جو اس سے بہتر ہوتی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۱۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض احادیث میں سات کھجوریں عطا فرمانے کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں پانچ کھجوریں عطا فرمانے کا ذکر ہے، ان میں تطبیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر انسان کو سات کھجوریں دیں اور اس کے بعد حدیث میں ہے کہ ہر انسان کو پانچ کھجوریں دیں۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے: یا تو سات اور پانچ میں سے کسی ایک میں راوی کو وہم ہوا ہے، اور یا یہ کہ آپ نے دو مرتبہ کھجوریں دیں، ایک مرتبہ ہر انسان کو سات کھجوریں دیں اور دوسری مرتبہ پانچ کھجوریں دیں۔

''الحشفة'' کا معنی

''حشفة'' اس کھجور کو کہتے ہیں جو کھجور کے درخت پر پکی ہوئی نہ ہو اور سوکھ جائے، اور وہ سب سے ردی کھجور ہے، اس کو ''حشفة'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سوکھی ہوئی ہوتی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس کا چبانا مجھ پر سخت تھا، یعنی وہ میرے منہ میں کافی دیر تک رہتی اور میں اس کو چباتا رہتا۔ یعنی اس کھجور میں چباتے وقت قوت ہوتی تھی۔

اس حدیث کی سند میں عباس الجریری کا ذکر ہے، ان کی وفات ۱۴۴ھ میں ہوئی تھی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۶۶-۱۶۷، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۱۱ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سخت کھجور کو پسند کرنے کی وجہ

تازہ کھجور نرم ہوتی ہے اور منہ میں جلدی گھل جاتی ہے اور حشفہ سخت ہوتی ہے اور اس کو بار بار چبانا پڑتا ہے اور منہ میں گھلانا پڑتا ہے، چونکہ حشفہ کھجور کو دیر تک منہ میں رکھنا اور چبانا اور گھلانا پڑتا ہے اس وجہ سے مجھے حشفہ کھجور دوسری کھجوروں سے زیادہ پسند تھی۔

مسئلہ: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کے وقت سات کھجوریں کھاتے تھے، کیا روزہ دار کے لیے بھی یہ ممکن ہے کہ وہ سات کھجوروں سے روزہ افطار کرے؟

الجواب: اس طرح کسی حدیث میں وارد نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے سات عجوہ کھجوروں کے ساتھ صبح کی تو اس کو اس دن نہ زہر ضرر دے گا اور نہ جادو۔ (صحیح البخاری: ۵۴۴۵، صحیح مسلم: ۲۰۴۷، سنن ابوداؤد: ۳۸۷۶)

پس یا تو یہ عجوہ کھجور کی خاصیت ہے یا ہر کھجور کی یہ تاثیر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عجوہ کا ذکر بہ طور مثال فرمایا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۶۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۵۴۱۲- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ سَعْدٍ قَالَ رَأَيْتُنِي سَابِعَ سَبْعَةٍ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مَا لَنَا طَعَامٌ إِلَّا وَرَقُ الْحُبْلَةِ أَوِ الْحَبَلَةِ حَتَّى يَضَعَ أَحَدُنَا مَا تَضَعُ الشَّاةُ ثُمَّ أَصْبَحَتْ بَنُو أَسَدٍ تُعَزِّرُنِي عَلَى الْإِسْلَامِ خَسِرْتُ إِذًا وَضَلَّ سَعْيِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہب بن جریر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از اسماعیل از قیس از حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: میں نے اپنے آپ کو دیکھا میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتواں شخص تھا جو مسلمان ہوا تھا اور ہمارے پاس جو طعام تھا وہ صرف کیکر کے درخت کے پتے تھے یا کیکر کے درخت کا پھل تھا، حتیٰ کہ ہم میں سے کوئی ایک بکری کی مینگنیوں کی طرح قضائے

حاجت کرتا، پھر یہ بنو اسد میرے اسلام پر ملامت کرتے تھے،
پھر تو میں ناکام ہو گیا اور میری کوشش رائیگاں گئی۔

(صحیح البخاری: ۳۷۲۸، ۵۴۱۲، ۶۴۵۳، صحیح مسلم: ۲۹۶۶، سنن ترمذی: ۲۳۶۵، سنن ابن ماجہ: ۱۳۱، مسند احمد: ۱۶۲۱)

میں کہتا ہوں: امام بخاری نے اس حدیث کا مکمل متن یہاں روایت نہیں کیا ہے۔ اس حدیث کا مکمل متن درج ذیل ہے:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں عربوں میں وہ پہلا شخص ہوں جنہوں نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا، اور ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور ہمارے لیے جو طعام تھا وہ صرف درخت کے پتے تھے، حتیٰ کہ ہم میں سے کوئی ایک قضاء حاجت اس طرح کرتا تھا جیسے اونٹ مینگنیاں کرتا ہے یا بکری مینگنیاں کرتی ہے، اور وہ مینگنیاں خشک ہوتی تھیں، آپس میں جڑی ہوئی نہیں ہوتی تھیں، اب حال یہ ہے کہ بنو اسد اسلام پر عمل کرنے میں میرے عیب نکالتے ہیں۔ (اگر ایسا ہے) تو میں بالکل ناکام ہو گیا اور میرے اعمال برباد ہو گئے اور بنو اسد نے اسی طرح ان کی حضرت عمر کی طرف جھوٹی شکایت کی تھی کہ وہ نماز نہیں پڑھتے۔

صحیح البخاری: ۵۴۱۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں یہ خبر دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کس طرح تنگی معیشت کے ساتھ گزر کرتے تھے اور قناعت کرتے تھے اور اللہ عزوجل نے جو ان کے لیے مقسوم کیا تھا اس پر راضی رہتے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبد اللہ بن محمد کا ذکر ہے، یہ المسندی کے ساتھ معروف ہے اور اس حدیث میں اسماعیل کا ذکر ہے، یہ ابن ابی خالد ہیں، اور اس حدیث میں قیس کا ذکر ہے یہ ابن ابی حازم ہیں اور حضرت سعد کا ذکر ہے، یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں جو صحابی ہیں اور ان دس صحابہ میں سے ہیں جن کو زندگی میں جنت کی بشارت دے دی گئی تھی۔

اور التوضیح میں مذکور ہے از قیس بن سعد از والد خود گویا کہ صاحب توضیح یعنی علامہ ابن ملقن نے یہ وہم کیا کہ یہ قیس بن سعد بن عبادہ ہیں اور یہ فاحش غلطی ہے، صحیح مسلم کی روایت میں مذکور ہے از قیس، انہوں نے کہا: میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سنا۔

یہ حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے مناقب میں گذر چکی ہے، اس میں مذکور ہے کہ کوفہ کے لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی شکایت کی جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے اور اس شکایت میں یہ کہا کہ یہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھاتے، اس کی تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''رایتنی'' یعنی میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتواں مسلمان تھا۔ اس

سے حضرت سعد بن ابی وقاص کی مراد یہ ہے کہ وہ قدیم الاسلام ہیں اور جو لوگ پہلے پہلے اسلام لائے، ان میں حضرت سعد بن ابی وقاص ساتویں تھے، اور امام ابوخیثمہ نے روایت کی ہے کہ ان سات صحابہ کرام کے یہ نام ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ (۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔

(۳) حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ۔ (۴) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ۔

(۵) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ۔ (۶) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔

(۷) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ہمارا طعام صرف کیکر کے درخت کے پتے تھے''۔ اس سے حضرت سعد نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اس وقت میں خوراک کی قلت تھی اور تنگی معیشت تھی اور ان کو صرف کیکر کے درخت کے پتے میسر تھے۔ ''حبلۃ'' کیکر کے درخت کے پھل کو کہتے ہیں جو لوبیا کے مشابہ ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ایک کانٹے دار درخت تھا۔

اس حدیث میں ہے کہ وہ کیکر کے درخت کے پتے تھے یا اس کا پھل تھا۔

بنو اسد کے متعلق علامہ عینی کی تحقیق کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ نہیں تھا

اس حدیث میں مذکور ہے: اب ''بنو اسد یہ کہتے ہیں'' ایک قول یہ ہے کہ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ مراد ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بنو اسد سے تھے، اسی طرح علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے نقل کیا ہے لیکن وہ معذور ہیں، اس لیے کہ انہوں نے اس عبارت کو علامہ ابن بطال سے نقل کیا ہے، کیونکہ انہوں نے کہا: اور ''حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بنو اسد سے تھے'' اور یہ اجماع کے خلاف ہے، اور علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ عدی بن کعب کے قبیلہ سے تھے اور وہ بنو اسد سے نہیں تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''تعزرنی'' یعنی وہ مجھے ادب سکھاتے ہیں یا وہ مجھے اسلام کے احکام کی تعلیم دیتے ہیں اور اسلام کے طریقے سکھاتے ہیں، کیونکہ بنو اسد نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی طرف شکایت کی تھی کہ یہ نماز صحیح نہیں پڑھاتے، اور تعذیر کا معنی ہے: ادب سکھانا، اسی لیے حد سے کم کوڑے مارنے کو تعزیر کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر تو میں ناکام ہوگیا''۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہ قول جواب الجزاء ہے، اور مراد یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہے جس طرح بنو اسد نے کہا ہے اور میں اسلام کے آداب سیکھنے اور اسلام کی تعلیم کا محتاج ہوں، تو اس سے پہلے میں نے جو اسلام کی خدمات کی ہیں وہ سب رائیگاں گئیں اور میرا مشن ناکام ہوگیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کا طعام کیکر کے درخت کے پتے کیسے ہوسکتے ہیں جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اموال فئے حاصل تھے اور صحابہ میں سے بھی اکثر مالدار تھے؟

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت سعد کے اس قول کی کیا توجیہ ہے کہ ہمارا طعام صرف کیکر کے درخت کے پتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو نضیر سے جو اموال بہ طور فے ملے تھے اور فدک سے جو خوراک ملی تھی وہ آپ کے اہل وعیال کے سال بھر کی خوراک کے لیے کافی تھی، اور آپ عطیات عطا فرماتے تھے اور صحابہ میں سے ایسے لوگ بھی تھے جو بہت مالدار تھے جیسے حضرت ابوبکر اور حضرت

عثمان رضی اللہ عنہما اور ان کے مشابہ صحابہ کرام۔اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ جب سے آل محمد مدینہ میں آئے تو تین دن انہوں نے مسلسل گندم کا کھانا نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی،اسی طرح اس کے مشابہ اور بھی احادیث ہیں،تو پھر یہ کیسے متصور ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے لیے کھانے کا طعام صرف کیکر کے درخت کے پتے ہوں؟

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: امام ابوجعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ کوئی وقت تھا کیونکہ صحابہ کرام میں سے بعض مالدار تھے اور ان کا مال حقوق کی ذمہ داریوں میں محیط تھا،اور وہ مہمانوں کی ضیافت کرتے تھے حتیٰ کہ بعض اوقات زیادہ مال خرچ ہوجاتا اور بعض اوقات بالکل بھی مال نہیں رہتا،اس لیے یہ بعید نہیں ہے کہ کسی وقت میں ان پر ایسا بھی حال آیا ہو کہ وہ صرف کیکر کے درخت کے پتوں کو کھا کر گزارا کرتے ہوں،جیسا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کی توجیہ کہ آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تین دن مسلسل گندم کا طعام نہیں کھایا

اور رہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول کہ آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تین دن مسلسل گندم کا طعام نہیں کھایا تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ گندم ان کے پاس کم مقدار میں تھی اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے شہر والوں کو جو اور کھجور کے ساتھ ایثار کرتے ہوں اور اس کو ناپسند کرتے ہوں کہ اپنے لیے اس غذا کو خاص کریں جو عام مسلمانوں کو میسر نہیں ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ کریمہ اور آپ کے اخلاقِ جمیلہ کے مشابہ یہی چیز ہے۔

اس حدیث کی توجیہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی جَو کی روٹی کو پیٹ بھر کر نہیں کھایا

اور رہی وہ روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جَو کی روٹی کو کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اکثر اور غالب اوقات میں آپ کو جَو کی روٹی میسر نہیں ہوتی تھی،کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفات سے پہلے تمام عرب کا مالِ فئے آپ کو عطا کر دیا تھا اور آپ کی طرف خراج کے اموال بھی منقول ہوتے تھے اور اکثر بلادِ عجم سے مالِ غنیمت آتا تھا،لیکن اکثر مال آپ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں خرچ کردیتے تھے اور آپ پیٹ بھر کر کھانے اور زیادہ کھانے کو ناپسند کرتے تھے۔

ضرورت کے وقت اپنی خود تعریف کرنے کا جواز

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے یہ کیونکر جائز ہوا کہ وہ خود اپنی تعریف کریں اور مومن کی شان یہ ہے کہ وہ تواضع کرے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی مرد اپنی شناخت کرانے کے لیے اور حقیقتِ حال کو واضح کرنے کے لیے اپنی تعریف بیان کرنے کا محتاج ہو تو اس کے لیے اپنی تعریف کرنا جائز ہے،جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۝ (یوسف) بے شک میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں O

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۶۷-۷۷،دار الکتب العلمیہ،بیروت،۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۱۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیس بن سعد کی حدیث کتاب فضائل الصحابہ میں گزر چکی ہے۔ صحیح البخاری: ۳۷۲۸، اور عنقریب صحیح البخاری: ۶۴۵۳ میں آئے گی، اس باب کے تحت کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیشت کس طرح تھی؟ اور یہ حدیث صحیح مسلم کی کتاب الزہد: ۲۹۶۶ اور امام نسائی کی فضائل الصحابہ السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۶۱ میں گزر چکی ہے۔

''حُبلة'' کا معنی

اس لفظ میں حاء پر پیش ہے اور باء ساکن ہے، یہ ایک پھل ہے جو لوبیا کے مشابہ ہوتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ کانٹے دار درخت کا پھل ہے، اور پہلا قول معروف ہے۔ اور ''اَلحَبَلَة'' یہ انگور کے درخت کے پتے ہیں، اور الجوہری نے الصحاح میں لکھا ہے کہ ابن فارس نے لکھا ہے: الحبلہ کانٹے دار درخت کا پھل ہے۔ اور ''العضاة'' وہ درخت ہے جس میں کانٹے ہوتے ہیں، اور ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ الحبلہ کیکر کے درخت کا پھل ہے جو لوبیا کے مشابہ ہے۔

(مشارق الانوار ج ۱ ص ۲۸۸، الصحاح للجوہری ج ۴ ص ۱۶۶۴، مقاییس اللغۃ ص ۲۷۶، کتاب العین ج ۳ ص ۲۳۸)

اس حدیث میں مذکور ہے: ''تعزرنی'' یعنی مجھے ایذاء پہنچاتے، اور یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس لیے کہا کہ بنو سعد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا تھا کہ یہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے، تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ مجھے اسلام کے احکام کی تعلیم دیتے ہیں اور اسلام کے آداب سکھاتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں: ''عزر السلطان فلانا'' یعنی جب بادشاہ نے کسی کو ادب سکھایا اور اس کو ٹھیک کر دیا۔

اور الزاہر کی عبارت کی یہ ہے کہ یہ مجھے ''الفقه'' کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور تعزیر کا اصل معنی ادب سکھانا ہے، اسی وجہ سے حد سے کم کوڑے لگانے کو تعزیر کہتے ہیں اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب اہل کوفہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی تھی کہ یہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

اور علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بنو اسد سے ہیں اور یہ بہت تعجب کی بات ہے، کیونکہ عدی بن کعب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ ہے اور وہ بنو اسد سے نہیں ہیں، پس اگر کہا جائے کہ حضرت سعد نے اپنی مدح کیسے کی حالانکہ مومن کی شان تو تواضع ہے تو میں کہوں گا کہ کبھی انسان اپنی پہچان کرانے کے لیے اپنی تعریف کا محتاج ہوتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾ (یوسف) بے شک میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں O

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے فضائل اور اسلام میں اپنی سابقہ خدمات کو بیان کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ اہل باطل اس کی تنقیص کرتے ہوں اور اس کی شان کم کرتے ہوں اور اس کا اپنے فضائل کو بیان کرنا اپنے اوپر فخر کرنے کی وجہ سے نہ ہو، کیونکہ فخر اور تکبر کی وجہ سے اپنے فضائل کو بیان کرنا ممنوع ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۱ ص ۱۶۷-۱۶۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن ملقن کی شرح وہی ہے جس کو ہم اس سے پہلے علامہ عینی کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ علامہ ابن ملقن علامہ عینی پر مقدم ہیں اور ان کے استاذ ہیں لیکن علامہ عینی نے علامہ ابن ملقن سے بہتر شرح کی ہے اور انہوں نے اپنی شرح میں اس حدیث کی مشکل عبارات کو بھی کھول دیا ہے اور اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو تو مختلف ذرائع سے بہت اموال حاصل تھے، پھر انہیں کیکر کے درخت کے پتوں کو کھانے کی کیا ضرورت تھی؟ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۴۱۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح میں یہ اضافہ ہے کہ مذکور الصدر سات صحابہ میں سے چار صحابہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے اسلام لائے تھے

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام لانے والے صحابہ میں ساتواں تھا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص قدیم الاسلام تھے اور اس کا بیان کتاب المناقب میں گزر چکا ہے اور امام ابن ابی خیثمہ نے لکھا ہے کہ سات مذکورین یہ ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳) حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ (۴) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (۵) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ (۶) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (۷) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

ان میں سے پہلے چار جو اسلام لائے تھے، وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے اسلام لائے تھے، جن کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعثت کی ابتداء میں تبلیغ کی تھی اور رہے حضرت علی اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابتداءِ بعثت میں اسلام لائے تھے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۵۰، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۹۰، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۴۱۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ سَأَلْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ فَقُلْتُ هَلْ أَكَلَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم النَّقِيَّ فَقَالَ سَهْلٌ مَا رَأَى رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم النَّقِيَّ مِنْ حِينَ ابْتَعَثَهُ اللهُ حَتَّى قَبَضَهُ اللهُ قَالَ فَقُلْتُ هَلْ كَانَتْ لَكُمْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَنَاخِلُ قَالَ مَا رَأَى رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مُنْخُلًا مِنْ حِينَ ابْتَعَثَهُ اللهُ حَتَّى قَبَضَهُ اللهُ قَالَ قُلْتُ كَيْفَ كُنْتُمْ تَأْكُلُونَ الشَّعِيرَ غَيْرَ مَنْخُولٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب نے حدیث بیان کی از ابی حازم، انہوں نے کہا: میں نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدہ کھایا ہے؟ تو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، آپ نے میدہ دیکھا تک نہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دے دی، انہوں نے پوچھا: کیا تمہارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چھلنیاں

قَالَ كُنَّا نَطْحَنُهُ وَنَنْفُخُهُ فَيَطِيرُ مَا طَارَ وَمَا بَقِيَ ثَرَّيْنَاهُ فَأَكَلْنَاهُ۔

تھیں؟ انہوں نے کہا کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، آپ نے چھلنیاں نہیں دیکھیں، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دے دی، انہوں نے پوچھا: تو پھر آپ لوگ بغیر چھلنی کے کس طرح جَو کھاتے تھے؟ تو انہوں نے کہا: ہم جَو کو پیستے اور اس کے چھلکے کو پھونک مار کر اڑا دیتے اور جو جَو رہ جاتا اس کی روٹی پکا کر کھالیتے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۱۰، ۵۴۱۳، سنن ترمذی: ۲۳۶۴، سنن ابن ماجہ: ۳۳۳۵، مسند احمد: ۲۲۳۰۷)

صحیح البخاری: ۵۴۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب کا عنوان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کیا کھاتے تھے؟ اور اس حدیث میں بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ میدہ کھاتے تھے اور نہ جَو کے آٹے کو چھلنی میں چھان کر کھاتے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یعقوب کا ذکر ہے، یہ ابن عبد الرحمٰن القاری ہیں، اور یہ قبیلہ ''القارۃ'' سے ماخوذ ہیں، اور یہ بنو زہرہ کے حلیف ہیں اور اس حدیث کی سند میں ابو حازم کا ذکر ہے، اور یہ سلمہ بن دینار ہیں جو حضرت سہل کی حدیث کے راوی ہیں جیسا کہ حضرت سلیمان حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے راوی ہیں، اور یہ حدیث عنقریب گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے بعض الفاظ کے معانی

''مناخل'' اور ''ثریناہ'' کے معنی

اس حدیث میں لفظ مناخل مذکور ہے، یہ منخل کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: چھلنی، علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس کا معنی غربال ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: منخل، غربال کا غیر ہے، کیونکہ غربال ایسی چھلنی ہے جس سے گندم اور جو وغیرہ کو چھانا جاتا ہے، اور منخل وہ چھلنی ہے جس سے آٹے کو چھانا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ثریناہ''، اس کا معنی ہے: ہم نے ستو کو پانی کے ساتھ تر کر لیا یا بھگو لیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ آٹا گوندھ کر روٹی پکائی جائے اور اس سے مراد صرف یہ ہے کہ جب وہ جَو کو پیستے تو اس کے آٹے کو لے کر اس میں پھونک مار کر اس سے جَو کے چھلکے اڑا دیتے اور جو باقی آٹا بچتا اس کو پانی میں بھگو کر بہ طور ستو کھاتے، اسی طرح ابن الاثیر نے کہا ہے۔

اور الجوہری نے کہا ہے: ''ثریت السویق'' کا معنی ہے: میں نے ستو کو پانی میں بھگو لیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۱۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
''ثریت السویق تثریة'' اس وقت کہا جاتا ہے جب ستو میں پانی ڈال کر اس کو کیچڑ کی طرح بنالیا جاتا ہے۔ اور ''منخل'' کا معنی ہے: چھلنی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۱۶۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)
تنبیہ: زیادہ تر شارحین نے اس حدیث کی شرح کو ترک کر دیا ہے، اور اسی طرح اس باب کی دیگر احادیث کی شرح کو بھی ترک کر دیا ہے۔

۵۴۱۴۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّهُ مَرَّ بِقَوْمٍ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ شَاةٌ مَصْلِيَّةٌ فَدَعَوْهُ فَأَبَى أَنْ يَأْكُلَ وَقَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنَ الدُّنْيَا وَلَمْ يَشْبَعْ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن عبادہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی از سعید المقبری از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے سامنے بھنی ہوئی بکری تھی، پس انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلایا، تو انہوں نے اس کو کھانے سے انکار کیا اور کہا: رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ نے جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

تنبیہ: بسیار تلاش کے باوجود بھی اس حدیث کی تخریج نہیں مل سکی۔

صحیح البخاری: ۵۴۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس طرح سے ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت حاضر ہوتے تھے جب نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب تنگی معیشت کے ساتھ گزارہ کرتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے اس بکری کے کھانے سے انکار کر دیا جو لوگوں کے سامنے بھنی ہوئی موجود تھی، حالانکہ ان لوگوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کھانے کی دعوت دی تھی، اور یہ انکار دعوت کا انکار نہیں ہے کیونکہ ولیمہ میں جانے سے انکار کرنا ممنوع ہے، اور ہر طعام کو کھانے سے انکار کرنا ممنوع نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسحاق بن ابراہیم کا ذکر ہے، اس سے مراد ابن راہویہ ہیں، اور ابن ابی ذئب کا ذکر ہے، یہ محمد بن عبدالرحمن بن ابی ذئب ہیں۔ ذئب سے مراد مشہور جانور ہے یعنی بھیڑیا۔ اور اس میں سعید کا ذکر ہے، اور یہ سعید بن ابی سعید ہیں، ان کے والد کا نام ابوسعید کیسان المدنی ہے جو بنولیث کے آزاد شدہ غلام ہیں، ان کو مقبری کہا جاتا ہے کیونکہ یہ مقبرہ یعنی قبرستان

کے قریب رہتے تھے۔اس حدیث کی روایت میں امام بخاری متفرد ہیں۔

(اسی لیے اس حدیث کی تخریج نہیں کی گئی، کیونکہ دوسرے محدثین نے اس حدیث کی روایت نہیں کی۔سعیدی غفرلہٗ)

''مصلیة'' کا معنی

مصلیة کا معنی ہے: مشویة، یعنی بھنی ہوئی۔بعض شارحین نے کہا ہے: یہ ''الصِلاء'' سے ماخوذ ہے (صاد کے نیچے زیر اور لام پر مد ہے)۔علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ درست نہیں ہے، ''صلیت اللحم'' کا معنی ہے: جب گوشت کو آگ پر پکا کر بھون لیا جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن نے بھی مصلیة کا معنی اسی طرح لکھا ہے۔(التوضیح ج ۲۱ ص ۱۷۰، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۴۱۵۔حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ يُونُسَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ مَا أَكَلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى خِوَانٍ وَلَا فِي سُكْرُجَةٍ وَلَا خُبِزَ لَهُ مُرَقَّقٌ قُلْتُ لِقَتَادَةَ عَلَامَ يَأْكُلُونَ قَالَ عَلَى السُّفَرِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن ابی الاسود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معاذ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از یونس از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دستر خوان پر نہیں کھایا اور نہ کبھی رکابی یا پلیٹ پر کھایا اور نہ کبھی آپ کے لیے باریک چپاتی پکائی گئی، میں نے قتادہ سے پوچھا: پھر وہ کس چیز پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے؟ تو انہوں نے کہا: وہ چمڑے کے ٹکڑے پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۳۸۶، ۵۴۱۵، ۶۴۵۰، سنن ترمذی: ۱۷۸۸، سنن ابن ماجہ: ۳۲۹۲، مسند احمد: ۱۱۸۱۶)

صحیح البخاری: ۵۴۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

میں کہتا ہوں: باب کا عنوان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کیا کھاتے تھے؟ اور اس حدیث میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ وہ کیا کھاتے تھے بلکہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ پتلی چپاتی نہیں کھاتے تھے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ چمڑے کے ٹکڑے پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے۔گویا یہ حدیث باب کے ساتھ من وجہ مطابق ہے، من کل الوجوہ مطابق نہیں ہے۔(سعیدی غفرلہٗ)

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں عبداللہ بن ابی الاسود کا ذکر ہے، اور یہ عبداللہ بن محمد بن ابی الاسود ہیں، اور ابوالاسود کا نام حُمید بن الاسود ہے، اور معاذ ابن ہشام الدستوائی ہیں جو اپنے والد ہشام سے روایت کرتے ہیں، اور یونس وہ ابن ابی الفراس القرشی ہیں۔

یہ حدیث باب الخبز المرقق میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۱۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ مِنْ طَعَامِ الْبُرِّ ثَلَاثَ لَيَالٍ تِبَاعًا حَتّٰى قُبِضَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل نے مسلسل تین راتیں گندم کو نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔

(صحیح البخاری: ۶۴۵۴، صحیح مسلم: ۲۹۷۰، سنن نسائی: ۴۴۳۲، سنن ابن ماجہ: ۳۳۴۴، مسند احمد: ۱ ۲۴۳۶۳)

صحیح البخاری: ۵۴۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

جریر سے مراد ابن عبد الحمید ہیں، اور منصور سے مراد ابن المعتمر ہیں، اور ابراہیم سے مراد النخعی ہیں اور اسود سے مراد ابن یزید النخعی ہیں جو ابراہیم النخعی کے ماموں ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''طعام البر'' اس میں عام کی اضافت خاص کی طرف ہے یا اضافتِ بیانیہ ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''شجرۃ العراک'' یعنی پیلو کا درخت۔ اسی طرح ''طعام البر'' کا معنی ہے: گندم کا طعام۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''تباعا'' یعنی مسلسل تین راتیں یا مسلسل تین دن آپ نے اور آپ کی آل نے گندم کی روٹی نہیں کھائی، حتیٰ کہ آپ کی وفات ہو گئی۔

اور بھوک کو اور کم کھانے کو اختیار کرنا باوجود اس کے کہ زیادہ کھانے کے وسائل میسر تھے اور کبھی آپ بھوک برداشت کرتے اور کبھی کچھ زیادہ کھا لیتے تو یہ صحابہ اور تابعین کی سیرت ہے۔

پیٹ بھر کر کھانے کی مذمت کے متعلق احادیث اور آثار

عون بن ابی جحیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے گھی میں ڈوبا ہوا ثرید کھایا، پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں ڈکار لے رہا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو جحیفہ! اپنی ڈکار بند کرو، کیونکہ اکثر جو لوگ دنیا میں پیٹ بھر کر کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن بھوکے اٹھیں گے، پھر اس کے بعد حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا حتیٰ کہ دنیا سے رخصت ہو گئے، اور حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ جب صبح ناشتہ کرتے تو رات کو کھانا نہیں کھاتے تھے اور جب رات کو کھانا کھاتے تو صبح ناشتہ نہیں

کرتے تھے۔

اور وہب بن کیسان نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مجھ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی، اور میرے پاس گوشت تھا جس کو میں نے ایک درہم سے خریدا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ میں نے کہا: اے امیر المومنین! یہ گوشت ہے جس کو میں نے بچوں اور عورتوں کے لیے خریدا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص کسی چیز کی خواہش کرے گا وہ اس کی مصیبت میں مبتلا ہوگا، تمہاری توجہ اس آیت کی طرف نہیں ہے:

وَ یَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِؕ اَذْهَبْتُمْ طَیِّبٰتِكُمْ فِیْ حَیَاتِكُمُ الدُّنْیَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَاۚ فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ۠ (الاحقاف)

اور جس دن کفار کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا (تو ان سے کہا جائے گا:) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو، پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا، کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور کیونکہ تم نافرمانی کرتے تھے O

میں کہتا ہوں: اگرچہ یہ آیت کفار کے متعلق ہے لیکن اس آیت میں کفار پر وعید اس لیے ہے کہ وہ اپنی پسند کی چیزیں دنیا میں کھاتے تھے، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو گوشت کھانے سے منع فرمایا، اور یہ زہد اور دنیا سے بے رغبتی کی وجہ سے ہے۔

اور ابن سیرین نے بیان کیا ہے کہ ایک مرد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں جوارش کو استعمال کرتا ہوں، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا: وہ جوارش کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ ایک دوائی ہے جس سے کھانا جلدی ہضم ہوتا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ میں نے چار مہینے سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مجھے کھانا میسر نہیں تھا لیکن میں ایسے لوگوں میں رہا ہوں جو کبھی پیٹ بھر کر کھاتے تھے اور کبھی بھوکے رہتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۷۹-۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۱۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ نے تین دن گندم نہیں کھایا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے کبھی جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی، ان دونوں حدیثوں میں تعارض کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ "سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل نے جب سے آپ مدینہ میں آئے مسلسل تین راتیں گندم کو نہیں کھایا" اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ نے کبھی جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر نہیں کھایا"۔ سو یہ ہو سکتا ہے کہ کبھی آپ کھاتے ہوں لیکن سیر ہو کر نہ کھاتے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس چیز کا علم ہو جس کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو علم نہیں تھا۔

اور اس کے بعد امام بخاری نے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل نے کبھی تین دن روٹی سالن کے ساتھ نہیں کھائی۔

اس سوال کا جواب کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہ کثرت اموالِ فئے آتے تھے تو پھر آپ کیوں تین تین دن پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے؟

امام ابوجعفر طبری نے کہا ہے کہ ان احادیث کی کیا توجیہ ہوگی جن میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تین دن مسلسل پیٹ بھر کر نہیں کھایا؟، جب کہ صحیح احادیث سے یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو نضیر اور فدک سے اموالِ فئے حاصل ہوئے تھے جن سے آپ اپنی اور اپنے عیال کی ایک سال کی خوراک جمع کرتے تھے، اور آپ نے تقریباً ایک ہزار اونٹ اموالِ فئے کے اپنے حصے میں سے اور اموالِ ہوازن سے تقسیم کیے، اور آپ نے حجۃ الوداع میں ایک سو (۱۰۰) اونٹوں کو نحر کیا اور مساکین کو کھلایا، اور آپ اس اعرابی کے لیے حکم دیتے جو اسلام قبول کرتا کہ اس کو بکری کا گوشت دیا جائے، اور آپ کے اصحاب میں سے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت فاروق، حضرت عثمان وغیرہم رضی اللہ عنہم، بہت مالدار تھے اور وہ اپنے اموال کو اپنی ضروریات اور اپنی اولاد پر خرچ کرتے تھے، اور اپنے اموال میں سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے تھے اور انصار بھی اپنے اموال میں سے مہاجرین پر خرچ کرتے تھے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے خرچ نہ کرتے حالانکہ آپ کو شدید ضرورت تھی۔

پھر امام طبری نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ تمام احادیث صحیح ہیں اور ایسا وقتاً فوقتاً ہوتا تھا، کیونکہ بعض اوقات گھریلو اخراجات اور مہمانوں کی مہمان داری اور وفود کی تواضع میں بہت زیادہ مال خرچ ہو جاتا تھا اور ایسا کیوں نہ ہوتا کیوں کہ ہم نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیا گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا پورا مال لے آئے، تو اسی طرح ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ اموالِ فئے اور اموالِ فدک سے ایک سال کی خوراک حاصل ہوتی تھی لیکن وہ اکثر اموال کو خرچ کر دیتے تھے۔

اور اسی سیرت کے مطابق یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا گیا کہ انہوں نے غزوۂ تبوک کے لشکر میں اپنا بہت زیادہ مال دیا۔ اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ دینے کی ترغیب دی تو وہ چار ہزار دینار صدقہ لے کر آئے، اور یہ معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے یہ اخلاق اور افعال اس طرح تھے کہ کبھی ان کے پاس مال زیادہ ہوتا تو وہ راہِ خدا میں خرچ کر دیتے اور کبھی ان کے پاس مال کم ہوتا تو تین دن مسلسل پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے۔

اور وہ جو روایت میں ہے کہ آپ نے تین دن مسلسل گندم نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس گندم کی مقدار کم تھی اور غالب ان کی خوراک جَو اور کھجوریں تھیں اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ ان کے اور ان کے اہل وعیال کے پاس ایک سال کی خوراک موجود ہو۔

اور وہ جو روایت ہے کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ نے جَو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی تو یہ بھی بعض احوال میں ہوتا تھا، اور یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات سے پہلے بہ کثرت اموالِ فئے عطا کئے اور تمام عرب کے شہروں سے آپ کی طرف خراج لا کر پیش کیا جاتا تھا، جیسے ایلۃ اور بحرین اور حجر وغیرہ سے، لیکن آپ ان اموال میں سے اللہ کے حقوق کو ادا کرتے اور آپ پیٹ بھر کر کھانے کو ناپسند کرتے تھے، جیسا کہ حضرت عامر جہنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو لوگ دنیا میں پیٹ بھر کر کھاتے ہیں ان میں سے اکثر قیامت کے دن بھوکے ہوں گے۔ اسی طرح

حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہ کو ڈکار لینے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا: اے ابو جُحیفہ! ہمارے سامنے ڈکار نہ لو، کیونکہ اکثر جو لوگ دنیا میں پیٹ بھر کر کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن بہت زیادہ بھوکے ہوں گے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۷۰-۱۷۳، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۲۴۔ بَابُ: التَّلْبِينَةِ — التلبینہ (دودھ کے مشابہ طعام)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ''التلبینہ'' کا ذکر ہے، (اس میں تاء پر زبر ہے اور لام پر جزم ہے اور باء کے نیچے زیر ہے اور یاء ساکن ہے اور آخر میں نون ہے)۔ یہ وہ طعام ہے جو آٹے یا بھوسی سے بنایا جاتا ہے اور بعض اوقات اس میں شہد بھی ڈالا جاتا ہے، اس کو التلبینہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ سفید ہونے میں اور پتلے ہونے میں دودھ کے مشابہ ہوتا ہے، اور جو اس میں رقیق ہو اور پکا ہوا ہو، وہ نفع آور ہوتا ہے اور جو گاڑھا اور کچا ہو، وہ نفع آور نہیں ہوتا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''التلبینہ'' سے مراد ''الحساء'' ہے، یعنی وہ طعام جو آٹے یا بھوسی میں پانی ملا کر پتلا پتلا تیار کیا جاتا ہے، اور اس کو ''التلبین'' بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہ سفیدی میں دودھ کے مشابہ ہو، پس اگر یہ پتلا نہ ہو اور گاڑھا ہو تو اس کو الخزیرہ کہتے ہیں، اور کبھی اس میں شہد اور دودھ بھی ڈالا جاتا ہے۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: ''التلبین'' اور التلبیہ وہ خوراک ہے جو آٹے سے بنائی جاتی ہے: اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کو پانی اور تیل سے بنایا جاتا ہے اور کبھی یہ میٹھا ہوتا ہے اور کبھی پتلا ہوتا ہے اور اس کو چاٹ چاٹ کر کھایا جاتا ہے یا گھونٹ گھونٹ بھر کر پیا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۱۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهَا كَانَتْ إِذَا مَاتَ الْمَيِّتُ مِنْ أَهْلِهَا فَاجْتَمَعَ لِذَلِكَ النِّسَاءُ ثُمَّ تَفَرَّقْنَ إِلَّا أَهْلَهَا وَخَاصَّتَهَا أَمَرَتْ بِبُرْمَةٍ مِنْ تَلْبِينَةٍ فَطُبِخَتْ ثُمَّ صُنِعَ ثَرِيدٌ فَصُبَّتِ التَّلْبِينَةُ عَلَيْهَا ثُمَّ قَالَتْ كُلْنَ مِنْهَا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ التَّلْبِينَةُ مُجِمَّةٌ لِفُؤَادِ الْمَرِيضِ تَذْهَبُ بِبَعْضِ الْحُزْنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عُقیل از ابن شہاب از عُروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ، وہ بیان کرتی ہیں: جب کسی گھر میں کوئی فوت ہو جاتا تو اس کی تعزیت کے لیے عورتیں جمع ہوتیں، پھر متفرق ہو جاتیں، سوا گھر والوں کے اور مخصوص افراد کے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک پتیلی میں تلبینہ بنانے کا حکم دیتیں، سو اس کو جوش دیا جاتا، پھر اس کے اوپر ثرید (گوشت والے سالن میں ڈالے ہوئے روٹی کے ٹکڑے) ڈالا جاتا، پھر اس کے اوپر التلبینہ ڈالا جاتا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتیں: اس سے کھاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''التلبینہ'' مریض کے

دل کو سکون پہنچا تا ہے اور کچھ غم کو دور کرتا ہے۔

(صحیح البخاری:۵۶۸۹،۵۶۹۰،صحیح مسلم:۲۲۱۶،مسند احمد:۲۳۹۹۱)

صحیح البخاری:۵۴۱۷،کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''مَجَمَّةٌ'' کا معنی

''مَجَمَّةٌ'' میں (میم پر زبر ہے اور جیم پر بھی زبر ہے اور دوسری میم مشدد ہے اور اس پر بھی زبر ہے)۔اس کا معنی ہے: آرام کی جگہ۔یعنی اس سے مریض کے دل کو راحت پہنچتی ہے۔اور یہ لفظ ''مُجِمَّةٌ'' بھی پڑھا گیا ہے (یعنی میم پر پیش اور جیم کے نیچے زیر) اس کا معنی ہے: راحت دینے والی چیز، کہا جاتا ہے: ''جَمَّ الْفَرَسُ'' جب گھوڑے کی تھکاوٹ دور ہو جائے، اور جمام کے معنی ہیں راحت۔

عبداللطیف نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ''الفؤاد'' سے مراد ہے معدہ کا سر، کیونکہ جب معدہ خشک ہو اور اس میں جگہ کم ہو تو انسان غمگین ہوتا ہے اور یہ غذاء معدہ کو تر کرتی ہے اور اس کو طاقت دیتی ہے اور اس طرح مریض کے دل کو راحت پہنچتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۱،دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری:۵۴۱۷،کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کسی کو بخار آتا تو آپ ''الحِساء'' بنانے کا حکم دیتے یعنی آٹے اور پانی سے بنی ہوئی پتلی خوراک جو پکی ہوئی ہو، پھر اس کو بنایا جاتا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے کہ اس کو گھونٹ گھونٹ بھر کر پیو، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ یہ ''الحِساء'' غمگین دل کو خوشگوار کرتا ہے اور بیمار کے دل کو خوش کرتا ہے جیسا کہ تم میں کوئی شخص اپنے چہرہ پر پانی ڈال کر میل کو دور کر کے خوش ہوتا ہے۔

(سنن ترمذی:۲۰۳۹،سنن ابن ماجہ:۳۴۴۵،سنن کبریٰ للنسائی ج ۴ ص ۳۷۲،مسند احمد: ج ۶ ص ۳۲،حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۲۲۸)

اور امام ابو نعیم کی روایت میں ہے: جب آپ کے گھر میں سے کوئی بیمار ہوتا تو دیگچی کو آگ پر رکھ دیا جاتا حتی کہ آدھا پانی خشک ہو جاتا۔(سنن ابن ماجہ:۳۴۴۶،السنن الکبریٰ للنسائی ج ۴ ص ۳۷۲،مسند احمد: ج ۶ ص ۷۹)

اور اسحاق بن ابی طلحہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''التلبین'' ہر بیماری میں شفاء ہے۔

(الطب النبوی ج ۲ ص ۴۳۵)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں میں سے کوئی بیمار ہوتا تو ہم پتیلی کو چولہے پر رکھ دیتے، پھر اس میں گندم اور گھی ڈالتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے سینے میں سختی کی اور سر میں درد کی شکایت کی، تو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم "التلبین" بنا کر چاٹو، کیونکہ اس میں اس کا علاج ہے۔
ابو نعیم نے کہا: "التلبینہ" خالص آٹا ہے اور دوسری قوموں نے کہا کہ اس میں چربی ملی ہوئی ہوتی ہے۔
(الطب النبوی ج ۲ ص ۴۳۵)

الاصمعی نے کہا ہے کہ "حساء" ایک خوراک ہے جو آٹے یا بھوسی سے بنائی جاتی ہے اور اس میں شہد ڈالا جاتا ہے، ابن قتیبہ نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ اس کو تلبینہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ سفیدی اور رقت میں دودھ کے مشابہ ہے۔
(لسان العرب ج ۷ ص ۳۹۹۱، مادہ: لبن)

اور عبد اللطیف بغدادی نے کہا ہے کہ "الحساء" وہ رقیق خوراک ہے جو دودھ کے قوام میں بنائی جاتی ہے اور یہ بیماروں کے لیے نفع آور ہے جب کہ پتلا اور پکا ہوا ہو نہ کہ غلیظ اور کچا۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۱۷۶-۱۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے "التلبینة" کی شرح میں اسی طرح لکھا ہے۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۵۵۰، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۹۰، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

غیر مقلد عالم شیخ محمد داؤد راز لکھتے ہیں:
"التلبینة" آٹے اور دودھ سے یا بھوسی اور دودھ سے بنایا جاتا ہے، اس میں شہد بھی ڈالتے ہیں اور گوشت کے شوربہ میں روٹی کے ٹکڑے ڈال کر پکائیں تو اسے ثرید کہتے ہیں اور کبھی اس میں گوشت بھی شریک رہتا ہے۔
(شرح صحیح بخاری ج ۷ ص ۱۴۰، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۴ء)

۲۵۔ بَابُ: الثَّرِيدِ — ثرید کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں ثرید کا ذکر کیا جائے گا اور باقی کھانوں پر اس کی فضیلت کا ذکر کیا جائے گا۔ ثرید کے اسم میں ثاء کے اوپر زبر ہے اور راء کے نیچے زیر ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ روٹی کے ٹکڑے گوشت کے سالن میں ڈال دیے جائیں۔
علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ ثرید غالباً گوشت سے بنایا جاتا ہے، اور عرب بہت کم ثرید کے بغیر کھانا کھاتے ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۱، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۱۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ الْجَمَلِيِّ عَنْ مُرَّةَ الْهَمْدَانِيِّ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ كَمَلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ وَفَضْلُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عمرو بن مرہ الجملی از مرہ الہمدانی از حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں میں تو بہت لوگ کامل

عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ۔

ہیں اور عورتوں میں سوائے مریم بنت عمران کے اور آسیہ زوجہ فرعون کے کوئی کامل نہیں ہے، اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۴۱۱، ۳۴۳۳، ۳۷۶۹، ۵۴۱۸، صحیح مسلم: ۲۴۳۱، سنن ترمذی: ۱۸۳۴، سنن نسائی: ۳۹۴۷، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۰، مسند احمد: ۱۹۰۲۹)

صحیح البخاری: ۵۴۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں ثرید کے کھانے کی فضیلت کا بیان ہے، اور باب کا عنوان بھی ثرید ہے، اس وجہ سے اس کی مطابقت باب کے ساتھ ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں غندر کا ذکر ہے، یہ محمد بن جعفر کا لقب ہے، اور اس حدیث کی سند میں عمرو بن مُرّہ کا ذکر ہے، اس میں میم پر پیش ہے اور راء پر تشدید ہے، اور اس کی سند میں الجملی کا ذکر ہے، اس لفظ میں جیم پر زبر ہے اور یہ جمل کی طرف نسبت ہے جو قبیلہ مراد کی ایک شاخ ہے، اور مرہ الہمدانی کا ذکر ہے، اس میں بھی میم پر پیش ہے اور راء پر تشدید ہے، یہ ابن شراحیل الہمدانی الکوفی ہیں، اور حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام عبد اللہ بن قیس ہے۔

یہ حدیث کتاب الانبیاء میں اس باب میں گزر چکی ہے: وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ (آل عمران: ۴۲) اور اس کی شرح وہاں گزر چکی ہے۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ "عائشہ کی فضیلت ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر" اس سے آپ کی مراد معین ثرید نہیں ہے بلکہ اس سے آپ کی مراد وہ کھانا ہے جو گوشت اور روٹی کے ٹکڑوں کے ساتھ بنایا گیا ہو۔

حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی باہمی فضیلت کا بیان

التوضیح میں علامہ ابن ملقن نے کہا ہے کہ اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا پر فضیلت ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں، کیونکہ حضرت فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا حصہ ہیں اور آپ کے جسم کے برابر اور کوئی چیز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۱۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر افضل ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

افضل ہیں، کیونکہ حضرت فاطمہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جز ہیں اور آپ کے جز کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔
علامہ سبکی نے کہا ہے کہ ہم دیانت داری سے یہ سمجھتے ہیں کہ سب سے افضل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، اور اس مسئلہ میں اختلاف مشہور ہے، لیکن حق کی پیروی کرنا واجب ہے اور شیخ ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت خدیجہ کے درمیان فضیلت کی جہات متقارب ہیں، گویا ان کی رائے توقف ہے، اور شیخ ابن القیم نے کہا ہے کہ اس پر اجماع قائم ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں اور حضرت عائشہ اور حضرت خدیجہ کے درمیان اختلاف باقی ہے۔
(حاشیۃ التوضیح ج ۲۶ ص ۱۸۱)

صحیح البخاری: ۵۴۱۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری نے اس باب میں تین احادیث ذکر کی ہیں، پہلی اور دوسری حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حضرت انس سے حضرت عائشہ کی فضیلت میں مروی ہے اور پہلی دو حدیثیں کتاب المناقب میں گزر چکی ہیں اور احادیث الانبیاء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں گزر چکی ہیں جہاں پر فرعون کی بیوی کا ذکر کیا گیا تھا اور حضرت مریم کا ذکر کیا گیا ہے، اور اس حدیث کی شرح وہاں گزر چکی ہے۔
امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سحری میں برکت کی دعا کی اور ثرید میں برکت کی دعا کی اور اس کی سند میں ضعف ہے۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۵۵۱، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۹۱، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری ۵۴۱۸، کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی باہمی فضیلت کے متعلق علامہ قسطلانی شافعی کی رائے

اس حدیث میں ثرید کی باقی کھانوں پر افضلیت کا ذکر ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ثرید ہر جہت سے تمام کھانوں سے افضل ہو، نیز اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دیگر خواتین پر فضیلت ہے لیکن جو زیادہ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جز ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جز کے برابر اور کوئی چیز نہیں ہے۔
علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ جنت میں حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوں گی اور حضرت مریم عیسیٰ علیہم السلام کے ساتھ ہوں گی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درجہ سے اونچا ہے، پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا درجہ زیادہ اعلیٰ ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ وہی افضل ہیں۔ (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۲۰۸، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۱۸، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ہے اور فضیلت کا سبب صفاتِ کمال ہوتی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام عورتوں سے زیادہ عالمہ تھیں بلکہ اکثر صحابہ کرام سے بھی زیادہ عالمہ تھیں، کیونکہ صحابہ کرام اکثر معاملات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع کرتے تھے، مگر زیادہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ سے افضل ہیں، کیونکہ حضرت فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جز ہیں اور اسی طرح حضرت مریم کے استثناء سے بھی معلوم ہوتا ہے، علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گی اور حضرت مریم عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوں گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مرتبہ سے اونچا ہے، اس سے لازم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت حضرت مریم سے زیادہ ہو، لیکن یہ دلیل ضعیف ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات آپ کے ساتھ ہوں گی، علاوہ ازیں حضرت مریم بھی جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گی کیونکہ وہ آپ کی زوجہ ہوں گی۔ (الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۹ ص ۱۰۷، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری ۵۴۱۸، کتاب النفقات کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''ثرید'' کا مصداق

جس روٹی میں گوشت ہو، وہ ثرید ہے، عام ازیں کہ روٹی خفیف ہو یا رقیق ہو اور اس بناء پر جس شوربہ میں گوشت ہو، وہ بھی ثرید میں معتبر ہوتا ہے، اسی طرح جو چپاتیاں خواہ وہ خفیف ہوں یا تر ہوں، جب اس میں گوشت ہو تو وہ بھی ثرید ہے۔

سوال: اس حدیث میں کہا ہے کہ عورتوں میں کامل صرف مریم بنت عمران ہیں اور آسیہ زوجہ فرعون ہیں، اس حدیث میں کمال سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ دین اور عقل میں کمال مراد ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۱۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۴۱۹۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي طُوَالَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی از ابی طوالہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۷۷۰، ۵۴۱۹، ۵۴۲۸، صحیح مسلم: ۲۴۴۶، سنن ترمذی: ۳۸۸۷، سنن نسائی: ۳۹۴۷، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۱، مسند احمد: ۱۲۳۳۴، سنن دارمی: ۲۰۶۹)

تنبیہ: اس حدیث کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔

۵۴۲۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ سَمِعَ أَبَا حَاتِمٍ الْأَشْهَلَ بْنَ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ النَّبِيِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مُنیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے ابو حاتم الاشہل بن حاتم سے سنا، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عون نے حدیث بیان کی از

صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰی غُلَامٍ لَهُ خَيَّاطٍ فَقَدَّمَ إِلَيْهِ قَصْعَةً فِيهَا ثَرِيدٌ قَالَ وَأَقْبَلَ عَلٰى عَمَلِهِ قَالَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ قَالَ فَجَعَلْتُ أَتَتَبَّعُهُ فَأَضَعُهُ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ فَمَا زِلْتُ بَعْدُ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ

ثمامہ بن انس از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے ایک غلام کے پاس گیا جو درزی تھا، اس نے آپ کے سامنے ایک پیالہ میں ثرید کو پیش کیا اور اپنے کام پر چلا گیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سالن میں سے لوکی کے قتلوں کو تلاش کر رہے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: سو میں بھی اس دن سے لوکی کے قتلوں کو تلاش کر کے لوکی کے قتلوں کو آپ کے سامنے رکھتا ہوں اور انہوں نے کہا: میں اس دن کے بعد سے لوکی سے یعنی کدو سے محبت کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۰۹۲، ۵۳۷۸، ۵۴۲۰، ۵۴۳۳، ۵۴۳۵، ۵۴۳۶، ۵۴۳۷، ۵۴۳۹، صحیح مسلم: ۲۰۴۱، سنن ترمذی: ۱۸۵۰، سنن ابوداؤد: ۳۷۸۲، مسند احمد: ۱۲۳۵۰، موطا امام مالک: ۱۱۶۱، سنن داری: ۲۰۵۰)

صحیح البخاری: ۵۴۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کا ذکر ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: کہ یہ نہیں پتا چل سکا کہ اس غلام کا نام کیا تھا۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب سے میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوکی کے قتلے تلاش کر رہے تھے، اس دن سے میں لوکی کے قتلوں سے محبت کرتا ہوں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۲۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ثرید کی فضیلت

ثرید سب سے عمدہ کھانا ہے اور اس میں سب سے زیادہ برکت ہے، اور یہ عرب کا کھانا ہے اور شارح علیہ السلام نے تمام کھانوں پر اس کی فضیلت کی شہادت دی ہے۔

حضرت مریم اور حضرت عائشہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر ازواج کی باہمی فضیلت میں تفصیل اور بحث

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ حضرت مریم اور آسیہ کامل ہیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کی شہادت دی ہے۔ اور اس فضیلت میں حضرت مریم اور آسیہ بھی داخل ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت مریم کی فضیلت نص قرآن سے ثابت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مختارہ فرمایا۔ اور ان کو کفر سے اور حیض اور نفاس کی نجاست سے مطہرہ قرار دیا اور ان کو تمام زمانے کی عورتوں پر فضیلت دی، اس لیے یہ دلیل ہے کہ حضرت مریم تمام دنیا کی عورتوں سے افضل ہیں کیونکہ عالمین عالم کی جمع ہے اور حضرت مریم

اور ان کے بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانی قرار دیا، کیونکہ حضرت مریم سے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے اور اس میں کسی مرد کا دخل نہیں تھا، حضرت جبریل حضرت مریم کے پاس آئے اور کسی اور عورت کے پاس حضرت جبرائیل نہیں گئے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا (مریم:۱۷) ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتے کو بھیجا۔

اور ایک جماعت کا مختار یہ ہے کہ حضرت مریم نبیہ ہیں، ان میں سے ابن وہب، ابواسحاق، الزجاج، ابوبکر بن اللباد ہیں، اس بناء پر، پس اس حدیث کا اول علی العموم ہے حضرت مریم اور آسیہ کے بارے میں اور اس حدیث کا آخر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے مخصوص ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت مریم تو تمام جہان کی عورتوں سے افضل ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس زمانہ کی یا اس جہان کی عورتوں سے بالخصوص افضل ہیں۔

اور دوسری جماعت نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ہے، اور وہ حضرت مریم کی نبوت کا قول نہیں کرتے اور نہ کسی اور عورت کو نبی مانتے ہیں۔ اور انہوں نے کہا: اس حدیث کا آخر عموم پر محمول ہے اور اس حدیث کا اول خصوص پر محمول ہے۔ یعنی حضرت مریم کی فضیلت علی العموم ہے اور حضرت عائشہ کی فضیلت علی الخصوص ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران) اے مریم! بے شک اللہ نے تمہیں منتخب کر لیا اور تمہیں پاک کر دیا اور تمہیں تمام جہانوں کی عورتوں پر برگزیدگی دی ۝

یعنی حضرت مریم کو ان کے زمانہ کی تمام عورتوں پر فضیلت دی۔ اور یہ حسن بصری اور ابن جریج کا قول ہے۔ اور اس حدیث میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا بیان ہے اس کا معنی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام دنیا کی عورتوں پر افضل ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے متعلق فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:۱۱۰) جو امتیں لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہیں، تم ان سب میں بہترین امت ہو۔

اس خطاب سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان تمام امتوں سے افضل ہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (البقرہ:۱۴۳) اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا۔

اور ''الوسط'' کا معنی ہے: ''العدل''، سو اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کی افضلیت کی شہادت دی ہے اور اس کو معین کر دیا ہے تو یہ اس سے افضل ہے جس کی پچھلی امتوں میں فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس تاویل کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (الاحزاب:۳۲) اے نبی کی بیویو! تم (عام) عورتوں میں سے کسی ایک کی (بھی) مثل نہیں ہو۔

تو اس آیت کے الفاظ کے عموم میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ان سے پہلی عورتوں پر بھی افضل ہیں اور ان کے بعد کی عورتوں پر بھی افضل ہیں۔

اور اس پر اجماع ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں، اسی طرح آپ کی ازواج مطہرات بھی تمام دنیا

کی عورتوں سے افضل ہیں، اور یہ بھی صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ کی ازواج آپ کے ساتھ جنت میں ہوں گی، اور حضرت مریم اپنے بیٹے اور اپنی ماں کے ساتھ جنت میں ہوں گی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت میں درجہ ان تمام درجات سے بلند و بالا ہے اور فضیلت کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جاننے والا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۸۲-۱۸۳، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

۲۶۔ بَابُ: شَاةٍ مَسْمُوطَةٍ وَالْكَتِفِ وَالْجَنْبِ

کھال سمیت بھنی ہوئی بکری اور کندھے اور پسلی کے گوشت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں کھال سمیت بھنی ہوئی بکری اور کندھے کا ذکر ہے، اور ان دونوں چیزوں کا اس باب کی دو حدیثوں میں ذکر ہے۔ لیکن پسلی کے گوشت کا اس حدیث میں بیان نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی التوفی ۸۵۲ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان دونوں حدیثوں میں پسلی کے گوشت کا ذکر نہیں ہے، اس عنوان سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھنا ہوا پسلی کا گوشت پیش کیا، آپ نے اس سے کھایا۔ پھر آپ نماز کی طرف کھڑے ہو گئے، اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۲۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۹۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی شرح سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر کو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ امام بخاری نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے؟ حالانکہ اشارہ تو صرف حاضر کے لیے ہوتا ہے اور باب کے ساتھ مناسبت کے لیے زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ امام بخاری نے پسلی کا ذکر طبعاً کر دیا اور اس کو کندھے اور بھنی ہوئی بکری کے ساتھ ملا دیا اگرچہ حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۲، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۲۱۔ حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيَى عَنْ قَتَادَةَ قَالَ كُنَّا نَأْتِي أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی الله عنه وَخَبَّازُهُ قَائِمٌ قَالَ كُلُوا فَمَا أَعْلَمُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم رَأَى رَغِيفًا مُرَقَّقًا حَتَّى لَحِقَ بِاللَّهِ وَلَا رَأَى شَاةً سَمِيطًا بِعَيْنِهِ قَطُّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ہدبۃ بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام بن یحییٰ نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا کہ ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کے پاس ان کا باورچی بھی کھڑا ہوا تھا، انہوں نے کہا: کھاؤ! پس میں نہیں جانتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پتلی

چپاتی دیکھی ہو، حتیٰ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل ہو گئے، اور نہ کبھی آپ نے اپنی آنکھ سے مسلّم بھنی ہوئی بکری دیکھی۔

(صحیح البخاری: ۵۳۸۵، ۵۴۲۱، ۶۴۵۷، سنن ترمذی: ۲۳۶۳، سنن ابن ماجہ: ۳۳۰۹، مسند احمد: ۱۱۸۸۷)

صحیح البخاری: ۵۴۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث عنقریب گزر چکی ہے جس باب میں پتلی روٹی کا بیان تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ مجھے علم نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پتلی چپاتی دیکھی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نفی علم کا ذکر کیا ہے اور ان کی مراد نفی معلوم ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ مُسلّم بھنی ہوئی بکری کو کھانا جائز ہے، اور آپ نے مُسلّم بھنی ہوئی بکری نہیں دیکھی، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے بکری کا کوئی عُضو بھنا ہوا نہ دیکھا ہو اور نہ کھایا ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۲۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ فَأَكَلَ مِنْهَا فَدُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ فَقَامَ فَطَرَحَ السِّكِّينَ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از زہری از جعفر بن عمرو بن امیہ الضمری از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکری کے بازو سے گوشت کاٹ رہے تھے، پھر آپ نے اس سے کھایا، پھر نماز کی اذان کہی گئی تو آپ نے چھری پھینک دی اور پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۸، ۶۷۵، ۲۹۲۳، ۵۴۰۸، ۵۴۲۲، ۵۴۶۲، صحیح مسلم: ۳۵۵، سنن ترمذی: ۱۸۳۶، سنن دارمی: ۷۲۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گوشت کو چھری سے کاٹ کر کھانا جائز ہے اور بعض احادیث میں ہے کہ آپ دانتوں سے کاٹ کر گوشت کو کھا رہے تھے، اور یہ کہ کھانا کھاتے وقت اگر اذان ہو جائے تو کھانا چھوڑ کر نماز پڑھنے کے لیے جانا چاہیے، یہی آپ کی سنت ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس حدیث کی مفصل شرح اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۲۷۔ بَابٌ: مَا كَانَ السَّلَفُ يَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِهِمْ وَأَسْفَارِهِمْ مِنَ الطَّعَامِ وَاللَّحْمِ وَغَيْرِهِ

سلف صالحین اپنے گھروں میں اور اپنے سفر وغیرہ میں کھانے اور گوشت وغیرہ کا جو ذخیرہ کرتے تھے، اس کا بیان

وَقَالَتْ عَائِشَةُ وَأَسْمَاءُ صَنَعْنَا لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَبِي

حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ ہم نے نبی

بِكُرٍ سُفْرَةً۔ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے کھانا تیار کر کے دسترخوان پر رکھا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ سلف صالحین صحابہ اور تابعین اپنے گھروں میں کھانے کی چیزوں کو جمع کر کے رکھتے تھے تاکہ مستقبل میں اس سے خوراک حاصل کریں۔ اور وہ اپنے سفر وغیرہ میں بھی زادِ راہ کے لیے کھانے کی چیزوں کا ذخیرہ کرتے تھے تاکہ سفر کے ایام کی مدت میں ان کے لیے وہ خوراک کافی ہو۔

اس باب کے عنوان میں لکھا ہے: ''من الطعام واللحم''، یہ من بیانیہ ہے یعنی خواہ کسی قسم کا طعام ہو یا خواہ کسی قسم کا گوشت ہو، جس کو ذخیرہ کیا جا سکے اور جس سے خوراک حاصل کی جا سکے۔

ان صوفیاء کا رد جو کہتے ہیں: کل کے لیے بچا کر کھانا نہیں رکھنا چاہیے

امام بخاری نے اس باب کے عنوان سے ان صوفیاء کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہتے ہیں: کل کے لیے کھانا بچا کر نہیں رکھنا چاہیے، اور جو مومن کامل الایمان ہو وہ ولی کہلانے کا اس وقت تک مستحق نہیں ہوتا حتیٰ کہ پیٹ بھر کر کھانے کے بعد: جو بچے اس کو صدقہ کر دے اور کل کے کھانے کے لیے بچا کر نہ رکھے، اور صبح اور شام کے کھانے میں سے کچھ بھی بچا کر نہ رکھے، اور جس نے اس کے خلاف کیا، اس نے اپنے رب کے ساتھ بدگمانی کی اور اپنے رب پر ایسا توکل نہیں کیا جیسا توکل اس کو کرنا چاہیے تھا، اور احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ صحابہ کرام کھانے کو ذخیرہ کرتے تھے اور شارح علیہ السلام اور آپ کے اصحاب نے اپنے سفر وغیرہ میں بھی کھانے کو ساتھ لیا ہے۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال کے لیے ایک سال کا خرچ بنو نضیر کے اموال فئے سے نکال کر رکھتے تھے، جیسا کہ کتاب الخمس میں گزر چکا ہے۔ اور اس میں ان صوفیاء کے رد کے لیے کافی حجت ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی باب کے ساتھ مناسبت

اس باب کی تعلیق میں امام بخاری نے کہا: ''حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے ایک دسترخوان میں کھانا بنا کر رکھا''۔

اس تعلیق کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما نے دسترخوان میں کھانا اس وقت رکھا تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے سفر کیا تھا اور اس کا ذکر باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ میں ہو چکا ہے اور وہ طویل حدیث ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہم نے آپ کے لیے کھانا تیار کیا اور اس کو تھیلے میں رکھا، اور اس میں بہت قوی دلیل ہے کہ مسافر اپنے کھانے کی چیزوں کو ساتھ لے جائے۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کا تذکرہ

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باپ شریک بہن ہیں، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان

بنت عامر ہیں اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ ام العزیٰ قیلۃ ہیں، اور یہ حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کی سگی بہن ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۳-۸۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۲۳۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَابِسٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ أَنَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ تُؤْكَلَ لُحُومُ الْأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثٍ قَالَتْ مَا فَعَلَهُ إِلَّا فِي عَامٍ جَاعَ النَّاسُ فِيهِ فَأَرَادَ أَنْ يُطْعِمَ الْغَنِيُّ الْفَقِيرَ وَإِنْ كُنَّا لَنَرْفَعُ الْكُرَاعَ فَنَأْكُلُهُ بَعْدَ خَمْسَ عَشْرَةَ قِيلَ مَا اضْطَرَّكُمْ إِلَيْهِ فَضَحِكَتْ قَالَتْ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ خُبْزِ بُرٍّ مَأْدُومٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ حَتَّى لَحِقَ بِاللّٰهِ وَقَالَ ابْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَابِسٍ بِهٰذَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خلاد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن بن عابس از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ قربانی کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صرف اس سال کیا تھا جس سال لوگ بھوکے تھے، تو آپ نے ارادہ کیا کہ غنی فقیر کو کھلائے، اور بے شک ہم بکری کے پائے اٹھا کر رکھتے تھے اور اس کو پندرہ دن بعد کھاتے تھے، آپ سے پوچھا گیا: آپ کو اس میں کیا مجبوری تھی؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہنسیں اور کہا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل نے گندم کی روٹی سالن کے ساتھ مسلسل تین دن تک نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل ہو گئے، اور ابن کثیر نے کہا کہ ہمیں سفیان نے خبر دی، انہوں نے کہا ہمیں عبدالرحمٰن بن عابس نے یہ حدیث بیان کی۔

(صحیح البخاری: ۵۴۳۸، ۵۵۷۰، ۶۶۸۷، صحیح مسلم: ۲۹۷۰، سنن نسائی: ۴۴۳۲، سنن ابن ماجہ: ۳۳۴۴، مسند احمد: ۲۳۶۳۱)

صحیح البخاری: ۵۴۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور کی تعلیق کی شرح

اس حدیث کے اخیر میں امام بخاری نے یہ تعلیق لکھی ہے کہ ''محمد بن کثیر نے بیان کیا''۔ اور محمد بن کثیر امام بخاری کے مشائخ میں سے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں سفیان ثوری نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن بن عابس نے اس حدیث کو بیان کیا، اس تعلیق کی امام طبرانی نے سندِ موصول کے ساتھ المعجم الکبیر میں روایت کی ہے۔

اور امام بخاری کی اس تعلیق سے غرض یہ ہے کہ سفیان ثوری نے عبدالرحمٰن بن عابس سے اس حدیث کو سنا ہے۔

پائے کا ذکر طعام کو شامل ہے

علامہ عینی فرماتے ہیں:

بعض شارحین نے ذکر کیا ہے کہ اس باب کے عنوان میں طعام کو ذخیرہ کرنے کا ذکر ہے، اور حدیث میں پائے جمع کرنے کا ذکر ہے، تو یہاں پر پائے کو طعام کے ساتھ ملا دیا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ عجیب تصرف ہے کیونکہ پائے بھی تو از قبیلِ طعام ہیں۔

خلاد بن یحییٰ کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں خلاد بن یحییٰ کا ذکر ہے، اس میں خاء پر زبر ہے اور لام پر تشدید ہے، یہ ابو محمد سلمی الکوفی ہیں جو مکہ میں سکونت پذیر رہے اور وہیں فوت ہو گئے اور وہیں ۲۱۳ھ میں فوت ہو گئے۔

تین دن سے زیادہ گوشت جمع کرنے کی ممانعت کا منسوخ ہونا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بطریقِ استفہام کہا گیا: کیا تین دن سے زیادہ گوشت کو جمع کر کے کھانے سے آپ نے منع فرمایا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ آپ نے ایسا صرف اس سال کیا تھا جس سال لوگ بھوکے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس سے مراد یہ ہے کہ تین دن سے زیادہ گوشت کو جمع کر کے رکھنے کی ممانعت منسوخ ہو چکی ہے اور ممانعت کا سبب خاص ہے کیونکہ اس سال لوگ بھوکے تھے تو آپ نے یہ پسند نہیں کیا کہ لوگ اپنے پاس گوشت جمع کر کے رکھے رہیں اور دوسرے لوگ بھوکے ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہنسیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہنسنا عابس کے سوال کی وجہ سے تھا، کیونکہ ان کو علم تھا کہ صحابہ کے پاس خوراک کم ہوتی تھی اور وہ تنگی معیشت میں وقت گزارتے تھے اور اس چیز کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے بیان کیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے پاس تین دن ایسے نہیں گزرے جب انہوں نے پیٹ بھر کر گندم کی روٹی سالن کے ساتھ کھائی ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۵-۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: دیگر شارحین نے اس حدیث کی شرح میں کوئی قابلِ ذکر اور نئی بات نہیں لکھی۔

۵۴۲۴- حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا نَتَزَوَّدُ لُحُومَ الْهَدْيِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِلَى الْمَدِينَةِ تَابَعَهُ مُحَمَّدٌ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ قُلْتُ لِعَطَاءٍ أَقَالَ حَتَّى جِئْنَا الْمَدِينَةَ قَالَ لَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو از عطاء از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قربانی کے گوشت کو مدینہ تک بہ طور زادِ راہ لے جاتے تھے۔

اس حدیث کی محمد نے متابعت کی ہے از ابن عیینہ اور ابن جریج نے کہا: میں نے عطاء سے کہا: کیا انہوں نے کہا تھا کہ حتیٰ کہ ہم مدینہ آئے؟ انہوں نے کہا: نہیں!

(صحیح البخاری: ۱۷۱۹، ۲۹۸۰، ۵۵۶۷، ۵۴۲۴، صحیح مسلم: ۱۹۷۲، سنن نسائی: ۴۴۲۶، مسند احمد: ۱۴۰۰۳، موطا امام مالک: ۱۰۴۶)

صحیح البخاری: ۵۴۲۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الجہاد میں گزر چکی ہے، اس میں ہدی کا ذکر ہے یعنی قربانی کے اونٹوں کو جو حرم کی طرف لے جایا جاتا ہے، اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مسافروں کے لیے اپنے سفروں میں زادِراہ کو لے جانا جائز ہے اور ''تزود'' کا معنی ہے: ذخیرہ کرنا۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح

اس حدیث میں مذکور ہے کہ عبداللہ بن محمد المسندی نے محمد بن سلام کی متابعت کی از سفیان بن عُیینہ، بعض شارحین نے کہا ہے: اس محمد سے مراد محمد بن سلام ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس کلام کے قائل علامہ کرمانی ہیں، اور صرف انہوں نے یہ نہیں کہا بلکہ امام ابونُعیم نے بھی اسی طرح کہا ہے، پھر انہوں نے اس حدیث کی روایت حُمیدی سے کی ہے اور کہا: ہمیں سفیان بن عُیینہ نے حدیث بیان کی۔

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ''میں نے عطاء سے پوچھا: کیا انہوں نے کہا تھا کہ ہم مدینہ آئے، تو انہوں نے جواب دیا: نہیں!''

یعنی عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج نے کہا کہ میں نے عطاء بن ابی رباح سے کہا کہ کیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا کہ ہم قربانی کے گوشت کو جمع کرتے حتیٰ کہ ہم مدینہ آئے، تو عطاء نے کہا: نہیں، یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس طرح نہیں کہا۔

اور امام مسلم کی روایت میں ہے کہ میں نے عطاء بن ابی رباح سے پوچھا کہ کیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا کہ حتیٰ کہ ہم مدینہ آئے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! اور ان دونوں روایتوں میں اختلاف ہے اور امام حُمیدی نے امام بخاری اور امام مسلم کے اختلاف میں اس کی تطبیق کی ہے اور یہ نہیں ذکر کیا کہ ان کے نزدیک کس کا کلام راجح ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جو امام بخاری نے کہا ہے اس کو ترجیح دی جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۸۔ بَابُ: اَلْحَیْسِ
حیس (یعنی ملیدہ) کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حَیس کا ذکر کیا جائے گا، اس لفظ میں حاء پر زبر ہے اور یاء ساکن ہے اور یہ طعام کھجور، پنیر اور گھی سے بنایا جاتا ہے اور کبھی پنیر کی جگہ اس میں آٹا ملا دیتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

(یہ دراصل مَلیدہ ہے یعنی کھجور، پنیر اور گھی کو مخلوط کر کے ہاتھوں سے رگڑا جاتا ہے جس کو ہمارے عرف میں ملیدہ کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کا میٹھا طعام ہے جس کو حلوہ بھی کہتے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)

۵۴۲۵۔ حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِیلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِی عَمْرٍو مَوْلَی الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَنْطَبٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے حدیث بیان کی از عمرو بن ابی عمرو مولی المطلب بن عبد اللہ بن

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لِأَبِي طَلْحَةَ الْتَمِسْ غُلَامًا مِنْ غِلْمَانِكُمْ يَخْدُمُنِي فَخَرَجَ بِي أَبُو طَلْحَةَ يُرْدِفُنِي وَرَائَهُ فَكُنْتُ أَخْدُمُ رَسُولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم كُلَّمَا نَزَلَ فَكُنْتُ أَسْمَعُهُ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ فَلَمْ أَزَلْ أَخْدُمُهُ حَتَّى أَقْبَلْنَا مِنْ خَيْبَرَ وَأَقْبَلَ بِصَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ قَدْ حَازَهَا فَكُنْتُ أَرَاهُ يُحَوِّي لَهَا وَرَائَهُ بِعَبَائَةٍ أَوْ بِكِسَاءٍ ثُمَّ يُرْدِفُهَا وَرَائَهُ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالصَّهْبَاءِ صَنَعَ حَيْسًا فِي نِطَعٍ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَدَعَوْتُ رِجَالًا فَأَكَلُوا وَكَانَ ذٰلِكَ بِنَائَهُ بِهَا ثُمَّ أَقْبَلَ حَتَّى إِذَا بَدَا لَهُ أُحُدٌ قَالَ هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ فَلَمَّا أَشْرَفَ عَلَى الْمَدِينَةِ قَالَ اللّٰهُمَّ إِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ جَبَلَيْهَا مِثْلَ مَا حَرَّمَ بِهِ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مُدِّهِمْ وَصَاعِهِمْ۔

حنطب، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اپنے لڑکوں میں سے میرے لیے ایک لڑکا تلاش کرو جو میری خدمت کیا کرے، پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور مجھے سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا رہا، جب بھی آپ ٹھہرتے تو میں آپ سے سنتا آپ بہ کثرت یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے فکر اور غم سے پناہ طلب کرتا ہوں، اور عاجزی اور سستی سے پناہ طلب کرتا ہوں اور بخل اور بزدلی سے پناہ طلب کرتا ہوں اور قرض کے غلبہ سے پناہ طلب کرتا ہوں اور لوگوں کے قہر سے پناہ طلب کرتا ہوں۔ سو میں آپ کی خدمت کرتا رہا حتیٰ کہ ہم خیبر کی طرف آئے اور حضرت صفیہ بنت حُیَی رضی اللہ عنہا آئیں جن کو آپ نے حاصل کیا تھا، پس میں آپ کو دیکھ رہا تھا، آپ حضرت صفیہ کے کے لیے اپنی سواری کے پیچھے کپڑے یا چادر کو ڈال رہے تھے، پھر آپ نے ان کو اپنی سواری کے پیچھے بٹھایا حتیٰ کہ جب ہم مقام الصہباء پر پہنچے تو آپ نے ایک طعام بنا کر چمڑے کے دستر خوان پر رکھا، پھر مجھے لوگوں کو یا صحابہ کو بلانے کے لیے بھیجا، انہوں نے آ کر وہ طعام کھایا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شب باشی کا ولیمہ تھا۔ پھر آپ روانہ ہوئے حتیٰ کہ آپ کے لیے اُحد پہاڑ ظاہر ہوا، آپ نے یہ فرمایا: کہ یہ پہاڑ ہے، یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر جب آپ نے بلندی سے مدینہ کو دیکھا تو آپ نے کہا: اے اللہ! مدینہ کے دو پہاڑوں کے درمیان جو جگہ ہے اس کو میں اس طرح حرم قرار دیتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا، اے اللہ! ان کے مد اور صاع میں برکت عطا فرما۔

(صحیح مسلم: ۱۳۶۵، سنن ترمذی: ۳۹۲۲، مسند احمد: ۱۲۲۰۵)

صحیح البخاری: ۵۴۲۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ اور مبہم عبارات کی شرح

اس حدیث میں حضرتِ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام زید بن سہل ہے، یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ماں کے شوہر ہیں۔

من الھم والحزن: یعنی فکر سے اور حزن سے، ان دونوں لفظوں کا ایک معنی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عقل جس ناپسندیدہ چیز کا حال میں تصور کرتی ہے، وہ ھَم ہے اور حُزن اس کو کہتے ہیں جس ناپسندیدہ چیز کا ماضی میں تصور کرتے ہیں۔ یعنی ھَم کا تعلق حال اور مستقبل سے ہے اور حُزن کا تعلق ماضی سے ہے۔

اَلْکَسَل: اس کا معنی ہے: سستی اور بوجھل پن، اور کسی کام کو چستی اور پھرتی سے نہ کرنا۔

اَلْبُخل: یہ کرم اور سخاوت کی ضد ہے، یعنی جن مواضع میں خرچ کرنا چاہیے، ان میں خرچ نہ کرنا۔

اَلْجُبن: یہ شجاعت اور بہادری کی ضد ہے، یعنی کئی آدمی مل کر بھی ایک آدمی سے مقابلہ میں خود کو عاجز پائیں۔

ضَلَعُ الدین: اس کا معنی ہے: قرض کی شدت اور اس کا بوجھ۔

علامہ کرمانی نے لکھا ہے: فضائل کی تین اقسام ہیں:

نفسیہ، بدنیہ اور خارجیہ۔

پس نفسانی فضائل تین قوتوں کے اعتبار سے ہیں، جو انسان کو حاصل ہوتی ہیں۔

قوتِ عقلیہ، قوتِ غضبیہ اور قوتِ شہویہ، سو ہم اور حُزن کا تعلق قوتِ عقلیہ کے ساتھ ہے اور جُبن کا تعلق قوتِ غضبیہ کے ساتھ ہے اور بُخل کا تعلق قوتِ شہویہ کے ساتھ ہے اور عجز اور کسل کا تعلق قوتِ بدنیہ کے ساتھ ہے۔

اور دوسری قسم اعضاء اور تمام آلات کی سلامتی سے حاصل ہوتی ہے۔

اور پہلی قسم عُضو کے نقصان سے ہوتی ہے، جیسا کہ جو آدمی نابینا ہو اور مفلوج ہو۔

اور قرض کی شدت اور غلبہ امورِ خارجیہ کے اعتبار سے ہیں، پس یہ دعا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم سے ہے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ

اس حدیث میں حضرتِ صفیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، لفظِ صفیہ میں صاد پر زبر ہے اور فاء کے نیچے زیر ہے اور اس کے آخر میں یاء پر تشدید ہے، حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب النضر یہ، یہ حضرت ہارون بن عمران کی بیٹیوں میں سے ہیں۔ حضرت ہارون حضرت موسیٰ بن عمران علیہم السلام کے بھائی تھے اور ان کی والدہ برہ بنت سموال ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فتحِ خیبر کے ساتھ رمضان ۷ھ میں قید کرلیا اور باندی بنالیا، پھر ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کرلیا اور ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا۔

علامہ واقدی نے لکھا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ۵۰ھ میں وفات پاگئی تھیں، اور دوسروں نے ذکر کیا ہے کہ یہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ۳۶ھ میں فوت ہوئی تھیں۔

قد حازھا: یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو مالِ غنیمت میں سے اختیار کرلیا تھا، اور مرد جس چیز کو اپنے ساتھ ملالے تو اس کے لیے حازھا کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

یحوی لھا: یاء کے اوپر پیش ہے اور حاء پر زبر ہے اور واؤ کے نیچے زیر اور تشدید ہے۔ یعنی آپ نے ان کے لیے حویہ کو بنایا۔ حویہ

کے معنی ہیں: ایک چادر، جس کو سواری پر باندھا جاتا ہے تا کہ اس چادر کی وجہ سے سواری کے پیچھے بیٹھنے والا سواری سے گرنے سے محفوظ رہے اور اس کے ساتھ ٹیک لگا کر راحت پائے، چونکہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ام المومنین تھیں، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حجاب کے لیے سواری کے پیچھے چادر کو باندھا۔

الصھباء: یہ خیبر اور مدینہ کے درمیان ایک منزل کا نام ہے۔

وکان ذالک بناؤہ بھا: یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو طعام بنا کر صحابہ کی دعوت کی، یہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب باشی کے بعد ولیمہ تھا۔

بدالہ: یعنی دور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احد پہاڑ نظر آیا۔

یُحِبنا: یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے، یہ مجاز ہے یا یہاں پر یہ عبارت مقدر ہے کہ اس پہاڑ کے پاس رہنے والے ہم سے محبت کرتے ہیں، اور وہ اہلِ مدینہ ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حقیقت میں پہاڑ ہی محبت کرتا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کو شامل ہے کہ پہاڑ کے دل میں محبت پیدا فرما دے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۶-۸۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالِ حسن کا معجزہ اور آپ کی حیات پر دلائل

میں کہتا ہوں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے اور آپ کے حسن کا کمال ہے کہ پہاڑ اور پتھر بھی آپ سے محبت کرتے تھے، اور محبت کا معنیٰ ہے: دل کا نرم اور ملائم ہونا اور پتھر کی حقیقت میں سختی ہے، یہی وجہ ہے کہ جو شخص نرم دل نہ ہو اور رحم دل نہ ہو اس کو سنگ دل کہتے ہیں، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال یہ ہے کہ جس کی حقیقت میں نرمی نہیں تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں بھی نرمی پیدا کردی اور اپنے محبت ڈال دی، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہاڑوں میں بھی ادراک اور شعور ہوتا ہے، حتیٰ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات اور فضائل کو جان لیا اور آپ کو محبوب جانا۔

نیز آپ نے فرمایا: ہم بھی اس سے محبت کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اگر پہاڑ اور پتھر بھی آپ سے محبت کریں تو آپ ان کو بھی محروم نہیں کرتے، بلکہ محبت کا جواب محبت سے دیتے ہیں، تو اگر انسان بلکہ مومن آپ سے محبت کرے تو آپ اسے کب محروم کریں گے اور اس کی محبت کا جواب محبت سے کیوں نہیں دیں گے؟ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجور کے جس تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے، جب منبر بنا دیا گیا اور آپ نے اس کھجور کے تنے سے ٹیک نہیں لگائی تو وہ اس اونٹنی کی طرح دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا جو اپنے بچے کے فراق میں رو رہی ہو، تو کھجور کے اس تنے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پیدا ہو گئی اور چیخیں مار کر رونا بغیر حیات کے متصور نہیں ہوتا، اور محبت بھی بغیر حیات کے متصور نہیں ہوتی، تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لمس اور آپ کی توجہ سے درخت کے تنے میں بھی حیات آ گئی اور پہاڑوں اور پتھروں میں بھی حیات آ گئی، سو کتنا افسوس ہوتا ہے جو لوگ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کے قائل نہیں ہیں اور آپ کو معاذ اللہ مُردہ قرار دیتے ہیں، حالانکہ آپ شہید ہیں اور شہید زندہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی آپ کی حیات پر بہ کثرت دلائل ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

مدینہ کے حرم ہونے کے متعلق غیر مقلدین کا نظریہ

غیر مقلد عالم شیخ داؤد راز میواتی نے لکھا ہے:

مدینہ بھی مکہ کی طرح حرم ہے، جو لوگ مدینہ کی حرمت کا انکار کرتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں، اس بارے میں اہلحدیث ہی کا مسلک صحیح ہے کہ مدینہ بھی مثلِ مکہ حرم ہے۔ (ترجمہ و شرح صحیح بخاری، ج ۷ ص ۱۴۵، مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۰۴ء)

مکہ مکرمہ کے حرم ہونے اور مدینہ منورہ کے حرم ہونے کا فرق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں ان دو پہاڑوں کے درمیان جو زمین ہے، اس کو حرم قرار دیتا ہوں۔

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ مدینہ منورہ کو تعظیم کے لیے حرم قرار دیا ہے، ورنہ مدینہ منورہ مکہ کی طرح حرم نہیں ہے۔ مکہ کے درختوں کو کاٹنا منع ہے، مکہ میں شکار کرنا منع ہے، اور مدینہ کے درختوں کو کاٹنا منع نہیں ہے، اور نہ وہاں کے جانوروں کا شکار کرنا ممنوع ہے۔ سو مکہ کے حرم ہونے میں اور مدینہ کے حرم ہونے میں فرق ہے، لیکن تعظیم کی وجہ سے مکہ اور مدینہ دونوں کو حرمین کہا جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ کو حرم قرار دینے کے متعلق قرآن مجید کی حسب ذیل آیات ہیں:

أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَى إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِزْقًا مِنْ لَدُنَّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (القصص: ۵۷)

کیا ہم نے ان کو حرم میں نہیں آباد کیا جو امن والا ہے، اس کی طرف ہمارے دیئے ہوئے ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں، لیکن ان کے اکثر (لوگ) نہیں جانتے O

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ۝ (العنکبوت: ۶۷)

کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا ہے، حالانکہ ان کے گرد و نواح سے لوگوں کو اغواء کر لیا جاتا ہے تو کیا وہ باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کو نہیں مانتے O

صحیح البخاری: ۵۴۲۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعائیہ کلمات کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے هَمّ (فکر اور تشویش) سے پناہ طلب کی، کہا جاتا ہے: مجھے اس کام نے هَمّ میں ڈالا یعنی اس کام نے مجھے خوف میں مبتلاء کیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ هَمّ سے مراد مرض ہو جب وہ انسان کو گھلا دے اور پگھلا دے اور یہ ''هَمَّهُ الشَّحْمُ'' سے ماخوذ ہے۔ یعنی جب کوئی چیز چربی کو پگھلا دے اور کہا جاتا ہے ''الشیء مهموم'' یعنی وہ چیز پگھلی ہوئی ہے۔ یعنی آپ نے اس مرض سے پناہ طلب کی، جس مرض میں آدمی کا بدن گھل جاتا ہے اور کمزور اور دبلا ہو جاتا ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: غم اس چیز کو کہتے ہیں جو دل کو مشغول رکھے اور انسان کے بدن پر غم سے مضر کوئی چیز نہیں ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ حُزن وہ چیز ہے جو مرد کو اس کے گھر کے متعلق تفکرات لاحق ہوتے ہیں۔ اور قزاز کے نزدیک هَمّ اور حُزن دونوں برابر ہیں۔ اور عجز کا معنی ہے: کسی وجہ سے قدرت نہ رہے، اور یہ قدرت کے باوجود سستی کو بھی کہتے ہیں کہ جب آدمی کسی کام کے کرنے میں سست ہو اور یہ عجز اور کسل دونوں ایسی چیزیں ہیں جن سے اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے:
عجز اس کو کہتے ہیں کہ جس کام کا کرنا واجب ہے اس کو ترک کر دیا جائے اور کسل کہتے ہیں: نفس کی فترت اور کمزوری کو اور ضلع الدین کا معنی ہے: قرض کا بوجھ، کہا جاتا ہے: ''اضلعنی ھذا الامر'' یعنی اس کام نے مجھ کو تھکا دیا یا مجھ پر بوجھ ڈال دیا۔
الاصمعی نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: ثقل اور قوت (مجمل اللغۃ، ج ا ص ۵۶۵، مادہ: ضلع)
دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: میلان اور رجحان، یعنی قرض کے بوجھ کی وجہ سے انسان وعدہ پورا کرنے کی بجائے جھوٹ بولتا ہے۔
ابن فارس نے کہا ''ضلعت ضلعا'' اس وقت کہا جاتا ہے، جب تم تھک جاؤ۔
امام ابو یوسف سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (مجمل اللغۃ، ج ا ص ۵۶۵)
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۸۸-۱۸۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری ۵۴۲۵، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے لیے خادم کو طلب کرنا جائز ہے، اور خادم کا سوال کرنا مکروہ نہیں ہے، یہ نہ کہا جائے کہ بعض اوقات خادم مخدوم کے حکم کی اطاعت کرتا ہے تو یہ گویا امر مکروہ کے باب سے ہے، کیونکہ عموماً خادم اُجرت لے کر خدمت کرتا ہے۔
(۲) اس حدیث میں جن کلماتِ دعائیہ کا ذکر ہے ان کی فضیلت ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا کرتے تھے: ''اے اللہ! میں تجھ سے ھَمّ اور حُزن سے پناہ طلب کرتا ہوں، اور عجز اور کسل سے پناہ طلب کرتا ہوں اور بخل اور جُبن سے پناہ طلب کرتا ہوں، اور قرض کی زیادتی اور لوگوں کے غلبہ سے پناہ طلب کرتا ہوں''۔
ھَمّ کا تعلق ان تفکرات کے ساتھ ہے جو مستقبل میں ہوتے ہیں اور حُزن کا تعلق ان پریشانیوں اور غم سے ہے جو انسان کو ماضی میں لاحق ہوتی ہیں، گویا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا کرتے: ''اے اللہ! جو معاملات گزر چکے ہوں میں ان کو بھول جاؤں اور ان پر غم نہ کروں اور مجھے ایسا کر دے کہ مجھے مستقبل کے متعلق تفکرات نہ ہوں، سوائے ان امور کے جو انسان کو زمانہ حاضر میں درپیش ہوتے ہیں، جن کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، کیونکہ انسان جب مستقبل بعید کے متعلق پریشان رہتا ہے اور اپنے آپ کو تھکاتا ہے تو بعض اوقات زمانہ حاضر میں اس کی مصلحتیں ضائع ہو جاتی ہیں، اس لیے آپ نے اللہ عزوجل سے ھَمّ اور حُزن سے پناہ طلب کی ہے۔ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے مستقبل کے متعلق غور و فکر نہ کرے اور اس کا انتظام نہ کرے، گویا کہ آدمی یوں کہے کہ میں اس مرتبہ سفر کرنے سے ڈرتا ہوں کہیں نقصان نہ ہو جائے، یا کہے کہ میں علم کو طلب کرنے میں ڈرتا ہوں کہ مجھے علم حاصل نہ ہو، اور اس کے علاوہ ایسی دوسری چیزیں جن کی وجہ سے صرف حیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔
اور آپ ''العجز'' اور ''الکسل'' سے پناہ طلب کرتے تھے، کیونکہ انسان بدن کی عاجزی کی وجہ سے اپنے ارادوں کو پورا نہیں کر سکتا یا سستی اور تھکاوٹ کی وجہ سے اپنے ارادوں کو پورا نہیں کر سکتا، خواہ اس میں اپنا ارادہ پورا کرنے کی قوت اور طاقت ہو

اور اگر اس کے پاس قوت ہو لیکن اس کی سستی اس کو اپنا ارادہ پورا کرنے سے مانع ہوتی ہو۔

اور آپ نے ''البُخل'' اور ''الجُبن'' سے پناہ طلب کی ہے، بُخل کا معنی ہے: مال کو خرچ نہ کرنا اور جُبن کا معنی ہے: اپنے نفس کو کام میں نہ لانا۔

اور آپ نے قرض کی زیادتی اور مردوں کے غلبہ سے پناہ طلب کی ہے، یعنی ایسی تنگی جس کی وجہ سے انسان کو قرض خواہ کی باتیں سُننی پڑیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صاحبِ حق کو بات کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، اور غَلَبَةُ الرجال کا معنی ہے: یعنی لوگ ناحق مرد پر تنگی کریں۔

لوگ انسان کے اوپر یا تو حق کی وجہ سے تنگی کرتے ہیں اور یا قرض کی زیادتی کی وجہ سے، یا ناحق انسان پر تنگی کرتے ہیں اور یہ مردوں کے غلبہ کی وجہ سے ہے۔ سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں سے پناہ طلب کی ہے، پس انسان کو چاہیے کہ بہ کثرت یہ دعا کیا کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ کے ساتھ حُسنِ معاشرت کے ساتھ رہتے تھے، کیونکہ آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا۔

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شادی کے بعد ولیمہ کرنا مشروع ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مَلیدہ بنایا تھا یہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب باشی کے بعد صحابہ کرام کی دعوت تھی جس کو عرف میں ولیمہ کہتے ہیں۔

(۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوگوں کو ولیمہ کی دعوت دینی چاہیے، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تو میں نے مردوں کو بلایا اور انہوں نے وہ ملیدہ کھایا۔

(۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احد پہاڑ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ سے محبت کرتے تھے، اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ احد پہاڑ جماد ہے، پس وہ کیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرے گا؟ تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے جمادات کے اندر بھی ادراک اور شعور رکھا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل)

سات آسمان اور زمینیں اور جو بھی ان میں ہیں اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، بے شک وہ نہایت حلم والا، بہت بخشنے والا ہے ۝

نیز قرآن مجید میں ہے:

فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ (الکہف: ۷۷)

پھر ان دونوں (حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام) نے اس بستی میں ایک دیوار کو دیکھا جو گرا ہی چاہتی تھی، تو اس نے (حضرت خضر نے) اس دیوار کو سیدھا کر دیا۔

سو جب آسمانوں اور زمینوں کی طرف حمد اور تسبیح کی نسبت ہے اور دیوار کی طرف گرنے کی نسبت ہے، تو پہاڑ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی نسبت مستبعد نہیں ہے، پس وہ پہاڑ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا تھا اور آپ بھی اس سے محبت فرماتے تھے،

اور ظاہر یہ ہے کہ آپ تمام مومنین سے محبت کرتے ہیں اور ہم بھی اس پہاڑ سے محبت کرتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پہاڑ سے محبت کرتے تھے۔

اس میں حکمت یہ ہے کہ غزوہ اُحد میں اس پہاڑ کے پاس مسلمان شکست سے دوچار ہو گئے تھے، تو یہ عظیم آزمائش جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو لاحق ہوئی اور انسان کی عادت یہ ہے کہ جس جگہ اسے کوئی آزمائش پہنچی ہو یا شکست آئی ہو، تو وہ اس جگہ کی بدفالی نکالتا ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد پہاڑ کے ساتھ اپنی محبت کا ذکر کیا اور اُحد پہاڑ کی محبت کا ذکر کیا، تا کہ مسلمانوں کو اس پر تنبیہ ہو کہ اگر انہیں کسی جگہ یا کسی مقام پر کوئی تکلیف پہنچی ہو یا کوئی آزمائش آئی ہو یا وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوئے ہوں تو انہیں اس جگہ کو برا نہیں سمجھنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندہ پر جو مصائب طاری فرماتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی بہت حکمتیں ہوتی ہیں۔

اس لیے جس جگہ کوئی مصیبت آئی ہو، اس جگہ سے بغض نہیں رکھنا چاہیے، کیونکہ احد پہاڑ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ آزمائش سے دوچار ہوئے تھے، پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُحد پہاڑ سے محبت رکھتے تھے اور اس آزمائش کے بعد مسلمانوں کو بہت خیر کثیر حاصل ہوئی۔

(۷) مدینہ بھی حرم ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو پہاڑوں کے درمیان جو مدینہ کی سرزمین تھی، جس کو الحرتان کہا جاتا ہے، اس کو حرم فرمایا ہے، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا تو میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں، لیکن مدینہ کا حرم ہونا مکہ کے حرم ہونے کی طرح نہیں ہے اور نہ مدینہ کے حرم ہونے کی وہ تاکید ہے اور نہ وہ حقوق ہیں جو مکہ کے حرم ہونے کے ہیں، کیونکہ مکہ کے درختوں کو کاٹنا جائز نہیں ہے اور مدینہ کے درختوں کو کاٹنا جائز ہے اور مکہ کے جانوروں کو شکار کرنے پر جزا لازم ہوتی ہے اور مدینہ کے جانوروں کو شکار کرنے پر جزا لازم نہیں ہے۔ نیز مکہ کو پہلے حرم بنایا گیا اور مدینہ منورہ کو بعد میں حرم بنایا گیا۔

(۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ کے مُد اور صاع میں برکت کی دعا کی، اور یہی وجہ ہے کہ اہلِ مدینہ بہت خوشحال ہیں اور عرصۂ دراز تک مدینہ منورہ اسلام کا مرکز اور دارالخلافہ رہا اور مدینہ میں اسلامی علوم وفنون کی وہ ترقی ہوئی جو کسی اور اسلامی شہر میں نہیں ہوئی، اور مسلمانوں کے دلوں میں مدینہ منورہ کی بہت زیادہ محبت ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں شہادت کی تمنا کی اور اب بھی مسلمان یہ دعا کرتے ہیں کہ ان کو مدینہ میں موت آئے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۶۹-۱۷۰، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۲۵ کی شرح از علامہ القسطلانی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پہاڑ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا حقیقی ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اُحد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے، اس سے حقیقی محبت مراد ہے جیسے کھجور کے درخت کا تنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں چیخ کر رو رہا تھا، یا پھر یہ مجاز ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِىْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِىْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ (یوسف)

اور آپ اس بستی (والوں) سے پوچھ لیجیے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے پوچھ لیجیے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں اور بے شک ہم

ضرور بچے ہیں O

کیونکہ یہ احد پہاڑ اس بستی میں ہے جس سے ہم محبت کرتے ہیں اور وہ انصار ہیں، پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف گردن اٹھا کر دیکھا تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! میں ان دو پہاڑوں کے درمیان کی سرزمین کو حرم بناتا ہوں جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا، اور مدینہ میں ایک اور پہاڑ ہے جس کو جبلِ ثور کہتے ہیں۔

اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں، تو اس سے مراد تحریم تعظیم ہے اور اس سے حرم کے باقی احکام مراد نہیں ہیں جو مکہ کے حرم ہونے سے متعلق ہیں، اور امام شافعی اور امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وہ مدینہ کے جانوروں کے شکار کو بھی حرام قرار دیتے ہیں اور درختوں کے کاٹنے کو بھی حرام قرار دیتے ہیں لیکن اس میں تاوان لازم نہیں قرار دیتے۔

نیز اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ کے لیے برکت کی دعا فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو قبول فرمایا اور خلفاءِ راشدین کے زمانہ میں مشارق اور مغارب سے قیصر و کسریٰ کے خزانے اور ترک کے بے شمار خزانے مدینہ کی طرف منتقل کر دیے اور اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے تجارتی پیمانوں میں برکت عطا فرمائی۔ سو میں اللہ تعالیٰ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کریم کے وسیلہ سے اور اللہ تعالیٰ کے نبی عظیم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر اور میرے مسلمان احباب پر یہ احسان فرمائے کہ ہمیں مدینہ کی رہائش میسر ہو اور ہماری امیدیں پوری ہوں اور ہماری وفات اسلام پر ہو اور ہمیں دار السلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہو۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۲۱۴، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۹۔ بَابُ: الْأَكْلِ فِي إِنَاءٍ مُفَضَّضٍ — چاندی کے برتن میں کھانے کا حکم

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ چاندی کے برتن میں کھانا حرام ہے، یہ وہ برتن ہے جس میں چاندی کے نقش و نگار بنے ہوئے ہوں، اور اسی طرح وہ برتن جس میں چاندی کے نقش و نگار ہوں، لیکن جس برتن میں چاندی کے نقش و نگار ہوں، امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس سے پانی پینا جائز ہے جب کہ چاندی کی جگہ سے اجتناب کیا جائے، اور وہ یہ ہے کہ چاندی کو منہ سے نہ لگایا جائے اور نہ اس پر ہاتھ لگایا جائے۔ اسی طرح جس تخت اور کرسی پر چاندی چڑھی ہوئی ہو، اس پر بھی اسی شرط کے ساتھ بیٹھنا جائز ہے۔

اور امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ یہ بھی مکروہ ہے، اور امام محمد کا ایک قول امام ابو حنیفہ کی طرح ہے اور ایک قول امام ابو یوسف کی طرح ہے، لیکن جو برتن چاندی سے بنایا گیا ہو، اس کا استعمال اصلاً جائز نہیں ہے، نہ کھانے پینے سے اور نہ تیل لگانے سے اور نہ اور کسی طریقہ سے، مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے بھی۔

۵۴۲۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سَيْفُ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ مُجَاهِدًا يَقُولُ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي لَيْلَى أَنَّهُمْ كَانُوا عِنْدَ حُذَيْفَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سیف بن ابی سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے مجاہد سے سنا، انہوں نے

فَاسْتَسْقَى فَسَقَاهُ مَجُوسِيٌّ فَلَمَّا وَضَعَ الْقَدَحَ فِي يَدِهِ رَمَاهُ بِهِ وَقَالَ لَوْلَا أَنِّي نَهَيْتُهُ غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ كَأَنَّهُ يَقُولُ لَمْ أَفْعَلْ هٰذَا وَلٰكِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ لَا تَلْبَسُوا الْحَرِيرَ وَلَا الدِّيبَاجَ وَلَا تَشْرَبُوا فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا تَأْكُلُوا فِي صِحَافِهَا فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَنَا فِي الْآخِرَةِ۔

کہا: مجھے عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ نے حدیث بیان کی، وہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پانی منگایا تو مجوسی نے ان کو پانی لا کر پلایا، پس جب اس نے پیالہ ان کے ہاتھ میں رکھا، تو انہوں نے اس پیالہ کو اس کے اوپر پھینک دیا اور کہا: کہ میں نے اس کو اگر ایک مرتبہ یا دو مرتبہ منع نہ کیا ہوتا تو میں اس طرح نہ کرتا، یعنی اس پر پیالہ نہ پھینکتا، لیکن میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم ریشم نہ پہنو اور نہ دیباج پہنو اور نہ تم سونے اور چاندی کے برتنوں میں پیو اور نہ سونے اور چاندی کے پیالوں یا پلیٹوں میں کھاؤ، کیونکہ یہ برتن ان کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۳۲، ۵۶۳۳، ۵۸۳۱، ۵۸۳۷، صحیح مسلم: ۲۰۶۷، سنن ترمذی: ۱۸۷۸، سنن نسائی: ۵۳۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۷۲۳، سنن ابن ماجہ: ۳۴۱۴، مسند احمد: ۲۲۸۰۳)

صحیح البخاری: ۵۴۲۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور پر اعتراض کا جواب

صاحب التلویح نے اعتراض کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث اور باب کے عنوان میں مطابقت نہیں ہے، کیونکہ باب کا عنوان ''مفضض'' یعنی چاندی سے ملمع کیے ہوئے برتن سے متعلق ہے اور حدیث اس برتن سے متعلق ہے جو چاندی سے بنایا گیا ہو، مگر جس برتن میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو پانی پلایا تھا، اس میں چاندی کا کام کیا ہوا تھا اور چاندی ان کے منہ لگانے کی جگہ پر تھی، جب پانی پیا جائے، تو اس کی بھی ایک توجیہ ہے۔

اور علامہ کرمانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگرچہ مفضض چاندی سے ملمع شدہ برتن کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، لیکن اس کا استعمال اس کے لیے بھی ہوتا ہے جو چاندی سے بنایا گیا ہو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اگر ان کی مراد یہ ہے کہ مفضض کا لفظ ملمع شدہ برتن اور چاندی سے بنائے ہوئے برتن دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس کی دلیل لغت سے پیش کرنا ضروری ہے، اگرچہ فقہاء کی اصطلاح کے اعتبار سے انہوں نے چاندی سے ملمع شدہ برتن اور چاندی سے بنائے ہوئے برتن میں فرق کیا ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ مفضض ہونے اور چاندی کا برتن نہیں ہے، یہ تو صرف سونے اور چاندی سے ملمع شدہ برتن ہے اور اس کو استعمال کرنا حرام نہیں ہے، جب تک کہ اس کے متعلق صراحتاً ممانعت وارد نہ ہو، اور مضبب کا بھی یہی معنی ہے، یعنی جو

چاندی یا سونے سے ملمع شدہ ہو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابونعیم کا ذکر ہے، یہ الفضل بن دکین ہیں، اور سیف بن ابی سلیمان کا ذکر ہے، ان کو ابن سلیمان المخزومی کہا جاتا ہے۔ یحییٰ القطان نے کہا کہ یہ ۱۵۰ھ میں زندہ تھے اور ہمارے نزدیک یہ ثقہ ہیں اور صادق ہیں اور حافظ ہیں۔ امام مسلم نے بھی ان سے روایت کی ہے۔

اور اس حدیث میں حذیفہ کا ذکر ہے، یہ حضرت حذیفہ بن یمان العبسی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے مجوسی پر تغلیظ کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ایک مجوسی نے پانی پلایا اور صحیح مسلم میں عبداللہ بن حکیم سے روایت ہے کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس مدائن میں تھے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پانی طلب کیا تو ان کے پاس ایک دہقان چاندی کے برتن میں پانی لے کر آیا، انہوں نے وہ برتن اس کے اوپر پھینک دیا اور فرمایا: کہ میں نے اس کو کئی بار منع کیا ہے، سو یہ انکار کرتا ہے اور باز نہیں آتا۔ الحدیث۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ انہوں نے اس کو پھینک دیا، یعنی پیالہ کو پھینک دیا یا پیالہ میں جو پانی تھا اس کو پھینک دیا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں نے اس کو کئی مرتبہ منع کیا ہے کہ چاندی اور سونے کے برتن کو استعمال نہ کیا کرو، اگر میں نے اس کو منع نہ کیا ہوتا تو میں اس برتن کو نہ پھینکتا اور صرف زبانی ڈانٹ ڈپٹ پر اکتفاء کر لیتا، لیکن جب میں نے کئی مرتبہ زبان سے منع کیا اور یہ باز نہیں آیا تو میں نے تغلیظ کے لیے برتن اٹھا کر پھینک دیا، پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم اور دیباج کے لباس سے منع فرمایا ہے اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ (التوبہ)

اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اسکو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ انکو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے ○

اس آیت میں اگرچہ سونے اور چاندی کو جمع کرنے پر وعید ہے، لیکن اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ سونے اور چاندی کے برتنوں کو استعمال کرنا بھی ممنوع ہے۔

اس حدیث میں ریشم اور دیباج کے کپڑوں کو پہننے کی ممانعت ہے اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ممانعت ہے اور ائمہ اربعہ کا یہی قول ہے، اور امام شافعی کا قدیم قول یہ ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے، اور جدید قول یہ ہے کہ یہ کراہت تحریمی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۸-۸۹، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۲۶ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ممانعت کے متعلق احادیث

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مرد چاندی کے برتن میں پیے گا، تو وہ پانی اس کے پیٹ میں دوزخ کی آگ بن کر بھڑکتا رہے گا۔ (صحیح البخاری: ۵۶۳۴)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس نے دنیا میں چاندی یا سونے کے برتن میں پیا، تو آخرت میں وہ اس ان برتنوں میں نہیں پی سکے گا۔ (صحیح مسلم: ۲۰۶۶، کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم استعمال اناء الذھب)

سونے اور چاندی کے برتنوں کو استعمال کرنے کا فقہی حکم

جب یہ احادیث ثابت ہو گئیں تو سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا اور پینا حرام ہے اور اس کی حرمت میں اجماع منقول ہے، اگرچہ امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ انہوں نے چاندی کے برتن سے تیل لگانا اور اس میں لوبان کی دھونی دینے کو مکروہ کہا ہے، اور جس آئینہ میں چاندی کا حلقہ ہو اس کو بھی مکروہ کہا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی اور سونے کے برتنوں کو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ برتن دنیا میں کفار کے لیے ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں ہیں۔

ریشم کے لباس کا فقہی حکم

اس حدیث میں ریشم کے لباس پہننے کی ممانعت ہے، کیونکہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے کبر اور عُجب پیدا ہوتا ہے۔ رہا سونے کا لباس تو وہ بھی ممنوع ہے اور رہا چاندی کے برتنوں میں پینا تو اس میں اسراف ہے؛ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے برتن پھینکنے کا عذر پیش کیا تا کہ پانی پھینکنے میں ان کی اقتداء نہ کی جائے۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجوسی سے خدمت لینا جائز ہے۔

جس حدیث میں چاندی کے برتن سے پینے کی ممانعت ہے، اس کا محمل

حدیث میں ہے کہ جس نے دنیا میں چاندی کے برتنوں میں پیا، وہ آخرت میں نہیں پی سکے گا، یہ حدیث اس طرح ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا: جس نے دنیا میں خمر کو پیا تو وہ آخرت میں خمر کو نہیں پی سکے گا۔ (صحیح البخاری: ۵۵۷۵)

اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جب اس نے چاندی کے برتن میں پینے سے توبہ نہیں کی، یا وہ دائماً چاندی کے برتن میں پیتا رہا اور اسی حالت میں مر گیا، پس اگر اس نے توبہ کر لی تو جو گناہ سے توبہ کر لیتا ہے تو وہ اس شخص کی مثل ہے جس نے گناہ نہیں کیا، ورنہ اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ اس کا انجام اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف مفوض ہے۔ اگر وہ اس کو عذاب دے گا تو دائماً عذاب نہیں دے گا بلکہ اس کو اس کے ایمان کی وجہ سے دوزخ سے نجات دے دے گا۔

اور صحابہ کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ وہ جنت میں چاندی کے برتنوں میں نہیں پیے گا اور جس نے دنیا میں ریشم کو پہنا وہ آخرت میں ریشم نہیں پہنے گا اور یہ نعمت اس کو جنت میں نہیں ملے گی، کیونکہ جس چیز کے استعمال میں اسے تاخیر کا حکم دیا گیا تھا، اس کے استعمال میں اس نے جلدی کی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۹۱-۱۹۳، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۲۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تمام برتنوں میں کھانا مباح ہے مگر سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا ممنوع ہے، اور اس برتن میں اختلاف ہے جس میں تھوڑا سا سونا یا تھوڑی سی چاندی ہو، یا تو سونے اور چاندی کا ملمع ہو، یا سونا اور چاندی دوسری دھاتوں میں ملا ہوا ہو، یا سونا اور چاندی کا رنگ چڑھایا ہوا ہو اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی جس حدیث کا اس باب میں ذکر ہے اس میں سونے اور چاندی کے برتن میں پینے کی ممانعت ہے اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے کا حکم بھی اس میں شامل ہے۔

سنن دارقطنی اور بیہقی میں روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سونے یا چاندی کے برتن میں پیا یا کسی ایسے برتن میں جس میں سونا اور چاندی تھی تو اس کے پیٹ میں جہنم کی آگ بھڑکتی رہے گی۔ امام بیہقی نے کہا: مشہور یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔

اور اسی طرح امام ابن ابی شیبہ کی ایک اور سند سے روایت ہے کہ وہ اس پیالہ میں نہیں پیتے تھے جس میں چاندی کا حلقہ ہو یا جس میں چاندی کا ملمع ہو، اور ایک اور سند سے روایت ہے کہ وہ اس کو مکروہ قرار دیتے تھے۔

اور امام طبرانی نے معجم الاوسط میں روایت کی ہے: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتنوں میں چاندی کے ملمع سے منع فرمایا، پھر عورتوں کو اس کی اجازت دی۔

حافظ علاؤ الدین ابو عبد اللہ مغلطائی بن قلیج حنفی متوفی 762ھ (صاحب التلویح) نے کہا ہے کہ یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے، سوائے اس کے کہ جس برتن سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو مجوسی نے پانی پلایا تھا، اس میں چاندی کا ملمع کیا ہوا تھا اور وہ ملمع پانی پینے کی جگہ پر تھا۔

اور علامہ کرمانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ لفظ مفضض اگرچہ ملمع میں ظاہر ہے، لیکن یہ اس کو بھی شامل ہے کہ جو برتن چاندی سے بنایا گیا ہو، اور چاندی کے برتن سے پینے کی ممانعت چاندی کے برتن میں کھانے کی ممانعت کو بھی شامل ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۵۴-۵۵۵، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۹۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۲۶، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں دیباج کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: موٹا ریشم اور جو ریشم باریک ہو اس کو استبرق کہتے ہیں۔

اس حدیث میں "صحاف" کا لفظ ہے، یہ صحفۃ کی جمع ہے، اور یہ اس برتن کو کہتے ہیں جس میں کھانا رکھا جاتا ہے جیسے پیالے اور پلیٹیں اور رکابیاں وغیرہ، قرآن مجید میں ہے:

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ أَكْوَابٍ ۚ وَفِيهَا مَا ان کے گرد سونے کی پلیٹوں اور گلاسوں کو گردش میں لایا جائے گا

تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۚ وَ أَنْتُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ○ (الزخرف)

اور جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جسے ان کے دل چاہیں گے اور جس سے ان کی آنکھوں کو لذت ملے گی اور تم جنت میں ہمیشہ رہو گے ○

جب کہ ریشم، سونا اور چاندی اہلِ جنت کا لباس ہیں، تو شارع علیہ السلام نے حریر اور دیباج کو حرام فرما دیا، جس طرح سونے کے برتنوں میں کھانے اور پینے کو حرام فرما دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تحریم کی حکمت بیان فرمائی کہ یہ نعمتیں کفار کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہوں گی۔ اور مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ جنت کی نعمتوں کو جلدی طلب کرے، پس وہ سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھائے اور پیئے۔ (الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر والّلآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۶۵، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۳۰۔ بَابُ: ذِكْرِ الطَّعَامِ کھانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں طعام کا ذکر ہے، یعنی کھانے کا۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس عنوان کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اس میں صرف طعام کا ذکر ہے اور صاحب التوضیح (یعنی ابن ملقن) نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میٹھے کھانے کو کھانا مباح ہے، اور جو کڑوا کھانا ہو، اس کو کھانا مکروہ ہے، اور زہد اس کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ اس باب کی حدیث میں اس مومن کو جو قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے، سنگترے کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کا ذائقہ میٹھا ہے اور اس کی خوشبو بھی عمدہ ہے اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا اس کو کھجور کے ساتھ تشبیہ دی ہے، جس کا ذائقہ تو میٹھا ہے اور اس میں خوشبو نہیں ہے، اور منافق کو تشبیہ دی ہے اندرائن کے ساتھ، (جس کو عربی میں حنظل اور پنجابی میں کوڑتما کہتے ہیں، اس کی کڑواہٹ ضرب المثل ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) اور ریحانۃ کے ساتھ تشبیہ دی ہے، ان کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے اور یہ انتہائی کڑوا کھانا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۲۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْأُتْرُجَّةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ لَا رِيحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ لَيْسَ لَهَا رِيحٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی، از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ از حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مومن قرآن پڑھتا ہے، اس کی مثال سنگترے کی طرح ہے، اس کی خوشبو بھی پسندیدہ ہے اور اس کا ذائقہ بھی پسندیدہ ہے اور جو مومن قرآن پاک کی تلاوت نہیں کرتا، وہ کھجور کی مثل ہے، جس میں خوشبو تو نہیں ہوتی لیکن اس کا ذائقہ میٹھا ہوتا ہے، اور جو منافق قرآن مجید پڑھتا ہے وہ ریحانہ کی طرح ہے، اس کی خوشبو اچھی ہے لیکن اس کا ذائقہ کڑوا ہے، اور جو منافق قرآن مجید نہیں پڑھتا، اس کی مثال اندرائن

کی طرح ہے، جس کی خوشبو نہیں ہے اور اس کا ذائقہ کڑوا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۰۲۰، ۵۰۵۹، ۵۴۲۷، ۷۵۶۰، صحیح مسلم: ۷۹۷، سنن ترمذی: ۲۸۶۵، سنن نسائی: ۵۰۳۸، سنن ابوداؤد: ۴۸۲۹، سنن ابن ماجہ: ۲۱۴، مسند احمد: ۱۹۰۵۵، سنن داری: ۳۳۶۳)

صحیح البخاری: ۵۴۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مناسبت

اس حدیث میں طعام کالفظ کئی مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوعوانہ کا ذکر ہے، ان کا نام ہے: الوضاح الیشکری، اور اس حدیث میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کا ذکر ہے، ان کا نام ہے: عبداللہ بن قیس الاشعری، اور اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اور یہ دونوں صحابی ہیں، سو اس حدیث میں صحابی کی صحابی سے روایت ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''الاترجۃ'' کا ذکر ہے اور اس کی روایت ''الاترنجۃ'' بھی ہے۔ ان دونوں لفظوں کا معنی ہے سنگترہ یا اس جیسا اور کوئی پھل مثلاً مالٹا وغیرہ۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس حدیث میں اس مومن کا ذکر کیا گیا ہے جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کا ذکر نہیں کیا گیا کہ جو قرآن پر عمل کرتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر قرآن پڑھنے والے اور قرآن نہ پڑھنے والے کے درمیان فرق بیان کرنا مقصود ہے اور عمل کا حکم بیان کرنا مقصود نہیں ہے، باوجود اس کے کہ مومن کامل کے لیے عمل کرنا لازم ہے خواہ اس کا ذکر کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۸۹-۹۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۲۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا خَالِدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی از انس از نبی ﷺ، آپ نے ارشاد فرمایا: عائشہ کی فضیلت عورتوں پر اس طرح ہے جیسے ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۴۱۱، ۳۷۶۹، ۳۴۳۳، ۵۴۱۸، ۵۴۲۸، صحیح مسلم: ۲۴۳۱، سنن ترمذی: ۱۸۳۴، سنن نسائی: ۳۹۴۷، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۰، مسند احمد: ۱۹۰۲۹)

اس حدیث کی شرح اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

۵۴۲۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ نَوْمَهُ وَطَعَامَهُ فَإِذَا قَضَى نَهْمَتَهُ مِنْ وَجْهِهِ فَلْيُعَجِّلْ إِلَى أَهْلِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از سمی از ابی صالح از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے ارشاد فرمایا: سفر عذاب کا ٹکڑا ہے، جو تم میں سے کسی ایک کو نیند سے اور کھانے سے منع کرتا ہے، پس جب تم میں سے کوئی شخص اپنی حاجت کو حسب منشاء پوری کر لے تو وہ اپنے گھر کی طرف جلدی واپس جائے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۰۴، ۳۰۰۱، ۵۴۲۹، صحیح مسلم: ۱۹۲۷، سنن ابن ماجہ: ۲۸۸۲، مسند احمد: ۷۱۸۴، موطا امام مالک: ۱۸۳۵، سنن دارمی: ۲۶۷۰)

صحیح البخاری: ۵۴۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس حدیث میں بھی طعام کا لفظ ہے، کیونکہ سفر کسی آدمی کو اس کے طعام اور اس کے کھانے سے روک دیتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابونعیم کا ذکر ہے، اور وہ الفضل بن دکین ہیں اور سُمی کا ذکر ہے، یہ ابو بکر بن عبدالرحمٰن مخزومی کے آزاد شدہ غلام ہیں۔ اور اس حدیث میں ابوصالح کا ذکر ہے۔ ان کا نام ذکوان السمان ہے۔

اس حدیث میں امام مالک از سمی از ابوصالح از ابو ہریرہ منفرد ہیں۔ انہوں نے کہا: کیا وجہ ہے کہ اہلِ عراق اس حدیث کے متعلق سوال کرتے ہیں؟ تو اس کے جواب میں کہا گیا: کیوں کہ آپ اس کی روایت میں منفرد ہیں۔ امام مالک نے کہا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں اس کی روایت میں منفرد ہوں تو میں اس حدیث کو بیان نہ کرتا۔

اس حدیث میں ''نهمته'' کا لفظ ہے، اس میں نون پر زبر بھی ہے اور نون پر پیش بھی ہے اور نون کے نیچے زیر بھی ہے، اس کا معنی ہے: کسی کام میں اپنی ہمت کو پہنچ جانا، اور اس میں ''من وجهه'' کا لفظ ہے، اس کا مطلب ہے: جس غرض سے سفر کیا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

احادیث ثلٰثہ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کی پہلی حدیث یعنی: ۵۴۲۷، میں میٹھا کھانا کھانے کی اباحت کو بیان کیا گیا ہے اور کڑوے کھانے کی کراہت بیان کیا گیا ہے اور اس کے خلاف میں زہد نہیں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھنے والے مومن کو سنگترہ کے ساتھ

تشبیہ دی ہے، جس کا ذائقہ میٹھا ہے اور خوشبو اس کی پسندیدہ ہے، اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا اس کو کھجور کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کا ذائقہ میٹھا ہے اور اس کی خوشبو نہیں ہے، اس حدیث میں عمدہ اور میٹھے کھانے کو کھانے کی ترغیب دی ہے۔ اور اگر اس میں زُہد افضل ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ایک مرتبہ قرآن کے ساتھ اور دوسری مرتبہ ایمان کے ساتھ تشبیہ نہ دیتے، پس جس طرح مومن کو قرآن اور ایمان کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے، اسی طرح جو کھانا میٹھا اور خوشبودار ہو اس کی باقی کھانوں پر فضیلت ہے، اور اس کی تائید ثرید کی فضیلت سے ہے، اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ ثرید کو کھانا اور اس کو استعمال کرنا اس کی فضیلت ہے، اور منافق کو تشبیہ دی ہے اندرائن اور ریحانہ کے ساتھ جن کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے۔ اور یہ کڑوے کھانے کی انتہائی مذمت ہے، مگر یہ کہ سلف صالحین عمدہ اور لذیذ چیزوں کو بہ کثرت اور دائماً کھانے کو ناپسند کرتے تھے۔ اس خطرہ سے کہ یہ ان کی عادت بن جائے گی، پھر جب یہ چیزیں نہیں ملیں گی تو وہ ان کے لیے ان چیزوں کے نہ ملنے پر صبر کرنا مشکل ہوگا۔ اس فعل میں وہ ریاضت کرتے تھے اور تواضع کرتے تھے۔

رہی دوسری حدیث، تو اس میں افضل طعام کا ذکر نہیں ہے اور نہ ادنیٰ طعام کا ذکر ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ ابنِ آدم کے لیے دنیا میں اتنا کھانا ضروری ہے جس سے اس کا جسم قائم رہے اور اس کو اپنے رب کی اطاعت کے اوپر قوت رہے۔ اور بے شک رب جل جلالہ نے نفوس کو کھانے پینے اور سونے کی طبیعت پر پیدا کیا ہے اور اسی سے حیات کا قوام حاصل ہوتا ہے۔ اور بعض لوگ اس میں کمی کرتے ہیں اور بعض لوگ اس میں اضافہ کرتے ہیں۔ اور مومن اس میں سے اتنی مقدار لیتا ہے جتنی مقدار سے اس کو آخرت پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

رہی تیسری حدیث تو اس کی روایت میں امام مالک منفرد ہیں۔

اس حدیث میں "نہمۃ" کا ذکر ہے یعنی انسان جس غرض سے سفر کرے، وہ اس کو پورا کرلے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۹۵-۱۹۶، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۲۹ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

موجودہ زمانے میں بھی سفر میں عذاب اور تکلیف ہوتی ہے

اگرچہ ہمارے زمانہ میں سفر کی سہولتیں حاصل ہیں، جب کہ پہلے زمانہ میں اونٹوں اور خچروں پر سفر ہوتا تھا۔ اور اب ریل گاڑیوں اور طیاروں پر اور بسوں کے ذریعے سفر ہوتا ہے، پہلے زمانہ میں سفر میں بدنی عذاب بھی ہوتا تھا اور قلبی عذاب بھی ہوتا تھا، اور ہمارے زمانہ میں سفر میں بدنی عذاب تو اتنا نہیں ہوتا، کیونکہ انسان کو گھر میں جو آرام اور آسائش حاصل ہوتی ہے تو خواہ ہوائی جہاز کا سفر ہو یا ٹرین کا سفر ہو، اس میں وہ آرام اور آسائش حاصل نہیں ہوتی لیکن قلبی عذاب بہر حال ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) انسان کو چاہیے کہ جب سفر سے اس کی حسب منشاء غرض پوری ہو جائے تو اپنے گھر واپس چلا جائے، کیونکہ اس کی غیر حاضری میں اس کے بہت سارے کام فوت ہو جاتے ہیں اور اس کی غیر موجودگی میں اس کے گھر والے اپنی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے۔ اور وہ

خاص کام جو وہ اپنے وطن میں اقامت کے دوران کرتا تھا، سفر میں وہ کام نہیں ہو سکتا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ان آداب کی تعلیم دی ہے کہ جب انسان کسی جگہ سفر کے لیے جائے تو اس کو چاہیے کہ سفر سے اپنی غرض پوری ہونے کے بعد اپنے گھر واپس آجائے تا کہ وہ اپنے گھر کے فرائض کو انجام دے سکے۔

(۲) اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جب انسان کسی جگہ دعوت پر جائے تو وہاں بھی زیادہ دیر نہ ٹھہرے، اور بلاوجہ کسی کے گھر میں قیام نہ کرے، پس افضل یہ ہے کہ وہ دعوت کا کھانا کھا کر اپنے گھر واپس آجائے، کیونکہ اس کا اس حال میں میزبان کے گھر میں ٹھہرنا وقت کو ضائع کرنا ہے اور اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۷۲-۱۷۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: بعض محافل اور تقاریب میں مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہوتا ہے، اور گانا بجانا ہوتا ہے اور بعض جگہ رقص بھی ہوتا ہے، اور یہ تمام غیر شرعی امور ہیں، اس لیے ان محافل میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۳۱- بَابُ: الْأُدُمِ — سالن کا بیان

الأُدُم میں الف پر پیش ہے اور دال پر بھی پیش ہے، اور یہ ادام کی جمع ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۰)

۵۴۳۰- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ رَبِيعَةَ أَنَّهُ سَمِعَ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ يَقُولُ كَانَ فِي بَرِيرَةَ ثَلَاثُ سُنَنٍ أَرَادَتْ عَائِشَةُ أَنْ تَشْتَرِيَهَا فَتُعْتِقَهَا فَقَالَ أَهْلُهَا وَلَنَا الْوَلَاءُ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لَوْ شِئْتِ شَرَطْتِيهِ لَهُمْ فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ قَالَ وَأُعْتِقَتْ فَخُيِّرَتْ فِي أَنْ تَقِرَّ تَحْتَ زَوْجِهَا أَوْ تُفَارِقَهُ وَدَخَلَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمًا بَيْتَ عَائِشَةَ وَعَلَى النَّارِ بُرْمَةٌ تَفُورُ فَدَعَا بِالْغَدَاءِ فَأُتِيَ بِخُبْزٍ وَأُدْمٍ مِنْ أُدْمِ الْبَيْتِ فَقَالَ أَلَمْ أَرَ لَحْمًا قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ وَلَكِنَّهُ لَحْمٌ تُصُدِّقَ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ فَأَهْدَتْهُ لَنَا فَقَالَ هُوَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا وَهَدِيَّةٌ لَنَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے حدیث بیان کی از ربیعہ، انہوں نے القاسم بن محمد سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا میں تین خصلتیں تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خرید کر انہیں آزاد کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت بریرہ کے گھر والوں نے کہا: ''الولاء'' ہمارے لیے ہوگی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، تو آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو یہ شرط لگا بھی لو، کیونکہ ولاء اس کے لیے ہوتی ہے جو غلام کو یا باندی کو آزاد کرتا ہے، القاسم بن محمد نے بیان کیا: اور حضرت بریرہ کو آزاد کر دیا گیا، پھر ان کو اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے خاوند کے نکاح میں برقرار رہیں اور اگر چاہیں تو ان سے الگ ہو جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور آگ پر دیگچی میں جوش آ رہا تھا، آپ نے ناشتہ منگایا تو آپ کے لیے روٹی اور گھر کے سالنوں میں سے کوئی سالن لایا گیا، آپ نے فرمایا: کیا میں گوشت کو نہیں دیکھ رہا؟ تو گھر والوں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! لیکن یہ وہ گوشت ہے جو حضرت بریرہ پر صدقہ کیا گیا ہے، سو انہوں نے ہم

پر یہ گوشت ہدیہ کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ان پر صدقہ ہے
اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۵۶، ۱۴۹۳، ۲۱۵۵، ۲۱۶۸، ۲۵۳۶، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۷۸، ۲۷۱۷، ۲۷۲۶، ۲۷۲۹، ۲۷۳۵، ۵۰۹۷، ۵۲۷۹، ۵۲۸۴، ۵۴۳۰، ۶۷۱۷، ۶۷۵۱، ۶۷۵۴، ۶۷۵۸، ۶۷۶۰، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۹، موطا امام مالک: ۱۵۱۹)

تنبیہ: علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے کہا ہے کہ یہ حدیث بیس سے زیادہ مرتبہ گزر چکی ہے، اور اس کی شرح پہلے کی جا چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے بعض مشکل الفاظ اور مبہم عبارات کی شرح از مصنف

اس حدیث میں ''الولاء'' کا ذکر ہے۔ الولاء کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی غلام یا باندی کو آزاد کرے اور آزاد ہونے کے بعد وہ غلام یا باندی کثیر مال کو حاصل کر لے تو اس کے مرنے کے بعد اس کا وہ مال اس کے وارثوں میں تقسیم ہو جائے گا، اور اگر اس کا کوئی اصحاب الفروض اور عصبات میں سے وارث موجود نہ ہو، تو پھر اس کا مال اس کے آزاد کرنے والے کو دے دیا جائے گا، اس کو وَلاء کہتے ہیں۔

یہودی کہتے تھے کہ ہم بریرہ کو مکاتبہ کر دیتے ہیں لیکن اس کی وَلاء ہمارے لیے ہوگی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ ان کا وَلاء کی شرط لگانا باطل ہے، اور باطل شرط کا اعتبار نہیں کیا جاتا خواہ اس کی سو مرتبہ بھی شرط لگائی جائے، وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو غلام یا باندی کو آزاد کرتا ہے۔ سو تم یہودیوں سے بریرہ کو خرید لو اور اس کی وَلاء تمہارے لیے ہوگی۔

اس حدیث میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی دوسری خصلت یہ بیان کی گئی ہے کہ جب ان کو آزاد کیا گیا تو وہ حضرت مغیث کے نکاح میں تھیں۔ اور وہ اس وقت غلام تھے تو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ چاہیں تو اس نکاح میں برقرار رہیں اور چاہیں تو اس نکاح کو فسخ کر دیں، اس سے معلوم ہوا کہ جب باندی کو آزاد کیا جائے تو اس کو خیارِ عتق ملتا ہے۔ وہ چاہے تو نکاحِ سابق پر برقرار رہے اور چاہے تو اس کو مسترد کر دے، سو حضرت بریرہ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا تھا اور حضرت مغیث ان کے فراق میں روتے رہتے تھے۔

اور اس حدیث میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی تیسری خصلت یہ بیان کی گئی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے اور آپ کے سامنے ناشتہ پیش کیا گیا اور آپ نے دیکھا کہ پتیلی پر گوشت پک رہا ہے تو آپ نے فرمایا: ہمیں گوشت کیوں نہیں دیتے؟ تو آپ کو بتایا گیا کہ وہ گوشت حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پر صدقہ کیا گیا ہے اور آپ صدقہ نہیں کھاتے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بریرہ پر صدقہ ہے اور جب بریرہ ہم کو وہ گوشت دے گی تو ہمارے لیے وہ ہدیہ ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کی ملکیت کے بدلنے سے وہ چیز بدل جاتی ہے، پہلے وہ گوشت صدقہ تھا، اور جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے وہ گوشت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کر دیا تو اب وہ صدقہ نہیں رہا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت کھانا پسند تھا۔

صحیح البخاری: ۵۴۳۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

گوشت کے سالن کا پسندیدہ ہونا

اس باب میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے قصہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس روٹی لائی گئی اور گھر کا کوئی سالن لایا گیا۔ امام طبری نے کہا ہے کہ اس میں یہ بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانوں میں گوشت کو دوسری چیزوں پر پسند کرتے تھے، جب کہ گوشت میسر ہوتا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ نے اپنے گھر میں دیکھا کہ گوشت پک رہا ہے تو آپ نے فرمایا: کیا میں گوشت کو نہیں دیکھ رہا؟ گھر والوں نے بتایا کہ یہ گوشت حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پر صدقہ کیا گیا ہے، اس میں یہ دلیل ہے کہ جب گوشت کے حصول کا کوئی ذریعہ ہوتا تو آپ گوشت کو ترجیح دیتے تھے، کیونکہ یہ آپ نے اس وقت فرمایا جب آپ کے پاس کوئی اور کھانا پیش کیا گیا۔

نیز حدیث میں ہے: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دنیا اور آخرت میں سالن کا سردار گوشت ہے۔ (المعجم الاوسط للطبرانی ج ۷ ص ۱۷۲، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۵)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک شخص قصابوں کے پاس زیادہ جاتا تھا تو انہوں نے کہا: تم اپنے اموال کو قصابوں پر خرچ کرنے سے گریز کرو، کیونکہ گوشت میں خمر کی طرح نشہ ہوتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے اوپر اپنا دُرّہ اٹھایا۔

حسن بصری نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے عبداللہ کے پاس گئے اور ان کے پاس تازہ گوشت دیکھا تو پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ وہ گوشت ہے جس کی ہم نے خواہش کی تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم جب بھی گوشت کی خواہش کرتے ہو تو گوشت کھاتے ہو، کسی مرد کے اسراف کے لیے کافی ہے کہ وہ ہر اس چیز کو کھائے جس کی وہ خواہش کرتا ہے۔

(کتاب الزہد لامام احمد ص ۱۵۳)

امام طبری نے کہا ہے کہ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گوشت کھانے کو اس لیے ناپسند کیا تھا کہ زیادہ گوشت کھانے سے اس شخص کا مال ختم نہ ہو جائے، لیکن جب وہ تھوڑا گوشت خرید کر کھائے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ دنیا کی پسندیدہ چیزوں میں سے اپنے حصہ کو ترک کر دے تاکہ زُہد برقرار رہے۔

پھر اس کے بعد امام طبری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بکری کا بچہ ذبح کیا اور اس کو بنایا، جب میں نے آپ کے سامنے اس کا بنایا ہوا کھانا رکھا تو آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا: گویا کہ تم کو معلوم ہے کہ ہم گوشت سے محبت کرتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۳، سنن دارمی ج ۱ ص ۱۸۹-۱۹۳، صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۲۶۴-۲۶۵، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۳۶)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۱۹۷-۱۹۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۳۲۔ بَابُ: الْحَلْوَاءِ وَالْعَسَلِ — میٹھی چیز اور شہد کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں میٹھی چیز اور شہد کا ذکر کیا گیا ہے، الاصمعی کے نزدیک ''الحلواء'' مد کے ساتھ ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ مد کے ساتھ بھی ہے اور قصر کے ساتھ بھی۔ ابن سیدہ نے کہا ہے: ہر وہ طعام جس میں مٹھاس ہو، وہ حلواء ہے اور پھلوں کو بھی اس میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۳۱۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن ابراہیم الحنظلی نے حدیث بیان کی از ابو اسامہ از ہشام، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میٹھی چیز اور شہد کو پسند فرماتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۳۱، صحیح مسلم: ۱۴۷۴، سنن ترمذی: ۱۸۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۳۲۳، سنن دارمی: 2075)

صحیح البخاری: ۵۴۳۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حلواء کا لغوی معنی اور اس کا مصداق اور نبی ﷺ کے حلواء کو پسند کرنے کی توجیہ

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ''حلواء'' کے اسم کا اطلاق اس چیز پر کیا جاتا ہے جس میں انسان کے بنانے کا دخل ہو۔ اور ابن سیدہ نے مخصص میں لکھا ہے: جس طعام میں مٹھاس ہو اس کو حلواء کہتے ہیں اور اس کا اطلاق پھلوں پر بھی ہوتا ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ حلواء اور شہد ان پسندیدہ چیزوں میں سے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید کی ان آیتوں میں ہے:

كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (البقرہ: ۱۷۲)

ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں۔

كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ (المومنون)

پاک چیزوں سے کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو، بے شک تم جو بھی کام کرتے ہو میں اس کو خوب جاننے والا ہوں ۝

اور ان آیتوں میں ان فقہاء کے قول کی تقویت ہے جو کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ لذیذ چیزوں کا کھانا مباح ہے، اور اس حدیث کے معنی میں کھانے کی ہر وہ چیز داخل ہے جو کھانے کی لذیذ چیز ہو۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ نبی ﷺ جو میٹھی چیز اور شہد کو پسند فرماتے تھے، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ بہت زیادہ میٹھی چیز کھاتے تھے یا بہت زیادہ شہد کھاتے تھے، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ کے پاس میٹھی چیز یا شہد کو پیش کیا جاتا تو آپ اس کو تناول فرما لیتے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ اس کو پسند فرماتے اور اس سے معلوم ہوا کہ طعام کی مختلف چیزوں کو بنانا جائز ہے اور بعض

متقی لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میٹھی چیز کو بنانا مکروہ ہے، سوا ان چیزوں کے جن میں طبعی مٹھاس ہو جیسے کھجور اور شہد میں ہے۔ اور اس حدیث میں ان کے اس قول کا رد ہے اور اس حدیث میں ان کا بھی رد ہے جن کا یہ زعم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز شہد کا ایک پیالہ پیتے تھے، لیکن جو حلواء بنایا جاتا ہے اس کو آپ نہیں پہچانتے تھے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ حلواء سے مراد فالودہ ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۵۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۹۶، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۳۱ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں جس حلواء کا ذکر ہے، اس سے مراد آج کل کا بنایا ہوا حلوہ نہیں ہے

علامہ ابن المنیر نے کہا ہے کہ اس حدیث میں جو ''الحلواء'' کا ذکر ہے، اس سے وہ حلوہ مراد نہیں ہے جو آج کل معروف ہے، جس کو بہ طور اسراف کے بنایا جاتا ہے اور اس کے اندر بہت زیادہ مفردات ڈالے جاتے ہیں، اس سے مراد میٹھی چیز ہے، خواہ وہ نبیذ تمر ہو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا میٹھی چیز کو اور شہد کو پسند کرنے کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ بہت زیادہ میٹھی چیز کھاتے تھے یا بہت زیادہ شہد پیتے تھے اور آپ کی طبیعت بہت زیادہ میٹھی چیزوں اور شہد کی طرف راغب ہوتی تھی، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ کے سامنے میٹھی چیز کو پیش کیا جاتا یا شہد کو پیش کیا جاتا اور اس کے حصول میں کوئی دشواری نہ ہوتی تو آپ اس کو تناول فرماتے تھے اور اس کے ذائقہ اور مٹھاس کو پسند فرماتے تھے۔

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مختلف قسم کے کھانے بنانے چاہئیں، اور بعض متقی لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں اور میٹھی چیزوں کو کھانے کی اجازت نہیں دیتے، مگر جن میں طبعی مٹھاس ہو جیسے کھجور اور شہد یا دیگر میٹھے پھلوں میں۔

امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں یہ حدیث روایت کی ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی ایک کے پاس حلواء پیش کیا جائے تو اس میں سے کھالے اور اس کو واپس نہ کرے۔ (المعجم الاوسط ج ۷ ص ۱۹۱، شعب الایمان للبیہقی ج ۵ ص ۹۹)

ابو زرعہ نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے۔ (علل الحدیث لابن ابی حاتم، ج ۲ ص ۱۴)

اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ الحلواء اور العسل یعنی میٹھی چیز اور شہد ان پسندیدہ چیزوں میں سے ہیں، جن کے کھانے کو اللہ تعالیٰ نے مباح کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْاؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۝ (المائدہ)

اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو، جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۝

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِؕ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ۝ (الاعراف)

(اے نبی!) آپ کہیے: اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے، اور اس کی دی ہوئی پاک چیزوں کو، آپ کہیے: یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو خصوصاً ان ہی کے لیے۔

ہیں، ہم جاننے والے لوگوں کے لیے اسی طرح تفصیل سے آیتوں
کو بیان کرتے ہیں O

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس تاویل کی صحت پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ شارح علیہ السلام میٹھی چیز اور شہد کو پسند فرماتے تھے اور یہ صالحین اور ابرار کا طعام ہے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے تھے، کیونکہ آپ ان سے محبت کرتے تھے۔ اور اس کے معنی میں ہر وہ چیز داخل ہے جو اس کے مشابہ ہو، کھانے کی دیگر میٹھی چیزیں جیسے کھجور، انگور، انجیر، انار اور دیگر پھل۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۰۴-۲۰۵، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۳۱ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حلواء کو پسند کرنے کی توجیہ اور حلواء کے فوائد

حلواء یعنی میٹھی چیز لذیذ طعام میں سے ہے، کیونکہ اس کی خوشبو بھی لذیذ ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پاکیزہ اور لذیذ چیز کو پسند فرماتے تھے، اور جب کہ انسان ان لذیذ چیزوں کی طرف میلان کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے اندر ان کی طرف رغبت کو پیدا کر دیا۔

میٹھی چیز کا فائدہ یہ ہے کہ یہ سہولت سے ہضم ہوتی ہے اور خون کو صاف کرتی ہے اور شہد کو گرم پانی میں ملا کر پیا جائے تو اس سے بھی خون صاف ہوتا ہے، بہرحال شہد کے بہت فوائد ہیں لیکن ہمارے نزدیک سب سے اہم فائدہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہد کو پسند فرماتے تھے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۷۴، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

بہ کثرت میٹھی چیزیں نہیں کھانی چاہئیں، کیونکہ اس سے شوگر کا خطرہ ہے

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی شرح میں شارحین نے بیان کیا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ کثرت میٹھی چیز کھاتے تھے یا بہ کثرت شہد پیتے تھے، بلکہ اگر آپ کو کبھی حلواء یا میٹھی چیز پیش کی جاتی تو آپ تناول فرما لیتے اور اب جدید میڈیکل سائنس سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ زیادہ میٹھی چیزیں کھانے سے ذیابیطس (یعنی شوگر کا مرض) پیدا ہو جاتا ہے، اس لیے زیادہ میٹھی چیزیں کھانے سے احتراز کرنا چاہیے۔ نیز زیادہ میٹھی چیزیں کھانے سے انسان میں موٹاپا بڑھتا ہے اور اس سے بھی شوگر کا خطرہ ہے اور خصوصاً ذیابیطس کے مریضوں کے لیے تو میٹھی چیزیں اور شہد زہر قاتل ہیں اور قرآن مجید میں جو شہد کو شفاء فرمایا ہے، وہ اس کے لیے فرمایا ہے جسے شوگر کا مرض نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقتِ حال کو جاننے والا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۴۳۲- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ شَيْبَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي الْفُدَيْكِ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كُنْتُ أَلْزَمُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم لِشِبَعِ بَطْنِي حِينَ لَا آكُلُ الْخَمِيرَ وَلَا أَلْبَسُ الْحَرِيرَ وَلَا يَخْدُمُنِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد الرحمن بن شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی الفدیک نے خبر دی از ابن ابی ذئب از المقبری از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ جب میرا پیٹ بھرا ہوتا تھا تو میں نبی

فُلَانٌ وَلَا فُلَانَةُ وَأُلْصِقُ بَطْنِي بِالْحَصْبَاءِ وَأَسْتَقْرِئُ الرَّجُلَ الْآيَةَ وَهِيَ مَعِي كَيْ يَنْقَلِبَ بِي فَيُطْعِمَنِي وَخَيْرُ النَّاسِ لِلْمَسَاكِينِ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ يَنْقَلِبُ بِنَا فَيُطْعِمُنَا مَا كَانَ فِي بَيْتِهِ حَتَّى إِنْ كَانَ لَيُخْرِجُ إِلَيْنَا الْعُكَّةَ لَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ فَنَشْتَقُّهَا فَنَلْعَقُ مَا فِيهَا۔

(صحیح البخاری: ۳۷۰۸)

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لازم رہتا تھا، اس وقت میں خمیری روٹی نہیں کھاتا تھا اور نہ ریشم کے کپڑے پہنتا تھا اور نہ فلاں مرد اور فلاں عورت میری خدمت کرتی تھی، اور میں (بھوک کی شدت سے) اپنے پیٹ پر چھوٹے چھوٹے پتھر باندھ لیتا تھا اور کسی مرد سے میں کوئی آیت پوچھتا، حالانکہ وہ آیت مجھے یاد ہوتی تھی تاکہ وہ مرد مجھے اپنے ساتھ لے جائے اور مجھے کچھ کھلائے۔ اور لوگوں میں سے مساکین کے لیے سب سے بہتر حضرت جعفر بن ابی طالب تھے، وہ ہمیں اپنے ساتھ لے جاتے اور جو کچھ ان کے گھر میں ہوتا ہمیں کھلاتے، حتیٰ کہ بعض اوقات وہ ہمارے پاس ایک چمڑے کی تھیلی لاتے جس میں کچھ بھی نہیں ہوتا تھا، تو ہم اس تھیلی کو چاٹ لیتے تھے تاکہ اس میں جو (شہد یا گھی) ہے، وہ ہم چاٹ لیں۔

صحیح البخاری: ۵۴۳۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فضائل

اس حدیث میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے اور ان کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ ان میں کرم تھا اور تواضع تھی اور وہ مساکین کی حفاظت کرتے تھے اور اپنے گھر میں جو کھانا ہوتا تھا وہ انہیں کھلاتے تھے اور ان کی تکریم کرتے تھے۔

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تھوڑی چیز بھی کسی کو پیش کرنا جائز ہے۔

تنبیہ: علامہ ابن ملقن نے صحیح البخاری: ۵۴۳۲ میں اتنی ہی شرح لکھی ہے اور صحیح البخاری: ۳۷۰۸ کی شرح میں اس حدیث کے مزید فوائد لکھے ہیں۔ اس میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے: ان کا نام ابو عبد اللہ الہاشمی الطیار ہے، یہ ان صحابہ میں سے ہیں جو سابقین اولین تھے اور شہداء قدیم تھے۔ یہ بہت پہلے اسلام لائے تھے اور انہوں نے دو ہجرتیں کی تھیں اور یہ غزوۂ موتہ میں ۸ ھ میں شہید ہو گئے تھے، اس وقت ان کی عمر اکتالیس یا تینتالیس (۴۱ یا ۴۳) سال تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا: تم میری صورت اور سیرت کے مشابہ ہو۔ (صحیح البخاری: ۲۶۹۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو سلام کرتے تھے تو کہتے: "السلام علیک یا ابن ذی الجناحین" "یعنی اے دو پروں والوں کے بیٹے تم کو سلام ہو"۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ جہاد میں ان کے دونوں بازو شہید ہو گئے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے جنت میں ان کے ان دو بازوؤں کے عوض ان کو دو پر عطا فرما دیے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ مساکین کے لیے تمام لوگوں سے بہتر تھے، یعنی سخاوت میں، اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صورت اور سیرت میں اپنے مشابہ فرمایا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۰، ص ۳۱۱-۳۱۲، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۳۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فقر کے بعض احوال

اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں اس وقت ریشم نہیں پہنتا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ریشم کا لباس پہنا ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نہ پہلے کبھی ریشم کا لباس پہنا اور نہ بعد میں۔ اس حدیث میں صرف اس وقت کی صورت حال کا بیان ہے، یا اس سے مراد یہ ہے کہ میں دھاری دار اور رنگین کپڑے نہیں پہنتا تھا اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں اس وقت خمیری روٹی نہیں کھاتا تھا اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ بعد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خمیری روٹی کھائی ہو۔

اور امام ابن سعد نے روایت کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: میں یتیمی میں پروان چڑھا اور میں نے مسکینی میں ہجرت کی اور میں بسرہ بنت غزوان کی مزدوری کرتا تھا، اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مسکینوں سے محبت کرتے تھے اور ان کے پاس بیٹھتے تھے اور ان کے ساتھ باتیں کرتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابو المساکین رکھی تھی۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۵۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۹۲، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۳۲ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کسی شخص سے قرآن مجید کی کسی آیت کو پوچھتے، حالانکہ وہ ان کو یاد ہوتی تھی، تو کیا اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ کوئی شخص علم کو طلب کرے اور اس کا علم کو طلب کرنا علم کی طلب کی وجہ سے نہ ہو بلکہ دنیاوی ضرر کو دور کرنے کے لیے ہو، مثلاً بھوک کے ضرر کو دور کرنے کے لیے ہو جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

اور کیا کوئی انسان اس لیے علم کو طلب کرے کہ وہ اس سے تدریس کر سکے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے علم کو طلب نہیں کیا، کیونکہ وہ خود عالم تھے، بلکہ اس زمانہ میں عادت یہ تھی کہ جب کوئی کسی شخص سے قرآن مجید کی آیت کو معلوم کرتا تو وہ اس شخص کو ساتھ لے جاتا اور اس کے گھر میں جو ہوتا وہ اس کو کھلاتا، اس لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی قرآن مجید کی آیت کا پوچھتے تھے اور ان کا ارادہ اس آیت کو معلوم کرنا نہیں ہوتا تھا اور دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے ایک آیت کو پوچھا، حالانکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کی بہ نسبت اس آیت کو زیادہ جاننے والے تھے۔

رہا یہ کہ کوئی شخص اس لیے علم کو طلب کرے تاکہ اس کو تدریس کے مواقع حاصل ہوں، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۷۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۳۴۔ بَابُ: الدُّبَّاءِ — لوکی یا کدو کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ ہوسکتا ہے کہ امام بخاری نے اس باب کا عنوان اس لیے قائم کیا ہو کہ لوکی میں کچھ ایسی خاصیت ہے جو اسی کے ساتھ مختص ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوکی کو پسند فرماتے تھے۔

امام طبرانی نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم لوکی کو لازم رکھو، کیونکہ یہ دماغ کو تقویت دیتا ہے۔ اور فوایدِ شافعی میں مذکور ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب سالن پکایا جائے اور اس میں لوکی کو زیادہ ڈالا جائے تو وہ غمزدہ دل کو مضبوط کرتا ہے۔

اور ہمارے شیخ نے کہا ہے کہ بعض احادیث میں ہے کہ اس سے عقل میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور امام احمد نے روایت کی ہے کہ لوکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زیادہ پسندیدہ طعام تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۳۳۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا أَزْهَرُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَتَى مَوْلًى لَهُ خَيَّاطًا فَأُتِيَ بِدُبَّاءٍ فَجَعَلَ يَأْكُلُهُ فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّهُ مُنْذُ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَأْكُلُهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ازہر بن سعد نے حدیث بیان کی از ابن عون از ثمامہ بن انس از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آپ کا آزاد شدہ غلام جو درزی تھا، وہ آیا اس کو لوکی کا سالن دیا گیا تھا، آپ اس کو کھا رہے تھے، پس میں اس وقت سے ہمیشہ لوکی سے محبت رکھتا ہوں، جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوکی کھاتے ہوئے دیکھا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۹۲، ۵۳۷۹، ۵۴۲۰، ۵۴۳۳، ۵۴۳۵، ۵۴۳۶، ۵۴۳۷، ۵۴۳۹، صحیح مسلم: ۲۰۴۱، سنن ترمذی: ۱۸۵۰، سنن ابوداؤد: ۳۷۸۲، مسند احمد: ۱۲۳۵۰، موطا امام مالک: ۱۱۶۱، سنن دارمی: ۲۰۵۰)

صحیح البخاری: ۵۴۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کی تخریج

اس حدیث کی سند میں عمرو بن علی بن بحر کا ذکر ہے، یہ ابوحفص الباہلی البصری الصیرفی ہیں، اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں، اور اس کی سند میں ازہر بن سعد الباہلی کا ذکر ہے، اور وہ السمان البصری ہیں، اور اس حدیث کی سند میں ابوعون کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عون ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ثمامہ بن عبداللہ بن انس کا ذکر ہے، وہ اپنے دادا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کی تحقیق

یہ حدیث کتاب الاطعمہ میں اس باب میں گزر چکی ہے: ''جس نے پیالہ کے چاروں طرف ہاتھ ڈالا''۔ اور یہ حدیث ''کتاب البیوع'' میں بھی گزر چکی ہے جس میں درزی کا ذکر ہے۔ اور بعض روایات میں ذکر ہے کہ درزی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، اور آپ کے سامنے روٹی اور سالن پیش کیا جس میں لوکی تھا اور گوشت تھا۔ اور پہلے باب میں ذکر ہے کہ درزی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور اس میں صرف لوکی کا ذکر ہے۔ اور اس باب کی حدیث میں ذکر ہے کہ آپ کا آزاد کردہ غلام درزی تھا، اور ان روایات میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ ثقہ راوی جو حدیث کے الفاظ میں اضافہ کرے تو اس کا اضافہ مقبول ہوتا ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حدیث کو لکھتے تھے اور بعض اوقات راوی لکھتے وقت کوئی کلمہ بھول جاتا تھا یا چھوڑ دیتا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن کی شرح میں بھی اس حدیث کی تحقیق ہے جو ہم نے علامہ عینی سے ذکر کی ہے، لیکن علامہ عینی کی تحقیق زیادہ ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۰۷، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۳۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لوکی کے متعلق ایک اور حدیث کا تذکرہ

امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ نے از حکیم بن جابر از والد خود روایت کی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہوا اور آپ کے پاس لوکی تھا۔ میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ ''القرع'' ہے یعنی لوکی۔ ہم اس کے ساتھ سالن کو زیادہ کرتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۵۹، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۹۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۴۔ بَابُ: الرَّجُلِ يَتَكَلَّفُ الطَّعَامَ لِإِخْوَانِهِ

مرد اپنے بھائیوں کی ضیافت کے لیے تکلف سے کھانا تیار کرے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائیوں کی ضیافت کے لیے تکلف سے کھانا تیار کرے، علامہ کرمانی نے ذکر کیا ہے کہ تکلف کی وجہ یہ ہے کہ اس باب کی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جن لوگوں کو دعوت دی گئی تھی ان کا عدد محصور ہے اور حاصر متکلف ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس کی وجہ یہ ہے کہ دعوت دینے والے نے اپنے نفس کے اوپر ایک عددِ معین کو لازم کر لیا تھا اور یہ تکلف ہے جو زیادتی اور کمی دونوں کی گنجائش رکھتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۳۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ كَانَ مِنَ الْأَنْصَارِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ أَبُو شُعَيْبٍ وَكَانَ لَهُ غُلَامٌ لَحَّامٌ فَقَالَ اصْنَعْ لِي طَعَامًا أَدْعُو رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم خَامِسَ خَمْسَةٍ فَدَعَا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم خَامِسَ خَمْسَةٍ فَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّكَ دَعَوْتَنَا خَامِسَ خَمْسَةٍ وَهَذَا رَجُلٌ قَدْ تَبِعَنَا فَإِنْ شِئْتَ أَذِنْتَ لَهُ وَإِنْ شِئْتَ تَرَكْتَهُ قَالَ بَلْ أَذِنْتُ لَهُ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ يَقُولُ إِذَا كَانَ الْقَوْمُ عَلَى الْمَائِدَةِ لَيْسَ لَهُمْ أَنْ يُنَاوِلُوا مِنْ مَائِدَةٍ إِلَى مَائِدَةٍ أُخْرَى وَلَكِنْ يُنَاوِلُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِي تِلْكَ الْمَائِدَةِ أَوْ يَدَعُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی وائل از حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: کہ انصار میں سے ایک مرد تھا جس کو ابو شعیب کہا جاتا تھا اور اس کا ایک غلام تھا جو گوشت فروخت کرتا تھا، اس نے کہا: میرے لیے کھانا بناؤ، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دوں گا، جو پانچ میں سے پانچویں ہوں گے، پھر ایک اور مرد بھی ان کے ساتھ مل گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے ہم پانچ مردوں کو دعوت دی تھی اور یہ مرد بھی ہمارے ساتھ آ گیا، اگر تم چاہو تو تم اس کو اجازت دو، اور اگر تم چاہو تو اس کو چھوڑ دو، تو حضرت ابو شعیب نے کہا: بلکہ میں اس کو بھی اجازت دیتا ہوں۔

محمد بن یوسف (حدیث مذکور کے راوی) نے بیان کیا کہ میں نے امام محمد بن اسماعیل سے سنا، وہ کہتے تھے: جب لوگ دستر خوان پر بیٹھے ہوں، تو ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک دستر خوان سے کوئی چیز اٹھا کر دوسرے دستر خوان پر رکھیں، لیکن وہ اس دستر خوان سے ایک دوسرے کو کھلائیں یا چھوڑ دیں۔

(صحیح البخاری: ۲۰۸۱، ۲۴۵۶، ۵۴۳۴، ۵۴۶۱، صحیح مسلم: ۲۰۳۶، سنن ترمذی: ۱۰۹۹، مسند احمد: ۱۶۶۳۶)

صحیح البخاری: ۵۴۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن یوسف کا ذکر ہے، یہ ابو احمد بخاری بیکندی ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، یہ ابن عُیینہ ہیں۔ اور اس حدیث میں الاعمش کا ذکر ہے، یہ سلیمان ہیں۔ اور ابو وائل کا ذکر ہے، یہ شقیق بن سلمہ ہیں، اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ حضرت عقبہ بن عمرو الانصاری البدری ہیں (یعنی بدری صحابی ہیں)۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں لحام کا ذکر ہے، یعنی گوشت بیچنے والا، اور کتاب البیوع میں یہ حدیث اس باب میں گزر چکی ہے: "باب ما قیل فی اللحام والجزار"۔

خامس خمسۃ: اس کا معنی یہ ہے کہ چار مردوں کو دعوت دو اور ان میں سے پانچویں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ کہا جاتا ہے: ''خامس اربعۃ وخامس خمسۃ'' دونوں لفظوں کا ایک ہی معنی ہے۔

بن بلائے مہمان کے متعدد نام

ان کے ساتھ ایک مرد بھی شامل ہو گیا جس کو دعوت نہیں دی گئی تھی، ایسے شخص کو طُفیلی کہا جاتا ہے۔ یہ اہلِ کوفہ کے ایک مرد کی طرف منسوب ہیں، جن کا نام طُفیل تھا۔ یہ بنو عبداللہ بن غطفان سے تھے۔ یہ ولیموں اور دعوتوں میں بن بلائے چلے جاتے تھے، اوران کو طفیل الاعراس کہا جاتا تھا۔ اور یہ لفظ اس معنی میں مشہور ہو گیا۔ اور طُفیل کے بعد جو بھی بن بلائے کسی دعوت میں جاتا اس کو طُفیلی کہا جاتا۔ اور عرب ایسے شخص کو الوارش کہتے تھے، اس کا معنی ہے: جو شخص کہیں کھانا کھانے کے لیے جائے اور اس کو بلایا نہ گیا ہو۔ اور جو شخص کہیں مشروبات پینے کے لیے گیا ہو، اور اس کو بلایا نہ گیا ہو، اس کو ''الواغل'' کہتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ مرد ہمارے ساتھ آ گیا ہے۔ اگر تم چاہو تو اس کو اجازت دو، اور اگر چاہو تو چھوڑ دو۔ انہوں نے کہا: بلکہ میں اس کو اجازت دیتا ہوں، اور جریر کی روایت میں ہے: یارسول اللہ آپ اس کو اجازت دے دیں، اور دوسری روایت میں ہے: ہم نے اس کو اجازت دے دی، پس یہ بھی داخل ہو جائے۔

حدیث مذکور کے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ساتھ تعارض کے جوابات

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اجازت دو تو یہ بھی ساتھ چلا آئے، اور دوسری صحیح حدیث میں ہے کہ جب حضرت ابوطلحہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی تو آپ نے تمام حاضرین سے کہا کہ چلو ابو طلحہ کے گھر، اور وہاں آپ نے اجازت طلب نہیں کی۔ اس کے تعارض کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ اگر آپ اپنے ساتھ حاضرین کو بھی لے گئے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اس پر راضی رہیں گے، اور حضرت ابو شعیب کی رضا کا آپ کو علم نہیں تھا، اس لیے آپ نے فرمایا: تم اگر اجازت دو تو اس شخص کو بھی ساتھ لے چلیں۔

(۲) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی دعوت میں جو حاضرین نے کھایا، یہ معجزہ تھا، کیونکہ انہوں نے تو بہت تھوڑا کھانا تیار کیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں برکت ڈال کر اس کو زیادہ کر دیا، تو گویا اس زیادہ کھانے میں حضرت ابوطلحہ کی ملکیت کا دخل نہیں تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کو اس کھانے میں سے کھلایا، جس کھانے کے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مالک نہیں تھے، تو ان سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔

(۳) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند روٹیاں لے کر مسجد میں آئے تھے، تا کہ آپ ان روٹیوں کو لے لیں، آپ نے ان روٹیوں کو قبول فرما لیا، اور یہ روٹیاں آپ کی مِلک ہو گئیں۔ تو جو چیز آپ کی ملکیت میں تھی، اس کے لیے آپ کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں تھی۔

محمد بن یوسف کی تعلیق کی شرح

اس کے بعد امام بخاری نے محمد بن یوسف کی تعلیق درج کی ہے، اور امام بخاری نے اس کلام میں جو عبارت ذکر کی ہے، وہ ان

کا اپنا کلام ہے جس کو امام بخاری نے اس حدیث سے مستنبط کیا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کے لیے اجازت طلب کی جو آکر مل گیا تھا، اس سے امام بخاری نے یہ استنباط کیا کہ جن کو کھانے کی دعوت دی گئی ہو، ان میں تصرف کرنا جائز ہے۔ اور جن کو کھانے کی دعوت نہیں دی گئی، ان میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۴-۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۳۴ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دوستوں کی ضیافت میں اعتدال

اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ مرد اپنے دوستوں اور بھائیوں کی ضیافت میں تکلف کرے، انسان کو چاہیے کہ جب وہ کسی کی ضیافت کرے تو اس میں مناسب طعام مہیا کرے، بایں طور کہ عام گھر کا کھانا نہ ہو بلکہ ان کے لیے مخصوص کھانا تیار کرائے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اس کی مقدار اور کیفیت میں اسراف نہیں ہونا چاہیے۔

سوال: حدیث میں ہے کہ جو لوگ سونا اور چاندی دنیا میں استعمال کرتے ہیں، تو یہ کفار کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں۔ تو اگر کوئی مومن صالح سونا اور چاندی سے خدمت طلب کرتا ہے، تو کیا آخرت میں وہ سونے اور چاندی سے محروم ہو جائے گا؟

الجواب: ریشم اور خمر کے متعلق یہ وارد ہے کہ جو دنیا میں اس کو استعمال کرے گا تو وہ آخرت میں ریشم کو استعمال نہیں کرے گا اور جو دنیا میں خمر کو پئے گا وہ آخرت میں خمر کو نہیں پئے گا خواہ وہ مومن ہو، لیکن اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا اس کا جنت میں دخول ہو گا یا نہیں؟ کیونکہ جب وہ جنت میں داخل ہو گا تو عنقریب وہ ریشم بھی پہنے گا اور خمر بھی پئے گا، یا اس کا معنی ہے کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد بھی ایک مدت تک جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقرر ہو گی، وہ ان نعمتوں سے محروم رہے گا۔
(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۷۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۵- بَابٌ: مَنْ أَضَافَ رَجُلًا إِلَى طَعَامٍ وَأَقْبَلَ هُوَ عَلَى عَمَلِهِ

جس شخص نے کسی مرد کو کھانے کی دعوت دی اور وہ اپنے کام میں لگ گیا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی ضیافت کرے، تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ بھی مہمان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو، بلکہ مہمان کو کھانا دے کر خود اپنے کام کاج میں لگ جائے تو یہ جائز ہے۔

۵۴۳۵- حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ سَمِعَ النَّضْرَ أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا أَمْشِي مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَدَخَلَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى غُلَامٍ لَهُ خَيَّاطٍ فَأَتَاهُ بِقَصْعَةٍ فِيهَا طَعَامٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد اللہ بن منیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے النضر سے سنا، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عون نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ثمامہ بن عبد اللہ بن انس نے خبر دی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نوعمر لڑکا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا،

وَعَلَيْهِ دُبَّاءٌ فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ قَالَ فَلَمَّا رَأَيْتُ ذَلِكَ جَعَلْتُ أَجْمَعُهُ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ فَأَقْبَلَ الْغُلَامُ عَلَى عَمَلِهِ قَالَ أَنَسٌ لَا أَزَالُ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ بَعْدَ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَنَعَ مَا صَنَعَ.

پس رسول اللہ ﷺ اپنے ایک غلام کے پاس گئے جو درزی تھا، وہ آپ کے پاس ایک پیالہ لے کر آیا جس میں طعام تھا اور اس کے اوپر لوکی (کدو) کے قتلے تھے، پس رسول اللہ ﷺ لوکی کے قتلوں کو تلاش کر رہے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے دیکھا تو میں لوکی کے قتلوں کو جمع کر کے رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھنے لگا اور وہ غلام اپنے کام پر چلا گیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب سے میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ لوکی کے قتلوں کو تلاش کر رہے تھے، اس وقت سے میں لوکی کے قتلوں سے محبت رکھتا ہوں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۹۲ میں گزر چکی ہے اور اس کی مفصل تخریج صحیح البخاری: ۵۴۳۳ میں گزر چکی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۴۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ درزی غلام نبی ﷺ کے سامنے پیالہ رکھ کر اپنے کام میں مشغول ہو گیا اور نبی ﷺ اس میں سے لوکی کے قتلے تلاش کر کے کھا رہے تھے اور غلام اپنا کام کر رہا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ میزبان کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ مہمان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: میرے علم میں یہ نہیں ہے کہ میزبان کے لیے یہ شرط ہو کہ وہ مہمان کے ساتھ بیٹھ کر کھائے، مگر یہ کشادہ روئی کے لیے مستحسن ہے، تو جس نے مہمان کی دلجوئی کے لیے اس کے ساتھ شرکت کی تو یہ بہتر ہے اور جس نے شرکت نہیں کی تو یہ بھی جائز ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبد اللہ بن منیر کا ذکر ہے، یہ انارۃ کے باب سے اسم فاعل ہے، اور نسخہ میں نون پر زبر ہے اور [illegible] ساکن ہے، یہ ابن شمیل ہیں اور یہ عبد اللہ بن عون سے روایت کرتے ہیں، اور ثمامہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں، ان کا ذکر بھی گزر چکا ہے اور اس حدیث کی شرح باب الثرید میں کی جا چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۵-۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۳۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ میزبان، مہمان کے سامنے کھانا پیش کر دے اور خود اس کے ساتھ نہ کھائے تو یہ جائز ہے، اور یہ

مہمان کے ساتھ بے ادبی نہیں ہے اور نہ اس کے ساتھ اخلاقِ کریمانہ کے منافی ہے، کیونکہ ایسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا گیا اور اگر اس میں اخلاق کے خلاف کوئی بات ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرما دیتے، کیونکہ آپ عمدہ اخلاق کے لیے مُعلّم ہیں، سو جس نے مہمان کے ساتھ کھایا تو اس نے اس کے ساتھ نیکی کی، اور جس نے اس کو ترک کر دیا تو اس کی بھی گنجائش ہے اور عنقریب کتاب الادب میں یہ حدیث آئے گی کہ مہمان نے اپنے اصحاب سے کہا: میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک تم بھی نہ کھاؤ، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ وہ مہمانوں کو کھلائیں، اور پہلے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مہمانوں کے ساتھ نہیں کھایا تھا لیکن جب انہوں نے اس کھانے میں برکت دیکھی تو پھر انہوں نے بھی مہمانوں کے ساتھ کھانا کھایا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۰۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۳۶۔ بَابُ: الْمَرَقِ — شوربہ کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں شوربہ کا ذکر کیا جائے گا، اور امام بخاری نے اس باب کے عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے، کہ شوربہ والے سالن کو گاڑھے اور بھنے ہوئے سالن پر فضیلت ہے، اسی لیے سلف صالحین شوربہ والا کھانا کھاتے تھے۔

شوربہ زیادہ بنانے کی فضیلت میں احادیث

صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم پتیلی کے اندر سالن پکاؤ تو اس میں شوربہ زیادہ کرو، اور اس حدیث میں یہ بھی ذکر ہے کہ اپنے پڑوسی کو بھی کھلاؤ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے توسّع کے قصد سے شوربہ زیادہ کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ گھر والوں کو بھی اور فقراء کو بھی۔

اور اس حدیث میں امر استحباب پر محمول ہے۔ اور امام ترمذی نے علقمہ بن عبد اللہ المزنی کی از والد خود روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص گوشت کو خریدے تو اس میں شوربہ زیادہ رکھے، کیونکہ اگر کسی شخص کو گوشت نہیں ملے گا تو وہ شوربہ سے کھانا کھالے گا اور شوربہ بھی دو گوشتوں میں سے ایک گوشت ہے۔

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم گوشت خریدو یا پتیلی میں گوشت پکاؤ تو اس میں شوربہ زیادہ رکھو، اور اس میں سے اپنے پڑوسی کو بھی کھلاؤ۔

۵۴۳۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ أَنَّ خَيَّاطًا دَعَا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لِطَعَامٍ صَنَعَهُ فَذَهَبْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَرَّبَ خُبْزَ شَعِيرٍ وَمَرَقًا فِيهِ دُبَّاءٌ وَقَدِيدٌ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَتَتَبَّعُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مَسلمہ نے حدیث بیان کی از مالک از اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا کہ ایک درزی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طعام کی دعوت کی جو اس نے تیار کیا تھا، پس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیا، اس نے آپ کے آگے جو کی

الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالَيِ الْقَصْعَةِ فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ بَعْدَ يَوْمِئِذٍ۔

روٹی اور شوربہ رکھا، جس میں لوکی (کدو) کے قتلے تھے اور گوشت تھا، پس میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیالہ کے چاروں طرف سے لوکی کے قتلے تلاش کر رہے تھے، پس اس دن کے بعد سے میں لوکی کے قتلوں سے محبت رکھتا ہوں۔

اس حدیث کی تخریج صحیح البخاری: ۵۴۳۳، میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیالہ کے اطراف سے کسی چیز کو تلاش کر کے کھانا جائز ہے، اور اس حدیث کی شرح اس باب میں گزر چکی ہے کہ "جس نے پیالہ کے اطراف سے تلاش کیا"۔

صحیح البخاری: ۵۴۳۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

گوشت اور شوربہ کے متعلق احادیث

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کسی شخص کو کوئی اچھی چیز نہ ملے، تو وہ اپنے بھائی سے کشادہ روئی اور اچھے اخلاق سے ملے، اور جب تم گوشت خریدو یا گوشت دیگچی میں پکاؤ تو اس میں شوربہ زیادہ کرو اور اپنے پڑوسی کو بھی اس گوشت میں سے کھلاؤ۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۸۳۳، صحیح مسلم: ۲۶۲۵، ۲۶۲۶)

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم پتیلی میں سالن پکاؤ تو شوربہ زیادہ رکھو۔

(صحیح مسلم: ۲۶۲۵، کتاب البر والصلہ، باب الوصیۃ بالجار والاحسان الیہ)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۱۰، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۳۷۔ بَابُ: الْقَدِيْدِ — خشک گوشت کا بیان

اس باب میں گوشت کا ذکر کیا جائے گا، اور امام بخاری نے اس حدیث کے عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ خشک گوشت کو کھانا بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کے طعام میں سے ہے۔

۵۴۳۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی الله علیه وسلم أُتِيَ بِمَرَقَةٍ فِيهَا دُبَّاءٌ وَقَدِيدٌ فَرَأَيْتُهُ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ يَأْكُلُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک بن انس نے حدیث بیان کی از اسحاق بن عبداللہ، از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شوربہ لایا گیا جس میں لوکی (کدو) کے قتلے اور خشک گوشت تھا، سو میں نے دیکھا کہ آپ لوکی کے قتلوں کو تلاش کر کے کھا رہے تھے۔

اس حدیث کی تخریج صحیح البخاری: ۵۴۳۳ میں گزر چکی ہے۔

اوراس حدیث کی شرح بھی اس سے پہلے ابواب میں گزر چکی ہے۔

۵۴۳۸۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَابِسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ مَا فَعَلَهُ إِلَّا فِي عَامٍ جَاعَ النَّاسُ أَرَادَ أَنْ يُطْعِمَ الْغَنِيُّ الْفَقِيرَ وَإِنْ كُنَّا لَنَرْفَعُ الْكُرَاعَ بَعْدَ خَمْسَ عَشْرَةَ وَمَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ خُبْزِ بُرٍّ مَأْدُومٍ ثَلَاثًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبدالرحمن بن عابس از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے سے نہیں منع فرمایا)، مگر جس سال لوگ زیادہ تعداد میں بھوکے تھے، اس سال یہ حکم دیا تھا۔ اور آپ کا ارادہ یہ تھا کہ خوشحال لوگ فُقراء کو کھلائیں (کیونکہ اس سال قحط کی وجہ سے لوگ فاقوں میں مبتلا تھے)، اور ہم تو بکری کے پائے محفوظ کر کے رکھ لیتے تھے اور پندرہ دن بعد تک کھاتے رہتے تھے، اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل نے کبھی گندم کی روٹی سالن کے ساتھ مسلسل تین دن تک نہیں کھائی۔

(صحیح البخاری: ۵۴۲۳، ۵۴۳۸، ۵۵۷۰، ۶۶۸۷، صحیح مسلم: ۲۹۷۰، سنن نسائی: ۴۴۳۲، سنن ابن ماجہ: ۳۳۴۴، مسند احمد: ۲۴۶۳۱)

صحیح البخاری: ۵۴۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صرف اس سال کیا تھا جب زیادہ لوگ بھوکے تھے، یعنی پہلے اس باب میں گزر چکا ہے کہ سلف صالحین گوشت کو خشک کر کے ذخیرہ کرتے تھے، تو راوی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن کے بعد گوشت کو جمع کر کے رکھنے سے منع فرمایا تھا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس سال منع فرمایا تھا جس سال زیادہ لوگ بھوکے تھے، تا کہ لوگ گوشت کو خشک کر کے جمع کر کے نہ رکھیں بلکہ خوش حال لوگ ضرورت مندوں کو کھلائیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

پہلے زمانہ میں گوشت کو محفوظ رکھنے کا یہی طریقہ تھا کہ گوشت کو دھوپ میں سکھا کر خشک کر کے محفوظ کر لیتے تھے تا کہ گوشت زیادہ دیر تک صحیح حالت میں رہے، ایسے گوشت کو عربی میں قدید کہتے ہیں۔ اور گاؤں اور دیہاتوں میں اب بھی اس طریقہ سے گوشت کو محفوظ کر کے رکھا جاتا ہے اور چونکہ یہ ترقی یافتہ دور ہے اور خوشحالی کا زمانہ ہے اس لیے اب لوگوں کے پاس ڈیپ فریزرز ہیں جن میں وہ گوشت کو رکھ لیتے ہیں اور اس کو سکھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لوگ کئی کئی بکروں کی قربانی کرتے ہیں اور ڈیپ فریزرز میں گوشت محفوظ کر کے مہینوں تک کھاتے رہتے ہیں۔ تاہم اس سے گوشت کی افادیت کم ہو جاتی ہے، بہتر یہ ہے کہ تھوڑا بہت گوشت جمع کر کے رکھ لیا جائے اور باقی گوشت کو صدقہ اور خیرات کر دیا جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۳۸۔ بَابُ: مَنْ نَاوَلَ أَوْ قَدَّمَ إِلَى صَاحِبِهِ عَلَى الْمَائِدَةِ شَيْئًا

جس نے دستر خوان کے اوپر سے (کھانے کی) کوئی چیز اٹھائی یا اپنے صاحب کی طرف بڑھائی، اس کا حکم

قَالَ وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ لَا بَأْسَ أَنْ يُنَاوِلَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَلَا يُنَاوِلُ مِنْ هٰذِهِ الْمَائِدَةِ إِلَى مَائِدَةٍ أُخْرَى

امام بخاری نے کہا: ابن المبارک نے بیان کیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو کوئی چیز دے اور اس دستر خوان (یعنی جس دستر خوان سے خود کھا رہا ہے) سے دوسرے دستر خوان کی طرف کوئی چیز نہ دے۔

امام بخاری کی تعلیق مذکور کی شرح

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی عبداللہ بن المبارک المروزی نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ایک دستر خوان سے ایک دوسرے کو کھانے کی کوئی چیز دے، کیونکہ جو طعام ان کی طرف پیش کیا گیا ہے، اس میں سب کھانے والے معین ہیں اور شریک ہیں، پس جب کوئی شخص اپنا حصہ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے کسی صاحب کو دے تو گویا کہ اس نے اپنا حصہ دیا جس میں دوسرے بھی شریک تھے، اور ایک دستر خوان سے دوسرے دستر خوان میں سے نکال کر دینا اس لیے ممنوع ہے کہ اس میں دوسرے دستر خوان والوں کی مشارکت نہیں ہے، جس میں پہلے دستر خوان والے شریک تھے۔ اور جو اٹھا کر دے رہا ہے اس کا اگرچہ اپنے سامنے والی چیزوں میں حق ہے، لیکن اس کا دوسرے دستر خوان والوں کی چیزوں میں حق نہیں ہے، کیونکہ دوسرے دستر خوان میں اس کی شرکت نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۳۹۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ إِنَّ خَيَّاطًا دَعَا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِطَعَامٍ صَنَعَهُ قَالَ أَنَسٌ فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى ذٰلِكَ الطَّعَامِ فَقَرَّبَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم خُبْزًا مِنْ شَعِيرٍ وَمَرَقًا فِيهِ دُبَّاءٌ وَقَدِيدٌ قَالَ أَنَسٌ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوْلِ الصَّحْفَةِ فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمِئِذٍ وَقَالَ ثُمَامَةُ عَنْ أَنَسٍ فَجَعَلْتُ أَجْمَعُ الدُّبَّاءَ بَيْنَ يَدَيْهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک درزی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کھانے کی دعوت دی، جو اس نے تیار کیا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: سو میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کھانے کی طرف گیا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو کی روٹی اور شوربہ پیش کیا جس میں لوکی یا کدو تھا اور خشک گوشت تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پس میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پیالہ کے چاروں طرف سے لوکی کے قتلے تلاش کر رہے تھے۔ پس اس دن سے میں بھی ہمیشہ لوکی سے محبت کرتا ہوں اور

ثمامہ نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں لوکی کے قتلے تلاش کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھ رہا تھا۔

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جو صحیح البخاری: ۵۴۳۳ میں گزر چکی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۴۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک دستر خوان سے کھانے کی کوئی چیز اٹھا کر دوسرے شریک کو دینے کا جواز، اور دوسرے دستر خوان سے اٹھا کر کوئی چیز دینے کی ممانعت

یہ حدیث اس سے پہلے ''باب المرق'' میں گزر چکی ہے، وہاں امام بخاری نے اس حدیث کی عبداللہ بن المبارک اور یہاں پر اس حدیث کی اسماعیل بن ابی اویس از امام مالک روایت کی ہے اور چاہیے تھا کہ اس حدیث کو بھی وہیں ذکر کرتے، اور یہاں اس حدیث کو لانے کی کوئی وجہ نہیں اور بعض شارحین نے اس کی مطابقت بیان کرنے میں تکلف کیا اور کہا: اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ ایک برتن سے اٹھا کر دوسرے برتن میں رکھے یا ایک برتن سے اٹھا کر دوسرے برتن میں ملائے جس سے وہ کھا رہا ہے، علامہ عینی اس کا رد فرماتے ہیں، اس مطابقت میں بہت بُعد ہے، کیونکہ جس برتن سے وہ کھا رہا ہے، اس میں اس کا حق ہے جس میں دوسرے شرکاء بھی مشترک ہیں، اس کے برخلاف دوسرے برتن میں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۷-۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۹۔ بَابُ: الرُّطَبِ بِالْقِثَّاءِ

تازہ کھجوروں کو ککڑی کے ساتھ کھانا

یعنی تازہ کھجوروں کو ککڑی کے ساتھ ملا کر کھانا۔

۵۴۴۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہما قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَأْكُلُ الرُّطَبَ بِالْقِثَّاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از والد خود از عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تازہ کھجوروں کو ککڑی کے ساتھ ملا کر کھا رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۴۰، ۵۴۴۷، ۵۴۴۹، صحیح مسلم: ۲۰۴۳، سنن ترمذی: ۱۸۴۴، سنن ابوداؤد: ۳۸۳۵، سنن ابن ماجہ: ۳۳۲۵، مسند احمد: ۱۷۴۳، سنن دارمی: ۲۰۵۸)

صحیح البخاری: ۵۴۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن سعد کا ذکر ہے، جو اپنے والد سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کرتے ہیں جو صغارِ تابعین سے ہیں۔ اور اس کی سند میں عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے، یہ صغار صحابہ میں سے ہیں۔ یہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے حبشہ کی سرزمین میں پیدا ہوئے تھے اور یہ پہلے بچے ہیں جو سرزمین حبشہ میں اسلام میں پیدا ہوئے اور یہ اپنے والد کے ساتھ مدینہ منورہ آئے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد رکھیں اور روایت کیں اور یہ مدینہ میں ۸۰ ھ میں فوت ہوئے، اس وقت ان کی عمر ۹۰ سال تھی۔ ان کی نمازِ جنازہ ابان بن عثمان نے پڑھائی اور وہ اس وقت مدینہ کے گورنر تھے، ان کو بحر الجود کہا جاتا تھا، کہا جاتا ہے کہ اسلام میں ان سے زیادہ سخی کوئی نہیں تھا۔

باب مذکور کی مناسب دیگر روایات

امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب ککڑی تھی اور بائیں جانب تازہ کھجور تھی، اور کبھی آپ ایک طرف سے ککڑی کھاتے اور دوسری طرف سے تازہ کھجور کھاتے، اس حدیث کی سند میں اصرم بن حوشب ہے، اور وہ بہت ضعیف ہے اور اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ بائیں ہاتھ سے کھا رہے تھے، کیونکہ آپ دائیں ہاتھ سے بائیں جانب سے اٹھا کر تازہ کھجور کھا رہے تھے اور اس کو ککڑی کے ساتھ ملا کر کھاتے جو دائیں جانب تھی اور اس سے کوئی مانع نہیں ہے۔

تازہ کھجور اور ککڑی کو ملا کر کھانے کی حکمت

تازہ کھجور کو ککڑی کے ساتھ ملا کر کھانے کی حکمت یہ ہے کہ کھجور کی گرمی کو ککڑی کی ٹھنڈک ختم کر دیتی ہے۔

ابوالشیخ ابن حبان نے کتاب اخلاق رسول اللہ میں اپنی سند سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خربوزہ کو تازہ کھجوروں کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے اور ککڑی کو نمک کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے، لیکن دوسرے محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۴۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ککڑی کو تازہ کھجوروں کے ساتھ ملا کر کھانے کے دو معنی ہیں:

ایک یہ ہے کہ تازہ کھجوروں کو اس کی ضد کے ساتھ ملا کر کھایا جائے، کیونکہ ککڑی تر اور سرد تر ہے اور کھجور گرم اور خشک ہے، پس یہ دونوں مل کر معتدل ہو جائیں۔

اور دوسرا معنی یہ ہے کہ کھانے کی چیزوں میں توسّع کو اختیار کیا جائے اور جو چیز لذیذ اور مباح ہو، اسے کھایا جائے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ جو طعام گرم ہو اس کو سرد طعام کے ساتھ ملا کر کھایا جائے تاکہ اعتدال ہو جائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تازہ کھجوروں کو ککڑی کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے، اور کبھی آپ تازہ کھجوروں کو خربوزہ کے ساتھ ملا کر بھی کھاتے تھے۔ (التوضیح شرح

الجامع الصحیح ج ۲۶، ۲۱۳-۲۱۴، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ،قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: دیگر شارحین نے بھی اس حدیث کی اسی طرح شرح کی ہے۔

۴۰۔ باب

باب

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور کا کوئی عنوان نہ بنانے کی توجیہ

امام بخاری نے اس باب کا کوئی عنوان نہیں بنایا ہے، اور امام بخاری کی عادت یہ ہے کہ اس قسم کے باب کو پہلے باب سے بطور فصل لاتے ہیں اور جو باب ذکر کیا گیا ہے، یہ پہلے باب کے ساتھ کسی مناسبت کی وجہ سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ اور یہاں کوئی مناسبت نہیں ہے، کیونکہ اس سے پہلے باب میں ککڑی اور تازہ کھجوروں کو ساتھ ملا کر کھانے کا ذکر تھا۔ اور اس باب کی حدیث میں رات کے تین حصے کر کے جاگنے کا ذکر ہے، اس لیے اسماعیلی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کی حدیثِ سابق کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں اس باب کا عنوان ہے "ردّی کھجور"۔ کیونکہ اس باب کی حدیث میں ردّی کھجور کا ذکر ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری نے اس باب کا عنوان کھجور بنایا تھا، پھر اس کو چھوڑ دیا، یا تو وہ بھول گئے یا اس کی دوبارہ تلافی نہیں کر سکے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صحیح بخاری کا نسخہ نقل کرنے والے نے اس لفظ کو چھوڑ دیا ہو۔

۵۴۴۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَبَّاسٍ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ تَضَيَّفْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ سَبْعًا فَكَانَ هُوَ وَامْرَأَتُهُ وَخَادِمُهُ يَعْتَقِبُونَ اللَّيْلَ أَثْلَاثًا يُصَلِّي هَذَا ثُمَّ يُوقِظُ هَذَا وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ قَسَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَ أَصْحَابِهِ تَمْرًا فَأَصَابَنِي سَبْعُ تَمَرَاتٍ إِحْدَاهُنَّ حَشَفَةٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از عباس الجریری از ابی عثمان، انہوں نے کہا: میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہاں سات دن مہمان رہا، وہاں حضرت ابو ہریرہ تھے اور ان کی بیوی تھی اور ان کے خادم تھے، ان تینوں نے رات کے تین حصے کر کے جاگنے کی تقسیم کر لی تھی۔ پہلے ایک نماز پڑھتا پھر وہ دوسرے کو جگا دیتا، اور ابو عثمان نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب میں کھجوریں تقسیم کیں، سو مجھ کو بھی سات کھجوریں ملیں، ان میں سے ایک کھجور بہت سخت تھی یا خراب تھی۔

(صحیح البخاری: ۵۴۴۱ و ۵۴۴۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۵۷، مسند احمد: ۹۱۰۹)

صحیح البخاری: ۵۴۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: ''تضیفت'' یعنی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہاں سات راتیں مہمان ٹھہرا، علامہ کرمانی نے اس کی شرح میں لکھا ہے: یعنی ایک ہفتہ مہمان ٹھہرا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''وہاں ان کی بیوی تھیں''، ان کا نام حضرت بُسریٰ ہے، باء پر پیش اور سین پر جزم ہے، یہ بنت غزوان صحابیہ ہیں۔ اور حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ بُسریٰ بنت غزوان کے ہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مزدوری کرتے تھے، پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا اور میں نے کسی اور کو نہیں دیکھا جس نے اس بات کا ذکر کیا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''یعتقبون اثلاثا''، یعنی انہوں نے رات کے تین حصے کر لیے تھے اور ہر ایک رات کو باری باری اٹھ کر رات میں عبادت کرتا تھا اور نماز پڑھتا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ان کھجوروں میں ایک ''حشفه'' تھی۔ یعنی وہ ردّی کھجور تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ایسی کھجور تھی جس میں گٹھلی نہیں تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات کھجوریں دیں اور ان میں ایک سخت کھجور تھی، جس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بہت زیادہ چبا چبا کر اور منہ میں گھلا کر کھایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبوب کی طرف سے جو چیز بھی ملے، اس کو خوشی سے قبول کرنا چاہیے اور ناپسند نہیں کرنا چاہیے۔

نیز یہ حدیث صحیح البخاری: ۵۴۱۱ میں گزر چکی ہے۔

۵۴۴۱ (م)۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَسَمَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَنَا تَمْرًا فَأَصَابَنِي مِنْهُ خَمْسٌ أَرْبَعُ تَمَرَاتٍ وَحَشَفَةٌ ثُمَّ رَأَيْتُ الْحَشَفَةَ هِيَ أَشَدُّهُنَّ لِضِرْسِي۔

(م)۔ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن صباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن زکریا نے حدیث بیان کی از عاصم از ابی عثمان از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان کھجوریں تقسیم فرمائیں، پس مجھے ان میں سے پانچ کھجوریں ملیں، چار کھجوریں تھیں اور ایک ردّی کھجور تھی۔ پھر وہ ردّی کھجور جو تھی، وہ میری ڈاڑھوں میں بہت سخت تھی۔

(صحیح البخاری: ۵۴۴۱، ۵۴۴۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۵۷، مسند احمد: ۹۱۰۹)

صحیح البخاری: ۵۴۴۱ (م) کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کا تذکرہ

یہ اس حدیث مذکور کی دوسری سند ہے، جس کی امام بخاری نے محمد بن الصباح سے روایت کی ہے از اسماعیل بن زکریا الخلقانی الکوفی از عاصم الاحول از ابی عثمان عبد الرحمٰن بن ابی ہریرہ۔

حدیث مذکور میں تعارض کا جواب

اگر تم یہ سوال کرو کہ پہلی حدیث میں سات کھجوروں کا ذکر ہے اور اس حدیث میں پانچ کھجوروں کا ذکر ہے، تو میں کہوں گا کہ علامہ ابن التین نے ذکر کیا ہے کہ یا تو دو روایتوں میں سے ایک روایت وہم ہے، یا یہ دو واقعات ہیں، ایک مرتبہ پانچ کھجوریں دی تھیں اور دوسری مرتبہ سات کھجوریں دی تھیں۔ بعض شارحین نے کہا ہے کہ دوسرا جواب بعید ہے، کیونکہ دونوں حدیثوں کا راوی ایک ہی ہے، پھر انہوں نے کہا کہ علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ تخصیص بالعدد زائد کے منافی نہیں ہوتی، یعنی ہوسکتا ہے کہ دی تو سات کھجوریں ہوں لیکن دوسری روایت میں ان کو پانچ ذکر کر دیا کیونکہ سات کھجوروں میں بھی پانچ کھجوریں موجود ہیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ اولیٰ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ پانچ پانچ کھجوریں دیں اور دوسری مرتبہ دو دو کھجوریں دیں، علامہ عینی اس پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دو مرتبہ تقسیم کرنے پر کوئی دلیل ہونی چاہیے۔

امام ابن ماجہ اور امام احمد کی روایت میں اسی سند کے ساتھ مذکور ہے کہ صحابہ کو بھوک لگی اور وہ سات صحابہ تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سات کھجوریں دیں اور ہر انسان کے لیے ایک کھجور دی اور یہ روایات معنوی طور پر متفق ہیں، کیونکہ تقسیم میں ایک ایک کھجور دی گئی اور بہ ظاہر یہ حدیث امام بخاری کی روایت کے خلاف ہے، لیکن حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ متعدد واقعات ہوں، ایک مرتبہ ابوعثمان کو ساتھ کھجوریں دی ہوں اور دوسری مرتبہ سات صحابہ کو سات کھجوریں دی ہوں اور ہر ایک کے حصہ میں ایک کھجور آئی ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۱۔ باب: الرُّطَبِ وَالتَّمْرِ
تازہ کھجوریں اور خشک کھجوریں

وَقَوْلُ اللّٰهِ تعالیٰ: وَهُزِّىْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ (مریم)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور آپ اس کھجور کے درخت کو اپنی طرف ہلائیں تو آپ کے اوپر تر و تازہ کھجوریں گریں گی ۝

اس آیت سے پہلے درج ذیل آیات ہیں:

وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۗ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ

اس کتاب میں مریم کا ذکر کیجیے جب وہ اپنے گھر والوں سے دور مشرق میں ایک جگہ چلی گئیں ۝ سو انہوں نے لوگوں کی طرف سے ایک آڑ بنالی، پس ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتے کو بھیجا، اس نے مریم کے سامنے ایک تندرست بشر کی شکل اختیار کر لی ۝ مریم نے کہا: میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے ۝ فرشتہ نے کہا: میں تو صرف تمہارے رب کا بھیجا

رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَ لِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَ هُزِّيْۤ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِيْ وَ اشْرَبِيْ وَ قَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْۤ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ (مریم)

ہوا ہوں تا کہ میں تمہیں ایک پاکیزہ بیٹا دوں O مریم نے کہا: میرے ہاں لڑکا کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ کسی بشر نے مجھے چھوا تک نہیں اور نہ میں بدکار ہوں O فرشتہ نے کہا: اسی طرح ہوگا، آپ کے رب نے فرمادیا ہے: یہ مجھ پر آسان ہے تا کہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنادیں، اور اس کام کا فیصلہ ہو چکا ہے O پس مریم کو اس کا حمل ہوگیا اور وہ اس حمل کے ساتھ دور جگہ پر چلی گئیں O پھر دردِ زِہ ان کو ایک کھجور کے درخت کے پاس لے گیا، انہوں نے کہا: کاش! میں اس سے پہلے مرجاتی اور بھولی بسری ہوجاتی O پھر درخت کے نیچے سے (فرشتہ نے) ان کو آواز دی: آپ پریشان نہ ہوں، آپ کے رب نے آپ کے نیچے سے ایک نہر جاری کردی ہے O اور آپ اس کھجور کے درخت کو اپنی طرف ہلائیں تو آپ کے اوپر تروتازہ کھجوریں گریں گی O سو کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی رکھو، سو تم جب بھی کسی انسان کو دیکھو تو اس کو اشارہ سے کہو کہ میں نے رحمن کے لیے (خاموشی کے) روزے کی نذر مانی ہے، سو میں آج ہرگز کسی انسان سے بات نہیں کروں گی O

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں سورۂ مریم کی آیت نمبر ۲۵ ذکر کی تھی، ہم نے اس سے پہلے اور بعد کی آیتوں کو ذکر کردیا ہے تا کہ اس آیت کا سیاق و سباق معلوم ہوجائے اور مضمون کا ربط قائم ہوجائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس گھر میں کھجوریں نہ ہوں، وہ گھر والے بھوکے رہیں گے، اور انہوں نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور تروتازہ کھجوریں اور خشک کھجوریں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں جو اس نے بندوں کو نفع پہنچانے کے لیے پیدا کی ہیں اور یہ اہلِ حجاز کا طعام ہے اور ان کی عمدہ خوراک ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کی کھجوروں میں برکت کی دعا کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی کھجوروں میں برکت کی دعا کی، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی، پس قیامت تک مدینہ منورہ کی کھجوروں میں اور پھلوں میں برکت ہے۔

مریم: ۲۵ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم کو خطاب ہے یعنی آپ کھجور کے تنے کو ہلائیں۔ اس کھجور کے تنے کے

اندر کھجور کے خوشے نہیں تھے، اور جس جگہ یہ تنا تھا اس کو بیت لحم کہتے ہیں اور یہ بیت المقدس سے تین میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے، جب حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حمل ہو گیا تو انہیں اپنی قوم سے خطرہ ہوا تو وہ اپنے چچازاد بھائی یوسف کے ساتھ مصر کی سرزمین کو طلب کرنے کے لیے گئیں، جب وہ اس کھجور کے تنے پر پہنچیں تو ان کو درد زہ ہوا تو وہ اس تنے کے پاس آ گئیں، اور فرشتوں نے ان کو گھیر لیا اور کہا کہ آپ غمگین نہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے نیچے ایک نہر جاری کر دی ہے (مریم: ۲۴) اور وہاں پر کوئی نہر نہیں تھی اور نہ ہی کوئی چشمہ تھا، اور یہ بھی ایک قول ہے کہ اس سری کے لفظ سے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات مراد ہے، لیکن جمہور کے نزدیک اس سے مراد نہر ہے، اور مقاتل نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا پیر زمین پر مارا تو اس سے ایک چشمہ نکل آیا اور وہاں کھجور کا ایک تنا ظاہر ہو گیا اور اس میں پھل لگ گئے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ آپ اس تنے کو ہلائیں تو آپ پر تر و تازہ کھجوریں گریں گی۔

الربیع بن خیثم نے کہا ہے: جس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہونے والا ہو، اس کے لیے تازہ کھجوروں سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے اور مریض کے لیے شہد سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ اور پھر انہوں نے اس آیت کو پڑھا۔

امام ابن ابی حاتم نے اور امام ابویعلیٰ الموصلی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تمہاری جن عورتوں کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہو، ان کو تازہ کھجوریں کھلاؤ، اگر تازہ کھجوریں میسر نہ ہوں تو خشک کھجوریں کھلاؤ، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس درخت سے بڑھ کر کوئی درخت مکرم نہیں ہے جس درخت کے نیچے حضرت مریم علیہا السلام آ کر ٹھہری تھیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰۰-۱۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۴۲ - وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورِ بْنِ صَفِيَّةَ حَدَّثَتْنِي أُمِّي عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَدْ شَبِعْنَا مِنَ الْأَسْوَدَيْنِ التَّمْرِ وَالْمَاءِ.

اور محمد بن یوسف نے کہا از سفیان از منصور بن صفیہ، مجھے میری والدہ نے حدیث بیان کی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور ہم صرف دو سیاہ چیزوں سے سیر ہوتے تھے، کھجور سے اور پانی سے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۴۲، صحیح مسلم: ۲۹۷۵، مسند احمد: ۲۴۴۴۲)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۳۸۳، میں گزر چکی ہے۔

۵۴۴۳ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما قَالَ كَانَ بِالْمَدِينَةِ يَهُودِيٌّ وَكَانَ يُسْلِفُنِي فِي تَمْرِي إِلَى الْجِدَادِ وَكَانَتْ لِجَابِرٍ الْأَرْضُ الَّتِي بِطَرِيقِ رُومَةَ فَجَلَسَتْ فَخَلَا عَامًا فَجَاءَنِي الْيَهُودِيُّ عِنْدَ الْجِدَادِ وَلَمْ أَجُدَّ مِنْهَا شَيْئًا فَجَعَلْتُ أَسْتَنْظِرُهُ إِلَى قَابِلٍ فَيَأْبَى فَأُخْبِرَ بِذٰلِكَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوغسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوحازم نے حدیث بیان کی از ابراہیم بن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن ابی ربیعہ از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی تھا، وہ مجھے کھجوریں ادھار دیتا تھا، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی رومہ کے راستہ میں زمین تھی، پس میں بیٹھ گیا، سو ایک سال گزر گیا حتیٰ کہ میرے پاس وہ یہودی آیا جب کھجوریں درختوں سے اتارنے کا وقت تھا

فَقَالَ لِأَصْحَابِهِ امْشُوا نَسْتَنْظِرْ لِجَابِرٍ مِنَ الْيَهُودِيِّ فَجَاؤُنِي فِي نَخْلِي فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يُكَلِّمُ الْيَهُودِيَّ فَيَقُولُ أَبَا الْقَاسِمِ لَا أُنْظِرُهُ فَلَمَّا رَأَى النَّبِيُّ ﷺ قَامَ فَطَافَ فِي النَّخْلِ ثُمَّ جَائَهُ فَكَلَّمَهُ فَأَبَى فَقُمْتُ فَجِئْتُ بِقَلِيلِ رُطَبٍ فَوَضَعْتُهُ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ ﷺ فَأَكَلَ ثُمَّ قَالَ أَيْنَ عَرِيشُكَ يَا جَابِرُ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ افْرُشْ لِي فِيهِ فَفَرَشْتُهُ فَدَخَلَ فَرَقَدَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَجِئْتُهُ بِقَبْضَةٍ أُخْرَى فَأَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ قَامَ فَكَلَّمَ الْيَهُودِيَّ فَأَبَى عَلَيْهِ فَقَامَ فِي الرِّطَابِ فِي النَّخْلِ الثَّانِيَةَ ثُمَّ قَالَ يَا جَابِرُ جُدَّ وَاقْضِ فَوَقَفَ فِي الْجَدَادِ فَجَدَدْتُ مِنْهَا مَا قَضَيْتُهُ وَفَضَلَ مِنْهُ فَخَرَجْتُ حَتَّى جِئْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَبَشَّرْتُهُ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللهِ عُرُوشٌ وَعَرِيشٌ بِنَاءٌ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَعْرُوشَاتٍ مَا يُعَرَّشُ مِنَ الْكُرُومِ وَغَيْرِ ذَلِكَ يُقَالُ عُرُوشُهَا أَبْنِيَتُهَا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ فَخَلَا لَيْسَ عِنْدِي مُقَيَّدًا ثُمَّ قَالَ فَجَلَّى لَيْسَ فِيهِ شَكٌّ۔

اور مجھے درختوں سے کوئی چیز نہیں ملی، تو میں نے اس یہودی سے اگلے سال تک کی مہلت مانگی تو وہ انکار کرنے لگا، پس میں نے اس کی نبی ﷺ کو خبر دی تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: چلو ہم جابر کے لیے اس یہودی سے مہلت طلب کریں، پس وہ میرے پاس میرے باغ میں آئے تو نبی ﷺ نے اس یہودی سے سفارش کی تو اس یہودی نے کہا: اے ابو القاسم! میں اس کو مہلت نہیں دوں گا، پس جب نبی ﷺ نے یہ دیکھا تو آپ کھڑے ہوئے اور آپ نے کھجور کے درختوں کے درمیان طواف کیا، پھر آپ اس کے پاس آئے، پھر آپ نے سفارش کی اور پھر اس نے انکار کیا، پس میں کھڑا ہوا اور میں تھوڑی سی تر و تازہ کھجوریں لے کر آیا اور ان کو حضور ﷺ کے سامنے رکھ دیا، آپ نے ان کھجوروں کو کھایا اور فرمایا: اے جابر! تمہاری جھونپڑی کہاں ہے؟، سو میں نے آپ کو اس کی خبر دی، آپ نے فرمایا: میرے لیے اس میں بستر بچھاؤ، پس میں نے آپ کے لیے بستر بچھایا، آپ جھونپڑی میں داخل ہوئے، پھر آپ سو گئے، پھر آپ بیدار ہوئے، پھر میں آپ کے پاس کچھ اور تر و تازہ کھجوریں لے کر آیا، آپ نے اس سے کھایا، پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور پھر آپ نے یہودی سے بات کی، اس نے پھر انکار کیا، پھر آپ دوسری مرتبہ درخت کی ان تر و تازہ کھجوروں میں کھڑے ہوئے، پھر آپ نے فرمایا: اے جابر! کھجوریں اتارو اور اپنا قرض پورا کرو، پس آپ ٹھہرے رہے اور میں کھجوریں اتارتا رہا، پھر میں نے اتنی کھجوریں اتاریں کہ میں نے اس یہودی کا قرض ادا کر دیا اور کھجوریں پھر بھی بچ گئیں، پھر میں باہر نکلا حتیٰ کہ نبی ﷺ کے پاس آیا اور میں نے آپ ﷺ کو خوشخبری دی، تو آپ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

عروش وعریش کا معنی ہے: عمارت کی چھت، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: معروشت" (سورہ انعام میں لفظ معروشات

سے مراد انگور وغیرہ کی بیلیں ہیں)، اور کہا جاتا ہے: "عروشها" یعنی اس کے مکان یا اس کی جھونپڑیاں۔ (سورہ بقرہ میں ہے: وھی خاویۃ علی عروشها، وہ بستی اپنی چھتوں پر گری ہوئی تھی) محمد بن یوسف نے بیان کیا کہ ابوجعفر نے کہا: محمد بن اسماعیل نے کہا: "فخلا" میرے نزدیک یہ مقید نہیں ہے، پھر کہا: "نخلا" اس میں شک نہیں ہے۔ (دوسرے نسخہ میں فخلی کی جگہ فجلی کا ذکر ہے اور اس میں شک نہیں ہے)۔

(سنن نسائی: ۳۶۴۳، سنن ابوداؤد: ۲۸۸۴، مسند احمد: ۱۳۹۴۹)

صحیح البخاری: ۵۴۴۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے ساتھ مطابقت تر و تازہ کھجوروں کے ذکر میں ہے، کیونکہ اس حدیث میں تین مرتبہ تر و تازہ کھجوروں کا ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوغسان کا ذکر ہے، اس میں غین پر زبر ہے اور سین پر تشدید ہے اور آخر میں نون ہے، ان کا نام محمد بن مُطرف ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوحازم کا ذکر ہے، وہ سلمہ بن دینار ہیں۔ اور ابراہیم کا ذکر ہے، وہ ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی ربیعہ المخزومی ہیں۔ اور ابوربیعہ کا نام عمرو ہے، اور ان کو حذیفہ بھی کہا جاتا ہے اور ان کا لقب تھا دو تیز نے والا۔ ان کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یمن کے شہروں میں لشکر کا امیر بنایا اور وہ ہمیشہ لشکر کے امیر رہے حتیٰ کہ وہ سال آگیا جس سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا، وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے گئے تو اپنی سواری سے گر گئے، پس ابراہیم فوت ہو گئے۔ اور ابراہیم سے امام نسائی نے بھی روایت کی ہے، امام ابوحاتم نے کہا کہ یہ روایت مرسلہ ہے۔ اور صحیح بخاری میں اس حدیث کی سوا ابراہیم کے اور کوئی روایت نہیں ہے اور ان کی والدہ حضرت ام کلثوم بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور ابراہیم نے اپنی ماں اور اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں سے روایت کی ہے، اور امام بخاری اس روایت میں منفرد ہیں۔

ابراہیم کی روایت کردہ حدیث مذکور پر شارحین کے اعتراضات اور ان کے جوابات

اور اسماعیلی نے اس حدیث کی از محمد بن احمد بن القاسم روایت کی ہے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی یحییٰ بن صاعد نے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی احمد بن منصور نے اور سعید بن ابی مریم نے برابر برابر، پھر انہوں نے کہا: یہ قصہ معروف راویوں نے بیان کیا ہے کہ یہ قصہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کے قرض کے متعلق ہے۔ اور کھجوریں اتارتے تک قرض کی ادائیگی کو

امام بخاری اور دوسرے ائمہ جائز نہیں قرار دیتے، پس اس حدیث کی سند میں اعتراض ہے۔ اسی طرح علامہ ابن التین شارح بخاری نے کہا ہے کہ اکثر احادیث میں یہ مذکور ہے کہ یہ قرض حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد پر تھا اور اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس میں سوا ابراہیم کے حال کے اور کسی پر اعتراض نہیں ہے اور امام ابن حبان نے ابراہیم کو ثقات تابعین میں ذکر کیا ہے۔ اور ان کے بیٹے اسماعیل نے بھی ان سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔

اور یہ جو اعتراض کیا گیا ہے کہ امام بخاری کھجوریں اتارنے تک قرض کو جائز قرار نہیں دیتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بیع سلم کے قبیل سے ہے جس میں مدت معینہ تک رقم کی ادائیگی جائز ہوتی ہے، پس اس حدیث کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اس میں اقتصار ہے کہ کھجوریں اتارنے تک قرض کو مؤخر کیا گیا، دراصل قرض کی ادائیگی کا وقت معین تھا۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کے قرض کا قصہ متعدد ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے باغ میں جو کارروائی کی، یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مختص تھی کہ ان کے والد کے اوپر جو قرض تھا، اس قرض کی ادائیگی کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے باغ کے گرد پھیرے لگائے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ درخت سے تم کھجوروں کو اتارو اور ان کا قرض ادا کر دو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''یسلفنی الی الجداد''، یعنی وہ یہودی مجھے درختوں سے کھجوریں اتارنے تک قرض کی ادائیگی کی مہلت دیتا تھا۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے: ''وکانت لجابر الارض التی بطریق رومۃ''، اس جملہ میں حاضر سے غائب کی طرف التفات ہے، یعنی بظاہر یوں ہونا چاہیے تھا کہ میری زمین رومہ کے راستہ میں تھی، اس کی بجائے ذکر ہے کہ جابر کی زمین رومہ کے راستہ میں تھی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ یہ راوی کا کلام ہو جو اس حدیث میں مدرج ہے، تو میں کہوں گا: اس سے مانع یہ ہے کہ امام ابو نعیم نے المستخرج میں سعید بن ابی مریم شیخ بخاری سے روایت کی ہے کہ میرے لیے رومہ کے راستہ میں زمین تھی۔ رُومہ وہ کنواں ہے جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خرید لیا تھا۔ اور یہ کنواں نفسِ مدینہ میں تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ رُومہ بنو غفار کا ایک مرد تھا، اس کا کنواں تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خریدنے سے پہلے تھا، پھر اس کنویں کی اس کی طرف نسبت کر دی گئی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فجلست'' یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں زمین پر بیٹھ گیا اور اس انتظار میں رہا کہ درخت سے کھجوروں کو اتاروں اور میں نے کھجوریں اتارنے کے وقت تک کھجوروں کو نہیں پایا۔

پھر اس حدیث میں مذکور ہے: ''استنظرہ'' یعنی میں اس یہودی سے مہلت طلب کرتا تھا کہ اگلے سال تمہیں کھجوریں دے دوں گا تو اس یہودی نے انکار کیا، پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کرائی، تو اس یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا۔

اس حدیث میں ''عریشک'' کا لفظ ہے۔ اس کا معنی ہے: جس چھت کے نیچے بیٹھ کر سایہ حاصل کیا جائے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد عمارت ہے، یعنی باغ میں جو عمارت بنائی گئی تھی تاکہ وہاں پر سایہ حاصل کیا جائے اور اس عمارت کے اوپر انگوروں کی بیل تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ

اس حدیث میں مذکور ہے: "اقض" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ تم اپنا قرض ادا کر دو جو تم نے اس یہودی کو دینا ہے۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے: "وفضل مثلہ" یعنی یہودی کو کھجوریں دینے کے بعد بھی اتنی ہی کھجوریں باقی بچ گئیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں"۔ آپ نے یہ اس لیے فرمایا کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک خلافِ عادت فعل ظاہر ہوا جو آپ کے دلائل نبوت میں سے ایک دلیل ہے اور اس سے معلوم یہ ہوا کہ جو کھجوریں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قرض ادا کرنے کے لیے پوری نہیں ہوتی تھیں، ان کھجوروں سے ان کا قرض بھی ادا ہو گیا اور اتنی ہی کھجوریں باقی بچ گئیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰۲-۱۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۴۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کھجوروں کا عمدہ خوراک ہونا

تر و تازہ اور خشک کھجوریں ان چیزوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ اہلِ حجاز کا عمدہ طعام ہے اور ان کی عمدہ خوراک ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ میں برکت کی دعا کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی کھجوروں کے لیے برکت کی دعا کی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کی کھجوروں کے لیے کی تھی اور یہ برکت وہاں کے پھلوں اور وہاں کی کھجوروں میں قیامت تک رہے گی۔

یہ قرض حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر تھا یا ان کے والد پر تھا؟

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قرض حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر تھا، اور اکثر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرض حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد پر تھا۔

حدیث مذکور کے بعض فوائد

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ یہودی اپنے قرض کی ادائیگی میں مہلت نہیں دیتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرض سے پناہ طلب کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی اور آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ آپ قرض کی کثرت سے پناہ طلب کرتے تھے۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بعض اصحاب کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۱۷-۲۱۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۴۳ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔

بیع سلم یا بیع سلف کی تعریف

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھجوروں کو قرض پر حاصل کرنا جائز ہے، بایں طور کہ کوئی شخص کسی کو دراہم دے کر مدت معینہ کے ادھار پر کھجوریں خریدے، یعنی ثمن معجل ہو اور مثمن مؤجل ہو، یعنی قیمت نقد ادا کردے اور اس کے عوض میں جنس کی ادائیگی بعد میں ہو، اور بیوع میں اکثر تعامل اس کے برعکس ہوتا ہے، یعنی اکثر یہ ہوتا ہے کہ ثمن بعد میں دی جاتی ہے اور مثمن یعنی جنس پہلے لی جاتی ہے لیکن کبھی معاملہ برعکس بھی ہوتا ہے جب آدمی کو دراہم کی ضرورت ہو، تو وہ کسی انسان سے دراہم لیتا ہے کہ اس کے عوض میں ایک سال یا دو سال کے بعد جنس یا مثمن ادا کرے گا، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو وہ پھلوں میں بیع سلف کرتے تھے، یعنی ایک سال اور دو سال کے لیے کھجوریں ادھار پر فروخت کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی چیز میں بیع سلف کرے تو اس میں سلف کرے جس کی مقدار معلوم ہو اور وزن معلوم ہو اور ادائیگی کی مدت معلوم ہو۔

اور اس یہودی مرد نے کھجوریں، درختوں سے کھجوریں اتارنے تک کے ادھار پر دی تھیں، پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس سے مہلت کو طلب کیا تو اس نے مہلت دینے سے انکار کر دیا، پھر انہوں نے اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تو آپ اس باغ میں آئے، تاکہ یہودی سے سفارش کریں لیکن یہودی نے آپ کی سفارش کو ماننے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ یہ قضیہ حاصل ہو گیا۔

حدیث مذکور کے دیگر فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہود سے معاملہ کرنا جائز ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اس معاملہ پر برقرار رکھا اور یہ معلوم ہے کہ یہودی سود لیتے تھے اور سود کا کاروبار کرتے تھے۔ اسی حدیث سے یہ واضح ہوا کہ جو انسان سودی کاروبار کرتا ہو، اس سے معاملہ کرنا جائز ہے جب کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی حرام کام نہ ہو، تب اس کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے۔

(۲) اس حدیث میں بیع سلم یا بیع سلف کے جواز پر دلیل ہے، کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس یہودی سے بیع سلم کی تھی۔

سوال: کیا بیع سلف کرنا قیاس کے موافق ہے یا قیاس کے خلاف ہے؟

جواب: یہ قیاس کے موافق ہے، اس کے برخلاف بعض لوگوں نے کہا کہ یہ خلافِ قیاس ہے، اور نظر کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حرام ہو، لیکن لوگوں کی ضرورت کی بناء پر اس کو جائز قرار دیا گیا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ بیع سلف میں بیع معدوم ہو اور جو چیز معدوم ہو اس کو سپرد کرنے پر انسان قادر نہیں ہے، لہٰذا نظر کا تقاضا یہ ہے کہ بیع سلف حرام ہو۔

لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے، کیونکہ بیع سلف بیع معدوم نہیں ہے، کیونکہ تم معین کھجوروں کو فروخت نہیں کر رہے، تم یہ نہیں کہہ رہے کہ اس معین درخت سے جو کھجوریں حاصل ہوں گی، وہ تم کو دی جائیں گی، سو یہ کسی شے معین کی معدوم بیع نہیں ہے۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ قیاس کے موافق اس لیے ہے کہ اس میں دو طرف کی مصلحتیں ہیں۔ ایک طرف کی مصلحت یہ ہے کہ ضرورت کو پورا کیا جائے اور دوسری طرف کی مصلحت یہ ہے کہ بیع کو حلال قرار دیا جائے۔

(۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ فصل کٹنے یا باغ کے درختوں سے پھل اتارنے تک بیع سلف جائز ہے، اور اس کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور ہے۔

(۴) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرض خواہ سے مہلت طلب کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس سے اگلے سال تک کی مہلت طلب کی۔

(۵) اس حدیث کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی انسان اپنے دوستوں اور خیر خواہوں کو بھی ساتھ لے جائے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: چلو! جابر کے قرض خواہ سے مہلت طلب کرتے ہیں۔

(۶) اس سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ مرتبہ کے شخص کا ادنیٰ مرتبہ کے شخص سے سفارش کرنا جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قرض کے لیے یہودی سے مہلت طلب کرنے کے لیے سفارش کی، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو مرتبہ ہے، یہودی اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔

(۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سائے میں بیٹھنا جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جھونپڑی کے سایہ میں بیٹھے اور وہاں آپ نے تھوڑی سی کھجوریں تناول فرمائیں اور یہ دنیا کی عیش و عشرت نہیں ہے۔

(۸) اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ اپنے بیٹھنے کے لیے فرش بچھانے کو طلب کرنا جائز ہے، اور یہ نہ کہا جائے کہ تم زمین پر سوؤ، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ تم فرش بچھاؤ۔

(۹) بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے نفس پر سختی نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید المتقین اور سید الزاہدین ہیں، اس کے باوجود آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہاری جھونپڑی کہاں ہے اور فرمایا: اس میں میرے لیے فرش بچھاؤ۔

(۱۰) اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ کھانے کے بعد سونا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجوریں کھانے کے بعد سو گئے اور پھر دوبارہ اٹھے۔

(۱۱) اس حدیث میں دلیل ہے کہ کسی انسان کا بار بار سفارش کرنا جائز ہے، اور انسان اپنے لیے بار بار سفارش کرنے میں عار محسوس نہ کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے لیے اس یہودی سے کئی بار سفارش کی۔

(۱۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ظاہر ہوا اور جو کھجوریں بہت کم تھیں، ان سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قرض ادا ہو گیا، بلکہ پھر بھی کھجوریں اتنی ہی بچ گئیں۔

(۱۳) اس حدیث میں خوشخبری دینے کی دلیل ہے، کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا جب قرض ادا ہو گیا تو انہوں نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خوشخبری دی، اور جس چیز سے انسان کو مسرت اور خوشی حاصل ہو، وہ دوسرے کو اس کی خوشخبری دے۔

(۱۴) جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرض کی ادائیگی کی بشارت دی تو آپ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ معجزات کا ظہور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔

(۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی اپنی رسالت کی گواہی دیتے تھے۔

(۱۶) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خوش ہونا دو وجہ سے تھا، ایک اس وجہ سے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قرض ادا ہو گیا، اور دوسری اس وجہ سے کہ آپ کی برکت کی وجہ سے معجزہ کا ظہور ہوا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۸۱-۱۸۴ ملخصاً وملتقطاً، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۴۲۔ بَابُ: أَكْلِ الْجُمَّارِ

کھجور کے درخت کا گوند جو چربی کے مشابہ ہوتا ہے، اس کے کھانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں جُمّار کے کھانے کا بیان ہے، جُمّار کے لفظ میں جیم پر پیش ہے اور میم مشدد ہے اور یہ جمارۃ کی جمع ہے، اور وہ کھجور کے درخت کا قلب اور اس کی چربی ہے۔

میں کہتا ہوں: کہ کتب لغت میں لکھا ہے کہ جُمّار کھجور کے درخت کا گوند ہے جو چربی کے مشابہ ہوتا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۴۴۴۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي مُجَاهِدٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ جُلُوسٌ إِذَا أُتِيَ بِجُمَّارِ نَخْلَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ لَمَا بَرَكَتُهُ كَبَرَكَةِ الْمُسْلِمِ فَظَنَنْتُ أَنَّهُ يَعْنِي النَّخْلَةَ فَأَرَدْتُ أَنْ أَقُولَ هِيَ النَّخْلَةُ يَا رَسُولَ اللهِ ثُمَّ الْتَفَتُّ فَإِذَا أَنَا عَاشِرُ عَشَرَةٍ أَنَا أَحْدَثُهُمْ فَسَكَتُّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هِيَ النَّخْلَةُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مجاہد نے حدیث بیان کی از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اچانک آپ کے پاس کھجور کے درخت کا گوند لایا گیا (اس کو کھجور کا گابھا بھی کہتے ہیں)، تب نبی ﷺ نے فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے کہ اس کی برکت مسلمان کی برکت کی مثل ہے، سو میں نے گمان کیا کہ اس سے مراد کھجور کا درخت ہے، میں نے چاہا کہ میں بیان کروں کہ یہ کھجور کا درخت ہے یا رسول اللہ! پھر میں نے مڑ کر دیکھا تو میں دس صحابہ میں سے دسواں تھا اور میں ان سب میں سے کم عمر تھا، پس میں خاموش رہا، پھر نبی ﷺ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۱، ۶۲، ۷۲، ۱۳۱، ۲۲۰۹، ۴۶۹۸، ۵۴۴۴، ۵۴۴۸، ۶۱۲۲، ۶۱۴۴، صحیح مسلم: ۲۸۱۱، سنن ترمذی: ۲۸۶۷، مسند احمد: ۴۸۴۴، سنن دارمی: ۲۸۲)

صحیح البخاری: ۵۴۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب العلم میں گزر چکی ہے، امام بخاری نے کتاب العلم میں اس حدیث کو چار جگہ ذکر کیا ہے:

(۱) اس باب میں جس میں محدث نے کہا ہو کہ ہمیں بیان کرو یعنی حَدَّثَنَا۔

(۲) اس باب میں جس میں امام نے لوگوں کے اوپر کوئی سوال ڈالا ہو (یعنی پہیلی یا بجھارت)۔

(۳) اس باب میں جس میں علم کی فہم کو بیان کیا ہو۔
(۴) اس باب میں جس میں علم کی بات بتانے میں حیاء کا ذکر کیا گیا ہو۔
اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ پتا تھا کہ یہ درخت کھجور کا ہے، لیکن چونکہ اس مجلس میں ان سے بڑے بڑے صحابہ موجود تھے، اس لیے انہوں نے حیاء کی وجہ سے اس کا ذکر نہیں کیا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰۴-۱۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)
تنبیہ: علامہ ابن الملقن شافعی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے اس حدیث کی شرح نہیں کی اور یہ لکھا ہے کہ کتاب العلم میں اس حدیث کی مفصل شرح کی جا چکی ہے اور کتاب البیوع میں جمّار کے کھانے کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

صحیح البخاری: ۵۴۴۴، کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
یہ حدیث کتاب العلم میں متعدد بار گزر چکی ہے، امام بزار نے اس حدیث کے فوائد ذکر کیے ہیں اور یہ حکمت بیان کی ہے کہ کھجور کے درخت کو مومن کے ساتھ کیوں تمثیل دی ہے، کیونکہ کھجور کے درخت میں زیادہ خیر ہوتی ہے اور اس کا نفع دائمی ہوتا ہے اور اس کا پھل تازہ بھی کھایا جاتا ہے اور خشک ہونے کے بعد بھی کھایا جاتا ہے، اور یہ غذا بھی ہے اور دوا بھی ہے اور خوراک بھی ہے اور مٹھاس بھی ہے اور پھل بھی ہے، اور کھجور کے درخت کو انسان کے ساتھ اس لیے مشابہ فرمایا ہے کہ کھجور کے درخت کا قد سیدھا ہوتا ہے اور لمبا ہوتا ہے اور کھجور کے درخت میں نر بھی ہوتا ہے اور مادہ بھی ہوتی ہے، اور یہ کہ کھجور کے درخت کے اوپر جب تک دوسری کھجور کا پیوند نہ لایا جائے تو یہ پھل نہیں لاتا، اور اس کے شگوفے کی بو انسان کی منی کی بو کی مثل ہوتی ہے، اور جب اس کے درخت کا سر کاٹ دیا جائے تو یہ درخت ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس دوسرے درخت اس طرح نہیں ہوتے، اور کھجور کے درخت کی فضیلت اور شرف اور کثرت خیر کے لیے کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ شہادت کو کھجور کے درخت کی مثل قرار دیا ہے، فرمایا:
اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ (ابراہیم)
کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاکیزہ کلمہ (بات) کی کیسی مثال بیان فرمائی، وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں O
سو جس طرح کھجور کے درخت کا ثبوت زمین میں شدید اور مضبوط ہوتا ہے، اسی طرح مومن کے قلب میں ایمان شدید اور مضبوط ہوتا ہے اور جس طرح کھجور کی شاخیں آسمان میں ہوتی ہیں، اسی طرح مومن کے نیک اعمال جو ہیں قبولیت کے لیے آسمانوں کی طرف لے جائے جاتے ہیں اور جس طرح کھجور سال میں ہر وقت کھائی جاتی ہے، اسی طرح مومن کے کسب کی برکت اور اس کے ایمان کی برکت بھی ہمیشہ رہتی ہے اور اس کا ثواب اسے ہمیشہ ملتا رہتا ہے، اور عموماً کھجور کے درخت بلادِ اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، ج ۱۲ ص ۲۲۳، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۴۴ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''جُمّار'' کا معنی

جمار کھجور کے درخت کا سفید رنگ کا قلب ہے جس کو جمار کہتے ہیں اور کبھی جمار کھجور کے خوشوں میں ہوتا ہے، جب اس کی اصل کو کاٹ دیا جائے تو کھجور کے خوشوں کے نیچے سفید رنگ ہوتا ہے جس کو جمار کہتے ہیں۔

امام بخاری نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ کھجور کے درخت کی سفید چربی کو کھانا جائز ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں حیاء کی دلیل ہے، کیونکہ بعض اوقات انسان حیاء کی وجہ سے اپنے علم کو ظاہر نہیں کرتا اور اپنے علاوہ دوسروں کی طرف ان کی بزرگی کی وجہ سے بات کو مُفوض کر دیتا ہے۔ اس کے برخلاف آج کل بعض چھوٹے، بڑوں سے پہلے اپنی بات کہہ دیتے ہیں اور یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں جن کے دل میں یہ بات آئی کہ یہ درخت کھجور کا ہے لیکن جب کہ وہ دس صحابہ میں سب سے کم عمر تھے، اس لیے وہ خاموش رہے، کیونکہ اگر وہ بتا دیتے اور باقی لوگ نہ بتاتے تو باقی بزرگوں کو بعد میں شرمندگی ہوتی کہ وہ بڑے ہو کر نہیں بتا سکے اور چھوٹے نے بات بتا دی۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عالم اور استاذ کو یہ چاہیے کہ وہ اپنے شاگردوں کا امتحان لے اور ان کے اوپر کوئی سوال ڈالے تاکہ وہ غور وفکر کریں اور اس پہیلی یا بجھارت کو حل کرنے کی کوشش کریں اور اپنے طلباء کا امتحان لینے کے لیے اور ان کو مشق کرانے کے لیے پہیلی اور بجھارت کو ڈالنا جائز ہے، لیکن دوسروں کی کم علمی ظاہر کرنے کے لیے اور ان کو شرمندہ کرنے کے لیے پہیلی اور بجھارت ڈالنا جائز نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۸۴-۱۸۵، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۴۳۔ بَابٌ: الْعَجْوَةِ ''العجوۃ'' کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں دوسری کھجوروں پر عجوہ کھجور کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے، اور اس کو کھانے کی ترغیب دی گئی ہے، عجوہ میں عین پر زبر ہے اور جیم ساکن ہے اور یہ مدینہ منورہ کی بہترین کھجوروں میں سے ہے، اور اہل مدینہ اس کو ''لینۃ'' بھی کہتے ہیں۔ اس کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے۔

علامہ ابن التین شارح بخاری نے بیان کیا ہے کہ عجوہ کھجور کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگایا تھا۔

۵۴۴۵۔ حَدَّثَنَا جُمُعَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ أَخْبَرَنَا هَاشِمُ بْنُ هَاشِمٍ أَخْبَرَنَا عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَصَبَّحَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعَ تَمَرَاتٍ عَجْوَةً لَمْ يَضُرَّهُ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ سُمٌّ وَلَا سِحْرٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں جمعہ بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مروان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہاشم بن ہاشم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عامر بن سعد نے اپنے والد سے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: جس مرد نے صبح کو سات عجوہ کھجوریں کھائیں تو اس کو اس دن میں نہ زہر سے ضرر ہوگا اور نہ جادو سے ضرر ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۵۷۶۸، ۵۷۶۹، ۵۷۷۹، صحیح مسلم: ۲۰۴۷، سنن ابوداؤد: ۳۸۷۶، مسند احمد: ۱۵۷۵)

صحیح البخاری: ۵۴۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں جُمعہ کا لفظ ہے، اس میں جیم پر پیش اور میم ساکن ہے، ان کا نام ہے: جمعہ بن عبداللہ بن زیاد بن شداد السلمی ابوبکر البلخی، اور کہا جاتا ہے کہ ان کا نام یحییٰ ہے اور جمعہ لقب ہے۔ اور ان کو ابوخاقان بھی کہا جاتا ہے اور یہ تہران کے ائمہ میں سے تھے، پھر بعد میں ائمہ حدیث میں سے ہو گئے۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ یہ ایک سو تینتیس (۱۳۳ھ) میں فوت ہو گئے تھے اور امام بخاری کی کتاب میں اس حدیث کے سوا ان کی کوئی روایت نہیں ہے، بلکہ صحاح ستہ میں اس حدیث کے سوا ان کی اور کوئی روایت نہیں ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں مروان کا ذکر ہے، ان کا نام مروان بن معاویہ الفزاری ہے، اور ہاشم بن ہاشم کا ذکر ہے، یہ ہاشم بن ہاشم بن عتبہ ہیں، اور عامر بن سعد اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور حضرت سعد بن ابی وقاص کا نام مالک بن اُہیب الزہری ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''من تصبح'' یعنی جس نے صبح کے وقت نہار منہ سات کھجوریں کھائیں۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس کو زہر سے ضرر نہیں ہوگا۔ اور خطابی نے کہا ہے کہ اس کی جادو سے حفاظت ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عجوہ کھجور کے لیے دعا کی ہے، اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ یہ کھجور کے خواص میں سے ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ مدینہ کی عجوہ کی تخصیص اور سات کھجوروں کے عدد کی تخصیص یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کو شارع علیہ السلام جانتے ہیں، اور ہم نہیں جانتے۔ سو ہمارا اس پر ایمان لانا واجب ہے جیسے نماز کی رکعات کی تعداد یا زکوٰۃ کا نصاب ہے، تو اب صبح کی نماز کی دو رکعت کیوں ہیں اور ظہر کی چار رکعت کیوں ہیں اور مغرب کی تین رکعات کیوں ہیں، اس کی حکمت کو ہم نہیں جانتے، ہمارے لیے اس پر ایمان ضروری ہے کہ ان نمازوں کے اوقات میں اتنی رکعات ہوتی ہیں۔

المُظہر نے کہا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سات کے عدد میں کوئی خاصیت ہو۔

شہر بن حوشب نے حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''العجوۃ'' جنت سے ہے اور اس میں زہر سے شفاء ہے۔

اور مشمعل بن ایاس سے روایت ہے کہ ''العجوۃ'' اور ''الصخرۃ'' جنت سے ہیں، اور امام ابن عدی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ کی عجوہ کھجوروں میں سے سات کھجوریں اگر سات دن تک ہر روز کھائی جائیں تو اس سے جذام میں شفا حاصل ہوتی ہے۔

پھر کہا کہ اس حدیث کی سند میں میرے علم میں الطفاوی کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اور الطفاوی کے بہت غرایب ہیں اور متفرد روایات ہیں۔

علامہ ابن معین نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی صالح ہے، ابو حاتم نے کہا: وہ بہت سچا ہے اور طفاوی کے لفظ میں بنو طفاوۃ کی طرف نسبت ہے اور کہا گیا ہے کہ ''الطفاوۃ'' بصرہ سے ایک منزل پر ہے۔

اور علامہ طیبی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مدینہ کی عجوہ، اس میں مدینہ کی تخصیص ہے، کیونکہ مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے برکت حاصل ہوئی اور مدینہ کی کھجوریں جو ہیں وہ مرد کے مزاج کے زیادہ موافق ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰۵-۱۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ذیابیطس کے مریض کے لیے کھجوروں کے استعمال کی تفصیل

میں کہتا ہوں کہ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ ذیابیطس اور شوگر کے مرض میں تو کھجوریں نقصان دیتی ہیں، اسی طرح جس کے پیٹ میں بیماری ہو اس کو بھی کھجوریں نقصان دیتی ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے العجوہ کھجور کو مطلقاً شفاء نہیں فرمایا، ہوسکتا ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ جس کو شوگر کو مرض نہیں ہے یا جس کے پیٹ میں گرم چیزوں سے ضرر نہیں ہوتا، اس کے لیے العجوہ کھجور شفاء ہے، یا آپ نے عموم اور غالب کے اعتبار سے فرمایا ہے اور جن چیزوں میں آپ نے فرمایا ہے کہ ان سے العجوہ میں شفا ہوتی ہے ان کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ ان میں العجوہ سے شفاء ہوتی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۴۴- بَابُ: اَلْقِرَانِ فِی التَّمْرِ — دو کھجوروں کو ملا کر کھانے کا حکم

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں دو کھجوروں کو ملا کر کھانے کا ذکر ہے، لیکن امام بخاری نے اس کا حکم بیان نہیں کیا، کیونکہ انہوں نے اس باب کی حدیث کو اس کے حکم کے بیان کے لیے کافی قرار دیا ہے۔

اور قران سے مراد ہے: ایک کھجور کو دوسری کھجور کے ساتھ ملا کر کھانا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰۶-۱۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۴۶- حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا جَبَلَةُ بْنُ سُحَيْمٍ قَالَ أَصَابَنَا عَامُ سَنَةٍ مَعَ ابْنِ الزُّبَيْرِ فَرَزَقَنَا تَمْرًا فَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَمُرُّ بِنَا وَنَحْنُ نَأْكُلُ وَيَقُولُ لَا تُقَارِنُوا فَإِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جبلہ بن سحیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: جس سال ہم پر قحط آیا تھا، میں حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے

الْقِرَانِ ثُمَّ يَقُولُ إِلَّا أَنْ يَسْتَأْذِنَ الرَّجُلُ أَخَاهُ قَالَ شُعْبَةُ الْإِذْنُ مِنْ قَوْلِ ابْنِ عُمَرَ۔

ساتھ تھا، انہوں نے ہمیں کھجوریں دیں، پس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس سے گزرے اور ہم کھجوریں کھارہے تھے تو وہ کہہ رہے تھے کہ تم کھجوریں ملا کر نہ کھاؤ، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملا کر کھجوریں کھانے سے منع فرمایا ہے، پھر انہوں نے فرمایا: سوا اس کے کہ کوئی مرد اپنے بھائی سے اجازت طلب کرے، شعبہ نے کہا کہ اجازت کا قول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۵۵، ۲۴۸۹، ۲۴۹۰، ۵۴۴۶، صحیح مسلم: ۲۰۴۵، سنن ترمذی: ۱۸۱۴، سنن ابوداؤد: ۳۸۳۴، سنن ابن ماجہ: ۳۳۳۱، مسند احمد: ۵۰۴۳)

صحیح البخاری: ۵۴۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں جبلۃ کا ذکر ہے، جیم اور باء دونوں پر زبر ہے اور سُحَیم میں سین پر پیش ہے اور حاء پر زبر ہے اور آخر میں یا ساکن ہے، یہ تابعی کوفی ہیں۔ امام بخاری نے ان سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی صرف یہی حدیث روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''عام سنۃ'' کا ذکر ہے، اس سے مراد ہے: قحط اور مہنگائی کا سال۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''میں ابن الزبیر کے ساتھ تھا''، اس سے مراد ہے حضرت عبداللہ بن زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما۔ اور یہ ان ایام کا ذکر ہے جب حضرت عبداللہ بن زبیر الحجاز میں تھے، پس انہوں نے ہم کو رزق میں کھجوریں دیں، یعنی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس خراج میں جو کھجوریں آتی تھیں، ان میں سے ہمیں کھجوریں دیں، کیونکہ اس سال خوراک کم تھی اور لوگوں کو بھوک درپیش تھی۔ ہم کھا رہے تھے تو ہم سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ دو کھجوروں کو ملا کر نہ کھاؤ۔

دو کھجوروں کو ملا کر کھانے کی ممانعت کے متعلق فقہاء کے اقوال

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے: اس میں اختلاف ہے کہ یہ ممانعت تحریم کے لیے ہے یا تنزیہ کے لیے ہے، یعنی کراہت تنزیہی کے لیے ہے، اور صحیح قول یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے، پس اگر کھانا مشترک ہو تو بغیر ساتھ کھانے والوں کی مرضی کے دو کھجوروں کو ملا کر کھانا حرام ہے اور ان کی رضا یا تو صراحت کے ساتھ حاصل ہوگی بایں طور کہ وہ کہیں: تم دو کھجور ملا کر کھاؤ، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے اور یا قرینہ کی وجہ سے ظن غالب کی بناء پر حاصل ہوگی بایں طور کہ کوئی دوسرے کو دو کھجوریں ملا کر کھانے سے منع نہ کرے۔ اور اگر کھانا کسی اور کا ہو تو پھر دو کھجوروں کو ملا کر کھانا حرام ہے، اور اگر کھانا کسی ایک کا ہو اور وہ دو کھجوروں کو ملا کر کھانے کی اجازت دے دے تو پھر دو کھجوروں کو ملا کر کھانا جائز ہے اور اجازت کے بغیر حرام ہے۔

علامہ خطابی نے ذکر کیا ہے کہ اجازت طلب کرنے کی شرط اس صورت میں ہے جب کہ کھانے کی قلت ہو، لیکن آج کل وسعت ہے اور خوشحالی ہے اور اب اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ علامہ نووی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس باب میں تفصیل ہے، کیونکہ اعتبار عمومِ الفاظ کا ہوتا ہے، خصوصیتِ سبب کا نہیں ہوتا۔ اور اگر سبب ثابت ہو تو وہ ہر صورت میں تو ثابت نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کی دیگر احادیث سے تائید

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ امام بزار نے شعبی کی سند سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے درمیان کھجوروں کو تقسیم کیا، پس بعض صحابہ دو کھجوروں کو ملا کر کھا رہے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کھجوروں کو ملا کر کھانے سے منع فرمایا، سوا اس صورت کے کہ وہ اپنے اصحاب سے اجازت لے لیں۔

امام حاکم نے المستدرک میں اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ میں اصحاب صفہ میں تھا تو ہماری طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عجوہ کھجور بھیجی، اور ہم بھوک کی وجہ سے دو کھجوروں کو ملا کر کھا رہے تھے، پس جب ہم میں سے کوئی ایک کھجوروں کو ملا کر کھا رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: میں بھی دو کھجوروں کو ملا کر کھاتا ہوں، تم بھی دو کھجوروں کو ملا کر کھاؤ، اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام بزار نے اور امام طبرانی نے اپنی اوسط میں از عطاء الخراسانی از عبداللہ بن بریدہ از والد خود یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو کھجوریں ملا کر کھانے سے منع کیا تھا، پس بے شک اللہ تعالیٰ نے اب تم پر وسعت کر دی ہے، تم ملا کر کھاؤ، تو میں کہوں گا: اس حدیث کی سند میں یزید بن یزیع ہے، اس کو یحییٰ بن معین اور الدارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰۶-۱۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۴۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جو کہا ہے کہ انسان اپنے اصحاب سے اجازت لے لے تو پھر اس کا دو کھجوروں کو ملا کر کھانا جائز ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول صحیح ہے اور امام مالک نے ممانعت کی علت یہ بیان کی ہے کہ جب کھجوروں میں سب شریک ہوں، اس وقت شرکاء کی اجازت کے بغیر دو کھجوروں کو ملا کر کھانا جائز نہیں ہے، اور ابن نافع نے روایت کی ہے کہ اگر وہ خود کھلانے والا ہو تو پھر دو کھجوروں کو ملا کر کھانا جائز ہے۔

اس حدیث میں لفظ "قران" ہے جیسا کہ حج اور عمرہ میں لفظِ قران ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۲۴، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۴۶ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اسی طرح انار کھانے کا حکم ہے، کہ اگر انار کے دانوں کو ملا کر کھایا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اور انگوروں کو بھی اگر ملا کر کھایا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اور کھجور میں عادت یہ ہے کہ کھجور ایک ایک کر کے کھائی جاتی ہے لیکن اگر کھانے والے کے ساتھ کوئی اور بھی ہو تو پھر وہ ملا کر نہ کھائے، خاص طور پر جو بھوک یا قحط کا سال ہو، کیونکہ اس سے اپنے بھائی کے حق کے اوپر تجاوز کرنا لازم آئے گا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۸۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۴۵۔ بَابُ: الْقِثَّاءِ — ککڑی کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں ککڑی کا ذکر ہے، اور یہ عنوان زائد ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ عنقریب ذکر کیا ہے: ''باب الرطب بالقثاء'' یعنی تروتازہ کھجوروں کو ککڑی کے ساتھ ملا کر کھانا۔ اور یہی حدیث اس باب میں ذکر کی ہے اور دونوں بابوں میں امام بخاری کے شیخ کا اختلاف ہے، کیونکہ وہاں انہوں نے اس حدیث کی از عبدالعزیز بن عبداللہ روایت کی ہے اور یہاں اس حدیث کی از اسماعیل بن عبداللہ روایت کی ہے اور یہ دونوں حدیثیں ابراہیم بن سعد سے مروی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۴۷۔ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ جَعْفَرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَأْكُلُ الرُّطَبَ بِالْقِثَّاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسماعیل بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تروتازہ کھجوروں کو ککڑی کے ساتھ ملا کر کھا رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۴۰، ۵۴۴۷، ۵۴۴۹، صحیح مسلم: ۲۰۴۳، سنن ترمذی: ۱۸۴۴، سنن ابو داؤد: ۳۸۳۵، سنن ابن ماجہ: ۳۳۲۵، مسند احمد: ۱۷۴۳، سنن دارمی: ۲۰۵۸)

تنبیہ: دیگر شارحین نے بھی لکھا ہے کہ اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۴۴۰ میں گزر چکی ہے۔

۴۶۔ بَابُ: بَرَكَةِ النَّخْلِ — کھجور کے درخت کی برکت

اس باب میں کھجور کے درخت کی برکت بیان کی گئی ہے۔

۵۴۴۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ عَنْ زُبَيْدٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً تَكُونُ مِثْلَ الْمُسْلِمِ وَهِيَ النَّخْلَةُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن طلحہ نے حدیث بیان کی از زبید از مجاہد، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے ارشاد فرمایا: درختوں میں سے

ایک درخت ہے جو مسلمان کی مثل ہے اور وہ کھجور کا درخت ہے۔

(صحیح البخاری:۶۱، ۶۲، ۷۲، ۱۳۱، ۲۲۰۹، ۴۶۹۸، ۵۴۴۴، ۵۴۴۸، ۶۱۲۲، ۶۱۴۴، صحیح مسلم:۲۸۱۱، سنن ترمذی:۲۸۶۷، مسند احمد:۴۸۴۴، سنن دارمی:۲۸۲)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۴۴۴ میں گزر چکی ہے۔

۴۷- بَابٌ: جَمْعِ اللَّوْنَيْنِ أَوِ الطَّعَامَيْنِ بِمَرَّةٍ

ایک وقت میں دو قسم کے پھل یا دو قسم کے کھانے جمع کر کے کھانے کا حکم

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دو قسم کے پھل یا دو قسم کے کھانوں کو ایک مرتبہ جمع کر کے کھانا، یعنی حالت واحدہ میں۔ اور یہ عنوان ساقط ہے، کیونکہ صحیح بخاری کے دوسرے نسخوں میں یہ عنوان مذکور نہیں ہے۔

سالن کو ملا کر کھانے کا جواز اور دودھ جو شہد سے ملا ہوا ہو اس کو تواضعاً ترک کرنا

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: میرے علم میں نہیں ہے کہ کسی نے سالن کو ملا کر کھانے سے منع کیا ہو، مگر وہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور ممکن ہے کہ انہوں نے اسراف کی وجہ سے منع فرمایا ہو، کیونکہ تر و تازہ کھجوروں کو ککڑی کے ساتھ ملا کر کھانا جائز ہے اور خشک گوشت کو لوکی کے قتلوں کے ساتھ ملا کر کھانا جائز ہے۔ اور اس حدیث کا بیان اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عمر القواریری نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی: ہمیں سلمہ بن حبیب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے یہ خبر دی کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں تشریف لائے اور آپ روزہ سے تھے تو ایک مرد نے آپ کا انتظار کیا جس کا نام اوس بن خولی تھا، حتیٰ کہ اس نے افطاری کو آپ کے قریب رکھا، آپ کے پاس ایک پیالہ لے کر آیا جس میں دودھ اور شہد تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آگے سے پیالہ اٹھایا اور اس کو زمین پر رکھ دیا، آپ نے فرمایا: اے اوس بن خولی! یہ کیسا مشروب ہے؟ اس نے کہا: یہ دودھ اور شہد ہے، آپ نے فرمایا: میں اس کو حرام قرار نہیں دیتا لیکن میں اس کو اللہ تعالیٰ کی تواضع کے لیے چھوڑ رہا ہوں، کیونکہ جو اللہ کے لیے تواضع کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو سربلند کرتا ہے اور جو تکبر کرے اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرتا ہے، اور جو فضول خرچی کرے اللہ تعالیٰ اس کو فقیر بنا دیتا ہے اور جو میانہ روی اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کو غنی بنا دیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اللہ تعالیٰ اس کو محبوب رکھتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰۸-۱۰۹، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۴۹- حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ رضی الله عنهما قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَأْكُلُ الرُّطَبَ بِالْقِثَّاءِ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے خبر دی از والد خود از حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تر و تازہ کھجوروں کو ککڑی کے ساتھ ملا کر کھا

رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۵۰، ۵۴۴۷، ۵۴۴۹، صحیح مسلم: ۲۰۴۳، سنن ترمذی: ۱۸۴۴، سنن ابو داؤد: ۳۸۳۵، سنن ابن ماجہ: ۳۲۲۵، مسند احمد: ۱۷۴۳، سنن دارمی: ۲۰۵۸)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۴۴۰ میں گزر چکی ہے۔

۴۸۔ بَابُ: مَنْ أَدْخَلَ الضِّيفَانَ عَشَرَةً عَشَرَةً وَالْجُلُوسِ عَلَى الطَّعَامِ عَشَرَةً عَشَرَةً

دس دس مہمانوں کو بٹھا کر کھلانے اور طعام پر دس دس کو بٹھانے کا حکم

اس باب میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جس نے دس دس مہمانوں کو اپنے گھر میں بٹھایا، اس کا کیا حکم ہے اور جس نے دستر خوان پر دس دس کو بٹھایا، اس کا کیا حکم ہے، اور اس کی وجہ یا طعام کی قلت ہے یا جگہ کی تنگی ہے۔

۵۴۵۰۔ حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنِ الْجَعْدِ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أَنَسٍ ح وَعَنْ هِشَامٍ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَنَسٍ ح وَعَنْ سِنَانٍ أَبِي رَبِيعَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ أُمَّهُ عَمَدَتْ إِلَى مُدٍّ مِنْ شَعِيرٍ جَشَّتْهُ وَجَعَلَتْ مِنْهُ خَطِيفَةً وَعَصَرَتْ عُكَّةً عِنْدَهَا ثُمَّ بَعَثَتْنِي إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ فِي أَصْحَابِهِ فَدَعَوْتُهُ قَالَ وَمَنْ مَعِي فَجِئْتُ فَقُلْتُ إِنَّهُ يَقُولُ وَمَنْ مَعِي فَخَرَجَ إِلَيْهِ أَبُو طَلْحَةَ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّمَا هُوَ شَيْءٌ صَنَعَتْهُ أُمُّ سُلَيْمٍ فَدَخَلَ فَجِيءَ بِهِ وَقَالَ أَدْخِلْ عَلَيَّ عَشَرَةً فَدَخَلُوا فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ قَالَ أَدْخِلْ عَلَيَّ عَشَرَةً فَدَخَلُوا فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ قَالَ أَدْخِلْ عَلَيَّ عَشَرَةً حَتَّى عَدَّ أَرْبَعِينَ ثُمَّ أَكَلَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَامَ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ هَلْ نَقَصَ مِنْهَا شَيْءٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے الصلت بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از الجعد ابی عثمان از حضرت انس رضی اللہ عنہ ح اور از ہشام از محمد از حضرت انس رضی اللہ عنہ ح اور از سنان ابی ربیعہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سُلیم جو حضرت انس رضی اللہ عنہما کی والدہ تھیں، ان کی والدہ نے ایک کلوگرام جَو لیے اور ان کو پیس کر ان کا خطیفہ بنایا (آٹے کو دودھ میں ملا کر پکایا)۔ اور ان کے پاس جو گھی کی کپی تھی اس میں سے گھی نچوڑ کر اس پر ڈالا، پھر انہوں نے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ اپنے اصحاب کے ساتھ تھے، سو میں نے آپ کو دعوت دی۔ آپ نے فرمایا: جو اصحاب میرے ساتھ ہیں؟، پھر میں آیا اور میں نے کہا کہ آپ فرماتے ہیں کہ جو لوگ میرے ساتھ ہیں وہ بھی چلیں گے؟، پھر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم)، وہ تو صرف ایک کھانا ہے جس کو ام سُلیم نے بنایا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور وہ طعام لایا گیا، آپ نے فرمایا: میرے پاس دس صحابہ کو بلاؤ، پس وہ داخل ہوئے اور انہوں نے وہ طعام کھایا حتیٰ کہ سیر ہو گئے، پھر آپ نے فرمایا: میرے پاس دس اور صحابہ کو بلاؤ، سو وہ داخل ہوئے اور انہوں نے

کھایا حتیٰ کہ سیر ہو گئے، پھر فرمایا: میرے پاس دس اور صحابہ کو بلاؤ، حتیٰ کہ چالیس آدمیوں کو آپ نے گنا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھایا، پھر آپ کھڑے ہو گئے، پھر میں دیکھ رہا تھا کہ کیا اس طعام میں سے کوئی چیز کم ہوئی ہے؟

(صحیح البخاری: ۵۴۵۰، صحیح مسلم: ۲۰۴۰، سنن ترمذی: ۳۶۳۰، مسند احمد: ۱۲۰۸۲، موطا امام مالک: ۱۷۲۵، سنن دارمی: ۴۳)

صحیح البخاری: ۵۴۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور یہ قصہ اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ ''باب علامات النبوۃ'' میں گزر چکا ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث کو تین سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے:

(۱) الصلت بن محمد الخارکی از حماد بن زید از الجعد از حضرت انس رضی اللہ عنہ

(۲) از حماد بن زید از ہشام بن حسان از الازری از محمد بن سیرین از حضرت انس رضی اللہ عنہ

(۳) از حماد بن زید از سنان از حضرت انس رضی اللہ عنہ

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''خطیفہ'' کا ذکر ہے۔ یہ وہ طعام ہے جس میں آٹے پر دودھ کو چھڑک دیا جاتا ہے، پھر اس کو پکایا جاتا ہے، پھر اس کو لوگ چاٹ کر کھاتے ہیں اور جلدی جلدی کھاتے ہیں۔

اور اس حدیث میں ''عکة'' کا لفظ ہے، یہ ایک برتن ہے جس میں گھی رکھا جاتا ہے۔

اور اس حدیث میں حضرت ابوطلحہ کا ذکر ہے۔ ان کا نام زید بن سہل ہے اور یہ حضرت ام سُلیم کے خاوند ہیں، اور ام سُلیم کے نام میں کئی اقوال ہیں جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ وہ کھانا ہے جس کو ام سُلیم نے تیار کیا ہے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ یہ صرف تھوڑا سا کھانا ہے جس کو صرف آپ کے لیے بنایا ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ طعام کو مل جل کر کھانے سے برکت ہوتی ہے، امام ابو داؤد نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے طعام کو مجتمع ہو کر کھاؤ اور اللہ کا نام لو، اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں برکت دے گا۔

اس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے کیونکہ یہ ایک کلو کی مقدار کھانا تھا، جس سے چالیس صحابہ نے سیر ہو کر کھا لیا اور اس کھانے

میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰۹-۱۱۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۵۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک گھر میں دس دس صحابہ کو داخل کرنے کی توجیہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں دس دس صحابہ کو داخل کیا، کیونکہ پیالہ ایک تھا اور اس میں ایک کلو جو کا طعام تھا، اور ایک بڑی جماعت کا اس پیالہ سے کھانا بغیر مشقت کے ممکن نہیں تھا اور بسا اوقات بعض کو بعض سے ایذاء پہنچتی ہے، اور اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ ایک دستر خوان پر دس سے زیادہ نہیں بیٹھ سکتے جیسا کہ بعض شارحین نے اس حدیث کی شرح میں یہ زعم کیا ہے، کیونکہ صحابہ نے دعوتوں میں ایک دستر خوان پر جمع ہو کر بیٹھ کر کھایا ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) طعام کو مل کر کھانا اسباب برکت میں سے ہے، روایت ہے از ابراہیم بن موسیٰ از ولید بن مسلم از وحشی بن حرب از والد خود از جد خود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے کہا: یا رسول اللہ! ہم کھاتے ہیں اور سیر نہیں ہوتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید تم الگ الگ بیٹھ کر کھاتے ہو، صحابہ نے کہا: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مل کر کھاؤ اور اللہ کا نام لو اللہ تعالیٰ تم کو برکت دے گا۔
(سنن ابوداؤد: ۳۷۶۴، صحیح ابن حبان ج ۱۲ ص ۲۷)

(۲) اس حدیث میں نبوت کے علوم کا ذکر ہے، کیونکہ طعام ایک کلو جو تھا اور اس سے چالیس آدمیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت معصومہ سے سیر ہو کر کھایا، پھر آپ نے اس کے بعد کھایا اور طعام اسی حال پر باقی تھا، اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی عظیم براہین میں سے ہے اور اکبر معجزات میں سے ہے۔

(۳) اس حدیث میں ہے کہ وہ چالیس (۴۰) صحابہ تھے، اور صحیح البخاری: ۵۳۸۱ میں ہے کہ وہ اسی (۸۰) صحابہ تھے اور صحیح البخاری: ۳۵۷۸ میں ہے کہ ستر (۷۰) صحابہ تھے، ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ یہ متعدد واقعات ہیں۔

اس کی توجیہ کہ اس حدیث میں میزبان سے اجازت طلب کرنے کا ذکر نہیں ہے

صحیح البخاری: ۲۰۸۱ میں جو حدیث ہے اس میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میزبان سے اجازت طلب کی تھی اور اس حدیث میں میزبان سے اجازت طلب کرنے کا ذکر نہیں ہے۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو بغیر اجازت کے ان چالیس صحابہ کو بلانا ناگوار نہیں ہوگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ آپ کی برکت سے یہ کم مقدار کا کھانا چالیس صحابہ کو کافی ہو جائے گا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اس طعام کا مالک بنا دیا تھا، لہٰذا آپ کو اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ (التوضیح للشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۲۹-۲۳۱، ملخصاً ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: جب دس دس صحابہ نے آ کر کھایا تو بعد والوں نے پہلے والوں کا بچا ہوا کھایا، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا

بچا ہوا کھانا جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

تنبیہ: حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی شرح میں مذکور الصدر احادیث کی شرح میں کوئی نئی اور قابلِ ذکر بات نہیں لکھی ہے۔

۴۹۔ بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنَ الثُّومِ وَالْبُقُولِ
لہسن اور دوسری بدبو والی ترکاریوں کے کھانے کا بیان

فِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔
اس کے متعلق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ (صحیح البخاری: ۸۵۳)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس کا بیان ہے کہ کچے لہسن کو کھانا مکروہ ہے خواہ وہ کچا ہو یا پکا ہوا ہو اور دیگر ایسی کچی سبزیاں جن کے کھانے سے بدبو آتی ہو جیسے مولی وغیرہ، ان کو بھی کھانا مکروہ ہے کیونکہ اس سے ناگوار بو آتی ہے۔

امام بخاری کی تعلیق کی شرح

اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے اور یہ روایت کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں گزر چکی ہے، اس باب کا عنوان ہے: "باب ما جاء فی الثوم النئی والبصل والکراث" یعنی ان احادیث کے بیان میں جو کچے لہسن اور کچی پیاز اور گیندنا (پیاز کے مشابہ ایک سبزی جس کی بو ناگوار ہوتی ہے) کے متعلق ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر میں فرمایا: جس نے اس درخت یعنی لہسن کی جڑ سے کھایا، وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔ اس کی شرح گزر چکی ہے، کیونکہ جو شخص کچا لہسن یا کچا پیاز کھا کر مسجد میں آ کر نماز پڑھے گا، اس کی بو سے نمازیوں اور فرشتوں کو اذیت ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۵۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ قِيلَ لِأَنَسٍ مَا سَمِعْتَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ فِي الثُّومِ فَقَالَ مَنْ أَكَلَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوارث نے حدیث بیان کی از عبد العزیز، انہوں نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا آپ نے سنا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کچے لہسن کے متعلق یہ فرماتے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ آپ نے فرمایا: جس نے کچا لہسن کھایا وہ ہماری مسجد میں نہ آئے۔

(صحیح البخاری: ۸۵۶، ۵۴۵۱، صحیح مسلم: ۵۶۲، مسند احمد بن حنبل: ۲۷۸۳۳)

۵۴۵۲۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا أَبُو صَفْوَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَطَاءٌ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو صفوان عبد اللہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے

عنهما زَعَمَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا أَوْلِيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا۔

خبر دی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عطاء نے حدیث بیان کی از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، انہوں نے زعم کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے لہسن کھایا یا پیاز کھائی وہ ہم سے الگ رہے، یا ہماری مسجد سے الگ رہے۔

(سنن ترمذی: ۱۸۰۶، سنن نسائی: ۷۰۷، سنن ابوداؤد: ۳۸۲۲، مسند احمد: ۱۴۸۷۵)

صحیح البخاری: ۵۴۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کچے اور پکے ہوئے لہسن دونوں کو شامل ہے اور یہ جمعہ اور جماعت کو ترک کرنے کا عذر ہے، کیونکہ اس کی بدبو مسجد میں نمازیوں کو ایذاء پہنچاتی ہے اور فرشتے اس سے متنفر ہوتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۰-۱۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی شرح پر مصنف کا مواخذہ

میں کہتا ہوں: علامہ عینی کا پکے ہوئے لہسن اور پکی ہوئی پیاز کے کھانے کو بھی اس ممانعت میں داخل کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اس درخت سے کھایا یعنی لہسن کو کھایا، وہ ہماری مساجد کو نہ ڈھانپے، عطاء نے کہا کہ آپ کی اس سے کیا مراد تھی؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ آپ کی اس سے مراد کچا لہسن تھا اور مخلد بن یزید نے از ابن جریج روایت کی ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ نے صرف کچے لہسن سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۵۴، صحیح مسلم: ۵۶۴، سنن ترمذی: ۱۸۰۶، سنن نسائی: ۷۰۷، سنن ابوداؤد: ۳۸۲۲، مسند احمد: ۱۴۶۵۱)

اور یہی ظاہر ہے، کیونکہ کچے لہسن کو کھانے سے اور کچی پیاز اور کچی مولی کو کھانے سے منہ سے ناگوار بو آتی ہے اور پکے ہوئے لہسن یا پکی ہوئی پیاز یا مولی کو کھانے سے منہ سے ناگوار بو نہیں آتی۔ نیز علامہ عینی کا یہ لکھنا بھی صحیح نہیں ہے کہ کچا لہسن اور کچی پیاز کھانا جمعہ اور جماعت کو ترک کرنے کا عذر ہے، بلکہ یوں لکھنا چاہیے کہ جس نے کچی پیاز یا کچا لہسن کھایا تو وہ اپنے منہ سے بدبو کو زائل کر کے مسجد میں نماز پڑھنے جائے۔ اسی طرح جن دوسری چیزوں کو منہ میں ڈالنے یا کھانے پینے سے بدبو آتی ہے، ان کو کھا کر یا پی کر بھی منہ صاف کیے بغیر مسجد میں نہ آئے۔ مثلاً سگریٹ یا حقہ پی کر، یا منہ میں نسوار ڈال کر مسجد میں جائے گا تو اس سے سخت بدبو آئے گی اور نمازیوں اور فرشتوں کو تکلیف ہوگی، اس لیے چاہیے یہ کہ ایسی چیزوں کا کھانا کلیۃً ترک کردے اور اگر اس نے کھالی ہیں تو بغیر منہ کو صاف کیے مسجد میں نہ جائے۔ اور ان چیزوں کو کھانا یا پینا ایسا عذر نہیں ہے جس کا تدارک یا جس کی تلافی نہ ہو سکے، اس لیے جماعت سے نماز پڑھنے اور جمعہ پڑھنے کو ترک نہ کیا جائے، البتہ مسجد میں جانے سے پہلے ان چیزوں کے کھانے پینے کو ترک کر دیا جائے۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۴۵۱، ۵۴۵۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کچا لہسن کھا کر مسجد میں جانے کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام بخاری نے یہاں یہ حدیث روایت کی ہے کہ جس نے لہسن کھایا، وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے اور دوسری حدیث میں ہے جس نے لہسن یا پیاز کھایا وہ ہم سے الگ رہے یا ہماری مسجد سے الگ رہے اور ایک اور حدیث میں ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ تم کھاؤ، کیونکہ میں اس سے مناجات کرتا ہوں جس سے تم مناجات نہیں کرتے، اس حدیث میں دوسروں کے لیے لہسن اور پیاز کھانے کی اباحت ہے جب اس سے نمازیوں کو ایذاء نہ پہنچے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اختلاف ہے، آیا آپ کے لیے لہسن اور پیاز کھانا حرام تھا یا نہیں؟ اور صحیح یہ ہے کہ آپ کے لیے مکروہ تھا، کیونکہ جب آپ سے یہ پوچھا گیا کیا: یہ حرام ہے تو آپ نے فرمایا: نہیں، اور جنہوں نے کہا کہ یہ آپ کے لیے حرام تھا، ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ کے ساتھ ہمیشہ فرشتے رہتے تھے اور ہر ساعت میں کوئی نہ کوئی فرشتہ ساتھ ہوتا تھا۔

اور ان احادیث میں لہسن اور پیاز کھانے کا ثبوت ہے، سوائے اس کے کہ جس نے ان کو کھایا اس کے لیے مسجد میں حاضر ہونا مکروہ ہے اور فقہاء نے لہسن اور پیاز کے ساتھ دوسری ان سبزیوں کو بھی ملا دیا ہے جن کی ناگوار بو ہو۔

قاضی عیاض نے اہل ظاہر سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان چیزوں کا کھانا مطلقاً حرام ہے، کیونکہ یہ چیزیں جماعت سے حاضر ہونے کو منع کرتی ہیں اور جماعت فرضِ عین ہے، لیکن ابن حزم ظاہری نے جواز کی تصریح کی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ مسجد میں حاضر ہوتے وقت لہسن اور پیاز کھانا مکروہ ہے اور ابن حزم اپنے مذہب کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ جاننے والے ہیں۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۷۵، دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۲ ص ۶۱۰، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر کی نامکمل شرح

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی یہ وضاحت نہیں کی کہ مطلقاً لہسن کھا کر مسجد میں جانا منع ہے یا کچا لہسن کھا کر مسجد میں جانا منع ہے، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کچا لہسن کھا کر مسجد میں جانا منع ہے کیونکہ اسی کی ناگوار بو ہوتی ہے اور پکے ہوئے لہسن کی ناگوار بو نہیں ہوتی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۴۵۲ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لہسن اور پیاز کھانے کا جواز

ان احادیث میں لہسن اور پیاز کھانے کے جواز کی دلیل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ جس چیز کو اللہ نے حلال کیا ہو میں اس کو حرام نہیں کرتا، بلکہ آپ نے اس سے منع کیا ہے کہ جس نے لہسن اور پیاز کھایا ہو، وہ نمازیوں کے قریب نہ جائے، صحابہ نے پوچھا: کیا آپ نے اس کو حرام کر دیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہو، میں اس کو حرام کرنے والا نہیں ہوں۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مصلحتِ عامہ، مصلحتِ خاصہ پر مقدم ہے، کیونکہ مصلحت کی وجہ سے لہسن کھانے والے کو مسجد

میں داخل ہونے سے منع فرمایا، کیونکہ لہسن کی ناگوار بو سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔
سوال: اگر کوئی کہنے والا کہے کہ جب سب لوگ پیاز اور لہسن کھائیں تو کیا سب لوگ مسجد میں حاضر نہیں ہوں گے؟
جواب: ہم کہتے ہیں ہاں! حتیٰ کہ اگر سب لوگ پیاز یا لہسن کھائیں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ فرشتوں کو ایذاء پہنچائیں، پس وہ مسجد میں داخل نہ ہوں۔
سوال: کیا وہ گھر میں جماعت سے نماز پڑھ لیں؟
جواب: ہاں وہ گھر میں جماعت سے نماز پڑھ لیں۔
سوال: اگر کوئی کہنے والا کہے کہ تم پیاز اور لہسن کو کیوں حرام قرار نہیں دیتے، کیوں کہ اس کا کھانا نماز با جماعت کے ترک کا ذریعہ ہے؟
جواب: ہم اس کو حرام قرار نہیں دیتے، کیوں کہ لہسن اور پیاز کے کھانے پر کوئی عذاب نہیں ہے، اسی لیے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں لہسن اور پیاز کھاتا ہوں تا کہ اس حالت میں مسجد میں نہ جاؤں تو اس پر کھانا حرام ہوگا، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی واجب کی ہوئی عبادت کو ترک کرنے کا ذریعہ بنایا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۸۹، مکتبۃ الطبری القاہرہ مصر، ۱۴۲۹ھ)

شیخ عثیمین کی شرح پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں کہ شیخ عثیمین نے ان احادیث سے یہ سمجھا ہے کہ مطلقاً لہسن یا پیاز کھانے کے بعد مسجد میں داخل ہونے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے بلکہ کچا لہسن اور کچا پیاز کھا کر مسجد میں داخل ہونے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، حدیث میں ہے:
حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اس درخت سے کھایا یعنی لہسن کو کھایا، وہ ہماری مساجد کو نہ ڈھانپے، عطاء نے کہا کہ آپ کی اس سے کیا مراد تھی؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ آپ کی اس سے مراد کچا لہسن تھا اور مخلد بن یزید نے از ابن جریج روایت کی ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ نے صرف کچے لہسن سے منع فرمایا ہے۔
(صحیح البخاری: ۸۵۴، صحیح مسلم: ۵۶۴، سنن ترمذی: ۱۸۰۶، سنن نسائی: ۷۰۷، سنن ابوداؤد: ۳۸۲۲، مسند احمد: ۱۴۶۵۱)
دوسری دلیل یہ ہے کہ ایک طویل حدیث کے آخر میں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا: اے لوگو! تم ان دو درختوں سے کھاتے ہو اور میری رائے میں یہ دونوں درخت خبیث ہیں، پیاز اور لہسن۔ اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے ان کی بدبو پائی جو مسجد میں داخل ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ اس کو بقیع کی طرف نکال دیا جائے، پس جو لہسن یا پیاز کو کھائے تو اس کو پکا کر اس کی بدبو کو زائل کر دے۔ (صحیح مسلم: ۵۶۷، سنن ابن ماجہ: ۱۰۱۴، سنن نسائی: ۷۰۳، مسند احمد: ۳۴۱)
اس حدیث میں یہ واضح دلیل ہے کہ جب لہسن اور پیاز کو پکا کر ان کی بدبو زائل کر دی جائے تو پھر ان کا کھانا جائز ہے۔ اور اس سے واضح ہو گیا کہ کچا لہسن اور کچا پیاز کھا کر مسجد میں داخل ہونا منع ہے اور پکی ہوئی پیاز اور پکے ہوئے لہسن کو کھا کر مسجد میں داخل ہونا منع نہیں ہے۔
اور تیسری دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے اس مسئلہ میں یہ باب قائم کیا ہے "۱۶۰۔ باب: ما جاء فی الثوم النیء والبصل والکراث"، یعنی کچے لہسن، پیاز اور گیندنا کے متعلق احادیث وارد ہیں۔

یہ باب صحیح البخاری: ۸۵۳ کا عنوان ہے۔
میں کہتا ہوں کہ اس سے واضح ہو گیا کہ امام بخاری کے نزدیک بھی مطلقاً لہسن اور پیاز کھا کر مسجد میں داخل ہونا منع نہیں ہے، بلکہ کچا لہسن اور کچی پیاز کھا کر مسجد میں داخل ہونا منع ہے۔
علامہ عینی نے صحیح البخاری: ۸۵۴ کی شرح میں یہ عنوان قائم کیا ہے "اس حدیث سے مستفاد ہونے والے مسائل"۔ اور اس میں لکھا ہے کہ کچا لہسن کھانا مکروہ ہے اور حرام نہیں ہے اور اس کی کراہت اس کی ناگوار بو کی وجہ سے ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۶ ص ۲۰۹، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)
حیرت ہے کہ علامہ عینی صحیح البخاری: ۸۵۴ کی شرح میں خود لکھ چکے ہیں کہ کچا لہسن کھا کر مسجد میں داخل ہونا منع ہے اور یہاں صحیح البخاری: ۵۴۵۲، کی شرح میں انہوں نے لکھ دیا ہے کہ کچا لہسن ہو یا پکا لہسن ہو، اس کو کھا کر مسجد میں داخل ہونا منع ہے اور یہ امام بخاری کے عنوان اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول میں تصریح ہے کہ آپ کی مراد کچا لہسن کھا کر مسجد میں داخل ہونا منع ہے اور صحیح مسلم میں بھی یہ تصریح ہے کہ لہسن کو پکا کر اس کی بدبو کو زائل کر لیا جائے تو پھر اس کے کھانے میں کراہت نہیں ہے اور اس صورت میں مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔
مشہور غیر مقلد عالم شیخ داؤد راز نے بھی اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:
اگر لہسن یا پیاز پکا کر کھائی جائے جب کہ اس میں بو نہ رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ امام ابوداؤد کی روایت میں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۶۰، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۴ء)
اور دیگر شارحین نے یہ وضاحت نہیں کی کہ کچا لہسن کھا کر مسجد میں داخل ہونا منع ہے اور پکا ہوا لہسن کھا کر مسجد میں داخل ہونا منع نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ شیخ عثیمین نے لکھا ہے کہ جس نے لہسن اور پیاز کھایا وہ مسجد میں جا کر نماز نہ پڑھے بلکہ گھر میں نماز پڑھے۔ اول تو پکا ہوا لہسن اور پیاز کھا کر مسجد میں داخل ہونے کی ممانعت نہیں ہے اور ثانی یہ کہ اگر کچا لہسن اور پیاز بھی کھایا ہو تو یہ ایسا عذر نہیں ہے جس کا تدارک نہ ہو سکے، آدمی کچے لہسن کی بدبو زائل کر کے مسجد میں جا کر نماز پڑھ لے یا پہلے مسجد میں جا کر نماز پڑھ لے اور بعد میں کچا لہسن اور پیاز کھا لے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۰۔ بَابٌ: اَلْكَبَاثِ وَهُوَ ثَمَرُ الْأَرَاكِ

کباث، اور وہ پیلو کے درخت کا پھل ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
یعنی اس باب میں کباث کے کھانے کی حلت بیان کی گئی ہے، کباث میں کاف پر زبر ہے اور یہ ایک مشہور و معروف درخت ہے، (اس کو اردو میں پیلو کا درخت کہتے ہیں اور بعض علاقائی زبانوں میں اس کو جال کا درخت کہتے ہیں۔ سعیدی غفرلہ) جب یہ کالے رنگ کا ہو تو اس کو زیادہ پکا یا جاتا ہے، بعض شارحین نے کہا ہے کہ پیلو کے درخت کے پتے صحیح نہیں ہیں بلکہ یہ پیلو کے درخت کا پھل ہے۔ ابوالزناد نے کہا: یہ انجیر کے مشابہ ہے جس کو لوگ کھاتے ہیں اور اونٹ کھاتے ہیں اور ابو عمر نے کہا: یہ گرم مزاج کا اور نمکین ہے گویا کہ اس میں نمک ملا ہوا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۱، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۵۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِمَرِّ الظَّهْرَانِ نَجْنِي الْكَبَاثَ فَقَالَ عَلَيْكُمْ بِالْأَسْوَدِ مِنْهُ فَإِنَّهُ أَيْطَبُ فَقَالَ أَكُنْتَ تَرْعَى الْغَنَمَ قَالَ نَعَمْ وَهَلْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا رَعَاهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عُفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام بنو الظہر ان میں تھے، ہم پیلو کے درخت کے پھل کو چن رہے تھے تو آپ نے فرمایا: تم کالا پھل چنو، کیونکہ وہ خوشگوار ہوتا ہے، آپ سے پوچھا گیا: کیا آپ بکریاں چراتے رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۴۰۶، ۵۴۵۳، صحیح مسلم: ۲۰۵۰، مسند احمد: ۱۴۰۸۸)

صحیح البخاری: ۵۴۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''مرالظہران'' کا ذکر ہے۔ اس میں میم پر زبر ہے اور راء پر تشدید ہے، اور ظہران لفظِ ظہر کا تثنیہ ہے اور یہ مکہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ہم کباث، یعنی پیلو کے درخت کے پھل کو چُن رہے تھے''۔ ایسا ابتداءِ اسلام میں ہوتا تھا جب مسلمانوں کو کھانے کی زیادہ خوراک میسر نہیں تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو گندم اور مختلف دانوں کے رزق سے مستغنی کر دیا اور رزق کو وسیع کر دیا اور اب پیلو کے درخت کے پھل کو کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔

علامہ ابن التین نے داؤدی سے نقل کیا ہے: بکریوں کے اختصاص کی وجہ یہ ہے کہ بکریوں پر سواری نہیں کی جاتی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں تواضع کو اختیار کیا جائے اور خلوت میں ان کے دل کی صفائی ہو اور بکریوں کا انتظام کرنے سے ان کو امت کے انتظام اور امت کی مصلحت اور امت پر شفقت کرنے کی مشق ہو۔ اور بکریوں کو روکنے ٹوکنے سے انہیں امت کو ہدایت دینے کی مشق ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۱-۱۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۵۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں امام بخاری نے الکباث کی تفسیر کی ہے: ''پیلو کے درخت کے پتے''۔ علامہ ابن التین نے

اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، اور اہل لغت نے یہ کہا ہے کہ یہ پیلو کے درخت کا پھل ہے پتے نہیں ہیں۔
علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: ہم نے امام بخاری کے کسی نسخہ میں یہ تفسیر نہیں دیکھی۔

حدیث مذکور کے فوائد

چونکہ صحابہ پیلو کے درخت کے پھل کو چن رہے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ درخت کے جس پھل کا کوئی مالک نہ ہو، اس کو اٹھا کے کھانا جائز ہے، اور یہ ابتداءِ اسلام میں ہوتا تھا جب مسلمانوں کے پاس خوراک نہیں تھی، بعد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو گندم اور غلہ کی دوسری اجناس سے پیلو کے درخت سے مستغنی کر دیا اور اب ان کو پیلو کے درخت کے پھل کو اٹھا کر کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔
علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بکریوں کے چرانے کے ساتھ مختص کیا گیا ہے، کیونکہ بکریوں پر سواری نہیں کی جاتی کہ وہ اپنے سوار کو گرا دیں۔
علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: اگرچہ بعض شہروں میں بکروں پر پہاڑوں میں اور گرم علاقوں میں سواری کی جاتی ہے جیسا کہ المسعودی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔
نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بکریوں کو چرانے میں فضیلت ہے اور بکریوں کو چرانے سے سکون اور وقار پیدا ہوتا ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۲۳۳-۲۳۴، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۱۔ بَابٌ: اَلْمَضْمَضَةِ بَعْدَ الطَّعَامِ — کھانے کے بعد کلی کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کھانے کے بعد کلی کرنی چاہیے۔

۵۴۵۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ النُّعْمَانِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَى خَيْبَرَ فَلَمَّا كُنَّا بِالصَّهْبَاءِ دَعَا بِطَعَامٍ فَمَا أُتِيَ إِلَّا بِسَوِيقٍ فَأَكَلْنَا فَقَامَ إِلَى الصَّلَاةِ فَتَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے یحییٰ بن سعید سے سنا از بُشیر بن یسار از سُوید بن النعمان، انہوں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر میں گئے، پس جب ہم مقام صہباء کی طرف پہنچے تو آپ ﷺ نے کھانا منگایا، پس آپ کے پاس صرف ستو لائے گئے، پس ہم نے ستو کھائے، پھر آپ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہو گئے، آپ نے کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی۔

(صحیح البخاری: ۲۰۹، ۲۱۵، ۲۹۸۱، ۴۱۷۵، ۴۱۹۵، ۵۳۸۴، ۵۳۹۰، ۵۴۵۴، ۵۴۵۵، سنن نسائی: ۱۸۶، سنن ابن ماجہ: ۴۹۳، مسند احمد: ۱۵۵۶۰، موطا امام مالک: ۵۱)

۵۴۵۵۔ قَالَ يَحْيَى سَمِعْتُ بُشَيْرًا يَقُولُ حَدَّثَنَا سُوَيْدٌ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَى خَيْبَرَ فَلَمَّا

یحییٰ نے کہا: میں نے بشیر سے سنا کہ ہمیں سوید نے حدیث بیان کی کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر کی طرف گئے، پس جب

كُنَّا بِالصَّهْبَاءِ قَالَ يَحْيَى وَهِيَ مِنْ خَيْبَرَ عَلَى رَوْحَةٍ دَعَا بِطَعَامٍ فَمَا أُتِيَ إِلَّا بِسَوِيقٍ فَلُكْنَاهُ فَأَكَلْنَا مَعَهُ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا مَعَهُ ثُمَّ صَلَّى بِنَا الْمَغْرِبَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَقَالَ سُفْيَانُ كَأَنَّكَ تَسْمَعُهُ مِنْ يَحْيَى۔

ہم مقامِ الصہباء پر پہنچے تو یحییٰ نے بتایا کہ یہ جگہ خیبر سے دو پہر کی مسافت کے فاصلہ پر ہے، تو آپ نے کھانا منگوایا تو آپ کے پاس ستو لائے گئے، پس ہم نے وہ ستو پھانکے، پھر ہم نے آپ کے ساتھ ستو کھائے، پھر آپ نے پانی منگایا، پھر آپ نے کلی کی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ کلی کی، پھر آپ نے ہم کو مغرب کی نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا، اور سفیان نے کہا: گویا کہ یہ حدیث تم یحییٰ سے ہی سن رہے ہو۔

(صحیح البخاری: ۲۰۹، ۲۱۵، ۲۹۸۱، ۴۱۷۵، ۴۱۹۵، ۵۳۸۴، ۵۳۹۰، ۵۴۵۴، ۵۴۵۵، سنن نسائی: ۱۸۶، سنن ابن ماجہ: ۴۹۳، مسند احمد: ۱۵۵۶۰، موطا امام مالک: ۵۱)

صحیح البخاری: ۵۴۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی کا ذکر ہے، یہ علی بن عبداللہ ہیں جو ابن المدینی کے نام سے معروف ہیں اور سفیان کا ذکر ہے، یہ ابن عُیینہ ہیں اور یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے، یہ انصاری ہیں اور بُشیر بن یسار کا ذکر ہے، یسار کا لفظ یمین کی ضد ہے۔ یہ حدیث اسی سند اور متن کے ساتھ کتاب الاطعمہ کے باب "لیس علی الاعمی حرج" میں گزر چکی ہے، اور وہاں اس کی شرح بیان کی جا چکی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ سفیان بن عُیینہ نے کہا کہ میں نے اس حدیث کو یحییٰ بن سعید سے انہی الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے، پس گویا کہ تم یہ حدیث یحییٰ سے ہی سن رہے ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

کھانے کے بعد کلی کرنے کے فوائد

میں کہتا ہوں کہ کھانے کے بعد کلی کرنے سے منہ بھی صاف ہوتا ہے اور دانت بھی صاف ہوتے ہیں اور منہ سے بدبو نہیں آتی، اور انسان کئی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

تنبیہ: حافظ ابن حجر عسقلانی اور دیگر شارحین نے بھی اس حدیث کی کوئی خاص شرح نہیں کی۔

۵۲۔ بَابٌ: لَعْقِ الْأَصَابِعِ وَمَصِّهَا قَبْلَ أَنْ تُمْسَحَ بِالْمِنْدِيلِ

تولیہ یا رومال سے ہاتھ پونچھنے سے پہلے انگلیوں کو چاٹنا اور چوسنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہاتھوں کو پونچھنے سے پہلے انگلیوں کو چاٹنے اور چوسنے کے متعلق دیگر احادیث

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کھانا کھانے سے فارغ ہونے کے بعد تولیہ یا رومال سے ہاتھ کو پونچھنے سے پہلے انگلیوں کو چاٹنا اور چوسنا مستحب ہے، اور رومال کے ساتھ مقید کر کے صحیح مسلم کی اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے اس میں از سفیان ثوری از زبیر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ اپنے ہاتھ رومال سے نہ پونچھے، اور چاٹنے کے لفظ سے اشارہ کیا ہے کہ ایک اور سند میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کی امام ابن ابی شیبہ نے ابوسفیان سے روایت کی ہے کہ جب تم میں سے کوئی ایک کھانا کھائے تو اپنے ہاتھوں کو نہ پونچھے حتیٰ کہ ان کو چاٹ لے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۵۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَمْسَحْ يَدَهُ حَتَّى يَلْعَقَهَا أَوْ يُلْعِقَهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو بن دینار از عطاء، از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایک کھانا کھائے تو اپنے ہاتھوں کو نہ پونچھے حتیٰ کہ ان کو خود چاٹ لے یا کوئی اور شخص چاٹ لے۔

(صحیح مسلم: ۲۰۳۱، سنن ابوداؤد: ۳۸۴۷، سنن ابن ماجہ: ۳۲۶۹، مسند احمد: ۲۷۷۳، سنن دارمی: ۲۰۲۶)

صحیح البخاری: ۵۴۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں مذکور یا کا لفظ شک کے لیے ہے یا تقسیم کے لیے ہے؟ اور اپنی انگلیوں کو اس سے چٹوائے جس کو چاٹنے سے گھن نہ آئے

اس حدیث میں جو ارشاد ہے کہ خود چاٹ لے یا کوئی اور شخص چاٹ لے، تو یہ شک کے لیے نہیں ہے بلکہ چاٹنے کی دو قسمیں بیان کی ہیں، کہ چاہے تو خود اپنی انگلیوں کو چاٹ لے یا کوئی اور اس کی انگلیوں کو چاٹ لے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ اس وقت تک اپنا ہاتھ تولیہ سے نہ پونچھے حتیٰ کہ خود اپنی انگلیوں کو چاٹ لے، پس اگر اس نے خود نہیں چاٹا تو کوئی دوسرا اس کی انگلیوں کو چاٹ لے، جس کے چاٹنے سے اس کو گھن نہ آئے، مثلاً اس کی بیوی یا اس کا بیٹا یا اس کا پسندیدہ خادم اور وہ اس سے گھن اور کراہیت محسوس نہ کریں۔ اسی طرح جو ان کے معنی میں ہوں مثلاً اس کا شاگرد جو اس کی انگلیوں کو چاٹنے میں برکت کا اعتقاد رکھتا ہو۔

امام بیہقی نے کہا ہے: اس حدیث میں "او" کا لفظ راوی کے شک کی وجہ سے ہے اور یہ دونوں لفظ محفوظ ہیں، یعنی یا تو کوئی بچہ اس کی انگلیوں کو چاٹ لے یا وہ چاٹ لے جس کے متعلق اس کو علم ہے کہ اس کو گھن نہیں آئے گی، اور وہ انگلیوں کو اپنے منہ سے چاٹ لے۔

کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنے کے فوائد

(۱) کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنا مستحب ہے، اس میں صفائی کی حفاظت ہے اور تکبر کو دور کرنا ہے۔ اور اس حدیث میں جو چاٹنے کا حکم ہے یہ جمہور کے نزدیک ارشاد اور استحباب پر محمول ہے۔ ارشاد کا مطلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ طور شفقت ہماری رہنمائی فرمائی۔

اور اہلِ ظاہر (غیر مقلدین) نے اس امر کو وجوب پر محمول کیا ہے۔ علامہ حمد بن محمد الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ نے کہا ہے کہ بعض لوگوں نے انگلیوں کے چاٹنے کو عیب قرار دیا ہے، کیونکہ تکبر نے ان کی عقلوں کو فاسد کر دیا ہے اور ان کی طبیعتوں کی سیرابی نے متغیر کر دیا ہے اور انہوں نے یہ زعم کیا کہ انگلیاں چاٹنا قبیح ہے یا اس سے گھن آتی ہے، اور وہ یہ نہیں جانتے کہ جس طعام کے ذرات ان کی انگلیوں پر لگے ہوئے ہیں یہ اسی طعام کا جز ہیں جس کو انہوں نے کھایا تھا، پس ان ذرات کو چاٹنے سے وہی شخص بے زار ہوگا جو متکبر ہو، تارکِ سنت ہو اور اپنے آپ کو سنت پر عمل کرنے سے بلند اور برتر خیال کرتا ہو۔

(۲) انگلیاں چاٹنے کی حکمت وہ ہے جس کا اس حدیث میں بیان ہے:

امام ترمذی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایک کھانا کھائے تو اپنی انگلیوں کو چاٹ لے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ طعام کے کون سے جز میں برکت ہے۔

اور امام مسلم، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے از سفیان ثوری از زبیر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جب تم میں سے کسی ایک کا لقمہ گر جائے تو وہ اس کو اٹھالے اور اس پر جو گھناؤنی چیز لگ گئی ہے اس کو زائل کر دے اور اس لقمہ کو کھالے اور اس کو شیطان کے لیے نہ چھوڑے اور اپنے ہاتھ کو تولیہ یا رومال سے صاف نہ کرے حتیٰ کہ اپنی انگلیوں کو چاٹ لے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ طعام کے کون سے جز میں برکت ہے۔ یعنی وہ نہیں جانتا کہ جو وہ کھا چکا ہے اس میں برکت تھی یا جو اس کی انگلیوں پر باقی رہ گیا ہے اس میں برکت ہے، یا جو برتن کے اندر باقی رہ گیا ہے اس میں برکت ہے، پس وہ اپنے ہاتھ کو بھی چاٹ لے اور برتن کو بھی چاٹ لے اور برکت کے حصول کی امید رکھے اور برکت سے کیا مراد ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے، برکت سے مراد یہ ہے کہ جس جس سے غذا حاصل ہو اور اس کھانے کا انجام اذیت سے محفوظ رہے اور اس کھانے سے اس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر طاقت حاصل ہو وغیر ذٰلک۔

علامہ نووی نے کہا ہے برکت کے اصل معنی اضافہ اور زیادتی ہے اور ثبوتِ خیر ہے اور اس سے نفع حاصل کرنا ہے۔

(۳) کھانے والے کو چاہیے کہ پہلے درمیانی انگلی کو چاٹے، پھر انگشتِ شہادت کو چاٹے پھر انگوٹھے کو، کیونکہ امام طبرانی نے اپنی الاوسط میں حضرت کعب بن عجرہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تولیہ سے ہاتھ پونچھنے سے پہلے اپنی تین انگلیوں کو چاٹتے تھے، انگوٹھے کو اور اس کے ساتھ والی انگلی کو اور درمیانی انگلی کو۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ تین انگلیوں کو چاٹتے تھے، پس درمیانی انگلی کو اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کو ملا کر چاٹتے تھے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ درمیانی انگلی جو ہے وہ تین انگلیوں میں بڑی ہے اور اس میں طعام زیادہ لگتا ہے، تو درمیانی انگلی میں باقی انگلیوں کی بہ نسبت طعام زیادہ لگتا ہے، اس لیے آپ اس کو پہلے چاٹتے تھے۔

(۴) اس حدیث میں مذکور ہے کہ اپنے ہاتھ کو تولیہ یا رومال سے نہ پونچھے حتیٰ کہ انگلیوں کو چاٹ لے، اس میں مطلقاً انگلیوں کو چاٹنے کا ذکر ہے، لیکن مراد وہ تین انگلیاں ہیں جن تین انگلیوں کے ساتھ کھانے کا حکم ہے، جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:

امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے از حماد بن سلمہ الثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب طعام کھاتے تھے تو تین انگلیوں کو چاٹتے تھے اور تین انگلیوں کا بیان حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تین انگلیوں کے ساتھ کھاتے تھے جن کا حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر ہے۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص چاہے تو پانچوں انگلیوں کے ساتھ کھائے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہڈی سے گوشت نکال کر کھاتے تھے اور دانتوں سے گوشت نوچ کر کھاتے تھے اور یہ عادتاً اسی صورت میں ممکن ہے جب پانچوں انگلیوں کے ساتھ ہڈی کو اور گوشت کو پکڑے۔

ہمارے شیخ نے کہا: اس پر اعتراض ہے کیونکہ تین انگلیوں کے ساتھ بھی ہڈی اور گوشت کو پکڑنا ممکن ہے اور اگر ہم یہ مان بھی لیں تو بھی اس سے پانچ انگلیوں کے ساتھ ہڈی یا گوشت کو کھانا لازم نہیں آتا۔ وہ صرف انگلیوں کے ساتھ ہڈی یا گوشت کو پکڑے ہوئے ہے اور اس کے ساتھ کھا نہیں رہا۔ اور اگر ہم یہ مان لیں کہ اس نے ان پانچ انگلیوں کے ساتھ کھایا ہے تو یہ ضرورت کی وجہ سے ہے جیسا کہ جس آدمی کا دایاں ہاتھ نہ ہو تو وہ ضرورت کی وجہ سے بائیں ہاتھ سے کھائے گا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے شیخ نے علامہ ابن العربی کے استدلال پر اعتراض کیا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ سنت یہ ہے کہ تین انگلیوں کے ساتھ کھائے، اگرچہ پانچ انگلیوں کے ساتھ کھانا بھی ممنوع نہیں ہے لیکن وہ تارکِ سنت ہوگا، سوائے مواضع ضرورت کے۔

(۵) انگلیوں کو چاٹنے کا استحباب درج ذیل حدیث سے ثابت ہے:

امام طبرانی نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے پلیٹ یا پیالہ کو چاٹا یا اپنی انگلیوں کو چاٹا، اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں سیر رکھے گا۔

اور امام ترمذی نے ابوالیمان سے حدیث روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ ہمیں ام عاصم نے حدیث بیان کی اور یہ سنان بن سلمہ کی ام ولد تھیں، انہوں نے بیان کیا کہ ہمارے پاس نبیشۃ الخیر آئے اور اس وقت ہم پیالہ یا پلیٹ میں کھانا کھا رہے تھے، انہوں نے ہمیں یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے پیالہ یا پلیٹ میں کھانا کھایا، پھر اس کو چاٹ لیا تو وہ پیالہ اس کے لیے مغفرت طلب کرتا ہے، اور انہوں نے کہا: یہ حدیث غریب ہے، اور نُبیشہ میں نون پر پیش ہے اور باء پر زبر ہے اور آخر میں شین ہے ان کو نُبیشۃ الخیر کہا جاتا ہے، اور نُبیشۃ الخیل بھی مذکور ہے اور یہ سلمہ بن المحبق کے چچا کے بیٹے ہیں۔

(۶) پیالہ کے استغفار سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پیالہ میں تمیز اور نطق پیدا کر دیا ہو اور وہ مغفرت کو طلب کرتا ہو، اور بعض آثار میں روایت ہے کہ وہ پیالہ کہتا ہے: اللہ تعالیٰ تم کو محفوظ رکھے جیسا کہ تم نے مجھ کو شیطان سے

محفوظ رکھا، یعنی شیطان اب اس پیالہ کو نہیں چاٹے گا، اور اس استغفار سے حقیقی استغفار مراد لینے میں کوئی مانع نہیں ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد مجاز ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۳-۱۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ ہر چند کہ پانچ انگلیوں کے ساتھ کھانا بھی جائز ہے، جیسا کہ علامہ ابن العربی نے کہا ہے لیکن بہر حال سنت یہ ہے کہ تین انگلیوں کے ساتھ کھانا کھایا جائے جیسا کہ علامہ عینی نے متعدد احادیث کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ ہمارے عرف اور عادت میں تین انگلیوں کے ساتھ کھانے کا معمول نہیں ہے، اس لیے عام لوگوں کو یہ عجیب لگے گا لیکن اس سے نفرت اور بے زاری نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ بہر حال حدیث سے ثابت ہے اور سنت ہے اور سنت کی تحقیر کرنا جذبۂ ایمان کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے اور ہمیں سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۴۵۶ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کے متعلق متعدد احادیث

از سفیان از ابی الزبیر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ تولیہ یا رومال سے ہاتھ نہ پونچھے جائیں حتیٰ کہ انگلیوں کو چاٹ لیں۔
(صحیح مسلم: ۲۰۳۲، کتاب الاشربہ، باب: استحباب لعق الاصابع والقصعۃ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ تم میں سے کوئی شخص تولیہ یا رومال سے ہاتھ نہ پونچھے، حتیٰ کہ اپنی انگلیوں کو چاٹ لے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ طعام کے کون سے جز میں اس کے لیے برکت رکھی گئی ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۴، صحیح مسلم: ۲۰۳۳)

امام نسائی نے روایت کی ہے کہ پیالہ یا پلیٹ کو نہ اٹھایا جائے حتیٰ کہ اس کو چاٹ لیا جائے، کیونکہ آخر طعام میں برکت ہوتی ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۱۷۷)

امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی کھانا کھائے تو اپنی انگلیوں کو چاٹ لے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کونسے جز میں برکت ہے۔
(سنن ترمذی: ۱۸۰۱، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔)

امام مسلم نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین انگلیوں کے ساتھ کھاتے، پس جب کھانے سے فارغ ہوتے تو ان تین انگلیوں کو چاٹ لیتے۔ (صحیح مسلم: ۲۰۳۲، کتاب الاشربہ، باب استحباب لعق الاصابع والقصعۃ)

اور امام ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ اپنے ہاتھ کو نہ پونچھے حتیٰ کہ انگلیوں کو چاٹ لے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۸۴۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب طعام کھاتے تو اپنی تین انگلیوں کو چاٹتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی لقمہ تم سے گر جائے تو اس پر جو ناگوار چیز لگی ہو اس کو ہٹا دو اور اس لقمہ کو شیطان کے لیے نہ چھوڑو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ پیالہ کو چاٹ لیا جائے، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ کون سے طعام میں برکت ہے؟
(صحیح مسلم: ۲۰۳۴، کتاب الاشربہ باب: استحباب لعق الاصابع)

اور امام ابوعاصم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ وہ اپنی انگلیوں کو چاٹتے تھے جب کھانا کھاتے، اور

کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ انسان نہیں جانتا کہ اس کے طعام کے کون سے جز میں برکت ہے؟

(کشف الاستار: ۲۸۸۵، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے رجال صحیح ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۷)

امام بخاری نے اس باب میں انگلیوں کے چوسنے کا بھی ذکر کیا ہے، انگلیوں کو چوسنا بھی انگلیوں کے چاٹنے سے مستنبط ہے۔

علماء نے کہا ہے: انگلیوں کو چاٹنا مستحب ہے اور اس میں طعام کی برکت کی حفاظت ہے اور تکبر کو دور کرنا ہے اور یہ بھی ارشاد ہے کہ یا انگلیوں کو کسی سے چٹوائے یعنی اپنے خادم سے یا اپنے بیٹے سے یا جس کو انگلیوں کے چاٹنے سے گھن نہ آئے اور ان کے علاوہ اور کسی سے بھی انگلیوں کو چٹوائے تو یہ جائز ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۳۷-۲۳۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۵۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پانچ انگلیوں کے ساتھ کھانے کا جواز

امام مسلم نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین انگلیوں کے ساتھ کھاتے تھے اور جب آپ کھانے سے فارغ ہوتے تو ان انگلیوں کو چاٹ لیتے۔ سو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں انگلیوں کا اطلاق ہاتھ پر ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہاتھ سے مراد پوری ہتھیلی ہو، پس یہ حکم اس کو بھی شامل ہے جس نے پورے ہاتھ سے کھایا یا انگلیوں سے کھایا یا بعض انگلیوں سے کھایا۔

حضرت کعب بن مالک کی حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ سنت تین انگلیوں کے ساتھ کھانا ہے اور تین انگلیوں سے زیادہ کے ساتھ کھانا بھی جائز ہے۔

اور امام سعید بن منصور نے از سفیان از عبید اللہ بن ابی یزید روایت کی ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب کھاتے تھے تو اپنی تین انگلیوں کو چاٹتے تھے۔

قاضی عیاض نے کہا: تین انگلیوں سے زیادہ انگلیوں کے ساتھ کھانا حرص اور بے ادبی ہے اور لقمہ کو بڑا کرنا ہے، کیونکہ وہ تین انگلیوں سے زیادہ انگلیاں لگانے کی طرف مجبور نہیں ہے۔ اور اگر مجبور ہو تو اس کے ساتھ چوتھی انگلی یا پانچویں انگلی کو بھی ملالے۔ اور امام سعید بن منصور نے ابن شہاب کی مرسل سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کھاتے تو پانچ انگلیوں کے ساتھ کھاتے، تو اس حدیث کو حضرت کعب بن مالک کی حدیث کے ساتھ جمع کیا جائے گا۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان احادیث کا ذکر کیا ہے جن کو ہم علامہ عینی اور علامہ ابن ملقن کے حوالہ سے اس سے پہلے ذکر کرچکے ہیں۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۷۷-۵۷۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۶۱۲، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۵۶، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ کھانے کے بعد تولیہ سے ہاتھ کو صاف کرلے اور جب تولیہ نہ ہو تو انگلیوں کو منہ سے چاٹ لے تاکہ چکنائی کم ہو جائے، تاکہ جب وہ سوئے تو چکنائی سے اس کو ضرر نہ ہو، کیونکہ امام ترمذی نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جو شخص سویا اور اس کے ہاتھوں پر کھانے کی چکنائی کے آثار تھے اور اس نے ہاتھوں کو نہیں دھویا، پھر اس کو کوئی ناپسندیدہ چیز عارض ہوئی تو پھر وہ اپنے نفس کو ملامت کرے۔ (الشرح المیسر صحیح البخاری المسمی الدرر والآلی ج ۵ ص ۱۷۲، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۵۳۔ بَابُ: الْمَنْدِيلِ

رومال یا تولیہ کا بیان

۵۴۵۷۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما أَنَّهُ سَأَلَهُ عَنِ الْوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ فَقَالَ لَا قَدْ كُنَّا زَمَانَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا نَجِدُ مِثْلَ ذَلِكَ مِنَ الطَّعَامِ إِلَّا قَلِيلًا فَإِذَا نَحْنُ وَجَدْنَاهُ لَمْ يَكُنْ لَنَا مَنَادِيلُ إِلَّا أَكُفَّنَا وَسَوَاعِدَنَا وَأَقْدَامَنَا ثُمَّ نُصَلِّي وَلَا نَتَوَضَّأُ۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے محمد بن فُلیح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از سعید بن الحارث از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، ان سے سعید بن حارث نے سوال کیا کہ کیا آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے کے بعد وضو کرنا چاہیے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اس قسم کا طعام بہت کم پاتے تھے، پس جب ہم اس قسم کا طعام پاتے تو ہمارے پاس رومال یا تولیے نہیں ہوتے تھے مگر ہماری ہتھیلیاں ہوتی تھیں اور ہماری کلائیاں ہوتی تھیں اور ہمارے اقدام ہوتے تھے، پھر ہم نماز پڑھتے تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔

صحیح البخاری ۵۴۵۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ہمارے پاس رومال اور تولیہ نہیں ہوتے تھے۔ اور اسی لفظ کے ساتھ اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن فُلیح مذکور ہے، اس میں فاء پر پیش ہے اور لام پر زبر ہے، یہ اپنے والد فُلیح بن سلیمان مدنی سے روایت کرتے ہیں اور اس حدیث کی سند میں سعید بن الحارث بن ابی الاعلیٰ الانصاری کا ذکر ہے، یہ مدینہ کے قاضی تھے۔

اس حدیث کی امام ابن ماجہ نے بھی کتاب الاطعمہ میں روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس حدیث کے راوی نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا: آیا آگ پر پکی ہوئی کو کھانے کے بعد وضو کرنا واجب ہے یا نہیں؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے پر وضو کرنا واجب نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس قسم کا طعام بہت کم ہوتا تھا۔ تو جب ہمیں کھانے کے بعد ہاتھ پونچھنے کی ضرورت ہوتی اور ہمارے پاس رومال یا تولیہ نہ ہوتے تو ہم اپنی ہتھیلیوں سے اور اپنی کلائیوں سے اور اپنے اقدام سے پونچھ لیتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے پیروں سے پونچھ لیتے تھے۔

امام مالک نے کہا: یہ آگ پر پکی ہوئی چیز پر کھانے کا حکم ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۵۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن وہب نے بیان کیا کہ امام مالک سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا گیا "جس نے رات گزاری اور اس کے ہاتھ پر گوشت کی چکنائی تھی، تو وہ صرف اپنے نفس کو ملامت کرے"۔ (سنن ابوداؤد: ۳۸۵۲)

امام مالک نے کہا: میں اس حدیث کو نہیں پہچانتا اور میں نے سنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے قدموں کے بطن یعنی تلووں کو فرماتے تھے کہ یہ عمر کا تولیہ ہے۔ امام مالک سے پوچھا گیا: کیا وہ اپنے ہاتھوں کو آٹے سے دھولے؟ تو امام مالک نے کہا: آٹے کے علاوہ کسی اور چیز سے دھولے تو مستحب ہے، اور اگر اس نے ایسا کیا تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے تلووں سے گوشت کی چکنائی کو پونچھا۔

اور ابن وہب نے روایت کی ہے: اس میں سنت یہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں کو دھولے اور گرم پانی سے رگڑنے اور جب اس کے ہاتھوں میں پھٹن ہو تو اس پر زیتون کا تیل یا گھی وغیرہ لگائے۔ اور اشعب سے سوال کیا گیا کہ آیا آٹے کے ساتھ ہاتھوں کو دھونا یا بھوسی کے ساتھ ہاتھوں کو دھونا جائز ہے، تو انہوں نے کہا: مجھے اس کا علم نہیں ہے اور اس کے ساتھ وضو نہ کرے، اور اگر اس نے کچھ کرنا ہو تو مٹی کے ساتھ ہاتھوں کو دھوئے۔ (المنتقی شرح موطا امام مالک ج ۷ ص ۲۴۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت 1331 ھ)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۴۰-۲۴۱، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ ھ)

۵۴۔ بَابٌ: مَا يَقُولُ إِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِهِ — انسان کھانا کھانے سے فراغت کے بعد کیا دعا کرے؟

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان کھانے سے فارغ ہونے کے بعد کیا دعا کرے؟

۵۴۵۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ ثَوْرٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رَفَعَ مَائِدَتَهُ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ثور از خالد بن معدان از ابی امامہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جب دسترخوان اٹھایا جاتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے:

عَنْهُ رَبَّنَا۔ ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو بہت زیادہ پاکیزہ ہیں اور برکت والی ہیں، ہم اس کھانے کا حق پوری طرح ادا نہ کر سکے اور یہ کھانا ہمیشہ کے لیے رخصت نہیں کیا گیا ہے (اور یہ دعا اس لیے کی گئی ہے تا کہ) اس سے ہم کو بے پرواہی کا خیال نہ ہوا ے ہمارے رب!''۔

(صحیح البخاری:۵۴۵۹، سنن ترمذی:۳۴۵۶، سنن ابوداؤد:۳۸۴۹، سنن ابن ماجہ:۳۲۸۴، مسند احمد:۲۱۶۶۴، سنن دارمی:۲۰۲۳)

صحیح البخاری ۵۴۵۸ ، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں جو کھانے کے بعد دعا مذکور ہے، اس سے باب کے عنوان کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابونعیم کا ذکر ہے، ان کا نام الفضل بن دکین ہے، اور اس میں سفیان کا ذکر ہے، اس سے مراد سفیان ثوری ہیں۔ اور اس میں ثور کا ذکر ہے، ثور کا معنی بیل ہے اور ان کا نام یزید شامی ہے، اور اس حدیث میں خالد بن معدان کا ذکر ہے، یہ الکلاعی ہیں، اور ابوامامہ کا ذکر ہے، ان کا نام صدی بن عجلان الباہلی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث پر یہ سوال ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب آپ کا دسترخوان اٹھایا جاتا اور دوسری احادیث میں یہ بیان ہے کہ آپ نے دسترخوان پر کھانا نہیں کھایا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں دسترخوان سے مراد طعام ہے۔ یا اس حدیث کے راوی جو حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا یہ خیال نہیں تھا کہ آپ نے دسترخوان پر کھایا ہے یا آپ کا دسترخوان تو تھا لیکن آپ نے خود اس پر نہیں کھایا اور امام بخاری سے یہ سوال کیا گیا کہ انہوں نے یہاں پر دسترخوان کا ذکر کیا ہے اور دوسری جگہ چمڑے کے ٹکڑے کا ذکر کیا ہے، دسترخوان کا ذکر نہیں کیا تو امام بخاری نے جواب دیا کہ جب کسی چیز پر طعام کو کھایا جائے اور وہ چیز اٹھالی جائے اور طعام اٹھالیا جائے تو کہا جاتا ہے: دسترخوان اٹھالیا گیا ہے۔

اس حدیث کے دعائیہ کلمات میں ''طیبا'' کا ذکر ہے اس کا معنی ہے: خالص اور ''مبٰرکا'' کا ذکر ہے یعنی حمد زیادہ کلمات کے ساتھ کی گئی۔

اس حدیث میں ''غیر مکفی'' کا ذکر ہے، علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ یہ ''کفات الاناء'' سے ماخوذ ہو جب برتن کو پلٹ دیا جائے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو طعام عطا کیا ہے، تو جب انسان طعام سے سیر ہو جائے تو وہ طعام رد نہیں کیا جاتا، گویا کہ یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل نہ مردود ہے نہ مجور ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کفایت سے ماخوذ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی

رزق دینے والا نہیں ہے، اپنے بندوں کو رزق دینے کے لیے وہی کافی ہے۔علامہ خطابی نے کہا: یعنی اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے، پس وہ کافی ہے، وہی کھلاتا ہے اور وہی کافی ہے۔

اور علامہ داؤدی نے کہا: "غیر مکفی" کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نعمت سے کفایت نہیں ہوتی۔اور علامہ ابن جوزی نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بدلہ نہیں دیا جا سکتا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ فضول کی تطویلات ہیں اور "مکفی" کا لفظ کفایت سے ماخوذ ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے کھایا ہے، یہ کافی نہیں ہے، یعنی یہی کھانا ہمارا آخری کھانا ہے اور اس کے بعد نہیں ملے گا، بلکہ یہ اس کے بعد بھی جاری رہے گا اور ہماری پوری عمروں میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شاملِ حال رہیں گی اور کبھی ختم نہیں ہوں گی۔اور اس حدیث میں "غیر مودع" کے الفاظ ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ ہم اس طعام سے رخصت نہیں ہو رہے، یعنی یہ ہمارا آخری طعام نہیں ہوگا۔اور اس حدیث میں مذکور ہے "ولا مستغنی عنه"، اس کا حاصل یہ ہے کہ اس طعام سے ہم کو بے پرواہی حاصل نہیں ہوگی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۵۹- حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ ثَوْرِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِهِ وَقَالَ مَرَّةً إِذَا رَفَعَ مَائِدَتَهُ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي كَفَانَا وَأَرْوَانَا غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مَكْفُورٍ وَقَالَ مَرَّةً الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّنَا غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى رَبَّنَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی از ثور بن یزید از خالد بن معدان از ابی اُمامہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب طعام سے فارغ ہوتے اور ایک مرتبہ کہا: جب آپ کا دسترخوان اٹھایا جاتا تو آپ یہ دعا کرتے: "تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے ہماری کفایت کی اور ہمیں سیر کیا، ہم اس کھانے کا پوری طرح حق ادا نہیں کر سکے، اور نہ ہم اس نعمت کی ناشکری کرتے ہیں اور ایک مرتبہ یوں دعا کی: اے ہمارے رب! تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں، ہم اس طعام کا حق ادا نہیں کر سکے اور نہ یہ طعام ہمیشہ کے لیے رخصت کیا گیا ہے (یہ اس لیے دعا کی تاکہ) اس سے ہم کو بے نیازی اور بے پرواہی کا خیال نہ ہو، اے ہمارے رب!

(صحیح البخاری: ۵۴۵۹، سنن ترمذی: ۳۴۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۸۴۹، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۴، مسند احمد: ۲۱۶۶۴، سنن دارمی: ۲۰۲۳)

اس حدیث کی شرح بھی حسب سابق ہے۔

صحیح البخاری: ۵۴۵۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کھانے پینے کے بعد دعائیہ کلمات کے متعلق احادیث

امام ابو عاصم نے سندِ جید کے ساتھ روایت کی ہے: حضرت ابو اُمامہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی

کہ میں کھانے سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا کروں:

الحمد لله الذی اطعمتنا واسقیتنا وارویتنا، الحمد لله غیر مکفور ولا مودع ولا مستغنی عنه۔

اے اللہ! تیرے لئے حمد ہے تو نے ہمیں کھلایا، تو نے ہمیں پلایا اور تو نے ہمیں سیر کیا، تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جن کی ناشکری نہیں کی گئی اور نہ ان نعمتوں کو رخصت کیا گیا اور نہ ان سے بے پرواہی برتی گئی۔

(السنن الکبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۷۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے سے راضی ہوتا ہے جو ایک لقمہ کھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے یا ایک گھونٹ پانی پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۷۳۴، کتاب الذکر والدعا، باب استحباب حمد اللہ تعالیٰ بعد الاکل والشرب)

نیز حدیث میں ہے: کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر جاتے تو یہ دعا کرتے:

الحمد لله الذی اطعمنا وسقانا وکفانا وآوانا فکم ممن لا کافی له ولا مؤوی۔

(صحیح مسلم: ۲۷۱۵، کتاب الذکر والدعاء باب ما یقول عند النوم واخذ المضجع)

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور جس نے ہمیں پلایا اور جو ہمیں کافی ہے اور جس نے ہم کو ٹھکانا مہیا کیا، پس کتنے لوگ ایسے ہیں جن کو کوئی کفایت کرنے والا نہیں ہے اور جن کو کوئی ٹھکانا دینے والا نہیں ہے۔

اور امام ابونعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد کا طعام رکھا جاتا اور وہ طعام اٹھایا نہیں جاتا حتیٰ کہ اس کی مغفرت کردی جاتی، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ کس وجہ سے، آپ نے فرمایا: جب طعام رکھا جاتا ہے تو وہ پڑھتا ہے: بِسْمِ اللّٰهِ اور جب طعام اٹھایا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ (المعجم الاوسط للطبرانی بحوالہ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۲)

عبد اللہ بن ہبیرہ بیان کرتے ہیں از عبد الرحمٰن بن جبیرہ، کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھ سال خدمت کی اور اس نے سنا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی طعام قریب لایا جاتا تو آپ فرماتے: بِسْمِ اللّٰهِ اور جب آپ طعام سے فارغ ہوتے تو دعا کرتے

اللهم اطعمت وسقیت واغنیت واقنیت وهدیت واحییت فلك الحمد علی ما اعطیت

اے اللہ! تو نے مجھے کھلایا اور تو نے مجھے پلایا اور تو نے مجھے غنی کیا اور تو نے مجھے قریب کیا اور تو نے مجھے ہدایت دی اور تو نے مجھے زندہ کیا ،پس تیرے ہی لئے حمد ہے ان نعمتوں پر جو تو نے مجھے عطا کیں۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۶۲، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۴ ص ۲۰۲، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی ص ۲۲۰)

حضرت سہل بن معاذ از والد خود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے طعام کھانے کے بعد کہا:

الحمد لله الذی اطعمنی هذا ورزقنیه من غیر حول منی ولا قوة۔

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے مجھے یہ کھلایا اور مجھے یہ رزق دیا بغیر میری قوت اور طاقت کے (تو اللہ تعالیٰ اس کے

گزشتہ گناہوں کو بخش دیتا ہے)۔

(سنن ابوداؤد: ۴۰۲۳، سنن ترمذی: ۳۴۵۸، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۵)

ابوایوب بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کھاتے یا پیتے تو یہ دعا کرتے:

الحمد لله الذي اطعم وسقى وسوغه وجعل له مخرجا۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے کھلایا اور پلایا اور اس کو میرے حلق کے نیچے سے گزارا اور اس کے فضلات کے نکلنے کی جگہ بنائی۔

(سنن ابوداؤد: ۳۸۵۱، سنن کبریٰ للنسائی: ۶۸۹۴)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۴۲-۲۴۵، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۵۔ بَابٌ: الْأَكْلِ مَعَ الْخَادِمِ — خادم کے ساتھ کھانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ تواضع اور تذلل کے قصد سے اور تکبر کو ترک کرنے کے قصد سے خادم کے ساتھ کھانا چاہیے اور یہ مومنین کے آداب میں سے ہے اور اخلاقِ مرسلین میں سے ہے۔ اور خادم کا اطلاق مذکر اور مؤنث دونوں پر ہوتا ہے اور یہ اس سے عام ہے کہ خادم غلام ہو یا آزاد ہو۔

۵۴۶۰۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدٍ هُوَ ابْنُ زِيَادٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِذَا أَتَى أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ فَإِنْ لَمْ يُجْلِسْهُ مَعَهُ فَلْيُنَاوِلْهُ أُكْلَةً أَوْ أُكْلَتَيْنِ أَوْ لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ فَإِنَّهُ وَلِيَ حَرَّهُ وَعِلَاجَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از محمد، وہ ابن زیاد ہیں، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے پاس اس کا خادم کھانا لے کر آئے، پس اگر اس نے اس کو ساتھ نہیں بٹھایا تو اس کو ایک لقمہ یا دو لقمے کھلائے۔ (آپ نے فرمایا: اسے ایک اُکلہ یا دو اُکلے یا ایک لقمہ یا دو لقمے کھلائے) کیونکہ اس نے کھانا پکانے میں گرمی اور مشقت کو برداشت کیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۵۷، ۵۴۶۰، صحیح مسلم: ۱۶۶۳، سنن ترمذی: ۱۸۵۳، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۹، مسند احمد: ۴/۷۴۹۲، سنن دارمی: ۴/۲۰۷)

صحیح البخاری ۵۴۶۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خادم کو ساتھ کھلانے کے متعلق دیگر احادیث

امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک

کے خادم نے کھانا پکانے میں گرمی اور دھوئیں کو برداشت کیا ہے تو اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھائے، اگر وہ انکار کرے تو اس کو ایک لقمہ کھلائے، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور امام طبرانی نے روایت کی ہے: جب تم میں سے کسی ایک کا مملوک کھانا پکائے اور اس کی گرمی اور مشقت کو برداشت کرے اور پھر کھانا تمہیں کھلائے تو اس کو بلائے اور اپنے ساتھ کھانا کھلائے اور اگر وہ انکار کرے تو اس کے ہاتھ کے اوپر کچھ کھانا رکھ دے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ احادیث استحباب پر محمول ہیں۔

اس مسئلہ میں علماء کے اقوال کہ آیا خادم کو وہی کھلانا ضروری ہے جس کو انسان خود کھاتا ہے

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ ھ نے کہا ہے: یہ حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی تفسیر کرتی ہے جس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ خادم کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور خادم کو وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے، کیونکہ حضرت ابوذر کی حدیث میں اس کو واجب نہیں قرار دیا کہ تم خادم کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو بلکہ اس میں یہ حکم ہے کہ خادم کو اپنے کھانے میں شریک رکھے۔

اور علامہ ابن المنذر نے نقل کیا ہے کہ تمام اہلِ علم نے یہ کہا ہے کہ خادم کو اس کھانے سے کھلانا واجب ہے جس کھانے کو وہ خود عام طور پر کھاتا ہے اور جو کھانا اس شہر میں عام طور پر کھایا جاتا ہے۔ اسی طرح کپڑوں وغیرہ کے پہنانے کی بھی یہی تفسیر ہے۔ اور مالک کے لیے جائز ہے کہ خود عمدہ کپڑے پہنے، اگرچہ افضل یہ ہے کہ خادم کو بھی ویسے ہی کپڑے پہنائے۔

اور علامہ ابن ملقن نے التوضیح میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر اس کو اپنے ساتھ نہیں بٹھاتا تو اس کو ایک لقمہ یا دو لقمے کھلائے، اس میں یہ دلیل ہے کہ مرد پر واجب ہے کہ جو خود کھاتا ہے اس میں سے کھلائے۔

امام مالک سے سوال کیا گیا کہ کیا مرد اس طعام سے کھا سکتا ہے جس طعام کو اس کے گھر والے اور اس کے بال بچے اور اس کا غلام نہیں کھاتے، اور وہ لباس پہن سکتا ہے جس کو وہ لوگ نہیں پہنتے، تو امام مالک نے کہا: ہاں! اللہ کی قسم! ایسا کر سکتا ہے لیکن ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہیے، ان سے پوچھا گیا: تو پھر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا کیا محمل ہوگا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ عام طور پر لوگوں کو اس کی طاقت نہیں ہوتی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۷-۱۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن کی شرح میں بھی اسی شرح کو اختصار سے ذکر کیا گیا ہے، یعنی علامہ عینی نے علامہ ابن ملقن کی شرح کی تفصیل کر دی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۴۶۰ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انسان کو چاہیے کہ بہ طورِ تواضع خادم کو اپنے ساتھ کھلائے اور خادم کو خوش رکھے اور اگر کسی وجہ سے ایسا نہ کر سکے تو اس کو ایک یا دو لقمے کھلا دے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ خادم نے تمہارے لیے کھانا پکانے کی مشقت اور گرمی کو برداشت کیا ہے تو اس کو بھی اس کا اجر ملنا چاہیے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۹۴، مکتبۃ الطبری القاہرہ مصر ۱۴۲۹ ھ)

۵۶۔ بَابٌ: اَلطَّاعِمُ الشَّاكِرُ مِثْلُ الصَّائِمِ الصَّابِرِ

کھانا کھا کر شکر کرنے والا صبر کرنے والے روزہ دار کی مثل ہے

فِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

شاکر اور صابر میں جمیع وجوہ سے مماثلت نہیں ہے

اس باب میں کہا جاتا ہے کہ کھا کر شکر ادا کرنے والا صبر کرنے والے روزہ دار کی مثل ہے، یعنی جو شاکر کھاتا ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، اس کا ثواب اس کی مثل ہے جو روزہ رکھتا ہے اور بھوک پر صبر کرتا ہے۔

اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ شکر نعمت کا نتیجہ ہے اور صبر مصیبت کا نتیجہ ہے تو کس طرح شاکر کو صابر کے ساتھ تشبیہ دی جائے گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تشبیہ اصلِ استحقاق میں ہے نہ کہ مقدار اور کیفیت میں اور تشبیہ میں جمیع وجوہ سے مماثلت لازم نہیں آتی۔

علامہ طیبی نے کہا ہے: حدیث میں ہے: ایمان کے دو حصے ہیں، نصف صبر ہے اور نصف شکر ہے۔ اور کبھی کوئی وہم کرنے والا یہ وہم کرتا ہے کہ شکر کا ثواب صبر کے ثواب سے کم ہوتا ہے تو اس کے وہم کا ازالہ یہ ہے کہ یہ دونوں ثواب میں برابر ہیں۔

یا مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ شکر کرنے والا اپنے دل میں منعم کی محبت پاتا ہے اور زبان سے اس کا اظہار کرتا ہے۔ اور ابن العربی نے کہا ہے کہ ان دو درجوں کو برابر رکھا گیا ہے۔ غنی اطاعت کرتا ہے اور فقیر صبر کرتا ہے اور دونوں کا اجر برابر ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس تعلیق کو ذکر کیا گیا ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی نے اس اضافہ کو اپنی شرح میں ذکر نہیں کیا، بلکہ انہوں نے اس باب کو آنے والے باب کے ساتھ ملا دیا ہے۔ اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس تعلیق کو اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے از سعید المقبری از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھانے کھا کر شکر ادا کرنے والا روزہ رکھ کر صبر کرنے والے کی طرح ہے۔ اور حاکم نے اس لفظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ وہ صائم اور صابر کی مثل ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی اور امام ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سنان بن سنہ الاسلمی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھانا کھا کر شکر ادا کرنے والے کو روزہ دار کے اجر کی مثل اجر ملے گا۔

کھانا کھا کر شکر ادا کرنے کی مختلف تعریفات

امام ابن حبان نے اس حدیث کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ جو آدمی کھانا کھاتا ہے، پھر اپنے خالق کی نافرمانی اپنی طاقت سے نہیں کرتا اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اپنے اعضاء سے اس کی عبادت بجالاتا ہے، کیونکہ روزہ دار بھی کھانے پر صبر کرتا ہے اور ممنوعہ

کاموں کے ارتکاب پر صبر کرتا ہے اور کھانا کھانے کے بعد شکر کو اس کے ساتھ ذکر کیا ہے، پس واجب ہے کہ یہ شکر روزہ دار کے صبر کے مقابلہ میں ہو اور ممنوعہ کاموں کے ترک کرنے میں اس کے ساتھ شریک ہو۔

اللہ تعالیٰ کی حمد بھی اس کا شکر ہے

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا اللہ کی حمد کرنے والے کو بھی شکر کرنے والے کا نام دیا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! کیونکہ معمر نے از قتادہ از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حمد شکر کا سردار ہے، جس بندے نے اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں کی، اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا۔

اور حسن بصری نے کہا کہ جس بندہ کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت عطا کی اور اس نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر حمد کی، تو اس کی حمد کا بہت عظیم درجہ ہوگا۔

اور ابراہیم نخعی نے کہا: طعام کا شکر یہ ہے کہ جب تم کھانا کھاؤ تو بسم اللہ پڑھو اور جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔

اور علل ابن حاتم میں روایت ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ طعام کا شکر یہ ہے کہ تم کہو: الحمد للہ!

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: اس باب کے تحت امام بخاری نے کسی حدیث کی روایت نہیں کی۔

۵۷- بَابُ: الرَّجُلِ يُدْعَى إِلَى طَعَامٍ فَيَقُولُ وَهٰذَا مَعِي

جس شخص کو کھانے کی دعوت دی جائے تو وہ کہے: یہ شخص بھی میرے ساتھ ہے

وَقَالَ أَنَسٌ إِذَا دَخَلْتَ عَلَى مُسْلِمٍ لَا يُتَّهَمُ فَكُلْ مِنْ طَعَامِهِ وَاشْرَبْ مِنْ شَرَابِهِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب تم کسی ایسے مسلمان کے گھر داخل ہو جس کے دین پر کوئی تہمت نہ ہو، تو تم اس کا کھانا کھاؤ اور اس کا پانی پیو۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص کو کھانے کی دعوت دی جائے اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا شخص بھی مل جائے جس کو دعوت نہ دی گئی ہو تو مدعو (جس کو دعوت دی گئی ہے)، یہ کہے کہ یہ مرد بھی میرے ساتھ ہے، یعنی میرے تابع ہے۔

تعلیق مذکور کی شرح

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو امام بخاری نے بہ طور تعلیق کے ذکر کیا ہے کہ جب کوئی مرد کسی مسلمان مرد کے گھر داخل ہو خواہ اس نے دعوت دی ہو یا اس کے بغیر داخل ہو اور وہاں پر کوئی کھانے یا پینے کی چیز پائے تو کیا وہ اس کھانے پینے کی چیز کو تناول

کرے؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ کھائے اور پیے، بشرطیکہ وہ جس مسلمان مرد کے پاس گیا ہے، اس کے دین کے متعلق اور اس کے مال کے متعلق کوئی تہمت نہ ہو۔

اس تعلیق کی امام ابن ابی شیبہ نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے، وہ بھی اسی کی مثل ہے اور اس میں یہ مذکور ہے کہ جس مرد پر وہ کوئی تہمت نہ لگاتا ہو۔

اور امام احمد، امام حاکم اور طبرانی نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے گھر داخل ہو اور وہ اس کو کھانا کھلائے تو وہ اس کا دیا ہوا کھانا کھالے اور اس کے متعلق سوال نہ کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۶۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا شَقِيقٌ حَدَّثَنَا أَبُو مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يُكْنَى أَبَا شُعَيْبٍ وَكَانَ لَهُ غُلَامٌ لَحَّامٌ فَأَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ فِي أَصْحَابِهِ فَعَرَفَ الْجُوعَ فِي وَجْهِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَهَبَ إِلَى غُلَامِهِ اللَّحَّامِ فَقَالَ اصْنَعْ لِي طَعَامًا يَكْفِي خَمْسَةً لَعَلِّي أَدْعُو النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم خَامِسَ خَمْسَةٍ فَصَنَعَ لَهُ طُعَيِّمًا ثُمَّ أَتَاهُ فَدَعَاهُ فَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَا أَبَا شُعَيْبٍ إِنَّ رَجُلًا تَبِعَنَا فَإِنْ شِئْتَ أَذِنْتَ لَهُ وَإِنْ شِئْتَ تَرَكْتَهُ قَالَ لَا بَلْ أَذِنْتُ لَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن ابی الاسود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شقیق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو مسعود انصاری نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ انصار کے ایک مرد کی کنیت ابو شعیب تھی، اور ان کا غلام گوشت فروخت کرتا تھا، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اس وقت آپ اپنے اصحاب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں بھوک کے آثار محسوس کیے، وہ اپنے اس گوشت فروخت کرنے والے غلام کے پاس گئے، اور اس سے کہا: میرے لیے اتنا کھانا بناؤ جو پانچ آدمیوں کے لیے کافی ہو، شاید کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دوں، اور آپ پانچ میں سے پانچویں ہوں۔ پس اس نے تھوڑا سا کھانا تیار کیا، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو دعوت دی، تو آپ کے پیچھے ایک اور مرد بھی چل پڑا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو شعیب! یہ مرد ہمارے تابع ہو گیا ہے، اگر تم چاہو تو اس کو اجازت دو، اور اگر تم چاہو تو اس کو چھوڑ دو، حضرت ابو شعیب نے کہا: نہیں! بلکہ میں اس کو بھی اجازت دیتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۰۸۱، ۲۴۵۶، ۵۴۳۴، ۵۴۶۱، صحیح مسلم: ۲۰۳۶، سنن ترمذی: ۱۰۹۹، مسند احمد: ۱۶۶۳۲)

صحیح البخاری: ۵۴۶۱ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الاطعمہ کے اس باب میں گزر چکی ہے: "الرجل یتکلف الطعام لاخوانہ"۔ وہاں امام بخاری نے اس حدیث کی از محمد بن یوسف از الاعمش از ابی وائل از ابومسعود عقبہ بن عمرو الانصاری روایت کی ہے۔

اس حدیث کی سند میں ابوالاسود کا ذکر ہے، یہ حُمید بن الاسود البصری الحافظ ہیں۔ اور اس حدیث میں ابواسامہ کا ذکر ہے، یہ حماد بن اسامہ ہیں۔ اور اس حدیث میں اعمش کا ذکر ہے، یہ سلیمان بن اعمش ہیں، اور ابووائل کا ذکر ہے: یہ شقیق بن سلمہ ہیں اور حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ صحابی ہیں اور ان کا نام حضرت عقبہ بن عمرو الانصاری ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کو دعوت دی جائے اور اس کے ساتھ کوئی بن بلایا مہمان بھی مل جائے، تو دعوت دینے والے کی اجازت سے اس کو بھی دعوت میں شامل کر لیا جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۴۶۱ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ جب کسی انسان کو دعوت دی جائے اور اس کے تابع کوئی اور شخص بھی ہو جائے تو وہ اس کو اپنے ساتھ دعوت میں نہ لے جائے حتیٰ کہ دعوت دینے والے سے اجازت طلب کرے، اور اس کی کئی وجوہات ہیں:

(۱) کبھی کھانا صرف میزبان اور مہمان کے لیے ہوتا ہے اور زائد نہیں ہوتا حتیٰ کہ بن بلائے مہمان کو بھی کھلایا جا سکے۔

(۲) میزبان مہمان کے ساتھ ایسی باتیں کرنا چاہتا ہے جن کے متعلق وہ یہ نہیں چاہتا کہ دوسرا شخص بھی ان باتوں پر مطلع ہو۔

(۳) تاکہ تابعین کو اور بن بلائے مہمانوں کو ادب شرعی کی تعلیم دی جائے کہ اگر ان کے لیے اجازت دی جائے تو داخل ہوں اور اگر اجازت نہ دی جائے تو داخل نہ ہوں اور واپس چلے جائیں۔

اور بعض لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ وہ اجازت طلب کریں، اگر ان سے کہا جائے، واپس جاؤ، تو چلے جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى یُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۝ (النور)

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو، جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ کر لو، یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ۝ اور اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو، حتیٰ کہ تمہیں اجازت دے دی جائے، اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ، یہ (لوٹ جانا) تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کا خوب جاننے والا ہے ۝

نیز اس باب کی تعلیق میں مذکور ہے: جب تم کسی ایسے مسلمان کے گھر جاؤ جس کے اوپر کوئی تہمت نہ ہو تو اس کے کھانے میں سے کھاؤ اور اس کے پانی میں سے پیو۔

اس تعلیق کا معنی یہ ہے کہ جب تم کسی ایسے مسلمان کے گھر جاؤ جس پر یہ تہمت نہ ہو کہ وہ حرام مال کھاتا ہے، مثلاً سودی کاروبار کرتا ہے یا ملاوٹ کرتا ہے یا اور ناجائز کاروبار کرتا ہے تو پھر تم اس کے ہاں کھانا کھالو اور اگر اس پر یہ تہمت ہو تو پھر اس کے ہاں کھانا نہ کھاؤ۔ (شرح صحیح بخاری ج ۵ ص ۱۹۵، مکتبۃ الطبری القاہرہ مصر ۱۴۲۹ھ)

۵۸۔ بَابٌ: إِذَا حَضَرَ الْعَشَاءُ فَلَا يَعْجَلْ عَنْ عَشَائِهِ

جب عشائیہ (رات کا کھانا) حاضر ہو تو عشاء کی نماز پڑھنے میں جلدی نہ کرے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب عَشاء حاضر ہو (یعنی رات کا کھانا)۔

علامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ لفظِ عشاء میں زبر بھی ہے اور اس کے نیچے زیر بھی ہے، اگر اس کے نیچے زیر ہو یعنی عِشاء تو یہ مغرب سے لے کر عشاء کی نماز تک کا وقت ہے اور اگر اس پر زبر ہو تو اس سے مراد رات کا کھانا ہے جو صبح کے ناشتہ کے برعکس ہوتا ہے۔

۵۴۶۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ أَنَّ أَبَاهُ عَمْرَو بْنَ أُمَيَّةَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللهِ ﷺ يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ فِي يَدِهِ فَدُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَلْقَاهَا وَالسِّكِّينَ الَّتِي كَانَ يَحْتَزُّ بِهَا ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، اور اللیث نے کہا: مجھے یونس نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے جعفر بن عمرو بن امیہ نے خبر دی کہ ان کے والد عمرو بن امیہ نے ان کو خبر دی، انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھ سے بکری کا بازو کاٹ کر کھا رہے تھے۔ پھر نماز کی دعوت دی گئی تو آپ نے اس بازو کو پھینک دیا اور چھری کو بھی پھینک دیا جس سے کاٹ رہے تھے، پھر آپ کھڑے ہوئے، آپ نے نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۸، ۶۷۵، ۲۹۲۳، ۵۴۰۸، ۵۴۲۲، ۵۴۶۲، صحیح مسلم: ۳۵۵، سنن ترمذی: ۱۸۴۳، سنن دارمی: ۷۲۷)

صحیح البخاری: ۵۴۶۲ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ آپ نماز کے وقت کھانے کے ساتھ مشغول تھے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس میں عشاء کی نماز کی تخصیص کہاں ہے، حدیث میں تو نماز کا لفظ ہے اور نماز عشاء کے لفظ سے عام ہے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: اس حدیث میں مطلق مقید پر محمول ہے، یعنی حدیث میں اگرچہ نماز کا لفظ ہے مگر مراد اس سے عشاء کی نماز ہے، کیونکہ اس کے بعد حدیث میں ذکر ہے کہ آپ نماز کی جماعت میں گزرے۔

آپ بکری کا بازو کھا رہے تھے یا بکری کی دستی کھا رہے تھے

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ آپ بکری کی دستی کھا رہے تھے، اور یہاں ذکر ہے کہ آپ بکری کا بازو کھا رہے تھے۔ تو میں کہوں گا کہ آپ کے پاس جو حاضرین تھے وہ بکری کا بازو بھی کھا رہے تھے اور بکری کی دستی بھی کھا رہے تھے، یا یہ دونوں لفظ ہاتھ کے ساتھ متعلق ہیں اور ہاتھ دونوں کو شامل ہیں۔

جب رات کا کھانا آجائے اور نماز کھڑی ہو تو دونوں امر جائز ہیں خواہ پہلے کھانا کھالے اور خواہ پہلے نماز پڑھ لے

میں کہتا ہوں: بہ ظاہر اس باب کے عنوان کا معنی یہ ہے کہ جب رات کا کھانا آجائے اور نماز کھڑی ہو تو پہلے رات کا کھانا کھالیا جائے، پھر نماز پڑھی جائے، مگر اس باب کی پہلی حدیث جو ہے وہ اس عنوان کے اس مقصود کے خلاف ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ اس باب کی دوسری حدیث عنوان کے اس مقصود کے مطابق آرہی ہے اور ان دونوں حدیثوں سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر رات کے کھانے کے وقت نماز کا وقت آجائے تو دونوں امر جائز ہیں۔ کھانا چھوڑ کر نماز پڑھ لے یا کھانے کو مقدم کرے۔ اور اس کا اعتبار انسان کی بھوک کی کیفیت سے ہوگا۔ اگر بھوک شدید ہو تو پہلے رات کا کھانا کھالے اور اگر بھوک شدید نہ ہو تو پھر پہلے نماز پڑھ لے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حق بندہ کے حق پر مقدم ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۴۶۳۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ. وَعَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مُعلّٰی بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وُہیب نے حدیث بیان کی از ایوب از ابی قلابہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جب رات کا کھانا رکھ دیا جائے اور نماز کی اقامت کہی جائے تو تم رات کے کھانے سے ابتداء کرو۔ اور از ایوب نافع از ابن عمر از نبی ﷺ اسی کی مثل مروی ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۲، ۵۴۶۳، صحیح مسلم: ۵۵۸، مسند احمد: ۱۲۲۳۴)

صحیح البخاری: ۵۴۶۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں معلّٰی بن اسد کا ذکر ہے، یہ لفظ باب تعلیہ کا اسم مفعول ہے اور اس کی سند میں وُہیب کا ذکر ہے، یہ وہب

کی تصغیر ہے۔ان کا نام وہب بن خالد ہے،اور اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے، یہ سختیانی ہیں اور ابوقلابہ کا ذکر ہے، یہ عبد اللہ بن زید الجرمی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: جب العَشاء کو رکھ دیا جائے تو العَشاء سے ابتداء کرو۔ دونوں جگہوں پر یہ لفظ العَشاء ہے یعنی عشائیہ اور رات کا کھانا، اور رات کے کھانے کو مقدم کیا جائے اور عشاء کی نماز مؤخر کی جائے تا کہ ایسا نہ ہو کہ نماز کی حالت میں دل کھانے میں لگا رہے۔

۵۴۶۴۔ وَعَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ تَعَشَّى مَرَّةً وَهُوَ يَسْمَعُ قِرَائَةَ الْإِمَامِ

اور از ایوب از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ ایک مرتبہ وہ رات کا کھانا کھا رہے تھے اور امام کے قرآن پڑھنے کی آواز سن رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۳، ۶۷۴، ۵۴۶۴، صحیح مسلم: ۵۵۹، سنن ابوداؤد: ۳۷۵۷، مسند احمد: ۴۷۲۳)

میں کہتا ہوں: یہاں امام بخاری نے ان دونوں حدیثوں کی الگ الگ روایت کی ہے، اور صحیح البخاری: ۶۷۳ میں ان دونوں حدیثوں کی ملا کر روایت کی ہے، اور وہ درج ذیل ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک کا رات کا کھانا آ جائے اور نماز کی اقامت کہی جائے تو وہ رات کے کھانے سے ابتداء کرے اور جلدی نہ کرے حتیٰ کہ کھانے سے فارغ ہو جائے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس جب کھانا رکھا جاتا اور نماز کی اقامت کہی جاتی تو وہ نماز پڑھنے نہ جاتے بلکہ کھانا کھاتے رہتے حتیٰ کہ وہ کھانے سے فارغ ہو جاتے اور وہ امام کے قرآن پڑھنے کی آواز سنتے رہتے۔

۵۴۶۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَحَضَرَ الْعَشَاءُ فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ قَالَ وُهَيْبٌ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ هِشَامٍ إِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جب نماز کی اقامت کہی جائے اور عشائیہ (یعنی رات کا کھانا) حاضر ہو تو تم عشائیہ سے ابتداء کرو۔ وہیب اور یحییٰ بن سعید نے کہا از ہشام: جب عشائیہ رکھ دیا جائے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۱، ۵۴۶۵، صحیح مسلم: ۵۵۷، سنن ابن ماجہ: ۹۳۵، سنن ترمذی: ۳۵۳، سنن نسائی: ۸۵۳، مسند احمد: ۲۴۳۰۰، سنن دارمی: ۱۲۸۰)

اس حدیث کی شرح بھی حسب سابق ہے۔

صحیح البخاری: ۵۴۶۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو چیز میرے لیے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کی حدیث میں

جو مذکور ہے کہ نماز میں جلدی کی جائے کھانے سے پہلے تو یہ بطور وجوب نہیں ہے، یعنی بعض اوقات کھانے کو نماز پر مقدم بھی کیا جائے، اور ان احادیث میں نماز سے مراد نمازِ مغرب ہے یعنی نماز مغرب کے وقت اگر کھانا آجائے تو بعض صورتوں میں پہلے نماز پڑھی جائے اور بعض صورتوں میں پہلے کھانا کھایا جائے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۸۵، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱، فتح الباری ج ۶ ص ۶۱۸، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۶۵ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان دونوں حدیثوں کا محمل یہ ہے کہ جب انسان کو بھوک لگی ہو اور اس کو یہ خیال ہو کہ اگر وہ نماز میں مشغول ہو گیا تو نماز میں کھانے کا خیال رہے گا تو وہ پہلے کھانا کھالے، اور جب یہ صورت نہ ہو تو پھر اولیٰ یہ ہے کہ پہلے نماز پڑھنے کے لیے جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو بکری کے گوشت کو چھری سے کاٹ کر کھا رہے تھے آپ نے اس کو چھوڑ دیا اور نماز پڑھنے کے لیے چلے گئے اور نماز پڑھائی اور آپ نے یہ نہیں فرمایا: کہ مجھے مہلت دو حتیٰ کہ میں بکری کی دستی کھالوں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ پس جب آپ اس چیز میں داخل ہوتے جو آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے تو آپ کھانے کو بھول جاتے اور کھانے کا اہتمام نہ کرتے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گنجائش رکھی ہے کہ جب انسان کو زیادہ بھوک لگی ہو تو وہ پہلے کھانا کھالے، پھر کھانے سے فارغ ہو کر اطمینان سے نماز پڑھے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۹۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۵۹- بَابُ: قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا۔ (الاحزاب: ۵۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً چلے جاؤ"

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تم کھانا کھا چکو تو مکان سے اٹھ کر چلے جاؤ، اور اس کی تفسیر سورۃ الاحزاب میں گزر چکی ہے۔

۵۴۶۶- حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ أَنَسًا قَالَ أَنَا أَعْلَمُ النَّاسِ بِالْحِجَابِ كَانَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يَسْأَلُنِي عَنْهُ أَصْبَحَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَرُوسًا بِزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَكَانَ تَزَوَّجَهَا بِالْمَدِينَةِ فَدَعَا النَّاسَ لِلطَّعَامِ بَعْدَ ارْتِفَاعِ النَّهَارِ فَجَلَسَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَجَلَسَ مَعَهُ رِجَالٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں پردے کے حکم کو لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والا ہوں، اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ مجھ سے پردہ کے حکم کے متعلق سوال کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت

بَعْدَ مَا قَامَ الْقَوْمُ حَتّٰى قَامَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَمَشَى وَمَشَيْتُ مَعَهُ حَتّٰى بَلَغَ بَابَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ ثُمَّ ظَنَّ أَنَّهُمْ خَرَجُوا فَرَجَعْتُ مَعَهُ فَإِذَا هُمْ جُلُوسٌ مَكَانَهُمْ فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ مَعَهُ الثَّانِيَةَ حَتّٰى بَلَغَ بَابَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ مَعَهُ فَإِذَا هُمْ قَدْ قَامُوا فَضَرَبَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ سِتْرًا وَأُنْزِلَ الْحِجَابُ۔

جحش کے ساتھ بہ طورِ دولہا کے صبح کی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مدینہ میں نکاح کیا تھا، آپ نے دن چڑھنے کے بعد لوگوں کو کھانے کی دعوت دی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور آپ کے ساتھ چند مرد بھی بیٹھ گئے جب کہ باقی لوگ اٹھ کر چلے گئے تھے، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، پس آپ چل کر گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ چل کر گیا حتیٰ کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ تک پہنچے، پھر آپ نے گمان فرمایا کہ اب وہ لوگ چلے گئے ہوں گے، پس میں آپ کے ساتھ واپس گیا تو ابھی وہ لوگ ان جگہوں پر بیٹھے ہوئے تھے، پھر آپ واپس آ گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ دوبارہ واپس آیا حتیٰ کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے دروازہ تک پہنچے، پھر آپ لوٹ آئے اور میں بھی آپ کے ساتھ لوٹ آیا، اس وقت وہ لوگ کھڑے ہو گئے اور آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور پردہ کا حکم نازل ہو گیا۔

(صحیح البخاری:۴۷۹۱، ۴۷۹۲، ۴۷۹۳، ۴۷۹۴، ۵۱۵۴، ۵۱۶۳، ۵۱۶۶، ۵۱۶۸، ۵۱۷۰، ۵۱۷۱، ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱، ۷۴۲۱، صحیح مسلم:۱۴۲۸، سنن ترمذی:۳۲۱۷، مسند احمد:۱۲۹۴۸)

صحیح البخاری:۵۴۶۶ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں آیت حجاب نازل ہونے کا بیان کیا گیا ہے، اور اس باب کے عنوان میں اس کا سبب بیان کیا گیا ہے، کیونکہ چند لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے کھانا کھانے کے بعد اٹھے نہیں اور دیر تک بیٹھے رہے، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہو رہی تھی۔ اور حضرت زینب بنت جحش بھی گھر میں ایک جگہ بیٹھی تھیں کہ وہ لوگ چلے جائیں تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں آئیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو، سوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے، کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو، بلکہ جب تمہیں بلایا جائے اس وقت جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً چلے جاؤ اور (وہاں) باتوں میں دل نہ لگاؤ، بے

وَ اللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ ؕ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا (الاحزاب)

شک تمہارے اس عمل سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے، سو وہ تم سے حیاء کرتے ہیں، اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں رکتا، اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے نہایت پاکیزگی کا باعث ہے، تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ نبی کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک اللہ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات ہے O

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''حجاب'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے کہ پردہ کی آیت کے نزول کے متعلق یہ حدیث ہے، اور اس حدیث میں ''عروس'' کا لفظ ہے، اس کا مذکر اور مؤنث (یعنی دولہا اور دلہن) دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔

یہ حدیث سورۂ احزاب کی تفسیر میں گزر چکی ہے، وہاں امام بخاری نے متعدد اسانید کے ساتھ اس حدیث کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور اس کی مفصل شرح وہاں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۲۲، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

الاحزاب: ۵۳ کی تفسیر از مصنف

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ کے پاس نیک اور بد ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، کاش! آپ امہات المومنین کو حجاب میں رہنے کا حکم دیں تو اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب کو نازل کر دیا۔ (صحیح البخاری: ۴۷۹۰)

نیز حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح، اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی دعوت کی، انہوں نے کھانا کھایا، پھر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور اس وقت ایسا لگا جیسے آپ جانے لگے ہوں، لیکن مسلمان نہیں اٹھے، جب آپ نے یہ دیکھا تو آپ کھڑے ہوئے، جب آپ کھڑے ہو گئے تو مسلمانوں میں سے بھی بعض کھڑے ہو گئے اور تین شخص بیٹھے رہے، پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے، میں نکل کر گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کو بتایا کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے حتیٰ کہ حجرے میں داخل ہو گئے، میں بھی داخل ہونے لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ۔ (الاحزاب: ۵۳) (صحیح البخاری: ۴۷۹۱)

اس سے مراد دنیا اور دنیا کی تمام وہ چیزیں ہیں جن کی ضرورت پیش آتی ہے، نیز اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان ازواج مطہرات سے پردہ کی اوٹ سے دینی مسائل بھی معلوم کر سکتے ہیں اور دنیاوی ضرورت کی چیزیں بھی طلب کر سکتے ہیں، اس اجازت میں عام مسلم خواتین بھی داخل ہیں، کیونکہ عورتیں مجسم چھپائی جانے والی جنس ہیں، ان کا بدن اور ان کی آواز سب مستور ہے بلکہ واجب

الستر ہے اور سوائے شہادت یا علاج کے ان کے لیے اپنے جسم کے کسی حصہ کو کسی بھی نامحرم کے سامنے ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پر عدت واجب نہیں ہے، کیونکہ عدت اس مدت کو کہتے ہیں جس میں بیویاں کسی دوسرے سے نکاح کرنے سے رکی رہتی ہیں اور کسی دوسرے شخص سے نکاح کا انتظار کرتی ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے کسی دوسرے شخص کا نکاح کرنا جائز نہ تھا اور وہ بدستور آپ کے نکاح میں تھیں اور آپ کی زوجات تھیں، حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ورثاء میرے دینار کو تقسیم نہیں کریں گے، میں نے اپنی ازواج کے خرچ اور اپنے عامل کے معاوضہ کے بعد جو کچھ چھوڑا ہے، وہ صدقہ ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۷۷۶)، نیز حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر سبب (رشتہ نکاح) اور ہر نسب قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا، سوا میرے سبب اور میرے نسب کے۔ (المعجم الکبیر: ۲۶۳۴)

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی تعظیم کی خبر دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خواہ حیات ظاہری میں ہوں یا وصال فرما چکے ہوں، آپ کی حرمت اور عزت اور آپ کی تعظیم اور تکریم کرنا واجب ہے۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۵۰۱)

صحیح البخاری: ۵۴۶۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جو شخص دوسرے کے گھر میں زیادہ دیر تک بیٹھے حتیٰ کہ گھر والے کو اس کے زیادہ دیر بیٹھنے سے تکلیف ہو تو گھر والے کے لیے جائز ہے کہ وہاں سے اٹھ کر چلا جائے اور اپنے جانے سے یہ خبر دے کہ اس کو جانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ لوگ بھی چلے جائیں اور یہ ادب کے خلاف نہیں ہے اور عنقریب کتاب الادب میں اس کی شرح آئے گی۔ اور یہ حدیث کتاب الاطعمہ کی آخری حدیث ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۵۸، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۶۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کھانا کھانے کے بعد کسی کے گھر سے اٹھ کر چلے جانا چاہیے تاکہ گھر والے کو اس کے زیادہ دیر بیٹھنے سے تکلیف اور ناگواری نہ ہو۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۸۶، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۶۱۹، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۶۶ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان جب کسی کے گھر میں کھانا کھالے تو وہاں سے چلا جائے، کیونکہ جب وہ وہاں ٹھہرا رہے گا تو گھر والے کو اس سے ایذاء ہوگی مگر جب اس کو یہ معلوم ہو کہ گھر والا بھی اس میں رغبت کرتا ہے کہ وہ اس کے پاس ٹھہرے تو پھر اس کے ہاں زیادہ دیر ٹھہرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ (الاحزاب: ۵۳)

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو، سوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے، کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو، بلکہ جب تمہیں بلایا جائے اس وقت جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً چلے جاؤ اور (وہاں) باتوں میں دل نہ لگاؤ، بے شک تمہارے اس عمل سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے۔

اس آیت میں گھر سے چلے جانے کے حکم کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر میزبان کو مہمان کے ٹھہرنے سے تکلیف نہ پہنچے تو پھر مہمان کا گھر میں زیادہ دیر تک ٹھہرنا جائز ہے، کیونکہ جو حکم کسی علت پر مبنی ہو تو علت کے ارتفاع سے وہ حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے۔

سوال: کتاب الاطعمہ مکمل ہو گئی اور اس میں کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کے متعلق حدیث کا ذکر نہیں ہے؟

جواب: کیونکہ امام بخاری کی شرط کے مطابق یہ حدیث نہیں ہے اور امام بخاری اسی حدیث کا ذکر کرتے ہیں جو ان کی شرط کے مطابق ہو۔

سوال: کیا کھانے سے پہلے ہاتھوں کا دھونا سنت ہے؟

جواب: صحیح یہ ہے کہ یہ سنتِ مطلقہ نہیں ہے، کیونکہ کبھی انسان کے ہاتھ میل کچیل یا گندگی کے ساتھ ملوث ہوتے ہیں اس وقت تو ان کو دھونا چاہیے، ورنہ کھانے سے پہلے ہاتھوں کا دھونا ضروری نہیں ہے۔

سوال: کیا کسی واقعے سے پہلے اس پر قرآن مجید کی کسی آیت سے استشہاد اور استدلال کرنا چاہیے؟

جواب: اگر اس واقعہ کے متعلق کوئی آیت ہو تو اس سے استشہاد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ جب حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما مسجد میں داخل ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر آئے، تاکہ ان کو اٹھائیں اور آپ نے یہ آیت پڑھی، اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ (التغابن: ۱۵) تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو صرف آزمائش ہیں۔

کتاب الاطعمہ مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ کتاب العقیقہ شروع ہو گی۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۹۷، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: کتاب الاطعمہ میں ایک سو بارہ احادیث مرفوعہ ہیں، جن میں سے چودہ تعلیقات ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں، اور اس میں نوے احادیث مکررہ ہیں اور خالص احادیث بائیس ہیں۔

کھانے کے متعلق صدر الشریعہ علامہ امجد علی کی تحقیق

صدر الشریعہ بدر الطریقۃ علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۶۷ھ تحریر فرماتے ہیں:

حدیث ۱: صحیح مسلم شریف میں (حضرت) حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ "جس کھانے پر بِسْمِ اللہِ نہ پڑھی جائے، شیطان کے لیے وہ کھانا حلال ہو جاتا ہے"۔ یعنی بِسْمِ اللہِ نہ پڑھنے کی صورت میں شیطان اس کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم: کتاب الاشربہ، باب آداب الطعام والشرب۔۔۔ الحدیث: ۱۰۲، (۲۰۱۷)، ص ۱۱۱۶)

حدیث ۲: صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی شخص مکان میں آیا اور داخل ہوتے وقت اور کھانے کے وقت اس نے بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ لی تو شیطان اپنی ذُرِّیَت سے کہتا ہے کہ اس گھر میں نہ تمہیں رہنا ملے گا نہ کھانا اور اگر داخل ہوتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ نہ پڑھی تو کہتا ہے: اب تمہیں رہنے کی جگہ مل گئی اور کھانے کے وقت بھی بِسْمِ اللّٰہِ نہ پڑھی تو کہتا ہے کہ رہنے کی جگہ بھی ملی اور کھانا بھی ملا''۔ (صحیح مسلم: کتاب الاشربہ، باب آداب الطعام والشرب۔۔۔ الحدیث: ۱۰۳، (۲۰۱۸) ص ۱۱۱۶)

حدیث ۳: صحیح بخاری و مسلم میں عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی، کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھا (یعنی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب اور ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے فرزند ہیں) کھاتے وقت برتن میں ہر طرف ہاتھ ڈال دیتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بِسْمِ اللّٰہِ پڑھو اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور برتن کی اس جانب سے کھاؤ، جو تمہارے قریب ہے''۔ (صحیح مسلم: کتاب الاشربہ، باب آداب الطعام والشرب۔۔۔ الحدیث: ۱۰۸، (۲۰۲۲) ص ۱۱۱۸)

حدیث ۴: ابوداؤد و ترمذی و حاکم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی شخص کھانا کھائے تو اللہ (عزوجل) کا نام ذکر کرے یعنی بِسْمِ اللّٰہِ پڑھے اور اگر شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنا بھول جائے تو یوں کہے: ''بسم اللہ اولہ وآخرہ''۔ (سنن ابی داوٗد: کتاب الاطعمہ، باب التسمیۃ علی الطعام، الحدیث: ۳۷۶۷، ج ۳ ص ۴۸۷)

اور امام احمد و ابن ماجہ و ابن حبان و بیہقی کی روایت میں یوں ہے: ''بسم اللہ فی اولہ واخرہ''۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب التسمیۃ عند الطعام، الحدیث: ۳۲۶۴، ج ۴ ص ۱۱)

حدیث ۵: امام احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ و حاکم وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ ارشاد فرمایا: ''مجتمع ہو کر کھانا کھاؤ اور بِسْمِ اللّٰہِ پڑھو تمہارے لیے اس میں برکت ہوگی''۔ (سنن ابی داوٗد، کتاب الاطعمہ، باب فی الاجتماع علی الطعام، الحدیث: ۳۷۶۴، ج ۳ ص ۴۸۶)

ابن ماجہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ لوگوں نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم کھاتے ہیں اور پیٹ نہیں بھرتا، ارشاد فرمایا کہ ''شاید تم الگ الگ کھاتے ہوگے، عرض کی: ہاں۔ فرمایا: اکٹھے ہو کر کھاؤ اور بِسْمِ اللّٰہِ پڑھو، برکت ہوگی''۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب الاجتماع علی الطعام، الحدیث: ۳۲۸۶، ج ۴ ص ۲۱)

حدیث ۶: شرح السنہ میں ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، کھانا پیش کیا گیا، ابتدا میں اتنی برکت ہم نے کسی کھانے میں نہیں دیکھی، مگر آخر میں بے برکتی دیکھی، ہم نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایسا کیوں ہوا؟ ارشاد فرمایا: ''ہم سب نے کھانے کے وقت بِسْمِ اللّٰہِ پڑھی تھی، پھر ایک شخص بغیر بِسْمِ اللّٰہِ پڑھے کھانے کو بیٹھ گیا، اس کے ساتھ شیطان نے کھانا کھالیا''۔ (شرح السنہ، کتاب الاطعمہ، باب التسمیۃ علی الاکل۔۔۔ الخ، الحدیث: ۲۸۱۸، ج ۶ ص ۶۱۔۶۲)

حدیث ۷: ابوداؤد نے اُمیہ بن مخشی رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہتے ہیں: ایک شخص بغیر بِسْمِ اللّٰہِ پڑھے کھانا کھا رہا تھا، جب کھا چکا صرف ایک لقمہ باقی رہ گیا، یہ لقمہ اٹھایا اور یہ کہا: بسم اللہ اولہ واخرہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم کیا اور یہ فرمایا کہ ''شیطان اس کے ساتھ کھا رہا تھا، جب اس نے اللہ (عزوجل) کا نام ذکر کیا جو کچھ اس کے پیٹ میں تھا اُگل دیا''۔ اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰہِ نہ کہنے سے کھانے کی برکت جو چلی گئی تھی واپس آ گئی۔

(سنن ابی داوٗد، کتاب الاطعمہ، باب التسمیۃ علی الطعام، الحدیث: ۳۷۶۸، ج ۳ ص ۴۸۸)

حدیث ۸: صحیح مسلم میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: جب ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے میں حاضر ہوتے تو جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم شروع نہ کرتے، کھانے میں ہم ہاتھ نہیں ڈالتے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے، ایک لڑکی دوڑتی ہوئی آئی جیسے اسے کوئی دھکیل رہا ہے، اس نے کھانے میں ہاتھ ڈالنا چاہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر ایک اعرابی دوڑتا ہوا آیا جیسے اسے کوئی دھکیل رہا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا اور یہ فرمایا کہ "جب کھانے پر اللہ (عزوجل) کا نام نہیں لیا جاتا تو وہ کھانا شیطان کے لیے حلال ہو جاتا ہے۔ شیطان اس لڑکی کے ساتھ آیا کہ اس کے ساتھ کھائے، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر اس اعرابی کے ساتھ آیا کہ اس کے ساتھ کھائے، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! اس کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے، اس کے بعد حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اللہ (عزوجل) کا نام ذکر کیا یعنی بِسْمِ اللہِ کہی اور کھانا کھایا۔ اسی کے مثل امام احمد و ابوداؤد و نسائی و حاکم نے بھی روایت کی ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب آداب الطعام والشرب۔۔۔ الخ الحدیث: ۱۰۲ (۲۰۱۷) ص ۱۱۱۶)

حدیث ۹: ابن عساکر نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس کھانے پر اللہ (عزوجل) کا نام ذکر نہ کیا ہو، وہ بیماری ہے اور اس میں برکت نہیں ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اگر ابھی دسترخوان نہ اٹھایا گیا ہو تو بسم اللہ پڑھ کر کچھ کھالے اور دسترخوان اٹھا لیا گیا ہو تو بِسْمِ اللہِ پڑھ کر انگلیاں چاٹ لے"۔ (تاریخ دمشق، لابن عساکر، رقم: ۴۷۲۴، ج ۶ ص ۳۲۵)

حدیث ۱۰: دیلمی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کھائے یا پیے تو یہ کہہ لے:

بسم اللہ وباللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیء فی الارض ولا فی السماء یاحی یاقیوم۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں، جس کے نام کی برکت سے زمین و آسمان کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، اے ہمیشہ زندہ وقائم رہنے والے۔

پھر اس سے کوئی بیماری نہ ہوگی، اگرچہ اس میں زہر ہو"۔ (الفردوس بماثور الخطاب، الحدیث: ۱۱۱۳، ج ۱ ص ۱۶۸)

حدیث ۱۱: صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کھانا کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور پانی پیے تو داہنے ہاتھ سے پیے"۔ (صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب آداب الطعام والشرب۔۔۔ الخ الحدیث: ۱۰۵، (۲۰۲۰) ص ۱۱۱۷)

حدیث ۱۲: صحیح مسلم میں انہیں سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی شخص نہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھائے، نہ پانی پیے کہ بائیں ہاتھ سے کھانا پینا شیطان کا طریقہ ہے"۔

(صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب آداب الطعام والشرب۔۔۔ الخ الحدیث: ۱۰۶، (۲۰۲۰) ص ۱۱۱۷)

حدیث ۱۳: ابن ماجہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ "داہنے ہاتھ سے کھائے اور داہنے ہاتھ سے پیے اور داہنے ہاتھ سے لے اور داہنے ہاتھ سے دے، کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے، بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے لیتا ہے اور بائیں سے دیتا ہے"۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب الاکل بالیمین، الحدیث: ۳۲۶۶، ج ۴ ص ۱۲)

حدیث ۱۴: ابن النجار نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین انگلیوں سے کھانا انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے"۔ (الجامع الصغیر للسیوطی، الحدیث: ۳۰۷۴، ص ۱۸۴)

اور حکیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین انگلیوں سے کھاؤ کہ یہ سنت ہے اور پانچوں انگلیوں سے نہ کھاؤ کہ یہ اعراب (گنواروں) کا طریقہ ہے''۔ (کنز العمال، کتاب المعیشۃ، الخ، رقم: ۴۰۸۷۲، ج ۱۵ ص ۱۱۵)

حدیث ۱۵: صحیح مسلم میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے اور پونچھنے سے پہلے ہاتھ چاٹ لیتے۔ (صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب استحباب لعق الاصابع۔۔الخ، الحدیث ۱۳۲۔ (۲۰۳۲) ص ۱۱۲۲)

حدیث ۱۶: صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں اور برتن کے چاٹنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ ''تمہیں معلوم نہیں کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے''۔ (صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب استحباب لعق الاصابع، الحدیث: ۱۳۳۔ (۲۰۳۳) ص ۱۱۲۲)

حدیث ۱۷: صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''کھانے کے بعد ہاتھ کو نہ پونچھے، جب تک چاٹ نہ لے یا دوسرے کو چٹا نہ دے''۔ یعنی ایسے شخص کو چٹا دے جو کراہت و نفرت نہ کرتا ہو، مثلاً تلامذہ و مریدین کہ یہ استاد و شیخ کے جھوٹے کو تبرک جانتے ہیں اور بڑی خوشی سے استعمال کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری، کتاب الاطعمہ، باب لعق الاصابع، الخ۔ الحدیث: ۵۴۵۶، ج ۳ ص ۵۳۲)

حدیث ۱۸: امام احمد و ترمذی و ابن ماجہ نے نبیشہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کھانے کے بعد برتن کو چاٹے گا، وہ برتن اس کے لیے استغفار کرے گا''۔

(المسند للامام احمد بن حنبل، مسند البصریین، حدیث نبیشۃ الھذلی، الحدیث: ۲۰۷۵۵، ج ۷ ص ۳۸۲)

رزین کی روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ برتن یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو جہنم سے آزاد کرے، جس طرح تو نے مجھے شیطان سے نجات دی۔ (مشکاۃ المصابیح، کتاب الاطعمہ، الفصل الثالث، الحدیث: ۴۲۲۲، ج ۲ ص ۴۵۵)

حدیث ۱۹: طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے اور پانی میں پھونکنے سے ممانعت فرمائی۔

(المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن العباس، الحدیث: ۲۸۱۸، ج ۱ ص ۶۶۲، المعجم الاوسط، باب المیم، الحدیث: ۵۱۳۸، ج ۴ ص ۴۰)

حدیث ۲۰: صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شیطان تمہارے ہر کام میں حاضر ہو جاتا ہے، کھانے کے وقت بھی حاضر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر لقمہ گر جائے اور اس میں کچھ لگ جائے تو صاف کر کے کھا لے اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑ دے اور جب کھانے سے فارغ ہو جائے تو انگلیاں چاٹ لے، کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے''۔

(صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب استحباب لعق الاصابع، الحدیث: ۱۳۵ (۲۰۳۳)، ص ۱۱۲۳)

حدیث ۲۱: ابن ماجہ نے حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کھانا کھا رہے تھے، ان کے ہاتھ سے لقمہ گر گیا، انہوں نے اٹھا لیا اور صاف کر کے کھا لیا۔ یہ دیکھ کر گنواروں نے آنکھوں سے اشارہ کیا (کہ یہ کتنی حقیر و ذلیل بات ہے کہ گرے ہوئے لقمہ کو انہوں نے کھا لیا) کسی نے ان سے کہا: خدا امیر کا بھلا کرے (معقل بن یسار وہاں امیر و سردار کی حیثیت سے تھے) یہ گنوار کنکھیوں سے اشارہ کرتے ہیں کہ آپ نے گرا ہوا لقمہ کھا لیا اور آپ کے سامنے یہ کھانا موجود ہے، انہوں نے فرمایا: ان عجمیوں کی وجہ سے میں اس چیز کو نہیں چھوڑ سکتا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، ہم کو حکم تھا کہ جب لقمہ گر جائے، اسے صاف کر کے کھا یا جائے، شیطان کے لیے نہ چھوڑ دے۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب اللقمۃ اذا سقطت، الحدیث: ۳۲۷۸، ج ۴ ص ۱۷)

حدیث ۲۲: ابن ماجہ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکان میں تشریف لائے، روٹی کا ٹکڑا پڑا ہوا دیکھا، اس کو لے کر پونچھا پھر کھالیا اور فرمایا: ''عائشہ! اچھی چیز کا احترام کرو کہ یہ چیز (یعنی روٹی) جب کسی قوم سے بھاگی ہے تو لوٹ کر نہیں آئی''۔ یعنی اگر ناشکری کی وجہ سے کسی قوم سے رزق چلا جاتا ہے تو پھر واپس نہیں آتا۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب النھی عن القاء الطعام، الحدیث: ۳۳۵۳، ج ۴ ص ۴۹)

حدیث ۲۳: طبرانی نے عبداللہ بن ام حرام رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''روٹی کا احترام کرو کہ وہ آسمان وزمین کی برکات سے ہے، جو شخص دسترخوان سے گری ہوئی روٹی کو کھالے گا، اس کی مغفرت ہوجائے گی''۔

(الجامع الصغیر للسیوطی، الحدیث: ۱۴۲۶، ص ۸۸)

حدیث ۲۴: دارمی نے اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کی، کہ جب ان کے پاس ثرید لایا جاتا تو حکم کرتیں کہ چھپادیا جائے کہ اس کی بھاپ کا جوش ختم ہوجائے اور فرماتیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اس سے برکت زیادہ ہوتی ہے۔

(سنن دارمی، کتاب الاطعمہ، باب النھی عن اکل الطعام الحار، الحدیث: ۲۰۴۷، ج ۲ ص ۱۳۷)

حدیث ۲۵: حاکم جابر رضی اللہ عنہ سے اور ابوداؤد اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ارشاد فرمایا: ''کھانے کو ٹھنڈا کرلیا کرو کہ گرم کھانے میں برکت نہیں ہے''۔ (المستدرک للحاکم، کتاب الاطعمہ، باب ابردوا الطعام الحار، الحدیث: ۷۲۰۷، ج ۵ ص ۱۶۲)

حدیث ۲۶: صحیح بخاری میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ جب دسترخوان اٹھایا جاتا، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھتے:

الحمد للہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنہ ربنا۔ — اللہ تعالیٰ کے لیے بے شمار تعریفیں، نہایت پاکیزہ اور بابرکت نہ کفایت کی گئی نہ چھوڑی گئی اور نہ اس سے لاپرواہی برتی گئی، اے ہمارے رب! (قبول فرما)

(صحیح البخاری، کتاب الاطعمہ، باب مایقول اذا فرغ من طعامہ، الحدیث: ۵۴۵۸، ج ۳ ص ۵۴۳، سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب مایقول اذا فرغ من الطعام، الحدیث: ۳۴۶۷، ج ۵ ص ۲۸۳)

حدیث ۲۷: صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس بندہ سے راضی ہوتا ہے کہ جب لقمہ اٹھاتا ہے تو اس پر (اللہ عزوجل) کی حمد کرتا ہے اور پانی پیتا ہے تو اس پر اس کی حمد کرتا ہے''۔

(صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء... الخ، باب استحباب حمد اللہ، الخ، الحدیث: ۸۹ (۲۷۳۴)، ص ۱۴۶۳)

حدیث ۲۸: ترمذی وابوداؤد وابن ماجہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے سے فارغ ہوکر یہ پڑھتے:

الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین۔ — اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔

(سنن ابی داود، کتاب الاطعمہ، باب: مایقول الرجل اذا طعم، الحدیث: ۳۸۵۰، ج ۳ ص ۵۱۳)

حدیث ۲۹: ترمذی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کھانے والا شکر گزار ویسا ہی ہے جیسا روزہ دار صبر کرنے والا''۔ (سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب: ۴۳، الحدیث: ۲۴۹۴، ج ۴ ص ۲۱۹)

حدیث ۳۰: ابوداؤد نے ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھاتے یا پیتے، یہ پڑھتے:

الحمد للہ الذی اطعم وسقٰی وسوغہ وجعل لہ مخرجاً۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جس نے کھلایا، پلایا اور اسے باآسانی اتارا اور اس کے نکلنے کا راستہ بنایا۔

حدیث ۳۱: ضیا نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ارشاد فرمایا: ''آدمی کے سامنے کھانا رکھا جاتا ہے اور اٹھانے سے پہلے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے''، اس کی صورت یہ ہے کہ جب رکھا جائے بِسْمِ اللہِ کہے اور جب اٹھایا جانے لگے تو الحمدللہ کہے۔

(الاحادیث المختارۃ، مسند انس بن مالک، الحدیث: ۲۳۰۰، ج ۶ ص ۲۸۶)

حدیث ۳۲: نسائی وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہ کھانے کے بعد یہ دعا پڑھے:

الحمد للہ الذی یطعم ولا یطعم ومن علینا فھدانا واطعمنا وسقانا وکل بلاء حسن ابلانا، الحمد للہ غیر مودع ربی ولا مکافی ولا مکفور ولا مستغنی عنہ، الحمد للہ الذی اطعمنا من الطعام وسقانا من الشراب وکسانا من العری وھدانا من الضلال وبصرنا من العمی وفضلنا علی کثیر من خلقہ تفضیلا والحمد للہ رب العالمین۔

(کنز العمال، کتاب المعیشۃ، رقم: ۴۰۸۴۳، ج ۱۵ ص ۱۱۳)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جو کھلاتا ہے اور خود نہیں کھاتا، اس نے ہم پر احسان فرمایا کہ ہمیں ہدایت دی اور ہمیں کھلایا، پلایا اور ہمیں ہر نعمت خوب عطا کی۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اس حال میں کہ نہ تو وہ نعمت چھوڑی گئی نہ اس کا بدلہ دیا گیا اور نہ ناشکری کی گئی اور نہ اس سے لاپرواہی برتی گئی۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جس نے ہمیں کھانا کھلایا اور پانی پلایا اور برہنگی میں کپڑا پہنایا اور گمراہی سے ہدایت دی اور اندھے پن سے بینا کیا اور اپنی بہت سی مخلوق پر ہمیں فضیلت دی، تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

حدیث ۳۳: امام احمد و ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی شخص کھانا کھائے تو یہ کہے: ''اللھم بارک لنا فیہ وابدلنا خیرا منہ''، اے اللہ! (عزوجل) ہمارے لیے اس (کھانے) میں برکت عطا فرما اور ہمیں اس سے بہتر بدل عطا فرما۔ اور جب دودھ پیے تو یہ کہے: ''اللھم بارک لنا فیہ وزدنا منہ، اے اللہ! (عزوجل) ہمارے لیے اس میں برکت عطا فرما اور ہمیں مزید عطا فرما۔ کیونکہ دودھ کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں جو کھانے اور پانی دونوں کی قائم مقام ہو''۔ (شعب الایمان، باب فی المطاعم والمشارب، الحدیث: ۵۹۵۷، ج ۵ ص ۱۰۴)

حدیث ۳۴: ابن ماجہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پر سے اٹھنے کی ممانعت کی، جب تک کھانا اٹھا نہ لیا جائے۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب النھی ان یقام عن الطعام حتی یرفع۔۔۔ الخ، الحدیث: ۳۲۹۴، ج ۴ ص ۲۴)

حدیث ۳۵: ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب دسترخوان چنا جائے تو کوئی شخص دسترخوان سے نہ اٹھے، جب تک دسترخوان نہ اٹھا لیا جائے اور کھانے سے ہاتھ نہ کھینچے اگرچہ کھا چکا ہو، جب تک سب لوگ فارغ نہ ہو جائیں اور اگر ہاتھ روکنا ہی چاہتا ہے تو معذرت پیش کرے کیونکہ اگر بغیر معذرت کیے ہاتھ روک لے گا تو اس کے ساتھ دوسرا شخص جو کھانا کھا رہا ہے شرمندہ ہوگا، وہ بھی ہاتھ کھینچ لے گا اور شاید ابھی اس کو کھانے کی حاجت باقی ہو''۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب

الاطعمہ، باب النھی ان یقام عن الطعام حتی یرفع۔۔الخ، الحدیث: ۳۲۹۵، ج ۴ ص ۲۴)

اسی حدیث کی بناء پر علماء یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کم خوراک ہو تو آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا کھائے اور اس کے باوجود بھی اگر جماعت کا ساتھ نہ دے سکے تو معذرت پیش کرے تا کہ دوسروں کو شرمندگی نہ ہو۔

حدیث ۳۶: ترمذی وابوداؤد نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہتے ہیں: میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے کے بعد وضو کرنا یعنی ہاتھ دھونا اور کلی کرنا برکت ہے۔ اس کو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کھانے کی برکت اس کے پہلے وضو کرنا اور اس کے بعد وضو کرنا ہے''۔ (اس حدیث میں وضو سے مراد ہاتھ دھونا ہے)۔

(سنن الترمذی، کتاب الاطعمہ، باب ماجاء فی الوضوء قبل الطعام وبعدہ، الحدیث: ۱۸۵۳، ج ۳ ص ۳۳۴)

حدیث ۳۷: طبرانی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی، کہ ارشاد فرمایا: ''کھانے سے پہلے اور بعد میں وضو کرنا (ہاتھ منہ دھونا) محتاجی کو دور کرتا ہے اور یہ مرسلین (علیہم السلام) کی سنتوں میں سے ہے''۔ (المعجم الاوسط، باب المیم، الحدیث: ۷۱۶۶، ج ۵ ص ۲۳۱)

حدیث ۳۸: ابن ماجہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ فرمایا: ''جو یہ پسند کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گھر میں زیادہ خیر کرے تو جب کھانا حاضر کیا جائے، وضو کرے اور جب اٹھایا جائے اس وقت وضو کرے، یعنی ہاتھ منہ دھولے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب الوضوء عند الطعام، الحدیث: ۳۲۶۰، ج ۴ ص ۹)

حدیث ۳۹: ابن ماجہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اکٹھے ہو کر کھاؤ، الگ الگ نہ کھاؤ کہ برکت جماعت کے ساتھ ہے''۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب الاجتماع علی الطعام، الحدیث: ۳۲۸۷، ج ۴ ص ۲۱)

حدیث ۴۰: ترمذی نے عکراش بن ذویب رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہتے ہیں: ہمارے پاس ایک برتن میں بہت سی ثرید اور بوٹیاں لائیں گئیں۔ میرا ہاتھ برتن میں ہر طرف پڑنے لگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے سے تناول فرمایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرا داہنا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ عکراش! ایک جگہ سے کھاؤ کہ یہ ایک ہی قسم کا کھانا ہے۔ اس کے بعد طبق میں طرح طرح کی کھجوریں لائیں گئیں، میں نے اپنے سامنے سے کھانی شروع کیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مختلف جگہ طباق میں پڑتا۔ پھر فرمایا کہ عکراش جہاں سے چاہو کھاؤ، کہ یہ ایک قسم کی چیز نہیں۔ پھر پانی لایا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ دھوئے اور ہاتھوں کی تری سے منہ اور کلائیوں اور سر پر مسح کر لیا اور فرمایا کہ ''عکراش جس چیز کو آگ نے چھوا یعنی جو آگ سے پکائی گئی ہو، اس کے کھانے کے بعد یہ وضو ہے''۔ (سنن الترمذی، کتاب الاطعمہ، باب ماجاء فی التسمیۃ، الحدیث: ۱۸۵۵، ج ۳ ص ۳۳۵)

مسائل فقہیہ

بعض صورت میں کھانا فرض ہے کہ کھانے پر ثواب ہے اور نہ کھانے میں عذاب۔ اگر بھوک کا اتنا غلبہ ہو کہ جانتا ہو کہ نہ کھانے سے مر جائے گا تو اتنا کھا لینا جس سے جان بچ جائے فرض ہے اور اس صورت میں اگر نہیں کھایا یہاں تک کہ مر گیا تو گنہگار رہا۔ اتنا کھا لینا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت آ جائے اور روزہ رکھ سکے یعنی نہ کھانے سے اتنا کمزور ہو جائے گا کہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے گا اور روزہ نہ رکھ سکے گا تو اس مقدار سے کھا لینا ضروری ہے اور اس میں بھی ثواب ہے۔

(الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج ۹ ص ۵۵۹)

مسئلہ ۱: اضطرار کی حالت میں یعنی جب کہ جان جانے کا اندیشہ ہے اگر حلال چیز کھانے کے لیے نہیں ملتی تو حرام چیز یا مردار یا دوسرے کی چیز کھا کر اپنی جان بچائے اور ان چیزوں کے کھا لینے پر اس صورت میں مؤاخذہ نہیں، بلکہ نہ کھا کر مر جانے میں مواخذہ ہے اگرچہ پرائی چیز کھانے میں تاوان (یعنی جو کچھ نقصان ہوا، وہ ادا کرے) دینا ہوگا۔ (الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ ج ۹ ص ۵۵۹)

مسئلہ ۲: پیاس سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے تو کسی چیز کو پی کر اپنے کو ہلاکت سے بچانا فرض ہے۔ پانی نہیں ہے اور شراب موجود ہے اور معلوم ہے کہ اس کے پی لینے میں جان بچ جائے گی تو اتنی پی لے جس سے یہ اندیشہ جاتا رہے۔

(الدر المختار و رد المحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج ۹ ص ۵۵۹)

مسئلہ ۳: دوسرے کے پاس کھانے پینے کی چیز ہے، تو قیمت سے خرید کر کھا پی لے، وہ قیمت سے بھی نہیں دیتا اور اس کی جان پر بنی ہے تو اس سے زبردستی چھین لے اور اگر اس کے لیے بھی یہی اندیشہ ہے تو کچھ لے لے اور کچھ اس کے لیے چھوڑ دے۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج ۹ ص ۵۵۹)

مسئلہ ۴: ایک شخص اضطرار کی حالت میں ہے، دوسرا شخص اس سے یہ کہتا ہے کہ تم میرا ہاتھ کاٹ کر اس کا گوشت کھا لو۔ اس کے لیے اس گوشت کے کھانے کی اجازت نہیں ہے، یعنی انسان کا گوشت کھانا اس حالت میں بھی مباح نہیں۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج ۹ ص ۵۵۹)

مسئلہ ۵: کھانے پینے پر دوا اور علاج کو قیاس نہ کیا جائے، یعنی حالت اضطرار میں مردار اور شراب کو کھانے پینے کا حکم ہے مگر دوا کے طور پر شراب جائز نہیں کیونکہ مردار کا گوشت اور شراب یقینی طور پر بھوک اور پیاس کا دفعیہ ہے اور دوا کے طور پر شراب پینے میں یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ مرض کا ازالہ ہو ہی جائے گا۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج ۹ ص ۵۵۹)

مسئلہ ۶: بھوک سے کم کھانا چاہیے اور پوری بھوک بھر کر کھانا کھا لینا مباح ہے یعنی نہ ثواب ہے نہ گناہ، کیونکہ اس کا بھی صحیح مقصد ہو سکتا ہے کہ طاقت زیادہ ہوگی اور بھوک سے زیادہ کھا لینا حرام ہے، زیادہ کا مطلب ہے کہ اتنا کھا لینا جس سے پیٹ خراب ہونے کا گمان ہے، مثلاً دست آئیں گے اور طبیعت بدمزہ ہو جائے گی۔ (الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج ۹ ص ۵۶۰)

مسئلہ ۷: اگر بھوک سے کچھ زیادہ اس لیے کھا لیا کہ کل کا روزہ اچھی طرح رکھ سکے گا روزہ میں کمزوری نہیں پیدا ہوگی تو حرج نہیں، جب کہ اتنی ہی زیادتی ہو جس سے معدہ خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور معلوم ہے کہ زیادہ نہ کھایا تو کمزوری ہوگی، دوسرے کاموں میں دقت ہوگی۔ یونہی اگر مہمان کے ساتھ کھا رہا ہے اور معلوم ہے کہ یہ ہاتھ روک دے گا تو مہمان شرما جائے گا اور سیر ہو کر نہ کھائے گا تو اس صورت میں بھی کچھ زیادہ کھا لینے کی اجازت ہے۔ (الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج ۹ ص ۵۶۱)

مسئلہ ۸: سیر ہو کر کھانا اس لیے کہ نوافل کثرت سے پڑھ سکے گا اور پڑھنے پڑھانے میں کمزوری پیدا نہ ہوگی، اچھی طرح اس کام کو انجام دے سکے گا یہ مندوب ہے اور سیری سے زیادہ کھایا مگر اتنا زیادہ نہیں کہ شکم خراب ہو جائے یہ مکروہ ہے۔ عبادت گزار شخص کو یہ اختیار ہے کہ بقدر مباح تناول کرے یا بقدر مندوب، مگر اسے یہ نیت کرنی چاہیے کہ اس کے لیے کھاتا ہوں کہ عبادت کی قوت پیدا ہو، کہ اس نیت سے کھانا ایک قسم کی طاعت ہے۔ کھانے سے اس کا مقصد تلذذ و تنعم (یعنی صرف حصول لذت اور خواہش کی تکمیل کے لیے نہ ہو) کہ یہ بری صفت ہے۔

قرآن مجید میں کفار کی یہ صفت بیان کی گئی، کہ کھانے سے ان کا مقصود تمتع و تنعم ہوتا ہے اور حدیث میں کثرت خوری کفار کی صفت بتائی گئی۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج۹ ص۵۶۰)

مسئلہ ۹: ریاضت ومجاہدہ میں ایسی تقلیل غذا (یعنی کھانے میں کمی کرنا) کہ عبادتِ مفروضہ (یعنی فرض کی ہوئی عبادت) کی ادائیگی میں ضُعف پیدا ہوجائے، مثلاً اتنا کمزور ہوگیا کہ کھڑا ہوکر نماز نہ پڑھ سکے گا، یہ ناجائز ہے اور اگر اس حد کی کمزوری پیدا نہ ہوتو حرج نہیں۔ (درمختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج۹ ص۵۶۱)

مسئلہ ۱۰: زیادہ کھالیا اس لیے کہ قے کرڈالے گا اور یہ صورت اس کے لیے مفید ہوتو حرج نہیں، اگرچہ افضل یہ ہے کہ ایسا نہ کرے۔ (ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ، ج۹ ص۵۶۱)

مسئلہ ۱۱: طرح طرح کے میوے کھانے میں حرج نہیں، اگرچہ افضل یہ ہے کہ ایسا نہ کرے۔ (الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج۹ ص۵۶۱)

مسئلہ ۱۲: جوان آدمی کو یہ اندیشہ ہے کہ سیر ہوکر کھائے گا تو غلبۂ شہوت ہوگا تو کھانے میں کمی کرے کہ غلبۂ شہوت نہ ہو، مگر اتنی کمی نہ کرے کہ عبادت میں قصور پیدا ہو۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الحادی عشرفی الکراہیۃ، ج۵ ص۳۳۶)

اسی طرح بعض لوگوں کو گوشت کھانے سے غلبۂ شہوت ہوتا ہے، وہ بھی گوشت میں کمی کردیں۔

مسئلہ ۱۳: ایک قسم کا کھانا ہوگا تو بقدر حاجت نہ کھا سکے گا طبیعت گھبرا جائے گی، لہٰذا کئی قسم کے کھانے تیار کراتا ہے کہ سب میں سے کچھ کچھ کھا کر ضرورت پوری کرلے گا، اس مقصد کے لیے متعدد قسم کے کھانے میں حرج نہیں یا اس لیے بہت سے کھانے پکواتا ہے کہ لوگوں کی ضیافت کرنی ہے، وہ سب کھانے میں صرف ہوجائیں گے تو اس میں بھی حرج نہیں اور یہ مقصود نہ ہوتو اسراف ہے۔
(الفتاوی الہندیہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الحادی عشرفی الکراہیۃ، ج۵ ص۳۳۶)

مسئلہ ۱۴: کھانے کے آداب وسنن یہ ہیں:

(۱) کھانے سے پہلے

(۲) اور بعد میں ہاتھ دھونا

(۳) کھانے سے پہلے ہاتھ دھوکر پونچھے نہ جائیں اور

(۴) کھانے کے بعد ہاتھ دھوکر رومال یا تولیا سے پونچھ لیں کہ کھانے کا اثر باقی نہ رہے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الحادی عشرفی الکراہیۃ، ج۵ ص۳۳۷)

مسئلہ ۱۵: سنت یہ ہے کہ قبلِ طعام اور بعدِ طعام دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئے جائیں، بعض لوگ صرف ایک ہاتھ یا فقط انگلیاں دھو لیتے ہیں بلکہ صرف چٹکی دھونے پر کفایت کرتے ہیں اس سے سنت ادا نہیں ہوتی۔
(الفتاوی الہندیہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الحادی عشرفی الکراہیۃ، ج۵ ص۳۳۷)

مسئلہ ۱۶: مستحب یہ ہے کہ ہاتھ دھوتے وقت خود اپنے ہاتھ سے پانی ڈالے، دوسرے سے اس میں مدد نہ لے یعنی اس کا وہی حکم ہے جو وضو کا ہے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الحادی عشرفی الکراہیۃ، ج۵ ص۳۳۷)

(بہارِ شریعت حصہ شانزدہم، جلد سوم ص۳۷۶۔۳۵۹ ملخصاً وملتقطاً، مکتبۃ المدینہ، دعوتِ اسلامی، ۱۴۳۲ھ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۷۱۔ كِتَابُ الْعَقِيْقَةِ

عقیقہ کا بیان

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، لکھتے ہیں:

یہ کتاب عقیقہ کے احکام کے بیان میں ہے۔ الاصمعی نے کہا ہے: عقیقہ اصل میں ان بالوں کو کہتے ہیں جو ولادت کے وقت بچے کے سر پر ہوتے ہیں، اور اس حال میں جو بکری ذبح کی جاتی ہے، اس کو بھی عقیقہ کہتے ہیں، کیونکہ ذبح کے وقت بچے کے سر سے اس کے بالوں کو مونڈ دیا جاتا ہے۔ اور علامہ خطابی نے کہا ہے کہ عقیقہ اس بکری کا نام ہے جس کو بچے کی طرف سے ذبح کیا جاتا ہے۔ اور اس کو عقیقہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ذبح کرنے والے کی طرف سے اس کو ذبح کیا جاتا ہے یعنی بکری کو شق کیا جاتا ہے اور کاٹا جاتا ہے، اور "عق" کے معنی شق اور کاٹنا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ بالوں کو عقیقہ اس لیے کہتے ہیں کہ بالوں کو مونڈنے کے بعد بطور استعارہ عقیقہ کہتے ہیں۔

بچے کی پیدائش کے ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جاتا ہے اور اس کے سر کے بال مونڈ کر ایک بکری کو ذبح کیا جاتا ہے، اگر لڑکا ہو تو اس کی طرف سے دو بکریاں ذبح کی جاتی ہیں اور لڑکی ہو تو ایک بکری ذبح کی جاتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابُ: تَسْمِيَةِ الْمَوْلُوْدِ غَدَاةَ يُوْلَدُ لِمَنْ لَمْ يَعُقَّ عَنْهُ وَتَحْنِيْكِهٖ

اگر بچے کا عقیقہ کا ارادہ نہ ہو تو بچے کی ولادت کے دن ہی بچے کا نام رکھنا اور اس کو گھٹی دینے کا جواز

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے جس صبح کو بچہ پیدا ہوا ہے اور اس کے عقیقہ کا ارادہ نہ ہو تو اس دن اس کا نام رکھنا جائز ہے اور اس کو گھٹی دینا بھی جائز ہے۔ یعنی ولادت کے وقت بچہ کا نام رکھنا جائز ہے اگر اس کا عقیقہ حاصل نہ ہو۔ اور اگر عقیقہ حاصل ہو تو پھر ساتویں دن بچہ کا نام رکھا جائے۔ اور نسفی کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ولادت کے وقت بچے کا نام رکھیں عام ازیں کہ عقیقہ ہو یا نہ ہو، لیکن پہلی تفسیر زیادہ اولیٰ ہے کہ احادیث میں مذکور ہے کہ ساتویں دن بچہ کا نام رکھا جائے۔ اور نسفی کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ واجب نہیں ہے۔

عقیقہ کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور ابوثور...

اسحاق نے کہا ہے کہ عقیقہ کرنا سنت ہے۔ اور جو شخص عقیقہ کرنے پر قادر ہو اسے عقیقہ کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ عقیقہ کی قیمت کو مساکین پر صدقہ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ عقیقہ کو ذبح کیا جائے یعنی ایک بکری یا دو بکریوں کو ذبح کیا جائے اور ایک مرتبہ انہوں نے کہا: یہ وہ کام ہے جس پر ہمارے نزدیک ہمیشہ سے لوگوں کا عمل رہا ہے۔ اور امام مالک نے کہا: یہ وہ کام ہے جس میں فقہاء کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اور علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم عقیقہ کو مشروع قرار دیتے تھے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور حسن بصری اور اہل الظاہر سے منقول ہے کہ عقیقہ کرنا واجب ہے اور ان کی تاویل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے، اور یہ وجوب پر محمول ہے اور ابن حزم ظاہری نے کہا کہ عقیقہ کرنا فرض یا واجب ہے، انسان کو عقیقہ کرنے پر مجبور کیا جائے گا جب اس کے لیے اس کی روزمرہ کی خوراک سے زائد رقم ہو، اور شرح السنہ میں مذکور ہے کہ حسن بصری نے عقیقہ کو واجب قرار دیا، انہوں نے کہا کہ لڑکے کی طرف سے ساتویں دن عقیقہ کیا جائے، اگر اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو وہ خود اپنا عقیقہ کرلے۔

اور علامہ ابن التین شارح بخاری نے کہا کہ ابووائل نے کہا ہے کہ عقیقہ کرنا لڑکوں اور لڑکیوں میں سنت ہے۔

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ عقیقہ سنت نہیں ہے اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ عقیقہ کرنا نفلی قربانی ہے۔ لوگ عقیقہ کرتے تھے، پھر عقیقہ کو دس ذوالحجہ کی قربانی سے منسوخ کردیا گیا ہے۔

صاحب التوضیح علامہ ابن الملقن نے امام ابوحنیفہ سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ امام ابوحنیفہ اور فقہاء کوفہ کے نزدیک عقیقہ کرنا بدعت ہے، اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی لکھا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ افتراء ہے اور اس کی امام ابوحنیفہ کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اس سے بری ہیں کہ وہ ایسی بات کہیں، اور امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ یہ سنت نہیں ہے، اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ سنت ثابتہ نہیں ہے، یا اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ سنت مؤکدہ نہیں ہے۔

امام عبدالرزاق نے از داؤد بن قیس روایت کی ہے کہ میں نے عمرو بن شعیب از والد خود از جدِ خود یہ سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں خون بہانے کو پسند نہیں کرتا، صحابہ نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم میں سے کسی شخص کے ہاں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ قربانی کرتا ہے، تو آپ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص بچہ سے قربانی کرنے کو پسند کرے تو وہ قربانی کرے، لڑکے کی طرف سے دو ہم شکل بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔ اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ عقیقہ کرنا مستحب ہے۔

تحنیث کا معنی

تحنیک یعنی گھٹی دینا، اس سے مراد یہ ہے کہ کسی کھانے کی چیز کو چبا کر نرم کردیا جائے، پھر اس کو بچہ کے منہ میں رکھ دیا جائے۔ عموماً کھجور کو چبا کر نرم کر کے بچے کے منہ میں رکھ دیتے ہیں، اگر کھجور میسر نہ ہو تو تازہ کھجور ہو اور وہ بھی میسر نہ ہو تو کوئی میٹھی چیز ہو۔ اور شہد کو چٹانا دوسری چیزوں سے بہتر ہے اور ایسی چیز سے گھٹی دی جائے جو آگ پر پکی ہوئی نہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص

۱۲۳-۱۲۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۶۷- حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ حَدَّثَنِي بُرَيْدٌ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى رضی الله عنه قَالَ وُلِدَ لِي غُلَامٌ فَأَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَسَمَّاهُ إِبْرَاهِيمَ فَحَنَّكَهُ بِتَمْرَةٍ وَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ وَدَفَعَهُ إِلَيَّ وَكَانَ أَكْبَرَ وَلَدِ أَبِي مُوسَى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن نصر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے برید نے حدیث بیان کی از ابی بردہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں۔ میرا ایک بچہ پیدا ہوا، میں اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گیا، آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا، پھر اس کو ایک کھجور کی گھٹی دی اور اس کے لیے برکت کی دعا کی اور وہ بچہ میری طرف دے دیا، اور وہ بچہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔

(صحیح البخاری: ۶۱۹۸، صحیح مسلم: ۲۱۴۵، مسند احمد: ۱۹۰۷۶)

صحیح البخاری: ۵۴۶۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسحاق بن نصر کا ذکر ہے، ان کا نام اسحاق بن ابراہیم بن نصر البخاری ہے، یہ مدینہ میں آ گئے تھے، امام بخاری کبھی ان کو بھی اسحاق بن ابراہیم لکھتے ہیں اور کبھی ان کے دادا کی طرف نسبت کر کے اسحاق بن نصر لکھتے ہیں۔ اور امام بخاری ان سے روایت کرنے میں متفرد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو اسامہ کا ذکر ہے، ان کا نام حماد بن اسامہ ہے۔ اور برید کا ذکر ہے، اس میں باء پر پیش، راء پر زبر اور یاء ساکن ہے۔ یہ ابن عبداللہ بن ابی بردہ ہیں، اور ان کا نام عامر بن ابی موسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری ہے۔

بچے کا نام رکھنے کا بیان

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیدا ہوتے ہی بچے کا نام رکھنا جائز ہے اور ساتویں دن تک انتظار نہ کیا جائے، کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے بچے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے جانے میں جلدی کی اور آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی ۴۵۸ھ، نے کہا ہے کہ بچہ کے پیدا ہوتے ہی نام رکھنے سے وہ حدیث زیادہ صحیح ہے جس میں مذکور ہے کہ بچہ کا ساتویں دن نام رکھا جائے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ امام بزار نے اور امام ابن حبان نے اور امام حاکم نے صحیح حدیث سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا ساتویں دن عقیقہ کیا اور ان کا نام رکھا۔

اور امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، نے از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت کی ہے کہ مجھے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ بچے کی پیدائش کے ساتویں دن اس کا نام رکھا جائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سات کام سنت ہیں:

(۱) بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن اس کا نام رکھا جائے (۲) اس کا ختنہ کیا جائے (۳) اس سے گھناؤنی چیز کو زائل کیا جائے، (۴) اس کے کان میں سوراخ کیا جائے (۵) اس کا عقیقہ کیا جائے (۶) اس کے سر کے بال کاٹے جائیں اور عقیقہ کے خون میں بالوں کو لتھیڑا جائے (۷) بالوں کے وزن کے برابر چاندی یا سونے کو صدقہ کیا جائے۔ اس حدیث کی امام الدارقطنی نے الاوسط میں روایت کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر اور علامہ عینی نے لکھا ہے کہ بالوں کو خون میں لتھیڑا جائے، لیکن امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ بالوں کو خون میں نہ لتھیڑا جائے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۶) سعیدی غفرلہٗ)۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بچہ کی پیدائش کا ساتواں دن ہو تو اس سے خون بہاؤ اور اس کی گھناؤنی چیز کو زائل کردو۔ اور اس حدیث کی سند حسن ہے۔

علامہ خطابی نے لکھا ہے کہ اکثر فقہاء کا یہ مذہب ہے کہ بچے کا نام ساتویں دن سے پہلے رکھنا بھی جائز ہے۔ محمد بن سیرین اور قتادہ اور اوزاعی نے کہا ہے کہ جب پیدا ہو جائے اور اس کی خلقت مکمل ہو تو چاہے تو اسی وقت اس کا نام رکھ دے۔

اور علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ جب باپ بچے کے عقیقہ کی نیت نہ کرے تو پیدائش کے ایک دن بعد یا دو دن بعد بچے کا نام رکھنا جائز ہے۔ اور اگر وہ اس کے عقیقہ کا ارادہ کرے تو سنت یہ ہے کہ اس کے نام رکھنے کو بچے کی طرف سے قربانی تک مؤخر کیا جائے اور وہ ساتواں دن ہے۔

بچے کو گھٹی دینے کا بیان

گھٹی سے مراد یہ ہے کہ کھجور کو چبا کر نرم کیا جائے اور اسے بچے کے منہ میں رکھ دیا جائے یا بچے کو شہد چٹا دیا جائے، یا کوئی اور میٹھی چیز بچے کو چٹا دی جائے، تاہم وہ ایسی چیز ہو جو آگ پر پکی ہوئی نہ ہو۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ بچے کو گھٹی دینے کی حکمت کیا ہے؟ تو میں کہوں گا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: یہ اس لیے کیا جائے تاکہ بچے کو کھانا کھانے کی مشق ہو جائے اور اس پر قوت حاصل ہو۔

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سبحان اللہ! یہ کیسا کلام کیا ہے، جس وقت بچے کو گھٹی دی جاتی ہے اس وقت بچہ کہاں کوئی چیز کھاتا ہے؟ کیونکہ بچے کو گھٹی اس کی پیدائش کے وقت دی جاتی ہے اور وہ دو سال یا اس سے کم یا زیادہ مدت کے بعد کھانا شروع کرتا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ اسے کھانے کی مشق کے لیے گھٹی دی جاتی ہے درست نہیں ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ گھٹی کے ذریعہ ایمان کی نیک فال اور نیک شگون لیا جائے، کیونکہ کھجور اس درخت کا پھل ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے مشابہ فرمایا ہے اور اس کی مٹھاس کی وجہ سے بھی۔ اور خاص طور پر جب گھٹی دینے والا اہل فضل میں سے ہو اور علماء میں سے ہو اور صالحین میں سے ہو، کیونکہ بچے کے پیٹ میں ان علماء اور صالحین کا لعاب پہنچے گا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو گھٹی دی تو حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بے شمار فضائل اور کمالات

کو جمع کر لیا۔ اور حضرت عبد اللہ بن زبیر قرآن کے قاری تھے، اسلام میں پاک دامن تھے۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن ابی طلحہ کو رسول اللہ ﷺ نے گھٹی دی، وہ بھی اہلِ علم اور اہلِ فضل سے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک کی برکت سے ان میں کمالات اور فضائل حاصل ہوئے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۲۴-۱۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۶۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صبح کے وقت گھٹی دینے کی قید اتفاقی ہے

اس باب میں مذکور ہے: جس صبح کو بچہ پیدا ہو، اس صبح کو بچے کو گھٹی دینا اور گویا کہ امام بخاری نے صبح کے لفظ کی قید لگائی تاکہ حدیث کی اتباع ہو۔ اور ''غداۃ'' یعنی صبح کا لفظ بولا جاتا ہے اور اس سے مطلق وقت مراد ہوتا ہے اور یہی یہاں پر مراد ہے۔ اور کبھی واقع کی ضرورت کی بناء پر اس میں تاخیر بھی ہو جاتی ہے۔ اور جیسے اتفاق ہو کہ بچہ مثلاً دوپہر کے وقت پیدا ہوا ہے تو صبح کے بعد گھٹی دی جائے گی اور بچے کا نام رکھا جائے گا۔

گھٹی کا معنی

گھٹی کا معنی ہے: کسی چیز کو چبا کر بچے کے منہ میں رکھا جائے۔ اسے بچے کو گھٹی دینا کہتے ہیں۔ اور یہ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ بچے کو کھانے کی عادت پڑ جائے اور اسے کھانے کی قوت حاصل ہو۔ (میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی نے حافظ ابن حجر کی بیان کردہ اس حکمت کو مسترد کر دیا ہے کہ پیدائش کے وقت بچہ کہاں کھاتا پیتا ہے جو اس کو کھانے کی مشق کرائی جائے۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: کہ گھٹی دیتے وقت بچے کا منہ کھولنا چاہیے، حتیٰ کہ وہ گھٹی بچے کے پیٹ میں چلی جائے اور بہتر یہ ہے کہ کھجور کو چبا کر گھٹی دی جائے، کھجور میسر نہ ہو تو تازہ کھجور اور وہ بھی نہ ہو تو کوئی اور میٹھی چیز ہو اور شہد دوسری چیزوں سے زیادہ اولیٰ ہے۔

عقیقہ کے احکام

امام بخاری نے کہا: اور اگر اس کا عقیقہ نہ کیا جائے، اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ عقیقہ واجب نہیں ہے اور امام شافعی نے کہا: دو مردوں نے عقیقہ کے متعلق افراط کیا ہے، ایک نے کہا کہ عقیقہ بدعت ہے اور دوسرے نے کہا: عقیقہ واجب ہے۔ اور وجوب کے قائل سے انہوں نے اللیث بن سعد کی طرف اشارہ کیا اور امام الحرمین نے وجوب کو صرف داؤد ظاہری کے قول سے پہنچانا۔ جب امام شافعی کی وفات ہوئی تو اس وقت داؤد ظاہری کی عمر چار (۴) سال تھی۔ اور وجوب کا قول ابوالزناد سے بھی مروی ہے اور وہ امام احمد سے بھی روایت ہے۔ اور جن کے متعلق امام شافعی نے کہا کہ انہوں نے کہا: عقیقہ بدعت ہے، اس سے مراد امام ابوحنیفہ ہیں۔

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی نے کہا ہے کہ اصحاب الرائے (یعنی فقہاء احناف) نے عقیقہ کے سنت ہونے کا انکار کیا ہے اور انہوں نے آثار ثابتہ کی مخالفت کی ہے اور بعض فقہاء نے امام مالک کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''لا احب العقوق'' یعنی میں خون بہانے کو پسند نہیں کرتا، گویا کہ آپ نے ''عق'' کے لفظ کو ناپسند فرمایا۔

اور امام مالک نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ جس کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس نے قربانی کرنے کو پسند کیا تو وہ قربانی کرے۔
اور محمد بن الحسن شیبانی نے کہا کہ عقیقہ اس حدیث سے منسوخ ہو گیا: آپ نے فرمایا: کہ "قربانی نے ہر ذبح کو منسوخ کر دیا"۔
اس حدیث کی امام دار قطنی نے روایت کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے عقیقہ واجب ہو، پھر اس کے وجوب کو منسوخ کر دیا گیا ہو اور اس کا استحباب باقی رہا ہو، جیسا کہ دس محرم کا روزہ، لہٰذا عقیقہ کی مشروعیت کی نفی پر کوئی دلیل نہیں ہے۔
(میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس تحقیق کو بھی رد کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور فقہاء احناف کی طرف جو یہ نسبت کی گئی ہے کہ ان کے نزدیک عقیقہ کرنا بدعت ہے اور مشروع نہیں ہے، یہ امام ابو حنیفہ پر افتراء ہے، وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ یہ سنتِ ثابتہ یا سنتِ موکدہ نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)
حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:
امام بیہقی نے کہا ہے کہ جس حدیث میں ہے کہ جس صبح کو بچہ پیدا ہوا ہو، اس صبح کو اس کا نام رکھا جائے۔ یہ حدیث ان احادیث سے زیادہ صحیح ہے جن میں یہ مذکور ہے کہ ساتویں دن نام رکھا جائے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ ساتویں دن عقیقہ کرنے کے متعلق بھی احادیث ہیں کہ مسند البزار اور صحیح ابن حبان اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا ساتویں دن عقیقہ کیا اور ان کا نام رکھا۔ اور امام ترمذی نے بھی از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت کی ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ساتویں دن بچے کا نام رکھوں۔ اس طرح اور بھی احادیث ہیں۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۵۸۹۔۵۸۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۶۲۱، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن عقیقہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

عقیقہ کا لغوی معنی

مشہور اور معروف یہ ہے کہ عقیقہ اس بکری کا نام ہے جس کو پیدا ہونے والے بچے کی طرف سے ذبح کیا جاتا ہے، اس کو عقیقہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے ذبیحہ کو کاٹا جاتا ہے اور شق کیا جاتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ عقیقہ اصل میں ان بالوں کا نام ہے جن کو مونڈا جاتا ہے۔
لغات المنہاج میں مذکور ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے سر پر جو بال ہوتے ہیں، جب ان بالوں کو مونڈ دیا جائے اور دوسرے بال پیدا ہو جائیں تو اس سے عقیقہ کا اسم زائل ہو جاتا ہے، اور بالوں کو مونڈنے کے بعد استعارۃً اور مجازاً عقیقہ کہا جاتا ہے۔
اور قزاز کی عبارت ہے کہ العق کا معنی ہے: الشق، یعنی چیز کو کاٹنا اور پھاڑنا اور عقیقہ معقوقہ کے معنی میں ہے اور نوزائدہ بچے کے بالوں کو عقیقہ کہا جاتا ہے کیونکہ اس کو کاٹا جاتا ہے۔
اور امام ابو عبید نے کہا ہے: حدیث میں "امیطوا عنه الاذیٰ" یعنی گھن والے بالوں کو بچہ سے زائل کر دو۔
(غریب الحدیث ج ۱ ص ۶۳)

اور مجمل اللغۃ میں مذکور ہے کہ عقیقہ صرف ان بالوں کو کہا جاتا ہے جن بالوں کو بچے کی پیدائش کے بعد مونڈ دیا جاتا ہے۔
(مجمل اللغۃ ج ۲ ص ۶۰۹)

الازہری نے کہا ہے: عقیقہ بالوں کو بھی کہتے ہیں اور ذبیحہ کو بھی عقیقہ کہا جاتا ہے، کیونکہ نوزائدہ بچے کی طرف سے بکری کو ذبح کیا جاتا ہے یعنی اس کے حلقوم کو چھری سے کاٹا جاتا ہے۔ (تہذیب اللغۃ ج ۳ ص ۲۵۱۹)

امام احمد بن حنبل نے ابوعبیدہ کی عقیقہ کے متعلق جو تفسیر ہے، اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے: عقیقہ صرف نفسِ ذبح کو کہتے ہیں۔
(التمہید ج ۴ ص ۳۰۹-۳۱۰)

عقیقہ کا حکم

جمہور کے نزدیک عقیقہ سنت ہے، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور ابوثور اور اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا یہی قول ہے۔ اور جو شخص عقیقہ کرنے پر قادر ہو، اس کو عقیقہ کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ (الاستذکار ج ۱۵ ص ۳۷۳)

امام احمد بن حنبل نے کہا: میرے نزدیک عقیقہ میں بکری کو ذبح کرنا اس بکری کی قیمت کو مساکین پر صدقہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ (المغنی ج ۱۳ ص ۳۹۵)

اور علامہ ابراہیم بن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے کہا: حضرت ابن عباس، حضرت عمر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم عقیقہ کو مشروع قرار دیتے تھے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے بھی یہی روایت ہے۔ (الموطا ص ۳۱۱)

امام اوزاعی نے کہا کہ عقیقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اور اس کے مقابلہ میں دو قول ہیں:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ عقیقہ بدعت ہے اور یہ فقہاء کوفہ سے اور امام ابوحنیفہ سے منقول ہے اور ان کے اصحاب نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا: یہ اجماع کے خلاف ہے، امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ عقیقہ مباح ہے۔ اور یہ بھی فقہاء کی اس تصریح کے خلاف ہے کہ عقیقہ مستحب ہے، کیونکہ عقیقہ کی ترغیب دی گئی ہے اور اس پر برانگیختہ کیا گیا ہے۔ (میں کہتا ہوں: کہ صحیح یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ عقیقہ سنتِ ثابتہ یا موکدہ نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(۲) عقیقہ کرنا واجب ہے، یہ قول حسن بصری اور اہلِ ظاہر سے منقول ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ حدیث میں ہے: لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے اور یہ حدیث وجوب پر محمول ہے، اور فقیہ اللیث بھی عقیقہ کو واجب قرار دیتے تھے۔
(المجموع ج ۸ ص ۴۳۰، المحلی ج ۷ ص ۵۲۳، المغنی ج ۱۳ ص ۳۹۴، مختصر اختلاف العلماء ج ۳ ص ۲۳۳، الاستذکار ج ۱۵ ص ۳۷۵)

امام بغوی نے شرح السنہ میں کہا ہے کہ حسن بصری نے عقیقہ کو واجب قرار دیا، انہوں نے کہا: لڑکے کی ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کیا جائے، اگر اس کا عقیقہ نہ کیا جائے تو وہ خود اپنا عقیقہ کرلے۔ (شرح السنہ ج ۱۱ ص ۲۶۴)

امام محمد بن حسن نے کہا کہ عقیقہ نفل ہے، لوگ عقیقہ کرتے تھے، پھر قربانی کے وجوب سے اس کو منسوخ کر دیا گیا ہے۔
(مختصر اختلاف العلماء ج ۳ ص ۲۳۲)

اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ عقیقہ کے متعلق احادیث مشہورہ ہیں، ان میں سے موطا امام مالک کی یہ حدیث ہے کہ جس کے ہاں

بچہ پیدا ہوا اور اس نے اس کی طرف سے قربانی دینے کو پسند کیا تو وہ قربانی کرے۔ (الموطاص:۳۶۰)

شیخ ابن حزم نے کہا ہے کہ امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ ام کرز الخزاعیہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لڑکے کی طرف سے دو ہم مثل بکری کو ذبح کرو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کو ذبح کرو۔ (المحلی ج ۷ ص ۵۲۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا سات دن کے بعد ختنہ کیا اور ان کی طرف سے عقیقہ کیا۔ (المعجم الاوسط للطبرانی ج ۷ ص ۱۲، المعجم الصغیر ج ۲ ص ۲۲، سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۲۴)

حضرت ام کرز رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری، اور تمہیں اس سے کوئی ضرر نہیں ہوگا کہ وہ بکرے ہوں یا بکریاں ہوں۔ (سنن ترمذی:۱۵۱۶)

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لڑکا اپنے عقیقہ کے سبب سے رہن رکھا ہوا ہوتا ہے، ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے اور اس کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔ (سنن ابوداؤد:۲۸۳۸، سنن نسائی ج ۷ ص ۱۶۶)

امام ابن ماجہ نے سند جید کے ساتھ یزید بن عبید المزنی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لڑکے کی طرف سے عقیقہ کیا جائے اور اس کے سر کو خون کے ساتھ لتھیڑا نہ جائے۔ (سنن ابن ماجہ:۳۱۶۶)

امام عبدالرزاق نے از ابن جریج از یوسف بن ماہک از حفصہ روایت کی ہے کہ ان کی پھوپھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریوں کا عقیقہ کیا جائے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ کیا جائے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۳۲۹۔۳۲۸، رقم الحدیث:۷۹۵۶)

امام ترمذی نے اس حدیث کی اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی:۱۵۱۳)

ابو شیخ نے اپنی کتاب العقیقہ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: لڑکے کی طرف سے دو بکریوں کا عقیقہ کیا جائے یعنی دو بکریوں کو ذبح کیا جائے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ کیا جائے یعنی ایک بکری کو ذبح کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن وحضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے دو دو بکریوں کا عقیقہ کیا ہے اور ان بکریوں کو ان کی پیدائش کے ساتویں دن ذبح کیا اور ان کا نام رکھا اور کہا: اللہ کے نام پر ذبح کرو اور کہو:

اللھم منک والیک ھٰذہٖ عقیقۃ فلان۔ اے اللہ! یہ تیری جانب سے ہے اور تیرے ہی لئے ہے اور یہ فلاں کا عقیقہ ہے۔

امام ابو شیخ نے اپنی کتاب میں سند جید کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ رہن رکھا ہوا ہے، اس کی ولادت کے ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے اونٹوں سے اور گائیوں سے اور بکریوں سے۔ (المعجم الصغیر للطبرانی ج ۱ ص ۱۵۰، رقم:۲۲۹)

علامہ الہیثمی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی روایت صرف مسعدۃ بن الیسع نے کی ہے اور وہ کذاب ہے۔

(ج ۴ ص ۵۸)

امام ابن البزار نے روایت کی ہے کہ یہود لڑکے کی طرف سے ایک مینڈھا ذبح کرتے ہیں اور لڑکی کی طرف سے کچھ ذبح نہیں کرتے، تم لڑکے کی طرف سے دو مینڈھے ذبح کرو اور لڑکی کی طرف سے ایک مینڈھا ذبح کرو۔

(کشف الاستار: ۱۲۳۳، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۵۸)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عقیقہ میں ساتویں دن ذبح کیا جائے یا نو دن بعد یا اکیس دن بعد۔ (المعجم الاوسط للطبرانی ج ۵ ص ۱۳۶، المعجم الصغیر ج ۲ ص ۲۹، سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۰۳)

حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ طبرانی کی صغیر اور اوسط کی روایت میں ایک راوی اسماعیل بن مسلم المکی ہے اور یہ ضعیف راوی ہے، کیونکہ اس کو اکثر غلطی ہوتی تھی اور اکثر وہم ہوتے تھے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۵۹)

ابو عمر نے عبد اللہ بن محمد بن محرر کی از قتادہ از انس روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت کے بعد اپنی طرف سے اپنا عقیقہ کیا۔

(الاستذکار ج ۱۵ ص ۳۷۶)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے کہا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۰۰ نشر السنہ ملتان)

امام عبد الرزاق نے کہا کہ ائمہ نے ابن محرر کی حدیث کو اس وجہ سے ترک کر دیا۔ (تہذیب الکمال ج ۱۶ ص ۳۲)

امام بیہقی نے کہا کہ یہ حدیث ایک اور سند کے ساتھ بھی قتادہ سے مروی ہے اور دوسری سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ حدیث کچھ بھی نہیں ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۰۰)

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے۔ (المجموع شرح المہذب ج ۸ ص ۴۳۱)

زید بن اسلم نے بنو ضمرہ کے ایک مرد سے از والد خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں ''العقوق'' یعنی خون بہانے کو پسند نہیں کرتا، گویا کہ آپ نے عقیقہ کے اسم اور لفظ کو ناپسند فرمایا اور آپ نے ارشاد فرمایا: جس کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور وہ قربانی کرنا پسند کرتا ہو تو وہ اپنے بچے کی طرف سے قربانی کرے۔ (الموطا: ص ۳۱۰)

یہ حدیث مصنف عبد الرزاق (ج ۴ ص ۳۳۰) میں بھی مذکور ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ملخصاً وملتقطاً ج ۲۶ ص ۲۸۲، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: ان احادیث اور آثار کو علامہ عینی اور حافظ ابن حجر نے بھی ذکر کیا ہے، مگر علامہ ابن الملقن کی شرح میں ان احادیث اور آثار کی تخریج مذکور ہے۔

صحیح البخاری: ۵۴۶۷ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عقیقة، فعیلة کے وزن پر ہے اور یہ مفعولة کے معنی میں ہے یعنی معقوقة۔ اور ''العق'' کا معنی ہے: ''القطع''۔ اس کا نام عقیقہ اس لیے رکھا جاتا ہے کہ اس میں بکری کو ذبح کیا جاتا ہے اور رگوں کو کاٹا جاتا ہے، کیونکہ ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ رہن رکھا ہوا ہوتا ہے اور عقیقہ سنت ہے۔

امام بخاری نے کہا: جس صبح کو بچہ پیدا ہوا ہو، اس صبح کو اس کا نام رکھنا جس نے اس کے عقیقہ کا ارادہ اور گھٹی دینے کا ارادہ نہ کیا

ہو۔ امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ اس حدیث کو اور اس دوسری حدیث کو جمع کرے جس میں مذکور ہے کہ ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ رہن رکھا ہوا ہوتا ہے۔اور ساتویں دن اس کی طرف سے بکری کو ذبح کیا جاتا ہے اور بچہ کا سر مونڈا جاتا ہے اور اس کا نام رکھا جاتا ہے۔(سنن ابوداؤد: ۲۸۳۷، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۵، سنن نسائی: ۴۲۲۰)

کیونکہ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ ساتویں دن نام رکھا جائے، تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ارادہ کیا کہ ان دونوں حدیثوں کو جمع کریں کہ جس کا ارادہ ہو کہ وہ عقیقہ کرے گا تو وہ ساتویں دن نام رکھے اور جس کا ارادہ عقیقہ کرنے کا نہ ہو تو وہ بچہ پیدا ہوتے ہی اس کا نام رکھ دے۔

اور بعض شارحین نے ان حدیثوں کو ایک اور طریقہ سے جمع کیا ہے، انہوں نے کہا: اگر اس نے ولادت کے وقت نام رکھا بایں طور کہ اس نے پہلے سے نام تجویز کیا ہوا تھا تو ولادت کے وقت نام رکھ دے اور اگر ولادت سے پہلے نام تجویز کیا ہوا نہ تھا تو پھر نام رکھنے کے معاملہ کو ساتویں دن تک مؤخر کر دے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس نے پہلے سے نام تجویز کیا ہوا تھا تو ولادت کے وقت بچے کا نام رکھ دے اور اگر پہلے سے نام تجویز نہیں کیا ہوا تھا تو ساتویں دن عقیقہ کر کے بچے کا نام رکھ دے۔(شرح صحیح بخاری، ج ۵ ص ۲۰۱، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۶۷ کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ مجد الدین بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری شافعی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ عقیقہ اس ذبیحہ کا نام ہے جو ولادت کے وقت رکھا جاتا ہے، یہ لفظ العق سے ماخوذ ہے اور العق کا معنی ہے: الشق، کیونکہ ذبیحہ کا حلق شق کیا جاتا ہے اور عقیقہ کا اطلاق ان بالوں پر بھی مجازاً کیا جاتا ہے جو بچہ کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں، پھر ان کو کاٹ دیا جاتا ہے اور بعض علماء نے کہا: بالوں میں حقیقت ہے اور ذبیحہ میں مجاز ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عقیقہ مستحب ہے اور یہ لڑکوں میں دو بکریوں کو ساتویں دن ذبح کیا جاتا ہے اور لڑکیوں میں ایک بکری کو ساتویں دن ذبح کیا جاتا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا احب العقوق''، یعنی میں عقیقہ کو یا خون بہانے کو پسند نہیں کرتا۔(موطا امام مالک: ۱۰۸۲) میں کہتا ہوں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو ناپسند فرمایا ہے جو عقوق پر دلالت کرتا ہے یعنی کاٹنے پر، جیسا کہ آپ بعض ان ناموں کو ناپسند فرماتے تھے جن کا معنی غیر مستحسن ہوتا ہے۔اور امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: عقیقہ بدعت ہے، گویا کہ انہوں نے اس لفظ کو ظاہر (یعنی کاٹنے) پر محمول کیا ہے۔ورنہ شرعی اعتبار سے عقیقہ کرنا احادیث سے ثابت ہے۔(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۹ ص ۱۳۴، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

عقیقہ کے متعلق امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کے قول کی تحقیق از مصنف

امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں:

امام محمد از امام ابو یوسف از امام ابوحنیفہ روایت کرتے ہیں کہ لڑکے کا عقیقہ کیا جائے نہ لڑکی کا۔

(الجامع الصغیر: ۵۳۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

نیز امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں:

ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ عقیقہ زمانہ جاہلیت میں تھا اور ابتداء اسلام میں بھی عقیقہ کیا گیا، پھر قربانی نے ہر اس ذبیحہ کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے ہوتا تھا، اور رمضان کے روزوں نے ہر اس روزہ کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے رکھا جاتا تھا اور غسل جنابت نے ہر اس غسل کی فرضیت کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے فرض تھا اور زکوٰۃ نے ہر اس صدقہ کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے تھا، ہم کو اسی طرح حدیث پہنچی ہے۔(موطا امام محمد ص ۸۸-۸۹، مطبوعہ نور محمد کراچی)

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

عقیقہ وہ ذبیحہ ہے جو بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن کیا جاتا ہے، ہم نے عقیقہ اور عتیرہ کا منسوخ ہونا اس روایت سے پہچانا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رمضان کے روزے نے اس سے پہلے ہر روزے کو منسوخ کر دیا اور قربانی نے اس سے پہلے ہر ذبیحہ کو منسوخ کر دیا اور غسل جنابت نے اس سے پہلے ہر غسل کی فرضیت کو منسوخ کر دیا اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو سنا تھا کیونکہ اجتہاد سے کسی چیز کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا (الی قولہ)۔ امام محمد نے جامع الصغیر میں ذکر کیا ہے کہ لڑکے کا عقیقہ کیا جائے نہ لڑکی کا، اس عبارت سے عقیقہ کے مکروہ ہونے کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ عقیقہ کرنے میں فضیلت تھی، کیونکہ جب فضیلت منسوخ ہو گئی تو اس کا صرف مکروہ ہونا باقی رہ گیا۔(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۹، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اور فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے:

ولادت کے ساتویں دن لڑکے یا لڑکی کی طرف سے بکری ذبح کرنا اور لوگوں کو دعوت دینا اور بچہ کے بال مونڈنا عقیقہ ہے، یہ نہ سنت ہے اور نہ واجب ہے۔ اسی طرح علامہ کردری کی وجیز میں لکھا ہوا ہے۔ اور امام محمد نے عقیقہ کے متعلق ذکر کیا ہے، جو چاہے کرے اور جو چاہے نہ کرے۔ اس کا اشارہ عقیقہ کی اباحت کی طرف ہے اس لیے اس کا سنت ہونا ممنوع ہے۔ اور امام محمد نے جامع الصغیر میں ذکر کیا ہے کہ لڑکے اور لڑکی کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے اور یہ کراہت کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح بدائع الصنائع کی کتاب الاضحیہ میں ہے۔(عالم گیری ج ۵ ص ۶۲، مطبوعہ امیریہ کبریٰ بولاق، مصر)

علامہ امجد علی رحمۃ اللہ علیہ عقیقہ کے متعلق لکھتے ہیں:

حنفیہ کے نزدیک عقیقہ مباح و مستحب ہے، یہ جو بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ عقیقہ سنت نہیں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ سنت مؤکدہ نہیں ہے ورنہ جب خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے اس کا ثبوت موجود ہے تو مطلقاً اس کی سنت سے انکار کرنا صحیح نہیں ہے۔(بہار شریعت حصہ ۱۵ ص ۱۵، شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی)

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ ابن ملقن، علامہ کورانی وغیرہم شارحین صحیح بخاری نے لکھا ہے کہ امام اعظم سے منقول ہے کہ عقیقہ بدعت ہے، اس کی تصریح ہم کو نہیں ملی۔ اور امام محمد بن حسن شیبانی کی عبارت سے عقیقہ کی کراہت یا عقیقہ کی اباحت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ غالباً اسی کو ان شارحین نے اس طرح تعبیر کر دیا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک عقیقہ بدعت ہے۔ ورنہ امام ابو حنیفہ کے مذہب کی کتابوں میں یہ تصریح نہیں ہے کہ عقیقہ کرنا بدعت ہے، البتہ امام محمد کی عبارت سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک عقیقہ کرنا سنت نہیں ہے۔ اور علامہ عینی نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک عقیقہ کرنا

سنت سے ثابت نہیں ہے یا سنتِ موکدہ نہیں ہے اور صاحب بہارِ شریعت نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ غالباً ابتداءً علامہ ابن ملقن نے امام شافعی سے نقل کیا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عقیقہ کرنا بدعت ہے، پھر امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تحقیق کیے بغیر سب اس کو نقل کرتے چلے گئے۔ بہرحال عقیقہ سنت اور مستحب ہے کیونکہ احادیث صحیحہ میں اس کا ثبوت موجود ہے اور تمام امت نے ان احادیث کو قبول کیا ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ امام اعظم کو یہ احادیث نہ پہنچی ہوں، ورنہ امام حسن بن شیبانی عقیقہ کو مکروہ نہ کہتے، کیونکہ اس زمانہ میں نشرواشاعت کے وسائل اتنے میسر نہ تھے جتنے اب ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے، اور علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی حدیث صحیح امام اعظم کے قول کے خلاف ہو تو حدیث صحیح پر عمل کیا جائے گا۔

(ردالمحتار ج ا ص ٦٣، مطبوعہ استنبول)

٥٤٦٨۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ أُتِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِصَبِيٍّ يُحَنِّكُهُ فَبَالَ عَلَيْهِ فَأَتْبَعَهُ الْمَاءَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بچہ کو لایا گیا، آپ اس کو گھٹی دے رہے تھے، اس بچہ نے آپ پر پیشاب کر دیا، تو آپ نے اس پیشاب پر پانی بہا دیا۔

(صحیح البخاری: ٢٢٢، ٥٤٦٨، ٦٠٠٢، ٦٣٥٥، صحیح مسلم: ٢٨٦، سنن نسائی: ٣٠٣، سنن ابن ماجہ: ٥٢٣، مسند احمد: ٢٥٢٤٠، موطا امام مالک: ١٤٢)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا جاتا تھا تا کہ آپ اس کو گھٹی دیں یا اس کو آپ سے برکت حاصل ہو۔ امام شافعی اور امام احمد یہ کہتے ہیں کہ دودھ پیتے بچے کا پیشاب پاک ہوتا ہے، جس کپڑے پر اس نے پیشاب کیا ہو اس کو دھونا ضروری نہیں ہے، اس پر صرف پانی چھڑکنا کافی ہے، ان کا استدلال اس حدیث سے بھی ہے۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب آلودہ کپڑے پر پانی بہایا، چھڑکا نہیں اور یہ فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کے موقف پر قوی دلیل ہے کہ بچہ کے پیشاب آلودہ کپڑے پر پانی بہایا جاتا ہے چھڑکا نہیں جاتا۔

٥٤٦٩۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رضی الله عنهما أَنَّهَا حَمَلَتْ بِعَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ قَالَتْ فَخَرَجْتُ وَأَنَا مُتِمٌّ فَأَتَيْتُ الْمَدِينَةَ فَنَزَلْتُ قُبَاءً فَوَلَدْتُ بِقُبَاءٍ ثُمَّ أَتَيْتُ بِهِ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَوَضَعْتُهُ فِي حَجْرِهِ ثُمَّ دَعَا بِتَمْرَةٍ فَمَضَغَهَا ثُمَّ تَفَلَ فِي فِيهِ فَكَانَ أَوَّلَ شَيْءٍ دَخَلَ جَوْفَهُ رِيقُ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ حَنَّكَهُ بِالتَّمْرَةِ ثُمَّ دَعَا لَهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن نصر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے حدیث بیان از والد خود از حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا، وہ مکہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے حاملہ ہوگئی تھیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب میں ہجرت کے لیے نکلی تو میرے حمل کے ایام پورے ہوگئے تھے، سو میں مدینہ آئی اور قباء میں ٹھہری اور وہیں قباء میں میرے ہاں بچہ پیدا ہوگیا، پھر میں اس بچہ کو لے کر رسول اللہ

فَبَرَّكَ عَلَيْهِ وَكَانَ أَوَّلَ مَوْلُودٍ وُلِدَ فِي الْإِسْلَامِ فَفَرِحُوا بِهِ فَرَحًا شَدِيدًا لِأَنَّهُمْ قِيلَ لَهُمْ إِنَّ الْيَهُودَ قَدْ سَحَرَتْكُمْ فَلَا يُولَدُ لَكُمْ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس بچہ کو آپ کی گود میں رکھ دیا، پھر آپ نے ایک کھجور منگائی اور اس کو چبایا، پھر حضرت ابن زبیر کے منہ میں اپنا لعاب ڈالا، پس پہلی چیز جو حضرت ابن الزبیر کے پیٹ میں پہنچی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب تھا، پھر آپ نے ان کو کھجور کی گھٹی دی (یعنی کھجور کو چبا کر نرم کر کے ان کے منہ میں ڈالا)، پھر ان کے لیے برکت کی دعا کی، اور یہ پہلا بچہ تھے جو زمانہ اسلام میں پیدا ہوا۔ تو مسلمان اس سے بہت خوش ہوئے کیونکہ مسلمانوں سے یہ کہا گیا تھا کہ یہود نے تم پر جادو کر دیا ہے، اب تمہارے ہاں اولاد نہیں ہوگی۔

(صحیح البخاری: ۳۹۰۹، ۵۴۶۹، صحیح مسلم: ۲۱۴۶، مسند احمد: ۲۶۳۹۸)

صحیح البخاری: ۵۴۶۹ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: "وانا متم" یعنی میرا حمل پورا ہونے والا تھا، یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب ایام حمل پورے ہو جائیں۔ یہ اسلام میں پہلے مولود تھے یعنی ہجرت کے بعد مدینہ میں مہاجرین کی اولاد سے سب سے پہلے حضرت ابن زبیر پیدا ہوئے تھے ورنہ حضرت نعمان بن بشیر انصاری ہجرت سے پہلے پیدا ہوئے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۶۹، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مدینہ میں پیدا ہوئے، اور یہ مہاجرین کے پہلے بچے تھے جو اسلام میں پیدا ہوئے۔

(۲) اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو گھٹی دی، آپ نے مدینہ کی کسی کھجور کو چبایا اور اس کو نرم کیا اور اپنا لعاب بچے کے منہ میں رکھا۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھٹی دینے میں سنت یہ ہے کوئی میٹھی چیز بچے کے منہ میں رکھی جائے، وہ کوئی عام کھجور ہو یا تر و تازہ کھجور ہو یا شہد ہو یا کوئی اور چیز ہو۔

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین سے تبرک حاصل کرنا چاہیے اور ان کی دعا حاصل کرنی چاہیے اور ان سے بچے کا نام رکھوانا چاہیے اور اپنے ہاتھوں پر بچے کو اٹھا کر ان کے پاس لے جانا چاہیے۔

(۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدینہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پہلے بچے تھے جو مہاجرین کے ہاں پیدا ہوئے۔

تنبیہ لطیف

روایت ہے کہ جب مہاجرین مدینہ میں آئے اور وہاں ٹھہرے تو ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی، تو بعض مہاجرین نے کہا کہ ہم پر یہود نے جادو کر دیا ہے حتیٰ کہ یہ بات بہت زیادہ کہی جانے لگی تو ہجرت کے بعد جو سب سے پہلا بچہ پیدا ہوا تو وہ حضرت عبداللہ بن زبیر تھے، تو مسلمانوں نے بہت بلند آواز سے تکبیر بلند کی حتیٰ کہ مدینہ منورہ گونج اٹھا۔

اسی طرح حافظ ابن حجر نے فتح الباری ج ۹ ص ۵۸۹ میں لکھا ہے۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۸۰-۱۸۱، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۵۴۷۰۔ حَدَّثَنَا مَطَرُ بْنُ الْفَضْلِ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَوْنٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ كَانَ ابْنٌ لِأَبِي طَلْحَةَ يَشْتَكِي فَخَرَجَ أَبُو طَلْحَةَ فَقُبِضَ الصَّبِيُّ فَلَمَّا رَجَعَ أَبُو طَلْحَةَ قَالَ مَا فَعَلَ ابْنِي قَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ هُوَ أَسْكَنُ مَا كَانَ فَقَرَّبَتْ إِلَيْهِ الْعَشَاءَ فَتَعَشَّى ثُمَّ أَصَابَ مِنْهَا فَلَمَّا فَرَغَ قَالَتْ وَارُوا الصَّبِيَّ فَلَمَّا أَصْبَحَ أَبُو طَلْحَةَ أَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ أَعْرَسْتُمُ اللَّيْلَةَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمَا فَوَلَدَتْ غُلَامًا قَالَ لِي أَبُو طَلْحَةَ احْفَظْهُ حَتَّى تَأْتِيَ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ فَأَتَى بِهِ النَّبِيَّ ﷺ وَأَرْسَلَتْ مَعَهُ بِتَمَرَاتٍ فَأَخَذَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ أَمَعَهُ شَيْءٌ قَالُوا نَعَمْ تَمَرَاتٌ فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ ﷺ فَمَضَغَهَا ثُمَّ أَخَذَ مِنْ فِيهِ فَجَعَلَهَا فِي فِي الصَّبِيِّ وَحَنَّكَهُ بِهِ وَسَمَّاهُ عَبْدَ اللهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَنَسٍ وَسَاقَ الْحَدِيثَ۔

(صحیح مسلم: ۲۱۴۴، مسند احمد: ۱۲۶۱۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مطر بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ہارون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن عون نے خبر دی از انس بن سیرین از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا بیمار تھا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گھر سے باہر گئے، پس بچہ فوت ہو گیا، جب گھر واپس آئے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ میرے بیٹے کا کیا حال ہے، تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ وہ پہلے سے زیادہ پرسکون ہے، پھر حضرت ام سلیم نے ان کے سامنے رات کا کھانا رکھا، پھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان سے جماع کیا، جب فارغ ہو گئے تو حضرت ام سلیم نے کہا: اس بچہ کو دفن کر دو، پھر جب صبح ہوئی تو حضرت ابو طلحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اس کی خبر دی، تو آپ نے پوچھا: تم نے رات گزار دی؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے دعا کی اے اللہ! ان کی اس رات میں برکت عطا فرما، پھر ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا، حضرت ابوطلحہ نے مجھ سے کہا: اس کی نگرانی کرنا یہاں تک کہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے جائیں، پس وہ بچہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور حضرت ام سلیم نے کچھ کھجوریں بھیجیں تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچہ کو لیا، پھر فرمایا: کیا اس کے ساتھ کوئی چیز ہے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں کھجوریں ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھجوروں کو لیا، پھر

ان کو چبایا، پھر اپنے منہ سے نکالا اور بچہ کے منہ میں اس کھجور کو ڈالا اور اس کی گھٹی دی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔ ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی از ابن عون از محمد از انس اور اس حدیث کو بیان کیا۔

صحیح البخاری: ۵۴۷۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حضرت ابوطلحہ کا ذکر ہے، ان کا نام یزید بن سہل ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کے خاوند ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں یشتکی کا لفظ ہے، یہ اشتکئ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: مرض اور بیماری۔

نیز اس حدیث میں حضرت ام سلیم کا ذکر ہے، یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔

اس حدیث میں ذکر ہے کہ وہ بچہ پہلے سے زیادہ پرسکون ہے، حضرت ام سلیم کی مراد یہ تھی کہ اب وہ بچہ فوت ہوگیا ہے۔ اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے گمان کیا کہ اب وہ بچہ تندرست ہوگیا ہے، اس کو شفا ہوگئی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ثم اصاب منها'' یعنی حضرت ابوطلحہ نے حضرت ام سلیم سے جماع کیا۔

حضرت ام سلیم نے کہا: ''واروا'' بچہ کو چھپا دو، یعنی اس کو دفن کر دو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''اعرستم'' کیا تم نے رات گزار لی ہے، اس سے مراد ہے: کیا تم نے آپس میں جماع کرلیا؟

بعض شارحین نے کہا کہ یہ لفظ عرستم ہے، قاضی عیاض نے کہا: یہ غلط ہے، کیونکہ تعریس کے معنی ہیں: رات کے آخری حصہ میں قیام کرنا، اور آپ کا یہ سوال ان کی کاروائی پر تعجب کی بناء پر تھا۔ اور ان کے صبر پر تعجب کی بناء پر تھا۔ اور اس بناء پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر خوش تھے اور اس کی قضاء پر راضی تھے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو بچہ پیدا ہوا ہو اس کی ولادت کے وقت اس کو گھٹی دینا مستحب ہے۔ بچہ کو کسی مرد صالح کے پاس لے جانا چاہیے تا کہ وہ اس کو گھٹی دے۔

(۲) اور جس دن بچہ پیدا ہو اس دن اس کا نام رکھنا جائز ہے۔

(۳) بچہ کے نام رکھنے کو کسی مرد صالح کے سپرد کرنا چاہیے، کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔

(۴) اس حدیث میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی فضیلت ہے، کیونکہ انہوں نے بچہ کی وفات پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی قضاء پر راضی رہیں اور ان کی عقل کی خوبی ہے کہ انہوں نے بچے کی وفات کو بچے کے باپ سے رات کے ابتدائی حصہ میں مخفی رکھا تا کہ بچے کا باپ

آرام سے رات گزار لے۔

(۵) اس حدیث میں توریہ اور تعریض کے استعمال کا ثبوت ہے، کیونکہ حضرت ام سلیم نے کہا کہ وہ بچہ پہلے سے زیادہ پرسکون ہے، اور ان کی اس سے مراد یہ تھی کہ اب ان کی وفات ہوگئی ہے اور اس کو مرض سے نجات مل گئی ہے۔

(۶) اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے مقبول ہونے کا ثبوت ہے، کیونکہ بعد میں حضرت ام سلیم کو حضرت عبداللہ بن ابی طلحہ کا حمل ہوا اور حضرت عبداللہ بن ابی طلحہ کے ہاں دس نیک علماء پیدا ہوئے۔

اس کے بعد امام بخاری نے اس حدیث کی دوسری سند سے روایت کی ہے۔ پہلی حدیث حضرت انس بن سیرین سے مروی تھی اور اس دوسری سند سے جو حدیث ہے، وہ ان کے بھائی محمد بن سیرین سے مروی ہے۔ امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ یہ حدیث دونوں بھائیوں سے مروی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۲۶-۱۲۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابُ: إِمَاطَةِ الْأَذَى عَنِ الصَّبِيِّ فِي الْعَقِيقَةِ

عقیقہ کے دن بچے سے گھناؤنی چیزوں کو دور کرنا (یعنی اس کے بال مونڈنا)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ عینی نے التوضیح کے حوالہ سے لکھا ہے کہ گھناؤنی چیزوں کو دور کرنے سے مراد یہ ہے کہ بچے کے سر کے بال مونڈے جائیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۲۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۷۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ وَقَالَ حَجَّاجٌ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ وَقَتَادَةُ وَهِشَامٌ وَحَبِيبٌ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ سَلْمَانَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَقَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَاصِمٍ وَهِشَامٍ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ عَنِ الرَّبَابِ عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ الضَّبِّيِّ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَرَوَاهُ يَزِيدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ سَلْمَانَ قَوْلَهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ایوب از محمد از سلمان بن عامر، انہوں نے کہا: لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے اور حجاج نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب اور قتادہ اور ہشام اور حبیب نے خبر دی، از ابن سیرین از سلمان از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور متعدد لوگوں نے عاصم اور ہشام سے روایت کی از حفصہ بنت سیرین، از الرباب از سلمان بن عامر الضبی از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور اس کی یزید بن ابراہیم نے روایت کی از ابن سیرین از سلمان اس قول کی، یعنی سلمان کے قول کی۔

(صحیح البخاری: ۵۴۷۲، سنن ترمذی: ۱۵۱۵، سنن نسائی: ۴۲۱۴، سنن ابوداؤد: ۲۸۳۹، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۴، مسند احمد: ۱۵۹۷، سنن دارمی: ۱۹۶۷)

صحیح البخاری: ۵۴۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے ساتھ مطابقت لفظِ عقیقہ میں ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے: غلام کے ساتھ عقیقہ ہے۔

اس حدیث کی امام بخاری نے متعدد سندوں کے ساتھ روایت کی ہے، پس یہ حدیث موقوف مختصر ہے۔ اور سلیمان الضبی نے محمد بن سیرین سے یہ حدیث کتاب الاطعمہ میں موقوفاً روایت کی ہے اور اصل میں یہ حدیث مرفوع ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ لڑکے کی ولادت کے بعد عقیقہ اس کا مصاحب ہے، یعنی اس کا عقیقہ کیا جائے گا۔ اور اسماعیلی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ بچہ سے گھناؤنی چیز کو دور کیا جائے جو باب کا عنوان ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ بعض دوسری سندوں میں بچہ سے گھناؤنی چیز کے دور کرنے کا بھی ذکر ہے۔ تو امام بخاری نے اسی پر اعتماد کر لیا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بڑے لڑکے کا بھی عقیقہ کرنا جائز ہے اور اس میں ان کے خلاف حجت ہے جو کہتے ہیں کہ بڑے لڑکے کا عقیقہ نہ کیا جائے، کیونکہ اس حدیث میں ارشاد ہے: لڑکے کے ساتھ عقیقہ مصاحب ہے، اور شہر کے تمام ائمہ کا اسی پر فتویٰ ہے۔

پھر اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ حجاج نے کہا: "ہمیں حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے خبر دی اور قتادہ نے اور ہشام نے اور حبیب نے از ابن سیرین از ابن سلمان از نبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔

اس سند کے ساتھ یہ حدیث مرفوع ہے، کیونکہ اس میں مذکور ہے: "از نبی صلی اللہ علیہ وسلم" لیکن یہ تعلیق ہے۔

اس حدیث کی حجاج بن منہال نے از حماد اور وہ ابن سلمہ ہیں سے روایت کی ہے از ایوب السختیانی اور قتادہ بن دعامہ السدوسی اور ہشام بن حسان الازدی اور حبیب بن شہید از محمد بن سیرین از سلمان از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور امام طحاوی اور حافظ ابن عبد البر اور امام بیہقی نے اس حدیث کی سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

اور اسماعیلی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ امام بخاری کی یہ شرط نہیں ہے کہ وہ حماد بن سلمہ سے استدلال کریں۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ امام بخاری نے اس سند کے ساتھ استدلال نہیں کیا بلکہ اس سے استشہاد کیا ہے اور بہ طور استشہاد اس سند کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پھر اس حدیث میں مذکور ہے کہ متعدد لوگوں نے از عاصم اور ہشام از حفصہ بنت سیرین از الرباب از سلمان بن عامر الضبی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے اور یہ بھی تعلیق مرفوع ہے اور اس میں ابہام ہے اور وہ یہ ہے کہ متعدد لوگوں نے روایت کی ہے، پس جن لوگوں کو انہوں نے مبہم رکھا ہے وہ عاصم بن سلیمان الاحول سفیان بن عیینہ ہیں، امام احمد نے اس سند کے ساتھ روایت کی ہے اور تصریح کی ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اور اس میں ہشام کا ذکر ہے۔ یہ ہشام بن

حسان ہیں، ان سے امام عبد الرزاق نے روایت کی ہے اور امام احمد نے روایت کی ہے اور امام ابوداؤد نے اور امام ترمذی نے عبد الرزاق کی سند سے روایت کی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس حدیث کی یزید بن ابراہیم نے از ابن سیرین روایت کی ہے از سلمان یعنی سلمان کے قول کی، اس میں یہ تصریح ہے کہ اس حدیث میں سلمان کا قول ہے اور یہ موقوف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۲۷-۱۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا ہے: "لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے" یعنی لڑکے کے ساتھ عقیقہ مصاحب ہے"۔ یہ حدیث کئی سندوں کے ساتھ مروی ہے، بعض سندوں سے یہ حدیث مرفوعاً مروی ہے اور بعض سندوں سے یہ حدیث موقوفاً مروی ہے، علامہ عینی نے ان تمام سندوں کی شرح کی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بچے سے گھناؤنی چیز کو زائل کیا جائے، اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے سر پر جو بال ہیں ان کو کاٹا جائے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عقیقہ کا اصل معنی یہ ہے کہ بچہ کے سر پر جو بال ہیں ان کو کاٹ دیا جائے۔

بال مونڈنے کو عقیقہ کا نام دینے کی توجیہ

اور عقیقہ میں بکری کا ذکر اس لیے ہوتا ہے کہ بکری کے ذبح کے وقت بچے کے بال کاٹے جاتے ہیں تو ان بالوں کے ساتھ عقیقہ کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ اور یہ ایسا ہے جیسا کہ انہوں نے حدث کا نام غائط رکھ دیا ہے، حالانکہ غائط زمین کے اس گھڑے کو کہتے ہیں جس میں قضاء حاجت کرتے ہیں اور وہ لوگ قضاء حاجت کے لیے بار بار اس جگہ جاتے ہیں اور یہ کلام عرب میں بہت زیادہ ہے کہ وہ کسی چیز کا نام اس کے مصاحب کے ساتھ رکھ دیتے ہیں۔ تو اسی طرح انہوں نے بال مونڈنے کا نام عقیقہ رکھ دیا، کیونکہ بال مونڈنے کے ساتھ بکری کو ذبح کیا جاتا ہے۔

المہلب نے کہا ہے: بال زائل کرنے کا حکم اور ذبح کرنے کا حکم ولادت کے ساتویں دن ہے تا کہ اللہ کے لیے جانور کو ذبح کر کے برکت حاصل کی جائے اور پاکیزگی حاصل کی جائے، اور یہ واجب نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو ایک ہفتہ گزرنے سے پہلے گھٹی دی تھی۔

اور امام مالک نے الموطا میں روایت کی ہے کہ حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے بالوں کا وزن کر کے ان کے برابر چاندی کو صدقہ کر دیا۔ (موطا امام مالک: ۳۱۰)

علامہ ابن بطال نے لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ چاندی کا صدقہ کرنا مستحب ہے ورنہ سونے کو صدقہ کرنا بھی جائز ہے۔

ان لوگوں کا رد جنہوں نے کہا کہ بچے کے بالوں کو خون کے ساتھ لتھیڑا جائے

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بچہ سے گھناؤنی چیز کو دور کرے، اس حدیث میں حسن بصری اور قتادہ کے اس قول کا رد ہے کہ بچے کے سر

کو عقیقہ کے خون کے ساتھ لتھیڑا جائے، کیونکہ خون تو سب سے بڑی نجاست ہے، سو یہ جائز نہیں ہے کہ بچے کے سر کو نجس خون کے ساتھ لتھیڑا جائے۔

بڑی عمر کے لڑکے کا عقیقہ کرنے کا بیان

حسن بصری نے کہا ہے کہ ذبح کے بعد بچے کا نام رکھنا چاہیے، اور امام مالک اور امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

(الکافی لابن عبدالبر ص ۱۷۷، المغنی لابن قدامہ ج ۱۳ ص ۳۹۷)

امام مالک نے کہا: اگر سات دن سے تجاوز ہو جائے تو پھر عقیقہ نہ کیا جائے اور بڑی عمر کے لڑکے کا عقیقہ نہ کیا جائے۔ اور ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ اگر پہلے سات دن میں عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو دوسرے سات دن کے بعد اس کا عقیقہ کر دیا جائے، اور یہی عطاء کا قول ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اگر دوسرے سات دن میں بھی اگر عقیقہ نہیں کیا گیا تو پھر تیسرے سات دن میں عقیقہ کیا جائے اور یہی ابن وہب اور اسحاق کا قول ہے۔ (الاستذکار ج ۱۵ ص ۳۷۵، ۳۷۴، ۳۷۳، ۳۷۲)

میں کہتا ہوں: اس باب کی حدیث کے بھی یہی مناسب ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے'' یہ نہیں فرمایا کہ بچے کے ساتھ عقیقہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی بھی سات دن کے بعد بکری کو ذبح کر دیا جائے تو وہ عقیقہ ہو جائے گا۔ مثلاً بچہ جمعہ کے دن پیدا ہوا ہے تو کسی بھی جمعرات کو بکری ذبح کر دی جائے تو وہ عقیقہ ہو جائے گا، خواہ وہ پہلا سات دن ہو یا دوسرا ہو یا تیسرا ہو یا اس کے بعد کا ہو۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اور یہ حدیث امام مالک کے خلاف حجت ہے، جنہوں نے کہا کہ بڑے کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے۔

اس کا بیان کہ عقیقہ کرنا کس پر واجب ہے

ایوب نے روایت کی ہے از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھے کو ذبح کیا اور ہر ایک کی طرف سے ایک مینڈھے کو ذبح کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۸۴۱)

اور حفصہ بنت عبدالرحمٰن نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہم لڑکے کا عقیقہ دو بکریوں سے کریں اور لڑکی کا عقیقہ ایک بکری سے کریں۔

(سنن ترمذی: ۱۵۱۳، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۳، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔)

امام ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے: یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور جو شخص چاہے ان میں سے جس حدیث پر عمل کرے، کیونکہ یہ صحیح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا ایک ایک بکری سے عقیقہ کیا یعنی ہر ایک کی طرف سے ایک بکری کو ذبح کیا، اور ہمارے پاس ایسی کوئی حدیث نہیں آئی کہ یہ فعل ان کے ساتھ خاص ہو، اور جس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا: لڑکے کی طرف سے دو بکریوں کا عقیقہ کیا جائے، یہ امر استحباب کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں ہے۔ اور امت کو اس کا اختیار ہے کہ جس پر چاہیں عمل کریں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شارح علیہ السلام نے یہ بیان نہیں کیا کہ بچے کا عقیقہ کرنا کس پر واجب ہے آیا باپ پر واجب ہے یا خود بچے پر واجب ہے یا امام المسلمین پر واجب ہے۔ اگر یہ چیز فرض ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرما

دیتے کہ عقیقہ کرنا کس پر واجب ہے، تو جس کا عقیقہ اس کے والد نے کیا یا کسی اور نے کیا تو وہ بھی مستحسن ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شارع علیہ السلام نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کیا اور ان کے والد نے نہیں کیا۔ اور اگر یہ بچے کے والد پر واجب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کرنا کافی نہ ہوتا، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جب جزاء سے یا نذر سے قربانی واجب ہوئی تو کسی اور کا ان کی طرف سے قربانی کرنا جائز نہیں تھا سوائے اس کے وہ اس کا کسی کو حکم دیں کہ میری طرف سے قربانی کرو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے عقیقہ کیا اور حضرت علی سے اس کو دریافت نہیں کیا، اس میں یہ واضح دلیل ہے کہ یہ عقیقہ کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر واجب نہیں تھا اور جب یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر واجب نہیں تھا تو اس کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر واجب ہونا تو زیادہ بعید ہے اور ہمارے علم میں یہ نہیں ہے کہ ائمہ میں سے کسی نے عقیقہ کو واجب کہا ہو، سوائے حسن بصری کے۔ اور ان کا یہ قول باطل ہے کیونکہ قربانی نے ہر ذبیحہ کو منسوخ کر دیا اور اس سے معلوم ہوا کہ عقیقہ کرنا واجب نہیں ہے سنت ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۹۷-۳۰۰ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۴۷۲- وَقَالَ أَصْبَغُ أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ عَنْ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ حَدَّثَنَا سَلْمَانُ بْنُ عَامِرٍ الضَّبِّيُّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ فَأَهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا وَأَمِيطُوا عَنْهُ الْأَذَى۔

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا قُرَيْشُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ حَبِيبِ بْنِ الشَّهِيدِ قَالَ أَمَرَنِي ابْنُ سِيرِينَ أَنْ أَسْأَلَ الْحَسَنَ مِمَّنْ سَمِعَ حَدِيثَ الْعَقِيقَةِ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ مِنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ۔

اصبغ نے کہا: مجھے ابن وہب نے خبر دی از جریر بن حازم از ایوب السختیانی از محمد بن سیرین، انہوں نے کہا: ہمیں سلمان بن عامر الضبی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے، پس تم اس سے خون کو بہاؤ اور اس سے گھناؤنی چیز کو دور کرو۔

اور امام بخاری نے کہا: مجھے عبد اللہ بن ابی الاسود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قریش بن انس نے حدیث بیان کی از حبیب بن شہید، انہوں نے کہا: مجھے ابن سیرین نے حکم دیا کہ میں حسن سے سوال کروں کہ انہوں نے کس سے عقیقہ کی حدیث سنی ہے، سو میں نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ حضرت سمرہ بن جندب سے سنی ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۷۲، سنن ترمذی: ۱۵۱۵، سنن نسائی: ۴۲۱۴، سنن ابوداؤد: ۲۸۳۹، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۴، مسند احمد: ۱۵۹۷، سنن دارمی: ۱۹۶۷)

صحیح البخاری: ۵۴۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور سے یہ استدلال درست نہیں کہ لڑکی کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مرفوع ہے۔

حدیث مذکور میں ارشاد ہے کہ لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے، اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے حسن اور قتادہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ لڑکے کی طرف سے عقیقہ کیا جائے اور لڑکی کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے۔ اور جمہور کے نزدیک لڑکے اور لڑکی دونوں کی طرف

سے عقیقہ کیا جائے گا، کیونکہ دونوں کے متعلق بہ کثرت احادیث وارد ہیں۔ ان احادیث میں سے کچھ یہ ہیں:

لڑکے اور لڑکی کی طرف سے عقیقہ کرنے کے متعلق احادیث

امام ترمذی نے یوسف بن ماہک سے روایت کی ہے کہ لوگ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم کے پاس گئے تو انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو ہم مثل بکریاں ذبح کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے۔ اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے۔

امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت اُم کرز رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: غلام کی طرف سے دو بکریوں کا عقیقہ کیا جائے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ کیا جائے اور تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا کہ عقیقہ نر سے کیا جائے یا مادہ سے کیا جائے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

امام ابوداؤد اور امام نسائی نے از عمرو بن شعیب از والدِ خود از جدِ خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے بیٹے کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو وہ قربانی کرے، لڑکے کی طرف سے دو ہم مثل بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔ ان دونوں کو ذبح کیا جائے اور کسی ایک کا ذبح دوسرے سے موخر نہ کیا جائے۔ امام ابوداؤد نے امام احمد سے روایت کی ہے کہ وہ دونوں بکریاں عمر میں برابر ہوں اور امام طبرانی کی روایت میں ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مثل ہوں۔

گھناؤنی چیز کو زائل کرنے کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے کہ بچہ سے اس کی گھناؤنی چیز کو زائل کرو۔ اس سے مراد یا تو بچے کے سر کے بال ہیں یا رحم کا خون ہے یا ختنہ ہے۔

علامہ حمد بن محمد خطابی متوفی ۳۸۸ھ نے کہا ہے کہ محمد بن سیرین نے بیان کیا کہ جب ہم نے اس حدیث کو سنا تو ہم نے یہ تلاش کیا کہ کوئی بتائے گھناؤنی چیز کو زائل کرنے کا کیا معنی ہے؟ تو ہم نے اس کو نہیں پایا۔

ایک قول یہ ہے کہ گھناؤنی چیز سے مراد وہ بال ہیں جن بالوں کے ساتھ رحم کا خون لگا ہوا ہوتا ہے۔ پس ان بالوں کو مونڈ کر اس خون کو زائل کر دیا جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ لوگ بچے کے سر کو عقیقہ کے خون کے ساتھ لتھیڑ تے تھے۔ اور یہ گھناؤنی چیز ہے تو اس سے منع کیا گیا ہے۔ اور الاصمعی نے وثوق سے کہا ہے کہ اس سے مراد سر کے بالوں کو مونڈنا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اولیٰ یہ ہے کہ گھناؤنی چیز کو اس کے عام معنی پر محمول کیا جائے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ عمرو بن شعیب کی بعض احادیث میں یہ الفاظ ہیں: "یماط عنه اقذاره" یعنی بچے سے اس کی نجاست کو زائل کیا جائے۔

امام بخاری نے اس کے بعد ایک تعلیق ذکر کی ہے جس میں مذکور ہے کہ حبیب بن شہید نے کہا کہ مجھے ابن سیرین نے یہ حکم دیا کہ میں حسن بصری سے سوال کروں کہ آپ نے عقیقہ کی حدیث کو کس سے سنا ہے؟ تو میں نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت سمرہ بن جندب سے۔

تعلیق مذکور کے رجال کا تذکرہ

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تعلیق عبداللہ بن ابی الاسود سے روایت ہے، اور ان کا نام عبداللہ بن محمد بن ابی الاسود ہے، اور ابوالاسود کا نام حمید ہے۔ اور اس تعلیق میں قریش بن انس کا ذکر ہے، یہ قرش کی تصغیر ہے۔ اور قریش بن انس بصری ہیں، یہ ۲۹۰ھ میں فوت ہو گئے تھے اور امام بخاری نے ان کا صرف اسی جگہ ذکر کیا ہے۔ اور حبیب بن شہید کا ذکر ہے، اور حضرت سمرہ بن جندب کا ذکر ہے، یہ کوفی ہیں اور صحابی ہیں۔

اس کی توجیہ کہ امام بخاری نے عقیقہ کے متعلق حدیث ذکر نہیں کی

اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام بخاری نے عقیقہ کی حدیث کی روایت نہیں کی، تو میں کہوں گا کہ امام بخاری نے عقیقہ کے متعلق احادیث کی شہرت پر اکتفاء کر لی۔

اصحاب السنن نے از قتادہ از حسن بصری از حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے کہ لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ مرہون ہوتا ہے، ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے اور اس کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اہل علم کے نزدیک اس پر عمل کرنا مستحب ہے کہ لڑکی کی طرف سے ساتویں دن عقیقہ میں بکری کو ذبح کیا جائے۔ اگر ساتویں دن میں میسر نہ ہو تو چودھویں دن عقیقہ کیا جائے اگر چودھویں دن بھی میسر نہ ہو تو اکیسویں دن عقیقہ کیا جائے۔

علامہ حمد بن محمد الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ نے لکھا ہے: کہ علماء نے اس مسئلہ میں بحث کی ہے، اور بہترین بات وہ ہے جو امام احمد بن حنبل متوفی ۲۰۴ھ نے کی ہے کہ یہ شفاعت پر محمول ہے، ان کی مراد یہ ہے کہ جب بچے کا عقیقہ نہ کیا جائے اور وہ بچہ بچپن میں فوت ہو جائے تو وہ بچہ اپنے والدین کی شفاعت نہیں کرے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اپنے بالوں کی نجاست کے ساتھ مرہون ہوتا ہے، یعنی رہن رکھا ہوا ہوتا ہے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ رہن رکھا ہوا ہوتا ہے۔

ساتویں دن عقیقہ کرنے کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ساتویں دن بچے کا عقیقہ کیا جائے، اور اس حدیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے جنہوں نے کہا ہے کہ عقیقہ ساتویں دن کے ساتھ مقید ہے۔ اگر ساتویں دن سے پہلے کیا گیا تو عقیقہ نہیں ہوگا اور ساتویں دن کے بعد عقیقہ فوت ہو جائے گا اور یہ امام مالک کا قول ہے۔ اور امام احمد بن حنبل کی ساتویں دن کے متعلق دو روایتیں ہیں اور امام شافعی کے نزدیک ساتویں کا دن اختیار کے لیے ہے تعیین کے لیے نہیں ہے۔

بچے کے سر کے بال مونڈنے کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے: "بچے کے سر کے بال مونڈے جائیں"۔ یعنی اس کے سارے بال مونڈے جائیں، کیونکہ کچھ بالوں کو مونڈنا اور کچھ بالوں کو چھوڑ دینا ممنوع ہے۔

الماوردی نے کہا ہے کہ لڑکی کے سر کے بالوں کو مونڈنا مکروہ ہے اور بعض حنبلی فقہاء نے کہا ہے کہ اس کے بال بھی مونڈے

جائیں گے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ یہ اولیٰ ہے، کیونکہ سلمان کی حدیث میں ہے "بچے سے اس کی گھناؤنی چیزوں کو زائل کرو"، اوران گھناؤنی چیزوں میں اس کے سر کے بال ہیں جو پیٹ کی آلائش کے ساتھ لتھڑے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ اپنے عموم کی وجہ سے مذکر اور مونث دونوں کو شامل ہیں۔

امام ترمذی نے حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ایک بکری کا عقیقہ کیا اور آپ نے فرمایا: اے فاطمہ! اس کے سر کے بال مونڈ دو اور اس کے سر کے بالوں کے برابر چاندی کا صدقہ کرو، تو ہم نے ان کا وزن کیا تو وہ ایک درہم یا اس سے کچھ زائد کے برابر تھا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

بچے کا نام رکھنے کا بیان

اور اس حدیث میں مذکور ہے: "اس کا نام رکھا جائے گا"۔ اور اگر بچہ روئے نہیں تو اس کا نام نہیں رکھا جائے گا اور محمد بن میرین نے اور قتادہ نے اور اوزاعی نے کہا: جب بچہ پیدا ہو اور اس کی خلقت مکمل ہو جائے تو اس کا اسی وقت نام رکھ دیا جائے اگر وہ چاہیں اور علامہ المھلب مالکی نے کہا ہے کہ بچے کا نام اس وقت رکھا جائے جب وہ پیدا ہو، یا اس کی ایک رات یا دو راتوں کے بعد اس کا نام رکھا جائے۔ اور اگر پیدائش کے سات دن تک اس کا باپ عقیقہ کی نیت نہ کرے تو جائز ہے اور اگر ارادہ کرے تو اس کی طرف سے قربانی کر دے اور سنت یہ ہے کہ یوم شک کا نام رکھنے کو مؤخر کیا جائے اور وہ ساتواں دن ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۲۹-۱۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۲ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عقیقہ کا سنت ہونا اور واجب نہ ہونا

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ بچے کی پیدائش کے بعد اس کے شکر کی ادائیگی میں جو بکری ذبح کی جاتی ہے اس کو عقیقہ کہتے ہیں، اور اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ عقیقہ کرنا واجب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بچے سے خون کو بہاؤ" اور امر میں اصل وجوب ہے، اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ رہن رکھا ہوا ہوتا ہے"۔ لیکن اکثر اہل علم یہ کہتے ہیں کہ عقیقہ کرنا سنت ہے، واجب نہیں ہے۔

بچے سے گھناؤنی چیز کو زائل کرنا

اس حدیث میں مذکور ہے: "بچے سے گھناؤنی چیز کو زائل کرو"۔ گھناؤنی چیز سے مراد وہ چیز ہے جو اس کے بدن میں میل کچیل ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ فرمایا کہ بچہ صاف ستھرا ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ گھناؤنی چیز کے زائل کرنے سے مراد یہ ہے کہ بچے کے سر کے بالوں کو مونڈنا۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ۔ پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی گھناؤنی چیز ہو۔

(البقرہ:١٩٦)

اس آیت میں سر کی گھناؤنی چیز کا ذکر ہے، اور جب سر کے بال مونڈ دیے جائیں گے تو گھناؤنی چیز زائل ہو جائے گی۔
اس حدیث میں مذکور ہے: لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے۔

لڑکے اور لڑکی دونوں کی طرف سے عقیقہ کیا جائے

اس حدیث کے مفہومِ مخالف سے حسن اور قتادہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ بچے کی طرف سے عقیقہ کیا جائے گا اور بچی کی طرف سے عقیقہ نہیں کیا جائے گا اور جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ بچی کی طرف سے بھی عقیقہ کیا جائے گا۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ احادیث میں تصریح ہے کہ لڑکی کی طرف سے بھی عقیقہ کیا جائے گا۔
حضرت حفصہ بنت عبد الرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ ان سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے ان کو خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے۔
اسی طرح حضرت ام کرز رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ عقیقہ نر جانوروں سے کیا جائے یا مادہ جانوروں سے کیا جائے۔

گھناؤنی چیز کا بیان

امام ابوداؤد نے از سعید بن ابوعروبہ وابن عون وابن سیرین روایت کی ہے، کہ اگر گھناؤنی چیز سے مراد سر کے بالوں کو مونڈنا نہ ہو تو پھر میں نہیں جانتا کہ گھناؤنی چیز سے کیا مراد ہے، اور امام طحاوی نے یزید بن ابراہیم از محمد بن سیرین روایت کی ہے کہ مجھے وہ شخص نہیں ملا جو مجھے گھناؤنی چیز کی تفسیر بیان کرتا۔ اور اصمعی نے وثوق سے کہا کہ اس سے مراد سر کے بالوں کا مونڈنا ہے۔
اور امام ابوداؤد نے سندِ حسن کے ساتھ حسن بصری سے اسی طرح روایت کی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آپ نے یہ حکم دیا کہ بچے اور بچی کے سروں سے گھناؤنی چیز کو زائل کر دیا جائے لیکن یہ سر کے بالوں میں متعین نہیں ہے۔ اور امام طبرانی نے روایت کی ہے کہ اس سے گھناؤنی چیز کو زائل کر دیا جائے اور اس کے سر کے بالوں کو مونڈا جائے، پس اولیٰ یہ ہے کہ گھناؤنی چیز کو عام معنی پر محمول کیا جائے، خواہ سر کے بالوں کو مونڈنا ہو یا کوئی اور گھناؤنی چیز ہو جو بچے پر لگی ہوئی ہو۔

عقیقہ میں شرکت اور بکری کی جگہ اونٹ سے عقیقہ کرنے کا بیان

سوال: کیا عقیقہ کے اندر شرکت جائز ہے؟
جواب: یہ صحیح ہے، پس اگر انسان نے ایک اونٹ کا سات افراد کی طرف سے عقیقہ کیا تو ہم کہتے ہیں کہ یہ سات آدمیوں سے صحیح نہیں ہے بلکہ یہ صرف ایک سے صحیح ہوگا، بلکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اونٹ کے ساتھ عقیقہ کرنا کافی نہیں ہے، کیونکہ سنت بکری کے ساتھ

عقیقہ کرنے کے متعلق وارد ہوئی ہے، تو اس میں سنت کی پیروی کرنی چاہیے۔

اور حنابلہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اونٹ کے ساتھ عقیقہ کیا جائے تو وہ بھی کفایت کرے گا لیکن بکری کے ساتھ عقیقہ کرنا افضل ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۰۵-۲۰۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۲، کی شرح از علامہ صابونی

عقیقہ کا سنت مستحبہ ہونا

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

عقیقہ کو عقیقہ نیک فال کے لیے کہا جاتا ہے، اور ذبیحہ کو ذبح کر کے یہ واضح کیا جاتا ہے کہ یہ بچہ جو پیدا ہوا ہے یہ اپنے ماں باپ کا عاق اور نافرمان نہیں ہے، کیونکہ عقیقہ کو کاٹ دیا جاتا ہے، گویا بچے کی نافرمانی کو کاٹ دیا گیا ہے۔ اور ہمیشہ سے مسلمان اس سنت نبویہ پر عمل کرتے رہے ہیں۔ اور لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کرتے ہیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرتے ہیں، اور بچے کی پیدائش کے ساتویں دن اس کا سر مونڈتے ہیں اور اس کا پسندیدہ نام رکھتے ہیں اور اس کے سر سے بالوں کو اتارتے ہیں اور اس کے بالوں میں جو رحم کا خون چپکا ہوا ہو، اس کو کاٹ دیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا یہی معنی ہے کہ اس سے خون کو بہاؤ اور ناپسندیدہ چیز کو زائل کرو۔ امام مالک نے اپنی موطا میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں عقوق کو پسند نہیں کرتا، گویا آپ نے اس لفظ کو ناپسند فرمایا کیونکہ عقوق کے معنی نافرمانی کے ہیں۔ اور آپ نے فرمایا: جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو اور وہ یہ پسند کرے کہ اس کی طرف سے قربانی کی جائے تو وہ قربانی کرے۔

(الشرح المیسر صحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۸۱، مکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۳۔ بَابٌ: الْفَرَعِ — الفرع کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں فرع کا بیان کیا گیا ہے، فرع کے لفظ میں فاء اور راء دونوں پر زبر ہے۔ فرع اونٹنی کے اس پہلے بچے کو کہتے ہیں جس کو زمانہ جاہلیت میں مشرکین اپنے بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کرتے تھے۔ ابو مالک نے کہا ہے کہ جب کسی مرد کے سو اونٹ مکمل ہو جاتے تو وہ ایک جوان اونٹ کو نکالتا اور اس کو بتوں کے تقرب کے لیے ذبح کرتا، سو یہ فرع ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: خلاصہ یہ ہے کہ "اَلْفَرَع" کی دو تفسیریں ہیں: ایک تفسیر یہ ہے کہ اونٹنی کے دیے ہوئے پہلے بچے کو بتوں کے تقرب کے لیے ذبح کیا جائے، اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ جس مرد کے سو اونٹ مکمل ہو جائیں تو وہ بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ایک جوان اونٹ کو ذبح کر دے۔

۵۴۷۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان

مَعْمَرٌ أَخْبَرَنَا الزُّهْرِيُّ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا فَرَعَ وَلَا عَتِيرَةَ وَالْفَرَعُ أَوَّلُ النِّتَاجِ كَانُوا يَذْبَحُونَهُ لِطَوَاغِيتِهِمْ وَالْعَتِيرَةُ فِي رَجَبٍ۔

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے خبر دی از ابن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے فرمایا: (اسلام میں) نہ فرع ہے اور نہ عتیرہ ہے۔

زُہری نے کہا: فرع اونٹنی کے اس پہلے بچے کو کہتے ہیں جس کو مشرکین اپنے بتوں کے تقرب کے لیے ذبح کرتے تھے اور عتیرہ اس کو کہتے ہیں جس کو ماہِ رجب میں ذبح کیا جاتا تھا۔

(صحیح البخاری: ۵۴۷۴، صحیح مسلم: ۱۹۷۶، سنن ترمذی: ۱۵۱۲، سنن نسائی: ۴۲۲۲، سنن ابوداؤد: ۲۸۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۸، مسند احمد: ۷۰۹۵، سنن دارمی: ۱۹۶۴)

صحیح البخاری: ۵۴۷۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدان کا ذکر ہے، یہ عبد اللہ بن عثمان مروزی کا لقب ہے۔

اور اس میں عبد اللہ کا ذکر ہے، یہ عبد اللہ بن مبارک المروزی ہیں، اور اس میں معمر کا ذکر ہے، اور یہ معمر بن راشد ہیں۔ اور اس میں الزہری کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں جو ابن المسیب سے روایت کرتے ہیں از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''لا فرع ولا عتیرۃ''۔

الفرع کی تفسیر ابھی گزری ہے کہ یہ اونٹنی کا وہ پہلا بچہ ہے جس کو بتوں کے تقرب کے لیے ذبح کیا جائے اور عتیرۃ، عین پر زبر اور تاء کے نیچے زیر اور یاء ساکن اور آخر میں راء ہے۔ عتیرہ اس ذبیحہ کو کہتے ہیں جس کو زمانہ جاہلیت میں لوگ رجب کے ابتدائی دس دنوں میں ذبح کرتے تھے۔ اور اس کو رجبیہ کہتے تھے۔ امام شافعی نے اس ممانعت کی یہ تاویل کی ہے کہ نہ فرع واجب ہے اور نہ عتیرہ واجب ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس تاویل کو سنن نسائی کی یہ حدیث مسترد کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرع اور عتیرہ سے منع فرمایا ہے۔ اور اسی طرح امام احمد کی روایت میں بھی ہے، سو فرع اور عتیرہ صورتاً بھی ممنوع ہے اور معناً بھی ممنوع ہے۔

''الفرع'' اور ''العتیرہ'' کے متعلق مختلف احادیث

امام نسائی نے الحارث بن عمرو سے روایت کی ہے کہ ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع میں ملاقات ہوئی۔ الحدیث۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ لوگوں میں سے ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ العتائر اور الفرائع؟ یعنی ان کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا: جو چاہے عتیرہ کرے اور جو چاہے عتیرہ نہ کرے۔ اور جو چاہے فرع کرے اور جو چاہے فرع نہ کرے۔

نیز امام نسائی نے حضرت ابوذر بن لقیط بن عامر العقیلی سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت میں رجب میں ذبح کرتے تھے، ہم اس سے خود کھاتے اور جو ہمارے پاس آتا اسے کھلاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے متعلق عرفہ کے دن پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ برحق ہیں یعنی العتیرہ۔

نیز امام طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت میں العَتِیرۃ کرتے تھے، آپ نے فرمایا: تم جس مہینے میں چاہو ذبح کرو اور کھلاؤ۔

نیز امام طبرانی نے یزید بن عبد اللہ المزنی سے از والد خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اونٹ میں فُرع ہے اور بکریوں میں فرع ہے۔ (یعنی ان کے پہلے بچے کو ذبح کر دیا جائے)۔

امام عبد الرزاق نے حضرت حفصہ بنت عبد الرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم سے از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلْفَرَع کا حکم دیا کہ ہر پچاس میں سے ایک کو ذبح کیا جائے۔

امام ترمذی نے نفسِ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرفہ کے دن سنا، آپ فرما رہے تھے: اے لوگو! ہر گھر والے پر ہر سال قربانی ہے اور عتیرہ ہے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

امام ابوداؤد نے از نبیشہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے پکار کر کہا: یا رسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت میں رجب میں عتیرہ کرتے تھے۔ آپ اس کے متعلق ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ کے لیے جس مہینے میں چاہو ذبح کرو۔ اس نے کہا: ہم زمانہ جاہلیت میں فرع کرتے تھے (یعنی اونٹنی کے پہلے بچے کو ذبح کر دیتے تھے) آپ اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہر قدرتی گھاس کو چرنے والی اونٹنی میں فُرع ہے۔ ابوقلابہ نے کہا: سائمہ سو اونٹنیاں ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ تمام احادیث الفَرَع اور العَتِیرۃ کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں۔

''العَتِیرۃ'' اور ''اَلْفَرَع'' سے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا کہ ابن سیرین علماء کے درمیان رجب میں عتیرہ کرتے تھے۔

امام ابوجعفر طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ نے الآثار میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عتیرۃ کرتے تھے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے: ہمارے اصحاب کے نزدیک جو صحیح ہے اور وہی امام شافعی کی نصِ صریح ہے کہ الفَرَع اور العتیرۃ مستحب ہیں۔

قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ، اور الحازمی نے لکھا ہے کہ الفرع اور العتیرۃ کی ممانعت کی احادیث ان کی اباحت کے لیے ناسخ ہیں، اور یہی جمہور علماء کا موقف ہے۔

اور علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے لکھا ہے: یہ بات معلوم ہے کہ نہی اور ممانعت اسی کام سے ہوتی ہے، جس کام کو پہلے کیا جاتا رہا ہو۔ اور ہمیں یہ معلوم نہیں کہ اہلِ علم میں سے کسی نے یہ کہا ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے الفرع اور

العتیرہ سے منع کیا اور پھر اس کی اجازت دی۔ (عمدة القاری ج ۲۱ ص ۱۳۲۔۱۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فرع اس ذبیحہ کو کہتے ہیں کہ اونٹنی کا جو پہلا بچہ پیدا ہوتا تو مشرکین زمانہ جاہلیت میں بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اس کو ذبح کرتے تھے۔ اور عتیرہ کو رجب میں ذبح کرتے تھے، یہ حدیث سنن ابوداؤد: ۲۸۳۱ میں مذکور ہے اور سنن ترمذی: ۱۵۱۲ میں مذکور ہے اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۳۰۲، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۳، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اَلْفَرَع اور اَلْعَتِیرَہ کی تفسیر خود صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ علامہ نووی نے کہا ہے: الفرع اور العتیرہ کے متعلق احادیث وارد ہیں۔ اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اَلْفَرَع اور اَلْعَتِیرَہ کا ذبیحہ مستحب ہے اور اس باب کی حدیث کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ واقع میں الفرع اور العتیرہ نہیں ہیں یا جو مشرکین اپنے بتوں کے تقرب کے لیے اَلْفَرَع اور اَلْعَتِیرَہ کرتے تھے وہ مشروع نہیں ہے۔ اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جمہور علماء کا یہ موقف ہے کہ اَلْفَرَع اور اَلْعَتِیرَہ کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۹ ص ۱۳۸، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۳ کی شرح از علامہ القسطلانی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اَلْفَرَع اور اَلْعَتِیرَہ کی تفسیر میں الزہری کا قول ہے اور امام ابوداؤد نے یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ الفرع کو بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کرتے اور بعض سے روایت کی ہے کہ وہ کھانے کے بعد اس کی کھال کو درخت پر ڈال دیتے اور اس میں ممانعت کی علت کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس سے یہ استنباط کیا گیا ہے کہ جب پورا ذبیحہ اللہ کے لیے ہو تو پھر اَلْفَرَع جائز ہے۔

حاکم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اَلْفَرَع سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اَلْفَرَع برحق ہے۔ اور اگر تم اونٹنی کے پہلے بچے کو چھوڑ دو حتیٰ کہ وہ ایک سال کا ہو جائے یا دو سال کا ہو جائے، پھر تم اللہ کی راہ میں سواری کرو یا وہ کسی بیوہ کو دو تو اس سے بہتر ہے کہ تم اس کو ذبح کر دو۔ آپ نے جو فرمایا کہ وہ برحق ہے، یعنی وہ باطل نہیں ہے اور یہ سائل کے جواب کے طور پر ہے۔ لہٰذا اس حدیث کی اس حدیث سے مخالفت نہیں ہے، جس میں آپ نے فرمایا کہ اسلام میں فرع اور عتیرہ نہیں ہے، کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ نہ فرع واجب ہے اور نہ عتیرہ واجب ہے۔

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک الفرع اور عتیرہ دونوں مستحب ہیں۔

(ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۲۶۲، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۳، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

''اَلْفَرَع ''اور''اَلْعَتِیرَۃ'' کا اسلام میں متروک ہونا اوران کے معانی

یہ حدیث شریف اس پر دلالت کرتی ہے کہ زمانہ جاہلیت کی عادات کو ترک کر دینا چاہیے اوران کا شمار نہیں کرنا چاہیے اور ہر وہ چیز جو شریعتِ اسلام کے خلاف ہو وہ باطل ہے اور مردود ہے۔

اَلْفَرَع اونٹنی کے اس پہلے جانور کو کہتے ہیں جس کو مشرکین اپنے بتوں کو تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کرتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس مرد کے سو اونٹ مکمل ہو جاتے تو وہ ایک جوان اونٹ کو مقدم کر کے اس کو ذبح کر دیتا۔ اور اَلْعَتِیرَہ یہ ہے کہ وہ کسی ذبیحہ کو رجب کے پہلے دس دنوں میں ذبح کرتے تھے اور اس کا نام رجبیہ رکھتے تھے اور اس کو اپنے بتوں کے تقرب کے لیے پیش کرتے تھے، سو مسلمانوں کو اس سے منع کیا گیا ہے۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر والملآلی بشرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۸۲، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۴۔ بَابُ: الْعَتِيرَةِ

عتیرہ کا بیان

(رجب کے ابتدائی دس دنوں میں ذبیحہ کرنا)

۵۴۷۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ الزُّهْرِيُّ حَدَّثَنَا عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا فَرَعَ وَلَا عَتِيرَةَ قَالَ وَالْفَرَعُ أَوَّلُ نِتَاجٍ كَانَ يُنْتَجُ لَهُمْ كَانُوا يَذْبَحُونَهُ لِطَوَاغِيتِهِمْ وَالْعَتِيرَةُ فِي رَجَبٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی اور زہری نے کہا: ہمیں سعید بن المسیب نے حدیث بیان کی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، از نبی ﷺ: آپ نے فرمایا: نہ فرع ہے اور نہ عتیرہ ہے۔

زہری نے کہا: فرع اونٹنی کے اس پہلے بچے کو کہتے ہیں جس کو مشرکین اپنے بتوں کے تقرب کے لیے ذبح کرتے تھے اور عتیرہ اس کو کہتے ہیں جس کو ماہِ رجب میں ذبح کیا جاتا تھا۔

(صحیح البخاری: ۵۴۷۳، صحیح مسلم: ۱۹۷۶، سنن ترمذی: ۱۵۱۲، سنن نسائی: ۴۲۲۲، سنن ابوداؤد: ۲۸۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۸، مسند احمد: ۷۰۹۵، سنن دارمی: ۱۹۶۴)

صحیح البخاری: ۵۴۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کا بعینہٖ اعادہ کیا ہے جو اس سے پہلے باب میں ذکر کی گئی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۷۶، کتاب الاضاحی، باب: الفرع والعتیرہ، سنن ابوداؤد: ۲۸۳۱، سنن نسائی: ج ۷ ص ۱۶۷، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۸)

ابوقرہ موسیٰ بن طارق نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے کہ اَلْعَتِیرہ اور اَلْفَرَع کی تفسیر زہری کے کلام سے ماخوذ ہے۔

امام طحاوی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ایسی احادیث مروی ہیں جن سے اَلْفَرَع کی اجازت ملتی ہے۔ (شرح مشکل الآثار ج ۳ ص ۸۶)

امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلْفَرَع کا حکم دیا کہ ہر پچاس میں سے ایک کو ذبح کیا جائے۔ (مصنف عبدالرزاق: ج ۴ ص ۳۴۰، رقم: ۷۹۹۷)

امام ابوداؤد نے از حماد از عبداللہ بن عثمان از خثیم روایت کی ہے کہ ہر پچاس بکریوں میں سے ایک بکری ذبح کی جائے۔

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث صحیح ہے۔

نیز امام ابوداؤد نے از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اَلْفَرَع کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اَلْفَرَع برحق ہے اور اگر تم اس کو چھوڑ دو حتیٰ کہ وہ جوان اونٹ ہو جائے یا ایک سال کا اونٹ ہو جائے یا دو سال کا اونٹ ہو جائے اور وہ تم کسی بیوہ کو دو کہ وہ اس پر سواری کرے یا اللہ کی راہ میں دو تو وہ اس سے بہتر ہے کہ تم اس کو ذبح کرو اور اس کا گوشت اس کی کھال کے ساتھ لپیٹا جائے اور تمہارے برتن کو بھرا جائے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۸۴۲)

اور امام ترمذی نے مخنف سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرفہ کے دن سنا، آپ فرما رہے تھے: اے لوگو! بے شک ہر گھر والے کے اوپر ہر سال میں قربانی ہے اور عتیرہ ہے، پھر امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے، ہم اس کو صرف اسی سند سے پہچانتے ہیں۔ (سنن ترمذی: ۱۵۱۸)

امام نسائی نے سند جید کے ساتھ روایت کی ہے کہ الحارث بن عمرو الباہلی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع میں ملاقات کی تو آپ سے ایک مرد نے پوچھا: یا رسول اللہ! الفرائع والعتائر؟ تو آپ نے فرمایا: جو چاہے فَرَع کرے اور جو چاہے فَرَع نہ کرے اور جو چاہے عتیرہ کرے اور جو چاہے عتیرہ نہ کرے۔ (سنن نسائی: ج ۷ ص ۱۶۹۔۱۶۸)

امام ابوداؤد نے نبیشہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے ندا کی: یا رسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت میں رجب میں عتیرہ کرتے تھے (یعنی ایک جانور ذبح کرتے تھے) آپ ہمیں اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے لیے ذبح کرو، خواہ کسی مہینے میں ذبح کرو، پھر اس میں نیکی حاصل کرو اور لوگوں کو کھلاؤ، پھر اس نے کہا: ہم زمانہ جاہلیت میں فَرَع کرتے تھے (یعنی اونٹنی کے پہلے بچے کو بتوں کے تقرب کے لیے ذبح کرتے تھے)، آپ ہمیں اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں؟، آپ نے فرمایا: ہر سائمہ میں فَرَع ہے تم ان اونٹنیوں سے غذاء حاصل کرو، حتیٰ کہ جب وہ سواری کے قابل ہو جائیں تو ان میں سے کسی ایک اونٹ کو ذبح کر دو اور اس کے گوشت کو صدقہ کر دو، خالد نے کہا: میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا: مسافروں پر صدقہ کر دو، کیونکہ یہ بہتر ہے، خالد نے کہا: میں نے ابوقلابہ سے پوچھا: سائمہ کی کیا مقدار ہے؟ تو انہوں نے کہا: سو (۱۰۰)۔ (سنن ابوداؤد: ۲۸۳۰، سنن نسائی: ۴۲۴۰، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۷)

میں کہتا ہوں کہ بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اَلْفَرَع اور اَلْعَتِیرہ کو ذبح کرنا ناجائز اور شرک ہے، البتہ ان جانوروں کو ذبح کر کے خواہ رجب کے مہینہ میں ہو یا کسی مہینے میں ہو، اس کے گوشت کو صدقہ اور خیرات کرنا اور بیواؤں اور مسافروں کو کھلانا جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں:

ابوعمرو نے کہا ہے کہ فرع اونٹنی کا وہ پہلا بچہ ہے جس کو زمانہ جاہلیت میں بتوں کے تقرب کے لیے ذبح کرتے تھے۔

(غریب الحدیث ج ا ص ۱۲۰)

پھر وہ اس کے گوشت کو کھا کر اس کی کھال کو درخت پر لٹکا دیتے تھے تو ان کو اس سے منع کیا گیا اور ابن فارس نے کہا: یہ اونٹوں اور بکریوں کا پہلا بچہ ہے۔ (مجمل اللغت ج ۲ ص ۷۱۷)

امام ابوعبید نے کہا: رہا عتیرہ تو وہ رجبیہ ہے، اہل جاہلیت پر جب کوئی مشکل پیش آتی تو وہ نذر مانتے کہ اگر ان کو اس مشکل کے اوپر کوئی کامیابی حاصل ہو جائے تو وہ اپنی بکریوں میں سے اتنی اتنی بکریاں رجب کے مہینے میں ذبح کریں گے۔ بعد میں اس کو منسوخ کر دیا گیا۔ (غریب الحدیث ج ا ص ۱۲۱)

اَلْفراء نے کہا کہ اس کو عتیرہ اس لیے کہا گیا ہے کہ عَتر کے معنی ہیں کاٹنا اور ذبح کرنا، اور اس کو رجب کے مہینے میں ذبح کیا جاتا تھا۔

اور ابن سیرین علماء کے درمیان رجب کے مہینے میں عتیرہ کو ذبح کرتے تھے، یعنی رجب کے ابتدائی دس دنوں میں۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۳۴۱)

یہ حدیث صحیح نہیں ہے، علامہ ابن بطال نے کہا ہے: چونکہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لیے اس میں کوئی دلیل نہیں ہے اور اگر یہ صحیح بھی ہوتی تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کے لیے ناسخ ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر علماء کا اجماع ہے۔

امام شافعی نے کہا ہے: اَلْفَرع وہ چیز ہے کہ اہل جاہلیت اس سے اپنے اموال میں برکت حاصل کرتے تھے، پس ان میں سے کوئی ایک جب کسی جوان اونٹنی یا جوان بکری کو ذبح کر دیتا تو اس سے غذاء حاصل نہ کرتا تاکہ بعد میں اس سے برکت حاصل ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو فرع کرو، یعنی اگر تم چاہو تو ذبح کرو اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس لیے سوال کرتے تھے کہ وہ زمانہ جاہلیت میں یہ کام کرتے تھے اور ان کو خطرہ ہوا کہ اسلام میں یہ کام منع ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا کہ اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ (یعنی حصول برکت کے لیے اونٹنی یا بکری کو ذبح کرنا نہ کہ بتوں کے تقرب کے حصول کے لیے)۔

اور حدیث میں جو ہے کہ نہ کوئی فرع ہے اور نہ عتیرہ ہے، اس سے مراد ہے کہ نہ کوئی فرع واجب ہے اور نہ عتیرہ واجب ہے۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے اَلْفَرع کو مباح قرار دیا اور یہ پسند کیا کہ اس کا گوشت بیواؤں کو دیا جائے یا اس اونٹ کو اللہ کی راہ میں سواری کے لیے دیا جائے۔ اور ہمارے اصحاب شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اَلْفَرع اور العتیرہ مستحب ہے۔

اور حدیث میں جو ارشاد ہے: نہ فرع ہے اور نہ عتیرہ ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ جو وہ اپنے بتوں کے تقرب کے حصول کے لیے ذبح کرتے تھے، وہ جائز نہیں ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اَلْفَرَع اور اَلْعَتِیرہ قربانی کی طرح مستحب نہیں ہیں اور ان کا

خون بہانے میں قربانی کی طرح تقرب نہیں ہے، لیکن ان کا گوشت مساکین میں تقسیم کرنا تو یہ نیکی اور صدقہ ہے۔

اور قاضی عیاض مالکی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ جمہور علماء کا مختار یہ ہے کہ اَلْفَرَع اور العتیرہ کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

الحازمی نے کہا: ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ یہ آثار منسوخ ہیں، اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "نہ اَلْفَرَع ہے اور نہ اَلْعَتِیْرَہ ہے"۔ (صحیح البخاری: ۵۴۷۳، صحیح مسلم: ۱۹۷۶)

علامہ ابراہیم بن المنذر الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے: یہ بات معلوم ہے کہ کسی چیز سے ممانعت اور نہی اس وقت ہوتی ہے جب پہلے وہ کام کیا جاتا ہو اور ہمیں نہیں معلوم کہ اہلِ علم میں سے کسی نے یہ کہا ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پہلے تو الفرع اور العتیرہ سے منع کیا اور پھر اس کی اجازت دی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۳۰۸۔ ۳۰۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

خلاصۂ مبحث

میں کہتا ہوں کہ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ بعض احادیث اور آثار سے اَلْفَرَع اور اَلْعَتِیْرَہ کی رخصت معلوم ہوتی ہے، لیکن وہ احادیث اور آثار ضعیف ہیں۔ اور اس کے مقابلے میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: نہ اَلْفَرَع ہے اور نہ اَلْعَتِیْرَہ ہے، اس لیے اَلْفَرَع اور اَلْعَتِیْرَہ جائز نہیں ہے، نیز الفرع اور العتیرہ کو زمانہ جاہلیت میں بتوں کے تقرب کے حصول کے لیے ذبح کیا جاتا تھا، اس لیے اس نام سے جانوروں کو ذبح کرنا شرک کے مشابہ ہے اور راہِ خدا میں صدقہ کرنے کے لیے جانوروں کو ذبح کرنا جائز ہے، لیکن اس کو الفرع اور العتیرہ کا نام دینا درست نہیں ہے اور ہم اس مسئلہ میں امام شافعی سے معذرت خواہ ہیں جنہوں نے الفرع اور العتیرہ کو راہِ خدا میں صدقہ کرنے کی نیت سے جائز کہا ہے، اور قاضی عیاض مالکی کا یہ کہنا درست ہے کہ الفرع اور العتیرہ کے منسوخ ہونے پر اجماع ہو چکا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۴ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ذبح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تقرب صرف اس وقت کیا جائے جس کا ثبوت سنت میں ہو، اور یہ قربانی ہے اور ہدیے اور تحفے ہیں اور عقیقہ ہے، اور اس کے سوا جو چیزیں ہیں اس میں ذبح کے ساتھ کسی کا تقرب حاصل کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے حتیٰ کہ اگر انسان نے نذر مانی کہ ایک بکری ذبح کرے گا تو اس کو صرف ذبح کرنے کا اجر ملے گا اور اس کو اس کے گوشت کے صدقہ کرنے کا اجر ملے گا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے آدمی نے گوشت بازار سے خریدا اور اس کو صدقہ کر دیا، پس جن چیزوں کو ذبح کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے، وہ تین ہیں۔ عقیقہ، قربانی اور ہدیے اور تحفے۔ اور ولیمہ بھی اس میں داخل ہے۔

فرع کا معنی ہے: اونٹنی کا وہ پہلا بچہ جس کو زمانہ جاہلیت میں مشرکین بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کرتے تھے۔ اور عتیرہ کا معنی ہے کہ رجب کے مہینے کے پہلے دن یا رجب کے مہینہ کے پہلے جمعہ میں مشرکین جانور کو ذبح کرتے تھے، اور

اس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نفی کردی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نفی کردی تو یہ اسلام میں کوئی چیز نہیں ہے، پس یہ نہیں کہا جائے گا کہ عتیرہ مسنون ہے بلکہ ہم کم سے کم یہ کہیں گے کہ یہ مکروہ ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۰۷، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: کتاب العقیقہ اور اس کے ساتھ جو فرع اور عتیرہ کے ابواب ہیں، ان میں بارہ (۱۲) احادیث ہیں جن میں سے تین تعلیقات ہیں اور باقی موصولہ ہیں۔ اور آٹھ مکررات ہیں اور خالص احادیث چار ہیں۔

کتاب العقیقہ اور الفرع والعتیرہ یہاں ختم ہوگئی، اس کے بعد ان شاء اللہ کتاب الذبائح والصید شروع ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۷۲۔ کِتَابُ الذَّبَائِحِ وَالصَّيْدِ وَالتَّسْمِيَةِ عَلَى الصَّيْدِ

ذبیحوں اور شکار کا بیان اور شکار پر بسم اللہ پڑھنے کا بیان

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ کتاب ذبائح کے احکام اور شکار کے احکام کے متعلق ہے، اور اس بیان کے متعلق ہے کہ جب شکاری کتے کو شکار پر چھوڑا جائے تو اس وقت بسم اللہ پڑھی جائے اور ذبائح کا لفظ ذبیحۃ کی جمع ہے یعنی مذبوحہ، اور التسمیۃ علی الصید کا معنی ہے: شکار پر بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب: ۱

وقولہ تعالیٰ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (المائدہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ تم کو ضرور ایسے شکار سے آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے تاکہ اللہ یہ ظاہر کردے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے، سو جس نے اس (تنبیہ) کے بعد حد سے تجاوز کیا، اس کے لیے درد ناک عذاب ہے O

وقولہ تعالیٰ: اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ (المائدہ)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے لیے ہر قسم کے چار پاؤں والے جانور حلال کیے گئے ہیں، ماسوا ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ تلاوت کیا جائے گا، لیکن تم حالتِ احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے O

وقولہ تعالیٰ: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ (المائدہ: ۳)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس (جانور) پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، اور گلا گھٹ جانے والا، اور چوٹ کھا کر مرا ہوا اور بلندی سے گر کر مرا ہوا اور سینگ لگنے سے مرا ہوا اور جس کو درندے نے کھایا ہو، ماسوا اس کے جس کو تم نے (زندہ پاکر) ذبح کرلیا، اور جو بتوں کے تقرب کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا اور فال کے تیروں سے اپنی قسمت معلوم کرنا، یہ (تمام کام) فسق ہیں، آج کفار تمہارے دین (کی ناکامی) سے مایوس ہوگئے، سو تم ان

سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو۔ (المائدہ: ۳)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْعُقُوْدُ الْعُهُوْدُ مَا اُحِلَّ وَحُرِّمَ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ الْخِنْزِيْرُ يَجْرِمَنَّكُمْ يَحْمِلَنَّكُمْ شَنَاٰنُ عَدَاوَةُ الْمُنْخَنِقَةُ تُخْنَقُ فَتَمُوْتُ الْمَوْقُوْذَةُ تُضْرَبُ بِالْخَشَبِ يُوْقِذُهَا فَتَمُوْتُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ تَتَرَدّٰى مِنَ الْجَبَلِ وَالنَّطِيْحَةُ تُنْطَحُ الشَّاةُ فَمَا اَدْرَكْتَهٗ يَتَحَرَّكُ بِذَنَبِهٖ اَوْ بِعَيْنِهٖ فَاذْبَحْ وَكُلْ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: العقود کا معنی ہے: العهود جو چیز حلال کی گئی اور حرام کی گئی، مگر وہ جو تم پر تلاوت کیا جائے گا: یعنی خنزیر، یجرمنکم یعنی تم کو برانگیختہ کرے، شنآن، اس کا معنی ہے: عداوت۔ المنخنقة: جس کا گلا گھونٹ دیا جائے اور وہ مر جائے، الموقوذة: جس پر لکڑی ماری جائے اور وہ مر جائے، المطردية: جو پہاڑ سے گر کر مر جائے، النطيحة: ایک بکری دوسری بکری کو سینگ مارے، پس جس کی دم سینگ مارنے کے بعد حرکت کرے یا اس کی آنکھ حرکت کرے تو اس کو ذبح کر لو اور کھا لو۔

باب مذکور کی آیات کی ترتیب از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں ان تین آیات کی ترتیب اسی طریقہ سے ہے، اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں ان آیات کی ترتیب اس طرح ہے کہ پہلی آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ۔۔۔۔ الی قوله فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ (المائدہ: ۳)'' اور دوسری آیت ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ (المائدہ: ۹۴)'' اور اس کے بعد ہے: اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ (المائدہ: ۱)''۔

المائدہ: ۹۴ کا شانِ نزول

یہ آیت عمرۃ الحدیبیہ میں نازل ہوئی، پس وحشی جانوروں اور وحشی پرندوں نے مسلمانوں کو انکی رہائش گاہوں میں ڈھانپ لیا تھا اور وہ اپنے ہاتھوں سے اور اپنے نیزوں سے ان کا شکار کرنے پر قادر تھے ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی، تاکہ ظاہر ہو جائے کہ کون اپنے ظاہر اور باطن میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنے والا ہے اور کون پیروی کرنے والا نہیں ہے، کیونکہ اس وقت صحابہ کرام احرام میں تھے اور حالتِ احرام میں شکار کرنا ممنوع ہے، پس جب کہ بہ کثرت وحشی جانور حاضر تھے اور ان کے شکار پر قادر تھے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے حالتِ احرام میں شکار کرنے سے منع کیا ہوا ہے اس لیے انہوں نے شکار نہیں کیا، اور مسلمان اطاعت شعاروں کی اطاعت ظاہر ہو گئی اور وہ اس آزمائش میں پورے اتر گئے۔

الوالبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ تم کو کچھ شکار کے ساتھ آزمائش کرے گا جس شکار کو تم اپنے ہاتھوں اور نیزوں سے حاصل کر سکتے تھے''، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حالتِ احرام میں آزمائش میں مبتلا کیا، حتیٰ کہ اگر وہ چاہتے تو اپنے ہاتھوں سے شکار کو پکڑ لیتے، اللہ تعالیٰ نے ان کو شکار کے قریب جانے سے منع فرمایا۔ اور مجاہد نے کہا کہ تم اپنے ہاتھوں سے حاصل کر سکتے تھے یعنی چھوٹے جانوروں کو اور نیزوں سے شکار کر سکتے تھے یعنی بڑے جانوروں کو۔

اس کے بعد فرمایا: ''سو جس نے اس (تنبیہ) کے بعد حد سے تجاوز کیا، اس کے لیے دردناک عذاب ہے''۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ

نے حالتِ احرام میں شکار کرنے سے منع کر دیا، اس کے باوجود کسی نے حالتِ احرام میں شکار کیا تو اس کو دردناک عذاب ہوگا، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اور اس کی شریعت کی مخالفت کی۔

المائدہ:۱ کی تفسیر

اس کے بعد امام بخاری نے المائدہ:۱، ذکر کی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''تمہارے لیے ہر قسم کے چار پاؤں والے جانور حلال کیے گئے ہیں''۔ اس آیت میں بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ سے مراد ہیں: اونٹ، بکریاں اور گائے۔

حسن اور قتادہ نے کہا اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ یہ اُحِلَّتْ لَكُمْ سے استثناء ہے۔

المائدہ:۳ کی تفسیر

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: اس سے مراد ہے: مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور ''المنخنقة، الموقوذة، المتردية، النطيحه'' اور جس کو درندوں نے کھایا ہو، کیونکہ یہ جانور بھی اگرچہ چوپایوں میں سے ہیں، لیکن یہ جانور، ان عوارض کی وجہ سے حرام ہیں، اسی لیے فرمایا: اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ سوا ان کے جن کو تم ذبح کر لو۔ اور جو بتوں پر ذبح کیے گئے ہوں تو وہ حرام ہیں، کیونکہ ان کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ یہ ترکیب میں حال واقع ہے اور ''انعام'' سے مراد عام جانور ہیں، خواہ وہ انسانوں سے مانوس ہوں جیسے اونٹ، گائے اور بکری اور خواہ وحشی جانور ہوں جیسے ہرن وغیرہ، پس مانوس جانوروں میں سے ان کا استثناء کر لیا جن کا ذکر کیا گیا ہے اور وحشی جانوروں میں سے شکار کو مستثنیٰ فرمایا جن کا حالتِ احرام میں شکار کیا جائے۔

پھر فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ حکم دیتا ہے''، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے تمام احکام میں حکیم ہے، خواہ کسی چیز کا حکم دے یا کسی چیز سے منع فرمائے۔ پھر فرمایا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ، اس مردار سے مچھلی اور ٹڈی مستثنیٰ ہیں اور فرمایا: ''اور بہا ہوا خون'' اور فرمایا: ''خنزیر کا گوشت'' خواہ وہ مانوس ہو یا غیر مانوس ہو، اور لَحْمَ فرمایا یعنی خنزیر اپنے جمیع اجزاء کے ساتھ حرام ہے۔ اور مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ اس سے مراد ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کسی کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، بت کے نام پر یا طاغوت کے نام پر یا وثن کے نام پر یا کسی اور مخلوق کے نام پر۔

منخنقه: یہ وہ جانور ہے جو گلا گھونٹنے سے مر جائے یا قصداً یا اتفاقاً، سو یہ حرام ہے۔

اور موقوذة، یہ وہ جانور ہے جس پر کسی سقیم چیز سے ضرب لگائی جائے کئی مرتبہ حتیٰ کہ وہ مر جائے۔ قتادہ نے کہا: اہلِ جاہلیت جانور پر لاٹھی مارتے حتیٰ کہ وہ مر جاتا، پھر اس کو کھا لیتے۔

المتردیه: یہ وہ جانور ہے جو کسی پہاڑ کی چوٹی سے گر کر مر جائے، سو یہ بھی حرام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ وہ جانور ہے جو پہاڑ سے گر کر مر جائے اور قتادہ نے کہا: یہ وہ جانور ہے جو کنویں میں گر کر مر جائے۔

النطیحة: یہ وہ جانور ہے جو دوسرے جانور کے سینگ لگنے سے مر جائے اگرچہ سینگ اس کو زخمی کر دے اور اس سے خون بہے۔ خواہ ذبح کی جگہ میں ایسا ہو۔

وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ یعنی جس جانور پر شیر حملہ کرے یا تیندوا یا چیتا حملہ کرے یا بھیڑیا حملہ کرے یا کتا حملہ کرے اور اس کا کچھ

حصہ کھالے جس سے وہ جانور مرجائے تو وہ بھی حرام ہے اور اگرچہ اس سے خون بہہ رہا ہو اور خواہ وہ اپنے ذبح کی جگہ میں ہو تو وہ بالاجماع حرام ہے۔

اِلَّا مَاذَكَّيْتُمْ یعنی اس قسم کے جانوروں میں اگر کچھ حیات باقی ہو اور ان کو ذبح کرلیا جائے تو پھر وہ حلال ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اور ان جانوروں میں سے جن کو تم ذبح کرلو اور اس میں روح ہو تو اس کو کھالو، وہ پاکیزہ ذبیحہ ہیں، اسی طرح سعید بن جبیر اور حسن بصری اور سدی سے مروی ہے اور طاؤس اور حسن بصری اور قتادہ اور عبید بن عمیر اور ضحیک اور متعدد تابعین نے کہا ہے کہ جب اس قسم کے جانور حرکت کررہے ہوں تو اس میں دلیل ہے کہ ان میں ذبح کے بعد روح باقی ہے، پس وہ حلال ہیں، اور یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے اور یہی امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ علیہما کا قول ہے۔

وَمَاذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ مجاہد اور ابن جریج نے کہا: کعبہ کے گرد پتھر نصب کیے ہوئے تھے، اور ابن جریج نے کہا: یہ تین سو ساٹھ (۳۶۰) پتھر تھے اور زمانہ جاہلیت میں عرب ان پتھروں کے پاس جانور کو ذبح کرتے اور اس کو خون میں لتھیڑتے اور ذبح کے بعد اس جانور کو اس کے خون سمیت بیت اللہ میں لے جاتے اور اس کا گوشت ان پتھروں پر رکھ دیتے۔

وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ یعنی اے مومنو! تم پر تیروں سے فال نکالنے کو حرام کردیا ہے اور ازلام، زلم کی جمع ہے اور یہ تین تیروں کو کہتے ہیں، ایک پر لکھا ہوتا ہے: اِفْعَلْ یعنی یہ کام کرو، اور دوسرے پر لکھا ہوتا ہے: لَا تَفْعَلْ یعنی یہ کام نہ کرو، اور تیسرا خالی ہوتا ہے جس پر کچھ نہیں لکھا ہوتا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ایک تیر پر لکھا ہوتا ہے کہ مجھے میرے رب نے حکم دیا اور دوسرے پر لکھا ہوتا ہے مجھے میرے رب نے روکا اور تیسرا سادہ ہوتا ہے اور جس پر کچھ نہیں لکھا ہوتا۔ پس جب وہ تیر آتا ہے جس میں کام کرنے کا حکم ہوتا ہے تو وہ کام کرلیتا اور اگر وہ تیر نکلتا جس میں کام سے منع کیا ہوتا تو کام کو ترک کردیتا ہے اور اگر سادہ تیر نکلتا تو پھر وہ دوبارہ فال کے تیر نکالتا۔

ذٰلِكُمْ فِسْقٌ یعنی ان کاموں کو کرنا فسق ہے اور گمراہی اور جہالت ہے اور شرک ہے۔

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یعنی آج کفار اس سے مایوس ہوگئے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے دین کی طرف لوٹائیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اس سے مایوس ہوگئے کہ مسلمان ان کاموں کے مشابہ کام کریں جن کاموں سے مسلمان مشرکین سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ صبر کریں اور کفار کی مخالفت میں ثابت قدم رہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ یعنی میں کفار کے خلاف تمہاری مدد کروں گا اور تمہیں کامیاب کروں گا اور تمہارے سینوں میں شفاء عطا کروں گا اور تم کو دنیا اور آخرت میں سربلند کروں گا۔

باب میں مذکور تعلیق کی شرح از علامہ عینی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے ایک حصہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ

اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینہ کی، اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ ان

الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (المائدہ)

جانوروں کی جن کے گلوں میں (قربانی کی علامت کے) پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو اور کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس پر نہ اکسائے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام میں آنے سے روک دیا تھا تو تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو، اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے ۝

یعنی حضرت ابن عباس نے وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کسی قوم سے ناراضگی اور بغض تمہیں اس کے خلاف سرکشی پر نہ ابھارے۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے المائدہ: ۳ میں مذکور چند الفاظ کی تفسیر کی ہے جس کی تفسیر عنقریب گزر چکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان جانوروں میں سے جس کو تم اس حال میں پاؤ کہ اس کی دم حرکت کر رہی ہو تو اس کو ذبح کر لو اور کھالو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۳۷-۱۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۷۵- حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ صَيْدِ الْمِعْرَاضِ قَالَ مَا اَصَابَ بِحَدِّهِ فَكُلْهُ وَمَا اَصَابَ بِعَرْضِهِ فَهُوَ وَقِيْذٌ وَسَاَلْتُهُ عَنْ صَيْدِ الْكَلْبِ فَقَالَ مَا اَمْسَكَ عَلَيْكَ فَكُلْ فَاِنَّ اَخْذَ الْكَلْبِ ذَكَاةٌ وَاِنْ وَجَدْتَ مَعَ كَلْبِكَ اَوْ كِلَابِكَ كَلْبًا غَيْرَهُ فَخَشِيْتَ اَنْ يَكُوْنَ اَخَذَهُ مَعَهُ وَقَدْ قَتَلَهُ فَلَا تَاْكُلْ فَاِنَّمَا ذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى كَلْبِكَ وَلَمْ تَذْكُرْهُ عَلٰى غَيْرِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زکریاء نے حدیث بیان کی از عامر از حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معراض (بے پر کے تیر یا لکڑی یا گز) سے شکار کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: اگر اس کی نوک شکار کو لگی ہو تو اس کو کھالو اور اگر اس کا عرض یا اس کی چوڑائی شکار کو لگے تو اس کو نہ کھاؤ کیونکہ وہ "موقوذۃ" (چوٹ لگنے) سے ہلاک ہوا ہے۔ اور میں نے آپ سے شکاری کتے کے شکار سے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جس شکار کو کتا تمہارے لیے رکھے اس کو کھالو، کیونکہ کتے کا جانور کو پکڑنا بھی ذبح ہے، اور اگر تم اپنے شکاری کتے کے ساتھ یا شکاری کتوں کے ساتھ کسی اور کتے کو پاؤ اور تمہیں یہ خطرہ ہو کہ اس کتے نے ان کے ساتھ شکار کو پکڑا ہے اور اس کو ہلاک کر دیا ہے تو پھر تم ایسا شکار نہ کھاؤ، کیونکہ تم نے اپنے

کتے پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہے اور دوسرے کے کتے پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا۔

(صحیح البخاری: ۱۷۵، ۲۰۵۴، ۵۴۷۵، ۵۴۷۶، ۵۴۷۷، ۵۴۸۳، ۵۴۸۴، ۵۴۸۵، ۵۴۸۶، ۵۴۸۷، ۷۳۹۷، صحیح مسلم: ۱۹۲۹، سنن ترمذی: ۱۴۷۰، سنن نسائی: ۴۲۷۲، سنن ابوداؤد: ۲۸۵۴، سنن ابن ماجہ: ۳۲۰۸، مسند احمد: ۱۸۱۷۷، سنن دارمی: ۲۰۰۲)

صحیح البخاری: ۵۴۷۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس صورت میں ظاہر ہے جب کہ باب کا عنوان ہو" شکار پر بسم اللہ پڑھنا"۔ جبکہ اس باب کا عنوان ہے: "کتاب الصید والذبائح والتسمیة علی الصید"، اس اعتبار سے بھی اس حدیث کی مطابقت باب کے عنوان کے ساتھ ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں تین چیزیں ہیں، ایک چیز ہے شکار کا مشروع ہونا اور دوسری چیز ہے شکار کا ذبح ہونا حقیقتاً یا حکماً اور تیسری چیز ہے شکار پر بسم اللہ پڑھنے کا واجب ہونا۔ اور عنوان میں جو تین اجزاء ہیں ان میں سے کسی بھی جز کے ساتھ حدیث کی مطابقت ہو، تو اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت ہو جائے گی۔

حدیث مذکور کی سند میں بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے: ابو نعیم، ان کا نام الفضل بن دکین ہے۔ اور اس میں مذکور ہے: زکریا، یہ ابن ابی زائدہ ہیں اور عامر کا ذکر ہے، یہ الشعبی ہیں اور عدی بن حاتم کا ذکر ہے، یہ حضرت عدی بن حاتم بن عبداللہ بن سعد الطائی ہیں رضی اللہ عنہ۔ یہ جواد ابن الجواد ہیں، انہوں نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا تھا اور یہ اور ان کی قوم اسلام پر ثابت قدم رہی اور یہ کوفہ میں آ کر ٹھہرے اور عراق کی فتح پر حاضر تھے، پھر یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے گروہ میں رہے اور مختار کے زمانے میں ان کی کوفہ میں ۶۸ھ میں وفات ہوئی، اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال تھی اور یہ قرقیسیا میں فوت ہوئے۔ اور ابو حاتم نے کتاب المعمرین میں لکھا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ ایک سو اسی (۱۸۰) سال کی عمر میں فوت ہوئے اور ان کی ایک آنکھ کانی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: از عدی بن حاتم، اسماعیلی کی روایت میں ہے: ہمیں عامر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عدی بن حاتم نے حدیث بیان کی، اس میں یہ اشارہ ہے کہ زکریا مدلس ہیں اور یہ حدیث معنعن ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: عنقریب الشعبی سے روایت آئے گی کہ میں نے عدی بن حاتم سے سنا ہے۔ (یعنی یہ حدیث عن کے بغیر ہے)۔

حدیث مذکور کے معانی

المِعراض: اس لفظ میں میم کے نیچے زیر ہے اور عین ساکن ہے اور آخر میں ضاد ہے، خلیل اور دوسرے ائمہ لغت نے کہا کہ یہ وہ تیر ہے جس کا پر نہ ہو اور نہ پیکان ہو (خالی لکڑی ہو)۔

اور الخطابی نے کہا: معراض ایک وزنی لکڑی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک ایسی لکڑی ہے جس کی دونوں طرفیں دھاری دار ہوتی ہیں اور درمیانی حصہ موٹا ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک بوجھل لکڑی ہے اور اس کے آخر میں دھاری دار لکڑی ہوتی ہے اور کبھی دھاری دار نہیں ہوتی۔

اور علامہ ابن التین نے کہا: مِعراض ایک لاٹھی ہے جس کی طرف میں دھار ہوتی ہے، شکاری اس لاٹھی کو شکار پر مارتا ہے، پس شکار پر اگر اس کی دھار لگے تو وہ ذبیحہ ہے اور وہ کھایا جائے گا اور جو بغیر دھار کے اس کا حصہ شکار پر لگے تو وہ موقوذہ ہے اور یہی اس حدیث کا معنی ہے کہ وقیذ فعیل کے وزن پر ہے جو کہ مفعول کے معنی میں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''کیونکہ کتے کا پکڑنا ذبح ہے''۔ اس کا معنی ہے کہ کتے کا پکڑنا ذبح کے حکم میں ہے، سو اس کا کھانا جائز ہوگا جس طرح ذبح شدہ کا کھانا جائز ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''اگر تم نے اپنے کتے کے ساتھ یا کتوں کے ساتھ دوسروں پایا''، اس میں راوی کو شک ہے یعنی تم نے اپنے کتے کے ساتھ دوسرے کتے کو پایا جس کو تم نے نہیں چھوڑا۔

یہ حدیث کئی احکام پر مشتمل ہے جن کو ہم اس سے پہلے گزرے ہوئے ابواب میں ذکر کر چکے ہیں لیکن بعض احکام کو ہم دوبارہ ذکر کریں گے کیونکہ مسافت طویل ہوگئی ہے۔

شکار کا مشروع ہونا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شکار کا مشروع ہونا ثابت ہے اور قرآن مجید سے بھی شکار کا مشروع ہونا ثابت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا (المائدہ: ۲) اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے: جو شخص روزی کمانے کے لیے شکار کرے یا ضرورت کی بناء پر شکار کرے یا شکار کو کھانے کے لیے یا اس کی قیمت سے فائدہ اٹھانے کے لیے شکار کرے تو اس کا شکار کرنا جائز ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے جس نے کھیل اور مشغلہ کے طور پر شکار کیا، لیکن اس کا قصد ذبح کرنا ہے اور جائز طریقہ سے نفع کو حاصل کرنا ہے، تو امام مالک نے اس کو مکروہ کہا ہے اور لیث اور ابن عبد الحکیم نے اس کو جائز کہا ہے اور اگر اس نے ذبح کی نیت کے بغیر شکار کیا تو یہ حرام ہے، کیونکہ یہ زمین میں فساد کرنا ہے اور کسی جاندار کی جان کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے اور ہمارے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاندار کو قتل کرنے سے بغیر اسے کھانے کے منع فرمایا ہے۔ اور آپ نے زیادہ شکار کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جنگلوں میں رہا اس نے جفا کی اور جس نے شکار کا پیچھا کیا اس نے غفلت کی اور جو سلطان کے ساتھ لازم رہا وہ فتنہ میں مبتلا ہوگیا۔ امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور الکرابیسی نے کہا کہ اس کے راویوں میں سے ایک ابو موسیٰ ہے اور وہ معلل ہے اور کہا کہ اس کی حدیث قائم نہیں ہے اور یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی سند ضعیف کے ساتھ مروی ہے اور حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ امام الدارقطنی نے کہا: اس حدیث کی روایت میں شریک متفرد ہے۔

معراض کے ساتھ شکار کا جواز

جس لاٹھی کے دونوں طرف دھار ہو، اگر شکار کو اس دھار سے مارا تو پھر اس کا کھانا جائز ہے اور اگر شکار اس لاٹھی کی چوٹ سے مرا تو پھر اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ اور اس حدیث میں اس کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

سدھائے ہوئے کتے کا شکار کو قتل کرنے کا ذبح ہونا

اگر سدھائے ہوئے کتے کو شکار نے قتل کیا تو یہ ذبح ہے اور جب شکاری کتے نے خود اس جانور سے کھالیا یا اس شکار سے کھایا تو پھر وہ سدھایا ہوا نہیں ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا مذہب ہے اور ان کا مذہب یہ ہے کہ شکاری کتے کی تعلیل یہ ہے کہ وہ شکار سے خود نہ کھائے اور یہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک شرط ہے۔ اور امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ، ابوثور، ابن المنذر اور داؤد کا بھی یہی قول ہے۔

امام شافعی کا ایک قول ضعیف اور امام مالک کا قول یہ ہے کہ شکاری کتے کا خود نہ کھانا شرط نہیں ہے اور حضرت سلمان فارسی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت مولیٰ علی، حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن المسیب، سلیمان بن یسار، حسن بصری اور زہری کا بھی یہی قول ہے۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے:

فَكُلُوا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ۔ (المائدہ: ۴) سو اس (شکار) سے کھاؤ جس کو وہ (شکاری جانور) تمہارے لیے روک رکھیں۔

انہوں نے کہا: شکاری جانور کا شکار کو روک لینا بھی ذبح ہے جس سے شکار کا کھانا حلال ہے، لہٰذا شکاری جانور کے شکار کو کھانے سے شکار فاسد نہیں ہوگا۔

اور فقہاء احناف اور فقہاء شافعیہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر شکار شکاری جانور نے کھالیا ہے تو تم اس کو نہ کھاؤ، کیونکہ اس نے اس شکار کو تمہارے لیے محفوظ نہیں رکھا، اس نے اس شکار کو اپنے لیے محفوظ رکھا ہے، جیسا کہ عنقریب اس باب کے قریب کی حدیث میں آئے گا۔

اگر تم سوال کرو کہ قاضی نے کہا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم کی اس حدیث میں اس کے خلاف ہے یعنی جو حدیث ابھی آئے گی اور اس حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ "اس نے اس شکار کو تمہارے لیے محفوظ نہیں رکھا"۔ ان الفاظ کو شعبی نے ذکر کیا ہے اور ہشام بن ابی مطر نے ذکر نہیں کیا۔ نیز یہ اس حدیث سے بھی معارض ہے جس کی حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کھاؤ، خواہ شکاری جانور نے اس سے کھالیا ہو۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد نے روایت کی ہے اور اس پر سکوت کیا ہے اور اس کو ضعیف نہیں قرار دیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی سند میں داؤد بن عمرو دمشقی ہے، ابن حزم نے کہا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور اس حدیث کا راوی داؤد بن عمرو ضعیف ہے۔ اس کو امام احمد نے ضعیف کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ کاذب ہے۔

اگر تم کہو کہ داؤد بن عمرو دمشقی کی یحییٰ بن معین نے توثیق کی ہے اور ابوزرعہ نے کہا کہ اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے اور

ابن عدی نے کہا: میں اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں دیکھتا اور امام ابوداؤد نے کہا: یہ صالح الحدیث ہے، اور امام ابن حبان نے اس کا کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ہم یہ بحث تسلیم کرلیں تب بھی سنن ابوداؤد کی یہ حدیث صحیح بخاری کی حدیث کے برابر نہیں ہے اور نہ اس کے قریب ہے۔

اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو مذکور ہے کہ "اگر شکاری جانور نے شکار سے کھالیا ہو تب بھی تم اس کو کھالو"، یہ اس پر محمول ہے کہ اس نے شکار کو قتل کرنے کے بعد چھوڑ دیا ہو اور اس سے دور چلا گیا ہو، پھر دوبارہ واپس آیا ہو اور پھر اس میں سے کھالیا ہو تو اس میں کوئی ضرر نہیں ہے۔

اور تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جواز پر محمول ہے جو سنن ابوداؤد میں ہے۔ اور حضرت عدی بن حاتم کی حدیث تنزیہہ پر محمول ہے جو صحیح بخاری میں ہے، کیونکہ حضرت عدی بن حاتم کو وسعت اور خوشحالی حاصل تھی تو ان کو اس شکار سے رکنے کا حکم دیا جس سے شکاری جانور نے کھالیا ہے اور حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ ضرورت مند تھے تو ان کو اس شکار سے کھانے کا بہ طور جواز حکم دیا۔

شکار پر بِسۡمِ اللّٰهِ پڑھنے کی شرط

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شکار پر بِسۡمِ اللّٰهِ پڑھنے کی شرط ہے، کیونکہ حدیث میں یہ علت بیان کی ہے کہ تم نے اپنے شکاری کتے پر بِسۡمِ اللّٰهِ پڑھی ہے اور دوسرے شکاری کتے پر بِسۡمِ اللّٰهِ نہیں پڑھی۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ شکار اور ذبیحہ پر بِسۡمِ اللّٰهِ پڑھنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، پس محمد بن سیرین اور نافع مولیٰ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور شعبی نے کہا ہے کہ شکار اور ذبیحہ پر بِسۡمِ اللّٰهِ کا پڑھنا فرض ہے، جس نے شکار اور ذبیحہ پر بِسۡمِ اللّٰهِ پڑھنے کو عمداً ترک کیا یا بھول کر ترک کیا تو اس کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا اور یہ ابوثور اور ظاہریہ کا قول ہے۔

اور امام مالک، ثوری، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ اگر اس نے شکار اور ذبیحہ پر بِسۡمِ اللّٰهِ پڑھنے کو عمداً ترک کیا تو وہ نہیں کھایا جائے گا اور اگر بھول کر ترک کیا تو پھر کھایا جائے گا۔

اور علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے اور فقہاء تابعین میں سے ابن المسیب، حسن بن صالح، طاؤس، عطاء، الحسن بن ابی الحسن النخعی، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، جعفر بن محمد، حکم، ربیعہ، امام احمد اور امام اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور المصنف میں اس قول کی زہری اور قتادہ سے روایت ہے۔ اور المغنی میں یہ مذکور ہے کہ امام احمد سے یہ روایت ہے اور یہ ان کا مذہب ہے کہ شکار اور ذبیحہ سے پہلے بِسۡمِ اللّٰهِ کا پڑھنا شرط ہے، اگر اس نے بِسۡمِ اللّٰهِ پڑھنے کو عمداً ترک کیا یا سہواً ترک کیا تو وہ ذبیحہ اور شکار مردار ہے۔ اور امام محمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ جب اس نے تیر چھوڑتے وقت بھولے سے بِسۡمِ اللّٰهِ پڑھنے کو ترک کیا تو کھایا جائے گا اور اگر اس نے شکاری کتے یا شکاری تیندوے کو چھوڑا تو وہ نہیں کھایا جائے گا۔ اور امام شافعی نے کہا کہ دونوں صورتوں میں شکار اور ذبیحہ کو کھایا جائے گا خواہ اس نے بِسۡمِ اللّٰهِ کو عمداً ترک کیا ہو یا بھولے سے ترک کیا ہو اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء سے بھی اس کا

طرح مروی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۳۹۔۱۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب البیوع میں گزر چکی ہے۔(صحیح البخاری: ۲۰۵۴، باب: تفسیر المشبہات) اور عنقریب کتاب التوحید میں بھی آئے گی، (صحیح البخاری: ۷۳۹۷، باب: السوال باسماء اللہ تعالیٰ والاستعاذۃ بھا) اور باقی کتب ستہ میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۲۹، کتاب الصید بالکلاب المعلمۃ، سنن ابوداؤد: ۲۸۴۷، سنن ترمذی: ۱۴۶۵، سنن نسائی ج ۷ ص ۱۸۰، سنن ابن ماجہ: ۳۲۱۵)

امام مالک نے ذکر کیا ہے کہ ہر وہ جانور جس کو انسان اپنے ہاتھ سے پکڑتا ہے یا اس پر اپنا نیزہ مارتا ہے یا ہتھیار میں سے کوئی چیز مارتا ہے اور وہ اس کے پار ہو جاتا ہے اور اس سے وہ قتل ہو جاتا ہے تو وہ شکار ہے۔(الموطا: ص ۲۰۴)

المائدہ: ۱، ۲، ۳ کی تفسیر

اور مجاہد نے کہا ہے: جس شکاری جانور کے بچے کو یا انڈے کو ہاتھوں سے پکڑا جائے یا بڑے جانور پر نیزہ مارا جائے، وہ بھی شکار ہے، سو اس آیت (المائدہ: ۱) سے شکار کی اباحت پر استدلال کیا گیا ہے۔ المائدہ: ۱ میں ارشاد ہے:

أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ۔ (المائدہ: ۱)

تمہارے لیے ہر قسم کے چار پاؤں والے جانور حلال کیے گئے ہیں، ماسوا ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ تلاوت کیا جائے گا۔

"انعام" سے مراد اونٹ، گائے اور بکریاں ہیں۔

قابوس بن ابی ظبیان نے کہا: ہم نے ایک گائے کو ذبح کیا تو لڑکوں نے اس کے پیٹ میں سے ایک ضخیم بچہ نکالا، اس کو پکایا، پھر اس کو ابوظبیان کے پاس لائے تو انہوں نے بتایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ "بهيمة الأنعام" ہے۔

اور اس آیت میں فرمایا ہے: غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ یعنی لیکن تم حالتِ احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا۔

حُرُم سے مراد ہیں محرمون، اور اس کا واحد حرم اور حرام ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنْ رَبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا۔ (المائدہ: ۲)

اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینہ کی، اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں (قربانی کی علامت کے) پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔

سو اس کا معنی یہ ہے کہ تم حرم میں شکار کو حلال قرار نہ دو اور اپنے لیے شعائر اللہ کو حلال قرار نہ دو اور جنہوں نے کہا کہ شعائر اللہ سے مراد قربانی کے اونٹ ہیں تو انہوں نے کہا: یہ آیت منسوخ ہے۔ اور شعبی نے کہا کہ سورۂ مائدہ میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے سوا

اس آیت یعنی یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ (المائدہ:۲)'' کے۔اور قتادہ نے کہا کہ اس آیت کو درج ذیل آیت نے منسوخ کر دیا:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ۔ (التوبہ:۵) تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔

پہلے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنے سے منع کیا گیا تھا اور حالتِ امن میں بیت الحرام میں لڑائی کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ اور اس آیت میں ''شھر الحرام'' کا ذکر ہے، اس سے مراد رجب ہے۔ اور اس میں ''ھدی'' کا ذکر ہے، اس سے مراد قربانی کے جانور ہیں۔ اور ''قلائد'' کا ذکر ہے یعنی جن جانوروں کے گلے میں ہار ڈال دیا گیا ہو۔ اور فرمایا: ''جب تم احرام کھول دو تو شکار کرو''، یہ ممانعت کے بعد امر ہے اور لازم نہیں ہے، یعنی احرام کھولنے کے بعد شکار کرنا جائز ہے۔

المائدہ: ۳ میں مذکور ہے:

تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس (جانور) پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، اور گلا گھٹ جانے والا، اور چوٹ کھا کر مرا ہوا اور بلندی سے گر کر مرا ہوا اور سینگ لگنے سے مرا ہوا اور جس کو درندے نے کھایا ہو، ماسوا اس کے جس کو تم نے (زندہ پا کر) ذبح کر لیا، اور جو بتوں کے تقرب کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا اور فال کے تیروں سے اپنی قسمت معلوم کرنا یہ (تمام کام) فسق ہیں۔

علامہ ابن ملقن نے ان الفاظ کی شرح کی ہے، اور اس شرح کو ہم اس سے پہلے علامہ عینی سے نقل کر چکے ہیں۔

حضرت عدی بن حاتم کی حدیث کی شرح از علامہ ابن الملقن

صحیح البخاری: ۵۴۷۵ میں حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معراض کے شکار سے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: شکار پر اگر دھار لگی ہو تو اسے کھا لو اور جو اس کی چوڑائی سے جانور مرا ہو تو وہ وقیذ ہے یعنی چوٹ سے مرا ہے اور میں نے آپ سے شکاری کتے کے شکار کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جو اس نے تمہارے لیے روک رکھا ہے، اسے کھا لو، کیونکہ شکاری کتے کا قتل کرنا بھی ذبح ہے اور اگر تم نے اس کے ساتھ اور کتے کو پایا اور کتوں کو پایا ہے تو نہ کھاؤ، تمہیں یہ خطرہ ہوگا کہ دوسرے کتے نے اس کو پکڑا ہے اور اس کو قتل کیا ہے، پھر تم اس کو نہ کھاؤ، کیونکہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ کا ذکر کیا ہے دوسرے کتے کے اوپر تم نے بسم اللہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

علامہ ابن ملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: امام مسلم نے اس حدیث کی روایت اس طرح کی ہے کہ شکاری کتے نے جس کو پھاڑا ہے اس کو کھا لو اور جب تم نے اپنے کتے کو بھیجا، پس اگر اس نے اس کو تمہارے لیے روک لیا اور تم نے اس کو زندہ پایا تو اس کو ذبح کر کے کھا لو۔ اگر تم نے اس کے ساتھ کسی اور کتے کو پایا ہے اور وہ اس کو مار چکا ہے تو پھر تم اس کو نہ کھاؤ۔

(صحیح مسلم: ۱۹۲۹، کتاب الصید والذبائح، باب الصید بالکلاب المعلمہ)

امام طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ سعید بن جبیر نے حضرت عدی بن حاتم سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، میں نے کہا: ہم شکار کرنے والے لوگ ہیں، ہم میں سے کوئی ایک شکار پر تیر مارتا ہے، پھر وہ شکار ایک رات یا دو راتوں تک غائب رہتا ہے، پھر اس کے بعد وہ شکار مل جاتا ہے تو اس میں اس کا تیر بھی ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: جب تم اس میں اپنا تیر پاؤ

اوراس میں کسی درندے کے کھانے کا اثر نہ ہو اور تم کو یہ معلوم ہو کہ تمہارے تیر نے اس جانور کو قتل کیا ہے تو تم اس سے کھالو۔

(مختصر اختلاف العلماء ج ۳ ص ۹۶)

ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنے کے حکم کی تفصیل

راشد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے خواہ اس نے بسم اللہ نہ پڑھی ہو، جب کہ اس نے عمداً بسم اللہ کو ترک نہ کیا ہو، یہ حدیث مرسل ہے اور راشد ضعیف ہے۔

اور ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ ان کا استدلال اس آیت سے ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهِۦ (الاحزاب:۵) اور اگر تم نے غلطی سے بلاارادہ کہا ہے تو اس میں تم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت سے خطاء اور نسیان کو اٹھالیا گیا ہے۔ (المحلی ج ۷ ص ۴۱۳)

اور ابراہیم بن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب ذبح کرے تو کہے: ''بسم اللہ واللہ اکبر'' اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی یہی کہتے تھے اور امام احمد بن حنبل اور فقہاء احناف نے بھی یہی کہا ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۸۰۔۷۹، المغنی ج ۵ ص ۲۹۹)

اللیث نے کہا ہے کہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا نام ذکر نہ کرے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھے۔

اور امام شافعی نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(کتاب الام ج ۵ ص ۲۱۲)

حضرت عدی بن حاتم کی حدیث کے فوائد

(۱) کلب معلم یعنی سدھائے ہوئے شکاری کتے کا شکار کو قتل کر دینا ذبح ہے۔

(۲) جب شکاری کتا شکار سے خود کھالے تو وہ سدھایا ہوا کتا نہیں ہے، یعنی کلب معلم نہیں ہے۔ (یہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے)۔

(۳) جب شکار کے ذبح ہونے میں شک ہو تو اس کو نہ کھایا جائے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ بغیر ذبح کے شکار حرام ہے، پس اگر اس شکار کے ساتھ غیر کلب معلم مل گیا تو اس کے ذبح ہونے میں شک واقع ہو گیا۔ اور یہ امام مالک کا مذہب ہے۔

(۴) جب شکار پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو اس کا کھانا ممنوع ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: تم نے اپنے شکاری کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے اور دوسرے شکاری کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھی۔

(۵) معراض اس وزن دار لاٹھی کو کہتے ہیں جس کی طرف میں دھار ہو، جس سے شکار کو مارا جائے اور کبھی دھار کے بغیر شکار کو مارا جاتا ہے۔ پس جو شکار اس کی دھار سے مرجائے تو وہ ذبیحہ ہے اور جو شکار اس لاٹھی کی چوڑائی سے مرے تو وہ موقوذہ ہے۔

اور ہروی نے کہا کہ معراض اس کو کہتے ہیں کہ جس کے آخر میں نہ تیر کا پر ہو اور نہ پیکان ہو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۳۲۹۔۳۱۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن کی شرح بہت طویل اور مفصل ہے، ہم نے ان کی شرح سے اس حصہ کو ترک کر دیا ہے جس کا ذکر علامہ عینی کی شرح میں آ چکا ہے تاکہ قارئین کو تکرار محسوس نہ ہو اور علامہ ابن ملقن کی شرح میں ہمارا یہی اسلوب ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اور علامہ شہاب الدین القسطلانی متوفی ۹۱۱ھ نے بھی اس باب اور اس حدیث کی اسی طرح شرح کی ہے، اس لیے ہم نے ان کی شروحات کو بھی ترک کر دیا ہے۔

بابِ مذکور کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

ذبائح اور صید کے معانی

شکار پر بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے کا حکم ظاہر ہے کہ یہ امام بخاری کے اسلوب سے ہے اور ذبائح پر بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا واجب نہیں ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ ذبائح پر بھی بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا واجب ہے جیسا کہ شکار پر بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا واجب ہے۔

ذبائح، ذبیحۃ کی جمع ہے اور یہ مذبوحہ کے معنی میں ہے اور ذبح کا معنی ہے: کسی دھار والی چیز سے ذبح کی جگہ سے خون بہانا۔ اور یہ ذبح گردن میں ہوتا ہے یا کسی اور بدن کی جگہ سے، جب گردن سے خون بہانا مشکل ہو مثلاً کوئی جانور کنوئیں میں گر جائے اور اس کی گردن پر چھری پھیرنا ممکن نہ ہو تو اس وقت ممکن ہے کہ اس کے بدن کی کسی جگہ سے بھی خون کو بہا دیا جائے، مثلاً اس کے پیٹ سے خون بہا دیا جائے یا اس کی ران سے خون بہا دیا جائے یا اس کے بدن کے کسی حصہ سے خون بہا دیا جائے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بہائم وحشی ہوتے ہیں جیسے وحشی جانور ہوتے ہیں، سو جو جانور تم سے بھاگ جائے اس کے ساتھ اس طرح کرو اور صحابہ میں سے کسی ایک کا اونٹ جب بھاگ جاتا تو وہ اس کو کاٹ دیتے حتیٰ کہ اس کو روک لیتے اور وہ مر جاتا۔ اس وقت آپ نے یہ ارشاد فرمایا: رہا صید یعنی شکار تو اس کا اطلاق مصدر پر ہے جو شکار کرنے والے یعنی صاعد کا فعل ہے اور اس کا اطلاق مفعول پر بھی ہوتا ہے جو مصید ہے۔ اور اس پر اللہ کا نام پڑھنا، وہ "بسم اللہ واللہ اکبر پڑھنا" ہے۔

المائدہ: ۹۴ کی تفسیر

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وقوله تعالى: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (المائدہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ تم کو ضرور ایسے شکار سے آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے تاکہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے، سو جس نے اس (تنبیہ) کے بعد حد سے تجاوز کیا، اس کے لیے درد ناک عذاب ہے ۝ (المائدہ: ۹۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کا امتحان لیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حالتِ احرام میں ان کے اوپر شکار کرنے کو حرام قرار دیا۔ پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کی آزمائش کا ارادہ فرمایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کبھی خیر کے ساتھ آزمائش میں مبتلا کرتا ہے

اور کبھی شر کے ساتھ۔ وہ دیکھتا ہے کہ بندے اس کا شکر ادا کرتے ہیں یا ناشکری کرتے ہیں اور کبھی شر میں مبتلا کرتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ وہ صبر کرتے ہیں یا جذع اور فزع کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝ (الانبیاء: ۳۵)

اور ہم تم کو بُری اور اچھی حالت میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں، اور تم سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے O

سو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی شکار کے ساتھ آزمائش کی، کیونکہ وحشی جانور اور پرندے ان کے نیزوں اور ان کے ہاتھوں سے شکار کرنے کی زد میں تھے، وہ چاہتے تو نیزوں سے وحشی جانوروں کا شکار کر لیتے یا ہاتھوں سے پرندوں کو پکڑ لیتے۔ اور وہ اس وقت حدیبیہ میں مُحرم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (المائدہ)

تا کہ اللہ یہ ظاہر کردے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے، سو جس نے اس (تنبیہ) کے بعد حد سے تجاوز کیا، اس کے لیے دردناک عذاب ہے O (المائدہ: ۹۴)

علمِ ازلی اور علمِ تقدیر کا فرق

اس آیت میں فرمایا تا کہ اللہ جان لے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے۔ اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اس آزمائش سے پہلے بھی جانتا تھا، اور وہ اس کا علمِ ازلی ہے، لیکن علمِ ازلی پر جزاء مرتب نہیں ہوتی، اور اس آزمائش پر جزاء مرتب ہوگی۔ اس وجہ سے علماء نے اس سوال کے جواب میں یہ کہا ہے کہ اس آیت میں علم سے مراد وہ علم ہے جس پر جزاء مرتب ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا جو علم سابق ہے اس پر جزاء مرتب نہیں ہوتی، کیونکہ اس علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو مکلف نہیں کیا، کیونکہ اللہ عزوجل ہمیشہ سے ماضی اور مستقبل کو جاننے والا ہے۔

اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ تا کہ ہم جان لیں کا معنی یہ نہیں ہے کہ تا کہ ہمیں علم ہو جائے، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم اپنے علم کو ظاہر کر دیں، کیونکہ پہلا علم، علمِ تقدیر ہے اور دوسرا علم، علمِ ظہور ہے۔ بہر حال یہ آیت آیاتِ متشابہات میں سے ہے، اسی وجہ سے غالی معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے افعال کا اس وقت تک علم نہیں ہوتا جب تک کہ بندے وہ افعال کر نہیں لیتے اور آیاتِ متشابہات سے گمراہ لوگ استدلال کرتے ہیں جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے اور مومنین اس آیت کو محکمہ پر محمول کرتے ہیں اور ان کے نزدیک تمام آیات محکمہ ہیں، اور یہ اس صورت میں ہوگا جس طرح ہم نے اس آیت کا معنی بیان کیا ہے۔ یعنی یا تو اس آیت میں علم سے مراد علمِ تقدیر ہے جس پر کوئی جزاء مرتب نہیں ہوتی اور یا اس سے مراد علمِ ظہور ہے جس پر جزاء مرتب ہوتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اور بنی اسرائیل کی آزمائش کا فرق

اس آیت میں فرمایا: تا کہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر کردے کہ کون اس سے ڈرتا ہے۔ کیونکہ جو غائبانہ اللہ سے ڈرتے ہیں وہ لوگوں سے نہیں ڈرتے، وہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں۔ پس صحابہ اللہ تعالیٰ سے غائبانہ ڈرتے تھے اور انہوں نے حالت احرام میں کبھی بھی شکار نہیں کیا اور جب تم اس واقعہ کا بنی اسرائیل کے حال سے مقابلہ کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں اور بنی

اسرائیل میں کیا فرق ہے۔ پس بنی اسرائیل پر جب ہفتہ کے دن مچھلیوں کے شکار کو حرام قرار دیا گیا تو انہوں نے حیلہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس آزمائش میں مبتلا کیا کہ ہفتہ کے دن مچھلیاں بہت زیادہ آتی تھیں اور ہفتہ کے علاوہ دوسرے دنوں میں مچھلیاں بہت کم آتی تھیں، تو انہوں نے العیاذ باللہ حیلہ کیا اور جمعہ کے دن جال ڈال دیا، پس مچھلیاں اس جال میں آجاتیں اور اتوار کے دن وہ اس جال کو نکال لیتے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا حیلہ کسی حرام کو حلال نہیں کرتا۔

تنبیہ: شیخ عثیمین نے المائدہ: ۱، ۲ کی بھی تفسیر کی ہے لیکن اس کی تفسیر وہی ہے جو علامہ عینی اور علامہ ابن الملقن کی شرح میں آچکی ہے، تاہم المائدہ: ۳ کی تفسیر جو انہوں نے کی ہے اس کا بعض حصہ ہم نقل کر رہے ہیں۔

المائدہ: ۳ کی تفسیر (اس کی توجیہ کہ المائدہ: ۳ میں فرمایا: مردار کو حرام کیا گیا اور یہ نہیں فرمایا کہ مردار کو ہم نے حرام کیا)

اس آیت میں فرمایا ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (تم پر مردار حرام کر دیا گیا ہے)۔ یہاں پر یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے تم پر مردار کو حرام کر دیا ہے، کیونکہ المائدہ: ۱ میں فرمایا ہے:

أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۔ (المائدہ: ۱)

تمہارے لیے ہر قسم کے چار پاؤں والے جانور حلال کیے گئے ہیں، ماسوا ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ تلاوت کیا جائے گا، لیکن تم حالتِ احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا۔

چونکہ المائدہ: ۱ میں فرمایا تھا: ''تم پر چار پاؤں والے جانور حلال کئے گئے ہیں'' اور یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم پر چار پاؤں والے جانوروں کو ہم نے حلال کیا ہے، اس لیے المائدہ: ۳ میں فرمایا: ''تم پر مردار کو حرام کر دیا گیا ہے'' اور یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے تم پر مردار کو حرام کر دیا ہے، تا کہ المائدہ: ۱ اور المائدہ: ۳ میں مناسبت رہے۔

مُردار کی تعریف

علماء نے کہا ہے: مردار وہ جانور ہے جو بغیر ذبحِ شرعی کے مر گیا، یہ اس کو شامل ہے جو طبعی موت سے مر گیا اور اس کو بھی شامل ہے جو بغیر ذبحِ شرعی کے مر گیا اور اگر کوئی حیوان بیمار ہو اور وہ مر جائے تو وہ حلال نہیں ہے کیونکہ اس کو ذبح نہیں کیا گیا اور جو بغیر ذبحِ شرعی کے مر جائے وہ مُردار ہے۔

خون کی تعریف

خون سے مراد معروف خون ہے لیکن یہاں مراد ہے کہ موت سے پہلے جو جانور سے خون نکلتا ہے، سو وہ حرام ہے، لیکن ذبحِ شرعی کے بعد جو جانور سے خون نکلتا ہے تو وہ حلال ہے۔ سو زندہ جانور سے جو خون نکلے وہ حرام ہے۔ اور زمانہ جاہلیت میں جب لوگوں کو بھوک لگتی تو وہ زندہ جانور کا خون نکال کر پی لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بندوں پر حرام کر دیا ہے۔

خنزیر کا گوشت

خنزیر ایک مشہور و معروف جانور ہے اور یہ خبیث حیوان ہے جس میں غیرت نہیں ہوتی، اور کئی نر قطار باندھ کر مادہ کے ساتھ

جنسی فعل کرتے رہتے ہیں اوران کواس پر غیرت نہیں آتی۔اس کا گوشت اوراس کی چربی صحت کے لیے مضر ہے۔اس آیت میں خنزیر کا گوشت فرمایا ہے کیونکہ اکثر خنزیر کے گوشت کا قصد کیا جاتا ہے ورنہ خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے،اس کی چربی اس کی آنتیں،اس کا خون اوراس کی ہر چیز حرام ہے۔

جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو

یعنی ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا جائے بلکہ کہا جائے کہ مسیح کے اسم سے ذبح کرتا ہوں یا اسم محمد سے ذبح کرتا ہوں، یا اسم جبرائیل سے، یا اسمِ میکائیل سے یا اسمِ فلاں سے،سو یہ حرام ہے، کیونکہ ذبیحہ پر ذبح کے وقت صرف اسی کا نام لیا جائے گا جس نے اس ذبیحہ کو پیدا کیا ہے۔اوراسی کا کھانا ہمارے لئے جائز قرار دیا گیا ہے اور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا اس کا کھانا ہمارے اوپر حرام ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی اور کے نام کو ملا کر ذبح کیا جائے، پھر بھی ذبیحہ حرام ہے۔

تنبیہ:اس کے بعد شیخ عثیمین نے المنخنقہ ،الموقوذۃ،المتردیۃ وغیرکی شرح کی ہے اور چونکہ یہ شرح تفصیل سے علامہ عینی کی شرح میں آچکی ہے،اس لیے یہاں ہم نے ان کی شرح کے اس حصہ کو ترک کر دیا۔

نیز المائدہ:۳ میں فرمایا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔

شیخ عثیمین لکھتے ہیں:الحمدللہ !اب دین کامل ہے اوراس دین میں کسی وجہ سے کوئی نقص نہیں ہے، نہ عبادات میں، نہ معاملات میں،اور نہ اخلاق میں اور نہ سلوک میں، یہ دین ہر اعتبار سے کامل ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''میں نے تم پر اپنی نعمت کو مکمل کر دیا''۔یعنی یہ نعمت دین کی نعمت ہے اور یہ مال اور اولاد اور بیویوں اور مکانوں اور سواریوں کی کثرت کی وجہ سے نہیں ہے،پس نعمت کا مکمل ہونا دنیا اور آخرت کی سعادت کی وجہ سے ہے۔

(شرح صحیح البخاری: ج ۵ ص ۲۱۸۔۲۱۰ ملخصاً وملتقطاً،مکتبۃ الطبری القاہرہ،مصر ۱۴۲۹ھ)

۲۔بَابُ: صَیْدِ الْمِعْرَاضِ بے پر کے تیر یعنی لاٹھی وغیرہ سے شکار کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں المعراض سے شکار کا حکم بیان کیا گیا ہے،معراض کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

المِعراض:اس لفظ میں میم کے نیچے زیر ہے اور عین ساکن ہے اور آخر میں ضاد ہے،خلیل اور دوسرے ائمہ لغت نے کہا کہ یہ وہ تیر ہے جس کا پر نہ ہو اور نہ پیکان ہو۔(خالی لکڑی ہو)۔

اور الخطابی نے کہا:معراض ایک وزنی لکڑی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک ایسی لکڑی ہے جس کی دونوں طرفیں دھاری دار ہوتی ہیں اور درمیانی حصہ موٹا ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک بوجھل لکڑی ہے اوراس کے آخر میں دھاری دار کڑی ہوتی ہے اور کبھی دھاری دار نہیں ہوتی۔

اور علامہ ابن التین نے کہا:مِعراض ایک لاٹھی ہے جس کی طرف میں دھار ہوتی ہے،شکاری اس لاٹھی کو شکار پر مارتا ہے۔پس

شکار پر اگر اس کی دھار لگے تو وہ ذبیحہ ہے اور وہ کھایا جائے گا اور جو بغیر دھار کے اس کا حصہ شکار پر لگے تو وہ موقوذہ ہے اور یہی اس حدیث کا معنی ہے کہ وقیذ فعیل کے وزن پر ہے جو کہ مفعول کے معنی میں ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ فِي الْمَقْتُولَةِ بِالْبُنْدُقَةِ تِلْكَ الْمَوْقُوذَةُ (الموطا امام مالک ج ۲ ص ۴۹۱، مصنف عبد الرزاق: ۸۵۳۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۴۶، سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۴۹)۔ وَكَرِهَهُ سَالِمٌ وَالْقَاسِمُ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۴۷)۔ وَمُجَاهِدٌ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۴۶)۔ وَإِبْرَاهِيمُ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۴۷)۔ وَعَطَاءٌ۔ (مصنف عبد الرزاق: ۸۵۲۷)۔ وَالْحَسَنُ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۴۷)۔ وَكَرِهَ الْحَسَنُ رَمْيَ الْبُنْدُقَةِ فِي الْقُرَى وَالْأَمْصَارِ وَلَا يَرَى بَأْسًا فِيمَا سِوَاهُ۔ (اس کی تخریج نہیں مل سکی)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جو شکار غلیل کی گولی سے مرجائے وہ موقوذہ ہے، یعنی وہ چوٹ لگنے سے مرا ہے۔ اور سالم اور قاسم نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور مجاہد نے بھی اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور ابراہیم نخعی نے بھی اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور عطاء نے بھی اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور حسن بصری نے بھی اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور حسن بصری نے کہا کہ بستیوں اور شہروں میں غلیل کی گولی سے شکار کرنا مکروہ ہے۔ اور ان کے سوا دوسری جگہوں میں غلیل کی گولی سے شکار کرنا مکروہ نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جو جانور غلیل کی گولی لگنے سے مرجائے، وہ موقوذہ ہے۔

اس تعلیق پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جو اثر اس تعلیق میں ذکر کیا گیا ہے اور اسی طرح اس باب میں اور دیگر آثار جو ذکر کیے گئے ہیں، ان کی کوئی مناسبت نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

اس میں ایک عمدہ مناسبت ہے اور وہ یہ ہے کہ جو جانور غُلیل کی گولی لگنے سے مرجائے وہ موقوذہ ہے۔ یعنی وہ چوٹ لگنے سے مرا ہے، جیسا کہ بغیر دھار کی لکڑی لگنے سے جو جانور مرتا ہے وہ موقوذہ ہوتا ہے اور اتنی مقدار اس تعلیق کی مطابقت کے لیے کافی ہے۔ اس لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ غلیل کی گولی لگنے سے جو جانور مرجائے وہ موقوذہ ہے۔ (کیونکہ غلیل کی گولی میں دھار نہیں ہوتی اور جب وہ گولی جانور کو لگے گی اور اس کی چوٹ سے جانور مرے گا تو وہ ایسا ہے جیسا لکڑی مارنے سے کوئی جانور مرگیا ہے۔ اس کے برخلاف جو بندوق سے فائر کر کے جانور کو ہلاک کیا جائے، کیونکہ بندوق کی گولی میں دھار ہوتی ہے جو جانور کے جسم کو چیرتی ہے اور اس سے اس کا خون نکلتا ہے، اس لیے اگر بسم اللہ پڑھ کر بندوق سے فائر کیا جائے اور جانور مرجائے تو وہ جانور حلال ہوگا اور ذبح کے حکم میں ہوگا اور غلیل کی گولی جو سوکھی ہوئی مٹی سے بنی ہوتی ہے یا چھوٹے پتھروں سے بنی ہوتی ہے، ان میں دھار نہیں ہوتی، وہ جب جانور کے جسم پر لگے گی اور وہ مرے گا تو وہ اس گولی کے وزن، بوجھ اور چوٹ سے مرے گا، اس میں دھار نہیں ہوتی اور اس میں خون نہیں نکلتا۔ سعیدی غفرلہٗ)

اور اس کے بعد اس تعلیق میں مذکور ہے:

اور سالم اور قاسم نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور مجاہد، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح اور حسن بصری نے بھی اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور حسن بصری نے کہا کہ بستیوں اور شہروں میں غلیل کی گولی سے شکار کرنا مکروہ ہے۔ اور ان کے سوا دوسری جگہوں میں غلیل کی گولی سے شکار کرنا مکروہ نہیں ہے۔

تنبیہ: علامہ عینی نے ان فقہاء تابعین کے حوالہ جات بھی ذکر کیے ہیں جن کو ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

۵۴۷۶۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي السَّفَرِ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ رضی الله عنه قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الْمِعْرَاضِ فَقَالَ إِذَا أَصَبْتَ بِحَدِّهِ فَكُلْ فَإِذَا أَصَابَ بِعَرْضِهِ فَقَتَلَ فَإِنَّهُ وَقِيذٌ فَلَا تَأْكُلْ فَقُلْتُ أُرْسِلُ كَلْبِي قَالَ إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ وَسَمَّيْتَ فَكُلْ قُلْتُ فَإِنْ أَكَلَ قَالَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّهُ لَمْ يُمْسِكْ عَلَيْكَ إِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ قُلْتُ أُرْسِلُ كَلْبِي فَأَجِدُ مَعَهُ كَلْبًا آخَرَ قَالَ لَا تَأْكُلْ فَإِنَّكَ إِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى آخَرَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن ابی السفر از الشعبی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے المعراض کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا: جو جانور اس کی دھار سے مرجائے سو تم اس کو کھالو اور جس جانور پر اس کا عرض (چوڑائی) لگے جس سے وہ جانور مرجائے تو وہ موقوذۃ ہے (یعنی چوٹ لگنے سے مرا ہے)، سو تم اس کو نہ کھاؤ۔ حضرت عدی نے کہا: میں نے پوچھا: میں اپنا کتا بھیجتا ہوں، آپ نے فرمایا: جب تم نے اپنا کتا بھیجا اور تم نے بسم اللہ پڑھی تو تم اس کو کھالو، میں نے پوچھا: پس اگر وہ کتا خود بھی کھالے؟ آپ نے فرمایا: پھر تم نہ کھاؤ، کیونکہ اس نے وہ شکار تمہارے لیے نہیں کیا، اس نے وہ شکار اپنے نفس کے لیے کیا۔ میں نے پوچھا: میں اپنا کتا بھیجتا ہوں، پھر میں شکار کے ساتھ ایک اور کتے کو بھی پاتا ہوں، آپ نے فرمایا: تم نہ کھاؤ، کیوں کہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی تھی اور دوسرے کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھی تھی۔

(صحیح البخاری: ۱۷۵، ۲۰۵۴، ۵۴۷۵، ۵۴۷۶، ۵۴۷۷، ۵۴۸۳، ۵۴۸۴، ۵۴۸۵، ۵۴۸۶، ۵۴۸۷، ۷۳۹۷، صحیح مسلم: ۱۹۲۹، سنن ترمذی: ۱۴۷۰، سنن نسائی: ۴۲۷۲، سنن ابوداؤد: ۲۸۵۴، سنن ابن ماجہ: ۳۲۰۸، مسند احمد: ۱۷۷۸۱، سنن دارمی: ۲۰۰۲)

صحیح البخاری: ۵۴۷۶ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور اس سے پہلے باب میں اس حدیث کی شرح گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں ارشاد ہے: "کیونکہ اس نے تمہارے لیے وہ شکار نہیں کیا ہے" اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ (المائدہ: ۴) سو اس (شکار) سے کھاؤ جس کو وہ (شکاری جانور) تمہارے لیے

روک رکھیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس جانور کے ساتھ شکار کیا جائے، وہ سدھایا ہوا ہو، نیز وہ زخمی کرنے والا بھی ہو، اس کو بسم اللہ پڑھ کر بھیجا جائے، اس بھیجے ہوئے جانور کے ساتھ دوسرا جانور شریک نہ ہو اور وہ جس جانور کا شکار کرے وہ بھی فی نفسہٖ حلال ہو۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غلیل کی گولی سے کیے ہوئے شکار کے متعلق فقہاءِ اسلام کے نظریات

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ ہم نے جن سے روایت کی ہے، انہوں نے غلیل کی گولی سے شکار کو مکروہ قرار دیا ہے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابراہیم نخعی متوفی ۹۶ھ، امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، ثوری، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ، اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور ابوثور ہیں۔ اور ہم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ تم میں سے کوئی آدمی اس سے بچے کہ وہ خرگوش کو مٹی کے ڈھیلے یا لاٹھی یا پتھر سے مارے اور پھر اس کو کھائے۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے از ابن عیینہ از عمرو بن سعید از عمار روایت کی ہے کہ جب تم نے پتھر سے یا غلیل کی گولی سے جانور کو مارا، پھر تم نے بسم اللہ پڑھی تو تم اس کو کھالو خواہ اس ضرب سے وہ مر گیا ہو۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ ہر وحشی جانور جس پر تم نے لاٹھی ماری یا پتھر مارا یا غلیل کی گولی ماری اور تم نے اس پر بسم اللہ پڑھی تو تم اسے کھالو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۵۲)

معراض سے شکار کے مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کیا جائے گا

علامہ ابن المنذر نے بھی ان آثار کو نقل کیا ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ جب لاٹھی کی دھار سے جانور مرے جو دھار جانور کو چیرے یا پھاڑے تو وہ کھایا جائے گا اور جو جانور لاٹھی کی چوڑائی سے مرا ہو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ ائمہ اربعہ، ثوری، اسحاق اور ابوثور کا یہی قول ہے۔ اور الشعبی اور ابن جبیر نے کہا: وہ کھایا جائے گا جب وہ دھار سے زخمی ہو جائے۔

امام طحاوی نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ جب معراض شکار یا جانور کو زخمی کردے اور ذبح کی جگہوں سے تجاوز نہ کرے تو اس کو کھایا جائے گا اور اگر اس نے لکڑی یا عصا سے مارا اور زخمی کر دیا تو اس کو کھایا جائے گا اور اسی طرح اگر اس نے نیزہ مارا یا کوئی اور لوہے کا ہتھیار مارا تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اور امام اوزاعی یہ کہتے تھے کہ معراض جب جانور یا شکار کو زخمی کردے یا نہ کرے تو بھی اس کو کھایا جائے گا اور حضرت ابو درداء اور فضالہ اور مکحول اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

رہا غلیل اور پتھر سے مارنا تو اکثر علماء کے نزدیک اس کا شکار مکروہ ہے اور ان کے نزدیک یہ موقوذۃ ہے یعنی چوٹ کھا کر مارا ہوا

ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ غلیل سے مارنے کے بعد اگر تم اس کو ذبح کر سکو تو کر لو۔

شکاری پرندوں اور شکاری کتوں کے کیے ہوئے شکار کی تفصیل

اور شکاری پرندوں نے اگر جانور کو قتل کر دیا اور خون نہیں بہایا تو اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی نے کہا کہ اس کو نہیں کھایا جائے گا حتیٰ کہ وہ زخمی ہو جائے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ کھایا جائے گا۔

اور ابن القاسم مالکی اور اشعب مالکی کا بھی ان دو قولوں کی تفریع پر اختلاف ہے۔ ابن القاسم نے کہا: اس وقت تک نہیں کھایا جائے گا حتیٰ کہ اس کو زخمی کر دے اور خون بہائے۔ اور اشعب مالکی نے کہا: اگر شکاری کتے کے شکار کو گرانے سے وہ شکار گر گیا تو اس شکار کو کھایا جائے گا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۳۳۷۔۳۳۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۶ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غلیل اور بندوق سے کیے ہوئے شکار کا فرق

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے البندقۃ سے کیے ہوئے شکار کو موقوذہ فرمایا ہے۔ ان آثار میں البندقۃ سے مراد غلیل ہے اور اس سے مراد معروف بندوق نہیں ہے جس میں رصاص یعنی سیسہ کی گولی ہوتی ہے جو اپنے نفوذ کی قوت سے اپنے نشانہ کو ہلاک کر دیتی ہے، اور ان آثار میں البندقۃ سے مراد غلیل ہے جس میں وہ گٹھلی کے برابر کوئی کنکری رکھ کر اس غلیل کو اپنے ہاتھ سے مارتے تھے، پس بسا اوقات وہ کسی پرندے کو لگ جاتی اور اس گولی کے لگنے سے جو پرندہ گر کر مر جائے تو وہ بھی حلال نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے وزن کی وجہ سے اور ثقل کی وجہ سے مارتا ہے اور وہ اور غلیل کی گولی اس میں نفوذ نہیں کرتی، لیکن معروف بندوق میں جو سیسہ کی گولی ہوتی ہے، وہ شکار کے جسم میں نفوذ کر جاتی ہے جس سے اس کا خون بہتا ہے اور وہ مر جاتا ہے۔ سو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر بسم اللہ پڑھ کر فائر کیا جائے اور شکار مر جائے تو وہ حلال ہے۔ اور غلیل کا استعمال یا اس کے مشابہ کسی چیز کا استعمال کرنا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اس کی گولی نہ تو دشمن کو زخمی کرتی ہے اور اس کی گولی کسی کی آنکھ پھوڑ دیتی ہے یا کسی کا دانت توڑ دیتی ہے تو بستیوں اور شہروں میں اس کے استعمال سے منع کیا جائے گا اور جنگلات اور ویرانوں میں اس کے استعمال سے منع نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہاں کسی ضرر کا خطرہ نہیں ہے۔

سوال: سدھائے ہوئے کتے کے شکار کے بعد کیا شکار کو دھویا جائے گا؟

جواب: بعض علماء نے کہا: اس کو سات مرتبہ دھویا جائے گا اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ اس کو دھونا واجب نہیں ہے، کیونکہ اس کو دھونے میں مشقت ہے اور اللہ تعالیٰ نے شکار کو مطلقاً حلال قرار دیا ہے اور اس کو دھونے کا حکم نہیں دیا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کا مشاہدہ کرتے تھے اور وہ شکار کو دھوتے نہیں تھے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۲۲، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۳۔ بَابٌ: مَا أَصَابَ الْمِعْرَاضُ بِعَرْضِهِ

لکڑی کے عرض (یعنی چوڑائی) سے مارے ہوئے شکار کا بیان

۵۴۷۷۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رضی الله عنه قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نُرْسِلُ الْكِلَابَ الْمُعَلَّمَةَ قَالَ كُلْ مَا أَمْسَكْنَ عَلَيْكَ قُلْتُ وَإِنْ قَتَلْنَ قَالَ وَإِنْ قَتَلْنَ قُلْتُ وَإِنَّا نَرْمِي بِالْمِعْرَاضِ قَالَ كُلْ مَا خَزَقَ وَمَا أَصَابَ بِعَرْضِهِ فَلَا تَأْكُلْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از ہمام بن الحارث از حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑتے ہیں، آپ نے فرمایا: جس کو وہ تمہارے لیے شکار کریں اس کو کھالو، میں نے پوچھا: خواہ وہ اس کو ہلاک کر دیں، آپ نے فرمایا: خواہ وہ اس کو ہلاک کر دیں، میں نے پوچھا: ہم معراض (یعنی دھار والی لاٹھی) کو شکار پر مارتے ہیں، آپ نے فرمایا: جو شکار کو زخمی کر دے اس کو کھالو اور جو اس کی چوڑائی کی ضرب سے مرے، اس کو نہ کھاؤ۔

(صحیح مسلم: ۱۹۲۹، سنن ترمذی: ۱۴۶۵، سنن نسائی: ۴۲۶۵، سنن ابوداؤد: ۲۸۴۷، سنن ابن ماجہ: ۳۲۰۸، ۳۲۱۴، مسند احمد: ۱۸۸۸۲)

صحیح البخاری: ۵۴۷۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''خزق'' اور ''خسق'' کے معانی

یہ اس حدیث کی دوسری سند ہے، اس میں ارشاد ہے: ''کل ما خزق'' یعنی جو نفوذ کر جائے، کہا جاتا ہے: ''سهم خازق'' یعنی وہ تیر جو شکار میں نفوذ کر جائے، اور خسق بھی کہا جاتا ہے، یعنی جب تیر شکار کو لگ کر اس میں نفوذ کر جائے۔ اور سهم خازق اور خاسق دونوں لفظ کہے جاتے ہیں۔

علامہ ابن التین نے کہا کہ خزق کا معنی ہے: ''لاٹھی کی دھار سے شکار زخمی ہو جائے''۔ اور لغت میں خزق کا معنی زخمی کرنا ہے۔

معراض سے کیے ہوئے شکار سے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: جو لاٹھی کی چوڑائی سے مرا۔ یعنی لاٹھی کی دھار سے زخمی نہیں ہوا تو اس کو تم مت کھاؤ۔ اسی کے مطابق امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا قول ہے۔

اور شعبی اور ابن جبیر نے کہا ہے کہ وہ جانور کھایا جائے گا جب وہ جانور زخمی ہو جائے اور ذبح کی جگہ تک زخم پہنچ جائے۔

اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ امام اوزاعی، مکحول اور فقہاء شام کا مذہب یہ ہے کہ معراض نے جس جانور

کو ہلاک کر دیا اس کو کھانا جائز ہے خواہ زخمی کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

اور حضرت ابو درداء اور فضالہ بن عبید اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ اگر معراض سے کیے ہوئے شکار کو معراض کی دھار نہ لگے اور وہ زخمی نہ ہو تو وہ لاٹھی کی ضرب سے مرا ہے اور موقوذہ ہے اور قرآن مجید اور اس حدیث صحیح میں اس کے کھانے کو حرام قرار دیا ہے، لہٰذا جن بعض فقہاء نے معراض سے کیے ہوئے شکار کو مطلقاً حلال قرار دیا ہے ان کا قول ساقط الاعتبار ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۷ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے شیخ عثیمین کا المعراض اور سدھائے ہوئے کتے کے شکار کے درمیان فرق کرنا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: انہوں نے جو تمہارے لیے شکار کیا ہے، اس کو تم کھالو، میں نے پوچھا: خواہ وہ اس کو مار ڈالیں۔ آپ نے فرمایا: خواہ وہ اس کو مار ڈالیں۔ (صحیح البخاری: ۵۴۷۷)

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سدھائے ہوئے کتے کے شکار میں خون کا بہانا شرط نہیں ہے، اور کتا جب شکار کر کے اس کا گلہ گھونٹ دے اور اس کا گلہ گھونٹا ہوا لے آئے تو وہ حلال ہے، کیونکہ اس پر یہ صادق آئے گا کہ کتے نے اس کو ہلاک کیا ہے۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا: کہ معراض میں خون کا بہانا ضروری ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: جو تمہاری ضرب سے شکار زخمی ہو جائے اس کو کھالو اور جو معراض کی ضرب سے مر جائے اس کو نہ کھاؤ۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ معراض میں اور کتے کے کیے ہوئے شکار میں فرق ہے، پس معراض میں تو خون کا بہانا ضروری ہے اور کتے میں یہ شرط نہیں ہے۔ اور بعض اہلِ علم کا یہی مذہب ہے اور قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے:

فَكُلُوا مِمَّآ أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ۔ (المائدہ: ۴) سو اس (شکار) سے کھاؤ جس کو وہ (شکاری جانور) تمہارے لیے روک رکھیں۔

اور اسی طرح اس حدیث سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ ''جو خون کو بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے تو اسے کھالو'' اس میں تخصیص ہے، کیونکہ کتا جب شکار کر کے شکار کا گلہ گھونٹ کر لے آئے تو اس کے کھانے کی آپ نے اجازت دی ہے، خواہ خون نہ بہا ہو۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ کتے کے کیے ہوئے شکار میں بھی خون کا بہنا ضروری ہے، کیونکہ اگر کتے نے شکار کا گلہ گھونٹ دیا تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ پس حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو اطلاق ہے اس کو مقید کیا جائے گا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: ''جو خون کو بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اس کو کھالو'' اور اس لیے کہ اس میں زیادہ احتیاط ہے، اور جس کا خون بہہ گیا تو وہ زیادہ پاکیزہ ہے، کیونکہ مقتول کے جسم میں خون کا رکا رہنا مضر ہے، اور خون کے بہانے میں یہی حکمت ہے اور یہ قواعد کے زیادہ قریب ہے اگرچہ پہلا قول قرآن اور حدیث کے ظاہر لفظ کے زیادہ قریب ہے۔

اہلِ کتاب کے طعام کے متعلق بھی مذکور بالا تفصیل

اہلِ کتاب کے طعام کے متعلق بھی یہی تفصیل ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ اگر اہلِ کتاب نے کسی جانور کو ذبح نہیں کیا اور اس کا خون نہیں بہایا تو وہ حلال نہیں ہے۔ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اہلِ کتاب کے ذبیحہ میں بھی خون کا بہانا ضروری ہے، کیونکہ اگر انہوں نے جانور کا گلا گھونٹ دیا اور اس کا خون نہیں بہایا تو وہ ذبح نہیں ہوا۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ۔ (المائدہ:۵) اور اہلِ کتاب کا طعام تمہارے لیے حلال ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۲۴۔ ۲۲۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

مصنف کے نزدیک اہلِ کتاب کے ذبیحہ میں بھی خون کا بہنا ضروری ہے اور سدھائے ہوئے کتے کے شکار میں بھی خون کا بہنا ضروری ہے

میں کہتا ہوں: اس آیت میں اہلِ کتاب کے طعام کو مطلقاً حلال فرمایا ہے، خواہ انہوں نے اس جانور کا خون بہایا ہو اور ذبح کیا ہو یا اس کا گلا گھونٹ کر مار دیا ہو، لیکن ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ المائدہ: ۳ میں گلا گھٹ جانے والے جانور کو بھی حرام قرار دیا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ۔ (المائدہ:۳) تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس (جانور) پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، اور گلا گھٹ جانے والا۔

نیز میں کہتا ہوں کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو مذکور ہے کہ ''سدھایا ہوا کتا شکار کو ہلاک کر کے لائے تو اس کو تم کھالو'' اس سے بھی یہی مراد لینا چاہیے کہ شکاری کتے نے اس کو زخمی کر کے اس کا خون بہا دیا ہو، ورنہ اگر اس کا گلا گھٹ گیا ہو تو وہ بھی المائدہ: ۳ کی رو سے حرام ہوگا۔ اور اس حدیث سے یہ عموم مراد لینا درست نہیں ہے کہ کتا اس کو ہلاک کر دے پھر بھی اس کو کھالو، خواہ اس کا خون بہا ہو یا نہ بہا ہو اور المعراض کی حدیث بھی اس پر قرینہ ہے اور شیخ عثیمین کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ معراض میں تو خون کا بہنا ضروری ہے ورنہ وہ موقوذہ ہے اور کتا جب ہلاک کر دے تو اس میں خون کا بہنا ضروری نہیں ہے۔ اور انہوں نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث کے اطلاق سے یہ مستنبط کیا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۴۔ بَابٌ: صَیْدِ الْقَوْسِ تیر کمان کے ساتھ شکار کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں کمان کے ساتھ شکار کا حکم بیان کیا گیا ہے، القوس کا لفظ مذکر بھی استعمال ہوتا ہے اور مؤنث بھی۔ جو اس کو مؤنث

استعمال کریں وہ کہتے ہیں: اس کی تصغیر "قُوَیْسَۃ" ہے اور جو اس کو مذکر استعمال کریں وہ کہتے ہیں: اس کی تصغیر "قویس" ہے اور اس کی جمع قسی، اقواس اور قیاس ہے۔ اور قوس آسمان کے ایک برج کا بھی نام ہے، اور اس کا معنی ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ اندازہ کرنا بھی ہے۔ کہا جاتا ہے: "قس الشیء بغیرہ"

باب مذکور کی تعلیق

وَقَالَ الْحَسَنُ وَإِبْرَاهِيمُ إِذَا ضَرَبَ صَيْدًا فَبَانَ مِنْهُ يَدٌ أَوْ رِجْلٌ لَا تَأْكُلِ الَّذِي بَانَ وَكُلْ سَائِرَهُ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ إِذَا ضَرَبْتَ عُنُقَهُ أَوْ وَسَطَهُ فَكُلْهُ وَقَالَ الْأَعْمَشُ عَنْ زَيْدٍ اسْتَعْصَى عَلَى رَجُلٍ مِنْ آلِ عَبْدِاللهِ حِمَارٌ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَضْرِبُوهُ حَيْثُ تَيَسَّرَ دَعُوا مَا سَقَطَ مِنْهُ وَكُلُوهُ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۴۴)

حسن بصری اور ابراہیم نخعی نے کہا: جب کسی نے کسی شکار پر تیر مارا، اور اس تیر سے اس کا ہاتھ یا اس کی ٹانگ کٹ کر جدا ہوگئی، تو جو عضو کٹ کر جدا ہوگیا ہے اس کو نہ کھاؤ اور باقی کو کھالو۔ اور ابراہیم النخعی نے کہا: جب تم نے اس کی گردن پر تیر مارا یا اس کی کمر پر تیر مارا تو اس کو کھالو۔ اور الاعمش نے کہا از زید: کہ آل عبداللہ کے کسی مرد کا جنگلی گدھا بھڑک گیا، تو اس نے انہیں حکم دیا کہ اس جنگلی گدھے کے جسم کے جس حصہ پر ضرب لگانا میسر ہو، وہ ضرب لگاؤ اور اس کے جسم کا جو حصہ کٹ کر گر جائے اس کو چھوڑ دو اور بقیہ کو کھالو۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں حسن بصری اور ابراہیم نخعی کا جو قول ذکر کیا گیا ہے، اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس باب میں اس قول کو ذکر کرنے کی کوئی مناسبت نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس کی مناسبت ہے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ تیر کمان سے شکار کیا جائے اور اس سے شکار کا ہاتھ یا اس کی ٹانگ کٹ کر الگ ہو جائے۔

اور حسن بصری کے اثر کی امام ابن ابی شیبہ نے از ہشیم از یونس روایت کی ہے کہ ایک مرد نے کسی شکار پر ضرب لگائی، پس اس نے اس کے ہاتھ یا ٹانگ کو الگ کر دیا اور وہ ابھی زندہ تھا، پھر مر گیا تو اس کو تم کھالو اور جو اس کا حصہ اس سے کٹ کر الگ ہوگیا ہے، اس کو نہ کھاؤ، سوائے اس کے کہ تم اس کو ضرب لگاؤ اور وہ اسی وقت مر جائے۔ پس اس صورت میں تم اس پورے شکار کو کھا سکتے ہو۔

اور کتاب الاشراف میں حسن بصری سے اس کے خلاف منقول ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ جب تم شکار کو ضرب لگاؤ تو پورا شکار کھالو، جو کٹ کر الگ ہوگیا اس کو بھی کھالو اور جو باقی ہے اس کو بھی کھالو۔

اور ابراہیم نخعی کے اثر کی بھی امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا: ہمیں ابوبکر بن عیاش نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم از علقمہ، انہوں نے کہا: جب کوئی مرد شکار پر ضرب لگائے اور اس کا ایک عضو کٹ کر گر جائے تو جو عضو کٹ کر گر گیا اس کو چھوڑ دے اور باقی کو کھالے۔ اور جب ابراہیم نے اس اثر کی روایت کی اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تو وہ گویا اس سے راضی ہوگئے۔

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ابراہیم نخعی نے کہا: ''جب تم اس کی گردن پر ضرب لگاؤ یا اس کی پیٹھ پر ضرب لگاؤ تو اس کو کھالو''۔
اس کے بعد اس تعلیق میں مذکور ہے کہ'' آلِ عبداللہ کے کسی مرد کا جنگلی گدھا بھڑک اٹھا تو اس نے انہیں حکم دیا کہ جہاں ہو سکے اس پر ضرب لگاؤ اور جو گر گیا ہے اس کو چھوڑ دو اور باقی کو کھالو''۔

الاعمش، زید اور آلِ عبداللہ کا مصداق

الاعمش کا نام سلیمان ہے اور انہوں نے زید سے روایت کی ہے اور اس سے مراد زید بن وہب ہیں۔ اور اس میں آلِ عبداللہ کا ذکر ہے اور اس سے مراد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی آل ہیں۔ اور اس تعلیق کی امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے از عیسیٰ بن یونس از الاعمش از زید بن وہب سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد نے کسی جنگلی گدھے کے اوپر ضرب لگائی اور اس کو کاٹا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو کٹ کر گر گیا ہے اس کو چھوڑ دو اور باقی حصے کو ذبح کر کے اس کو کھالو۔ اور امام ابن ابی شیبہ نے اس قول کی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بھی از الحارث روایت کی ہے۔

جب شکار پر ضرب سے اس کا کچھ حصہ کٹ کر الگ ہو جائے، اس کے متعلق فقہاءِ اسلام کے نظریات

اور علامہ ابراہیم بن المنذر نے اس کی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے اور قتادہ سے اور عطاء سے روایت کی ہے کہ جو عضو کٹ کر گر گیا ہے اس کو نہ کھاؤ اور شکار کو ذبح کر کے اس کو کھالو۔ اور اگر ضرب لگاتے ہی وہ شکار مر گیا تو پھر اس پورے شکار کو کھالو۔ قتادہ، ابوثور اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب ضرب لگاتے ہی وہ مر جائے اور زندہ نہ رہے تو پھر اس کو کھالو۔ اور تمہید میں مذکور ہے کہ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ اگر اس کا کوئی عضو کٹ گیا تو وہ عضو نہیں کھایا جائے گا اور باقی کھایا جائے گا۔ اور امام شافعی نے کہا: اگر اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور ایک ٹکڑا چھوٹا ہے اور دوسرا بڑا ہے تو جب وہ ضرب سے مر جائے تو کھالیا جائے گا۔ اور امام ابوحنیفہ اور الثوری نے کہا کہ جب اس کے دو ٹکڑے ہو گئے تو وہ پورا کھالیا جائے گا اور اگر اس کا ایک تہائی کٹا ہے تو اگر وہ ایک تہائی سر کے قریب ہے تو پورا کھالیا جائے گا اور اگر وہ ایک تہائی دھڑ کے قریب ہے تو جو سر کے قریب ہے اس کو کھالیا جائے گا اور جو دھڑ کے قریب ہے اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۲۔ ۱۴۱، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۷۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي رَبِيعَةُ بْنُ يَزِيدَ الدِّمَشْقِيُّ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ إِنَّا بِأَرْضِ قَوْمٍ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أَفَنَأْكُلُ فِي آنِيَتِهِمْ وَبِأَرْضِ صَيْدٍ أَصِيدُ بِقَوْسِي وَبِكَلْبِي الَّذِي لَيْسَ بِمُعَلَّمٍ وَبِكَلْبِي الْمُعَلَّمِ فَمَا يَصْلُحُ لِي قَالَ أَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَإِنْ وَجَدْتُمْ غَيْرَهَا فَلَا تَأْكُلُوا فِيهَا وَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَاغْسِلُوهَا وَكُلُوا فِيهَا وَمَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یزید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حیوۃ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ربیعہ بن یزید الدمشقی نے خبر دی از ابی ادریس از حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! ہم اہلِ کتاب کی ایک قوم کے پاس ہوتے ہیں، کیا ہم ان کے برتنوں میں کھالیں؟ اور ہم شکار کی سرزمین میں ہوتے ہیں، میں اپنے تیر کمان سے شکار کرتا ہوں اور اپنے اس کتے سے شکار کرتا ہوں جو سدھایا ہوا نہیں

صِدْتَ بِقَوْسِكَ فَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ فَكُلْ وَمَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ الْمُعَلَّمِ فَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ فَكُلْ وَمَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ غَيْرِ مُعَلَّمٍ فَأَدْرَكْتَ ذَكَاتَهُ فَكُلْ.

ہے اور اس کتے سے بھی شکار کرتا ہوں جو سدھایا ہوا ہے، تو ان میں سے کون سا میرے لیے جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: تم نے جو اہلِ کتاب کے برتنوں کا ذکر کیا ہے، تو اگر تمہیں ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن مل جائیں تو ان (کے برتنوں) میں تم نہ کھاؤ، (یعنی جو دوسرے برتن مل جائیں تو (ان میں کھاؤ)، اور اگر تم کو ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن نہ ملیں تو ان کے برتنوں کو دھولو اور پھر ان برتنوں میں کھاؤ اور وہ جو تم نے تیر کمان کے ساتھ شکار کا ذکر کیا ہے، تو اگر تم نے تیر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی تو کھالو۔ اور وہ جو تم نے سدھائے ہوئے کتے کے شکار کا ذکر کیا ہے، پس اگر تم نے بسم اللہ پڑھ کر تیر مارا ہے تو تم اس کو کھالو۔ اور وہ جو تم نے ذکر کیا ہے کہ تم نے سدھائے ہوئے کتے کو نہیں چھوڑا تو اگر تم نے اس شکار کو اس حال میں پایا کہ تم اس کو ذبح کر سکتے ہو، تو اس کو کھالو۔

(صحیح البخاری: ۵۴۸۸، ۵۴۹۶، صحیح مسلم: ۱۹۳۰، سنن ترمذی: ۱۴۶۴، سنن نسائی: ۲۲۲۶، سنن ابوداؤد: ۲۸۵۵، سنن ابن ماجہ: ۳۲۰۷، مسند احمد: ۱۷۷۷۷، سنن دارمی: ۲۴۹۹)

صحیح البخاری: ۵۴۷۸، کی شرح از باب علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے "تیر کمان کے ساتھ شکار کرنا"۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرا مسئلہ تیر کمان سے شکار کے متعلق دریافت کیا تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن یزید، اس نام میں لفظ یزید کا مصدر زیادۃ ہے، اور دوسرے راوی کا ذکر ہے حیوٰۃ، ان کا نام حیوٰۃ بن شریح ہے، لفظِ شریح، شرح کی تصغیر ہے، یہ مصری ہیں۔ اور ربیعہ بن یزید دمشقی کا ذکر ہے، یہ القصیر ہیں اور ابو ادریس کا ذکر ہے جو عائذ اللہ الخولانی ہیں۔ اور ابوثعلبہ کا ذکر ہے، ثعلبہ کا لفظی معنی لومڑی ہے۔ اور الخشنی میں خشین بن النمر بن وبرہ بن ثعلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعۃ کی طرف نسبت ہے۔ ان کے اور ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے۔ اکثر نے کہا ہے کہ ان کا نام حضرت جرہم بن ناشم رضی اللہ عنہ ہے۔ اور یہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے بیعت کی تھی، اور یہ پچھتر (۷۵ھ) میں فوت ہو گئے تھے۔

بعض مشکل الفاظ اور مبہم عبارات کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم ایسی قوم کی زمین میں ہیں جو اہلِ کتاب ہے، یعنی وہ شام کے علاقے میں تھے اور عرب کے قبیلوں کی ایک جماعت نے شام میں رہائش اختیار کی اور وہ عیسائی ہو گئے، ان میں سے آلِ غسان، تنوخ اور بھراء وغیرہ ہیں۔ اور انہی میں سے بنوخشین ہیں جو آلِ ابوثعلبہ میں سے ہیں۔

اس حدیث میں ''آنیتهم'' کا ذکر ہے۔ لفظِ آنیة، اِناء کی جمع ہے۔ اور اناء کا معنی ہے پانی کا برتن۔ اس کی جمع قلت آنیة ہے اور جمع کثرت اوانی ہے۔ اور اس کی نظیر سوار، اسورة اور اساور ہے۔

اہلِ کتاب کے استعمال شدہ برتنوں کا فقہی حکم

حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مسئلے پوچھے تھے۔ پہلا مسئلہ اہلِ کتاب کے برتنوں کے استعمال کے متعلق تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ جواب دیا کہ اگر تمہیں ان کے برتنوں کے سوا دوسرے برتن مل جائیں تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ، ورنہ ان کے برتنوں کو دھو کر ان میں کھالو۔

اس تفصیل کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اہلِ کتاب کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن مل جائیں تو ان کے برتنوں کو استعمال کرنا مکروہ ہے، حالانکہ فقہاء نے کہا ہے کہ اہلِ کتاب کے برتنوں کو دھونے کے بعد بلا کراہت استعمال کرنا جائز ہے، خواہ ان برتنوں کے سوا دوسرے برتن ملیں یا نہ ملیں۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ان برتنوں کے استعمال کرنے سے منع کرنا ہے، جن برتنوں میں اہلِ کتاب خنزیروں کا گوشت پکاتے ہیں اور ان برتنوں میں شراب پیتے ہیں۔ اور ان برتنوں کو دھونے کے بعد جو ان کو استعمال سے منع فرمایا، کیونکہ ان برتنوں سے گھن آتی ہے اور اس لیے کہ وہ برتن نجاست کے لیے بنائے گئے تھے۔ اور فقہاء کی مراد یہ ہے کہ کفار کے برتن بالعموم نجاسات میں استعمال نہیں ہوتے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اس میں تحقیق یہ ہے کہ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ظاہر کو اصل کے اوپر ترجیح دی، کیونکہ اہلِ کتاب اور مجوس کے برتنوں میں اصل طہارت ہے، اس کے باوجود ان کے برتنوں کو دھونے کا حکم دیا گیا جب کہ دوسرے برتن میسر نہ ہوں اور صحیح یہ ہے کہ حکم اصل پر لگایا جاتا ہے حتیٰ کہ نجاست متحقق ہو جائے۔ پھر اس حدیث کے جواب کی ضرورت ہوگی تو اس کے دو جواب دیے گئے ہیں:

(۱) اس حدیث میں جو اہلِ کتاب کے برتنوں کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے، وہ احتیاط اور استحباب پر محمول ہے۔

(۲) اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جب ان برتنوں میں نجاست متحقق ہو، تو پھر ان کو دھونے کا حکم دیا جائے گا۔ اور اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے کہ:

امام ابوداؤد حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم اہلِ کتاب کے قریب رہتے ہیں اور وہ اپنی پتیلیوں میں

خنزیر کا گوشت پکاتے ہیں، اور ان برتنوں میں خمر پیتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم ان برتنوں کے علاوہ دوسرے برتنوں کو پالو تو ان برتنوں میں کھاؤ اور پیو۔ اور اگر تمہیں دوسرے برتن میسر نہ ہوں تو ان برتنوں کو پانی کے ساتھ دھولو اور پھر ان میں کھاؤ اور پیو۔

تیر کمان سے شکار اور سدھائے ہوئے اور غیر سدھائے ہوئے کتوں سے شکار کا بیان

حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ نے جو دوسرا مسئلہ پوچھا، وہ تیر کمان سے شکار اور سدھائے ہوئے اور غیر سدھائے ہوئے کتوں سے متعلق تھا۔ اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور سے مستنبط پانچ فوائد

اس حدیث سے چند احکام معلوم اور مستفاد ہوتے ہیں:

(۱) تیر کمان سے شکار کرنا جائز ہے، جب تیر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی جائے۔

سنن ابوداؤد میں از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت ہے کہ ایک اعرابی جن کو ابوثعلبہ کہا جاتا تھا، انہوں نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پاس سدھائے ہوئے کتے ہیں۔ الحدیث۔ اور اس حدیث میں ہے کہ میں تیر کمان سے شکار کرتا ہوں، تو آپ نے فرمایا: تمہارا تیر جو شکار تم پر لوٹائے اسے کھالو، خواہ وہ مذبوح ہو یا غیر مذبوح ہو۔ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اگر وہ شکار مجھ سے غائب ہو جائے؟ تو آپ نے فرمایا: اگر وہ شکار تم سے غائب ہو جائے تو جب تک اس میں تمہارے تیر کے علاوہ کسی اور تیر کا اثر نہ پایا جائے تو تم اس کو کھالو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یعنی جب تک وہ شکار بدبودار نہ ہو جائے، اس کو کھالو۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شکار کے لیے بسم اللہ کا پڑھنا ضروری ہے، اور اس کے مباحث عنقریب گزر چکے ہیں۔

(۳) شکاری کتے کے لیے ضروری ہے کہ وہ سدھایا ہوا ہو۔ پس جب کسی نے سدھائے ہوئے شکاری کتے کے ساتھ شکار کیا اور کتا چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی، تو اس کا لایا ہوا شکار کھایا جائے گا۔ اور جب اس نے غیر سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑا تو اگر اس کو ذبح کرنے کا موقع مل گیا تو اس کو ذبح کر کے کھایا جائے گا اور اگر وہ شکار مر چکا تھا تو پھر نہیں کھایا جائے گا۔

(۴) حدیث میں کتے کا ذکر مطلقاً ہے جو ہر رنگ کے کتے کو شامل ہے، خواہ وہ سفید ہو یا سیاہ ہو یا سرخ ہو۔ وہ جس رنگ کا بھی کتا ہو تو اگر وہ سدھایا ہوا ہے تو اس کا شکار حلال ہوگا۔ اور اس حدیث کے عموم میں امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کے خلاف حجت ہے، جو کہتے ہیں کہ سیاہ کتے سے کیا ہوا شکار جائز نہیں ہے خواہ وہ سدھایا ہوا ہو۔

(۵) اس حدیث میں دو شرطیں بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ وہ شکاری کتا سدھایا ہوا ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھی جائے۔ پس جب اس نے غیر سدھایا ہوا کتا چھوڑا یا سدھایا ہوا کتا بغیر بسم اللہ کے چھوڑا یا کوئی اور کتا شامل ہو گیا جس کو اس نے نہیں بھیجا تھا تو ان کا شکار جائز نہیں ہے، سوا اس صورت کے کہ جب وہ شکاری کتا جانور کو پکڑ کر لائے تو اس میں ابھی زندگی ہو اور پھر اس کو ذبح کر کے کھایا جائے تو وہ حلال ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۳۔۱۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۸، کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کہ اگر تم کو اہلِ کتاب کے برتنوں کے علاوہ برتن مل جائے تو ان کے برتن میں نہ کھاؤ، کیونکہ یہ برتن نجس ہیں خواہ ان کو دھویا جائے۔ اور فرمایا کہ اگر تم کو ان کے برتنوں کے علاوہ کوئی اور برتن نہ ملے تو ان کو دھولو اور ان میں کھالو، یہ ممانعت کے بعد رخصت ہے۔ اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جو ظن غالب ہو، وہ اس ظن پر راجح ہے جو اصل سے مستفاد ہو اور جس نے یہ کہا کہ حکم اصل کے مطابق ہوتا ہے حتیٰ کہ نجاست متحقق ہو جائے، اس نے یہ کہا کہ اس حدیث میں دھونے کا حکم احتیاط اور استحباب پر محمول ہے۔ رہے فقہاء تو وہ کہتے ہیں کہ کفار کے ان برتنوں کو استعمال کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے جن کو نجاست میں استعمال نہیں کیا جاتا۔ اور اگر ان کے نزدیک ان برتنوں کو نہ دھویا جائے تب بھی اولیٰ یہ ہے کہ احتیاط کی بناء پر ان برتنوں کو دھونا چاہیے نہ اس وجہ سے کہ اگر نہ دھویا جائے تو ان کو استعمال کرنا مکروہ ہوگا۔

اور اس حدیث میں تیر کمان کے ساتھ شکار کرنے کا بیان ہے اور تیر چھوڑنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم بہ طور استحباب ہے۔ بعض فقہاء نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم نے شکار چھوڑنے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لی ہے تو کھالو، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شکار چھوڑنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۲۷۲، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۸، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اہلِ کتاب کا ذکر ہے، اس سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں، کیونکہ وہ مشرکوں اور بت پرستوں سے مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۖ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ (المائدہ:۵) اور اہلِ کتاب کا طعام تمہارے لیے حلال ہے۔ اور تمہارا طعام ان کے لیے حلال ہے۔

اس حدیث میں فرمایا ہے: "اذرکت ذکاتہ" یعنی تم شکار کو اس سے پہلے پالو کہ اس سے حیات نکل گئی ہو۔ اور تم اس پر اللہ کا نام لو اور اس کو ذبح کر دو تو پھر اس سے کھالو۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہود اور نصاریٰ کے برتنوں کو دھونے کے بعد ان میں کھانا اور پینا جائز ہے اور ان برتنوں میں کھانا پکانا جائز ہے۔

(۲) اولیٰ یہ ہے کہ ان کے برتنوں کو استعمال نہ کیا جائے، جب مسلمان کو دوسرے برتن میسر ہوں، کیونکہ یہود و نصاریٰ ان برتنوں میں خنزیر کا گوشت پکاتے ہیں اور ان برتنوں میں خمر پیتے ہیں۔ اور ان میں کھانے پینے سے گھن آتی ہے اور ان کو نجاست کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ تو جب دوسرے برتن میسر ہوں تو ان کا استعمال مکروہ ہے۔

(۳) تیر اور کمان کے ساتھ شکار کرنا جائز ہے اور سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ۔ سدھایا ہوا کتا وہ ہے جو اپنے مالک کے لیے شکار کرتا ہے، اپنے لیے شکار نہیں کرتا۔

(۴) کمان سے تیر چھوڑتے وقت بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہے۔ اسی طرح سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ (المائدہ:۴) اور (شکار چھوڑتے وقت) اس (شکاری جانور) پر بسم اللہ پڑھو۔

(۵) جب اس نے غیر سدھائے ہوئے کتے سے شکار کیا تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ اور سدھائے ہوئے کتے کی علامت یہ ہے کہ جب اس کو شکار پر چھوڑا جائے تو چلا جائے اور جب اس کو روکا جائے تو رک جائے۔ اور جب غیر سدھائے ہوئے کتے نے شکار کیا اور اس کا شکار زندہ ہو تو اس کو شرعی طریقہ سے ذبح کر کے کھانا جائز ہے۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۸۸۔ ۱۸۷، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۵- بَابُ: الْخَذْفِ وَالْبُنْدُقَةِ کنکر اور غلیل کی گولی مارنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں خذف کا حکم بیان کیا گیا ہے، خذف کا معنی ہے: انگلیوں سے کنکر مارنا۔ علامہ ابراہیم بن المنذر نے کہا کہ خذف یہ ہے کہ تم کنکر یا گٹھلی کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان رکھو اور پھر اس کو مارو، یا کنکر پھینکنے کا لکڑی کا آلہ ہو، اس آلہ میں کنکر رکھو اور اپنے انگوٹھے اور انگشت سبابہ سے اس کو مارو۔

اور الحذف کا معنی ہے: لاٹھی سے مارنا۔ علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ یہ پھینکنے اور مارنے دونوں میں استعمال ہوتا ہے، اور البندقۃ یہ مٹی کی خشک اور گول گولی ہوتی ہے جس کو غلیل میں رکھ کر مارا جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۷۹- حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ رَاشِدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَيَزِيدُ بْنُ هَارُونَ وَاللَّفْظُ لِيَزِيدَ عَنْ كَهْمَسِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا يَخْذِفُ فَقَالَ لَهُ لَا تَخْذِفْ فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَى عَنِ الْخَذْفِ أَوْ كَانَ يَكْرَهُ الْخَذْفَ وَقَالَ إِنَّهُ لَا يُصَادُ بِهِ صَيْدٌ وَلَا يُنْكَى بِهِ عَدُوٌّ وَلَكِنَّهَا قَدْ تَكْسِرُ السِّنَّ وَتَفْقَأُ الْعَيْنَ ثُمَّ رَآهُ بَعْدَ ذَلِكَ يَخْذِفُ فَقَالَ لَهُ أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ نَهَى عَنِ الْخَذْفِ أَوْ كَرِهَ الْخَذْفَ وَأَنْتَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یوسف بن راشد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع اور یزید بن ہارون نے حدیث بیان کی، اور حدیث کے الفاظ یزید کی روایت ہیں، از کہمس بن الحسن از عبد اللہ بن بریدہ از حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ، انہوں نے ایک مرد کو کنکر مارتے دیکھا تو انہوں نے اس سے کہا کہ کنکر نہ مارو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکر مارنے سے منع فرمایا ہے، یا آپ کنکر مارنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور آپ نے فرمایا: کنکر مار کر کوئی شکار نہیں کیا جاتا، اور نہ اس سے دشمن کو زخمی کیا جاتا ہے لیکن کنکر کبھی دانت توڑ دیتا ہے اور کبھی آنکھ

تَخْذِفُ لَا اُكَلِّمُكَ كَذَا وَكَذَا۔

چھوڑ دیتا ہے، پھر اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو کنکر مارتے دیکھا تو انہوں نے اس سے کہا: میں نے تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی تھی کہ آپ نے کنکر مارنے سے منع فرمایا ہے یا کنکر مارنے کو ناپسند فرمایا ہے اور تم کنکر مار رہے ہو؟ میں تم سے اتنے دنوں اور اتنے دنوں تک بات نہیں کروں گا۔

(صحیح مسلم: ۱۹۵۴، سنن نسائی: ۴۸۱۵، سنن ابوداؤد: ۵۲۷۰، سنن ابن ماجہ: ۳۲۲۷، مسند احمد: ۲۰۰۳۸، سنن دارمی: ۴۴۰)

صحیح البخاری: ۵۴۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور باب کے عنوان میں جو ابہام ہے اس کو حدیث نے واضح کر دیا ہے۔ کیونکہ باب میں خذف کا ذکر ہے جس کا معنی ہے: کنکر مارنا اور حدیث میں یہ واضح کر دیا کہ کنکر مارنا ممنوع ہے یا مکروہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

خذف کی تفسیر عنقریب باب میں آئے گی اور البندقۃ یعنی غلیل کی گولی معروف ہے، غلیل کی گولی مٹی سے بنا کر اس کو سکھایا جاتا ہے، پھر اس کو غلیل میں رکھ کر مارا جاتا ہے، اور اس کا کچھ بیان باب صید المعراض میں گزر چکا ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۷۶۳، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، حافظ ابن حجر عسقلانی سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے اس باب میں خذف کی تفسیر بالکل نہیں کی، امام بخاری نے صرف خذف کا حکم بیان کیا ہے کہ کسی کو کنکر مارنا ممنوع ہے یا مکروہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یوسف بن راشد کا ذکر ہے، ان کا نام یوسف بن موسیٰ بن راشد بن بلال القطان الرازی ہے۔ یہ بغداد میں آ کر رہے تھے، امام بخاری نے ان کو ان کے دادا کی طرف منسوب کیا ہے۔ دوسرے راوی وکیع ہیں، یہ ابن الجراح الکوفی ہیں۔ اس کے بعد یزید بن ہارون کا ذکر ہے، یزید کا لفظ زیادۃ سے ماخوذ ہے اور یہ ابن ہارون الواسطی ہیں جو امام احمد بن حنبل کے مشائخ میں سے ہیں۔ اور کہمس بن الحسن ابوالحسن تمیمی ہیں۔ یہ بصرہ میں آ کر بنو قیس کے ہاں ٹھہرے تھے۔ اور عبد اللہ بن بریدہ ابن خصیب الاسلمی ہیں جو مرو کے قاضی ہیں، یہ ابو سھل المروی ہیں جو سلیمان بن بریدہ کے بھائی ہیں۔ وہ بھی قاضی تھے اور ہمیشہ مرو کے قاضی رہے۔

علامہ دمیاطی نے کہا ہے کہ کہا گیا ہے کہ عبد اللہ اور سلیمان ایک سو پانچ ہجری (۱۰۵ھ) میں ایک ہی دن میں فوت ہوئے تھے

اوران دونوں کی عمر ایک سو (۱۰۰) سال تھی۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ سلیمان ان سے پہلے قاضی مقرر ہوئے تھے اور مرو میں فوت ہوئے اور اس وقت وہ عہدہ قضا پر مقرر تھے اور اس وقت ان کی عمر ایک سو پانچ سال تھی اور ان کے بھائی وہ بھی مرو میں عہدہ قضا پر فائز ہوئے اور وہ بھی مرو میں ایک سو پندرہ ہجری (۱۱۵ھ) میں فوت ہوئے، سو اس بناء پر سلیمان کی عمر نوے (۹۰) سال ہے اور عبد اللہ کی عمر ایک سو (۱۰۰) سال ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بھی بصرہ میں آ کر ٹھہرے تھے اور وہیں ان کی ساٹھ (۶۰) ہجری میں وفات ہوئی۔ اور حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

حدیث مذکور کے معانی

کنکر پھینکنے والے مرد کا مصداق اور خذف کی تفسیر اور خذف کی ممانعت کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے ایک مرد کو کنکر پھینکتے ہوئے دیکھا: اس مرد کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ انہوں نے اپنے اصحاب میں سے ایک مرد کو دیکھا۔ اور صحیح مسلم میں سعید بن جبیر نے از حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ وہ مرد حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا رشتہ دار تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یخذف": خذف کی تفسیر عنقریب گزر چکی ہے اور وہ یہ ہے کہ پتھر پھینکنے کے آلہ سے پتھر کو پھینکا جائے، (اس آلہ کو عربی میں مقلاع کہتے ہیں اور اردو میں گوپھیا اور فلاخن کہتے ہیں)۔

حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اس مرد کو پتھر پھینکنے سے منع فرمایا، کیونکہ کنکر یا پتھر کو قوت کے ساتھ پھینکا جائے اور اس میں دھار نہ ہو تو اس سے شکار ہلاک نہیں ہوتا، اور نہ دشمن زخمی ہوتا ہے، لیکن یہ پھینکا ہوا کنکر یا پتھر کسی آدمی کا دانت توڑ دیتا ہے یا اس کی آنکھ پھوڑ دیتا ہے۔

خلافِ سنت کام کرنے والے سے ترکِ تعلق کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اس مرد کو دوبارہ کنکر مارتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ میں نے تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی تھی کہ آپ نے کنکر مارنے سے منع فرمایا ہے یا اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور پھر تم کنکر مار رہے ہو، میں تم سے اتنے اتنے دن بات نہیں کروں گا۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص خلاف سنت کوئی کام کرے، اس کے ساتھ ترکِ کلام کرنا جائز ہے اور یہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترکِ تعلق نہ کرے، کیونکہ یہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنے نفس کے لیے ترکِ تعلق کرے اور حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اس مرد کے خلاف سنت کام کرنے کی وجہ سے فرمایا تھا کہ میں تم سے اتنے اتنے دن بات نہیں کروں گا۔

غلیل کی گولی سے شکار کرنے کی تحقیق

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی برائی کو بدلنا چاہیے اور غلیل کے ساتھ کنکر یا پتھر یا غلیل کی گولی رکھ کر مارنا درست نہیں ہے اور اگر اس سے کوئی جانور ہلاک ہوجائے تو وہ حلال نہیں ہے سوا اس صورت کے کہ وہ غلیل کی گولی لگنے کے باوجود زندہ ہو تو پھر اس کو

ذبح کرلیا جائے تو اس وقت وہ حلال ہو جائے گا۔

ابو الفتح القشیری نے کہا ہے کہ بعض متقدمین شافعیہ سے منقول ہے کہ غلیل کے ساتھ شکار کرنا ممنوع ہے یا تحریماً یا تنزیہاً۔ اور بعض متاخرین سے اس کا جواز منقول ہے اور جواز پر اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے جس میں مذکور ہے کہ جو سدھایا ہوا کتا نہ ہو، اس کے ساتھ بھی شکار کرنا جائز ہے، بشرطیکہ شکار زندہ ہو اور اس کو ذبح کرلیا جائے۔

مفہوم مخالف سے استدلال کا غیر معتبر ہونا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ کنکر سے نہ دشمن زخمی ہوتا ہے اور نہ شکار ہوتا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ اگر کنکر سے دشمن زخمی ہو جائے اور شکار ہلاک ہو جائے تو پھر وہ منع نہیں ہے، کیونکہ ممانعت کی علت زائل ہوگئی اور یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک یہ حجت نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۴۔۱۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۹ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحابہ کرام کا تقویٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا

اس حدیث میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خدا خوفی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت تعظیم کا بیان ہے، کیونکہ کنکر مارنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تو حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے کنکر مارنے سے منع فرمایا، کیونکہ جو انسان متقی ہو اور جب اس سے کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام سے منع فرمایا ہے تو وہ اس سے رک جاتا ہے۔ اگر وہ کام حرام ہوگا تو اس کو حرام کے ترک کرنے کا اجر و ثواب ملے گا اور اگر وہ کام مکروہ ہوگا تو اس کو مکروہ کام کے ترک کرنے پر اجر و ثواب ملے گا۔ اور حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ ایک مرد ان سے حدیث سننے کے باوجود کنکر مار رہا تھا تو انہوں نے ایک مدتِ معینہ تک اس سے ترکِ کلام کردیا۔

جس کام میں نفع نہ ہو یا اس کام میں ضرر زیادہ ہو تو شریعت میں وہ کام ممنوع ہے

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس کام کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ ہو یا اس کام میں کوئی نفع نہ ہو تو شارع علیہ السلام اس سے منع فرما دیتے ہیں، کیونکہ آپ نے فرمایا: کہ کنکر مارنے سے نہ دشمن زخمی ہوتا ہے اور نہ شکار ہوتا ہے، یہ کسی کی آنکھ پھوڑ دیتا ہے یا دانت توڑ دیتا ہے، تو یہ فعل عبث ہے اور اس میں نقصان زیادہ ہے، اس لیے آپ نے اس سے منع فرما دیا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۲۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۷۹، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض الفاظ کی شرح

خذف: اس کا معنی ہے: انگلیوں سے کنکر مارنا یا کسی آلہ میں کنکر رکھ کر اس آلہ سے کنکر کو ہدف اور نشانہ کی طرف پھینکا جائے۔

اس آلہ کو المقلاع کہتے ہیں۔

لا ینکا بہ: یعنی کنکر سے دشمن تک درد اور تکلیف نہیں پہنچتی۔ یہ دانت توڑ دیتا ہے یا آنکھ پھوڑ دیتا ہے اور اس حدیث سے غرض یہ ہے کہ کنکر مارنے سے شکار نہیں ہوتا، یہ انسان اور بشر کو تکلیف پہنچاتا ہے کیونکہ ان کی آنکھ پھوڑ دیتا ہے یا ان کے بعض اعضاء کو توڑ دیتا ہے، مثلاً دانت کو یا ناک کو یا کان کو، اس لیے شارع علیہ السلام نے کنکر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کنکر پھینک کر مارنا ممنوع ہے، کیونکہ اس سے شکار ہلاک نہیں ہوتا، یہ لوگوں کو ایذاء پہنچاتا ہے۔

(۲) غلیل کی گولی سے جو شکار کیا جائے تو اس کی دھار سے شکار ہلاک نہیں ہوتا، اس کی چوٹ سے ہلاک ہوگا، تو یہ موقوذہ ہے۔ اور اس سے کیے ہوئے شکار کو کھانا حلال نہیں ہے۔

(۳) ہر وہ چیز جس کی دھار سے شکار ہلاک نہ ہو، اس سے شکار کرنا جائز نہیں ہے جیسے پتھر اور لکڑی وغیرہ، کیونکہ شکار کو مارنے سے مقصود ہے اس کا خون بہانا اور یہ پتھر یا لکڑی اپنے وزن اور ثقل سے اور پھینکنے والے کی قوت سے شکار کو ہلاک کرتا ہے نہ کہ پتھر یا لکڑی کی دھار سے۔

(۴) جو شخص احکامِ شرع کی خلاف ورزی کرے، اس سے ترکِ تعلق کرنا اور ترکِ کلام کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ وہ مرد حدیث کی ممانعت سننے کے باوجود پتھر مار رہا تھا تو انہوں نے کہا: میں تم سے بات نہیں کروں گا۔ اور یہ اس میں داخل نہیں ہے کہ جب کوئی انسان اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے، کیونکہ جو شخص احکامِ شرع کے خلاف کام کرے، اس کو زجر و توبیخ کرنا اور اس سے ترکِ کلام کرنا جائز ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ — اور نیک کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں۔

(آل عمران: ۱۰۴)

(۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلیل کی گولی سے شکار کرنا ممنوع ہے۔ اگر غلیل کی گولی سے شکار مر گیا تو وہ حلال نہیں ہوگا، سوا اس صورت کے کہ شکار کو زندہ پا کر اس کو ذبح کر لیا جائے، تو اب اس کا کھانا حلال ہے۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۸۸۔ ۱۸۹، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۶۔ بَابُ: مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا لَيْسَ بِكَلْبِ صَيْدٍ أَوْ مَاشِيَةٍ

اس کا بیان کہ جس نے ایسا کتا رکھا جو نہ شکار کے لیے تھا اور نہ مویشیوں کی حفاظت کے لیے تھا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں "اقتنی" کا ذکر ہے۔ یہ اقتناء سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے رکھنا، ذخیرہ کرنا اور رکھنا اور اس عنوان میں ذکر ہے کہ وہ شکار کا کتا نہ ہو۔ یہ اس کتے کی صفت ہے اور اس باب میں ذکر ہے کہ وہ کلب ماشیہ نہ ہو۔ ماشیہ کا اطلاق

اونٹوں اور گائیوں اور بکریوں پر کیا جاتا ہے، لیکن اس کا اکثر استعمال بکریوں میں ہوتا ہے اور ماشیہ کی جمع مواشی ہے، اس باب کے عنوان میں یہ بیان نہیں کیا کہ جس نے ایسا کتا رکھا جو نہ شکار کے لیے تھا اور نہ مویشیوں کی حفاظت کے لیے تھا، اس کا حکم کیا ہے؟ سو امام بخاری نے اس حکم کے بیان کے لیے اس باب کی حدیث پر اکتفاء کر لی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۸۰۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا لَيْسَ بِكَلْبِ مَاشِيَةٍ أَوْ ضَارِيَةٍ نَقَصَ كُلَّ يَوْمٍ مِنْ عَمَلِهِ قِيرَاطَانِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن دینار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے ایسا کتا رکھا جو مویشیوں کی حفاظت کے لیے نہ تھا یا شکار کے لیے نہ تھا تو اس کے عمل سے ہر دن دو قیراط کم کر دیے جائیں گے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۸۱، ۵۴۸۲، صحیح مسلم: ۱۵۷۴، سنن ترمذی: ۱۴۸۷، سنن نسائی: ۴۲۸۷، مسند احمد: ۴۴۶۵، موطا امام مالک: ۱۸۰۸، سنن دارمی: ۲۰۰۴)

صحیح البخاری: ۵۴۸۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان کا دوسرا جز ہے: "او ماشیة": یعنی وہ کتا مویشیوں کی حفاظت کے لیے نہ ہو۔ اس کا اس حدیث میں صراحۃً ذکر ہے، تو عنوان کے دوسرے جز کے ساتھ حدیث کی مطابقت واضح ہے۔

رہا عنوان کا پہلا جز، وہ یہ ہے کہ "وہ کتا شکار کے لیے نہ ہو": تو اس حدیث میں ذکر ہے "او ضاریة": ضاریة کا معنی ہے: کتے کو شکار کا عادی بنانا۔ اور اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ وہ کتا شکار کے لیے نہ ہو۔ تو اس کو رکھنے یا پالنے کا حکم کیا ہے؟

اس حدیث میں دو قیراط کا ذکر ہے اور ایک اور حدیث میں ایک قیراط کا ذکر ہے، ان میں تطبیق

ایک حدیث میں ذکر ہے کہ جس نے ایسا کتا رکھا جو نہ شکار کے لیے ہو اور نہ مویشیوں کی حفاظت کے لیے ہو، اس کے نیک اعمال میں سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔ اور یہاں اس حدیث میں ہے کہ اس کے نیک اعمال میں سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ دو قیراط کا ذکر تغلیظ کے لیے ہے، کیونکہ لوگوں کو اس سے منع کیا گیا اور وہ نہیں مانے تو پھر فرمایا کہ جو ایسا کتا رکھیں گے تو ان کے نیک اعمال میں سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔ اور تغلیظ میں ایک قیراط کی جگہ دو قیراط کا ذکر کر دیا۔

اس کا بیان کہ اس کی کن نیکیوں میں سے ایک قیراط روز کم ہوگا اور قیراط کی مقدار

علامہ ابن الملقن نے اپنی شرح التوضیح میں لکھا ہے کہ ایک قیراط اس کے گزشتہ اعمال میں سے کم ہوگا یا آئندہ اعمال میں سے کم ہوگا یا ایک قیراط دن کے اعمال میں سے کم ہوگا اور ایک قیراط رات کے اعمال میں سے کم ہوگا۔ یا ایک قیراط فرائض میں سے کم ہوگا یا ایک قیراط اس کے نوافل میں سے کم ہوگا۔ اس کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ اور قیراط کا وزن نصف دانق یعنی نصف دمڑی کے برابر ہے۔ اور اس سے مراد وہ مقدار ہے جو اللہ عزوجل کے نزدیک معلوم ہے یعنی اس کے عمل میں سے دو جزء ہر روز کم کردیے جائیں گے جب تک کہ وہ ایسے کتے کے رکھنے کو ترک نہیں کرے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۸۰، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں کلباً ضاریاً کا ذکر ہے، یعنی جس کتے کو شکار کرنے کا عادی بنایا گیا ہو۔ اور اس حدیث میں قیراطان کا ذکر ہے، قیراط اصل میں نصف دینار کو کہتے ہیں اور یہاں اس سے مراد ہے: اس کے عمل صالح کی ایک مقدار۔

اور یہ جو ارشاد ہے کہ اس کے نیک اعمال میں سے دو قیراط روز کم کردیے جائیں گے، یہ تغلیظ کے لیے ہے اور اس سے مقصود کتوں کو گھروں اور مکانوں میں رکھنے سے منع کرنا ہے۔

گھروں اور مکانوں میں کتوں کو رکھنے کی مذمت

جن لوگوں کے ذوق فاسد ہوتے ہیں اور ان کی عقول سافلہ ہوتی ہیں، وہ اپنے گھروں میں اور مکانوں میں کتوں کو رکھتے ہیں۔ کیونکہ کتا قبیح المنظر ہے، وہ اپنا منہ کھولتا ہے اور زبان باہر نکالتا ہے اور اس کی صورت ایسی ہوتی ہے جیسے وہ ہانپ رہا ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ (الاعراف: ۱۷۶)

سو اس کی مثال اس کتے کی طرح ہے کہ اگر تم اس پر حملہ کرو تب بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے یا چھوڑ دو پھر بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے۔

اور یہ مثال ان انتہائی قبیح مثالوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے بیان فرمایا ہے جو علم اور معرفت کے باوجود ہدایت کے راستہ کو گم کردیں اور دنیا کو ترجیح دیں اور ظالم حکام کی خواہشوں کی پیروی کریں تو وہ اسفل سافلین میں گر جاتے ہیں۔ یعنی ان کی مثال خسیس ہونے میں اور گھٹیا ہونے میں کتے کی طرح ہے، تم اس کو جھڑکو یا بھگاؤ یا دوڑاؤ تو اپنی زبان باہر نکالتے ہیں اور اگر ان کو چھوڑ دو تو پھر بھی زبان باہر نکالتے ہیں۔

اور جب کتے کا کھانا حرام ہے، تو اس کا لعاب بھی حرام ہے جو اس کے گوشت سے پیدا ہوتا ہے، کیونکہ کتے کا لعاب نجس ہے، پس جب کتا اپنی زبان اور لعاب سے کسی شخص کو چاٹے تو اس پر واجب ہے کہ اس کپڑے کو پاک کرے جہاں پر کتے کا لعاب لگ گیا ہے، اس لیے اسلام نے کتے کے پالنے کو منع فرمایا ہے، کیونکہ کتے کو پالنے سے طہارت خطرے میں پڑ جاتی ہے اور کتے کے لعاب سے کئی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، اسی لیے حدیث میں ہے کہ جب کتا تمہارے برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو سات دفعہ دھوؤ

اور ایک دفعہ مٹی سے صاف کرو۔

اور تعجب ہے کہ غیر مسلم لوگ کتے کے پالنے میں بہت توجہ کرتے ہیں اور کتوں کو اپنے گھروں میں داخل کرتے ہیں اور کتوں کے ساتھ اپنے بیٹوں کا معاملہ کرتے ہیں اور بسا اوقات ان کو اپنے دسترخوان پر بٹھا کر ساتھ کھلاتے ہیں اور ان کو اپنے بستروں پر سلاتے ہیں۔ اور اس چیز سے دہشت اور حیرت پیدا ہوتی ہے کہ وہ کتوں کی کیوں اتنی تعظیم کرتے ہیں اور کیوں اس کا اہتمام کرتے ہیں، شاید کہ یہ ان کی حیوانی مٹی کا ثمرہ ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "ہر چیز اپنی جنس کی طرف میلان کرتی ہے"۔

اور اسلام نے کتوں کے پالنے کو حرام قرار دیا اور اس سے ان کتوں کو مستثنیٰ فرمادیا جو شکار کے لیے ہوں یا کھیتوں کی حفاظت کے لیے ہوں یا بکریوں کی حفاظت کے لیے ہوں اور جب اس نے ان مصلحتوں کے بغیر کتے کو پالا تو اس کے نیک اعمال میں سے ہر روز دو قیراط اجر کم ہوتے رہیں گے۔ اور یہ سخت نقصان ہے، عقلمند مسلمان کو چاہیے کہ وہ بغیر کسی ضرورت کے کتوں کو نہ پالے۔ اور اس کے مقابلہ میں وہ حدیث ہے کہ جس نے نماز جنازہ پڑھی اور دفن تک ساتھ رہا تو اس کو دو قیراط اجر ملے گا اور ہر قیراط پہاڑ کے برابر ہے اور مقصود یہ ہے کہ کتوں کے پالنے سے احتراز اور اجتناب کیا جائے۔ سوائے شکاری کتوں کے یا مویشیوں کی حفاظت کے کتوں کے۔ (الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر والئالی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۹۰، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۵۴۸۱- حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ قَالَ سَمِعْتُ سَالِمًا يَقُولُ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا إِلَّا كَلْبًا ضَارِيًا لِصَيْدٍ أَوْ كَلْبَ مَاشِيَةٍ فَإِنَّهُ يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطَانِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں المکی بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حنظلہ بن ابی سفیان نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے سالم سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے کتا رکھا سوا اس کتے کے جو شکار کرنے کے لیے ہو یا مویشیوں کی حفاظت کے لیے ہو تو اس کے اجر سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۸۱، ۵۴۸۲، صحیح مسلم: ۱۵۷۴، سنن ترمذی: ۱۴۸۷، سنن نسائی: ۴۲۸۷، مسند احمد: ۴۴۶۵، موطا امام مالک: ۱۸۰۸، سنن دارمی: ۲۰۰۴)

صحیح البخاری: ۵۴۸۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

یہ اس حدیث کی دوسری سند ہے، امام بخاری نے اس حدیث کو المکی بن ابراہیم سے روایت کیا ہے۔ ان کا پورا نام ہے: مکی بن ابراہیم البلخی۔ علامہ کرمانی نے کہا کہ یہ مکہ مشرفہ کی طرف منسوب ہیں۔ اور واقع میں ایسا نہیں ہے بلکہ یہ ان کا علم ہے۔ یہ حنظلہ بن ابی سفیان الجمحی سے روایت کرتے ہیں۔ اور ابو سفیان کا نام الاسود بن عبد الرحمٰن ہے۔ ان کی ایک سو اکیاون (۱۵۱ھ) میں وفات

ہوگئی تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں کلبِ ضار کا ذکر ہے۔اس ترکیب میں موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے جیسے شجرالاراک میں ہے۔

ایسے کتے کو رکھنے سے نیکیوں کے اجر میں کمی کی توجیہ

اس میں اختلاف ہے کہ جو کتا نہ شکار کے لیے ہو اور نہ مویشیوں کی حفاظت کے لیے ہو، اس کے رکھنے سے اجر میں کس وجہ سے کمی ہوگی؟

ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ فرشتے اس کے گھر میں داخل ہونے سے رک جاتے ہیں۔دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ کتا گزرنے والوں کو ایذاء پہنچاتا ہے۔تیسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر گھر والا غافل ہو تو وہ کتا برتن میں منہ ڈال دیتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۶۔۱۴۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۸۲۔حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ أَوْ ضَارِيًا نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطَانِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایسا کتا رکھا جو نہ تو مویشیوں کی حفاظت کے لیے تھا نہ شکار کے لیے تھا تو اس کے عمل سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۸۱، ۵۴۸۲، صحیح مسلم: ۱۵۷۴، سنن ترمذی: ۱۴۸۷، سنن نسائی: ۴۲۸۷، مسند احمد: ۴۴۶۵، موطا امام مالک: ۱۸۰۸، سنن دارمی: ۲۰۰۴)

اس حدیث کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۴۸۰، ۵۴۸۱، ۵۴۸۲، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ کتوں کو رکھنا اور پالنا جائز نہیں ہے۔اور اس کی دلیل یہ ہے کہ کتوں کے رکھنے اور پالنے سے ہر روز اس کے ثواب سے دو قیراط اجر کم ہو جائے گا۔اور یہ بھی حقیقت میں سزا ہے، کیونکہ سزا میں یا تو انسان کو درد اور تکلیف ہوتی ہے اور یا وہ ثواب سے محروم ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کتوں کو رکھنا اور پالنا حرام ہے۔اور اس سے ان لوگوں کی جہالت معلوم ہوتی ہے جو بلاضرورت کتوں کے رکھنے اور پالنے میں کفار کی تقلید کرتے ہیں اور ان کے مذہب پر عمل کرتے ہیں۔اور یہ نہیں جانتے کہ کتا جو ہے تمام حیوانات میں سب سے زیادہ خبیث جانور ہے، کیونکہ اس کی نجاست سات دفعہ دھوئے بغیر پاک نہیں ہوتی جب کہ آٹھویں دفعہ مٹی سے صاف کیا جائے۔اور جب کہ کفار خود خبیث ہیں، اس لیے خبیث جانور کو رکھتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ۔ (النور:۲۶) بری باتیں برے لوگوں کے لیے ہیں اور برے لوگ بری باتوں کے لیے ہیں۔

اس لیے ہم کہتے ہیں کہ جب ہم کو معلوم ہو کہ لوگوں میں سے کوئی شخص بغیر ضرورت کے کتا پالتا ہے یا رکھتا ہے تو ہم اس کو تنبیہ کریں کہ یہ فعل حرام ہے اور اس فعل سے اس کے اجر میں سے ہر روز دو قیراط کم ہو جائیں گے اور ایک سال کے اندر تین سو چون (۳۵۴) دن ہیں، تو ایک سال میں سات سو اسی (۷۸۰) قیراط کا اجر اس کے اجور میں سے کم ہو جائے گا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا قیراط کے متعلق، جب آپ نے یہ فرمایا: جو جنازے کے ساتھ گیا حتیٰ کہ اس پر نماز پڑھی گئی تو اس کو ایک قیراط اجر ملے گا اور جو جنازے کے ساتھ رہا یہاں تک کہ جنازہ کو دفن کیا گیا تو اس کو دو قیراط اجر ملیں گے، آپ سے پوچھا گیا کہ یہ دو قیراط کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: دو بڑے پہاڑ ہیں، ان میں سے چھوٹا پہاڑ احد پہاڑ جتنا ہے، تو ہر روز اس کے اجر میں سے دو بڑے پہاڑ جتنے اجر کم ہو جائیں گے اور یہ عظیم سزا ہے۔ العیاذ باللہ!

شیخ عثیمین کا اجر میں کمی کی صورت میں بھی قیراط کو بڑے پہاڑ پر محمول کرنا اور مصنف کا اس پر مواخذہ

میں کہتا ہوں: کہ دوسرے شارحین نے لکھا ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کی نماز جنازہ پڑھے گا یا دفن تک جنازہ کے ساتھ رہے گا، تو اس کو ایک قیراط اجر ملے گا اور وہ قیراط بہت بڑے پہاڑ کے برابر ہیں، لیکن آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ جب اس کے اجر میں ایک قیراط کی کمی ہوگی تو وہ بھی پہاڑ کے برابر ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے کرم کا تقاضا یہ ہے کہ جب وہ ایک قیراط کے برابر اجر عطا فرمائے گا تو اس قیراط کی مقدار بڑے پہاڑ کی جتنی ہوگی، لیکن جب مسلمان کے اجر سے ایک قیراط کی کمی ہوگی تو اس وقت قیراط کا اپنا معروف وزن معتبر ہوگا۔ قرآن مجید میں ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۝ (الانعام) جو شخص اللہ کے پاس ایک نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس جیسی دس نیکیوں کا اجر ہوگا، اور جو شخص ایک برائی لے کر آئے گا اس کو صرف ایک برائی کی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا○

اس لیے اجر میں اضافہ اور اجر میں کمی میں دونوں جگہ قیراط کا ایک معنی مراد نہیں ہے۔ اور شیخ عثیمین نے ظاہر الفاظ کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ کے کرم کے تقاضے پر غور نہیں کیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

سوال: آیا مویشیوں کی حفاظت کے اوپر گھروں کی حفاظت کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے اور چوروں اور درندوں سے گھروں کو محفوظ رکھنے کے لیے گھروں میں کتوں کا رکھنا جائز ہے؟

الجواب: ہاں! یہ قیاس کیا جا سکتا ہے، کیونکہ جب شارع علیہ السلام نے کھیتوں کی حفاظت کے لیے کتوں کے رکھنے کو جائز قرار دیا ہے تو گھروں کی حفاظت کے لیے کتوں کو رکھنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا، کیونکہ گھروں میں عورتیں اور بچے ہوتے ہیں اور ان کی حفاظت کھیتوں کی حفاظت کرنے سے زیادہ اولیٰ ہے۔ علاوہ ازیں شکاری کتے میں حفاظت نہیں ہوتی لیکن شکاری کتے سے صرف حصول مصلحت موقوف ہے اور اس حصول مصلحت کی وجہ سے شارع علیہ السلام نے شکاری کتے کو رکھنا جائز قرار دیا ہے۔ تو گھروں میں جو عورتیں اور بچے ہیں، ان کو چوروں، ڈاکوؤں، دشمنوں اور درندوں سے محفوظ رکھنے کی مصلحت کی وجہ سے بھی کتوں کا رکھنا جائز ہوگا۔ (شرح

صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۷۷ ،مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۸۰، ۵۴۸۱، ۵۴۸۲، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ضاریۃ کا لفظ ہے۔ یعنی کلب ضاریۃ، یہ عافیۃ کی طرح ہے اور یہ الضراوۃ سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ہیں عادت، اور کلبُ ضاریۃ کا معنی ہے: جس کتے کو شکار کا عادی بنایا گیا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''اس کے نیک اعمال سے ہر روز دو قیراط کم کردیے جائیں گے''۔ ان قیراط کی مقدار کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور دو قیراط کا لفظ جو فرمایا ہے، یہ کتے پالنے سے متنفر کرنے کے لیے اور اس پر ڈانٹ ڈپٹ کرنے کے لیے فرمایا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ہر روز'': یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ماضی میں ہر روز اور مستقبل میں ہر روز۔

علامہ کورانی فرماتے ہیں کہ ماضی میں ہر روز دو قیراط اجر کا کم ہونا ظاہر نہیں ہے۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۹ ص ۱۴۵، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۷۔ بَابٌ: إِذَا أَكَلَ الْكَلْبُ

اس کا بیان جب کتا شکار میں سے خود کھالے

وقولہ تعالٰی: يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ۔ (المائدہ:۴)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) آپ سے پوچھتے ہیں: ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں، آپ کہیے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو تم نے شکاری جانور سدھا لیے ہیں۔ درآں حالیکہ تم ان کو شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو۔

مُكَلِّبِيْنَ الصَّوَائِدُ وَالْكَوَاسِبُ اجْتَرَحُوا اكْتَسَبُوا۔

مکلبین کا معنی ہے شکار کرنے والے جانور اور شکار کو مارنے والے۔ اجترحوا کا معنی ہے: جنہوں نے زخمی کیا۔

تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ (المائدہ:۴)

تم انہیں اس طرح سکھاتے ہو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا ہے، سو اس (شکار) سے کھاؤ، جس کو وہ (شکاری جانور) تمہارے لیے روک رکھیں، اور (شکار چھوڑتے وقت) اس (شکاری جانور) پر بسم اللہ پڑھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ۝ (المائدہ:۴)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنْ أَكَلَ الْكَلْبُ فَقَدْ أَفْسَدَهُ إِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بے شک کتے کا کھانا شکار کو فاسد کردیتا ہے، کیونکہ اس نے شکار کو خود اپنے لیے کیا ہے۔ اور

وَاللّٰهُ يَقُولُ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَتُضْرَبُ وَتُعَلَّمُ حَتّٰى يَتْرُكَ
وَكَرِهَهُ ابْنُ عُمَرَ وَقَالَ عَطَاءٌ إِنْ شَرِبَ الدَّمَ وَلَمْ يَأْكُلْ فَكُلْ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "تم ان کو شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو، تم انہیں اس طرح سکھاتے ہو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا ہے"۔ پس کتے کو مارا جائے گا اور سدھایا جائے گا حتیٰ کہ وہ شکار کے کھانے کو ترک کردے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور عطاء نے کہا کہ اگر کتا شکار کا خون پی لے اور خود نہ کھائے تو تم کھالو۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

المائدہ: ۴ کے شانِ نزول میں احادیث اور آثار

المائدہ: ۴ کا شانِ نزول یہ ہے جیسا کہ امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت عدی بن حاتم طائی اور حضرت یزید بن المہلہل طائی رضی اللہ عنہما، ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، پس کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ تعالیٰ نے مردار کو حرام کردیا ہے، تو ہمارے لیے مردار میں سے کیا چیز حلال ہے؟ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی ذبائح حلال ہیں جو طیبہ ہوں، یہ سعید بن جبیر کی تفسیر ہے۔ اور مقاتل بن حیان نے کہا کہ جو بھی حلال رزق مسلمان پائیں، وہ ان کے لیے حلال ہے۔

المائدہ: ۴ کی تفسیر میں آثار اور فقہاءِ اسلام کے اقوال

نیز فرمایا: وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ: یعنی تم نے شکاری کتوں اور دیگر شکاری جانوروں کے ذریعہ جس شکار کو حاصل کیا ہے، وہ بھی تمہارے لیے حلال ہے، خواہ وہ شکار، شکاری کتے سے حاصل کیا گیا ہو یا تیندوے سے یا شکرے اور باز سے۔ یہ جمہور صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کا مذہب ہے۔

علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ: اس سے مراد وہ شکاری کتے ہیں جو سدھائے ہوئے ہوں اور باز ہے اور شکرہ ہے، جس کو شکار کرنا سکھایا ہوا ہو۔

اور امام ابن ابی حاتم نے از خیثمہ و طاؤس و مجاہد و مکحول و یحییٰ بن ابی کثیر روایت کی ہے کہ الْجَوَارِحِ سے مراد وہ شکاری کتے ہیں جنہیں شکار کرنے کی عادت ڈالی گئی ہو اور اسی طرح وہ شکرے اور باز ہیں، جنہیں شکار کرنے کی عادت ڈالی گئی ہو۔

مُكَلِّبِينَ: یہ مُکَلِّب کی جمع ہے اور اس سے مراد ہے: وہ شکاری جانور جن کو سدھایا گیا ہو۔

مُكَلِّبِينَ کے ماخذ اشتقاق میں علامہ عینی کا بعض شارحین سے اختلاف

بعض شارحین نے کہا ہے کہ "مکلبین" کا لفظ اس کلب سے ماخوذ نہیں ہے، جو حیوانِ معروف ہے، بلکہ یہ كَلَب (لام پر زبر) سے ماخوذ ہے، جس کا معنی حرص ہے۔

علامہ عینی اس کا رد فرماتے ہیں کہ اس قول کا کوئی قائل نہیں ہے، بلکہ علامہ زمخشری نے تصریح کی ہے کہ مکلبین کا اشتقاق

کَلَّب سے ہے۔اور بابِ تفعیل کا خاصہ ہے تکثیر، یعنی اس کی بہت زیادہ تربیت کی گئی ہو اور اس کو شکار کرنے کا عادی بنایا گیا ہو۔

''الصواعد'' اور ''الکواسب'' کا معنی

امام بخاری نے ''الصواعد'' کا لفظ ذکر کیا ہے، یہ صاعد کی جمع ہے یعنی شکار کرنے والے جانور، اور ''الکواسب'' کا ذکر کیا ہے، یہ کاسبۃ کی جمع ہے، اور یہ الجوارح کی صفت ہے۔اور الصواعد اور الکواسب اور اس کے بعد جو ذکر ہے اجترحوا کا معنی ہے: اکتسبوا یہ آیت کریمہ میں سے نہیں ہے بلکہ جملہ معترضہ ہے۔

کتوں کو سدھانے کا طریقہ

اور کتوں کو سدھانے کی تفسیر یہ ہے کہ جب کتے کو چھوڑا جائے تو وہ چلا جائے اور جب اسے واپس بلایا جائے تو وہ آجائے اور جب وہ شکار کرے تو اپنے مالک کے لیے شکار کرے، حتیٰ کہ مالک کے پاس شکار کو لے آئے اور اپنے لیے نہ رکھے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''شکاری کتے نے جو تمہارے لیے شکار کیا ہے، اسے کھالو اور اس پر اللہ کا نام پڑھو اور اللہ سے ڈرو''، یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تعلیق کی شرح

اس کے بعد امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تعلیق ذکر کی ہے کہ جب کتے نے خود شکار سے کھالیا تو اس نے شکار کو فاسد کر دیا، کیونکہ اس نے اپنے لیے شکار کیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''تم ان کو شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو، تم انہیں اس طرح سکھاتے ہو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا ہے''۔پس شکاری کتے کو مارا جائے گا اور سکھایا جائے گا حتیٰ کہ وہ شکار کو ترک کر دے اور خود نہ کھائے۔

اس کے بعد امام بخاری نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس شکار سے کھانے کو مکروہ قرار دیا، جس سے کتے نے خود کھایا ہو۔اس تعلیق کی وکیع بن الجراح نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

اور عطاء نے کہا: جب شکاری کتے نے خون پی لیا اور شکار کو کھایا نہیں، سو تم اس کو کھالو۔

اگر شکاری کتے نے شکاری جانور سے خود کھالیا تو اس شکار کو کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس تعلیق کی امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کی ہے از حفص بن غیاث از ابن جریج، اور حضرت عدی بن ابی حاتم سے ذکر کیا ہے کہ اگر اس نے شکار کا خون پی لیا تو تم اس کو نہ کھاؤ، کیونکہ وہ شکاری کتا سدھایا ہوا نہیں ہے، اور حسن بصری سے مروی ہے کہ اگر اس نے شکار کو کھالیا ہے تو تم کھالو، اور اگر اس نے شکار کا خون پی لیا ہے تو تم اس کو کھالو۔اور ابن حزم ظاہری کا یہ زعم ہے کہ شکاری کتے نے جب شکار کا خون پی لیا تو یہ مضر نہیں ہے کیونکہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے کو حرام قرار دیا ہے جس کو اس نے قتل کیا ہو اور جب اس نے اس پر منہ مارا ہو تو اس کو حرام قرار نہیں دیا۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: یہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابن عمر اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔انہوں نے کہا: کہ جب شکاری کتے نے کھالیا تو جو اس نے کھایا ہے اس کو کھالیا جائے گا اور یہ امام مالک کا قول ہے۔

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سعید بن المسیب، سلیمان بن یسار، حسن بن ابی الحسن، محمد بن شہاب، ربیعہ اور لیث کا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے کہا کہ اگر شکاری کتے نے شکار سے کھا لیا تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ اور علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ یہی جمہور کا قول ہے اور متقدمین اور متاخرین کا یہی مختار ہے۔ (عمدۃ القاری ج۲۱ ص ۱۴۷۔۱۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۸۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ بَيَانٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قُلْتُ إِنَّا قَوْمٌ نَصِيدُ بِهَذِهِ الْكِلَابِ فَقَالَ إِذَا أَرْسَلْتَ كِلَابَكَ الْمُعَلَّمَةَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ فَكُلْ مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَإِنْ قَتَلْنَ إِلَّا أَنْ يَأْكُلَ الْكَلْبُ فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَكُونَ إِنَّمَا أَمْسَكَهُ عَلَى نَفْسِهِ وَإِنْ خَالَطَهَا كِلَابٌ مِنْ غَيْرِهَا فَلَا تَأْكُلْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن فضیل نے حدیث بیان کی از بیان از الشعبی از حضرت عدی بن ابی حاتم رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، میں نے کہا: ہم ایسی قوم ہیں جو ان کتوں کے ساتھ شکار کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑو اور بسم اللہ پڑھو تو اس شکار کو کھا لو جو ان کتوں نے تمہارے لیے کیا ہے، خواہ انہوں نے اس شکار کو مار ڈالا ہو، سوا اس کے کہ کتے نے خود کھایا ہو، کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ اس نے اس شکار کو اپنے لیے کیا ہے، اور اگر اس شکار میں دوسرے کتے بھی مل گئے ہیں، تو پھر تم اس کو نہ کھاؤ۔

صحیح البخاری: ۱۷۵، ۲۰۵۴، ۵۴۷۵، ۵۴۷۶، ۵۴۷۷، ۵۴۸۳، ۵۴۸۵، ۵۴۸۶، ۵۴۸۷، ۷۳۹۷، صحیح مسلم: ۱۹۲۹، سنن ترمذی: ۱۴۷۰، سنن نسائی: ۴۲۷۲، سنن ابوداؤد: ۲۸۵۴، سنن ابن ماجہ: ۳۲۰۸، مسند احمد: ۱۸۷۷۱، سنن دارمی: ۲۰۰۲)

صحیح البخاری: ۵۴۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: ''اذا اکل الکلب'' یعنی جب شکاری کتا شکار سے کھا لے۔ اور اس حدیث مذکور میں فرمایا ہے کہ جب شکاری کتا شکار سے کھا لے تو پھر تم اس شکار کو نہ کھاؤ، کیونکہ اس کتے نے اپنے لیے شکار کیا ہے اور اس سے حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت ظاہر ہو گئی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں بیان کا ذکر ہے، یہ ابن بشر الاحمسی ہیں۔ اور اس حدیث میں الشعبی کا ذکر ہے، وہ عامر بن شراحیل ہیں

یہ حدیث مختلف سندوں کے ساتھ گزر چکی ہے اور اس کی شرح کئی بار کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ارشاد ہے: ''جب تم نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑا'': اس ارشاد میں یہ بتایا ہے کہ اگر کتا از خود شکار پر جھپٹا ہو تو اس کا شکار نہیں کھایا جائے گا، جمہور کا یہی قول ہے مگر الاصم نے کہا ہے کہ وہ بھی مباح ہے۔ اور جب کسی شخص نے کتے کو غصب کیا اور اس سے شکار کیا، تو آیا یہ شکار مالک کے لیے ہوگا یا غاصب کے لیے؟ ایک قول یہ ہے کہ یہ شکار مالک کے لیے ہوگا، کیونکہ اس کے کتے نے شکار کیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ شکار غاصب کے لیے ہوگا، کیونکہ اب کتے کا وہ مالک ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۹۔ ۱۵۰، دار الکتب العلمیہ ۱۴۲۱ھ)

۸۔ بَابُ: الصَّيْدِ إِذَا غَابَ عَنْهُ يَوْمَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً

جب شکار، شکاری سے دو یا تین دن غائب رہے، اس کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب شکاری سے شکار کیا ہوا جانور دو تین دن غائب رہے یعنی اس کو دو تین دن بعد ملے تو اس کا کیا حکم ہے؟

۵۴۸۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ وَسَمَّيْتَ فَأَمْسَكَ وَقَتَلَ فَكُلْ وَإِنْ أَكَلَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ وَإِذَا خَالَطَ كِلَابًا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهَا فَأَمْسَكْنَ وَقَتَلْنَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَيُّهَا قَتَلَ وَإِنْ رَمَيْتَ الصَّيْدَ فَوَجَدْتَهُ بَعْدَ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ لَيْسَ بِهِ إِلَّا أَثَرُ سَهْمِكَ فَكُلْ وَإِنْ وَقَعَ فِي الْمَاءِ فَلَا تَأْكُلْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ثابت بن یزید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم نے حدیث بیان کی از الشعبی از حضرت عدی بن ابی حاتم رضی اللہ عنہ، از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جب تم نے اپنے کتے کو چھوڑا اور بسم اللہ پڑھی اور اس نے شکار کو روکے رکھا اور مار ڈالا تو تم اس کو کھالو اور اگر اس نے خود کھالیا تو پھر تم مت کھاؤ، کیونکہ اس نے اس شکار کو اپنے لیے کیا ہے، اور جب اس شکار کے ساتھ دوسرے جانور بھی مل جائیں اور اس پر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اور انہوں نے اس شکار کو روک رکھا ہو اور پھر مار ڈالا ہو تو تم اس کو نہ کھاؤ، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کس نے اس شکار کو مار ڈالا ہے اور اگر تم نے تیر پھینکا اور تم کو ایک دن یا دو دن کے بعد وہ شکار ملا اور اس شکار میں صرف تمہارے تیر کا اثر تھا تو اس کو کھالو، اور اگر وہ شکاری جانور شکار کے وقت پانی میں گر گیا ہو تو اس کو نہ کھاؤ۔

(صحیح البخاری: ۱۷۵، ۲۰۵۴، ۵۴۷۵، ۵۴۷۶، ۵۴۷۷، ۵۴۸۳، ۵۴۸۵، ۵۴۸۶، ۵۴۸۷، ۷۳۹۷، صحیح مسلم: ۱۹۲۹، سنن ترمذی: ۱۴۷۰، سنن نسائی: ۴۲۷۲، سنن ابوداؤد: ۲۸۵۴، سنن ابن ماجہ: ۳۲۰۸، مسند احمد: ۱۷۷۸۱، سنن دارمی: ۲۰۰۲)

صحیح البخاری: ۵۴۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: ''جب شکار کیا ہوا جانور دو یا تین دن غائب رہے''۔ اور اس حدیث میں بھی ذکر ہے کہ جب تم نے شکار کو تیر مارا اور پھر وہ تم کو ایک یا دو دن بعد ملا تو اس طرح یہ حدیث باب کے مطابق ہے، لیکن اس باب کے بعد جو حدیث ہے، اس میں تین دن کا بھی ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ثابت بن یزید کا ذکر ہے، ثابت کا لفظ زائل کی ضد ہے اور یزید کا لفظ زیادۃ سے ماخوذ ہے، یہ الاحول البصری ہیں۔ اور اس حدیث میں عاصم کا ذکر ہے، یہ ابن سلیمان الاحول ہیں، اور شعبی کا ذکر ہے: یہ عامر بن شراحیل ہیں۔

حدیث مذکور سے مستنبط شدہ احکام

(۱) جب کسی شخص نے اپنے شکاری کتے کو چھوڑا اور بسم اللہ پڑھی اور شکاری کتے نے اپنے مالک کے لیے شکار کو رکھا یعنی خود نہیں کھایا تو اس شکار کو کھانا جائز ہے۔

(۲) اگر شکاری کتے نے شکار کردہ جانور سے خود بھی کھالیا ہے تو پھر اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

(۳) جب اس شکاری کتے کے ساتھ دوسرے کتے بھی مل گئے جن پر بسم اللہ نہیں پڑھی گئی اور انہوں نے شکار کو روک رکھا اور مار ڈالا تو اس شکار کردہ جانور کو کھانا جائز نہیں ہے اور اس کی علت آپ نے یہ بیان فرمائی کہ تم نہیں جانتے کہ کون سے کتے نے اس جانور کو مارا ہے۔

اور التوضیح میں علامہ ابن ملقن نے لکھا ہے کہ حجاز اور عراق کے جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ جب تم نے اپنے کتے کو شکار پر چھوڑا اور اس کے ساتھ دوسرا کتا بھی پایا گیا اور یہ پتا نہیں چلا کہ ان میں سے کون سے کتے نے شکار کو پکڑا ہے تو یہ شکار نہیں کھایا جائے گا۔ ائمہ اربعہ، عطاء اور ابوثور کا یہی قول ہے۔

اور اوزاعی یہ کہتے ہیں کہ جب تم نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑا اور اس کے ساتھ دوسرا کتا بھی مل گیا اور وہ بھی سدھایا ہوا ہے اور دونوں نے مل کر اس شکار کو مار ڈالا تو وہ حلال ہے۔ اور اگر ان میں سے کوئی کتا سدھایا ہوا نہ ہو اور پھر وہ دونوں مل کر مار ڈالیں تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔

اور علامہ قرطبی کی عبارت یہ ہے کہ جو کتا مل گیا ہے، وہ مجہول ہے اور کسی اور شکاری کی طرف سے چھوڑا گیا ہے اور وہ شکار پر اپنی طبیعت سے حملہ آور ہوا ہے۔ اور اس میں اس سے فرق نہیں پڑے گا کہ اس کو شکار پر دوسرے شکاری نے چھوڑا ہو، پھر دونوں کتے مشترک ہوں تو یہ شکار دونوں شکاریوں کے لیے ہے۔ اور اگر دو میں سے کسی ایک کتے نے پہلے اس کو مار ڈالا، پھر دوسرا آیا تو یہ پہلے کتے کا کیا ہوا شکار ہے۔

(۴) جب شکار پر تیر مارا اور وہ شکار غائب ہو گیا، پھر ایک دن یا دو دن بعد ملا اور اس شکار میں صرف اسی شکاری کے تیر کا اثر تھا تو اس کو کھایا جائے گا، اور علماء کا اس میں اختلاف ہے۔

امام اوزاعی نے کہا: اگر اس نے اس کو اگلے دن مردہ پایا اور اس نے اپنا تیر یا اپنے کتے کا اثر پایا تو اس کو کھالے اور یہ اشعب مالکی اور ابن ماجشون اور ابن عبدالحکیم کا قول ہے۔ اور امام مالک سے بھی ابن القصار نے روایت کی ہے۔

اور موطا امام مالک اور المدونہ میں امام مالک کا قول اس کے خلاف ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ اس شکار کردہ جانور کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے جو گرنے کے بعد غائب رہا ہو، جب تم نے اس شکار کردہ جانور کے ساتھ اپنے کتے کا اثر پایا یا اس کے ساتھ تمہارا مارا ہوا تیر تھا جب تک کہ رات نہ گزری ہو، پس جب رات گزر جائے تو اب اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ اور امام مالک سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر اس کے ساتھ اس کا مارا ہوا تیر مل جائے پھر تو کھایا جائے گا اور اگر کتے کا اثر ملا ہے تو پھر نہیں کھایا جائے گا۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جب اس سے شکار غائب ہو جائے اور کتا اس کے پیچھے ہو، پھر اس شکار کو مارا ہوا پایا اور کتا اس کے پاس تھا تو اس کا کھانا مکروہ ہے۔ اور امام شافعی نے یہ کہا کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے شکار کردہ جانور کو نہیں کھایا جائے گا جب کہ وہ اس سے غائب رہا ہو، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ کسی اور نے اس کو قتل کر دیا ہو، اور علامہ نووی شافعی نے کہا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ اس کا کھانا حلال ہے۔

(۵) جب شکار کیا ہوا جانور پانی میں پایا جائے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ پانی نے اس شکار کیے ہوئے جانور کو ہلاک کر دیا ہو۔ اور جب یہ ثابت ہو کہ تیر پانی میں گرنے سے پہلے اس کی ذبح کی جگہ سے پار ہو گیا تھا تو جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس کو کھایا جائے گا اور ابن وہب نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ اس کو کھانا مکروہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۵۰۔۱۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۸۴ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب شکار کیا ہوا جانور ایک دن یا دو دن بعد ملے تو اس کو کھانے کے جواز کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب شکار اپنے مالک سے غائب رہے، امام اوزاعی نے کہا: جب وہ دوسرے دن مردہ پایا گیا اور اس کے ساتھ مالک کا تیر پایا گیا یا اس کے کتے کا اثر پایا گیا تو وہ اس کو کھالے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۳ ص ۱۹۵)

اشعب مالکی اور ابن الماجشون اور ابن عبدالحکیم اور اصبغ کا بھی یہی قول ہے، انہوں نے کہا کہ جب شکار کردہ جانور مر جائے اور اس کی ذبح کی جگہوں سے تیر پار نہ گزرا ہو اور اس میں شک نہ ہو تو وہ کھایا جائے گا۔ (الاستذکار ج ۱۵ ص ۲۷۵)

ابن القصار نے امام مالک سے بھی یہ روایت کی ہے اور معروف اس کے خلاف ہے۔ اصبغ مالکی نے کہا بخلاف کتے اور باز کے۔ الموطا اور المدونہ میں مذکور ہے کہ شکار کیے ہوئے جانور کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ وہ اپنے گرنے کی جگہ سے غائب رہا ہو۔ جب تم اس جانور پر اپنے کتے کے اثر کو پاؤ یا اس جانور میں تمہارا تیر ہو جب تک کہ رات نہ گزری ہو، پس جب رات گزر جائے تو نہیں کھایا جائے گا۔ اور امام مالک سے روایت ہے کہ انہوں نے ظاہر حدیث پر عمل کیا ہے اور حضرت ابوثعلبہ

رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل کیا ہے، جس میں مذکور ہے کہ تم اس شکار کردہ جانور کو تین دن تک بھی کھالو جب تک وہ بدبوار نہ ہو اور اس میں یا تیر سے مارے ہوئے جانور اور کتے سے مارے ہوئے جانور کو برابر قرار دیا ہے۔

اور امام مالک سے دوسری روایت یہ ہے کہ ان میں سے کسی چیز کو نہیں کھایا جائے گا، جب وہ تم سے غائب رہا ہو۔ اور ان سے یہ روایت بھی ہے کہ اگر تیر کے مارنے سے وہ مرا ہے تو کھالیا جائے گا اور اگر کتے کے شکار سے مرا ہے تو نہیں کھایا جائے گا۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام روحاء کے پاس سے گزرے، وہاں ایک وحشی جانور زخمی تھا جس میں تیر لگا ہوا تھا اور وہ مر چکا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو حتیٰ کہ اس کا مالک آجائے، تو حضرت البہزی آئے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ میرا تیر ہے، تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ اس شکار کیے ہوئے جانور کو اپنے رفقاء کے درمیان تقسیم کردیں اور وہ سب محرم تھے۔ (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۱۷۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ایسے شکار کا پیچھا کیا جائے حتیٰ کہ وہ شکار مل جائے یا اس کو چھوڑ دیا جائے اور پھر بعد میں وہ مل جائے، اگر ایسا ہوتا تو شارع علیہ السلام اس کے متعلق دریافت کرتے۔ اور جب کہ آپ نے یہ فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو حتیٰ کہ اس کا مالک آجائے اور اس پر اضافہ نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ حکم اس میں مختلف نہیں ہوتا۔ اور اس میں امام مالک کے اس قول کی دلیل ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص شکار پر تیر مارتا ہے، پھر اپنے تیر کو اگلے دن پاتا ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ تمہارے تیر نے اس کو قتل کیا ہے تو میں تمہیں اس کے کھانے کا حکم دوں گا لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ اس کو تمہارے تیر نے قتل کیا ہے یا کسی اور کے تیر نے قتل کیا ہے۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ جو شکار کردہ جانور تم سے ایک رات غائب رہے اس کو نہ کھاؤ۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۴۵۹۔۴۶۰)

ابن قصار مالکی نے کہا ہے کہ میرے نزدیک اس کا کھانا مکروہ ہے۔

امام مسلم نے حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نے اپنا تیر مارا اور وہ تم سے غائب رہا، پھر تم نے اس کو پالیا تو جب تک وہ بدبودار نہ ہو، اس کو تم کھالو۔ (صحیح مسلم: ۱۹۳۱، کتاب الصید والذبائح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے: "جب تک وہ بدبودار نہ ہو، اس کو تم کھالو"۔ اس کی تاویل میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ جب وہ بدبودار ہو جائے گا تو اس سے گھن آئے گی اور اس سے طبیعت متنفر ہوگی، پس اگر اس نے کھالیا تو جائز ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جانور کی بدبودار کھال کو کھایا گیا۔ (صحیح البخاری: ۲۰۶۹) اور بعض علماء نے کہا ہے کہ جب اس جانور سے بدبو آرہی ہو تو اس کو نہ کھایا جائے، کیونکہ اس میں ضرر کا خطرہ ہے۔ اور اس بناء پر اس کا کھانا حرام ہوگا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۷۰۳۔۷۳ ملخصا و ملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۴۸۵۔ وَقَالَ عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ دَاوُدَ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عَدِيٍّ أَنَّهُ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ يَرْمِي الصَّيْدَ فَيَقْتَفِرُ أَثَرَهُ الْيَوْمَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ ثُمَّ يَجِدُهُ مَيِّتًا وَفِيهِ سَهْمُهُ قَالَ يَأْكُلُ إِنْ شَاءَ۔

اور عبدالاعلیٰ نے کہا از داؤد از عامر از حضرت عدی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ شکار کو تیر مارتے ہیں، پھر اس کے اثر کو دو دن یا تین دن تلاش کرتے ہیں، پھر ان کو وہ شکار مردہ ملتا ہے اور اس میں ان کا تیر ہوتا ہے۔ آپ

(صحیح مسلم:۱۹۲۹، سنن ابوداؤد:۲۸۵۳، مسند احمد:۱۸۷۹) نے فرمایا: اگر وہ چاہے تو اس کو کھالے۔

صحیح البخاری:۵۴۸۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر دو یا تین دن بعد شکار مردہ حالت میں ملے تو اس کو کھانے کا بیان

اس حدیث کی سند میں عبدالاعلیٰ کا ذکر ہے اور وہ ابن عبدالاعلیٰ السامی ہیں۔ ان سے داؤد بن ابی ہند از عامر الشعبی روایت کرتے ہیں۔

اس تعلیق کی امام ابوداؤد نے از حسین بن معاذ بن عبدالاعلیٰ سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

اس حدیث میں ''فیقتفی'' کا ذکر ہے۔ یعنی وہ شکاری اس شکار کا پیچھا کرتا ہے، اس کو ڈھونڈتا ہے اور دو دن یا تین دن تک اس کو وہ شکار نہیں ملتا اور امام مسلم نے حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نے اپنا تیر مارا اور وہ تم سے غائب ہوگیا، پھر تم نے اس کو پالیا، سو تم اس کو کھالو جب تک کہ وہ شکار بدبودار نہ ہوا ہو۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ جس کو اس کا شکار تین دن کے بعد ملے تو اس کو کھالے اور اگر وہ بدبودار ہوگیا ہے تو اس کو چھوڑ دے۔ اور اس کی تاویل میں اختلاف ہے۔

پس بعض نے کہا کہ جب وہ مردہ شکار بدبودار ہوگیا ہو تو سلیم طبیعت اس سے متنفر ہوتی ہے لیکن اگر اس نے اس کو کھالیا تو جائز ہے، جیسا کہ بدبودار کھال کے متعلق آیا ہے اور بعض نے کہا کہ جب اس کے اس بدبودار مردہ شکار کے کھانے سے ضرر کا اندیشہ ہو تو نہ کھائے اور اگر یہ اندیشہ قوی ہو تو پھر اس کا کھانا حرام ہے۔ (عمدۃ القاری ج۲۱ ص۱۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابٌ: إِذَا وَجَدَ مَعَ الصَّيْدِ كَلْبًا آخَرَ — جب شکاری نے شکار کے ساتھ دوسرے کتے کو پایا، اس کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب شکاری نے کسی شکار پر اپنے کتے کو چھوڑا اور اس شکار کے ساتھ دوسرے کتے کو بھی پایا تو وہ کیا کرے؟ امام بخاری نے اس کا حکم نہیں بیان کیا، اور چونکہ حدیث میں اس کے حکم کا بیان ہے، انہوں نے اس پر اکتفاء کرلی۔

۵۴۸۶۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي السَّفَرِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أُرْسِلُ كَلْبِي وَأُسَمِّي فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ وَسَمَّيْتَ فَأَخَذَ فَقَتَلَ فَأَكَلَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ قُلْتُ إِنِّي أُرْسِلُ كَلْبِي أَجِدُ مَعَهُ كَلْبًا آخَرَ لَا أَدْرِي أَيُّهُمَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن ابی السفر از الشعبی از حضرت عدی بن ابی حاتم رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں اپنا کتا شکار پر چھوڑتا ہوں اور بسم اللہ پڑھتا ہوں۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نے اپنا کتا چھوڑا اور تم نے بسم اللہ پڑھی، پس

أَخَذَهُ فَقَالَ لَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى غَيْرِهِ وَسَأَلْتُهُ عَنْ صَيْدِ الْمِعْرَاضِ فَقَالَ إِذَا أَصَبْتَ بِحَدِّهِ فَكُلْ وَإِذَا أَصَبْتَ بِعَرْضِهِ فَقَتَلَ فَإِنَّهُ وَقِيذٌ فَلَا تَأْكُلْ۔

اس نے شکار کو پکڑ لیا اور مار ڈالا اور اس نے خود اس میں سے کھایا تو تم نہ کھاؤ، کیونکہ کتے نے وہ شکار اپنے لیے کیا ہے۔ میں نے عرض کیا: میں اپنا کتا بھیجتا ہوں اور شکار کے ساتھ دوسرے کتے کو بھی پاتا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کس کتے نے اس شکار کو پکڑا ہے۔ آپ نے فرمایا: تم اس کو نہ کھاؤ، کیونکہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے اور تم نے دوسرے کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھی، اور میں نے آپ سے المعراض کے شکار کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جب شکار پر معراض کی دھار لگے تو اس کو کھا لینا اور جب شکار پر معراض کی چوڑائی لگے اور وہ مر جائے تو پھر وہ موقوذہ ہے (یعنی چوٹ سے مرا ہے) پھر تم اس کو نہ کھاؤ۔

صحیح البخاری: ۱۷۵، ۲۰۵۴، ۵۴۷۵، ۵۴۷۶، ۵۴۷۷، ۵۴۸۳، ۵۴۸۵، ۵۴۸۶، ۵۴۸۷، ۷۳۹۷، صحیح مسلم: ۱۹۲۹، سنن ترمذی: ۱۴۷۰، سنن نسائی: ۴۲۷۲، سنن ابوداؤد: ۲۸۵۴، سنن ابن ماجہ: ۳۲۰۸، مسند احمد: ۱۸۱۷۷، سنن دارمی: ۲۰۰۲)

صحیح البخاری: ۵۴۸۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث بعینہٖ وہی ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، اور یہ حدیث ''صید المعراض'' کے باب میں گزر چکی ہے، سوا اس کے کہ وہاں اس کی روایت سلیمان بن حرب از شعبہ سے تھی اور یہاں اس کی روایت آدم بن ابی ایاس از شعبہ سے ہے۔ اور اس اختلاف کی وجہ سے امام بخاری نے یہ دو حدیثیں الگ الگ ذکر کی ہیں، اور ہر ایک کا عنوان اس حدیث کے مطابق ہے۔

صحیح البخاری: ۵۴۸۶ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب ایک شکار پر کئی کتے پائے جائیں تو اس کو کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کی عبارات

حجاز اور عراق کے فقہاء اس پر متفق ہیں کہ جب کسی شکاری نے اپنے کتے کو شکار پر چھوڑا اور اس کے ساتھ دوسرا کتا بھی پایا گیا اور یہ پتا نہیں چلا کہ کون سے کتے نے شکار کو پکڑا ہے تو وہ شکار نہیں کھایا جائے گا اور ان کی دلیل حضرت عدی بن ابی حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور ہے۔ اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے وہ عطاء ہیں اور ائمہ اربعہ اور ابو ثور ہیں اور شارع علیہ السلام نے اس کی وجہ بیان کی ہے کہ تم نے اپنے کتے کے اوپر اس کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی ہے اور تم نے دوسرے کے کتے کے اوپر بسم اللہ نہیں پڑھی، پس لائق ہے کہ جب کتے کو چھوڑا جائے تو اس کو اللہ کے لیے ذبح کرنے کی نیت کی جائے۔

اور امام اوزاعی یہ کہتے تھے کہ جب شکاری نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑا اور اس شکار کے اوپر دوسرا سدھایا ہوا کتا

جھپٹ پڑا اور دونوں نے اس کو مار ڈالا تو وہ حلال ہے اور اگر دوسرا کتا سدھایا ہوا نہ ہو تو پھر نہیں کھایا جائے گا۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے نقل کیا ہے کہ جب اس نے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑا تو اس پر اجماع ہے کہ اس کا کھانا جائز ہے اور اگر سدھایا ہوا کتا چل پڑا اور شکار پر جھپٹا اور اس کو پکڑ لیا اور اس کو کسی نے چھوڑا نہیں تھا تو اس کو کھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کتے کو کسی نے چھوڑا نہیں اور نہ اس کے ذبح کی نیت کی ہے اور اس پر اجماع ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ جب کئی شکاریوں نے اپنے اپنے کتوں کو شکار پر چھوڑا اور ان میں سے ہر ایک نے بسم اللہ پڑھی، پھر وہ شکار مارا ہوا پایا گیا اور یہ پتا نہیں چلا کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے تو ابوثور یہ کہتے تھے کہ جب شکار ان کے درمیان مارا گیا ہو تو وہ کھایا جائے گا اور اس پر اجماع ہے۔ اور اگر ان کا اختلاف ہو جائے اور کئی کتے اس شکار کے ساتھ متعلق ہوں تو جو کتے کا مالک ہے وہ اس شکار کا حق دار ہے۔ اور اگر شکار مارا گیا ہو اور کتے ایک طرف ہوں تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی اور جس کے نام کا قرعہ نکل آئے گا اس کو شکار دیا جائے گا۔

اور حدیث میں اس پر تنبیہ ہے کہ اگر وہ شکار زندہ پایا جائے تو ذبح کرنے سے حلال ہو جائے گا اور اگر اس شکار کے پکڑنے میں کئی شکاریوں کے کتے مشترک ہوں تو اس سے ضرر نہیں ہوگا کیونکہ اب اعتماد اس کے زندہ حالت میں پائے جانے اور ذبح کرنے پر ہے نہ کہ کتے کے پکڑنے پر۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۷۷-۳۷۸، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۸۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حضرت عدی بن ابی حاتم رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور باب اول میں اس کی بحث گزر چکی ہے۔

اور باب اول میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ کتے کے مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ جب شکار کے ہلاک کرنے میں دوسرا کتا بھی شریک ہو اور دوسری حدیث میں یوں ہے کہ جب شکار مارا ہوا ہو اور اس میں شکاری کے تیر کے علاوہ کوئی اور تیر ہو اور یہ پتا نہ چلے کہ یہ شکاری کے تیر سے مرا ہے یا کسی اور کے تیر سے مرا ہے تو اس تردد کی وجہ سے اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ سو اسی طرح اس صورت میں بھی اس کا کھانا جائز نہیں ہوگا۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۱۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۶۴۱، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۸۶، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شکار پر بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے کی شرط

یہ احادیث جیسا کہ ہم پڑھ رہے ہیں ان سب میں یہ ذکر ہے کہ شکار پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو پڑھنا شرط ہے۔ اور شرط نہ سہواً ساقط ہوتی ہے نہ جہراً ساقط ہوتی ہے اور نہ عمداً ساقط ہوتی ہے۔ پس جب اس نے اپنا تیر مارا یا اپنے شکاری کتے کو چھوڑا اور بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا بھول گیا اور شکار مر گیا تو وہ شکار حلال نہیں ہے، خواہ اس نے بھول کر بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے کو ترک کیا ہو لیکن وہ گناہ گار

نہیں ہوگا کیونکہ اس نے بھول کر بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنے کو ترک کیا ہے، لیکن جب اس نے عمداً بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنے کو ترک کیا تو اس میں وہ گناہگار ہوگا، کیونکہ اس نے اس کام کو ترک کر دیا جس کا کرنا اس پر واجب تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس پر واجب کیا ہے کہ وہ شکار پر تیر مارتے وقت یا کتا چھوڑتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ پڑھے۔ پھر اس میں مال کو ضائع کرنا ہے اور وقت کو ضائع کرنا ہے اور عمل کو ضائع کرنا ہے۔ پس جس نے عمداً بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنے کو چھوڑ دیا، اگر اس کو علم تھا کہ وہ بِسْمِ اللّٰہِ نہیں پڑھ رہا اور اس کو یاد تھا کہ وہ بِسْمِ اللّٰہِ نہیں پڑھ رہا تو وہ گناہگار ہوگا اور شکار حلال نہیں ہوگا اور اگر اس نے جہالت کی وجہ سے بِسْمِ اللّٰہِ کے پڑھنے کو چھوڑا یا بھول کر بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنے کو چھوڑا تو وہ گناہگار نہیں ہوگا لیکن شکار حلال نہیں ہوگا، اور اس کی دو وجہیں ہیں:

(۱) قواعدِ شرعیہ سے معروف یہ ہے کہ شروط نسیان کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتیں اور یہ شرط ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (الانعام:۱۲۱) اور اس ذبیحہ کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔

سو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس جانور کے کھانے سے منع کیا ہے کہ جس پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا گیا اور یہ تفصیل نہیں کی کہ جس نے سہواً اللہ کا نام نہ لیا ہو۔

(میں کہتا ہوں: فقہاءِ احناف کے نزدیک جب کسی مسلمان نے جانور کو ذبح کیا اور وہ زبان سے بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو وہ جانور حلال ہے، کیونکہ مسلمان کے دل میں اللہ کا نام ہوتا ہے۔ سو اسی طرح اگر مسلمان نے کتے کو چھوڑا یا تیر مارا اور بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو وہ بھی حلال ہونا چاہیے اور اگر عمداً اس نے بسم اللہ نہیں پڑھی تو پھر وہ حلال نہیں ہوگا جیسا کہ شیخ عثیمین نے کہا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

نیز شیخ عثیمین لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے غلطی ہو جائے تو ہماری گرفت نہ کرنا۔ (البقرہ:۲۸۶)

اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی نے بھول کر بسم اللہ پڑھنے کو ترک کیا تو اس کا شکار جائز ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں بھول سے کسی کام کے نہ کرنے پر گرفت کی نفی ہے اور گرفت کی نفی حکم کی نفی کو مستلزم نہیں ہے، سو اگر کسی نے بھول کر بسم اللہ نہیں پڑھی یا جہالت سے بسم اللہ نہیں پڑھی تو اس پر گناہ نہیں ہوگا، جیسے کسی انسان نے بھول کر بغیر وضو کے نماز پڑھ لی تو اس پر گناہ نہیں ہوگا لیکن اس کی نماز صحیح نہیں ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ اس نماز کو دہرائے، کیونکہ وضو کرنا نماز کی شرط ہے۔ اور امام احمد بن حنبل کے مذہب میں یہی مشہور ہے کہ شکار پر بسم اللہ کو پڑھنا شرط ہے اور اگر اس نے شکار پر بھولے سے بسم اللہ نہیں پڑھی یا سہواً نہیں پڑھی یا جہالت سے نہیں پڑھی یا عمداً نہیں پڑھی تو اس شکار کو کھانا جائز نہیں ہوگا۔ اور شیخ ابن تیمیہ کا بھی یہی مختار ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۳۱، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: خلاصہ یہ ہے کہ شیخ عثیمین حنبلی نے جو لکھا ہے کہ اگر شکار پر بھولے سے بسم اللہ کو نہیں پڑھا تو اس شکار کا کھانا جائز نہیں ہے، یہ فقہاءِ حنبلیہ کا مذہب ہے اور فقہاءِ احناف کے نزدیک اگر کسی مسلمان نے بھولے سے شکار پر بسم اللہ کو نہیں پڑھا تو وہ شکار جائز ہوگا، کیونکہ مسلمان کے دل میں بہر حال اللہ کا نام ہوتا ہے۔ ہاں اگر وہ عمداً بسم اللہ کے پڑھنے کو ترک کرے تو پھر اس شکار

کو کھانا جائز نہیں ہوگا۔ (سعیدی غفرلہ)

۱۰۔ بَابُ: مَا جَاءَ فِي التَّصَيُّدِ — شکار میں مشغول ہونے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

تصیُّد کا معنی ہے: تکلف سے شکار کرنا اور بہ طور پیشہ شکار میں مشغول ہونا، کیونکہ باب تفعّل کا خاصہ ہے: تکلف۔ اور بہ طور پیشہ کے شکار میں مشغول ہونا ممنوع نہیں ہے۔ ممنوع یہ ہے کہ کوئی انسان بہ طور لہو ولعب کے شکار کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۵۲، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ ھ)

یعنی اس کا مقصد شکار سے غذا حاصل کرنا نہ ہو بلکہ محض تفریح کے لیے اور دل لگی کے لیے اور مشغلہ کے طور پر شکار کرے تو یہ ممنوع ہے، کیونکہ اس طریقہ سے ایک جانور کی جان کو بغیر کسی مقصد کے ہلاک کرنا ہے اور اپنے وقت کو ضائع کرنا ہے اور اپنے عمل کو ضائع کرنا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۴۸۷۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنِي ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ بَيَانٍ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رضی الله عنه قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ إِنَّا قَوْمٌ نَتَصَيَّدُ بِهَذِهِ الْكِلَابِ فَقَالَ إِذَا أَرْسَلْتَ كِلَابَكَ الْمُعَلَّمَةَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ فَكُلْ مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكَ إِلَّا أَنْ يَأْكُلَ الْكَلْبُ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَكُونَ إِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ وَإِنْ خَالَطَهَا كَلْبٌ مِنْ غَيْرِهَا فَلَا تَأْكُلْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن فُضیل نے خبر دی از بیان از عامر از حضرت عدی بن ابی حاتم رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، پس میں نے کہا: ہم ایسی قوم ہیں جو ان کتوں کے ساتھ شکار کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑو اور تم بسم اللہ پڑھو تو اس کو کھالو جو کتے نے تمہارے لیے شکار کیا ہے، سوا اس صورت کے کہ کتا اس شکار سے کھالے، پھر تم اس کو نہ کھاؤ، کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ اس کتے نے اس شکار کو اپنے لیے کیا ہے اور اگر اس کے ساتھ دوسرا کتا بھی مل جائے تو پھر تم نہ کھاؤ۔

صحیح البخاری: ۱۷۵، ۲۰۵۴، ۵۴۷۵، ۵۴۷۶، ۵۴۷۷، ۵۴۸۳، ۵۴۸۵، ۵۴۸۶، ۵۴۸۷، ۷۳۹۷، صحیح مسلم: ۱۹۲۹، سنن ترمذی: ۱۴۷۰، سنن نسائی: ۴۲۷۲، سنن ابوداؤد: ۲۸۵۴، سنن ابن ماجہ: ۳۲۰۸، مسند احمد: ۱۸۱۷۷، سنن دارمی: ۲۰۰۲)

صحیح البخاری: ۵۴۸۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: ''شکار میں مشغول ہونا'' اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ ہم ایسی قوم ہیں جو شکار کرتی ہے۔ یعنی ہم

لوگ شکار میں مشغول رہتے ہیں۔اور اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد کا ذکر ہے، ان کا نام ہے محمد بن سلام، یہ الغسانی کا قول ہے۔اور ابن فضیل کا ذکر ہے، یہ محمد بن فضیل بن غزوان کوفی ہیں۔اور اس میں عامر کا ذکر ہے، یہ الشعبی ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ حدیث ''باب اذا اکل الکلب'' میں گزر چکی ہے۔(صحیح البخاری: ۵۴۸۳) اور وہاں اس کی شرح گزر چکی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن ملقن اور علامہ کورانی حنفی نے بھی اس حدیث کی شرح نہیں کی، تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عدی بن ابی حاتم رضی اللہ عنہ نے یہ سوال کیا کہ ہم ایسی قوم ہیں جو شکار کرتے ہیں تو امام بخاری نے اس کو اس پر محمول کیا کہ شکار کرنا عام ہے، غذا حاصل کرنے کے لیے شکار کیا جائے، یا ضرورت کی وجہ سے شکار کیا جائے یا بہ طور پیشہ شکار کیا جائے یا بہ طور تفریح اور مشغلہ کے شکار کیا جائے، پہلی دو صورتوں میں شکار کرنا جائز ہے اور تیسری صورت میں شکار کرنا ممنوع ہے۔(سعیدی غفرلہٗ)

۵۴۸۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ حَيْوَةَ بْنِ شُرَيْحٍ ح وَ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي رَجَاءٍ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ حَيْوَةَ بْنِ شُرَيْحٍ قَالَ سَمِعْتُ رَبِيعَةَ بْنَ يَزِيدَ الدِّمَشْقِيَّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ عَائِذُ اللهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيَّ رضي الله عنه يَقُولُ أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا بِأَرْضِ قَوْمٍ أَهْلِ الْكِتَابِ نَأْكُلُ فِي آنِيَتِهِمْ وَأَرْضِ صَيْدٍ أَصِيدُ بِقَوْسِي وَأَصِيدُ بِكَلْبِي الْمُعَلَّمِ وَالَّذِي لَيْسَ مُعَلَّمًا فَأَخْبِرْنِي مَا الَّذِي يَحِلُّ لَنَا مِنْ ذَلِكَ فَقَالَ أَمَّا مَا ذَكَرْتَ أَنَّكَ بِأَرْضِ قَوْمٍ أَهْلِ الْكِتَابِ تَأْكُلُ فِي آنِيَتِهِمْ فَإِنْ وَجَدْتُمْ غَيْرَ آنِيَتِهِمْ فَلَا تَأْكُلُوا فِيهَا وَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَاغْسِلُوهَا ثُمَّ كُلُوا فِيهَا وَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ أَنَّكَ بِأَرْضِ صَيْدٍ فَمَا صِدْتَ بِقَوْسِكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ ثُمَّ كُلْ وَمَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ الْمُعَلَّمِ فَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ ثُمَّ كُلْ وَمَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ الَّذِي لَيْسَ مُعَلَّمًا فَأَدْرَكْتَ ذَكَاتَهُ فَكُلْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی از حیوۃ بن شریح ح، اور مجھے احمد بن ابی رجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلمہ بن سلیمان نے حدیث بیان کی از ابن المبارک از حیوۃ بن شریح، انہوں نے کہا: کہ میں نے ربیعہ بن یزید الدمشقی سے سنا، انہوں نے کہا: مجھے ابو ادریس عائذ اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم اہل کتاب کے لوگوں کی زمین میں رہتے ہیں، ہم ان کے برتنوں میں کھاتے ہیں اور شکار کی زمین میں رہتے ہیں اور میں اپنے تیر کمان سے شکار کرتا ہوں اور میں اپنے سدھائے ہوئے کتے سے شکار کرتا ہوں اور جو سدھایا ہوا کتا نہ ہو، اس سے بھی شکار کرتا ہوں۔سو آپ مجھے خبر دیں کہ ان میں سے کون سی چیز ہمارے لیے حلال ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تم نے جو کہا ہے کہ تم اہل کتاب کے لوگوں کی زمین میں رہتے ہو اور تم ان کے برتنوں میں کھاتے ہو، تو اگر تم ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن پاؤ تو تم ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ اور اگر تم دوسرے برتنوں کو نہ پاؤ تو ان برتنوں کو

دھونے کے بعد ان برتنوں میں کھالو اور وہ جو تم نے ذکر کیا ہے کہ تم شکار کی سرزمین میں رہتے ہو، تو جو تم نے اپنے تیر کمان سے شکار کیا اور تیر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی تو پھر تم کھالو، اور جو تم نے اپنے سدھائے ہوئے کتے سے شکار کیا تو تم اس پر بسم اللہ پڑھو اور کھالو اور جو تم نے اس کتے سے شکار کیا جو سدھایا ہوا نہیں تھا، پھر تم نے اس شکار کو زندہ پالیا تو اس کو ذبح کر کے کھالو۔

(صحیح البخاری: ۵۴۸۸، ۵۴۹۶، صحیح مسلم: ۱۹۳۰، سنن ترمذی: ۱۴۶۴، سنن نسائی: ۴۲۲۶، سنن ابوداؤد: ۲۸۵۵، سنن ابن ماجہ: ۳۲۰۷، مسند احمد: ۱۷۲۷۷، سنن داری: ۲۴۹۹)

صحیح البخاری: ۵۴۸۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث بھی عنقریب اس باب میں "ما اصاب المعراض بعرضه" گزر چکی ہے۔ وہاں امام بخاری نے اس حدیث کی عبداللہ بن یزید سے روایت کی ہے اور یہاں اس حدیث کی دو سندوں کے ساتھ روایت کی ہے۔ ایک سند ہے از ابو عاصم الضحاک بن مخلد از نبیل از حیوۃ بن شریح بن ربیعہ۔۔۔۔ الیٰ آخرہ۔ اور دوسری سند ہے از احمد بن ابی رجاء از سلمہ بن سلیمان مروزی۔ اور اس حدیث کی شرح گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۵۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۸۸ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

صحیح البخاری: ۵۴۸۸ حضرت ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حضرت ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ کے نام میں اختلاف ہے اور ان کے والد کے نام میں بھی بہت اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام جُرہم ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام جرہوم بن ناشب ہے۔ اور تیسرا قول ہے کہ ان کا نام ناشم ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ ان کا نام ناشر ہے اور پانچواں قول یہ ہے کہ ان کا نام الاشر بن جرہم ہے اور چھٹا قول یہ ہے کہ ان کا نام حمیر ہے، ساتواں قول یہ ہے کہ ان کا نام جرثومہ بن ناشج ہے اور اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

امام ابن سعد نے کہا ہے کہ حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت آئے جب آپ خیبر کی طرف جا رہے تھے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر میں حاضر ہوئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سات آدمیوں کے وفد کے ساتھ جا رہے تھے تو سب حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرے۔

علامہ واقدی نے کہا ہے کہ حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ شام میں ۷۵ھ میں فوت ہوئے تھے جب عبدالملک بن مروان کی خلافت کی

ابتداء تھی۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۴۱۶)

حافظ ابوعمر بن عبدالبر مالکی وغیرہ نے کہا ہے کہ حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ، ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی، پھر وہ شام میں چلے گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہو گئے۔ اور ابن الکلبی نے کہا ہے کہ انہوں نے بیعت رضوان کی اور اپنی قوم کی طرف پیغام بھیجا تو وہ بھی اسلام لے آئی۔ (الاستیعاب ج ۴ ص ۱۸۳)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۳۸۰۔۳۸۱، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ کورانی حنفی متوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی شرح پہلے گزر چکی ہے اور یہاں امام بخاری اس حدیث کو اس لیے لائے ہیں کہ اس میں شکار کرنے کی اجازت ہے اور شکار کے مباح ہونے کی دلیل ہے۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۹ ص ۱۴۹، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری ۵۴۸۸، کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ نے اہل کتاب کے برتنوں میں کھانے کے متعلق دریافت کیا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم کو دوسرے برتن مل جائیں تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ، اور اگر دوسرے برتن نہ ملیں تو ان کے برتنوں کو دھو کر ان میں کھالو"۔

غیر مسلموں کے برتنوں کو استعمال کرنے کا بیان

ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ اہل کتاب کے برتنوں کو استعمال کرنا صرف دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

ایک یہ ہے کہ ان کے علاوہ دوسرے برتن نہ ملیں اور دوسری شرط یہ ہے کہ ان کو دھو کر استعمال کیا جائے۔

اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جب دوسرا برتن نہ ملے تو ان کو دھو کر استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ ان کے برتن دھونے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اور جب ان کے علاوہ دوسرے برتن میسر ہوں تو پھر ان کے برتنوں سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ اہل کتاب سے متنفر ہونے میں مبالغہ ہو۔

(ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، ج ۱۲ ص ۲۸۳۔۲۸۴، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۴۸۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِي هِشَامُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ أَنْفَجْنَا أَرْنَبًا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ فَسَعَوْا عَلَيْهَا حَتَّى لَغِبُوا فَسَعَيْتُ عَلَيْهَا حَتَّى أَخَذْتُهَا فَجِئْتُ بِهَا إِلَى أَبِي طَلْحَةَ فَبَعَثَ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِوَرِكَيْهَا أَوْ فَخِذَيْهَا فَقَبِلَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از شعبہ، انہوں نے کہا: مجھے ہشام بن زید نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: ہم نے مر الظہران کے پاس ایک خرگوش کو برانگیختہ کیا، اور سب اس کے پیچھے دوڑے حتیٰ کہ تھک گئے، پھر میں اس کے پیچھے دوڑا حتیٰ کہ میں نے اس کو پکڑ لیا۔ پس میں اس کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس

لایا، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کے کولہوں یا اس کی رانوں کو بھیجا تو آپ نے قبول فرمالیا۔

(صحیح البخاری: ۲۵۷۲، ۵۴۸۹، ۵۵۳۵، صحیح مسلم: ۱۹۵۳، سنن ترمذی: ۱۷۸۹، سنن نسائی: ۴۳۱۲، سنن ابن ماجہ: ۳۲۴۳، مسند احمد: ۱۲۳۲۶، سنن دارمی: ۲۰۱۳)

صحیح البخاری: ۵۴۸۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: "انفجنا" اس کا معنی ہے: ہم نے اس خرگوش کو برانگیختہ کیا یا ابھارا۔

اور اس حدیث میں "مَرُّ الظهران" کا لفظ ہے، یہ مکہ کے قریب ایک جگہ ہے، اس جگہ کا پانی کڑوا ہے، اس لیے اس کو مَرّ کہتے ہیں۔ اس حدیث میں مذکور ہے "حتی لغبوا": اس کا معنی ہے: حتیٰ کہ وہ تھک گئے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں اس خرگوش کو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا، حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کے شوہر ہیں اور ان کا نام حضرت زید بن سہل الانصاری ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ اس کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس شرح کا خلاصہ یہ ہے کہ شکار کی طلب میں بھاگنا مستحب ہے۔ نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے احباب، اصحاب اور بزرگوں کی طرف تھوڑی مقدار میں ہدیہ پیش کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خرگوش کی رانیں بھیجی تھیں اور وہ مقدار میں بہت کم تھیں، نیز اس حدیث میں خرگوش کے کھانے کا ثبوت ہے۔ اس کے کھانے کے جواز پر ائمہ اربعہ متفق ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۱۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

موسیٰ بن طلحہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھنا ہوا خرگوش پیش کیا، آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تم کھاؤ۔ اعرابی نے کہا: میں نے اس میں حیض کا خون دیکھا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کچھ نہیں اور اعرابی سے فرمایا: تم کھاؤ۔ الحدیث

ہم اسی حدیث کے موافق کہتے ہیں کہ خرگوش کھایا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرگوش کا ہدیہ قبول فرمایا اور اس میں سے کھایا اور اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم کو اس کے کھانے کا حکم دیا ہے۔ (المبسوط ج ۱۱ ص ۲۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۸۹ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابن ملقن نے اس حدیث کی شرح میں یہاں پر "انفجنا اور لغبوا اور الورك اور فخذین" کے معانی لکھے ہیں اور زیادہ تفصیل نہیں کی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۸۱۔ ۳۸۲، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۴۹۰۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ حَتَّى إِذَا كَانَ بِبَعْضِ طَرِيقِ مَكَّةَ تَخَلَّفَ مَعَ أَصْحَابٍ لَهُ مُحْرِمِينَ وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ فَرَأَى حِمَارًا وَحْشِيًّا فَاسْتَوَى عَلَى فَرَسِهِ ثُمَّ سَأَلَ أَصْحَابَهُ أَنْ يُنَاوِلُوهُ سَوْطًا فَأَبَوْا فَسَأَلَهُمْ رُمْحَهُ فَأَبَوْا فَأَخَذَهُ ثُمَّ شَدَّ عَلَى الْحِمَارِ فَقَتَلَهُ فَأَكَلَ مِنْهُ بَعْضُ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَبَى بَعْضُهُمْ فَلَمَّا أَدْرَكُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ سَأَلُوهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ إِنَّمَا هِيَ طُعْمَةٌ أَطْعَمَكُمُوهَا اللهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابی النضر مولیٰ عمر بن عبید اللہ از نافع مولیٰ ابی قتادہ از حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے حتیٰ کہ مکہ کے کسی راستہ میں اپنے اصحاب کے ساتھ جو احرام باندھے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے اور حضرت ابوقتادہ احرام باندھے ہوئے نہیں تھے۔ انہوں نے ایک جنگلی گدھا دیکھا، وہ اپنے گھوڑے پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، پھر انہوں نے اپنے اصحاب سے سوال کیا کہ وہ ان کو کوڑا اٹھا کر دے دیں تو انہوں نے انکار کیا، پھر کہا: اچھا ان کا نیزہ اٹھا کر دے دیں، انہوں نے اس کا انکار کیا، پھر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے خود نیزہ اٹھا لیا، پھر جنگلی گدھے پر حملہ کیا اور اس کو مار ڈالا، پس رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب نے اس میں سے کھایا اور دوسرے بعض نے انکار کیا، پھر جب ان کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوگئی تو انہوں نے آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا، تو آپ نے یہ فرمایا: یہ وہ کھانا ہے جو تم کو اللہ تعالیٰ نے کھلایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۲۵۷۰، ۲۸۵۴، ۲۹۱۴، ۴۱۴۹، ۵۴۰۶، ۵۴۰۷، ۵۴۹۰، ۵۴۹۱، ۵۴۹۲، صحیح مسلم: ۱۱۹۶، سنن نسائی: ۲۸۲۴، مسند احمد: ۲۲۰۶۳، موطا امام مالک: ۷۸۶، سنن دارمی: ۱۸۲۶)

صحیح البخاری: ۵۴۹۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: "شکار میں مشغول ہونا" اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ جو غیر مُحرم تھے، وہ ایک سفر میں جنگلی گدھے کو دیکھ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اس پر حملہ کیا اور اس کو شکار کر لیا، تو اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند میں مذکور بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، اور یہ ابن ابی اویس ہیں، ان کا نام عبد اللہ ہے اور یہ مالک بن انس کے بھانجے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو النضر کا ذکر ہے، یہ سالم مولیٰ عمر بن عبید اللہ بن معمر القرشی ہیں۔ اور حضرت ابوقتادہ الحارث

الانصاری کا ذکر ہے، یہ صحابی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۰ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سوال کا جواب کہ جب حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ غیر مُحرم تھے تو انہوں نے میقات سے تجاوز کیوں کیا؟

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ غیر مُحرم تھے۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے میقات سے کیسے تجاوز کیا جب کہ وہ غیر محرم تھے؟

اور علامہ ابوعبدالملک نے کہا: یہ عمرۃ الحدیبیہ کا واقعہ ہے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ سے احرام باندھا تھا، اور حضرت ابو قتادہ اور ان کے اصحاب کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ساحلِ سمندر کے راستہ سے جائیں احرام باندھنے سے پہلے، پھر حضرت ابوقتادہ کے اصحاب نے احرام باندھ لیا اور انہوں نے احرام نہیں باندھا حتیٰ کہ انہوں نے جنگلی گدھے کو دیکھا۔

شکار میں مُحرم کے لیے غیر محرم کی مدد کرنے کا عدم جواز

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت ابوقتادہ نے اپنے اصحاب سے کہا کہ وہ ان کو کوڑا اٹھا کر دیں تو انہوں نے انکار کیا''، اس سے معلوم ہوا کہ محرم غیر محرم کی شکار میں مدد نہیں کر سکتا۔

اور صحیح البخاری کی بعض روایات میں ہے: آپ نے صحابہ سے پوچھا: کیا تم نے اس جنگلی گدھے کی طرف اشارہ کیا تھا یا ان کی مدد کی تھی، تو صحابہ نے عرض کی: نہیں!

جب مُحرم کے لیے شکار نہ کیا گیا ہو تو پھر مُحرم کے لیے شکار کو کھانے کا جواز

ابن وہب نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص غیر محرم ہو وہ اپنے لیے کسی جانور کا شکار کر سکتا ہے اور محرم کے لیے نہ کرے اور تمام شہروں کے فقہاء کا یہی مذہب ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا کہ محرم کے لیے شکار کو کھانا جائز نہیں ہے۔

امام مالک نے کہا: محرم شکار کو نہ کھائے، خواہ مُحرم نے اس کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ اور عطاء، امام احمد بن حنبل، اسحاق اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ مُحرم کے لیے شکار کو کھانا جائز ہے جب کہ اس نے نہ شکار کی طرف اشارہ کیا ہو اور نہ اس کے لیے شکار کیا گیا ہو۔

بہ طورِ پیشہ اور کسبِ معاش کے لیے شکار کرنے کا جواز

اس پر اجماع ہے کہ بہ طور پیشہ اور بہ طورِ طلبِ معاش شکار کرنا جائز ہے اور امام مالک نے کہا: جو لذت کے لیے شکار کرتا ہو، اس کی شہادت جائز نہیں ہے اور حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جنگل میں رہتا ہے، اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور جو شکار کا پیچھا کرتا ہے، اس کا دل غافل ہو جاتا ہے اور جو شیطان کی پیروی کرتا ہے، وہ فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (سنن نسائی:

۵۴۳۲ا، سنن ابوداؤد: ۲۸۵۹، سنن ترمذی: ۲۲۵۶)

مگر جو شخص لذت کے لیے شکار کرتا ہے اس میں غور کرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے فرائض کو ضائع کر دیتا ہے، اور جو نماز کے اوقات ہیں اور دیگر احکامِ شرعیہ ہیں ان کی رعایت نہیں کرتا تو یہ وہ چیز ہے جو اس کی شہادت کو ساقط کرتی ہے خواہ وہ شکار نہ کرتا ہو۔ اور اگر وہ ان میں سے کوئی چیز ظاہر نہ کرتا ہو تو پھر اس کی شہادت مسترد نہیں ہوگی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۳۸۰۔ ۳۸۴ ملخصاً ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۴۹۱۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ مِثْلَهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ هَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَحْمِهِ شَيْءٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ، یہ حدیث بھی اسی کی مثل ہے، مگر اس میں یہ ارشاد ہے کہ آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کوئی چیز ہے؟

(صحیح البخاری: ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۲۵۷۰، ۲۸۵۴، ۲۹۱۴، ۴۱۴۹، ۵۴۰۶، ۵۴۰۷، ۵۴۹۰، ۵۴۹۱، ۵۴۹۲، صحیح مسلم: ۱۱۹۶، سنن نسائی: ۲۸۲۴، مسند احمد: ۲۲۰۶۳، موطا امام مالک: ۷۸۶، سنن دارمی: ۱۸۲۶)

صحیح البخاری: ۵۴۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے، اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کتاب الحج میں چار مسلسل ابواب میں مختلف سندوں کے ساتھ گزر چکی ہے اور ان کے متون میں بھی کچھ اضافہ اور کچھ کمی ہے۔ البتہ زید بن اسلم کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کوئی چیز ہے؟

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۵۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۸۷، ۵۴۸۸، ۵۴۸۹، ۵۴۹۰، ۵۴۹۱، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان احادیث میں یہ دلیل ہے کہ شکار میں مشغول ہونا جائز ہے اور انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ شکار کو طلب کرے اور یہ طور لھو ولعب کے شکار نہ کرے لیکن شکار کو کھانے کے لیے شکار کرے یا اس کو فروخت کرنے کے لیے شکار کرے، رہا لہو و لعب کے لیے شکار کرنا تو یہ ممنوع ہے۔ اور بسا اوقات انسان سے اس پر مواخذہ ہوگا خاص طور پر جب اس سے یہ لازم آئے کہ وہ شکار کرنے کے سبب سے لوگوں کے کھیتوں کو خراب کرے اور ان کے باغوں میں داخل ہو یا ان کی املاک میں تصرف کرے۔

صحیح البخاری: ۵۴۸۹، میں یہ دلیل ہے کہ خرگوش حلال ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خرگوش کے شکار پر برقرار رکھا اور آپ کے پاس جو خرگوش کا گوشت پیش کیا گیا تھا، آپ نے اس کو کھایا اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو اس سے پہلے بھی گزر چکی ہے اس میں یہ دلیل ہے کہ جب غیر محرم کسی شکار کو مار ڈالے تو جو اس کے احباب محرم ہوں، ان کے لیے اس کو کھانا جائز ہے، جب تک کہ

اس نے ان کی وجہ سے شکار نہ کیا ہو، کیونکہ اس صورت میں اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت الصعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ نے ایک جنگلی گدھے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شکار کیا تو آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا: ہم اس کو صرف اس لیے واپس کر رہے ہیں کہ ہم محرم ہیں۔

فائدہ: فقہاء کہتے ہیں کہ اگر شکاری پرندے شکار کیے ہوئے پرندے کو کھالیں تو کوئی حرج نہیں ہے مثلاً باز کبوتر کا شکار کرے اور اس کا کچھ حصہ کھالے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ شکاری پرندے کے لیے شکار کرنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ وہ خود اس میں سے کچھ نہ کھالے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۴۲۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۱۔ بَابُ: التَّصَيُّدِ عَلَى الْجِبَالِ پہاڑوں پر شکار کرنا

یعنی شکار کرنے کے لیے پہاڑوں پر چڑھ کر جانا جائز ہے۔ اس عنوان میں الجبال کا لفظ ہے، یہ الجبل کی جمع ہے اور جبل کا معنی پہاڑ ہے۔

۵۴۹۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ الْجُعْفِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنَا عَمْرٌو أَنَّ أَبَا النَّضْرِ حَدَّثَهُ عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ وَأَبِي صَالِحٍ مَوْلَى التَّوْأَمَةِ سَمِعْتُ أَبَا قَتَادَةَ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ وَهُمْ مُحْرِمُونَ وَأَنَا رَجُلٌ حِلٌّ عَلَى فَرَسٍ وَكُنْتُ رَقَّاءً عَلَى الْجِبَالِ فَبَيْنَا أَنَا عَلَى ذَلِكَ إِذْ رَأَيْتُ النَّاسَ مُتَشَوِّفِينَ لِشَيْءٍ فَذَهَبْتُ أَنْظُرُ فَإِذَا هُوَ حِمَارُ وَحْشٍ فَقُلْتُ لَهُمْ مَا هَذَا قَالُوا لَا نَدْرِي قُلْتُ هُوَ حِمَارٌ وَحْشِيٌّ فَقَالُوا هُوَ مَا رَأَيْتَ وَكُنْتُ نَسِيتُ سَوْطِي فَقُلْتُ لَهُمْ نَاوِلُونِي سَوْطِي فَقَالُوا لَا نُعِينُكَ عَلَيْهِ فَنَزَلْتُ فَأَخَذْتُهُ ثُمَّ ضَرَبْتُ فِي أَثَرِهِ فَلَمْ يَكُنْ إِلَّا ذَاكَ حَتَّى عَقَرْتُهُ فَأَتَيْتُ إِلَيْهِمْ فَقُلْتُ لَهُمْ قُومُوا فَاحْتَمِلُوا قَالُوا لَا نَمَسُّهُ فَحَمَلْتُهُ حَتَّى جِئْتُهُمْ بِهِ فَأَبَى بَعْضُهُمْ وَأَكَلَ بَعْضُهُمْ فَقُلْتُ لَهُمْ أَنَا أَسْتَوْقِفُ لَكُمُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَأَدْرَكْتُهُ فَحَدَّثْتُهُ الْحَدِيثَ فَقَالَ لِي أَبَقِيَ مَعَكُمْ شَيْءٌ مِنْهُ قُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ كُلُوا فَهُوَ طُعْمٌ أَطْعَمَكُمُوهُ اللَّهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سلیمان الجعفی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو نے خبر دی کہ ان کو ابوالنضر نے حدیث بیان کی از نافع مولیٰ ابی قتادہ وابوصالح مولی التوأمۃ، انہوں نے بیان کیا: میں نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے راستہ میں تھا، اور ہم احرام باندھے ہوئے تھے، اور میں ایسا مرد تھا جو غیر محرم تھا، میں اپنے گھوڑے پر سوار تھا اور میں پہاڑوں پر چڑھنے کا بہت ماہر تھا۔ پس جب میں اسی حال پر تھا تو لوگ کسی چیز کی طرف چور نگاہوں سے دیکھ رہے تھے تو میں بھی دیکھنے لگا تو اچانک وہ ایک جنگلی گدھا تھا، میں نے ان سے کہا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم کو پتا نہیں، میں نے کہا: یہ تو جنگلی گدھا ہے، تو انہوں نے کہا: یہ تو وہی ہے جو تم نے دیکھا ہے اور میں اپنا کوڑا بھول گیا تھا، میں نے ان سے کہا: مجھے میرا کوڑا اٹھا دو تو انہوں نے کہا: ہم تمہاری اس پر مدد نہیں کریں گے۔ پس میں گھوڑے سے اترا اور میں نے کوڑا اٹھایا، پھر میں نے اس جنگلی گدھے کے پیچھے گھوڑا دوڑایا، پھر میں نے اس کو پالیا حتیٰ کہ میں نے اس کو ذبح کر دیا، پھر میں ان کے پاس آیا اور کہا: اٹھو اور اس جنگلی گدھے کو اٹھا

کر لے آؤ، تو ان صحابہ نے کہا: ہم اس کو نہیں چھوئیں گے، پھر میں نے اس کو اٹھایا حتیٰ کہ ان کے پاس لے آیا، پھر بعض صحابہ نے اس کو کھانے سے انکار کیا اور بعض نے کھالیا، تو میں نے ان سے کہا: میں تمہارے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کروں گا، سو میں نے آپ کو پالیا اور میں نے آپ کو یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: کیا تمہارے پاس اس میں سے کچھ گوشت بچا ہوا ہے، میں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا: کھاؤ یہ وہ کھانا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہیں کھلایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۲۵۷۰، ۲۸۵۴، ۲۹۱۴، ۳۱۴۹، ۵۴۰۶، ۵۴۰۷، ۵۴۹۰، ۵۴۹۱، ۵۴۹۲، صحیح مسلم: ۱۱۹۶، سنن نسائی: ۲۸۲۴، مسند احمد: ۲۲۰۶۳، موطا امام مالک: ۷۸۶، سنن دارمی: ۱۸۲۶)

صحیح البخاری: ۵۴۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مناسبت

اس حدیث میں مذکور ہے: ''میں پہاڑوں پر چڑھنے میں ماہر اور مشاق تھا''۔ اس کا معنی یہ ہے کہ میں پہاڑوں پر بہت زیادہ چڑھتا تھا، اور پہاڑوں پر چڑھنے اور اترنے میں مشقت اور تکلف ہے اور عنوان کا بھی یہی مقصد ہے کہ مشقت اور تکلف سے شکار کیا جائے۔ اور اس وقت مراد یہ تھی کہ انہوں نے پہاڑ کے اوپر سے شکار کیا ہے۔ اسی لیے کہا کہ میں پہاڑ سے اترا یا گھوڑے سے اترا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سلیمان کا ذکر ہے، یہ ابو سعید الجوفی الکوفی ہیں، جو مصر میں رہتے تھے اور یہ عبداللہ بن وہب مصری سے روایت کرتے تھے۔ اور وہ عمرو بن حارث المصری سے روایت کرتے تھے۔ اور اس حدیث میں ابوالنضر کا ذکر ہے، جو سالم ہیں اور وہ از نافع مولیٰ ابی قتادہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ابو صالح نبہان کا ذکر ہے، جو توأمة کے مولیٰ ہیں۔

ابن التین نے حکایت کی ہے کہ توأمة، حطمہ کے وزن پر ہے، علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ جب دو بچے ایک پیٹ سے پیدا ہوں تو ہر ایک کو توأمة کہا جاتا ہے۔

اور کہا جاتا ہے: یہ اس کا توأم ہے اور اس کی جمع تواأم ہے جیسے جعفر کی جمع جعافر ہے۔ اور اس حدیث میں جس توأمة کا ذکر ہے، وہ امیہ بن خلف الجمحی کی بیٹی ہیں۔ ان کو توأمة، اس لیے کہا گیا کہ یہ اپنی ماں کے پیٹ میں اپنی بہن کے ساتھ پیدا ہوئی تھیں یعنی جڑواں۔ اور ابو صالح نبہان جو توأمة کے مولیٰ ہیں، ان کی صحیح بخاری میں صرف یہی روایت ہے۔ اور نافع اور ابو صالح کا جو ذکر کیا گیا ہے، یہ دونوں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور یہ حدیث ابو صالح نبہان کی سند سے محفوظ ہے نہ کہ ان کے بیٹے صالح کی وجہ سے۔ اور جس نے اس کے علاوہ گمان کیا، اس نے غلطی کی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ مُحرم تھے اور یہ بھی مذکور ہے کہ میں ایسا مرد تھا جو غیر مُحرم تھا، ان دونوں جملوں میں واؤ حالیہ ہے، یعنی اس حال میں میں غیر مُحرم تھا اور دیگر اصحاب مُحرم تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''متشوفین'': یہ لفظ تشوّف سے بنا ہے، یعنی جب کوئی شخص کسی چیز کو چور نگاہوں سے دیکھے، یعنی حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب دراز گوش کی طرف چور نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ یعنی کسی چیز کو کن اکھیوں سے دیکھنا تا کہ دوسرے کو پتا نہ چلے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فی اثرہ'': یعنی میں نے دراز گوش کے پیچھے گھوڑا دوڑایا۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے: ''عقرتہ'': یعنی میں نے اس جنگلی گدھے کو زخمی کر دیا۔ اس حدیث میں مذکور ہے۔ ''فابی بعضھم'': یعنی بعض صحابہ کھانے سے رک گئے تو میں نے کہا: میں تمہارے لیے اس کا مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کروں گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۲ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شکار کے حصول کے لیے مشقت برداشت کرنے کا جواز

امام بخاری نے یہ تنبیہ کی ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنی سواری کو کسی غرض صحیح کی بناء پر مشقت میں ڈالنا جائز ہے اور وہ غرض یہاں پر شکار کرنا ہے، اور پہاڑ پر چڑھنا اور اترنا کسی مباح مقصد کے لیے جائز ہے اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے جو گھوڑا یا نیزہ مار کر دراز گوش کو زخمی کیا، یہ کسی حیوان کو عذاب دینا نہیں ہے بلکہ اس کے گوشت کو حاصل کرنے کا طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے کھانے کے لیے جائز قرار دیا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۳۸۶، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۱۲۔ بَابٌ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ (المائدہ: ۹۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے، تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے

صحیح البخاری باب: ۱۲ کی تعلیقات

وَقَالَ عُمَرُ صَيْدُهٗ مَا اصْطِيدَ وَطَعَامُهٗ مَا رَمٰى بِهٖ وَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ الطَّافِيْ حَلَالٌ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَعَامُهٗ

صحیح البخاری باب: ۱۲ کی تعلیقات کے تراجم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: سمندر کا شکار وہ ہے جس کا کسی طریقہ سے شکار کیا جائے، اور سمندر کا طعام وہ ہے جس کو سمندر باہر پھینک

مَيْتَتُهُ إِلَّا مَا قَذِرْتَ مِنْهَا وَالْجِرِّيُّ لَا تَأْكُلُهُ الْيَهُودُ وَنَحْنُ نَأْكُلُهُ وَقَالَ شُرَيْحٌ صَاحِبُ النَّبِيِّ ﷺ كُلُّ شَيْءٍ فِي الْبَحْرِ مَذْبُوحٌ وَقَالَ عَطَاءٌ أَمَّا الطَّيْرُ فَأَرَى أَنْ يَذْبَحَهُ۔

دے۔اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: سمندر میں مرا ہوا جانور جو سطح آب پر آ کر تیرنے لگے وہ حلال ہے۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سمندر کا طعام سمندر کا مردار ہے، مگر جو خراب ہو کر بدبودار ہو گیا ہو۔اور بام مچھلی کو یہود نہیں کھاتے اور ہم اس کو کھاتے ہیں۔اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت شریح رضی اللہ عنہ نے کہا: سمندر میں (ہر مری ہوئی چیز) مذبوح ہے۔اور عطاء نے کہا: رہے سمندری پرندے تو میری رائے یہ ہے کہ ان کو ذبح کیا جائے۔

وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ قُلْتُ لِعَطَاءٍ صَيْدُ الْأَنْهَارِ وَقِلَاتِ السَّيْلِ أَصَيْدُ بَحْرٍ هُوَ قَالَ نَعَمْ ثُمَّ تَلَا:

اور ابن جریج نے کہا: میں نے عطاء سے پوچھا: کہ دریاؤں کے شکار اور سیلاب کے گڑھوں کا شکار، کیا وہ بھی سمندری شکار کے مثل ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں، پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی:

هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۖ وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا (فاطر:۱۲)

''یہ بہت میٹھا ہے، اس کو پینا خوشگوار ہے اور یہ دوسرا نمکین سخت کھاری ہے اور تم ہر ایک سے تازہ گوشت کھاتے ہو'' (فاطر:۱۲)

وَرَكِبَ الْحَسَنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى سَرْجٍ مِنْ جُلُودِ كِلَابِ الْمَاءِ

اور حضرت حسن علیہ السلام سمندری کتے سے بنی ہوئی کھال کی زین کے اوپر سوار ہوئے۔

وَقَالَ الشَّعْبِيُّ لَوْ أَنَّ أَهْلِي أَكَلُوا الضَّفَادِعَ لَأَطْعَمْتُهُمْ وَلَمْ يَرَ الْحَسَنُ بِالسُّلَحْفَاةِ بَأْسًا وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُلْ مِنْ صَيْدِ الْبَحْرِ نَصْرَانِيٍّ أَوْ يَهُودِيٍّ أَوْ مَجُوسِيٍّ وَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ فِي الْمُرِي ذَبَحَ الْخَمْرَ النِّينَانُ وَالشَّمْسُ۔

اور الشعبی نے کہا: اگر میرے گھر والے مینڈک کھائیں تو میں ان کو مینڈک کھلاؤں گا۔اور حسن بصری کچھوا کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سمندر کے شکار سے کھاؤ خواہ نصرانی نے کیا ہو یا یہودی نے کیا ہو یا مجوسی نے کیا ہو، اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے شراب میں ڈوبی ہوئی مچھلی کے متعلق کہا: اس مچھلی کو شراب نے اور دھوپ نے ذبح کر دیا۔

تعلیقاتِ مذکورہ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ ان تعلیقات کی شرح میں لکھتے ہیں:

سمندری جانور کا حلال ہونا

وقال عمر: صیدہ ما اصطید وطعامہ ما رمی بہ:

یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ سمندر کا شکار وہ ہے جس کو کسی طریقہ سے سمندر سے شکار کیا جائے اور سمندر کا طعام وہ ہے جس کو سمندر نکال کر باہر پھینک دے۔

اس تعلیق کی امام عبد بن حُمید نے سندِ موصول کے ساتھ از عمر بن ابی سلمہ از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے۔وہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں بحرین میں آیا تو مجھ سے وہاں کے لوگوں نے سوال کیا کہ جس سمندری جانور کو سمندر نکال کر باہر پھینک دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو میں نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس کو کھائیں۔ پھر جب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو میں نے اس قصہ کا ذکر کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کی:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ (المائدہ:۹۶) تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔

سمندر میں مرا ہوا جانور جو سطح آب پر آ کر تیرنے لگے، اس کے حرام ہونے کی تحقیق

وقال ابوبکر: الطافی حلال۔

یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو سمندر میں مر جائے اور پانی کے اوپر ابھر آئے اور اس میں ڈوبے نہیں، وہ حلال ہے۔

اس تعلیق کی امام ابنِ ابی شیبہ نے از وکیع از سفیان از عبد الملک بن ابی بشر از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے۔وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق شہادت دیتا ہوں کہ انہوں نے کہا: جو مری ہوئی مچھلی پانی پر ابھر آئے، وہ حلال ہے۔اور امام طحاوی نے کتاب الصید میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جو اس کو کھانا چاہے اس کے لیے حلال ہے۔اور ہمارے اصحاب احناف نے کہا ہے: مری ہوئی مچھلی جو پانی پر ابھر آئے، اس کا کھانا مکروہ ہے۔اور امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور غیر مقلدین نے کہا کہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً فرمایا ہے کہ سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔(سنن ابوداؤد: ۸۳، سنن نسائی: ۵۹، سنن ترمذی: ۶۹، سنن ابن ماجہ: ۳۸۶)

فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ اس مردار سے مراد مطلقاً مردار نہیں ہے بلکہ جو مچھلی مر کر سطح آب پر ابھر آئے، اس کے علاوہ سمندری جانور مراد ہیں اور ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

از یحییٰ بن سلیم از اسماعیل بن امیہ از ابی الزبیر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس جانور کو سمندر نے پھینک دیا یا جس جانور سے سمندر پیچھے ہٹ جائے، سو تم اس کو کھا لو اور جو جانور سمندر میں مر کر اوپر ابھر آئے، سو تم اس کو نہ کھاؤ''۔اس حدیث کی امام ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔(سنن ابوداؤد: ۳۸۱۵، سنن ابن ماجہ: ۳۲۴۷)

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ امام بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یحییٰ بن سلیم کثیر الوہم اور بد حافظہ ہے۔اور دوسروں نے اس حدیث کی موقوفاً روایت کی ہے۔تو میں کہوں گا کہ یحییٰ بن سلیم سے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کی ہے، سو وہ ثقہ راوی ہیں۔اور ابن القطان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ یحییٰ ثقہ ہیں۔

اور اگر تم یہ اعتراض کرو کہ امام ابن الجوزی نے کہا ہے کہ اسماعیل بن امیہ متروک ہے، تو میں کہوں گا: اس طرح نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ اسماعیل بن امیہ، وہ ابو الصلت الزارع ہیں اور وہ متروک الحدیث ہے، لیکن یہ اسماعیل بن امیہ القرشی الاموی ہے، اور جس کا انہوں نے گمان کیا ہے، وہ ان کے طبقہ میں نہیں ہے۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ امام ابوداؤد نے کہا ہے کہ اس حدیث کی الثوری اور ایوب اور حماد نے ابو الزبیر سے حضرت جابر پر موقوفاً

روایت کی ہے اور سندِ ضعیف سے اس کی از ابن ابی الذئب از ابی الزبیر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت ہے کہ جس مچھلی کا تم شکار کرو اور وہ زندہ ہو تو اس کو کھالو۔ اور جس کو تم مر کر اور پانی پر ابھرا ہوا پاؤ، اس کو نہ کھاؤ۔ اور امام ترمذی نے کہا: میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: یہ حدیث محفوظ نہیں ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف منقول ہے اور مجھے ابن ابی الذئب کی ابی الزبیر سے کسی روایت کا علم نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ رہا امام بخاری کا یہ کہنا کہ مجھے ابن ابی الذئب کی ابی الزبیر سے کسی روایت کا علم نہیں ہے، یہ ان کے مذہب کی بناء پر ہے، کیونکہ وہ حدیث معنعن میں ثبوتِ سماع کی شرط لگاتے ہیں اور امام مسلم نے اس شرط پر شدید انکار کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ من گھڑت قول ہے اور جس پر اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ حدیث متصل کے لیے راوی اور مروی عنہ کی ملاقات اور سماع کا امکان کافی ہے۔ اور ابن ابی الذئب نے بالاتفاق ابو الزبیر کا زمانہ پایا اور ان کا اس سے سماع ممکن ہے، لہٰذا یہ حدیث متصل ہے اور صحیح ہے۔

اور امام حاکم نے المستدرک میں سندِ صحیح کے ساتھ اور امام طحاوی نے احکام القرآن میں یہ حدیث ذکر کی ہے:

از ربیع بن سلیمان المرادی از اسد بن موسیٰ از اسماعیل بن عیاش از عبد العزیز بن عبد اللہ از وہب بن کیسان ونعیم بن عبد اللہ المجمر از جابر بن عبد اللہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: آپ نے فرمایا: جس سے سمندر پیچھے ہٹ جائے، اس کو کھالو اور جس کو سمندر پھینک دے اس کو بھی کھالو، اور جس کو تم مرا ہوا اور پانی پر ابھرا ہوا پاؤ، اس کو نہ کھاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ۔ (المائدہ:۳) تم پر حرام کیا گیا ہے مردار۔

اس آیت سے مطلقاً مردار کو حرام کیا گیا ہے اور اس سے مچھلی مستثنیٰ ہے، سوا اس مچھلی کے جو مر کر پانی پر ابھر آئے، کیونکہ اس کی حلت میں اختلاف ہے۔ لہٰذا وہ مردار کے عموم میں داخل ہے۔ پس ان دلائل سے ثابت ہو گیا کہ جو مچھلی مر کر پانی پر ابھر آئے، اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگرچہ بعض دلائل کی وجہ سے ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین نے اس مردار مچھلی کے کھانے کو جائز کہا ہے، لیکن جب حلت اور حرمت دونوں کے دلائل موجود ہوں تو حرمت کے دلائل کو ترجیح دی جاتی ہے، لہٰذا راجح یہی ہے کہ مری ہوئی مچھلی جو پانی پر ابھر آئے، اس کا کھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ سننِ ابوداؤد اور سننِ ابنِ ماجہ میں اس کے کھانے کی صریح ممانعت ہے اور اس حدیث پر جو امام بیہقی وغیرہ نے اعتراضات کیے ہیں، اس کے علامہ عینی قدس سرہ نے بہت کافی شافی جوابات لکھ دیے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

سمندری طعام کا بیان

وقال ابن عباس: طعامه ميتته الا ما قذرت منها:

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سمندری طعام کے متعلق اس آیت سے استدلال کیا:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ (المائدہ:۹۶) تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔

یعنی سمندر میں مرا ہوا جانور حلال ہے، مگر جو مردار بدبودار ہو جائے اور اس سے گھن آئے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تعلیق کی امام طبری نے اپنی سندِ موصول کے ساتھ اسی آیت کی تفسیر میں روایت کی ہے۔

بام مچھلی کے کھانے کا جواز

والجري لاتاكله اليهود ونحن ناكله:

یعنی بام مچھلی کو یہود نہیں کھاتے اور ہم کھاتے ہیں، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، جس کی امام ابن شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے اور امام ابن شیبہ کی ایک روایت میں ہے کہ الشوری نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بام مچھلی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کو صرف یہود حرام قرار دیتے ہیں اور ہم اس کو کھاتے ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا کہ بام مچھلی وہ ہے جس کا چھلکا نہیں ہوتا اور عطاء نے کہا: ہر موٹی مچھلی بام مچھلی ہے اور علامہ ابن التین نے کہا اس کو ''الجریث'' بھی کہا جاتا ہے۔ الازہری نے کہا: ''الجریث'' مچھلی کی ایک قسم ہے جو سانپ کے مشابہ ہوتی ہے اور اس کو ''مار ماهی'' بھی کہا جاتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں ''جریث'' سیاہ رنگ کی مچھلی ہوتی ہے اور مار ماهی فارسی کا لفظ ہے۔

سمندر کے ہر جانور کے مذبوح ہونے کا بیان

وقال شريح صاحب النبي صلی اللہ علیہ وسلم: كل شيء في البحر مذبوح:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت شریح رضی اللہ عنہ نے کہا: سمندر میں ہر چیز مذبوح ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ تعلیق زید اور ابن السکن اور جرجانی کی روایت میں ثابت نہیں ہے، یہ صرف اصیلی کی روایت میں ثابت ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ شریح بن ہانی ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ ان کے علاوہ کوئی اور ہیں، کیونکہ شریح بن ہانی بن یزید بن کعب الحارثی جاہلی اسلامی ہیں، ان کی کنیت ابو الاسلام ہے اور ان کی کنیت ابو المقدام ہے، اور وہ صحابی ہیں اور رہے ان کے بیٹے شریح، تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور انہوں نے نہ آپ سے سماع کیا اور نہ آپ سے ملاقات کی۔ اور جس شریح کا یہاں ذکر کیا گیا ہے، یہ وہی ہیں۔

حافظ ابو عمر نے کہا ہے کہ شریح صحابہ میں سے ایک مرد ہیں جو حجازی ہیں، ان سے ابو الزبیر اور عمرو بن دینار نے روایت کی ہے، اور وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: کہ ہر وہ چیز جو سمندر میں ہو، وہ مذبوح ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے سمندر کے ہر جانور کو تمہارے لیے سمندر میں ذبح کر دیا ہے۔ ابو الزبیر اور عمرو بن دینار نے کہا: اس شریح نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا اور ابو حاتم نے کہا: کہ یہ صحابی ہیں۔ اور امام بخاری نے اس کا صرف اسی جگہ ذکر کیا ہے۔

تمام سمندری جانوروں سے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

میں کہتا ہوں کہ ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین نے اسی حدیث کی بناء پر سمندر کے تمام مردار جانوروں کو مذبوح اور حلال قرار دیا ہے اور امام ابو حنیفہ نے سمندری جانوروں میں سے صرف مچھلی کو حلال قرار دیا ہے، کیونکہ سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث ہے:

امام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں اور دو خون حلال کیے گئے ہیں، رہے دو مردار تو وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں اور رہے دو خون تو وہ

جگر اور تلی ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۳۱۴، ۳۲۱۸، مسند احمد: ۵۷۲۷)

نیز امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔ جو ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرے گا اور ناپاک چیزوں کو حرام کرے گا۔ (الاعراف: ۱۵۷)

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ خبائث سے مراد ہے جس چیز سے کراہیت اور گھن آئے۔ اور مچھلی کے سوا باقی سمندری جانوروں سے کراہیت اور گھن آتی ہے، لہٰذا ان کا کھانا جائز نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

سمندری پرندوں کو ذبح کرنے کا بیان

وقال عطا: اما الطير فاری ان يذبحه:

یعنی عطاء بن ابی رباح نے کہا: اس تعلیق کا امام ابوعبداللہ بن مندہ نے کتاب الصحابہ میں حضرت شریح کی حدیث کے بعد ذکر کیا ہے از ابن جریج، انہوں نے کہا کہ میں نے اس کا عطاء سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ سمندری پرندوں کو ذبح کیا جائے۔

دریاؤں کی مچھلیوں کے شکار اور سیلاب کے پانی میں جمع شدہ مچھلیوں کے شکار کا بیان

وقال ابن جريج: قلت لعطا: صيد الانهار وقلاة السيل اصيد بحر هو؟ قال نعم ـــ الی اخرہ

یعنی عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج نے کہا کہ میں نے عطاء بن ابی رباح سے "قِلاۃ السیل" کے بارے میں پوچھا:

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس سے انہوں نے ارادہ کیا ہے کہ سیلاب کا جو پانی بہہ کر کسی گڑھے یا تالاب میں جمع ہو جائے اور اس کے اندر مچھلیاں ہوں، اور اس تعلیق کی ابوقرۃ موسیٰ بن طارق سکسکی نے اپنی سنن میں از ابن جریج روایت کی ہے اور امام عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں از ابن جریج روایت کی ہے۔

سمندری کتوں کا بیان

ورکب الحسن عليه السلام على سرج من جلود كلاب الماء:

یعنی حضرت حسن علیہ السلام سمندری کتوں کی کھال سے بنی ہوئی زین کے اوپر سوار ہوئے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حسن سے مراد حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حسن بصری ہیں اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ پہلے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ دوسری روایت میں ہے کہ حسن علیہ السلام سوار ہوئے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں اس میں بھی مناقشہ ہو سکتا ہے اور "مِن جلود" کا معنی یہ ہے کہ وہ زین سمندری کتے کی کھال سے بنائی ہوئی تھی۔

میں کہتا ہوں: اس تعلیق سے مقصود یہ ہے کہ سمندری کتا پاک ہے، کیونکہ اس کی کھال سے بنی ہوئی زین کے اوپر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سوار ہوئے۔

مینڈک کے حلال یا حرام ہونے کا بیان

وقال الشعبی: لو ان اھلی اکلوا الضفادع لاطعمتھم:

یعنی شعبی نے کہا کہ اگر میرے گھر والے مینڈکوں کو کھائیں تو میں ان کو کھلاؤں گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس سے مراد عامر بن شراحیل الشعبی ہیں اور ''ضفادع'' ضفدع کی جمع ہے۔ اور ایک قول ضُفدع ہے۔

جاحظ نے کہا: مینڈک چیختا نہیں ہے اور جب تک اس کے نچلے حصہ میں پانی داخل نہ ہو، وہ چیختا نہیں ہے اور یہ وہ حیوان ہے جو پانی میں زندہ رہتا ہے اور خشکی کے اندر انڈے دیتا ہے، یہ کچھوے کی مثل ہے۔

امام مالک کے مذہب میں مینڈک کے متعلق اختلاف ہے، ابن القاسم نے المدونہ میں امام مالک سے روایت کی ہے کہ مینڈک اور کیکڑے اور کچھوے کو بغیر ذبح کیے کھانا جائز ہے، اور ابن القاسم سے روایت ہے کہ جس کا ٹھکانا پانی کے اندر ہو، اس کو بغیر ذبح کے کھایا جائے گا اور جو خشکی کے اندر رہتا ہو اور اس کا ٹھکانا اور مستقر خشکی ہو تو وہ بغیر ذبح کے نہیں کھایا جائے گا۔ اور محمد بن ابراہیم سے روایت ہے کہ ان جانوروں کو بغیر ذبح کے نہیں کھایا جائے گا۔ علامہ ابن التین نے کہا: امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

اس تعلیق میں جو شعبی کا قول ذکر کیا گیا ہے، وہ ابوسعید عثمان بن سعید دارمی کی درج ذیل روایت کے خلاف ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مینڈک کے متعلق سوال کیا گیا جس کو دواء میں ڈالا جاتا ہے تو آپ نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ابوسعید نے کہا: لہٰذا مینڈک کا کھانا مکروہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس کو قتل کیے بغیر اس کو کھانا ممکن نہیں ہے۔ اگر اس کو بغیر قتل کے کھایا تو وہ مردار ہے اور ابن حزم ظاہری نے کہا کہ مینڈک کا کھانا اصلاً حلال نہیں ہے۔

امام ابوداؤد نے کتاب الطب اور کتاب الادب میں اور امام نسائی نے کتاب الصید میں اپنی سندوں کے ساتھ از عبدالرحمن بن عثمان القرشی روایت کی ہے کہ ایک طبیب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مینڈک کے متعلق سوال کیا جس کو دواء میں ڈالا جاتا ہے تو آپ نے اس کو قتل کرنے سے منع کیا۔

اس حدیث کی امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ اور امام ابوداؤد الطیالسی نے اپنی مسانید میں اور امام حاکم نے اپنی المستدرک کی کتاب الطب میں روایت کی ہے اور کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

امام بیہقی نے کہا کہ مینڈک کے متعلق جو احادیث مروی ہیں، ان میں یہی حدیث قوی ہے اور حافظ المنذری نے کہا ہے: اس میں مینڈک کے کھانے کے حرام ہونے پر دلیل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ان احادیث صحیحہ کی بناء پر صحیح قول یہ ہے کہ مینڈک کا کھانا حرام ہے، خواہ وہ سمندری مینڈک ہو، برساتی مینڈک ہو یا خشکی کا مینڈک ہو۔ (سعیدی غفرلہٗ)

کچھوے کے حلال یا حرام ہونے کا بیان

ولم یر الحسن بالسلحفاۃ بأسا:

حسن بصری کچھوا کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام ابن شیبہ نے اس تعلیق کی سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے کہ حسن بصری نے کہا کہ کچھوا کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یزید بن ابی زیاد نے جعفر سے روایت کی ہے کہ ان کے پاس کچھوا لایا گیا تو انہوں نے اس کو کھا لیا۔ اور حجاج نے عطاء سے روایت کی ہے کہ کچھوے کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ابن حزم ظاہری کا زعم یہ ہے کہ کچھوے کو بغیر ذبح کے کھانا حلال نہیں ہے اور اس کا کھانا حلال ہے خواہ وہ خشکی کا کچھوا ہو یا سمندری کچھوا ہو۔ اور عطاء بن ابی رباح سے بھی کچھوا کھانے کی اباحت منقول ہے۔ اور طاؤس، محمد بن علی اور فقہاء مدینہ سے منقول ہے کہ کچھوے کا کھانا مباح ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک مچھلی کے سوا تمام سمندری جانوروں کو کھانا مکروہ تحریمی ہے جیسے کیکڑا یا کچھوا اور مینڈک اور سمندری خنزیر اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔ جو ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرے گا اور ناپاک چیزوں کو حرام کرے گا۔ (الاعراف: ۱۵۷)

اور مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور خبیث ہیں، یعنی ان سے گھن آتی ہے۔

غیر مسلموں کے سمندری شکار کا بیان

وقال ابن عباس: کل من صید البحر نصرانی او یهودی او مجوسی:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سمندری شکار خواہ نصرانی کا کیا ہوا ہو یا یہودی کا یا مجوسی کا، اس کو کھا لو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: صحیح البخاری کے قدیم نسخوں میں اسی طرح لکھا ہوا ہے اور بعض نسخوں میں اس طرح ہے کہ سمندری شکار کو کھا لو خواہ اس کو نصرانی نے شکار کیا ہو یا یہودی نے یا مجوسی نے، اور جو صحیح بخاری کے قدیم نسخے ہیں، ان کو بھی اسی پر محمول کرنا چاہیے۔

امام بیہقی نے از سماک بن حرب از عکرمہ از حضرت عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ سمندر جس جانور کو پھینک دے یا جس جانور کا کوئی یہودی یا نصرانی یا مجوسی شکار کرے، اس کو کھا لو۔

علامہ ابن التین نے کہا: اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر ان کے علاوہ کسی اور نے سمندری جانور کو شکار کیا تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔

شراب میں ڈوبی ہوئی مچھلی کا بیان

وقال ابو الدرداء فی المری ذبح الخمر النینان والشمس:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: شراب میں ڈوبی ہوئی مچھلی کو خمر نے اور دھوپ نے ذبح کر دیا۔

حضرت ابوالدرداء کا نام ہے عُویمر بن مالک الانصاری الخزرجی۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ المُری یہ عربی لفظ نہیں ہے، یہ اس کے مشابہ ہے جس کو لوگ ''الکامخ'' کہتے ہیں۔ الجوہری نے کہا یہ مُرّی ہے اور یہ کڑواہٹ کی طرف منسوب ہے، اور عام لوگ اس کو تخفیف کے ساتھ مُری پڑھتے ہیں اور الحربی نے کہا ہے کہ مُری شام میں بنائی جاتی ہے، شراب میں نمک اور مچھلی ڈال دی جاتی ہے اور اس کو دھوپ میں رکھ دیا جاتا ہے، تو اس کا ذائقہ متغیر ہو جاتا ہے اور تلخ ہو جاتا ہے، وہ کہتے ہیں: جس طرح مردار اور خمر حرام ہیں اور ذبح سے مردار حلال ہو جاتا ہے، اسی طرح شراب نمک میں ڈال دی جائے تو شراب سرکہ ہو جاتی ہے اور پھر وہ حلال ہو جاتی ہے۔

''النِّینان'': یہ نون کی جمع ہے اور نون کا معنی ہے مچھلی اور ''نینان'' کا معنی ہے: مچھلیاں، اور حضرت ابودرداء کے کلام کا معنی یہ ہے کہ جو مچھلیاں شراب میں ڈوبی ہوئی تھیں، ان کو دھوپ نے پاک کر دیا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ خمر کا سرکہ بنانے کو جائز قرار دیتے تھے اور یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ یعنی نمک اور دھوپ کی قوت خمر پر غالب آ گئی اور اس کو حلال کر دیا، گویا اس کو ذبح کر دیا، اس تعلیق میں ''نینان'' یعنی مچھلیوں کا ذکر ہے نمک کا ذکر نہیں ہے کیوں کہ مقصود نمک کے بغیر بھی حاصل ہو گیا۔

علامہ ابن ملقن نے التوضیح میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابودرداء اور حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) وغیرہم اور تابعین شراب میں ڈوبی ہوئی مچھلی کو کھاتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے خمر کو بعینہٖ حرام قرار دیا ہے اور اس کے نشہ کو بھی حرام قرار دیا ہے اور جس مچھلی کو دھوپ نے اور نمک نے ذبح کر دیا، یعنی اس کا ذائقہ متغیر کر دیا تو ہم اس کو کھاتے ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۵۵۔۱۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۹۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرًا رضي الله عنه يَقُولُ غَزَوْنَا جَيْشَ الْخَبَطِ وَأُمِّرَ أَبُو عُبَيْدَةَ فَجُعْنَا جُوعًا شَدِيدًا فَأَلْقَى الْبَحْرُ حُوتًا مَيِّتًا لَمْ يُرَ مِثْلُهُ يُقَالُ لَهُ الْعَنْبَرُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ نِصْفَ شَهْرٍ فَأَخَذَ أَبُو عُبَيْدَةَ عَظْمًا مِنْ عِظَامِهِ فَمَرَّ الرَّاكِبُ تَحْتَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ابن جریج، انہوں نے کہا: مجھے عمرو نے خبر دی، انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں: ہم جیش الخبط میں غزوہ کے لیے گئے، اور حضرت ابوعبیدہ کو اس لشکر کا امیر بنایا گیا تھا۔ ہم کو بہت سخت بھوک لگی تو سمندر نے ایک مردہ مچھلی پھینک دی، جس کی مثل کبھی دیکھی نہیں گئی تھی، اس مچھلی کا نام عنبر تھا (وہیل مچھلی)، ہم نے اس سے نصف ماہ تک کھایا، پھر حضرت ابوعبیدہ نے اس کی ہڈیوں میں سے ایک ہڈی کھڑی کر دی تو ایک سوار اس کے نیچے سے گزر گیا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۸۳، ۲۹۸۳، ۴۳۶۰، ۴۳۶۱، ۴۳۶۲، ۵۴۹۳، ۵۴۹۴، صحیح مسلم: ۱۹۳۵، سنن ترمذی: ۲۴۷۵، سنن نسائی: ۴۳۵۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۵۹، مسند احمد: ۱۳۸۷۴، موطا امام مالک: ۱۷۳۰، سنن داری: ۲۰۱۲)

صحیح البخاری: ۵۴۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: ''سمندری شکار کا حلال ہونا'': اور اس حدیث میں بھی یہ ذکر کیا گیا ہے کہ سمندر نے ایک بہت بڑی وہیل مچھلی کو ساحل پر پھینک دیا، جس کو صحابہ پندرہ یا اٹھارہ دن تک کھاتے رہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں الجیش الخبط کا ذکر ہے، خبط سے مراد ایک درخت کے پتے ہیں جن کو اونٹ کھاتے ہیں۔

اس حدیث میں حضرت ابوعبیدہ کا ذکر ہے، ان کا نام عامر بن عبداللہ بن الجراح ہے۔ یہ عشرۂ مبشرہ میں سے ایک ہیں یعنی جن دس صحابہ کو دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی تھی۔ اور اس میں مذکور ہے کہ حضرت ابوعبیدہ کو امیر بنایا گیا تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ ہمارے امیر حضرت ابوعبیدہ تھے۔ اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری: ۲۴۸۳ میں گزر چکی ہے۔

۵۴۹۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُولُ بَعَثَنَا النَّبِيُّ ﷺ ثَلَاثَ مِائَةِ رَاكِبٍ وَأَمِيرُنَا أَبُو عُبَيْدَةَ نَرْصُدُ عِيرًا لِقُرَيْشٍ فَأَصَابَنَا جُوعٌ شَدِيدٌ حَتَّى أَكَلْنَا الْخَبَطَ فَسُمِّيَ جَيْشَ الْخَبَطِ وَأَلْقَى الْبَحْرُ حُوتًا يُقَالُ لَهُ الْعَنْبَرُ فَأَكَلْنَا نِصْفَ شَهْرٍ وَادَّهَنَّا بِوَدَكِهِ حَتَّى صَلَحَتْ أَجْسَامُنَا قَالَ فَأَخَذَ أَبُو عُبَيْدَةَ ضِلَعًا مِنْ أَضْلَاعِهِ فَنَصَبَهُ فَمَرَّ الرَّاكِبُ تَحْتَهُ وَكَانَ فِينَا رَجُلٌ فَلَمَّا اشْتَدَّ الْجُوعُ نَحَرَ ثَلَاثَ جَزَائِرَ ثُمَّ ثَلَاثَ جَزَائِرَ ثُمَّ نَهَاهُ أَبُو عُبَيْدَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از عمرو، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا: ہمیں نبی ﷺ نے تین سو (۳۰۰) سواروں پر مشتمل لشکر میں بھیجا اور ہمارے امیر حضرت ابوعبیدہ تھے۔ ہم قریش کے لشکر کی گھات میں تھے، پھر ہم کو شدید بھوک لگی حتیٰ کہ ہم نے ایک درخت کے پتے کھائے جن کو خبط کہا جاتا ہے، سو اس لشکر کا نام جیش الخبط پڑ گیا اور سمندر نے ایک مچھلی پھینک دی جس کو عنبر کہا جاتا تھا، سو ہم اس کو نصف ماہ تک کھاتے رہے اور اس کی چربی کو اپنے جسم پر لگاتے رہے حتیٰ کہ ہمارے جسم تندرست ہو گئے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر حضرت ابوعبیدہ نے اس مچھلی کی پسلیوں میں سے ایک پسلی اٹھا کر نصب کر دی تو ایک سوار اس کے نیچے سے گزر گیا اور ہم میں ایک مرد تھا جب زیادہ بھوک لگتی تو وہ تین اونٹ ذبح کر دیتا، پھر دوبارہ تین اونٹ ذبح کر دیتا تو حضرت ابوعبیدہ نے اس کو اس سے منع کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۸۳، ۲۹۸۳، ۴۳۶۰، ۴۳۶۱، ۴۳۶۲، ۵۴۹۳، ۵۴۹۴، صحیح مسلم: ۱۹۳۵، سنن ترمذی: ۲۴۷۵، سنن نسائی: ۴۳۵۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۵۹، مسند احمد: ۱۳۸۷۴، موطا امام مالک: ۱۷۳۰، سنن دارمی: ۲۰۱۲)

صحیح البخاری: ۵۴۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث مذکور کی دوسری سند ہے جو عبداللہ بن محمد الجعفی سے مروی ہے، یہ المسندی کے نام سے معروف ہیں از سفیان بن عیینہ از عمرو بن دینار۔

نیز اس حدیث میں ''ودك'' کا ذکر ہے، اس سے مراد اس مچھلی کا تیل ہے۔

نیز اس حدیث میں ذکر ہے: ''ہم میں ایک مرد تھا، جب زیادہ بھوک لگتی تو وہ تین اونٹ ذبح کر دیتا'': اس مرد کا نام قیس بن سعد بن عبادہ الانصاری ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۲۴۸۳ میں گزر چکی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۴۹۴، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سمندری مردہ مچھلی اور درخت کے پتوں کو کھانے کا جواز

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ سمندری شکار کو کھانا جائز ہے، کیونکہ سمندر نے جس بڑی مچھلی کو پھینک دیا تھا، وہ مردہ تھی اور اس کو صحابہ پندرہ دن سے زائد تک کھاتے رہے۔ نیز اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ جب انسان بھوکا ہو اور اس کو کھانے کو کچھ نہ ملے تو وہ درخت کے پتے بھی کھا سکتا ہے بشرطیکہ وہ درخت کے پتے زہریلے نہ ہوں۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۳۷، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

سمندری شکار کے متعلق ائمہ مذاہب کی آراء

علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی نے کہا: مینڈک کے سوا ہر سمندری شکار مباح ہے اور الشعبی نے کہا: اگر میرے گھر والے مینڈک کو کھائیں تو میں انہیں مینڈک کھلاؤں گا، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ سمندر میں جتنے بھی جانور ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے ذبح کر دیا ہے اور قرآن مجید میں بہ طور عموم فرمایا:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ (المائدہ: ۹۶) تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ سمندر کے تمام شکار حلال ہیں۔ اور عطاء اور عمرو بن دینار سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے لیے سمندر کی ہر چیز کو ذبح کر دیا، رہا مینڈک تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

(سنن ترمذی: ۳۳۶۲، سنن ابوداؤد: ۳۸۷۱، سنن ابن ماجہ: ۳۲۲۳، سنن دارمی: ۱۹۹۸، مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۳)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مینڈک کا کھانا حرام ہے، رہا مگر مچھ تو امام احمد سے منقول ہے کہ یہ نہیں کھایا جائے گا اور امام

اوزاعی سے منقول ہے کہ جسے بھوک لگے وہ اسے کھالے، اور ابن حامد نے کہا: مگر مچھ کو نہیں کھایا جائے گا اور نہ الکوسج کو۔ (الکوسج ایک قسم کی مچھلی ہے جس کی سونڈ آری کی طرح ہوتی ہے)، کیونکہ لوگ ان کو نہیں کھاتے۔

اور ابراہیم النخعی وغیرہ سے روایت ہے: انہوں نے کہا کہ سمندری درندے مکروہ تحریمی ہیں جس طرح خشکی کے درندے مکروہ ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلیوں والے درندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اور ابو علی النجاد نے کہا: جس جانور کی نظیر خشکی میں حرام ہے، اس جانور کی نظیر سمندر میں بھی حرام ہے جیسے سمندری کتا، سمندری خنزیر اور سمندری انسان۔ اور یہی اللیث کا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ مچھلی کے سوا اور کوئی سمندری جانور حلال نہیں ہے۔ اور امام مالک نے کہا: ہر سمندری جانور مباح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ (المائدہ:۹۶) تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ ج ۱۳ ص ۱۰۸، دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

(میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ کے دلائل اس باب کی تعلیقات میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ سعیدی غفرلہ)

۱۳۔ بَابُ: أَكْلِ الْجَرَادِ ٹڈی کو کھانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

ٹڈی کی تعریف اور ٹڈی کو کھانے کے متعلق مذاہب فقہاء

اس باب میں ٹڈی کے کھانے کے جواز کو بیان کیا گیا ہے، خواہ ٹڈی مذکر ہو یا مونث ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ ٹڈی کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ ہے جو ہوا میں اڑتی ہے، اس کو الفارس کہا جاتا ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جو کسی پر گر کر اس کو روند دیتی ہے اور اس کی چھ ٹانگیں ہوتی ہیں، جب فصلِ بہار ہوتی ہے اور ٹڈی انڈے دینا چاہتی ہے تو وہ جنگلوں میں اور چٹانوں میں سخت زمین کو ڈھونڈتی ہے اور وہاں انڈے دیتی ہے اور ان میں سے ہر ایک سو انڈے دیتی ہے اور وہ ہوا میں اڑتی ہے۔ اور یہ فصلوں کو کھا جاتی ہے اور ایک فصل کو کھانے کے بعد دوسری زمین کی طرف چلی جاتی ہے اور وہاں انڈے دیتی ہے۔

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ٹڈی کو بغیر ذبح کے کھانا جائز ہے، مگر امام مالک کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ اس کو ذبح کرنا شرط ہے اور انہوں نے اور فقہاء مالکیہ کا ذبح کی صفت میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کا سر کاٹا جائے گا اور ابن وہب مالکی نے کہا: ٹڈی کو پکڑ لینا ہی اس کو ذبح کرنا ہے۔ اور امام مالک سے منقول ہے کہ جب ٹڈی کو زندہ پکڑ لیا اور اس کا سر کاٹا یا اس کو بھون لیا یا پکا لیا تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور جس نے اس کو زندہ پکڑا اور ذبح کرنے سے غافل ہو گیا حتیٰ کہ وہ مر گئی تو پھر نہیں کھائی جائے گی۔

اور امام طحاوی نے کتاب الصید میں ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ کیا آپ کے نزدیک ٹڈی مچھلی کے مثل ہے جس نے ٹڈی کو پکڑ لیا اس کو کھا لے خواہ بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے، تو انہوں نے کہا: ہاں! اور امام ابوحنیفہ سے پوچھا کہ اگر مر گئی

ہوئی ٹڈی زمین پر پائی جائے تو انہوں نے کہا: اس کو کھانا بھی جائز ہے اور امام ابوحنیفہ سے پوچھا کہ اگر بارش سے ٹڈی مر جائے تو انہوں نے کہا: اس کو بھی کھانا جائز ہے، ٹڈی کسی چیز اور کسی وجہ سے بھی حرام نہیں ہوتی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۹۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي يَعْفُورٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي أَوْفَى رضی اللہ عنہما قَالَ غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ سَبْعَ غَزَوَاتٍ أَوْ سِتًّا كُنَّا نَأْكُلُ مَعَهُ الْجَرَادَ قَالَ سُفْيَانُ وَأَبُو عَوَانَةَ وَإِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي يَعْفُورٍ عَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى سَبْعَ غَزَوَاتٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی یعفور، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے نبی ﷺ کے ساتھ سات یا چھ غزوات کیے، اور ہم آپ کے ساتھ ٹڈی کھاتے تھے۔ سفیان اور ابوعوانہ اور اسرائیل نے از ابو یعفور از ابن ابی اوفی سات غزوات کی روایت کی ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۵۲، سنن ترمذی: ۱۸۲۲، سنن نسائی: ۴۳۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۸۱۲، مسند احمد: ۱۸۶۳۳، سنن دارمی: ۲۰۱۰)

صحیح البخاری: ۵۴۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: ''ٹڈی کھانا'' اور حدیث میں مذکور ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ چھ یا سات غزوات میں ٹڈی کھاتے تھے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالولید کا ذکر ہے، ان کا نام ہے ہشام بن عبد الملک الطیالسی اور ابو یعفور کا ذکر ہے، ان کا نام ہے وقدان اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام واقد ہے اور وقدان ان کا لقب ہے۔ امام مسلم نے کہا ہے کہ یہ اکبر ہیں اور ایک ابو یعفور اصغر ہیں، ان کا نام عبدالرحمن بن عبید ہے اور یہ دونوں ثقہ ہیں اور اہل کوفہ میں سے ہیں۔ اور صحیح بخاری میں اکبر کی صرف یہی حدیث ہے۔

اور ہمارے شیخ زین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ابو یعفور اصغر نے صحابہ میں سے کسی سے سماع نہیں کیا اور ابو یعفور اکبر نے صحابہ کی ایک جماعت سے سماع کیا ہے، ان میں سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں، اور حضرت انس ہیں اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ ہیں۔ یہ ایک سو بیس ہجری (۱۲۰ھ) میں فوت ہو گئے تھے۔ اور حضرت ابو اوفیٰ رضی اللہ عنہ کا نام علقمہ بن خالد اسلمی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

علامہ عینی فرماتے ہیں: غزوات کے عدد میں حدیث کے الفاظ مختلف ہیں۔ امام ترمذی نے اس طرح روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چھ غزوات کیے ہیں، ہم ٹڈی کھاتے تھے۔ اسی طرح سفیان بن عیینہ نے ابو یعفور سے روایت کی

ہے اور چھ غزوات کا ذکر کیا ہے۔ اور سفیان ثوری نے اس حدیث کی ابویعفور سے روایت کی ہے اور اس میں سات غزوات کا ذکر کیا ہے۔ اور شعبہ کی روایت میں غزوات کے عدد کا ذکر نہیں ہے اور صحیح بخاری میں اس کا بہ طور شک ذکر ہے اور اسی طرح سنن ابوداؤد کی روایت میں ہے اور سنن نسائی میں چھ غزوات کا ذکر ہے بغیر شک کے۔

یہ حدیث ٹڈی کھانے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ فقہاء نے کہا ہے: ٹڈی کا کھانا بالاجماع حلال ہے اور علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ اندلس کی ٹڈیوں کو کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ ان میں ضرر محض ہے۔ اور فقہاء مالکیہ سے اس کے خلاف مشہور ہے اور ٹڈی کھانے کے جواز میں کئی احادیث ہیں۔

ٹڈی کھانے کے جواز کے متعلق احادیث

امام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں، مچھلی اور ٹڈی اور دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ دو خون حلال کیے گئے ہیں، جگر اور تلی''۔

اور امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں اپنی سند کے ساتھ جابر الجعفی سے روایت کرتے ہیں اور وہ ضعیف ہے از جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا تو ہم نے ٹڈیوں کو پایا، سو ہم نے ان کو کھایا۔

امام ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج یا عمرہ کے سفر میں گئے، تو ہمارے سامنے ایک مرد آیا، اس کے ساتھ ٹڈیاں تھیں۔ ہم ان ٹڈیوں کو اپنے کوڑوں اور جوتوں سے مارتے تھے، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کو کھاؤ، یہ سمندر کے شکار میں سے ہیں۔

ٹڈی کھانے کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام الدارقطنی زینب بنت منجل سے روایت کرتے ہیں از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے بچوں کو ٹڈیوں کے پکڑنے سے ڈانٹتے تھے اور بچے ان ٹڈیوں کو کھاتے تھے۔ ابوالحسن نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔

امام ابوداؤد از سلیمان روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ٹڈیوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: نہ میں اس کو حلال کرتا ہوں اور نہ میں اس کو حرام قرار دیتا ہوں۔ امام ابوداؤد نے کہا: یہ روایت مرسل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۶۳۔ ۱۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۵، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث شریف اس پر دلالت کرتی ہے کہ ٹڈی کا کھانا جائز ہے اور مردار ٹڈی بھی کھائی جائے گی، کیونکہ حدیث صحیح میں ہے'' ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں اور دو خون حلال کیے گئے ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی اور جگر اور تلی۔

اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ ٹڈی کا کھانا جائز ہے حتیٰ کہ علامہ نووی نے اس کے کھانے کے جواز پر اجماع کو نقل کیا ہے۔

حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کی موجودگی میں ٹڈی کھاتے تھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹڈی کو نہیں کھایا اور آپ نے اس کو ناپسند کیا ہے جیسا کہ آپ نے گوہ کو ناپسند کیا تھا۔ اور امام ابوداؤد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹڈی کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: نہ میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ میں اس کو حرام قرار دیتا ہوں اور یہ حدیث مرسل ہے۔ اور حدیث مرسل وہ ہوتی ہے جس کی روایت سے صحابی ساقط ہو۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی، ج ۵ ص ۱۹۲۔ ۱۹۳، المکتبۃ العصریہ ۱۴۳۲ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۵ کی شرح از علامہ القسطلانی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام احمد سے روایت ہے کہ جب ٹڈی سردی سے مرجائے تو اس کو نہ کھایا جائے، اور امام مالک کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ٹڈی کا سر کاٹ دیا جائے تو وہ حلال ہے ورنہ نہیں۔ اور امام بیہقی نے حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ حضرت مریم ابنۃ عمران نے اپنے رب سے دعا کی کہ ان کو ایسا گوشت کھلائے جس میں خون نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ٹڈی کھلائی، اور حلیۃ الاولیاء میں یزید بن میسرہ کے تذکرہ میں ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما الصلوٰۃ والسلام کا طعام ٹڈی تھی۔ (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۲۹۵، ۲۹۶، دارالفکر بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۵، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ٹڈی کو کھانے کے لیے ذبح کرنے کی شرط نہیں ہے، کیونکہ ذبح کرنے سے مقصود خون کو بہانا ہوتا ہے اور ٹڈی میں خون نہیں ہوتا۔ اسی لیے اگر تم نے مردار ٹڈی کو پایا تو اس کو کھانا جائز ہے، اس کو کس طرح کھایا جائے؟ ہم کہتے ہیں کہ ان کو کچھ بھون لیا جائے یا ان کو سخت گرم پانی میں ڈال کر پکا لیا جائے اور ان کو برف میں نہ رکھا جائے، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ برف سے ان کو تکلیف ہوتی ہے اور مرنے میں عذاب ہوتا ہے، لیکن گرم پانی میں یہ جلدی مرجاتی ہیں۔ اور ضروری یہ ہے کہ گرم پانی کھول رہا ہو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جب تم کسی کو قتل کرو تو آسانی سے قتل کرو اور جب ذبح کرو تو آسانی سے ذبح کرو، تو ٹڈی کو ایک ہی مرتبہ قتل کر دینا اس کے لیے زیادہ رحم کا سبب ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کو برف میں رکھ کر مارا جائے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۳۷۔ ۲۳۸، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۴۔ بَابُ: آنِيَةِ الْمَجُوسِ وَالْمَيْتَةِ — مجوس کے برتنوں اور مردار کے کھانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مجوس کے برتنوں میں کھانے پینے کے حکم کو بیان کیا گیا ہے، امام بخاری نے اسی طرح عنوان قائم کیا ہے اور اس باب کی حدیث میں مجوس کا ذکر نہیں ہے، اس میں اہل کتاب کا ذکر ہے۔ اس کی توجیہ میں کہا گیا ہے کہ شاید امام بخاری کی رائے یہ

تھی کہ مجوس اہلِ کتاب سے ہیں اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ امام بخاری نے یہ عنوان اس لیے قائم کیا کہ اہلِ کتاب اور مجوس دونوں کے برتنوں کو استعمال کرنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ یہ نجاسات سے اجتناب نہیں کرتے۔ اور علامہ کرمانی نے کہا: یہ دونوں اس میں برابر ہیں کہ یہ نجاسات سے پرہیز نہیں کرتے۔ تو قیاس سے ایک کا حکم دوسرے پر لگا دیا۔ اور اس کی توجیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض احادیث میں مجوس کا ذکر ہے۔

امام ترمذی نے حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجوس کے برتنوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ان کو دھو کر صاف کر لو اور ان میں کھانا پکا لو اور امام بخاری کی عادت یہ ہے کہ وہ ایک عنوان قائم کرتے ہیں، پھر اس باب میں حدیث وارد کرتے ہیں جس سے اس کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۹۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ حَيْوَةَ بْنِ شُرَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنِي رَبِيعَةُ بْنُ يَزِيدَ الدِّمَشْقِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيُّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا بِأَرْضِ أَهْلِ الْكِتَابِ فَنَأْكُلُ فِي آنِيَتِهِمْ وَبِأَرْضِ صَيْدٍ أَصِيدُ بِقَوْسِي وَأَصِيدُ بِكَلْبِي الْمُعَلَّمِ وَبِكَلْبِي الَّذِي لَيْسَ بِمُعَلَّمٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَمَّا مَا ذَكَرْتَ أَنَّكَ بِأَرْضِ أَهْلِ كِتَابٍ فَلَا تَأْكُلُوا فِي آنِيَتِهِمْ إِلَّا أَنْ لَا تَجِدُوا بُدًّا فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا بُدًّا فَاغْسِلُوهَا وَكُلُوا وَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ أَنَّكُمْ بِأَرْضِ صَيْدٍ فَمَا صِدْتَ بِقَوْسِكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ وَكُلْ وَمَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ الْمُعَلَّمِ فَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ وَكُلْ وَمَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ الَّذِي لَيْسَ بِمُعَلَّمٍ فَأَدْرَكْتَ ذَكَاتَهُ فَكُلْهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی از حیوۃ بن شریح، انہوں نے کہا: مجھے ربیعہ بن یزید الدمشقی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابو ادریس الخولانی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، پس میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم اہلِ کتاب کی سرزمین میں ہوتے ہیں، ہم ان کے برتنوں میں کھاتے ہیں اور ہم شکار کی سرزمین میں ہوتے ہیں، میں اپنے تیر کمان کے ساتھ شکار کرتا ہوں اور میں اپنے سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ شکار کرتا ہوں اور اپنے اس کتے کے ساتھ شکار کرتا ہوں جو سدھایا ہوا نہیں ہوتا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہا یہ کہ تم نے ذکر کیا ہے کہ تم اہلِ کتاب کی سرزمین میں ہوتے ہو تو تم ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ، سوا اس کے کہ تمہارے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہو، پس اگر تمہارے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہو تو ان برتنوں کو دھو لو اور ان میں کھاؤ، اور وہ جو تم نے ذکر کیا ہے کہ تم شکار کی سرزمین میں ہوتے ہو تو جو تم نے اپنے تیر کمان سے شکار کیا ہے تو اس پر بسم اللہ پڑھو اور کھا لو اور وہ جو تم نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کے شکار کا ذکر کیا ہے تو اس پر بھی بسم اللہ پڑھو اور کھا لو اور وہ جو تم نے اپنے اس کتے سے شکار کیا جو سدھایا ہوا نہیں تھا تو اگر تم نے شکار کو زندہ پا لیا تو اس کو ذبح کر کے اس کو کھا لو۔

(صحیح البخاری: ۵۴۸۸، ۵۴۹۶، صحیح مسلم: ۱۹۳۰، سنن ترمذی: ۱۴۶۴، سنن نسائی: ۴۲۲۶، سنن ابوداؤد: ۲۸۵۵، سنن ابن ماجہ: ۳۲۰۷، مسند احمد: ۱۷۲۷۷، سنن دارمی: ۲۴۹۹)

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس میں ایک بحث یہ ہے کہ اس حدیث میں مجوس کا ذکر نہیں ہے اور باب میں مجوس کا ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مجوس بھی اہلِ کتاب کی طرح ہیں جو نجاسات سے نہیں بچتے، دوسری بحث یہ ہے کہ حدیث کے عنوان میں مردار کا بھی ذکر ہے اور حدیث میں مردار کا ذکر نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ جب تم شکار پر تیر مارو تو بسم اللہ پڑھ کر تیر مارو، یعنی اگر بسم اللہ پڑھ کر تیر نہیں مارا تو پھر وہ مردار ہے۔

یہ حدیث عنقریب باب ''ماجاء فی التصید'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

۵۴۹۷۔ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ لَنَا أَمْسَوْا يَوْمَ فَتَحُوا خَيْبَرَ أَوْقَدُوا النِّيرَانَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَامَ أَوْقَدْتُمْ هَذِهِ النِّيرَانَ قَالُوا لُحُومِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ قَالَ أَهْرِيقُوا مَا فِيهَا وَاكْسِرُوا قُدُورَهَا فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقَالَ نُهَرِيقُ مَا فِيهَا وَنَغْسِلُهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوْ ذَاكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں المکی بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ابی عبید نے حدیث بیان کی از سلمہ بن الاکوع، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب صحابہ پر فتح خیبر کے دن شام ہوئی تو انہوں نے آگ جلائی، نبی ﷺ نے پوچھا: تم نے یہ آگ کس چیز پر جلائی ہے؟ تو انہوں نے کہا: پالتو گدھوں پر۔ آپ نے فرمایا: ان ہانڈیوں میں جو کھانا پکا ہوا ہے، اس کو پھینک دو اور ان ہانڈیوں کو توڑ دو، تو صحابہ میں سے ایک مرد کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا: ہم اس میں جو سالن پکا ہوا ہے اس کو پھینک دیں اور ان ہانڈیوں کو دھولیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: یا اس طرح کرلو۔

(صحیح البخاری: ۲۴۷۷، ۴۱۹۶، ۵۴۹۷، ۶۱۴۸، ۶۳۳۱، ۶۸۹۱، صحیح مسلم: ۱۸۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۱۹۵، مسند احمد: ۱۶۰۷۸)

صحیح البخاری: ۵۴۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب میں اس حدیث کو وارد کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ پالتو گدھے حرام ہیں، تو وہ مردار کی مثل ہو گئے، اور اس باب میں مردار کے کھانے کا بھی ذکر ہے، یعنی مردار کا کھانا جائز نہیں ہے، اس لیے جن ہانڈیوں میں پالتو گدھوں کا گوشت پکا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اس گوشت کو گرادو اور ہانڈیوں کو دھولو۔ اور جن ہانڈیوں میں پالتو گدھوں یعنی مردار کا گوشت پکا ہوا تھا تو ان کو دھونے کے بعد وہ قابلِ استعمال ہوگئیں تو اسی طرح مجوس کے برتن بھی دھونے کے بعد قابلِ استعمال ہوں گے۔ سو یہ بھی اس باب کے ساتھ مطابقت کی توجیہ ہے، کیونکہ مجوس کے ذبائح بھی مردار ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں فرمایا ہے: "اھریقوا": یہ اھرق یھرق کا باب ہے اور اس میں ھاء زائد ہے۔اصل میں اراق یریق ہے جس کے معنی گرانا اور بہانا ہیں۔

اس حدیث میں فرمایا ہے "او ذاک": یعنی اس میں یہ اشارہ ہے کہ تمہیں اختیار ہے چاہو تو ہانڈیوں کو توڑ دو یا ان کو دھولو۔علامہ نووی نے کہا ہے: آپ نے پہلے فرمایا تھا کہ ہانڈیوں کو توڑ دو، اور پھر فرمایا: چاہو تو ان کو دھولو۔ہوسکتا ہے کہ پہلے آپ نے وحی سے فرمایا ہو کہ ہانڈیوں کو توڑ دو، پھر وحی نے اس حکم کو منسوخ کر دیا یا آپ نے اپنے اجتہاد سے فرمایا ہو کہ ان ہانڈیوں کو توڑ دو، پھر آپ کا اجتہاد متغیر ہو گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۶۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۷ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور میں مردار کے ذکر کی توجیہ

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں "والمیتۃ" کا بھی ذکر کیا ہے، اس سے ان کا مقصود اس پر تنبیہ کرنا ہے کہ جب کہ خمر حرام ہے تو اس میں زکوٰۃ (ذبح سے حلال کرنا) موثر نہیں ہوتا، اسی طرح مردار میں بھی زکوٰۃ موثر نہیں ہوتی یعنی اس کو بھی ذبح کر کے حلال نہیں کیا جاسکتا، اور اس باب کی حدیث میں اہلِ کتاب کے برتنوں کا ذکر ہے، جن میں وہ شراب ڈال کر پیتے تھے اور ان کو استعمال کرنے سے منع فرمایا۔تو جس طرح خمر میں اس کو حلال کرنا موثر نہیں ہے اسی طرح مردار میں بھی اس کو حلال کرنا موثر نہیں ہے۔

اس سوال کا جواب کہ اس حدیث میں مجوس کا ذکر نہیں ہے، اہلِ کتاب کا ذکر ہے

شاید کہ امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ مجوس بھی اہلِ کتاب میں سے ہیں، اور یہ بھی ہمارے اصحاب شافعیہ کا ایک قول ہے اور مالکیہ کا بھی ایک قول ہے اور امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مجوس اہلِ کتاب نہیں ہیں۔

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں:

امام عبد بن حُمید نے اپنی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مجوس کے پاس بھی کتاب تھی اور ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس سے جزیہ لیا اور جزیہ صرف کتابی سے لیا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ (التوبہ)

ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روزِ آخرت پر اور نہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام کیے ہوئے کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ وہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو کتاب دی گئی (تم ان سے قتال کرتے رہو) حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ ہاتھ سے جزیہ دیں ۝

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ جزیہ صرف اہلِ کتاب سے لیا جاتا ہے۔اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس سے جزیہ لیا تو معلوم ہوا

کہ وہ بھی اہلِ کتاب کے حکم میں ہیں۔

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس باب کے عنوان میں مجوسیوں کے برتنوں کے ذکر کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اہلِ کتاب کے برتنوں کے استعمال کے متعلق سوال کیا تھا، کیونکہ وہ مردار اور خنزیر اور خمر سے احتراز نہیں کرتے اور حیوان کی گردن الگ کر دیتے ہیں اور وہ مردار ہے، تو اہلِ کتاب کا طعام بھی مجوس کے طعام کے مثل ہے۔

اس سوال کا جواب کہ اہل کتاب کے برتنوں میں کھانے کی ممانعت ہے حالانکہ ان کا طعام حلال ہے

اگر تم یہ سوال کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیونکر یہ فرمایا کہ اہلِ کتاب کے برتنوں میں نہ کھاؤ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے طعام کو حلال کر دیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے طعام سے مراد ان کے ذبائح ہیں یا جن کے متعلق یہ معلوم ہو کہ ان کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنے برتنوں میں کوئی حرام چیز نہیں ڈالتے جیسے نصاریٰ اپنے برتنوں میں خنزیر کو ڈالتے ہیں، پس جب یہ معلوم ہو کہ ان کا طعام ان حرام چیزوں پر مشتمل نہیں ہے تو پھر ان کے برتنوں میں کھانا جائز ہے، کیونکہ ان کا ذبیحہ حلال ہے جب تک کہ ہم کو ان کی نجاست کا یقین نہ ہو جائے اور جس چیز کو مجوسی نے تیار کیا ہو اور اس کے حلال ہونے کا یقین ہو تو اس کے برتنوں میں بھی کھانا جائز ہے جیسا کہ ان کا بنایا ہوا پنیر، گھی یا مکھن وغیرہ۔ اور امام مالک کے مذہب میں تصریح ہے کہ مجوسی کا تیار کیا ہوا پنیر نہیں کھایا جائے گا۔

پالتو گدھوں کے حرام ہونے کی توجیہ

پالتو گدھوں کو اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ ان سے خمس نہیں نکالا جاتا یا اس لیے کہ اگر مسلمان ان کو ذبح کر کے کھاتے رہے تو مسلمانوں کے لیے سواریاں نہیں رہیں گی۔ اور یا اس لیے کہ یہ حکم تعبدی ہے۔ قرآن مجید میں جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، ان کا ذکر درج ذیل آیت میں ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (الانعام)

آپ کہیے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے والے پر ان چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا، وہ مردار ہو یا بہا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ نجس ہے یا بہ طور نافرمانی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، سو جو شخص مجبور ہو اور نہ وہ سرکشی کرنے والا ہو نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

میں کہتا ہوں: الانعام: ۱۴۵، میں جن کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ حرام قطعی ہیں اور پالتو گدھا حرام ظنی ہے اور اس کی حرمت صرف اس حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہانڈیوں کو پلٹنے کا حکم دیا جن میں پالتو گدھے کا گوشت پکایا ہوا تھا۔ اور یہ اسی طرح حرام ہے جس طرح حدیث میں چیر پھاڑ کرنے والے درندوں اور پرندوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ ابن الملقن نے کہا ہے: امام مالک کے اس میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ پالتو گدھا حرام ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ پالتو گدھا مکروہ ہے۔

جن ہانڈیوں میں پالتو گدھوں کا گوشت پکا ہوا تھا، ان ہانڈیوں کو پلٹنے کے حکم کی توجیہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم دیا کہ ان ہانڈیوں کو پلٹ دو اور ان میں جو پکا ہوا پالتو گدھوں کا گوشت ہے اس کو گرا دو، اس میں یہ دلیل ہے کہ جب کوئی غلط کام کیا جائے تو اس پر ملامت کرنی چاہیے اور ادب سکھانا چاہیے تا کہ برائی جڑ سے ختم ہو جائے اور یہ بھی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب الخمر کو حرام قرار دیا تو آپ نے ان مشکوں کو پھاڑنے کا حکم دیا جن میں خمر تھی، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اگر ہم ہانڈیوں کو پلٹ دیں اور ان کو دھولیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا تم اس طرح کرلو۔ کیونکہ جب آپ نے دیکھا کہ صحابہ نے آپ کے حکم کو تسلیم کرلیا اور آپ کے حکم کی اطاعت کرلی تو آپ نے ان سے سزا کو معاف کردیا اور ہانڈیوں کے توڑنے کے حکم کو منسوخ کردیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶، ص ۴۱۹۔ ۴۲۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۷، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور سے مسائل ثابتہ

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانا حرام ہے۔

(۲) اس حدیث میں تعزیر کے جواز کی دلیل ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا: "ان ہانڈیوں کو توڑ دو" یعنی جن ہانڈیوں میں حرام گوشت پکایا گیا ہے ان ہانڈیوں کو تعزیراً توڑنا جائز ہے۔

(۳) تعزیر میں تخفیف کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ پہلے آپ نے ان ہانڈیوں کو توڑنے کا حکم دیا اور بعد میں فرمایا کہ ان ہانڈیوں کو دھولیا جائے تو یہ بھی کافی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال کو تلف کرنے کے ساتھ تعزیر دینا جائز ہے جیسا کہ مارنے اور قید کرنے کے ساتھ تعزیر جائز ہے۔

(۴) اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ تعزیر میں شفاعت کرنا بھی جائز ہے اور عدمِ شفاعت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ جب ایک صحابی نے کہا: یا ہم اس کو دھولیں تو آپ نے فرمایا: یا اس کو دھولو، اور اگر یہ حکم بہ طور حد ہوتا تو اس میں شفاعت جائز نہ ہوتی۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما پر انکار کیا تھا جب انہوں نے بنو مخزوم کی ایک عورت کی شفاعت کی تھی جس نے چوری کی تھی اور کہا تھا کہ اس پر حد نہ لگائی جائے اور اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد میں شفاعت کر رہے ہو اور امام ابوداؤد نے سندِ حسن کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد میں جس کی شفاعت حائل ہوگئی تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ میں غضب ناک ہوگا"۔

(۵) اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ جب برتنوں میں سے کسی برتن میں کوئی نجس چیز ڈال دی جائے تو اس برتن کو دھویا جائے گا، امام بخاری نے اس سے مجوس کے برتنوں کے استعمال پر استدلال کیا ہے، کیونکہ مجوس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے تو جب وہ برتنوں میں کھانا پکائیں گے تو وہ برتن نجس ہو جائیں گے، کیونکہ ان کے ذبیحے مردار اور نجس ہیں اور جب ان کے ذبیحے مردار اور نجس ہیں تو جس

برتن میں وہ اپنے ذبیحوں کو پکائیں گے تو واجب ہے کہ ان برتنوں کو پاک کرنے کے لیے ان کو دھویا جائے۔
(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۳۸۔۲۳۹، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۵۔ بَابُ: التَّسْمِيَةِ عَلَى الذَّبِيحَةِ وَمَنْ تَرَكَ مُتَعَمِّدًا

ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا، اور جو عمداً بسم اللہ پڑھنے کو ترک کردے، اس کا بیان

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مَنْ نَسِيَ فَلَا بَأْسَ۔ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ (الانعام:۱۲۱)
وَالنَّاسِيْ لَا يُسَمّٰى فَاسِقًا، وَقَوْلِهٖ تَعَالَى: وَإِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ إِلٰٓى أَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوْهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ (الانعام)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو بھول گیا تو کوئی حرج نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور اس ذبیحہ کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، بے شک اس کو کھانا گناہ ہے''۔
اور بھولنے والے کو فاسق نہیں کہا جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تا کہ وہ تم سے بحث کریں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے''O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنے کا حکم بیان کیا گیا ہے اور اس کا حکم بیان کیا گیا ہے جو عمداً ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنے کو ترک کردیں اور اکثرین کے نزدیک اس باب کا عنوان اسی طرح ہے۔ اور صحیح بخاری کے نسخوں میں ذبیحہ کی جگہ ذبائح کا لفظ ہے، اور یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ امام بخاری نے پہلے لکھا تھا: ''کتاب الصید والذبائح'' یا ''کتاب الذبائح'' اب بھی اگر ذبائح کا لفظ لکھیں تو یہ تکرار بلا فائدہ ہوگا۔ اور امام بخاری نے عمداً کی قید لگائی ہے، اس میں یہ اشارہ کیا کہ اگر کسی نے بھولے سے ذبیحہ پر بسم اللہ کو نہیں پڑھا تو یہ حلال ہونے سے مانع نہیں ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں اس آیت کو ذکر کیا ہے:
وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ (الانعام:۱۲۱)
اور اس ذبیحہ کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، بے شک اس کو کھانا گناہ ہے۔

امام بخاری نے اس آیت کا اس لیے ذکر کیا ہے کہ فقہاء احناف اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا شرط ہے، اگر کسی نے عمداً بسم اللہ کو ترک کیا تو اس ذبیحہ کو کھانا حلال نہیں ہوگا۔ اور اگر اس نے بھول کر بسم اللہ کو ترک کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اس کی دلیل امام بخاری نے یہ بیان کی کہ بھولنے والے کو فاسق نہیں کہا جاتا، پھر امام بخاری نے دوسری آیت ذکر کی جس سے یہ آیت مکمل ہوتی ہے اور اس سے فقہاء شافعیہ کا استدلال قوی ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ ''مالم یذکر اسم

اللہ علیہ'' یعنی جس پر اللہ کا نام ذکر نہ کیا گیا ہو، یہ مردار سے کنایہ ہے یا جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو، وہ بھی مردار سے کنایہ ہے، اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا ہے''یہ فسق ہے''۔اور اس کی تاویل یہ ہے کہ جب ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے: پھر فرمایا وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ یعنی شیاطین وسوسہ ڈالتے ہیں اپنے اولیاء کی طرف جو مشرکین ہیں تا کہ وہ تم سے یہ بحث کریں کہ تم اس کو نہیں کھاتے جس کو اللہ نے قتل کیا ہے۔فقہاء شافعیہ نے کہا: اس سے ان کی تاویل راجح ہے جو اس پر مردار کا اطلاق کرتے ہیں جس کو اللہ کے نام پر ذبح نہیں کیا گیا۔

اور اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَلَا تَاْكُلُوْا (الانعام:۱۲۱) یہ نہی ہے، یعنی ممانعت ہے اور نہی مطلق تحریم کے لیے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا:''اور یہ فسق ہے''۔اور نہی کی تاکید حرف مِن کے ساتھ کی ہے کیونکہ حرف مِن نہی کے مقام پر مبالغہ کے لیے ہوتا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا ہر جز حرام ہے اور''وانہ لفسق'' میں ھاء ضمیر، یہ کھانے سے کنایہ ہے یہ یعنی حرام کا کھانا فسق ہے۔اور اگر یہ مذبوح سے کنایہ ہو تو جس مذبوح کو فسق فرمایا ہے وہ بھی حرام ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے:''او فسقا اهل لغير الله''۔

اور اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حرمت اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر نہیں کیا گیا، کیونکہ تحریم اس وصف کے ساتھ موصوف ہے اور یہی حرمت کی موجب ہے جیسا کہ مردار ہو یا موقوذہ ہو۔اور اسی تقریر سے ان لوگوں کا فساد ظاہر ہو گیا جنہوں نے اس آیت کو مردار پر اور ذبائح مشرکین پر محمول کیا ہے، کیونکہ حرمت وہاں پر اس وجہ سے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر نہیں کیا گیا، حتیٰ کہ مردار کے اوپر یا ذبائح مشرکین کے اوپر اللہ کا نام ذکر کیا جائے، پھر بھی وہ حلال نہیں ہوں گے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ قرآن مجید کی یہ نص مجمل ہے، کیونکہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ جس نے ذبح کے وقت اللہ کا نام نہیں لیا یا جس نے پکانے کے وقت اللہ کا نام نہیں لیا یا جس نے کھانے کے وقت اللہ کا نام نہیں لیا تو اس سے یہ استدلال صحیح نہیں ہوگا کہ جس نے ذبح کے وقت اللہ کا نام نہیں لیا۔

میں کہتا ہوں: حالتِ ذبح کے سوا کوئی اور حالت یہاں پر بالا جماع مراد نہیں ہے اور سلف صالحین کا اجماع ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس جانور پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس کو نہ کھاؤ اور اس سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا یہ آیت مجمل نہیں ہے اور ہم نے اس مقام کو زیادہ تفصیل کے ساتھ اپنی شرح البنایہ فی شرح الہدایہ میں لکھا ہے، سو جو تحقیق کا ارادہ کرے، وہ وہاں رجوع کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۴۹۸۔ حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِذِي الْحُلَيْفَةِ فَأَصَابَ النَّاسَ جُوعٌ فَأَصَبْنَا إِبِلًا وَغَنَمًا وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ فِي أُخْرَيَاتِ النَّاسِ فَعَجِلُوا فَنَصَبُوا الْقُدُورَ فَدُفِعَ إِلَيْهِمُ النَّبِيُّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی از سعید بن مسروق از عبایہ بن رفاعہ بن رافع از جد خود حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ذوالحلیفہ میں تھے، سو لوگوں کو بھوک لگی اور ہم کو مال غنیمت میں اونٹ اور بکریاں ملی تھیں اور نبی ﷺ لوگوں

ﷺ فَأَمَرَ بِالْقُدُورِ فَأُكْفِئَتْ ثُمَّ قَسَمَ فَعَدَلَ عَشَرَةً مِنَ الْغَنَمِ بِبَعِيرٍ فَنَدَّ مِنْهَا بَعِيرٌ وَكَانَ فِي الْقَوْمِ خَيْلٌ يَسِيرَةٌ فَطَلَبُوهُ فَأَعْيَاهُمْ فَأَهْوَى إِلَيْهِ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ اللهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ لِهَذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا نَدَّ عَلَيْكُمْ مِنْهَا فَاصْنَعُوا بِهِ هَكَذَا قَالَ وَقَالَ جَدِّي إِنَّا لَنَرْجُو أَوْ نَخَافُ أَنْ نَلْقَى الْعَدُوَّ غَدًا وَلَيْسَ مَعَنَا مُدًى أَفَنَذْبَحُ بِالْقَصَبِ فَقَالَ مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ فَكُلْ لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ وَسَأُخْبِرُكُمْ عَنْهُ أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ۔

کے پیچھے تھے، سولوگوں نے (بھوک کی شدت سے) جلدی کی اور ہانڈیاں چڑھادیں، پھر نبی ﷺ پہنچ گئے۔ آپ نے حکم دیا کہ ہانڈیوں کو الٹ دیا جائے، سو ہانڈیاں الٹ دی گئیں۔ پھر آپ نے مالِ غنیمت کو تقسیم کیا اور آپ نے دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا، ان اونٹوں میں سے ایک اونٹ بھاگ گیا اور لوگوں کے پاس گھوڑے کم تھے، وہ اس اونٹ کے پیچھے دوڑے۔ اس اونٹ نے ان کو تھکا دیا۔ پھر ایک مرد نے اپنے تیر کے ساتھ قصد کیا اور اس کو تیر مارا تو اللہ تعالیٰ نے اس اونٹ کو روک دیا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: ان جانوروں میں وحشت ہوتی ہے جیسے وحشی جانور ہوتے ہیں۔ پس جو جانور تم سے بھاگ جائے اس کے ساتھ اسی طرح سے کرو، اور میرے دادا (حضرت رافع بن خدیج) نے کہا: ہم کو یہ توقع تھی یا ہم کو یہ خوف تھا کہ کل ہم دشمن سے مقابلہ کریں گے اور ہمارے پاس چھری نہیں ہوگی تو کیا ہم سرکنڈے (دھار والی لکڑی) سے ذبح کرلیں؟ تو آپ نے فرمایا: جو چیز بھی خون بہادے اور اس پر اللہ کا نام ذکر کیا جائے سو اس کو کھالو اور وہ چیز دانت یا ناخن نہ ہو۔ اور میں تم کو عنقریب اس کی خبر دوں گا۔ رہا دانت تو وہ ہڈی ہے اور رہا ناخن تو وہ حبشیوں کی چھری ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۸۸، ۲۵۰۷، ۳۰۷۵، ۵۴۹۸، ۵۵۰۳، ۵۵۰۶، ۵۵۰۹، ۵۵۴۳، ۵۵۴۴، صحیح مسلم: ۱۹۶۸، سنن ترمذی: ۱۴۹۱، سنن نسائی: ۴۴۱۰، سنن ابوداؤد: ۲۸۲۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۳، مسند احمد: ۱۶۸۱۲، سنن دارمی: ۱۹۷۷)

صحیح البخاری: ۵۴۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: "ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا"۔ اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ جو چیز خون کو بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے، اس کو کھالو۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں موسیٰ بن اسماعیل کا ذکر ہے، یہ ابوسلمہ المصری ہیں جن کو التبوذکی کہا جاتا ہے۔ اور ابوعوانہ کا ذکر ہے یہ

الوضاح الیشکری ہیں اور سعید بن مسروق کا ذکر ہے، یہ سفیان ثوری کے والد ہیں۔ اور عبایۃ کا ذکر ہے، یہ ابن رفاعہ ہیں۔ اور حضرت رافع بن خدیج کا ذکر ہے، رافع خافض کی ضد ہے اور خدیج میں خاء پر زبر ہے اور دال کے نیچے زیر ہے، یہ ابن رافع الانصاری ہیں۔ اور یہ عبایۃ اپنے دادا رافع بن خدیج سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ذوالحلیفہ کا ذکر ہے، علامہ داؤدی التوفی ۴۰۲ھ شارح بخاری نے کہا ہے: جس حلیفہ کا یہاں ذکر ہے یہ سرزمین تہامہ ہے اور یہ طائف اور مکہ کے درمیان میں ہے اور یہ وہ ذوالحلیفہ نہیں ہے جو مدینہ کے قریب ہے۔ اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب صحابہ آٹھ ہجری میں طائف سے واپس آ رہے تھے۔

اس حدیث میں ذکر ہے کہ "ہانڈیوں کو الٹ دیا گیا"۔ شارحین نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہانڈیوں کو الٹنے کا اس لیے حکم دیا تھا، تا کہ مسلمانوں کو اس کی سزا دی جائے کہ انہوں نے ہانڈیاں چڑھانے اور روانہ ہونے میں جلدی کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے چھوڑ دیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے پیچھے رہے تھے تا کہ دیکھتے رہیں کہ کوئی دشمن پیچھے سے حملہ نہ کرے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہانڈیوں کو الٹنے کا اس لیے حکم دیا تھا کہ مسلمانوں نے مال غنیمت کو تقسیم کرنے سے پہلے چند بکریوں کو ذبح کر کے ہانڈیوں پر چڑھا دیا تھا جب کہ غنیمت مشترکہ کو تقسیم کرنے سے پہلے دارالاسلام میں ہانڈیوں پر چڑھانا جائز نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "آپ نے دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا": یہ اس وقت کی قیمت کے اعتبار سے ہے اور اس میں قربانی کے اس قاعدہ کی مخالفت نہیں ہے کہ ایک اونٹ سات بکریوں کے قائم مقام ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: "فند": یعنی ایک اونٹ بھاگ گیا اور صحابہ کرام اس کو پکڑنے سے عاجز ہو گئے۔

اس حدیث میں "الاوابد" کا ذکر ہے یہ الآبدہ کی جمع ہے یعنی ان جانوروں میں انسانوں سے توحش اور نفرت ہوتی ہے، اس لیے یہ بھاگ جاتے ہیں۔

اس حدیث میں ہے: "سو جو اونٹ بھاگ جائے اس کے ساتھ اس طرح کرو": یعنی اس کو زخمی کر دو خواہ تم اس کو جس طرح بھی زخمی کر سکو، کیونکہ وہ شکار کے حکم میں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: "ہمیں یہ امید تھی یا ہم کو یہ ڈر تھا": اس میں راوی کو شک ہے، اور امید کے لفظ میں یہ اشارہ ہے کہ ان کو یہ حرص تھی کہ ان کا دشمن سے مقابلہ ہو، تا کہ ان کو جو شہادت کی فضیلت یا مال غنیمت کے حصول کی توقع ہے، وہ پوری ہو۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "ہم ڈرتے تھے": اس لفظ میں یہ اشارہ ہے کہ وہ اس کو پسند نہیں کرتے تھے کہ دشمن اچانک آ کر ان پر ٹوٹ پڑے۔ اور شاید انہوں نے اس بات کو قرائن سے پہچان لیا تھا۔ اور انہوں نے سوال کے وقت دشمن سے مقابلہ کا اس لیے ذکر کیا کہ اگر انہوں نے تلواروں سے جانوروں کو ذبح کیا تو دشمن سے مقابلہ کے وقت وہ تھک جائیں گے اور قتال سے عاجز ہوں گے تو اس لیے پوچھا کہ "کیا ہم سرکنڈوں (یعنی دھار والی لکڑی) سے ذبح کر لیں تو آیا یہ کافی ہو گا؟"

اس حدیث میں "مدی" کا لفظ ہے، یہ مدیۃ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے چھری۔ اب حدیث میں ہڈی کے ساتھ ذبح کرنے سے منع کیا ہے، کیونکہ ہڈی کے ساتھ ذبح کرنے سے وہ خون سے ملوث یعنی لتھڑ کر نجس ہو جائے گی اور وہ جنات کی خوراک

ہے، بلکہ اس لیے کہ ہڈی سے ذبح اور زکوۃ حاصل نہیں ہوتی ، اس سے صرف جانور زخمی ہوسکتا ہے اور اس سے اس کی روح نکل جائے گی اور یہ یقین حاصل نہیں ہوگا کہ وہ ذبح ہوگیا ہے اور ناخن سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ حبشی ناخنوں سے بکریوں کو ذبح کرتے ہیں حتیٰ کہ جانور کی جان نکل جاتی ہے یا اس کا گلا گھٹ جاتا ہے اور اس کو تکلیف ہوتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۶۷۔۱۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۸ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہانڈیوں کو الٹنے کی توجیہ

اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ہانڈیوں کے الٹنے کا حکم دیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیے بغیر مالِ غنیمت سے بکریاں لے کر انہیں ذبح کر کے ہانڈیوں پر چڑھا دیا تھا۔ اور اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ انہوں نے مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے بکریوں کو ذبح کر کے ہانڈیوں پر چڑھا دیا تھا۔

وحشت سے بھاگنے والے جانور کو روکنے کا طریقہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک اونٹ بھاگ گیا تو ایک صحابی نے تیر مارا تو اللہ تعالیٰ نے اس اونٹ کو روک دیا، اس سے معلوم ہوا کہ وہ اونٹ زندہ پکڑ لیا گیا، سو اس کو ذبح کیا گیا۔ اسی طرح جب دوسرے مویشی توحش اور تنفر سے بھاگ جائیں تو ہم جس طرح ہو سکے ان کو روک لیں اور پھر ان کو ذبح کر دیں۔

ہمارا اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ جو جانور انسانوں سے متنفر ہوں، ان کو اسی طریقہ سے روکا جا سکتا ہے۔ اور ابنِ حبیب مالکی نے کہا ہے کہ گائے میں بھی توحش ہے، اس کو بھی اسی طرح روکا جا سکتا ہے۔

دانتوں اور ناخنوں سے ذبح کرنے کا بیان

امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے کہ ناخن خواہ متصل ہو یا منفصل ہوں، ان سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے اور ابنِ وہب مالکی نے کہا ہے کہ اگر ناخن منفصل ہوں تو ان سے ذبح کرنا جائز ہے اور اگر متصل ہوں تو ان سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور ابن قصار مالکی نے کہا ہے کہ دانتوں سے ذبح کرنا مکروہ ہے اور ہڈی سے ذبح کرنا مباح ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ جب ناخن اور ہڈی چوڑے ہوں حتیٰ کہ ان سے ایک مرتبہ میں حلقوم کو کاٹنا ممکن ہو تو اس سے ذبح کرنا صحیح ہے اور اسی طرح باقی ہڈیاں ہیں، خواہ ان کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ ہو۔

اور انہوں نے اس حدیث کے دو جواب دیے ہیں، ایک تو اس حدیث میں ممانعت کراہت پر محمول ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جب دانت چھوٹے ہوں اور ان سے رگوں کا کاٹنا ممکن نہ ہو تو پھر ان سے ذبح کرنا صحیح نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں چار قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ جائز ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ممنوع ہے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ متصل اور منفصل کا فرق ہے، اور چوتھا قول یہ ہے کہ دانتوں سے ذبح کرنا مکروہ ہے اور ہڈی کے ساتھ ذبح کرنا مباح ہے۔ (التوضیح لشرح

الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۴۲۵۔ ۴۲۹، ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۸، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لشکر کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کو اپنے ساتھ خاص کر لے حتیٰ کہ امام اس کی تقسیم کر دے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ہانڈیوں کو الٹ دیا جائے، پھر آپ نے تقسیم فرمایا۔

(۲) جن جانوروں کی قیمت کا اعتبار کیا جاتا ہے، وہ قربانی کے جانوروں کی مثل نہیں ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دس بکریوں کو ایک اونٹ کے مساوی قرار دیا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بکریاں قیمتی اور مہنگی ہوتی ہیں تو کم بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا جاتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بکریاں سستی ہوتی ہیں اور اونٹ مہنگا ہوتا ہے تو زیادہ بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا جاتا ہے۔

(۳) جس جانور کو ذبح کرنے پر یا نحر کرنے پر قدرت نہ ہو، تو اس کا معاملہ شکار کی طرح ہے، اگر کوئی اونٹ بھاگ جائے اور ہم اس کو پکڑنے سے عاجز ہوں تو اس کو تیر ماریں، جب اس کو تیر لگ جائے اور وہ مر جائے تو وہ حلال ہو جائے گا، اسی طرح اگر بکری بھاگ گئی تو اس کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان جانوروں کو انسانوں سے وحشت اور نفرت ہوتی ہے، تو جو جانور تم سے بھاگ جائے اس کے ساتھ تم اسی طرح کرو۔

(۴) ہر وہ چیز جو خون کو بہائے، اس سے ذبح کرنا جائز ہے، خواہ وہ لوہے کا آلہ ہو یا لکڑی کا ہو یا پتھر کا ہو یا شیشے کا ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہو، مگر دو چیزیں دانت اور ناخن، اور ظاہر حدیث کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے کہ دانت متصل ہوں یا علیحدہ ہوں کیونکہ حدیث عام ہے اور حدیث میں یہ علت بیان کی ہے کہ دانت ہڈی ہیں اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔

دانتوں سے ذبح کرنے کی ممانعت کی حکمت

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ دانت ہڈی ہے تو اس سے ذبح کرنے کی ممانعت کی کیا حکمت ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ علماء نے کہا ہے کہ اگر ہم اس حکم کو ہڈی کے ساتھ خاص رکھیں تو اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر انسان اپنے دانتوں سے چھری کا کام لے تو وہ درندوں کے مشابہ ہو جائے گا جس طرح درندے اپنے دانتوں سے شکار کو نوچ کر کھاتے ہیں اور انسان کے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ درندوں کے مشابہ ہو، اسی لیے انسان کو درندوں کے مشابہ نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ (الجمعہ: ۵)

جن لوگوں کو تورات دی گئی اور انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا، ان کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ (الاعراف: ۱۷۶)

اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کے ذریعہ اس کو بلندی عطا کرتے مگر وہ پستی کی طرف جھکا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کی، سو اس کی مثال اس کتے کی طرح ہے کہ اگر تم اس پر حملہ کرو تب بھی وہ

ہانپ کر زبان نکالے یا چھوڑ دو پھر بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے۔

الجمعہ: ۵ میں اللہ تعالیٰ نے بے عمل یہودیوں کی مثال گدھے کے ساتھ دی ہے اور الاعراف: ۱۷۶ میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانے والے کی مثال کتے کے ساتھ دی ہے۔ان آیتوں کا منشاء یہ ہے کہ انسان کو گدھوں اور کتوں کے مشابہ نہیں ہونا چاہیے۔اور جب کوئی انسان دانتوں سے جانور کو ذبح کر کے کھائے گا تو وہ درندوں کے مشابہ ہو جائے گا۔

اسی طرح حدیث میں بھی کتوں کے ساتھ مثال دی ہے کہ جو شخص کسی کو کوئی چیز ہبہ کر کے واپس لیتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسے کتا قے کر کے اسے کھالیتا ہے، سو یہ اس کی حکمت ہے کہ انسان کو کتوں اور جانوروں کے مثل نہیں ہونا چاہیے۔

حبشیوں کے ساتھ مشابہت سے ممانعت کی حکمت

اس حدیث میں بتایا ہے کہ ناخن سے ذبح نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ وہ حبشیوں کی چھری ہے۔اس پر یہ سوال ہے کہ کیا حبشی انسان اور بشر نہیں ہیں، پھر ان کی مشابہت سے کیوں منع کیا گیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت میں حبشی کافر تھے اور ان میں سے صرف حضرت نجاشی اسلام لائے تھے اور ان کے ساتھ چند اور لوگ تھے اور اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ ناخن حبشیوں کی چھری تھے اور انہوں نے لوہے اور دھار والی لکڑی کو چھوڑ کر ناخنوں کے ساتھ ذبح کرنا شروع کر دیا تھا بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہمیں کافر حبشیوں کی مشابہت نہیں اختیار کرنی چاہیے۔(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۴۲۔۲۴۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۶۔ بَابُ: مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَالْأَصْنَامِ
جن جانوروں کو پتھروں اور بتوں پر ذبح کیا گیا، ان کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

''نُصُب'' کا معنی

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جن جانوروں کو نُصب پر ذبح کیا گیا، وہ ذبح فاسد ہے۔ نُصب، انصاب کا واحد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ نُصب جمع ہے اور واحد نصاب ہے۔الجوہری نے کہا ہے کہ نُصب صاد پر جزم بھی ہے اور سکون بھی ہے، یہ اس کو کہتے ہیں جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جائے۔اور زمخشری نے کہا ہے کہ مشرکین کے پاس کچھ پتھر تھے جو بیت اللہ کے گرد نصب کیے ہوئے تھے۔ان پتھروں کے اوپر وہ جانوروں کو ذبح کرتے تھے اور ان پر گوشت کو ان کی تعظیم کے لیے رکھ دیتے تھے اور اس کے ساتھ ان پتھروں کا تقرب حاصل کرتے تھے، ان کو انصاب کہا جاتا تھا۔

''اصنام'' کا معنی

اور اصنام یعنی جن کو بتوں پر ذبح کیا جائے، اصنام، صنم کی جمع ہے اور صنم اس کو کہتے ہیں جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جائے، اور ایک قول یہ ہے کہ جس کا جسم ہو یا صورت ہو، وہ صنم ہے اور اگر اس کا جسم یا صورت نہ ہو تو وہ بت ہے۔اور اصنام پر جو نصب کا عطف کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر نصب سے مراد پتھر ہوں تو وہ ظاہر ہے اور اگر نصب سے مراد وہ ہوں کہ جن کی عبادت کی جاتی

ہے تو یہ عطفِ تفسیری ہے۔ علامہ الکرمانی نے کہا ہے کہ نُصب پتھر ہیں اور یہ تین سو ساٹھ (۳۶۰) پتھر تھے جو کعبہ کے گرد جمع کیے ہوئے تھے اور مشرکین ان کے پاس جانوروں کو اپنے بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کرتے تھے اور یہ اصنام نہیں تھے، کیونکہ اصنام وہ ہوتے ہیں جن کی کوئی صورت بنائی گئی ہو اور جن کا مجسمہ بنایا گیا ہو۔

۵۴۹۹ - حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ الْمُخْتَارِ أَخْبَرَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمٌ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ لَقِيَ زَيْدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ بِأَسْفَلِ بَلْدَحٍ وَذَاكَ قَبْلَ أَنْ يُنْزَلَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْوَحْيُ فَقَدَّمَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم سُفْرَةً فِيهَا لَحْمٌ فَأَبَى أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا ثُمَّ قَالَ إِنِّي لَا آكُلُ مِمَّا تَذْبَحُونَ عَلَى أَنْصَابِكُمْ وَلَا آكُلُ إِلَّا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ۔

(صحیح البخاری: ۳۸۲۶، مسند احمد: ۵۳۴۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معلّٰی بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز یعنی ابن المختار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے سالم نے خبر دی، انہوں نے عبداللہ سے سنا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زید بن عمرو بن نفیل سے بلدح کے نشیبی مقام میں ملاقات ہوئی، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی سے پہلے کا واقعہ ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن عمرو کی طرف دستر خوان کو پیش کیا جس میں گوشت تھا، تو انہوں نے گوشت کھانے سے انکار کیا، پھر انہوں نے کہا: بے شک میں ان جانوروں کا گوشت نہیں کھاتا جن کو تم اپنے پتھروں پر ذبح کرتے ہو اور میں صرف اسی جانور کا گوشت کھاتا ہوں جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

صحیح البخاری: ۵۴۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں پتھروں پر جانور کے ذبح کرنے کا ذکر ہے اور اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل نے اس گوشت کو کھانے سے انکار کیا جس کو پتھروں پر ذبح کیا گیا تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سالم کا ذکر ہے، یہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

یہ حدیث کتاب المناقب کے اخیر میں زید بن عمرو بن نفیل کے مناقب میں گزر چکی ہے، وہاں اس حدیث کی زیادہ تفصیل کے ساتھ از محمد بن ابی بکر از فضیل روایت کی ہے اور وہاں اس کی شرح گزر چکی ہے۔

زید بن عمرو بن نفیل کا تذکرہ

زید بن عمرو بن نفیل قرشی ہیں اور یہ سعید بن زید کے والد ہیں جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ یہ زمانہ جاہلیت میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین پر تھے۔

"بلدح" کا بیان

بلدح میں باء پر زبر ہے اور دال ساکن ہے اور آخر میں حاء ہے۔ اس کو منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھا گیا ہے، یہ حجاز کی ایک جگہ ہے جو مکہ کے قریب ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن عمرو کی طرف دستر خوان پیش کیا":

اس جگہ اختلاف ہے، اکثرین کی روایت اسی طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن عمرو کی طرف دستر خوان کو پیش کیا، اور الکشمیہنی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک دستر خوان کو پیش کیا گیا اور ان میں تطبیق اس طرح سے ہے کہ جو لوگ وہاں پر تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس دستر خوان کو پیش کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستر خوان کو زید بن عمرو بن نفیل کی طرف پیش کیا۔

زید بن عمرو بن نفیل کے اس گوشت کے کھانے سے انکار کی توجیہ

پھر اس حدیث میں مذکور ہے کہ "زید نے اس گوشت کو کھانے سے انکار کیا"۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل اس دستر خوان پر سے گوشت کو کھانے سے اس لیے رک گئے تھے کہ ان کو یہ خوف تھا کہ یہ وہ گوشت ہے جو پتھروں پر ذبح کیا گیا ہے، یعنی جن پتھروں کو عبادت کے لیے نصب کیا جاتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ان ذبائح سے نہیں کھاتے تھے جن کو وہ اپنے پتھروں کے لیے ذبح کرتے تھے۔ اور جن جانوروں کو وہ اپنے کھانے کے لیے ذبح کرتے تھے تو ہم نے کسی حدیث میں نہیں دیکھا کہ آپ ان سے اجتناب کرتے ہوں۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر وہ گوشت تھا، یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس گوشت کو کھایا ہو، ابنِ زید نے کہا ہے: جس جانور کو پتھروں پر ذبح کیا گیا ہو یا جس جانور کو غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو، دونوں کا ایک معنی ہے۔ اور جس جانور کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، اس کا معنی یہ ہے کہ ذبح کے وقت اس پر بتوں کا نام لیا گیا ہو یا مسیح کے نام پر ذبح کیا گیا ہو یا اللہ عزوجل کے سوا کسی کے نام پر بھی ذبح کیا گیا ہو۔

غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانوروں کے کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

علماء کا اس میں اختلاف ہے، حضرت عمر اور حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم نے اس کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے اور النخعی، حسن اور ثوری نے بھی اسی کی مثل کہا ہے اور امام مالک نے نصاریٰ کے ان ذبائح کو مکروہ کہا ہے جن کو وہ اپنی عبادت گاہوں میں ذبح کرتے ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ جس پر ذبح کے وقت مسیح کا نام لیا گیا ہو، وہ مکروہ ہے حرام نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ جس پر ذبح کے وقت مسیح کا نام لیا گیا ہو، اس جانور کو نہیں کھایا جائے گا اور امام شافعی نے کہا ہے: جس کو غیر اللہ کے نام پر

ذبح کیا گیا اور جس کو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا، اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

کتاب المناقب میں اس حدیث کی شرح

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے کتاب المناقب صحیح البخاری: ۳۸۲۶ میں اس حدیث کی حسب ذیل شرح کی ہے:

علامہ سہیلی نے کہا ہے کہ اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت زید کو یہ توفیق دی گئی کہ وہ اس کھانے کو ترک کر دیں حالانکہ زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس فضیلت کے زیادہ مستحق تھے، کیونکہ آپ کا معصوم ہونا ثابت ہے؟

اس کے دو جواب ہیں، اول یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستر خوان سے کچھ کھایا، اس حدیث میں صرف یہ مذکور ہے کہ جب حضرت زید پر اس کھانے کو پیش کیا گیا تو انہوں نے انکار کیا۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت زید نے صرف اپنی رائے سے اس کھانے سے انکار کیا تھا، کسی شرعی حکم کی وجہ سے منع نہیں کیا تھا، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں مردار کے کھانے کی ممانعت تھی۔ اس کھانے کی ممانعت نہیں تھی جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، اس کھانے کی ممانعت صرف اسلام میں نازل ہوئی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۶ ص ۲۹۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۹ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ لائق تھے کہ آپ قریش کے دستر خوان سے گوشت کھانے سے رکتے

وہ دستر خوان جس کو قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیش کیا تھا تو آپ نے اس میں سے کچھ کھانے سے انکار کیا، پھر آپ نے اس کو زید کی طرف پیش کیا تو انہوں نے بھی اس کو کھانے سے انکار کیا، پھر زید نے ان قریش سے کہا جنہوں نے اس دستر خوان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیش کیا تھا کہ میں اس چیز سے نہیں کھاتا جس کو تم اپنے پتھروں پر ذبح کرتے ہو۔ اور زید بن عمرو بن نفیل زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں تھے، پس جب زید اس کھانے سے رک گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے لیے اور خاتم النبیین بنانے کے لیے اختیار کیا تھا، وہ زیادہ اولیٰ تھے کہ اس کھانے سے زمانہ جاہلیت میں آپ رُکتے۔

''النُصُب'' کا معنی

مجاہد نے کہا: یہ وہ پتھر ہیں جو کعبہ کے گرد نصب تھے، ان پر مشرکین قریش جانوروں کو رکھ کر ذبح کرتے تھے۔

یہ تین سو ساٹھ (۳۶۰) پتھر تھے جو کعبہ کے گرد جمع کیے گئے تھے اور ان پتھروں پر وہ اپنے بتوں کے لیے جانوروں کو ذبح کرتے تھے اور یہ پتھر بت نہیں تھے، کیونکہ بت مجسمے اور صورتیں ہوتی ہیں اور نُصُب وہ پتھر تھے جو کعبہ کے گرد جمع تھے۔

زید بن عمرو کا تذکرہ

یہ زید حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے والد ہیں جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں اور یہ بنو عدی میں سے تھے، یہ دینِ برحق کو طلب کرنے کے لیے نکلے تھے تو انہوں نے یہودیت کے متعلق سوال کیا، کسی نے بتایا کہ تم اپنا حصہ اللہ کی لعنت میں سے قرار دو، تو انہوں نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی لعنت کو نہیں اٹھا سکتا، پھر کسی نے انہیں بتایا کہ تم دینِ ابراہیم کو اختیار کر لو، وہ حنیف اور مسلم تھے تو

انہوں نے کہا: اے اللہ! میں نے اپنا منہ تیری طرف کر لیا اور میں ملتِ ابراہیم پر ہوں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۴۳۰۔ ۴۳۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۴۹۹، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ذبح کی اقسام

ذبح کی چار قسمیں ہیں:

(۱) جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور اس سے غیر اللہ کی تعظیم کا ارادہ کیا گیا ہو، وہ ذبیحہ حرام ہے۔

(۲) جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو لیکن اس سے بت کا قصد کیا گیا ہو تو وہ ذبیحہ بھی حرام ہے۔

(۳) جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام بھی لیا ہو اور اللہ کے غیر کا نام بھی لیا گیا ہو، سو وہ ذبیحہ بھی حرام ہے۔

(۴) جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو اور اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو، تو یہ ذبیحہ حلال ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۴۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۱۷۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ فَلْيَذْبَحْ عَلَى اسْمِ اللهِ

نبی ﷺ کا ارشاد: اس کو چاہیے کہ اللہ کے نام پر ذبح کرے

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص قربانی کرے، وہ اللہ کے نام پر قربانی کو ذبح کرے۔

۵۵۰۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ جُنْدَبِ بْنِ سُفْيَانَ الْبَجَلِيِّ قَالَ ضَحَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ أُضْحِيَةً ذَاتَ يَوْمٍ فَإِذَا أُنَاسٌ قَدْ ذَبَحُوا ضَحَايَاهُمْ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَآهُمُ النَّبِيُّ ﷺ أَنَّهُمْ قَدْ ذَبَحُوا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَقَالَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرَى وَمَنْ كَانَ لَمْ يَذْبَحْ حَتَّى صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ عَلَى اسْمِ اللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی از الاسود بن قیس از حضرت جندب بن سفیان البجلی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قربانیوں کو ذبح کیا، اس وقت چند لوگوں نے اپنی قربانیاں نماز سے پہلے ذبح کر دی تھیں۔ جب نبی ﷺ واپس گئے تو آپ نے ان کو دیکھا کہ انہوں نے نماز سے پہلے قربانیاں ذبح کر دی ہیں تو آپ نے فرمایا: جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا ہے، وہ اس کی جگہ دوسری قربانی ذبح کرے اور جس نے نہیں ذبح کیا حتی کہ ہم نے نماز پڑھ لی تو اب وہ اللہ کا نام لے کر قربانی ذبح کرے۔

(صحیح البخاری: ۹۸۵، ۵۵۰۰، ۵۵۶۲، ۶۶۷۴، ۷۴۰۰، صحیح مسلم: ۱۹۶۰، سنن نسائی: ۴۳۹۸، سنن ابن ماجہ: ۳۱۵۲، مسند احمد: ۱۸۳۲۱)

صحیح البخاری: ۵۵۰۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس حدیث کے آخری جملہ میں ہے اور وہ یہ ہے کہ جس نے ذبح نہیں کیا حتیٰ کہ ہم نے نماز پڑھ لی تو وہ اللہ کا نام لے کر قربانی کو ذبح کرے۔

اس حدیث میں یہ تنبیہ ہے کہ جس شخص نے ذبح کے وقت بھول کر اللہ کا نام نہیں لیا، وہ بھی اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے، کیونکہ اس حدیث میں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ اللہ کے نام پر ذبح کرے اور آپ نے مسلمان کے ذبح کو اصل میں اللہ کے نام پر قرار دیا ہے، جیسا کہ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ کا ذکر ہر مسلمان کے دل میں ہے، وہ نام لے یا نام نہ لے۔

جس نے نمازِ عید سے پہلے قربانی ذبح کی وہ نمازِ عید کے بعد دوبارہ قربانی ذبح کرے

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جس نے نمازِ عید سے پہلے قربانی ذبح کر لی، وہ دوبارہ اس کو اللہ کا نام لے کر ذبح کرے، کیونکہ آپ نے فرمایا: وہ اللہ کے نام پر ذبح کرے۔

اور جان لو کہ قربانی کا وقت نمازِ عید کے بعد ہے اور وہ بسم اللہ کو قربانی کے ساتھ ملائے اور علیٰ کا لفظ یہاں پر مصاحبت کے معنی میں ہے جیسے "ارکب علی اسم اللہ" کا معنی ہے: یعنی "اللہ کے نام کے ساتھ مصاحب ہو کر سوار ہو"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں ابوعوانہ کا ذکر ہے، ان کا نام الوضاح الیشکری ہے۔ اور اس سند میں الاسود بن قیس العبدی کا ذکر ہے، وہ ابو قیس الکوفی ہیں، اور جُندب کا ذکر ہے، وہ ابن عبداللہ بن سفیان البجلی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں اس شخص کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا ہے جس نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کو ذبح کر لیا اور اس حدیث میں مالی سزا کا ثبوت ہے، کیونکہ اس شخص نے سنت کی مخالفت کی اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جس نے کسی کام کے واجب ہونے سے پہلے اس کو جلدی کر لیا تو اس کا وہ کام حرام ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۰۰ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المراسیل میں مذکور ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرے یا نہ کرے۔ (مراسیل ابوداؤد: ۳۷۸)

امام دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کے لیے بسم اللہ پڑھنا کافی ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۴ ص ۲۹۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا نام ہر مسلمان کے دل میں ہے۔ (سنن دارقطنی

۷ ص ۲۹۵، المعجم الاوسط: ۷۴۶۹)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: کہ یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں اور جو شخص عمداً بسم اللہ پڑھنے کو ترک کرے، اسی کے ساتھ اس کو بھی ملا دیا جاتا ہے جو سستی کی وجہ سے اللہ کے نام کو ترک کرے۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن ملقن نے جو ان دونوں حدیثوں کو ضعیف قرار دیا ہے وہ ان پر فقہ شافعی کے غلبہ کی وجہ سے ہے، کیونکہ امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ جس نے بھولے سے ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنے کو ترک کر دیا تو وہ ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ اس کے برخلاف امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ جس نے بھولے سے بسم اللہ پڑھنے کو ترک کر دیا تو اس کا ذبیحہ جائز ہے، کیونکہ ہر مسلمان کے دل میں بسم اللہ ہوتی ہے۔ اور یہ دونوں حدیثیں اگرچہ سنداً ضعیف ہوں لیکن چونکہ اس سے امام ابوحنیفہ نے استدلال کیا ہے، اس لیے یہ معتبر ہوں گی، کیونکہ جب مجتہد کسی حدیث سے استدلال کرے تو اس کا استدلال بھی اس حدیث کی صحت کی دلیل ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: کہ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ ذبح سے پہلے بسم اللہ پڑھنا ذبح کی سنتوں میں سے ہے اور اس حدیث میں مالی سزا کا بیان ہے یعنی جنہوں نے نماز سے پہلے قربانی کر لی، ان کو جو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا ہے تو یہ مالی سزا ہے اور تعزیر ہے، جیسا کہ جن لوگوں نے ذوالحلیفہ میں مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے بکریوں کو ذبح کر لیا تھا، انہیں حکم دیا گیا کہ وہ ہانڈیوں کو الٹ دیں، یہ بھی ان کے لیے مالی سزا تھی۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس نے اصلِ سنت سے پہلے کوئی کام اس کے واجب ہونے سے پہلے جلدی کر لیا تو اس کو حرام قرار دیا جائے گا جیسے کسی شخص نے وطی کرنے میں جلدی کی اور عدت میں نکاح کر لیا تو اس کا وہ نکاح حرام ہو جائے گا، اسی طرح وہ لوگ ہیں جنہوں نے قربانی کے وجوب سے پہلے قربانی کر لی تو ان کی ان قربانیوں کو بہ طور سزا کے حرام قرار دیا گیا۔

ذبح کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی صفت

بسم اللہ پڑھنے کی صفت یہ ہے کہ قربانی کرنے والا کہے: ''بسم اللہ اللہ اکبر'' اور امام بخاری نے کتاب الاضاحی میں یہ عنوان قائم کیا ہے: ''باب التکبیر عند الذبح'' اور اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ذبح کیا تو پڑھا ''بسم اللہ اللہ اکبر''۔

ابنِ حبیب مالکی نے کہا ہے: اگر اس نے فقط اللہ کا نام لیا یعنی فقط بسم اللہ کہا یا فقط اللہ اکبر کہا یا لا الہ الا اللہ پڑھ کر ذبح کیا یا سبحان اللہ پڑھ کر یا لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھ کر ذبح کیا، تب بھی ذبح ہو جائے گا لیکن مسلمان جس طریقہ سے ذبح کرتے ہیں وہ افضل ہے اور وہ یہ کہے ''بسم اللہ اللہ اکبر''۔

اگر کسی شخص نے دوسرے کو اجرت پر رکھا کہ وہ اس کی طرف سے قربانی کرے اور بسم اللہ پڑھ کر سنائے، سو اس نے ذبح کیا اور بسم اللہ پڑھ کر سنایا نہیں تو اس کے متعلق تین قول ہیں:

شیخ ابوبکر بن عبدالرحمن نے کہا: اس کو اجرت ملے گی لیکن وہ قربانی کے جانور کی قیمت کا ضامن نہیں ہوگا، اور دوسرا قول اس کے برعکس ہے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ نہ اس کو اجرت ملے گی اور نہ وہ قربانی کے جانور کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ (التوضیح شرح الجامع الصحیح ج

۲۶ ص ۴۳۴۔۴۳۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۰۰، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ صحابہ گھر سے باہر قربانیوں کو ذبح کرتے تھے۔ خصوصاً اس لیے کہ اس وقت ان کے گھر چھوٹے تھے اور گھروں کے اندر ذبح کرنا مشکل تھا۔

(۲) جس نے کسی عبادت کا وقت داخل ہونے سے پہلے وہ عبادت کر لی، وہ اس عبادت کو دہرائے گا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا جنہوں نے نمازِ عید پڑھنے سے پہلے قربانی کر لی تھی۔

(۳) جس نے دوبارہ قربانی کی، وہ بھی اللہ کا نام پڑھ کر قربانی کرے گا، کیونکہ یہ قربانی بدل ہے اور بدل کو اصل کے مطابق ہونا چاہیے۔

(۴) ذبح سے پہلے بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا: وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔

(۵) بعض علماء نے اس سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ بسم اللہ کا متعلق اس کے مناسب فعل ہونا چاہیے، کیونکہ آپ نے فرمایا: وہ اللہ کے نام پر ذبح کرے، سو ذبح کرنے والے کو کہنا چاہیے کہ میں اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کرتا ہوں۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۴۵، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۸۔ بَابٌ: مَا أَنْهَرَ الدَّمَ مِنَ الْقَصَبِ وَالْمَرْوَةِ وَالْحَدِيْدِ

سرکنڈا، دھارے والے بانس یا لکڑی، سفید پتلا پتھر جو دھار والا ہو اور (دھار والے) لوہے میں سے جو بھی خون بہادے، اس سے ذبح کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو چیز بھی مذبوح کا خون بہادے، اس سے ذبح کرنا جائز ہے، خواہ سرکنڈا ہو یا سفید پتلا دھار والا پتھر ہو یا لوہا ہو۔ امام بخاری نے عنوان میں ان تین چیزوں کا ذکر کیا ہے اور اس باب کی احادیث میں ان میں سے کسی چیز کا ذکر نہیں ہے، اس باب کی حدیث میں صرف پتھر کے ساتھ ذبح کرنے کا ذکر ہے۔

سرکنڈے اور سفید پتلے پتھر کے ساتھ ذبح کرنے کا بیان

امام طبرانی نے حضرت رافع کی سند سے روایت کی ہے: کیا میں سرکنڈے اور سفید پتلے پتھر سے ذبح کروں؟

امام احمد، امام نسائی، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے از الشعبی از محمد بن صفوان اور ایک روایت میں از محمد بن صیفی روایت کی ہے

انہوں نے بیان کیا کہ میں نے دو خرگوشوں کو سفید پتلے پتھر سے ذبح کیا تو مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کھانے کا حکم دیا، اس حدیث کو امام ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ اصمعی نے کہا: مروہ اس سفید پتلے پتھر کو کہتے ہیں جس کو آگ میں تپایا جاتا ہے۔

لوہے کے ساتھ ذبح کرنے کا بیان

لوہے کے ساتھ ذبح کرنے کو اس حدیث سے مستنبط کیا جاتا ہے:

امام ابن ماجہ نے از جریر بن حازم از ایوب از زید بن اسلم روایت کی ہے، جریر نے کہا: میں زید بن اسلم سے ملا تو انہوں نے مجھے از عطاء بن یسار از حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ حدیث بیان کی کہ انصار میں سے ایک مرد کے پاس ایک اونٹنی احد پہاڑ کی طرف چر رہی تھی، انہوں نے اس کو کیل کے ساتھ ذبح کر دیا، میں نے زید سے پوچھا: وہ کیل لکڑی کی تھی یا لوہے کی؟ تو انہوں نے کہا: نہیں، بلکہ وہ لکڑی کی تھی۔ پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو آپ نے اس کو کھانے کا حکم دیا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: جب لکڑی کی کیل کے ساتھ ذبح کرنا جائز ہے تو لوہے کی کیل کے ساتھ ذبح کرنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

سفید پتلے پتھر اور پھچی سے ذبح کرنے کا بیان

امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے از سماک بن حرب از موسیٰ بن قطری از حضرت عدی بن ابی حاتم رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ بتایئے کہ ہم میں سے کسی ایک کو جب شکار ملے اور اس کے پاس چھری نہ ہو، تو کیا وہ سفید پتلے پتھر سے ذبح کر سکتا ہے اور لاٹھی کی پھچی سے؟ (لاٹھی کو چیرنے سے جو دھار والا حصہ حاصل ہو، اس کو پھچی کہتے ہیں، بانس کا چیرا ہوا ٹکڑا۔ فیروز اللغات: ص ۱۰۵۳)۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جس چیز سے چاہو خون بہا دو اور اللہ عزوجل کے نام کا ذکر کرو۔ یہ سنن ابوداؤد کی عبارت ہے اور امام نسائی کی روایت میں ہے "تم سفید پتلے پتھر اور لاٹھی سے ذبح کرو"۔ اور امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے: اگر تم چھری نہ پاؤ تو دھار والے سخت پتھر سے ذبح کر دو اور لاٹھی سے ذبح کر دو۔ اور امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت سفینہ سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ ایک مرد نے اپنی اونٹنی کو لکڑی کے ساتھ ذبح کر دیا، پھر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے اس کو اس کے کھانے کا حکم دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۰۔۱۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۰۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ سَمِعَ ابْنَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ يُخْبِرُ ابْنَ عُمَرَ أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ جَارِيَةً لَهُمْ كَانَتْ تَرْعَى غَنَمًا بِسَلْعٍ فَأَبْصَرَتْ بِشَاةٍ مِنْ غَنَمِهَا مَوْتًا فَكَسَرَتْ حَجَرًا فَذَبَحَتْهَا فَقَالَ لِأَهْلِهِ لَا تَأْكُلُوا حَتَّى آتِيَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَأَسْأَلَهُ أَوْ حَتَّى أُرْسِلَ إِلَيْهِ مَنْ يَسْأَلُهُ فَأَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَوْ بَعَثَ إِلَيْهِ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِأَكْلِهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن ابی بکر المقدمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی از عبید اللہ از نافع، انہوں نے حضرت کعب بن مالک کے بیٹے سے سنا، وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو خبر دے رہے تھے کہ ان کے والد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ان کی ایک باندی تھی جو سلع کے پاس بکریاں چراتی تھی، تو اس باندی نے دیکھا کہ اس کی بکریوں میں سے ایک بکری مرنے والی ہے، اس نے ایک پتھر توڑ کر اس بکری کو ذبح کر دیا، پھر حضرت

کعب بن مالک نے گھر والوں سے کہا: اس بکری کو نہ کھانا حتیٰ کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اس کے متعلق سوال کروں یا کہا: حتیٰ کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی کو بھیجوں جو آپ سے اس بکری کے متعلق سوال کرے، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے یا آپ کے پاس کسی کو بھیجا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۰۴، ۵۵۰۱، ۵۵۰۲، ۵۵۰۴، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۲، مسند احمد: ۲۷۶۲۲، موطا امام مالک: ۱۰۵۷)

صحیح البخاری: ۵۵۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں "المروۃ" کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: سفید پتلا پتھر اور حدیث میں پتھر کے ساتھ ذبح کرنے کا ذکر ہے اور چونکہ المروہ بھی پتھر ہوتا ہے تو اس لحاظ سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن ابی بکر کا ذکر ہے، ان کا پورا نام ہے: محمد بن ابی بکر بن علی بن عطا بن مقدم ابو عبد اللہ۔ جو مقدمی کے نام سے معروف ہیں۔ ان سے امام مسلم نے بھی روایت کی ہے، اور اس حدیث کی سند میں معتمر کا ذکر ہے، ان کا نام ہے: معتمر بن سلیمان اور اس حدیث کی سند میں عبید اللہ کا ذکر ہے، اور یہ ابن عمر العمری ہیں۔ اور نافع کا ذکر ہے، یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام اور شاگرد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن کعب بن مالک کا ذکر ہے۔ علامہ المزی نے الاطراف میں وثوق سے کہا ہے کہ یہ عبد اللہ بن کعب ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ عبد الرحمٰن بن کعب بن مالک ہیں۔ یہ اپنے والد حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جو ان تین صحابہ میں سے ایک ہیں جن کی توبہ قبول کی گئی تھی۔

علامہ ابن الملقن نے کہا ہے: اس سند میں ایک لطیف چیز ہے اور وہ صحابی کی روایت ہے تابعی سے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس حدیث کو حضرت کعب بن مالک کے بیٹے سے روایت کیا ہے اور وہ تابعی ہیں۔ علامہ عینی علامہ ابن ملقن کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہاں پر اس حدیث کی کسی سے روایت نہیں کی بلکہ حضرت کعب بن مالک کے بیٹے نے ان کو یہ حدیث اپنے والد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنائی۔

یہ حدیث کتاب الوکالۃ کے اندر گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح بھی کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں جاریۃ کا لفظ ہے، اور اکثر یہ لفظ باندی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اور اس حدیث میں "سلع" کا لفظ ہے، یہ مدینہ منورہ کا مشہور پہاڑ ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث کے پانچ فائدے ہیں:

(۱) عورت کا ذبح کرنا (۲) باندی کا ذبح کرنا (۳) پتھر سے ذبح کرنا (۴) جو جانور مرنے والا ہو اس کو ذبح کرنا (۵) مالک کے غیر کا بغیر وکالت کے ذبح کرنا۔

اس میں اختلاف ہے کہ جب چرواہا کسی جانور کو ذبح کر دے اور یہ کہے کہ وہ مر رہا تھا تو میں نے اس کو ذبح کر دیا تو ابن قاسم مالکی نے کہا: اس کے اوپر کوئی ضمان نہیں ہے اور دوسروں نے کہا: اس پر ضمان ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۱۔ ۱۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: علامہ عینی نے جو شرح کی ہے یہ علامہ ابن الملقن کی شرح سے مستفاد ہے، تاہم علامہ عینی نے علامہ ابن ملقن کی پوری شرح ذکر نہیں کی، اور شرح کا کچھ حصہ چھوڑ دیا ہے۔ ہم یہاں پر علامہ ابن ملقن کی شرح کا وہ حصہ ذکر کر رہے ہیں جس کا علامہ عینی نے ذکر نہیں کیا۔

صحیح البخاری: ۵۵۰۱ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عورت اور بچے کے ذبح کرنے کا بیان

حضرت کعب کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کا ذبیحہ جائز ہے اور یہ جمہور فقہاء کا قول ہے جب کہ عورت اچھی طرح سے ذبح کر سکتی ہو۔ اسی طرح جو بچہ اچھے طریقہ سے ذبح کر سکتا ہو، اس کا ذبح کرنا بھی جائز ہے۔ امام مالک نے المدونہ میں کہا ہے کہ بغیر ضرورت کے بھی عورت کا ذبح کرنا جائز ہے اور بچے کا ذبح کرنا جائز ہے جب وہ ذبح کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

(المدونہ ج ۱ ص ۴۲۹)

ابن حبیب مالکی نے کہا ہے: خواہ بچہ مختون ہو یا غیر مختون ہو۔ اور امام محمد کی کتاب میں امام مالک سے منقول ہے کہ عورت یا بچے کا ذبیحہ مکروہ ہے اور اسی طرح خصی کا ذبح کرنا بھی مکروہ ہے۔

مالک کی اجازت کے بغیر کیے ہوئے ذبیحہ کا بیان

فقہاء نے حضرت کعب کی حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ جو ذبیحہ مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کیا گیا، اس کا کھانا جائز ہے اور انہوں نے ان لوگوں پر رد کیا ہے جنہوں نے چور اور غاصب کے ذبیحہ کے کھانے کا انکار کیا۔ اور یہ قول عکرمہ اور طاؤس سے مروی ہے۔ اور اہل ظاہر اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے اور یہ قول شاذ ہے، اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ اور لوگوں کا اس میں اختلاف ہے اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ چور کے ذبیحہ اور مُحرم کے ذبیحہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

غیر مختون کے ذبیحہ کا بیان

ابن حزم ظاہری نے طاؤس سے روایت کی ہے کہ حبشی کا ذبیحہ ممنوع ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ غیر

مختون کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا اور نہ اس کی نماز مقبول ہوگی اور نہ اس کی شہادت اور عنقریب اہل کتاب کے ذبائح کے بیان میں حسن اور ابراہیم کی یہ روایت آئے گی کہ غیر مختون کے ذبیحہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (یہ صحیح البخاری: ۵۵۰۸ سے پہلے تعلیق میں مذکور ہے۔)

اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: عام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ ان کا ذبیحہ جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ذبیحہ کو جائز قرار دیا ہے اور ان میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جو غیر مختون ہوتے ہیں۔

ابن حزم ظاہری نے کہا ہے: حائضہ عورت کا ذبح کرنا، حبشی کا ذبح کرنا، گونگے کا ذبح کرنا، فاسق کا ذبح کرنا، جنبی کا ذبح کرنا یا جو جانور غیر قبلہ کی طرف عمداً ذبح کیا گیا ہو، یا بغیر عمد کے ذبح کیا گیا ہو، جب کہ ذبح کے وقت اللہ کے نام کو ذکر کیا گیا ہو۔ اور گونگے نے اپنی طاقت کے مطابق اشارہ سے اللہ کا نام لیا ہو، اور عجمی نے اپنی لغت سے اللہ کا نام لیا ہو، ذبیحوں کی یہ تمام اقسام جائز ہیں۔

(المحلی ج ۷ ص ۴۵۳) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج۲۶ ص ۴۴۱۔ ۴۴۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۵۰۲ـ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي سَلِمَةَ أَخْبَرَ عَبْدَ اللهِ أَنَّ جَارِيَةً لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ تَرْعَى غَنَمًا لَهُ بِالْجُبَيْلِ الَّذِي بِالسُّوقِ وَهُوَ بِسَلْعٍ فَأُصِيبَتْ شَاةٌ فَكَسَرَتْ حَجَرًا فَذَبَحَتْهَا بِهِ فَذَكَرُوا لِلنَّبِيِّ ﷺ فَأَمَرَهُمْ بِأَكْلِهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جویریہ نے حدیث بیان کی از نافع از بنو سلمہ کے ایک مرد، انہوں نے حضرت عبداللہ کو خبر دی کہ حضرت کعب بن مالک کی ایک باندی ایک پہاڑی کے پاس بکریاں چراتی تھی، وہ پہاڑی سوق میں تھی اور اس پہاڑی کا نام سلع تھا، ایک بکری مرنے کے قریب ہوگئی، اس باندی نے ایک پتھر توڑا اور اس پتھر سے اس بکری کو ذبح کر دیا، پھر انہوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے اس کو کھانے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۰۴، ۵۵۰۱، ۵۵۰۲، ۵۵۰۴، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۲، مسند احمد: ۷۶۶۲، موطا امام مالک: 1057)

صحیح البخاری: ۵۵۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اسی حدیث کی ایک اور سند ہے جو از موسیٰ بن اسماعیل المنقری مروی ہے از جویریہ بن اسماء البصری از نافع جو مولیٰ ابن عمر ہیں از بنو سلمہ کے ایک مرد۔۔۔۔ الی آخرہ

بنو سلمہ میں سین پر زبر اور لام کے نیچے زیر ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند مجہول ہے، کیونکہ اس میں ایک مرد کا ذکر ہے جو نامعلوم ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ حضرت کعب بن مالک السلمی الانصاری کے بیٹے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۰۳ـ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ جَدِّهِ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ لَيْسَ لَنَا مُدًى فَقَالَ مَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از شعبہ از سعید بن مسروق از عبایہ بن رفاعہ از جد خود، وہ بیان کر

أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ فَكُلْ لَيْسَ الظُّفُرَ وَالسِّنَّ أَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ وَأَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَنَدَّ بَعِيرٌ فَحَبَسَهُ فَقَالَ إِنَّ لِهَذِهِ الْإِبِلِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا فَاصْنَعُوا بِهِ هَكَذَا۔

ہیں کہ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہمارے پاس چھری نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: جو چیز خون بہادے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے تو اسے کھالو۔ اور وہ چیز ناخن اور دانت نہ ہوں، رہا ناخن تو وہ حبشیوں کی چھری ہے اور رہا دانت تو وہ ہڈی ہے۔ اور ایک اونٹ بھاگ گیا، سو اس کو روک لیا، تو آپ نے فرمایا: ان اونٹوں میں توحش اور تنفر ہوتا ہے جیسے وحشی جانوروں میں ہوتا ہے، پس جو تم پر ان میں سے غالب آ جائے، اس کے ساتھ اسی طرح کرو۔

(صحیح البخاری: ۲۴۸۸، ۲۵۰۷، ۳۰۷۵، ۵۴۹۸، ۵۵۰۳، ۵۵۰۶، ۵۵۰۹، ۵۵۴۳، ۵۵۴۴، صحیح مسلم: ۱۹۶۸، سنن ترمذی: ۱۴۹۱، سنن نسائی: ۴۴۱۰، سنن ابوداؤد: ۲۸۲۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۳، مسند احمد: ۱۶۸۱۲، سنن دارمی: ۱۹۷۷)

صحیح البخاری: ۵۵۰۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کے عنوان میں مذکور تھا: "جو چیز خون کو بہادے"۔ اور اس حدیث کے شروع میں بھی ذکر ہے کہ جو چیز خون کو بہادے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے، اس کو کھالو۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔ یہ حدیث اس سے پہلے باب "التسمیۃ علی الذبیحۃ" میں عنقریب گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدان کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عثمان بن جبلہ کا لقب ہے۔ یہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں از شعبہ از سعید بن مسروق اور وہ ابوسفیان ثوری ہیں از عبایۃ بن رفاعہ، اور دوسری سند میں ہے عبایہ بن رافع، اور رافع عبایۃ کے دادا ہیں اور ان کے والد رفاعہ ہیں جن کی طرف اس روایت میں نسبت کی گئی ہے۔

اس حدیث میں ہے کہ اس اونٹ کو روک لیا، یہاں پر یہ عبارت مقدر ہے کہ کسی مرد نے تیر مارا، وہ تیر اس اونٹ کو لگا تو وہ اونٹ بھاگنے سے رک گیا۔ یہ حدیث اس سے پہلے تفصیل سے گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۲۔ ۱۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۹۔ بَابُ: ذَبِيحَةِ الْمَرْأَةِ وَالْأَمَةِ

عورت اور باندی کے ذبیحہ کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت کا ذبیحہ اور باندی کا ذبیحہ جائز ہے، اور امام بخاری نے اس عنوان سے ان لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو عورت اور باندی کے ذبیحہ سے منع کرتے ہیں، اور محمد بن عبدالحکیم نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ عورت اور باندی کا ذبیحہ مکروہ ہے اور المدونہ میں لکھا ہے کہ یہ جائز ہے اور یہی جمہور فقہاء کا قول ہے۔ اور یہ جواز اس وقت ہے کہ جب عورت اچھے طریقہ سے ذبح کر سکتی ہو، اسی طرح بچہ بھی جب اچھی طرح سے ذبح کر سکتا ہو، اس کا ذبیحہ بھی جائز ہے۔ اور خصی کے ذبح کرنے کی کراہت میں اختلاف ہے۔ ابن حزم ظاہری نے از طاؤس حبشی کے ذبیحہ کو منع کیا ہے جیسا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب آئے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۰۴۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ امْرَأَةً ذَبَحَتْ شَاةً بِحَجَرٍ فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ فَأَمَرَ بِأَكْلِهَا وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنَا نَافِعٌ أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ يُخْبِرُ عَبْدَ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ جَارِيَةً لِكَعْبٍ بِهٰذَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے خبر دی از عبید اللہ از نافع از ابن حضرت کعب بن مالک از والد خود، (یعنی حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا) کہ ایک عورت نے پتھر سے بکری کو ذبح کر دیا، تو نبی ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا، تو آپ نے اس کو کھانے کا حکم دیا۔ اور لیث نے کہا: ہمیں نافع نے حدیث بیان کی، انہوں نے انصار کے ایک مرد سے سنا، وہ حضرت عبداللہ کو خبر دیتے تھے از نبی ﷺ کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی باندی نے اس طرح کیا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۰۴، ۵۵۰۱، ۵۵۰۲، ۵۵۰۴، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۲، مسند احمد: ۲۶۶۲۷، موطا امام مالک: ۱۰۵۷)

صحیح البخاری: ۵۵۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں عورت کے ذبیحہ کا ذکر ہے اور حدیث میں بھی یہ ذکر ہے کہ ایک عورت نے پتھر سے بکری کو ذبح کر دیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں صدقہ کا ذکر ہے، یہ صدقہ بن الفضل المروزی ہیں۔ اور اس حدیث میں عبدہ کا ذکر ہے، یہ عبدہ بن سلیمان الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث میں عبید اللہ کا ذکر ہے، یہ عبید اللہ بن عمر العمری ہیں۔ اور یہ حدیث اس سے پہلے جویریہ کی سند کے ساتھ گزر چکی ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے اس حدیث کی تعلیق ذکر کی ہے۔ اس تعلیق میں ذکر ہے کہ نافع نے انصار کے ایک مرد سے سنا، الخ

وہ مرد مجہول ہے۔ (بہ ظاہر وہ مرد حضرت کعب بن مالک کے بیٹے ہیں)۔
اس حدیث کے آخر میں ہے "بھٰذا" یہ اس حدیث مذکور کی طرح بیان کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۰۵۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ سَعْدٍ أَوْ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ جَارِيَةً لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ كَانَتْ تَرْعَى غَنَمًا بِسَلْعٍ فَأُصِيبَتْ شَاةٌ مِنْهَا فَأَدْرَكَتْهَا فَذَبَحَتْهَا بِحَجَرٍ فَسُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ كُلُوهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع از انصار کے ایک مرد از معاذ بن سعد یا سعد بن معاذ، انہوں نے خبر دی کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک باندی سلع پہاڑ پر بکریاں چرا رہی تھی، پس ان میں سے ایک بکری مرنے کے قریب ہوگئی تو اس نے اس بکری کو پکڑ لیا اور ایک پتھر سے ذبح کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا: اس کو کھالو۔

(صحیح البخاری: ۲۳۰۴، ۵۵۰۱، ۵۵۰۲، ۵۵۰۴، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۲، مسند احمد: ۲۷۶۲۴، موطا امام مالک: ۱۰۵۷)

صحیح البخاری: ۵۵۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے، اور اس میں بھی ایک راوی مجہول ہے اور اس کی سند میں معاذ بن سعد میں تردد ہے، علامہ کرمانی نے کہا ہے: معاذ کے متعلق راوی کے شک سے اس حدیث میں کوئی طعن نہیں ہوتا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک صحابی ہے اور تمام صحابہ عدول ہیں۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: یہاں دو راوی نہیں ہیں، بلکہ یہاں ایک ہی راوی ہے اور تردد اس میں ہے کہ وہ معاذ ہیں جو کہ بیٹے ہیں یا سعد ہیں جو کہ باپ ہیں اور بے شک سعد بیٹے ہیں اور معاذ ان کے باپ ہیں، اسی وجہ سے الاستیعاب میں معاذ بن سعد کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور الذہبی نے ذکر کیا ہے: معاذ بن سعد یا سعد بن معاذ، اسی طرح امام مالک نے نافع سے روایت کی ہے جس حدیث میں پتھر سے ذبح کرنے کا ذکر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۰۔ بَابُ: لَا يُذَكَّى بِالسِّنِّ وَالْعَظْمِ وَالظُّفُرِ

اس کا بیان کہ دانت، ہڈی اور ناخن سے ذبح نہ کیا جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ عینی نے کہا ہے کہ ہڈی اور ناخن کا جو دانت پر عطف کیا گیا ہے، اس عطف سے کیا مراد ہے؟، کیونکہ دانت بھی ایک

خاص ہڈی ہے اور ناخن بھی ایک خاص ہڈی ہے، پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ شاید امام بخاری کی نظر اس طرف تھی کہ دانت اور ناخن عرفاً ہڈی نہیں ہیں اور اطباء بھی کہتے ہیں کہ یہ ہڈی نہیں ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں بھی ہڈی ہیں اور ہڈی کا دانت پر عطف، عام کا خاص پر عطف ہے۔

نیز علامہ کرمانی نے کہا: کہ امام بخاری نے عنوان میں ہڈی کا ذکر کیا ہے اور حدیث میں ہڈی کا ذکر نہیں ہے، پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ دانت اور ناخن کے ذکر سے ہڈی کا مسئلہ بھی معلوم ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام بخاری کی عادت یہ ہے کہ وہ اصلِ حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں، کیونکہ اصل حدیث میں ہے: ''کیونکہ دانت ہڈی ہے''۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۰۶۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ كُلْ يَعْنِي مَا أَنْهَرَ الدَّمَ إِلَّا السِّنَّ وَالظُّفُرَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از والدِ خود از عبایہ بن رفاعہ از حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کھاؤ یعنی جو چیز خون بہادے سوائے دانت اور ہڈی کے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۸۸، ۲۵۰۷، ۳۰۷۵، ۵۴۹۸، ۵۵۰۳، ۵۵۰۶، ۵۵۰۹، ۵۵۴۳، ۵۵۴۴، صحیح مسلم: ۱۹۶۸، سنن ترمذی: ۱۴۹۱، سنن نسائی: ۴۴۱۰، سنن ابوداؤد: ۲۸۲۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۳، مسند احمد: ۱۶۸۱۲، سنن دارمی: ۱۹۷۷)

صحیح البخاری: ۵۵۰۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضرت رافع بن خدیج کی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے، اور اس کی شرح گزر چکی ہے۔

۲۱۔ بَابُ: ذَبِيحَةِ الْأَعْرَابِ وَنَحْوِهِمْ

دیہاتیوں اور ان جیسے لوگوں کے ذبیحہ کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں دیہاتیوں کے ذبیحہ کا حکم بیان کیا گیا ہے، اور اعراب (دیہاتی) وہ لوگ ہیں جو عرب کے صحراؤں اور جنگلوں میں رہتے ہیں، جن کو خانہ بدوش کہا جاتا ہے اور بادیہ نشین بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بغیر ضرورت کے شہر میں نہیں جاتے۔ اور لفظِ اعراب کا کوئی واحد نہیں ہے۔ یہ لوگ شہروں میں جا کر علم حاصل نہیں کرتے اور عموماً احکام شرعیہ سے ناواقف ہوتے ہیں، تو جو احکامِ شرعیہ سے ناواقف ہوں، وہ بھی دیہاتیوں کی مثل ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۰۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا أُسَامَةُ بْنُ حَفْصٍ الْمَدَنِيُّ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبید اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسامہ بن حفص

عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ قَوْمًا قَالُوا لِلنَّبِيِّ ﷺ إِنَّ قَوْمًا يَأْتُونَا بِاللَّحْمِ لَا نَدْرِي أَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ أَمْ لَا فَقَالَ سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوهُ قَالَتْ وَكَانُوا حَدِيثِي عَهْدٍ بِالْكُفْرِ تَابَعَهُ عَلِيٌّ عَنِ الدَّرَاوَرْدِيِّ وَتَابَعَهُ أَبُو خَالِدٍ وَالطُّفَاوِيُّ

المدنی نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ چند لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہمارے پاس کچھ لوگ گوشت لے کر آتے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے اس کے ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں لیا۔ آپ نے فرمایا: تم اس پر اللہ کا نام لو اور اس کو کھالو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ وہ لوگ کفر کے زمانہ کے قریب تھے (نئے نئے کفر سے نکلے تھے)۔

اس حدیث کی متابعت علی نے کی ہے از دراوردی اور ان کی متابعت ابو خالد اور طفاوی نے کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۰۵۷، ۵۵۰۷، ۷۳۹۸، سنن نسائی: ۴۴۳۶، سنن ابوداؤد: ۲۸۲۹، سنن ابن ماجہ: ۳۱۷۴، موطا امام مالک: ۱۰۵۴، سنن دارمی: ۱۹۷۶)

صحیح البخاری: ۵۵۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں اعراب کے ذبیحہ کا ذکر ہے، اور اس سے مراد وہ دیہاتی ہیں جو مسلمانوں کے پاس جنگلوں اور صحراؤں سے آتے تھے۔ اور اس حدیث میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں اور ہمیں پتا نہیں ہوتا کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں؟

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن عبید اللہ بن زید کا ذکر ہے، ان کے والد ثابت ہیں جو حضرت عثمان بن عفان القرشی الاموی المدنی کے غلام تھے۔ اور ان سے صرف امام بخاری نے روایت کی ہے۔ اور اس حدیث میں اسامہ بن حفص المدنی کا ذکر ہے جو ہشام بن عروہ از والد خود عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ چند لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں اور سنن نسائی میں ہے کہ چند اعراب گوشت لے کر آتے ہیں، اور امام مالک کی روایت میں ہے کہ چند بادیہ نشین گوشت لے کر آتے ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: ہم نہیں جانتے کہ اس گوشت پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں، یعنی کیا ہم اس گوشت سے کھالیں؟

اس حدیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا واجب نہیں ہے، کیونکہ اگر ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا

واجب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیہاتیوں کے ذبیحہ کو کھانے کا حکم نہ دیتے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ حکم ابتداءِ اسلام میں تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام مالک کی روایت کے آخر میں یہ اضافہ ہے "اور یہ اول اسلام میں تھا"۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ لوگ ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنے کے حکم سے جاہل نہ ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۴۔۱۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

مشینی ذبیحہ کے جواز پر استدلال کا جواب

میں کہتا ہوں: کہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے مشینی ذبیحہ کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ اگر مشینی ذبیحہ پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ لو، لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں ابتداءِ اسلام کے واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ نیز اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ اعراب ذبح کے وقت بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرتے تھے، لیکن جب مسلمانوں کے پاس ان کا گوشت لایا جاتا تو انہیں یہ شبہ ہوتا تھا پتا نہیں انہوں نے ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھی ہے یا نہیں، تو آپ نے اس شبہ اور وسوسہ کو زائل کرنے کے لیے فرمایا: "تم بسم اللہ پڑھ کر کھالو"۔ تو اس حدیث کا مقصود شبہ اور وسوسہ کو زائل کرنا ہے نہ اس کا مقصود یہ ہے کہ اگر ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا جائے تو اس کا کھانا جائز ہوگا۔ اور مشینی ذبیحہ کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ مشین سے ذبح کرتے وقت اگر بسم اللہ پڑھ لی جائے تو پھر وہ ذبیحہ جائز ہوگا ورنہ نہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

امام بخاری کی ذکر کردہ تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں پہلے مذکور ہے: "اس کی متابعت علی نے دراوردی سے کی ہے": یعنی اسامہ بن حفص نے از ہشام از علی بن المدینی از عبد العزیز بن محمد الدراوردی کی متابعت کی ہے۔ اور دراوردی میں دراورد کی طرف نسبت ہے، یہ خراسان کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے اور اس متابعت سے مراد یہ ہے کہ اسامہ بن حفص نے جو روایت کی ہے، اس کی علی بن مدینی نے بھی ہشام بن عروہ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔

اس تعلیق کے بعد مذکور ہے: "اور ان کی متابعت ابو خالد اور الطفاوی نے کی ہے": یعنی اسامہ بن حفص کی متابعت ابو خالد سلیمان بن حیان الاحمر نے بھی ہشام بن عروہ سے مرفوعاً روایت میں کی ہے۔ امام بخاری نے اس متابعت کو صحیح بخاری کی کتاب التوحید میں سندِ موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور طفاوی نے بھی متابعت کی ہے یعنی محمد بن عبد الرحمٰن الطفاوی نے بھی اسامہ بن حفص کی متابعت کی ہے اور امام بخاری نے اس متابعت کو صحیح بخاری کی کتاب الوجوہ میں سندِ موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۰۷ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف با بن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور کی حدیث کے موافق دیگر احادیث

امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں شعبی سے روایت کی ہے کہ غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پنیر لایا گیا، الخ

کہا گیا کہ یہ وہ طعام ہے جس کو مجوس بناتے ہیں، آپ نے فرمایا: تم اس پر اللہ کا نام پڑھو اور کھالو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۰)

ابن حزم ظاہری نے اپنی محلّٰی میں از عیینہ از ہشام از والد خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے ایمان میں اجتہاد کرو اور کھاؤ۔ یعنی جو گوشت اعراب اور دیہاتی لے کر آئے ہیں اور ہمیں معلوم نہیں کہ انہوں نے اس پر ذبح کے وقت بسم اللہ کو پڑھا ہے یا نہیں پڑھا، اور یہ حدیث بھی مرسل ہے اور ابن حزم نے کہا: حدیث مرسل میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ (المحلّٰی ج ۷ ص ۴۵۸)

اور امام طحاوی نے مشکل الآثار میں یہ روایت کی ہے کہ چند صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، پس کہا: چند اعراب ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں، اور پنیر اور گھی (لے کر آتے ہیں) اور ہم نہیں جانتے کہ ان کے اسلام کی کیا حقیقت ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تم غور کرو کہ اللہ نے تم پر کن چیزوں کو حرام کیا ہے، ان سے رک جاؤ اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا ہے، سو وہ تمہارے لیے معاف ہیں اور تمہارا رب بھولنے والا نہیں ہے، تم بسم اللہ پڑھ لو۔ (شرح مشکل الآثار ج ۲ ص ۲۲۶)

اور اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حلال کو حلال قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کے حرام کو حرام قرار دیا، پس جس چیز کو اللہ نے حلال قرار دیا، وہ حلال ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا، وہ حرام ہے، اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا، وہ معاف ہے، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تلاوت کی:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (الانعام)

آپ کہیے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے والے پر ان چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا، وہ مردار ہو یا بہا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ نجس ہے یا بہ طور نافرمانی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، سو جو شخص مجبور ہو اور نہ وہ سرکشی کرنے والا ہو نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

ذبح سے پہلے بسم اللہ کے پڑھنے کا فرض یا واجب نہ ہونا

ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ حدیث اس مسئلہ میں نہایت عمدہ ہے کہ ابتداء میں بسم اللہ کا پڑھنا شرط نہیں ہے، اسی طرح المہلب مالکی نے کہا ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ ذبح میں پہلے بسم اللہ پڑھنا فرض نہیں ہے، کیونکہ اگر ذبح میں پہلے بسم اللہ کا پڑھنا فرض ہوتا تو ہر حال میں بسم اللہ کا پڑھنا فرض ہوتا۔ اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ کا پڑھنا مستحب ہے اور فرض نہیں ہے، پس ذبح کرنا جو کھانے کا نائب ہے، اس میں بھی بسم اللہ کا پڑھنا سنت ہے، کیونکہ وہ فرض کا قائم مقام ہے۔ اور اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عدی بن ابی حاتم اور حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جو شکار پر کتا چھوڑنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہے، یا شکار پر تیر مارنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہے، یہ دونوں حدیثیں تنزیہ پر محمول ہیں۔ اس لیے کہ وہ دونوں زمانہ جاہلیت کے طریقہ پر شکار کرتے تھے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شکار کرنے اور ذبح کرنے کی باریکیوں کو سمجھایا تاکہ وہ کسی شبہ میں واقع نہ ہوں۔ اور ابتداء میں ہی کامل ترین طریقہ سے شکار کریں اور ذبح کریں۔ اسی طرح جو لوگ آپ سے سوال کرنے کے لیے

آئے اور ابتداء میں انہیں کامل طریقہ سے ذبح کرنے کا طریقہ معلوم نہیں تھا تو آپ نے ان کو بتایا کہ اصل وہ چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال کردی ہے اور آپ نے حضرت عدی بن ابی حاتم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اگر تم نے شکاری کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھی تو وہ حرام ہوگا لیکن آپ نے یہ فرمایا تھا کہ تم اس کو نہ کھانا کیونکہ مجھے یہ خوف ہے کہ اس نے اپنے لیے شکار کیا ہوگا۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں کھانے کے وقت آپ نے بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا ہو، تا کہ تمہارا اب بسم اللہ پڑھنا تمہارے لیے اس کھانے کو مباح کردے گا جس کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ انہوں نے ذبح کے وقت بسم اللہ کو پڑھا تھا یا نہیں پڑھا تھا، جب کہ ذبح کرنے والا ان لوگوں میں سے ہو جن کا ذبیحہ صحیح ہوتا ہے جب وہ بسم اللہ پڑھیں۔

بازاروں میں جو گوشت بکتا ہے اس کے ذبیحہ کے صحیح ہونے پر دلیل

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بازاروں میں جو گوشت فروخت ہوتا ہے، وہ صحت پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی اگرچہ ہمارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ بازاروں میں جو گوشت بک رہا ہے، اس کے ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھی گئی تھی لیکن چونکہ مسلمان لوگ اس گوشت کو فروخت کررہے ہیں، اس لیے اس کو اسی پر محمول کیا جائے گا کہ انہوں نے بسم اللہ پڑھ کر اس کو ذبح کیا ہے۔ اسی طرح جو اعراب اور دیہاتی ذبح کرتے ہیں، اس کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ غالب حال یہ ہے کہ وہ بسم اللہ پڑھنے کو جانتے ہوں اور مسلمانوں کا اسی طریقہ پر عمل ہے۔

اور حافظ ابوعمر بن عبد البر نے کہا ہے: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ مسلمان جس کو ذبح کریں اور یہ معلوم نہ ہو کہ انہوں نے اللہ کا نام ذبیحہ پر لیا ہے یا نہیں تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ اس پر محمول کیا جائے گا کہ مسلمان نے بسم اللہ پڑھ لی ہے اور مومن کے متعلق صرف خیر کا گمان کیا جاتا ہے اور اس کا ذبیحہ اور اس کا شکار صحت اور سلامتی پر محمول کیا جائے گا حتیٰ کہ کسی دلیل سے یہ ثابت ہو کہ اس نے عمداً بسم اللہ پڑھنے کو ترک کردیا ہے۔

اس حدیث کے معنی میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ابتداء اسلام میں اعراب کے ذبیحہ کے کھانے کا حکم دیا تھا، اور اس وقت یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی:

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (الانعام: ۱۲۱) اور اس ذبیحہ کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔

یہ قول ضعیف ہے، اس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ آیت سورۂ انعام کی ہے اور وہ مکی ہے۔ اور اس حدیث کا تعلق مدینہ کے ساتھ ہے، کیونکہ اس حدیث میں جن اعراب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ مدینہ کے پاس رہتے تھے۔

اور اس پر اجماع ہے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا تبرک کے لیے ہے۔ اور اس میں زکوٰۃ اور ذبح کا کوئی تعلق نہیں ہے اور اہلِ علم کی جماعت نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا واجب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اعراب اور بادیہ نشینوں کے ذبیحہ کے کھانے کا حکم نہیں دیتے، کیونکہ ممکن ہے کہ انہوں نے ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ناواقفیت کی بناء پر نہ پڑھی ہو۔ اور جب کہ یہ اصل ہے اور قاعدہ ہے کہ صرف مسلمانوں کا ذبیحہ کھایا جاتا ہے یا جس پر بسم اللہ کا پڑھنا صحیح ہو تو اس ذبیحہ کو اس وقت تک ترک نہیں کیا جائے گا جب تک کہ یہ یقین نہ ہو کہ اس پر عمداً بسم اللہ نہیں پڑھی گئی۔ (التمہید ج ۲۲ ص ۲۹۹۔ ۳۰۰)

اور ابن حزم ظاہری کا یہ قول بہت غریب ہے کہ ہر کھانے والے کے اوپر ابتداء میں بسم اللہ کا پڑھنا فرض ہے، کیونکہ حضرت عمر بن ابی سلمہ کی حدیث میں ہے: ''اللہ کا نام لو اور اپنے آگے سے کھاؤ''۔ (صحیح البخاری: ۵۳۷۶)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۳۵۲۔ ۳۴۹، ملخصاً وملتقطاً وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۰۷، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسلمان کے ذبیحہ کے متعلق سوال کرنا عبث ہے

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے اور اس کے متعلق یہ سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ تم نے کیسے ذبح کیا تھا اور نہ یہ سوال کرنے کی ضرورت ہے کہ تم نے کس نام پر ذبح کیا تھا، کیونکہ جب لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہمیں پتا نہیں کہ انہوں نے ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں، تو آپ نے فرمایا: تم اللہ کا نام لو اور کھاؤ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ کا نام لو اور کھاؤ، اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ سوال کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ کلام میں غلو کے قبیل سے ہے، اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کے متعلق سوال نہ کرو جو دوسروں نے کیا ہے، بلکہ تم پر لازم ہے کہ تم اپنے فعل کے متعلق سوال کرو، کیونکہ عنقریب تم کھاؤ گے تو تم کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا۔ اور دوسرے ذبح کر چکے ہیں، تو جو وہ ذبح کر چکے ہیں اس کو چھوڑ دو۔

اگر غالب گمان یہ ہو کہ ذبح کرنے والے نے بسم اللہ نہیں پڑھی، پھر بھی اس ذبیحہ کو کھا لیا جائے گا

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ میرا غالب گمان یہ ہے کہ انہوں نے ذبیحہ پر بسم اللہ نہیں پڑھی، کیونکہ میرا گمان ہے کہ وہ جاہل لوگ ہیں، پھر کیا کیا جائے گا؟ تو ہم کہیں گے: اگرچہ تمہارا غالب گمان یہ ہے کہ انہوں نے بسم اللہ نہیں پڑھی، پھر بھی تم بسم اللہ پڑھو اور کھالو، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ فرماتی تھیں کہ وہ اعراب نئے نئے زمانہ کفر سے نکلے تھے اور یہ وہ لوگ ہیں جن پر احکام شرعیہ سے جہالت غالب تھی۔ خاص طور پر یہ مسئلہ، کیونکہ یہ عموماً قصائیوں کو معلوم ہوتا ہے جو روزانہ جانوروں کو ذبح کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اہم قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ کام جس کو اس کے اہل نے کیا ہو، اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ جب یہ غالب گمان ہو کہ ذبح کرنے والے نے بسم اللہ نہیں پڑھی تو پھر احتیاط اس میں ہے کہ اس ذبیحہ کو نہ کھایا جائے، کیونکہ اس حدیث میں اعراب کا ذکر ہے جن کو بالعموم احکام شرع معلوم نہیں تھے اور اب شریعت پوری طرح بیان کی جا چکی ہے، اس لیے اب خصوصاً دارالاسلام میں احکام شرعیہ سے عدم واقفیت عذر نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

درآمد شدہ گوشت کا بیان

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جو گوشت غیر ممالک سے درآمد کیا جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں بھی اصل حلت ہے۔ اور بڑے بڑے علماء سے اور وزارت وتجارت میں اس کی تحقیق کی جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو گوشت ہمارے پاس اہل کتاب سے آیا ہے، وہ حلال ہے حتیٰ کہ اس کی تحریم کے اوپر کوئی دلیل واقع ہو۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۴۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

٢٢- بَابُ: ذَبَائِحِ أَهْلِ الْكِتَابِ وَشُحُومِهَا مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَغَيْرِهِمْ

اہلِ کتاب کے ذبیحوں اور ان کے ذبائح کی چربیوں کا بیان، خواہ وہ حربی ہوں یا غیر حربی ہوں

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۖ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۖ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ (المائدہ:۵)

آج تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کردی گئیں اور اہلِ کتاب کا طعام تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا طعام ان کیلئے حلال ہے۔

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ لَا بَأْسَ بِذَبِيحَةِ نَصَارَى الْعَرَبِ وَإِنْ سَمِعْتَهُ يُسَمِّي لِغَيْرِ اللهِ فَلَا تَأْكُلْ وَإِنْ لَمْ تَسْمَعْهُ فَقَدْ أَحَلَّهُ اللهُ لَكَ وَعَلِمَ كُفْرَهُمْ وَيُذْكَرُ عَنْ عَلِيٍّ نَحْوُهُ وَقَالَ الْحَسَنُ وَإِبْرَاهِيمُ لَا بَأْسَ بِذَبِيحَةِ الْأَقْلَفِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَعَامُهُمْ ذَبَائِحُهُمْ

اور الزہری نے کہا ہے: کہ عرب کے عیسائیوں کے ذبیحوں میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر تم یہ سنو کہ وہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کر رہے ہیں تو نہ کھاؤ، اور اگر تم نے یہ نہ سنا ہو تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان کا ذبیحہ حلال کر دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو ان کے کفر کا علم ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل ذکر کی گئی ہے۔ اور حسن بصری اور ابراہیم نخعی نے کہا ہے کہ غیر مختون کے ذبیحہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: ان کے طعام سے مراد، ان کے ذبائح ہیں۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہلِ کتاب کے ذبیحہ اور ذبیحہ کی چربی کے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

اس باب میں ذکر کیا ہے کہ خواہ وہ اہلِ کتاب حربی ہوں جو جزیہ نہیں دیتے یا غیر حربی ہوں جو جزیہ دیتے ہیں اور اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ جائز ہے اور ان کی چربی کو کھانا بھی جائز ہے، اور یہ جمہور کا قول ہے۔

اور امام مالک اور امام احمد سے روایت ہے کہ اہلِ کتاب کی جس چیز کو حرام کر دیا ہے جیسے چربی تو وہ حرام ہے۔

امام بخاری نے المائدہ:۵ کو اس لیے پیش کیا ہے تاکہ اس پر جواز کی دلیل قائم ہو کہ یہود اور نصاریٰ اہلِ کتاب میں سے جو اہلِ حرب ہیں یا غیر اہلِ حرب ہیں، ان کا ذبیحہ جائز ہے۔

حضرت ابن عباس، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہم اور مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، مکحول، ابراہیم نخعی، سدی اور مقاتل بن حیان کا بھی یہی قول ہے اور اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ اہلِ کتاب کے ذبائح مسلمانوں کے لیے حلال ہیں، کیونکہ ان کا بھی یہ اعتقاد ہے کہ جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے، وہ حرام ہے۔ اور وہ اپنے ذبائح پر صرف اللہ کا نام ذکر کرتے ہیں۔ اگر چہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسا عقیدہ رکھتے ہیں جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ منزہ ہے اور ان کے علاوہ مشرکین کے ذبائح حلال نہیں ہیں، کیونکہ وہ اپنے ذبیحوں پر اور اپنی قربانیوں پر اللہ کا نام ذکر نہیں کرتے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے۔ اور غیر ذبح

شدہ کے کھانے میں توقف نہیں کرتے بلکہ مردار بھی کھاتے ہیں، اس کے برخلاف جو اہلِ کتاب ہیں اور جو صابئین (اہلِ کتاب کا ایک فرقہ) ہیں اور جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے دین کی طرف منسوب ہیں، (ان کا ذبیحہ کھایا جائے گا) اور نصاریٰ عرب جیسے بنو تغلب، تنوخ، بہزام اور جذام وغیرہ، ان کے ذبائح کو جمہور کے نزدیک نہیں کھایا جائے گا۔

امام بخاری کی ذکر کردہ تعلیق کی شرح از علامہ عینی

''اور زہری نے کہا: عرب کے عیسائیوں کے ذبیحہ میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر تم یہ سنو کہ انہوں نے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا ہے تو تم نہ کھاؤ، اور اگر تم یہ نہ سنو تو اللہ تعالیٰ نے ان کا ذبیحہ حلال کر دیا ہے اور ان کے کفر کا اس کو علم ہے''۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یعنی محمد بن مسلم الزہری نے کہا۔۔۔ الی آخرہ۔

امام عبد الرزاق نے اس تعلیق کی از معمر سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے الزہری سے عرب کے عیسائیوں کے ذبیحہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اس کی مثل ذکر کیا اور اس کے آخر میں یہ ہے کہ وہ غیر اللہ کا نام اس طرح لیتے ہیں باسم المسیح۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: الموطا میں اس کی مرفوعاً روایت کی ہے۔

عرب کے بعض عیسائیوں کے ذبیحہ کے حلال ہونے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اختلاف

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل ذکر کیا جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس کو صیغہ تمریض کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس میں اس تعلیق کے ضعف کی طرف اشارہ ہے، یعنی حضرت موسیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کی گئی ہے جس طرح الزہری سے روایت کی گئی ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے کہ بعض عرب کے عیسائیوں کا ذبیحہ کھانا منع ہے۔ اس کی امام شافعی نے روایت کی ہے۔ اور امام عبد الرزاق نے اسانیدِ صحیحہ کے ساتھ از محمد بن سیرین از عبیدہ السلمانی از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، آپ نے فرمایا کہ تم بنو تغلب کے نصاریٰ کے ذبائح کو نہ کھاؤ، کیونکہ وہ صرف شراب پینے کی وجہ سے اپنے دین کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔

''الاقلف'' کا معنی اور اس کے متعلق دیگر آثار

اور ''الحسن اور ابراہیم نے کہا: ''الاقلف'' کے ذبیحہ میں کوئی حرج نہیں ہے''۔

یعنی حسن بصری اور ابراہیم النخعی نے کہا کہ غیر مختون کے ذبیحہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔

''الاقلف'': کا معنی ہے غیر مختون۔ اور قلفہ اس کھال کو کہتے ہیں جس نے حشفہ کو چھپایا ہوا ہوتا ہے۔ (یعنی آلہ کے سر کو) اور حسن بصری کے اثر کی امام عبد الرزاق نے از معمر روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے کہ جو مرد بڑی عمر کے بعد اسلام لایا اور اس کو یہ خوف ہے کہ اگر اس نے ختنہ کیا تو اس کو ضرر ہو گا تو اگر وہ ختنہ نہ کرے تو کوئی حرج نہیں ہے اور وہ کہتے تھے کہ اس کے ذبیحہ میں کوئی حرج نہیں ہے اور ابراہیم نخعی کے اثر کی ابوبکر خلال نے از سعید بن ابو عروبہ از مغیرہ از ابراہیم نخعی روایت کی ہے، انہوں نے کہا: ''الاقلف'' کے ذبیحہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔

المائدہ:۵ کی تفسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''طعامھم'' کا معنی ہے: ان کے ذبیحے''۔

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ کی تفسیر میں کہا کہ ان کے طعام سے مراد ان کے ذبائح ہیں۔ اور اس پر اتفاق ہے کہ ان کے طعام سے مراد ان کے ذبیحے ہیں نہ کہ وہ طعام جس کو وہ کھاتے ہیں، کیونکہ وہ مردار بھی کھاتے ہیں اور خنزیر کا گوشت بھی کھاتے ہیں اور خون کو بھی کھاتے ہیں اور ہمارے لیے بالاجماع ان میں سے کوئی چیز حلال نہیں ہے۔ اور جس تعلیق کو امام بخاری نے یہاں ذکر کیا ہے، وہ مستملی کے نزدیک ہے اور از سرخسی اور از حموی اس باب کے آخر میں حدیث مذکور کے بعد ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۵۔۱۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۰۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا مُحَاصِرِينَ قَصْرَ خَيْبَرَ فَرَمَى إِنْسَانٌ بِجِرَابٍ فِيهِ شَحْمٌ فَنَزَوْتُ لِآخُذَهُ فَالْتَفَتُّ فَإِذَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از حمید بن ہلال از حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ، وہ کہتے ہیں: ہم خیبر کے قلعہ کا محاصرہ کر رہے تھے تو کسی انسان نے ایک تھیلا پھینکا جس میں چربی تھی، میں اس کو پکڑنے کے لیے لپکا، پس اچانک میں نے مڑ کر دیکھا تو وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے (تو آپ کو دیکھ کر) مجھے شرم آ گئی (کہ آپ کہیں گے: یہ کیسا ندیدہ ہے)۔

(صحیح البخاری: ۳۱۵۳، ۴۲۱۴، ۵۵۰۸، صحیح مسلم: ۱۷۷۲، سنن نسائی: ۴۴۳۵، سنن ابوداؤد: ۲۷۰۲، مسند احمد: ۲۰۰۳۲، سنن دارمی: ۲۵۰۰)

صحیح البخاری: ۵۵۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں چربی کا ذکر ہے اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ خیبر کے قلعہ سے کسی انسان نے تھیلا پھینکا جس میں چربی تھی، اس طرح یہ حدیث باب کے مطابق ہے۔

یہ حدیث کتاب الخمس میں گزر چکی ہے اور اس میں بھی اس حدیث کی یہی سند ہے، اور یہی متن ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فنزوت'' یہ لفظ نزوٌ سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: اچھلنا، کودنا اور لپکنا۔ اور اس سے مقصود یہ ہے کہ میں نے اس تھیلے کو جھپٹنے میں جلدی کی۔

یہودیوں کے ذبائح کی چربی کو کھانے کا جواز

اس حدیث میں ان فقہاء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ یہودیوں پر جو چیز حرام کی گئی ہے مثلاً چربی تو اس کا کھانا ممنوع نہیں ہے

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کو اس تھیلے سے نفع حاصل کرنے پر برقرار رکھا جس میں چربی تھی۔
نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اہلِ کتاب کے ذبیحہ کی چربی کو کھانا جائز ہے، خواہ وہ اہل کتاب اہلِ حرب ہوں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بزرگوں کے سامنے کھانے پینے کی چیزوں پر لپکنے کا نامناسب ہونا

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ کسی بزرگ کے سامنے کھانے پینے کی چیز پر لپکنا اور جھپٹنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تھیلا جھپٹتے ہوئے دیکھ رہے ہیں تو وہ شرما گئے، گویا ان کا یہ فعل نامناسب تھا کہ آپ یہ خیال کریں گے کہ یہ شخص کھانے پینے کا کس قدر شوقین ہے یا ندیدہ ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۵۰۸ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہود پر جو چربی حرام کی گئی تھی، اس کے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

امام مالک نے یہود پر حرام کی ہوئی چربی کو مکروہ قرار دیا، اور ابن القاسم اور اشعب مالکی نے کہا ہے کہ یہ حرام ہے اور امام مالک سے بھی اس طرح مروی ہے۔
اور فقہاء احناف، الثوری، الاوزاعی، اللیث، ابن وہب، ابن عبدالحکم اور امام شافعی نے اس کے کھانے کو جائز قرار دیا ہے۔
جو فقہاء اس کو حرام کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اس طعام کو مباح قرار دیا ہے جو طعام ان کے ذبیحہ سے حاصل ہو۔ اور چربی ان کا طعام نہیں ہے، تو جو ان کا طعام نہیں ہے وہ ہمارے لیے حلال نہیں ہے۔ نیز وہ ذکوٰۃ اور ذبح سے چربی کا قصد نہیں کرتے، اور ذکوٰۃ اور ذبح میں قصد کی احتیاج ہوتی ہے، کیونکہ جو مجنون اور بے عقل ہو اس کا کیا ہوا ذبح صحیح نہیں ہے۔
اور جو فقہاء یہود کے ذبائح کی چربی کے کھانے کو جائز کہتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ چربی ان پر حرام کی گئی تھی، ہم پر حرام نہیں کی گئی ہے، کیونکہ ان کے ذبائح ہمارے لیے حلال ہیں، تو جو چیز ان کے ذبح کرنے سے حاصل ہو اور ہماری شریعت میں اس سے منع نہ کیا گیا ہو تو وہ حلال ہے اور جو چربی کھانے کو جائز کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ جب جانور کو ذبح کیا جاتا ہے تو ایسا نہیں ہوتا کہ اس جانور کا بعض حصہ تو حلال ہو اور بعض حلال نہ ہو بلکہ پورا جانور حلال ہو جاتا ہے، تو پھر یہود کے ذبائح میں جو چربی ہے وہ بھی حلال ہوگئی، کیونکہ جب اس جانور کا تزکیہ کیا گیا اور اس سے چربی کو علیحدہ کیا گیا تو پھر وہ ان پر حرام کی گئی ہے، ہم پر حرام نہیں ہے اور اس باب کی حدیث بھی حجت واضحہ ہے، کیونکہ اگر ان کی چربی کو کھانا حرام ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کو منع فرمادیتے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۳۵۴-۳۵۵ ملخصاً و مخلقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۲۳- بَابٌ: مَانَدَّ مِنَ الْبَهَائِمِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْوَحْشِ

اس کا بیان کہ جو پالتو جانور بدک جائے، وہ وحشی جانور کے حکم میں ہے

وَأَجَازَهُ ابْنُ مَسْعُودٍ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَا أَعْجَزَكَ

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دی ہے، اور

مِنَ الْبَهَائِمِ مِمَّا فِي يَدَيْكَ فَهُوَ كَالصَّيْدِ وَفِي بَعِيرٍ تَرَدَّى فِي بِئْرٍ مِنْ حَيْثُ قَدَرْتَ عَلَيْهِ فَذَكِّهِ وَرَأَى ذَلِكَ عَلِيٌّ وَابْنُ عُمَرَ وَعَائِشَةُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو جانور تمہارے قابو میں ہونے کے باوجود تم کو تھکا کر عاجز کر دے تو وہ شکار کے حکم میں ہے۔ اور فرمایا کہ اگر اونٹ کنویں میں گر جائے تو تم جہاں سے اس کو ذبح کرنے پر قادر ہو، اس کو ذبح کر لو، اور حضرت علی اور حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس جانور کا حکم بیان کرنے کے متعلق ہے جو بدک کر بھاگ جائے تو وہ وحشی جانوروں کے حکم میں ہے اور اس کو جہاں سے بھی ذبح کرنا ممکن ہو اس کو ذبح کر لیا جائے۔ (یعنی اس پر بسم اللہ پڑھ کر تیر مارا جائے تو وہ تیر اس کے جسم کے جس حصہ پر بھی لگے تو وہ جانور ذبح ہو جائے گا)۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

''اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دی ہے'':

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دی ہے کہ پالتو جانوروں میں سے جو حیوان بدک کر بھاگے تو وہ وحشی حیوان کی مثل ہے یعنی جس طرح وحشی حیوان کو جس جگہ سے بھی ممکن ہو زخمی کر دیا جائے تو وہ حلال ہو جاتا ہے، اسی طرح اس کو بھی جس جگہ سے زخمی کر دیا جائے تو وہ حلال ہو جائے گا، اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایسی روایت کی ہے جو اس معنی کو ادا کرتی ہے۔

امام ابن ابی شیبہ از وکیع از سفیان از منصور از ابراہیم از علقمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کا ایک جنگلی گدھا تھا، ایک مرد نے اس کی گردن پر تلوار ماری، سو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اس کو کھا لو، کیونکہ یہ شکار ہے۔

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو جانور تمہارے قابو میں ہونے کے باوجود تم کو تھکا کر عاجز کر دے تو وہ شکار کے حکم میں ہے۔ اور فرمایا کہ اگر اونٹ کنویں میں گر جائے تو تم جہاں سے اس کو ذبح کرنے پر قادر ہو، اس کو ذبح کر لو''۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

یہ دونوں اثر معلق ہیں اور پہلے اثر کی امام ابن ابی شیبہ نے سندِ موصول کے ساتھ از عکرمہ روایت کی ہے اور کہا ہے کہ وہ شکار کے منزلہ میں ہے۔ اور دوسرے اثر کی امام عبدالرزاق نے از عکرمہ روایت کی ہے اور کہا ہے کہ جب اونٹ کنویں میں گر جائے تو اس کو اس کی کوکھ کی جانب سے زخمی کر دو اور اس پر بسم اللہ پڑھو اور کھا لو، اس تعلیق میں لکھا ہے: ''مما فی یدیک'' اس کا معنی ہے: جو جانور تمہارا ہو اور تمہارے تصرف میں ہو اور تم اس کو معروف طریقہ سے ذبح کرنے سے عاجز ہو تو پھر جس طرح ممکن ہو اس کو زخمی کر دو اور بسم اللہ پڑھ لو تو وہ تمہارے لیے حلال ہے۔

"اور حضرت علی اور حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے"۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس میں یہ اشارہ ہے کہ جانوروں میں سے جو بھاگ جائے، اس کا حکم وحشی حیوان کی طرح ہے، پس حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کی ابوبکر نے از حفص از جعفر از والد خود روایت کی ہے کہ ایک بیل مدینہ کے بعض گھروں میں گزرا تو ایک مرد نے اس کے اوپر تلوار ماری اور بسم اللہ پڑھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ حلال اور ذبح ہے یعنی اس پر تلوار مارنے سے وہ ذبح ہو گیا، اور لوگوں کو اس کے کھانے کا حکم دیا۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کی امام عبدالرزاق نے از شعبہ از سفیان روایت کی ہے اور دونوں نے اس کی روایت از سعید بن مسروق از عبایہ بن حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ روایت کی ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اثر کے متعلق ابن حزم ظاہری نے کہا ہے: یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے اور صحابہ میں سے کوئی اس قول کا مخالف نہیں ہے اور یہی امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ، الثوری، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴، ابوثور، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور ان کے اصحاب اور ہمارے اصحاب کا قول ہے۔

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ کوئی بھاگا ہوا وحشی جانور اس وقت تک ذبح نہیں قرار دیا جائے گا جب تک کہ اس کے حلق اور لبہ پر وار نہ کیا جائے، اور یہی اللیث اور ربیعہ کا قول ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے بیان کیا ہے کہ سعید بن المسیب نے کہا کہ ہر پالتو جانور اس وقت تک حلال نہیں ہوگا جب تک کہ اس کو ذبح نہ کیا جائے یا نحر نہ کیا جائے اور اگر وہ بھاگ جائے تو اسی طرح حلال ہوگا جس طرح شکار حلال ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۷۔۱۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۰۹۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيٰى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا لَاقُوا الْعَدُوِّ غَدًا وَلَيْسَتْ مَعَنَا مُدًى فَقَالَ اعْجَلْ أَوْ أَرِنْ مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ فَكُلْ لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ وَسَأُحَدِّثُكَ أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ وَأَصَبْنَا نَهْبَ إِبِلٍ وَغَنَمٍ فَنَدَّ مِنْهَا بَعِيرٌ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ لِهٰذِهِ الْإِبِلِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَإِذَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا شَيْءٌ فَافْعَلُوا بِهِ هٰكَذَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از عبایہ بن رفاعہ بن رافع بن خدیج از حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر کل ہمارا دشمن سے مقابلہ ہوگا اور ہمارے پاس چھری نہیں، تو آپ نے فرمایا: تم جلدی کر دیا فرمایا: "ارِن" (اس کا معنی بھی یہ ہے کہ تم اس کو جلدی ذبح کرو)، جو چیز خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے تو تم اس کو کھالو، وہ دانت اور ناخن نہ ہو اور میں عنقریب تم کو بتاؤں گا۔ رہا دانت تو وہ ہڈی ہے اور رہا ناخن تو وہ حبشیوں کی چھری ہے۔ اور ہم

کو مالِ غنیمت میں اونٹ اور بکریاں ملیں، پس ان میں سے ایک اونٹ بدک کر بھاگ گیا تو ایک مرد نے اس کے اوپر تیر مار کر اس کو روک لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان اونٹوں میں تنفر اور توحش ہوتا ہے جیسا کہ وحشی جانوروں میں تنفر اور توحش ہوتا ہے، پس جو جانور تم پر غالب آجائے تو اس کے ساتھ تم اسی طرح کرو۔

(صحیح البخاری: ۲۴۸۸، ۲۵۰۷، ۳۰۷۵، ۵۴۹۸، ۵۵۰۳، ۵۵۰۶، ۵۵۰۹، ۵۵۴۳، ۵۵۴۴، صحیح مسلم: ۱۹۶۸، سنن ترمذی: ۱۴۹۱، سنن نسائی: ۴۴۱۰، سنن ابوداؤد: ۲۸۲۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۳، مسند احمد: ۱۶۸۱۲، سنن دارمی: ۱۹۷۷)

صحیح البخاری: ۵۵۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے کہ "جانوروں میں سے جو بدک کر بھاگ جائے وہ وحشی جانور کے حکم میں ہے" اور اس حدیث میں بھی یہ بیان ہے کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ہم کو مالِ غنیمت میں جو اونٹ ملے تھے، ان میں سے ایک اونٹ بدک کر بھاگ گیا، اور ایک مرد نے تیر مار کر اس کو روک لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ان اونٹوں میں توحش ہوتا ہے تو ان میں سے جو تم پر غالب آجائے، اس کے ساتھ اسی طرح کرو"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عمرو بن علی کا ذکر ہے، یہ ابن بحر البصری الصیرفی ہیں اور یحییٰ کا ذکر ہے، یہ یحییٰ القطان ہیں اور سفیان کا ذکر ہے، یہ سفیان ثوری ہیں جو اپنے والد سعید بن مسروق سے از عبایہ بن رفاعہ بن رافع بن خدیج روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے دادا حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے، آپ نے فرمایا: "اعجل" یا فرمایا "ارِن"۔ اس میں راوی کو شک ہے کہ آپ نے اعجل فرمایا یا ارِن فرمایا۔ اعجل کا لفظ عجلت سے ماخوذ ہے، پھر راویوں کا ارن کے ضبط میں اختلاف ہے۔ کریما کی روایت میں ہے ارِنْ (ہمزہ پر زبر اور راء کے نیچے زیر اور نون ساکن)۔ اسی طرح علامہ خطابی نے اس کو منضبط کر کے لکھا ہے۔ اور سنن ابوداؤد میں ابوذر کی روایت سے مذکور ہے اَرْنِ یعنی راء ساکن ہے اور نون کے نیچے زیر ہے۔ اور اسماعیلی کی روایت میں ہے اَرِنی اس کا معنی ہے کہ اس جانور کو جلدی ذبح کر لو تاکہ یہ طبعی موت نہ مر جائے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: اَرِن کے متعلق جتنے الفاظ ذکر کیے گئے ہیں، یہ سب قواعدِ صرف کے خلاف ہیں اور شاذ ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۸۔۱۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

جس جانور کو معروف طریقہ سے ذبح کرنے پر قدرت نہ ہو تو اس کے حلال ہونے کی صورت

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس عنوان سے بھی یہی مقصود ہے کہ جس جانور کو معروف طریقہ سے ذبح کرنے یا اس کو نحر کرنے کی قدرت نہ ہو، تو اس جانور کے بدن کی جس جگہ کو بھی بسم اللہ پڑھ کر کسی آلہ سے زخمی کر دیا جائے تو وہ حلال ہو جائے گا، کیونکہ اگر اس کو معروف طریقہ سے ذبح یا نحر کرنے کا انتظار کیا جائے گا تو وہ مر جائے گا تو ایسی صورت میں تم اگر اس پر تیر مارو کہ کہیں وہ طبعی موت سے فوت نہ ہو جائے تو پھر وہ حلال ہو جائے گا، خواہ وہ تیر اس کے بدن کے کسی حصہ پر بھی لگے اور اس کا حکم شکار کے حکم کی طرح ہو گا، کیونکہ شکار میں معروف طریقہ سے ذبح کرنے کو موقوف کر دیا گیا ہے کیونکہ اس پر قدرت نہیں ہوتی۔

صحیح البخاری: ۵۵۰۹، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نحر اور ذبح کا فرق

نحر اونٹوں میں کیا جاتا ہے اور ذبح ان کے سوا دوسرے جانوروں میں کیا جاتا ہے جو گائے، بکری اور ہرن وغیرہ کو شامل ہے۔ پس اونٹوں کے علاوہ جو جانور ہیں ان کو ذبح کیا جاتا ہے اور اونٹوں کو نحر کیا جاتا ہے اور اگر اس کے برعکس کر دیا جائے یعنی اونٹوں کو ذبح کر دیا جائے اور دوسرے جانوروں کو نحر کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور نحر گردن کے نچلے حصہ میں نیزہ مارنے سے ہوتا ہے اور ذبح گردن کے اوپر والے حصہ میں چھری سے کاٹنے سے ہوتا ہے اور یہ ان دونوں میں فرق ہے۔ اور اگر پورا سر کاٹ دیا جائے تب بھی جانور حلال ہو جائے گا کیونکہ اس کا خون بہہ گیا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۵۰-۲۵۱، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۴- بَابُ: النَّحْرِ وَالذَّبْحِ

وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ لَا ذَبْحَ وَلَا مَنْحَرَ إِلَّا فِي الْمَذْبَحِ وَالْمَنْحَرِ قُلْتُ أَيَجْزِي مَا يُذْبَحُ أَنْ أَنْحَرَهُ قَالَ نَعَمْ ذَكَرَ اللهُ ذَبْحَ الْبَقَرَةِ فَإِنْ ذَبَحْتَ شَيْئًا يُنْحَرُ جَازَ وَالنَّحْرُ أَحَبُّ إِلَيَّ وَالذَّبْحُ قَطْعُ الْأَوْدَاجِ قُلْتُ فَيُخَلِّفُ الْأَوْدَاجَ حَتَّى يَقْطَعَ النِّخَاعَ قَالَ لَا إِخَالُ وَأَخْبَرَنِي نَافِعٌ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ نَهَى عَنِ النَّخْعِ يَقُولُ يَقْطَعُ مَا دُونَ الْعَظْمِ ثُمَّ يَدَعُ حَتَّى تَمُوتَ۔ وقول الله تعالى: وَ إِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً الى قوله فَذَبَحُوْهَا وَ مَا

نحر اور ذبح کا بیان

اور ابن جریج نے عطاء سے روایت کی ہے کہ ذبح اور نحر صرف ذبح کرنے کی جگہ (یعنی حلق پر) اور نحر کرنے کی جگہ (یعنی سینہ کے اوپر کے حصہ) سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ میں نے پوچھا: کہ جن جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے، اگر ان کو میں نحر کر دوں؟ (تو آیا یہ کافی ہو گا) انہوں نے کہا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے گائے کے ذبح کرنے کو بیان کیا، پس اگر تم کسی ایسے جانور کو ذبح کرو جس کو نحر کیا جاتا ہے (مثلاً اونٹ) تو یہ جائز ہے۔ اور اس کو نحر کرنا مجھے پسندیدہ ہے، اور ذبح میں گردن کی رگوں کو کاٹا جاتا ہے، میں نے پوچھا: کہ گردن کی رگوں کو کاٹتے ہوئے کیا حرام مغز کو بھی کاٹ دیا

كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ۝ (البقرہ:۶۷۔۷۱)

جائے گا؟ انہوں نے کہا: میں اس کو ضروری نہیں سمجھتا۔ اور مجھے نافع نے خبر دی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حرام مغز کو کاٹنے سے منع فرماتے تھے، انہوں نے کہا کہ صرف گردن کی ہڈی تک رگوں کو کاٹا جائے گا، پھر جانور کو چھوڑ دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ مرجائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم گائے کو ذبح کرو (الیٰ قولہ) تو انہوں نے گائے کو ذبح کر دیا حالانکہ وہ ایسا کرنے والے نہیں تھے O (البقرہ:۶۷۔۷۱)

وَقَالَ سَعِيدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ الذَّكَاةُ فِي الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَأَنَسٌ إِذَا قَطَعَ الرَّأْسَ فَلَا بَأْسَ۔

اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ذبح حلق میں بھی کیا جا سکتا ہے اور لبہ میں بھی کیا جا سکتا ہے یعنی سینہ کے اوپر والے حصہ میں بھی کیا جا سکتا ہے اور حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ جب جانور کا سر کاٹ دیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب نحر اور ذبح کے بیان میں ہے اور ابوذر کی روایت میں ذبائح کا لفظ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ الذبائح جمع کا صیغہ ہے اور یہ اس لیے جمع کا صیغہ ہے کیونکہ اس میں اکثر کا اعتبار کیا گیا ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۴۰، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۶۶۳، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس شرح کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ ہر شخص کو یہ معلوم ہے کہ ذبائح جمع کا صیغہ ہے، اور انہوں نے کہا کہ ذبائح ذبح کی جمع ہے، حالانکہ ذبائح ذبح کی جمع نہیں ہے بلکہ ذبیحہ کی جمع ہے۔

اور علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ اونٹوں میں اصل نحر کرنا ہے اور بکریوں وغیرہ میں اصل ذبح کرنا ہے۔ اور رہی گائے تو قرآن مجید میں اس کے ذبح کرنے کا ذکر ہے۔ اور سنت میں اکثر نحر کا ذکر ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ اگر ذبح کی جگہ نحر کر دیا جائے یا نحر کی جگہ ذبح کر دیا جائے تو جمہور نے اس کی اجازت دی ہے اور ابن القاسم مالکی نے اس سے منع کیا ہے۔ اور علامہ ابن المنذر نے ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ، ثوری، لیث اور امام مالک اور امام شافعی سے اس کا جواز منقول ہے مگر یہ مکروہ ہے۔ اور امام احمد، امام اسحاق اور ابوثور نے کہا کہ مکروہ نہیں ہے۔ اور یہ عبد العزیز ابوسلمہ کا قول ہے۔ اور اشعب مالکی نے کہا ہے: اگر اونٹ کو بغیر ضرورت کے ذبح کر دیا جائے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا، یعنی ان کے نزدیک اس کو نحر کرنا ضروری ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح بخاری کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

''اور ابن جریج نے عطاء سے روایت کی ہے کہ ذبح اور نحر صرف ذبح کرنے کی جگہ (یعنی حلق پر) اور نحر کرنے کی جگہ (یعنی سینہ کے اوپر کے حصہ) سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ میں نے پوچھا: کہ جن جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے، اگر ان کو میں نحر کر دوں؟ (تو آیا یہ کافی ہوگا) انہوں نے کہا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے گائے کے ذبح کرنے کو بیان کیا، پس اگر تم کسی ایسے جانور کو ذبح کرو جس کو نحر کیا جاتا ہے (مثلاً اونٹ) تو یہ جائز ہے۔ اور اس کو نحر کرنا پسندیدہ ہے، اور ذبح میں گردن کی رگوں کو کاٹا جاتا ہے، میں نے پوچھا: کہ گردن کی رگوں کو کاٹتے ہوئے کیا حرام مغز کو بھی کاٹ دیا جائے گا؟ انہوں نے کہا: میں اس کو ضروری نہیں سمجھتا۔ اور مجھے نافع نے خبر دی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حرام مغز کو کاٹنے سے منع فرماتے تھے، انہوں نے کہا کہ صرف گردن کی ہڈی تک رگوں کو کاٹا جائے گا، پھر جانور کو چھوڑ دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ مر جائے''۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

ابن جریج کا نام ہے عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج، اور عطاء سے مراد ہیں عطاء بن ابی رباح۔

اس تعلیق میں کہا ہے کہ ذبح اور نحر صرف ذبح اور نحر کی جگہ میں ہوگا۔ یہ لف نشر مرتب ہے، پس ذبح اور نحر دونوں مصدر ہیں اور مذبح اور منحر اسم ظرف ہیں یعنی ذبح کی جگہ اور نحر کی جگہ۔

ذبح کی بجائے نحر کرنے کے جواز پر دلیل

اس تعلیق میں مذکور ہے ''میں نے پوچھا'': یہ پوچھنے والے ابن جریج ہیں۔

کیا ذبح کی جگہ نحر کر دیا جائے تو یہ کافی ہوگا؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔

عمرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ قربانی کے دن ہمارے پاس گوشت آیا، سو بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی طرف سے گائے کو نحر کیا۔۔۔ الحدیث۔ حالانکہ گائے کو ذبح کیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر ذبح کے بجائے نحر کر دیا جائے تب بھی جائز ہے۔

عطاء نے ابن جریج سے پوچھا: کہ جن جانوروں کو نحر کیا جاتا ہے، اگر ان کو ذبح کر دیا جائے تو کیا جائز ہے؟ اور نحر کرنا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ یہ عطاء کا کلام ہے۔

ذبح کی تعریف میں کتنی رگوں کا کاٹنا ضروری ہے

اور ذبح کی تعریف ہے ''رگوں کو کاٹنا''۔ ''اوداج'' ودجہ کی جمع ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اعتراض کیا ہے کہ ذبح کی تعریف میں اوداج کے ذکر کرنے پر اعتراض ہے، کیونکہ یہاں پر صرف ودجان ہے، یہ دو رگیں ہیں اور یہ دو موٹی رگیں ہیں جو ایک دوسرے کے متقابل ہوتی ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: جب کہ ذبح میں چار رگوں کو کاٹنا شرط ہے اور وہ الحلقوم اور المری ہیں (حلقوم وہ رگ ہے جس سے سانس لیا جاتا ہے، اس کو شہ رگ بھی کہا جاتا ہے اور مرّی وہ رگ ہے جس سے کھانے پینے کی چیزیں حلق سے معدہ کی

طرف جاتی ہیں) اور دو رگیں ''ودجان'' ہیں، جن میں خون ہوتا ہے تو ان چاروں رگوں کے اوپر اوداج کا اطلاق بہ طور غلبہ استعمال کے ہے۔

الصغانی نے کہا ہے: ''الودج'' یہ گردن میں رگ ہے، اور اللیث نے کہا ہے: الودج یہ وہ رگ ہے جو سر سے لے کر سینہ تک متصل ہوتی ہے۔

ذبیحہ کے حلال ہونے کے لیے کتنی رگوں کا کاٹنا ضروری ہے، اس میں فقہاء اسلام کا اختلاف

تمام اوداج یعنی تمام رگوں کے کاٹنے کے متعلق اختلاف ہے۔ سو ہمارے نزدیک اگر چاروں رگوں کو کاٹ دیا جائے تو اس جانور کا کھانا حلال ہوگا اور اگر اکثر رگوں کو کاٹ دیا جائے تب بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک ذبیحہ جائز ہے اور امام ابویوسف اور امام محمد نے کہا ہے کہ الحلقوم اور المریٔ اور ودجان میں سے کسی ایک رگ کا کاٹنا ضروری ہے حتیٰ کہ اگر حلقوم یا مریٔ کا کوئی ایک حصہ کٹا تو اس جانور کا کھانا حلال نہیں ہوگا، اسی طرح مختصر القدوری میں اس اختلاف کو ذکر کیا گیا ہے اور ہمارے مشائخ کی کتابوں میں مشہور یہ ہے کہ یہ صرف امام ابویوسف کا قول ہے۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جب تین رگوں کو کاٹ دیا جائے، خواہ وہ چار میں سے کوئی سی بھی تین رگیں ہوں تو اس ذبیحہ کو کھانا جائز ہے اور امام ابویوسف کے نزدیک تین روایات ہیں، ایک تو یہی روایت ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ حلقوم کو کاٹا جائے اور اس کے ساتھ دوسری دو رگیں ہوں اور تیسری روایت یہ ہے کہ حلقوم اور مریٔ کو کاٹا جائے اور اس کے ساتھ ودجان میں سے کوئی ایک رگ ہو، اور امام محمد کے نزدیک اکثر کا اعتبار ہے۔

اور وجیز شافعیہ میں لکھا ہوا ہے کہ حلقوم اور مریٔ کو کاٹنے کا اعتبار ہے نہ کہ دوسری دو رگوں کا۔ اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔

اور الاصطخری سے منقول ہے کہ حلقوم یا مریٔ کا کاٹنا کافی ہے۔ اور یہ امام شافعی کی تصریح اور اجماع کے خلاف ہے۔

اور امام مالک اور لیث کے نزدیک ذبح میں ودجان اور حلقوم کو کاٹنا شرط ہے۔

ذبح کے وقت حرام مغز کو کاٹنے اور سر کو دھڑ سے الگ کرنے کا بیان

اس تعلیق میں مذکور ہے: ''میں نے پوچھا: کیا گردن کی رگوں کو کاٹتے ہوئے حرام مغز کو بھی کاٹا جائے گا؟''

علامہ عینی فرماتے ہیں:

اس قول کے قائل ابن جریج ہیں، انہوں نے عطاء بن ابی رباح سے پوچھا کہ کیا گردن کی رگوں کو کاٹتے ہوئے حرام مغز کو بھی کاٹا جائے گا؟

اس تعلیق میں ''النخاع'' کا لفظ ہے، جس کا معنی حرام مغز ہے۔ یہ سفید دھاگہ ہے جو گردن کی ہڈی میں داخل ہوتا ہے اور یہ صلب یعنی پشت تک چلا جاتا ہے حتیٰ کہ عجب الذنب تک پہنچتا ہے، اسی طرح اس کی علامہ الکرمانی نے تفسیر کی ہے۔ اور انہوں نے اس کو صاحب المغرب سے اخذ کیا ہے، کیونکہ انہوں نے النخاع یعنی حرام مغز کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

اور ہمارے بعض اصحاب احناف نے اس پر رد کیا ہے کہ حیوان کا بدن ہڈیوں اور پٹھوں اور رگوں اور شریانوں سے مرکب ہوتا ہے اور اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو سفید دھاگا کہا جائے۔

اور علامہ الکرخی نے اپنی مختصر میں لکھا ہے کہ جب جانور کو ذبح کیا جائے تو یہ مکروہ ہے کہ چھری حرام مغز تک پہنچ جائے اور یہ سفید

رنگ ہے جو گردن کی ہڈی میں ہوتی ہے۔

عطاء نے ابن جریج کو جواب دیا: ''لا اخال'' یعنی میں اس طرح گمان نہیں کرتا اور یہ کہا کہ مجھے نافع نے خبر دی ہے یعنی ابن جریج نے کہا کہ مجھے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام نافع نے خبر دی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حرام مغز کو کاٹنے سے منع فرمایا اور وہ یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت چھری حرام مغز تک پہنچ کر اس کو بھی کاٹ دے۔

صاحب الہدایہ علامہ المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ، نے کہا ہے کہ ذبح کرتے وقت جس کی چھری حرام مغز تک پہنچ گئی یا جس نے ذبیحہ کا سر کاٹ کر دھڑ سے الگ کر دیا تو یہ مکروہ ہے اور اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا۔

رہی کراہت تو وہ اس وجہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے ذبح کے وقت بکری کے حرام مغز تک کاٹنے سے منع فرمایا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس حدیث کو امام محمد بن حسن شیبانی نے کتاب الصید میں ذکر کیا ہے کہ یہ سعید بن المسیب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور یہ حدیث مرسل ہے۔ اور امام طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ بکری کو ذبح کرتے وقت چھری اس کے حرام مغز کو بھی کاٹ دے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے: ''اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ذبح حلق میں بھی کیا جا سکتا ہے اور لبہ میں بھی کیا جا سکتا ہے یعنی سینہ کے اوپر والے حصہ میں بھی کیا جا سکتا ہے''۔

''لَبّہ'' کی تعریف

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض شارحین نے کہا ہے: یہ لفظ لِبّہ ہے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں سینہ کے اوپر ہار ڈالا جاتا ہے اور یہی مَنحر (یعنی نحر کی جگہ) ہے۔ علامہ عینی اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ لفظ لِبّہ نہیں ہے، بلکہ لَبّہ ہے (یعنی لام کے نیچے زیر نہیں ہے بلکہ لام کے اوپر زبر ہے)۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ یہ جگہ گردن کے اوپری حصہ میں ہے جو ہار ڈالنے کی جگہ کے نیچے ہوتی ہے۔ اور المبسوط میں لکھا ہوا ہے کہ لَبّہ سینہ کا سر ہے اور الجامع الصغیر میں لکھا ہوا ہے کہ پورے حلق میں سے کسی جگہ بھی ذبح کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، حلق کے وسط میں، حلق کے اوپر یا حلق کے نیچے۔

اس کا بیان کہ جب ذبح کے وقت سر دھڑ سے الگ ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے: ''اور حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ جب جانور کا سر کاٹ دیا تو کوئی حرج نہیں ہے''۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر کی ابو موسیٰ نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے، ابو مجلز کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ اگر ذبیحہ کا سر کاٹ دیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو کھانے کا حکم دیا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کی امام ابن شیبہ نے سندِ موصول کے ساتھ سندِ صحیح سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

روایت کی ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ جب ذبح کے وقت مرغی کا سر کاٹ دیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ حلال ہے۔ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما کے اثر کی امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے سندِ موصول کے ساتھ از عبید اللہ بن بکر بن انس روایت کی ہے کہ حضرت انس کے ایک قصائی نے بکری کو ذبح کیا، وہ تڑپنے لگی تو اس نے اس کو اس کی گدی سے ذبح کر دیا اور اس کا سر الگ کر دیا۔ تو لوگوں نے اس مرغی کو پھینکنے کا ارادہ کیا، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس مرغی کو کھالیا جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۰۔ ۱۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۱۰۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ قَالَ أَخْبَرَتْنِي فَاطِمَةُ بِنْتُ الْمُنْذِرِ امْرَأَتِي عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہما قَالَتْ نَحَرْنَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَرَسًا فَأَكَلْنَاهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خلاد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ، انہوں نے کہا: مجھے فاطمہ بنت المنذر نے خبر دی جو میری بیوی ہیں از حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک گھوڑے کو ذبح کیا، سو ہم نے اس کو کھالیا۔

(صحیح البخاری: ۵۵۱۱، ۵۵۱۲، ۵۵۱۹، صحیح مسلم: ۱۹۴۲، سنن نسائی: ۴۴۰۶، سنن ابن ماجہ: ۳۱۹۰، مسند احمد: ۲۶۳۷۹، سنن دارمی: ۱۹۹۲)

صحیح البخاری: ۵۵۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں ذبح کا ذکر ہے اور حدیث میں گھوڑے کو ذبح کرنے کا ذکر ہے۔ اور ان کے درمیان مناسبت واضح ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں خلاد بن یحییٰ کا ذکر ہے، یہ صفوان کے بیٹے ہیں اور ان کی کنیت ابو محمد السلمی الکوفی ہے۔ انہوں نے مکہ میں رہائش اختیار کی اور وہیں پر ۲۱۳ھ کے قریب فوت ہو گئے۔ اور اس حدیث میں سفیان کا ذکر ہے، وہ سفیان ثوری ہیں۔ اور اس حدیث میں فاطمہ بنت المنذر کا ذکر ہے، یہ اس حدیث کے راوی ہشام کی بیوی ہیں۔

گھوڑے کو کھانے کا بیان

اس حدیث میں امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ گھوڑے کے گوشت کو کھانا جائز ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے کہا کہ گھوڑے کے گوشت کو کھانا مکروہ تحریمی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۲۔ ۱۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

امام ابوحنیفہ نے جو گھوڑوں کے گوشت کے کھانے کو مکروہ کہا ہے، اس کی وضاحت

میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے گھوڑے کے گوشت کے کھانے کو اس وقت مکروہ تحریمی فرمایا تھا جب گھوڑوں سے

سواری کر کے جہاد کیا جاتا تھا اور دوسرے قول میں مکروہ تنزیہی فرمایا ہے اور اب چونکہ گھوڑوں پر سواری کر کے جہاد نہیں کیا جاتا بلکہ جنگی نقل و حمل کے دیگر ذرائع کو استعمال کیا جاتا ہے مثلاً ٹینک، توپ، بکتر بند گاڑی اور جیپ وغیرہ اور میدانِ جنگ میں گھوڑوں کو استعمال نہیں کیا جاتا، اس لیے اب اگر گھوڑوں کو ذبح کر کے کھایا جائے تو ان کا کھانا مکروہ نہیں ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ ہمارے علاقوں میں اور ہمارے عرف میں گھوڑوں کے گوشت کو کھانے کا رواج نہیں ہے بلکہ بالعموم اونٹوں کے گوشت کو کھانے کا بھی رواج نہیں ہے، صرف بکریوں، گایوں اور بھینسوں کے گوشت کے کھانے کا رواج ہے، یا پھر مرغیوں کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۵۱۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ سَمِعَ عَبْدَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ فَاطِمَةَ عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ ذَبَحْنَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَرَسًا وَنَحْنُ بِالْمَدِينَةِ فَأَكَلْنَاهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے عبدہ سے سنا از ہشام از فاطمہ از حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں گھوڑے کو ذبح کیا اور ہم اس وقت مدینہ میں تھے، پس ہم نے اس کا گوشت کھایا۔

(صحیح البخاری: ۵۱۱، ۵۱۶، ۵۱۹، صحیح مسلم: ۱۹۴۲، سنن نسائی: ۴۰۰۶، سنن ابن ماجہ: ۳۱۹۰، مسند احمد: ۲۶۳۷۹، سنن دارمی: ۱۹۹۲)

اس حدیث کی شرح گزر چکی ہے۔

۵۵۱۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ نَحَرْنَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَرَسًا فَأَكَلْنَاهُ تَابَعَهُ وَكِيعٌ وَابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ هِشَامٍ فِي النَّحْرِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از ہشام از فاطمہ بنت المنذر، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے کہا: کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک گھوڑے کو ذبح کیا، سو ہم نے اس کو کھایا۔ جریر کی متابعت وکیع اور ابن عیینہ نے کی از ہشام نحر کے متعلق (یعنی اس میں ذبح کے بجائے نحر کا لفظ ہے)۔

(صحیح البخاری: ۵۱۱، ۵۱۶، ۵۱۹، صحیح مسلم: ۱۹۴۲، سنن نسائی: ۴۰۰۶، سنن ابن ماجہ: ۳۱۹۰، مسند احمد: ۲۶۳۷۹، سنن دارمی: ۱۹۹۲)

اس حدیث کی شرح بھی گزر چکی ہے۔

۲۵۔ بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنَ الْمُثْلَةِ وَالْمَصْبُورَةِ وَالْمُجَثَّمَةِ

کسی جانور کے اعضاء کاٹنے، اور کسی جانور کو باندھ کر اس پر تیر مارنے اور کسی جانور کو بٹھا کر اس پر تیر مارنے کی کراہت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں مُثلہ کی کراہت کو بیان کیا ہے۔ المثلہ کا معنی ہے کسی جاندار کے تمام یا بعض اجزاء کو کاٹنا جیسے کسی کے اعضاء کاٹے جائیں یا اس کی ناک کاٹی جائے، اور مثلہ اسم ہے۔

''مصبورۃ'' اور ''مجثمہ'' کا فرق

اور ''مصبورۃ'' یہ وہ جانور ہے جس کو زندہ باندھ دیا جائے تا کہ اس پر تیر مار کر اس کو قتل کیا جائے۔

اور ''المجثمہ'' یہ وہ جانور ہے جس کو زمین پر بٹھا دیا جائے، پھر اس پر تیر مارے جائیں حتیٰ کہ اس کو قتل کیا جائے۔

ایک قول یہ ہے کہ المجثمہ خصوصیت کے ساتھ پرندوں اور خرگوش اور ان کی مشابہ جانوروں کے متعلق ہے۔

الخطابی نے کہا ہے: مجثمہ اور مصبورۃ، دونوں کا ایک معنی ہے۔ اور کہا ہے کہ مجثمہ اور جاثمہ میں فرق ہے، کیونکہ ''جاثمہ'' وہ ہے جو از خود بیٹھا ہو اور اس کو اس حال میں شکار کیا جائے تو یہ حرام نہیں ہے اور مجثمہ وہ ہے جس کو باندھا جائے اور پھر باندھ کر اس پر تیر مار کر شکار کیا جائے۔

''مصبورۃ'' کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام ترمذی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے المجثمہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے اور یہ وہ جانور ہے جس کو باندھ کر تیر مارے جائیں، اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے اور امام ترمذی اس کی روایت میں منفرد ہیں۔ اور امام ترمذی نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن ہر کچلیوں والے درندوں سے منع فرمایا ہے اور ہر ناخنوں سے شکار کرنے والے پرندوں سے بھی منع فرمایا ہے اور پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا ہے۔ اور المجثمہ (بیٹھے ہوئے جانور پر تیر مارنا) سے منع فرمایا ہے۔ اور الخلیسہ (لیٹے ہوئے جانور پر تیر مارنا) سے منع فرمایا ہے، اور حاملہ عورتوں کے وضع حمل سے پہلے ان سے مباشرت سے منع فرمایا ہے۔

محمد بن یحییٰ شیخ ترمذی سے اس حدیث کے متعلق ابو عاصم سے سوال کیا کہ المجثمہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: پرندے کو نصب کر دیا جائے، پھر اس پر تیر مارا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۳۔ ۱۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۱۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ أَنَسٍ عَلَى الْحَكَمِ بْنِ أَيُّوبَ فَرَأَى غِلْمَانًا أَوْ فِتْيَانًا نَصَبُوا دَجَاجَةً يَرْمُونَهَا فَقَالَ أَنَسٌ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تُصْبَرَ الْبَهَائِمُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ہشام بن زید، انہوں نے کہا: میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ الحکم بن ایوب کے پاس گیا، انہوں نے چند لڑکوں کو دیکھا یا تو جوانوں کو دیکھا جنہوں نے ایک مرغی کو نصب کر رکھا تھا اور اس پر تیر مار رہے تھے، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کو تیر باندھ کر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۵۶، سنن نسائی: ۴۴۳۹، سنن ابوداؤد: ۲۸۱۶، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۶، مسند احمد: ۱۲۳۳۵)

صحیح البخاری: ۵۵۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں کسی جانور کو باندھ کر اس پر تیر مارنے کی کراہت ذکر کی گئی ہے۔ اور حدیث میں بھی اسی طرح ذکر ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو باندھ کر اس پر تیر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالولید کا ذکر ہے، ان کا نام ہشام بن عبد الملک الطیالسی ہے اور اس حدیث کی سند میں ہشام بن زید کا ذکر ہے، یہ ابن انس بن مالک ہیں۔ یہ اپنے دادا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

نیز اس حدیث میں ذکر ہے کہ ہشام بن زید نے کہا: میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ الحکم بن ایوب کے پاس گیا۔ الحکم بن ایوب یہ ابن ابی عقیل الثقفی ہیں، یہ الحجاج بن یوسف کے چچا زاد بھائی ہیں اور بصرہ میں ان کے نائب تھے۔ یہ ظلم وستم میں اپنے چچا زاد بھائی کی مثل تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: "نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تصبر البھائم" صبر کا معنی ہے کہ جانور کو باندھ کر اس پر تیر مارے جائیں حتیٰ کہ وہ مرجائے۔ یہ اس لیے ممنوع ہے کہ اس فعل سے مال کو ضائع کرنا ہے اور جاندار کو عذاب پہنچانا ہے۔

مصبورہ کے کھانے کی ممانعت کے متعلق منفرد روایت

امام عقیلی نے کتاب الضعفاء میں از حسن از سمرہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کو باندھ کر تیر مارنے سے منع فرمایا ہے اور ایسے جانور کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

امام عقیلی نے کہا ہے: جانور کو باندھ کر مارنے کی ممانعت کے متعلق بہت عمدہ احادیث ہیں، لیکن اس کے کھانے کی ممانعت کے متعلق صرف یہی حدیث ہے۔

علامہ عینی کا اپنے شیخ زین الدین سے اختلاف

ہمارے شیخ (زین الدین) نے ترمذی کی شرح میں کہا ہے: اس حدیث میں باندھے ہوئے جانور کو تیر مار کر اس کے کھانے کو حرام قرار دیا ہے، کیونکہ یہ ایسا قتل ہے جو بغیر شرعی ذبح کے کیا گیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اگر تم نے اس جانور کو زندہ پالیا اور اس کو شرعی طریقہ سے ذبح کر دیا تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے غلیل کی گولی سے مارے ہوئے جانور کو زندہ پالیا جائے اور اس کو شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا جائے تو اس کے کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۱۳ کی شرح از علامہ ابن الملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حضرت ابو درداء کی اور حضرت ام حبیبہ بنت العرباض کی روایت ہے، امام ترمذی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے المجثمہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے (المجثمہ وہ ہے جس کو باندھ کر اس پر تیر مارے جائیں)، اسی طرح دوسری روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن المجثمہ اور الخلیسہ سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۴۷۳، ۱۴۷۴)

''خلیسہ'': اس جانور کو کہتے ہیں جس کو کوئی درندہ جھپٹا مار کر پکڑ لے اور وہ ذبح کیے جانے سے پہلے مرجائے۔

''الصبر'' کا معنی ہے: الحبس، ہر وہ جانور جس کو تم نے پکڑ کر باندھ دیا تو وہ مصبورہ ہے۔ اور جس مرد کو بلایا جائے اور اس کی گردن ماردی جائے تو اس کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ یہ صبراً مقتول ہوا، یعنی اس کو موت کے لیے روک لیا گیا۔ اور مصیبت پر اپنے نفس کو جزع اور فزع سے روکنے کو بھی صبر کہتے ہیں۔ اور وہ سفید بادل جو پانی نہیں برساتا اس کو الصبیر کہتے ہیں۔ اور المجثمہ اور المصبورہ، دونوں ایک ہیں۔ امام ابوعبید نے کہا کہ المجثمہ صرف پرندوں، خرگوشوں اور ان جانوروں کے متعلق کہا جاتا ہے جن کو زمین پر بٹھا دیا جاتا ہے، اور پھر ان پر تیر مارے جائیں اور ابن فارس نے کہا: المجثمہ، یہ وہ پرندہ ہے جس کو موت تک باندھ دیا جائے۔ (الصحاح ج ۵ ص ۱۸۲۲، مجمل اللغت ج ۱ ص ۲۰۷)

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں کہ المجثمہ اور الجاثمہ میں فرق ہے، کیونکہ جاثمہ وہ ہے جو از خود بیٹھا ہوا اور اس پر اس حال میں تیر مارے جائیں تو یہ حرام نہیں ہے اور مجثمہ وہ ہے جس کو باندھ کر نصب کر دیا جائے اور پھر اس پر تیر مارے جائیں حتیٰ کہ وہ ہلاک ہوجائے، سو یہ حرام ہے۔

نیز علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے المصبورہ اور المجثمہ میں فرق کیا ہے، کیونکہ مجثمہ اس صورت کے ساتھ خاص ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے، یعنی وہ از خود بیٹھا ہو اور اس پر تیر مارے جائیں اور المصبورہ اس کے خلاف ہے۔ یعنی کسی جانور کو باندھ کر اس پر تیر مارے جائیں۔

کتاب الافعال میں لکھا ہے: ''جثم علی رکبتیہ جثوما'' اس کا معنی ہے کہ وہ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۱۰﴾ (ہود) تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل (اوندھے) پڑے رہ گئے ○

علامہ ابن بطال نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے المجثمہ سے جو منع فرمایا ہے، یہ المصبورہ سے ممانعت کی مثل ہے۔ علاوہ ازیں عرب کے نزدیک تجثیم وحشی جانوروں اور ان پرندوں کے متعلق ہے جن کو زمین پر گرایا جائے اور ان پر تیر مارے جائیں۔ اور المصبورہ اس سے عام ہے اور مجثمہ کا گوشت کھانا منع ہے جب وہ تیر مارنے سے مرجائے۔ اور اس کی نظیر یہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے المنخنقہ (گلا گھٹ کر مرنے والے) اور الموقوذۃ (یعنی چوٹ کھا کر مرنے والے) اور المتردیہ (بلندی سے گر کر مرنے والے) ان کے کھانے کو حرام قرار دیا ہے جب وہ اسی صورت میں مرجائیں اور اگر کوئی جانور گھٹنوں کے بل بیٹھا ہو اس پر تیر مارا جائے اور وہ مرے نہیں اور زندہ مل جائے، تو پھر وہ شرعی طریقہ کے ساتھ ذبح کرنے سے حلال ہوجائے گا۔ (التوضیح لشرح الجامع

الصحیح، ج ۲۶ ص ۴۸۲۔ ۴۸۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۵۱۴۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يَعْقُوبَ أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَهُ يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضى الله عنهما أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ وَغُلَامٌ مِنْ بَنِي يَحْيَى رَابِطٌ دَجَاجَةً يَرْمِيهَا فَمَشَى إِلَيْهَا ابْنُ عُمَرَ حَتَّى حَلَّهَا ثُمَّ أَقْبَلَ بِهَا وَبِالْغُلَامِ مَعَهُ فَقَالَ ازْجُرُوا غُلَامَكُمْ عَنْ أَنْ يَصْبِرَ هَذَا الطَّيْرَ لِلْقَتْلِ فَإِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى أَنْ تُصْبَرَ بَهِيمَةٌ أَوْ غَيْرُهَا لِلْقَتْلِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یعقوب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق بن سعید بن عمرو نے خبر دی از والد خود، انہوں نے ان سے سنا، وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ یحییٰ بن سعید کے پاس گئے اور بنو یحییٰ کے لڑکے نے ایک مرغی کو باندھا ہوا تھا اور اس پر تیر مار رہا تھا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کے پاس گئے حتیٰ کہ اس مرغی کو کھول دیا، پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اس مرغی کو لے کر آئے اور وہ لڑکا بھی ان کے ساتھ تھا، پھر آپ نے فرمایا: کہ تم اپنے لڑکے کو اس سے منع کرو کہ وہ اس پرندے کو باندھ کر قتل کرے، کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے جانور یا اس کے غیر (یعنی پرندے کو) باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۵۸، مسند احمد: ۵۶۴۹، سنن دارمی: ۱۹۷۳)

صحیح البخاری: ۵۵۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں کسی جانور کو باندھ کر اس پر تیر مارنے کی ممانعت کا بیان ہے۔ اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ ایک لڑکا ایک مرغی کو باندھ کر تیر مار رہا تھا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے منع فرمایا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں احمد بن یعقوب کا ذکر ہے، وہ المسعودی الکوفی ہیں۔ اور اسحاق بن سعید کا ذکر ہے، وہ اپنے والد سعید بن عمرو بن سعید بن العاص الاموی سے روایت کرتے ہیں اور وہ عمرو کے بھائی ہیں جو الاشدق کے نام سے معروف ہیں۔ اور یہ سعید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: "اور بنو یحییٰ کا ایک لڑکا تھا"، یعنی ابن سعید مذکور کا اور یحییٰ کی مذکر اولاد تھی۔ اور وہ عثمان، عنبسہ، ابان، اسماعیل، محمد، سعید، ہشام اور عمرو ہیں۔ اور یحییٰ بن سعید ایک مرتبہ مدینہ کے گورنر مقرر ہوئے تھے اور اسی طرح ان کے بھائی عمر بھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: "هذا الطير" یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اپنے اس لڑکے کو منع کرو کہ وہ اس طیر کو باندھ کر قتل کرے۔

اس اعتراض کا جواب کہ حدیث میں هذا الطیر کا لفظ ہے، حالانکہ اشارہ مرغی کی طرف ہے جو واحد ہے

علامہ کرمانی نے کہا: بہ ظاہر یہاں طائر کا لفظ ہونا چاہیے تھا، کیونکہ یہ ایک پرندہ ہے اور ایک پرندے کے لیے طائر کا لفظ آتا ہے، اور طیر جمع کے لیے آتا ہے، پھر انہوں نے اس کا جواب دیا کہ ایک پرندہ کے اوپر طیر کا اطلاق بھی لغت قلیلہ ہے۔

اعتراضِ مذکور کا بعض شارحین کی طرف سے جواب اور اس پر علامہ عینی کی تنقید

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ جمع کا بھی یہاں احتمال ہے بلکہ اولیٰ یہ ہے کہ اس لفظ سے جنس کا ارادہ کیا جائے۔

پرندوں اور جانوروں دونوں کو باندھ کر مارنے کی ممانعت

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ تاویل درست نہیں ہے، کیونکہ هذا الطیر سے مرغی کی طرف اشارہ ہے اور وہ واحد ہے، اس میں جمع کے ارادہ کا کیسے احتمال ہوگا۔ اور ان کا یہ کہنا کہ یہاں جنس کا ارادہ کرنا اولیٰ ہے، یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ هذا الطیر سے مرغی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اشارہ جنس کی طرف نہیں ہوتا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: "او غيرها": یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور یا اس کے غیر کو باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، پس اس حدیث میں او غیرھا کا لفظ تقسیم کے لیے ہے، شک کے لیے نہیں ہے۔ اور اس حدیث میں باندھ کر مارنے کی ممانعت پرندوں اور جانوروں دونوں کو شامل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۱۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عُمَرَ فَمَرُّوا بِفِتْيَةٍ أَوْ بِنَفَرٍ نَصَبُوا دَجَاجَةً يَرْمُونَهَا فَلَمَّا رَأَوُا ابْنَ عُمَرَ تَفَرَّقُوا عَنْهَا وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ مَنْ فَعَلَ هَذَا إِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم لَعَنَ مَنْ فَعَلَ هَذَا تَابَعَهُ سُلَيْمَانُ عَنْ شُعْبَةَ حَدَّثَنَا الْمِنْهَالُ عَنْ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ لَعَنَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ مَثَّلَ بِالْحَيَوَانِ وَقَالَ عَدِيٌّ عَنْ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(صحیح مسلم: ۱۹۵۸، مسند احمد: ۳۱۲۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از سعید بن جبیر، انہوں نے کہا: میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھا، پس وہ چند لڑکوں یا ایک جماعت کے پاس سے گزرے جنہوں نے ایک مرغی کو باندھا ہوا تھا اور اس پر تیر مار رہے تھے۔ جب انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو وہ اس مرغی کے پاس سے بھاگ گئے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا: یہ کس نے کیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی ہے جو اس طرح کرے۔ ابو بشر کی متابعت سلیمان نے کی ہے از شعبہ، انہوں نے کہا: ہمیں منہال نے حدیث بیان کی از سعید از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت

فرمائی ہے جو حیوان کو مُثلہ کرے، عدی نے کہا از سعید از حضرت
ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

صحیح البخاری: ۵۵۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان کے دو جز ہیں، پہلا جز ہے "المثلہ" کی کراہت اور دوسرا جز ہے "المصبورۃ" کی کراہت۔ یعنی کسی جانور کو باندھ کر اس پر تیر مارنے کی کراہت۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ چند لڑکوں نے ایک مرغی کو نصب کر دیا تھا اور اس پر تیر مار رہے تھے، تو اس حدیث میں باب کے عنوان کے دوسرے جز کے ساتھ مطابقت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو النعمان کا ذکر ہے، یہ محمد بن الفضل ہیں اور ابو عوانہ کا ذکر ہے، یہ الوضاح ہیں اور ابو بشر کا ذکر ہے، یہ جعفر بن ابی وحشیہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں "بفتیۃ" کا ذکر ہے: فتیۃ، فتی کی جمع ہے یعنی نوجوان لڑکے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "او بنفر": او کا لفظ اس لیے ذکر ہے کہ اس میں راوی کو شک ہے، اور نفر کا معنی ہے: انسانوں کی جماعت، اور یہ اسم جمع ہے جس کا اطلاق خصوصیت کے ساتھ مردوں کی جماعت پر ہوتا ہے، جن کی تعداد تین سے لے کر دس تک ہو: اور نفر کا واحد اس لفظ سے نہیں آتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: "من فعل ھذا؟": اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس مرغی کو نشانہ مارنے کے لیے کس نے نصب کیا ہے؟ اور امام مسلم کی روایت میں ہے: "اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرماتا ہے جو کسی جاندار کو نصب کرے تا کہ اس پر نشانہ لگائے"۔

اور صحیح مسلم اور سنن ابن ماجہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی جانور کو باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور امام بزار نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ جس میں روح ہو، اس کو نشانہ نہ بناؤ۔ اور امام طبرانی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کی ایک قوم کے پاس سے گزرے، جو کبوتر کو نشانہ بنا رہے تھے، تو آپ نے فرمایا: کسی روح کو نشانہ نہ بناؤ، اور اس حدیث کی سند حسن ہے اور امام نسائی نے حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند لوگوں کے پاس سے گزرے اور وہ ایک مینڈھے کو تیروں سے نشانہ بنا رہے تھے، تو آپ نے اس کو ناپسند فرمایا، پھر فرمایا: جانوروں کو مُثلہ نہ کرو اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کو مُثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے

جانور کو باندھ کر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی

جانور کو باندھ کر مارنے کی ممانعت کے متعلق دیگر احادیث

اس تعلیق میں مذکور ہے "من مثل" جس نے مُثلہ کیا اور اس سے مراد یہی ہے کہ جس نے جانور کو باندھ کر مارا۔

اس تعلیق میں مذکور ہے: "عدی نے کہا از سعید از ابن عباس از نبی صلی اللہ علیہ وسلم":

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس میں یہ اشارہ ہے کہ عدی بن ثابت نے ابو بشر اور منھال کی مخالفت کی ہے، پس انہوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے از سعید بن جبیر از ابن عباس از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اس تعلیق کی روایت امام مسلم اور نسائی نے کی ہے از شعبہ از عدی بن ثابت از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا کہ "جس جانور میں روح ہو، اس کو نشانہ نہ بناؤ"۔ اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور امام نسائی نے از حماد بن سلمہ از قتادہ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ جس حیوان میں روح ہو، اس کو نشانہ بنایا جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۵۔۱۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۱۵، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کسی برے کام کو اپنے ہاتھ سے متغیر کرنے کا وجوب، اور گھر والوں پر اپنی اولاد کو تادیب کا وجوب اور مسئلہ کے ساتھ اس کی دلیل کو بیان کرنے کا استحباب

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی برائی کو جب ہاتھ سے متغیر کرنا ممکن ہو تو واجب ہے کہ اس کو ہاتھ سے مغیر کر دیا جائے، جب انسان اس پر قادر ہو، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس مرغی کو اپنے ہاتھ سے کھول دیا۔ اور ہم کہتے ہیں کہ صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا لیکن وجوب اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس نے کسی برائی کو دیکھا، اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ (صحیح مسلم: ۴۹)

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کو ادب کی تعلیم دے، کیونکہ گھر میں صاحب سلطنت گھر والا ہوتا ہے، اسی لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس لڑکے کو خود ادب نہیں سکھایا بلکہ اس لڑکے کو اس کے گھر والوں کے پاس لے گئے، اور کہا کہ اپنے اس لڑکے کو ڈانٹو اور منع کرو۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم کو چاہیے کہ جب وہ کوئی فتویٰ بیان کرے تو اس کے ساتھ اس کی دلیل بھی ذکر کرے۔ کیونکہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اپنے اس غلام کو ڈانٹو اور جانور کو باندھ کر مارنے سے منع کرو تو اس کے ساتھ حدیث سنائی کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے جانور کو باندھ کر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۵۴، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۱۵، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

جاندار کو ''مُثلہ'' کرنے کی ممانعت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی ہے جس نے حیوان کو مُثلہ کیا۔

لعنت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنا اور لعنت اسی پر کی جاتی ہے جس نے بہت سنگین ناجائز کام کیا ہو۔ اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حیوان کو مثلہ کرنا یعنی اس کے اعضاء کو کاٹ ڈالنا گناہِ کبیرہ ہے، کیونکہ حیوان کی روح ہوتی ہے جس کو درد کا احساس ہوتا ہے جس طرح انسان کو درد کا احساس ہوتا ہے، اس لیے اسلام نے انسان ہو یا حیوان ہو، اس کے مُثلہ کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور جنہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا، ان کو قتل کرو اور دین میں غلو نہ کرو اور کسی جاندار کو مُثلہ نہ کرو اور نہ کسی باندی کو قتل کرو اور نہ کسی عورت کو قتل کرو۔ الحدیث

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر والللآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۹۵، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۵۵۱۶۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ يَزِيدَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ نَهَى عَنِ النُّهْبَةِ وَالْمُثْلَةِ۔

(صحیح البخاری: ۲۴۷۴، ۵۵۱۶، مسند احمد: ۱۸۷۶۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عدی بن ثابت نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن یزید سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے النھبۃ (لوٹ مار) اور المُثلۃ (کسی جاندار کے اعضاء کاٹنا) سے منع فرمایا ہے۔

صحیح البخاری: ۵۵۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی باب کے جز اول کے ساتھ مطابقت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ باب کے جزِ اول میں المُثلہ کا ذکر ہے، اور مُثلہ کا معنی ہے: ''کسی جاندار کے تمام اعضاء کو یا بعض اعضاء کو کاٹنا''۔ اور اس باب کی باقی احادیث اس باب کے عنوان کے جُزِ ثانی کے مطابق ہیں جس میں کسی جانور کو باندھ کر قتل کرنے کی کراہت کو بیان کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس باب کی حدیث کی سند میں عبداللہ بن یزید کا ذکر ہے، یہ الخطمی الانصاری ہیں جو کہ امیرِ کوفہ تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''النهبة'' کا ذکر ہے، ''النهبة'' کا معنی ہے: کسی دوسرے شخص کا مال علی الاعلان جبراً اور زبردستی چھین لینا۔ اور اگر مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے مال نکال لیا جائے تو اس کو بھی نهبة کہتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۱۶ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''نهبی'' کے معانی

النهبی: کسی چیز کو چھیننے کا اسم ہے، اور اس کا معنی ہے: مال غنیمت میں سے کسی چیز کو نکال لینا، صاحب المطالع نے کہا ہے: یہ الانتهاب کا اسم ہے اور اس کا معنی ہے: ''کسی جماعت کا کسی چیز کو جلدی سے چھین لینا''۔

نهبی کی جو ممانعت ہے، وہ تحریم کے لیے ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ''جو لوٹ مار کر کے کوئی چیز چھینے اس پر اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے''۔

''مصبورہ'' اور ''مجثمه'' کے کھانے کی ممانعت

امام ابوعبید نے کہا ہے کہ ابوزید اور ابوعمرو اور دوسروں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جانور کو باندھ کر مارنے سے منع فرمایا ہے، خواہ وہ پرندہ ہو، یا کوئی اور جاندار ہو جو زندہ ہو اور اس پر تیر مارے جائیں حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔

علامہ ابن المنذر نے از امام احمد اور از امام اسحاق روایت کی ہے کہ المصبورہ کو اور المجثمه کو نہ کھایا جائے۔ اور دوسروں نے کہا کہ ہمارے علم میں یہ نہیں ہے کہ علماء میں سے کسی نے المصبورہ کے کھانے کو جائز قرار دیا ہو اور وہ سب اس کو حرام قرار دیتے ہیں، کیونکہ جس جانور کو ذبح کرنے پر قدرت ہو، وہ صرف اس صورت میں حلال ہوگا کہ اس کے حلق میں ذبح کیا جائے یا لبّہ میں نیزہ مارا جائے۔

''المصبورہ'' کی کراہیت کی وجوہ

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۵۳ھ نے کہا ہے کہ المصبورہ کی کراہیت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں مشغلہ کے طور پر ایک حیوان کو عذاب دینا ہے، لیکن کسی جانور کو نحر کرنے کے لیے بٹھانا، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور بہ طور مشغلہ کسی جانور پر تیر مارنا درج ذیل حدیث کی وجہ سے ممنوع ہے:

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے متعلق احسان (یعنی نیکی) کو فرض کیا ہے، پس جب تم قتل کرو تو نیکی کے ساتھ قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو احسان کے ساتھ ذبح کرو اور تم میں سے کسی ایک کو یہ چاہیے کہ وہ اپنی چھری کو تیز کرلے اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچائے۔ (صحیح مسلم: ۱۹۵۵، کتاب الصید والذبائح باب الامر باحسان الذبح والقتل)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے کہ کوئی شخص اپنی چھری کو تیز کرے اور بکری اس کی طرف دیکھ رہی ہو، اور

انہوں نے یہ روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مرد کو دیکھا جس نے ایک بکری کو پچھاڑا اور اپنی ٹانگ اس کی گردن پر رکھ دی اور وہ چھری کو تیز کر رہا تھا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے، تم اس بکری کے اوپر کئی موتیں وارد کر رہے ہو یا تم اس بکری کو کئی موتوں کے ساتھ مار رہے ہو، تم نے اس بکری کو لٹانے سے پہلے اپنی چھری کو تیز کیوں نہیں کیا۔

(المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۱۳۱، حاکم نے کہا: یہ حدیث امام بخاری کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس حدیث کی روایت نہیں کی)۔

امام ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ نبی ﷺ نے جانور کو باندھ کر اس پر تیر مار کر ہلاک کرنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس جانور کو ذبح کرنے کا شرعی طریقہ ہے اور جب اس کو باندھ کر تیر مارے جائیں گے تو ہوسکتا ہے کہ وہ تیر ایسی جگہ پر لگے جہاں سے جانور ذبح نہیں ہوتا، تو اس کا کھانا حرام ہوگا۔ اور جو اس کو باندھ کر نشانہ بنا رہا ہے، وہ اپنے رب کی کئی وجوہ سے معصیت کر رہا ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ وہ ایک جانور کو عذاب دے رہا ہے اور اس کو مُثلہ کر رہا ہے اور نبی ﷺ نے مُثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے، اور اس وجہ سے کہ جب اس کو ذبح کرنے کا ایک شرعی طریقہ موجود ہے تو وہ اس سے تجاوز کر کے جانور پر تیر مار کر اسے ایذاء پہنچا رہا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۴۸۴۔۴۸۶ ملخصاً ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۲۶۔ بَابُ: لَحْمِ الدَّجَاجِ — مرغی کے گوشت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

''دَجَاجَةٌ'' کا لغوی معنی

۔ اس باب میں مرغی کے کھانے کا بیان کیا گیا ہے اور بعض نسخوں میں مذکور ہے: ''باب لحم الدجاج'' یعنی مرغی کے گوشت کے کھانے کا بیان۔ اور دجاج میں دال پر تینوں حرکات جائز ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ دال پر پیش پڑھنا ضعیف ہے۔ اور دجاج اسم جنس ہے اور اس کا واحد دجاجۃ ہے، اس کے نیچے زیر ہو تو یہ مذکر کے لیے ہے نہ کہ مونث کے لیے۔ اور اس کا واحد دیک ہے اور دجاج میں اگر دال پر زبر ہو تو یہ مونث کے لیے ہے نہ کہ مذکر کے لیے اور اس کا واحد دجاجۃ ہے۔ اس کو دجاجہ اس لیے کہتے ہیں کہ دَجَّ يَدُجُّ کا معنی ہے: کسی کام کو سرعت کے ساتھ کرنا، اور اس کا آنا جانا بھی بہت سرعت کے ساتھ ہوتا ہے، اس لیے اس کو دجاجۃ کہتے ہیں۔

۵۵۱۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ عَنْ أَبِي مُوسَى يَعْنِي الْأَشْعَرِيَّ رضی الله عنه قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَأْكُلُ دَجَاجًا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳۳، صحیح مسلم: ۱۶۴۹، مسند احمد: ۱۹۰۹۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از ایوب از ابی قلابہ از زہدم الجرمی از حضرت ابوموسیٰ یعنی الاشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی ﷺ مرغی کھا رہے تھے۔

صحیح البخاری: ۵۵۱۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کے عنوان میں مرغی کے گوشت کا ذکر ہے، اور حدیث میں یہ بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرغی کھا رہے تھے، سو اس طرح حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے۔ علامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ کہا گیا ہے کہ یہ یا تو ابن موسیٰ ہیں یا ابن جعفر ہیں۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: علامہ ابن السکن نے کہا ہے کہ یہ ابن موسیٰ البلخی ہیں۔ اور الکلاباذی اور ابونعیم نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ ابن جعفر بن اعین ابوزکریا الکندی ہیں۔ اور اس حدیث میں سفیان کا ذکر ہے، وہ الثوری ہیں۔ اور ایوب کا ذکر ہے، وہ السختیانی ہیں۔ اور ابوقلابہ کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن زید الجرمی ہیں۔ اور زہدم کا ذکر ہے، یہ ابن مضرب الجرمی ہیں۔ اس میں جرم کی طرف نسبت ہے جو قبیلہ قضاعہ کی ایک شاخ ہے اور جرم نیز قبیلہ بنو طے کی شاخ ہے، اور امام بخاری کی ان سے دو حدیثوں کے سوا اور کوئی روایت نہیں ہے۔ اور امام بخاری نے اس حدیث کو متعدد ابواب میں ذکر کیا ہے۔ یہاں اختصار سے روایت کی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۱۷، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا ایک قصہ ہے جو اس باب میں ذکر کیا جا چکا ہے "قدوم الاشعریین علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔ اور وہ قصہ یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس ایک کھانا لایا گیا جس میں مرغی کا گوشت تھا اور لوگوں میں ایک مرد بیٹھا ہوا تھا جو کھانے کے قریب نہیں گیا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کو کھانے کی طرف بلایا، تو اس نے کہا کہ میں نے دیکھا تھا کہ مرغی حیوانوں کی لید میں سے بعض جو اور دانے چن کر کھا رہی تھی تو میرے دل میں اس سے گھن آئی اور تب سے میں مرغی کے گوشت کو ناپسند کرتا ہوں۔ تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دن مرغی کھاتے دیکھا ہے۔ اور ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں نمونہ ہے، پس یہ حدیث مرغی کے گوشت کے کھانے کے جواز پر دلالت کرتی ہے، پس مرغی کا بعض نجس چیزوں کو کھانا اس کے گوشت کو حرام نہیں کرتا، جیسا کہ گائے بعض گندے چھلکے کھا لیتی ہے اور نجس چیزوں کو کھا لیتی ہے تو اس کا گوشت طاہر رہتا ہے۔ (الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر والّلآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۹۶، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۵۵۱۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ أَبِي تَمِيمَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ زَهْدَمٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ وَكَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ هَذَا الْحَيِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابومعمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب بن ابی تمیمہ نے حدیث بیان

مِنْ جَرْمٍ إِخَاءٌ فَأُتِيَ بِطَعَامٍ فِيهِ لَحْمُ دَجَاجٍ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ جَالِسٌ أَحْمَرُ فَلَمْ يَدْنُ مِنْ طَعَامِهِ قَالَ ادْنُ فَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَأْكُلُ مِنْهُ قَالَ إِنِّي رَأَيْتُهُ أَكَلَ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ أَنْ لَا آكُلَهُ فَقَالَ ادْنُ أُخْبِرْكَ أَوْ أُحَدِّثْكَ إِنِّي أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي نَفَرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ فَوَافَقْتُهُ وَهُوَ غَضْبَانُ وَهُوَ يَقْسِمُ نَعَمًا مِنْ نَعَمِ الصَّدَقَةِ فَاسْتَحْمَلْنَاهُ فَحَلَفَ أَنْ لَا يَحْمِلَنَا قَالَ مَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ثُمَّ أُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِنَهْبٍ مِنْ إِبِلٍ فَقَالَ أَيْنَ الْأَشْعَرِيُّونَ أَيْنَ الْأَشْعَرِيُّونَ قَالَ فَأَعْطَانَا خَمْسَ ذَوْدٍ غُرَّ الذُّرَى فَلَبِثْنَا غَيْرَ بَعِيدٍ فَقُلْتُ لِأَصْحَابِي نَسِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَمِينَهُ فَوَاللهِ لَئِنْ تَغَفَّلْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ يَمِينَهُ لَا نُفْلِحُ أَبَدًا فَرَجَعْنَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا اسْتَحْمَلْنَاكَ فَحَلَفْتَ أَنْ لَا تَحْمِلَنَا فَظَنَنَّا أَنَّكَ نَسِيتَ يَمِينَكَ فَقَالَ إِنَّ اللهَ هُوَ حَمَلَكُمْ إِنِّي وَاللهِ إِنْ شَاءَ اللهُ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَتَحَلَّلْتُهَا۔

کی از القاسم از زہدم، انہوں نے کہا: ہم ابوموسیٰ الاشعری کے پاس تھے اور ہمارے اور اس جرم کے قبیلہ کے درمیان برادرانہ تعلقات تھے، پھر ایک کھانا لایا گیا جس میں مرغی کا گوشت تھا اور لوگوں میں ایک سرخ رنگ کا مرد بیٹھا ہوا تھا، وہ کھانے کے قریب نہیں گیا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ قریب آؤ، کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس مرغی سے کھاتے تھے، اس مرد نے کہا کہ میں نے دیکھا تھا کہ یہ مرغی کچھ گندی چیزیں کھا رہی تھی، تو میں نے قسم کھائی کہ میں اس مرغی کو نہیں کھاؤں گا، انہوں نے پھر کہا: قریب آؤ، میں تمہیں خبر دیتا ہوں یا کہا: میں تمہیں حدیث بیان کرتا ہوں، انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چند اشعری صحابہ کے ساتھ حاضر ہوا، پس اتفاق یہ پیش آیا کہ اس وقت آپ ناراض تھے اور آپ صدقہ کے اونٹوں میں سے اونٹ تقسیم فرما رہے تھے، سو ہم نے بھی آپ سے سواری طلب کی تو آپ نے قسم کھائی کہ آپ ہم کو سواری نہیں دیں گے۔ فرمایا: میرے پاس وہ چیز نہیں ہے جس پر میں تم کو سوار کروں، پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس مال غنیمت کے اونٹ لائے گئے، تو آپ نے فرمایا: اشعریین کہاں ہیں؟ اشعریین کہاں ہیں؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ پھر آپ نے ہمیں پانچ سفید کوہان والے اونٹ عطا فرمائے۔ ہم تھوڑی دیر ٹھہرے تو میں نے اپنے اصحاب سے کہا: رسول اللہ ﷺ اپنی قسم کو بھول گئے، پس اللہ کی قسم! اگر ہم نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی غفلت کے متعلق نہیں بتایا تو ہم کبھی کامیاب نہیں ہوں گے، پھر ہم نبی ﷺ کے پاس واپس گئے، سو ہم نے کہا: یا رسول اللہ (ﷺ)! ہم نے آپ سے سواری طلب کی تھی تو آپ نے قسم کھائی تھی کہ آپ ہم کو سواری نہیں دیں گے، سو ہم نے گمان کیا کہ آپ اپنی قسم کو بھول گئے، تو نبی ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ ہی نے تم کو سوار کیا ہے اور بے شک اللہ کی قسم! ان

شاء اللہ میں جب کوئی قسم کھاتا ہوں اور اس قسم کے خلاف کوئی بہتر دیکھتا ہوں تو میں اس کام کو کرتا ہوں جو بہتر ہے اور اپنی کھائی ہوئی قسم کا کفارہ ادا کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳۳، ۴۳۸۵، ۴۴۱۵، ۵۵۱۷، ۵۵۱۸، ۶۶۲۳، ۶۶۴۹، ۶۶۷۸، ۶۶۸۰، ۶۷۱۸، ۶۷۱۹، ۶۷۲۱، ۷۵۵۵، صحیح مسلم: ۴۹
۱۶، سنن نسائی: ۳۸۰۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۱۹۰۹۴)

صحیح البخاری: ۵۵۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں بھی یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرغی کھا رہے تھے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو معمر کا ذکر ہے، اس اسم میں دونوں میموں پر زبر ہے۔ ان کا نام عبداللہ بن عمرو المقعد البصری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالوارث کا ذکر ہے، وہ ابن سعد البصری ہیں۔ اور ایوب کا ذکر ہے، وہ السختیانی ہیں۔ اور اس سند میں ان کا ان کے والد کی کنیت ابو تمیمہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ان کا نام کیسان ابوبکر البصری ہے۔ اور اس سند میں القاسم کا ذکر ہے، یہ ابن عاصم الکلبی التمیمی البصری ہیں۔ اور یہاں پر قاسم کی روایت زہدم سے ہے۔ اور پہلی روایت میں از ایوب از ابی قلابہ از زہدم مذکور ہے۔ ''باب قدوم الاشعرین'' میں اس حدیث کی مفصل شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ہمارے اور اس جرم کے قبیلہ کے درمیان برادرانہ تعلقات تھے''۔
علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ اس قبیلہ سے مراد جرم ہے اور اس پر رد کیا گیا ہے، کیونکہ اب اس کا معنی یہ ہوگا کہ زہدم الجرمی نے کہا کہ ہمارے اور اس قبیلہ جرم کے درمیان برادرانہ تعلقات تھے۔ اور یہ مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اور ان کی قوم کے اشعری زہدم کی قوم سے جو کہ بنو جرم ہیں، محبت کے اور برادرانہ تعلقات رکھنے والے تھے۔

سرخ رنگ کے مرد کا مصداق

اس حدیث میں مذکور ہے ''کہ ایک سرخ رنگ کے مرد نے کہا''۔ اور حماد بن زید کی روایت میں ہے کہ بنوتیم اللہ کے سرخ رنگ کے مرد نے کہا۔ گویا کہ وہ عجمیوں سے ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ مرد زہدم راوی ہے اور اس نے اپنے نفس کو مبہم رکھا ہے۔ پس اگر تم سوال کرو کہ اس مرد کی صفت حماد کی روایت میں ہے کہ وہ تیم اللہ سے ہے اور زہدم بنو جرم سے ہیں، تو میں کہوں گا: اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے، کیونکہ یہ صحیح ہے کہ زہدم کبھی بنوتیم اللہ کی طرف منسوب ہو اور کبھی بنو جرم کی طرف منسوب ہو۔ اور امام احمد نے اس حدیث کی از عبداللہ بن الولید العدنی روایت کی ہے از سفیان ثوری، اور اس روایت میں مذکور ہے کہ بنوتیم اللہ کے ایک مرد نے کہا، جس کو

زہدم کہا جاتا تھا۔ اس میں ہے کہ ہم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھے تو ان کے پاس مرغی کا گوشت لایا گیا، سو مجھے اس سے گھن آئی اور میں نے کہا کہ میں نے اس مرغی کو گندگی کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: قریب آؤ، میں تمہیں خبر دیتا ہوں۔

نیز اس حدیث میں ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو پانچ سفید کوہان والے اونٹ عطا فرمائے، تو ہم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے بھول گئے کہ آپ نے ہم کو اونٹ عطا نہ کرنے کی قسم کھائی تھی''۔

حدیث مذکور کا خلاصہ

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اونٹ عطا نہ کرنے کی قسم کھائی تھی، لیکن بعد میں آپ نے ہمیں اونٹ عطا کرنے کو بہتر جانا تو آپ نے ہمیں اونٹ عطا کر دیے اور فرمایا: میں اس قسم کا کفارہ دوں گا۔ سو اسی طرح جس مرد نے قسم کھائی تھی کہ وہ مرغی کا گوشت نہیں کھائے گا، اس کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی قسم کا کفارہ دے اور مرغی کا گوشت کھائے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغی کا گوشت کھایا ہے۔

جو جانور گندی چیزیں بھی کھالے، ان کے احکام کا بیان

اس حدیث سے ثابت ہے کہ مرغی کا گوشت کھانا جائز ہے۔ علامہ ابن الملقن شافعی نے التوضیح میں لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ مرغی کا گوشت کھانا حلال ہے۔ اور یہ نرم اور ملائم کھانا ہے اور جن متقشفین (بناوٹی زاہد جو بدحالی اور تنگی کی زندگی کو پسند کرتے ہیں) نے مرغی کے گوشت کھانے کو مکروہ کہا ہے، ان کے مکروہ کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ سید الزاہدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغی کا گوشت کھایا ہے۔ اگرچہ یہ احتمال ہے کہ مرغی کبھی نجس چیزیں کھاتی ہے۔ امام طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ اس وقت تک مرغی کو نہیں کھاتے، حتیٰ کہ چند روز اس کو بند رکھتے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۴۸۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

نیز علامہ عینی فرماتے ہیں: اور ان سے یہ بھی روایت ہے کہ جب وہ مرغی کے انڈے کھانے کا ارادہ کرتے تو مرغی کو تین دن تک بند رکھتے۔ اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ مرغی ملا جلا کر کھاتی ہے۔ اور جلالہ وہ جانور ہے جو نجاست کے سوا اور کوئی چیز نہیں کھاتا اور اس کا کھانا مکروہ ہے اور ابن حزم ظاہری کا زعم یہ ہے کہ جلالہ بالخصوص چار پاؤں والے جانور کو کہتے ہیں۔ اور پرندوں کو اور مرغی کو جلالہ نہیں کہا جاتا۔

اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا: علماء کا الجلالہ کے کھانے کے جواز پر اجماع ہے۔ (جلالہ سے مراد وہ گائے یا بکری ہے جو نجس چیزیں بھی کھاتی ہے اور غالباً علامہ ابن بطال کی جلالہ سے مراد یہی ہے۔ سعیدی غفرلہ)

اور سحنون مالکی سے اس بکری کے بچے کے متعلق سوال کیا جس کو خنزیر نے دودھ پلایا ہو، تو انہوں نے کہا: اس بکری کے بچے کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور امام ابوجعفر طبری نے کہا: علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس اونٹ یا بکری کے بچے کو کتے کے دودھ سے غذا دی گئی یا خنزیر کے دودھ سے غذا دی گئی تو اس کا کھانا حرام نہیں ہے۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ خنزیر کا دودھ نجس ہے، جس طرح جانوروں کی لید نجس ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۱۷ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جلالہ کے متعلق دیگر احادیث اور آثار

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ کو کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے۔
(سنن ابوداؤد: ۳۷۸۵، سنن ترمذی: ۱۸۲۴، (امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے)، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۹، المستدرک ج ۲ ص ۳۴، المشکوۃ: ۴۱۲۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ کا گوشت کھانے سے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے، اور اس پر چمڑے کے سوا اور کوئی چیز نہ لادی جائے اور نہ لوگ اس پر سواری کریں، حتیٰ کہ وہ چالیس دن صرف چارہ کھائے۔
اس حدیث کی امام حاکم نے روایت کی ہے اور کہا ہے: اس کی سند صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۳۹، سنن الدارقطنی ج ۴ ص ۲۸۳)
اور امام حاکم کے شاگرد امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث قوی نہیں ہے۔
(سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۳۳)

سعید بن ابوعرابہ نے از قتادہ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گندگی کھانے والے اونٹوں کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۸۲۵، مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۱، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۴)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا ہے اور اس کا دودھ پینے سے بھی منع فرمایا ہے۔ (سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۳۳)
پس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مرغی کے انڈوں کو کھانے کا ارادہ کرتے تو ان کو تین دن بند رکھتے تھے۔
(مصنف عبدالرزاق: ۸۷۱۷)

''جلالہ'' کو کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

فقہاء احناف نے جلالہ اونٹوں کے گوشت کے کھانے کو مکروہ کہا ہے، حتیٰ کہ ان اونٹوں کو چند روز تک بند رکھا جائے۔
امام شافعی کہتے ہیں کہ اگر کوئی جانور صرف نجس چیزیں کھائے یا اکثر نجس چیزیں کھائے، تو میں اس کے کھانے کو مکروہ قرار دیتا ہوں۔ اور جب وہ اکثر چارہ کھائے اور نجس نہ کھائے تو میں اس کو مکروہ نہیں قرار دیتا۔ اور امام شافعی کے اکثر اصحاب یہ کہتے ہیں کہ اس کا کھانا مکروہ تنزیہی ہے۔ اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اس کا کھانا بھی مکروہ تحریمی ہے۔
ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح، امام احمد بن حنبل اور امام ابوحنیفہ نے جلالہ کے کھانے کو مکروہ کہا ہے، سوا اس کے کہ اس کو کھانے کے چند روز تک بند رکھا جائے۔
اور امام مالک اور اللیث نے کہا ہے: جلالہ کے گوشت کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے مرغی اور وہ جانور جو مردار کو کھاتا ہے۔ اور حسن بصری جلالہ کے کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ اور امام ابوحنیفہ نے کہا: کہ مرغی ملا جلا کر کھاتی ہے اور جلالہ وہ

جانور ہے جو نجس چیز کے سوا اور کچھ نہیں کھاتا اور اس کا کھانا مکروہ تحریمی ہے۔

(مختصر اختلاف العلماء، ج ۳ ص ۲۱۷، النوادر والزیادات ج ۴ ص ۳۷۲، روضۃ الطالبین ج ۳ ص ۳۷۸، المغنی ج ۱۳ ص ۳۲۸)

پس علماء کا جلالہ کے کھانے کے جواز پر اجماع ہے۔ اسی طرح علامہ ابن بطال کی کتاب میں مذکور ہے اور سحنون مالکی سے سوال کیا گیا کہ جس بکری کے بچے کو خنزیر کا دودھ پلایا گیا ہو، تو انہوں نے کہا: اس بکری کے بچے کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ جس بکری کے بچے کو کتے یا خنزیر کا دودھ پلایا گیا، اس کا کھانا حرام نہیں ہے۔ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ خنزیر کا دودھ لید کی طرح نجس ہے۔ اور اس میں علت یہ ہے کہ جب بکری کے بچے کو ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت چکھا جائے یا سونگھا جائے تو اس میں خنزیر کے دودھ کا پتا نہیں چلتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے دودھ کو اس طرح متغیر کر دیا جس طرح غذا متغیر ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے صرف ان نجاسات کو بعینہٖ قرار دیا ہے جن کا حواس کے ساتھ ادراک کیا جائے۔ پس مرغی اور اونٹ جو جلالہ ہوں اور جو ان کے مشابہ ہوں ان میں بعینہٖ نجاست نہیں پائی جاتی۔ اور یہ ان نباتات سے زیادہ نہیں ہے جن کی نجاست میں نشوونما ہوتی ہو اور وہ نباتات طاہر ہیں اور بالاجماع حلال ہیں اور کوئی کھیت اس سے خالی نہیں ہے۔ (یعنی ہر کھیت میں کھاد ہوتی ہے اور کھاد میں گوبر اور دیگر نجاسات ہوتی ہیں اور ان ہی سے سبزیاں پیدا ہوتی ہیں اور چونکہ ان سبزیوں میں بعینہٖ ان نجاسات کا ادراک نہیں ہوتا، اس لیے ان کا کھانا طاہر ہے۔ اسی طرح جس بکری کے بچے کو خنزیر کا دودھ پلایا گیا تو اس بکری کے بچے میں خنزیر کا ادراک نہیں ہوتا، سو جس طرح زرعی پیداوار کا کھانا طاہر اور حلال ہے، اسی طرح اس بکری کے بچے کا کھانا بھی طاہر اور حلال ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اور جلالہ کے کھانے سے ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس سے گھن آتی ہے، تاکہ جانوروں کے چارے میں نجاست سے اجتناب کیا جائے، اور جلالہ کی ممانعت کے متعلق جو احادیث اور آثار ہیں، وہ قوی نہیں ہیں۔ اسی طرح علامہ ابن بطال کی کتاب میں بھی مذکور ہے۔

علامہ ابن ملقن نے کہا ہے کہ پرندوں کو اور مرغی کو جلالہ نہیں کہا جاتا، خواہ وہ نجاست کھاتی ہوں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۴۸۹۔۴۹۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

''جلالہ'' کے متعلق علامہ شامی کی تحقیق

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی متوفی ۱۲۵۲ھ، لکھتے ہیں:

تجنیس میں مذکور ہے کہ جب یہ جانور نجاست کھائیں تو مرغی کو تین دن تک بند رکھا جائے گا اور بکری کو چار دن تک اور اونٹ اور گائے کو دس دن تک، اور یہی مختار ہے ظاہر الروایہ کے مطابق۔ اور علامہ سرخسی نے کہا: زیادہ صحیح یہ ہے کہ دنوں کی تائید نہ کی جائے اور ان جانوروں کو بند رکھا جائے حتیٰ کہ ان سے بدبو زائل ہو جائے اور الملتقی میں مذکور ہے کہ جب جلالہ کو قریب لایا جائے اور اس سے بدبو آئے تو اس کو نہ کھایا جائے اور نہ اس کا دودھ پیا جائے اور نہ اس سے کوئی کام کیا جائے، اور اس کو فروخت کرنا اور اس کو ذبح کرنا اس حال میں مکروہ ہے۔ اور البقالی نے ذکر کیا ہے کہ جلالہ کا پسینہ نجس ہے اور مختصر المحیط میں لکھا ہے کہ جو مرغی آوارہ پھرتی ہو، خواہ وہ نجاست کھائے تو وہ مکروہ نہیں ہے۔ یعنی جب اس سے بدبو نہ آئے، کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ وہ ملا جلا کر کھاتی ہے اور

اس کا گوشت متغیر نہیں ہوتا، اور اس کو تنزیہاً چند روز کے لیے بند رکھنا چاہیے۔
(ردالمحتار علی الدر المختار ج ۹ ص ۴۱۷، کتاب الذبائح، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

۲۷۔ بَابُ: لُحُومِ الْخَيْلِ — گھوڑوں کے گوشت کو کھانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں گھوڑوں کے گوشت کے کھانے کے جواز کا بیان ہے۔ امام بخاری نے اس حکم کی تصریح نہیں لکھی کیونکہ اس حکم کے متعلق دلائل متعارض ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۱۹۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ فَاطِمَةَ عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ نَحَرْنَا فَرَسًا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَكَلْنَاهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از فاطمہ از حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں گھوڑے کو نحر کیا، پس ہم نے اس کو کھایا۔

(صحیح البخاری: ۵۵۱۱، ۵۵۱۲، ۵۵۱۹، صحیح مسلم: ۱۹۴۲، سنن نسائی: ۴۴۰۶، سنن ابن ماجہ: ۳۱۹۰، مسند احمد: ۲۶۳۷۹، سنن دارمی: ۱۹۹۲)

صحیح البخاری: ۵۵۱۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں الحمیدی کا ذکر ہے، ان کا نام عبد اللہ بن حمید بن عیسیٰ ہے اور یہ اپنے اجداد میں سے کسی ایک کی طرف منسوب ہیں۔ اور حُمید میں حاء پر پیش ہے اور اس حدیث میں سفیان کا ذکر ہے، اس سے مراد سفیان بن عیینہ ہیں۔ اور اس میں ہشام کا ذکر ہے، وہ ہشام بن عروہ ہیں اور فاطمہ کا ذکر ہے، وہ بنت المنذر ہیں جو راوی ہشام کی بیوی ہیں اور حضرت اسماء کا ذکر ہے، یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی بیٹی ہیں۔ یہ حدیث عنقریب ''باب النحر والذبح'' میں گزر چکی ہے، وہاں اس پر کلام ہو چکا ہے اور صحابی جب یہ کہے کہ ہم یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کرتے تھے تو وہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۲۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ وَرَخَّصَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی، از عمرو بن دینار از محمد بن علی از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے

گوشت کو حرام فرما دیا اور گھوڑوں کے گوشت میں رخصت دی۔

(صحیح البخاری:۴۲۱۹، ۵۵۲۰، ۵۵۲۴، صحیح مسلم:۱۹۴۱، سنن ترمذی:۱۷۹۳، سنن نسائی:۴۳۲۷، سنن ابوداؤد:۳۷۸۸، مسند احمد:۱۴۴۴۷، سنن دارمی:۱۹۹۳)

صحیح البخاری:۵۵۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن علی کا ذکر ہے، ان کا نام محمد بن علی بن الحسین بن علی (رضی اللہ عنہم) بن ابی طالب ہے اور یہ (امام) باقر ہیں جو حضرت (امام) جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے والد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

گھوڑوں کا گوشت کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

اس حدیث سے عطاء، ابن سیرین، حسن بصری، اسود بن یزید، سعید بن جبیر، لیث، ابن المبارک، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد، امام احمد اور ابو ثور نے یہ استدلال کیا ہے کہ گھوڑوں کے گوشت کو کھانا جائز ہے۔ اور امام ابوحنیفہ، اوزاعی اور امام مالک اور ابوعبید نے کہا ہے کہ گھوڑوں کا گوشت کھانا مکروہ ہے۔ پھر کہا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کو کھانا مکروہ تحریمی ہے۔ اور دوسرا قول ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے اور فخر الاسلام اور ابو معین نے کہا ہے کہ یہی قول صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہ نے قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً (النحل:۸) اور گھوڑے اور خچر اور گدھے تمہاری سواری اور زیبائش کے لیے پیدا کیے۔

اس آیت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کے اوپر بہ طور امتنان اور احسان کے ذکر فرمایا ہے۔ اور کھانا سب سے اعلیٰ درجہ کا نفع ہے۔ اور حکیم کا یہ اسلوب نہیں ہے کہ وہ اعلیٰ نعمت کا ذکر ترک کر دے اور ادنیٰ نعمت کا ذکر کرے۔ تو اگر گھوڑوں کا کھانا جائز ہوتا تو اس کو بھی اس آیت میں ذکر کیا جاتا۔ نیز اس لیے کہ گھوڑے دشمنوں کو ڈرانے کے آلات میں سے ہیں، لہٰذا ان کے کھانے کو احتراماً ترک کیا جائے گا۔ نیز امام ابوحنیفہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کی امام ابوداؤد نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں اور خچروں اور (پالتو) گدھوں کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس حدیث کی امام نسائی اور امام ابن ماجہ اور امام طحاوی نے بھی روایت کی ہے۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کی روایت کے بعد سکوت کیا ہے، تاہم انہوں نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اور ہم نے غزوہ خیبر کے باب میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اور رہے پالتو گدھے تو امام ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ علماء مسلمین کے درمیان اب ان کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

گھوڑوں کے گوشت کو کھانے کے متعلق فقہاءِ احناف کا مذہب

شمس الائمہ علامہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہیل السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ، لکھتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں گھوڑوں کا گوشت کھاتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۵۲۱، صحیح مسلم: ۱۹۴۸، سنن نسائی ج ۷ ص ۲۳۰، سنن دارمی: ۱۹۹۲)

اور حضرت الحریث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب گھوڑی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو ہم اس بچے کو پکڑ لیتے اور اس کو ذبح کرتے اور ہم کہتے کہ اب زمانہ قریب ہے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے ہم کو لکھا کہ ایسا نہ کرو، کیونکہ اس معاملہ میں تاخیر ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے بعض فقہاء گھوڑوں کے گوشت کے کھانے کی رخصت پر استدلال کرتے ہیں، کیونکہ صحابہ گھوڑوں کو کھانے کی منفعت کے لیے ذبح کرتے تھے اور یہ امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کا قول ہے۔

(کتاب الام للشافعی ج ۲ ص ۲۲۳)

رہے امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ، تو وہ گھوڑوں کے گوشت کو مکروہ قرار دیتے تھے اور کتاب الصید کے ظاہر الفاظ یہ ہیں کہ یہ کراہت تنزیہہ کے لیے ہے، کیونکہ انہوں نے کہا: بعض علماء رحمہم اللہ نے گھوڑوں کے گوشت کو کھانے کی اجازت دی ہے، لیکن مجھے گھوڑوں کا گوشت کھانا پسند نہیں ہے۔

اور الجامع الصغیر میں مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ نے کہا: میں گھوڑوں کا گوشت کھانے کو مکروہ قرار دیتا ہوں، اس میں یہ دلیل ہے کہ اس کو کھانا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ روایت ہے کہ امام ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے کہا: جب آپ کسی چیز کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں اس کو مکروہ قرار دیتا ہوں، تو اس میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے کہا: اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔

پھر جن فقہاء نے گھوڑوں کا گوشت کھانے کو مباح لکھا ہے، انہوں نے طعام للظاہر سے استدلال کیا ہے، کیونکہ بازاروں میں گھوڑوں کا گوشت فروخت کیا جاتا ہے اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا۔ اور اس لیے کہ گھوڑے کا جھوٹا مطلقاً طاہر ہے اور گھوڑے کا پیشاب ان جانوروں کی طرح ہے، جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، پس اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ گھوڑوں کا گوشت بھی مویشیوں کی طرح کھایا جائے گا، خواہ اس کے اندر ممانعت وارد ہے، کیونکہ گھوڑے ان کے درمیان کم ہوتے تھے اور گھوڑے ہتھیار تھے جن کی جنگ میں ضرورت ہوتی تھی، سو اس لیے گھوڑوں کے گوشت کو کھانے سے منع کیا نہ کہ اس کی تحریم کی وجہ سے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی دلیل قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۚ اور گھوڑے اور خچر اور گدھے تمہاری سواری اور زیبائش کے لیے پیدا کیے۔ (النحل: ۸)

کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر امتنان اور احسان فرمایا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کو سواری کی منفعت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور گھوڑوں میں زینت ہے۔ اگر گھوڑوں کا گوشت کھایا جاتا تو ان کے گوشت کے کھانے کی منفعت کو بیان کرتا

زیادہ اولیٰ تھا، کیونکہ کسی چیز کو کھانا اس کی عظیم منفعت ہے، کیونکہ کسی چیز کو کھانے سے نفوس کی بقاء ہوتی ہے اور حکیم کی حکمت سے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ زیادہ منفعت والی چیز کو ترک کر دے اور کم منفعت والی چیز کو ذکر کرے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے مویشیوں میں کھانے کی منفعت کو ذکر فرمایا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ۝ (المومن) اللہ ہی نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے تاکہ ان میں سے بعض پر تم سواری کرو اور بعض کو تم کھاتے ہو O

اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کے ذکر کو خچروں اور گدھوں کے ساتھ ملایا ہے نہ کہ مویشیوں کے ساتھ۔ اور ذکر میں کسی چیز کو ملانا حکم میں اس کے ملانے کی دلیل ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح خچروں اور گدھوں کا کھانا جائز نہیں ہے اسی طرح گھوڑوں کو بھی کھانا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے استدلال کیا ہے اور گھوڑوں کے گوشت کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابو داؤد: ۳۷۹۰، کتاب الاطعمہ، امام ابو داؤد نے کہا کہ یہ حدیث منسوخ ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی ایک جماعت نے گھوڑوں کا گوشت کھایا ہے، ان میں سے حضرت ابن الزبیر ہیں اور حضرت فضالہ بن عبید ہیں اور حضرت انس بن مالک ہیں اور حضرت اسماء بنت ابی بکر ہیں اور حضرت سوید بن غفلہ ہیں اور علقمہ رضی اللہ عنہم ہیں)۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قریش گھوڑوں کو ذبح کرتے تھے، اس کی امام نسائی نے کتاب الصید میں روایت کی ہے۔

(سنن نسائی ج ۷ ص ۱۷۸، سنن ابن ماجہ: ۱۰۶۶، کتاب الذبائح، مسند امام احمد ج ۴ ص ۱۱۱ رقم حدیث: ۱۲۹۲۳)

علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

حضرت المقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر خچروں، گدھوں اور گھوڑوں کا گوشت حرام ہے، اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ جو دلیل حرمت کی موجب ہو، وہ راجح ہوتی ہے اور جو اس سلسلہ میں رخصت کی احادیث ہیں، وہ ابتدائی زمانہ پر محمول ہیں یعنی ممانعت سے پہلے۔ اور اس لیے کہ گھوڑی اور گدھے کے ملاپ سے خچر پیدا ہوتا ہے اور ولد ماں کا جز ہوتا ہے اور اس کا حکم وہی ہوتا ہے جو ماں کا حکم ہے حلت اور حرمت میں، پس جب خچر کو نہیں کھایا جاتا تو معلوم ہوا کہ گھوڑے کو بھی نہیں کھایا جائے گا۔

پھر گھوڑے، خچروں اور گدھوں کے مشابہ ہیں، اس لیے کہ یہ جانور ذوحافر ہیں، یعنی ان کے کھر ہیں۔ اس کے برخلاف مویشی ذوات الخف ہیں نہ کہ ذوات الحافر اور الخُف کا معنی ہے چرمی موزہ۔ یعنی مویشیوں کے پیر چرمی موزہ کے مشابہ ہیں۔

اور حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ گھوڑی کا جھوٹا اس کے دودھ کی مثل ہے۔ اور اس کا پیشاب ان جانوروں کے پیشاب کی مثل ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے تو یہ عموم بلویٰ کی وجہ سے ہے۔ اور عموم بلویٰ کی وجہ سے نجاست کے حکم میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ اور جن فقہاء نے کہا کہ گھوڑوں کے گوشت کی کراہت تنزیہ کے لیے ہے نہ کہ تحریم کے لیے، تو انہوں نے کہا: گھوڑا بعض وجوہ سے انسان کے مشابہ ہے، کیونکہ اس سے دشمن کو ڈرایا جاتا ہے اور مالِ غنیمت میں گھوڑے کا بھی حصہ ہوتا

ہے اور انسان کو کھایا نہیں جاتا اس کی کرامت کی وجہ سے، نہ کہ اس کی نجاست کی وجہ سے اور ان گھوڑوں کو بھی نہیں کھایا جاتا ان کی کرامت کی وجہ سے نہ کہ ان کی نجاست کی وجہ سے، اور اسی وجہ سے گھوڑوں کا جھوٹا طاہر قرار دیا جاتا ہے اور ان کا پیشاب ان جانوروں کی مثل قرار دیا گیا ہے جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔ (المبسوط ج ۱۱ ص ۲۵۶۔۲۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی متوفی ۱۲۵۲ھ، لکھتے ہیں:

ہدایہ میں مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک گھوڑوں کو کھانا مکروہ ہے، اور مکروہ تحریکی کے اوپر حرام نہ ہونے کا اطلاق کیا جاتا ہے، اور شرنبلالی میں مذکور ہے کہ گھوڑوں کی تحریم ان کی نجاست کی وجہ سے نہیں ہے اور غایۃ البیان میں جواب دیا گیا ہے کہ گھوڑوں کا جھوٹا طاہر ہے اور اس کے کھانے کا حرام ہونا اس کے احترام کی وجہ سے ہے، کیونکہ گھوڑوں سے دشمن کو ڈرایا جاتا ہے اور گھوڑوں کی نجاست کی وجہ سے وہ حرام نہیں ہے، جیسا کہ انسان میں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ پس گھوڑوں کے گوشت کا کھانا مکروہ تنزیہی ہے، اور یہی ظاہر الروایہ ہے۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۹ ص ۳۶۹، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۲۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن حزم ظاہری نے از عکرمہ بن عمار از یحییٰ بن ابی کثیر از ابی سلمہ از حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے گوشت کو اور گھوڑوں کے گوشت کو اور خچروں کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا ہے اور المجثمہ کو حرام قرار دیا ہے۔ پھر ابن حزم نے کہا کہ عکرمہ ضعیف ہے۔

امام طحاوی نے کہا کہ محدثین عکرمہ کی حدیث از یحییٰ کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور اس کو حجت نہیں بناتے۔

اور فقہاء کا گھوڑوں کے گوشت کے کھانے میں اختلاف ہے، امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور مجاہد، ابوبکر الاصم اور الحسن البصری سے منقول ہے کہ گھوڑوں کے گوشت کے کھانے کو ترک کرنا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اور الحکم بن عتیبہ نے اس کو حرام قرار دیا ہے، اور امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی اور امام احمد نے کہا ہے کہ گھوڑوں کے گوشت کو کھانا حلال ہے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۳ ص ۲۱۶)

اور جن فقہاء نے گھوڑوں کے گوشت کے کھانے کو مکروہ قرار دیا ہے، ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

از ثور بن یزید از صالح بن یحییٰ بن مقدام بن معدی کرب از والد خود از جد خود از حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کے گوشت کو خچروں اور گدھوں کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ تم پر پالتو گدھوں اور گھوڑوں کا گوشت کھانا حرام ہے، پھر کہا: یہ حکم منسوخ ہے۔

اور صحابہ کی ایک جماعت جن میں حضرت ابن الزبیر اور فضالہ بن عبید، حضرت انس بن مالک، اسمائ، سوید بن غفلہ ہیں، انہوں نے گھوڑوں کے گوشت کو کھایا، اور قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں گھوڑوں کو ذبح کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۹۰)

اور ابن شاہین نے کتاب الناسخ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو گھوڑوں کے گوشت کے کھانے سے اور گدھوں کے گوشت کے کھانے سے اور خچروں کے گوشت کے کھانے سے منع کرتا

ہوں۔ (ناسخ الحدیث ومنسوخہ لابن شاہین ج ۱ ص ۴۹۸)

امام دارمی نے کتاب الاطعمہ میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گھوڑوں کا گوشت کھانے کی رخصت ثابت ہے اور اس کا کوئی قوی معارض نہیں ہے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جس حدیث میں گھوڑوں کا گوشت کھانے کی ممانعت ہے، وہ اس حدیث کی مثل نہیں ہے جس میں گھوڑوں کا گوشت کھانے کی رخصت دی گئی ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے راویوں کا ایک دوسرے سے سماع ثابت نہیں ہے۔ (معالم السنن ج ۴ ص ۲۲۷)

اور امام الدارقطنی نے کہا ہے کہ حضرت خالد بن ولید کی حدیث ضعیف ہے اور اس حدیث کے بعض الفاظ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کے گوشت کو خیبر کے دن حرام قرار دیا۔ (سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۸۷)

اور علامہ واقدی نے لکھا ہے کہ حضرت خالد بن ولید غزوہ خیبر کے بعد اسلام لائے تھے۔ اور علامہ ابوعمر ابن عبد البر نے کہا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے حضرت خالد بن ولید کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہونا صحیح نہیں ہے۔ (الاستیعاب لابن عبد البر ج ۲ ص ۱۲)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: کہ جنہوں نے گھوڑے کا گوشت کھانے کو جائز قرار دیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ احادیث متواترہ سے گھوڑوں کا گوشت کھانا ثابت ہے اور اباحت کی احادیث ممانعت کی احادیث سے زیادہ صحیح ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۴۹۵۔ ۵۰۱ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۲۸۔ بَابُ: لُحُومِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ
پالتو گدھوں کے گوشت کا بیان

فِيهِ عَنْ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(صحیح البخاری: ۴۴۷۷)

اس باب میں حضرت سلمہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حضرت سلمہ بن الاکوع کی حدیث ہے، جو سندِ موصول کے ساتھ طویل حدیث ہے اور کتاب المغازی میں باب غزوۂ خیبر کے اوائل میں گزر چکی ہے۔ (صحیح البخاری: ۴۴۷۷) (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۲۱۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ سَالِمٍ وَنَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ يَوْمَ خَيْبَرَ

(صحیح مسلم: ۵۶۱، مسند احمد: ۷۴۰۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے خبر دی از عبید اللہ از سالم و نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانے سے منع فرمادیا۔

صحیح البخاری: ۵۵۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں صدقہ کا ذکر ہے اور وہ ابن الفضل المروزی ہیں۔ اور عبدہ کا ذکر ہے اور وہ ابن سلیمان ہیں۔ اور عبید اللہ کا ذکر ہے، اور وہ ابن عمر العمری ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

یہ حدیث غزوۂ خیبر میں گزر چکی ہے، وہاں امام بخاری نے اس حدیث کی از عبید بن اسماعیل از ابی اسامہ از عبید اللہ روایت کی ہے اور اس کی شرح وہاں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۲۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ تَابَعَهُ ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ سَالِمٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ، انہوں نے کہا: مجھے نافع نے حدیث بیان کی از عبد اللہ، انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے پالتو گدھوں کے گوشت کے کھانے سے منع فرمایا۔ یحییٰ کی متابعت ابن المبارک نے کی ہے از عبد اللہ از نافع۔ اور ابو اسامہ نے کہا از عبید اللہ از سالم۔

(صحیح مسلم: ۵۶۱، مسند احمد: ۴۷۰۶)

۵۵۲۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ وَالْحَسَنِ ابْنَيْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِمَا عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْمُتْعَةِ عَامَ خَيْبَرَ وَعَنْ لُحُومِ حُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از عبد اللہ اور الحسن جو دونوں محمد بن علی کے بیٹے ہیں از ان کے والد از حضرت علی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے سال المتعہ سے منع فرمایا اور پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۴۲۱۶، ۵۱۱۵، ۵۵۲۳، ۶۹۶۱، صحیح مسلم: ۱۴۰۷، سنن ترمذی: ۱۷۹۴، سنن نسائی: ۳۳۶۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۶۱، مسند احمد: ۱۲۰۷، موطا امام مالک: ۱۱۵۱، سنن دارمی: ۱۹۹۰)

علامہ عینی فرماتے ہیں:

یہ حدیث کتاب النکاح میں اس باب میں گزر چکی ہے "نھی رسول اللہ ﷺ نکاح المتعۃ اخرا" اور اس کی شرح وہاں کی جا چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۲۴۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عَمْرٍو عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از عمرو از محمد بن علی از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما،

وَرَخَّصَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ۔

بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن (پالتو) گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا اور گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دی۔

(صحیح البخاری: ۴۲۱۹، ۵۵۲۰، ۵۵۲۴، صحیح مسلم: ۱۹۴۱، سنن ترمذی: ۱۷۹۳، سنن نسائی: ۴۳۲۷، سنن ابوداؤد: ۳۷۸۸، مسند احمد: ۱۴۴۷۴، سنن دارمی: ۱۹۹۳)

صحیح البخاری: ۵۵۲۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حماد کا ذکر ہے، اور وہ ابن زید ہیں۔ اور عمرو کا ذکر ہے، وہ ابن دینار ہیں۔ اور محمد بن علی کا ذکر ہے، وہ ابن الحسین بن علی (رضی اللہ عنہم) بن ابی طالب ہیں۔ اور یہ حدیث بھی کتاب المغازی میں غزوۂ خیبر کے باب میں اسی سند اور اسی متن کے ساتھ گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۲۵، ۵۵۲۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عَدِيٌّ عَنِ الْبَرَاءِ وَابْنِ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ قَالَا نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از شعبہ، انہوں نے کہا: مجھے عدی نے حدیث بیان کی از براء و ابن ابی اوفیٰ، ان دونوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۵۵، ۴۲۲۰، ۴۲۲۲، ۴۲۲۴، ۵۵۲۶، صحیح مسلم: ۱۹۳۷، سنن نسائی: ۴۳۳۹، سنن ابن ماجہ: ۳۱۹۲، مسند احمد: ۱۸۱۰۱)

صحیح البخاری: ۵۵۲۵، ۵۵۲۶: کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ القطان ہیں اور عدی کا ذکر ہے، وہ عدی بن ثابت ہیں، اور حضرت البراء کا ذکر ہے، وہ ابن عازب ہیں، اور ابن ابی اوفیٰ کا ذکر ہے، وہ حضرت عبداللہ ہیں اور ابن ابی اوفیٰ کا نام علقمہ ہے اور یہ حدیث زیادہ تفصیل کے ساتھ غزوۂ خیبر کے باب میں گزر چکی ہے۔

۵۵۲۷۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ أَبَا إِدْرِيسَ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا ثَعْلَبَةَ قَالَ حَرَّمَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لُحُومَ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ تَابَعَهُ الزُّبَيْدِيُّ وَعُقَيْلٌ عَنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: کہ ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابوادریس نے ان کو

ابْنِ شِهَابٍ وَقَالَ مَالِكٌ وَمَعْمَرٌ وَالْمَاجِشُونُ وَيُونُسُ وَابْنُ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ۔

خبر دی کہ حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام فرما دیا۔
صالح کی متابعت الزبیدی نے کی ہے اور عقیل نے کی ہے از ابن شہاب۔
اور امام مالک اور معمر اور الماجشون اور یونس اور ابن اسحاق نے کہا از زہری کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلیوں والے درندوں کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا۔

(صحیح مسلم: ۱۹۳۲، ۱۹۳۶، سنن ترمذی: ۱۴۷۷، سنن نسائی: ۴۳۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۸۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۲۳۲، مسند احمد: ۱۷۲۸۴، ۱۷۲۹۳، موطا امام مالک: ۱۰۷۵، سنن دارمی: ۱۹۸۰)

صحیح البخاری: ۵۵۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسحاق کا ذکر ہے، اور وہ ابن راہویہ ہیں۔ اور الغسانی اور یعقوب بن ابراہیم نے کہا، وہ اپنے والد ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف القرشی الزہری سے روایت کرتے ہیں، اور اس حدیث میں صالح کا ذکر ہے، وہ ابن کیسان ہیں، اور ابن شہاب کا ذکر ہے، وہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔ اور ابوادریس کا ذکر ہے وہ عائذ اللہ الخولانی ہیں۔ اور حضرت ابو ثعلبہ کے نام میں اور ان کے والد کے نام میں شدید اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام جرہم ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام جرثون ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام ابن ناشب ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام ابن جرثومہ ہے اور ان کے صحابی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ انہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی، پھر شام چلے گئے تھے اور حضرت معاویہ کی خلافت میں ان کی وفات ہوئی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی وفات ۷۵ھ میں عبدالملک بن مروان کی ولایت میں ہوئی۔
اس حدیث کی تعلیق میں مذکور ہے محمد بن ولید الزبیدی نے صالح کی متابعت کی ہے۔ امام نسائی نے زبیدی کی روایت کو از بقیۃ ذکر کیا ہے اور عُقیل نے بھی صالح کی متابعت کی ہے، امام احمد نے ان کی حدیث کی اپنی مسند میں سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔
اس کے بعد دوسری تعلیق ہے جس میں امام مالک، معمر، الماجشون، یونس اور ابن اسحاق نے زہری سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلیوں والے درندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔ امام بخاری نے اس سے یہ اشارہ کیا ہے کہ ان پانچوں نے حضرت ابو ثعلبہ کی حدیث میں گدھوں کے ذکر سے تعارض نہیں کیا، اور انہوں نے صرف یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلیوں والے درندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۱۔ ۱۹۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۲۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب الثقفی

مَالِكٍ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ جَاءَهُ جَاءٍ فَقَالَ أُكِلَتِ الْحُمُرُ ثُمَّ جَاءَهُ جَاءٍ فَقَالَ أُكِلَتِ الْحُمُرُ ثُمَّ جَاءَهُ جَاءٍ فَقَالَ أُفْنِيَتِ الْحُمُرُ فَأَمَرَ مُنَادِيًا فَنَادَى فِي النَّاسِ إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ فَإِنَّهَا رِجْسٌ فَأُكْفِئَتِ الْقُدُورُ وَإِنَّهَا لَتَفُورُ بِاللَّحْمِ۔

(صحیح مسلم: ۱۹۴۰، سنن نسائی: ۴۳۴۰، مسند احمد: ۱۱۷۳۰، ۱۱۸۰۷)

نے خبر دی از ایوب از محمد از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آنے والا آیا، پس اس نے کہا کہ گدھوں کا گوشت کھالیا گیا، پھر ایک اور آنے والا آیا، اس نے کہا: گدھوں کا گوشت کھالیا گیا، پھر ایک اور آنے والا آیا، اس نے کہا: گدھوں کا گوشت ختم ہوگیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منادی کو حکم دیا تو اس نے لوگوں میں ندا کی کہ بے شک اللہ اور اس کا رسول تم کو پالتو گدھوں کے گوشت سے منع کرتے ہیں، کیونکہ یہ ناپاک ہیں تو ہانڈیاں الٹ دی گئیں، حالانکہ وہ گوشت سے جوش کھا رہی تھیں۔

صحیح البخاری: ۵۵۲۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے، وہ ایوب السختیانی ہیں، اور محمد کا ذکر ہے، وہ محمد بن سیرین ہیں۔ اور بعض نسخوں میں ابن سیرین کی تصریح ہے۔

ندا کرنے والے صحابی کا نام اور اس میں تعارض کی تطبیق

علامہ عینی فرماتے ہیں:

یہ حدیث اوائل غزوۂ خیبر میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح وہاں کی جا چکی ہے۔ صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ جس صحابی نے ندا کی تھی، وہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تھے، اگر تم یہ سوال کرو کہ سنن نسائی میں مذکور ہے جس صحابی نے ندا کی تھی، وہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے، تو میں کہوں گا: شاید حضرت عبدالرحمن نے پہلے مطلقاً ندا کی تھی، پھر بعد میں حضرت ابوطلحہ نے اس اضافہ کے ساتھ ندا کی کہ یہ گدھوں کا گوشت ناپاک ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ کے پاس ایک آنے والا آیا، اس کو تین مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ بعض شارحین نے لکھا ہے: ہوسکتا ہے یہ تینوں آنے والے ایک ہی شخص ہوں، اس نے پہلے کہا ہو کہ گدھوں کے گوشت کو کھالیا گیا ہے، پس یا تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنا یا آپ نے اس کے متعلق کوئی حکم نہیں دیا، اسی طرح اس نے دوسری مرتبہ کہا، پھر تیسری مرتبہ کہا اور یہ اضافہ کیا کہ گدھوں کا گوشت تو ختم ہوگیا، یعنی بہت زیادہ گدھوں کو ذبح کیا گیا تاکہ انہیں پکایا جائے، تو پھر گدھوں کے گوشت کی تحریم کا حکم نازل ہوگیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ گدھوں کا گوشت نجس ہے، اسی طرح امام طحاوی کی روایت میں مذکور ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو فتح کر لیا تو ان کو وہاں پر پالتو گدھے ملے، تو انہوں نے ان کو ذبح کر کے پکالیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ندا کی: سنو! اللہ اور اس کا رسول تمہیں ان کے کھانے سے منع کرتا ہے، سو یہ نجس ہیں، تو دیگچیوں کو الٹ دیا گیا حالانکہ ان میں گدھوں کا گوشت ابل رہا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۲۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو قُلْتُ لِجَابِرِ بْنِ زَيْدٍ يَزْعُمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ حُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ فَقَالَ قَدْ كَانَ يَقُولُ ذَاكَ الْحَكَمُ بْنُ عَمْرٍو الْغِفَارِيُّ عِنْدَنَا بِالْبَصْرَةِ وَلَكِنْ أَبَى ذَاكَ الْبَحْرُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَقَرَأَ ﴿قُلْ لَّآ أَجِدُ فِيْ مَآ أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا﴾ (الانعام: ۱۴۵)

(مسند احمد: ۱۷۴۰۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، عمرو نے کہا: میں نے جابر بن زید سے پوچھا: کہ لوگ زعم کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں سے منع فرمایا ہے۔ تو انہوں نے کہا: کہ حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ نے ہمیں بصرہ میں یہی بتایا تھا، لیکن علم کے سمندر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا انکار کیا اور دلیل میں یہ آیت پڑھی۔ آپ کہیے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے والے پر ان چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا، وہ مردار ہو یا بہا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ نجس ہے یا بہ طور نافرمانی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔

صحیح البخاری: ۵۵۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبد اللہ کا ذکر ہے، اور وہ ابن المدینی ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، اور وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث میں عمرو کا ذکر ہے، وہ ابن دینار ہیں اور جابر بن زید کا ذکر ہے، وہ ابو الشعثاء البصری ہیں۔ اور حضرت حکم بن عمرو الغفاری رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ صحابی ہیں۔ علامہ کرمانی نے کہا: یہ بصرہ میں آئے اور پینتالیس (۴۵ھ) میں مرو میں ان کی وفات ہو گئی۔ حافظ ابو عمر ابن عبد البر نے کہا: ان کو زیاد بن امیہ نے بصرہ کا گورنر بنایا جب زیاد کی ابتداء میں عراقیوں پر حکومت تھی، پھر ان کو بصرہ سے معزول کر دیا گیا۔ اور خراسان کے بعض عاملوں کو وہاں کا گورنر بنا دیا۔ اور وہ وہیں فوت ہو گئے اور دوسرا قول ہے کہ بصرہ میں پچاس ہجری (۵۰ھ) میں ان کی وفات ہوئی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت حکم بن عمرو الغفاری بھی بصرہ میں یہی کہتے تھے۔ یعنی وہ بھی یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کو کھانے سے منع فرمادیا ہے، لیکن البحر نے اس سے منع کیا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صفت ہے اور ان کو علم کی وسعت کی وجہ سے البحر یعنی سمندر کہا جاتا تھا، اور اس سے مراد ہے کہ وہ علم کا سمندر تھے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر کی شرح سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ اس عبارت میں صفت موصوف پر مقدم ہے۔ اور یہ موصوف کی تعظیم میں مبالغہ کے لیے ہے، کیونکہ پہلے البحر کا ذکر ہے جو صفت ہے، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس عبارت میں صفت موصوف پر مقدم نہیں ہے بلکہ بعد میں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، وہ عطفِ بیان ہے۔

اور ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن مجید کی آیت الانعام: ۱۴۵ کو پڑھا'': یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا کہ حرام صرف وہ چیزیں ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے (مردار یا بہاہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ نجس ہے یا بہ طور نافرمانی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو)۔

لہٰذا صرف یہی چار چیزیں حرام ہیں اور ان کے علاوہ باقی چیزیں جو ہیں وہ اپنی اصل پر مباح ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

تمام شہر کے فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ پالتو گدھوں کا کھانا حرام ہے، مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کا کھانا مباح ہے، اور اسی کی مثل حضرت عائشہ اور الشعبی سے بھی مروی ہے۔

اس سوال کا جواب کہ الانعام: ۱۴۵ میں صرف چار چیزوں کو حرام کیا گیا اور المائدہ: ۳ میں ان کے علاوہ اور بھی جانوروں کو حرام قرار دیا گیا

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ سورۂ مائدہ کے اول میں المنخنقہ (جس کا گلا گھٹ گیا ہو) اور الموقوذۃ (جو چوٹ کھانے سے مرا ہو) اور دوسرے وہ جانور جن کا ان کے ساتھ ذکر کیا گیا، اور المتردیۃ (جو بلندی سے گر کر مرا ہو) اور النطیحۃ (جو سینگ مارے جانے سے مرا ہو) اور وما اکل السبع (اور جس کو درندے نے کھایا ہو)۔ اور یہ جانور الانعام: ۱۴۵ سے خارج ہے؟

میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے کہ المنخنقۃ اور دوسرے جن جانوروں کا اس کے ساتھ ذکر ہے، وہ الانعام: ۱۴۵ میں ''المیتۃ'' کے ذکر میں داخل ہیں یعنی یہ سب مردار ہیں، یا دوسرا جواب یہ ہے کہ سورۃ الانعام مکی ہے، اس لیے ہوسکتا ہے کہ اس وقت میں انہی چار کو حرام کیا گیا ہو۔ اور سورۃ المائدہ مدنی ہے اور یہ قرآن مجید میں آخر میں نازل ہوئی ہے، لہٰذا سورۃ الانعام اور سورۃ المائدہ کا تعارض ختم ہوگیا۔

اس سوال کا جواب کہ پالتو گدھوں کے گوشت کی ممانعت پر عمل کیا جائے تو لازم آئے گا کہ خبرِ واحد سے الانعام: ۱۴۵ کو منسوخ قرار دیا جائے

اگر تم یہ سوال کرو کہ جو احادیث پالتو گدھوں کے گوشت کی تحریم کے متعلق وارد ہیں، وہ سب اخبار احاد ہیں اور اگر ان پر عمل کیا

جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ ان اخبار احاد سے الانعام: ۱۴۵ سے منسوخ قرار دیا جائے۔ اور خبر واحد سے قرآن مجید کو منسوخ قرار دینا جائز نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ بہ کثرت ایسی چیزیں ہیں جو حرام قرار دی گئی ہیں اور ان کا الانعام: ۱۴۵ میں ذکر نہیں ہے جیسا کہ نجاسات ہیں اور خمر ہے اور بندر کا گوشت ہے۔ تو اس وقت یہ کہا جائے گا کہ ان چیزوں کی اخبار احاد سے تخصیص کر لی گئی ہے، یعنی پہلے تو صرف وہ چیزیں حرام تھیں جن کا الانعام: ۱۴۵ میں ذکر ہے، پھر بعد میں اس آیت میں تخصیص کر کے ان چیزوں کے حرام ہونے کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ارشاد پر ہونے والے اشکال کا جواب از مصنف

میں کہتا ہوں: کہ علامہ عینی کا یہ جواب بہت عمدہ ہے، تاہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو فرمایا: کہ حرام صرف وہ چیزیں ہیں جن کا المائدہ: ۱۴۵ میں ذکر ہے۔ اور پالتو گدھوں کے گوشت کا الانعام: ۱۴۵ میں ذکر نہیں ہے۔ تو ان کے اس ارشاد کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جن چیزوں کے حرام ہونے کا ذکر الانعام: ۱۴۵ میں ہے، وہ حرام قطعی ہیں، کیونکہ ان کو قرآن مجید میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور رہا پالتو گدھوں کے گوشت کے کھانے کا حرام ہونا، تو اس کی حرمت احادیث سے اور اخبار احاد سے ثابت ہے، اس لیے ان کی حرمت قطعی نہیں ہے اور ان کی حرمت ظنی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس ارشاد کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ چونکہ پالتو گدھوں کا گوشت الانعام: ۱۴۵ میں مذکور نہیں ہے، اس لیے وہ اپنی اصل پر مباح ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (سعیدی غفرلہٗ)

شیخ داؤد راز کے جواب پر مصنف کا تعاقب

شیخ داؤد راز نے اس اشکال کے جواب میں لکھا ہے "کہ الانعام: ۱۴۵ میں حرام ماکولات کا ذکر ہے، جس میں مذکورہ گدھے کا ذکر نہیں ہے، شاید ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ان احادیث کا علم نہ ہو، ورنہ وہ کبھی ایسا نہ کہتے، یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے اس خیال سے بعد میں رجوع کر لیا ہو"۔ (شرح صحیح البخاری از محمد داؤد راز، ج ۷، ص ۲۰۳، مکتبہ قدوسیہ لاہور)

میں کہتا ہوں کہ بہ کثرت احادیث میں پالتو گدھوں کے کھانے کی ممانعت کا ذکر ہے، حتیٰ کہ ان کا عدد تواتر کے قریب ہے، تو کیسے ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ان احادیث کا علم نہ ہو، جن کو اس حدیث میں علم کا سمندر کہا گیا ہے۔ پھر شیخ داؤد راز نے بغیر کسی دلیل کے یہ بھی کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس قول سے رجوع کر لیا ہو۔ اور محض احتمال سے بغیر کسی دلیل کے کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ عینی اس حدیث کی شرح میں مزید لکھتے ہیں:

پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانے کی ممانعت کے متعلق چار توجیہات

علامہ ابن العربی مالکی نے کہا ہے کہ پالتو گدھوں کے گوشت کی تحریم کے متعلق چار اقوال ہیں:

(۱) ان کا گوشت شرعاً حرام ہے۔

(۲) ان کا گوشت اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ یہ نجاست کھاتے ہیں۔
(۳) ان کے گوشت کو اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ گدھے بار برداری کے کام میں آتے ہیں، اگر ان کو ذبح کر کے کھالیا جائے تو یہ ختم ہو جائیں گے اور بار برداری کا کام ان سے نہیں لیا جا سکے گا۔
(۴) پالتو گدھوں کے گوشت کو اس لیے حرام قرار دیا گیا کہ ان گدھوں کو تقسیم سے پہلے ذبح کر کے پکا لیا گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس کو کھانا حرام ہے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ امام طحاوی نے ان اقوال کا ذکر کیا ہے، پھر پہلے قول کی تائید میں بارہ صحابہ کی روایات کو ذکر کیا ہے جنہوں نے پالتو گدھوں کے گوشت کو بغیر کسی قید کے حرام قرار دیا ہے اور ہم نے ان بارہ صحابہ کے نام اپنی شرح معانی الآثار میں ذکر کیے ہیں۔ اور قول ثانی کے متعلق ابن مرزوق شیبانی سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: کہ میں نے سعید بن جبیر کے سامنے حضرت ابن ابی اوفی کی یہ حدیث ذکر کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ خیبر کے دن ہانڈیوں کو الٹ دیا جائے، تو انہوں نے کہا: آپ نے پالتو گدھوں کے گوشت سے اس لیے منع فرمایا کہ وہ گندگی کھاتے ہیں۔
اور تیسرے قول کے متعلق عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی روایت ذکر کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت سے صرف اس لیے منع فرمایا کہ ان کی پشت پر بوجھ لادا جاتا ہے۔
اور چوتھے قول کے متعلق حضرت عدی بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے خیبر کے دن مال فئے سے پالتو گدھوں کو پایا، سو انہوں نے اس کو ذبح کر دیا، سو یہ لوٹ کا مال ہوئے اور ان کو تقسیم نہیں کیا گیا تھا۔
پھر علامہ ابن العربی نے آخری تین اقوال کے متعلق حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے پوچھا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ بتایئے کہ کیا چیز حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے؟ تو آپ نے فرمایا: کہ پالتو گدھوں کا گوشت نہ کھاؤ، اس حدیث کی مسلم بن مشکم (جو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے کاتب ہیں) نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔
پھر کہا: کہ اس حدیث میں جو حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا سوال ہے کہ کیا چیز حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں گدھوں کے گوشت کے کھانے کو منع فرمایا۔ اس سوال و جواب سے معلوم ہوا کہ پالتو گدھوں کا گوشت کسی علت کی اور کسی سبب کی وجہ سے حرام نہیں قرار دیا گیا بلکہ پالتو گدھوں کا گوشت فی نفسہٖ مطلقاً حرام ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۲۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پالتو گدھوں کو فتح مکہ کے دن دوبارہ حرام قرار دینے کی توجیہ

امام مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے سال المتعہ کو اور پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام کر دیا۔
بعض علماء نے کہا ہے کہ امام مالک کے سوا اور کسی نے اس حدیث کی اس طرح روایت نہیں کی، کیونکہ متعہ کی تحریم فتح مکہ کے

دن ۸ ھ کو ہوئی تھی اور خیبر اس سے پہلے ۶ یا ۷ ھ کو فتح کیا گیا تھا۔ اور یہ بعید نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن لوگوں کو یاد دلایا ہو کہ اس سے پہلے آپ ان کو حرام فرما چکے ہیں، کیونکہ مکہ کے لوگ کفار تھے، جب مکہ فتح کیا گیا اور وہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو آپ نے ان کو اس تحریم کے متعلق خبر دی جو آپ اس سے پہلے خیبر میں تحریم کر چکے تھے، کیونکہ ان کے نزدیک متعہ اور پالتو گدھا زمانہ جاہلیت میں حلال تھے۔

پالتو گدھے کی تحریم پر شبہات کے جوابات

تمام شہروں کے فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ پالتو گدھوں کا کھانا حرام ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف مروی ہے، انہوں نے اس کے کھانے کو مباح قرار دیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور الشعبی سے بھی اس کے خلاف مروی ہے۔ امام طحاوی نے کہا: جن لوگوں نے پالتو گدھوں کے گوشت کے کھانے کو مباح قرار دیا ہے، ان کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے اس کے کھانے سے کیوں منع فرمایا؟ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ آپ نے گدھوں کے گوشت کے کھانے سے اس لیے منع فرمایا تا کہ گدھوں کو بار برداری اور سواری کے کام میں لایا جاتا رہے اور آپ گدھوں کے گوشت کو حرام نہیں قرار دینا چاہتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں وہ حدیث مروی ہے جس کو عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانے سے خیبر کے دن صرف اس لیے منع فرمایا کہ یہ پالتو گدھے بوجھ لادنے اور سواریوں کے کام آتے ہیں، اور نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانے سے خیبر کے دن منع فرمایا، حالانکہ مسلمانوں کو ان کی ضرورت تھی تو ان کے خلاف دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن مسلمانوں کو گھوڑوں کا گوشت کھلایا اور ان کو پالتو گدھوں کے گوشت کے کھانے سے منع فرما دیا، حالانکہ مسلمانوں کو گدھوں سے زیادہ گھوڑوں کی ضرورت تھی، تو جب آپ نے گھوڑوں کے گوشت کو کھانے سے منع نہیں فرمایا، حالانکہ وہ بھی سواری اور بوجھ لادنے کے کام آتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانے سے جو منع فرمایا ہے، وہ اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ بار برداری اور بوجھ لادنے کے کام میں آتے ہیں اور حرمت کی یہ علت نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے کہا: کہ حرمت کی علت یہ ہے کہ پالتو گدھے نجس چیز کھاتے ہیں، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو آپ صرف دیگچیوں کو پلٹنے کے حکم پر اکتفاء فرماتے اور پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانے سے منع نہ فرماتے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی علت کے پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانے سے منع فرما دیا، کیونکہ مسلم بن مشکم نے حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے بتائیے کہ میرے لیے کیا چیز حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تم پالتو گدھوں کے گوشت کو نہ کھاؤ اور ہر کچلیوں والے درندوں کے گوشت کو نہ کھاؤ۔ اور یہ جو آپ نے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کیا چیز حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے؟، تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے فی نفسہٖ پالتو گدھوں کے گوشت کے کھانے سے منع فرما دیا اور کسی علت اور سبب کی وجہ سے ان کے گوشت کو کھانے سے منع نہیں فرمایا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۵۰۸۔۵۰۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۲۹۔ بَابُ: أَكْلِ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ　　　ہر کچلیوں والے درندے کے کھانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر کچلیوں والے درندے کے کھانے کا کیا حکم ہے؟ اور امام بخاری نے اس حکم کو صراحت سے بیان نہیں کیا، کیونکہ وہ اس حدیث سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اور ناب سے مراد ہے کہ جن دانتوں سے درندے حیوان پر حملہ کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۵، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

بعض علماء نے کہا ہے کہ سامنے کے چار دانتوں کے برابر والے دانت کو ناب کہتے ہیں۔ یہ دونوں جانب ہوتے ہیں، اردو میں ان دانتوں کو کچلی کہتے ہیں، درندے ناب ہی کے ذریعہ چیرتے پھاڑتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے کہ ناب سے مراد وہ ہے جن سے درندے قوت حاصل کرتے ہیں اور دوسروں پر حملہ کرتے ہیں اور شکار کرتے ہیں، مثلاً چیتا، شیر اور اڑنے والے پرندوں میں سے عقاب، اور جو حملہ کر کے چیرتے پھاڑتے نہیں ہیں جیسے بجو اور لومڑی تو وہ ذو ناب نہیں ہیں۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۸۲۰، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۶۷۷، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

۵۵۳۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنْ أَكْلِ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ تَابَعَهُ يُونُسُ وَمَعْمَرٌ وَابْنُ عُيَيْنَةَ وَالْمَاجِشُونُ عَنِ الزُّهْرِيِّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از ابی ادریس الخولانی از حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر کچلیوں والے درندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اس حدیث میں امام مالک کی متابعت یونس اور معمر اور ابن عیینہ اور الماجشون نے از الزہری کی۔

(صحیح مسلم: ۱۹۳۲، ۱۹۳۶، سنن ترمذی: ۱۴۷۷، سنن نسائی: ۴۳۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۸۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۲۳۲، مسند احمد: ۱۷۲۸۴، ۱۷۲۹۳، موطا امام مالک: ۱۰۷۵، سنن دارمی: ۱۹۸۰)

صحیح البخاری: ۵۵۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوادریس کا ذکر ہے، اور وہ عائذ اللہ الخولانی ہیں۔

کچلیوں والے جانوروں کا بیان

فقہاء کا اس حدیث کی تاویل میں اختلاف ہے، پس فقہاء کوفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس حدیث میں کچلیوں والے

درندوں کو کھانے کی ممانعت تحریم کے لیے ہے، اور کچلیوں والے درندے اور ناخنوں سے شکار کرنے والے پرندوں کا گوشت نہیں کھایا جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تحریم سے بجو اور لومڑی کو مستثنیٰ کرلیا ہے، کیونکہ ان کی کچلیاں کمزور ہوتی ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ تعلیل حدیث کی نصِ صریح کے مقابلہ میں ہے، اس لیے فاسد ہے۔ اور علامہ ابن القصار مالکی نے کہا ہے کہ امام مالک کے نزدیک یہ ممانعت کراہت پر محمول ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے بجو کو کھانے کی اجازت دی ہے۔ اس حدیث کی امام حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور بجو کی بھی کچلیاں ہوتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلیوں والے درندے کی تحریم سے کراہت کا ارادہ کیا ہے۔

اور اس باب میں خلاصہ یہ ہے کہ عطاء بن ابی رباح، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق نے بجو کے کھانے کو مباح قرار دیا ہے اور ظاہر یہ یعنی غیر مقلدین کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور الحسن البصری، سعید بن المسیب، الاوزاعی، ثوری، عبداللہ بن المبارک، امام یوسف اور امام محمد نے کہا ہے کہ بجو کو نہیں کھایا جائے گا۔ اور ان کی دلیل یہ حدیث مذکور ہے، کیونکہ یہ حدیث اپنے عموم کے اعتبار سے ہر کچلیوں والے جانور کو شامل ہے اور بجو بھی کچلیوں والا ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مشہور نہیں ہے، جس میں بجو کو کھانے کی اجازت کا ذکر ہے اور یہ حدیث مُحلّل ہے اور جس حدیث میں ہر کچلیوں والے درندے کے کھانے کو حرام قرار دیا ہے، وہ مُحرِّم ہے۔ اور احکام میں حدیث مُحرِّم جو ہے وہ حدیث مُبیح پر راجح ہوتی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت جابر کی حدیث منسوخ ہے، اس لیے کہا جائے گا کہ حضرت جابر کی حدیث مقدم ہے اور حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث موخر ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی روایت میں عبدالرحمٰن بن ابی عمار منفرد ہیں اور وہ اہلِ علم کے نزدیک مشہور نہیں ہیں اور نہ حجت ہیں، تو جب وہ منفرد ہوں تو ان کی روایت کا اعتبار کس طرح ہوگا جب کہ ان کی روایت اس سے زیادہ قوی حدیث کے مخالف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۵-۱۹۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن کی شرح کا بعض حصہ علامہ عینی نے نقل کردیا ہے جس کو ہم لکھ چکے ہیں، اور جس کو علامہ عینی نے نقل نہیں کیا، اس کو ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔

صحیح البخاری: ۵۵۳۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کچلیوں والے درندوں کی تحریم میں مذاہب فقہاء

اس میں اختلاف ہے کہ تمام کچلیوں والے درندے حرام ہیں، یا ان میں سے بعض حرام ہیں۔

پس امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ جو کچلیوں والے درندے لوگوں پر حملہ کرتے ہیں اور چیرتے پھاڑتے ہیں جیسے شیر، بھیڑیا، چیتا یا تیندوا اور حملہ کرنے والا کتا اور ان کے مشابہ جانور، جن کی طبیعت میں غالب حملہ کرنا ہوتا ہے۔ اور جن کی طبیعت میں حملہ کرنا نہیں ہے، وہ اس حدیث کی ممانعت میں داخل نہیں ہیں۔ پس ان کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بجو کا کھانا مباح ہے، حالانکہ وہ درندہ ہے۔ اور ابن حبیب مالکی نے بھی اسی طرح کہا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ جو درندے عادتاً حملہ کرتے ہیں، ان کی کھالوں کو اگر پاک کرلیا جائے تو نہ ان کو فروخت کیا جائے گا اور نہ ان پر نماز پڑھی جائے گی اور

نہ ان کو پہنا جائے گا، ان کے علاوہ دوسرے مقاصد میں ان کو استعمال کرنا جائز ہے۔ اور جو درندے حملہ نہیں کرتے، تو جب ان کو ذبح کر لیا جائے تو ان کی کھالوں کو بیچنا اور ان کا پہننا اور ان کا نماز پڑھنا جائز ہے۔ (المنتقی ج ۳ ص ۱۳۶)

اور فقہاءِ احناف کے نزدیک اس حدیث میں ممانعت بر سبیل عموم ہے، ان کے نزدیک کسی بھی وحشی درندے کو کھانا جائز نہیں ہے، اور نہ وحشی بلی کو کھانا جائز ہے اور نہ پالتو بلی کو کھانا جائز ہے، کیونکہ وہ درندہ ہے اور نہ بجو کو کھانا جائز ہے اور نہ لومڑی کو کھانا جائز ہے، کیونکہ حدیث میں بر سبیل عموم فرمایا ہے کہ ہر کچلیوں والا درندہ حرام ہے۔ پس جس پر بھی درندے کا اطلاق ہوگا، وہ اس ممانعت میں داخل ہوگا۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ بجو کی حدیث اس کے معارض نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کی روایت میں عبدالرحمن بن ابی عمار حضرت جابر سے منفرد ہیں اور مشہور نہیں ہیں، اس لیے ان کی نقل حجت نہیں ہے۔

اور سعید بن المسیب نے کہا ہے کہ بجو کو کھانا جائز نہیں ہے، (مصنف عبدالرزاق: ۱۵۱۴) اور یہی اللیث کا قول ہے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۳ ص ۱۹۳) اور ابن شہاب نے کہا کہ لومڑی بھی درندہ ہے لیکن اس کو کھایا نہیں جائے گا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۷۴۱)

امام مالک ہر حملہ کرنے والے درندے کو اور جو حملہ نہ کرے، اس کو مکروہ کہتے تھے اور حرام نہیں کہتے تھے۔

(عیون المجالس ج ۲ ص ۹۷۹)

بعض جنگلی جانوروں کو کھانے کا بیان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بجو کے کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور اس کو شکار قرار دیتے تھے اور حضرت علی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ اور عکرمہ نے کہا کہ میں نے بجو کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دسترخوان پر دیکھا اور اسی طرح عطاء نے کہا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۸۶۸۱، ۸۶۸۵، ۸۷۴۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۴۲۸۰، ۲۴۲۸۳)

اور امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ (مجموع شرح المہذب، ج ۵ ص ۱۱، المغنی ج ۱۳ ص ۳۴۱۔ ۳۴۲)

اور طاؤس اور قتادہ نے لومڑی کو کھانے کی اجازت دی ہے، ان کا اس سے استدلال ہے کہ یہ ایذاء پہنچاتی ہے اور ہر وہ جو ایذاء پہنچائے، وہ شکار ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۷۴۲، ۸۷۴۳)

اور رہی گوہ، تو اس کے کھانے کا جواز شارع علیہ السلام سے ثابت ہے، جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

(صحیح البخاری: ۵۵۳۶، ۵۵۳۷)

اور ابو یوسف نے کہا کہ الوَبَر کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، (الوبر سے مراد بلی کے برابر جنگلی جانور ہے) انہوں نے کہا: وہ میرے نزدیک خرگوش کی مثل ہے، کیونکہ وہ سبزیاں اور گھاس کھاتا ہے۔ (الجوہرۃ النیرہ ج ۲ ص ۱۸۵) اور طاؤس اور عطاء نے بھی اس کے کھانے کی اجازت دی ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۳۴۷) اور عروہ اور عطاء نے الیربوع کے کھانے کی اجازت دی ہے۔ (الیربوع کا معنی ہے: جنگلی چوہے کی طرح ایک جانور)۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۶۸۹، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۹۸۸۰، ۱۹۸۷۷) اور حسن بصری نے ہاتھی کے کھانے کو مکروہ قرار دیا ہے، کیونکہ وہ بھی کچلیوں والا جانور ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۷۸۰) اور اشعب مالکی نے ہاتھی کو کھانے کی اجازت دی ہے۔ (التمہید ج ۱ ص ۱۵۴)

چیرنے پھاڑنے والے پرندوں کا بیان

چیرنے پھاڑنے والے پرندوں کے متعلق بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔

ابن وہب مالکی نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ میں نے اہلِ علم میں سے کسی سے نہیں سنا، خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید ہوں کہ ہماری سرزمین میں سے ہر پنجوں سے شکار کرنے والے پرندوں کو کھانے سے منع کیا گیا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا ہے کہ ان کا گوشت نہیں کھایا جائے گا۔ (مختصر اختلاف العلماء، ج ۳ ص ۱۹۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلیوں والے درندوں اور پنجوں اور ناخنوں سے شکار کرنے والے پرندوں کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۹۳۴، کتاب الصید والذبائح، باب تحریم اکل کل ذی ناب من السباع)

اور امام مالک کے اصحاب نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

اور عمرو بن دینار نے از ابوشعثاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ اہل جاہلیت کچھ چیزوں کو کھاتے تھے اور کچھ چیزوں کو گھن آنے کی وجہ سے ترک کر دیتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ان پر اپنی کتاب نازل فرمائی اور اپنے حلال کو حلال قرار دیا اور اپنے حرام کو حرام قرار فرمایا اور جس سے اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا، وہ معاف ہے۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تلاوت کی:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (الانعام)

آپ کہیے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے والے پر ان چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا، وہ مردار ہو یا بہا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ نجس ہے یا بہ طور نافرمانی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، سو جو شخص مجبور ہو اور نہ وہ سرکشی کرنے والا ہو نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو بے شک آپ کا رب، بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

(سنن ابوداؤد: ۳۸۰۰)

اگر اس حدیث کی ممانعت صحیح ہو، تو ہو سکتا ہے کہ آپ نے ان کو کھانے سے منع کیا ہو، کیوں کہ نفس کو ان سے گھن آتی ہے، کیونکہ یہ پرندے عموماً نجس چیزوں کو کھاتے ہیں۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۵۱۴-۵۱۷، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۳۰- بَابٌ: جُلُوْدِ الْمَیْتَةِ

مردار جانور کی کھالوں کا بیان

اس باب میں رنگنے سے پہلے مردار جانور کی کھالوں کا بیان کیا گیا ہے۔

۵۵۳۱- حَدَّثَنَا زُهَیْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا یَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنْ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنِی ابْنُ شِهَابٍ اَنَّ عُبَیْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ اَخْبَرَهٗ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں زہیر بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد

نے حدیث بیان کی از صالح، انہوں نے کہا: مجھے ابن شہاب نے حدیث بیان کی کہ عبید اللہ بن عبد اللہ نے ان کو خبر دی کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مردار بکری کے پاس سے گزرے، تو آپ نے فرمایا: تم نے اس کی کھال سے نفع کیوں نہیں اٹھایا، لوگوں نے کہا: کہ یہ مردار ہے، آپ نے فرمایا: اس کا صرف کھانا حرام ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۹۲، ۲۲۲۱، ۵۵۳۱، ۵۵۳۲، صحیح مسلم: ۳۶۳، سنن نسائی: ۴۲۳۵، سنن ابوداؤد: ۴۱۲۰، سنن ابن ماجہ: ۳۶۱۰، مسند احمد: ۲۳۶۵، موطا امام مالک: ۱۰۷۸، سنن دارمی: ۱۹۸۸)

صحیح البخاری: ۵۵۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے معنی سے اس حدیث کی مطابقت سمجھ میں آتی ہے اور اس کا حکم بھی معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مردار کی کھال کو کھانا تو منع ہے، لیکن رنگنے کے بعد اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں زہیر کا ذکر ہے، جو زہر کی تصغیر ہے، ان کا نام زہیر بن حرب ہے اور حرب، صلح کی ضد ہے۔ اور یعقوب بن ابراہیم کا ذکر ہے، جو اپنے والد ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن مضی عبد الرحمٰن بن عوف سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث میں صالح کا ذکر ہے، وہ ابن کیسان ہیں۔ اور اس حدیث میں ابن شہاب کا ذکر ہے، وہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔ اور عبید اللہ کا ذکر ہے، وہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود ہیں، جو سات فقہاء میں سے ایک ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں اھاب کا ذکر ہے، "اھاب" اس کھال کو کہتے ہیں جس کو رنگا نہ گیا ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ رنگی ہوئی کھال کا نام ہے، اس کی جمع اھب آتی ہے (اس میں الف اور ہا پر زبر بھی ہے اور الف اور ہا پر پیش بھی ہے)۔

اس حدیث سے جمہور فقہاء اور ائمہ فتویٰ نے یہ استدلال کیا ہے کہ رنگنے کے بعد مردار کی کھال سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔

اور ابن القصار مالکی نے ذکر کیا ہے کہ امام مالک کا یہی آخری قول ہے، اور یہی امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا قول ہے۔

ابن شہاب سے روایت ہے کہ انہوں نے رنگنے سے پہلے بھی مردار کی کھال سے نفع کے حصول کو جائز کہا ہے، باوجود اس کے کہ وہ نجس ہے۔ رہے امام احمد بن حنبل تو انہوں نے کہا ہے کہ مردار کی کھال حرام ہے اور رنگنے سے پہلے اور رنگنے کے بعد اس سے نفع حاصل کرنا بھی حرام ہے۔ اور ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

عبداللہ بن عکیم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے پہلے آپ کا مکتوب آیا، اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ تم مردار کی کھال اور اس کے پٹھوں سے نفع حاصل نہ کرو۔ اس حدیث کی امام شافعی، امام احمد، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ اور امام شافعی، امام احمد اور امام ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے ایک ماہ پہلے یہ مکتوب آیا۔

امام ترمذی نے کہا: امام احمد کا مذہب اس حدیث کے مطابق ہے، اور وہ کہتے تھے کہ یہ آخر الامر ہے، پھر انہوں نے اس حدیث کو ترک کر دیا، کیونکہ اس کی سند میں اضطراب ہے۔ اور امام ابن حبان نے ان پر رد کیا ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اضطراب ہے۔ انہوں نے کہا: ابن عکیم نے اس مکتوب کو سنا اور پڑھا اور ان کے مشائخ جھینہ نے، اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، سو اس میں کوئی اضطراب نہیں ہے۔ اور بعض علماء نے کہا کہ یہ حدیث منقطع ہے اور ان کا یہ قول مردود ہے۔ اور بعض نے کہا: ابن ابی لیلیٰ نے اس حدیث کو ابن عکیم سے روایت کیا ہے اور انہوں نے اس حدیث کا ابن عکیم سے سماع نہیں کیا۔

اور صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس باب میں جو حدیث ہے، یہ صحاح کی حدیث ہے اور اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، اور ابن عکیم کی روایت مکتوب ہے۔ اور کتابت سماع کے مقابلہ کی حدیث نہیں ہے، جب کہ اس میں انقطاع کا شبہ بھی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: کہ اس حدیث کی علت خفیہ قادحہ یہ ہے کہ ابن عکیم کے صحابی ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ امام بیہقی اور دوسروں نے کہا ہے کہ وہ صحابی نہیں ہیں، ان کی روایت مرسل ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ ابوجعفر طبری نے تھذیب الآثار میں جابر زمعہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مردار کی کسی چیز سے فائدہ حاصل نہ کرو، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردار کی کھال سے نفع کے حصول کو منع فرمایا اور امام ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درندوں کی کھالوں کو بچھانے سے منع فرمایا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہوں گا کہ جابر زمعہ کی حدیث میں ایسے راوی ہیں، جن کی نقل پر اعتماد نہیں ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں مجہول راوی ہیں جو غیر معروف ہیں اور درندوں کی کھالوں سے نفع کی ممانعت کے متعلق جو حدیث ہے، وہ اس پر محمول ہے جو رنگنے سے پہلے ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۶۔۱۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۳۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مردار کی کھال کو رنگنے کے بعد اس کے پاک ہونے کے متعلق احادیث اور آثار

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ جب مردار کی کھال کو رنگ لیا جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔

(صحیح مسلم: ۳۶۶، کتاب الحیض، باب طہارۃ جلود المیتۃ بالدباغ)

امام مالک اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مردار کی کھال کو رنگنے کے بعد اس سے فائدہ حاصل کیا جائے۔ (موطا امام مالک ص ۴۰۸، ۳ سنن ابوداؤد: ۴۱۲۴، سنن نسائی: ج ۷ ص ۱۷۶، مسند احمد: ج ۶ ص ۷۳)

ابن جریج و عمرو بن دینار از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک صدقہ کی مردہ بکری کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: تم نے کیوں نہ اس کی کھال کو اتار کر اس کو رنگا، پھر تم اس سے نفع حاصل کرتے؟

ابن جریج کی روایت کو امام احمد نے بیان کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۷)

اور عمرو بن دینار کی روایت کو امام مسلم نے درج کیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۳۶۳)

اعمش نے از ابراہیم از اسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردار کی کھال کی طہارت اس کو رنگنے سے حاصل ہوتی ہے۔

(سنن نسائی ج ۷ ص ۱۷۴، امام نسائی نے یہ حدیث از شریک از اسرائیل از اعمش روایت کی ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کھال کو رنگنا اس کی طہارت ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۴۲، صحیح مسلم: ۳۶۶، کتاب الحیض، باب طہارۃ جلود المیتۃ)

رہا فقہاء کا یہ کہنا کہ درندوں کی کھال رنگنے سے پاک نہیں ہوتی، سو یہ ممنوع ہے بلکہ درندوں کی کھال بھی رنگنے سے پاک ہوتی ہے، سوائے خنزیر کی کھال کے۔ علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک کتے کی کھال بھی رنگنے سے پاک نہیں ہوتی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۵۲۵ ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۵۳۲۔ حَدَّثَنَا خَطَّابُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حِمْيَرَ عَنْ ثَابِتِ بْنِ عَجْلَانَ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما يَقُولُ مَرَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِعَنْزٍ مَيِّتَةٍ فَقَالَ مَا عَلَى أَهْلِهَا لَوِ انْتَفَعُوا بِإِهَابِهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خطاب بن عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن حمیر نے حدیث بیان کی از ثابت بن عجلان، انہوں نے کہا: میں نے سعید بن جبیر سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مردہ بکری کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: اس بکری کے مالکوں کو کیا ہوا، اگر وہ اس کی کھال سے نفع حاصل کرتے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۹۲، ۲۲۲۱، ۵۵۳۱، ۵۵۳۲، صحیح مسلم: ۳۶۳، سنن نسائی: ۴۲۳۵، سنن ابوداؤد: ۴۱۲۰، سنن ابن ماجہ: ۳۶۱۰، مسند احمد: ۲۳۶۵، موطا امام مالک: ۱۰۷۸، سنن دارمی: ۱۹۸۸)

صحیح البخاری: ۵۵۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں خطاب کا ذکر ہے، یہ الفوزی ہیں اور اس میں فوز کی طرف نسبت ہے، یہ حمص کی بستیوں میں سے ایک

بستی ہے۔اور اس حدیث کی سند میں محمد بن حِمیَر کا ذکر ہے، (حمیر میں حاء کے نیچے زیر ہے، میم ساکن ہے اور یاء پر زبر ہے اور اس کا آخری حرف راء ہے)۔الغسانی نے کہا ہے کہ بخاری کے بعض نسخوں میں یہ لفظ حُمَیر لکھا ہوا ہے۔(یعنی حاء پر پیش اور میم پر زبر) اور یہ غلط ہے۔بعض شارحین نے کہا: اس لفظ کو تصغیر سے لکھنا غلط ہے اور انہوں نے یہ غسانی سے اخذ کیا ہے اور اس کو اس طرح لکھا ہے کہ کوئی یہ سمجھے کہ یہ ان کی عبارت ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں ثابت کا ذکر ہے، یہ ابن عجلان ابوعبداللہ الانصاری التابعی ہیں۔یہ تینوں راوی شامی اور حمصی ہیں۔ اور صحیح بخاری میں اس حدیث کے سوا ان تینوں کی روایت نہیں ہے، سوائے محمد بن حِمیَر کے، ان کی حدیث ھجرۃ الی المدینۃ کے باب میں گزر چکی ہے۔

مذکورہ تین حمصی راویوں پر جرح اور اس کا جواب حافظ ابن حجر کی طرف سے

اگر تم یہ سوال کرو کہ ان تین راویوں پر کلام کیا گیا ہے، پس امام بخاری نے ان کی روایت کو اپنی صحیح میں کیوں درج کیا؟ رہا خطاب، تو امام الدارقطنی نے کہا ہے کہ یہ بسا اوقات خطا کرتا ہے اور رہا محمد بن حمیر تو ان کے متعلق امام ابوحاتم نے کہا ہے کہ ان کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا اور رہا ثابت، تو امام احمد نے کہا: میں ان میں توقف کرتا ہوں اور العُقیلی نے کہا کہ ان کی حدیث کی متابعت نہیں کی جاتی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس اعتراض کے جواب میں کہا ہے: ان تینوں کی روایت متابعات میں سے ہے اور اصول میں سے نہیں ہے۔اور اصول کے راوی وہ ہیں جن کا اس سے پہلے ذکر ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۵۹، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۶۷۹، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ جواب کافی نہیں ہے، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ رہا خطاب، تو ان کو ابدال میں سے شمار کیا جاتا ہے، اور امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔اور امام دارقطنی نے بھی ان کی توثیق کی ہے باوجود اس کے کہ انہوں نے کہا کہ وہ بھی خطا بھی کرتے ہیں۔اور رہے محمد بن حمیر، تو یحییٰ اور دحیم سے مروی ہے کہ یہ ثقہ ہیں۔اور امام نسائی نے کہا: ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور رہے ثابت تو امام ابوحاتم نے ان کے متعلق کہا ہے کہ وہ صالح الحدیث ہیں۔اور عقیلی نے جب ان کا الضعفاء میں ذکر کیا تو اس پر ابن القطان نے انکار کیا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''عنز'' کا ذکر ہے، (اس میں عین پر زبر ہے اور نون ساکن ہے اور آخر میں زاء ہے)۔حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ ابن الملقن نے کہا کہ یہ لفظ المعز کا واحد ہے۔علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ صحیح نہیں ہے، صحیح وہ ہے جو الجوہری نے کہا ہے کہ العَنز، المعز کی مؤنث ہے۔اور اسی طرح ہرن اور پہاڑی بکرے کی مؤنث بھی عنز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۱۔ بَابُ: الْمِسْكِ — مشک کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مشک کا ذکر کیا جائے گا۔

''المسك'' میں میم کے نیچے زیر ہے اور یہ ہر ایک کے نزدیک معروف ہے۔ اور یہ فارسی کا لفظ ہے جس کو عربی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس باب کو کتاب الصید میں ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مشک ہرن کا فضلہ ہے۔ اور ہرن ان جانوروں میں سے ہے جن کا شکار کیا جاتا ہے۔ الجاحظ نے کہا ہے: مسک ایک چھوٹا سا جانور ہے جو چین میں پایا جاتا ہے، اور اس کی ناف کی وجہ سے اس کا شکار کیا جاتا ہے۔ اور مشک کو ہرن کی ناف سے نکالا جاتا ہے اور اس کا سال میں کوئی وقتِ معین ہے، جب اس کی ناف کے اندر خون جمع ہوتا ہے اور وہ خوشبودار ہوتا ہے۔

علامہ نووی کہتے ہیں: اس پر اجماع ہے کہ مشک طاہر ہے۔ اور اس کا بدن اور کپڑوں میں استعمال کرنا جائز ہے اور اس کو فروخت کرنا بھی جائز ہے۔ جب ہرن کی ناف کی جگہ پر ورم آجائے تو اس سے مشک جمے ہوئے خون کی صورت میں گر جاتی ہے۔

اور مسلمانوں کا مشک کی طہارت پر اجماع ہے، سوائے اس کے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی کراہت منقول ہے۔ اسی طرح علامہ ابن المنذر نے بھی ایک جماعت سے نقل کیا ہے اور ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ مشک مردوں اور عورتوں کے لیے حلال ہے۔

علامہ ابن الملقن نے التوضیح میں کہا ہے کہ حافظ ابن المنذر نے کہا ہے کہ جنہوں نے مشک سے انتفاع کو جائز کہا ہے، وہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن عمر، حضرت انس اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور تابعین میں سے سعید بن المسیب، ابن سیرین، جابر بن زید اور فقہاء میں سے امام مالک، اللیث، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ ہیں۔ اور دوسروں نے اس کی مخالفت کی ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مشک کو مکروہ فرماتے تھے، اور فرمایا: مجھے مشک کی خوشبو نہ لگانا۔ اور عمر بن عبدالعزیز، عطاء، حسن، مجاہد اور ضحاک نے بھی اس کو مکروہ کہا۔

اور ان میں سے اکثر نے کہا کہ مشک نہ زندہ کے مناسب ہے اور نہ مردہ کے، اور ان کے نزدیک مشک اس طرح ہے جیسے مردے سے کوئی چیز کاٹ لی گئی ہو۔

اور امام ابوداؤد نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری سب سے پاکیزہ خوشبو مشک ہے اور یہ نص صریح ہے جو اس خلاف کی قاطع ہے۔

اور علامہ ابن المنذر نے کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سند جید کے ساتھ روایت کی ہے کہ آپ کے پاس مشک تھی اور آپ اس کی خوشبو لگاتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۸۔۱۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۳۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا — امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے

عُمَارَةُ بْنُ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا مِنْ مَكْلُومٍ يُكْلَمُ فِي اللهِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَكَلْمُهُ يَدْمَى، اللَّوْنُ لَوْنُ دَمٍ، وَالرِّيحُ رِيحُ مِسْكٍ۔

حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمارہ بن القعقاع نے حدیث بیان کی از ابی زرعہ بن عمرو بن جریر از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ شخص جو اللہ کی راہ میں زخمی ہو، وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوگا۔ اس کا رنگ خون کا رنگ ہوگا اور اس کی خوشبو مشک کی خوشبو ہوگی۔

(صحیح البخاری: ۲۳۷، ۲۸۰۳، ۵۵۳۳، صحیح مسلم: ۱۸۷۶، سنن ترمذی: ۱۶۵۶، سنن نسائی: ۳۱۴۷، مسند احمد: ۷۲۲۳، موطا امام مالک: ۱۰۰۱)

صحیح البخاری: ۵۵۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالواحد کا ذکر ہے، یہ ابن زیاد البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عمارہ بن القعقاع کا ذکر ہے، اس میں دو قاف ہیں اور عین ساکن ہے۔ اور ابوزُرعہ میں زاء پر پیش ہے اور راء ساکن ہے۔ ان کا نام ھرم بن عمرو بن جریر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں یکلم کا لفظ ہے، یہ مجہول کا صیغہ ہے، یہ کلم سے ماخوذ ہے، کاف پر زبر ہے، اس کا معنی زخم ہے۔
اس حدیث میں فرمایا ہے کہ شہید کے جسم سے جو خون نکلتا ہے، قیامت کے دن اس خون کا رنگ تو خون کی طرح ہوگا لیکن اس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی، اور اس میں بہت بلیغ تشبیہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۹۸۔ ۲۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۳۳، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مشک کی تعریف

مشک کی تعریف یہ ہے کہ ہرنوں کی ایک قسم ہے جس کی ناف کے نیچے خون بندھا ہوا ہوتا ہے، پھر ہرن کے اچھلنے کودنے سے وہ خون ناف سے نکلتا ہے، پھر اس کو کس کر باندھ دیا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ خون سوکھ جاتا ہے، پس جب وہ خون سوکھ جائے تو اس کی ناف سے جھڑ جاتا ہے، پھر ہرن کے نافہ میں وہ مشک ہوتی ہے جو سب سے عمدہ خوشبو ہے۔ اور قاعدہ معروفہ یہ ہے کہ زندہ سے جو چیز کٹ کر الگ ہو جائے، وہ مردہ کی مثل ہے سوائے مشک اور اس کے ناف کے، پس نافہ مشک کے ہرن کے پیٹ میں ظرف ہوتا ہے۔

جنگ میں مارے جانے والے شخص کے متعلق وثوق سے کہنا کہ یہ شہید ہے، جائز نہیں ہے

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوتا ہے، کیونکہ ہر وہ

شخص جو جہاد کی صف میں قتل ہو جائے اس کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ شہید ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید کے علم کو اللہ کی طرف مفوض کر دیا، اس لیے یوں نہیں کہنا چاہیے کہ فلاں شخص شہید ہے، یعنی وہ جنت میں حاضر ہو گیا، اور کسی انسان کے لیے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کے جنتی ہونے کی شہادت دے، سوا اس کے کہ جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی شہادت دی ہے، اس لیے آپ کے لیے یہ جائز ہے کہ امید ہے کہ فلاں شخص شہید ہو گا لیکن یقین اور وثوق سے کہنا کہ فلاں شخص شہید ہے، تو یہ حرام ہے۔ اور صرف اسی کے متعلق شہید کہنا جائز ہے جس کے شہید ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۵۹، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۵۳۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالسَّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيرِ فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً وَنَافِخُ الْكِيرِ إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از برید از ابی بردہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک ہمنشیں اور برے ہمنشیں کی مثال ایسے ہے جیسا کہ مشک اٹھانے والا ہو اور بھٹی کو دھونکنے والا ہو۔ مشک والا یا تو تمہیں بہ طور تحفہ مشک دے گا یا تم اس سے مشک خرید سکو گے یا تم اس سے عمدہ خوشبو حاصل کرو گے، اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلائے گا یا تم کو اس سے ناگوار بدبو آئے گی۔

(صحیح البخاری: ۲۱۰۱، ۵۵۳۴، صحیح مسلم: ۲۶۲۸، سنن ابوداؤد: ۴۸۲۹، مسند احمد: ۷ ۱۹۱۲)

صحیح البخاری: ۵۵۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابواسامہ کا ذکر ہے، وہ حماد بن اسامہ ہیں اور اس میں بُرید کا ذکر ہے جو برد کی تصغیر ہے۔ یہ عبداللہ بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ اشعری کے بیٹے ہیں اور ابو بردہ کا نام عامر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام حارث ہے۔ اور حضرت ابوموسیٰ کا نام عبداللہ بن قیس ہے۔ اور برید بن عبداللہ کی کنیت ابو بُردہ ہے۔ وہ اپنے دادا ابو بردہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابوموسیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں یحذیك کا لفظ ہے جو کہ احذاء سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے عطا کرنا۔ جب کوئی شخص کسی کو کوئی چیز بہ طور تحفہ دے تو کہا جاتا ہے: "احذیت الرجل"۔

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ اس میں مشک کی مدح کی گئی ہے جو اس کی طہارت کو مستلزم ہے۔اور صحابہ کی مدح ہے، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم نشین تھے حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ صحابی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمنشینی سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہیں ہے۔اسی وجہ سے ان کا نام صحابہ ہے، حالانکہ وہ علماء بھی ہوتے ہیں، کرماء بھی ہوتے ہیں، اشجعین بھی ہوتے ہیں اور ان میں بہت فضائل ہوتے ہیں، لیکن ان کی سب سے بڑی فضیلت ان کا صحابی ہونا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۳۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مشک کی طہارت پر دلائل

امام بخاری نے اس باب میں مشک کو داخل کیا ہے، تا کہ اس پر دلیل قائم ہو کہ مشک حلال ہے، کیونکہ فی نفسہ مشک خون ہے اور خون حرام ہے۔اور خون کی بد بو نا گوار ہوتی ہے اور چونکہ مشک کی خوشبو خوشگوار ہوتی ہے تو اس کا حال منتقل ہو گیا اور یہ اس طرح ہے جس طرح خمر سرکہ ڈالنے سے حلال ہو جاتی ہے، پس پہلے خمر حرام تھی اور سرکہ ڈالنے سے حلال ہو گئی۔

اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی مشک کی طہارت کے اوپر دلیل ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشک کو اٹھانے والا، اور نجاست کو اٹھانا جائز نہیں ہے اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نجاست کو اٹھانے کا حکم دیتے ہیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشک کو اٹھانے والے کی جو تحسین کی ہے تو یہ مشک کی طہارت کی دلیل ہے اور تمام علماء کا یہی موقف ہے۔

مشک کی طہارت کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن عمر، حضرت انس اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم نے مشک سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے اور تابعین میں سے سعید بن المسیب، ابن سیرین اور جابر بن زید نے مشک سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے، اور فقہاء میں سے امام مالک، امام احمد، امام شافعی، اللیث، اسحاق اور جابر بن زید نے مشک سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے۔

اور دوسرے علماء نے اس کی مخالفت کی ہے، امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ مشک کے استعمال کو مکروہ کہتے تھے اور انہوں نے کہا کہ مجھے مشک کی خوشبو نہ لگانا۔اور عمر بن عبد العزیز، عطاء، حسن، مجاہد اور ضحاک نے بھی مشک کے استعمال کو مکروہ قرار دیا ہے، اور ان کے نزدیک مشک ایسی ہے جیسے مردہ سے کسی چیز کو کاٹ لیا جائے۔

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں کہ یہ قیاس صحیح نہیں ہے، کیونکہ زندہ سے جو چیز کاٹی جائے، اس سے خون بہتا ہے، اور مشک کا نافہ اس طرح نہیں ہے، کیونکہ حرکت سے مشک اس طرح جھڑ جاتی ہے جس طرح بال جھڑتے ہیں، اور امام ابوداؤد نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری سب سے پاکیزہ خوشبو مشک ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۱۵۸، صحیح مسلم: ۲۲۵۲)

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں الکیر کا لفظ ہے، کہا گیا ہے: یہ وہ مشک ہے جس میں لوہار پھونک مارتا ہے، یہ چمڑے کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اور حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ بھٹی کی مثل ہے، جو زنگ کو کاٹ دیتی ہے اور پاکیزہ چیز کو خالص کر دیتی ہے۔
(صحیح البخاری: ۱۸۸۳، باب فضائل المدینہ، صحیح مسلم: ۱۳۸۳، کتاب الحج، باب المدینۃ تنفی شرارھا)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا تم مشک والوں سے کچھ مشک خرید لو گے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مشک کی خرید و فروخت جائز ہے اور اس پر اجماع ہے۔ ہاں مشک کو نافہ میں دیکھے بغیر فروخت کرنے میں صحیح قول یہ ہے کہ وہ باطل ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۵۲۹۔۵۳۱، ملخصاً وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۳۴، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک ہمنشیں کی ترغیب دی ہے، اس لیے ہم پر واجب ہے کہ ہم نیک لوگوں کی مجلس اختیار کریں جو اصحاب حکمت ہوں اور اصحاب رائے ہوں۔ اور ان کے دین میں نیکی ہو اور ان کے اخلاق اور ان کے عقل میں نیکی ہو۔

سوال: یہ کتاب الذبائح والصید ہے، تو امام بخاری نے اس میں مشک کا باب کیوں قائم کیا؟

جواب: کیونکہ مشک کو زندہ سے الگ کیا جاتا ہے، اور جو چیز زندہ سے الگ کی جائے، وہ مردار کی مثل ہے، سوائے مشک کے۔
(شرح صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۵۹۔۲۶۰، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۳۴، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الصید میں درج کیا ہے، کیونکہ مشک ہرن کی ناف سے نکالی جاتی ہے اور ہرن ان جانوروں میں سے ہے جن کا شکار کیا جاتا ہے۔ اور مشک طاہر ہے، اس کا بدن میں اور کپڑوں میں استعمال کرنا جائز ہے، اس کی خرید و فروخت کرنا بھی جائز ہے، اس کے باوجود کہ یہ خون ہے، کیونکہ یہ خون متغیر ہو کر مشک بن جاتا ہے، جس طرح خون متغیر ہو کر حیوان میں گوشت بن جاتا ہے، پھر وہ طاہر ہوتا ہے اور اس کا کھانا حلال ہو جاتا ہے۔

اور سنن ابوداؤد میں یہ حدیث ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری سب سے پاکیزہ خوشبو مشک ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک ہمنشیں کو مشک کے فروخت کرنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور برے ہمنشیں کو لوہار کی بھٹی دھونکنے والے کے ساتھ تشبیہ دی ہے، پس خوشبو کو فروخت کرنے والے کے پاس بیٹھو گے تو خوشبو آئے گی اور تمہارا دماغ معطر ہوگا، پھر یا تو وہ تم کو خوشبو ہدیۃً دے دے گا یا تمہیں کچھ خوشبو لگا دے گا، تو تم اس کے ساتھ خوشگواری میں رہو گے۔ اور لوہار کی بھٹی دھونکنے والے کے ساتھ بیٹھو گے تو اس کی چنگاریوں سے تمہارے کپڑوں کے جلنے کا خطرہ ہے اور اس کی ناگوار بو تمہارے دماغ کو متاثر کرے گی اور تم اس کے ساتھ ہمیشہ

خسارے میں رہو گے اور اس کی صحبت غم اور فکر کا موجب ہے، اس لیے آدمی کو چاہیے کہ وہ فساق اور فجار کی ہمنشینی سے احتراز کرے اور صالحین کی ہمنشینی کو تلاش کرے، قرآن مجید میں ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (التوبہ)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور (ہمیشہ) سچوں کے ساتھ رہو O

اس حدیث کا اہم فائدہ یہ ہے کہ مشک طاہر ہے اور کپڑوں اور بدن میں اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر والآلی بشرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۹۸۔۱۹۹، مکتبۃ العصریہ ۱۴۳۲ھ)

۳۲۔ بَابُ: الْأَرْنَبِ — خرگوش کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں خرگوش کے کھانے کا حکم بیان کیا گیا ہے، اور امام بخاری نے خرگوش کے کھانے کا حکم اس باب کے عنوان میں ذکر نہیں کیا اور صرف حدیث کو وارد کرنے پر اکتفاء کر لی، اور ہم اس کا حکم ان شاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔

خرگوش ایک چھوٹا سا جانور ہے، یہ بکرے کے سال سے کم عمر کے بچے کے مشابہ ہوتا ہے، لیکن اس کی ٹانگیں لمبی ہوتی ہیں اور ہاتھ چھوٹے ہوتے ہیں، اور یہ اسم جنس ہے جو مذکر اور مونث دونوں کو شامل ہے، اور خرگوش کی مادہ کو حیض آتا ہے اور یہ آنکھیں کھول کر سوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۳۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ أَنْفَجْنَا أَرْنَبًا وَنَحْنُ بِمَرِّ الظَّهْرَانِ فَسَعَى الْقَوْمُ فَلَغِبُوا فَأَخَذْتُهَا فَجِئْتُ بِهَا إِلَى أَبِي طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا فَبَعَثَ بِوَرِكَيْهَا أَوْ قَالَ بِفَخِذَيْهَا إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَبِلَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ہشام بن زید از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: جس وقت ہم مر الظہران میں تھے تو ہم نے ایک خرگوش کا پیچھا کیا، پس لوگ دوڑے، سو وہ تھک گئے، پس میں نے خرگوش کو پکڑ لیا اور میں اس کو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر آیا، انہوں نے اس کو ذبح کیا اور اس کے دو کولہوں یا دو رانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تو آپ نے ان کو قبول فرما لیا۔

(صحیح البخاری: ۲۵۷۲، ۵۴۸۹، ۵۵۳۵، صحیح مسلم: ۱۹۵۳، سنن ترمذی: ۱۷۸۹، سنن نسائی: ۴۳۱۲، سنن ابن ماجہ: ۳۲۴۳، مسند احمد: ۱۲۳۲۶، سنن دارمی: ۲۰۱۳)

صحیح البخاری: ۵۵۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالولید کا ذکر ہے، یہ ہشام بن عبدالملک ہیں اور ہشام بن زید بن انس کا ذکر ہے جو اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''انفجنا'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: کسی کو برانگیختہ کرنا اور بھڑکانا۔ اور ''نفج الارنب'' کا معنی ہے کہ خرگوش کو بھگایا اور بھڑکایا۔

اور اس حدیث میں ''مرالظهران'' کا ذکر ہے، اور ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ جگہ مکہ سے ایک مرحلہ دور ہے۔

اس حدیث میں ''لغبو'' کا ذکر ہے، یعنی وہ لوگ تھک گئے۔ اور حضرت انس نے کہا: میں نے خرگوش کو پکڑ لیا اور میں اس وقت نوخیز اور قریب بہ بلوغ لڑکا تھا۔

اور اس حدیث میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ حضرت انس کی والدہ کے شوہر ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوطلحہ نے اس کو ذبح کیا ہے، اور الطیالسی کی روایت میں ذکر ہے کہ انہوں نے اس کو دھار والے پتھر سے ذبح کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرمایا'' یعنی ہدیہ کو قبول فرمایا۔ اور کتاب الھبہ میں مذکور ہے کہ

''میں نے پوچھا: کیا آپ نے اس سے کھایا؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! آپ نے اس سے کھایا''۔

خرگوش کے کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

خرگوش کے کھانے کے متعلق اختلاف ہے۔ جمہور فقہاء یہ کہتے ہیں کہ خرگوش کا کھانا جائز ہے۔ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور عکرمہ نے خرگوش کے کھانے کو مکروہ قرار دیا۔ اور علامہ رافعی نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک خرگوش کا کھانا حرام ہے۔ اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ انہوں نے یہ غلط نقل کیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ خرگوش کے کھانے کے جواز میں ہمارا اختلاف نہیں ہے۔ اور علامہ کرخی نے لکھا ہے کہ کسی کے نزدیک بھی خرگوش کے کھانے میں حرج نہیں ہے، کیونکہ نہ تو یہ درندوں میں سے ہے اور نہ ان جانوروں میں سے ہے، جو مردار کھاتے ہیں۔

خرگوش کو کھانے کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار

خرگوش کو کھانے کے جواز کے متعلق متعدد احادیث ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) امام ترمذی نے از الشعبی از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ ان کی قوم کے ایک مرد نے ایک یا دو خرگوشوں کا شکار کیا، پھر ان کو دو چپٹے دھار والے سفید پتھر سے ذبح کر دیا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے۔ آپ نے اس کے متعلق سوال کیا، پھر آپ نے اس کو کھانے کا حکم دیا۔ اس حدیث کی روایت میں امام ترمذی منفرد ہیں۔

(۲) امام ابن ماجہ از الشعبی از محمد بن صیفی روایت کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو خرگوشوں کو لے کر آیا، میں نے ان کو سفید پتلے دھار والے پتھر سے ذبح کیا تھا، تو آپ نے مجھے ان کو کھانے کا حکم دیا۔

(۳) امام ابن ابی شیبہ نے سندِ جید کے ساتھ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، تو ایک دیہاتی نے آپ کو خرگوش پیش کیا، سو ہم نے اس کو کھایا، اس دیہاتی نے کہا: میں نے اس میں (حیض کا) خون دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔

(۴) امام الدارقطنی نے از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے، وہ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خرگوش کا ہدیہ پیش کیا گیا اور میں اس وقت سوئی ہوئی تھی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے اس کے دھڑ کو چھپالیا، پھر جب میں اٹھی تو آپ نے مجھے وہ دھڑ کھلایا، اس حدیث کی سند میں یزید بن عیاض ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔

(۵) امام ابن ابی شیبہ نے از وکیع از ابراہیم روایت کی ہے کہ ایک مرد نے عبداللہ بن عمیر سے خرگوش کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس نے کہا: اس کو حیض آتا ہے، تو انہوں نے کہا: جو ذات اس کے حیض کو جانتی ہے، وہی ذات اس کے طاہر ہونے کو جانتی ہے اور یہ حاملہ جانوروں میں سے ایک حاملہ ہے۔

(۶) از ابن المسیب از سعد، وہ خرگوش کو کھاتے تھے، سعد سے کہا گیا: تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: میں تو خرگوش کو کھاتا ہوں۔

(۷) از سعید بن سعد، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک خرگوش کو دیکھا تو انہوں نے اس کو ذبح کر کے کھالیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۱۔ ۲۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۳۵ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس سے پہلے گزر چکی ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کو اس باب میں وارد کر کے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس پر تنبیہ کی جائے کہ خرگوش کو بھی ذبح کیا جاتا ہے، اور اس حدیث میں دلیل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ خرگوش کو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس لائے تو انہوں نے اس کو ذبح کیا، تو اس سے معلوم ہوا کہ خرگوش کو بھی ذبح کیا جاتا ہے۔ اور اس سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ہر جس جانور کا تزکیہ کیا جائے، اس کو ذبح کیا جاتا ہے، سوا اونٹ کے، اس کو نحر کیا جاتا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۶۱، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۳۔ بَابٌ: الضَّبِّ گوہ کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

گوہ کا تذکرہ اور تعارف

اس باب میں گوہ کے احکام بیان کیے گئے ہیں، یہ ایسا جانور ہے جو الحِرذون یعنی گرگٹ یا نر سوسمار کے مشابہ ہوتا ہے۔ الخ

اس سے بڑا ہوتا ہے۔اس کی کنیت ابوحسل ہے (حاء کے نیچے زیر اور سین پر جزم ہے)۔جو گوہ مونث ہو اس کو' ضبة'' کہتے ہیں اور جو مذکر ہو، اس کو'' ذکران'' کہتے ہیں، کیونکہ جو گوہ مذکر ہو، اس کی دو شرمگاہیں ہوتی ہیں۔ابن خالویہ نے بیان کیا ہے کہ گوہ سات سو سال تک زندہ رہتی ہے، اور وہ پانی نہیں پیتی اور صبح کی ٹھنڈی ہواؤں سے اور سرد ہواؤں سے اس کو کفایت ہوتی ہے۔اور سردیوں میں وہ اپنی بل سے نہیں نکلتی اور چالیس سال کے بعد ایک مرتبہ پیشاب کرتی ہے اور اس کے دانت نہیں گرتے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۳۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ النَّبِيُّ ﷺ الضَّبُّ لَسْتُ آكُلُهُ وَلَا أُحَرِّمُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن دینار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں گوہ کو نہ کھاتا ہوں اور نہ اس کو حرام قرار دیتا ہوں۔

(صحیح مسلم: ۱۹۴۳، سنن ترمذی: ۱۷۹۰، سنن نسائی: ۴۳۱۴، مسند احمد: ۴۵۶۸، موطا امام مالک: ۱۸۰۶، سنن دارمی: ۲۰۱۵)

صحیح البخاری: ۵۵۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں گوہ کا ذکر ہے مگر وہ مبہم ہے، اس سے پتا نہیں چلتا کہ آیا گوہ مباح ہے یا حرام ہے۔اور حدیث سے یہ ابہام زائل ہو گیا، کیونکہ آپ نے فرمایا کہ'' میں گوہ کو حرام نہیں کہتا''۔اس سے معلوم ہوا کہ گوہ کو کھانا مباح ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبد العزیز بن مسلم کا ذکر ہے، یہ المروزی ہیں۔اور امام بخاری ان سے روایت میں منفرد ہیں۔اور یہ حدیث گوہ کو کھانے کی اباحت میں صریح ہے۔اور اس گوہ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ حضرت ام حفید رضی اللہ عنہا نے بطور ہدیہ پیش کیا تھا اور ان کے متعلق دوسرے الفاظ یہ ہیں کہ وہ حفیدہ بنت الحارث ہیں جو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں، اور یہ نجد میں رہتی تھیں اور بنو جعفر کے ایک مرد کے نکاح میں تھیں۔

گوہ کے متعلق بعض روایات میں ہے کہ'' گوہ کو کھاؤ، کیونکہ یہ حلال ہے'' اور بعض روایات میں ہے'' اس کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے'' اور بعض روایات میں ہے'' نہ میں گوہ کو کھاتا ہوں اور نہ میں اس سے منع کرتا ہوں''۔

امام ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی تھے، پھر گھر والے دو بھنی ہوئی گوہ کو لے کر آئے

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوک دیا تو آپ سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا گمان ہے یا رسول اللہ! کہ آپ کو اس سے گھن آرہی ہے، آپ نے فرمایا: ہاں!

اور امام مسلم نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ بنو اسرائیل پر غضب ناک ہوا تو اس نے ان کو مسخ کر کے ایسا جانور بنا دیا جو زمین پر چلتا ہے، سو میں از خود نہیں جانتا کہ شاید یہ گوہ انہیں میں سے ہے، سو نہ میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ میں اس کو کھانے سے منع کرتا ہوں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک اللہ عزوجل گوہ کے ساتھ متعدد لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے اور یہ عام چرواہوں کا طعام ہے اور اگر گوہ میرے پاس ہوتی تو میں اس کو کھاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اس سے گھن آتی تھی۔

اس باب میں متعدد اور مختلف احادیث ہیں جو مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ اور ان میں سے کسی ایک صحیح حدیث میں بھی گوہ کی تحریم کا ذکر نہیں ہے اور زیادہ تر روایات میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھن آنے کی وجہ سے اس کو کھانے سے رک گئے۔

امام طحاوی نے ایک باب قائم کیا ہے، جس کا عنوان ہے ''الضباب'' اور اس میں سب سے پہلے حضرت عبد الرحمٰن بن حسنہ کی اس حدیث کی روایت کی ہے کہ ہم ایسی زمین میں پہنچے جہاں پر گوہ بہت زیادہ تھی، سو ہم کو بھوک لگی تو ہم نے گوہ کو پکایا، ہماری پتیلیاں گوہ کے ساتھ ابل رہی تھیں، اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ ہم نے کہا: یہ ضباب (گوہ) ہیں جن کو ہم نے پایا: تو آپ نے فرمایا: بنی اسرائیل کی ایک امت کو مسخ کر کے زمین کا جانور بنا دیا گیا ہے اور مجھے خوف ہے کہ یہ وہی جانور ہے، اس حدیث کی سند میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ابن حزم ظاہری نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے، مگر یہ متفقہ طور پر منسوخ ہے۔

پھر امام طحاوی نے کہا کہ ایک قوم کا یہ مذہب ہے کہ گوہ کا گوشت حرام ہے، اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام طحاوی نے قوم سے ان لوگوں کا ارادہ کیا ہے: اعمش، زید بن وہب اور ان کے علاوہ دوسرے۔ پھر امام طحاوی نے کہا: اور دوسرے لوگوں نے ان کی مخالفت کی اور انہوں نے کہا کہ گوہ کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ان دوسرے لوگوں سے مراد یہ ہیں: عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ اور غیر مقلدین کا بھی یہی قول ہے۔ پھر امام طحاوی نے کہا: اور ایک قوم نے گوہ کے کھانے کو مکروہ قرار دیا ہے، ان میں سے امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد ہیں۔ پھر امام طحاوی نے کہا: اور ہمارے اصحاب احناف کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کراہت سے مراد کراہتِ تنزیہی ہے کراہتِ تحریمی نہیں ہے، کیونکہ زیادہ تر احادیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ گوہ حرام نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۲۔ ۲۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۳۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

گوہ کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک گوہ کو کھانا مباح ہے۔(المدونہ ج ا ص ۴۲۶، المنتقی ج ۳ ص ۱۳۲، کتاب الام، ج ۲ ص ۲۲۲)

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک گوہ کا کھانا مکروہ ہے۔(المبسوط للسرخسی ج ۱۱ ص ۲۳۲_۲۳۱)

گوہ کے متعلق احادیث اور آثار

امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گوہ کو کھاؤ، کیونکہ یہ حلال ہے۔ یا فرمایا: اس کو کھلاؤ، کیونکہ یہ حلال ہے، یا فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے (ان الفاظ میں راوی کو شک ہے)، لیکن یہ میرا طعام نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۶۷ے، صحیح مسلم: ۱۹۴۴، مسند احمد: ۵۵۴۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ میں گوہ کو کھاتا ہوں اور نہ میں اس سے منع کرتا ہوں۔(صحیح مسلم: ۱۹۴۸، مسند احمد ج ۲ ص ۱۳)

امام ابوداؤد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ گھاس پر رکھ کر دو بھنی ہوئی گوہ لائی گئیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوک دیا، تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا آپ کو گوہ سے گھن آتی ہے؟، آپ نے فرمایا: ہاں!(سنن ابوداؤد: ۳۷۳۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ پر ناراض ہوا، تو ان کو مسخ کر کے زمین پر چلنے والا جانور بنا دیا، پس میں از خود نہیں جانتا کہ یہ گوہ ان میں سے ہو۔ سو نہ میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ اس کو حرام قرار دیتا ہوں، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا، پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ گوہ کے ساتھ متعدد لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے اور یہ عام چرواہوں کا طعام ہے اور اگر گوہ میرے پاس ہوتی تو میں اس کو کھاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اس سے گھن آتی تھی۔(صحیح مسلم: ۱۹۹۱، کتاب الصید والذبائح، باب اباحۃ الضب)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں از خود نہیں جانتا، یا فرمایا: شاید یہ ان میں سے ہو جن کو مسخ کر دیا گیا ہے۔(صحیح مسلم: ۱۹۴۹)

ثابت بن ودیعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لشکر میں تھے، ہم کو گوہ ملیں، ان کو بھونا گیا اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی لے کر اپنے اصحاب کو گنا، پھر آپ نے فرمایا: بنی اسرائیل کی ایک امت کو زمین پر چلنے والے جانوروں کی شکل میں مسخ کر دیا گیا، اور بے شک میں از خود نہیں جانتا کہ شاید یہ گوہ انہی جانوروں میں سے ہے، تو آپ نے گوہ کو نہ کھایا اور نہ اس سے منع فرمایا۔(سنن ابوداؤد: ۳۷۹۵)

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ سے ایک بدبو محسوس کی، پس آپ نے لوگوں کو اس سے کھانے کی اجازت دی اور سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: گوہ میرے نزدیک مرغی سے زیادہ پسندیدہ ہے اور الشعبی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گوہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ حلال ہے، اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن مجھ کو اس سے گھن آتی ہے۔

(یہ تمام آثار مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲۵ میں درج ہیں)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پسند ہے کہ میرے پاس سفید گندم کی سفید روٹی ہوتی جس کے اوپر گھی اور دودھ ہوتا، تو قوم میں سے ایک مرد کھڑا ہوا اور وہ گھی لے کر آیا، تو آپ نے پوچھا: گھی کس چیز میں تھا؟ اس نے کہا: وہ گوہ کے چمڑے کی تھیلی میں تھا، تو آپ نے فرمایا: اس کو اٹھالو۔ (سنن ابوداؤد: ۳۸۱۸، امام ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے)

عبدالرحمن بن شبل بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۷۹۶، علامہ منذری نے مختصر سنن ابوداؤد (ج ۵ ص ۳۱۱) میں کہا ہے: اس حدیث کی سند میں ایک راوی اسماعیل بن عیاش ہے اور دوسرا راوی ضمضم بن زرعہ ہے، اور ان دونوں راویوں پر جرح کی گئی ہے، اور الخطابی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند معتبر نہیں ہے اور امام بیہقی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند ثابت نہیں ہے، اس کی روایت میں اسماعیل بن عیاش منفرد ہے اور وہ حجت نہیں ہے، سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۲۶، معالم السنن للخطابی، ج ۴ ص ۲۳۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! بندر اور خنزیر ان جانوروں میں سے ہیں جن کو مسخ کر دیا گیا؟ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو ہلاک نہیں کیا یا کسی قوم کو عذاب نہیں دیا اور پھر اس کی نسل آگے چلائی ہو اور بندر اور خنزیر تو اس سے پہلے بھی ہوتے تھے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۶۳، کتاب القدر باب بیان ان الآجال والارزاق)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: اس حدیث سے یقینی طور پر معلوم ہوا کہ گوہ کے متعلق یہ خوف کہ یہ ان جانوروں میں سے ہے جو مسخ ہو چکے ہیں، اب یہ خوف اٹھ چکا ہے اور گوہ ان جانوروں میں سے نہیں ہے جن کو اس کی صورت میں مسخ کیا گیا ہے، لہٰذا وہ حلال ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گوہ کو کھایا گیا اور یہ گوہ کے حلال ہونے پر نص صریح ہے اور یہ آخر الناسخ ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فتح مکہ کے بعد اور فتح حنین اور طائف کے بعد جمع نہیں ہوئے اور انہوں نے اس کے بعد غزوۂ تبوک میں جہاد نہیں کیا تھا اور ان کو غزوۂ تبوک میں بھوک بالکل نہیں لگی، پس یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ ابن حسنہ کی خبر صحیح ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس کو مباح قرار دینا صحیح ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۵۳۸۔ ۵۴۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۵۳۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ أَنَّهُ دَخَلَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْتَ مَيْمُونَةَ فَأُتِيَ بِضَبٍّ مَحْنُوذٍ فَأَهْوَى إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِيَدِهِ فَقَالَ بَعْضُ النِّسْوَةِ أَخْبِرُوا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِمَا يُرِيدُ أَنْ يَأْكُلَ فَقَالُوا هُوَ ضَبٌّ يَا رَسُولَ اللهِ فَرَفَعَ يَدَهُ فَقُلْتُ أَحَرَامٌ هُوَ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ لَا وَلَكِنْ لَمْ يَكُنْ بِأَرْضِ قَوْمِي فَأَجِدُنِي أَعَافُهُ قَالَ خَالِدٌ فَاجْتَرَرْتُهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از مالک از ابن شہاب از ابی امامہ بن سہل از حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، از حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوئے، سو آپ کے پاس ایک بھنی ہوئی گوہ لائی گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھانے کا قصد کیا، پس گھر کی بعض خواتین نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دو آپ کس چیز کے کھانے کا ارادہ کر رہے ہیں تو گھر والوں نے بتایا: یارسول اللہ! یہ ضب ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ

فَأَكَلَتْهُ وَرَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَنْظُرُ۔

اٹھالیا، حضرت خالد نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! لیکن یہ میری قوم کی سرزمین میں نہیں ہوتی، سو مجھے اس سے گھن آتی ہے، حضرت خالد نے کہا: پس میں نے گوہ کو گھسیٹا اور اس کو کھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۰۰، ۵۵۳۷، صحیح مسلم: ۱۹۴۶، سنن ابوداؤد: ۳۷۹۴، سنن نسائی: ۴۳۱۶، مسند احمد: ۲۶۷۹، موطا امام مالک: ۱۰۵، سنن داری: ۲۰۱۷)

صحیح البخاری: ۵۵۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں گوہ کا ذکر ہے، اور اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گوہ کو کھایا، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن مسلمہ کا ذکر ہے، اس لفظ میں دونوں میموں پر زبر ہے، یہ القعنبی ہیں۔ اور ابو امامہ کا ذکر ہے، اس میں الف پر پیش ہے، ان کا نام اسعد بن سہل الانصاری ہے۔ ان کے والد حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ صحابی تھے۔

اس حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، سو اس حدیث میں صحابی کی صحابی سے روایت ہے، یہ حدیث کتاب الاطعمہ میں گزر چکی ہے، اس باب میں کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک کوئی چیز نہیں کھاتے تھے جب تک کہ آپ کو بتایا نہ جائے کہ یہ کیا چیز ہے''۔

اس حدیث میں (ام المومنین) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، یہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں۔

اس حدیث میں ''محنوذ'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے بھنی ہوئی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۳۔ ۲۰۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۳۷ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

گوہ کے متعلق احکام

گوہ حلال ہے، اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان اگر کوئی کام نہ کرے تو اسے اس کام کو دوسروں پر حرام نہیں کرنا چاہیے اور اگر کوئی کام کرے تو اس کو دوسروں پر واجب نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ کبھی انسان کوئی کام احتیاطاً کرتا ہے، لیکن اس کو لوگوں پر واجب قرار نہیں دیتا، اور کبھی کوئی کام احتیاطاً نہیں کرتا اور اس کو لوگوں پر حرام قرار نہیں دیتا۔

نیز اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ جب انسان کسی حلال کھانے کو ترک کرے، کیونکہ اس کو اس کھانے سے گھن آتی ہے تو اس کو ملامت نہیں کی جائے گی اور اسی قبیل سے یہ ہے کہ جب پانی یا کسی مشروب میں مکھی گر جائے، تو مشروع یہ ہے کہ اس کو ڈبو کر نکال لیا جائے، پھر اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اس مشروب کو پینا نہیں چاہتا، کیونکہ اس سے اس کو گھن آتی ہے، تو اس شخص کو ملامت نہیں کی جائے گی۔

سوال: کیا ضب (گوہ) کھانے کو ترک کرنا افضل ہے، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہو؟

جواب: نہیں! کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ میں بہ طور عبادت کے اس کو نہیں کھاتا، آپ نے یہ فرمایا: کہ آپ کو اس سے گھن آتی ہے، پس جب کسی انسان کو گوہ کھانے کی خواہش ہو تو سنت یہ ہے کہ وہ گوہ کھائے اور اگر اس کی طبیعت گوہ کھانے سے متنفر ہو تو پھر وہ نہ کھائے۔

سوال: یہ کیسے معلوم ہوا کہ گوہ کا کھانا سنت ہے؟

جواب: اس لیے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بھی ہے اور آپ کا فعل بھی ہے اور آپ کی تقریر بھی ہے۔ اور تقریر کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے سامنے کوئی کام کیا جائے اور آپ اس کو مقرر اور ثابت رکھیں اور اس پر رد نہ فرمائیں اور یہاں پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آپ کے سامنے گوہ کو کھایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ گوہ کا کھانا مباح ہے اور اس کا کھانا سنت ہے اور تم اپنے نفس کو اس چیز سے نہ روکو جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۹۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۴۔ بَابٌ: إِذَا وَقَعَتِ الْفَأْرَةُ فِي السَّمْنِ الْجَامِدِ أَوِ الذَّائِبِ

جب جمے ہوئے یا پگھلے ہوئے گھی میں چوہا گر جائے تو اس کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب چوہا گھی میں گر جائے تو اس کا کیا حکم شرعی ہے؟، اور اس عنوان میں گھی کا لفظ قید احترازی نہیں ہے، اسی طرح اگر وہ تیل میں گر جائے یا شہد میں گر جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ عنوان میں ذکر کیا گیا ہے: جما ہوا گھی یا پگھلا ہوا گھی، یعنی ان کا حکم الگ الگ ہے یا نہیں، اور ہم نے اس سے پہلے کتاب الطہارۃ میں ذکر کیا ہے کہ مختار یہ ہے کہ محض چوہے کے گرنے سے تیل یا گھی نجس نہیں ہوگا، سوا اس صورت کے کہ وہ تیل یا گھی متغیر ہو جائے، یعنی اس میں بدبو پیدا ہو جائے یا اس کا رنگ بدل جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۳۸۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يُحَدِّثُهُ عَنْ مَيْمُونَةَ أَنَّ فَأْرَةً

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی انہوں

وَقَعَتْ فِي سَمْنٍ فَمَاتَتْ فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْهَا فَقَالَ أَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُوهُ قِيلَ لِسُفْيَانَ فَإِنَّ مَعْمَرًا يُحَدِّثُهُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ يَقُولُ إِلَّا عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ مِنْهُ مِرَارًا۔

نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے خبر دی، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ ایک چوہا گھی میں گر گیا، پھر مر گیا، تو نبی ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا: اس چوہے کو پھینک دو اور جو اس کے اردگرد گھی ہو، اس کو بھی پھینک دو اور گھی کو کھالو۔ سفیان سے کہا گیا کہ معمران کو حدیث بیان کرتے ہیں از زہری از سعید بن المسیب از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: میں نے زہری سے صرف اتنا سنا ہے از عبید اللہ از حضرت ابن عباس از حضرت میمونہ از نبی ﷺ، اور میں نے ان سے اس حدیث کو بار بار سنا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۳۵، ۲۳۶، ۵۵۳۸، ۵۵۳۹، ۵۵۴۰، سنن ترمذی: ۱۷۹۸، سنن نسائی: ۴۲۵۸، سنن ابو داؤد: ۳۸۴۲، مسند احمد: ۲۶۲۵۶، موطا امام مالک: ۱۸۱۵، سنن دارمی: ۷۳۸)

صحیح البخاری: ۵۵۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں صرف یہ ذکر تھا کہ جب جمے ہوئے یا پگھلے ہوئے گھی میں چوہا گر جائے اور اس کا حکم نہیں بیان کیا گیا، اور اس حدیث میں اس کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ جمے ہوئے گھی میں اگر چوہا گر کر مر جائے تو چوہے کو نکال کر پھینک دو، اور اس کے اردگرد کا گھی بھی پھینک دو اور پھر اس گھی کو کھالو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں الحمیدی کا ذکر ہے، اور وہ عبد اللہ بن زبیر بن عیسیٰ ہیں اور وہ حمید کے اجداد میں سے کسی ایک کی طرف منسوب ہیں۔ اور اس سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ سفیان بن عیینہ ہیں۔ اور حضرت میمونہ کا ذکر ہے، وہ حضرت میمونہ بنت الحارث ام المومنین رضی اللہ عنہا ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: "چوہے کو پھینک دو اور اس کے اردگرد کے گھی کو بھی پھینک دو"، اس میں یہ دلیل ہے کہ وہ گھی جما ہوا ہو، کیونکہ جو گھی پگھلا ہوا ہو اس کے اردگرد کے گھی کو پھینکنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ حرکت سے گھی کا بعض حصہ دوسرے بعض حصے سے مل جائے گا اور اس پر اجماع ہے کہ اس حدیث میں جو صورت بیان کی گئی ہے، وہ جمے ہوئے گھی کی ہے۔ اور جو گھی پگھلا ہوا ہو یا دوسری

وہ چیزیں جو مائع اور رقیق ہیں تو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب ان میں چوہا گر جائے گا تو ان میں سے کسی چیز کو بھی نہیں کھایا جائے گا۔

تنبیہ: بعض فقہاء نے پگھلے ہوئے گھی میں چوہا گر جانے کی صورت میں اس کو پاک کرنے کے تین طریقے لکھے ہیں، جو فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۱۳۳۔ ۱۳۴ مطبوعہ دارالامجدیہ، مکتبہ رضویہ کراچی میں مذکور ہیں، اور ہم نے ان تین طریقوں کو نعمۃ الباری ج ۱ ص ۶۹۸ میں ذکر کیا ہے، لیکن وہ تینوں طریقے بہت مشکل اور بہ ظاہر نا قابل عمل ہیں۔ تو بہتر یہ ہے کہ جیسا کہ علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے اس پگھلے ہوئے گھی یا اور مائع چیز مثلاً دودھ وغیرہ کو پھینک دیا جائے گا اور اس میں سے کسی بھی چیز کو کھایا نہیں جائے گا، کیونکہ جب اس پگھلے ہوئے گھی یا دودھ میں سے مرے ہوئے چوہے کو نکالیں گے تو اس دودھ کے یا پگھلے ہوئے گھی کے اجزاء ایک دوسرے سے مختلط ہو جائیں گے اور وہ سارا دودھ یا گھی ناپاک ہو جائے گا اور صحت کے لیے بھی مضر ہے، تو اس کو ضائع کر دینا اور ترک کر دینا بہتر ہے، تاہم اگر کوئی شخص فقہاء کے بیان کردہ ان طریقوں سے استفادہ کرنا چاہے تو وہ بھی جائز ہے۔

جس پگھلے ہوئے گھی میں چوہا گر گیا، اس کے دیگر احکام کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

اس پگھلے ہوئے گھی کو فروخت کرنے اور اس سے نفع اٹھانے میں اختلاف ہے۔

حسن بن صالح اور امام احمد نے کہا: اس گھی کو فروخت نہیں کیا جائے گا اور اس سے نفع حاصل نہیں کیا جائے گا جس طرح اس گھی کو کھایا نہیں جائے گا اور الثوری، امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اس گھی کو چراغ میں رکھ کر جلانا اور اس سے صابن وغیرہ بنانا جائز ہے، اور اس کا فروخت کرنا اور اس کو کھانا جائز نہیں ہے۔ اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور لیث نے کہا ہے کہ کھانے کے سوا اس سے دیگر منافع حاصل کیے جا سکتے ہیں اور اس گھی کی صفت بیان کر کے اس کو فروخت کرنا بھی جائز ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: اس کو فروخت کرو، اور جسے فروخت کرو تو اس کو بیان کر دو کہ یہ کس طرح کا گھی ہے اور کسی مسلمان کو یہ گھی فروخت نہ کرو۔ اور ابن وہب مالکی، قاسم مالکی اور سالم سے روایت ہے کہ انہوں نے اس گھی کو فروخت کرنے کی اجازت دی ہے اور اس کا عیب بیان کرنے کے بعد اس کی قیمت کو کھانے کی بھی اجازت دی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۴۔ ۲۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۳۸ کی شرح از علامہ القسطلانی

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

گھروں کے چوہے ایسے حیوان ہیں جو ایذاء پہنچاتے ہیں اور زیادہ فساد پیدا کرتے ہیں، اور چوہا ان فاسق جانوروں میں سے ہے جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حل میں اور حرم میں قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کو فاسق اس لیے فرمایا ہے کہ یہ اپنے بلوں سے نکل کر لوگوں کے پاس داخل ہوتے ہیں اور فسق کی اصل جور ہے اور استقامت سے خروج ہے اور بعض حیوانات کو فواسق فرمایا ہے اور اس سے ان کے خبث میں استعارہ ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ احترام سے خارج ہو گئے، نہ ان کا حل میں احترام ہے اور نہ حرم میں، وہ حل میں پائے جائیں تو مار دیے جائیں اور حرم میں پائے جائیں تو مار دیے جائیں اور چوہے کا فساد یہ ہے کہ وہ رسیاں کاٹ ڈالتا ہے، کتابیں کھا جاتا ہے، غلہ اور زرعی اشیاء کھا جاتا ہے اور کھانے پینے کی چیزوں میں اپنی مینگنیاں ڈال دیتا ہے تا کہ وہ خراب ہو جائیں۔

(میں کہتا ہوں کہ چوہوں میں گلٹیاں پیدا ہو جاتی ہیں، جن سے طاعون کی بیماری پھیلتی ہے، العیاذ باللہ اور اس کا فساد بہت زیادہ ہے۔ سعیدی غفرلہ) غالباً اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چوہوں کو مارنے کا حکم دیا ہے کہ وہ حرم یا غیر حرم میں پائے جائیں تو ان کو مار دیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ چوہا اگر گھی میں گر جائے اور مر جائے تو اس کو نکال کر پھینک دو اور اس کے ارد گرد جو گھی ہے، اس کو بھی پھینک دو اور باقی گھی کو کھالو۔ اس حدیث میں جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ جمے ہوئے گھی کا ہے، کیونکہ پگھلے ہوئے گھی وار گرد سے پھینکنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ جب اس کو ہلائیں گے تو اس گھی کے اجزاء ایک دوسرے سے مختلط ہو جائیں گے۔ اور امام ابن حبان کی حدیث میں ہے کہ جب گھی جما ہوا ہو تو اس کے ارد گرد کو پھینک دو اور کھالو، اور جب گھی پگھلا ہوا ہو تو اس کے قریب نہ جاؤ۔

(ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۳۳۷-۳۳۸، دار الفکر ۱۴۳۲ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۳۸، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ گھی سے چوہے کو نکال کر پھینک دو اور اس کے ارد گرد سے بھی گھی نکال کر پھینک دو، یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے جب گھی جما ہوا ہو، کیونکہ پگھلے ہوئے گھی میں تو چوہے کے ذرات گھی کی گہرائی تک پہنچ جائیں گے۔ اور امام طحاوی نے روایت کی ہے کہ اگر گھی جما ہوا ہو تو اس کو پھینک دو اور اس کے ارد گرد کو بھی پھینک دو اور اگر گھی پگھلا ہوا ہے تو اس کے قریب نہ جاؤ۔ (صحیح ابن حبان: ۱۳۹۴)

اور پگھلے ہوئے گھی کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام مالک نے کہا ہے کہ اس سے نفع اٹھانا جائز ہے اور اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "اگر پگھلا ہوا گھی ہو تو اس کو جوش دو" اور امام ابو حنیفہ اور تمام فقہاء احناف نے کہا ہے کہ پگھلے ہوئے گھی کو بھی بیچنا جائز ہے جیسا کہ ان کے نزدیک گوبر کو بیچنا جائز ہے۔ اور امام احمد نے کہا: اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔ اور ابواب الطہارۃ میں یہ گزر چکا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک گھی نجس نہیں ہوتا خواہ وہ جما ہوا ہو یا پگھلا ہوا ہو، اسی لیے امام بخاری نے اس حدیث کے عنوان میں وثوق کے ساتھ کوئی حکم نہیں لکھا۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۹ ص ۱۷۶، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۵۵۳۹- حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ الدَّابَّةِ تَمُوتُ فِي الزَّيْتِ وَالسَّمْنِ وَهُوَ جَامِدٌ أَوْ غَيْرُ جَامِدٍ الْفَأْرَةِ أَوْ غَيْرِهَا قَالَ بَلَغَنَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَمَرَ بِفَأْرَةٍ مَاتَتْ فِي سَمْنٍ فَأَمَرَ بِمَا قَرُبَ مِنْهَا فَطُرِحَ ثُمَّ أُكِلَ عَنْ حَدِيثِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی از یونس از زہری، ان سے روایت ہے کہ جو جانور زیتون کے تیل میں یا گھی میں مر جائے اور وہ جما ہوا ہو یا جما ہوا نہ ہو، چوہا مر جائے یا اس کے علاوہ کوئی اور مر جائے تو انہوں نے کہا: ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چوہے کے متعلق حکم دیا جو گھی میں مر گیا تھا، پس آپ نے حکم دیا کہ اس چوہے کے

اطراف میں جو گھی ہے، اس کو نکال کر پھینک دیا جائے، پھر اس کو کھالیا جائے، یہ حدیث عبید اللہ بن عبد اللہ سے مروی ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۳۵، ۲۳۶، ۵۵۳۸، ۵۵۳۹، ۵۵۴۰، سنن ترمذی: ۱۷۹۸، سنن نسائی: ۴۲۵۸، سنن ابوداؤد: ۳۸۴۲، مسند احمد: ۲۶۲۵۶، موطا امام مالک: ۱۸۱۵، سنن داری: ۷۳۸)

صحیح البخاری: ۵۵۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے: ''عبدان'' یہ عبد اللہ بن عثمان بن جبلہ المروزی کا لقب ہے۔ اور اس حدیث میں عبد اللہ کا ذکر ہے، یہ عبد اللہ بن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث میں یونس کا ذکر ہے، یہ ابن یزید الایلی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ زہری سے دابۃ کے متعلق مروی ہے، یعنی جو جانور زیتون کے تیل میں مرجائے، آیا کل زیتون کا تیل نجس ہوجائے گا یا نہیں؟

اور اس حدیث میں مذکور ہے: ''اور وہ جما ہوا ہو'' یعنی زہری نے اس حکم میں جمے ہوئے گھی اور پگھلے ہوئے گھی کے درمیان فرق نہیں کیا، نہ زیتون کے تیل میں فرق کیا کہ جما ہوا ہو یا جما ہوا نہ ہو۔ پھر انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چوہے کو نکالنے اور اس کے اردگرد کے گھی کو نکالنے کا حکم دیا ہے اور گھی کے علاوہ دوسری چیزوں کو گھی پر قیاس کیا ہے۔

اور عطاء بن یسار کی مرسل روایت میں ہے کہ وہ مٹھی بھر جمے ہوئے گھی کو نکال لے۔ اور امام دارقطنی نے امام مالک سے یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے حکم دیا کہ جمے ہوئے گھی کو نکال لیا جائے، اور اس میں یہ تصریح ہے کہ یہ حدیث جمے ہوئے گھی کے متعلق ہے، پگھلے ہوئے گھی کے متعلق نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۴۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ رضی الله عنهم قَالَتْ سُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ فَأْرَةٍ سَقَطَتْ فِي سَمْنٍ فَقَالَ أَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُوهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد العزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبد اللہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے چوہے کے گھی میں گر جانے کے متعلق سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا: چوہے کو پھینک دو اور جو اس کے اردگرد گھی ہے اس کو پھینک دو اور گھی کو کھالو۔

(صحیح البخاری: ۲۳۵، ۲۳۶، ۵۵۳۸، ۵۵۳۹، ۵۵۴۰، سنن ترمذی: ۱۷۹۸، سنن نسائی: ۴۲۵۸، سنن ابوداؤد: ۳۸۴۲، مسند احمد: ۲۶۲۵۶، موطا امام مالک: ۱۸۱۵، سنن داری: ۷۳۸)

صحیح البخاری: ۵۵۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالعزیز بن عبداللہ کا ذکر ہے، یہ ابن یحییٰ الاویسی المدنی ہیں۔ نیز اس حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے اور یہ صحابی کی صحابیہ سے روایت ہے۔

یہ حدیث کتاب الطہارۃ میں "باب مایقع من النجاسات فی السمن والماء" میں گزر چکی ہے۔ اور وہاں اس کی مفصل شرح کی جاچکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

گھی میں چوہا گرنے کا سوال کرنے والے سائل کی تعیین

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا اور اکثر روایات میں اسی طرح ہے اور سائل کا بیان نہیں ہے۔ اور امام اوزاعی نے از امام احمد روایت کی ہے جس میں سائل کی تعیین ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ گھی میں چوہا گر جائے تو پھر کیا کیا جائے؟ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۵۔ بَابٌ: الْوَسْمِ وَالْعَلَمِ فِي الصُّورَةِ — چہرہ پر داغ لگانے اور نشان لگانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

"الوسم" کا معنی ہے: کسی چیز میں تاثیر کر کے کوئی نشان لگانا اور اس کی اصل یہ ہے کہ ایک جانور کے چہرے میں داغ لگا کر نشان لگایا جائے تاکہ وہ جانور دوسرے جانور سے ممتاز ہو جائے۔ اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کے اونٹوں پر داغ لگا کر علامت بناتے تھے۔ اور علم کے معنی ہیں علامت بنانا، خواہ داغ لگا کر بنائی جائے یا کسی اور طریقہ سے علامت بنائی جائے اور وسم کا معنی ہے داغ لگا کر علامت بنانا۔ تو علم کا عطف وسم کے اوپر عام کا خاص کے اوپر عطف ہے۔ اور صورت سے مراد ہے چہرہ، جیسا کہ حبشہ کے سیاہ فام لوگوں کے چہرے پر داغ لگا کر نشان بنایا جاتا ہے، یا جس طرح جسم کے کسی عضو میں سوئی چبھو کر کوئی شکل بنائی جاتی ہے اور بعد میں اس میں نیل بھر دیا جاتا ہے۔ امام بخاری نے اس کا حکم نہیں بیان کیا، کیونکہ امام بخاری کی عادت یہ ہے کہ وہ حکم کے ذکر کو حدیث کے اوپر چھوڑ دیتے ہیں، یعنی اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ پر داغ لگانا یا علامت بنانا مکروہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۴۱۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ حَنْظَلَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَرِهَ أَنْ تُعْلَمَ الصُّورَةُ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ تُضْرَبَ تَابَعَهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبیداللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از حنظلہ از سالم از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، کہ وہ چہرہ پر علامت بنانے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ اور

قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا الْعَنْقَزِيُّ عَنْ حَنْظَلَةَ وَقَالَ تُضْرَبُ الصُّورَةُ۔

(مسند احمد: ۴۷۶۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ پر مارنے سے منع فرمایا ہے۔ عبید اللہ بن موسیٰ کی متابعت قتیبہ نے کی ہے، انہوں نے کہا: ہمیں العنقزی نے حدیث بیان کی از حنظلہ اور انہوں نے کہا: صورتوں پر نشان بنایا جاتا ہے۔

صحیح البخاری: ۵۵۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبید اللہ بن موسیٰ کا ذکر ہے، یہ ابن باذام الکوفی ہیں۔

امام بخاری نے کہا: یہ دو سو تیرہ ہجری (۲۱۳ھ) میں فوت ہو گئے تھے اور کاتب الواقدی نے بھی اسی کی مثل کہا اور یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ ذوالقعدہ میں فوت ہوئے تھے۔

اور اس حدیث میں حنظلہ کا ذکر ہے، یہ ابن ابی سفیان الجمحی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سالم کا ذکر ہے، اور یہ ابن حضرت عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں صورت کا ذکر ہے اور بعض روایات میں الصُّوَر جمع کا صیغہ ہے۔

علامہ ابن الملقن نے التوضیح میں لکھا ہے کہ چہرہ پر یا صورت پر علامت بنانا علماء کے نزدیک مکروہ ہے، جیسا کہ علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے اور ہمارے نزدیک یہ حرام ہے۔

امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک گدھے کے پاس سے گزرے جس کے چہرے پر علامت بنائی ہوئی تھی، تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت فرمائی جس نے اس کے چہرے پر علامت بنائی ہے۔

علماء نے چہرہ پر علامت بنانے کو اس لیے مکروہ کہا ہے کہ چہرہ کا شرف اور اس کی تعظیم ہے اور اس میں علامت بنا کر چہرہ میں اللہ تعالیٰ کی خلقت کو متغیر کرنا ہے۔

رہا چہرہ کے علاوہ کسی اور عضو میں علامت بنانا، اگر یہ کسی منفعت کے لیے ہو اور علامت کی مقدار تھوڑی ہو اور اس سے اس عضو کی صورت نہ بگڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ قربانی کے اونٹوں میں علامت بنانا جائز ہے۔ اور جس شخص نے اپنے غلام کی ناک یا کان یا کسی اور عضو کے اوپر نشانی بنائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ اس غلام کو آزاد کر دیا جائے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے اونٹوں پر نشانی لگائی اور اس سے پہلے جانوروں کو داغنے کی حدیث گزر چکی ہے کتاب الزکوٰۃ کے اس باب میں کہ "امام صدقہ کے اونٹوں پر داغ لگائے"۔

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مارنے سے منع فرمایا ہے۔ اور صحیح مسلم میں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ پر مارنے سے منع فرمایا ہے اور چہرہ پر علامت بنانے سے منع فرمایا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ جب چہرہ پر مارنا اور چہرہ پر علامت بنانا منع ہے تو چہرہ پر داغ لگانا بہ طریقِ اولیٰ منع ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۶۔۲۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۴۱، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

چہرہ پر مارنا ممنوع ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۲۲۶) اور اس حدیث میں مراد تمام جانداروں کی صورتیں ہیں، کیونکہ چہرہ محاسن اور حواس کا محل ہے، اس لیے چہرہ پر داغ لگانا اور کوئی علامت بنانا ممنوع ہے۔

اس حدیث کی تعلیق میں العنقزی کا ذکر ہے، ان کا نام عمرو بن محمد القرشی ہے۔ اور الغسانی نے کہا ہے: یہ قریش کے آزاد کردہ غلام تھے اور ان کی نسبت عنقز کی طرف ہے۔ اور عنقز ایک گھاس کا نام ہے یا ایک پھول کا نام ہے۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۹ ص ۱۷۶، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۵۵۴۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ بِأَخٍ لِي يُحَنِّكُهُ وَهُوَ فِي مِرْبَدٍ لَهُ فَرَأَيْتُهُ يَسِمُ شَاةً حَسِبْتُهُ قَالَ فِي آذَانِهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ہشام بن زید از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے بھائی کو گھٹی دینے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا، اس وقت آپ اصطبل میں تھے، میں نے دیکھا کہ آپ ایک بکری کے اوپر داغ لگا رہے ہیں اور میرا گمان ہے کہ آپ اس کے کانوں میں داغ لگا رہے تھے۔

(صحیح مسلم: ۲۱۱۹، سنن ابو داؤد: ۲۵۶۳، مسند احمد: ۱۳۲۵۱)

صحیح البخاری: ۵۵۴۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو الولید کا ذکر ہے، یہ ہشام بن عبد الملک الطیالسی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ہشام بن زید کا ذکر ہے، یہ ابن انس بن مالک ہیں، جو اپنے دادا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کو لے کر گئے" یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی تھے، اور

ان کا نام عبداللہ بن ابی طلحہ ہے۔

اور اس حدیث میں گھٹی دینے کا ذکر ہے۔ اور گھٹی کا معنی یہ ہے کہ کسی پھل کو منہ میں ڈال کر چبایا جائے اور اسے نرم کر کے بچے کے منہ میں دے دیا جائے۔

اور اس حدیث میں المربد کا ذکر ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جس میں اونٹوں کو باندھا جاتا ہے۔ اور اس جگہ بکریاں تھیں، تو بکریوں کے باڑے کے اوپر مربد کا اطلاق مجاز ہے، یا حقیقت ہے بایں طور کہ بکریوں کو اونٹوں کے اصطبل میں داخل کر دیا گیا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یسم" یہ الوَسم سے ماخوذ ہے یعنی اس کو داغ لگا رہے تھے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ "میں نے گمان کیا کہ آپ بکری کے کانوں میں داغ لگا رہے تھے"۔

اس قول کے قائل شعبہ ہیں۔

حدیث مذکور کے مسائل اور فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے علاوہ کسی کے اوپر داغ لگانا جائز ہے۔ اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا بیان ہے کہ آپ خود اپنے ہاتھوں سے کام کرتے تھے۔ اور آپ کی نظر مسلمانوں کی مصلحتوں میں رہتی تھی۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نومولود بچے کو گھٹی دینا مستحب ہے اور اس بچے کو صالحین کے پاس لے جانا چاہیے، تاکہ بچے کے پیٹ میں سب سے پہلے جو چیز پہنچے وہ صالحین کا لعاب ہو۔

(۳) علامہ نووی نے کہا ہے: ہر محترم حیوان کے چہرہ پر مارنا مکروہ ہے، لیکن آدمی کے چہرہ پر مارنا بہت شدید مکروہ ہے، کیونکہ آدمی کا چہرہ مجمع المحاسن ہے اور بسا اوقات چہرہ پر مارنے سے چہرہ بدنما ہو جاتا ہے یا اس کے بعض حواس متاثر ہو جاتے ہیں۔

(۴) اور جسم پر داغ لگانا آدمی میں حرام ہے اور آدمی کے غیر میں مکروہ ہے، اور وسم داغ لگانے کا اثر ہے۔

(۵) علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ صدقہ کے اونٹوں میں چہرہ کے علاوہ داغ لگانا مستحب ہے اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ داغ لگانا مکروہ ہے، کیونکہ یہ جسم کو عذاب دینا ہے اور اس کو بدنما کرنا ہے اور جسم کو عذاب دینے اور مثلہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جسم کو عذاب دینا اور مثلہ کرنے کی ممانعت عام ہے اور داغ لگانے کی حدیث خاص ہے، تو اس کو مقدم کرنا واجب ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: جب معلوم ہو کہ خاص اور عام دونوں کی ممانعت مقارن ہو تو پھر خاص کو عام پر مقدم کیا جاتا ہے، ورنہ نہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۷۔۲۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۶۔ بَابٌ: إِذَا أَصَابَ قَوْمٌ غَنِيمَةً فَذَبَحَ بَعْضُهُمْ غَنَمًا أَوْ إِبِلًا بِغَيْرِ أَمْرِ أَصْحَابِهِمْ لَمْ تُؤْكَلْ

جب کسی قوم کو مالِ غنیمت ملے، پس ان میں سے کسی نے بکری یا اونٹ کو اپنے اصحاب کی اجازت کے بغیر ذبح کر دیا تو اس کو کھایا نہیں جائے گا

لِحَدِيثِ رَافِعٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَالَ طَاوُسٌ

اس کی وجہ حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو انہوں نے نبی

وَعِكْرِمَةُ فِي ذَبِيحَةِ السَّارِقِ اطْرَحُوهُ۔

ﷺ سے روایت کی ہے۔ اور طاؤس اور عکرمہ نے چور کے ذبیحہ کے متعلق کہا: اس کو پھینک دو۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری کے نزدیک جس کو ولایتِ ذبح حاصل نہ ہو، اس کا ذبح کرنا غیر معتبر ہے

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی جماعت کو مالِ غنیمت ملے اور اس جماعت میں سے کوئی شخص اس مالِ غنیمت کی بکری یا اونٹ کو اپنے باقی اصحاب کی اجازت کے بغیر ذبح کردے تو وہ ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ اور شاید امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ جس شخص کو ذبح کرنے کی شرعاً ملکیت حاصل نہ ہو، یا وہ شرعاً وکیل نہ ہو تو اس کا ذبح کرنا غیر معتبر ہے۔

امام بخاری نے کہا: حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے، اور اس سے وجہِ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ لوگوں نے جلدی سے مالِ غنیمت میں سے کسی بکری یا اونٹ کو ذبح کردیا اور نبی ﷺ لوگوں کے پیچھے تھے اور دیگچیوں میں اس گوشت کو چڑھادیا، پس جب نبی ﷺ آئے اور آپ نے یہ دیکھا تو آپ نے حکم دیا کہ دیگچیوں کو پلٹ دیا جائے، کیونکہ مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے ان کے لیے مالِ غنیمت میں سے کسی بکری یا اونٹ کو ذبح کرنا جائز نہ تھا۔

اس کے بعد امام بخاری نے بیان کیا کہ طاؤس اور عکرمہ نے چور کے ذبیحہ کے متعلق کہا: اس کو پھینک دو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یعنی یہ حرام ہے اور اس تعلیق کا مقصد بھی یہی ہے کہ جس کو ذبح کرنے کی ولایت حاصل نہ ہو، جب وہ ذبح کردے تو اس ذبیحہ کو کھایا نہیں جائے گا، اس تعلیق کی امام عبدالرزاق نے طاؤس اور عکرمہ سے اس طرح روایت کی ہے کہ طاؤس اور عکرمہ سے چور کے ذبیحہ سے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کو ناپسند کیا اور اس سے منع کیا۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ میرے علم میں نہیں ہے کہ اس ذبیحہ کے کھانے کی کراہیت پر کسی نے طاؤس اور عکرمہ کی متابعت کی ہو، سوائے اسحاق بن راہویہ کے اور فقہاء کی ایک جماعت نے اس کی اجازت دی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۴۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ إِنَّنَا نَلْقَى الْعَدُوَّ غَدًا وَلَيْسَ مَعَنَا مُدًى فَقَالَ مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ فَكُلُوهُ مَا لَمْ يَكُنْ سِنٌّ وَلَا ظُفُرٌ وَسَأُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذَلِكَ أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ وَتَقَدَّمَ سَرَعَانُ النَّاسِ فَأَصَابُوا مِنَ الْغَنَائِمِ وَالنَّبِيُّ ﷺ فِي آخِرِ النَّاسِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالاحوص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن مسروق نے حدیث بیان کی از عبایہ بن رفاعہ از والد خود از جد خود حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ کل ہمارا دشمن سے مقابلہ ہوگا اور ہمارے پاس چھری نہیں ہوگی۔ تو آپ نے فرمایا: جو چیز بھی خون بہادے اور اللہ کا نام ذکر کیا جائے، سو اس کو کھالو جب کہ وہ نہ دانت ہو اور نہ ناخن ہو۔ اور میں عنقریب تم

فَنَصَبُوا قُدُورًا فَأَمَرَ بِهَا فَأُكْفِئَتْ وَقَسَمَ بَيْنَهُمْ وَعَدَلَ بَعِيرًا بِعَشْرِ شِيَاهٍ ثُمَّ نَدَّ بَعِيرٌ مِنْ أَوَائِلِ الْقَوْمِ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ خَيْلٌ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ اللهُ فَقَالَ إِنَّ لِهَذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا فَعَلَ مِنْهَا هَذَا فَافْعَلُوا مِثْلَ هَذَا۔

کو اس کا سبب بیان کروں گا، رہا دانت تو وہ ہڈی ہے اور رہا ناخن تو وہ حبشیوں کی چھری ہے، اور لوگ جلدی جلدی آگے بڑھے اور انہوں نے مالِ غنیمت کو حاصل کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے پیچھے تھے، انہوں نے دیگچیاں چڑھا دیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، پس ان دیگچیوں کو پلٹ دیا گیا اور مالِ غنیمت ان کے درمیان تقسیم کیا گیا، اور ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا گیا، پھر لوگوں کے آگے سے ایک اونٹ بدک کر بھاگ گیا اور لوگوں کے پاس گھوڑے نہیں تھے، پھر ایک مرد نے اپنا تیر مارا تو اللہ تعالیٰ نے اس اونٹ کو روک لیا، پس آپ نے فرمایا: ان جانوروں میں توحش ہوتا ہے جیسے وحشی جانور غیر مانوس ہوتے ہیں۔ پس جو جانور اس طرح بھاگ جائے، سو تم اس کو اسی طرح روکو۔

(صحیح البخاری: ۲۴۸۸، ۲۵۰۷، ۳۰۷۵، ۵۴۹۸، ۵۵۰۳، ۵۵۰۶، ۵۵۰۹، ۵۵۴۳، ۵۵۴۴، صحیح مسلم: ۱۹۶۸، سنن ترمذی: ۱۴۹۱، سنن نسائی: ۴۴۱۰، سنن ابوداؤد: ۲۸۲۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۳، مسند احمد: ۱۶۸۱۲، سنن دارمی: ۱۹۷۷)

صحیح البخاری: ۵۵۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب میں پہلے امام بخاری نے حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا۔ اور اس کے بعد حضرت رافع بن خدیج کی حدیث کی مکمل سند کے ساتھ روایت کی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالاحوص کا ذکر ہے، ان کا نام سلام الحنفی الکوفی ہے۔ اور اس حدیث میں سعید بن المسروق کا ذکر ہے، یہ سفیان ثوری کے والد ہیں۔ اور عبایۃ کا ذکر ہے، یہ ابن رفاعہ ہیں۔ الغسانی نے کہا: اس حدیث کے تمام راوی اس حدیث کو از سعید بن مسروق از عبایۃ بن رفاعہ از جد خود روایت کرتے ہیں، اور ابوالاحوص کے سوا کسی نے یہ نہیں کہا از والدِ خود از جدِ خود۔ کہا گیا ہے کہ یہ ابوالاحوص کی خطاء ہے جو اس نے کہا: از والدِ خود۔

یہ حدیث عنقریب باب التسمیۃ علی الذبیحۃ میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: "تقدم سرعان الناس" یعنی جو لوگ آگے تھے، وہ جلدی جلدی چلے اور انہوں نے مالِ غنیمت کو حاصل کر لیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۷۔ بَابٌ: إِذَا نَدَّ بَعِيرٌ لِقَوْمٍ فَرَمَاهُ بَعْضُهُمْ بِسَهْمٍ فَقَتَلَهُ فَأَرَادَ إِصْلَاحَهُمْ فَهُوَ جَائِزٌ لِخَبَرِ رَافِعٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

اس کا بیان کہ جب کسی قوم کا اونٹ بدک کر بھاگے، پھر ان میں سے کوئی اس کو تیر مارے اور اسکو ہلاک کردے یعنی کوئی ان کی اصلاح کے لیے تیر مار کر اونٹ کو روک لے تو یہ جائز ہے، جیسا کہ حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی اونٹ بھاگ جائے اور اس کو قوم میں سے کوئی تیر مار کر قتل کردے اور تیر مارنے کا ارادہ ان کی خیرخواہی ہو یعنی جب اس کو معلوم ہو کہ وہ اس اونٹ کو صرف تیر مار کر ٹھہرا سکتا ہے اور اس کا یہ ارادہ نہ ہو کہ وہ تیر مار کر ان کے لیے اس اونٹ کو خراب کردے، تو وہ تیر مارنے والا اس اونٹ کا ضامن نہیں ہوگا اور اس کا کھانا حلال ہوگا۔ اور جب کوئی شخص کسی کے اونٹ کو ان کی اجازت کے بغیر ہلاک کردے تو وہ اس اونٹ کی قیمت کا ضامن ہوگا، سوا اس صورت کے کہ وہ اس پر گواہ قائم کردے کہ اس اونٹ نے اس پر حملہ کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۰۹، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۴۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّنَافِسِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَنَدَّ بَعِيرٌ مِنَ الْإِبِلِ قَالَ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ قَالَ ثُمَّ قَالَ إِنَّ لَهَا أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا فَاصْنَعُوا بِهِ هَكَذَا قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نَكُونُ فِي الْمَغَازِي وَالْأَسْفَارِ فَنُرِيدُ أَنْ نَذْبَحَ فَلَا تَكُونُ مُدًى قَالَ أَرِنْ مَا نَهَرَ أَوْ أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ فَكُلْ غَيْرَ السِّنِّ وَالظُّفُرِ فَإِنَّ السِّنَّ عَظْمٌ وَالظُّفُرَ مُدَى الْحَبَشَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن عبید الطنافسی نے خبر دی از سعید بن مسروق از عبایہ بن رفاعہ از جد خود حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو اونٹوں میں سے ایک اونٹ بدک کر بھاگا، انہوں نے بیان کیا: پس ایک مرد نے اپنا تیر مار کر اس اونٹ کو روک لیا، پھر انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ان اونٹوں کے لیے توحش ہوتا ہے، جیسا کہ وحشی جانور غیر مانوس ہوتے ہیں، پس ان اونٹوں میں سے جو تم پر غالب آجائے تو ان کے ساتھ تم اسی طرح کرو، حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ)! ہم غزوات اور سفروں میں ہوتے ہیں، پس ہم ذبح کرنا چاہتے ہیں اور ہمارے پاس چھری نہیں ہوتی، آپ نے فرمایا: دیکھ لیا کرو جو آلہ خون بہادے یا فرمایا: جو آلہ خون بہائے (نہر کے بجائے آپ نے انہر فرمایا) اور فرمایا: اللہ کا نام لو اور اسے کھاؤ سوائے دانت اور ناخن کے، کیونکہ دانت ہڈی

ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۸۸، ۲۵۰۷، ۳۰۷۵، ۵۴۹۸، ۵۵۰۳، ۵۵۰۶، ۵۵۰۹، ۵۵۴۳، ۵۵۴۴ صحیح مسلم: ۱۹۶۸، سنن ترمذی: ۱۴۹۱، سنن نسائی: ۴۴۱۰، سنن ابوداؤد: ۲۸۲۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۳، مسند احمد: ۱۶۸۱۲، سنن داری: ۱۹۷۷)

صحیح البخاری: ۵۵۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابن سلام کا ذکر ہے اور وہ محمد بن سلام ہے۔ اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں محمد بن سلام کی تصریح ہے اور اس حدیث میں عمرو کا ذکر ہے، وہ ابن عبید الطنافسی ہیں۔ "طنافِس" کا معنی ہے چادر، یعنی وہ چادریں فروخت کرتے تھے یا چادریں بناتے تھے۔ "طنافِس" "طنفسة" کی جمع ہے اور یہ بچھانے والی چادر کو کہتے ہیں۔

پھر راویوں کا ارن کے ضبط میں اختلاف ہے۔ کریما کی روایت میں ہے اَرِنْ (ہمزہ پر زبر اور راء کے نیچے زیر اور نون ساکن)۔ اسی طرح علامہ خطابی نے اس کو منضبط کر کے لکھا ہے۔ اور سنن ابوداؤد میں ابوذر کی روایت سے مذکور ہے اَرْنِ یعنی راء ساکن ہے اور نون کے نیچے زیر ہے۔ اور اسماعیلی کی روایت میں ہے اَرِنی اس کا معنی ہے کہ اس جانور کو جلدی ذبح کر لو تا کہ یہ طبعی موت نہ مر جائے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: اَرِنْ کے متعلق جتنے الفاظ ذکر کیے گئے ہیں، یہ سب قواعدِ صرف کے خلاف ہیں اور شاذ ہیں۔

اس حدیث میں نہر کا لفظ بھی ہے اور انہر الدم کا لفظ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ کا نام لو" یہ امر کا صیغہ ہے اور مجہول کے صیغہ کے ساتھ بھی اس کی روایت ہے، یعنی اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو۔

حدیث مذکور کے باقی الفاظ کی شرح اس سے پہلے کی جا چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۸۔ بَابٌ: إِذَا أَكَلَ الْمُضْطَرُّ
جو شخص بھوک سے بے قرار ہو اس کے کھانے کا حکم

لِقَوْلِهِ تَعَالَى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (البقرہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو ۝ اللہ نے تم پر جس کا (کھانا) حرام کیا ہے، وہ صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، سو جو شخص مجبور ہو جائے جب کہ وہ نافرمانی کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر (کھانے یا استعمال میں) کوئی گناہ نہیں ہے، بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے

حد مہربان ہے O

وَقَالَ: فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ (المائدہ:۳)

اور فرمایا: پس جو شخص بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر (کوئی حرام چیز کھالے) درآں حالیکہ وہ گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے O

وَقَوْلِهِ: فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ۝ (الانعام)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اس ذبیحہ سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو O اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اس ذبیحہ سے نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے، حالانکہ حالت اضطرار کے سوا جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان کی تفصیل اللہ نے تمہیں بتادی ہے، اور بے شک بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشوں سے گمراہی پھیلاتے ہیں، اور بے شک آپ کا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے O

وَقَوْلِهِ جَلَّ وَعَلَا: قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (الانعام)

آپ کہیے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے والے پر ان چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا، وہ مردار ہو یا بہا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ نجس ہے یا بہ طور نافرمانی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، سو جو شخص مجبور ہو اور نہ وہ سرکشی کرنے والا ہو نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

وَقَالَ: فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۖ وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (النحل)

اور فرمایا: سو اللہ کے دیئے ہوئے حلال طیب رزق میں سے کھاؤ، اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو O تم پر صرف (یہ) چیزیں حرام کی ہیں: مردار اور (بہتا ہوا) خون، اور خنزیر کا گوشت، اور جس (جانور) پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا، پس جو شخص مجبور ہو جائے، وہ سرکشی کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص بھوک سے بے قرار اور مجبور ہو اور اسے کوئی حلال چیز نہ ملے تو وہ مردار کھا سکتا

ہے۔اس کے بعد امام بخاری نے اس معنی کو ثابت کرنے کے لیے البقرہ: ۱۷۲۔۱۷۳ کا ذکر کیا، پھر المائدہ: ۳ کا ذکر کیا، پھر الانعام: ۱۱۸، ۱۱۹ کا ذکر کیا، اور پھر الانعام: ۱۴۵ کا ذکر کیا، پھر النحل: ۱۱۴، ۱۱۵، کا ذکر کیا۔

امام بخاری نے یہ عنوان بھوک سے بے قرار اور مجبور شخص کے لیے مردار کو کھانے کے جواز میں بیان کیا ہے۔اور اس باب میں کسی حدیث کا اصلاً ذکر نہیں کیا۔اور اس کی توجیہ میں ایک وجہ یہ ذکر کی گئی ہے کہ اس مضمون کے مناسب امام بخاری کو اپنی شرط کے مطابق کوئی حدیث نہیں ملی، اس لیے انہوں نے قرآن مجید کی ان آیات کو ذکر کرنے پر اکتفاء کر لی، کیونکہ ان آیات میں بھوک سے بے قرار اور مجبور شخص کے احوال کو بیان کیا گیا ہے۔

اور دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ امام بخاری نے حدیث کو لکھنے کے لیے خالی جگہ چھوڑی تھی تا کہ جب انہیں حدیث مل جائے تو وہاں وہ حدیث لکھ دیں لیکن ان کو وہ حدیث نہیں ملی تو پھر کتاب کو لکھتے وقت ان آیات کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ امام احمد نے از الولید بن مسلم از الاوزاعی از حسان از عطیہ از حضرت ابو واقد اللیثی روایت کی ہے کہ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم ایسی سرزمین میں ہوتے ہیں جہاں ہم کو شدید بھوک لگی ہوتی ہے تو ہمارے لیے مردار کھانا کس صورت میں جائز ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: جب تم کو صبح کے وقت کھانے کی کوئی چیز نہ ملے اور شام کے وقت بھی کھانے کی کوئی چیز نہ ملے اور تمہاری ہتھیلیاں بالکل خالی ہوں تو پھر تم مردار کھا سکتے ہو۔

بھوک سے بے قرار شخص کتنی مقدار مردار کھا سکتا ہے؟ اس کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

فقہاء اسلام کا اس میں اختلاف ہے کہ بھوک سے بے قرار شخص مردار کو پیٹ بھر کر کھائے یا اتنی مقدار کھائے جس سے اس کی رمق حیات قائم رہے یا اس میں سے کچھ رکھ بھی سکتا ہے۔

امام مالک نے کہا کہ المضطر یعنی بھوک سے بے قرار شخص کے متعلق جو میں نے بہترین قول سنا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ پیٹ بھر کر کھائے اور کچھ مقدار ساتھ رکھ لے اور جب وہ یہ دیکھے کہ اب وہ اس سے بے پرواہ ہو چکا ہے، تو جو مقدار ساتھ رکھی ہے، اس کو پھینک دے۔اور یہ الزہری اور ربیعہ کا قول ہے۔

اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ صرف اتنی مقدار کھائے جس سے اس کی رمق حیات قائم رہے اور سانس جاری رہے۔اور علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ وہ تین لقمے کھائے۔اور ایک قول یہ ہے کہ اگر اس نے صبح کو مردار کھا لیا ہے تو شام کو نہ کھائے، اور اگر اس نے شام کو مردار کھا لیا ہے تو صبح کو نہ کھائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۰۔۲۱۲، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

المخمصۃ کا معنی ہے: جس کو بہت شدت سے بھوک لگی ہو۔اور قتادہ نے کہا: المائدہ: ۳ میں فرمایا غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ یعنی وہ حرام کھا کر گناہ کا ارادہ نہ کر رہا ہو۔

اور معروف یہ ہے کہ الجنف کا معنی ہے میلان، اور گناہ کا معنی یہاں پر یہ ہے کہ وہ مردار کو یا کسی بھی حرام چیز کو پیٹ بھر نے

سے زیادہ کھائے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ وہ پیٹ بھر کر کھائے یا اتنا کھائے جس سے اس کی رمق حیات قائم رہے اور ساتھ رکھنے میں بھی اختلاف ہے۔

امام مالک نے کہا ہے: المضطر کے متعلق جو میں نے بہترین بات سنی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ مردار کو سیر ہو کر کھائے اور اپنے ساتھ بھی کچھ رکھ لے۔ اور جب اس کو ضرورت نہ رہے تو پھر اس کو پھینک دے اور یہ ابن شہاب اور ربیعہ کا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نے کہا اور امام شافعی کا بھی ایک قول ہے کہ بھوک سے بے قرار شخص صرف اتنی مقدار کھائے جس سے اس کی رمقِ حیات قائم رہے اور سانس چلتا رہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ مردار کو کھانے کی اباحت اس صورت میں ہے جب اسے اپنے نفس پر موت کا خطرہ ہو، پس جب اس نے اتنا کھا لیا جس سے موت کا خطرہ زائل ہو جائے، تو اب ضرورت زائل ہو گئی اور اباحت اٹھ گئی، اب اس کے لیے کھانا جائز نہیں ہے۔

اور امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ المضطر یعنی جو شخص بھوک سے بے قرار ہو اور اس کو موت کا خطرہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مردار کو مباح قرار دے دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے البقرہ: ۱۷۳ میں فرمایا ہے: ”جب کہ وہ نافرمانی کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو“، تو جب ایسے شخص کے لیے کھانا مباح ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے قلیل اور کثیر میں فرق نہیں کیا، تو جب اس کے لیے مردار حلال ہے تو وہ جتنی مقدار چاہے کھا لے۔ (المنتقیٰ ج ۳ ص ۱۳۸، کتاب الام ج ۱ ص ۲۲۵، الاشباہ والنظائر ج ۱ ص ۱۰۷)

اور علامہ داؤدی نے اس قول کی حکایت کی ہے کہ وہ تین لقمے کھائے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر اس نے صبح مردار کھایا ہے تو شام کو نہ کھائے اور اگر شام کو مردار کھا لیا ہے تو صبح کو نہ کھائے۔

پس اگر فقہاء احناف اور امام شافعی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے استدلال کریں تو مردار کو پیٹ بھر کر کھانا اور ساتھ رکھنا جائز نہیں ہے، کہا گیا ہے کہ مجاہد وغیرہ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ نافرمانی کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا اس کو نہ کھائے، جب کہ اس کو ضرورت نہ ہو اور وہ مردار کو کھانے میں مجبور نہ ہو۔ اور اگر وہ مردار کو کھانے میں مجبور ہے تو پھر پیٹ بھر کر کھانے میں وہ حد سے بڑھنے والا نہیں ہے، کیونکہ جب تک وہ پیٹ بھر کر نہیں کھائے گا، اس وقت تک وہ سفر پر اور تصرف کرنے پر قادر نہیں ہوگا اور مردار کا کچھ حصہ ساتھ رکھنا جان کی حفاظت کے لیے زیادہ اولیٰ ہے، کیونکہ اس کو یہ خطرہ رہے گا کہ شاید اس کو بعد میں مردار کی اتنی مقدار بھی نہ ملے جس سے اس کی رمق حیات برقرار رہ سکے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا سفر طویل ہو اور اس کی جان ہلاک ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے اوپر یہ حرام کیا ہے کہ وہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دے۔

مسروق نے کہا ہے: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص مردار کھانے میں مجبور ہے اور پھر وہ مردار کو نہ کھائے حتیٰ کہ مر جائے تو وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ (مصنف عبدالرزاق: ج ۱۰ ص ۴۱۳، رقم الحدیث: ۱۹۵۳۶، سنن بیہقی: ج ۹ ص ۳۵۷۔۳۵۸)

اور یہاں پر کتاب الصید اور ذبائح ختم ہو گئی۔ وللہ الحمد

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۵۵۹۔۵۶۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: کتاب الذبائح والصید میں ترانوے (۹۳) احادیث ذکر کی گئی ہیں جن میں سے اکیس (۲۱) تعلیقات ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں۔ اور ان میں سے مکرر احادیث اناسی (۷۹) ہیں اور خالص احادیث چودہ (۱۴) ہیں۔

حلال وحرام جانوروں کے متعلق صدر الشریعہ علامہ امجد علی کی تحقیق

صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ امجد علی رحمۃ اللہ علیہ اعظمی متوفی ۱۳۶۷ھ تحریر فرماتے ہیں:

حلال وحرام جانوروں کا بیان

حدیث ۱: ترمذی نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن کچلے والے درندہ سے اور پنجہ والے پرند سے اور گھریلو گدھے اور مجثمہ اور خلیسہ سے ممانعت فرمائی اور حاملہ عورت جب تک وضع حمل نہ کرلے اس کی وطی سے ممانعت فرمائی یعنی حاملہ لونڈی کا مالک ہو یا زانیہ عورت حاملہ سے نکاح کیا تو جب تک وضع حمل نہ ہواس سے وطی نہ کرے، مجثمہ یہ ہے کہ پرند یا کسی جانور کو باندھ کر اس پر تیر مارا جائے، خلیسہ یہ ہے کہ بھیڑیے یا کسی درندہ نے جانور پکڑا اس سے کسی نے چھین لیا اور ذبح سے پہلے وہ مر گیا۔ (جامع الترمذی، کتاب الاطعمہ، باب ماجاء فی کراھیۃ اکل المصبورۃ، الحدیث: ۱۴۷۹، ج ۳ ص ۱۵۰)

حدیث ۲: ابوداؤد و دارمی جابر رضی اللہ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنین (پیٹ کے بچہ) کا ذبح اس کی ماں کے ذبح کی مثل ہے''۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب ماجاء فی ذکاۃ الجنین، الحدیث: ۲۸۲۸، ج ۳ ص ۱۳۸)

حدیث ۳: احمد ونسائی و دارمی عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے چڑیا یا کسی جانور کو ناحق قتل کیا اس سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سوال کرے گا، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم)، اس کا حق کیا ہے، فرمایا کہ ''اس کا حق یہ ہے کہ ذبح کرے اور کھائے، یہ نہیں کہ سر کاٹے اور پھینک دے''۔

(المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عمرو، الحدیث: ۶۵۶۲، ج ۲ ص ۵۶۷، سنن النسائی، کتاب الصید ۔۔ الخ، باب اباحۃ اکل العصافیر، الحدیث: ۴۳۵۵، ص ۷۰۷)

حدیث ۴: ترمذی و ابوداؤد ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ سے راوی کہتے ہیں: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے، اس زمانہ میں یہاں کے لوگ زندہ اونٹ کا کوہان کاٹ لیتے اور زندہ دنبہ کی چکی کاٹ لیتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زندہ جانور کا جو ٹکڑا کاٹ لیا جائے وہ مردار ہے کھایا نہ جائے''۔ (جامع الترمذی، کتاب الاطعمہ، باب ما قطع من الحی، الحدیث: ۱۴۸۵، ج ۳ ص ۱۵۳)

حدیث ۵: دارقطنی جابر رضی اللہ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دریا کے جانور (مچھلی) کو خدا نے حلال کر دیا ہے''۔

(سنن دارقطنی، کتاب الاشربہ وغیرھا، باب الصید، الحدیث: ۴۶۶۲، ج ۴ ص ۳۱۷)

حدیث ۶: صحیح بخاری و مسلم میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی انہوں نے حمار وحشی (جنگلی گدھا) دیکھا، اس کا شکار کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تمہارے پاس اس کے گوشت کا کچھ حصہ ہے؟'' عرض کی ہاں، اس کی ران ہے، اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور کھایا۔ (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب تحریم الصید للمحرم، الحدیث ۵۷، (۱۱۹۶) و ۶۳ (۱۱۹۶) ص ۶۱۱، ۶۱۳)

حدیث ۷: صحیح بخاری و مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہتے ہیں: ہم نے مرالظہران (مکہ مکرمہ کے قریب ایک جگہ کا نام) میں خرگوش بھگا کر پکڑا، میں اس کو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس لایا، انہوں نے ذبح کیا اور اس کی پٹھ اور رانیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمائیں۔ (صحیح البخاری، کتاب الذبائح الخ، باب ماجاء فی التصید، الحدیث: ۵۴۸۹، ج ۳ ص ۵۵۴)

حدیث ۸: صحیحین میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغی کا گوشت کھاتے دیکھا

ہے۔(صحیح البخاری، کتاب الذبائح، الخ، باب الدجاج، الحدیث: ۵۵۱۷، ج ۳ص ۵۶۳)

حدیث ۹: صحیحین میں عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں تھے، ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ٹڈی کھاتے تھے۔(صحیح البخاری، کتاب الذبائح، باب اکل الجراد، الحدیث: ۵۴۹۵، ج ۳ص ۵۵۷)

حدیث ۱۰: صحیحین میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی، کہتے ہیں کہ میں جیش الخبط میں گیا تھا اور امیر لشکر ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ تھے۔ ہمیں بہت سخت بھوک لگی تھی، دریا نے مری ہوئی ایک مچھلی پھینکی کہ ویسی مچھلی ہم نے نہیں دیکھی، اس کا نام عنبر ہے، ہم نے آدھے مہینے تک اسے کھایا، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ایک ہڈی کھڑی کی بعض روایت میں ہے پسلی کی ہڈی تھی، اس کی کجی اتنی تھی کہ اس کے نیچے سے اونٹ مع سوار گزر گیا، جب ہم واپس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، فرمایا: ''کھاؤ، اللہ (عزوجل) نے تمہارے لیے رزق بھیجا ہے اور تمہارے پاس ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ''، ہم نے اس میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا۔(صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ سیف البحر، الحدیث: ۴۳۶۱، ۴۳۶۲، ج ۳ص ۱۲۷، ۱۲۸)

حدیث ۱۱، ۱۲: صحیح بخاری و مسلم میں ام شریک رضی اللہ عنہا سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وزغ (چھپکلی اور گرگٹ) کے قتل کا حکم دیا اور فرمایا کہ ''ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے کافروں نے جو آگ جلائی تھی، اسے یہ پھونکتا تھا'' اور صحیح مسلم میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ اس کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فُوَیسق رکھا، یعنی چھوٹا فاسق یا بڑا فاسق، اس لفظ میں دونوں معنی کا احتمال ہے۔(صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، الحدیث: ۳۳۵۹، ج ۲ص ۴۲۳)

حدیث ۱۳: صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو چھپکلی یا گرگٹ کو پہلی ضرب میں مارے اس کے لیے سو نیکیاں اور دوسری میں اس سے کم اور تیسری میں اس سے بھی کم''۔

(صحیح مسلم، کتاب السلام، باب استحباب قتل الوزغ، الحدیث: ۱۴۷۔(۲۲۴۰) ص ۱۲۳۰)

حدیث ۱۴: ترمذی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ (گندگی کھانے والا جانور) اور اس کا دودھ کھانے سے منع فرمایا۔(جامع الترمذی، کتاب الاطعمۃ، باب ماجاء فی اکل لحوم الجلالۃ والبانہا، الحدیث: ۱۸۳۱، ج ۳ص ۳۳۴)

حدیث ۱۵: ابوداؤد نے عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، باب فی اکل الضب، الحدیث: ۳۷۹۶، ج ۳ص ۴۹۶)

حدیث ۱۶: ابوداؤد و ترمذی نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کھانے سے اور اس کے ثمن کھانے سے منع فرمایا۔(جامع الترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی ثمن الکلب والسنور، الحدیث: ۱۲۸۴، ج ۳ص ۴۱)

حدیث ۱۷: امام احمد و ابن ماجہ و دارقطنی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہمارے لیے دو مرے ہوئے جانور اور دو خون حلال ہیں، دو مردے مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون کلیجی اور تلی ہیں''۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ، باب الکبد والطحال، الحدیث: ۳۳۱۴، ج ۴ص ۳۲)

حدیث ۱۸: ابوداؤد و ترمذی جابر رضی اللہ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''دریا نے جس مچھلی کو پھینک دیا ہو اور وہاں سے پانی جاتا رہا اسے کھاؤ، اور جو پانی میں مر کر تیر جائے اسے نہ کھاؤ''۔(سنن ابوداؤد، کتاب الاطعمۃ، باب فی اکل الطافی من السمک

الحدیث: ۳۸۱۵، ج ۳ ص ۵۰۲)

مسائل فقہیہ

مسئلہ ۱: کیلے والا (کچلیوں والا) جانور جو کیلے سے شکار کرتا ہو حرام ہے جیسے شیر، گیدڑ، لومڑی، بجو، کتا وغیرہا کہ ان سب میں نوکیلے دانت ہوتے ہیں اور شکار بھی کرتے ہیں، اونٹ کے بھی نوکیلے دانت ہوتے ہیں مگر وہ شکار نہیں کرتا، لہٰذا وہ اس حکم میں داخل نہیں۔
(الدرالمختار، کتاب الذبائح، ج ۹ ص ۵۰۸)

مسئلہ ۲: پنجہ والا پرند جو پنجہ سے شکار کرتا ہے حرام ہے جیسے شکرا، باز، بہری، چیل۔ حشرات الارض حرام ہیں جیسے چوہا، چھپکلی، گرگٹ، گھونس، سانپ، بچھو، بر (بھڑ) مچھر، پسو، کھٹمل، مکھی، مینڈک وغیرہا۔ (الدرالمختار، وردالمحتار، کتاب الذبائح، ج ۹ ص ۵۰۸)

مسئلہ ۳: گھریلو گدھا اور خچر حرام ہے اور جنگلی گدھا جسے گورخر کہتے ہیں حلال ہے، گھوڑے کے متعلق روایتیں مختلف ہیں، یہ آلہ جہاد ہے، اس کے کھانے میں تقلیل آلہ جہاد ہوتی ہے، لہٰذا نہ کھایا جائے۔ (الدرالمختار، کتاب الذبائح، ج ۹ ص ۵۰۸، وغیرہا)

مسئلہ ۴: کچھوا خشکی کا ہو یا پانی کا حرام ہے۔ غراب ابقع یعنی کوا جو مردار کھاتا ہے حرام ہے اور مہوکا کہ یہ بھی کوے سے ملتا جلتا ایک جانور (یعنی پرندہ) ہوتا ہے، حلال ہے۔ (الدرالمختار، وردالمحتار، کتاب الذبائح، ج ۹ ص ۵۰۹)

مسئلہ ۵: پانی کے جانوروں میں صرف مچھلی حلال ہے، جو مچھلی پانی میں مر کر تیر گئی یعنی جو بغیر مارے اپنے آپ مر کر پانی کی سطح پر الٹ گئی وہ حرام ہے، مچھلی کو مارا اور وہ مر کر الٹی تیرنے لگی یہ حرام نہیں۔ ٹڈی بھی حلال ہے، مچھلی اور ٹڈی یہ دونوں بغیر ذبح حلال ہیں جیسا کہ حدیث میں فرمایا کہ دو مردے حلال ہیں مچھلی اور ٹڈی۔ (الدرالمختار، کتاب الذبائح، ج ۹ ص ۵۱۱)

مسئلہ ۶: جھینگے کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ مچھلی ہے یا نہیں، اسی بناء پر اس کی حلت وحرمت میں بھی اختلاف ہے، بظاہر اس کی صورت مچھلی کی سی نہیں معلوم ہوتی بلکہ ایک قسم کا کیڑا معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اس سے بچنا ہی چاہیے۔

میں کہتا ہوں: کہ ایک قول یہ ہے کہ جھینگا مچھلی کی ایک قسم ہے، اس قول کی بناء پر جھینگے کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

مسئلہ ۷: چھوٹی مچھلیاں بغیر شکم چاک کئے بھون لی گئیں ان کا کھانا حلال ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الذبائح، ج ۹ ص ۵۱۵)

مسئلہ ۸: بعض گائیں، بکریاں غلیظ کھانے لگتی ہیں ان کو جلالہ کہتے ہیں، اس کے بدن اور گوشت وغیرہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے، اس کو کئی دن تک باندھ رکھیں کہ نجاست نہ کھانے پائے، جب بدبو جاتی رہے ذبح کر کے کھائیں، اسی طرح جو مرغی غلیظ کھانے کی عادی ہو اسے چند روز بند رکھیں جب اثر جاتا رہے، ذبح کر کے کھائیں، جو مرغیاں چھوٹی پھرتی ہیں ان کو بند کرنا ضروری نہیں جب کہ غلیظ کھانے کی عادی نہ ہوں اور ان میں بدبو نہ ہو، ہاں بہتر یہ ہے کہ ان کو بھی بند رکھ کر ذبح کریں۔
(الفتاوی الہندیہ، کتاب الذبائح، الباب الثانی فی بیان مایوکل، ج ۵ ص ۲۸۹، ۲۹۰)

مسئلہ ۹: بکرا جو خصی نہیں ہوتا وہ اکثر پیشاب پینے کا عادی ہوتا ہے اور اس میں ایسی سخت بدبو پیدا ہو جاتی ہے کہ جس راستہ سے گزرتا ہے وہ راستہ کچھ دیر کے لئے بدبودار ہو جاتا ہے، اس کا بھی حکم وہی ہے جو جلالہ کا ہے کہ اگر اس کے گوشت سے بدبو دفع ہو گئی تو کھا سکتے ہیں ورنہ مکروہ وممنوع۔

مسئلہ ۱۰: جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ذبح شرعی سے ان کا گوشت اور چربی اور چمڑا پاک ہو جاتا ہے مگر خنزیر کہ اس کا ہر جز نجس ہے اور آدمی اگرچہ طاہر ہے اس کا استعمال ناجائز ہے۔ ان جانوروں کی چربی وغیرہ کو اگر کھانے کے سوا خارجی طور پر استعمال کرنا چاہیں تو ذبح کر لیں کہ اس صورت میں اس کے استعمال سے بدن یا کپڑا نجس نہیں ہوگا اور نجاست کے استعمال کی قباحت سے بھی بچنا ہوگا۔ (الدر المختار، کتاب الذبائح، ج۹ ص ۵۱۳)

(بہارِ شریعت، حصہ پانزدہم (۱۵) جلد سوم ص ۳۲۰۔ ۳۲۷، مکتبۃ المدینہ (دعوت اسلامی) کراچی ۱۴۳۲ھ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

٧٣۔ کِتَابُ الْأَضَاحِیِّ

قربانیوں کا بیان

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یعنی یہ کتاب الاضاحی کے احکام کے بیان میں ہے۔"اضاحی" "اضحیۃ" کی جمع ہے۔

الاصمعی نے کہا ہے کہ "الاضحیۃ" میں چار لغات ہیں: "أُضْحِیَۃ" (ہمزہ پر پیش ہو) اور "إِضحیۃ" (یعنی ہمزہ کے نیچے زیر ہو) اور "ضَحِیَّۃ" اس کی جمع اضاحی ہے، اور "اضحاۃ"، اس کی جمع اضحٰی ہے، جیسے کہا جاتا ہے ارطاۃ وارطٰی۔ اور اسی وجہ سے قربانی کے دن کو یوم الاضحٰی کہا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج۲۱ ص ۲۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

١۔ بَابُ: سُنَّةِ الْأُضْحِيَةِ — قربانی کے سنت ہونے کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ هِيَ سُنَّةٌ وَمَعْرُوفٌ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: قربانی سنت ہے اور معروف ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے کہا کہ قربانی سنت ہے اور کہا کہ یہ معروف ہے، معروف کا معنی ہے: "ہر وہ کام جو اللہ عزوجل کی اطاعت کے اندر اور اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے میں اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں معروف اور مشہور ہو اور ہر وہ کام جس کی شارع علیہ السلام نے ترغیب دی ہو اور وہ کام نیک افعال میں سے ہو، اور ہر وہ کام جس سے شارع علیہ السلام نے منع فرمایا ہو اور وہ کام قوی افعال میں سے ہو یا اس سے مراد ہے کہ ایسا کام جو لوگوں کے درمیان معروف ہو، جب وہ اس کام کو دیکھیں تو منع نہ کریں"۔

قربانی کے حکم میں فقہاء اسلام کے اقوال

قربانی کے حکم میں فقہاء اسلام کے اقوال مختلف ہیں:

سعید بن المسیب، عطاء بن ابی رباح، علقمہ، الاسود، امام شافعی اور ابو ثور نے کہا کہ قربانی بہ طور فرض واجب نہیں ہے لیکن یہ مستحب ہے، جس نے قربانی کی تو اس کو ثواب ہوگا اور جس نے قربانی نہیں کی تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔ یہ قول حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت ابو مسعود بدری اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ اللیث اور الربیعہ نے کہا: ہماری رائے میں جو خوش حال شخص ہو اور قربانی کے ادا کرنے پر قادر ہو، اس کو قربانی ترک نہیں کرنی چاہیے۔ امام مالک نے کہا: اگر اس نے قربانی کو ترک کیا تو اس نے برا کام کیا، سوا اس صورت کے کہ اس کا کوئی عذر ہو۔

اور ابراہیم النخعی سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: قربانی کرنا شہر والوں پر واجب ہے، سوائے حجاج کے۔ اور علامہ ابن المنذر

نے بیان کیا کہ محمد بن حسن نے کہا: قربانی کرنا ہر اس شخص پر واجب ہے جو شہر میں مقیم ہو اور خوشحال ہو۔ اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف نے کہا کہ قربانی کرنا ہر اس شخص پر واجب ہے جو آزاد ہو، مقیم ہو، مسلمان ہو اور خوشحال ہو۔ اور ہمارے مذہب کی صحیح تحریر وہ ہے جس کو علامہ المرغینانی التوفی ۵۹۳ھ صاحب ہدایہ نے بیان کیا ہے کہ قربانی کرنا ہر اس شخص پر واجب ہے جو مسلمان ہو، آزاد ہو، مقیم ہو اور قربانی کے دن خوشحال ہو، وہ اپنی طرف سے بھی قربانی کرے اور اپنے کم سن بچوں کی طرف سے بھی قربانی کرے۔

رہا وجوب تو یہ امام ابو حنیفہ، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد کا قول ہے اور امام ابو یوسف سے بھی ایک روایت ہے، اور امام ابو یوسف سے دوسری روایت یہ ہے کہ قربانی کرنا سنت ہے۔ اور امام طحاوی نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق قربانی کرنا واجب ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول کے مطابق قربانی کرنا سنتِ مؤکدہ ہے۔

قربانی کے سنت ہونے کی دلیل یہ ہے، صحیح بخاری کے علاوہ حدیث کی باقی پانچ کتابوں میں یہ حدیث ہے:

''سعید بن المسیب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ذوالحجہ کا چاند دیکھ لیا اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اپنے بال کاٹنے اور ناخن کاٹنے سے رک جائے''۔

اس حدیث میں فرمایا ہے کہ جو قربانی کرنے کا ارادہ کرتا ہو، یہ الفاظ وجوب کے منافی ہیں۔ یعنی جو قربانی کرنے کا ارادہ کرتا ہے وہ تو بال اور ناخن نہ کاٹے اور جو قربانی کرنے کا ارادہ نہیں کرتا، وہ بال اور ناخن کاٹ سکتا ہے۔ اور اسی حدیث سے امام ابن الجوزی نے امام احمد بن حنبل کے مذہب پر استدلال کیا ہے۔

اور رہا قربانی کا واجب ہونا، تو اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

''امام ابن ماجہ از عبد الرحمٰن از اعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے''۔ اس حدیث کی امام حاکم نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ اور اس قسم کی وعید ترکِ واجب پر نہیں ہوتی، یعنی آپ نے جو فرمایا کہ جس شخص کے پاس وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے، سو یہ ایسی وعید ہے جو ترکِ واجب پر نہیں ہوتی۔ اور ابن حزم ظاہری نے امام ابو حنیفہ سے یہ نقل کیا ہے کہ قربانی کرنا فرض ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۴۔ ۲۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی التوفی ۱۴۲۱ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

الاضاحی، اضحیۃ کی جمع ہے، اور اضحیۃ اس کو کہتے ہیں جسے عیدِ نحر کے ایام میں اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کیا جائے، خواہ مکہ میں ذبح کیا جائے یا کسی اور شہر میں۔

بعض علماء نے کہا ہے: جو مکہ میں ذبح کیا جائے، اس کو ھدی کہتے ہیں اور جو غیر مکہ میں ذبح کیا جائے، اس کو اضحیۃ کہتے ہیں، اور اکثر علماء نے کہا ہے کہ ان میں کوئی فرق نہیں ہے اور اضاحی مشروع ہیں مکہ میں اور غیر مکہ میں۔

قربانی کے جانور کو ذبح کرنا اس سے افضل ہے کہ قربانی کے جانور کی قیمت کو صدقہ کر دیا جائے

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اضاحی سنت ہے اور قربانی کو ذبح کرنا اس کی قیمت کو صدقہ کرنے سے افضل ہے، حتیٰ کہ اگر لوگ ضرورت اور تنگی میں ہوں، پھر بھی قربانی کو ذبح کرنا اس کی قیمت کو صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ جب لوگ تنگی میں ہوں اور ان کو مال کی ضرورت ہو تو قربانی کو ذبح کرنے کی بجائے اس کی قیمت کا صدقہ کر دیا جائے تو یہ اولیٰ ہے۔ تو ان لوگوں کا یہ قول خطاء ہے، کیونکہ یہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر اب تک کے مسلمانوں کے معمولات کے خلاف ہے۔ جب مسلمانوں کو سخت بھوک پہنچی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ ذخیرہ نہ کیا جائے۔ اور قربانی کے گوشت کو صدقہ کر دیا جائے۔ اور جن لوگوں نے کہا کہ قربانی کی قیمت کا صدقہ کرنا افضل ہے، انہوں نے صرف مادی تقاضوں پر غور کیا ہے اور اس پر غور نہیں کیا کہ قربانی کرنے سے اور اللہ عزوجل کی راہ میں جانور کا خون بہانے سے اور اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے سے کتنا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

اسی طرح جن لوگوں نے کہا کہ قربانی کرنے کے بجائے قربانی کی قیمت کو افغانستان کے جہاد میں بھیج دیا جائے، وہ افضل ہے، ان کا قول بھی خطاء پر مبنی ہے، کیونکہ جہاد کے اپنے ابواب ہیں اور قربانی کے اپنے ابواب ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جنت کے آٹھ ابواب ہیں، یہ باب الصدقہ ہے، یہ باب الجہاد ہے الیٰ آخرہ۔

قربانی کے حکم میں فقہاء اسلام کے مذاہب

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا قربانی کرنا واجب ہے اور جو شخص قربانی کرنے پر قادر ہو اور پھر قربانی نہ کرے تو وہ گناہ گار ہوگا یا قربانی کرنا سنتِ موکدہ ہے۔

سو امام ابو حنیفہ اور اہل علم کی ایک جماعت اور انہی میں سے شیخ ابن تیمیہ حنبلی ہیں، ان کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص قربانی کرنے پر قادر ہو، اس پر قربانی کرنا فریضہ واجبہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ (الکوثر) سو آپ اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے اور قربانی کرتے رہیں O

اموات کی طرف سے قربانی کرنے کے متعلق شیخ عثیمین حنبلی نجدی کی تحقیق

سوال: قربانی زندہ کے لیے ہوتی ہے یا میت کے لیے بھی ہوتی ہے؟

جواب: قربانی زندہ کے لیے ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مروی نہیں ہے کہ آپ نے کسی بھی میت کی طرف سے قربانی کی ہو اور آپ کے محبوب چچا حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں، اور آپ کی زوجہ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں اور آپ کی اولاد بھی فوت ہوئی اور آپ نے ان میں سے کسی کی طرف سے بھی قربانی نہیں کی۔

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا زندہ کی طرف سے قربانی کرنے سے افضل ہے، کیونکہ میت کو صدقہ

کی زیادہ حاجت ہے، لیکن یہ ضعیف قول ہے، کیونکہ قربانی کے احکام صدقہ کے احکام کی مثل نہیں ہیں۔ اور علماء نے کہا ہے کہ میت کی طرف سے قربانی نہیں کی جائے گی اور میت کی طرف سے صدقہ کرنے سے کسی نے منع نہیں کیا، کیونکہ میت کی طرف سے صدقہ کرنے سے متعلق احادیث ہیں۔

علاوہ ازیں ہم یہ کہتے ہیں کہ زندہ کی طرف سے قربانی کرنا سنت ہے، آدمی اپنے گھر والوں کی طرف سے قربانی کرے لیکن عام آدمی ہمارے پاس آ کر کہتا ہے کہ میں میت کی طرف سے بھی قربانی کروں گا، کیونکہ اگر میں میت کی طرف سے قربانی نہ کروں تو مجھے اپنے دل میں تنگی محسوس ہوتی ہے، تو اس حالت میں ہم اس کو اجازت دیتے ہیں اور ہم اس کو یہ بتاتے ہیں کہ تم قربانی اپنی طرف سے کرو اور اپنے گھر والوں کی طرف سے کرو، اور گھر والوں میں زندہ اور میت دونوں شامل ہیں، لیکن جب تم فقط میت کی طرف سے قربانی کرو گے تو یہ جائز نہیں ہے اور یہ خلاف سنت ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۷۲۔ ۲۷۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ عثیمین کی تقریر پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ شیخ عثیمین نے میت کی طرف سے صدقہ کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور مالی صدقہ اس سے عام ہے کہ کھانے یا پینے کی چیزوں کا صدقہ کیا جائے یا گوشت کا صدقہ کیا جائے یا کسی اور عبادت کا صدقہ کیا جائے۔ اور قربانی بھی ایک عبادت ہے، جس طرح صدقہ کرنا عبادت ہے، اسی طرح قربانی کرنا بھی عبادت ہے، جس طرح قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب میت کو پہنچایا جاسکتا ہے، نفلی نمازوں کا ثواب میت کو پہنچایا جاسکتا ہے تو اسی طرح نفلی قربانی کا ثواب بھی میت کو پہنچایا جاسکتا ہے، اور اس کے عدم جواز کے اوپر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔ اور احادیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے قربانی کی اور یہ دعا فرمائی:

''انی وجهت وجهی للذی فطر السلوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین، ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العٰلمین لا شریك له وبذالك امرت وانا من المسلمین، اللهم منك ولك عن محمد وامته بسم الله والله اکبر''۔

ترجمہ: ''میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے جب کہ میں باطل مذاہب سے اعراض کرنے والا ہوں، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔ اے اللہ! یہ قربانی تیری طرف سے ہے اور تیرے ہی لیے ہے اور یہ محمد (ﷺ) کی طرف سے ہے اور ان کی امت کی طرف سے ہے۔ بسم اللہ واللہ اکبر''۔ اس کے بعد آپ نے ذبح کیا۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

امام ابوداؤد کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

''اے اللہ! محمد، آل محمد اور امت محمد کی طرف سے اس کو قبول فرما''۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

ان احادیث میں یہ دلیل ہے کہ آپ نے اپنی امت کی طرف سے قربانی کی اور آپ کی امت میں زندہ اور اموات دونوں

شامل ہیں۔ لہٰذا نفلی قربانی زندہ کی طرف سے بھی ہوسکتی ہے اور میت کی طرف سے بھی ہوسکتی ہے، البتہ جو شخص فوت ہوگیا اور اس پر قربانی تھی اور اس نے قربانی نہیں کی تو اس کی طرف سے قربانی اسی وقت کی جاسکتی ہے جب اس نے قربانی کرنے کی وصیت کی ہو تو اس میت کے تہائی مال سے اس کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۵۴۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زُبَيْدٍ الْإِيَامِيِّ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْبَرَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ فِي يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ مَنْ فَعَلَهُ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلُ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ قَدَّمَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ فَقَامَ أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ وَقَدْ ذَبَحَ فَقَالَ إِنَّ عِنْدِي جَذَعَةً فَقَالَ اذْبَحْهَا وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ قَالَ مُطَرِّفٌ عَنْ عَامِرٍ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ تَمَّ نُسُكُهُ وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِينَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از زبید الایامی از الشعبی از حضرت البراء رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اس دن جو کام ہم سب سے پہلے کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ہم نماز (عید) پڑھتے ہیں، پھر ہم واپس جاتے ہیں اور نحر کرتے ہیں، پس جس نے یہ کام کرلیے تو اس نے ہماری سنت کو پالیا اور جس نے پہلے قربانی کرلی تو وہ ایک گوشت ہے جو اس نے اپنے گھر والوں کے لیے بھیجا ہے اور وہ قربانی میں سے کچھ نہیں ہے۔ پھر حضرت ابو بردہ بن نیار کھڑے ہوئے اور وہ پہلے جانور کو ذبح کرچکے تھے، انہوں نے کہا کہ میرے پاس چھ ماہ کا بکرا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: اس کو ذبح کردو لیکن تمہارے سوا اور کسی (مسلمان) کے لیے تمہارے بعد یہ جائز نہیں ہوگا۔ مُطرف نے کہا از عامر از حضرت البراء، نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے نماز (عید) کے بعد ذبح کیا تو اس کی قربانی مکمل ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کے طریقہ کو پالیا۔

(صحیح مسلم: ۱۹۶۱، سنن ترمذی: ۱۵۰۸، سنن نسائی: ۱۵۶۳، سنن ابوداؤد: ۲۸۰۰، مسند احمد: ۱۸۰۰۱۲، سنن دارمی: ۱۹۶۲)

صحیح البخاری: ۵۵۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: "اضحیة" یعنی قربانی کا سنت ہونا، اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آج کے دن ہم سب سے پہلے جو کام کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم نماز (عید) پڑھتے ہیں، پھر ہم نحر (قربانی) کرتے ہیں، سو جس نے ایسا کیا، اس نے ہماری سنت کو پالیا، پس اس حدیث کے اندر قربانی کے سنت ہونے کا ذکر ہے، اور اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے''غندر''، یہ محمد بن جعفر البصری کا لقب ہے۔اور زُبید کا ذکر ہے، یہ ابن عبد الکریم الایامی ہیں اوران کو الیامی بھی کہا جاتا تھااوراس حدیث کی سند میں شعبی کا ذکر ہےاور یہ عامر بن شراحیل ہیں۔

یہ حدیث''کتاب العیدین''کے اس باب میں گزر چکی ہے''باب الاکل یوم النحر''اور وہاں اس کی شرح کی جاچکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے:''من ذبح قبل''یعنی جس نے نماز کے وقت سے پہلے قربانی کرلی۔نیز اس حدیث میں مذکور ہے:''لیس من النسك''یعنی یہ عبادت نہیں ہےاوراس میں قربانی کا ثواب نہیں ہوگا بلکہ یہ وہ گوشت ہےجس کواس نے اپنے گھر والوں کو نفع پہنچانے کے لیے حاصل کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے:''فقام ابو بُردة''اس میں باء پر پیش ہےاور راء پر جزم ہےاور آخر میں دال ہے،ان کا نام ہانی ہے۔یہ ابن نیار ہیں،اس میں نون کے نیچے زیر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے:''جذعة''یہ بکری کا بچہ ہے جو چھ ماہ سے کم ہو،اس کی قربانی جائز نہیں ہےاور جو دنبے کا چھ ماہ کا بچہ ہواس کی قربانی جائز ہے۔

ابو عبد اللہ زعفرانی نے کہا: الجزع من الضان،یعنی دنبے کا بچہ جس کے سات ماہ پورے ہو چکے ہوں اور آٹھویں مہینے میں داخل ہوا ہو،اس کی قربانی جائز ہے جب کہ وہ دیکھنے میں بڑا لگتا ہو،لیکن جو بکری کا بچہ ہواس کی قربانی اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ ایک سال کا نہ ہو جائے اور دوسرے سال میں داخل ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے:''ولن تجزی''یعنی تم اس بکری کے بچہ کی قربانی کرلو،لیکن تمہارے بعد اور کسی کے لیے ایک سال سے کم کی بکری کے بچے کی قربانی جائز نہیں ہوگی اور یہ اس صحابی یعنی حضرت ابو بُردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کے خصائص میں سے ہے۔

میں کہتا ہوں:اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی خصوصیت ہے کہ آپ جس کو چاہیں کسی عام حکم یا عام قاعدہ سے مستثنیٰ فرمادیں،کیونکہ عام حکم تو یہی ہے کہ ایک سال سے کم بکرے کی قربانی جائز نہیں ہےلیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بُردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کے لیے چھ یا سات ماہ کے بکری کے بچہ کی قربانی کو جائز فرمادیا۔(سعیدی غفرلہٗ)

اس تعلیق میں مذکور ہے''قال مُطرِّف''علامہ عینی فرماتے ہیں:اس میں میم پر پیش ہے،طاء پر زبر ہےاور راء پر تشدید ہےاور آخر میں فاء ہے،یہ ابن طریف الحارثی ہیں۔اور مُطرِّف کی اس تعلیق کو امام بخاری نے عیدین میں سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہےاور آٹھ ابواب کے بعد اس کا ذکر آئے گا۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۵۔۲۱۶،دارالکتب العلمیہ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۴۵ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) عید الاضحیٰ کے دن پہلے نماز عید پڑھی جائے اور پھر اس کے بعد قربانی کی جائے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے دن قربانی کرنے سے پہلے نماز پڑھنی چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ (الکوثر) سو آپ اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے اور قربانی کرتے رہیں O

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اس سے ابتداء کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے ابتداء کی ہے''۔
اس لیے پہلے نماز پڑھی جائے گی اور پھر قربانی کی جائے گی۔

(۲) قربانی کرنے اور گوشت کھانے کے لیے جانور کو ذبح کرنے کا فرق

قربانی کے گوشت میں اور گوشت کے کھانے میں فرق ہے، کیونکہ قربانی کا گوشت ایک ایسی عبادت ہے جو وقت کے ساتھ مقید ہے اور قربانی کے جانور کی عمر کے ساتھ مقید ہے اور اس کی جنس کے ساتھ مقید ہے اور قربانی کے جانور کی مقدار کے ساتھ مقید ہے اور گوشت کے کھانے میں کوئی قید نہیں ہے۔

زمانہ کی قید سے مراد یہ ہے کہ نمازِ عید کے بعد سے لے کر بارہ ذوالحجہ کے دن تک قربانی قربانی کی جاسکتی ہے۔

جنس سے مراد یہ ہے کہ بکرا، دنبہ، بھیڑ، گائے اور اونٹ کی قربانی کی جاسکتی ہے، قربانی کا جانور خواہ مذکر ہو یا مونث۔

قربانی کے جانور کی عمر سے مراد یہ ہے کہ اونٹ پانچ سال کا ہو اور گائے دو سال کی ہو اور بکرا ایک سال کا ہو اور دنبہ چھ ماہ کا بھی جائز ہے۔

اور مقدار سے مراد یہ ہے کہ ایک آدمی کی طرف سے ایک بکرے کی قربانی ہوسکتی ہے، اور بکری کی قربانی میں ایک سے زیادہ قربانی کرنے والے شریک نہیں ہوسکتے، اور اونٹ اور گائے میں سات قربانی کرنے والے شریک ہوسکتے ہیں اور سات سے زیادہ گائے یا اونٹ کی قربانی میں شریک نہیں ہوسکتے۔

اور رہا گوشت کا کھانا، تو اس میں ان میں سے کسی چیز کی قید نہیں ہے، سو اس کو ہر وقت اور ہر صورت میں کھانا جائز ہے۔ اسی وجہ سے یہ فرق کیا گیا ہے کہ قربانی کو اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کیا جاتا ہے اور صرف اللہ کی رضا کے لیے اس کا خون بہایا جاتا ہے۔ اور جس جانور کو اس کا گوشت کھانے کے لیے ذبح کیا گیا اور اس ذبح سے مقصد تقرب الی اللہ نہیں تھا، تو یہ قربانی نہیں ہے، اس لیے قربانی میں اور جانور کا گوشت کھانے کے حکم میں فرق ہے۔

(۳) جو عبادت کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص ہو، اس عبادت کو اس سے پہلے کرنا جائز نہیں ہے

کیونکہ قربانی کو نمازِ عید کے بعد مشروع کیا گیا ہے، اس لیے حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ نے جو نمازِ عید سے پہلے قربانی کی تھی، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: تم نے جو نمازِ عید سے پہلے جانور ذبح کیا ہے، وہ اپنے گھر والوں کو گوشت کھلانے کے لیے جانور ذبح کیا ہے اور وہ قربانی نہیں ہے۔

(۴) امت کے بعض افراد کی کسی حکم کے ساتھ تخصیص

جب حضرت ابو بُردہ بن نیار رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے پاس تو اب ایک چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے، حالانکہ چھ ماہ کے بکری کے بچہ کی قربانی جائز نہیں ہے، البتہ دنبہ اگر چھ ماہ کا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسی کی قربانی کر دو اور تمہارے بعد کسی اور کے لیے چھ ماہ کے بکری کے بچہ کی قربانی کرنا جائز نہیں ہوگا، سو آپ نے حضرت ابو بُردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کو اس عام حکم سے مخصوص کر لیا۔ اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ احکامِ شرع میں بعض افراد کی تخصیص کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی شہادت کو دو گواہوں کی شہادت کے برابر قرار دیا، اس کا قصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا، اس کی قیمت طے کر لی اور اس کی قیمت لینے کے لیے گھر گئے، بعد میں اس اعرابی نے آپ سے زیادہ قیمت طلب کی، آپ نے فرمایا: تم نے مجھ سے اسی قیمت پر سودا کیا ہے، اس اعرابی نے کہا: اچھا آپ اس پر گواہ پیش کریں، تو حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے اسی قیمت کے اوپر یہ گھوڑا خریدا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم نے کیسے شہادت دی حالانکہ تم نے دیکھا نہیں تھا، تو حضرت خزیمہ نے کہا: ہم بغیر دیکھے محض آپ کی خبر سے آسمان کی خبروں کی تصدیق کرتے ہیں تو زمین کی خبر پر آپ کی تصدیق کیوں نہیں کریں گے، تو آپ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دے دیا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۷۴۔۲۷۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

مصنف کے نزدیک حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو دو گواہوں کی شہادت کے برابر قرار دینے کا ایک اور سبب

میں کہتا ہوں کہ جب صحابہ کرام قرآن مجید کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایامِ خلافت میں ایک مصحف میں جمع کر رہے تھے، تو انہوں نے یہ قاعدہ مقرر کیا تھا کہ جس آیت کے متعلق دو گواہ یہ گواہی دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو لکھوایا ہے تو اس کو مصحف میں لکھا جائے گا اور سورۂ توبہ کی آخری دو آیتیں ان کو قرآن مجید میں لکھوانے کے متعلق صرف حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی تھی اور کوئی گواہ میسر نہیں تھا، تو صحابہ کرام کو تردد ہوا، یہ تو ایک گواہ ہے اور ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ دو آدمی گواہی دیں کہ اس آیت کو لکھوایا گیا ہے، تب کسی نے بتایا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا ہے۔ تو اگر حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی دو گواہوں کے برابر نہ ہوتی تو قرآن مجید میں سورۂ توبہ کی یہ آخری دو آیتیں درج ہونے سے رہ جاتیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا، تو اس کی وجہ صرف یہی نہیں تھی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیع پر بن دیکھے گواہی دی تھی، بلکہ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ علم رسالت میں یہ چیز مقرر تھی کہ اگر حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار نہ دیا جائے تو سورۂ توبہ کی آخری دو آیتیں قرآن مجید میں درج ہونے سے رہ جائیں گی، لہٰذا اس حدیث سے جس طرح یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ میں بعض افراد کی تخصیص کر سکتے ہیں جیسے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دے کے تخصیص کی، اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بعد کے واقعات کو بھی شامل تھا اور یہ اس کی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا ہے۔

صحیح البخاری: ۵۵۴۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قربانی کے وجوب میں اہلِ علم کا اختلاف

ایک قول یہ ہے کہ قربانی واجب نہیں ہے، بلکہ سنت ہے اور قربانی کرنے والے کو ثواب ملے گا اور جس نے قربانی نہیں کی اسے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ یہ ابن المسیب، عطاء بن ابی رباح، علقمہ، اسود اور امام شافعی کا قول ہے۔ اور امام احمد بن حنبل، امام ابویوسف اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۱۳۵، ۸۱۳۴، ۸۱۴۷، کتاب الام ج ۲ ص ۱۸۷)

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ امام مالک کا معروف مذہب یہی ہے اور ابوحامد نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ قربانی کرنا واجب ہے، علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: ہم نے پہلے ایسی احادیث روایت کی ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ قربانی کرنا فرض نہیں ہے اور ہم نے اس کو حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت ابومسعود البدری، حضرت سعد اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۱۴۹)

اور اللیث اور الربیعہ نے کہا کہ جو شخص امیر ہو اور قربانی ادا کرنے کا مالک ہو اس کو قربانی کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔

(التمہید ج ۲۳ ص ۱۹۲)

المدونہ میں مذکور ہے: جس نے قربانی کا جانور خریدا، پھر اس کو باندھ کر رکھا حتیٰ کہ ایامِ ذبح گزر گئے تو وہ گناہگار ہوگا کیونکہ اس نے اس جانور کی قربانی نہیں کی۔

قربانی کے عدم وجوب کے دلائل

اور صحابہ سے ایسے آثار بھی مروی ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ قربانی واجب نہیں ہے۔

امام عبدالرزاق نے از ثوری از اسماعیل از الشعبی از ابی سریحہ روایت کی ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما قربانی نہیں کرتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۱۳۹)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا جو چاہے قربانی کرے اور جو چاہے قربانی نہ کرے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۳۸۱)

قربانی کو واجب قرار دینے کے دلائل

دوسرا قول یہ ہے کہ قربانی کرنا واجب ہے، یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول ہے۔ اور ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ شہر والوں پر قربانی کرنا واجب ہے ماسوا حجاج کے، اور امام محمد نے کہا کہ قربانی کرنا ہر اس شخص پر واجب ہے جو شہروں میں مقیم ہو جب کہ وہ خوش حال ہو۔

ابوبکر نے کہا: قربانی کرنا فرض نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو واجب نہیں کیا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ اہل علم کا اس کے وجوب کے اوپر اجماع ہے۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا نظریہ یہ ہے کہ قربانی ہر اس شخص پر واجب ہے جو آزاد ہو اور مقیم ہو اور خوشحال ہو اور ایام

ابو یوسف نے کہا کہ قربانی واجب نہیں ہے اور انہوں نے اور امام محمد نے کہا: یہ سنت ہے اور جو قربانی کر سکتا ہو اس کے لیے قربانی کو ترک کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

جن فقہاء نے کہا کہ قربانی واجب نہیں ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ ہم آج کے دن جس کام کو سب سے پہلے کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ہم نماز (عید) کے بعد نحر کرتے ہیں، سو جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت کو پا لیا، اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کرنا سنت ہے اور واجب نہیں ہے، البتہ اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ سنت سے مراد یہاں پر طریقہ ہے، یعنی ہمارے دین میں یہ طریقہ ہے، پھر اس میں واجب بھی داخل ہو جائے گا۔

اور جنہوں نے کہا کہ قربانی کرنا واجب ہے، انہوں نے اس باب کی حدیث کے ان الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بردہ بن نیار سے فرمایا: تمہارے بعد اور کسی کی طرف سے چھ ماہ کے بکرے کی قربانی جائز نہیں ہوگی''۔ امام طحاوی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ پر اس لیے قربانی کو واجب کیا کہ ان پر پہلے قربانی واجب تھی لیکن انہوں نے وقت سے پہلے قربانی کر کے اس کو ضائع کر دیا تو اب اس کی تلافی کے لیے ان کو یہ رخصت دی کہ ان کے پاس جو چھ ماہ کا بکرا ہے اس کو ذبح کر دیں اور فرمایا: ''تمہارے بعد ایسا کرنا کسی اور کے لیے جائز نہیں ہوگا''۔

امام طحاوی کے اس اعتراض کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: تم نے جو قربانی ضائع کی ہے اس کی مثل قربانی کرو، اور جب آپ نے ایسا نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے جو قربانی ضائع کی تھی، اس کی تلافی کے لیے چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کی رخصت دی۔

قربانی کے وجوب کے متعلق دیگر احادیث

مخنف بن سلیم بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن فرمایا: ہر گھر والے کے اوپر ہر سال میں قربانی ہے اور عتیرہ ہے۔ (عتیرہ سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس کو زمانہ جاہلیت میں رجب کے ابتدائی دنوں میں ذبح کیا جاتا تھا)۔

(سنن ابوداؤد: ۲۷۸۸، سنن ترمذی: ۱۵۱۸، سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۵، سنن نسائی: ج ۷ ص ۱۶۷۔ ۱۶۸، مسند احمد ج ۵ ص ۷۶)

ام بلال اسلمیہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنبہ کے چھ ماہ کے بچہ کو ذبح کرو۔

(مسند احمد: ج ۶ ص ۳۸۶، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۵ ص ۱۶۳ رقم الحدیث: ۳۹۷، سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۷۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۳۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے قربانی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کو فرض قرار نہیں دیا گیا ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۱۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس گنجائش ہو، وہ قربانی کرے۔

(الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۳۸۲۔ ۳۸۳)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس گنجائش ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۳، مسند احمد: ج ۲ ص ۳۲۱، سنن دارقطنی: ج ۴ ص ۲۸۵، المستدرک للحاکم: ج ۲ ص ۳۸۹، ج ۴ ص ۲۳۲، سنن بیہقی: ج ۹ ص ۲۶۰)

احادیث مذکورہ پر ابن حزم ظاہری کے اعتراضات اور علامہ ابن الملقن کے جوابات

ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ پہلی حدیث مخنف کی روایت ہے اور یہ ضعیف ہے۔ اور دوسری حدیث حارث سے روایت ہے اور وہ یحییٰ بن ضرارہ از ابیہ مروی ہے، اور یہ دونوں مجہول ہیں۔

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یحییٰ سے محدثین کی ایک جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے، وہ مجہول کیسے ہوگئے، ان محدثین میں امام ابن المبارک ہیں اور امام ابن حبان نے یحییٰ کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ (کتاب الثقات ج ۷ ص ۶۰۲) اور ان کے والد سے بھی عتبہ بن عبد الملک نے روایت کی ہے اور ان کا بھی امام ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے (کتاب الثقات ج ۴ ص ۲۶۷۔۲۶۸) اور یہ کہا ہے کہ جس کا یہ زعم ہے کہ وہ صحابی ہیں، اس کو وہم ہوا۔ اور رہے علامہ ابن الجوزی تو انہوں نے کہا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی، اسی طرح ابونعیم نے کہا ہے۔ (معرفۃ الصحابہ لابی نعیم ج ۳ ص ۱۲۳۲)

نیز ابن حزم ظاہری نے ام بلال کی حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس روایت میں ام محمد ہیں اور ابن النعم ہیں اور یہ دونوں غایۃ السقوط ہیں۔

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: ابن النعم ثقہ ہیں، ان کو القطان وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔

ابن حزم ظاہری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ اس کی دونوں سندوں میں عبد اللہ بن عیاش ہے اور وہ معروف ثقہ نہیں ہے۔

علامہ ابن ملقن نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ عبد اللہ بن عیاش صحیح مسلم کے رجال میں سے ہیں اور ابوحاتم نے کہا ہے کہ بہت زیادہ سچے ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۵ ص ۱۲۶)

سو قربانی کے وجوب کی احادیث پر ابن حزم ظاہری نے جو اعتراضات کیے تھے، وہ تمام اعتراضات ساقط ہوگئے۔

قربانی کے وجوب کے متعلق مزید آثار

ابوالحسناء از الحکم از حنش از حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ میں دو مینڈھوں کی قربانی کروں۔

(سنن ابوداؤد: ۲۷۹۰، سنن ترمذی: ۱۴۹۵، مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۷، مسند ابویعلیٰ ج ۱ ص ۳۵۵، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۲۲۹۔۲۳۰)

از محمد بن راشد از سلیمان بن موسیٰ از عطاء بن ابی رباح از حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ہے، انہوں نے فرمایا: اے لوگو! قربانی کرو اور قربانی سے اپنے دلوں کو خوش کرو۔ (التمہید ج ۲۳ ص ۱۹۳)

از الحجاج بن ارطاۃ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں دس سال رہے اور آپ قربانی کو ترک نہیں کرتے تھے۔ آپ اونٹ کی قربانی کرتے تھے اور اونٹ نہ ملے تو مینڈھے کی قربانی کرتے تھے۔ (سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۷۲)

امام الدارقطنی نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں: یا رسول اللہ! کیا میں قرض لوں اور قربانی کروں، آپ نے فرمایا: ہاں! یہ وہ قرض ہے جو ادا کر دیا جائے گا۔ (سنن الدارقطنی ج ۴ ص ۲۸۳)

امام ابن ماجہ نے سند ضعیف کے ساتھ از محمد بن سیرین روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے قربانیوں کے متعلق سوال کیا، کیا یہ واجب ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور آپ کے بعد مسلمانوں نے قربانی کی اور اسی کی سنت جاری ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۴)

امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ جبلہ بن سحیم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا قربانی کرنا واجب ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور مسلمانوں نے قربانی کی، اس نے پھر سوال دہرایا، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم کو عقل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور مسلمانوں نے قربانی کی۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔
(سنن ترمذی: ۱۵۰۶)

امام ابن ماجہ سندِ جید کے ساتھ ابوزید سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے گھروں میں سے کسی گھر کے پاس سے گزرے تو آپ کو بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو آئی، آپ نے پوچھا: اس کو کس نے ذبح کیا ہے تو ایک مرد باہر آیا، اس نے کہا: یارسول اللہ! میں نے اس کو ذبح کیا ہے، آپ نے اس کو حکم دیا کہ دوبارہ ذبح کرو، اس نے کہا: یارسول اللہ! میرے پاس تو صرف چھ ماہ کا ایک بچہ ہے، آپ نے فرمایا: تم اسی کو ذبح کر دو اور تمہارے بعد کسی اور کو یہ کافی نہیں ہوگا۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۱۵۴)

امام مالک نے الموطا میں سندِ صحیح متصل سے روایت کی ہے کہ عویمر بن اشقر نے قربانی کے دن صبح سے پہلے اپنی قربانی ذبح کر لی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، آپ نے حکم دیا کہ تم دوسری قربانی کرو۔ (الموطا ص ۲۹۹)

امام مسلم نے بھی جندب بن عبد اللہ سے اسی حدیث کی مثل روایت کی ہے۔ (صحیح مسلم: ۹۸۵)

قربانی کے وجوب پر قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (الانعام)

آپ کہیے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے O اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں O

امام دارقطنی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کرتے وقت یہ آیت پڑھتے تھے اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ ...الآیۃ۔
اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں نسک سے مراد قربانی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو قربانی کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

نیز قرآن مجید میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ (الکوثر)

سو آپ اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے اور قربانی کرتے رہیں O

اس آیت میں نماز سے مراد نمازِ عید ہے اور نحر سے مراد قربانی ہے، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قربانی کرنا واجب ہے تو ہم پر بھی

واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے۔ (الاحزاب:۲۱)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ص ۵۶۵۔ ۵۷۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۵۴۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا ذَبَحَ لِنَفْسِهِ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهُ وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِينَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی از ایوب از محمد از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے نماز (عید) سے پہلے ذبح کرلیا، تو اس نے اپنے نفس کے لیے ذبح کیا اور جس نے نماز (عید) کے بعد ذبح کیا تو اس کی قربانی کامل ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کے طریقہ کو پالیا۔

(صحیح البخاری: ۹۵۴، ۹۸۴، ۵۵۴۶، ۵۵۴۹، ۵۵۶۱، صحیح مسلم: ۱۹۶۲، سنن نسائی: ۴۳۹۶، مسند احمد: ۱۰/۱۱۷)

صحیح البخاری: ۵۵۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''قربانی کا سنت ہونا'' اور اس حدیث میں قربانی کی شرط بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ قربانی کو نماز عید کے بعد ذبح کیا جائے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، اور یہ ابن علیۃ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے، یہ سختیانی ہیں۔ اور محمد کا ذکر ہے، وہ ابن سیرین ہیں۔

یہ حدیث صحیح البخاری صلوۃ العید کے باب میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جاچکی ہے۔

۲۔ بَابُ: قِسْمَةِ الْإِمَامِ الْأَضَاحِيَّ بَيْنَ النَّاسِ

امام کا قربانی کے جانوروں کو لوگوں کے درمیان تقسیم کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ امام قربانی کے جانوروں کو لوگوں کے درمیان خود تقسیم کرے یا اپنے وکیل کے واسطہ سے تقسیم

کرے، اور اس عنوان سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے درمیان جو قربانی کے جانور تقسیم کرتے تھے، اگر وہ خوشحال لوگوں کے درمیان تقسیم کریں تو وہ قربانی کے جانور مالِ فئے سے ہوتے تھے، یا اس کے قائم مقام مال سے ہوتے تھے جس مال کا خوشحال لوگوں کے لیے لینا جائز ہو۔ اور اگر آپ قربانی کے جانور فقراء کے درمیان تقسیم کرتے تو وہ صدقہ کے مال سے ہوتے تھے، اور امام بخاری نے اس عنوان سے یہ ارادہ کیا ہے کہ شارع علیہ السلام کا قربانی کے جانوروں کو اپنے اصحاب میں تقسیم کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ قربانی کا حکم مؤکد ہے اور آپ نے صحابہ کو اس کی طرف راغب کیا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگر معاملہ اسی طرح ہوتا تو یہ ان صحابہ پر مخفی نہ رہتا جنہوں نے خوش حال ہونے کے باوجود قربانی کو ترک کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جن صحابہ نے خوش حال ہونے کے باوجود قربانی کو ترک کیا، انہوں نے اس لیے نہیں ترک کیا کہ قربانی کا کرنا مؤکد نہیں ہے، بلکہ ان کے ترک کرنے کی وجہ یہ ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

از معمر و الثوری از ابو وائل، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: میں قربانی کرنے کو چھوڑتا ہوں، حالانکہ میں خوش حال ہوتا ہوں اس خوف سے کہ اگر میں نے قربانی کی تو میرے پڑوسی یہ گمان کریں گے کہ قربانی کرنا مجھ پر واجب ہے۔

اور ثوری نے روایت کی ہے از ابن ابراہیم بن مہاجر النخعی از علقمہ، انہوں نے کہا کہ اگر میں قربانی نہ کروں تو یہ مجھے زیادہ پسندیدہ ہے، کہ کہیں لوگ یہ نہ سمجھیں کہ قربانی کرنا مجھ پر واجب ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ اسی طرح اس عالم کو چاہیے، جس کی اقتداء کی جاتی ہے کہ جب اس کو یہ خطرہ ہو کہ اگر اس نے سنتوں پر عمل کیا تو عام لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ سنتیں فرض ہیں، تو اس کو چاہیے کہ ان سنتوں کو ترک کر دے تاکہ لوگ ان سنتوں کو واجب نہ سمجھیں اور تاکہ لوگوں کے اوپر ان کا دین مشتبہ نہ ہو، پس وہ فرض اور نفل کے درمیان فرق نہ کریں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ عالم کو بہر حال سنتوں پر عمل کرنا چاہیے اور سنتوں کو ترک نہیں کرنا چاہیے اور لوگوں کو بتلانا چاہیے کہ یہ عمل سنت ہے، واجب نہیں ہے، جب کہ قربانی ایسی سنت نہیں ہے کہ اس کو ترک کر دیا جائے۔ اور امام ابو حنیفہ اور دیگر ائمہ نے قربانی کو واجب کہا ہے۔ رہا حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ صحابی اور علقمہ تابعی کا یہ کہنا کہ میں قربانی کو اس لیے ترک کر دیتا ہوں کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ قربانی مجھ پر واجب ہے، تو یہ ان کا اجتہاد اور استنباط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس سال مدینہ میں رہے اور ہر سال قربانی کرتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مطابق عمل کرنا راجح ہے نہ کہ بعض صحابہ یا تابعین کے اجتہاد پر عمل کیا جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۵۴۷ـ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ بَعْجَةَ الْجُهَنِيِّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَسَمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَيْنَ أَصْحَابِهِ ضَحَايَا فَصَارَتْ لِعُقْبَةَ جَذَعَةٌ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ صَارَتْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن فضالہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از یحییٰ از بعجہ الجہنی از حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے

لِی جَذَعَةٌ قَالَ ضَحِّ بِهَا

درمیان قربانی کے جانور تقسیم کیے، تو حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں جذعہ (چھ ماہ کا بکرا) آیا، پس میں نے کہا: یارسول اللہ! میرے حصہ میں تو جذعہ ہے، آپ نے فرمایا: تم اسی کی قربانی کر دو۔

(صحیح البخاری: ۲۳۰۰، ۲۵۰۰، ۵۵۴۷، ۵۵۵۵، صحیح مسلم: ۱۹۶۵، سنن ترمذی: ۱۵۰۰، سنن نسائی: ۴۳۷۹، سنن ابن ماجہ: ۳۱۳۸، مسند احمد: ۱۶۸۹۵، سنن دارمی: ۱۹۵۴)

صحیح البخاری: ۵۵۴۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ہشام کا ذکر ہے اور یہ الدستوائی ہیں، اور یحییٰ کا ذکر ہے اور یہ ابن ابی کثیر ہیں۔ اور بعجہ کا ذکر ہے (اس میں باء پر زبر ہے عین ساکن ہے اور جیم پر زبر ہے)، یہ عبد اللہ جہنی کے بیٹے ہیں اور یہ معروف تابعی ہیں، صحیح البخاری میں صرف ان کی یہی ایک روایت ہے۔ اس حدیث میں عُقبہ کا ذکر ہے، اس سے مراد حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

جذعہ کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے "صارت جذعة" یعنی مجھے جذعہ حاصل ہوا، اور جذعہ کا لفظ اس سے عام ہے کہ وہ بکرے کا بچہ ہو، لیکن امام بخاری اور دوسروں نے کہا ہے کہ یہ حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ کے لیے اسی طرح بکرے کے بچے کی قربانی کی رخصت ہے جس طرح حضرت ابو بُردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کے لیے بکری کے بچہ کی قربانی کی رخصت تھی۔

اور "الجذعہ" چوپایوں کے ایک معین سن کا وصف ہے۔ دنبوں میں جذعہ اس کو کہتے ہیں جس نے ایک سال مکمل کرلیا ہو، اور یہ جمہور کا قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جو ایک سال سے کم کا ہو، وہ جذعہ ہے، پھر اس کی عمر میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ چھ ماہ کا ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ آٹھ ماہ کا ہو، تیسرا قول یہ ہے کہ وہ دس ماہ کا ہو۔ اور امام ترمذی نے از وکیع روایت کی ہے کہ وہ چھ ماہ کا ہو یا سات ماہ کا ہو۔

"الجذع" کا معنی

رہا "الجذع" تو بکرے میں الجذع اس کو کہا جاتا ہے جو دوسرے سال میں داخل ہو جائے، اور گائے میں اس کو کہا جاتا ہے جو تیسرے سال میں داخل ہو جائے اور اونٹ میں "الجذع" اس کو کہا جاتا ہے جو پانچویں سال میں داخل ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: تم اسی کی قربانی کرلو، یعنی الجذعہ کی جو چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۶۔ ۲۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳- بَابُ: الْأُضْحِيَةِ لِلْمُسَافِرِ وَالنِّسَاءِ — مسافر اور عورتوں کے لیے قربانی کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مسافر اور عورتوں کے لیے قربانی کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی) نے کہا ہے: اس عنوان میں ان لوگوں کے اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے جنہوں نے کہا ہے کہ عورتوں کے اوپر قربانی نہیں ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس میں ان لوگوں سے اختلاف کی طرف اشارہ ہو جو عورتوں کی قربانی سے منع کرتے ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس عنوان میں بالکل کوئی اشارہ نہیں ہے، جس طرح اس قائل نے کہا ہے۔ امام بخاری نے یہ عنوان اس لیے قائم کیا ہے تاکہ یہ بیان کریں کہ مسافر اور عورتوں پر آیا قربانی واجب ہے یا نہیں؟ لیکن امام بخاری نے اس عنوان کو مبہم رکھا اور اس پر اکتفاء کر لی کہ اس باب کی حدیث سے یہ بات سمجھ آجائے گی، جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں ہوگا جس کو احادیث کے معانی کے ادراک کا ذوق ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۴۸- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا وَحَاضَتْ بِسَرِفَ قَبْلَ أَنْ تَدْخُلَ مَكَّةَ وَهِيَ تَبْكِي فَقَالَ مَا لَكِ أَنُفِسْتِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ إِنَّ هٰذَا أَمْرٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ آدَمَ فَاقْضِي مَا يَقْضِي الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ فَلَمَّا كُنَّا بِمِنًى أُتِيتُ بِلَحْمِ بَقَرٍ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالُوا ضَحّٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ أَزْوَاجِهِ بِالْبَقَرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبد الرحمٰن بن القاسم از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور ان کو مقام سرف میں حیض آچکا تھا، اس سے پہلے کہ وہ مکہ میں داخل ہوتیں اور وہ رو رہی تھیں، تو آپ نے ان سے پوچھا: تم کیوں رو رہی ہو، کیا تم کو حیض آگیا ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: یہ وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے، تم وہ تمام کام کرو جو حج کرنے والے کرتے ہیں، سوائے اس کے کہ تم بیت اللہ کا طواف نہیں کرو گی، پس جب کہ ہم منیٰ کے اندر تھے تو میرے پاس گائے کا گوشت لایا گیا، میں نے پوچھا: یہ کیسا گوشت ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۹۴، ۳۰۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۹، ۳۲۸، ۱۵۱۶، ۱۵۱۸، ۱۵۵۶، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۶۳۸، ۱۶۵۰، ۱۷۰۹، ۱۷۲۰، ۱۷۳۳، ۱۷۵۷، ۱۷۶۲، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۶، ۱۷۸۷، ۱۷۸۸، ۲۹۵۲، ۲۹۸۴، ۴۳۹۵، ۴۴۰۱، ۴۴۰۸، ۵۳۲۹، ۵۵۴۸، ۵۵۵۹، ۶۱۵۷، ۷۲۲۹، صحیح مسلم: ۱۲۱۱، سنن ترمذی: ۹۳۵، سنن نسائی: ۲۹۰، سنن ابوداؤد: ۱۷۸۲، سنن ابن ماجہ: ۲۹۶۳، مسند احمد: ۲۵۳۱۰)

صحیح البخاری: ۵۵۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: ''مسافر اور عورتوں کے لیے قربانی کا بیان'' اور اس حدیث میں مسافر کی قربانی کرنے کا ذکر ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسافر تھے اور اس حدیث میں عورتوں کی طرف سے قربانی کا بھی ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، اور وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور عبدالرحمٰن کا ذکر ہے، وہ اپنے والد القاسم بن محمد بن ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند کے آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، وہ ام المومنین ہیں۔

مسافر پر قربانی کے حکم کے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

مسافر پر قربانی کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، امام شافعی نے کہا: قربانی کرنا تمام لوگوں کے لیے سنت ہے اور حج کرنے والے پر منیٰ میں قربانی ہے، ابوثور کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک نے کہا: مسافر پر قربانی نہیں ہے اور اگر مسافر قربانی کو ترک کردے تو اسے قربانی کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، سو حج کرنے والے کے لیے منیٰ میں قربانی۔ اور ابن المواز نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ اہلِ مکہ اور اہلِ منیٰ میں سے جس نے حج نہیں کیا، وہ قربانی کرے۔ اور علامہ ابن بطال مالکی نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ ہے کہ مسافر پر بھی قربانی لازم ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس سے پہلے امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ قربانی کرنا سنت ہے اور معروف ہے۔ ہاں یہ امام اوزاعی اور لیث کا قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ مسافر کے اوپر قربانی کرنا واجب نہیں ہے، اور ابراہیم النخعی سے منقول ہے کہ انہوں نے حج کرنے والے کے لیے اور مسافر کے لیے یہ رخصت دی ہے کہ وہ قربانی نہ کرے۔

عورتوں پر قربانی کا بیان

جن فقہاء نے قربانی کو واجب قرار دیا ہے، وہ عورتوں پر بھی قربانی کو واجب قرار دیتے ہیں اور جن فقہاء نے قربانی کو واجب نہیں قرار دیا ہے، وہ عورتوں پر بھی قربانی کو واجب نہیں کہتے اور ان کے حق میں قربانی کو مستحب کہتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں سرف کا ذکر ہے، یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے، جو مکہ سے چند میل کے قریب ہے۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ اس فاصلہ سے متعلق کئی اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ چھ میل کا فاصلہ ہے، ایک قول ہے سات میل کا فاصلہ ہے، ایک قول ہے نو میل کا فاصلہ ہے، ایک قول ہے: دس میل کا فاصلہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ بارہ میل کا فاصلہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اَنُفِسۡتِ'' اس کا معنی ہے ''اَحِضۡتِ'' یعنی کیا تم کو حیض آ گیا ہے؟ نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو بچہ کی

ولادت کے بعد عورت کو آتا ہے، لیکن اس حدیث میں نفاس کا اطلاق حیض پر کیا گیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: "یہ وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تسلی دینے کے لیے یہ فرمایا اور اس کا معنی یہ ہے کہ صرف آپ حیض کے ساتھ مختص نہیں ہیں، بلکہ آدم علیہ السلام کی تمام بیٹیوں کو حیض آتا ہے۔

علامہ عینی نے کہا ہے: امام بخاری نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تمام بیٹیوں کو حیض آتا ہے اور ان کا انکار کیا ہے، جنہوں نے کہا ہے کہ حیض کی ابتداء بنی اسرائیل کی عورتوں سے ہوئی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فاقضی" یعنی آپ وہ تمام افعال کریں جو حاجی کرتے ہیں، سوائے اس کے کہ آپ بیت اللہ کا طواف نہیں کریں گی۔

بیت اللہ کے طواف کے لیے طہارت کی شرط کا بیان

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حائض طواف نہیں کر سکتی اور اس پر اجماع ہے، لیکن اس کی علت میں اختلاف ہے جیسا کہ طواف کے لیے طہارت کی شرط میں اختلاف ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد نے کہا کہ یہ شرط ہے اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ یہ شرط نہیں ہے۔ داؤد ظاہری کا بھی یہی قول ہے۔ سو جنہوں نے کہا کہ طواف کے لیے طہارت شرط ہے، انہوں نے کہا کہ اگر حائض نے طواف کیا تو اس کا طواف باطل ہے۔ اور جنہوں نے طواف کے لیے طہارت کی شرط نہیں لگائی تو انہوں نے کہا: حائض کے طواف کے باطل ہونے کا سبب یہ ہے کہ حائض کا مسجد میں ٹھہرنا ممنوع ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی طرف سے قربانی کی۔ علامہ نووی نے کہا: یہ اس پر محمول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج سے اجازت لے کر ان کی طرف سے قربانی کی، کیونکہ جب انسان دوسرے کی طرف سے قربانی کرے تو اس کی قربانی دوسرے کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۷۔ ۲۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۴۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسافر پر قربانی کے وجوب کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

امام شافعی کے نزدیک تمام لوگوں کے لیے قربانی کرنا سنت ہے اور حج کرنے والے پر منیٰ میں قربانی کرنا سنت ہے۔

اور امام مالک کے نزدیک مسافر پر قربانی کرنا واجب ہے، اور اس کو قربانی ترک کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، سوا اس کے جو حج کر رہا ہو اور منیٰ میں ہو۔

اور امام ابوحنیفہ نے کہا: مسافروں پر قربانی کرنا واجب نہیں ہے۔

ابراہیم النخعی نے کہا: حج کرنے والے اور مسافر کے لیے رخصت ہے کہ وہ قربانی نہ کرے۔

اور امام شافعی کی دلیل اس باب کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی طرف سے گائے کی قربانی کی اور وہ سب حج

میں تھے اور حالتِ سفر میں تھے۔اور امام مالک نے سفر کو حضر پر قیاس کیا، انہوں نے کہا: جیسا کہ حضر یعنی غیر سفر میں فرائض کے درمیان فرق نہیں ہے، اسی طرح سفر میں بھی ان کے درمیان فرق نہیں ہوگا اور سفر میں بھی قربانی واجب ہوگی۔اسی طرح حج کرنے والے پر منیٰ میں قربانی واجب ہوگی۔

اور ابن وہب نے از فلح بن حمید از القاسم بن محمد روایت کی ہے کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حج کرتے تھے اور ہم میں سے کوئی بھی قربانی نہیں کرتا تھا، اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حج کرتے تھے اور قربانی نہیں کرتے تھے اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔اسی طرح علامہ ابن بطال نے کہا ہے، لیکن اس سے پہلے امام بخاری نقل کر چکے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ قربانی کرنا سنت ہے اور معروف ہے۔

ابن وہب نے کہا: مجھے متعدد اہلِ علم نے خبر دی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت حج کرتی تھی اور قربانی نہیں کرتی تھی۔

اور ابراہیم النخعی سے منقول ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما حج کرتے تھے اور قربانی نہیں کرتے تھے۔

امام ابو حنیفہ نے جو کہا ہے کہ مسافروں سے قربانی ساقط ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ جب مسافروں سے جمعہ کی نماز اور عیدین کی نماز ساقط ہے، تو ان سے قربانی بھی ساقط ہے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ اور تشریق صرف شہر میں فرض ہیں، جو (شہر) جامع ہو۔

رہا عورتوں پر قربانی کا معاملہ، تو جنہوں نے قربانی کو واجب کہا ہے، انہوں نے عورتوں پر بھی قربانی کو واجب کہا ہے اور جنہوں نے قربانی کو واجب نہیں کہا تو انہوں نے کہا: عورتوں کے لیے قربانی کرنا مستحب ہے۔

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ جب حج کرنے والوں پر قربانی واجب نہیں ہے، تو اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی طرف سے قربانی کی، اس کی کیا توجیہ ہوگی؟

علامہ ابن التین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی طرف سے نفلی قربانی کی تھی، یعنی قربانی ان پر واجب نہیں تھی، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی سنت کو ادا کرنے کے لیے اپنی ازواج کی طرف سے قربانی کی۔

اس حدیث میں اگرچہ گائے کی قربانی کا ذکر ہے، لیکن اشعب مالکی کا مختار یہ ہے کہ اگر حج کرنے والا قربانی کرنا چاہے تو اس کے لیے اونٹ اور گائے کی قربانی کرنا مستحب ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۵۹۹۔۶۰۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۴۸ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عورتوں پر حیض کو لکھے جانے کا معنی

اس حدیث میں حیض کے متعلق مذکور ہے کہ ''یہ وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے''۔اس کا معنی یہ ہے کہ یہ امر طبعی ہے اور جبلی ہے، عورت اپنے آپ کو اس سے الگ نہیں کر سکتی اور نہ اپنی مرضی سے اس کو لا سکتی ہے۔یعنی

عورتوں کی طبیعت اور جبلت میں اللہ تعالیٰ نے حیض کو مرکوز کر دیا ہے۔

مسافروں پر حج کی مشروعیت کی دلیل

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میرے پاس گائے کا گوشت لایا گیا، میں نے پوچھا: یہ کیسا گوشت ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی طرف سے گائے کی قربانی کی ہے"۔

امام بخاری نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ قربانی مسافر کے لیے بھی اسی طرح مشروع ہے جس طرح مقیم کے لیے قربانی کرنا مشروع ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی منیٰ میں مسافر تھے اور آپ کی ازواج بھی مسافرہ تھیں۔

شیخ ابن تیمیہ حنبلی نے کہا ہے: اس حدیث میں قربانی کرنے سے مراد ہدی پیش کرنا ہے اور ہدی کے اوپر قربانی کا اطلاق کیا گیا ہے، کیونکہ اس گائے کو ضحیٰ یعنی چاشت کے وقت میں ذبح کیا گیا تھا اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ نے وہ قربانی کی جو شہروں میں کی جاتی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے قربانی نہیں کی، حتیٰ کہ آپ نے اپنی ازواج کی طرف سے قربانی کی، اور اس حدیث میں ہدی پر مجازاً قربانی کا اطلاق ہے، جیسا کہ اس حدیث میں حیض پر نفاس کا مجازاً اطلاق ہے۔

سوال: اگر عید کے دن کوئی انسان سفر میں ہو تو کیا اس کے لیے قربانی کرنا مشروع ہے؟

جواب: ہاں! اس کے لیے بھی قربانی کرنا مشروع ہے، کیونکہ قربانی کی مشروعیت پر جو دلائل ہیں وہ عام ہیں۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۸۶۔۲۸۷، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ مسافر پر قربانی واجب تو نہیں ہے لیکن اگر وہ قربانی کرے تو اس کی قربانی مشروع ہوگی اور یہ نفلی قربانی ہوگی۔ (سعیدی غفرلہ)

۴۔ بَابُ: مَا يُشْتَهٰى مِنَ اللَّحْمِ يَوْمَ النَّحْرِ
قربانی کے دن گوشت کی خواہش کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قربانی کے دن گوشت کی خواہش کرنا جائز ہے، کیونکہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ گوشت کھانے سے لذت حاصل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۞ (الحج)

اور مقررہ ایام میں ان بے زبان مویشیوں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو دیئے ہیں، پس تم ان میں سے خود کھاؤ اور مصیبت زدہ فقیر کو بھی کھلاؤ O

اور جس نے قربانی کے دن گوشت کی خواہش کی، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بہ ظاہر اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی اور وہ ایک

درہم کا گوشت خرید کر لائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: اے امیر المومنین! یہ ہم نے گوشت خریدا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: تم اس آیت کے متعلق کیا کہو گے؟:

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۖ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُم بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَفْسُقُونَ (الاحقاف)

اور جس دن کفار کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا (تو ان سے کہا جائے گا:) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو، اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو، پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور کیونکہ تم نافرمانی کرتے تھے O

میں کہتا ہوں: ہر چند کہ یہ آیت کفار کے متعلق نازل ہوئی ہے، لیکن چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس وقت زہد کا غلبہ تھا اور خوف خدا طاری تھا، اس لیے انہوں نے یہ گمان کیا کہ چونکہ کفار کی اس بات پر گرفت کی جائے گی کہ وہ دنیا میں اپنی پسندیدہ اور لذیذ چیزیں لے چکے ہیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم پر بھی اس وجہ سے مواخذہ کیا جائے کہ ہم دنیا میں اپنی پسندیدہ اور لذیذ چیزیں لے چکے ہیں، اس لیے دنیا کی پسندیدہ اور لذیذ چیزوں کو ترک کر دینا مناسب ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: اور قربانی کا دن گوشت کھانے کے ساتھ مخصوص ہے، اس لیے قربانی کے دن گوشت کھانے کی خواہش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن قربانی کے دن کے علاوہ گوشت کھانا مباح ہے، مگر سلف صالحین گوشت کھانے کے اوپر دوام نہیں کرتے تھے، کیونکہ گوشت کھانے کا بھی بہت زیادہ شوق ہوتا ہے، جیسے خمر کا بہت زیادہ شوق ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۸۔۲۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: یہ تشبیہ صرف نفس شوق میں ہے ورنہ خمر حرام ہے، اور گوشت کھانا مرغوب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۵۴۹۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ النَّحْرِ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ يُشْتَهَى فِيهِ اللَّحْمُ وَذَكَرَ جِيرَانَهُ وَعِنْدِي جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ فَرَخَّصَ لَهُ فِي ذٰلِكَ فَلَا أَدْرِي بَلَغَتِ الرُّخْصَةُ مَنْ سِوَاهُ أَمْ لَا ثُمَّ انْكَفَأَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى كَبْشَيْنِ فَذَبَحَهُمَا وَقَامَ النَّاسُ إِلَى غُنَيْمَةٍ فَتَوَزَّعُوهَا أَوْ قَالَ فَتَجَزَّعُوهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن علیہ نے خبر دی از ایوب از ابن سیرین از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن فرمایا: جس نے نماز (عید) سے پہلے قربانی ذبح کر لی، وہ اس کو دہرائے، تو ایک مرد کھڑا ہوا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! یہ وہ دن ہے جس میں گوشت کی خواہش کی جاتی ہے، اور اس نے اپنے پڑوسیوں کا ذکر کیا اور کہا: میرے پاس ایک چھ ماہ کا بکرا ہے جس میں دو بکریوں سے زیادہ گوشت ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کی اجازت دے دی، حضرت انس رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں: میں از خود نہیں جانتا کہ یہ رخصت اس مرد کے سوا کسی اور کے لیے بھی ہے یا نہیں؟ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو مینڈھوں کی طرف مڑے اور ان کو ذبح کیا اور لوگ بکریوں کی طرف کھڑے ہوئے اور انہیں تقسیم کر کے ذبح کیا۔

(صحیح البخاری: ۹۵۴، ۹۸۴، ۵۵۴۶، ۵۵۴۹، ۵۵۶۱، صحیح مسلم: ۱۹۶۲، سنن نسائی: ۴۳۹۶، مسند احمد: ۱۱۷۱۰)

صحیح البخاری: ۵۵۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "قربانی کے دن گوشت کی خواہش کرنا" اور اس حدیث میں بھی ذکر ہے کہ ایک مرد نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس دن گوشت کی خواہش کی جاتی ہے، سو یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں صدقہ کا ذکر ہے، یہ ابن الفضل ہیں اور ابن علیہ کا ذکر ہے، یہ اسماعیل بن ابراہیم ہیں جو ابن علیہ کے ساتھ معروف ہیں اور علیہ ان کی ماں کا نام ہے، اور اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے، وہ سختیانی ہیں، اور ابن سیرین کا ذکر ہے، وہ محمد بن سیرین ہیں۔

یہ حدیث کتاب العیدین میں "باب الاکل یوم النحر" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ایک مرد کھڑا ہوا": یہ مرد حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ تھے، جیسا کہ حضرت البراء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انہوں نے اپنے پڑوسیوں کا ذکر کیا": یعنی انہوں نے ذکر کیا کہ ان کے پڑوسیوں کو گوشت کی ضرورت ہے اور وہ فقراء ہیں، خود قربانی نہیں کر سکتے، گویا کہ انہوں نے اپنی جلدی قربانی کرنے کا عذر بیان کیا کہ انہوں نے نماز سے پہلے قربانی کر دی تا کہ اپنے گھر والوں کو بھی کھلائیں اور اپنے پڑوسیوں کو بھی کھلائیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے از خود معلوم نہیں کہ یہ رخصت ان کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی ہے یا نہیں؟"، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ تک یہ حدیث نہیں پہنچی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بردہ بن نیار سے فرمایا تھا: "تمہارے بعد اور کسی کو چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کافی نہیں ہوگی"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مڑے"، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کی جگہ سے جانوروں کو ذبح کرنے کی جگہ کی طرف مڑے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "غُنیمۃ" یہ غنم کی تصغیر ہے، یعنی چھوٹی چھوٹی بکریاں۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے "فتوزعوھا" یعنی انہوں نے ان بکریوں کو متفرق کر دیا، اور التوزیع کا معنی ہے التفرقہ۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے "او قال فتجزعوھا" یہ راوی کو شک ہے اور یہ لفظ جزع سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے کاٹنا۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ سب لوگوں نے بکریوں میں سے اپنا اپنا حصہ لے لیا، اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ انہوں نے بکریوں کو ذبح کرنے کے بعد گوشت میں سے اپنا اپنا حصہ لے لیا، اور قطعہ سے مراد یہاں پر حصہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۴۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابو بردہ بن نیار کو چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کی رخصت کی توجیہ

اس حدیث میں ذکر ہے کہ اس مرد نے یعنی حضرت ابو بُردہ بن نیار نے اپنے پڑوسیوں کی حاجت کا اور ان کی مشقت کا ذکر کیا، اور یہ بتایا کہ ان کا ارادہ انہیں گوشت کھلانا ہے اور ان کی بھوک کو دور کرنا ہے۔ اور اگر وہ یہ بیان نہ کرتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نماز سے پہلے قربانی کرنے پر معزول قرار نہ دیتے اور ان کے لیے چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کی اجازت نہ دیتے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے بعد اور کسی کے لیے چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کفایت نہیں کرے گی"۔ اور اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خصوصیت کے ساتھ چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کی اجازت دے دی، مگر چونکہ انہوں نے اپنے پڑوسیوں کی بھوک کا ذکر کیا تھا، اس وجہ سے ان کو چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کی اجازت دے دی۔

پڑوسیوں کی غم گساری اور ان پر شفقت کرنا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس امت کے سلف صالحین اپنے پڑوسیوں کی غمگساری کرتے تھے اور ان پر شفقت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جو رزق دیا ہے، اس سے ان کو بھی حصہ فراہم کرتے تھے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ نے اپنی قربانی اس لیے جلدی ذبح کر لی، کہ اپنے پڑوسیوں کی بھوک کو مٹائیں، اور اس وقت ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ نماز عید سے پہلے قربانی کرنا ان کے لیے کافی ہے یا نہیں؟

بکری کی قربانی کرنا اونٹ اور گائے کی قربانی سے افضل ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے بعد دو مینڈھوں کی طرف مڑے اور ان کو ذبح کیا"، اس سے معلوم ہوا کہ بکریوں کی قربانی کرنا اونٹ اور گائے کی قربانی سے افضل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل کام کو کرتے ہیں، آپ نے دو مینڈھوں کی قربانی کی اور سو اونٹوں کی ہدی پیش کی، کیونکہ ہدی میں افضل اونٹ ہیں۔
اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ اونٹ اور گائے بکریوں

سے افضل ہیں (کتاب الام ج ۲ ص ۱۷۹) اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بکریوں کی قربانی افضل ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۶۰۲ _ ۶۰۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۴۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی دو روایتوں میں تطبیق، ایک روایت میں ہے: قربانی کا گوشت مکروہ ہے، اور دوسری روایت میں ہے کہ قربانی کے دن گوشت کی خواہش ہوتی ہے

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بردہ بن نیار نے کہا: یارسول اللہ! اس دن گوشت مکروہ ہوتا ہے، اور اس روایت میں الفاظ ہیں اس میں گوشت مقروم ہوتا ہے یعنی گوشت کی خواہش ہوتی ہے، پہلی روایت کا معنی یہ ہے کہ اس دن میں گوشت کی تاخیر کرنا مکروہ ہے، اور دوسری روایت کا معنی واضح ہے کہ اس دن گوشت کی خواہش ہوتی ہے۔

علامہ نووی نے کہا کہ اس دن میں گوشت کو طلب کرنا مکروہ اور دشوار ہوتا ہے، یعنی گوشت کو اپنے دوستوں اور پڑوسیوں سے طلب کرنا مکروہ اور دشوار ہوتا ہے، تو انہوں نے یہ پسند کیا کہ ان کے گھر والے گوشت کو لوگوں سے طلب نہ کریں تو اپنے گھر والوں کو انہوں نے گوشت کی طلب سے مستغنی کیا اور خود اپنی قربانی کا جانور جلدی ذبح کر دیا اور منصور کی از شعبی روایت ہے کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ دن کھانے اور پینے کا دن ہے، تو میں نے چاہا کہ میری بکری میرے گھر میں سب سے پہلے ذبح کر لی جائے، اور اس سے مجھے ظاہر ہو گیا کہ ان دونوں روایتوں میں کس طرح تقویت ہوگی، کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ گوشت کی خواہش ہوتی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اس دن گوشت مکروہ ہے، تو یہ دراصل دو اعتبار سے ہے، پس جس حیثیت سے لوگوں کی عادت ہے کہ اس دن جانوروں کو ذبح کرتے ہیں تو دل میں جانوروں کو ذبح کرنے کا شوق ہوتا ہے، تو اس دن گوشت کی خواہش ہوتی ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ لوگ گوشت کے طلب کرنے میں بہت زیادہ جمع ہو جاتے ہیں اور ان کو مشقت ہوتی ہے اور ملال ہوتا ہے تو اس اعتبار سے ان کے اوپر کراہت کا اطلاق ہے، پس ابتدائے حال کے اعتبار سے اس دن گوشت کی خواہش ہے اور انتہائے وصف کے اعتبار سے اس دن گوشت مکروہ ہے۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے جلدی اپنی قربانی ذبح کر دی تاکہ ان کو پہلے صفت حاصل ہو جائے اور وہ اپنے گھر والوں کو اور پڑوسیوں کو گوشت کھلا دیں۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۶_۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۶۹۵، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۴۹ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے نماز عید سے پہلے قربانی ذبح کر لی، تو اس نے قربانی کے وقت سے پہلے قربانی ذبح کی، اب اس پر واجب ہے کہ وہ اس کے بدلہ میں اس کی مثل قربانی کرے، نہ وہ جو اس کی قربانی کے لیے کافی ہے، پس اگر وہ قربانی عمدہ جنسی تو عمدہ کو ذبح کرے، اگر متوسط ہے تو متوسط کو ذبح کرے اور اگر ادنیٰ ہے تو ادنیٰ کو ذبح کرے۔

نیز اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم پر دلیل ہے کیونکہ آپ نے دو سینگ والے مینڈھوں کو ذبح کیا، ایک آل محمد کی طرف سے اور ایک امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے، کیونکہ امام ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

''اے اللہ! محمد، آل محمد اور امت محمد کی طرف سے اس کو قبول فرما۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

سوال: اگر کسی انسان نے اونٹ یا گائے کی قربانی کی، جس میں دوسرے لوگ بھی شریک تھے، پھر اس پر یہ منکشف ہوا کہ وہ اس کے بجائے بکری کی قربانی کردے تو کیا یہ جائز ہے۔

جواب: ہاں یہ جائز ہے، کیونکہ بکری کی قربانی کرنا اس سے افضل ہے کہ وہ اونٹ یا گائے میں شریک کسی حصہ کی قربانی کرے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۷۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۵- بَابُ: مَنْ قَالَ الْأَضْحَى يَوْمُ النَّحْرِ

ان فقہاء کا بیان جنہوں نے کہا: قربانی یوم النحر (دس ذوالحجہ) کو ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جن فقہاء نے کہا کہ قربانی یوم النحر ہے، یعنی صرف ایک دن قربانی ہے اور وہ یوم النحر (دس ذوالحجہ) ہے۔ یہ ابن سیرین کا قول ہے، اور اس کی حکایت ابن حزم ظاہری نے کی ہے از حمید بن عبدالرحمٰن۔ وہ یہ کہتے تھے کہ قربانی صرف یوم النحر کو ہے اور یہ ابن ابی سلیمان کا قول ہے۔

قربانی کے ایام میں فقہاء اسلام کے اقوال

اس سلسلہ میں فقہاء کے متعدد مذاہب ہیں:

(۱) امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے اصحاب، ثوری، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا مذہب ہے کہ قربانی یوم النحر میں ہے اور اس کے دو دن بعد (یعنی دس، گیارہ، بارہ ذوالحجہ تک) ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس کو ابن القصار نے ذکر کیا ہے اور ابن وہب نے اس کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

(۲) قربانی چار دن تک ہے یوم النحر اور اس کے بعد تین دن تک۔ اور یہ عطاء بن ابی رباح، الحسن البصری، امام اوزاعی، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور ابوثور کا مذہب ہے۔ حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ان دونوں نے کہا: ایام النحر، ایام المعلومات ہیں اور وہ یوم النحر ہے اور اس کے بعد تین دن ہیں۔

(۳) قتادہ نے کہا: قربانی یوم النحر میں ہے اور اس کے بعد چھ دن میں ہے۔

(۴) قربانی دس دن ہے، اس قول کی حکایت علامہ ابن التین نے کی ہے۔

(۵) حسن بصری سے روایت ہے کہ قربانی ذوالحجہ کے آخری دن تک ہے۔ اور علامہ ابن التین نے کہا: یہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نیز اس کو ابن حزم ظاہری نے از سلیمان بن یسار اور ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن سے بھی نقل کیا ہے۔ ان دونوں نے کہا: کہ قربانی ہلال محرم تک ہے۔

(۶) شہروں میں ایک دن قربانی ہے اور منیٰ میں تین دن قربانی ہے، یہ سعید بن جبیر اور جابر بن زید کا قول ہے۔

(۷) صرف ایک دن قربانی ہے اور اسی کے مطابق امام بخاری نے عنوان قائم کیا ہے، انہوں نے کہا: کہ قربانی یوم النحر (یعنی دس ذوالحجہ) میں ہے۔ اور امام بخاری نے اس کا استدلال اس سے کیا ہے کہ یوم کی اضافت نحر کی طرف ہے اور اس باب کی حدیث میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر نہیں ہے، تو صحابہ نے کہا: ہم نے کہا: کیوں نہیں؟ اور النحر میں لام جنس کے لیے ہے، پس قربانی صرف اسی دن میں ہوگی، یا نحر صرف اسی دن میں ہوگا۔ اور اس دلیل کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس سے مراد نحر کامل ہے۔ اور لام بکثرت کمال کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ اس قول میں ہے ''الشدید وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے''۔

امام بخاری کی دلیل کا جواب

علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے کہ نحر کی جو یوم اول کی طرف اضافت ہے، اس سے یہ استدلال کرنا کہ نحر یا قربانی صرف یوم النحر میں جائز ہے، یہ استدلال ضعیف ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَ یَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِیْرَ ﴿۲۸﴾ (الحج)

اور مقررہ ایام میں ان بے زبان مویشیوں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو دیئے ہیں، پس تم ان میں سے خود کھاؤ اور مصیبت زدہ فقیر کو بھی کھلاؤ ○

سو قرآن مجید کی اس آیت میں ایام معلومات میں قربانی کرنے کا ذکر ہے، لہٰذا یہ استدلال درست نہیں ہے کہ صرف یوم النحر یعنی دس ذوالحجہ کو قربانی ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: جس نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا آج یوم النحر نہیں ہے؟ اور یہ کہا کہ قربانی صرف یوم النحر کو ہے'' اور یوم النحر کے علاوہ اور کسی دن نحر اور ذبح جائز نہیں ہے، کیونکہ سلف اور خلف یعنی متقدمین اور متاخرین نے تمام ایام منیٰ کے اندر نحر کیا ہے اور تمام شہروں میں اس پر عمل ہوتا رہا ہے، لہٰذا جو اس کی مخالفت کرے، اس کی کوئی حجت نہیں ہے۔

اور علامہ ابن بطال نے اس سے استدلال کیا کہ حدیث میں ہے ''قربانی یوم النحر میں ہے اور تین دن ہیں''۔ نیز اس سے استدلال کیا کہ صحیح ابن حبان میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منیٰ کے تمام راستے مَنْحَر ہیں، یعنی نحر کی جگہ ہیں، اور تمام ایام تشریق میں ذبح ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس حدیث کی امام احمد نے اور امام ابن حبان نے از عبد الرحمٰن بن ابی حسین از جبیر بن مطعم روایت کی ہے، اور امام بزار نے اپنی مسند میں کہا کہ ابن ابی حسین کی حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی، ہذا یہ حدیث منقطع ہے اور اس سے استدلال درست نہیں ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام احمد نے، نیز امام بیہقی نے اس حدیث کی از سلیمان بن موسیٰ از جبیر بن مطعم از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے، تو میں کہوں گا کہ امام بیہقی نے کہا ہے کہ سلیمان بن موسیٰ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا، تو یہ حدیث منقطع ہوئی۔

اگر تم سوال کرو کہ امام ابن عدی نے الکامل فی الضعفاء میں از معاویہ بن یحییٰ الصدفی از الزہری از ابن المسیب از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: ''تمام ایام تشریق ذبح (کے ایام) ہیں''، تو میں کہوں گا: معاویہ بن یحییٰ کو نسائی اور ابن معین اور علی بن مدینی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور امام ابن ابی حاتم نے کتاب العلل میں بیان کیا ہے کہ میرے والد نے کہا: یہ حدیث اس سند کے ساتھ موضوع ہے۔

پس اگر تم کہو کہ امام بیہقی نے از طلحہ بن عمرو از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ: قربانی یوم النحر کے بعد تین دن ہے، تو میں کہوں گا کہ امام طحاوی نے سند جید کے ساتھ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ قربانی یوم النحر کے بعد دو دن ہے۔

اور ہمارے اصحاب احناف کی دلیل وہ ہے جس کی امام کرخی نے اپنی مختصر میں اس سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ ہمیں ابوبکر محمد بن الجنید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی لیلیٰ نے خبر دی از المنہال بن عمرو از زر بن حبیش وعبادہ بن عبد اللہ الاسدی از حضرت علی رضی اللہ عنہ، وہ فرماتے تھے کہ ایام النحر تین دن ہیں اور پہلا دن ان میں سب سے افضل ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی کی مثل مروی ہے، ان دونوں نے کہا کہ نحر تین دن ہے اور ان میں پہلا دن سب سے افضل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۱۹۔۲۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی عبارت کا خلاصہ

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے جو کہا: ''کہ قربانی صرف یوم النحر میں ہے یعنی دس ذوالحجہ میں'' اس کے رد میں علامہ عینی نے دو قسم کی احادیث پیش کیں، اول وہ احادیث پیش کی ہیں جن سے امام شافعی استدلال کرتے ہیں کہ قربانی چار دن ہے یوم النحر میں اور اس کے بعد تین دن، لیکن علامہ عینی نے ان احادیث پر جرح کی اور یہ ثابت کیا اور واضح کیا کہ یہ احادیث ضعیف ہیں اور بعض احادیث سند موضوع سے مروی ہیں، لہٰذا امام شافعی اور غیر مقلدین کا چار دن تک قربانی کو جائز قرار دینا درست نہیں ہے۔

پھر علامہ عینی نے دوسری قسم کی وہ احادیث پیش کیں جن میں تصریح ہے کہ قربانی تین دن ہے یوم النحر اور اس کے بعد دو دن، اور یہی فقہاء احناف کا اور امام مالک اور امام احمد کا مذہب ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۵۵۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از محمد از ابن ابی بکرہ از حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: بے شک زمانہ گھوم کر اپنی ہیئت اور اصل پر آ گیا ہے، جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا تھا، سال بارہ

الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ أَيُّ شَهْرٍ هَذَا قُلْنَا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ ذَا الْحِجَّةِ قُلْنَا بَلَى قَالَ أَيُّ بَلَدٍ هَذَا قُلْنَا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ الْبَلْدَةَ قُلْنَا بَلَى قَالَ فَأَيُّ يَوْمٍ هَذَا قُلْنَا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلَى قَالَ فَإِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ قَالَ مُحَمَّدٌ وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ أَلَا فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ يَبْلُغُهُ أَنْ يَكُونَ أَوْعَى لَهُ مِنْ بَعْضِ مَنْ سَمِعَهُ وَكَانَ مُحَمَّدٌ إِذَا ذَكَرَهُ قَالَ صَدَقَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ قَالَ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ مَرَّتَيْنِ۔

مہینوں کا ہے،ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں، تین مہینے تو لگا تار ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ، اور ایک (قبیلہ) مضر کا رجب ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے (پھر آپ نے پوچھا:) یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے،آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس مہینے کا کوئی اور نام رکھیں گے، پھر آپ نے فرمایا: کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ نے پوچھا: یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے، پس آپ خاموش رہے، حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ عنقریب اس شہر کا کوئی اور نام رکھیں گے، پس آپ نے فرمایا: کیا یہ البلدۃ (مکہ مکرمہ) نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ نے پوچھا: پس یہ کون سا دن ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے، سو آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ عنقریب آپ اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: بے شک تمہاری جانیں اور تمہارے اموال، محمد نے کہا: میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا: اور تمہاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جیسا کہ تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس شہر میں ہے اور تمہارے اس مہینے میں ہے اور عنقریب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے، پس وہ عنقریب تم سے تمہارے اموال کے متعلق سوال کرے گا، سنو! تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا، تم ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنا، سنو! چاہیے کہ حاضر غائب کو پہنچا دے، کیونکہ ہو سکتا ہے بعض وہ جس کو حدیث پہنچائی جائے، وہ حدیث کو سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہو، پس محمد جب اس حدیث کو ذکر کرتے تو کہتے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے، پھر آپ نے فرمایا: سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟

(صحیح البخاری: ۶۷، ۱۰۵، ۱۷۴۱، ۳۱۹۷، ۴۴۰۶، ۴۶۶۲، ۵۵۵۰، ۷۰۷۸، ۷۴۴۷، صحیح مسلم ۱۶۷۹، سنن ابن ماجہ: ۲۳۳، مسند احمد:

۱۹۸۷۳، سنن دارمی: ۱۹۱۶۔)

صحیح البخاری: ۵۵۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے'' قربانی یوم النحر میں ہے'' اور اس باب میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا آج یوم النحر نہیں ہے؟ اور اس سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ یوم کی اضافت نحر کی طرف ہے، یعنی نحر صرف اس دن ہی کیا جائے گا اور اس دن کے علاوہ نہ نحر کیا جائے گا اور نہ ذبح کیا جائے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبد الوہاب کا ذکر ہے، یہ ابن عبد المجید الثقفی ہیں۔ اور ایوب کا ذکر ہے، یہ السختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں محمد کا ذکر ہے، یہ ابن سیرین ہیں۔ اور ابن ابو بکرہ کا ذکر ہے، یہ عبد الرحمٰن ہیں جو اپنے والد حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، ان کا نام نفیع بن الحارث الثقفی البصری ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ذکر ہے'' الزمان''، علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس سے مراد ہے سال۔ اور زمان کا لفظ تمام دہر پر اور بعض دہر پر بولا جاتا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے'' کھیئته'': یہ مصدر محذوف کی صفت ہے، یعنی زمانہ گھوم کر اپنی اس حالت پر آ گیا ہے، جس حالت پر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عربوں کے مہینوں کو موخر کرنے کی توجیہ

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ'' دار اور استدار'' اس وقت کہا جاتا ہے، جب کوئی چیز گھوم کر اس جگہ پر آ جائے جہاں سے اس چیز کی ابتداء ہوئی تھی، اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ عرب محرم کو صفر کی طرف موخر کر دیتے تھے، تا کہ محرم کے مہینہ میں قتال کریں، یعنی محرم کے مہینہ میں قتال جائز نہیں تھا تو وہ محرم کو موخر کر دیتے تھے اور صفر کو محرم قرار دیتے تھے تا کہ محرم کے مہینہ میں قتال کر سکیں اور یہ ایک سال سے لے کر دوسرے سال تک ایسا کرتے رہتے تھے، پس محرم کا مہینہ ایک ماہ سے دوسرے ماہ کی طرف منتقل ہوتا رہتا تھا حتیٰ کہ وہ سال کے تمام مہینوں میں اسی طرح کرتے رہتے تھے، پس جب کہ اس سال زمانہ اپنی مخصوص حالت پر آ گیا، یعنی ان کی نقل سے پہلے اور سال اپنی اصلی ہیئت پر آ گیا اور ایسا حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا تھا، پس اس سال حج ذوالحجہ میں ہوا اور زمانہ جاہلیت میں عرب جو مہینوں کو موخر کرتے تھے، وہ باطل ہو گیا اور مہینے اپنی وضع قدیم پر لوٹ آئے۔

'' مُضر'' کی رجب کی طرف اضافت کی توجیہ

نیز اس حدیث میں مذکور ہے'' اربعة حرم'' اور حُرم حرام کی جمع ہے، یعنی یہ چار مہینے وہ ہیں جن میں جنگ اور قتال حرام ہے

تین مہینے تو لگاتار ہیں اور ایک مہینہ قبیلہ مُضر کا رجب ہے، رجب کے مہینے کو مُضر کے ساتھ اس لیے مخصوص کیا کہ قبیلہ مُضر رجب کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے اور انہوں نے رجب کے مہینے کو اپنی اصل سے منتقل نہیں کیا تھا اور رجب کا مہینہ جُمادہ آخرہ اور شعبان کے درمیان میں ہے، اور مُضر کے لفظ میں میم پر پیش ہے، یہ ایک قبیلہ ہے اور مُضر بن نضار بن معد بن عدنان کی طرف منسوب ہے۔

اس حدیث میں ذکر ہے ''کیا یہ شہر البلدۃ نہیں ہے؟''، البلدۃ سے مراد وہ شہر ہے جو تمام شہروں سے افضل ہے اور جس کی حرمت سب سے زیادہ ہے یعنی المکۃ المشرفہ، اور ثابت نے غریب الحدیث میں ذکر کیا ہے کہ منیٰ کو بھی البدۃ کہا جاتا ہے۔

نیز اس حدیث میں ذکر ہے ''کیا آج یوم النحر نہیں ہے؟'' یعنی وہ دن جس میں تمام شہروں سے قربانیاں اور ہدایا منیٰ میں لائی جاتی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''واعراضکم'' ''اعراض''، ''عِرض'' کی جمع ہے، اس سے مراد ہے لوگوں کی عزتیں، یعنی اس شہر میں جس طرح قتل کرنا حرام ہے اور لوگوں کا مال غصب کرنا حرام ہے، اسی طرح اس شہر میں لوگوں کی عزتیں پامال کرنا بھی حرام ہے، یعنی لوگوں کی غیبت کرنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اوعیٰ'' یعنی زیادہ حفظ کرنے والا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''الا! هل بلغت'' یعنی سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟، اس کے قائل نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور ابن سیرین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے پہلے اپنا کلام ملا دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۱۔ ۲۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۵۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قربانی کے ایام کی تحقیق

قربانی کے ایام میں علماء کا اختلاف ہے، اور اس میں دو مشہور مذہب ہیں:

(۱) قربانی یوم النحر کو ہے اور اس کے بعد دو دن ہیں، یہ امام مالک، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب، الثوری اور امام احمد کا مذہب ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور ابن حزم ظاہری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر بیان کیا ہے کہ نحر تین دن ہے اور ان میں افضل پہلا دن ہے۔

(۲) عطاء، الحسن بصری، اوزاعی، امام شافعی اور ابو ثور کا مذہب ہے کہ قربانی چار دن ہے، ابن بطال نے کہا ہے: صحابہ کا ان دو قولوں کے سوا اور کوئی قول نہیں ہے اور ائمہ فتویٰ اور تابعین نے انہی دو قولوں میں سے کسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ان کے علاوہ باقی اقوال شاذ ہیں۔ اور وہ اقوال درج ذیل ہیں:

ابن سیرین نے کہا: قربانی صرف ایک دن ہے اور وہ یوم النحر ہے، اور امام بخاری نے بھی اسی کا عنوان قائم کیا ہے۔ اور یہی ابو سلیمان کا قول ہے۔

سعید بن جبیر اور جابر بن زید نے کہا کہ تمام شہروں میں قربانی ایک دن ہے اور منیٰ میں تین دن ہے، اور قتادہ نے کہا: یوم النحر کو

قربانی ہے اور اس کے بعد چھ دن ہے، اور ابن تین نے نقل کیا ہے کہ قربانی دس دن ہے، اور حسن بصری سے منقول ہے کہ قربانی ذوالحجہ کے آخر تک ہے۔

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: ان اقوال کی سنت میں کوئی اصل نہیں ہے اور نہ صحابہ کے اقوال میں ان کی کوئی اصل ہے۔

ابن بطال نے کہا ہے کہ حدیث میں جو ہے کہ کیا آج یوم النحر نہیں ہے؟ اس سے یہ استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کہ یوم النحر یعنی دس ذوالحجہ کے علاوہ کسی دن نحر کرنا یا ذبح کرنا یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ ایام منیٰ میں نحر ہوتا ہے اور تمام متقدمین اور متاخرین نے اس کو نقل کیا ہے اور تمام شہروں میں اسی پر عمل ہے، لہٰذا جو اس کے خلاف کہے، اس کا قول دلیل نہیں ہے۔

اور امام ابن ابی حاتم بن حبان نے اپنی صحیح میں یہ روایت کیا ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکہ کے تمام راستے نحر کی جگہ ہیں، اور تمام ایامِ تشریق میں ذبح ہے۔ (صحیح ابن حبان ج ۹ ص ۱۶۶، رقم الحدیث: ۳۸۵۴)

نیز اس آیت سے بھی استدلال کیا گیا ہے:

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ (الحج: ۲۸)

اور مقررہ ایام میں ان بے زبان مویشیوں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو دیئے ہیں، پس تم ان میں سے خود کھاؤ اور مصیبت زدہ فقیر کو بھی کھلاؤ O

اس آیت میں یہ بتلایا ہے کہ أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ کے اندر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر قربانی کو ذبح کیا جائے، اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ قربانی صرف ایک دن ہے اور وہ یوم النحر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایام کا ذکر فرمایا ہے اور لیالی یعنی راتوں کا ذکر نہیں فرمایا۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے کہا کہ رات میں بھی قربانی کو ایامِ نحر میں ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب ایام کا ذکر کیا ہے تو راتیں اس کے تابع ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ راتوں کا ذکر فرمائے تو دن اس کے تابع ہوتے ہیں۔

اشعب، اسحاق اور ابوثور کا یہی مذہب ہے۔ (الاستذکار ج ۱۵ ص ۲۰۳۔۲۰۶)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۰۶۔۲۰۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن نے اپنی شرح میں وہی امور ذکر کیے ہیں جن کو ہم پہلے علامہ عینی سے نقل کر چکے ہیں، اور علامہ ابن ملقن کی پوری شرح کو ہم نے تکرار سے بچنے کے لیے ترک کر دیا۔

شیخ عثیمین حنبلی نے اس کو ترجیح دی ہے کہ قربانی چار دن ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کہ کل ایام تشریق ذبح ہیں، لیکن ہم اس سے پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے یا موضوع ہے اور صحیح حدیث یہی ہے کہ قربانی صرف یوم النحر یعنی دس ذوالحجہ کو ہے اور اس کے بعد دو دن ہے۔ اور یہ تمام تحقیق علامہ عینی کی شرح میں گزر چکی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۵۵۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے کہا کہ قربانی یوم النحر کو ہے، علامہ ابن المنیر نے بیان کیا کہ امام بخاری نے یہ استدلال اس سے کیا ہے کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا آج یوم النحر نہیں ہے؟ اور النحر میں لام جنس کے لیے ہے، لہٰذا نحر صرف اسی دن میں ہوگا اور جمہور کے اعتبار سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں مراد یہ ہے کہ نحر کامل یوم نحر میں ہے۔ اور لام کمال کے لیے بھی بہ کثرت استعمال ہوتا ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ یوم کی نحر کی طرف جو اضافت ہے، اس سے یہ استدلال کرنا کہ قربانی صرف یوم النحر میں ہے، یہ ضعیف ہے، جبکہ الحج: ۲۸ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی تمام ایام معلومات کے اندر کرنا جائز ہے۔

امام مالک نے کہا ہے کہ قربانی یوم النحر کو کی جائے گی اور اس کے بعد دو دن تک کی جائے گی، اور امام شافعی نے چار دن تک قربانی کرنے کا کہا ہے اور امام طحاوی نے کہا ہے کہ صحابہ سے ان دو قولوں کے علاوہ اور کوئی قول منقول نہیں ہے۔

اور جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے جو جبیر بن مطعم سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منیٰ کے تمام راستے منحر ہیں یعنی نحر کی جگہ ہیں اور تمام ایام تشریق ذبح (کے ایام) ہیں، اس حدیث کی امام احمد نے روایت کی ہے لیکن اس کی سند منقطع ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۶۹۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ امام شافعی نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے، وہ ضعیف ہے اور صحیح حدیث وہ ہے جس سے فقہاء احناف نے استدلال کیا ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ایامِ نحر تین دن ہیں، اور ان میں افضل پہلا دن ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نحر تین دن ہے اور ان میں سے افضل پہلا دن ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اور اس کی تائید میں یہ حدیث ہے:

امام مالک از نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا: قربانی یوم الاضحیٰ کے بعد دو دن ہے۔

اور امام مالک کہتے ہیں کہ مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل پہنچی ہے۔

(الموطا لامام مالک: ج ۲ ص ۳۰، رقم الحدیث: ۱۲، ۱۳، المکتبۃ التوفیقیہ)

۶۔ بَابُ: الْأَضْحٰى وَالْمَنْحَرِ بِالْمُصَلّٰى — اس کا بیان کہ قربانی کو ذبح اور نحر عیدگاہ میں کیا جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قربانی اور نحر عیدگاہ میں کیا جائے، اس عنوان میں ''المصلیٰ'' کا لفظ ہے، اور یہ وہ جگہ ہے جہاں عید کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ اس عنوان سے مقصود یہ ہے کہ یہ بیان کیا جائے کہ سنت یہ ہے کہ امام ذبح کرے اور امام عیدگاہ میں ذبح کرے تاکہ کوئی شخص امام سے پہلے ذبح نہ کرے اور باقی لوگ امام کے بعد ذبح کریں اور وہ سیکھ لیں کہ ذبح کی صفت کیا ہے اور نماز عید کے بعد ذبح کرنے میں سبقت کریں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس دن جو کام ہم سب سے پہلے کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں، پھر ہم واپس جاتے ہیں اور نحر کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۵۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ قَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن ابی بکر المقدمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن

كَانَ عَبْدُ اللهِ يَنْحَرُ فِي الْمَنْحَرِ قَالَ عُبَيْدُ اللهِ يَعْنِي مَنْحَرَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

الحارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ نے حدیث بیان کی از نافع، انہوں نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما منحر میں نحر کرتے تھے، عبید اللہ نے بتایا: یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نحر کرنے کی جگہ میں نحر کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۹۸۲، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۵۵۵۱، ۵۵۵۲، سنن نسائی: ۱۵۸۹، سنن ابوداؤد: ۲۸۱۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۱، مسند احمد: ۵۸۴۲)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں صرف نحر کا ذکر ہے اور صحیح البخاری: ۹۸۲ اور صحیح البخاری: ۵۵۵۲ میں اس طرح روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدگاہ میں ذبح کرتے تھے اور نحر کرتے تھے۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۵۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں دو جز ذکر کیے گئے ہیں، قربانی کرنا یعنی جانور کو ذبح کرنا اور جانور کو نحر کرنا اور اس حدیث میں صرف ایک جز کا ذکر ہے یعنی نحر کرنے کا۔ اور جب کہ یہ معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نحر کی جگہ عیدگاہ ہے، تو اس سے عنوان کے دونوں جز ثابت ہو گئے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدگاہ میں جانور کو ذبح بھی کرتے تھے اور جانور کو نحر بھی کرتے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن ابی بکر المقدمی کا ذکر ہے، ابوبکر المقدمی ان کے اجداد میں سے ایک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں خالد بن الحارث کا ذکر ہے، یہ ابوعثمان الہجیمی البصری ہیں، اس حدیث کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مولیٰ نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور یہ حدیث موقوف ہے، کیونکہ اس حدیث میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل بیان کیا گیا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نحر کی جگہ نحر کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۵۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ كَثِيرِ بْنِ فَرْقَدٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَخْبَرَهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلَّى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از کثیر بن فرقد از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، انہوں نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدگاہ میں (قربانی کو) ذبح کرتے تھے اور (قربانی کو) نحر کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۹۸۲، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۵۵۵۱، ۵۵۵۲، سنن نسائی: ۱۵۸۹، سنن ابوداؤد: ۲۸۱۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۱، مسند احمد: ۵۸۴۲)

صحیح البخاری: ۵۵۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سے پہلی حدیث موقوف تھی، اس میں یہ بیان تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نحر کی جگہ میں نحر کرتے تھے اور یہ حدیث مرفوع ہے، اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ میں قربانی کو ذبح کرتے تھے اور نحر کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۔ بَابٌ: فِي أُضْحِيَّةِ النَّبِيِّ ﷺ بِكَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ وَيُذْكَرُ سَمِينَيْنِ

اس کا بیان کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے اور فربہ مینڈھوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے

وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ بْنَ سَهْلٍ قَالَ كُنَّا نُسَمِّنُ الْأُضْحِيَّةَ بِالْمَدِينَةِ وَكَانَ الْمُسْلِمُونَ يُسَمِّنُونَ۔

اور یحییٰ بن سعید نے کہا: میں نے حضرت ابو امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ سے سنا کہ ہم مدینہ میں قربانی کے جانور کو (کھلا پلا کر) موٹا تازہ کرتے تھے اور مسلمان بھی قربانی کے جانوروں کو (کھلا پلا کر) موٹا تازہ کرتے تھے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ''کبشین'' کی قربانی کرتے تھے''کبشین'' کبش کا تثنیہ ہے، اور اس کا معنی ہے نر دنبہ، خواہ وہ کسی عمر کا ہو اور اس میں ''اقرنین'' کا لفظ ہے، یعنی ہر دنبہ کے دو سینگ ہوں، اور فربہ مینڈھوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

امام ترمذی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین قربانی مینڈھے کی ہے۔

اور امام ابوداؤد نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس میں سینگوں والے مینڈھوں کا ذکر ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سینگ والے مینڈھے کی قربانی کرنا مستحب ہے، اگرچہ بغیر سینگ والے مینڈھے کی قربانی کرنا بھی جائز ہے۔ اور جس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو، اس میں اختلاف ہے۔

امام بزار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد شدہ غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خریدتے تو سرمئی رنگ کے دو فربہ مینڈھے خریدتے۔ الحدیث (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس باب میں یحییٰ بن سعید الانصاری کی تعلیق ہے اور ابو اُمامہ میں ہمزہ پر پیش ہے اور ان کا نام حضرت اسعد رضی اللہ عنہ ہے اور یہ صحابی ہیں۔ اور علامہ ابن التین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ کبار تابعین میں سے ہیں، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیدا ہوئے اور ان سے کسی حدیث کی روایت نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام رکھا، ان کو گھٹی دی اور ان کا برکت والا نام رکھا، اور یہ ان

چھ صحابہ میں سے ہیں جن کی کنیت ابو امامہ ہے۔امام بخاری کی اس تعلیق کی امام ابو نعیم نے المستخرج میں سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: بعض فقہاء مالکیہ قربانی کے جانور کو موٹا تازہ کرنے کو مکروہ کہتے ہیں تا کہ یہود کے ساتھ متابعت نہ ہو، اور علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ حضرت ابو امامہ کا قول راجح ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۵۳۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ وَأَنَا أُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز بن صہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے اور میں بھی دو مینڈھوں کی قربانی کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۵۵۵۴، ۵۵۵۸، ۵۵۶۴، ۵۵۶۵، ۷۳۹۹، سنن نسائی: ۴۳۸۵، مسند احمد: ۱۱۵۷۳)

صحیح البخاری: ۵۵۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں، یعنی امام مسلم نے اس حدیث کی روایت نہیں کی۔اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنبہ کی قربانی کرنا افضل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۵۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنی طرف سے اور دوسروں کی طرف سے قربانی کرنے کے ثبوت میں احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھوں کی قربانی کی، ایک اپنی طرف سے اور اپنے اہل بیت کی طرف سے اور دوسری اپنی امت کی طرف سے۔(سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۸۵، نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۱۵۔۲۱۶، الارواء ج ۴ ص ۳۴۹۔۳۵۴)

میں کہتا ہوں کہ امت میں احیاء اور اموات دونوں شامل ہیں، سو اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ میت کی طرف سے بھی قربانی کرنا جائز ہے۔اور اس سے ان لوگوں کا قول باطل ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔(سعیدی غفرلہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مینڈھے کو لانے کا حکم دیا جو سینگ والا ہو اور سیاہ ٹانگوں سے چلتا ہو، سیاہ آنکھوں سے دیکھتا ہو اور سیاہ سرین کے ساتھ بیٹھتا ہو، پھر آپ نے اس کو ذبح کیا اور دعا کی: بسم اللہ، اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے قبول فرما اور آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے قبول فرما اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت کی طرف سے قبول فرما۔

پھر آپ نے اس کی قربانی کی۔ (صحیح مسلم:۱۹۶۷، کتاب الاضاحی، باب: استحباب الاضحیۃ)

اور ابن وہب نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھا منگایا، پس اس کو ذبح کیا اور دعا کی: "بسم اللہ واللہ اکبر، اے اللہ! یہ میری طرف سے ہے اور میری امت کے ان لوگوں کی طرف سے ہے جنہوں نے قربانی نہیں کی"۔ (شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۱۷۷، المستدرک: ج ۴ ص ۲۲۹)

یہ حدیث سنن ابوداؤد: ۲۸۱۰ اور سنن ترمذی: ۱۵۲۱ اور مسند احمد: ج ۳ ص ۳۶۲ میں بھی از یعقوب بن عبد الرحمن از المطلب بن عبد اللہ از حضرت جابر رضی اللہ عنہ مروی ہے۔

ایک قربانی کو متعدد کی طرف سے کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

امام مالک، اللیث، الاوزاعی، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق اور ابو ثور کا مذہب یہ ہے کہ ایک مرد کے لیے جائز ہے کہ ایک بکری کی وہ اپنی طرف سے بھی قربانی کرے اور اپنے اہل بیت کی طرف سے بھی قربانی کرے، اور اس کی مثل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اور امام احمد نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی طرف سے قربانی کی۔

علامہ ابراہیم بن المنذر نے کہا ہے: الثوری، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔

امام طحاوی نے کہا ہے کہ ایک بکری کی دو کی طرف سے قربانی کرنا جائز نہیں ہے اور فقہاء نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایت ہے کہ آپ نے اپنی طرف سے ذبح کیا اور امت کی طرف سے ذبح کیا، یہ منسوخ ہے یا مخصوص ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایک مینڈھے کی متعدد کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہوتا تو ایک اونٹ اور ایک گائے کی بھی متعدد کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہوتا اور جب ہم نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے اندر بھی تعداد معین کردی کہ ایک اونٹ کی قربانی میں سات شریک ہوسکتے ہیں اور گائے میں بھی تعداد معین کردی کہ ایک گائے کی قربانی میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں اور الحدیبیہ میں ہر ایک کو سات کی طرف سے آپ نے نحر کیا، تو اس سے معلوم ہوا کہ ایک گائے اور ایک اونٹ میں سات سے زیادہ شریک نہیں ہوسکتے تو بکری زیادہ اولیٰ ہے کہ اس کی قربانی میں بھی زیادہ افراد شریک نہ ہوں۔

علامہ ابراہیم بن منذر متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ پہلے قول پر عمل کرنا اولیٰ ہے، کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ نسخ صرف دعوے سے ثابت نہیں ہوتا، اس کے لیے کوئی نقل ہونی ضروری ہے جو ثابت ہو، اور فقہاء احناف نے جو کہا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے تو متقدمین میں سے کسی نے اس کی پیروی نہیں کی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۶۱۷-۶۲۰ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

فقہاء احناف کے قول کی وضاحت

میں کہتا ہوں کہ فقہاء احناف نے جو ایک بکری کی قربانی میں متعدد کی شرکت کو مکروہ کہا ہے، اس کا محمل یہ ہے کہ ایک بکری کی صرف ایک شخص کی طرف سے ہی قربانی ہوگی، ایک سے زیادہ اس میں شریک نہیں ہوسکتے اور ایک سے زیادہ کی شرکت صرف اونٹ اور گائے میں ہے، جس کی قربانی میں سات افراد تک شریک ہوسکتے ہیں۔ اور حدیث کا محمل یہ ہے کہ ایک بکری کی قربانی یا

ایک مینڈھے کی قربانی کا ثواب متعدد کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مینڈھے کی قربانی کر کے دعا کی کہ اے اللہ! اس کو میری طرف سے قبول فرما اور میرے اہل بیت کی طرف سے اور میری امت کی طرف سے قبول فرما، یعنی اس کا ثواب ان کو بھی پہنچا۔ اور اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک مینڈھے کی قربانی میں متعدد افراد شریک ہو سکتے ہیں۔ ہاں! ایک مینڈھے کی قربانی کا ثواب متعدد کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۵۵۴- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم انْكَفَأَ إِلَى كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ فَذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ تَابَعَهُ وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ وَحَاتِمُ بْنُ وَرْدَانَ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَنَسٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از ابو قلابہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سرمئی رنگ کے سینگ والے مینڈھوں کی طرف متوجہ ہوئے، پھر آپ نے ان کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔ عبدالوہاب نے وہیب کی متابعت کی ہے از ایوب، اور اسماعیل اور حاتم بن وردان نے کہا از ایوب از ابن سیرین از حضرت انس رضی اللہ عنہ۔

(صحیح مسلم: ۱۹۶۶، سنن ترمذی: ۱۴۹۴، سنن نسائی: ۱۵۸۸، سنن ابوداؤد: ۲۷۹۴، سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۰، مسند احمد: ۱۱۷۳۷، سنن دارمی: ۱۹۴۵)

صحیح البخاری: ۵۵۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب میں سینگ والے مینڈھوں کی قربانی کا ذکر ہے اور اس حدیث میں بھی یہ بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو سرمئی سینگ والے مینڈھوں کی قربانی کی طرف متوجہ ہوئے یا مڑے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالوہاب کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالمجید الثقفی ہیں اور ایوب کا ذکر ہے، یہ السختیانی ہیں۔ اور ابو قلابہ کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن زید الجرمی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "انکفأ" یعنی آپ مڑے اور متوجہ ہوئے۔

نیز اس حدیث میں "املحین" کا ذکر ہے، یہ املح کا تثنیہ ہے اور یہ وہ مینڈھا ہے جس میں سیاہی اور سفیدی ہو اور کتاب العین میں لکھا ہوا ہے کہ "الملح" کا معنی ہے: ایسی سفیدی جس میں تھوڑی سی سیاہی ہو، اور ابن فارس نے کہا ہے "الاملح" کا معنی ہے: ایسا سفید جس میں سیاہی مخلوط ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "آپ نے ان مینڈھوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کا اچھی

قربانی کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے، جب کہ اس کو اچھی طرح ذبح کرنا آتا ہو۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "تابعه وُهَيب عن ايوب" وُهیب، وھب کی تصغیر ہے، یہ ابن خالد البصری ہیں۔

اور اس تعلیق میں اسماعیل کا ذکر ہے، یہ ابن علیہ ہیں۔ اور اسماعیل کی حدیث کو امام بخاری نے چار ابواب کے بعد اثناءِ حدیث میں سندِ موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

اور حاتم بن وردان کی حدیث کی امام مسلم نے سندِ موصول کے ساتھ "باب الضحية" میں روایت کی ہے۔ اور اس میں بھی اسی طرح مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سرمئی رنگ کے سینگ والے مینڈھوں کی قربانی کی۔ اور یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سرمئی رنگ کے سینگوں والے مینڈھوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۵۴ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان کو یہ چاہیے کہ وہ اپنی قربانی کو خوب موٹا تازہ کرے، اگر اس کی قربانی موٹی تازی نہ ہو تو ان میں سے بڑی عمر کی جو قربانی ہو، اس کو ذبح کرے۔ ہر وہ جانور جو زیادہ اچھا ہو، وہ افضل ہے اور وہ اس آیت کے عموم میں داخل ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ (آل عمران: ۹۲) تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکو گے حتیٰ کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو۔

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان کو چاہیے کہ اپنی قربانی کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے، لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ اس کو ذبح کرنے کا طریقہ اچھی طرح سے آتا ہو، اگر اس کو اچھی طرح ذبح کرنے کی مہارت نہ ہو تو پھر وہ کسی کے سپرد کر دے، اور علماء نے کہا ہے: جب وہ کسی کے سپرد کرے کہ وہ اس کی قربانی کو ذبح کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ بھی وہاں پر حاضر رہے تا کہ اس کا دل مطمئن ہو۔

نیز اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے دو سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی کی، یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کیا قربانی کے جانور کا سینگ ہونا ضروری ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قربانی کے جانور کا سینگ والا ہونا، اس جانور کی قوت اور اس کے جسم کی سلامتی پر دلیل ہے، اس لحاظ سے سینگ والے مینڈھے کا ہونا بھی مقصود ہے، کیونکہ سینگ والا جانور عموماً اپنے نفس کا دفاع کر سکتا ہے اور سینگوں کی وجہ سے وہ دوسرے جانوروں سے ممتاز ہوتا ہے۔ باقی رہا سرمئی رنگ کا ہونا، تو اس کے متعلق بعض علماء نے کہا: یہ بھی مقصود ہے اور بعض علماء نے کہا: یہ مقصود نہیں ہے، سرمئی رنگ کا ہو یا کسی اور رنگ کا ہو، اس کی قربانی صحیح ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۸۴-۲۸۵، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۵۵۵ـ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا عَلَى صَحَابَتِهِ ضَحَايَا فَبَقِيَ عَتُودٌ فَذَكَرَهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ ضَحِّ أَنْتَ بِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یزید از ابوالخیر از حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کو بکریاں دیں کہ وہ ان کو آپ کے اصحاب میں قربانی کے لیے تقسیم کریں، تو ایک بکرے کا بچہ بچ گیا، انہوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: تم اس کی قربانی کر دو۔

(صحیح البخاری: ۲۳۰۰، ۲۵۰۰، ۵۵۴۷، ۵۵۵۵، صحیح مسلم: ۱۹۶۵، سنن ترمذی: ۱۵۰۰، سنن نسائی: ۴۳۷۹، سنن ابن ماجہ: ۳۱۳۸، مسند احمد: ۱۶۸۹۵، سنن دارمی: ۱۹۵۴)

صحیح البخاری: ۵۵۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں نبی ﷺ کا مینڈھوں کی قربانی کرنے کا ذکر ہے اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو قربانی کے لیے بکریاں عطا فرمائیں، گویا کہ آپ نے ان صحابہ کی طرف سے ذبح کیا، اور اس میں ذبح کی نسبت آپ کی طرف ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عمرو بن خالد کا ذکر ہے، یہ الحرانی ہیں جنہوں نے مصر میں سکونت اختیار کر لی تھی، اور یزید کا ذکر ہے، یہ لفظ زیادۃ سے ماخوذ ہے، یہ ابن ابی حبیب ابورجاء المصری ہیں۔ اور ابوالخیر مرثد کا ذکر ہے، یہ ابن عبداللہ الیزنی المصری ہیں۔ اور حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ صحابی ہیں۔

''غنم'' کا معنی

اس حدیث میں غنم کا لفظ ہے، یہ دنبے اور بکرے دونوں کو شامل ہے۔ اور اس حدیث میں ''علی صحابتہ'' کا ذکر ہے، ایک روایت میں ''علی اصحابہ'' ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ ضمیر نبی ﷺ کی طرف راجع ہو۔ یعنی نبی ﷺ نے اپنے اصحاب میں تقسیم کرنے کے لیے بکرے یا دنبے دیے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ضمیر حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہو، یعنی حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں تقسیم کرنے کے لیے بکرے یا دنبے عطا فرمائے۔

کیا امام بیت المال سے بکرے یا دنبے قربانی کے لیے کسی کو دے سکتا ہے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ضمیر نبی ﷺ کی طرف راجع ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ

بکرے یا دنبے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہوں اور آپ نے ان کو اپنے اصحاب کے درمیان شرعاً تقسیم کرنے کا حکم دیا ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ بکرے یا دنبے مالِ فئے میں سے ہوں، علامہ قرطبی نے اسی طرف میلان کیا ہے، انہوں نے کہا: امام کو چاہیے کہ وہ بیت المال میں سے قربانی کے جانوران میں تقسیم کردے جو قربانی کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

علامہ ابن بطال نے کہا: اگر یہ تقسیم اغنیاء کے درمیان تھی تو یہ مالِ فئے سے ہے، اور اگر یہ تقسیم فقراء کے ساتھ خاص تھی تو پھر مال زکوٰۃ سے ہے۔

''عتود'' کا معنی

عتود کے لفظ میں عین پر زبر ہے اور تاء پر پیش ہے، اور یہ خصوصیت سے بکرے کے بچہ کو کہتے ہیں۔ اور یہ وہ ہے جو ابھی ایک سال کا نہ ہو، ایک قول یہ ہے کہ وہ بکرے کا چھ ماہ کا بچہ ہے، علامہ ابن بطال نے کہا: یہ پانچ مہینے کا بچہ ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ یہ بکرے کا چھ ماہ کا بچہ ہے۔ اور چھ ماہ کے بکرے کے بچہ کی قربانی جائز نہیں ہے، قربانی اس بکرے کے بچہ کی جائز ہے جس کا دوسرا سال شروع ہو چکا ہو، پس اس حدیث میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے اور کسی دوسرے کے لیے چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کرنا جائز نہیں ہے، سوا حضرت ابو بردہ بن نیار کے، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ ماہ کے بکرے کے بچہ کی قربانی کی اجازت دی تھی۔

اور علامہ ابن التین نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابو بردہ کی حدیث سے منسوخ ہے، انہوں نے کہا: یا پھر اس کی عمر چھ ماہ سے زیادہ ہے۔ اور امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اس کی قربانی کر دو اور تمہارے بعد اور کسی کے لیے چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸- بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لِأَبِي بُرْدَةَ ضَحِّ بِالْجَذَعِ مِنَ الْمَعَزِ وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے یہ ارشاد کہ تم اس چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کر لو اور تمہارے بعد کسی اور کے لیے اس کی قربانی جائز نہیں ہوگی

۵۵۵۶- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مُطَرِّفٌ عَنْ عَامِرٍ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضى الله عنهما قَالَ ضَحَّى خَالٌ لِي يُقَالُ لَهُ أَبُو بُرْدَةَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم شَاتُكَ شَاةُ لَحْمٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ عِنْدِي دَاجِنًا جَذَعَةً مِنَ الْمَعَزِ قَالَ اذْبَحْهَا وَلَنْ تَصْلُحَ لِغَيْرِكَ ثُمَّ قَالَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا يَذْبَحُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مطرف نے حدیث بیان کی از عامر از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے ماموں نے نماز (عید) سے پہلے قربانی کر لی، جن کو حضرت ابو بردہ کہا جاتا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہاری بکری، بکری کا گوشت ہے، سو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ

الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهُ وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِينَ تَابَعَهُ عُبَيْدَةُ عَنِ الشَّعْبِيِّ وَإِبْرَاهِيمَ وَتَابَعَهُ وَكِيعٌ عَنْ حُرَيْثٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ وَقَالَ عَاصِمٌ وَدَاوُدُ عَنِ الشَّعْبِيِّ عِنْدِي عَنَاقُ لَبَنٍ وَقَالَ زُبَيْدٌ وَفِرَاسٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ عِنْدِي جَذَعَةٌ وَقَالَ أَبُو الْأَحْوَصِ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنَاقٌ جَذَعَةٌ وَقَالَ ابْنُ عَوْنٍ عَنَاقٌ جَذَعٌ عَنَاقُ لَبَنٍ۔

(صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پاس بکرے کا ایک چھ ماہ کا بچہ ہے، آپ نے فرمایا: تم اس کو ذبح کر دو اور تمہارے علاوہ اور کسی کے لیے وہ جائز نہیں ہوگا، پھر آپ نے فرمایا: جس نے نماز (عید) سے پہلے ذبح کیا، سو اس نے اپنے نفس کے لیے ذبح کیا، اور جس نے نماز (عید) کے بعد ذبح کیا، تو اس کی قربانی مکمل ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کے طریقہ کو پالیا۔ مطرف کی متابعت عبیدہ نے کی ہے از الشعبی وابراہیم۔ عبیدہ کی متابعت وکیع نے کی ہے از حُریث از الشعبی۔ اور عاصم اور داؤد نے کہا از الشعبی: میرے پاس ایک بکری کا بچہ ہے جو اپنی ماں کا دودھ پیتا ہے۔ اور زبید اور فراس نے کہا از الشعبی، میرے پاس ایک چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے۔ اور ابو الاحوص نے کہا: ہمیں منصور نے حدیث بیان کی: وہ بکری کا ایک چھ ماہ کا بچہ ہے۔ اور ابن عون نے کہا: وہ چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے جو دودھ پیتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۵۴۵، صحیح مسلم: ۱۹۶۱، سنن ترمذی: ۱۵۰۸، سنن نسائی: ۱۵۶۳، سنن ابوداؤد: ۲۸۰۰، مسند احمد: ۱۸۰۰۱۲، سنن دارمی: ۱۹۶۲)

صحیح البخاری: ۵۵۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مُطَرِّف کا ذکر ہے۔ میم پر پیش ہے اور طاء پر زبر ہے اور راء کے نیچے زیر ہے۔ یہ ابن طریق الحارثی ہیں۔

اور اس حدیث کی سند میں عامر کا ذکر ہے، وہ عامر الشعبی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فقال له ابو بودة''، ابو بُردہ کا نام ہانی البلوی ہے، یہ انصار کے حلیفوں میں سے تھے اور یہ عقبہ گھاٹی میں حاضر ہوئے تھے اور بدر میں حاضر ہوئے تھے اور بعد کے تمام مشاہد میں حاضر ہوئے۔ اور یہ پینتالیس سال تک زندہ رہے۔ اور صحیح بخاری میں ان کی حدیث ہے جو عنقریب کتاب الحدود میں آئے گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''شاة لحم'' یعنی تم نے جو پہلے قربانی ذبح کی ہے، یہ قربانی نہیں ہے بلکہ یہ ایک گوشت ہے جس سے تم نفع اٹھاؤ گے، اسی طرح زبید کی روایت میں ہے کہ یہ وہ گوشت ہے جس کو انہوں نے اپنے اہل کے لیے پہلے تیار کیا ہے۔ اور

صحیح مسلم کی روایت میں ہے: یہ وہ چیز ہے جس کو تم نے اپنے گھر والوں کے لیے جلدی تیار کرلیا ہے۔

اس حدیث میں ''داجن'' کا لفظ ہے، ''داجن'' اس بکری کو کہتے ہیں جو گھروں میں رہتی ہے اور گھر والوں سے مانوس ہوتی ہے۔ اس کا کوئی سن معین نہیں ہے۔ کہا گیا ہے کہ ''داجن'' میں تاء کو داخل نہیں کیا، کیونکہ ''شاۃ'' کے لفظ میں جنس اور واحد کے درمیان تاء سے فرق کیا جاتا ہے اور اس کا مونث اور مذکر ہونا وصف کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''جذعۃ'' یہ داجن کا عطف بیان ہے اور یہ مؤنث کے لیے ہے۔

تعلیقات مذکورہ میں احادیث کا بیان

اس حدیث کی تیسری تعلیق عاصم اور داؤد کی ہے از الشعبی، انہوں نے کہا: میرے پاس ''عناق اللبن'' ہے، یعنی بکری کا دودھ پیتا بچہ ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس تعلیق کو امام مسلم نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے، یہ حدیث حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن ہمیں حدیث بیان کی اور آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک قربانی نہ کرے حتیٰ کہ نماز (عید) پڑھ لے، تو ایک مرد نے کہا: میرے پاس بکری کا دودھ پیتا بچہ ہے جس میں دو بکریوں سے زیادہ گوشت ہے، تو آپ نے فرمایا: تم اس کی قربانی کرلو اور تمہارے بعد کسی کی طرف سے بھی چھ ماہ کے بچے کی قربانی کافی نہیں ہوگی۔

اس حدیث کی چوتھی تعلیق جو داؤد سے ہے، اس کی بھی امام مسلم نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے از داؤد از الشعبی از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن ہم کو خطبہ دیا، پس آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص بھی ذبح نہ کرے حتیٰ کہ وہ نماز (عید) پڑھ لے۔ تو میرے ماموں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آج یوم النحر ہے اور میں نے اپنی قربانی جلدی ذبح کردی تا کہ میں اپنے گھر والوں کو اور پڑوسیوں کو اور محلے کے لوگوں کو گوشت کھلاؤں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی قربانی دوبارہ کرو، تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پاس بکری کا ایک دودھ پیتا بچہ ہے، اس میں دو بکریوں سے زیادہ گوشت ہے تو آپ نے فرمایا: یہ تمہاری اچھی قربانی ہے، لیکن تمہارے بعد اور کسی کی طرف سے چھ ماہ کے بکری کے بچے کی قربانی کفایت نہیں کرے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۷۔ ۲۲۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۵۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ ذَبَحَ أَبُو بُرْدَةَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَبْدِلْهَا قَالَ لَيْسَ عِنْدِي إِلَّا جَذَعَةٌ قَالَ شُعْبَةُ وَأَحْسِبُهُ قَالَ هِيَ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ قَالَ اجْعَلْهَا مَكَانَهَا وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ وَقَالَ حَاتِمُ بْنُ وَرْدَانَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سلمہ از ابی جُحیفہ از حضرت البراء رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بُردہ رضی اللہ عنہ نے نماز (عید) سے پہلے قربانی ذبح کرلی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس کو تبدیل کرو، انہوں نے کہا: میرے پاس تو اب صرف چھ ماہ کا بکرے کا بچہ ہے، شعبہ نے کہا:

ﷺ وَقَالَ عَنَاقٌ جَذَعَةٌ۔

(صحیح مسلم:۱۹۶۱،مسند احمد:۱۸۲۱۶)

میرا گمان ہے، انہوں نے کہا کہ وہ بچہ ایک سال کے بکرے سے زیادہ بڑا لگتا ہے۔آپ نے فرمایا:اس کی اس کی جگہ قربانی کردو، لیکن تمہارے بعد اور کسی کی طرف سے یہ کافی نہیں ہوگا۔اور حاتم بن وردان نے کہا از ایوب از محمد از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، اور فرمایا:اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک سال سے کم عمر کی بکری کی بچی ہے۔

صحیح البخاری:۵۵۵۷،کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سلمہ کا ذکر ہے، یہ ابن کُہَیل ہیں اور کُہَیل، کَہل کی تصغیر ہے، یہ الحضرمی الکوفی ہیں۔
اور اس حدیث میں حضرت ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، جُحیفة، جَحفة کی تصغیر ہے،ان کا نام وہب بن عبداللہ السوائی ہے۔ یہ مشہور صحابی ہیں اور یہ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''ابدلها'' یہ ابدال سے امر ہے، یعنی اس بکری کی جگہ اور بکری ذبح کرو۔
اس حدیث میں مذکور ہے''احسبه'' یعنی حضرت ابو بردہ نے گمان کیا کہ یہ بکری جو چھ ماہ کی ہے، یہ ایک سال کی بکری سے زیادہ بہتر ہے۔اور یہ اس اعتبار سے زیادہ بہتر ہے کہ یہ بکری اس سے زیادہ موٹی ہے اور زیادہ نفیس ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے''اجعلها مکانها'' یعنی نبی ﷺ نے فرمایا:اس چھ ماہ کی بکری کو ایک سال کی بکری کی جگہ ذبح کر دو، اور یہ حکم بھی حضرت ابو بُردہ بن نیار کے ساتھ مخصوص ہے، اسی لیے آپ نے فرمایا: کہ تمہارے بعد اور کسی کی طرف سے چھ ماہ کے بکری کے بچہ کی قربانی کافی نہیں ہوگی۔
جن فقہاء نے کہا ہے کہ قربانی واجب ہے، انہوں نے نبی ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''ابدلها'' یعنی آپ نے یہ حکم دیا کہ اس کے بدلہ میں دوسری قربانی کرو، تو اگر قربانی واجب نہ ہوتی تو آپ اس کے بدلے میں دوسری قربانی کرنے کا حکم نہ دیتے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: بہ کثرت احادیث قربانی کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں، ان میں سے وہ حدیث ہے جس کی امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے از ابی رملہ، وہ بیان کرتے ہیں: ہمیں مخنف بن سلیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدانِ عرفات میں کھڑے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا: اے لوگو! ہر گھر والے کے اوپر ہر سال میں قربانی ہے اور عتیرہ ہے(وہ جانور جس کو رجب کے مہینے میں ذبح کیا جاتا تھا)۔امام ترمذی نے کہا: یہ

حدیث حسن غریب ہے۔
اگر تم کہو کہ عبد الحق نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور ابن القطان نے کہا: اس حدیث کی علت یہ ہے کہ ابو رملہ کا حال مجہول ہے اور ان کا نام عامر ہے اور وہ اس نام کے سوا نہیں پہچانے جاتے، ان سے ابن عون روایت کرتے ہیں۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: تو میں کہوں گا کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور یہ وجوب پر استدلال کے لیے کافی ہے۔ اور محفف بن سلیم بن الحارث الازدی الغامدی نے اس حدیث کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور ابو نعیم نے اس کو تاریخ اصبھان میں ذکر کیا ہے، اور ابو رملہ کے متعلق امام ابو داؤد نے تصریح کی ہے کہ ان کا نام عامر ہے۔
اس حدیث کے آخر میں حاتم بن وردان کی تعلیق میں عناق جذعة کا لفظ ہے، اور جذعة، عناق کا عطف بیان ہے، یعنی چھ ماہ کا بکری کا بچہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲۸-۲۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۵۷ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جہالت کی وجہ سے شروط ساقط نہیں ہوتیں

ان دونوں حدیثوں کا فائدہ یہ ہے کہ شروط جہالت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتیں، اسی وجہ سے حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کو ان کی جہالت کی وجہ سے معذور قرار نہیں دیا، کیونکہ ان کو یہ پتا نہیں تھا کہ نماز (عید) سے پہلے قربانی ذبح نہیں کرنی چاہیے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے بتایا تو آپ نے فرمایا: تم دوبارہ قربانی کرو، اس سے معلوم ہوا کہ مسئلہ کی جہالت کی وجہ سے شرط ساقط نہیں ہوتی۔
سوال: اگر کوئی شخص مسئلہ سے جہالت کی وجہ سے کوئی کام کرلے تو کیا وہ گناہ گار ہوگا؟
جواب: اگر اس کو یہ علم ہو کہ اس طرح کرنا ممنوع ہے اور پھر وہ کام کرے تو وہ گناہ گار ہوگا، اور اگر اس کو یہ علم نہ ہو تو پھر وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۸۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۵۷، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
بعض شارحین نے کہا ہے: حدیث میں کبھی تو جذعة کا لفظ ہے اور کبھی جذع کا لفظ ہے، انہوں نے اس کا جواب دیا: جذعة میں تاء وحدت کے لیے ہے اور "الجذعة" سے مراد جنس ہے، علامہ کورانی فرماتے ہیں: یہ لغو کلام ہے، کیونکہ متکلم کی غرض یہ نہیں ہے کہ یہ جنس ہے اور نہ یہاں جنس کا ارادہ کرنا ممکن ہے، کیونکہ ذبح کا تعلق جنس کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ فرد کے ساتھ ہوتا ہے۔
(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۹ ص ۱۸۸، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابٌ: مَنْ ذَبَحَ الْأَضَاحِيَّ بِيَدِهِ
اس کا بیان کہ جس نے قربانیوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

قربانی کے جانور کو دوسرے شخص سے ذبح کرانے کی تفصیل

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قربانی کے جانوروں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کا حکم کس طرح ہے؟ کیا یہ شرط ہے کہ قربانی کے جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرے یا یہ شرط نہیں ہے صرف اولیٰ ہے؟ اور اس پر اتفاق ہے کہ قربانی کو ذبح کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنانا جائز ہے، لہٰذا اپنے ہاتھ سے قربانی کو ذبح کرنا شرط نہیں ہے، لیکن فقہاء مالکیہ سے روایت ہے کہ جب آدمی خود قربانی کے جانور کو ذبح کرنے پر قادر ہو، تو کسی اور کا ذبح کرنا کافی نہیں ہے اور اکثر کے نزدیک یہ مکروہ ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ جب کوئی دوسرا قربانی کر رہا ہو، تو وہ وہاں پر حاضر ہو اور یہ مکروہ ہے کہ وہ قربانی کرنے کا وکیل کسی حائض عورت کو بنادے یا بچہ کو بنادے یا اہل کتاب کو بنادے۔

۵۵۵۸۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ قَالَ ضَحَّى النَّبِيُّ ﷺ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ فَرَأَيْتُهُ وَاضِعًا قَدَمَهُ عَلَى صِفَاحِهِمَا يُسَمِّي وَيُكَبِّرُ فَذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دو سرمئی مینڈھوں کو ذبح کیا، پس میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنے قدم مبارک کو ان مینڈھوں کی جانب پر رکھا، آپ نے بسم اللہ واللہ اکبر پڑھا اور ان دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔

(صحیح مسلم: ۱۹۶۶، سنن ترمذی: ۱۴۹۴، سنن نسائی: ۴۳۸۷، سنن ابوداؤد: ۲۷۹۴، سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۰، مسند احمد: ۱۱۷۳۷، سنن دارمی: ۱۹۴۵)

صحیح البخاری: ۵۵۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''صفاحهما'' کا ذکر ہے، صفاح، صفحة کی جمع ہے، اور صفحة ہر چیز کی جانب کو کہتے ہیں۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ذبح کرنے والا جانور کی ایک جانب پر پیر رکھتا ہے تو تثنیہ کے ساتھ صفاحهما کیوں کہا گیا؟ یعنی اس کی دونوں جانب پر پیر رکھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر دو مینڈھوں کا ذکر ہے، اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہر مینڈھے کی ایک جانب پر پیر رکھا۔
مینڈھے کی ایک جانب میں پیر رکھنے میں حکمت یہ ہے تا کہ اس پر اپنی طاقت کا اظہار کیا جائے اور اس سے اس کی موت جلدی واقع ہو جائے گی۔ اور یہ جانور کو عذاب دینا نہیں ہے جس سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ ذبح کرنے والا جانور کو ذبح کرنے پر اسی وقت قادر ہوگا جب اس کی ایک جانب پر پیر رکھے گا۔

ابن القاسم مالکی نے کہا ہے کہ جانور کو اس کے بائیں پہلو پر لٹایا جائے اور پھر اس پر پیر رکھا جائے، مسلمانوں کا اسی طریقہ پر عمل ہے۔ اگر وہ ناواقف تھا تو اس کو دوسرے پہلو پر لٹا دے اور اس کا گوشت کھانا حرام نہیں ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے بسم اللہ پڑھی اور اللہ اکبر پڑھا اور قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا، سو اللہ اکبر کو بسم اللہ کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے، اسی طرح مرد کا جانور کی گردن کی ایک جانب پر پیر رکھنا بھی مستحب ہے۔ اور رہا بسم اللہ پڑھنا تو وہ شرط ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۵۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''الصفاح'' کا معنی

''صفاح'' کا معنی ہے: چہرے کی دو جانبوں میں سے ایک جانب۔
اور داؤدی نے کہا ہے کہ ''الصفاح'' چہرے کی جانب ہے اور اسی میں قدم رکھا جاتا ہے۔ اور دوسروں نے کہا ہے کہ ''صفح العنق'' کا معنی ہے گردن کی جانب۔

اپنے ہاتھ سے جانور کو ذبح کرنے کا استحباب

مرد کے لیے مختار اور سنت یہ ہے کہ وہ اپنی قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرے، اور فقہاء کا اس کے استحباب پر اتفاق ہے۔ ہاں اگر اس کو کوئی عذر ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی اور کو اپنا قائم مقام کر دے، کیونکہ عذر کی وجہ سے مستحب احکام ساقط ہو جاتے ہیں، اور اگر اس نے قدرت کے باوجود کسی کو اپنا قائم مقام کیا تو یہ مکروہ ہے لیکن قربانی ہو جائے گی۔

ابو اسحاق السبیعی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اپنی قربانیوں کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرتے تھے، امام مالک نے کہا: یہ اللہ کے لیے تواضع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کو حکم دیتے تھے کہ وہ اپنی قربانیوں کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کریں۔
(مصنف عبد الرزاق: ۸۱۶۹)

اور زہری نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم اپنی قربانی پر حاضر ہو، کیونکہ جب تمہاری قربانی کے خون کا پہلا قطرہ نکلے گا تو تمہاری مغفرت کر دی جائے گی۔ (مصنف عبد الرزاق: ۸۱۶۸)

قربانی کے جانور کی گردن کے ایک جانب پر پیر اس لیے رکھا جاتا ہے تا کہ جانور کی جان آسانی سے نکل جائے، اور حدیث

میں ہے:

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم ذبح کرو تو عمدہ طریقے سے ذبح کرو، اور تم میں سے کوئی ایک اپنی چھری کو تیز کر لے اور ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ۔ (صحیح مسلم: ۱۹۵۵، کتاب الصید، باب الامر باحسان الذبح)

قربانی کے جانور پر تکبیر پڑھنے کا بیان

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ قربانی کے جانور پر تکبیر پڑھنا بھی اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ۔ (البقرہ: ۱۸۵) اور اللہ کی کبریائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے۔

اور اس کا معنی ہے کہ نیت کو اللہ کے لیے حاضر کیا جائے، نہ کہ کسی اور کام کے لیے زمانہ جاہلیت میں جس طریقہ سے عبادت کی جاتی تھی۔ اور حسن بصری ذبح کے وقت یوں کہتے تھے:

بسم اللہ واللہ اکبر ھذا منك ولك اللھم تقبل من فلان۔ اللہ کے نام سے اور اللہ بہت بڑا ہے، یہ قربانی تیری طرف سے ہے، اور تیرے لئے ہے، اے اللہ! تو اس کو فلاں کی طرف سے قبول فرما۔

اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ ذبح کے وقت صرف اللہ کا نام لے، اور ذبح کے وقت یہ کہنا مکروہ ہے کہ اے اللہ! تو فلاں کی طرف سے ذبح کو قبول فرما۔ اور اگر بسم اللہ پڑھنے اور ذبح کرنے سے پہلے یہ دعا مانگ لی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اور ابن القاسم مالکی یہ کہتے تھے کہ ذبح کرنے والے کو چاہیے کہ وہ "بسم اللہ واللہ اکبر" کہے، اور یہ جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کی نہیں ہے اور نہ تسبیح پڑھنے کی ہے، یہاں پر صرف اللہ وحدہ لاشریک کا ذکر کرے، اور یہی اللیث کا قول ہے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے تھے "بسم اللہ واللہ اکبر" اور ابن القاسم نے کہا: اگر اس نے صرف بسم اللہ پڑھی تو بھی کافی ہے۔ اور اگر چاہے تو کہے: اے اللہ! میری طرف سے قبول فرما۔

اور امام مالک نے ان کے اس قول کا انکار کیا ہے کہ وہ کہے "اللھم منك والیك" یعنی اے اللہ! تیری طرف سے ہے اور تیری طرف ہے"۔ (المدونہ ج ۱ ص ۴۲۹)

اور امام شافعی نے کہا: ذبیحہ کو صرف بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے، اور اگر اس نے بسم اللہ کے ساتھ کسی اور چیز کا ذکر کیا یا سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر صلوٰۃ پڑھی تو میں اس کو مکروہ نہیں کہتا، اور اگر اس نے کہا: اے اللہ! اس کو میری طرف سے قبول فرما، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

اور محمد بن الحسن نے کہا: اگر کسی شخص نے بکری ذبح کی اور "الحمد للہ" کہا یا "سبحان اللہ واللہ اکبر" کہا اور اس سے بسم اللہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ سب الفاظ اللہ کے نام ہیں۔ اور انہوں نے کہا: اگر کسی شخص نے الحمد للہ کہا اور اس سے اس کی مراد تھی کہ وہ اللہ کی حمد کرے، نہ کہ بسم اللہ کا ارادہ کرے، تو یہ بسم اللہ پڑھنے کے لیے کافی نہیں ہے اور یہ ذبیحہ کھایا نہیں جائے گا، ابوثور کا بھی یہی قول ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۶۲۷۔ ۶۲۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۱۰۔ بَابُ: مَنْ ذَبَحَ ضَحِيَّةَ غَيْرِهِ

اس کا بیان جس نے دوسرے کی قربانی کو ذبح کیا

وَأَعَانَ رَجُلٌ ابْنَ عُمَرَ فِي بَدَنَتِهِ۔

(تغلیق التعلیق ج ۵ ص ۱۱)

اور ایک مرد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اونٹ کے قربانی میں مدد کی۔

وَأَمَرَ أَبُو مُوسَى بَنَاتِهِ أَنْ يُضَحِّينَ بِأَيْدِيهِنَّ

(مصنف عبدالرزاق: ۸۱۶۹)

اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے ذبح کریں"۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے دوسرے کی قربانی کو ذبح کیا، یعنی اس کی اجازت سے۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح

اس کے بعد امام بخاری کی یہ تعلیق ہے کہ ایک مرد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اونٹ کو ذبح کرنے میں مدد کی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یعنی ذبح کے وقت ان کی مدد کی، اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ اثر عنوان کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ کسی مرد کے ذبح کے وقت مدد کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسرے کی قربانی کو اس کی اجازت سے ذبح کرے، اور جو شخص اونٹ کو روکنے میں مدد کرتا ہے، اس کو ذبح کرنے والا نہیں کہا جاتا۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

امام عبدالرزاق از ابن عیینہ از عمرو بن دینار روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے اونٹ کو منیٰ میں نحر کر رہے تھے اور اس اونٹ کو بٹھایا ہوا تھا اور اس کے پیر باندھے ہوئے تھے اور ایک مرد نے اس اونٹ کے سر میں رسی باندھی ہوئی تھی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کو ذبح کر رہے تھے۔

اس اعتراض کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ جب ذبح میں معاونت مشروع ہے تو استنابت بھی اسی کے ساتھ لاحق ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ جواب غور وفکر کا محتاج ہے۔

دوسری تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے ہاتھ سے جانور کو ذبح کریں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ تعلیق بھی عنوان کے مطابق نہیں ہے، بلکہ تعلیق اور عنوان میں مخالفت ہے اور اس تعلیق کا محل اس سے پہلے والا باب تھا، کیونکہ اس باب کا عنوان تھا کہ "جو قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرے"۔ اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔ عبداللہ بن قیس الاشعری، اور اس تعلیق کی امام حاکم نے المستدرک میں از المسیب بن رافع روایت کی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کو حکم دیتے تھے کہ وہ اپنی قربانیوں کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کریں اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا اپنی قربانیوں کو ذبح کرنا جائز ہے جب کہ ان کو اچھے طریقہ سے ذبح کرنے کا طریقہ معلوم ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳۰۔۲۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۵۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے

عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِسَرِفَ وَأَنَا أَبْكِي فَقَالَ مَا لَكِ أَنَفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ هٰذَا أَمْرٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ آدَمَ اقْضِي مَا يَقْضِي الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ وَضَحّٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ نِسَائِهِ بِالْبَقَرِ۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، از عبد الرحمٰن بن القاسم از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس مقام سرف میں آئے اور میں اس وقت رو رہی تھی۔ آپ نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا، کیا تمہیں حیض آ گیا؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: یہ وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے، تم وہ تمام افعال کرو جو حج کرنے والے کرتے ہیں، سوائے اس کے کہ تم بیت اللہ کا طواف نہیں کرو گی، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔

(صحیح البخاری: ۲۹۴، ۳۰۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۹، ۳۲۸، ۱۵۱۶، ۱۵۱۸، ۱۵۵۶، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۶۳۸، ۱۶۵۰، ۱۷۰۹، ۱۷۲۰، ۱۷۳۳، ۱۷۵۷، ۱۷۶۲، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۶، ۱۷۸۷، ۱۷۸۸، ۲۹۵۲، ۲۹۸۴، ۴۳۹۵، ۴۴۰۱، ۴۴۰۸، ۵۳۲۹، ۵۵۴۸، ۵۵۵۹، ۶۱۵۷، ۷۲۲۹، صحیح مسلم: ۱۲۱۱، سنن ترمذی: ۹۴۵، سنن نسائی: ۲۹۰، سنن ابوداؤد: ۱۷۸۲، سنن ابن ماجہ: ۲۹۶۳، مسند احمد: ۲۵۳۱۰)

صحیح البخاری: ۵۵۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ واضح مطابقت نہیں ہے، لیکن تکلف کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے قربانی کی، کیونکہ محدثین اور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ازواج کی اجازت سے ان کی طرف سے قربانی کی۔

اس حدیث میں ہے "اقضی ما یقضی الحاج" اس حدیث میں قضی کا اصطلاحی معنی مراد نہیں ہے بلکہ قضی کا لغوی معنی مراد ہے، یعنی ادا کرو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۱۔ بَابُ: الذَّبْحِ بَعْدَ الصَّلَاةِ — نماز (عید) کے بعد قربانی کو ذبح کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قربانی کے جانور کو نماز عید کے بعد ذبح کیا جائے۔

۵۵۶۰۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ الْمِنْهَالِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي زُبَيْدٌ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ عَنِ الْبَرَاءِ رضی الله عنه قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ فَقَالَ إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ مِنْ يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن المنہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے زبید نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے الشعبی سے سنا از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے

نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ هٰذَا فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ نَحَرَ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ يُقَدِّمُهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ فَقَالَ أَبُو بُرْدَةَ يَا رَسُولَ اللهِ ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أُصَلِّيَ وَعِنْدِي جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ فَقَالَ اجْعَلْهَا مَكَانَهَا وَلَنْ تَجْزِيَ أَوْ تُوفِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ۔

ہیں کہ میں نے سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (نمازِ عید کا) خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: بے شک ہم آج اس دن جس کام کو سب سے پہلے کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں، پھر ہم (گھروں کو) واپس جاتے ہیں، پھر ہم (اونٹوں کو) نحر کرتے ہیں۔ سو جس نے ایسا کیا، اس نے ہماری سنت کو پالیا، اور جس نے نحر کرلیا تو یہ صرف وہ گوشت ہے جسے اس نے اپنے گھر والوں کے لیے پہلے بھیجا اور یہ قربانی میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ تب حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں نے نماز (عید) سے پہلے ذبح کرلیا، اور میرے پاس ایک چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے جو ایک سال کے بچے سے افضل ہے، آپ نے فرمایا: تم اس کی اس کی جگہ قربانی کردو، اور تمہارے بعد یہ کسی کی طرف سے کافی نہیں ہوگا یا فرمایا: پورا نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۵۵۴۵، صحیح مسلم: ۱۹۶۱، سنن ترمذی: ۱۵۰۸، سنن نسائی: ۱۵۶۳، سنن ابوداؤد: ۲۸۰۰، مسند احمد: ۱۸۰۰۱۲، سنن دارمی: ۱۹۶۲)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۵۴۵، میں گزر چکی ہے۔

۱۲۔ بَابٌ: مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ أَعَادَ

جس نے نماز (عید) سے پہلے قربانی کی، وہ دوبارہ قربانی کرے

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کی، وہ دوبارہ قربانی کرے۔

۵۵۶۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ فَقَالَ رَجُلٌ هٰذَا يَوْمٌ يُشْتَهَى فِيهِ اللَّحْمُ وَذَكَرَ هَنَةً مِنْ جِيرَانِهِ فَكَأَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَذَرَهُ وَعِنْدِي جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ شَاتَيْنِ فَرَخَّصَ لَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَلَا أَدْرِي بَلَغَتِ الرُّخْصَةُ أَمْ لَا ثُمَّ انْكَفَأَ إِلَى كَبْشَيْنِ يَعْنِي فَذَبَحَهُمَا ثُمَّ انْكَفَأَ النَّاسُ إِلَى غُنَيْمَةٍ فَذَبَحُوهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن ابراہیم نے حدیث بیان کی از ایوب از محمد از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس نے نماز (عید) سے پہلے قربانی کی، وہ دوبارہ قربانی کرے۔ ایک مرد نے کہا: اس دن گوشت کی خواہش کی جاتی ہے اور اس نے اس وقت اپنے پڑوسیوں کا ذکر کیا، پس گویا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معذور قرار دیا، اور اس نے کہا: میرے پاس چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے، جو دو بکریوں سے زیادہ بہتر ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رخصت دے دی، پس میں نہیں جانتا کہ یہ رخصت (عام) ہے یا نہیں؟ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو مینڈھوں کی طرف متوجہ ہوئے، یعنی ان دونوں کو آپ نے ذبح کیا، پھر لوگ

اپنی بکریوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے ان کو ذبح کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۹۵۴، ۹۸۴، ۵۵۴۶، ۵۵۴۹، ۵۵۶۱، صحیح مسلم: ۱۹۶۲، سنن نسائی: ۴۳۹۶، مسند احمد: ۱۱۷۱۰)

یہ حدیث اس سے پہلے کئی بار گزر چکی ہے اور اس کی شرح بھی صحیح البخاری: ۹۵۴ میں کی جا چکی ہے۔

۵۵۶۲ـ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا الْأَسْوَدُ بْنُ قَيْسٍ سَمِعْتُ جُنْدَبَ بْنَ سُفْيَانَ الْبَجَلِيَّ قَالَ شَهِدْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيُعِدْ مَكَانَهَا أُخْرَى وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاسود بن قیس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے جندب بن سفیان البجلی سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نبی ﷺ کے پاس یوم النحر کو حاضر تھا، آپ نے فرمایا: جس نے نماز (عید) سے پہلے ذبح کر لیا، وہ دوبارہ اس کی جگہ قربانی کرے، اور جس نے نہیں ذبح کیا، وہ ذبح کر لے۔

(صحیح البخاری: ۹۸۵، ۵۵۰۰، ۵۵۶۲، ۶۶۷۴، ۷۴۰۰، صحیح مسلم: ۱۹۶۰، سنن نسائی: ۴۳۹۸، سنن ابن ماجہ: ۳۱۵۲، مسند احمد: ۱۸۳۲۱)

اس حدیث میں چونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ”جس نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کر لی، وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے“، اس ارشاد سے ان فقہاء نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ قربانی کرنا واجب ہے۔

۵۵۶۳ـ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ فِرَاسٍ عَنْ عَامِرٍ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا فَلَا يَذْبَحْ حَتَّى يَنْصَرِفَ فَقَامَ أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ فَعَلْتُ فَقَالَ هُوَ شَيْءٌ عَجَّلْتَهُ قَالَ فَإِنَّ عِنْدِي جَذَعَةً هِيَ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّتَيْنِ آذْبَحُهَا قَالَ نَعَمْ ثُمَّ لَا تَجْزِي عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ قَالَ عَامِرٌ هِيَ خَيْرُ نَسِيكَتَيْهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی از فراس از عامر از حضرت البراء رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز (عید) پڑھی، پھر آپ نے فرمایا: جس نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا، وہ اس وقت تک قربانی نہ کرے جب تک کہ گھر واپس نہ چلا جائے، تب حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، پس انہوں نے کہا: یا رسول اللہ (ﷺ)! میں تو کر چکا ہوں، تو نبی ﷺ نے فرمایا: یہ وہ کام ہے جس کو تم نے جلدی کر لیا ہے، انہوں نے کہا: پس بے شک میرے پاس ایک چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے جو دو سال کے بکروں سے زیادہ بہتر ہے، آیا میں اس کی قربانی کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پھر تمہارے بعد کسی اور کی طرف سے یہ قربانی کافی نہیں ہوگی۔ عامر نے کہا: یہ ان کی بہترین قربانی تھی۔

(صحیح البخاری: ۹۵۱، ۹۵۵، ۹۶۵، ۹۷۶، ۹۸۳، ۵۵۴۵، ۵۵۵۶، ۵۵۵۷، ۵۵۶۰، ۵۵۶۳، ۶۶۷۳، صحیح مسلم: ۱۹۶۱، سنن ترمذی: ۱۵۰۸، سنن نسائی: ۱۵۶۳، سنن ابوداؤد: ۲۸۰۰، مسند احمد: ۱۸۰۱۲، سنن دارمی: ۱۹۶۲)

صحیح البخاری: ۵۵۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جس نے نماز سے پہلے قربانی کرلی، وہ دوبارہ قربانی کرے''۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے: جس نے ہماری نماز پڑھ لی اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرلیا، وہ اس وقت تک قربانی کو ذبح نہ کرے حتیٰ کہ ہم گھروں کو واپس لوٹ جائیں، اس ارشاد سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کرلی، وہ دوبارہ قربانی کرے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ''ابو عوانہ''، یہ الوضاح ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ''فراس'' یہ ابن یحییٰ ہیں اور اس حدیث کی سند میں عامر کا ذکر ہے، یہ الشعبی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''جس نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا''۔ اس کا معنی ہے کہ جو شخص دین اسلام پر ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''حتی ننصرف'' یعنی حتیٰ کہ ہم گھروں کو لوٹ جائیں یا حتیٰ کہ وہ شخص گھروں کو لوٹ جائے۔ اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ جب نماز کے بعد گھر چلا جائے تو پھر قربانی کرے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فعلت'' یعنی میں نے ذبح کا فعل نماز سے پہلے کرلیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''عجلته'' یعنی تم نے جلدی سے قربانی کر کے اپنے گھر والوں کے لیے گوشت بھیج دیا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''مسنتین'' یہ مسنة کا تثنیہ ہے۔ اور مسنة اس کو کہتے ہیں جس کے دودھ کے دانت گر چکے ہوں یعنی وہ ایک سال کا بکرا ہو۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''عامر نے کہا: یہ اس کی بہترین قربانی تھی''، یعنی یہ چھ ماہ کا بکرا اس کی کی ہوئی قربانی سے زیادہ بہتر تھا۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ زیادہ بہتر تو اس وقت ہوگا جب کہ اس کا پہلا ذبیحہ بھی قربانی ہو، حالانکہ پہلا ذبیحہ تو نمازِ عید سے پہلے ذبح کیا گیا تھا اور وہ قربانی تھی ہی نہیں، تو یہ ذبیحہ اس سے بہتر قربانی کیسے ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے: چونکہ اس نے اپنے پڑوسیوں کو کھلانے کے لیے وہ جانور ذبح کیا تھا، اور یہ بھی عبادت ہے اور قربانی بھی عبادت ہے تو اس اعتبار سے اس کا پہلا ذبیحہ بھی قربانی تھا اور چونکہ دوسرا ذبیحہ نمازِ عید کے بعد کیا گیا تو وہ بہتر قربانی تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلا ذبیحہ بھی صورتاً قربانی تھا۔

گاؤں اور دیہات کے لوگوں کی قربانی کا بیان

گاؤں اور دیہات کے لوگوں کے لیے تو نمازِ عید مشروع نہیں ہے، تو ان لوگوں کی قربانی کیسے ہوگی؟
عطاء بن ابی رباح نے کہا: گاؤں اور دیہات کے لوگ طلوع شمس کے بعد قربانی کرلیں اور یہی ان کے حق میں بہتر ہے، امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا کہ گاؤں اور دیہات کے لوگ صبح کی نماز کے بعد اتنا وقت گزار لیں جتنے وقت میں شہر کے اندر نمازِ عید پڑھی جاتی ہے اور دو خطبے دیے جاتے ہیں، اس کے بعد قربانی کرلیں۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا بھی یہی قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے اور ان کے اصحاب نے کہا کہ دیہات کے لوگ جب طلوع فجر کے بعد قربانی کرلیں تو یہ ان سے کفایت کرے گی، کیونکہ ان کے لیے نمازِ عید مشروع نہیں ہے۔ اور الثوری اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳۲۔ ۲۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۳۔ بَابُ: وَضْعِ الْقَدَمِ عَلَى صَفْحِ الذَّبِيحَةِ

ذبیحہ کی گردن پر پیر رکھنے کا بیان

۵۵۶۴۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسٌ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ وَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى صَفْحَتِهِمَا وَيَذْبَحُهُمَا بِيَدِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو سینگوں والے سرمئی مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے اور آپ اپنا پیر اس کی گردن کی جانب رکھتے تھے اور اپنے ہاتھ سے ان کو ذبح کرتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۶۶، سنن ترمذی: ۱۴۹۴، سنن نسائی: ۱۵۸۸، سنن ابوداؤد: ۲۷۹۴، سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۰، مسند احمد: ۱۱۷۴۳، سنن دارمی: ۱۹۴۵)

اس حدیث کی شرح اس سے پہلے صحیح البخاری: ۵۵۵۴ میں گزر چکی ہے۔

۱۴۔ بَابُ: التَّكْبِيرِ عِنْدَ الذَّبْحِ

ذبح کے وقت تکبیر پڑھنے کا بیان

۵۵۶۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ ضَحَّى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ وَسَمَّى وَكَبَّرَ وَوَضَعَ رِجْلَهُ عَلَى صِفَاحِهِمَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سرمئی رنگ کے سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی کی اور ان دونوں کو اپنے مبارک ہاتھ سے ذبح کیا اور بسم اللہ پڑھی اور اللہ اکبر کہا اور اپنا پیر اس کی گردن کی جانب پر رکھا۔

(صحیح مسلم: ۱۹۶۶، سنن ترمذی: ۱۴۹۴، سنن نسائی: ۱۵۸۸، سنن ابوداؤد: ۲۷۹۴، سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۰، مسند احمد: ۱۱۷۴۳، سنن دارمی: ۱۹۴۵)

اس حدیث کی شرح بھی اس سے پہلے صحیح البخاری: ۵۵۵۴ میں گزر چکی ہے۔

۱۵۔ بَابٌ: إِذَا بَعَثَ بِهَدْيِهِ لِيُذْبَحَ لَمْ يَحْرُمْ عَلَيْهِ شَيْءٌ

جب کوئی شخص اپنی ہدی (قربانی کے جانور) کو (حرم میں) ذبح کے لیے بھیجے، تو اس پر کوئی چیز حرام نہیں ہوگی

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص اپنی ہدی کو یعنی قربانی کے جانور کو حرم کی طرف بھیجے تا کہ اس قربانی کو ذبح کیا جائے، تو اس پر کوئی ایسا کام حرام نہیں ہوگا جو مُحرِم پر حرام ہو جاتا ہے۔ اور اس کی تفصیل کتاب الحج میں گزر چکی ہے۔

۵۵۶۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ أَنَّهُ أَتَى عَائِشَةَ فَقَالَ لَهَا يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ رَجُلًا يَبْعَثُ بِالْهَدْيِ إِلَى الْكَعْبَةِ وَيَجْلِسُ فِي الْمِصْرِ فَيُوصِي أَنْ تُقَلَّدَ بَدَنَتُهُ فَلَا يَزَالُ مِنْ ذَلِكَ الْيَوْمِ مُحْرِمًا حَتَّى يَحِلَّ النَّاسُ قَالَ فَسَمِعْتُ تَصْفِيقَهَا مِنْ وَرَاءِ الْحِجَابِ فَقَالَتْ لَقَدْ كُنْتُ أَفْتِلُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَيَبْعَثُ هَدْيَهُ إِلَى الْكَعْبَةِ فَمَا يَحْرُمُ عَلَيْهِ مِمَّا حَلَّ لِلرِّجَالِ مِنْ أَهْلِهِ حَتَّى يَرْجِعَ النَّاسُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے خبر دی از الشعبی از مسروق، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر پوچھا: اے ام المومنین! ایک مرد ہدی کو کعبہ کی طرف روانہ کرتا ہے اور خود شہر میں بیٹھا رہتا ہے، پس وہ یہ وصیت کرتا ہے کہ اس کے اونٹ میں بہ طورِ نشانی ہار ڈالا جائے، تو کیا وہ اس دن سے مُحرِم رہے گا حتیٰ کہ حج کرنے والے حج سے حلال ہو جائیں؟ مسروق کہتے ہیں: میں نے پردے کے پیچھے سے سنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا، پس انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدی کے ہار بٹتی تھی، پھر آپ اپنی ہدی کو کعبہ کی طرف روانہ کرتے، پھر آپ کے اوپر کوئی ایسا کام حرام نہ ہوتا جو آپ کے گھر کے مردوں کے لیے حلال تھا، حتیٰ کہ حج کرنے والے حج سے واپس آجاتے۔

(صحیح البخاری: ۱۶۹۶، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۲۳۱۷، ۵۵۶۶، صحیح مسلم: ۱۳۲۱، سنن نسائی: ۲۷۸۳، سنن ابوداؤد: ۱۷۵۷، سنن ابن ماجہ: ۳۰۹۵، مسند احمد: ۲۳۹۷۱، موطا امام مالک: ۷۶۲، سنن دارمی: ۱۹۳۴)

صحیح البخاری: ۵۵۶۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "جب کوئی شخص اپنی ہدی کو حرم میں ذبح کے لیے بھیجے تو اس پر کوئی چیز حرام نہیں ہوتی"۔ اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدی کے لیے ہار بٹتی تھی اور آپ اپنی ہدی

کو کعبہ کی طرف بھیجتے اور آپ پر وہ کام حرام نہیں ہوتے تھے جو آپ کے گھر کے مردوں کے لیے حلال تھے، حتیٰ کہ لوگ حج کر کے واپس آجاتے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن محمد، یہ ابن موسیٰ ہیں، ان کو مردویہ السمسار المروزی کہا جاتا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، یہ ابن ابی خالد ہیں۔

یہ حدیث کتاب الحج باب تقلید الغنم میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی مفصل شرح کی جاچکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان تقلد" اس کا مصدر تقلید ہے اور یہ مجہول کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے کہ قربانی کے جانور کے گلے میں کسی چیز کا ہار بنا کر لٹکایا جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ ہدی ہے یعنی قربانی کا جانور ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بدنته" اس سے مراد اونٹنی ہے، جس کو مکہ میں نحر کیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تصفیقها" یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا، تاکہ اس کی آواز سنی جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یا تو تعجب کی وجہ سے ہاتھ پر ہاتھ مارا تھا اور یا اس پر افسوس کی وجہ سے کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کے ساتھ ہدی کا جانور حرم میں ذبح کرنے کے لیے بھیجے تو محض بھیجنے سے وہ شخص مُحرم ہو جاتا ہے۔

ہدی بھیجنے کی وجہ سے بھیجنے والے کے محرم ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ کہا ہے کہ جو شخص حرم کی طرف ہدی کو ذبح کے لیے بھیجے، تو اس شخص پر احرام لازم ہو جاتا ہے جب وہ ہدی کے گلے میں ہار ڈال دے اور اس پر لازم ہے کہ وہ ان تمام کاموں سے اجتناب کرے جن سے حج کرنے والا اجتناب کرتا ہے، حتیٰ کہ اس کی ہدی کو نحر کر دیا جائے یا ذبح کر دیا جائے۔

عطاء بن ابی رباح کا بھی یہی موقف ہے اور ائمہ فتویٰ اس کے خلاف ہیں، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہدی کو کعبہ کی طرف بھیجتے اور آپ کے اوپر ان کاموں سے کوئی کام حرام نہیں ہوتا جو گھر کے مردوں کے لیے حلال تھے حتیٰ کہ لوگ حج کر کے لوٹ آتے۔

ہلالِ ذوالحجہ دیکھنے کے بعد قربانی کرنے والے کے احکام

امام مسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص ذوالحجہ کا ہلال دیکھے اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ کرتا ہو تو نہ وہ اپنے بال کاٹے اور نہ اپنے ناخن کاٹے حتیٰ کہ قربانی کر لے۔

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے: سعید بن المسیب، امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے۔ اللیث نے کہا: یہ حدیث ثابت ہے اور اکثر لوگ اس حدیث کے خلاف عمل کرتے ہیں۔

امام طحاوی نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مذکور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے زیادہ احسن ہے، کیونکہ یہ حدیث

متواتر ہے۔ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی سند میں طعن کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حضرت ام سلمہ پر موقوف ہے اور مرفوع نہیں ہے۔

علامہ ابن ملقن نے التوضیح میں لکھا ہے کہ امام شافعی، ابوثور اور اہل الظاہر کا مذہب یہ ہے کہ جس شخص کے اوپر ذوالحجہ کے دس دن داخل ہو جائیں اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، تو نہ وہ اپنے بالوں کو چھوئے اور نہ اپنے ناخنوں کو۔

اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ امام مالک اور امام شافعی یہ اجازت دیتے تھے کہ جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، وہ اپنے بال اور ناخن کاٹ سکتا ہے جب تک کہ وہ احرام نہ باندھے، البتہ وہ کہتے ہیں کہ ذوالحجہ کے دس دن داخل ہونے کے بعد اس میں توقف کرنا مستحب ہے اور امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم دیا ہے، یہ اختیاری ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳۴۔ ۲۳۵، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کی تائید

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

الزہری نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے موقف پر اجماع ہو چکا ہے، امام بیہقی نے کہا ہے کہ سب سے پہلے اس مسئلہ میں جس نے جہالت سے پردہ اٹھایا اور سنت کو ظاہر کیا، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، اور جب لوگوں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پہنچی تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول پر عمل کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتویٰ کو ترک کر دیا۔ علامہ ابن المنذر نے لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک ہدی کے گلے میں ہار ڈالنے سے کوئی شخص محرم نہیں ہوتا اور اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۲۳۹، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۶۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہلال ذوالحجہ کے بعد کے احکام

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص ذوالحجہ کا ہلال دیکھے اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو نہ وہ اپنے بالوں کو کاٹے اور نہ اپنے ناخنوں کو کاٹے حتیٰ کہ قربانی کر لے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۷۷، کتاب الاضاحی، باب: نهي من دخل عليه عشر ذي الحجة وهو مريد التضحية ان ياخذ من شعره و اظفاره شيئا)

امام طحاوی نے کہا ہے کہ یہ کہا گیا ہے کہ یہ حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پر موقوف ہے، اس حدیث کی ابن وہب اور عثمان بن عمر نے امام مالک سے روایت کی ہے از عمر بن مسلم از سعید بن المسیب از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، اور اس کو مرفوع نہیں کہا، یعنی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول قرار دیا ہے۔ پھر امام طحاوی لکھتے ہیں: نظر کا تقاضا یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ احرام سے وہ چند چیزیں ممنوع ہو جاتی ہیں جو اس سے پہلے حلال تھیں، جماع حرام ہو جاتا ہے، اپنی بیوی کو بوسہ دینا حرام ہو جاتا ہے اور ناخن کاٹنا، بال کاٹنا اور شکار کرنا، یہ تمام کام احرام سے حرام ہو جاتے ہیں۔ اور اس لیے کہ جماع احرام کو فاسد کر دیتا ہے اور ان کے علاوہ باقی کام احرام کو فاسد نہیں کرتے، پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جس پر ذوالحجہ کے دس دن داخل ہوئے اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ کرتا ہو تو اس پر اپنی بیویوں سے

جماع کرنا حرام نہیں ہوتا۔اور یہ احرام کی سب سے غلیظ تحریم ہے تو ناخن کاٹنا اور بال کاٹنا جو اس سے کم درجہ کے ممنوع کام ہیں،تو وہ بہ طریق اولیٰ قربانی کرنے والے پر حرام نہیں ہوں گے۔

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی امام مسلم نے اپنی صحیح میں مرفوعاً روایت کی ہے،اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں کہا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق ہے۔(المستدرک ج ۴ ص ۲۲۰)

اور سلف صالحین میں سے امام شافعی،ابوثور اور اہل الظاہر کا مذہب یہ ہے کہ جس شخص کے اوپر ذوالحجہ کے دس دن داخل ہو گئے اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ کرتا ہو،تو وہ اپنے بالوں کو نہ چھوئے اور نہ وہ اپنے ناخنوں کو چھوئے۔

اور ابن المنذر نے امام مالک اور امام شافعی سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ قربانی کرنے والے کو بال کاٹنے اور ناخن کاٹنے کی رخصت نہیں دیتے تھے جب تک وہ احرام نہ باندھے،البتہ وہ یہ کہتے تھے کہ ان دس دنوں کے داخل ہونے کے بعد جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو،اس کے لیے توقف کرنا مستحب ہے اور امام شافعی یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ حکم دیا ہے،وہ اختیاری ہے۔

امام الدارقطنی نے کہا ہے: صحیح یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث موقوف ہے،اور مسدد نے کہا کہ ابن سیرین یہ کہتے تھے کہ جب یہ دس دن داخل ہو جائیں تو مرد کا بال کاٹنا مکروہ ہے،حتیٰ کہ ان دس دنوں میں بچوں کے بال مونڈنا بھی ممنوع ہے۔

ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے اس مسئلہ کی مخالفت کی ہے اور ہمارے علم میں ان کی کوئی دلیل نہیں ہے،سوا اس کے کہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ سعید بن المسیب ان دس دنوں میں بالوں پر تیل کی مالش میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور انہوں نے کہا کہ سعید بن المسیب بھی اس حدیث کے راوی ہیں،گویا کہ یہ اس حدیث پر ایک طعن ہے۔

علامہ ابن ملقن نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ سعید بن المسیب کے قول کا اعتبار نہیں ہے،ان کی روایت کا اعتبار ہوتا ہے،دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ بالوں پر تیل کی مالش اور چیز ہے اور بالوں کا کاٹنا ایک الگ چیز ہے۔اور تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ ہو سکتا ہے سعید بن المسیب نے بالوں پر تیل کی مالش کو اس شخص کے لیے جائز قرار دیا ہو جو قربانی کا ارادہ نہ کرتا ہو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۶۳۹۔۶۴۲ ملخصاً وملتقطاً،وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ،قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن الملقن کی اس شرح کا کچھ حصہ علامہ عینی نے اپنی شرح میں نقل کر دیا ہے،جس کو ہم علامہ عینی کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں،ہم نے یہاں پر علامہ ابن ملقن کی شرح کا وہ حصہ نقل کیا ہے،جس کو علامہ عینی نے نقل نہیں کیا ہے۔علامہ ابن الملقن نے اس شرح میں اور بھی بہت زیادہ لکھا ہے لیکن وہ اتنا مفید نہیں ہے۔

۱۶۔بَابٌ: مَا یُؤْکَلُ مِنْ لُحُومِ الْأَضَاحِیِّ وَمَا یُتَزَوَّدُ مِنْهَا

قربانیوں کے گوشت میں سے کتنی مقدار کھائی جائے اور کتنی مقدار کو زادِ راہ کے لیے جمع کیا جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ،اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ قربانیوں کے گوشت میں سے کتنی مقدار کو کھانا جائز ہے اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ اس

میں تہائی یا نصف کی قید نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ باب اس کو شامل ہے کہ تین دن یا اس سے زیادہ تک قربانیوں کے گوشت کو کھانا جائز ہے۔ اور ہر حال میں یہ عنوان مبہم ہے اور اس باب کی احادیث اس ابہام کی وضاحت کرتی ہیں، پس حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ قربانیوں کے گوشت کو جمع کر کے مسافر کے لیے بہ طور زادِ راہ رکھنا جائز ہے، سو اس میں یہ دلیل ہے کہ تین دن سے زیادہ تک قربانیوں کا گوشت کھانا جائز ہے۔ اور حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ پہلے یہ حکم تھا کہ تین دن کے بعد قربانیوں کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے اور اس کے بعد اس میں تین دن سے زیادہ دنوں تک قربانیوں کا گوشت کھانے کی اجازت دی گئی ہے اور اس کی وجہ اس حدیث میں بیان کر دی گئی ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تین دن سے زیادہ تک قربانیوں کا گوشت کھانے کی رخصت ہے، اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کا اثر اس پر دلالت کرتا ہے کہ تین دن سے زیادہ تک قربانیوں کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے اور اس کا جواب عنقریب آئے گا۔

اس باب میں مذکور ہے "وما یتزود منھا" یعنی قربانی کے گوشت میں سے سفر کے زادِ راہ کے طور پر رکھنے کا جواز۔

٥٥٦٧ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما قَالَ كُنَّا نَتَزَوَّدُ لُحُومَ الْأَضَاحِيِّ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى الْمَدِينَةِ وَقَالَ غَيْرَ مَرَّةٍ لُحُومَ الْهَدْيِ۔

(صحیح مسلم: ۱۹۷۲، مسند احمد: ۱۳۹۰۷، سنن دارمی: ۱۹۶۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: عمرو نے بتایا مجھے عطاء نے خبر دی، انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قربانیوں کا گوشت بہ طور زادِ راہ کے مدینہ تک لے جاتے تھے، اور متعدد بار انہوں نے کہا: ہدی کا گوشت (یعنی قربانی کی بجائے ہدی کا ذکر کیا ہے)۔

صحیح البخاری: ٥٥٦٧، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے دو جز ہیں، پہلا جز ہے کہ قربانیوں کے گوشت میں سے کتنی مقدار کو کھایا جائے، اور دوسرا جز ہے کہ قربانیوں کے گوشت میں سے بہ طور زادِ راہ رکھنے کا جواز۔ اور یہ حدیث عنوان کے دوسرے جز کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبداللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المدینی ہیں اور سفیان کا ذکر ہے، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور عمرو کا ذکر ہے، یہ ابن دینار ہیں۔ اور عطاء کا ذکر ہے، یہ ابن ابی رباح ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجہاد میں بھی علی بن عبداللہ کی روایت سے گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "علی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں۔ اور یہ معلوم ہے کہ جب صحابی یہ کہیں کہ ہم اس کام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کرتے تھے تو یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "وقال غیر مرة" یعنی ایک مرتبہ سفیان نے "لحوم الاضاحی" کہا یعنی قربانیوں کا گوشت اور متعدد مرتبہ "لحم الهدی" کہا یعنی ہدی کا گوشت۔ اور ہدی بھی دراصل قربانی ہی ہوتی ہے جو بہ طور شکرانہ بھیجی جاتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۶۸۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنِ الْقَاسِمِ أَنَّ ابْنَ خَبَّابٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ يُحَدِّثُ أَنَّهُ كَانَ غَائِبًا فَقَدِمَ فَقُدِّمَ إِلَيْهِ لَحْمٌ قَالُوا هَذَا مِنْ لَحْمِ ضَحَايَانَا فَقَالَ أَخِّرُوهُ لَا أَذُوقُهُ قَالَ ثُمَّ قُمْتُ فَخَرَجْتُ حَتَّى آتِيَ أَخِي أَبَا قَتَادَةَ وَكَانَ أَخَاهُ لِأُمِّهِ وَكَانَ بَدْرِيًّا فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ حَدَثَ بَعْدَكَ أَمْرٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید از القاسم کہ ابن خباب نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ وہ غائب تھے، پھر وہ آ گئے تو ان کے پاس گوشت لایا گیا اور بتایا: یہ ہماری قربانیوں کا گوشت ہے، تو حضرت ابوسعید نے فرمایا: اس کو ہٹاؤ، میں اس گوشت کو نہیں چکھوں گا، حضرت ابوسعید نے کہا: پھر میں کھڑا ہوا حتیٰ کہ باہر نکلا اور میں اپنے بھائی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اور وہ ان کے ماں شریک بھائی تھے اور بدری صحابی تھے، پس میں نے ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا: تمہارے بعد ایک نیا حکم آ گیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۹۹۷، ۵۵۶۸، سنن نسائی: ۴۴۲۷، مسند احمد: ۱۰۷۹۳، موطا امام مالک: ۱۰۴۸)

صحیح البخاری: ۵۵۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی عنوان کے پہلے جز کے ساتھ مطابقت ہے، یعنی جس میں یہ ذکر ہے کہ قربانیوں کے گوشت کو کتنے دنوں تک کھانا جائز ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے "اسماعیل" اور یہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور سلیمان کا ذکر ہے، اور یہ ابن بلال ہیں۔ اور یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے، یہ انصاری ہیں۔ اور قاسم کا ذکر ہے، یہ ابن محمد بن ابی بکر صدیق ہیں۔ اور ابن خباب کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن خباب

الانصاری التابعی ہیں۔اور حضرت خباب بن الارت صحابی ہیں۔اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ،ان کا نام سعد بن مالک ہے۔اس حدیث کے تمام راوی مدنی ہیں اور اس میں تین تابعی ہیں یحییٰ،قاسم اور ان کے شیخ۔اور اس سند میں دو صحابی ہیں،حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ اور حضرت قتادہ بن نعمان الظفری رضی اللہ عنہ۔

اس حدیث کی امام نسائی،امام طبرانی،امام احمد اور امام طحاوی نے روایت کی ہے،اور اس کی عبارت اس طرح ہے۔حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اپنے گھر آئے تو دیکھا کہ ان کے پاس ایک پیالے میں ثرید ہے اور گوشت ہے،اور وہ گوشت قربانی کا تھا،تو انہوں نے اس کو کھانے سے انکار کیا،پھر وہ اپنے ماں شریک بھائی حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے سال فرمایا:میں نے تم کو تین دن سے زیادہ قربانیوں کے گوشت کے کھانے سے منع کیا تھا اور اب میں تمہارے لیے اس کو حلال کرتا ہوں،پس اب تم قربانیوں کے گوشت سے جب تک چاہو،کھاؤ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ،حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی تھے،کیونکہ ان دونوں کی ماں حضرت اُنیسہ بنت ابی خارجہ عمرو بن قیس بن مالک تھیں،جن کا تعلق بنی عدی بن النجار سے تھا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمہارے بعد ایک نیا حکم آگیا،یعنی ایسا حکم آگیا جس نے اس حکم کو منسوخ کر دیا جس میں قربانیوں کے گوشت کو تین دن کے بعد کھانے سے منع کیا گیا تھا۔

امام احمد نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے از حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ،وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع کیا تھا کہ ہم اپنی قربانیوں کے گوشت کو تین دن سے زیادہ کھائیں،وہ بیان کرتے ہیں کہ پھر میں ایک سفر میں گیا،پھر میں اپنے گھر آیا اور قربانی کو کئی دن گزر چکے تھے،تو میری بیوی چقندر پکا کر لائی جس کے اندر گوشت بھی تھا اور میری بیوی نے بتایا کہ یہ گوشت ہماری قربانیوں کے گوشت میں سے ہے،میں نے اپنی بیوی سے کہا:کیا ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا،تو میری بیوی نے کہا:آپ نے اس کے بعد لوگوں کو قربانیوں کے گوشت کو رکھنے کی اجازت دی،تو میں نے اپنی بیوی کی تصدیق نہیں کی حتیٰ کہ اپنے بھائی حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کو بلایا تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس کی اجازت دے دی ہے۔

اور اسی حدیث کی مثل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے امام نسائی اور امام طحاوی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

تین دن کے بعد قربانیوں کے گوشت کو کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

فقہاء اسلام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے،پس ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ تین دن کے بعد قربانیوں کے گوشت کو کھانا حرام ہے اور یہ عبداللہ بن واقد بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب ہیں۔اور اصحاب ظواہر کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے۔اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

امام مسلم از حضرت عبداللہ بن عمر از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں،آپ نے فرمایا:تم میں سے کوئی شخص تین دن کے بعد اپنی قربانی کا گوشت نہ کھائے۔اس کے علاوہ دوسری احادیث بھی ہیں جو اس مسئلہ میں وارد ہیں۔

اور دوسرے فقہاء نے اس کی مخالفت کی ہے اور وہ جمہور علماء اسلام ہیں۔ان کے نزدیک تین دن کے بعد قربانیوں کے گوشت

کو جمع کرنے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور دیگر شہروں کے بھی فقہاء ہیں، ان میں سے ائمہ اربعہ اور ان کے اصحاب ہیں، اور ان کا استدلال حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث سے ہے اور دیگر احادیث سے بھی ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ جس حدیث میں تین دن کے بعد قربانیوں کے گوشت کو رکھنے اور کھانے سے منع کیا گیا ہے، اس میں بھی اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ بہ طورِ تحریم منع کیا گیا تھا، پھر اس حدیث کے حکم کو منسوخ کر کے اس کو مباح کر دیا گیا ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو بہ طورِ کراہت منع کیا گیا ہے، تو اس کے منسوخ ہونے کی بھی گنجائش ہے اور غیر منسوخ ہونے کی بھی گنجائش ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی علت کی وجہ سے تین دن کے بعد قربانیوں کے گوشت کو رکھنے سے منع فرمایا اور جب وہ علت مرتفع ہوگئی تو پھر لوگوں کو تین دن کے بعد بھی قربانیوں کا گوشت رکھنے کی رخصت دے دی گئی، کیونکہ جس سال منع فرمایا تھا، اس سال لوگوں کو گوشت کی سخت ضرورت تھی اور گوشت کے حصول میں ان کو مشقت ہوتی تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳۶۔ ۲۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۶۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قربانی کے تین دن بعد قربانی کا گوشت کھانے اور رکھنے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ تین دن کے بعد قربانی کا گوشت رکھنا حرام ہے، اور ان کا استدلال حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور دوسرے فقہاء نے ان کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ قربانی کے تین دن بعد تک قربانی کا گوشت کھانے اور رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہی جمہور کا موقف ہے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور انہوں نے کہا کہ اباحت کی احادیث ممانعت کی احادیث کے لیے ناسخ ہیں، یہ امام طحاوی کا قول ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۱۸۷)

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی ناسخ ہے اور نہ کوئی منسوخ ہے، اور اس کی تفسیر حدیث میں ہے، کیونکہ مسلمانوں میں گوشت کی ضرورت اور اس کے حصول میں مشقت کی وجہ سے پہلے تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو کھانے اور رکھنے سے منع فرمایا تھا، اور جب مسلمانوں کی ضرورت اور مشقت ختم ہوگئی تو یہ حکم ساقط ہوگیا، اور جب یہ معنی ثابت ہے تو جب کسی دور میں امام یہ دیکھے کہ اب مسلمانوں کو گوشت کے حصول میں مشقت ہوتی ہے اور ان کو گوشت کی ضرورت ہے تو وہ تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو رکھنے اور کھانے کی ممانعت کرسکتا ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول وجوب کے لیے نہیں ہے لیکن انہوں نے ارادہ کیا کہ ضرورت مندوں کو کھلایا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہے اور نہ اس کی ممانعت تحریم کے لیے ہے۔ اور امام اور عالم کے لیے یہ جائز ہے کہ ایسے حالات کے اندر تین دن سے زیادہ قربانی کے گوشت کو کھانے اور رکھنے سے منع کردے۔

اسرائیل نے از ابی اسحاق از عابس بن ربیعہ روایت کی ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا:

اے ام المومنین! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کے رکھنے کو حرام قرار دیتے تھے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نہیں! لیکن کم لوگ قربانی کرتے تھے، تو آپ نے اس لیے ان کو تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو رکھنے اور کھانے سے منع فرمایا تا کہ جس نے قربانی کی ہے، وہ ان کو کھلائے جس نے قربانی نہیں کی۔ اور ہم نے دیکھا کہ ہمارے پاس بکری کا پایہ تین دن بعد لایا جاتا اور ہم اس کو کھاتے۔ (شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۱۸۸)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عبد الوارث نے از علی بن زید روایت کی ہے، انہوں نے کہا: مجھے النابغہ نے حدیث بیان کی از مخارق بن سلیم از والد خود از حضرت علی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں نے تم کو تین دن کے بعد قربانیوں کے گوشت کو ذخیرہ کرنے سے منع کیا تھا، سو اب تم قربانیوں کے گوشت کو ذخیرہ کر لیا کرو، جب تک تم چاہو۔

(شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۱۸۵)

اور یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے مکان میں محصور تھے، آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے قربانیوں کے گوشت کو تین دن کے بعد نہ کھاؤ، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس کا حکم دیتے تھے۔ (شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۱۸۴)

سو یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کے رکھنے کو مباح فرمایا، اور پھر بعد میں اس سے منع فرما دیا حتیٰ کہ ان احادیث کے معانی متفق ہو جائیں اور ان میں تضاد نہ رہے۔

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر شدت اور گوشت کی کمی کی وجہ سے تین دن کے بعد قربانی کا گوشت رکھنے سے منع فرمایا تھا، اور جب یہ ضرورت مرتفع ہو گئی تو آپ نے تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو رکھنے کی اجازت دے دی، جیسا کہ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے جس شخص نے قربانی کی ہے، وہ تین دن کے بعد اس حال میں صبح نہ کرے کہ اس کے گھر میں قربانی کا خشک گوشت ہو، پھر جب دوسرا سال آیا تو صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ہم اس سال بھی اس طرح کریں جس طرح پہلے کیا تھا، تو آپ نے فرمایا: تم کھاؤ، لوگوں کو کھلاؤ اور ذخیرہ کرو، کیونکہ اس سال لوگوں کو مشقت آئی ہوئی تھی، تو میں نے ارادہ کیا کہ تم لوگوں کی اس مشقت میں اور گوشت کی کمی اور ضرورت میں ان کی مدد کرو''۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا منع فرمانا کسی عارضی علت کی وجہ سے تھا اور جب وہ علت اٹھ گئی تو پھر آپ نے ان کے لیے تین دن کے بعد گوشت رکھنے کو حلال فرما دیا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو فرمایا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ تین دن کے بعد گوشت نہ رکھیں، حالانکہ ان کو علم تھا کہ شارع علیہ السلام نے تین دن کے بعد گوشت رکھنے کو مباح قرار دے دیا ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے زمانہ میں بھی گوشت کی تنگی تھی، تو انہوں نے اسی طرح کیا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگی کے زمانہ میں گوشت رکھنے سے منع فرمایا تھا۔

اور فقہاء احناف، امام مالک، امام شافعی اور جمہور امت نے کہا ہے کہ قربانی کے تین دن بعد قربانی کے گوشت کو رکھنا مباح ہے، اور علامہ ابن التین کی عبارت یہ ہے کہ اس ممانعت کی علت میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ ممانعت تحریم کے لیے تھی

بعد میں اس کو مباح کر کے ممانعت کو منسوخ کر دیا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ممانعت کراہت کے لیے تھی اور اس کے منسوخ یا غیر منسوخ ہونے کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ کسی علت اور سبب کی وجہ سے تین دن کے بعد گوشت رکھنے سے منع فرمایا تھا، اور جب وہ علت ختم ہوگئی تو پھر ممانعت کا حکم ختم ہو گیا، اور اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ حدیث میں ہے: اس سال لوگوں پر مشقت تھی اور گوشت کی تنگی تھی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۶۴۹۔ ۶۵۱ ملخصاً وملتقطاً، وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۵۶۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ ضَحَّى مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ وَبَقِيَ فِي بَيْتِهِ مِنْهُ شَيْءٌ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ نَفْعَلُ كَمَا فَعَلْنَا عَامَ الْمَاضِي قَالَ كُلُوا وَأَطْعِمُوا وَادَّخِرُوا فَإِنَّ ذَلِكَ الْعَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جَهْدٌ فَأَرَدْتُ أَنْ تُعِينُوا فِيهَا۔

(صحیح مسلم: ۱۹۷۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی عبید از حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص قربانی کرے، تو قربانی کے تیسرے دن اس حال میں صبح نہ کرے کہ اس کے گھر میں اس قربانی میں سے کوئی چیز ہو، پس جب دوسرا سال آیا تو لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا ہم اس سال بھی اس طرح کریں جس طرح گزشتہ سال کیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا: تم (قربانی کے گوشت کو) کھاؤ، اور کھلاؤ اور ذخیرہ کرو، کیونکہ اس سال لوگوں پر مشقت تھی تو میں نے ارادہ کیا کہ تم اس مشقت میں ان کی مدد کرو۔

صحیح البخاری: ۵۵۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں ابو عاصم کا ذکر ہے، یہ الضحاک ہیں جن کا لقب نبیل ہے، اس میں نون پر زبر اور باء کے نیچے زیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں یزید کا ذکر ہے، یہ لفظ زیادۃ سے ماخوذ ہے اور یہ ابن ابی عبید ہیں اور یہ امام بخاری کی ثلاثیات میں سے اٹھارویں حدیث ہے۔

حدیث مذکور کی فقہ

اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو رکھنے کی ممانعت ایک علت اور سبب کی وجہ سے تھی اور جب وہ علت مرتفع ہوگئی تو تحریم بھی مرتفع ہوگئی۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اگر تم یہ سوال کرو کہ کیا اب قربانی کے گوشت کو کھانا واجب ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے حکم دیا ہے کہ تم گوشت کو کھاؤ اور کھلاؤ۔ تو میں کہوں گا: اس کا ظاہر یہی ہے کہ حقیقت میں تین دن کے بعد گوشت کا کھانا واجب ہے، لیکن یہ

اس وقت ہوتا ہے جب وجوب سے کوئی قرینہ صارفہ یا مانعہ نہ ہو، اور وہاں پر قرینہ ہے کہ لوگوں کو پہلے گوشت کی ضرورت تھی اور گوشت کے حصول میں مشقت تھی تو اس لیے آپ نے منع فرمادیا تھا اور بعد میں آپ نے اس کو مباح فرمایا، اور اصولیین کا اس میں اختلاف ہے کہ جو حکم ممانعت کے بعد وارد ہو، آیا وہ حکم وجوب کے لیے ہے یا اباحت کے لیے ہے، اور اگر ہم تسلیم کر لیں کہ وہ حکم وجوب کے لیے حقیقۃً ہے تو یہاں پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ حکم وجوب کے لیے نہیں ہے، لہٰذا وہ اس حکم کو وجوب پر محمول کرنے سے مانع ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''میں نے ارادہ کیا کہ تم اس سال ان کی مدد کرو''، یہ اعانت سے ماخوذ ہے اور مسلم کی روایت میں ہے: ''میں نے ارادہ کیا کہ تم ان میں تفتیش کرو اور جو ضرورت مند ہوں، ان میں تقسیم کرو اور ان کو کھلاؤ''۔ قاضی عیاض نے کہا ہے یعنی جو مشقت، جہد کے لفظ سے معلوم ہوتی ہے، اس مشقت کی وجہ سے ان کو کھلاؤ یا اس سال قحط کی وجہ سے ان کو کھلاؤ، کیونکہ لوگ اس سال گوشت کے ضرورت مند تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صحیح بخاری میں یہ ہے کہ میں نے ارادہ کیا تم ان کی مدد کرو، اور صحیح مسلم کی روایت یہ ہے کہ میں نے ارادہ کیا تم اس میں ان کی تفتیش کرو، اور صاحب المشارق نے کہا ہے کہ بخاری کی روایت راجح ہے، کیونکہ تفتیش کا حاصل بھی یہی ہے کہ جب معلوم ہو کہ ان میں ضرورت مند لوگ ہیں تو پھر ان کی مدد کرو اور ان کو گوشت کھلاؤ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۷۰۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ الضَّحِيَّةُ كُنَّا نُمَلِّحُ مِنْهُ فَنَقْدَمُ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِالْمَدِينَةِ فَقَالَ لَا تَأْكُلُوا إِلَّا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيْسَتْ بِعَزِيمَةٍ وَلٰكِنْ أَرَادَ أَنْ يُطْعِمَ مِنْهُ وَاللهُ أَعْلَمُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے بھائی نے حدیث بیان کی از سلیمان از یحییٰ بن سعید از عمرہ بنت عبد الرحمٰن از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم قربانی کے گوشت پر نمک لگا کر رکھ دیتے تھے، پھر ہم اس کو نبی ﷺ کے پاس مدینہ میں لے جاتے تھے، تو آپ نے فرمایا: کہ تم قربانی کا گوشت صرف تین دن تک کھاؤ، اور یہ حکم آپ نے تاکید کے ساتھ نہیں دیا، لیکن آپ کا ارادہ یہ تھا کہ ہم قربانی کے گوشت میں سے لوگوں کو کھلائیں اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۳۸، ۵۵۷۰، ۶۶۸۷، صحیح مسلم: ۲۹۷۰، سنن نسائی: ۴۴۳۲، سنن ابن ماجہ: ۳۳۴۴، مسند احمد: ۲۴۶۳۱)

صحیح البخاری: ۵۵۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے کہ کتنے دنوں تک قربانی کا گوشت کھایا جائے اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا: قربانی کا گوشت تین دن تک کھاؤ اور یہ حکم آپ نے تاکید کے ساتھ نہیں دیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے: اسماعیل بن عبداللہ، یہ ابن ابی اویس ہیں، اور ابواویس کا نام عبداللہ ہے اور ان کے بھائی ابوبکر عبدالحمید ہیں۔ اور اس سند میں سلیمان کا ذکر ہے، یہ ابن بلال ہیں۔ اور یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے اور وہ انصاری ہیں۔

صحیح بخاری کی حدیث مذکور کا سنن ترمذی کی حدیث سے تعارض اور اس کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت نہ کھاؤ، سو اس حدیث میں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے کی صریح ممانعت ہے، اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ترمذی نے از عابس بن ربیعہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کے گوشت کو کھانے سے منع فرماتے تھے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نہیں اور ان دونوں حدیثوں میں تعارض اور منافات ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ان دونوں حدیثوں میں منافات نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن ترمذی کی حدیث میں تحریم کی نفی کی ہے، یعنی تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانا حرام نہیں ہے۔ اور مطلقاً ممانعت کی نفی نہیں کی ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ صحیح بخاری کی اس روایت میں مذکور ہے کہ آپ نے تاکید کے ساتھ منع نہیں فرمایا لیکن آپ کا ارادہ یہ تھا کہ ہم قربانی کے گوشت میں سے لوگوں کو کھلائیں اور آپ کی مراد یہ نہیں تھی کہ تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کے کھانے کو ترک کرنا واجب ہے بلکہ آپ کی غرض یہ تھی کہ اس گوشت کو لوگوں پر صرف کیا جائے۔

تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کے کھانے کی ممانعت کی متعدد توجیہات

ایک قوم نے کہا کہ تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو کھانے کی ممانعت منسوخ ہوگئی ہے، اور اس میں یہ ثبوت ہے کہ ایک سنت نے دوسری سنت کو منسوخ کر دیا ہے، اور دوسرے فقہاء نے کہا کہ تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو کھانے کی ممانعت کراہت کے لیے تھی تحریم کے لیے نہیں تھی اور کراہت آج تک باقی ہے۔

اور دیگر فقہاء نے کہا کہ تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو کھانے کی تحریم ایک علت اور سبب کی وجہ سے تھی، جب وہ علت اور سبب زائل ہوگیا تو حکم بھی زائل ہوگیا۔

امام مسلم حضرت عبداللہ بن واقد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن کے بعد قربانیوں کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا ہے، اس کے بعد اس حدیث میں ہے: ''میں نے تم کو جو تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کے کھانے سے منع کیا تھا، یہ الدافہ کی وجہ سے منع کیا تھا (یعنی خانہ بدوش لوگوں کے آنے کی وجہ سے منع کیا تھا)، پس تم کھاؤ، اور ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو''۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا: الدافہ عرب کی ایک قوم ہے جو شہر میں جانے کا ارادہ کرتی تھی، آپ کا ارادہ یہ تھا کہ یہ وہ قوم ہے کہ جب وہ عیدالاضحیٰ کے دن مدینہ میں آئیں تو تم قربانی کے گوشت کو ذخیرہ نہ کرو تاکہ ان آنے والوں کے اوپر قربانی کے گوشت کو صدقہ کر دو اور یہ آنے والے خانہ بدوش اس گوشت سے فائدہ اٹھائیں۔

قربانی کرنے والے پر آیا اپنی قربانی سے گوشت کھانا واجب ہے یا نہیں؟

اگر تم یہ سوال کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کھاؤ، کیا یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ قربانی کے گوشت کو کھانا واجب ہے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں جو کھانے کا حکم ہے، اس امر سے آپ نے کھانے کی اجازت دی ہے، کھانے کو واجب نہیں قرار دیا اور اس امت کے متقدمین اور متاخرین کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر قربانی کے دن کوئی شخص قربانی کے گوشت سے نہ کھائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ امر اذن اور اطلاق کے معنی میں ہے، یعنی آپ نے قربانی کے گوشت کو کھانے کی اجازت دی ہے، اس کو واجب قرار نہیں دیا ہے۔
علامہ ابن التین نے کہا ہے: تمام مذاہب میں اس کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی کے گوشت کا کھانا واجب نہیں ہے۔ البتہ قاضی محمد نے بعض لوگوں سے نقل کیا ہے کہ قربانی کے گوشت میں سے کھانا واجب ہے اور ابن حزم ظاہری نے کہا ہے: ہر قربانی کرنے والے پر فرض ہے کہ وہ اپنی قربانی کے گوشت سے کھائے، خواہ ایک لقمہ ہی کھائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳۸۔۲۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۷۱۔ حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو عُبَيْدٍ مَوْلَى ابْنِ أَزْهَرَ أَنَّهُ شَهِدَ الْعِيدَ يَوْمَ الْأَضْحَى مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی الله عنه فَصَلَّى قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ نَهَاكُمْ عَنْ صِيَامِ هَذَيْنِ الْعِيدَيْنِ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَيَوْمُ فِطْرِكُمْ مِنْ صِيَامِكُمْ وَأَمَّا الْآخَرُ فَيَوْمٌ تَأْكُلُونَ مِنْ نُسُكِكُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حبان بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوعبید مولیٰ ابن ازہر نے خبر دی کہ وہ عید الاضحیٰ کے دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی، پھر لوگوں کو خطبہ دیا، پس فرمایا: اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو ان دو عیدوں کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے، رہا ان میں سے ایک دن، تو وہ تمہارے روزوں سے افطار کا دن ہے، رہا دوسرا دن تو یہ وہ دن ہے جس دن میں تم اپنی قربانیوں سے کھاتے ہو۔

(صحیح البخاری: ۱۹۹۰، ۵۵۷۱، صحیح مسلم: ۱۱۳۷، سنن ترمذی: ۷۷۱، سنن ابوداؤد: ۲۴۱۶، سنن ابن ماجہ: ۱۷۲۲، مسند احمد: ۲۸۴، موطا امام مالک: ۴۳۱)

عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں روزہ رکھنے سے ممانعت کی حکمت

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت ہے، کیونکہ اس دن اللہ کی طرف سے بندوں کو گوشت کھانے کی دعوت دی جاتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی بندوں پر نعمت ہے اور اس دن روزہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہے۔
عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا حرام ہے، اس میں یہ ہدایت ہے کہ بندہ کو اللہ کے احکام کا پابند ہونا ہے، وہ اللہ کے حکم کے مطابق کھانا کھائے اور اللہ کے حکم کے مطابق کھانا چھوڑ دے، رمضان کے مہینہ میں اس کو دن میں کھانا چھوڑنے کا حکم دیا، اور عید کے دن کھانا کھانے کا حکم دیا، وہ رمضان کے مہینہ میں دن میں کھانا کھا نہیں سکتا اور عید کے دن کھانا چھوڑ نہیں سکتا، وہ اپنی مرضی

سے کسی دن کھانا کھا سکتا ہے نہ کھانا چھوڑ سکتا ہے اور یہی اس کے بندہ ہونے اور مملوک ہونے کا تقاضا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن کوئی چیز کھا کر عید گاہ جاتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن بغیر کچھ کھائے عید گاہ جاتے تھے اور قربانی کر کے اس کے گوشت سے کچھ کھاتے تھے، کیونکہ عید الفطر کے دن کھانے کا حکم ہے، اس لیے پہلے کچھ کھاتے، پھر نمازِ عید کے لیے جاتے اور عید الاضحیٰ کے دن قربانی کرنے کا حکم ہے، اس لیے نمازِ عید کے بعد پہلے قربانی کرتے، پھر اس کے گوشت سے کچھ کھاتے، اور ہر عید کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کو مقدم رکھتے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۵۷۲۔ قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ ثُمَّ شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فَكَانَ ذٰلِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَصَلَّى قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ قَدِ اجْتَمَعَ لَكُمْ فِيهِ عِيدَانِ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ مِنْ أَهْلِ الْعَوَالِي فَلْيَنْتَظِرْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَرْجِعَ فَقَدْ أَذِنْتُ لَهُ۔ (صحیح مسلم:۱۱۶۹)

ابو عبید نے کہا: پھر میں عید کے دن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا اور اس دن جمعہ کا دن تھا، تو انہوں نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا اور پھر فرمایا: اے لوگو! بے شک اس دن تمہارے لیے دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں، پس دیہات سے آنے والوں میں سے جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ جمعہ کا انتظار کرے تو وہ جمعہ کا انتظار کرے اور جو واپس دیہات میں جانا چاہتا ہو تو میں اس کی اجازت دیتا ہوں۔

صحیح البخاری: ۵۵۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''قال ابو عبید'': یہ تعلیق حدیث سابق کے ساتھ اسی سند سے موصول ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ابو عبید نے کہا ''پھر میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا اور وہ جمعہ کا دن تھا''۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ وہ کونسی عید کا دن تھا؟ بعض شارحین نے کہا ہے کہ ظاہر ہے کہ یہ عید الاضحیٰ کا دن تھا جس کا اس سے پہلے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر ہے۔ اور اس حدیث میں ''العید'' میں لام عہدِ خارجی کے لیے ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اے لوگو! اس دن میں تمہارے لیے دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں'' یعنی جمعہ کی عید اور عید کے دن کی عید، خواہ وہ عید الاضحیٰ ہو یا عید الفطر۔ اور جمعہ کے دن کو عید اس لیے فرمایا کہ جمعہ کا دن وہ زمانہ ہے جس میں مسلمان شریعت کے شعائر کے اظہار کے لیے کثرت کے ساتھ آتے ہیں جس طرح عید کے دن آتے ہیں۔ اور اس حدیث میں جمعہ کے دن پر عید کا اطلاق تشبیہ کی وجہ سے ہے۔

اس حدیث میں ''اھل العوالی'' کا ذکر ہے، ''العوالی'' العالیہ کی جمع ہے اور یہ وہ بستیاں ہیں جو مدینہ کے قریب مشرق کی جانب تھیں اور قریب ترین بستی مدینہ کے تین یا چار میل کے فاصلہ پر تھی اور بعید ترین بستی آٹھ میل کے فاصلہ پر تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ پڑھنا چاہتا ہو، وہ انتظار کرے'' یعنی جب جمعہ کا وقت

آ جائے تو پھر جمعہ کی نماز مدینہ میں پڑھ لے، اور اگر واپس اپنے گھر جانا چاہتا ہو تو میں اسے گھر واپس جانے کی اجازت دیتا ہوں۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جب عید جمعہ کے دن ہو تو جو شخص عید کی نماز پڑھ لے، اس سے جمعہ کی نماز ساقط ہو جاتی ہے اور امام مالک کا بھی ایک قول یہی ہے۔

اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ لوگ مختلف مقامات سے عید اور جمعہ کے لیے آتے تھے، اور ان کے اوپر آنا واجب نہیں تھا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ تم اگر واپس جانا چاہو تو جا سکتے ہو، آپ کی مراد یہ نہیں تھی کہ جب عید جمعہ کے دن ہو تو جو عید کی نماز پڑھ لے، اس سے جمعہ ساقط ہو جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۳۹۔ ۲۴۰، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

جمعہ کا دن بھی مسلمانوں کی عید ہے

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مسلمانوں کی صرف دو عیدیں ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ، اور انہوں نے کہا کہ اب مسلمانوں نے بارہ ربیع الاول کو بھی عید میلاد النبی کہنا شروع کر دیا ہے، یہ خلاف شرع ہے، عیدیں تو سال میں صرف دو ہوتی ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ، لیکن ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ جمعہ کا دن بھی مسلمانوں کی عید ہے اور سال میں تقریباً ۵۲ مرتبہ جمعہ کا دن آتا ہے، تو یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ مسلمانوں کی سال میں صرف دو عیدیں ہیں؟، جبکہ جمعہ کا دن بھی مسلمانوں کی عید ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

دیہات میں جمعہ کی نماز کے نہ ہونے کی دلیل

نماز جمعہ کے لیے شہر کا ہونا شرط ہے، اور گاؤں اور دیہات میں جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے بلکہ وہاں کے لوگوں پر ظہر کی نماز پڑھنا فرض ہے اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیہات سے آنے والے لوگوں سے فرمایا: کہ اگر تم جمعہ پڑھنا چاہتے ہو تو یہاں مدینہ میں انتظار کرو حتیٰ کہ جب جمعہ کا وقت آئے تو جمعہ کی نماز پڑھ لینا، اور اگر تم اپنے گھروں میں واپس جانا چاہتے ہو، تو میں تمہیں واپس جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ یہ نہیں فرمایا کہ تم دیہات میں جمعہ پڑھ لینا بلکہ فرمایا: اگر جمعہ پڑھنا چاہتے ہو تو یہیں ٹھہرو اور انتظار کرو۔ (سعیدی غفرلہ)

جمعہ کی نماز کی فرضیت کے لیے شہر ہونے پر دلیل اور شہر کا مصداق

ہم نے کہا ہے کہ نماز جمعہ کی فرضیت کے لیے شہر کا ہونا شرط ہے، اس کے ثبوت میں درج ذیل حدیث ہے:

عن ابی اسحاق عن الحارث عن علی قال لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع۔

از ابو اسحاق از الحارث از حضرت علی رضی اللہ عنہ، انہوں نے فرمایا کہ نماز جمعہ اور تکبیراتِ تشریق صرف اس شہر میں فرض ہے جو جامع ہو۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۱۰۷، رقم الحدیث: ۱۵۸۹)

اور شہر کی مختار تعریف یہ ہے: جس جگہ مسائل شرعیہ بیان کرنے کے لیے عالم دین ہو اور مظلوم کا حق ظالم سے دلوانے کے لیے قوت نافذہ ہو، یعنی وہاں پر عدالت بھی ہو اور تھانہ بھی ہو۔ عدالت میں جج فیصلہ دے گا اور پولیس اس کے فیصلہ کو نافذ کرائے گی۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہاں پر ضروریات زندگی کی چیزیں منڈیوں اور بازاروں میں دستیاب ہوں، تو جس جگہ یہ تین شرطیں

پائی جائیں وہ جگہ شہر کہلائے گی اور وہاں نماز جمعہ فرض ہوگی۔اور آج کل جو ہمارے ملک کے دیہات اور گاؤں وغیرہ ہیں، چونکہ ان میں یہ شرائط نہیں پائی جاتیں، لہٰذا وہاں کے لوگوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے بلکہ ان پر ظہر کی نماز پڑھنا فرض ہے اور جماعت سے پڑھنا واجب ہے، اور جن لوگوں نے وہاں پر جمعہ شروع کرادیا ہے، وہ ایک نفلی عبادت ہے، وہ نفل ادا کر رہے ہیں اور فرض اور واجب (یعنی ظہر کی نماز با جماعت) کو ترک کر رہے ہیں اور اس کا گناہ ان کے ذمہ ہوگا۔(سعیدی غفرلہ)

۵۵۷۳۔ قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ ثُمَّ شَهِدْتُهُ مَعَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فَصَلَّى قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَاكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا لُحُومَ نُسُكِكُمْ فَوْقَ ثَلَاثٍ وَعَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ نَحْوَهُ۔ (صحیح مسلم: ۱۹۶۹، سنن نسائی: ۴۴۲۴)

ابو عبید نے کہا: پھر میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ (عید کی نماز میں) حاضر ہوا، تو انہوں نے خطبہ سے پہلے نماز عید پڑھائی، پھر لوگوں کو خطبہ دیا، پھر فرمایا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے تمہاری قربانیوں کا گوشت تین دن کے بعد کھانے سے منع فرمایا ہے۔از معمر از الزہری از ابو عبید، اسی کی مثل ہے۔

صحیح البخاری: ۵۵۷۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا'' یعنی میں عید کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا، اور اس سے مراد عید الاضحیٰ ہے، کیونکہ سیاق کی اس پر دلالت ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام عبد الرزاق نے از معمر از الزہری از ابو عبید روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا، آپ عید الاضحیٰ کے دن فرما رہے تھے کہ تم تین دن کے بعد قربانیوں کا گوشت نہ کھاؤ۔

علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ تین دنوں میں سے کون سے دن گوشت کا ذخیرہ کرنا جائز تھا، پس ایک قول یہ ہے کہ یہ یوم النحر کا پہلا دن تھا، پس جس نے قربانی کی اس کے لیے جائز تھا کہ وہ بعد کے دو دن بھی گوشت کو رکھ لے، اور جس نے پہلے دن کے بعد قربانی کی تو اس کے لیے باقی تین دن قربانی کا گوشت رکھنا جائز تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پہلا دن وہ ہے جس دن قربانی کی جاتی ہے، پس اگر اس نے ایام نحر کے آخری دن قربانی کی تو اس کے لیے جائز تھا کہ وہ باقی کے تین دن قربانی کا گوشت رکھ لے اور اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت نہ رکھے، اس میں یہ احتمال ہے کہ جس دن اس نے قربانی کی ہے، اس دن کا شمار نہ کرے۔

تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو رکھنے کی اجازت کے متعلق احادیث

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کا جواب یہ ہے کہ جس سال حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا تھا، اس سال لوگوں کے لیے گوشت کی کمی تھی جیسا کہ نبی ﷺ کے عہد میں واقع ہوا تھا، ابن حزم ظاہری نے بھی یہی جواب دیا ہے۔ انہوں نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں اس وقت خطبہ دیا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور دیہات والوں کو فتنے نے مدینہ آنے پر

طرف مجبور کر دیا تھا تو ان کو مشقت اور تنگی ہوئی، اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا، اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ امام طحاوی نے از اللیث از عقیل از الزہری اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس کی عبارت یہ ہے کہ: ابو عبید نے کہا: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید کی نماز پڑھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے مکان میں محصور تھے۔

اور امام محمد بن ادریس الشافعی نے کہا ہے کہ تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو رکھنے کی ممانعت منسوخ ہو چکی تھی، اور شاید حضرت علی رضی اللہ عنہ تک یہ منسوخ ہونے کا حکم نہیں پہنچا تھا۔ اور قربانی کے گوشت کو تین دن کے بعد رکھنے کی ممانعت بہر حال میں منسوخ ہو چکی ہے۔

اور حافظ ابو عمر ابن عبد البر مالکی نے کہا ہے: علماء کا اس کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اب تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو رکھنے کی اجازت ہے اور اس کی ممانعت منسوخ ہو چکی ہے۔

امام طحاوی نے کہا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو رکھنے کی ممانعت منسوخ ہو چکی ہے، ان میں سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ امام ابن ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ رکھنے سے منع کیا تھا، سو اب تم اس کا ذخیرہ کرو جب تک چاہو۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت قبور سے منع کیا تھا۔ الحدیث۔ اور اس کے آخر میں ہے: میں نے تم کو قربانیوں کے گوشت کو تین دن کے بعد رکھنے سے منع کیا تھا، اب تم جب تک چاہو، اس کو رکھ سکتے ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۰۔ ۲۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۷۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم كُلُوا مِنَ الْأَضَاحِيِّ ثَلَاثًا وَكَانَ عَبْدُ اللهِ يَأْكُلُ بِالزَّيْتِ حِينَ يَنْفِرُ مِنْ مِنًى مِنْ أَجْلِ لُحُومِ الْهَدْيِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبد الرحیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم بن سعد نے خبر دی از ابن شہاب کے بھتیجے از ان کے چچا ابن شہاب از سالم از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم تین دن تک قربانیوں کو کھاؤ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما منیٰ سے روانگی کے وقت (روٹی) زیتون کے تیل سے کھاتے تھے، کیونکہ وہ ہدی کے گوشت سے تین دن کے بعد اجتناب کرتے تھے۔

اس حدیث کی تخریج مذکور نہیں ہے۔

صحیح البخاری: ۵۵۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ''محمد بن عبدالرحیم'' یہ ابویحیٰ ہیں جن کو صاعقہ کہا جاتا تھا، اور امام بخاری ان سے روایت میں منفرد ہیں۔ اور ابن شہاب کے بھتیجے محمد بن عبداللہ بن مسلم ہیں جو اپنے چچا ابن شہاب محمد بن مسلم اور الزہری سے روایت کرتے ہیں از سالم بن عبداللہ از والد خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ زیتون کا تیل کھاتے تھے'' یعنی روٹی کو زیتون کے تیل سے کھاتے تھے حتیٰ کہ منیٰ سے واپس ہو جاتے اور اس طرح وہ ہدی کے گوشت کے کھانے سے احتراز کرتے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ ہدی قربانی سے خاص ہے اور خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہوتی، اس لیے ہدی سے احتراز کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قربانی کے گوشت سے احتراز کرتے تھے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہدی کا ذکر یہاں پر منیٰ سے روانگی کے وقت کی مناسبت سے ذکر کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تین دن کے بعد قربانی کے گوشت سے نہیں کھاتے تھے اور جب منیٰ روانگی کے بعد تین دن گزر جاتے تو سالن کی جگہ زیتون کے تیل کو استعمال کرتے اور تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کھانے کی ممانعت کے حکم کی وجہ سے منیٰ سے واپسی کے بعد قربانی کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اس ممانعت کے منسوخ ہونے کی حدیث نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تھی اور نہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو پہنچی تھی اور نہ حضرت عبداللہ بن واقد رضی اللہ عنہ کو پہنچی تھی، اگر ان حضرات کو یہ حدیث پہنچتی تو یہ تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے احتراز نہ کرتے اور ممانعت کی حدیث ہر حال میں منسوخ ہو چکی ہے۔ واللہ اعلم

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۱، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: کتاب الاضاحی میں چوالیس (۴۴) احادیث مرفوعہ ہیں، جن میں سے پندرہ (۱۵) تعلیقات ہیں اور بقیہ احادیث موصولہ ہیں۔ اور انتالیس (۳۹) احادیث مقررہ ہیں اور خالص احادیث پانچ (۵) ہیں۔

قربانی کے متعلق صدر الشریعہ علامہ امجد علی کی تحقیق

صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۶۷ھ تحریر فرماتے ہیں:

حدیث ۱: ابوداؤد، ترمذی و ابن ماجہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''یوم النحر (دسویں ذوالحجہ) میں ابن آدم کا کوئی عمل خدا کے نزدیک خون بہانے (قربانی کرنے) سے زیادہ پیارا نہیں اور وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگ اور بال اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے قبل خدا کے نزدیک مقام قبول میں پہنچ جاتا ہے، لہٰذا اس کو خوش دلی سے کرو''۔ (جامع الترمذی، کتاب الاضاحی، باب ماجاء فی فضل الاضحیۃ، الحدیث: ۱۴۹۸، ج ۳ ص ۱۶۲)

حدیث ۲: طبرانی حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے راوی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ''جس نے خوش دلی سے طالب ثواب

ہو کر قربانی کی وہ آتش جہنم سے حجاب (روک) ہو جائے گی"۔ (المعجم الکبیر، الحدیث: ۲۷۳۶، ج ۳ ص ۸۴)

حدیث ۳: طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو روپیہ عید کے دن قربانی میں خرچ کیا گیا اس سے زیادہ کوئی روپیہ پیارا نہیں"۔ (المعجم الکبیر، الحدیث: ۱۰۸۹۴، ج ۱۱ ص ۱۴۔۱۵)

حدیث ۴: ابن ماجہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس میں وسعت ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے"۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا، الحدیث: ۳۱۲۳ ج ۳ ص ۵۲۹)

حدیث ۵: ابن ماجہ نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا کہ "تمہارے باپ (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے" لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہمارے لیے اس میں کیا ثواب ہے، فرمایا: "ہر بال کے مقابل نیکی ہے"، عرض کی اون کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: "اون کے ہر بال کے بدلے میں نیکی ہے"۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، باب ثواب الاضحیۃ، الحدیث: ۳۱۲۷ ج ۳ ص ۵۳۱)

حدیث ۶: صحیح بخاری میں حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے مروی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سب سے پہلے جو کام آج ہم کریں گے وہ یہ ہے کہ نماز پڑھیں، پھر اس کے بعد قربانی کریں گے جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت (طریقہ) کو پالیا، اور جس نے پہلے ذبح کر لیا، وہ گوشت ہے جو اس نے پہلے سے اپنے گھر والوں کے لیے تیار کر لیا، قربانی سے اسے کچھ تعلق نہیں"۔ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور یہ پہلے ہی ذبح کر چکے تھے (اس خیال سے کہ پڑوس کے لوگ غریب تھے انہوں نے چاہا کہ ان کو گوشت مل جائے) اور عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم!) میرے پاس بکری کا چھ ماہ کا ایک بچہ ہے، فرمایا: "تم اسے ذبح کر لو اور تمہارے سوا کسی کے لیے چھ ماہ کا بچہ کفایت نہیں کرے گا۔ (صحیح البخاری، کتاب الاضاحی، باب سنۃ الاضحیۃ، الحدیث: ۵۵۴۵، ج ۳ ص ۵۷۱)

حدیث ۷: امام احمد وغیرہ حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "آج کے دن جو کام ہم کو پہلے کرنا ہے وہ نماز ہے، اس کے بعد قربانی کرنا ہے، جس نے ایسا کیا وہ ہماری سنت کو پہنچا اور جس نے پہلے ذبح کر ڈالا، وہ گوشت ہے جو اس نے اپنے گھر والوں کے لیے پہلے ہی سے کر لیا، نسک یعنی قربانی سے اس کو کچھ تعلق نہیں۔

(المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الکوفیین، حدیث البراء بن عازب، الحدیث: ۱۸۵۱۵، ج ۶ ص ۴۴۴، وغیرہ)

حدیث ۸: امام مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ "سینگ والا مینڈھا لایا جائے جو سیاہی میں چلتا ہو اور سیاہی میں بیٹھتا ہو اور سیاہی میں نظر کرتا ہو یعنی اس کے پاؤں سیاہ ہوں اور پیٹ سیاہ ہو اور آنکھیں سیاہ ہوں، وہ قربانی کے لیے حاضر کیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عائشہ چھری لاؤ، پھر فرمایا: اسے تیز کر لو، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری لی اور مینڈھے کو لٹایا اور اسے ذبح کیا، پھر فرمایا:

بسم اللہ اللھم تقبل من محمد وال محمد ومن امۃ محمد۔ الٰہی تو اس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اور ان کی آل اور امت کی طرف سے قبول فرما۔

(صحیح مسلم، کتاب الاضاحی باب استحباب استحسان الضحیۃ، الحدیث: ۱۹(۱۹۶۷) ص ۱۰۸۷)

حدیث ۹: امام احمد وابوداؤد وابن ماجہ وداری حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کے دن دو

مینڈھے سینگ والے چت کبرے خصی کیے ہوئے ذبح کیے، جب ان کا منہ قبلہ کو کیا یہ پڑھا:

انی وجهت وجهی للذی فطر السموت والارض علی ملة ابراهیم حنیفا وما انا من المشرکین، ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العلمین لا شریک له وبذالك امرت وانا من المسلمین، اللهم منك ولك عن محمد وامته بسم الله والله اکبر

میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین بنائے ملت ابراہیمی پر ایک اسی کا ہوکر، اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ (عزوجل) کے لئے ہے جو رب (ہے) سارے جہان کا، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں مسلمانوں میں ہوں، الٰہی یہ تیری توفیق سے ہے اور تیرے لیے ہی ہے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کی امت کی طرف سے بسم اللہ واللہ اکبر۔

اس کو پڑھ کر ذبح فرمایا''۔ (سنن ابی داؤد کتاب الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا، الحدیث:۲۷۹۵، ج ۳ ص ۱۲۶)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ عرض کیا کہ ''الٰہی یہ میری طرف سے ہے اور میری امت میں اس کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں کی''۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب فی الشاۃ یضحی بھا عن جماعۃ، الحدیث:۲۸۱۰، ج ۳ ص ۱۳۱)

حدیث ۱۰: امام بخاری ومسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مینڈھے چت کبرے سینگ والوں کی قربانی کی، انہیں اپنے دست مبارک سے ذبح کیا اور بسم اللہ واللہ اکبر کہا، کہتے ہیں: میں نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھا کہ اپنا پاؤں ان کے پہلوؤں پر رکھا اور بسم اللہ واللہ اکبر کہا''۔

(صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب استحباب استحسان الضحیۃ، الحدیث:۱۷(۱۹۶۶)، ۱۸(۱۹۶۶) ص ۱۰۸۲)

حدیث ۱۱: ترمذی میں حنش سے مروی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ دو مینڈھے کی قربانی کرتے ہیں، میں نے کہا: یہ کیا، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے قربانی کروں، لہٰذا میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ (جامع الترمذی، کتاب الاضاحی، باب ماجاء فی الاضحیۃ، الحدیث:۱۵۰۰، ج ۳ ص ۱۶۳)

حدیث ۱۲: ابوداؤد ونسائی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے یوم اضحیٰ کا حکم دیا گیا، اس دن کو خدا نے اس امت کے لیے عید بنایا، ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہ بتائیے اگر میرے پاس منیحہ (منیحہ اس جانور کو کہتے ہیں جو دوسرے نے اس لیے دیا ہے کہ یہ کچھ دنوں اس کے دودھ وغیرہ سے فائدہ اٹھائے، پھر مالک کو واپس کردے) کے سوا کوئی جانور نہ ہو تو کیا اسی کی قربانی کردوں، فرمایا: ''نہیں۔ ہاں تم اپنے بال اور ناخن ترشواؤ اور مونچھیں ترشواؤ اور موئے زیر ناف کو مونڈو، اسی میں تمہاری قربانی خدا کے نزدیک پوری ہوجائے گی''، یعنی جس کو قربانی کی توفیق نہ ہوا سے ان چیزوں کے کرنے سے قربانی کا ثواب حاصل ہوجائے گا۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب ماجاء فی ایجاب الاضاحی، الحدیث:۲۷۸۹، ج ۳ ص ۱۲۳)

حدیث ۱۳: مسلم وترمذی ونسائی وابن ماجہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ''جس نے ذی الحجہ کا چاند دیکھ لیا اور اس کا ارادہ قربانی کرنے کا ہے تو جب تک قربانی نہ کرلے بال اور ناخنوں سے نہ لے یعنی نہ ترشوائے''۔

(جامع ترمذی، کتاب الاضاحی، باب ترک اخذ الشعر لمن اراد ان یضحی، الحدیث:۱۵۲۸، ج ۳ ص ۱۷۷)

حدیث ۱۴: طبرانی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قربانی میں گائے سات کی طرف سے اور اونٹ سات کی طرف سے ہے''۔ (المعجم الکبیر، الحدیث: ۱۰۰۲۶، ج ۱۰ ص ۸۳)

حدیث ۱۵: ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بھیڑ کا جذع (چھ مہینے کا بچہ) سال بھر والی بکری کے قائم مقام ہے''۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب مایجوز من السنن فی الضحایا، الحدیث: ۲۷۹۹، ج ۳ ص ۱۲۷)

حدیث ۱۶: امام احمد نے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''افضل قربانی وہ ہے جو باعتبار قیمت اعلیٰ ہو اور خوب فربہ ہو''۔ (المسند، للامام احمد بن حنبل، الحدیث: ۱۵۴۹۴، ج ۵ ص ۲۷۹)

حدیث ۱۷: طبرانی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات میں قربانی کرنے سے منع فرمایا۔
(المعجم الکبیر، الحدیث: ۱۱۴۵۹، ج ۱۱ ص ۱۵۲)

حدیث ۱۸: امام احمد وغیرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چار قسم کے جانور قربانی کے لیے درست نہیں، کانا جس کا کانا پن ظاہر ہے اور بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو اور لنگڑا جس کا لنگ ظاہر ہے اور ایسا لاغر جس کی ہڈیوں میں مغز نہ ہو''، اسی کی مثل امام مالک واحمد وترمذی وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ ودارمی براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے راوی۔
(المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الکوفیین، الحدیث: ۱۸۵۳۵، ج ۶ ص ۴۰۷)

حدیث ۱۹: امام احمد وابن ماجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کان کٹے ہوئے اور سینگ ٹوٹے ہوئے کی قربانی سے منع فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، باب ما یکرہ ان یضحی بہ، الحدیث: ۳۱۴۵، ج ۳ ص ۵۴۰)

حدیث ۲۰: ترمذی وابوداؤد ونسائی ودارمی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ہم جانوروں کے کان اور آنکھیں غور سے دیکھ لیں اور اس کی قربانی نہ کریں جس کے کان کا اگلا حصہ کٹا ہو اور نہ اس کی جس کے کان کا پچھلا حصہ کٹا ہو نہ اس کی جس کا کان پھٹا ہو یا کان میں سوراخ ہو''۔ (جامع الترمذی، کتاب الاضاحی، باب ما یکرہ من الاضاحی، الحدیث: ۱۵۰۳، ج ۳ ص ۱۶۵)

حدیث ۲۱: امام بخاری حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں نحر وذبح فرماتے تھے۔
(صحیح البخاری، کتاب الاضاحی، باب الاضحی والنحر بالمصلی، الحدیث: ۵۵۵۲، ج ۳ ص ۵۷۳)

مسائل فقہیہ:

قربانی کئی قسم کی ہے: (۱) غنی اور فقیر دونوں پر واجب، (۲) فقیر پر واجب ہو غنی پر واجب نہ ہو، (۳) غنی پر واجب ہو فقیر پر واجب نہ ہو، (۴) اور دونوں پر واجب ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ قربانی کی منت مانی، یہ کہا کہ اللہ (عزوجل) کے لیے مجھ پر بکری یا گائے کی قربانی کرنا ہے یا اس بکری یا اس گائے کو قربانی کرنا ہے۔ فقیر پر واجب ہو غنی پر نہ ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ فقیر نے قربانی کے لیے جانور خریدا اس پر اس جانور کی قربانی واجب ہے اور غنی اگر خریدتا تو اس خریدنے سے قربانی اس پر واجب نہ ہوتی۔ غنی پر واجب ہو فقیر پر واجب نہ ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ قربانی کا وجوب نہ خریدنے سے ہو نہ منت ماننے سے بلکہ خدا نے جو اسے زندہ رکھا ہے اس کے شکریہ میں اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت کے احیاء میں (یعنی سنت ابراہیمی کو قائم رکھنے کے لیے) جو قربانی واجب ہے، وہ صرف غنی پر ہے۔ (الفتاوی الہندیۃ، کتاب الاضحیۃ، الباب الاول فی تفسیرھا، الخ ج ۵ ص ۲۹۱-۲۹۲)

مسئلہ ۱: مسافر پر قربانی واجب نہیں، اگر مسافر نے قربانی کی یہ تطوع (نفل) ہے اور فقیر نے اگر نہ منت مانی ہو نہ قربانی کی نیت سے جانور خرید اہو اس کا قربانی کرنا بھی تطوع ہے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الاضحیۃ، الباب الاول فی تفسیر ھا، ج ۵ ص ۲۹۱)

مسئلہ ۲: قربانی واجب ہونے کے شرائط یہ ہیں: (۱) اسلام، یعنی غیر مسلم پر قربانی واجب نہیں۔ (۲) اقامت، یعنی مقیم ہونا، مسافر پر واجب نہیں، (۳) تونگری، یعنی مالک نصاب ہونا: یہاں مالداری سے مراد وہی ہے جس سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، وہ مراد نہیں جس سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، (۴) حریت، یعنی آزاد ہونا جو آزاد نہ ہو اس پر قربانی واجب نہیں کہ غلام کے پاس مال ہی نہیں، لہٰذا عبادت مالیہ اس پر واجب نہیں۔ مرد ہونا اس کے لیے شرط نہیں۔ عورتوں پر واجب ہوتی ہے جس طرح مردوں پر واجب ہوتی ہے، اس کے لیے بلوغ شرط ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے اور نابالغ پر واجب ہے تو آیا خود اس کے مال سے قربانی کی جائے گی یا اس کا باپ اپنے مال سے قربانی کرے گا۔ ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ نہ خود نابالغ پر واجب ہے اور نہ اس کی طرف سے اس کے باپ پر واجب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (الدر المختار، کتاب الاضحیۃ، ج ۹ ص ۵۲۴)

مسئلہ ۳: مسافر پر اگرچہ واجب نہیں مگر نفل کے طور پر کرے تو کر سکتا ہے ثواب پائے گا۔ حج کرنے والے جو مسافر ہوں ان پر قربانی واجب نہیں اور مقیم ہوں تو واجب ہے جیسے کہ مکہ کے رہنے والے حج کریں تو چونکہ یہ مسافر نہیں ان پر واجب ہوگی۔

(الدر المختار و رد المحتار، کتاب الاضحیۃ ج ۹ ص ۵۲۴)

مسئلہ ۴: قربانی واجب ہونے کا سبب وقت ہے، جب وہ وقت آیا اور شرائط وجوب پائے گئے قربانی واجب ہوگئی اور اس کا رکن ان مخصوص جانوروں میں کسی کو قربانی کی نیت سے ذبح کرنا ہے۔ قربانی کی نیت سے دوسرے جانور مثلاً مرغ کو ذبح کرنا ناجائز ہے۔

(الدر المختار، کتاب الاضحیۃ، ج ۹ ص ۵۲۰)

مسئلہ ۵: جو شخص دو سو درہم یا بیس دینار کا مالک ہو یا حاجت کے سوا کسی ایسی چیز کا مالک ہو جس کی قیمت دو سو درہم ہو وہ غنی ہے اس پر قربانی واجب ہے۔ حاجت سے مراد رہنے کا مکان اور خانہ داری کے سامان جن کی حاجت ہو اور سواری کا جانور اور خادم اور پہننے کے کپڑے ان کے سوا جو چیزیں ہوں وہ حاجت سے زائد ہیں۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الاضحیۃ، الباب الاول فی تفسیر ھا ج ۵ ص ۲۹۲)

مسئلہ ۶: عورت کا مہر شوہر کے ذمہ باقی ہے اور شوہر مالدار ہے تو اس مہر کی وجہ سے عورت کو مالک نصاب نہیں مانا جائے گا، اگرچہ مہر معجل ہو اور اگر عورت کے پاس اس کے سوا بقدر نصاب مال نہیں ہے تو عورت پر قربانی واجب نہیں ہوگی۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الاضحیۃ، الباب الاول فی تفسیر ھا ج ۵ ص ۲۹۲)

مسئلہ ۷: قربانی کے وقت میں قربانی کرنا ہی لازم ہے کوئی دوسری چیز اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی، مثلاً بجائے قربانی اس نے بکری یا اس کی قیمت صدقہ کر دی یہ ناکافی ہے، اس میں نیابت ہو سکتی ہے یعنی خود کرنا ضرور نہیں بلکہ دوسرے کو اجازت دے دی اس نے کر دی یہ ہو سکتا ہے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الاضحیۃ، الباب الاول فی تفسیر ھا، ج ۵ ص ۲۹۳، ۲۹۴)

مسئلہ ۸: جب قربانی کے شرائط مذکورہ پائے جائیں تو بکری کا ذبح کرنا یا اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ واجب ہے۔ ساتویں حصہ سے کم نہیں ہو سکتا بلکہ اونٹ یا گائے کے شرکاء میں اگر کسی شریک کا ساتویں حصہ سے کم ہے تو کسی کی قربانی نہیں ہوئی یعنی جس کا ساتواں حصہ یا اس سے زیادہ ہے اس کی بھی قربانی نہیں ہوئی۔ گائے یا اونٹ میں ساتویں حصہ سے زیادہ کی قربانی ہو سکتی ہے، مثلاً گائے کو چھ

یا پانچ یا چار شخصوں کی طرف سے قربانی کریں، ہوسکتا ہے اور یہ ضرور نہیں کہ سب شرکاء کے حصے برابر ہوں بلکہ کم وبیش بھی ہوسکتے ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ جس کا حصہ کم ہے تو ساتویں حصہ سے کم نہ ہو۔ (الدر المختار ورد المحتار، کتاب الاضحیۃ، ج ۹ ص ۵۲۱۔۵۲۵)

مسئلہ ۹: سات شخصوں نے پانچ گایوں کی قربانی کی یہ جائز ہے کہ ہر گائے میں ہر شخص کا ساتواں حصہ ہوا اور آٹھ شخصوں نے پانچ یا چھ گایوں میں بحصہ مساوی شرکت کی یہ ناجائز ہے کہ ہر گائے میں ہر ایک کا ساتویں حصہ سے کم ہے۔ سات بکریوں کی سات شخصوں نے شریک ہوکر قربانی کی یعنی ہر ایک کا ہر بکری میں ساتواں حصہ ہے استحساناً قربانی ہوجائے گی یعنی ہر ایک کی ایک ایک بکری پوری قرار دی جائے گی۔ یوہیں دو شخصوں نے دو بکریوں میں شرکت کر کے قربانی کی تو بطور استحسان ہر ایک کی قربانی ہوجائے گی۔

(ردالمحتار، کتاب الاضحیۃ، ج ۹ ص ۵۲۵)

مسئلہ ۱۰: شرکت میں گائے کی قربانی ہوئی تو ضرور ہے کہ گوشت وزن کر کے تقسیم کیا جائے اندازہ سے تقسیم نہ ہو، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کسی کو زائد یا کم ملے اور یہ ناجائز ہے، یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ کم وبیش ہوگا تو ہر ایک اس کو دوسرے کے لیے جائز کردے گا کہہ دے گا کہ اگر کسی کو زائد پہنچ گیا ہے تو معاف کیا کہ یہاں عدم جواز حق شرع ہے اور ان کو اس کے معاف کرنے کا حق نہیں۔

(الدر المختار ورد المحتار، کتاب الاضحیۃ، ج ۹ ص ۵۲۷)

مسئلہ ۱۱: قربانی کا وقت دسویں ذی الحجہ کے طلوع صبح صادق سے بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے یعنی تین دن، دو راتیں اور ان دنوں کو ایام نحر کہتے ہیں اور گیارہ سے تیرہ تک تین دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں، لہٰذا بیچ کے دو دن ایام نحر وایام تشریق دونوں ہیں اور پہلا دن یعنی دسویں ذی الحجہ صرف یوم النحر ہے اور پچھلا دن یعنی تیرہویں ذی الحجہ صرف یوم التشریق ہے۔

(الدر المختار، کتاب الاضحیۃ، ج ۹ ص ۵۲۰، ۵۲۷، ۵۲۹)

مسئلہ ۱۲: دسویں کے بعد کی دونوں راتیں ایام نحر میں داخل ہیں، ان میں بھی قربانی ہوسکتی ہے مگر رات میں ذبح کرنا مکروہ ہے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الاضحیۃ، الباب الثالث فی وقت الاضحیۃ، ج ۵ ص ۲۹۵)

مسئلہ ۱۳: ایام نحر میں قربانی کرنا اتنی قیمت کے صدقہ کرنے سے افضل ہے کیونکہ قربانی واجب ہے یا سنت اور صدقہ کرنا تطوع محض (یعنی نفلی عبادت) ہے، لہٰذا قربانی افضل ہوئی، اور وجوب کی صورت میں بغیر قربانی کیے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا، (یعنی واجب ادا نہیں ہوسکتا) (الفتاوی الہندیہ، کتاب الاضحیۃ، الباب الثالث فی وقت الاضحیۃ، ج ۵ ص ۲۹۵)

مسئلہ ۱۴: شہر میں قربانی کی جائے تو شرط یہ ہے کہ نماز ہوچکے، لہٰذا نماز عید سے پہلے شہر میں قربانی نہیں ہوسکتی اور دیہات میں چونکہ نماز عید نہیں ہے یہاں طلوع فجر کے بعد سے ہی قربانی ہوسکتی ہے اور دیہات میں بہتر یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد قربانی کی جائے اور شہر میں بہتر یہ ہے کہ عید کا خطبہ ہوچکنے کے بعد قربانی کی جائے۔ یعنی نماز ہوچکی ہے اور ابھی خطبہ نہیں ہوا ہے، اس صورت میں قربانی ہوجائے گی مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الاضحیۃ، الباب الثالث فی وقت الاضحیۃ، ج ۵ ص ۲۹۵)

مسئلہ ۱۵: اگر شہر میں متعدد جگہ عید کی نماز ہوتی ہو تو پہلی جگہ نماز ہوچکنے کے بعد قربانی جائز ہے یعنی یہ ضرور نہیں کہ عیدگاہ میں نماز ہوجائے جب ہی قربانی کی جائے بلکہ کسی مسجد میں ہوگئی اور عیدگاہ میں نہ ہوئی جب بھی ہوسکتی ہے۔

(الدر المختار ورد المحتار، کتاب الاضحیۃ، ج ۹ ص ۵۲۷، ۵۲۸)

مسئلہ ۱۶: دسویں کو اگر عید کی نماز نہیں ہوئی تو قربانی کے لیے یہ ضرور ہے کہ وقت نماز جاتا رہے یعنی زوال کا وقت آجائے اب قربانی ہوسکتی ہے اور دوسرے یا تیسرے دن نماز عید سے قبل ہوسکتی ہے۔ (الدر المختار، کتاب الاضحیۃ ج ۹ ص ۵۳۰)

مسئلہ ۱۷: منیٰ میں چونکہ عید کی نماز نہیں ہوتی، لہٰذا وہاں جو قربانی کرنا چاہے طلوع فجر کے بعد سے کرسکتا ہے، اس کے لیے وہی حکم ہے جو دیہات کا ہے، کسی شہر میں اگر فتنہ کی وجہ سے نماز عید نہ ہو تو وہاں دسویں کی طلوع فجر کے بعد قربانی ہوسکتی ہے۔

(الدر المختار ورد المحتار، کتاب الاضحیۃ، ج ۹ ص ۵۲۸، ۵۳۰)

(بہارِ شریعت جلد سوم، حصہ پانزدہم، ص ۳۲۷۔ ۳۳۲، مکتبۃ المدینہ، دعوتِ اسلامی، ۱۴۳۲ھ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۷۴۔ کِتَابُ الۡاَشۡرِبَةِ

مشروبات کا بیان

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس کتاب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مشروبات میں سے کون سے مشروب کا پینا حرام ہے اور کون سے مشروب کا پینا مباح ہے، اور اشربہ، شراب کی جمع ہے اور شراب اس چیز کا نام ہے جس کو پیا جاتا ہے اور یہ مصدر نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابُ: قَوۡلِ اللّٰہِ تَعَالٰی: اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَ الۡمَیۡسِرُ وَ الۡاَنۡصَابُ وَ الۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡہُ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝ (المائدہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں، سو تم ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو ۝

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کا عنوان المائدہ: ۹۰ کو قرار دیا ہے، اور اس آیت کو امام بخاری نے بطور تمہید کے ذکر کیا ہے تاکہ ان احادیث کا بیان کیا جا سکے جو خمر کی تحریم کے سلسلہ میں وارد ہیں۔

المائدہ: ۹۰ کا شان نزول

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ از ابی میسرہ از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ جب خمر کی تحریم کا حکم نازل ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! تو خمر کے حکم کے متعلق بیانِ شافی نازل فرما دے، تو سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡخَمۡرِ وَ الۡمَیۡسِرِ ؕ قُلۡ فِیۡہِمَاۤ اِثۡمٌ کَبِیۡرٌ۔ (البقرہ: ۲۱۹) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔

تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور ان پر یہ آیت پڑھی گئی تو انہوں نے پھر دعا کی: اے اللہ! ہمارے لیے خمر کے حکم کے متعلق بیان شافی نازل فرما، پس یہ آیت نازل ہوئی:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنۡتُمۡ سُکٰرٰی۔ (النساء: ۴۳) اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منادی جب نماز کے لیے کھڑا ہوا تو اس نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص نشہ میں ہو، وہ نماز کے قریب نہ جائے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس آیت کو پڑھا گیا، تو انہوں نے دعا کی: اے اللہ! خمر کے حکم کے متعلق بیان شافی نازل فرما، تو سورہ مائدہ: ۹۰ نازل ہوگئی اور یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر پڑھی گئی۔ اور جب المائدہ: ۹۱ پڑھی گئی:

اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَیَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ (المائدہ)

شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کردے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے والے ہو O

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: انتھینا، انتھینا، یعنی ہم باز آگئے، ہم باز آگئے۔

اسی طرح اس حدیث کی امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے از اسرائیل از ابی اسحاق روایت کی، اور امام ترمذی اور علی بن المدینی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

''خمر'' کا معنی

ارباب لغت نے خمر کے اسم کے اشتقاق میں مختلف اقوال ذکر کیے ہیں جو قریبۃ المعانی ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ خمر کو خمر اس لئے کہا جاتا ہے کہ خمر عقل کو ڈھانپ لیتی ہے اور چھپا دیتی ہے، جس طرح عورت کے دوپٹے کو خمار کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ بھی عورت کے سر کو چھپا دیتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ الخمر ''المخامرۃ'' سے ماخوذ ہے، اور مخامرۃ کا معنی ہے ''مخالطۃ''، یعنی کسی چیز کو خلط ملط کرنا اور خمر بھی عقل کو خلط ملط کر دیتی ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ خمر کو خمیر اس لیے کہتے ہیں کہ اگر خمر کو کچھ دیر چھوڑ دیا جائے تو اس میں خمیر آ جاتا ہے، جس طرح گوندھے ہوئے آٹے کو کچھ دیر چھوڑ دیا جائے تو اس میں خمیر آ جاتا ہے اور اس کا معنی لوگوں کے نزدیک معروف ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ خمر کو خمر اس لئے کہتے ہیں کہ خمر دماغ کو ڈھانپ دیتی ہے، یعنی نشہ کی حالت میں انسان کا دماغ صحیح کام نہیں کرتا۔

''مَیْسِر'' کا معنی

مَیْسِر کا معنی قمار ہے یعنی جوا، اور عطاء، مجاہد اور طاؤس سے مروی ہے کہ قمار میں سے ہر چیز میسر ہے حتیٰ کہ بچوں کا اخروٹ کے ساتھ کھیلنا بھی میسر ہے۔ اور راشد بن سعید اور حمزہ بن حبیب نے کہا ہے حتیٰ کہ چوسر کی گوٹ اور اخروٹ اور انڈوں کے ساتھ جو بچے کھیلتے ہیں وہ بھی میسر ہے۔

اور علامہ الزمخشری نے کہا ہے کہ مَیْسِر کا معنی قمار ہے، یہ یُسر سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے کسی چیز کا آسانی سے حاصل ہونا اور جب کوئی آدمی جوا کھیلتا ہے تو وہ جوئے کے ذریعہ دوسرے کا مال آسانی سے حاصل کر لیتا ہے، اس لئے جوئے کو مَیْسِر کہا جاتا ہے۔

''الانصاب'' کا معنی

انصاب، نُصب کی جمع ہے (نون پر پیش اور صاد ساکن ہے)، اور یہ ایک پتھر ہے جس کو زمانہ جاہلیت میں نصب کرتے تھے اور اس کو بت بنالیتے تھے اور اس کی عبادت کرتے تھے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس پتھر کو نصب کرتے اور اس کے اوپر جانوروں کو بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ذبح کرتے اور یہ نُصب خون سے سرخ ہوجاتا تھا۔

''الازلام'' کا معنی

ازلام، زلم کی جمع ہے (اس میں زاء پر زبر ہے) یہ ان تین تیروں کو کہتے ہیں جن میں سے ایک پر لکھا ہوتا ہے: مجھے میرے رب نے حکم دیا اور دوسرے پر لکھا ہوتا ہے: مجھے میرے رب نے منع کیا، اور تیسرا تیر معطل ہوتا ہے اور اس پر کچھ لکھا ہوا نہیں ہوتا۔ تو جب فال کے ذریعہ وہ تیر نکلتا جس پر لکھا ہوتا ہے: مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے تو وہ اس کام کو کرتا ہے، اور جب فال کے ذریعہ وہ تیر نکلتا جس پر لکھا ہوتا کہ میرے رب نے مجھے منع کیا تو وہ اس کام کو ترک کردیتا، اور اگر فال کے ذریعہ سادہ تیر نکلتا جس پر کچھ لکھا ہوا نہ ہوتا، تو پھر وہ دوبارہ فال نکالتا۔

خمر کے متعلق فرمایا کہ وہ رجس ہے یعنی نجس اور ناپاک ہے، مراد یہ ہے کہ خمر حرام ہے کیونکہ حرام چیز کے اوپر بھی رجس کا اطلاق آیا ہے جیسے مردار اور خون پر اور رجس کا اطلاق اللہ عزوجل کی کتاب میں کُفر پر بھی آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ (التوبہ: ۱۲۵) تو اس سورت نے ان کی (سابق) نجاست پر ایک اور نجاست کا اضافہ کردیا (یعنی ان کے کفر پر ایک اور کفر کا اضافہ کردیا)۔

اور اس آیت میں جو خمر پر رجس کا اطلاق کیا گیا ہے، اس سے کفر کو مراد لینا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ کوئی معین چیز ایمان یا کفر نہیں ہوتی، کیونکہ ایمان اور کفر تو کسی بندے کے اعتقاد اور قول سے ہوتا ہے، یعنی بندہ اگر کفر کا اعتقاد رکھے گا تو وہ کافر ہوگا اور ایمان کا اعتقاد رکھے گا تو وہ مومن ہوگا، تو کفر اور ایمان کا تعلق اعتقاد اور قول سے ہے، کسی معین چیز کے ساتھ نہیں ہے۔ اور اس آیت میں جو خمر پر اطلاق کیا گیا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی تحریم بہت زیادہ قوی ہے۔ اور کتاب التفسیر میں اس کی زیادہ تفصیل کی گئی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۲۔ ۲۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ کتاب التفسیر میں المائدہ: ۹۰ کے متعلق اس طرح لکھا ہوا ہے:

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَالْاَزْلَامُ (المائدہ: ۹۰) اس سے مراد وہ تیر ہیں جن سے وہ اپنے کاموں میں قسمت کا حال معلوم کرتے تھے، ''النصب'' اس سے مراد وہ نصب شدہ پتھر ہیں جن پر وہ (بتوں کا قرب حاصل کرنے کے لیے) اپنے جانوروں کو ذبح کرتے تھے، دوسروں نے کہا: ''الزلم'' کا معنی ایسا تیر ہے جس کا پر نہیں ہوتا: یہ ''ازلام'' کا واحد ہے اور ''الاستقسام'' کا معنی ہے: تیر کو گھمایا جائے اگر وہ تیر اس کو کسی کام سے منع کرے تو رک جائے اور اگر وہ اس کو کسی کام کا حکم دے تو اس کو کرے اور انہوں نے تیروں پر مختلف قسم کی نشانیاں بنا رکھی تھیں اور وہ ان نشانیوں سے قسمت کا حال معلوم کرتے تھے اور اس سے ''فَعَلت'' کے معنی میں ''قسمت'' ہے اور ''القسوم'' مصدر ہے۔

۵۵۷۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ

عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ لَمْ يَتُبْ مِنْهَا حُرِمَهَا فِي الْآخِرَةِ۔

بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں خمر کو پیا، پھر اس نے اس سے توبہ نہیں کی تو وہ آخرت میں خمر سے محروم ہوگا۔

(صحیح مسلم: ۲۰۰۳، سنن ترمذی: ۱۸۶۱، سنن نسائی: ۵۶۷۳، سنن ابن ماجہ: ۳۳۷۳، مسند احمد: ۴۶۷۶، موطا امام مالک: ۱۵۹۷، سنن دارمی: ۲۰۹۰)

صحیح البخاری: ۵۵۷۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان شراب نوشی سے توبہ نہ کرے، وہ آخرت میں شراب نہیں پیئے گا۔

اس میں یہ بیان ہے کہ جنت میں بھی خمر ہوگی جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے:

وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ۔ (محمد: ۱۵)

اور اس میں ایسی شراب کے دریا ہیں جو پینے والوں کے لیے خوش ذائقہ ہیں۔

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ معصیت اور گناہ کی وجہ سے انسان جنت سے محروم تو نہیں ہوتا، اس کا جواب یہ ہے کہ جو مسلمان دنیا میں خمر پیئے گا، وہ جنت میں داخل تو ہوگا، لیکن جنت کے دریا سے خمر کو نہیں پیئے گا، پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ جنت میں تو انسان کی ہر خواہش پوری کی جائے گی، اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں خمر پینے والا جنت میں خمر کی خواہش کو بھول جائے گا، اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر چہ اس کو خمر کی خواہش یاد ہوگی لیکن وہ اس کی خواہش نہیں کرے گا۔

اس کی تحقیق کہ جو شخص دنیا میں خمر کو پیئے گا، آیا وہ آخرت میں خمر سے محروم ہوگا یا نہیں؟

علامہ قرطبی نے کہا ہے: ظاہر حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں خمر کو پیئے گا، اس پر آخرت میں دائماً خمر حرام ہو جائے گی، پس اگر وہ جنت میں داخل ہوگا تو وہ جنت میں خمر کے سوا باقی تمام مشروبات کو پیئے گا، اس کے باوجود اس کو وہاں خمر کے نہ پینے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور نہ وہ خمر پینے والوں کے اوپر حسد کرے گا اور اس کا حال ایسے ہوگا جیسے جنت میں بعض مسلمان بلند درجات میں ہوں گے اور بعض مسلمان کم درجات میں ہوں گے، اور جو مسلمان کم درجات میں ہوں گے، وہ بلند درجات کی خواہش نہیں کریں گے اور یہ ان کے لیے سزا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ (الحجر)

اور ان کے دلوں میں جو رنجشیں ہوں گی ہم ان سب کو نکال لیں گے، (وہ) ایک دوسرے کے بھائی ہو کر مسند نشین ہوں گے ۝

اور اس سوال کا ایک یہ جواب دیا گیا ہے کہ جس نے دنیا میں خمر کو پیا، اس کو دوزخ کا عذاب دیا جائے گا اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا تو پھر اس کو خمر سے

محروم نہیں کیا جائے گا۔

اور ریشم کے پہننے اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کے متعلق بھی ہم اسی طرح تفصیل کرتے ہیں۔

حافظ ابو عمر ابن عبد البر مالکی نے بیان کیا ہے کہ بعض متقدمین نے کہا ہے کہ جس نے دنیا میں خمر کو پیا پھر اس سے توبہ نہیں کی تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور یہ مذہب ہمارے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے، سوا اس کے کہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام وعیدات کا نافذ ہونا قطعی ہے، اور ہمارے نزدیک اس کا محمل یہ ہے کہ وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے جب کہ وہ بغیر توبہ کیے مرجائے جیسا کہ باقی کبیرہ گناہوں کا حکم ہے۔

اسی طرح ان کا قول ہے کہ وہ آخرت میں خمر کو نہیں پیے گا، اس کا معنی ہمارے نزدیک یہ ہے کہ سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے اور اس کو جنت میں داخل کردے تو پھر وہ جنت میں خمر کو پیے گا اور ہمارے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر محمول ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس کی مغفرت فرمادے گا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس کو عذاب دے گا، پس اگر اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گناہ کی وجہ سے عذاب دے گا تو اپنی رحمت کے سبب سے اس کو جنت میں داخل کردے گا اور اس کو خمر سے جنت میں محروم نہیں کرے گا اگر اللہ عزوجل چاہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۳۔ ۲۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۷۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضى الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أُتِيَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ بِإِيلِيَاءَ بِقَدَحَيْنِ مِنْ خَمْرٍ وَلَبَنٍ فَنَظَرَ إِلَيْهِمَا ثُمَّ أَخَذَ اللَّبَنَ فَقَالَ جِبْرِيلُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَاكَ لِلْفِطْرَةِ وَلَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ تَابَعَهُ مَعْمَرٌ وَابْنُ الْهَادِ وَعُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ وَالزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ۔

(صحیح بخاری: ۳۳۹۴، ۳۴۳۷، ۴۷۰۹، ۵۵۷۶، ۵۶۰۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے خبر دی، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ جس رات رسول اللہ ﷺ کو بیت المقدس میں معراج کرائی گئی، تو آپ کے پاس دو پیالے لائے گئے، ایک پیالے میں خمر تھی اور دوسرے میں دودھ تھا، آپ نے دونوں پیالوں کی طرف دیکھا، پھر دودھ والے پیالے کو لے لیا، تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: اللہ کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے آپ کو فطرت کی ہدایت دی، اور اگر آپ خمر کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہوجاتی۔

شعیب کی متابعت معمر اور ابن الھاد اور عثمان بن عمر اور زبیدی نے کی ہے از الزہری۔

صحیح البخاری: ۵۵۷۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کا عنوان ہے''مشروبات کا بیان'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ''اگر آپ خمر کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی''۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشروبات میں سے خمر حرام اور نا جائز ہے، کیونکہ اس کا پینا گمراہی کا سبب ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے''ابوالیمان'' یمان میں یاء پر زبر ہے اور یہ الحکم بن نافع الحمصی ہیں اور اس میں شعیب کا ذکر ہے، یہ ابن ابی حمزہ الحمصی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں''ایلیاء'' کا ذکر ہے (اس میں ہمزہ کے نیچے زیر ہے اور یاء ساکن ہے اور آخر میں یاء پر مد ہے)، یہ بیت المقدس کے شہر کا نام ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس شہر میں یہ پیالے پیش کیے گئے، اس پر اعتراض یہ ہے کہ تین پیالے پیش کئے گئے تھے، ایک پیالے میں شہد تھا اور دوسرے پیالے میں خمر تھی اور تیسرے پیالے میں دودھ تھا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ایلیاء میں تو دو پیالے پیش کیے گئے تھے اور جب آپ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا تو وہاں پر تین پیالے پیش کیے گئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''للفطرۃ'' یعنی اسلام اور استقامت کے لیے۔

اور اگر آپ خمر کو لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی، یعنی آپ کی امت شراب پینے میں منہمک ہو جاتی، لیکن اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے آپ نے دودھ کو اختیار کیا، کیونکہ وہ سہل اور طیب و طاہر ہے اور پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے اور اس کا انجام بخیر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت جبریل نے کہا: اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حمد ہے جس نے آپ کو فطرت کی ہدایت دی، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب کوئی نئی اور تازہ نعمت ملے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے، اور جس کے حصول کی توقع ہو، اس کے حصول کی امید رکھنی چاہیے اور جس ضرر کے وقوع کا خطرہ ہو، اس سے دور رہنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے۔

متابعات کی شرح

اس حدیث میں معمر کی متابعت کا ذکر ہے، امام بخاری نے اس کو سندِ موصول کے ساتھ احادیث الانبیاء علیہم السلام کے باب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ذکر کیا ہے؟ اور اس میں ایلیاء کا ذکر نہیں ہے اور اس میں یہ مذکور ہے کہ آپ جو مشروب چاہیں پییں، تو میں نے دودھ کو لیا اور اس کو پی لیا۔

اور اس حدیث میں ابن الہاد کی تعلیق کا ذکر ہے، اس کو الکسائی نے سند موصول کے ساتھ از ابن شہاب زہری ذکر کیا ہے اور امام احمد نے اس کو ابن الہاد کی سند سے زہری سے بغیر واسطہ کے ذکر کیا ہے۔

اور اس میں عثمان بن عمر کی تعلیق کا ذکر ہے، اس کو تمام رازی نے سندِ موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

رہی زبیدی کی روایت از زہری تو اس کو امام نسائی نے محمد بن حرب کی سند سے ذکر کیا ہے اور اس میں ایلیاء کا ذکر نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۴۔۲۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۷۷۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ حَدِيثًا لَا يُحَدِّثُكُمْ بِهِ غَيْرِي قَالَ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَظْهَرَ الْجَهْلُ وَيَقِلَّ الْعِلْمُ وَيَظْهَرَ الزِّنَا وَتُشْرَبَ الْخَمْرُ وَيَقِلَّ الرِّجَالُ وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ حَتَّى يَكُونَ لِخَمْسِينَ امْرَأَةً قَيِّمُهُنَّ رَجُلٌ وَاحِدٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایسی حدیث سنی ہے جو تم کو میرے سوا کوئی اور بیان نہیں کرے گا۔ آپ نے فرمایا: قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ جہل کا ظہور ہوگا اور علم کم ہوگا اور زنا کا ظہور ہوگا اور خمر پی جائے گی اور مرد کم ہوں گے اور عورتیں زیادہ ہوں گی حتیٰ کہ پچاس عورتوں کا منتظم ایک مرد ہوگا۔

(صحیح مسلم: ۲۶۷۱، سنن ترمذی: ۲۲۰۵، سنن ابن ماجہ: ۴۰۴۵، مسند احمد: ۱۲۳۹۵)

صحیح البخاری: ۵۵۷۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "مشروبات کا بیان" اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ قربِ قیامت میں شراب (کھلم کھلا) پی جائے گی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ہشام کا ذکر ہے، وہ الدستوائی ہیں اور امام بخاری نے الدستوائی سے صرف یہی حدیث ذکر کی ہے، اور یہ حدیث کتاب العلم میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: "میرے علاوہ تمہیں اور کوئی یہ حدیث بیان نہیں کرے گا"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ اس لئے کہا تھا کہ اس جگہ پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی صحابی نہیں تھا اور وہ باقی رہنے والے صحابہ میں سے آخری صحابی تھے، یا اس لئے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ ان کے علاوہ رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث کسی اور نے نہیں سنی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من اشراط الساعة" اشراط کے معنی ہیں علامات، یہ شرط کی جمع ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "اور شراب پی جائے گی" یعنی علی الاعلان اور کھلم کھلا شراب پی جائے گی، کیونکہ شراب تو اب بھی

بعض فساق وفجار پیتے ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: "اور مرد کم ہو جائیں گے" اس کی وجہ یہ ہے کہ قرب قیامت میں بہ کثرت لڑائیاں ہوں گی جن میں بہت زیادہ مرد مارے جائیں گے، سو وہ کم ہو جائیں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۷۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَابْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولَانِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رضی الله عنه إِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَأَخْبَرَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ يُحَدِّثُهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ثُمَّ يَقُولُ كَانَ أَبُو بَكْرٍ يُلْحِقُ مَعَهُنَّ وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً ذَاتَ شَرَفٍ يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ أَبْصَارَهُمْ فِيهَا حِينَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: میں نے ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن اور ابن المسیب سے سنا، وہ دونوں بیان کرتے تھے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت زانی زنا کرتا ہے، وہ اس وقت مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی شخص شراب پیتا ہے، اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی شخص چوری کرتا ہے، اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔

ابن شہاب نے کہا: مجھے عبد الملک بن ابی بکر بن عبد الرحمٰن بن الحارث بن ہشام نے خبر دی کہ ابوبکر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرتے تھے، پھر کہتے تھے کہ ابوبکر اس حدیث کے ساتھ اس کو بھی لاحق کرتے تھے: اور جو شخص کسی بلند جگہ پر کھڑا ہو، اور لوگ نگاہیں بلند کر کے اس کی طرف دیکھتے ہوں اور وہ کسی شخص کو دن دہاڑے لوٹے، تو جس وقت وہ کسی آدمی کو لوٹتا ہے، تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۷۵، ۵۵۷۸، ۶۷۷۲، ۶۸۱۰، صحیح مسلم: ۵۷، سنن ترمذی: ۲۶۲۵، سنن نسائی: ۵۶۵۹، سنن ابوداؤد: ۴۶۸۹، سنن ابن ماجہ: ۳۹۳۶، مسند احمد: ۷۳۱۹، سنن دارمی: ۲۱۰۶)

صحیح البخاری: ۵۵۷۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "مشروبات کا بیان" اور اس میں یہ حدیث ذکر ہے کہ جس وقت کوئی شخص خمر پیتا ہے، اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں احمد بن صالح کا ذکر ہے، یہ ابوجعفر المصری ہیں، اور ابن وہب کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن وہب المصری ہیں۔ اور یونس کا ذکر ہے، یہ ابن یزید الایلی ہیں اور ابن شہاب کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لایزنی حین یزنی" اور اس کے فاعل کا ذکر نہیں ہے، اور مراد یہ ہے کہ جب کوئی مومن زنا کرتا ہے یا جب کوئی زانی زنا کرتا ہے یا جب کوئی مرد زنا کرتا ہے، تو زنا کرتے وقت یا جس حال میں وہ زنا کرتا ہے، وہ مومن نہیں ہوتا۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: یہ حدیث شراب پینے کی وعید میں سب سے زیادہ شدید ہے، اور اس حدیث سے خوارج نے استدلال کیا ہے اور انہوں نے کہا: جو شخص گناہِ کبیرہ کا عمداً ارتکاب کرے اور اس کو اس کبیرہ کے حرام ہونے کا علم ہو، تو اس کی تکفیر کی جائے گی، اور اہلِ سنت نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا کہ وہ مومن کامل نہیں رہے گا، یعنی جس حال میں وہ شراب پی رہا ہے، اس حال میں وہ مومن کامل نہیں ہوگا: یا یہ حدیث دھمکانے اور ڈرانے اور تغلیظ کے باب سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران) بیت اللہ کا حج کرنا ان لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو اس کے راستہ کی استطاعت رکھتے ہوں اور جس نے کفر (انکار) کیا تو بے شک اللہ سارے جہانوں سے بے پرواہ ہے ۝

علامہ حمد بن محمد الخطابی متوفی ۳۸۸ھ شارح بخاری نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: جس نے ان حرام کاموں کو حلال سمجھ کر کیا، وہ ان کاموں کے کرتے وقت مومن نہیں رہے گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس طرح کی تمام احادیث کا یہی معنی ہے، ان احادیث میں سے یہ حدیث ہے:

ابن مندہ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مرد جنت میں داخل نہیں ہوں گے، جو دائماً خمر پینے والا ہو، جو رحم کو قطع کرنے والا ہو، جو جادو کی تصدیق کرنے والا ہو۔

اور امام ابن ابی حاتم نے از حکیم بن جبیر از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کی کہ وہ دائماً شراب پینے والا تھا، تو وہ بتوں کی عبادت کرنے والے کی مثل ہے۔

اور امام ابن عدی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مرد دائماً شراب پینے والا ہو، وہ بتوں کی عبادت کرنے والے کی مثل ہے۔

یعنی یہ تمام احادیث اس پر محمول ہیں کہ جو شخص ان حرام کاموں کو حلال سمجھ کر کرتا ہو۔

امام بخاری نے اس حدیث کے آخر میں تعلیق ذکر کی ہے، جس میں ابوبکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جس حدیث میں زانی، خمر پینے والے اور چوری کرنے والے کا ذکر ہے، اس کے ساتھ لوٹ مار کرنے والے کو بھی ملا دیا ہے، کہ جو شخص کسی بلند جگہ پر کھڑا ہو اور وہ لوگوں کا مال قہراً اور ظلماً اور زبردستی برملا چھینے اور لوگ اس کی طرف دیکھ رہے ہوں، پس لوگ فریاد کریں اور اس سے مدافعت کرنے پر

قادر نہ ہوں، تو وہ لوٹ مار کرنے والا بھی اس حال میں مومن نہیں ہوتا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

خمر کی تحریم کے متعلق دیگر احادیث

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے خمر کو پیا اور اس کو اپنے پیٹ میں رکھ لیا، تو اس کی سات دن کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی اور اگر ان ایام میں وہ مر گیا تو وہ کفر پر مرے گا اور اگر اس کی عقل کسی چیز کے سبب سے فرائض سے زائل ہو گئی تو اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی، اور اگر ان ایام میں وہ مر گیا تو اس کی موت کفر پر ہو گی۔ (سنن ترمذی: ۱۸۶۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جس نے ریشم کو دنیا میں پہنا، اس کو آخرت میں نہیں پہنے گا، اور جس نے دنیا میں خمر کو پی لیا، وہ اس کو آخرت میں نہیں پیئے گا اور جس نے سونے اور چاندی کے برتنوں میں دنیا میں پیا تو وہ آخرت میں ان برتنوں میں نہیں پیئے گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت کا لباس اور اہل جنت کا مشروب اور اہل جنت کے برتن سونے کے ہیں۔
(السنن الکبریٰ: ۶۸۶۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دائماً شراب پینے والا بتوں کی عبادت کرنے والے کی مثل ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۳۷۵، التاریخ الکبیر للبخاری ج ۱ ص ۹۹، الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۳۶۴)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے، دائماً خمر پینے والا، رحم کو قطع کرنے والا اور جادو کی تصدیق کرنے والا۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۹)

حضرت عروہ بن رویم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے میرے رب نے مجھ کو خمر کے پینے اور بتوں کی عبادت کرنے سے منع فرمایا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۴۰۵۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دنیا سے اس حال میں جدا ہوا کہ وہ نشے میں تھا اور قبر میں اس حال میں داخل ہوا کہ وہ نشے میں تھا، اور قبر سے اس حال میں اٹھایا گیا کہ وہ نشے میں تھا تو اس کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا اور وہ نشے میں ہوگا، ایک ایسے پہاڑ کی طرف جس کا نام سکران ہے، اس میں ایک چشمہ ہے جس سے پیپ اور خون بہتا ہے اور وہ اس کا کھانا اور پینا ہوگا جب تک کہ آسمان اور زمین قائم ہیں۔ (المطالب العالیہ: ۱۸۱۴، اتحاف الخیرۃ المہرۃ: ۳۸۰۳)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں فرماتا اور جو شخص اس حال میں مرتا ہے کہ اس کے مثانے میں کچھ شراب ہو، اللہ تعالیٰ اس کے اوپر جنت کو حرام کر دیتا ہے اور اگر وہ ان چالیس دنوں میں مر جائے تو جاہلیت کی موت مرے گا۔
(الاحاد والمثانی: ۸۱۰، المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۶۳، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۱۴۷)

حافظ نور الدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے لکھا ہے: اس حدیث کے تمام راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں، سوا داؤد بن صالح

التمار کے، اور امام طبرانی کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۶۸۔۶۷)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۱۔۱۶ ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

باب مذکور کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے کتاب الاشربہ سے پہلے کتاب الاطعمہ لکھی اور ہم نے ذکر کیا کہ طعام ہر وہ چیز ہے جس کو کھایا جاتا ہے اور پیا جاتا ہے اور جس چیز کو چبانے کی ضرورت ہو، وہ طعام ہے اور جس چیز کو چبانے کی ضرورت نہ ہو وہ مشروب ہے جیسے پانی، شہد اور دودھ، اور اصل مشروبات میں یہ ہے کہ وہ حلال ہیں کیونکہ ان کے حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بر سبیل عموم فرمایا ہے:

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿٦٨﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ (الواقعہ)

بھلا بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو○ کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیں○ اگر ہم چاہیں تو اس (پانی کو) سخت کڑوا بنا دیں تو پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے○

پس اللہ تعالیٰ نے مشروبات کو حلال قرار دیا ہے، پس کسی انسان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دلیل شرعی کے بغیر کسی چیز کو حرام کہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿١١٦﴾ (النحل)

اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں ان کے بارے میں یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو، بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے○

پھر امام بخاری نے اس باب کو اس آیت سے شروع کیا ہے:

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٩٠﴾ (المائدہ)

بے شک شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں، سو تم ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کو نجس فرمایا ہے اور ان کو حرام قرار دیا ہے اور ان سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان میں سے پہلی چیز خمر ہے، خمر اس چیز کو کہتے ہیں جو عقل کو ڈھانپ لے، جیسے خمار عورت کے دوپٹے کو کہتے ہیں جو اس کے سر کو ڈھانپ لیتا ہے اور خمر کے پینے سے انسان کو ایسا نشہ آجاتا ہے جس سے اس کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ پس نشہ عقل کو غائب کر دیتا ہے اور نشے میں انسان کو صحیح اور غلط کی تمیز نہیں رہتی اور وہ کتنے ناجائز کاموں کو جائز سمجھ کر کرتا ہے۔ اور دوسری چیز میسر ہے۔ میسر جوئے کو کہتے ہیں جس میں انسان کسی کھیل میں غلبہ پا کر کوئی معین رقم حاصل کرتا ہے۔ اور شریعت نے مقابلے میں غلبہ سے صرف تین چیزوں کو جائز قرار دیا ہے، نیزہ بازی، اونٹ سواری کا مقابلہ اور گھوڑے سواری کا مقابلہ۔ اور ان مقابلوں کو اس لئے جائز قرار دیا ہے کہ ان سے جہاد کی تربیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مقابلے کے ذریعہ کسی کھیل میں غلبہ پانا اور اس کا عوض لینا جائز نہیں

ہے۔اور تیسری چیز انصاب ہے، یہ نصب کی جمع ہے اور یہ وہ بت ہیں جن کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جاتی ہے۔اور چوتھی چیز ازلام ہیں، ازلام، زلم کی جمع ہے اور یہ وہ تیر ہیں جن کو زمانہ جاہلیت میں عربوں نے فال کا ذریعہ بنایا تھا، وہ مختلف تیروں پر مختلف عبارات لکھ دیتے، کسی تیر پر لکھا ہوتا: سفر کرلو، کسی تیر پر لکھا ہوتا: سفر نہ کرو، جب کسی شخص نے سفر کرنا ہوتا تو وہ اس تیر سے فال نکالتا اور اگر لکھا ہوتا: سفر کرو، تو سفر کرتا اور اگر لکھا ہوتا کہ سفر نہ کرو، تو وہ سفر نہ کرتا۔ سو یہ چار چیزیں ہیں جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ رجس یعنی نجس ہیں اور عملِ شیطان ہیں۔

سوال: آیا یہ رجس یعنی نجاست حسی ہے یا معنوی ہے؟

جواب: یہ نجاست قطعی طور پر معنوی ہے اور اس کا حسی ہونا ممکن نہیں ہے، کیونکہ جو آدمی جوا کھیلتا ہے وہ اس جوئے کا معاوضہ کسی نجس چیز کو قرار نہیں دیتا جس کو رکھنے سے کپڑے نجس ہوجائیں، اسی طرح بت بھی حسی طور پر نجس نہیں ہیں، حتیٰ کہ اگر کسی بت کے اوپر کوئی انسان گیلا ہاتھ رکھے تو اس کا ہاتھ ناپاک ہوجائے، اس طرح نہیں ہے، اسی طرح فال کے تیر بھی حسی نجاست نہیں ہیں بلکہ یہ نجاست معنوی ہے، یعنی یہ شیطان کا عمل ہے اور اس میں شیطان کی اتباع ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے ان چار چیزوں سے اجتناب کا حکم دیا ہے اور ان سے اجتناب نہ کرنا حرام ہے۔(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۹۹۔۳۰۰، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۔ بَابٌ: اَلْخَمْرُ مِنَ الْعِنَبِ — خمر انگور وغیرہ سے تیار ہوتی ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ خمر انگور کا کچا شیرہ ہے جب وہ پڑے پڑے گاڑھا ہوجائے اور جھاگ چھوڑ دے، اور انگور کے علاوہ اور کسی چیز کا پانی حقیقتاً خمر نہیں ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک انگور کا شیرہ ہو یا کھجور کا شیرہ ہو، تو کچھ دیر پڑے رہنے کے بعد جب جھاگ چھوڑ دے، وہ بھی خمر ہے، کیونکہ امام مسلم نے روایت کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خمر ان دو درختوں سے ہے، کھجور کے درخت سے اور انگور کے درخت سے۔(صحیح مسلم: ۱۹۸۵)

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ خمر کا حصر ان دو درختوں میں ہے، حالانکہ ایک حدیث میں وارد ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا: خمر کی تحریم نازل ہوئی اور یہ پانچ چیزوں سے بنتی تھی، انگوروں سے، کھجوروں سے، گندم سے، شہد سے اور جو سے، جیسا کہ عنقریب یہ حدیث آئے گی (صحیح البخاری: ۵۵۸۱)، پس جب اس طرح سے ہے تو صحیح مسلم کی جس حدیث میں مذکور ہے کہ خمر ان دو درختوں سے بنتی ہے، انگور سے اور کھجور سے تو اس میں تاویل کی جائے گی اور وہ تاویلات حسب ذیل ہیں:

(۱) صحیح مسلم کی حدیث میں جو مذکور ہے کہ خمر ان دو درختوں سے بنتی تھی، اس سے مراد یہ ہے کہ ان دو درختوں میں سے کسی ایک سے بنتی تھی جیسا کہ درج ذیل آیت میں بھی یہ تاویل ہے:

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا۔ (الانعام: ۱۳۰)

اور اے جنات اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر میری آیات بیان کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟

اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنات اور انسانوں دونوں گروہوں میں سے رسول آتے رہے ہیں، حالانکہ جنات میں سے کوئی رسول نہیں آیا، رسول صرف انسانوں میں سے آئے ہیں، تو پھر اس آیت میں یہ تاویل کی جائے گی کہ اے جنات اور انسانوں کے گروہ! کیا تم میں سے کسی ایک گروہ کے پاس رسول نہیں آئے؟ اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾ (الرحمٰن) ان سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں O

اس آیت کا بھی ظاہر معنی یہ ہے کہ ان دو سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں، حالانکہ موتی اور مونگے ان دو سمندروں میں سے ایک سے نکلتے ہیں۔ تو اس آیت کی یہ تاویل ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دو سمندروں میں سے ایک سمندر سے موتی اور مونگے نکالتا ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم کی حدیث کا محمل ہے کہ خمر ان دو درختوں میں سے ایک درخت سے بنتی ہے، یعنی کھجور اور انگور کے درختوں میں سے صرف انگور کے درخت سے خمر بنائی جاتی ہے نہ کہ کھجور سے خمر بنائی جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جو مذکور ہے کہ خمر کی تحریم نازل ہوئی اور وہ پانچ چیزوں سے بنائی جاتی تھی، اس کا بھی محمل یہ ہے کہ وہ پانچ چیزوں میں سے ایک چیز سے بنائی جاتی تھی، یعنی صرف انگور سے۔

(۲) مراد یہ ہے کہ خمر ان دونوں درختوں سے بنتی ہے، ہر چند کہ یہ دونوں درخت مختلف ہیں لیکن مراد یہ ہے کہ خمر انگور سے بنتی ہے اور وہی حقیقۃً خمر ہے، اسی وجہ سے انگور کے کچے شیرے کو خمر کہا جاتا ہے، خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر ہو، نشہ آور ہو یا نشہ آور نہ ہو، یا مراد یہ ہے کہ کھجور کا کچا شیرہ جو نشہ آور ہو وہ خمر ہے، پس غیر نشہ آور شیرہ اس میں داخل نہیں ہوگا۔ اسی طرح انگور کے شیرہ کے علاوہ ہر جس شیرہ پر خمر کا اطلاق ہے، اس پر خمر کا اطلاق اس وقت ہوگا جب وہ شیرہ نشہ آور ہو اور یہ اطلاق بھی مجازی ہے خمر کا حقیقی اطلاق صرف انگور کے کچے شیرہ پر ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی نے جو یہ لکھا ہے کہ انگور کا کچا شیرہ خواہ نشہ آور ہو یا نشہ آور نہ ہو، وہ حقیقۃً خمر ہے، فقہاء احناف کے نزدیک صحیح نہیں ہے، فقہاء احناف کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ انگور کا کچا شیرہ جو پڑے پڑے جھاگ چھوڑ دے اور نشہ آور ہو جائے وہ خمر ہے، اس کا ایک قطرہ پینا بھی حرامِ قطعی ہے اور حد کا موجب ہے خواہ اس سے نشہ نہ ہو اور انگور کا کچا شیرہ جو نشہ آور نہ ہو، جیسے انگوروں کا جوس ہوتا ہے، اس کا پینا حلال ہے اور اس کے حرام ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے اور نہ اس کے اوپر خمر کے اطلاق کا کوئی قائل ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

نیز علامہ عینی فرماتے ہیں: اگر تم یہ سوال کرو کہ ہر وہ چیز جو نشہ آور ہو اس کے اوپر خمر کا اطلاق ہوتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نشہ آور خمر ہے اور ہر نشہ آور حرام ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر وہ مشروب جس سے نشہ پایا جائے اسے خمر کہا جاتا ہے نہ کہ اس کے غیر کو بخلاف انگور کے گاڑھے شیرہ کے، وہ خمر ہے خواہ وہ نشہ آور ہو یا نہ ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خمر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے جیسا کہ عنقریب آئے گا، پس اس مشروب کو خمر اس وقت کہا جائے گا جب وہ عقل کو ڈھانپ لے، بخلاف انگور کے اس شیرہ کے جو گاڑھا ہو۔ یہی اس مقام کی تحقیق ہے، میں نے شراح میں سے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس مقام کی اس طرح تحقیق کی ہو بلکہ اکثر شارحین نے اس مقام سے اپنی آنکھوں کو بند کر لیا ہے۔ البتہ میں نے شرح ابن بطال میں دیکھا، انہوں نے اس باب کی شرح میں

اسی طرح لکھا ہے۔

پس اس حدیث کی توجیہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے اور یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے فیضِ الٰہی سے ہم پر کھول دی ہے، سو اللہ ہی کا شکر ہے اور اس کا احسان ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۷۔۲۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۷۹۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَبَّاحٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ حَدَّثَنَا مَالِكٌ هُوَ ابْنُ مِغْوَلٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ لَقَدْ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ وَمَا بِالْمَدِينَةِ مِنْهَا شَيْءٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن صباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن سابق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے حدیث بیان کی اور وہ ابن مغول ہیں از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، انہوں نے فرمایا: کہ بے شک خمر کو حرام کر دیا گیا ہے، اور مدینہ میں خمر میں سے کوئی چیز باقی نہیں بچی تھی۔

(صحیح البخاری: ۴۶۱۶، ۵۵۷۹ صحیح مسلم: ۳۰۳۲، سنن ترمذی: ۱۸۷۲، سنن نسائی: ۵۵۷۹)

صحیح البخاری: ۵۵۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حسن بن صباح کا ذکر ہے، یہ البزار الواسطی ہیں اور محمد بن سابق کا ذکر ہے، یہ شیوخ بخاری سے ہیں۔ اور امام بخاری نے یہاں پر ان سے ایک واسطہ سے روایت کی ہے اور مالک کا ذکر ہے، وہ ابن مغول البجلی ہیں۔ امام بخاری نے جو کہا کہ وہ ابن مغول ہیں، یہ اس التباس کو دور کرنے کے لیے ذکر کیا ہے کہ کسی کو یہ شک ہو کہ یہ امام مالک بن انس ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ذکر ہے کہ خمر کو حرام کیا گیا اور تحریم خمر فتحِ مکہ کے سال فتحِ مکہ سے پہلے ہوئی تھی اور علامہ الدمیاطی نے وثوق سے کہا ہے کہ تحریم خمر حدیبیہ کے سال ہوئی اور حدیبیہ کا سال چھ ہجری تھا اور امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ تحریم خمر بنو نضیر کے قصہ میں ہوئی ہے اور یہ قصہ غزوۂ احد کے بعد ۴ ہجری میں ہوا ہے اور اس قول پر اعتراض ہے، کیونکہ جب خمر کو حرام قرار دیا گیا تو خمر پلانے والے حضرت انس رضی اللہ عنہ تھے، اور جب انہوں نے خمر کی تحریم کو سنا تو انہوں نے سبقت کی اور خمر کو بہا دیا، تو اگر ۴ ہجری میں خمر کو حرام قرار دیا گیا ہو تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت بہت کم تھی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ خمر کو حرام قرار دیا گیا اور مدینہ میں ان میں سے کچھ بھی باقی نہیں تھا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہاں خمر سے مراد انگور کا کچا شیرہ ہے، کیونکہ انگور کے کچے شیرہ کے علاوہ دوسرے نبیذ تو مدینہ میں اس وقت موجود تھے اور اس پر دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو اس کے بعد آئے گی، یا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو کہا کہ اس وقت مدینہ میں خمر بالکل نہیں تھی تو یہ انہوں نے اپنے علم کے اعتبار سے کہا ہے یا نفی میں مبالغہ کا ارادہ کیا ہے جیسے کہا جاتا ہے

فلاں شخص تو "لیس بالشیء" ہے یعنی کچھ بھی نہیں ہے۔

۵۵۸۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا أَبُو شِهَابٍ عَبْدُ رَبِّهِ بْنُ نَافِعٍ عَنْ يُونُسَ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ أَنَسٍ قَالَ حُرِّمَتْ عَلَيْنَا الْخَمْرُ حِينَ حُرِّمَتْ وَمَا نَجِدُ يَعْنِي بِالْمَدِينَةِ خَمْرَ الْأَعْنَابِ إِلَّا قَلِيلًا وَعَامَّةُ خَمْرِنَا الْبُسْرُ وَالتَّمْرُ۔

۵۵۸۰۔ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوشہاب عبدربہ بن نافع نے حدیث بیان کی از یونس از ثابت البنانی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم پر خمر حرام کی گئی جب حرام کی گئی اور ہم مدینہ میں انگوروں کی شراب بہت کم پاتے تھے اور ہماری عام شراب کچی اور پکی کھجوروں سے بنتی تھی۔

(صحیح بخاری: ۲۴۶۴، ۴۶۱۷، ۴۶۲۰، ۵۵۸۰، ۵۵۸۲، ۵۵۸۳، ۵۵۸۴، ۵۶۲۰، ۵۶۲۲، ۷۲۵۳، صحیح مسلم: ۱۹۸۰، سنن نسائی: ۵۵۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۶۷۳، مسند احمد: ۱۲۹۶۳، موطا امام مالک: ۱۵۹۹، سنن دارمی: ۲۰۸۹)

صحیح البخاری: ۵۵۸۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے: احمد بن یونس اور وہ احمد بن عبداللہ بن یونس التمیمی الیربوعی الکوفی ہیں اور وہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوشہاب، یہ عبدربہ کی کنیت ہے، یہ ابن نافع الحناط المدائنی ہیں۔ اور یونس کا ذکر ہے، وہ ابن عبید البصری ہیں۔ اور ثابت کا ذکر ہے جو زائل کی ضد ہے، یہ ابن اسلم البصری ابومحمد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ہماری عام خمر بسر اور تمر ہوتی تھی"۔

بُسر، کھجور کے درخت کا چوتھا مرتبہ ہے، اور کھجور کے درخت کا پہلا مرتبہ طلع ہے، پھر خلال ہے، پھر بلح ہے، پھر بسر ہے۔ پھر اس کے بعد رطب ہے۔ (رطب سے مراد ہے تروتازہ اور پکی ہوئی کھجور اور بُسر سے مراد ہے کچی کھجور)۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ پکی ہوئی کھجور کا پہلا مرتبہ بُسر ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ خمر تو مائع ہے یعنی بہنے والی چیز ہے، اور بُسر جامد ہے تو بُسر خمر کیسے ہوگی؟ پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ بُسر کو مجازاً خمر کہا گیا ہے، کیونکہ خمر بُسر سے بنائی جاتی ہے۔ جیسے قرآن مجید میں مجازاً ہے:

إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا (یوسف: ۳۶) میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب (کے لیے انگور) نچوڑ رہا ہوں۔

حالانکہ شراب کو نہیں نچوڑا جاتا بلکہ انگوروں کو نچوڑا جاتا ہے، سو اس آیت میں ذکر شراب کا ہے اور مراد انگور ہیں اور یہ مجاز ہے۔ اسی طرح بُسر پر خمر کا اطلاق بھی مجاز ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس سے پہلے حدیث میں مذکور ہے کہ مدینہ میں بالکل شراب نہیں تھی، پھر کیسے کہا کہ ہماری عام خمر بُسر اور تمر تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں جو مذکور ہے کہ مدینہ میں بالکل شراب نہیں تھی یعنی انگور کی شراب نہیں تھی، کیونکہ جب شراب کا مطلقاً ذکر کیا جائے تو اس سے متبادل انگور کی شراب ہوتی ہے، یا مطلق شراب انگور کی شراب پر محمول ہے۔

علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے التوضیح میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: اس حدیث میں اور اس کے بعد کی احادیث میں فقہاء کوفہ کا رد ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ خمر صرف انگور سے بنائی جاتی ہے اور ہر وہ شراب جو انگور کے غیر سے بنائی جائے وہ حرام نہیں ہے جب کہ وہ نشہ آور نہ ہو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ہم نے جو اس باب کے شروع میں ذکر کیا ہے، وہ ابن ملقن کے رد کے لیے کافی ہے، اس کو دوبارہ پڑھ لو۔

(علامہ عینی نے اس باب کے شروع میں یہ لکھا ہے کہ یہ باب اس بیان میں ہے کہ خمر انگور سے بنائی جاتی ہے، یعنی وہ خمر جو انگور سے حاصل ہو، اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ خمر انگور کے غیر سے بھی بنائی جاتی ہے، امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ خمر انگور کا کچا پانی ہے، اور جب وہ گاڑھا ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے اور انگور کے غیر سے جو مشروب حاصل ہوتا ہے، اس کو حقیقۃً خمر نہیں کہا جاتا، خلاصہ یہ ہے کہ انگور کے علاوہ جن چیزوں سے شراب بنائی جاتی ہے، ان کو مجازاً خمر کہا جاتا ہے حقیقۃً خمر اسی کو کہا جاتا ہے جو انگور کا شیرہ ہو اور رکھے رکھے جھاگ چھوڑ دے)۔

ائمہ ثلاثہ کا اس پر استدلال کہ انگور کے علاوہ دیگر چیزوں سے بھی خمر بنائی جاتی ہے اور علامہ عینی کی طرف سے اس کا جواب

اور المہلب نے بھی کہا ہے کہ کسی کے لیے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ خمر صرف انگور سے بنتی ہے، پس یہ صحابہ جو فصحاء عرب تھے اور اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک بہت فہم والے تھے، انہوں نے کہا کہ خمر پانچ چیزوں سے بنتی ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ خمر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صحابہ کے سامنے خطبہ دیا جن میں مہاجرین اور انصار وغیرہ سب موجود تھے اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا تو یہ گویا اجماع ہو گیا۔

علامہ عینی اس کے جواب میں لکھتے ہیں: ہر وہ شخص جو فقہاء احناف کے قول کی باریکیوں کو نہیں سمجھتا، وہ ان پر اسی طرح رد کرتا ہے، اور ان کا رد مردود ہے۔ اور فقہاء احناف کا یہ کہنا کہ خمر صرف انگور سے بنتی ہے، صحابہ کے اس قول کے منافی نہیں ہے کہ خمر صرف پانچ چیزوں سے بنتی ہے اور نہ یہ ان کی فصاحت میں مضر ہے کیونکہ انہوں نے اپنے کلام میں حقیقت اور مجاز دونوں کو استعمال کیا ہے اور یہ عین فصاحت ہے۔ (یعنی انگور سے شراب بنائی جاتی ہے یہ حقیقتاً شراب ہے اور پانچ چیزوں سے شراب بنائی جاتی ہے، یہ مجازاً شراب ہے)۔

صاحب التوضیح یعنی علامہ ابن ملقن نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے نقیع التمر کے متعلق فرمایا کہ یہ خمر ہے، اور الشعبی، ابن ابی لیلیٰ، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق اور عام محدثین نے کہا ہے کہ المسکر خمر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا ان اشیاء پر خمر کا اطلاق کرنا بہ طور حقیقت نہیں ہے، انہوں نے کہا کہ خمر کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ

عقل کو ڈھانپ لیتی ہے اور ہم بھی اس حیثیت سے کہتے ہیں اور اس کی تحقیق عنقریب گزر چکی ہے۔ اور علامہ ابن ملقن نے یہ بھی کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے کہا کہ انگور کا کچا شیرہ حرام ہے، سو جس نے اس سے ایک قطرہ بھی پی لیا اس پر حد لگائی جائے گی اور ان کے ماسوا جو شرابیں ہیں، ان کے پینے سے اسی وقت حد لگائی جائے گی جب اس سے نشہ آ جائے۔ اور امام ابوحنیفہ پر رد کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ صحابہ مدینے میں الفضیخ کو پیتے تھے، اور الفضیخ وہ مشروب ہے جو کچی اور پکی کھجوروں سے بنایا جاتا ہے، پھر جب ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منادی آیا کہ خمر کو حرام کر دیا گیا ہے، تو وہ اس مشروب کے پینے سے رک گئے، اور انہوں نے اپنے مٹکوں کو توڑ دیا اور انہوں نے انکار نہیں کیا اور انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم تو الفضیخ پی رہے تھے، بلکہ وہ اس مشروب کو پینے سے رک گئے تو اگر ان کے نزدیک یہ مشروب خمر نہ ہوتا تو وہ اس کے پینے سے نہ رکتے، اور یہ اس کی دلیل ہے کہ کچی اور پکی کھجوروں سے بنائے ہوئے مشروب کو بھی خمر کہتے ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن ملقن نے رد کی دلیل کی تحقیق نہیں کی حتیٰ کہ امام اعظم پر رد کیا اور الفضیخ جس کو اس وقت صحابہ پی رہے تھے، وہ نشہ آور تھا اور نشہ آور مشروب کے اوپر بھی مجازاً خمر کا اطلاق ہوتا ہے، اس اعتبار سے کہ وہ بھی عقل کو ڈھانپ لیتا ہے، کیونکہ خمر کی حقیقت یہ ہے کہ وہ انگور کا کچا پانی ہے جو گاڑھا ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کے پینے سے حد لاگو ہوگی خواہ قلیل مقدار میں پیے اور انگور کے کچے پانی کے علاوہ ان اشیاء مذکورہ میں سے اسی وقت حد لاگو ہوتی جب اس کو اس مقدار میں پیا جائے جس سے نشہ آ جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۸۔۲۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۸۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ أَبِي حَيَّانَ حَدَّثَنَا عَامِرٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَامَ عُمَرُ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ أَمَّا بَعْدُ نَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ وَهِيَ مِنْ خَمْسَةِ الْعِنَبِ وَالتَّمْرِ وَالْعَسَلِ وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ابی حیان، انہوں نے کہا: ہمیں عامر نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ممبر پر کھڑے ہوئے، پس فرمایا: اما بعد، خمر کی تحریم نازل ہوگئی اور یہ پانچ چیزوں سے بنائی جاتی ہے، انگور سے، کھجور سے، شہد سے، گندم سے اور جو سے، اور خمر وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔

(صحیح البخاری: ۴۶۱۹، ۵۵۸۱، ۵۵۸۸، ۵۵۸۹، ۷۳۳۷، صحیح مسلم: ۳۰۳۲، سنن نسائی: ۵۵۷۸، سنن ابوداؤد: ۳۶۶۹)

صحیح البخاری: ۵۵۸۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "خمر انگور وغیرہ سے تیار ہوتی ہے" اور اس حدیث میں ہے کہ خمر کی تحریم نازل ہوئی اور وہ پانچ چیزوں سے بنائی جاتی تھی۔ اس تقدیر پر اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت بالکل ظاہر ہے، لیکن بعض نسخوں میں وغیرہ کا لفظ نہیں ہے

اور صرف یہ ہے کہ خمر انگور سے تیار ہوتی ہے اور اس سے حصر مراد نہیں ہے یعنی انگور کے علاوہ دوسری چیزوں سے بھی تیار ہوتی ہے، لیکن انگور کے کچے شیرہ پر خمر کا اطلاق حقیقۃً ہوتا ہے اور کھجور اور شہد اور جَو وغیرہ سے بنائی ہوئی شراب پر خمر کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''خمر وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے'' یہ خمر کی تعریف عرف کے اعتبار سے ہے، اور لغت کے اعتبار سے خمر اس کو کہتے ہیں جو صرف انگور کا کچا شیرہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۹۔ ۲۵۰، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابٌ: نَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ وَهِيَ مِنَ الْبُسْرِ وَالتَّمْرِ

خمر کی تحریم نازل ہوئی اور خمر کچی اور پکی کھجوروں سے بنائی جاتی تھی

اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ کھجوروں سے بنائی ہوئی شراب کو بھی خمر کہا جاتا ہے، لیکن جیسا کہ ہم پہلے وضاحت سے بیان کر چکے ہیں، یہ اطلاق مجازی ہے اور حقیقت میں انگور کے شیرہ سے بنائی ہوئی شراب کو خمر کہا جاتا ہے۔

۵۵۸۲۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنْتُ أَسْقِي أَبَا عُبَيْدَةَ وَأَبَا طَلْحَةَ وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ مِنْ فَضِيخِ زَهْوٍ وَتَمْرٍ فَجَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ قُمْ يَا أَنَسُ فَأَهْرِقْهَا فَأَهْرَقْتُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک بن انس نے حدیث بیان کی از اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: میں حضرت ابو عبیدہ، حضرت ابو طلحہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کو کچی اور پکی کھجور سے بنی ہوئی شراب پلا رہا تھا، تو ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا کہ بے شک خمر حرام کر دی گئی ہے، تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے انس! اٹھو اور اس شراب کو بہا دو، سو میں نے اس شراب کو بہا دیا۔

(صحیح بخاری: ۲۴۶۴، ۴۶۱۷، ۴۶۲۰، ۵۵۸۰، ۵۵۸۲، ۵۵۸۳، ۵۵۸۴، ۵۶۲۰، ۵۶۲۲، ۷۲۵۳، صحیح مسلم: ۱۹۸۰، سنن نسائی: ۵۵۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۶۷۳، مسند احمد: ۱۲۹۶۳، موطا امام مالک: ۱۵۹۹، سنن دارمی: ۲۰۸۹)

صحیح البخاری: ۵۵۸۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت انس فضیخ زھو اور کھجوروں کی شراب پلا رہے تھے، فضیخ میں فاء پر زبر ہے اور ضاد کے نیچے زیر ہے اور آخر میں یاء ہے، ''فضیخ'' کچی کھجور کو کہتے ہیں، اور ''زھو'' کا معنی ہے: جس میں سرخی یا زرد رنگ ہو یعنی سرخ یا زرد رنگ کی کچی کھجور، ان کھجوروں کو پانی میں ڈال دیتے ہیں، پھر وہ پانی میں پڑی رہتی ہیں حتیٰ کہ اس میں جوش آ جاتا ہے اور پھر وہ پانی نشہ آور ہو جاتا ہے، یہ کچی کھجوروں کی شراب ہے اور پکی کھجوروں کی شراب کا مصداق یہ ہے کہ پکی کھجوروں کو پانی میں ڈال دیا جائے اور کچھ عرصہ وہ پانی میں پڑی رہیں حتیٰ کہ اس پانی میں جوش آ جائے، پھر وہ پانی نشہ آور ہو جاتا ہے، تو یہ پکی کھجوروں کی شراب

ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ حقیقۃً خمر ہے جیسا کہ اس ظاہر حدیث کا معنی ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ مجازاً خمر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، یہ اسماعیل بن ابی اویس ہیں اور ان کا نام عبداللہ ہے، یہ امام مالک بن انس کے بھانجے ہیں، اور ان کا نام ذکر بہ کثرت ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ ابن الجراح ہیں اور ان کا نام عامر ہے، یہ ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جن کو زندگی میں جنت کی بشارت دے دی گئی تھی۔ اور اس حدیث میں ابوطلحہ کا ذکر ہے، ان کا نام زید بن سہل الانصاری ہے، یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کے شوہر ہیں رضی اللہ عنہم۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ام سُلَیم ہے۔

اس حدیث میں صرف ان تین صحابہ کے ذکر پر اختصار کیا گیا ہے، رہے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، تو ان کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ یہ واقعہ ان کے گھر میں پیش آیا تھا، اور رہے حضرت ابوعبیدہ تو ان کا ذکر اس لیے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بھائی بنادیا تھا۔ اور رہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، تو ان کا اس لیے ذکر ہے کہ وہ انصار میں بہت بڑے تھے اور انصار کے عالم تھے۔ اور المائدہ کی تفسیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت اس طرح ہے کہ میں کھڑا ہوا شراب پلا رہا تھا حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اور فلاں کو اور فلاں کو، اسی طرح اس میں ابہام کا ذکر ہے اور صحیح مسلم کی روایت میں نام لیا گیا ہے، اس میں مذکور ہے: ان میں سے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بھی تھے اور چند ابواب کے بعد از ہشام از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ روایت ہے کہ میں حضرت ابوطلحہ، حضرت ابو دجانہ کو اور حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہم کو شراب پلا رہا تھا۔ اور صحیح مسلم میں از سعید از قتادہ یہ روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کے نام لیے، ان میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر تھا۔

اور امام احمد نے از یحییٰ القطان از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ روایت کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں حضرت ابوعبیدہ کو اور حضرت ابی بن کعب کو اور حضرت سہیل بن بیضاء کو اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس شراب پلا رہا تھا۔ اور امام عبدالرزاق کی روایت ہے از معمر از ثابت از قتادہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ لوگ گیارہ مرد تھے اور امام ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں از عیسیٰ بن طہمان روایت کی ہے کہ ان لوگوں میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے اور یہ روایت سخت منکر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ روایت غلط ہے اور امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس کے اوپر خمر کو حرام کر دیا تھا اور انہوں نے نہ زمانہ جاہلیت میں خمر کو پیا اور نہ اسلام میں۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ابن مردویہ کی سند جید ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے محفوظ ہے، لیکن اس کی یہ تاویل ہے کہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے اس دن ملاقات کے لیے گئے تھے اور انہوں نے شراب نہیں پی۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے "پس ان کے پاس ایک آنے والا آیا" یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ آنے والا کون تھا۔

صحیح بخاری کی اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس شراب کو انڈیل دو، اور عبد العزیز بن صہیب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ لوگوں نے کہا: اے انس! ان گھڑوں کو انڈیل دو، اس میں تطبیق اس

طرح ہے کہ خطاب تو حضرت انس سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہما نے کیا تھا اور باقی صحابہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے اس خطاب پر راضی تھے، اس لئے شراب کے مٹکوں کے انڈیلنے کی نسبت ان سب کی طرف کی گئی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۰۔۲۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۸۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ كُنْتُ قَائِمًا عَلَى الْحَيِّ أَسْقِيهِمْ عُمُومَتِي وَأَنَا أَصْغَرُهُمُ الْفَضِيخَ فَقِيلَ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ فَقَالُوا أَكْفِئْهَا فَكَفَأْتُهَا قُلْتُ لِأَنَسٍ مَا شَرَابُهُمْ قَالَ رُطَبٌ وَبُسْرٌ فَقَالَ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَنَسٍ وَكَانَتْ خَمْرَهُمْ فَلَمْ يُنْكِرْ أَنَسٌ وَحَدَّثَنِي بَعْضُ أَصْحَابِي أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كَانَتْ خَمْرَهُمْ يَوْمَئِذٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی از والد خود، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک قبیلے میں کھڑا ہوا اپنے چچاؤں کو شراب پلا رہا تھا اور میں ان میں سب سے چھوٹا تھا، وہ شراب الفضیخ کی تھی (یعنی کچی کھجوروں کی تھی)، پس کہا گیا کہ الخمر کو حرام کر دیا گیا ہے، تو صحابہ نے کہا: اس شراب کو الٹ دو، پس میں نے شراب کے مٹکوں کو الٹ دیا۔ راوی نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ان کی شراب کس چیز کی تھی؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ وہ تازہ کھجوروں اور کچی کھجوروں سے بنی ہوئی تھی، پس ابوبکر بن انس نے کہا: یہ ان کی خمر تھی، پس حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار نہیں کیا۔ اور مجھے میرے بعض اصحاب نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا کہ ان دنوں ان کی خمر کچی اور پکی کھجوروں سے بنائی جاتی تھی۔

(صحیح بخاری: ۲۴۶۴، ۴۶۱۷، ۴۶۲۰، ۵۵۸۰، ۵۵۸۲، ۵۵۸۳، ۵۵۸۴، ۵۶۲۰، ۵۶۲۲، ۷۲۵۳، صحیح مسلم: ۱۹۸۰، سنن نسائی: ۵۵۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۶۷۳، مسند احمد: ۱۲۹۶۳، موطا امام مالک: ۱۵۹۹، سنن دارمی: ۲۰۸۹)

صحیح البخاری: ۵۵۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں بُسر (کچی کھجور) کا ذکر ہے، اور اس حدیث میں بھی یہ ذکر ہے کہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ان کی شراب کس چیز سے بنتی تھی؟ تو انہوں نے کہا: تازہ کھجوروں سے اور بُسر سے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں معتمر کا ذکر ہے، اور یہ ابن سلیمان ہیں، یہ اپنے والد سلیمان بن طرخان البصری سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''الحی'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے قبیلہ، اور مراد یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک قبیلے میں کھڑے ہوئے تھے اور اپنے چچاؤں کو شراب پلا رہے تھے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ان میں سب سے چھوٹے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ چھوٹوں کو بڑوں کی خدمت کرنی چاہیے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اکفئھا'' یعنی شراب کے مٹکوں کو الٹ دو اور شراب کو بہا دو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں نے (حضرت) انس (رضی اللہ عنہ) سے کہا'' یہ کہنے والے سلیمان ہیں جو راوی معتمر کے والد ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''پس ابوبکر بن انس نے کہا: اور یہ ان کی خمر تھی'' یعنی الفضیخ کا مشروب، یا کچی کھجوروں کی شراب، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار نہیں کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس مجلس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابوبکر بھی تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث بیان کی تو یہ الفاظ ذکر نہیں کیے کہ یہی ان کی خمر تھی، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بیٹے نے اس کا ذکر کیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار نہیں کیا۔ گویا حضرت انس رضی اللہ عنہ یا تو خمر کا لفظ کہنا بھول گئے تھے یا اختصار کی وجہ سے انہوں نے اس کو چھوڑ دیا تھا، ان کے بیٹے ابوبکر نے اس کا ذکر کیا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس اضافے کو برقرار رکھا۔

میں کہتا ہوں: اس مجلس میں جو شراب پی جا رہی تھی، وہ پکی کھجوروں کی شراب تھی اور اس پر خمر کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے، کیونکہ ہر نشہ آور مشروب کو مجازاً خمر کہتے ہیں، لہٰذا یہ حدیث بھی امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب کے خلاف نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور مجھے میرے بعض اصحاب نے حدیث بیان کی'': اس کے قائل بھی سلیمان مذکور ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۱_۲۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۵۸۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا يُوسُفُ أَبُو مَعْشَرٍ الْبَرَّاءُ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي بَكْرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ أَنَّ الْخَمْرَ حُرِّمَتْ وَالْخَمْرُ يَوْمَئِذٍ الْبُسْرُ وَالتَّمْرُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن ابی بکر المقدمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یوسف ابی معشر البراء نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے سعید بن عبید اللہ سے سنا، انہوں نے کہا کہ مجھے بکر بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی کہ ان کو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ خمر کو حرام قرار دیا گیا اور خمر ان دنوں کچی کھجوروں اور پکی کھجوروں سے بنتی تھی۔

(صحیح بخاری: ۲۴۶۴، ۴۶۱۷، ۴۶۲۰، ۵۵۸۰، ۵۵۸۲، ۵۵۸۳، ۵۵۸۴، ۵۶۲۰، ۵۶۲۲، ۷۲۵۳، صحیح مسلم: ۱۹۸۰، سنن نسائی: ۵۵۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۶۷۳، مسند احمد: ۱۲۹۶۳، موطا امام مالک: ۱۵۹۹، سنن دارمی: ۲۰۸۹)

صحیح البخاری: ۵۵۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں المقدمی کا ذکر ہے اور وہ یوسف بن یزید ہیں اور ان کی کنیت ابو بشر ہے اور یہ اپنی کنیت کے ساتھ اپنے نام کی بہ نسبت زیادہ مشہور ہیں اور ان کو القطان بھی کہا جاتا ہے، اور یہ البراء کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ یہ تیروں کو درست کرتے تھے، اور یہ بصری ہیں اور امام بخاری نے اس حدیث کے سوا ان سے اور کوئی حدیث روایت نہیں کی۔

حدیث مذکور کے معانی

علامہ ابن ملقن نے التوضیح میں لکھا ہے کہ یہ حدیث بھی عراقیین (فقہاء احناف) کے خلاف حجت ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ خمر صرف انگور سے بنتی ہے، کیونکہ صحابہ کرام علم اللسان میں پیشوا تھے اور ان کے متعلق یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ ان کو یہ علم نہیں تھا کہ خمر صرف انگور سے بنتی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: علامہ ابن ملقن نے ان ابواب میں اس عبارت کا بلاوجہ تکرار کیا ہے، اور ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ صحابہ کرام جانتے تھے کہ ہر نشہ آور مشروب پر خمر کا مجازاً اطلاق ہوتا ہے، سوانہوں نے کچی کھجوروں سے بنی ہوئی شراب اور پکی کھجوروں سے بنی ہوئی شراب پر جو خمر کا اطلاق کیا ہے، یہ اطلاق مجازی ہے۔ اور صحابہ کرام کو معلوم تھا کہ کلامِ عرب میں مجازات ہوتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۔ بَابٌ: اَلْخَمْرُ مِنَ الْعَسَلِ وَهُوَ الْبِتْعُ

خمر شہد سے (بھی) بنتی ہے اور اس کو ''البِتع'' کہتے ہیں۔

وَقَالَ مَعْنٌ سَأَلْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ عَنِ الْفُقَّاعِ فَقَالَ إِذَا لَمْ يُسْكِرْ فَلَا بَأْسَ وَقَالَ ابْنُ الدَّرَاوَرْدِيِّ سَأَلْنَا عَنْهُ فَقَالُوا لَا يُسْكِرُ لَا بَأْسَ بِهِ۔

اور معن نے بیان کیا کہ میں نے مالک بن انس سے الفقاع کے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے کہا: جب وہ نشہ آور نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور ابن الدراوردی نے بیان کیا کہ ہم نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: وہ نشہ آور نہیں ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

''البِتع'' میں باء کے نیچے زیر ہے اور تاء ساکن ہے، قزاز نے کہا ہے: یہ وہ شراب ہے جو شہد کی مکھی کے شہد سے بنائی جاتی ہے، اس کا پینا بھی مکروہ ہے، کیونکہ یہ ان مشروبات میں داخل ہے جن کا پینا مکروہ ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: ''البِتْعُ خمر یمانیة'' یعنی یہ یمن کے لوگوں کی شراب ہے۔ اور ابن محیریز نے کہا کہ حضرت ابو موسیٰ بصرہ میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ سنو! اہلِ مدینہ کی خمر کچی اور پکی کھجوروں سے بنائی جاتی ہے اور اہلِ فارس کی خمر انگور سے بنائی جاتی ہے اور اہلِ یمن کی خمر البِتْعُ سے

بنائی جاتی ہے اور حبشہ کی خمر چاولوں سے بنائی جاتی ہے۔

تعلیق مذکور کی شرح

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ "معن نے کہا: میں نے مالک بن انس سے الفقاع کے متعلق سوال کیا" معن ابن عیسیٰ القزاز ہیں، امام محمد بن سعد نے بتایا کہ یہ شوال ایک سو اٹھانوے ہجری (۱۹۸ھ) میں مدینہ میں فوت ہو گئے تھے۔

اس تعلیق میں "الفُقّاع" کا ذکر ہے، علامہ کرمانی نے کہا: یہ مشروب مشہور ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: کہ فُقّاع کو پیا نہیں جاتا بلکہ کوزے سے چوسا جاتا ہے اور بعض شارحین نے کہا: الفُقّاع معروف ہے جو شہد سے بنایا جاتا ہے اور اکثر علماء نے کہا: یہ منقاسے بنایا جاتا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ کسی نے یہ نہیں کہا کہ فُقّاع شہد سے بنایا جاتا ہے بلکہ اہل شام اس کو الدِبس (پکایا ہوا گاڑھا شیرہ) سے بناتے ہیں۔ اور عام شہروں کے اندر اس کو کوٹی ہوئی منقاسے بنایا جاتا ہے اور اس کا حکم وہ ہے جو مالک بن انس نے بیان کیا ہے کہ اگر یہ نشہ آور نہ ہو تو اس کے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

"الفُقّاع" نشہ آور نہیں ہے، ہاں اسے برتن میں ایک رات یا دو راتوں کے لیے چھوڑ دیا جائے تو وہ گاڑھا ہو جاتا ہے، اس کے باوجود وہ نشہ آور نہیں ہے۔ اور ہمارے فقہاء احناف نے کہا ہے کہ "الفُقّاع" یعنی منقا کا شربت اگر گاڑھا ہو اور نشہ آور نہ ہو تو اس کے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر ایک دو راتیں چھوڑنے کے بعد یہ نشہ آور ہو جائے تو پھر اس کا پینا جائز نہیں ہے۔

اس تعلیق میں ابن الدراوردی کا ذکر ہے، ان کا نام عبدالعزیز بن محمد ہے اور یہ بھی معن بن عیسیٰ کی روایت ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ابن الدراوردی نے اپنے زمانہ کے اہل مدینہ کے فقہاء سے سوال کیا اور ان میں امام مالک بن انس بھی شریک تھے کیونکہ وہ بھی مدینہ کے فقہاء میں سے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۸۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْبِتْعِ فَقَالَ كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از ابوسلمہ بن عبدالرحمن، انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے البتع کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا: ہر وہ مشروب جو نشہ دے وہ حرام ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۲، ۵۵۸۵، ۵۵۸۶، صحیح مسلم: ۲۰۰۱، سنن ترمذی: ۱۸۶۳، سنن نسائی: ۵۵۹۱، سنن ابوداؤد: ۳۶۸۲، سنن ابن ماجہ: ۳۳۸۶، مسند احمد: ۲۳۵۶۲، موطا امام مالک: ۱۵۹۵، سنن دارمی: ۲۰۹۷)

صحیح البخاری: ۵۵۸۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الطہارۃ، "باب لایجوز الوضوء بالنبیذ" میں گزر چکی ہے۔ وہاں امام بخاری نے اس حدیث کی اپنی سند کے ساتھ از حضرت عائشہ از نبی ﷺ روایت کی ہے کہ ہر مشروب جو نشہ دے وہ حرام ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا اور سائل کا نام صراحتہً معلوم نہیں ہے، کہا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ سائل حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہوں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کی طرف بھیجا تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشروبات کے بارے میں پوچھا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے؟ آپ نے پوچھا: کون سے مشروب ہیں؟ تو انہوں نے کہا: "البتع والمزر" یعنی شہد کی شراب اور چاولوں کی شراب، تو آپ نے فرمایا: ہر وہ مشروب جو نشہ دے، وہ حرام ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۳۔ ۲۵۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۸۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْبِتْعِ وَهُوَ نَبِيذُ الْعَسَلِ وَكَانَ أَهْلُ الْيَمَنِ يَشْرَبُونَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "البتع" کے متعلق سوال کیا گیا اور وہ شہد کا نبیذ ہے، اور اہل یمن اس کو پیتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ مشروب جو نشہ دے، وہ حرام ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۲، ۵۵۸۵، ۵۵۸۶، صحیح مسلم: ۲۰۰۱، سنن ترمذی: ۱۸۶۳، سنن نسائی: ۵۵۹۱، سنن ابوداؤد: ۳۶۸۲، سنن ابن ماجہ: ۳۳۸۶، مسند احمد: ۲۳۵۶۲، موطا امام مالک: ۱۵۹۵، سنن دارمی: ۲۰۹۷)

اس حدیث کی شرح ابھی گزر چکی ہے۔

۵۵۸۷۔ وَعَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَنْتَبِذُوا فِي الدُّبَّاءِ وَلَا فِي الْمُزَفَّتِ وَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُلْحِقُ مَعَهَا الْحَنْتَمَ وَالنَّقِيرَ

اور الزہری، انہوں نے کہا کہ مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کھوکھلے خشک) کدو میں نبیذ نہ بناؤ اور نہ تارکول ملے ہوئے برتن میں، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان برتنوں کے ساتھ سبز رنگ کے گھڑوں اور کھوکھلی لکڑی کو بھی ملاتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۹۲، ۱۹۹۳، سنن نسائی: ۵۶۲۹، مسند احمد: ۱۱۲۶۱، سنن دارمی: ۲۱۱۰)

صحیح البخاری: ۵۵۸۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث: (۵۵۸۶) کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالیمان کا ذکر ہے، یہ حکم بن نافع الحمصی ہیں، اور شعیب کا ذکر ہے، یہ ابن ابی حمزہ الحمصی ہیں، یہ محمد بن مسلم الزہری سے روایت کرتے ہیں از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف۔

یہ حدیث کتاب الطہارۃ "باب لا یجوز الوضوء بالنبیذ" میں گزر چکی ہے اور ہم نے ابھی متصل ہی اس کا تذکرہ کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: "ہر وہ مشروب جو نشہ دے، وہ حرام ہے" یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے، کیوں کہ آپ سے البتع (شہد کی شراب) کے متعلق سوال کیا گیا تھا اور آپ نے ہر نشہ آور مشروب کا حکم بیان فرمایا۔

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے الدباء اور المزفت کے ساتھ الحنتم اور النقیر کو بھی ملا دیا، حنتم کا معنی ہے سبز رنگ کے گھڑے، اور نقیر کا معنی ہے کھوکھلی لکڑی، ان چار برتنوں میں پینے سے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا، کیونکہ یہ وہ برتن ہیں جن میں نبیذ بنایا جاتا ہے، پس جب کوئی شخص ان برتنوں سے پئے گا تو اس خطرہ میں ہے کہ وہ نبیذ کو بھی پی لے گا، کیونکہ بسا اوقات کوئی مشروب نشہ آور ہوتا ہے اور پینے والے کو اس کا پتہ نہیں چلتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۴۔۲۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۸۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ حنتم، نقیر، مزفت، مقیر سفید اور سرخ گھڑے، سیاہ گھڑے اور مشکیں، یہ تمام ظروف حلال ہیں اور اسی طرح ان سے پینا بھی حلال ہے۔

پہلے جن برتنوں میں پینے سے منع فرمایا تھا، اس ممانعت کے منسوخ ہونے کا بیان

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو ان ظروف میں پینے سے منع کیا تھا، اب تم ہر برتن کے اندر نبیذ بناؤ اور پیو، صرف نشہ آور چیز کو نہ پیو، کیونکہ برتن نہ کسی چیز کو حلال کرتے ہیں اور نہ حرام کرتے ہیں۔

(صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب النہی عن الانتباذ فی المزفت)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ظروف سے منع فرمایا تو انصار کی ایک لڑکی نے کہا: ہمارے لیے تو یہ برتن ضروری ہیں، آپ نے فرمایا: پھر میں منع نہیں کرتا۔ (صحیح مسلم: ۵۵۹۲)

امام ابن ابی عاصم نے حضرت عبداللہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو ان برتنوں میں پینے سے منع کیا تھا، پس بے شک یہ برتن کسی چیز کو نہ حلال کرتے ہیں اور نہ حرام کرتے ہیں، سو تم ان میں پیو، اور امام احمد کی روایت میں ہے: میں نے ان برتنوں سے تم کو منع کیا تھا تم ان برتنوں میں نبیذ بناؤ۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۴۵۲)

اور امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ میں نے تم کو ان برتنوں میں نبیذ پینے سے منع کیا تھا، سو تم جس برتن میں چاہو پیو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۸۴، رقم الحدیث: ۲۳۹۳۱)

ہر برتن میں نبیذ بنانے کی اجازت

الحازمی نے کہا ہے کہ اکثر اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ آپ نے ابتداء میں ان برتنوں میں پینے سے منع فرمایا تھا اور بعد میں جب لوگوں نے شکایت کی کہ ان کو ان برتنوں کی ضرورت ہوتی ہے تو آپ نے چمڑے کے برتنوں کی اجازت دی اور ان کے علاوہ کسی

برتن کی اجازت نہیں دی، پھر انہوں نے شکایت کی کہ ہر شخص کے پاس تو چمڑے کی مشک نہیں ہوتی، تو پھر آپ نے ان کو تمام برتنوں میں پینے کی اجازت دی، جیسا کہ حضرت بریدہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو چند برتنوں سے منع کیا تھا اور بے شک برتن کسی چیز کو نہ حرام کرتے ہیں اور نہ حلال کرتے ہیں اور دوسری حدیث میں ہے کہ تم جس برتن میں چاہو، پیو۔

نشہ کی حد کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ احمد بن صالح سے نشہ کے متعلق سوال کیا گیا، تو انہوں نے کہا: میں اس پر عمل کرتا ہوں جس کی ابن جریج نے از عمرو بن دینار از یعلیٰ بن منبہ از والد خود روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے نشہ میں مخمور شخص کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ وہ شخص ہے کہ جب اس سے قرآن مجید کی کسی سورت کے پڑھنے کے لیے کہا جائے تو وہ نہ پڑھ سکے، اور جب وہ اپنا کپڑا دوسرے کپڑوں میں ملا دے تو اپنا کپڑا نہ نکال سکے۔ ابن حزم ظاہری نے کہا: یہ تعریف ہمارے اس قول کی مثل ہے کہ نشہ میں مخمور شخص وہ ہے جس کو پتا نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ (المحلیٰ ج ۷ ص ۵۰۸)

اور امام ابوحنیفہ نے کہا: کسی شخص کو نشہ میں مخمور اس وقت تک نہیں قرار دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ زمین کو آسمان سے متمیز نہ کر سکے۔ (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۱۸)

علامہ ابن المنذر نیشاپوری شافعی نے بیان کیا ہے کہ امام مالک نے کہا: جس شخص کی طبیعت اپنی اصل سے متغیر ہو جائے، وہ نشہ میں مخمور ہے، اور الثوری نے کہا: اس کو اس وقت تک کوڑے نہیں لگائے جائیں گے جب کہ اس کی عقل مختلط نہ ہو جائے، پس اگر اس سے قرآن پڑھنے کو طلب کیا جائے اور وہ قرآن پڑھ لے یا اس سے کوئی سوال کیا جائے اور وہ اس کا معروف جواب دے تو اس کو حد نہیں لگائی جائے گی۔

اور امام ابوحنیفہ نے کہا: نشے والا شخص وہ ہے جو مرد کو عورت سے اور عورت کو مرد سے ممتاز نہ کر سکے اور نہ قلیل اور کثیر میں فرق کر سکے۔

اور امام ابو یوسف نے کہا: کہ جب کسی شخص کی غالب کیفیت یہ ہو کہ اس کی عقل مختلط ہو اور اس سے قرآن مجید کی کسی صورت کے پڑھنے کو طلب کیا جائے اور وہ اس کو نہ سمجھ سکے، تو اس پر حد واجب ہو جائے گی۔ (الاشراف علی مذاہب اہل العلم، ج ۳ ص ۶۱)

اور امام شافعی نے کہا کہ کم سے کم نشہ یہ ہے کہ اس کی عقل مغلوب ہو جائے جتنی عام حالات میں مغلوب نہیں ہوتی تھی۔

علامہ ابن المنذر نے کہا: یہ تعریف صحت کے قریب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی۔ (النساء: ۴۳) نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خمر کو حرام قرار دینے سے پہلے لوگ نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تھے، حالانکہ ان کو نماز کا علم ہوتا تھا اور وہ نماز کا قصد کرتے تھے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ ان میں سے کسی ایک نے نماز پڑھائی اور اس پر قراءت مختلط ہو گئی اور اس نے کچھ کا کچھ پڑھ دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی، سو ان کا نماز کا ارادہ کرنا اس کی دلیل ہے کہ نشہ میں مخمور شخص کو کچھ نہ کچھ معرفت ہوتی ہے اور اگر نشہ میں مخمور شخص وہ ہوتا جس کو کسی چیز کا پتا نہ ہو تو نشے والا شخص کبھی بھی اپنے گھر نہ پہنچ سکتا تھا، حالانکہ معروف یہ ہے کہ کوئی آدمی نشہ کی حالت میں بھی اپنے گھر پہنچ جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: وہ شخص اپنے گھر میں آیا حالانکہ وہ

نشہ میں تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نشہ میں مخمور شخص وہ ہے کہ جس کی عقل اتنی مغلوب ہو جائے جتنی عام حالات میں اس کی عقل مغلوب نہیں ہوتی تھی۔

میں کہتا ہوں: قیاس کے زیادہ قریب صحیح تعریف یہ ہے کہ جس شخص کو صحیح اور غلط کی تمیز نہ رہے اور پاکیزگی اور ناپاکی کی پہچان نہ رہے اور وہ حلال اور حرام میں فرق نہ کر سکے، وہ نشے میں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: اس باب میں یہ حدیث ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ مشروب جو نشہ دے، سو وہ حرام ہے"۔ اور یہ حدیث امام مالک اور اہلِ حجاز کے اس قول کے قریب ہے کہ ہر انگور کے کچے شیرہ کے علاوہ بھی جو چیز نشہ آور ہو، وہ خمر ہے اور حرام ہے، کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شہد کی شراب کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ہر وہ مشروب جو نشہ آور ہو، وہ حرام ہے۔

اگر فقہاء احناف اس کے متعلق یہ کہیں کہ وہ آخری گھونٹ جس سے نشہ پیدا ہو، وہ حرام ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مشروب اسم جنس ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی جنس حرام ہو جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ اس طعام سے پیٹ بھر جائے گا یا یہ پانی کڑوا ہے تو اس سے مراد طعام کی جنس ہوتی ہے اور پانی کی جنس ہوتی ہے اور اس کے ہر جز کے اوپر اس حکم کا اطلاق کیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

حرمت الخمر بعينها والسكر من غيرها، وفي رواية: والسكر من غيرها۔ (سنن نسائی ج ۸ ص ۳۲۱)

خمر کو بعینہٖ حرام قرار دیا گیا ہے، اور اس کے علاوہ جو مشروب نشہ آور ہو، اس کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۱۰۷۔۱۱۵ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: یہ حدیث امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کی قوی دلیل ہے، کیونکہ اس حدیث میں خمر کو مطلق حرام فرمایا ہے، یعنی اس کا ایک قطرہ بھی پینا حرام ہے خواہ اس کے پینے سے نشہ ہو یا نہ ہو اور اس کے علاوہ جو نشہ آور مشروب ہیں، وہ اتنی مقدار میں حرام ہیں جتنی مقدار میں وہ نشہ آور ہوں۔ اور جن احادیث میں ہر نشہ آور مشروب کو خمر قرار دیا گیا ہے، اس مشروب پر خمر کا اطلاق مجاز ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

٥۔ بَابُ: مَا جَاءَ فِي أَنَّ الْخَمْرَ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ مِنَ الشَّرَابِ

ان احادیث کا بیان جن میں وارد ہے کہ جو مشروب عقل کو ڈھانپ لے وہ خمر ہے

اس باب میں ان احادیث کو بیان کیا گیا ہے جن میں یہ تصریح ہے کہ جو مشروب عقل کو مخمور کر دے، وہ خمر ہے۔

٥٥٨٨۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي رَجَاءٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ أَبِي حَيَّانَ التَّيْمِيِّ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ خَطَبَ عُمَرُ عَلَى مِنْبَرِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ نَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ وَهِيَ مِنْ خَمْسَةِ أَشْيَاءَ الْعِنَبِ وَالتَّمْرِ وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن ابی رجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ابی حیان تیمی از الشعبی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر خطبہ دیا، پس بیان کیا کہ خمر کی تحریم نازل ہوئی اور وہ پانچ

وَالْعَسَلِ وَالْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ وَثَلَاثٌ وَدِدْتُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمْ يُفَارِقْنَا حَتّٰى يَعْهَدَ إِلَيْنَا عَهْدًا الْجَدُّ وَالْكَلَالَةُ وَأَبْوَابٌ مِنْ أَبْوَابِ الرِّبَا قَالَ قُلْتُ يَا أَبَا عَمْرٍو فَشَيْئٌ يُصْنَعُ بِالسِّنْدِ مِنَ الْأُرْزِ قَالَ ذَاكَ لَمْ يَكُنْ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ أَوْ قَالَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ وَقَالَ حَجَّاجٌ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ أَبِي حَيَّانَ مَكَانَ الْعِنَبِ الزَّبِيبَ۔

چیزوں سے بنائی جاتی ہے: انگور سے، کھجور سے، گندم سے، جَو سے اور شہد سے۔ اور خمر وہ مشروب ہے جو عقل کو ڈھانپ لے یا عقل کو زائل کردے اور میری خواہش یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ ہم سے جدا ہونے سے پہلے ہم کو ان تین مسائل کی وضاحت فرمادیتے: دادا کے مسئلہ کی، کلالہ کے مسئلہ کی اور ربا (سود) کے ابواب کے بیان کی، ابوحیان التیمی نے بیان کیا کہ میں نے پوچھا: اے ابوعمرو! پس وہ چیز جو سندھ میں چاول سے بنائی جاتی ہے؟ (یعنی چاول سے کشید کی ہوئی شراب کا کیا حکم ہے؟) تو ابوعمرو نے جواب دیا: یہ شراب نبی ﷺ کے عہد میں نہیں بنائی جاتی تھی یا کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں نہیں بنائی جاتی تھی۔ اور حجاج نے از حماد از ابی حیان انگور کی بجائے کشمش کا ذکر کیا۔

(صحیح البخاری: ۴۶۱۹، ۵۵۸۱، ۵۵۸۸، ۵۵۸۹، ۷۳۳۷، صحیح مسلم: ۳۰۳۲، سنن نسائی: ۵۵۷۸، سنن ابوداؤد: ۳۶۶۹)

صحیح البخاری: ۵۵۸۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں احمد بن ابی رجاء کا ذکر ہے، ان کا نام عبداللہ بن ایوب ابوالولید الحنفی الہروی ہے۔ اور اس سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور ابوحیان کا ذکر ہے، ان کا نام یحییٰ بن سعید التیمی ہے۔ اور شعبی کا ذکر ہے، ان کا نام عامر بن شراحیل ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بے شک خمر کی تحریم نازل ہوئی": حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس قول سے یہ مراد تھی کہ المائدہ: ۹۰ نازل ہوئی جس میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (المائدہ)

اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں، سو تم ان سے اجتناب کرو تا کہ تم کامیاب ہو ۝

اس حدیث کی شرح میں بعض شارحین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ وہ اس پر تنبیہ کریں کہ اس آیت میں خمر سے مراد وہ مشروب نہیں ہے جو انگوروں سے بنایا جاتا ہے، بلکہ خمر سے مراد عام ہے خواہ وہ مشروب انگوروں سے بنایا جائے یا کسی

اور چیز سے۔

حدیث میں جن پانچ چیزوں پر خمر کا اطلاق ہے، یہ اطلاق تشبیہاً اور مجازاً ہے

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: ہاں، یہ اس کو بھی شامل ہے جو انگور کے علاوہ اور کسی چیز سے نشہ آور مشروب بنایا گیا ہو، لیکن غیر انگور کے نشہ آور مشروب کو خمر تشبیہاً اور مجازاً فرمایا ہے حقیقۃً نہیں فرمایا ہے۔ حقیقۃً خمر وہی ہے جو انگور سے کشید کیا ہوا نشہ آور مشروب ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پانچ چیزوں سے": یہ جملہ حالیہ ہے جو حصر کا تقاضا نہیں کرتا اور جوار اور چاولوں کے نبیذ کے اوپر خمر کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پانچ چیزوں سے بنی ہوئی شراب کا ذکر کیا، کیونکہ ان کے زمانہ میں انہی پانچ چیزوں سے شراب کا بنانا مشہور تھا اور ان کے زمانہ میں گندم عام دستیاب نہیں تھا بلکہ کم دستیاب تھا اور شہد بھی اسی طرح کم دستیاب تھا یا نایاب تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان چیزوں کو شمار کیا جو ان کے زمانہ میں معروف تھیں اور چاول اور دوسری اجناس سے جو نشہ آور مشروب بنائے جاتے ہیں، ان کو بھی خمر اس لیے قرار دیا کہ وہ بھی عقل کو زائل کر دیتے ہیں اور نشہ پیدا کرتے ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "اور خمر وہ ہے جو عقل کو زائل کر دے یا ڈھانپ لے": یعنی عقل پر پردہ پڑ جائے اور عقل مختلط ہو جائے اور اپنے حال پر نہ رہے، اور یہ مجاز بہ طور تشبیہ ہے۔

ان تین مسائل کا بیان جن کو جاننے کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمنا کی تھی

اس حدیث میں مذکور ہے "کہ میری تمنا تھی کہ ان تین مسائل کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضاحت فرما دیتے" تاکہ لوگ ان مسائل میں اجتہاد نہ کرتے، اگرچہ اجتہاد کرنے سے ان کو اجر ملتا ہے۔

پہلا مسئلہ جد یعنی دادا کے متعلق ہے کہ دادا بھائی کے لیے حاجب ہو جاتا ہے یا دادا خود بھائی سے محجوب ہو جاتا ہے، کیونکہ صحابہ کا اس میں بہت اختلاف تھا۔ عبیدہ سے روایت ہے کہ دادا کے متعلق ستر اقوال تھے اور بعض اقوال ایک دوسرے کے مخالف تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے صحابہ کو جمع کیا تاکہ وہ دادا کے متعلق کسی ایک قول پر متفق ہو جائیں تو چھت سے ایک سانپ گرا اور سب صحابہ متفرق ہو گئے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ مسلمان دادا کے متعلق مختلف رہیں۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: جو یہ ارادہ کرتا ہو کہ جہنم کے جراثیم کو کھولے، وہ دادا کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ کر لے اور حضرت ابوبکر، حضرت ابن الزبیر، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ دادا بھائیوں کے لیے حاجب ہوجاتا ہے یعنی اگر میت کے ورثاء میں میت کا دادا بھی ہو اور میت کے بھائی بھی ہوں تو دادا کے ہوتے ہوئے بھائی کو ترکہ سے وراثت نہیں ملے گی اور دادا بھائیوں کے لیے حاجب ہو جائے گا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور حضرت زید بن ثابت نے کہا: دادا دیگر بھائیوں کی مثل ہے، یعنی اگر میت کے بھائی بھی ہوں اور دادا بھی ہو، تو دادا کو ایک بھائی کے منزلہ میں نازل کیا جائے گا، یعنی جتنا حصہ دیگر بھائیوں کو ملتا ہے اتنا حصہ دادا کو بھی ملے گا۔ اور امام مالک، امام ابویوسف اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

اور اس حدیث میں ''کلالہ'' کا ذکر ہے:

حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور مدنی، بصری اور کوفی علماء نے کہا ہے کہ کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کی نہ اولاد ہو اور نہ اس کا والد ہو۔ یعنی کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کے ورثاء میں نہ اس کی اولاد ہو اور نہ اس کا والد ہو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کلالہ وہ شخص ہے کہ جس کے ورثاء میں اس کی اولاد نہ ہو، خواہ اس کا والد ہو۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اور ربا یعنی سود کے ابواب میں سے ابواب'':

ان مسائل میں سے یہ تیسرا مسئلہ ہے اور ابواب الربا بہت زیادہ ہیں جو شمار سے باہر ہیں حتیٰ کہ بعض محدثین نے کہا: ربا یعنی سود صرف ادھار میں ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قول میں ابواب کے لفظ کا ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک سود کے بعض ابواب میں حکم شرعی کی تصریح تھی اور بعض ابواب میں حکم شرعی کی تصریح نہیں تھی، اسی لیے انہوں نے ان بعض احکامِ شرعیہ کی معرفت کی تمنا کی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور وہ چیز جو سندھ میں تیار کی جاتی ہے'' اس قول کے قائل ابوحیان تیمی ہیں، اور اس کا معنی یہ ہے کہ سندھ میں جو چاولوں کی شراب بنائی جاتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ چاولوں کی شراب اس وقت مدینہ میں موجود نہیں تھی یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں معروف نہیں تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۵-۲۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۸۹- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي السَّفَرِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ قَالَ الْخَمْرُ يُصْنَعُ مِنْ خَمْسَةٍ مِنَ الزَّبِيبِ وَالتَّمْرِ وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالْعَسَلِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبد اللہ بن ابی السفر از الشعبی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از حضرت عمر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ خمر پانچ چیزوں سے بنائی جاتی تھی، کشمش سے، کھجور سے، گندم سے، جو سے اور شہد سے۔

(صحیح البخاری: ۴۶۱۹، ۵۵۸۱، ۵۵۸۸، ۵۵۸۹، ۷۳۳۷، صحیح مسلم: ۳۰۳۲، سنن نسائی: ۵۵۷۸، سنن ابوداؤد: ۳۶۶۹)

صحیح البخاری: ۵۵۸۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حفص بن عمر کا ذکر ہے، یہ ابن الحارث ابو عمر الحوضی النمری الازدی ہیں، اور اس میں مذکور ہے از شعبہ، یہ ابن الحجاج ہیں اور اس میں مذکور ہے عبد اللہ بن ابی السفر، سفر کا لفظ حضر کی ضد ہے اور ان کا نام سعید محمد الہمد انی الکوفی ہے، یہ عامر الشعبی سے روایت کرتے ہیں از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما از والد خود حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

اس حدیث کی شرح ''باب الخمر من العنب'' میں گزر چکی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس کی مثل ہے لیکن وہاں پانچ چیزوں میں سے ایک چیز عنب یعنی انگور کا ذکر تھا، اور یہاں پانچ چیزوں میں سے ایک چیز الزبیب یعنی کشمش کا ذکر ہے اور ہم کئی مرتبہ بیان کر چکے ہیں کہ کسی عدد معین کی تصریح کرنے سے اس کے ماسوا کی نفی نہیں ہوتی اور یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ انگور کے

پانی کے علاوہ دوسرے مشروبات کے اوپر جو خمر کا اطلاق ہے وہ بہ طور حقیقت نہیں ہے بلکہ وہ باب تشبیہ سے ہے۔

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی) نے لکھا ہے کہ فقہاء احناف میں سے صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک خمر وہ مشروب ہے جس کو انگوروں سے نچوڑا جائے، جب وہ پانی گاڑھا ہو جائے تو اس کو خمر کہتے ہیں اور یہ اہل لغت اور اہل علم کے نزدیک معروف ہے، اور صاحب ہدایہ نے کہا: ایک قول یہ ہے کہ خمر ہر نشہ آور چیز کا نام ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نشہ آور خمر ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: خمر ان دو درختوں سے حاصل ہوتی ہے (یعنی کھجور اور انگور سے) اور اس لیے کہ خمر مخامرۃ العقل سے ماخوذ ہے، یعنی عقل کو ڈھانپ لینا یا زائل کر دینا، اور یہ وصف ہر نشہ آور چیز میں موجود ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اہلِ لغت نے اس پر اتفاق اور اجماع کیا ہے کہ خمر انگور کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا انگور کے کچے پانی میں اس کا استعمال مشہور ہے اور اس لیے بھی کہ خمر کی تحریم قطعی ہے اور اس کے ماسوا دوسرے مشروبات کی تحریم ظنی ہے جو انگوروں کے علاوہ اور کسی چیز سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور صاحب ہدایہ نے کہا کہ خمر کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے مشروب کا خمیر بن جاتا ہے نہ اس وجہ سے کہ یہ مشروب عقل کو ڈھانپ لیتا ہے یا زائل کر دیتا ہے اور انہوں نے کہا: یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ خمر کا نام انگور کے کچے شیرہ کے ساتھ خاص ہو جائے، جیسا کہ النجم میں ہے، یہ ظہور سے مشتق ہے، پھر النجم کا اطلاق خصوصاً ثریا پر کر دیا گیا۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۸، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

پھر اس قائل نے کہا کہ پہلی دلیل کا جواب یہ ہے اور انہوں نے اس میں بہت لمبا کلام کیا ہے، جیسا کہ ہم اس کو عنقریب ذکر کریں گے اور اس پر اس کا رد کریں گے، پھر کہا: دوسری اور تیسری دلیل بھی اسی طرح ہے: ہم ان دونوں کا بھی ذکر کریں گے اور اس کا رد کریں گے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اولاً صاحب الہدایہ نے اپنے اس مدعا کے ثبوت میں دس وجوہ پیش کی ہیں کہ خمر کا اطلاق انگور کے شیرہ پر ہوتا ہے جب وہ گاڑھا ہو جائے اور پختہ ہو جائے اور یہی اہلِ لغت اور اہلِ علم کے نزدیک معروف ہے۔ اور ان دس وجوہ میں سے ہر ایک کی دلیل بیان کی ہے اور اس قائل اور معترض نے تین وجوہ پر اعتراض کیا ہے اور باقی وجوہ سے خاموش ہو گیا ہے، کیونکہ اس کا ادراک کامل نہیں تھا اور اس کی فہم ناقص تھی۔

صاحب ہدایہ کی پہلی دلیل اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے اس کے جواب کا بیان

صاحب ہدایہ نے پہلی دلیل یہ دی ہے کہ خمر کا لفظ خاص نام ہے اور اہلِ لغت کا اس پر اجماع ہے کہ خمر کا لفظ انگور کے کچے شیرہ کے ساتھ مخصوص ہے، اور اسی وجہ سے اس کا استعمال انگور کے کچے شیرہ میں اور اس کے غیر میں مشہور ہو گیا۔

(الہدایہ ج ۴ ص ۴۹۹، کتاب الاشربہ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ بعض اہل لغت سے یہ ثابت ہے کہ انگور کے کچے شیرہ کے علاوہ جو مشروب ہو، اس کو بھی خمر کہا جاتا ہے۔ اور علامہ الخطابی نے کہا ہے: ایک قوم کا زعم یہ ہے کہ عرب صرف انگوروں کی شراب کو خمر کہتے ہیں، تو ان سے یہ کہا جائے گا کہ جن صحابہ نے انگور کے شیرہ کے علاوہ دوسرے مشروبات کو خمر کہا ہے وہ بھی عرب اور فصحاء ہیں، پس اگر انگور کے شیرہ کے علاوہ دوسرے مشروبات پر خمر کا اطلاق صحیح نہ ہوتا تو صحابہ انگور کے شیرہ کے غیر کے اوپر خمر کا اطلاق نہ کرتے، ان کے جواب

کی عبارت ختم ہوئی۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۲۸ ۷، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں:

سبحان اللہ! یہ کلام صاحب ہدایہ کی پہلی دلیل کا جواب کیسے ہوسکتا ہے؟ اور اس کا بطلان کئی وجوہ سے ہے:

اولاً اس لیے کہ حافظ ابن حجر نے کہا کہ بعض اہلِ لغت سے یہ ثابت ہے کہ وہ انگور کے کچے شیرہ کے علاوہ دوسرے مشروبات پر بھی خمر کا اطلاق کرتے ہیں۔ یہ ان کا محض دعویٰ ہے، وہ بعض اہل لغت کون ہیں جو انگور کے شیرہ کے علاوہ دوسرے مشروبات پر خمر کا اطلاق کرتے ہیں؟، بلکہ اہلِ لغت سے منقول یہ ہے کہ الخمر انگور سے بنتی ہے اور جو غیر انگور سے مشروب تیار ہو، اس کو حقیقۃً خمر نہیں کہا جاتا صرف مجازاً خمر کہا جاتا ہے اور ابوالاسود الدؤلی جو اکابر اہلِ لغت سے ہیں، انہوں نے کہا ہے کہ الطلاء پر خمر کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔ ابوالاسود الدؤلی کا یہ شعر ہے:

دع الخمر يشربها الغواة فانني رايت اخاها مغنيا لمكانها

''الخمر کو چھوڑ دو جس کو گمراہ لوگ پیتے ہیں، کیونکہ بے شک میں نے۔ خمر کے بھائی کو خمر سے بے پرواہ کرنے والا پایا ہے''۔

ابوالاسود الدؤلی نے الطلاء کو خمر کا بھائی قرار دیا ہے اور کسی شخص کا بھائی اس کا غیر ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ طِلاء، الخمر کا غیر ہے اور طِلاء اس گاڑھے شیرہ کو کہتے ہیں جس کا پکنے سے ایک حصہ اڑ جائے اور دو حصے رہ جائیں، یا آدھا حصہ اڑ جائے اور آدھا حصہ رہ جائے، اس کو المثلث اور المنصف بھی کہتے ہیں۔ اور یہ شیرہ عام ہے خواہ کسی چیز کا ہو، یعنی انگور کا ہو یا کھجور کا ہو یا کسی اور چیز کا ہو، جو شیرہ بھی جوش اور پکنے کے بعد دو تہائی رہ جائے یا آدھا رہ جائے اس کو طلاء کہتے ہیں اور طِلاء کو ابوالاسود الدؤلی نے خمر کا غیر کہا ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے جواب کے باطل ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ خطابی کی عبارت سے استدلال کیا ہے، حالانکہ علامہ خطابی اہلِ لغت میں سے نہیں ہیں، وہ تو صرف ناقل ہیں۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے جواب کے باطل ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام بھی فصحاءِ عرب میں سے تھے اور انہوں نے غیر انگور کی شراب پر بھی خمر کا اطلاق کیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس کا کوئی انکار نہیں کرتا کہ صحابہ کرام فصحاء تھے اور اکابر اہلِ لغت تھے لیکن انہوں نے غیر انگور کی شراب کے اوپر خمر کا اطلاق وضعِ لغوی کے اعتبار سے نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس کا صرف نام رکھا ہے اور کسی چیز کا نام اس کی وضع کا غیر ہے اور انہوں نے غیر انگور کی شراب کے اوپر جو خمر کا اطلاق کیا ہے، یہ تشبیہاً اور مجازاً ہے۔

نیز انہوں نے کہا کہ اہلِ مدینہ اور تمام حجازیین اور محدثین سب کہتے ہیں کہ ہر نشہ آور چیز خمر ہے، سو ہم بھی یہ کہتے ہیں اور اس میں اختلاف نہیں کرتے، کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہر نشہ آور مشروب کا حکم وہ ہے جو خمر کا حکم ہے، سو یہ اس پر دلیل نہیں ہے کہ غیر انگور کی شراب کے اوپر خمر کا اطلاق حقیقۃً ہو بلکہ بطریق تشبیہ ہے اور تشبیہ میں عموم نہیں ہوتا۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ بھی کہا ہے کہ جب قرآن مجید میں خمر کی تحریم نازل ہوئی تو صحابہ کرام جو اہلِ لسان تھے، انہوں نے یہ سمجھا کہ جس چیز کا نام بھی خمر ہو، وہ اس ممانعت میں داخل ہے، تو انہوں نے چھواروں اور تازہ کھجوروں سے بنی ہوئی شرابوں کو

بہادیا اور انہوں نے خمر کو انگور سے تیار کی ہوئی شراب کے ساتھ خاص نہیں کیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

ہم کہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے چھواروں اور تازہ کھجوروں سے بنی ہوئی شرابوں کو بہادیا، کیونکہ یہ شرابیں بھی نشہ آور تھیں، تو انہوں نے اس کے اوپر ان کے نشہ آور ہونے کی وجہ سے خمر کا اطلاق کیا اور اس پر دلیل کہ یہ شرابیں نشہ آور تھیں، یہ ہے کہ ابو عاصم نے یہ روایت کی ہے کہ جب صحابہ کو یہ خبر پہنچی کہ خمر کو حرام قرار دیا گیا ہے، تو ان کے سر جھوم رہے تھے، پس ایک شخص داخل ہوا اور اس نے کہا کہ خمر کو حرام کر دیا گیا ہے، پھر ہم میں سے کوئی شخص نہیں نکلا یا کوئی شخص داخل ہوا حتیٰ کہ ہم نے شراب کے مٹکوں کو توڑ دیا اور شراب کو بہادیا۔ الحدیث۔ پس اگر یہ شراب نشہ آور نہ ہوتی تو وہ ایسا نہ کرتے۔

اور امام طحاوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت سہیل بن بیضاء اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اور میں (یعنی حضرت انس) ان کو شراب پلا رہا تھا حتیٰ کہ شراب ان کو پکڑ لیتی، اور اس کے آخر میں ہے کہ وہ شراب کچی کھجوروں اور چھواروں کی تھی اور وہی ہمارے نزدیک آج خمر ہے۔ اور اس حدیث کی امام احمد نے بھی روایت کی ہے اور اس میں بھی یہ ہے حتیٰ کہ شراب ان کو پکڑ لیتی، اور امام طحاوی کی روایت میں مذکور ہے حتیٰ کہ میں نے ان میں جلدی کی، پس ایک منادی بلند آواز سے ندا کر رہا تھا کہ ان کا مشروب اس دن نشہ آور تھا، اور جب ان کو خمر کی تحریم کی حدیث پہنچی تو انہوں نے اس شراب کو باطل کر دیا اور جو بچی ہوئی شراب تھی اس کو بہادیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۷۔ ۲۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس کا حاصل یہ ہے کہ ان صحابہ نے جس شراب کو پیا تھا، اس کی وجہ سے ان کو نشہ آ گیا تھا اور منادی بھی یہ ندا کر رہا تھا کہ ان کا مشروب نشہ آور تھا، تو اس نشہ آور مشروب کے اوپر خمر کا اطلاق تشبیہاً اور مجازاً کیا گیا۔ (سعیدی غفرلہ)

صاحب ہدایہ کی دوسری دلیل اور اس کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ خمر کی حرمت قطعی ہے اور غیر خمر کی حرمت ظنی ہے۔ (الہدایہ ج ۴ ص ۴۹۹، کتاب الاشربہ)

اس کا جواب یہ ہے کہ جب دو لفظ کسی حکم کی شدت میں مشترک ہوں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے نام الگ الگ ہوں، مثلاً زنا، اگر کوئی شخص اجنبی عورت کے ساتھ وطی کرے اس پر بھی زنا کا لفظ صادق آتا ہے اور اگر اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرے تو اس پر بھی زنا کا لفظ صادق آتا ہے اور یہ دوسرا زنا پہلے زنا سے زیادہ غلیظ اور شدید ہے اور جو شخص اپنی محرمات میں سے کسی سے وطی کرے تو اس پر بھی زنا کا لفظ صادق آتا ہے، حالانکہ یہ سب سے زیادہ غلیظ اور شدید ہے اور زنا کا اسم ان تینوں صورتوں کو شامل ہے۔ نیز احکام فرعیہ میں دلائل قطعیہ کی شرط نہیں ہوتی، لہٰذا انگور کے کچے شیرہ کی تحریم قطعی سے یہ لازم نہیں آتا کہ انگور کے علاوہ کسی اور چیز مثلاً کھجور سے بنائی ہوئی شراب کی تحریم بھی قطعی ہو، اور یہ کہ وہ حرام نہ ہو بلکہ اس کی تحریم کا حکم لگایا جائے گا جب کہ کسی ظنی دلیل سے اس کی تحریم ثابت ہو جائے، اسی وجہ سے اس کا نام خمر رکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۲۸۷، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کے جواب مذکور کو علامہ عینی کا رد کرنا

علامہ عینی فرماتے ہیں: سبحان اللہ! یہ جواب کس قدر بعید ہے، حالانکہ ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ دو لفظوں کا شدت کے حکم میں اشتراک اس کو مستلزم نہیں ہے کہ ان دو لفظوں کے ناموں میں افتراق ہو، جب کہ انگور کے علاوہ کسی اور چیز کے شیرہ میں نشہ پایا جائے، تو یہ کس نے کہا کہ جو شیرہ انگور کے علاوہ کسی اور چیز سے بنایا گیا ہو، تو نشہ آور ہونے سے پہلے وہ انگور کے شیرہ کے ساتھ نام میں مشترک ہے، اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ جو شیرہ انگور کے علاوہ کسی اور چیز سے بنایا گیا ہو، نشہ آور ہونے سے پہلے اس کو حرام بھی نہیں کہا جاتا، چہ جائیکہ اس کو خمر کہا جائے، بخلاف انگور کے کچے شیرہ کے، جب وہ گاڑھا ہو جائے تو وہ حرام ہوتا ہے، خواہ نشہ آور ہو یا نشہ آور نہ ہو، تو یہ دونوں لفظ حکم میں مشترک کب ہیں؟ اس کے برخلاف زنا تو ہر حالت میں مطلقاً حرام ہے، لہٰذا زنا کی حرمت کی شدت کے اوپر خمر کی حرمت کی شدت کو قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۷۔۲۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صاحب ہدایہ کی تیسری دلیل اور اس کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ خمر کو خمر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں خمیر ہوتا ہے، (یعنی اس میں ایسی شدت اور قوت ہوتی ہے جو کسی اور چیز میں نہیں ہوتی) اور یہ مخامرۃ العقل سے ماخوذ نہیں ہے اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ خمر کا لفظ اس کے ساتھ خاص ہو، کیونکہ نجم کا لفظ نجوم سے ماخوذ ہے اور وہ ظہور ہے، پھر وہ ثریا کے لیے اسم خاص ہے نہ کہ ہر ظاہر ہونے والے ستارہ کے لیے، اور اس کی بہ کثرت نظائر ہیں۔ (پس اگر خمر کو خمر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ ہر وہ چیز جو عقل کو ڈھانپ لے وہ حقیقتاً خمر ہو، اس لئے کھجور وغیرہ کے نشہ آور شیرہ کو حقیقتاً خمر قرار دینا لازم نہیں آئے گا۔ وضاحت از سعیدی غفرلہٗ)

(ہدایہ ج ۴ ص ۴۹۹، کتاب الاشربہ)

حافظ ابن حجر عسقلانی صاحب ہدایہ کی اس دلیل کے جواب میں لکھتے ہیں:

تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان کے جو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، ان سے نقل کا ثبوت ہے، اور صاحب ہدایہ کا یہ کہنا کس طرح جائز ہوگا کہ خمر مخامرۃ العقل سے ماخوذ نہیں ہے جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی جماعت کے سامنے کہا: خمر وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے یا زائل کر دے۔ اور صاحب ہدایہ کا مدعا یہ ہے کہ اہل لغت کا اتفاق ہے کہ خمر انگور کے کچے شیرہ کو کہتے ہیں، تو اس لیے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو مجاز پر محمول کرتے ہیں۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۸، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۷، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کے اس جواب کو علامہ عینی کا رد کرنا

ہم کہتے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ خمر کو خمر اس کے خمیر کی وجہ سے کہا جاتا ہے، نہ کہ مخامرۃ العقل کی وجہ سے، سو صاحب ہدایہ کا یہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام کے معارض نہیں ہے، کیونکہ صاحب ہدایہ کی مراد یہ ہے کہ خمر کا لفظ ثلاثی مجرد ہے اور مخامرۃ کا لفظ ثلاثی مزید فیہ ہے، سو جو ثلاثی مجرد ہے یعنی خمر وہ ثلاثی مزید فیہ یعنی مخامرۃ سے کیسے مشتق ہوگا؟ پھر صاحب ہدایہ نے یہ بیان کیا کہ خمر کا انگور کے کچے شیرہ کے ساتھ خاص ہونا اس کے منافی نہیں ہے کہ کسی اور نشہ آور مشروب پر خمر کا مجازاً اطلاق کیا جائے۔ پھر

صاحب ہدایہ نے نجم کی مثال دی ہے کہ اس کا معنی ظہور ہے اور یہ ثریا کے ساتھ مخصوص ہے، اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ ہر جو چیز ظاہر ہو، اس کو نجم کہا جائے اور کہا: اس کی بہ کثرت نظائر ہیں جیسے قارورہ یعنی بوتل، اس کو قارورہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں کوئی چیز قرار پکڑتی ہے، اب اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر وہ چیز جس میں کوئی چیز قرار پکڑے اس کو قارورہ یعنی بوتل کہا جائے، اسی طرح اگر خمر کو خمر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ ہر وہ چیز جو عقل کو ڈھانپ لے، اس کو حقیقتاً خمر کہا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۷۔۲۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

متاخرین غیر مقلدین کا فقہاء احناف پر طعن

مشہور غیر مقلد شیخ وحید الزمان المتوفی ۱۳۲۸ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسر منبر تمام صحابہ کے سامنے یہ بیان کیا اور سب نے سکوت کیا گویا اجماع ہو گیا، اب اس اجماع کے خلاف ایک ابراہیم نخعی کا قول کیا حجت ہو سکتا ہے؟ اور ان حنفیہ پر تعجب آتا ہے جو صحیح اور مشہور حدیثوں کو چھوڑ کر ابو حنیفہ کے قول پر جمے رہے اور اس سے بڑھ کر کون سی ہٹ دھرمی ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ (النساء)

اور جو شخص ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور (تمام) مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے ۝

معاذ اللہ! بہت علمائے صالحین نے جو اپنے تئیں حنفی کہتے تھے، اس مسئلہ میں امام بخاری کا قول ترک کر دیا ہے۔
(تیسیر الباری فی شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۹۰ نعمانی کتب خانہ لاہور)

ایک اور غیر مقلد عالم شیخ محمد داؤد راز لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسوں تمام صحابہ کے سامنے یہ بیان کیا اور سب نے سکوت کیا گویا اجماع ہو گیا، اب اس اجماع کے خلاف ایک ابراہیم نخعی کا قول کیا حجت ہو سکتا ہے اور ان حنفیہ پر تعجب ہوتا ہے جو صحیح حدیث چھوڑ کر غلط مسئلہ پر جمے رہتے ہیں، صاحب ہدایہ کا یہ قول ہے کہ خمر وہی ہے جو کشمش سے تیار کی جاتی ہے، اس کے جواب میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ، سارے حجازی اور جملہ اہل حدیث سب کا قول یہ ہے کہ ہر نشہ لانے والی چیز شراب ہے اور سب کا حکم وہی ہے جو کشمش سے تیار کردہ شراب کا ہے۔ (ترجمہ و شرح صحیح بخاری ج ۷ ص ۲۳۲، مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۰۴ء)

غیر مقلدین کے طعن کا جواب

فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ انگور کا کچا شیرہ جو رکھے رکھے سڑ جائے اور جھاگ چھوڑ دے، وہ حقیقتاً خمر ہے اور حرام قطعی ہے، اور باقی شرابیں جو نشہ آور ہوں، وہ حرام ظنی ہیں، کیونکہ خمر کی حرمت قرآن مجید کی نص قطعی سے ثابت ہے اور کھجور اور گندم اور جو سے بننے والی شرابوں کی حرمت احادیث سے ثابت ہے، اس لیے وہ حرام ظنی ہیں اور جب یہ شرابیں نشہ آور ہوں تو یہ بھی حرام ہیں اور ان کا پینے والا حد کا مستحق ہے اور جن احادیث میں ان کو خمر کہا گیا ہے، فقہاء احناف ان احادیث کا انکار نہیں کرتے، وہ یہ کہتے ہیں کہ ان

پر خمر کا اطلاق مجازاً ہے اور انگور کی شراب سے تشبیہ کی وجہ سے حرام ہے اور تشبیہ نشہ آور ہونے میں ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین حرامِ قطعی اور حرامِ ظنی میں فرق نہیں کرتے اور امام ابوحنیفہ نے حرامِ قطعی اور حرامِ ظنی میں فرق کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید لغتِ عرب پر نازل ہوا ہے اور لغتِ عرب میں خمر اسی مشروب کو کہا جاتا ہے جو انگور کا کچا شیرہ ہو اور پڑے پڑے جھاگ چھوڑ دے، اور خمر مطلقاً حرام ہے، خمر کو پینے کے بعد نشہ ہو یا نہ ہو اس کے پینے والے پر حد جاری ہوگی، جب کہ باقی شرابیں اس وقت حد کی موجب ہیں جب ان کے پینے سے نشہ ہو جائے اور یہ فرق صرف امام ابوحنیفہ نے کیا ہے باقی ائمہ نے نہیں کیا۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب احناف یہ کہتے ہیں: حقیقت میں خمر انگور کے اس کچے پانی کو کہتے ہیں جو گاڑھا ہو اور دوسری شرابوں کو خمر مجازاً اور تشبیہاً کہا جاتا ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت ہے، انہوں نے فرمایا: خمر کو بعینہٖ حرام قرار دیا گیا ہے اور ہر نشہ آور مشروب کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور ابن شہاب کی روایت ہے از ابن ابی لیلیٰ از عیسیٰ کہ ان کے والد نے ان کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف کسی کام سے بھیجا تو وہاں انہوں نے بہت گاڑھا طِلاء دیکھا اور طِلاء وہ مشروب ہے جو کثیر مقدار میں نشہ آور ہوتا ہے اور قلیل مقدار میں نشہ آور نہیں ہوتا، پس حضرت انس رضی اللہ عنہ کے نزدیک طِلاء خمر نہیں تھا اور اس کی کثیر مقدار نشہ آور ہوتی ہے، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ طِلاء کو پیتے تھے، اس سے ثابت ہوا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے نزدیک طِلاء اس عموم میں داخل نہیں ہے کہ ہر وہ مشروب جو نشہ آور ہو وہ خمر ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ طِلاء پیتے تھے اور طِلاء خمر نہیں ہے۔ اسی وجہ سے الرافعی نے کہا ہے کہ اکثر شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ خمر حقیقت میں وہی ہے جو انگور کے شیرہ سے بنائی جائے اور دوسرے مشروبات کو جو خمر کہا جاتا ہے، وہ مجاز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۵۹۔ ۲۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۔ بَابٌ: مَا جَاءَ فِيمَنْ يَسْتَحِلُّ الْخَمْرَ وَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ

ان لوگوں کا بیان جو خمر کو حلال قرار دیتے ہیں اور خمر کا کوئی اور نام رکھتے ہیں

اس باب کی احادیث ان لوگوں کے بیان میں ہیں جو خمر کو حلال قرار دیتے ہیں اور اس کا کوئی اور نام رکھ دیتے ہیں۔

۵۵۹۰۔ وَقَالَ هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ حَدَّثَنَا عَطِيَّةُ بْنُ قَيْسٍ الْكِلَابِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ غَنْمٍ الْأَشْعَرِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو عَامِرٍ أَوْ أَبُو مَالِكٍ الْأَشْعَرِيُّ وَاللّٰهِ مَا كَذَبَنِي سَمِعَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ وَالْحَرِيرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ وَلَيَنْزِلَنَّ أَقْوَامٌ إِلَى جَنْبِ عَلَمٍ يَرُوحُ عَلَيْهِمْ بِسَارِحَةٍ لَهُمْ يَأْتِيهِمْ يَعْنِي الْفَقِيرَ لِحَاجَةٍ فَيَقُولُونَ ارْجِعْ إِلَيْنَا غَدًا فَيُبَيِّتُهُمُ اللّٰهُ

اور ہشام بن عمار نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی صدقہ بن خالد نے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر نے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی عطیہ بن قیس الکلابی نے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی عبدالرحمٰن بن غنم الاشعری نے، انہوں نے کہا: مجھے حدیث بیان کی ابو عامر نے یا ابو مالک اشعری نے، اور اللہ کی قسم! انہوں نے جھوٹ نہیں بولا، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میری امت میں سے ضرور ایسے لوگ ہوں گے جو زنا کو، ریشم کو، الخمر کو اور گانے بجانے کے آلات کو حلال قرار دیں گے، اور ضرور کچھ قومیں پہاڑ

وَيَضَعُ الْعَلَمَ وَيَمْسَخُ آخَرِينَ قِرَدَةً وَخَنَازِيرَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (سنن ابی داؤد: ۴۰۳۹)

کے دامن میں ٹھہریں گی، صبح اور شام ان کے پاس ان کا چرواہا آئے گا یعنی فقیر اور اپنی ضرورت بیان کرے گا، تو وہ کہیں گے: ہمارے پاس کل آنا، اللہ تعالیٰ رات میں ہی ان کو ہلاک کردے گا اور ان پر پہاڑ کو گرا دے گا اور دوسرے لوگوں (یعنی زنا اور ریشم وغیرہ کو جنہوں نے حلال قرار دیا تھا) کو بندر اور خنزیر کی صورتوں میں مسخ کردے گا، وہ قیامت تک اسی صورت میں رہیں گے۔

صحیح البخاری: ۵۵۹۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان کا پہلا جز خمر کو حلال کرنے والوں کی وعید کے متعلق ہے، اور دوسرے جز میں یہ بیان کیا ہے کہ جو خمر کا نام بدل دیتے ہیں اور کوئی اور نام رکھ دیتے ہیں، اس کے متعلق بھی حدیث ہے لیکن وہ امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہے، اس لئے انہوں نے اس کا ذکر نہیں کیا، اس حدیث کی امام ابوداؤد نے از مالک بن ابی مریم از ابی مالک اشعری از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے کہ ضرور کچھ لوگ خمر کو پییں گے اور اس کا کوئی اور نام رکھ دیں گے، اس حدیث کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے، اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں سے چند لوگ خمر کو پییں گے اور اس کا کوئی اور نام رکھ لیں گے، اس حدیث کو بھی امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے، آپ فرما رہے تھے: میری امت میں سے کچھ لوگ خمر کو پییں گے اور اس کا کوئی اور نام رکھ لیں گے، ان کے سروں کے اوپر گانے بجانے کے آلات بجائے جائیں گے اور گانے والیاں گائیں گی، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو زمین میں دھنسا دے گا اور ان (میں سے بعض) لوگوں کو بندر اور خنزیر بنا دے گا۔

صحیح البخاری: ۵۵۹۰ کی تحقیق

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے: ہشام بن عمار نے کہا، یہ ابن نصیر بن میسرہ ابوالولید السلمی الدمشقی ہیں، اور یہ امام بخاری کے مشائخ میں سے ایک ہیں، امام بخاری نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ان سے حدیث روایت کی ہے اور کتاب البیوع میں دو جگہ ان سے حدیث روایت کی ہے اور تین جگہ اس طرح روایت کی ہے کہ ہشام بن عمار نے کہا: کتاب الاشربہ میں یہ حدیث ہے، اور کتاب المغازی میں ان سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے دن لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متفرق ہو گئے درختوں کے سائے میں، اور یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم فلاں کی مثل نہ ہو جانا جو رات کو قیام کرتا تھا، ان تین جگہوں پر امام بخاری نہ حدثنا کہتے ہیں اور نہ اخبرنا کہتے ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری نے ہشام بن عمار سے اس حدیث کو مذاکرۃً حاصل کیا ہے۔

اور یہ حدیث صحیح ہے اگرچہ یہ حدیث تعلیق کی صورت میں ہے اور حفاظ کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ جس حدیث کو امام بخاری وثوق کے ساتھ تعلیق کی صورت میں روایت کریں تو وہ حدیث صحیح ہوتی ہے، خواہ وہ ان کے شیخ سے روایت نہ ہو۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ”میری امت میں سے ایسے لوگ ہوں گے جو زنا اور ریشم اور خمر اور گانے بجانے کے آلات کو حلال قرار دیں گے“۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ جو شخص اس چیز کو حلال قرار دے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، اگر وہ علی الاعلان حلال قرار دے، تو وہ کافر ہوگا، اور اگر دل میں چھپائے گا تو وہ منافق ہوگا یا پھر وہ ان حرام کاموں کا سستی کی وجہ سے اور احکام شرعیہ کے استخفاف کی وجہ سے مرتکب ہوگا تو وہ کفر کے قریب ہے اور نظر کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے لوگ وہی ہوں گے جو کفر کے معتقد ہوں گے اور اسلام کا نام اختیار کریں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ان کو نہیں دھنسائے گا جن پر آخرت میں اس کی رحمت ہوگی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان لوگوں کا امت میں سے ہونا اس سے بعید ہے کہ وہ بغیر تاویل اور تحریف کے ان چیزوں کو حلال قرار دے، کیونکہ اس فعل سے وہ علانیہ امت سے خارج ہو جائیں گے، کیونکہ خمر کی تحریم بالبداہت معلوم ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ”یستحلون الحر“ ”الحِرَ“ کا معنی ہے: فرج، اور اصل میں یہ لفظ الحَرَحٌ ہے، پس اس میں سے ایک حاء کو حذف کر دیا گیا ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ زنا کو حلال قرار دیں گے۔

اور اس حدیث میں ”الحریر“ کا ذکر ہے، الحریر کا معنی ہے ریشم، یعنی وہ لوگ ریشم کو حلال قرار دیں گے اور اللہ تعالیٰ نے جو ریشم پہننے سے منع کیا ہے اس ممانعت کو حلال قرار دیں گے

اور اس حدیث میں ”المعازف“ کا ذکر ہے: الصحاح میں مذکور ہے کہ یہ لہو و لعب کے آلات ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لہو و لعب کی آوازیں ہیں اور علامہ الدمیاطی کے حواشی میں مذکور ہے کہ ”المعازف“ دف وغیرہ ہیں جن کو بجایا جاتا ہے اور غناء کے اوپر بھی معازف کا اطلاق ہوتا ہے اور ہر لعب کے اوپر معازف کا اطلاق ہوتا ہے۔

اور اس حدیث میں ”عَلَم“ کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے پہاڑ اور اس کی جمع اعلام ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ علم کا معنی ہے پہاڑ کی چوٹی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ”یروح علیهم“ اس کا فاعل محذوف ہے، یعنی بکریوں کا چرانے والا ان کے پاس آئے گا، اس کے بعد فقیر کا ذکر کیا، یعنی وہ بکریوں کا چرانے والا فقیر ہوگا اور ان سے اپنی کسی ضرورت کا سوال کرے گا تو وہ لوگ کہیں گے: واپس جاؤ، کل آنا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ”فیبیتهم الله“ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو رات میں ہلاک کر دے گا، اور البیات کا معنی ہے: دشمن کا اچانک رات کے وقت ٹوٹ پڑنا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے: ”ویضع العلم“ یعنی ان کے اوپر اللہ تعالیٰ پہاڑ کو گرا دے گا جو ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور وہ پہاڑ ان کے سروں کے اوپر گرے گا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ”ویمسخ آخرین“ یعنی جو لوگ پہاڑ کے گرنے سے ہلاک نہیں ہوں گے ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ مسخ کر دے گا۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے اس سے مراد حقیقت ہو، جیسا کہ گزشتہ امتوں میں نافرمانوں کو مسخ کر دیا گیا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مسخ سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کے اخلاق کو تبدیل کر دے گا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس امت میں بھی مسخ ہوسکتا ہے اور متعدد احادیث جن کی سندیں جید ہیں، ان میں مذکور ہے کہ اس امت میں خسف بھی ہوگا اور مسخ بھی ہوگا۔ خسف کا معنی ہے: زمین میں دھنسا دینا اور مسخ کا معنی ہے: انسان کی صورت کو مسخ کر کے کوئی اور صورت بنا دینا، جیسے پچھلی امتوں میں سے یہودیوں کو بندر بنا دیا تھا اور خنزیر بنا دیا تھا۔ اور حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ قرآن کو ان کے سینوں سے نکال لیا جائے گا اور خوفِ خدا کو اور امانت کو ان کے سینوں سے نکال لیا جائے گا اور اس سے زیادہ مسخ نہیں ہوگا۔ اور کبھی حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہوتی ہے، پس اللہ تعالیٰ جن کو جلدی سزا دینے کا ارادہ کرے گا ان کو مسخ کر دے گا، جیسا کہ ایک قوم کو زمین میں دھنسا دیا، تو اسی طرح مسخ بھی ہوگا۔ اور علامہ خطابی کا زعم ہے کہ خسف اور مسخ اس امت میں بھی ہوگا، جیسا کہ پچھلی امتوں میں ہوتا رہا ہے، برخلاف ان لوگوں کے جن کا یہ زعم ہے کہ اس امت میں خسف اور مسخ نہیں ہوگا۔ اور مسخ سے مراد یہ ہے کہ ان کے دلوں کو مسخ کر دیا جائے گا۔

امام سعید بن منصور نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانے میں میری امت میں سے کچھ لوگوں کو بندر اور خنزیر کی صورتوں میں مسخ کر دیا جائے گا، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! وہ لوگ اس بات کی شہادت دیتے ہوں گے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں! اور وہ نماز پڑھتے ہوں گے اور روزے رکھتے ہوں گے اور حج کرتے ہوں گے، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ان کا کیا جرم ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ گانے بجانے کے آلات کو رکھیں گے اور گانے والی عورتوں کو رکھیں گے اور دفوف (دف کی جمع) کو رکھیں گے، اور وہ یہ ممنوع مشروبات پئیں گے، تو وہ اپنے اسی لہو ولعب پر رات گزاریں گے اور انہی مشروبات کو پیتے ہوئے رات گزاریں گے، صبح اٹھیں گے تو وہ بندر اور خنزیر ہوں گے۔ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے، ہم اس کو صرف اسی سند سے پہچانتے ہیں۔

اور نوادر ترمذی میں مذکور ہے: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت میں دہشت اور گھبراہٹ ہوگی، پھر لوگ اپنے علماء کی طرف جائیں گے تو وہ بندر اور خنزیر ہوں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۲-۲۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۵۹۰ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح بخاری کی حدیث مذکور کی تائید میں دیگر احادیث

ابو مالک اشعری بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں سے کچھ لوگ خمر کو پئیں گے اور اس کا نام خمر کے علاوہ کچھ اور رکھیں گے، ان کے سروں کے اوپر باجے بجائے جائیں گے اور گانے والی عورتیں گائیں گی، اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں دھنسا دے گا اور ان میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنا دے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص

۶۷، رقم الحدیث: ۲۳۷۴۸)

امام نسائی نے بھی اس حدیث کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کی ہے۔(سنن نسائی ج ۸ ص ۳۱۲۔۳۱۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے اسلام میں جس چیز کو اوندھا کیا جائے گا، یہ وہ مشروب ہے جس کو الطلاء کہا جاتا ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۶۸، رقم الحدیث: ۲۳۷۶۶)

یعنی لوگ خمر کو طِلاء کا نام دے کر پییں گے۔

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایام اس وقت تک ختم نہیں ہوں گے حتیٰ کہ میری امت میں سے ایک جماعت خمر کو پیئے گی اور اس کا نام کچھ اور رکھ لے گی۔(سنن ابن ماجہ: ۳۳۸۴)

علامہ البوصیری نے کہا ہے: اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں عبد السلام بن عبد القدوس ایک راوی ہے اور وہ ضعیف ہے۔(زوائد ابن ماجہ ج ۴ ص ۴۴۰)

حضرت سعید بن ابی راشد بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس امت میں خسف بھی ہوگا اور مسخ بھی ہوگا۔(معجم الصحابہ، ج ۱ ص ۲۶۴، رقم الحدیث: ۳۰۵)

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: جن احادیث میں یہ ذکر ہے کہ اس امت میں مسخ ہوگا، تو اس سے مراد دلوں کو مسخ کرنا ہے، حتیٰ کہ لوگ نیکی کو نیک نہیں سمجھیں گے اور برائی کو برا نہیں سمجھیں گے اور یہ بھی حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن کو لوگوں کے سینوں سے نکال لیا جائے گا اور خشوع کو اور امانت کو ان کے سینوں سے نکال لیا جائے گا، اور اس سے زیادہ مسخ نہیں ہوگا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ احادیث اپنے ظاہر پر محمول ہوں، پس اللہ تعالیٰ ان کو جن کو جلدی سزا دینا چاہتا ہو، ان کی صورتوں کو مسخ کردے جیسا کہ ایک قوم کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور ان کو زلزلوں سے ہلاک کر دیا اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ لوگ زلزلوں سے ہلاک ہو گئے، تو اسی طرح مسخ بھی ہوسکتا ہے۔(شرح ابن بطال ج ۶ ص ۵۳۔۵۲)

امام ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میری امت میں پندرہ خصلتیں ہوں گی تو ان پر عذاب کا آنا حلال ہو جائے گا اور ان خصلتوں میں ان کا ذکر کیا کہ خمر پی جائے گی، ریشم پہنا جائے گا، گانے والی عورتیں رکھی جائیں گی، گانے بجانے والے آلات رکھے جائیں گے، تو جب ایسا ہو تو تم تین قسم کے عذاب کا انتظار کرنا۔ سرخ آندھی چلے گی، اور زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور صورتیں مسخ کردی جائیں گے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں فرج بن فضالہ ہیں اور اس کا حافظہ ضعیف ہے۔(سنن ترمذی: ۲۲۱۰)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۷ ص ۱۲۹۔۱۳۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

حدیث میں مذکور سخت عذاب کی توجیہ از مصنف

اس حدیث میں مذکور ہے کہ کچھ لوگ پہاڑ کے دامن میں رہیں گے اور صبح شام ان کے پاس فقراء چرواہے آئیں گے اور اپنی ضرورت کا سوال کریں گے تو وہ ان سے کہیں گے: اب چلے جاؤ کل آنا، تو اللہ تعالیٰ رات میں ان کو ہلاک کر دے گا اور ان کے اوپر پہاڑ کو گرادے گا۔

اب یہ سوال ہے کہ جن لوگوں نے فقراء اور سائلین کو ان کے سوال کے مطابق نہیں دیا اور ٹال مٹول سے کام لیا اور کہا کہ کل آنا تو ان کو اتنا سخت عذاب دیا جائے گا کہ پہاڑ کو ان کے اوپر گرا دیا جائے گا، یا رات میں اچانک ان کو ہلاک کر دیا جائے گا تو اس سخت عذاب کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب امراء پہاڑ کے دامن میں پر فضاء مقامات اور سرسبز وشاداب جگہوں میں رہیں گے اور وہاں پر ضرورت مند فقراء تعاون کی امید اور توقع لے کر جائیں گے اور ان کے سامنے سوال کریں گے اس خیال سے کہ وہ لوگ ان کی مدد کریں گے، لیکن وہ امراء ان کی مدد نہیں کریں گے اور انہیں ٹالنے کے لیے کہیں گے: کل آنا، اور بخل میں مبالغہ کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے اوپر عذاب بھی اتنا سخت نازل ہوگا۔ وہ فقراء سے یوں کہیں گے کہ تم ہمارے پاس کل آنا یعنی وہ فقراء کا استہزاء کرنے کے لیے کہیں گے کہ کل آ جائیں اور مقصد صرف ان کو ٹالنا ہوگا اس لیے وہ سخت سزا کے مستحق قرار پائیں گے۔ اور جو لوگ زنا، ریشم، خمر اور گانوں اور باجوں کو حلال قرار دیں گے، ان پر یہ عذاب آئے گا کہ ان کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور ان کی صورتیں مسخ کر دی جائیں گی، یہ بھی سخت عذاب ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ ان کا جرم بھی بہت سخت تھا، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال کیا اور اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال کرنا کفر ہے اور کفار کو زمین میں دھنسا دیا جاتا ہے اور ان کے چہرے مسخ کر دیے جاتے ہیں۔

صحیح البخاری: ۵۵۹۰ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس پر دلیل کہ کسی چیز کا نام بدلنے سے حقائق تبدیل نہیں ہوتے

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حیلہ کرنے سے حقائق تبدیل نہیں ہوتے، کیونکہ حیلہ کسی فعل کو مباح کی صورت میں پیش کرتا ہے اور کسی چیز کا نام بدلنے سے اس چیز کا حکم تبدیل نہیں ہوتا۔

امام بخاری نے یہاں پر اس صریح حدیث کی روایت نہیں کی جس میں یہ تصریح ہے کہ اس امت کے کچھ لوگ خمر کا نام بدل کر اس کو پییں گے، کیونکہ وہ حدیث امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہے، لیکن یہ حدیث جس میں چار چیزوں کا ذکر ہے یعنی جو لوگ زنا کو حلال کریں گے اور ریشم کو اور خمر کو اور گانے بجانے کے آلات کو اور ان کے متعلق وعید کا ذکر کیا، یہ چاروں چیزیں حرام ہیں، لیکن یہ جو فرمایا ہے کہ وہ حر کو حلال کریں گے اور اس کا معنی ہے: فرج اور یہ زنا اور لواطت دونوں کو شامل ہے۔ العیاذ باللہ! اور وہ اس کو حلال قرار دیں گے، اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ وہ اس کو حقیقۃً حلال قرار دیں گے یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ان کاموں کا اس طرح ارتکاب کریں گے جیسے کسی حلال کام کا کیا جاتا ہے، رہا ریشم تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں پر حرام کر دیا ہے عورتوں کے لیے جائز ہے۔ اور رہے المعازف، تو علماء نے کہا: اس سے مراد ہیں: لہو ولعب کے آلات، اور ان کو حلال قرار دینے کی دو صورتیں ہیں، یا تو انسان یہ اعتقاد کرے گا کہ یہ حلال ہیں، یا تو اس کو حرام ہی سمجھے گا لیکن اس کا ارتکاب اس طرح کرے گا جیسے حلال کام کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

''یستحلون'' کے دو محمل کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے: وہ ان کو حلال سمجھیں گے، علامہ ابن العربی نے کہا ہے: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کا یہ اعتقاد ہو کہ یہ چیزیں حلال ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مجاز ہیں، یعنی ان کو حرام سمجھیں گے لیکن ان کا ارتکاب اس طرح کریں گے جیسے حرام کام کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

''معازف'' کا معنی

اور اس حدیث میں المعازف کا ذکر ہے، یہ لہو ولعب کے آلات ہیں اور علامہ قرطبی نے الجوہری سے نقل کیا ہے کہ معازف سے مراد ہے: گانا، اور صحاحِ جوہری میں لکھا ہے کہ یہ آلاتِ لہو ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ لہو ولعب کی آوازیں ہیں۔

حدیث مذکور میں دو گروہوں کے دو قسم کے عذاب کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جو لوگ سائلین کو اور فقراء کو نہیں دیں گے، ان پر رات کے وقت اچانک پہاڑ آ کر گرے گا اور وہ لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور جو لوگ ان چار چیزوں کو حلال قرار دیں گے تو ان کی صورتوں کو مسخ کر دیا جائے گا۔ ابن العربی نے کہا ہے: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حقیقۃً ان کی صورتوں کو مسخ کر دیا جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے اخلاق تبدیل کر دیے جائیں۔ شیخ عثیمین کہتے ہیں کہ پہلا معنی حدیث کے سیاق وسباق کے زیادہ لائق ہے اور اس میں ان لوگوں پر وعید شدید ہے جو لوگ کسی حرام چیز کا نام بدل کر اس کے ساتھ حلال کا معاملہ کرتے ہیں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۱۲۔ ۳۱۴ ملخصاً وملتقطاً، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۷۔ بَابٌ: اَلْاِنْتِبَاذُ فِی الْاَوْعِیَةِ وَالتَّوْرِ — برتنوں میں اور پتھر کے پیالہ میں نبیذ بنانا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں نبیذ بنانے کا حکم بیان کیا گیا ہے، اس عنوان میں اوعیۃ کا ذکر ہے، یہ وعاء کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: ظرف اور برتن، اور تور ایک لفظ خاص ہے، اس کا عام پر عطف کیا گیا ہے، اس سے مراد ہے: پیتل یا تانبے کا برتن، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ایک بڑا پیالہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ طشت کی مثل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ پتھر کا برتن ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تور اسی وقت بولا جاتا ہے جب وہ چھوٹا برتن ہو یا چھوٹا پیالہ ہو، علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: جس تور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نبیذ بنایا گیا تھا، وہ پتھر کا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۳۔ ۲۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۹۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَهْلًا يَقُولُ أَتَى أَبُو أُسَيْدٍ السَّاعِدِيُّ فَدَعَا رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِي عُرْسِهِ فَكَانَتِ امْرَأَتُهُ خَادِمَهُمْ وَهِيَ الْعَرُوسُ قَالَ أَتَدْرُونَ مَا سَقَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْقَعْتُ لَهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یعقوب بن عبد الرحمٰن نے حدیث بیان کی از ابی حازم، انہوں نے کہا: میں نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو اسید الساعدی رضی اللہ عنہ آئے، سو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شادی میں دعوت دی تو ان کی بیوی گھر کا کام کاج کر رہی تھی حالانکہ وہ

تَمَرَاتٍ مِنَ اللَّيْلِ فِي تَوْرٍ- دلہن تھی، انہوں نے کہا: کیا آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا چیز پلائی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ میں نے چند کھجوریں رات کو پتھر کے ایک پیالہ میں بھگو دی تھیں (یعنی ان کھجوروں کا پانی یا نبیذ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پلایا تھا)۔

(صحیح البخاری: ۵۱۷۶، ۵۱۸۲، ۵۱۸۳، ۵۵۹۱، ۵۵۹۷، ۶۶۸۵، صحیح مسلم: ۲۰۰۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۲، مسند احمد: ۱۵۶۳۲)

صحیح البخاری: ۵۵۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو حازم کا ذکر ہے، ان کا نام ہے سلمہ بن دینار، اور اس حدیث کی سند میں سہل کا ذکر ہے، وہ حضرت سعد بن مالک انصاری المدنی کے بیٹے ہیں، ان کا نام حزن تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام سہل رکھ دیا، یہ وہ ہیں جو مدینہ منورہ میں صحابہ میں سب سے آخر میں ۹۱ھ فوت ہوئے۔ اور دوسرا قول ہے کہ ۸۸ھ میں فوت ہوئے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو اُسید کا ذکر ہے اُسید، اسد کی تصغیر ہے، ان کا نام مالک بن ربیعہ الساعدی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "ان کی بیوی ان کی خادم تھیں، حالانکہ وہ دلہن تھیں": خادم کا لفظ مذکر اور مونث دونوں پر بولا جاتا ہے، یہاں مراد خادمہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انقعت له" اس کا معنی ہے: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نبیذ بنایا۔

نبیذ کی تعریف اور نبیذ میں مذاہب فقہاء

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: النقیع حلال ہے جب تک گاڑھا نہ ہو، یعنی کسی برتن کے پانی میں کھجوروں کو ڈال دیا جائے، پس جب وہ پانی سخت گاڑھا ہو جائے اور جوش میں آئے تو وہ حرام ہے۔ اور فقہاء احناف نے یہ شرط عائد کی ہے کہ اس میں جھاگ پیدا ہو جائیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: جھاگ پیدا ہونے کی شرط صرف امام ابوحنیفہ نے عائد کی ہے، اور وہ بھی انگور کے کچے شیرہ میں۔ اور ان کے صاحبین کے نزدیک جھاگ پیدا ہونے کی شرط نہیں ہے، پس محض اس پانی کا گاڑھا ہونا اور جوش میں آنا اس پانی کو حرام کر دیتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من اللیل" المہلب نے کہا: رات کو کھجوریں پانی میں بھگوئی جاتی ہیں اور دوسرے دن پی جاتی ہیں، یا دن میں کھجوریں پانی میں بھگوئی جاتی ہیں اور رات میں پی لی جاتی ہیں، سو اس قسم کا نبیذ جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۸۔ بَابُ: تَرْخِيصِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْأَوْعِيَةِ وَالظُّرُوفِ بَعْدَ النَّهْيِ

ممانعت کے بعد تمام برتنوں اور ظروف میں نبیذ بنانے کی اجازت دینا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برتنوں میں اور ظروف میں نبیذ بنانے کی اجازت دی ہے، ظروف کا لفظ ظرف کی جمع ہے، اور ''المغرب'' میں لکھا ہوا ہے کہ ظرف کا معنی برتن ہے، اس اعتبار سے وعاء اور ظرف میں کوئی فرق نہیں ہے، پھر ظروف کا جو اوعیۃ پر عطف ہے، یہ اس اعتبار سے ہے کہ یہ الفاظ مختلف ہیں اگرچہ معنی دونوں کا ایک ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ظرف سے مراد مشک ہے، اور اب یہ خاص کا عطف عام پر ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۹۲۔ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ جَابِرٍ رضی الله عنه قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الظُّرُوفِ فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ إِنَّهُ لَا بُدَّ لَنَا مِنْهَا قَالَ فَلَا إِذًا وَقَالَ خَلِيفَةُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ جَابِرٍ بِهَذَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بِهَذَا وَقَالَ فِيهِ لَمَّا نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْأَوْعِيَةِ۔

(سنن ترمذی: ۱۸۷۰، سنن نسائی: ۵۶۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۶۹۹، مسند احمد: ۱۴۸۳۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یوسف بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن عبداللہ ابو احمد الزبیری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور از سالم از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتنوں (میں نبیذ بنانے) سے منع فرمایا، تو انصار نے کہا: ہمارے لیے تو یہ برتن ضروری ہیں، آپ نے فرمایا: پھر کوئی حرج نہیں۔ اور مجھ سے خلیفہ نے کہا کہ ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور از سالم بن ابی الجعد از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، اسی حدیث کو۔ ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے یہی حدیث بیان کی۔ اور اس میں یہ کہا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا۔

صحیح البخاری: ۵۵۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یوسف بن موسیٰ کا ذکر ہے، یہ ابن راشد القطان الکوفی ہیں، یہ بغداد میں رہے اور دو سو باون ہجری میں فوت ہو گئے، اور الزبیری میں زبیر کی طرف نسبت ہے جو ان کے اجداد میں سے ایک ہیں، اور سفیان وہ ثوری ہیں اور منصور ابن المعتمر ہیں اور سالم ابن ابی الجعد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظروف سے منع فرمایا"، یعنی ظروف میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔
میں کہتا ہوں: اس کا معنی یہ ہے کہ جن برتنوں میں پہلے خمر بنائی جاتی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے، مبادا خمر کے برتنوں میں نبیذ بنانے سے لوگوں کو پھر خمر بنانے کی لت نہ پڑ جائے۔ (سعیدی غفرلہ)
ترمذی کی روایت میں ہے کہ انصار نے کہا: ہمارے پاس تو اور برتن نہیں ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر کوئی حرج نہیں ہے، یعنی جب تمہارے پاس اور برتن نہیں ہیں تو پھر ان برتنوں میں نبیذ بنانے کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مخصوص برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا، پھر بعد میں اس کی اجازت دے دی، اس کی توجیہات

اس کا حاصل یہ ہے کہ ممانعت اس وقت ہے جب ان برتنوں کی ضرورت نہ ہو، اور جب یہ ظاہر ہوا کہ ان برتنوں کی ضرورت ہے تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو ان برتنوں کے استعمال کے اوپر برقرار رکھا، یا اسی وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور آپ نے پہلا حکم منسوخ فرما دیا، یا اس مسئلہ میں حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کی طرف مفوض تھا۔
علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ جن برتنوں میں شراب بنائی جاتی تھی، ان برتنوں میں نبیذ بنانے کی جو ممانعت تھی وہ شراب بنانے کے ذرائع کو قطع کرنے کے لیے تھی، اور ان کے سدِ باب کے لیے تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے پھر لوگ شراب بنانے کے راستہ پر چل پڑیں۔ پھر جب لوگوں نے کہا کہ ہمارے لیے یہ برتن ضروری ہیں، تو آپ نے فرمایا: ان برتنوں میں نبیذ بنا لو، اور اسی طرح ہر وہ ممانعت جو کسی دوسرے سبب سے ہو، اس کا یہی حکم ہے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے راستوں میں بیٹھنے سے منع فرمایا تھا، پھر جب لوگوں نے بتایا کہ راستوں میں بیٹھنے کے سوا تو ان کے لیے کوئی چارہ کار نہیں ہے، تو آپ نے فرمایا: جب تم انکار کرتے ہو تو راستے کا حق ادا کرو، یعنی اس راستہ پر اگر کوئی غلط کام ہو رہا ہو تو اس کی اصلاح کرو اور کوئی مسلمان گزرے تو اس کو سلام کرو، اور اگر وہ مسلمان سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دو۔
امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے: تمام قسم کے برتنوں میں نبیذ بنانا مباح ہے اور بعض برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے منسوخ ہو گئی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب انصار نے کہا: ہمارے لیے برتن ضروری ہیں تو آپ نے فرمایا: پھر کوئی حرج نہیں ہے اور آپ نے تمام قسم کے برتنوں میں نبیذ بنانے کی اجازت دے دی اور ان میں سے کسی برتن کو مستثنیٰ نہیں فرمایا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۴۔ ۲۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۵۵۹۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي مُسْلِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي عِيَاضٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ لَمَّا نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْأَسْقِيَةِ قِيلَ لِلنَّبِيِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از سلیمان بن ابی مسلم الاحول از مجاہد از ابی عیاض از عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

سوئے ہیں لَیْسَ کُلُّ النَّاسِ یَجِدُ سِقَاءً فَرَخَّصَ لَهُمْ فِی الْجَرِّ غَیْرِ الْمُزَفَّتِ۔

(صحیح مسلم: ۲۰۰۰، سنن نسائی: ۵۶۵۰، مسند احمد: ۶۴۶۱)

مشکوں کے سوا اور برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ ہر آدمی کے پاس تو مشک نہیں ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس گھڑے میں نبیذ بنانے کی اجازت دی جس پر تارکول ملا ہوا نہ ہو۔

صحیح البخاری: ۵۵۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبداللہ کا ذکر ہے، وہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ ابن عیینہ ہیں، اور ابوعیاض کا ذکر ہے، ان کے نام میں اختلاف ہے، امام نسائی نے الکنی میں لکھا ہے: ان کا نام ابوعیاض عمر بن الاسود العنسی ہے اور ایک قول ہے کہ ان کا نام ثعلبہ ہے، اور ابن المدینی نے کہا کہ اگر ابوعیاض کا نام قیس بن ثعلبہ نہیں ہے تو پھر میں ان کا نام نہیں جانتا۔ اور علامہ الکرمانی نے کہا: ان کا نام عمرو ہے، اور کہا جاتا ہے: ان کا نام عمیر بن الاسود العنسی ہے۔ اور امام احمد نے کتاب الزہد میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوعیاض کی تحسین کی اور ابوموسیٰ نے ان کا ذیل الصحابہ میں ذکر کیا اور اس کو ابن ابی عاصم کی طرف منسوب کیا، گویا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا لیکن ان کو آپ کی صحابیت حاصل نہیں ہو سکی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا، علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہاں پر متن میں لفظ الّا کا ذکر چھوٹ گیا ہے اور اصل عبارت اس طرح سے ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکوں کے سوا کسی اور برتن میں نبیذ بنانے سے منع فرما دیا۔ اور علامہ کرمانی نے کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی یوں ہو کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکوں کے سبب سے نبیذ بنانے کے مسئلہ میں گھڑوں میں نبیذ بنانے سے منع فرما دیا۔ اور حمیدی نے کہا: کہ اس روایت میں لفظ الاوعیۃ گیا ہے اور اصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکوں کے سوا اور برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرما دیا۔ اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس حدیث میں الاسقیہ یعنی مشکوں کا ذکر راوی کا وہم ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی مشکوں میں نبیذ بنانے سے منع نہیں فرمایا ہے۔ آپ نے برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا تھا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہاں پر کوئی وہم نہیں ہے، دراصل بات یہ ہے کہ سفیان ان دو لفظوں کو برابر سمجھتے تھے، یعنی اوعیۃ کو اور اسقیہ کو، اور اوعیۃ کے معنی برتن ہیں اور اسقیۃ کے معنی مشک ہیں۔ تو انہوں نے ایک مرتبہ اوعیۃ کے ساتھ روایت کی اور دوسری مرتبہ اسقیۃ کے ساتھ روایت کی، یعنی اس روایت میں تو اسقیۃ ہے، لیکن اس سے مراد اوعیۃ ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۶۔۲۶۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۹۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا یَحْیٰی عَنْ سُفْیَانَ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے

حَدَّثَنِی سُلَیْمَانُ عَنْ إِبْرَاهِیمَ التَّیْمِیِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَیْدٍ عَنْ عَلِیٍّ رضی الله عنه نَهَى النَّبِیُّ ﷺ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْمُزَفَّتِ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ حَدَّثَنَا جَرِیرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا۔

(صحیح مسلم: ۱۹۹۴، سنن نسائی: ۵۶۲۷، مسند احمد: ۶۳۵)

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از سفیان، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان نے حدیث بیان کی از ابراہیم التیمی، از الحارث بن سوید از حضرت علی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کھوکھلے خشک کدو اور تارکول ملے ہوئے برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمادیا۔ ہمیں عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش، یہی حدیث۔

صحیح البخاری: ۵۵۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو اس باب میں ذکر کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ یہ حدیث سابق کے مطابق ہے، کیونکہ حدیث سابق میں بھی یہ ذکر تھا کہ نبی ﷺ نے ان کو ایسے گھڑوں میں نبیذ بنانے کی اجازت دی ہے جن پر تارکول ملا ہوا نہ ہو، اور اس حدیث میں بھی ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے تارکول ملے ہوئے برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ اس کے بعد امام بخاری نے اس حدیث کی دوسری سند بیان کی جس میں مذکور ہے: ہمیں عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از اعمش یہی حدیث۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۹۵۔ حَدَّثَنِی عُثْمَانُ حَدَّثَنَا جَرِیرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِیمَ قُلْتُ لِلْأَسْوَدِ هَلْ سَأَلْتَ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِینَ عَمَّا یُکْرَهُ أَنْ یُنْتَبَذَ فِیهِ فَقَالَ نَعَمْ قُلْتُ یَا أُمَّ الْمُؤْمِنِینَ عَمَّ نَهَى النَّبِیُّ ﷺ أَنْ یُنْتَبَذَ فِیهِ قَالَتْ نَهَانَا فِی ذَلِکَ أَهْلَ الْبَیْتِ أَنْ نَنْتَبِذَ فِی الدُّبَّاءِ وَالْمُزَفَّتِ قُلْتُ أَمَا ذَکَرَتِ الْجَرَّ وَالْحَنْتَمَ قَالَ إِنَّمَا أُحَدِّثُکَ مَا سَمِعْتُ أَفَأُحَدِّثُ مَا لَمْ أَسْمَعْ۔

(صحیح مسلم: ۱۹۹۵، مسند احمد: ۲۴۳۱۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم، میں نے اسود سے کہا: کیا تم نے حضرت عائشہ ام المؤمنین (رضی اللہ عنہا) سے یہ سوال کیا تھا کہ کن برتنوں میں نبیذ بنانا مکروہ ہے، تو اسود نے کہا: ہاں! میں نے کہا تھا: اے ام المؤمنین! نبی ﷺ نے کس میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا تھا؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: نبی ﷺ نے ہم گھر والوں کو اس سے منع فرمایا کہ ہم خشک کھوکھلے کدو اور تارکول ملے ہوئے برتنوں میں نبیذ بنائیں، ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ میں نے کہا: کیا ام المؤمنین نے گھڑوں اور سبز مرتبان میں نبیذ بنانے کے متعلق ذکر نہیں کیا تھا؟ تو اسود نے کہا: میں آپ سے وہی حدیث بیان کرتا ہوں جس کو میں نے سنا ہے، کیا میں آپ سے وہ حدیث بھی بیان کروں جس کو میں نے نہیں سنا؟

صحیح البخاری: ۵۵۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کو بھی اس باب میں ذکر کرنے کی وہی توجیہ ہے جو حدیث سابق کو اس باب میں ذکر کرنے کی توجیہ تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں نے کہا: کیا تم نے گھڑوں میں سبز مرتبان کا ذکر نہیں کیا؟ یہ کہنے والے ابراہیم نخعی ہیں جنہوں نے اسود سے یہ کلام کیا۔

اس حدیث میں حنتم کا ذکر ہے، حنتم سبز رنگ کے چکنی مٹی کے برتن کو کہتے ہیں یعنی سبز رنگ کا مرتبان۔ اس برتن میں شراب ڈال کر مدینہ لائی جاتی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برتن میں نبیذ بنانے سے اس لئے منع فرمایا کہ چونکہ یہ چکنا ہوتا ہے تو اس کے اندر شدت اور تیزی سرعت کے ساتھ آجاتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب یہ برتن بنایا جاتا ہے تو مٹی میں خون ملا دیا جاتا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برتن میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا تا کہ اس طرح کے برتن نہ بنائے جائیں۔ علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ پہلی تعریف زیادہ صحیح ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۹۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى رضی الله عنهما قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْجَرِّ الْأَخْضَرِ قُلْتُ أَنَشْرَبُ فِي الْأَبْيَضِ قَالَ لَا۔

(سنن نسائی: ۵۶۲۲، مسند احمد: ۱۸۶۶۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الشیبانی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز رنگ کے مرتبان میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے، میں نے پوچھا: کیا ہم سفید رنگ کے مرتبان میں نبیذ بنا کر پی سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔

صحیح البخاری: ۵۵۹۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کو بھی اس باب میں ذکر کرنے کی وہی توجیہ ہے جو اس سے پہلے حدیث کی اس باب میں ذکر کرنے کی توجیہ بیان کی گئی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما نے پوچھا کہ کیا ہم سفید رنگ کے مرتبان میں نبیذ بنا کے پی سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! یعنی سفید رنگ کے مرتبان میں نبیذ بنانے کا وہی حکم ہے جو سبز رنگ کے مرتبان کا حکم ہے، اور سنن نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ میں نے سفید رنگ کے مرتبان کا پوچھا تو آپ نے فرمایا: مجھے از خود علم نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ

آپ نے سبز رنگ کے مرتبان اور سفید رنگ کے مرتبان دونوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔

علامہ خطابی لکھتے ہیں کہ یہ حکم سبز اور سفید رنگ کے مرتبانوں پر موقوف نہیں ہے، اس کا تعلق تو نبیذ کے نشہ آور ہونے کے ساتھ ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مرتبان ایسے برتن تھے جن سے بدبو آتی تھی اور اس میں مشروب متغیر ہو جاتا تھا اور پینے والے کو اس کا پتا نہیں چلتا تھا، تو اس لیے ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمادیا تھا اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ مشکوں کے اندر مشروب بنائیں، پس جب مشروب کی بو متغیر ہو جائے گی تو پینے والے کو اس کے حال کا پتا چل جائے گا اور وہ اس سے اجتناب کرے گا۔ اور سبز رنگ کے مرتبانوں کا اس لئے ذکر کیا گیا کہ وہ عام طور پر سبز رنگ کے مرتبانوں میں نبیذ بناتے تھے اور سفید رنگ کا مرتبان بھی اسی کی مثل ہے، اس لیے اس میں بھی نبیذ بنانے سے منع فرمادیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے از سفیان از ابی اسحاق از عبد اللہ از حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز رنگ اور سفید رنگ اور سرخ رنگ کے مرتبانوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔

جب نبیذ نشہ آور نہ ہو، تو ہر قسم کے برتن میں نبیذ کا بنانا جائز ہے

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اس کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ممانعت کا تعلق نبیذ کے نشہ آور ہونے کے ساتھ ہے، سبز رنگ یا غیر سبز رنگ کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے، اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ سبز رنگ کے مرتبان میں نبیذ بنا کے پیتے تھے اور امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان کے لیے سبز رنگ کے مرتبان میں نبیذ بنایا جاتا تھا، تو حاصل یہی نکلا کہ جو نبیذ نشہ آور ہو جائے، اس کو پینا منع ہے، خواہ وہ کسی برتن میں بنایا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: کسی برتن میں کچا پانی ڈال کر اس میں کھجوریں ڈال دی جائیں اور ایک دن یا دو دن کے بعد اس پانی کو پی لیا جائے، تو اس پانی کو نبیذ کہتے ہیں اور ایک دن یا دو دن سے زیادہ اگر کھجوریں اس پانی میں رہیں تو وہ پانی گاڑھا ہو جاتا ہے اور اس کا پینا مکروہ ہے۔ اور اگر اس سے بھی زیادہ دنوں تک کھجوریں کچے پانی میں رہیں تو وہ پانی بدبودار ہو جاتا ہے اور اس میں جھاگ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ نشہ آور ہو جاتا ہے، اور اس نبیذ کو پینا حرام ہے اور اس کو مجازاً خمر بھی کہتے ہیں۔

صحیح البخاری: ۵۵۹۶، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مخصوص برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت کے منسوخ ہونے کی تحقیق

اس باب میں جو احادیث ذکر کی گئی ہیں، ان میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں نسخ کی تصریح ہو، ہاں صحیح البخاری: ۵۵۹۲ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ظروف میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا، تو انصار نے کہا: ہمارے لیے تو ان ظروف میں نبیذ بنانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے، تو آپ نے فرمایا: پھر کوئی حرج نہیں۔

(سنن ترمذی: ۱۸۷۰، سنن نسائی: ۵۶۵۲، سنن ابوداؤد: ۳۶۹۹)

جو علماء اس کے قائل ہیں کہ مخصوص برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت منسوخ ہوگئی ہے، وہ درج ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں نے تم کو خشک کھوکھلے کدو اور سبز رنگ کے مرتبانوں اور تار کول لگے ہوئے برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا، سو اب تم (ان برتنوں میں) نبیذ بنایا کرو اور میں کسی نشہ آور چیز کو حلال نہیں کرتا۔ (شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۲۲۸، سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۱۰-۳۱۱)

نسخ کا معنی ہے: کسی حکم کو اٹھالینا، یا دلیل شرعی سے کسی حکم کو اٹھالینا اور اس قسم کا نسخ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں اور اجماع مسلمین میں جائز ہے۔

لیکن یہ واجب ہے کہ ہم نسخ کے دعویٰ میں زیادہ وسعت نہ دیں، کیونکہ بہت سے اہل علم جب ان پر نصوص کو جمع کرنا دشوار ہو جاتا ہے اور وہ نصوص کو جمع کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ نص منسوخ ہوگئی ہے اور یہ خطاء عظیم ہے، کیونکہ نسخ کا معنی ہے: جو حکم منسوخ ہو گیا، اس کو باطل قرار دیا جائے اور اس کو اللہ عزوجل کی شریعت سے نکال دیا جائے۔ اور اس کے لیے ایسی دلیل کی ضرورت ہوگی جس سے یہ ثابت ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اب پچھلے حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۱۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۹۔ بَابُ: نَقِيعِ التَّمْرِ مَا لَمْ يُسْكِرْ — کھجور کے نبیذ کا بیان جب تک وہ نشہ آور نہ ہو

پانی میں کھجوروں کو یا انگوروں کو ایک رات ڈال دیا جائے اور صبح اس پانی کو پی لیا جائے تو وہ پانی کھجور یا انگور کا شربت ہوتا ہے، اس کو عربی میں نبیذ اور نقیع کہتے ہیں۔

۵۵۹۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْقَارِيُّ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ أَنَّ أَبَا أُسَيْدٍ السَّاعِدِيَّ دَعَا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لِعُرْسِهِ فَكَانَتْ امْرَأَتُهُ خَادِمَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَهِيَ الْعَرُوسُ فَقَالَتْ مَا تَدْرُونَ مَا أَنْقَعْتُ لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَنْقَعْتُ لَهُ تَمَرَاتٍ مِنَ اللَّيْلِ فِي تَوْرٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن عبد الرحمن القاری نے حدیث بیان کی از ابو حازم، انہوں نے کہا: میں نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے سنا کہ حضرت ابو اُسید الساعدی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی شادی میں بلایا تو ان کی بیوی اس دن مہمانوں کی خدمت کر رہی تھی، حالانکہ وہ دلہن تھی۔ پھر ان کی بیوی نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کس چیز کا نبیذ بنایا تھا، میں نے رات کو چند کھجوروں کو ایک برتن کے پانی میں ڈال دیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۵۱۷۶، ۵۱۸۲، ۵۱۸۳، ۵۵۹۱، ۵۵۹۷، ۶۶۸۵، صحیح مسلم: ۲۰۰۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۲، مسند احمد: ۱۵۶۳۲)

اس حدیث کی شرح عنقریب صحیح البخاری: ۵۵۹۱ میں گزر چکی ہے۔

١٠ـ بَابُ: الْبَاذَقِ وَمَنْ نَهَى عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ مِنَ الْأَشْرِبَةِ

باذق (انگور کا تھوڑا سا پکا ہوا شیرہ) کا بیان اور جس نے ہر نشہ آور مشروب سے منع کیا

وَرَأَى عُمَرُ وَأَبُو عُبَيْدَةَ وَمُعَاذٌ شُرْبَ الطِّلَاءِ عَلَى الثُّلُثِ وَشَرِبَ الْبَرَاءُ وَأَبُو جُحَيْفَةَ عَلَى النِّصْفِ

حضرت عمر، حضرت ابوعبیدہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم کے نزدیک طلاء کا پینا جائز ہے، (یعنی جب انگور کا شیرہ پک کر ایک تہائی رہ جائے اور دو تہائی اڑ جائے) اور حضرت البراء اور حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے انگور کا ایسا شیرہ پیا جو پک کر نصف رہ گیا تھا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اشْرَبِ الْعَصِيرَ مَا دَامَ طَرِيًّا

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انگور کا شیرہ اس وقت تک پیو جب تک کہ وہ تازہ ہو۔

وَقَالَ عُمَرُ وَجَدْتُ مِنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ رِيحَ شَرَابٍ وَأَنَا سَائِلٌ عَنْهُ فَإِنْ كَانَ يُسْكِرُ جَلَدْتُهُ۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے عبید اللہ کے منہ سے ایک مشروب کی بو پائی اور میں ان سے سوال کرنے والا تھا، پس اگر یہ مشروب نشہ آور ہو تو میں اس کو کوڑے لگاؤں گا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں الباذق کا حکم بیان کیا گیا ہے، القابسی سے منقول ہے کہ اس لفظ میں ذال پر کسرہ ہے یعنی الباذِق اور ان سے پوچھا گیا کہ اگر ذال پر زبر ہو یعنی الباذَق ہو تو انہوں نے کہا: میں اس لفظ سے واقف نہیں ہوں۔ علامہ ابن التین نے کہا: یہ فارسی زبان کا لفظ ہے جس کو عربوں نے عربی بنا لیا ہے اور الجوالیقی نے کہا: یہ لفظ اصل میں بادہ تھا تو اس کو باذق کر دیا اور یہ پکائی ہوئی خمر ہے۔ ابن قرقول نے کہا: باذق انگور کا پکا ہوا شیرہ ہے جب وہ نشہ آور ہو یا جب شیرہ گاڑھا ہو جائے اور پھر اس کو پکایا جائے اور ابن سیدہ نے کہا کہ باذق الخمر کے اسماء میں سے ہے اور کہا جاتا ہے: باذق وہ شیرہ ہے جس کا پکنے کے بعد دو تہائی حصہ اڑ جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے، اس کو مثلث کہتے ہیں اور اس کو الطلاء بھی کہتے ہیں یعنی انگور کا پکا ہوا شیرہ۔ سب سے پہلے یہ بنو امیہ نے بنایا تھا تا کہ اس کو خمر کے اسماء سے نکال دے اور یہ نشہ آور ہوتا تھا۔

طلاء، باذق اور المُنَصَّف کی تعریفات

فقہاء احناف نے کہا: انگور کا وہ شیرہ جس کو طلاء کہا جاتا ہے جب پکا لیا جائے اور دو تہائی سے کم اڑ جائے تو اس کا پینا حرام ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ طلاء وہ ہے کہ جس کا ایک تہائی اڑ جائے، پس اگر اس کا نصف اڑ جائے تو اس کو المُنَصَّف کہتے ہیں اور اگر اس کو معمولی سا جوش دیا جائے تو وہ باذق ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک جب گاڑھا ہو اور جھاگ چھوڑ دے تو وہ حرام ہے۔ اور اسی طرح تازہ کھجوروں کا نبیذ جب وہ گاڑھا ہو اور جھاگ چھوڑ دے تو اس کو سَکَر کہتے ہیں اور وہ بھی حرام ہے۔ اور اسی طرح کشمش کا نبیذ جب گاڑھا ہو اور جھاگ چھوڑ دے تو وہ بھی حرام ہے، لیکن ان چیزوں کی حرمت الخمر کی حرمت سے کم ہے حتیٰ کہ جو ان مشروبات

کو حلال کہے اس کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا اور جو ان مشروبات کو پیئے تو جب تک اس کو نشہ نہ ہو، اس پر حد واجب نہیں ہوگی اور اس کی نجاست خفیفہ ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ اس کی نجاست غلیظہ ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی بیع جائز ہے اور اگر کوئی آدمی اس کو ضائع کر دے تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ اس کی بیع حرام نہیں ہے اور نہ وہ اس کو تلف کرنے سے اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

اور اس باب کے عنوان میں مذکور ہے: اور جس نے ہر نشہ آور مشروب سے منع کیا، یعنی جس نے مشروبات کی ہر قسم جو نشہ آور ہو اس کے پینے سے منع کیا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور اس میں وہ مشروبات داخل ہیں جو دانوں سے بنائے جاتے ہیں اور جو مختلف پتوں سے اور خشخاش سے بنائے جاتے ہیں، جب یہ مشروبات نشہ آور ہوں تو حرام ہیں۔

حدیث مذکور کی تعلیقات کی شرح

اس حدیث کی پہلی تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت عمر، حضرت ابوعبیدہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم نے طلاء کے پینے کو جائز قرار دیا: یعنی جس شیرہ کا ایک تہائی اڑ گیا ہو۔

یعنی حضرت عمر بن الخطاب، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کے نزدیک الطلاء کا پینا جائز ہے جب انگور کے شیرہ کو جوش دیا جائے تو اس کا ایک تہائی باقی رہ جائے اور دو تہائی کم ہو جائے، رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر، تو اس کی امام مالک نے الموطا میں از محمود بن لبید الانصاری روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب شام میں آئے تو اہل شام نے ان سے شکایت کی کہ اس سرزمین میں وبا ہے اور گرانی ہے، اور انہوں نے کہا: ہماری اصلاح صرف شراب سے ہوگی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم شہد پیو، تو انہوں نے کہا: شہد سے ہماری اصلاح نہیں ہوتی تو اس سرزمین کے ایک مرد نے کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے کہ میں آپ کے لیے ایسا مشروب بنا دوں جو نشہ آور نہ ہو، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! پھر انہوں نے انگور کے شیرہ کو پکایا حتیٰ کہ اس کا دو تہائی اڑ گیا یا کم ہو گیا اور ایک تہائی باقی رہ گیا اور وہ اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں اپنی انگلی کو داخل کیا، پھر اپنا ہاتھ اٹھایا، پھر دوبارہ اس میں انگلی ڈالی، پس فرمایا: یہ طلاء ہے جیسے اونٹوں کا طلاء ہوتا ہے، پھر ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ وہ اس کو پئیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ان کے لیے کوئی ایسی چیز حلال نہیں کروں گا جو ان پر حرام ہو۔

اور رہا حضرت ابوعبیدہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کا اثر، تو اس کی امام سعید بن منصور اور امام ابن ابی شیبہ نے از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ حضرت ابوعبیدہ اور حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہم طلاء کو پیتے تھے، یعنی جس شیرہ کو پکایا جائے تو اس کا ایک تہائی باقی رہ جائے اور دو تہائی کم ہو جائے۔

امام بخاری کی دوسری تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت البراء اور حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہما نے شیرہ کی نصف مقدار کو پیا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

یعنی حضرت البراء بن عازب اور حضرت ابوجحیفہ وہب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم نے شیرہ کی نصف مقدار کو پیا، یعنی جب انگور کے شیرہ کو جوش دیا گیا تو وہ نصف مقدار رہ گیا، حضرت البراء رضی اللہ عنہ کے اثر کی امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عدی بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ طلاء کو نصف مقدار پر پیتے تھے، اور حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کے اثر کی امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے، انہوں نے کہا

کہ میں نے ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ طلاء کو نصف مقدار پر پیتے تھے۔

امام بخاری کی تیسری تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں انگور کا شیرہ اس وقت تک پیتا ہوں جب تک وہ تازہ ہو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس تعلیق کی امام نسائی نے از ابی ثابت الثعلبی سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا، پس ایک مرد آیا اور وہ آپ سے انگور کے شیرہ کے متعلق سوال کر رہا تھا، تو آپ نے فرمایا: تم اس کو پیو جب تک وہ تر و تازہ ہو، اس نے کہا: میں نے انگور کے شیرہ کو پکایا ہے یعنی جوش دے کر پکایا ہے اور میرے دل میں اس کے متعلق تردد ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے پوچھا: کیا تم اس کو پکانے سے پہلے پیتے تھے؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: آگ کسی حرام چیز کو حلال نہیں کرتی۔

امام بخاری کی چوتھی تعلیق میں ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے عبید اللہ سے شراب کی بُو محسوس کی اور میں اس سے اس کے متعلق سوال کروں گا، پس اگر وہ مشروب نشہ آور تھا تو میں اس کو کوڑے ماروں گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا الخ۔ اور عبید اللہ، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، اس تعلیق کی امام مالک نے از زہری از سائب بن یزید سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لوگوں کے پاس آئے اور فرمایا: میں نے فلاں کے منہ سے شراب کی بو محسوس کی ہے، اس کا یہ زعم ہے کہ اس نے الطلاء کو پیا ہے اور میں اس سے سوال کروں گا کہ اس نے کیا چیز پی ہے، پس اگر وہ چیز نشہ آور ہے تو میں اس کو کوڑے ماروں گا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو پورے کوڑے مارے، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اور اس میں کچھ عبارت محذوف ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ سے سوال کیا، پس ان کو نشہ میں پایا تو ان کو کوڑے مارے اور امام سعید بن منصور نے اس حدیث کی از ابن عیینہ از زہری روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ سائب بن یزید نے سنا، وہ کہتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے، پس آپ نے فرمایا: مجھ سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ عبید اللہ بن عمر اور ان کے اصحاب نے شراب پی ہے اور میں اس سے متعلق ان سے تحقیق کروں گا، پس اگر وہ نشہ میں پائے گئے تو میں ان کو کوڑے ماروں گا۔ ابن عیینہ نے کہا: پس مجھے معمر نے خبر دی از زہری از سائب، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ ان کو کوڑے مار رہے تھے اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا صرف شراب کی بو پانے سے شراب کی حد لگانا جائز ہے؟ زیادہ صحیح یہ ہے کہ نہیں۔ اور نشہ کے مصداق میں بھی اختلاف کیا گیا ہے، پس ایک قول یہ ہے کہ جس کا کلامِ منظوم مختلط ہو جائے (یعنی وہ بے تکی باتیں کرے) اور اس کا چھپا ہوا ستر کھل جائے وہ نشہ میں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جو آسمان اور زمین میں امتیاز نہ کر سکے اور لمبائی اور چوڑائی میں امتیاز نہ کر سکے وہ نشہ میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۹-۲۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۹۸- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الْجُوَيْرِيَةِ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ الْبَاذَقِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از ابی

فَقَالَ سَبَقَ مُحَمَّدٌ ﷺ الْبَاذَقَ فَمَا أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ قَالَ الشَّرَابُ الْحَلَالُ الطَّيِّبُ قَالَ لَيْسَ بَعْدَ الْحَلَالِ الطَّيِّبِ إِلَّا الْحَرَامُ الْخَبِيثُ۔

(سنن نسائی: ۵۶۰۶)

الجویریہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے الباذق سے متعلق سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم باذق کا حکم بیان کرنے سے پہلے دنیا سے تشریف لے گئے، پس جو نشہ آور ہو وہ حرام ہے، ابوالجویریہ نے کہا کہ باذق تو حلال وطیب مشروب ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ حلال طیب کے بعد تو صرف حرام خبیث ہوتا ہے۔

صحیح البخاری: ۵۵۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ ثوری ہیں اور ابوالجویریہ کا ذکر ہے، ان کا نام حطان بن خفاف الجرمی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم باذق کا حکم بیان کرنے سے پہلے دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ نے یہ بتادیا کہ ہر وہ چیز جو نشہ آور ہو وہ حرام ہے۔

حرام مشروب کا نام بدلنے سے وہ حلال نہیں ہوتا

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خمر کی تحریم کو پہلے ہی بتا چکے ہیں، اس سے پہلے کہ لوگوں نے اس کا نام باذق رکھا اور وہ شہد کی شراب ہے، اور جب کوئی چیز نشہ آور ہو تو اس کا نام بدلنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ سمجھا کہ جو شخص ان سے سوال کر رہا ہے، وہ حرام مشروب کو نام بدل کر حلال کرنا چاہتا ہے، تو آپ نے اس کو منع کیا اور فرمایا: جو مشروب نشہ آور ہو، وہ حرام ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حلال طیب کے بعد صرف حرام خبیث رہ جاتا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ شبہات حرام کی جگہ واقع ہو جاتے ہیں اور وہ خبائث ہیں۔ صحیح بخاری کے تمام نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے اور قائل کی تعیین نہیں کی گئی اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۵۹۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی چیز اور شہد کو پسند فرماتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۳۱، صحیح مسلم: ۱۴۷۴، سنن ترمذی: ۱۸۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۳۲۳، سنن دارمی: ۲۰۷۵)

صحیح البخاری: ۵۵۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے الباذق، باذق اس مشروب کو کہتے ہیں جس کو معمولی سا جوش دیا جائے اور اس میں مٹھاس ہوتی ہے اور انگور کا کچا شیرہ جس کو رکھا نہ گیا ہو اور اس کا پینا جائز ہو تو وہ شہد کی مانند ہے، اور اس حدیث میں مٹھاس کا اور شہد کا ذکر ہے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہو گئی۔ اس حدیث کی شرح اس سے پہلے کتاب الاطعمہ میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۱- بَابُ: مَنْ رَأَى أَنْ لَا يَخْلِطَ الْبُسْرَ وَالتَّمْرَ إِذَا كَانَ مُسْكِرًا وَأَنْ لَا يَجْعَلَ إِدَامَيْنِ فِي إِدَامٍ

جن فقہاء کے نزدیک کچی اور پکی کھجوروں کو مختلط نہ کیا جائے جب کہ ان کا اختلاط نشہ آور ہو اور دو مختلف سالنوں کو ایک سالن میں نہ کیا جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس بیان میں ہے کہ کچی اور پکی کھجوروں کو نہ ملایا جائے، جب کہ ان مختلف کھجوروں کا ملانا نشہ آور ہو۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: اس عنوان میں جو لکھا ہے کہ جب ان کا اختلاط نشہ آور ہو، یہ غلط ہے، کیونکہ ان کھجوروں کو ملانے کی ممانعت عام ہے خواہ ان کی زیادہ مقدار نشہ آور نہ ہو، کیونکہ نشہ ان کی طرف تیزی سے سرایت کرتا ہے، اس حیثیت سے کہ پینے والے کو پتا نہیں چلتا اور دو قسم کی کھجوروں کو ملانے کی ممانعت اس لئے نہیں ہے کہ وہ اس حال میں نشہ آور ہوں، بلکہ اس لئے کہ وہ انجام کار نشہ آور ہوتی ہیں، لیکن جب کہ وہ اس حال میں نشہ آور ہوں تو ان کے ملانے کی ممانعت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

علامہ کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے: یہ خطا نہیں ہے، بلکہ اس میں مجاز مشہور کا اطلاق کیا گیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ امام بخاری پر یہ اعتراض لازم نہیں آتا یا اس لئے کہ وہ نشہ آور ہونے سے پہلے دو قسم کی کھجوروں کے ملانے کو جائز سمجھتے ہیں اور یا اس لئے کہ انہوں نے اس باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے تاکہ یہ عنوان اس باب کی پہلی حدیث کے مطابق ہو جائے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ اس وقت لوگوں کو جو شراب پلا رہے تھے، وہ شراب نشہ آور تھی۔ اسی لئے انہوں نے اس شراب کو تحریم خمر کے عموم میں داخل کر دیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے: ہم ان دنوں ان دو قسم کی کھجوروں کی نبیذ کو خمر شمار کرتے تھے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ ان دو قسم کی کھجوروں کو ملا کر جو نبیذ تیار کیا گیا تھا، وہ نشہ آور تھا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

جو فقہاء نشہ آور ہونے سے پہلے دو قسم کی کھجوروں کو ملا کر نبیذ بنانے کو جائز سمجھتے ہیں، وہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رضی اللہ عنہما

ہیں۔ان دونوں نے کہا کہ جن کھجوروں کے پانی کو الگ الگ جوش دیا جائے وہ حلال ہیں۔ تو اسی طرح جب دو قسم کی کھجوروں کو ملا کر ان کے پانی کو جوش دیا جائے تو وہ نبیذ بھی حلال ہوگا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابراہیم نخعی سے بھی اسی کی مثل منقول ہے۔

امام بخاری نے کہا کہ دو سالنوں کو ایک سالن میں نہ کیا جائے جیسے کھجوروں کو اور منقا کو ملا کر نبیذ نہ بنایا جائے، پس یہ دونوں ایک سالن کی مثل ہو جائیں گی، کیونکہ حدیث صحیح میں دو سالنوں کو ایک سالن میں کرنے سے منع فرمایا ہے، اس حدیث کی حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ کھجوروں اور کشمش کو جمع کر کے نبیذ بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ کشمش اور پکی کھجور اور کچی کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع کیا ہے۔ اور اس ممانعت کا سبب یہ ہے کہ جب دو قسم کی کھجوروں کو ملا کر پانی میں ڈال کر نبیذ بنائیں گے تو ان کا نشہ آور ہونا زیادہ متوقع ہے، یا تو اس لئے کہ کھجوروں کی زیادہ مقدار سے نشہ آور ہونا محقق ہو جائے گا، یا اس لئے کہ دو یا دو سے زائد قسم کی کھجوروں کو ملانا اسراف ہے اور حرص ہے اور اسراف کا جو سبب بیان کیا گیا ہے، وہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو کھجوروں کو ملا کر کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح دو سالنوں کو ایک سالن میں کرنا بھی اسراف ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

۵۶۰۰۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ إِنِّي لَأَسْقِي أَبَا طَلْحَةَ وَأَبَا دُجَانَةَ وَسُهَيْلَ بْنَ الْبَيْضَاءِ خَلِيطَ بُسْرٍ وَتَمْرٍ إِذْ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ فَقَذَفْتُهَا وَأَنَا سَاقِيهِمْ وَأَصْغَرُهُمْ وَإِنَّا نَعُدُّهَا يَوْمَئِذٍ الْخَمْرَ وَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ سَمِعَ أَنَسًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: میں حضرت ابوطلحہ اور حضرت ابودجانہ اور حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہم کو ایسا نبیذ پلا رہا تھا جو کچی اور پکی کھجوروں کو ملا کر پانی میں ڈالنے سے بنایا گیا تھا کہ اچانک خمر کو حرام قرار دیا گیا تو میں نے وہ نبیذ پھینک دیا اور میں ہی ان کو پلا رہا تھا اور میں ان سب سے عمر میں چھوٹا تھا، اور ہم اس نبیذ کو اس وقت خمر ہی سمجھتے تھے۔ اور عمرو بن الحارث راوی نے بیان کیا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۶۴، ۴۶۱۷، ۴۶۲۰، ۵۵۸۰، ۵۵۸۲، ۵۵۸۳، ۵۵۸۴، ۵۶۰۰، ۵۶۲۲، ۷۲۵۳، صحیح مسلم: ۱۹۸۰، سنن نسائی: ۵۵۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۶۷۳، مسند احمد: ۱۲۹۶۳، موطا امام مالک: ۱۵۹۹، سنن دارمی: ۲۰۸۹)

صحیح البخاری: ۵۵۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: "کچی کھجور اور پکی کھجور کو ملا کر نبیذ نہ بنایا جائے، جب کہ یہ ملانا نشہ آور ہو"۔ اور اس باب کی حدیث میں بھی مذکور ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کچی اور پکی کھجور کو ملا کر پانی میں ڈال کر نبیذ بنایا اور وہ نبیذ صحابہ کو پلا رہے تھے، پھر جب

ان کو خمر کی تحریم کی خبر پہنچی تو انہوں نے اس نبیذ کو پھینک دیا اور چھوڑ دیا، اس وجہ سے بعض فقہاء نے یہ سمجھا کہ کچی اور پکی کھجور کو ملا کر پانی میں ڈال کر نبیذ نہ بنایا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۰۰ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دو مختلف کھجوروں کو پانی میں ڈال کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے، اس ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ دو مختلف کھجوروں کو پانی میں ڈال کر نبیذ بنائیں گے تو تیزی کے ساتھ نشہ پیدا ہوگا۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: اس لئے کہ ان میں سے ایک قسم سے میٹھا نبیذ نہیں بنتا حتیٰ کہ دوسری قسم کی کھجور جب اس میں مل جاتی ہے تو وہ تیزی سے میٹھا نبیذ بن جاتا ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ دو قسم کی کھجوروں کو ملا کر نبیذ بنانے کی ممانعت واجب ہے یا مستحب ہے، قاضی عبد الوہاب وغیرہ نے کہا ہے کہ جس نے دو کھجوروں کو مخلوط کیا، اس نے برا کام کیا، اور اگر دو کھجوروں کو بنانے سے شدت پیدا نہیں ہوئی تو اس نبیذ کا پینا جائز ہے۔

دو قسم کی مخلوط کھجوروں کے نبیذ کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

امام شافعی سے سوال کیا کہ ایک مرد نے دو مخلوط کھجوروں کا نبیذ پیا جو نشہ آور تھا، تو امام شافعی نے کہا: یہ ایسا ہے جیسے اس نے مردہ خنزیر کھایا ہو تو وہ دو وجہوں سے حرام ہے، خنزیر بھی حرام ہے اور مردار بھی حرام ہے، اسی طرح دو چیزوں کو مخلوط کرنا بھی حرام ہے اور نشہ بھی حرام ہے۔

اور جمہور علماء ان احادیث سے اس کے قائل ہیں کہ دو قسم کے مشروبات کو ملا کر پینا جائز ہے، جب کہ ہر قسم کا مشروب ایک قسم کی کھجور سے بنایا گیا ہو۔ حضرت انس، حضرت ابو مسعود انصاری، حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے عطاء اور طاؤس اور ائمہ میں سے امام مالک، لیث، امام شافعی، امام احمد اور ابو ثور اس کے قائل ہیں۔

لیث بن سعد نے کہا کہ اگر کشمش کے نبیذ کو اور کھجور کے نبیذ کو ملا کر پیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، حدیث میں صرف اس بات کی ممانعت ہے کہ کشمش اور کھجور کو ملا کر پانی میں ڈال کر نبیذ بنایا جائے۔

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف نے کہا: دو چیزوں کو مخلوط کر کے نبیذ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور جب ایک قسم کی کھجور کو جوش دے کر نبیذ بنانا جائز ہے تو اس کے ساتھ دوسری قسم کی کھجور کو ملا کر نبیذ بنایا جائے تب بھی جائز ہے، اور انہوں نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابراہیم نخعی کا بھی یہی قول ہے۔

امام طحاوی نے کہا کہ دو چیزوں کو مخلوط کرنے کی ممانعت اسراف کی وجہ سے ہے، کیونکہ اس زمانہ میں مسلمانوں پر تنگی تھی جیسا کہ جبلہ بن سحیم کی روایت ہے کہ ہمیں قحط پہنچا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ہم کو دیکھا اور ہم کھجوریں کھا رہے تھے، تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کھجوروں کو ملا کر نہ کھاؤ، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کو ملا کر کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۴۵۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر چند آدمی کھجوریں کھا رہے ہوں اور ایک آدمی دوسروں سے اجازت لے کر ملا کر کھائے تو

پھر جائز ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اسی طرح دو قسم کی کھجوروں کو ملا کر نبیذ بنانا جائز ہے، کیونکہ جب الگ الگ کھجوروں کا نبیذ بنانا جائز ہے تو ان کو ملا کر نبیذ بنانا بھی جائز ہوگا۔

دوسروں نے کہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف معروف ہے، جس کی امام طحاوی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حکایت کی ہے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تمام لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی اتباع کرنے والے تھے، سو وہ آپ کی مخالفت کرنے والے نہ تھے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ کھجوروں کا نبیذ بناتے، پھر دیکھتے کہ اگر بعض ان میں سے کچی کھجوریں ہوتیں اور بعض تازہ کھجوریں ہوتیں تو ان کو الگ الگ کر دیتے اور ملا کر نبیذ نہیں بناتے تھے، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کا ارتکاب نہ ہو جائے۔

اور فقہاءِ احناف نے جو کہا ہے کہ جب الگ الگ کھجوروں کا نبیذ بنانا جائز ہے تو ان کو ملا کر نبیذ بنانا بھی جائز ہونا چاہیے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ سنت کی مخالفت میں کسی کی رائے کا دخل نہیں ہے، اور فقہاءِ احناف سے کہا جائے گا کہ جب ایک عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس (کے فوت ہونے کے بعد) اس کی بہن سے بھی نکاح کرنا جائز ہے تو پھر ان کو جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے، پس اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کو حرام کر دیا ہے تو اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کی کھجوروں کو ملا کر نبیذ بنانے کو بھی حرام کر دیا ہے۔

ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے لیے اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کشمش کا نبیذ بنایا جاتا، پھر اس میں کھجور ڈال دی جاتی یا کھجور کا نبیذ بنایا جاتا اور اس میں کشمش ڈال دی جاتی، تو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دو چیزوں کو مخلوط کر کے نبیذ بنانا جائز ہے۔

ابن حزم ظاہری نے اس حدیث کو مسترد کر دیا ہے کہ اس حدیث کی سند میں بنو اسد کی ایک عورت کا ذکر ہے جو مجہول ہے، نیز اس حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ از ابو بحر از عتاب بن عبد العزیز الحمانی از صفیہ بنت عطیہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کھجور اور کشمش کے نبیذ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ میں ایک مٹھی بھر کر کھجوریں لیتی اور ایک مٹھی بھر کر کشمش لیتی اور اس کا نبیذ بناتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پلاتی۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۰۸)

ابن حزم ظاہری نے کہا: اس حدیث سے استدلال بھی مردود ہے، کیونکہ یہ ابو بحر سے روایت ہے اور اس کا پتا نہیں یہ کون ہے؟ اور ابو بحر نے عتاب سے روایت کی ہے اور وہ بھی مجہول ہے اور انہوں نے صفیہ سے روایت کی ہے وہ بھی مجہول ہے۔

(المحلی ج ۷ ص ۵۱۰) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۱۶۱۔ ۱۶۴ ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ ابو بحر کے متعلق مجہول کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ ایک جماعت نے ان سے روایت کی ہے ان میں سے الفلاس ہیں اور ابوبکر بن ابی شیبہ ہیں اور امام احمد نے کہا: لوگوں نے ان کی حدیث کو ترک کر دیا اور یحییٰ بن معین اور امام نسائی نے کہا: وہ ضعیف الحدیث ہیں۔ حافظ ابو عمر نے الاستیعاب میں لکھا ہے کہ وہ ثقہ بصری ہیں اور ان کی حدیث کی حاکم نے روایت کی ہے، پس جس راوی کا یہ حال ہو، اس کے متعلق جہالت کا حکم لگانا کس طرح صحیح ہوگا اور عتاب کے اوپر جہالت کا حکم لگانا بھی صحیح نہیں

ہے، کیونکہ ان سے ایک جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے، ان میں یزید بن ہارون اور امام احمد بن سعید الدارمی ہیں۔ اور امام ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے، اور اثرم نے ناسخ اور منسوخ میں اپنی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیطین کی اجازت دی ہے، اثرم نے کہا: یہ حدیث احادیث قویہ کے خلاف ہے، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیطین (یعنی دو کھجوروں کو مخلوط کرنا) سے منع فرمایا ہے۔

یہ تمام تفصیل علامہ ابن الملقن نے التوضیح ج ۲۷ ص ۱۶۴۔۱۶۵ میں ذکر کی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۶۰۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرًا رضى الله عنه يَقُولُ نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنِ الزَّبِيبِ وَالتَّمْرِ وَالْبُسْرِ وَالرُّطَبِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی از ابن جریج، انہوں نے کہا: مجھے عطاء نے خبر دی، انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کشمش اور کھجور سے اور کچی کھجور اور تازہ کھجور کو (ملا کر نبیذ بنانے) سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۸۶، سنن ترمذی: ۱۸۷۶، سنن نسائی: ۵۵۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۷۰۳، سنن ابن ماجہ: ۳۳۹۵، مسند احمد: ۱۴۷۸۷)

صحیح البخاری: ۵۶۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''کچی کھجور اور پکی کھجور کو ملا کر نبیذ نہ بنایا جائے'' اور اس حدیث میں کشمش اور کھجور اور کچی کھجور اور تازہ کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابقت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو عاصم کا ذکر ہے، یہ النبیل الضحاک بن خالد البصری ہیں، یہ عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج سے روایت کرتے ہیں، اور وہ عطاء بن ابی رباح سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''کشمش سے الخ'': اور اس میں صراحۃً اختلاط کی ممانعت نہیں ہے اور امام مسلم کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ تازہ کھجور اور پکی کھجور کے درمیان جمع نہ کرو، اور کشمش اور کھجور کے درمیان جمع نہ کرو اور ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ دو کھجوروں کو مخلوط کر کے نبیذ بنانے سے اس نبیذ میں سرعت کے ساتھ تیزی پیدا ہوتی ہے۔

آیا تخلیط کو ترک کرنا واجب ہے یا مستحب ہے، اس میں فقہاء کا اختلاف

اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا اختلاط کو ترک کرنا واجب ہے یا مستحب؟ تو قاضی عبد الوہاب نے کہا: اس نے تخلیط کر کے برا

کام کیا، پس اگر اس تخلیط سے نبیذ میں تیزی پیدا نہ ہو تو اس کے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ مریض کے لیے دو مشروبوں کو مختلط کرنا مکروہ ہے، اور دوسروں نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور امام شافعی سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد نے دو کھجوروں کو مختلط کر کے نبیذ بنایا جو نشہ آور تھا، تو امام شافعی نے فرمایا: یہ ایسا ہے جیسے کسی آدمی نے مردہ خنزیر کھایا ہو، سو وہ دو جہتوں سے حرام ہے، ایک اس جہت سے حرام ہے کہ خنزیر حرام ہے اور دوسرا اس جہت سے حرام ہے کہ مردار حرام ہے، اسی طرح یہ نبیذ جو تخلیط کر کے بنایا گیا تو تخلیط بھی منع ہے اور اس کا نشہ آور ہونا بھی منع ہے، سو یہ بھی دو جہت سے حرام ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس باب میں فقہاء کے متعدد حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابوموسیٰ انصاری، حضرت انس، حضرت جابر اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ تخلیط (یعنی دو مختلف قسم کی کھجوروں کو ملا کر نبیذ بنانا) حرام ہے، اور تابعین میں سے عطاء بن ابی رباح اور طاؤس کا بھی یہی موقف ہے اور مجتہدین میں سے امام مالک بن انس، امام محمد بن ادریس الشافعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق راہویہ اور ابوثور کا بھی یہی موقف ہے۔

(۲) جمہور علماء نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث میں ممانعت تنزیہہ پر محمول ہے اور دو مختلف کھجوروں کو ملا کر نبیذ بنانا حرام نہیں ہے جب تک کہ وہ نشہ آور نہ ہو اور ہمارے شیخ زین الدین نے کہا ہے کہ علامہ نووی نے بیان کیا ہے کہ یہ ہمارا مذہب ہے۔

(۳) اللیث نے کہا ہے کہ کشمش کے نبیذ کو اور کھجور کے نبیذ کو مخلوط کر دیا جائے اور پھر ان دونوں نبیذوں کو پیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ممانعت اس سے کی گئی ہے کہ ان دو مختلف کھجوروں کو ملا کر نبیذ بنایا جائے، کیونکہ اس سے نبیذ میں تیزی پیدا ہوتی ہے۔

(۴) امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ دو مختلف کھجوروں کو ملا کر نبیذ بنانے میں کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں ہے۔ امام ابویوسف سے بھی ایک یہی روایت منقول ہے۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ جمہور نے اس قول کا انکار کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے: یہ صاحب شرع کے حکم کو پھینک دینا ہے، کیونکہ احادیث صحیحہ صریحہ میں تخلیط سے ممانعت ہے، پس اگر یہ حرام نہیں ہوگا تو کم از کم مکروہ ضرور ہے۔

تخلیط کے جواز پر امام ابوحنیفہ کی طرف سے احادیث اور آثار

علامہ عینی علامہ نووی کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ بہت بڑے امام کے خلاف مذموم جرأت ہے، اور امام ابوحنیفہ نے یہ قول اپنی رائے سے نہیں کہا، امام ابوحنیفہ کے اس قول کی بنیاد ان احادیث پر ہے جن کو ہم ذکر کر رہے ہیں۔

امام ابوداؤد نے از عبداللہ الحربی از مسعر از موسیٰ بن عبداللہ از بنو اسد کی ایک عورت از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کشمش کا نبیذ بنایا جاتا، پھر اس میں کھجور ڈال دی جاتی یا کھجور کا نبیذ بنایا جاتا، پھر اس میں کشمش ڈال دی جاتی۔

زیاد الحسانی نے از ابوبحر از عتاب بن عبدالعزیز از صفیہ بنت عطیہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں عبدالقیس کی چند عورتوں کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی تو ہم نے کھجور اور کشمش کے نبیذ کے متعلق سوال کیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ میں ایک مٹھی میں کھجوریں بھرتی اور ایک مٹھی میں کشمش بھرتی، پھر اس کو میں پانی کے برتن میں ڈال دیتی، پھر وہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پلاتی۔

اور امام محمد بن الحسن نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے کہ ہمیں امام ابوحنیفہ نے خبر دی از ابی اسحاق وسلیمان الشیبانی از ابن

زیاد، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس روزہ افطار کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ابن زیاد کو ایک مشروب پلایا، گویا اس مشروب نے ان کو پکڑ لیا، پھر جب صبح ہوئی تو وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گئے اور ان سے کہا: یہ کیسا مشروب تھا، اس کو پینے کے بعد تو میں اپنے گھر کی طرف نہیں پہنچ پا رہا تھا۔ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم نے تمہیں عجوہ اور کشمش کے نبیذ کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں پلائی۔

سو یہ تین آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ دو مختلف چیزوں کو ملا کر نبیذ بنانا جائز ہے۔

تخلیط کے جواز کی احادیث پر ابن حزم ظاہری کے اعتراضات

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ پہلی حدیث جو امام ابوداؤد کی روایت ہے، اس کے متعلق ابن حزم ظاہری نے یہ کہا ہے۔ اس کی سند میں ایک عورت کا نام نہیں لیا گیا یعنی وہ مجہول ہے، اور دوسری حدیث کی سند میں ابو بحر ہے اور یہ پتا نہیں چلا کہ وہ کون ہے، اور اس کی عتاب سے روایت ہے اور وہ بھی مجہول ہے اور ان کی صفیہ سے روایت ہے اور ان کا بھی پتا نہیں چلا کہ وہ کون ہیں؟

ابن حزم ظاہری کے اعتراضات کے علامہ عینی کی طرف سے جوابات

علامہ عینی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

یہ تین احادیث ایسی ہیں کہ ان میں سے بعض دوسری بعض کی تقویت کرتی ہیں، علاوہ ازیں امام ابن عدی نے کہا ہے کہ ابو بحر مشہور و معروف ہیں اور ان کی احادیث شعبہ وغیرہ سے اور بصریین سے غرائب ہیں، اور وہ ان راویوں میں سے ہے جن کی حدیث لکھی جاتی ہے، اور کتاب الساجی میں مذکور ہے کہ یحییٰ بن سعید نے کہا: ابو بحر بہت سچا صاحب حدیث ہے، اور ابوعمر اور احمد بن صالح العجلی نے کہا: وہ ثقہ بصری ہے۔ اور کتاب الصریفیین میں امام ابن حبان نے ان کا کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور ان کی حدیث کی اپنی صحیح میں تخریج کی ہے۔ اور اسی طرح حاکم نے بھی ان کی احادیث کی روایت کی ہے اور عتاب بن عبدالعزیز سے یزید بن ہارون اور احمد بن سعید دارمی نے احادیث کی روایت کی ہے اور دوسروں نے بھی روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے ان کا کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۳۔ ۲۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۰۲۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُجْمَعَ بَيْنَ التَّمْرِ وَالزَّهْوِ وَالتَّمْرِ وَالزَّبِيبِ وَلْيُنْبَذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى حِدَةٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن ابی کثیر نے خبر دی از عبداللہ بن ابی قتادہ از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے پکی کھجور اور کچی سرخی مائل کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے اور پکی ہوئی کھجور اور کشمش کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ نبیذ بنایا جائے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۸۸، سنن نسائی: ۵۵۵۱، سنن ابوداؤد: ۳۷۰۴، سنن ابن ماجہ: ۳۳۹۷، مسند احمد: ۲۲۱۴۰، سنن دارمی: ۲۱۱۳)

صحیح البخاری: ۵۶۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے دو جز ہیں، پہلا جز ہے" کچی کھجور اور پکی کھجور کو ملا کر نبیذ نہ بنایا جائے" اور دوسرا جز ہے" دو سالنوں کو ایک سالن میں نہ کیا جائے" اور یہ حدیث اس دوسرے جز کے مطابق ہے، کیونکہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ دو مختلف سالنوں کو جمع نہ کیا جائے، امام بخاری نے اس کی طرف اپنے عنوان میں اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے کہ دو سالنوں کو ایک سالن نہ کیا جائے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں "الزهو" کا ذکر ہے: اس کا معنی ہے پکی اور رنگدار کھجور۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ" ہر ایک کا الگ الگ نبیذ بنایا جائے" اور صحیح مسلم میں اس طرح ہے کہ سرخی مائل کھجور اور تازہ کھجور کو جمع کر کے نبیذ نہ بناؤ۔ اور کشمش اور پکی ہوئی کھجور کو ملا کر نبیذ نہ بناؤ اور ان میں سے ہر ایک کا الگ الگ نبیذ بناؤ۔

دو سالنوں کو جمع کرنے کی کراہت کا تنزیہی ہونا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو سالنوں کو جمع کرنا مکروہ ہے، لیکن یہ مکروہ تنزیہی ہے مکروہ تحریمی نہیں ہے۔ اور ممانعت کی توجیہ میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے تنگ حالات تھے، تو اس سے منع کیا کہ دو سالنوں کو ایک سالن بنایا جائے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں اسراف ہے، اور علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے سالن کی تخلیط سے منع فرمایا ہو، یہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، انہوں نے اسراف کی وجہ سے منع کیا ہے، کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک سالن بنایا جائے اور دوسرے سالن کو دوسری مرتبہ کے لیے رکھ دیا جائے بجائے اس کے کہ دو سالنوں کو ایک سالن بنا دیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۴۔۲۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

"ادام" کے معنی کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں ادام کا ذکر کیا ہے اور ادام کا معنی سالن ہے یعنی دو مختلف سالنوں کو ایک سالن نہ بنایا جائے، لیکن حدیث میں سالن کا ذکر نہیں ہے، حدیث میں پکی کھجور اور سرخی مائل کھجور کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے، اور پکی کھجور اور کشمش کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس حدیث کی شرح میں علامہ عینی نے لکھا ہے کہ اسی کی طرف امام بخاری نے عنوان کے دوسرے جز میں اشارہ کیا ہے کہ دو ادام کو ایک ادام نہ کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کے عنوان میں اور علامہ عینی کی شرح میں ادام کا معنی سالن نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے موافق اور ملائم چیز، اور لغت میں ادام کے دونوں معنی لکھے ہیں، ایک معنی موافق اور ملائم چیز ہے اور دوسرا معنی سالن ہے، اگرچہ صحیح بخاری کے مترجمین نے یہاں پر ادام کا معنی سالن ہی کیا ہے لیکن اس حدیث میں ادام کو سالن پر محمول کرنا مشکل ہے، اسی لیے بہتر یہ ہے کہ یہاں ادام سے موافق اور ملائم چیز کا معنی مراد لیا جائے۔ (سعیدی غفرلہ)

۱۲۔ بَابُ: شُرْبِ اللَّبَنِ

دودھ پینے کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ﴿٦٦﴾ (النحل)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم تمہیں اس چیز سے پلاتے ہیں جوان کے پیٹوں میں گوبر اور خون کے درمیان ہے اور وہ خالص دودھ ہے جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں دودھ کے پینے کا بیان ہے، امام بخاری نے یہ عنوان ان لوگوں کا رد کرنے کے لیے قائم کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ زیادہ دودھ پینا نشہ پیدا کرتا ہے، اور یہ بالکل لغو بات ہے، علامہ المھلب مالکی نے کہا: کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ثابت ہے کہ دودھ پینا حلال ہے اور جس نے یہ کہا کہ کثیر مقدار میں دودھ پینا نشہ پیدا کرتا ہے، اس کا قول لغو ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ﴿٦٦﴾ (النحل)

ہم تمہیں اس چیز سے پلاتے ہیں جوان کے پیٹوں میں گوبر اور خون کے درمیان ہے اور وہ خالص دودھ ہے جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے O

علامہ ابن بطال اور دیگر علماء نے کہا ہے کہ یہ آیت تمام جانوروں کے دودھ پینے کے حلال ہونے کے متعلق صریح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت پر اپنا احسان جتایا ہے، اور اس آیت میں فرث کا ذکر ہے، فرث وہ چیز ہے جو اوجھڑی میں جمع ہوتی ہے، جب وہ چیز اپنی جگہ سے نکلے تو اس کو فرث کہتے ہیں اور نکلنے کے بعد اس کو سرجین اور زبل کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ جب جانور چارہ کھاتا ہے، تو وہ اس کی اوجھڑی کے اندر ٹھہر جاتا ہے، اس کے نیچے گوبر ہوتا ہے اور اس کے اوپر دودھ ہوتا ہے اور دودھ کے اوپر خون ہوتا ہے اور جگر اس پر مسلط ہوتا ہے۔ وہ خون کو تقسیم کرتا ہے اور اس کو رگوں میں جاری کرتا ہے اور دودھ کو تھنوں میں جاری کرتا ہے اور صرف گوبر اوجھڑی میں رہ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''خالصة''، یعنی وہ دودھ خون کی سرخی اور گوبر کی نجاست سے خالص ہوتی ہے۔ اور فرمایا: ''سائغاً'' یعنی وہ دودھ لذیز ہوتا ہے اور آسانی سے گلے کے نیچے اتر جاتا ہے اور پینے والا تنگ نہیں ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۵۔ ۲۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۰۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ أُتِيَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ وَقَدَحِ خَمْرٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری از سعید بن المسیب از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج ایک دودھ کا پیالہ دیا گیا اور ایک خمر کا پیالہ دیا گیا۔

(صحیح البخاری: ۳۳۹۴، ۳۴۳۷، ۴۷۰۹، ۵۵۷۶، ۵۶۰۳، صحیح مسلم: ۱۶۸، سنن ترمذی: ۳۱۳۰، سنن نسائی: ۵۶۵۷، مسند احمد: ۷۸۰۶، ۲، سنن دارمی: ۲۰۸۸)

صحیح البخاری: ۵۶۰۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کے عنوان میں دودھ پینے کا ذکر ہے، اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شب معراج دودھ کا پیالہ اور خمر کا پیالہ دیا گیا تو آپ نے دودھ کا پیالہ اختیار کر لیا''۔ اور دودھ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر بہت بڑی نعمت ہے، پس اگر تم یہ سوال کرو کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس رات دودھ اور خمر کے پیالے پیش کئے گئے جب کہ دودھ حلال ہے اور خمر حرام ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خمر جنت کی تھی اور جنت کی خمر حرام نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس وقت تک خمر حرام نہیں کی گئی تھی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدان کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عثمان المروزی کا لقب ہے اور ان کا ذکر بار بار آیا ہے، اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یونس کا ذکر ہے، یہ ابن یزید الایلی ہیں اور الزہری کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۰۴۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ سَمِعَ سُفْيَانَ أَخْبَرَنَا سَالِمٌ أَبُو النَّضْرِ أَنَّهُ سَمِعَ عُمَيْرًا مَوْلَى أُمِّ الْفَضْلِ يُحَدِّثُ عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ قَالَتْ شَكَّ النَّاسُ فِي صِيَامِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ عَرَفَةَ فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ بِإِنَاءٍ فِيهِ لَبَنٌ فَشَرِبَ فَكَانَ سُفْيَانُ رُبَّمَا قَالَ شَكَّ النَّاسُ فِي صِيَامِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ عَرَفَةَ فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ أُمُّ الْفَضْلِ فَإِذَا وُقِفَ عَلَيْهِ قَالَ هُوَ عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے سفیان سے سنا، انہوں نے کہا: ہمیں سالم ابو النضر نے خبر دی، انہوں نے عمیر سے سنا جو ام الفضل کے آزاد شدہ غلام تھے، وہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ لوگوں کو عرفہ کے دن شک تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روزہ ہے یا نہیں ہے، تو میں نے آپ کی طرف ایک برتن بھیجا جس میں دودھ تھا، آپ نے اس کو پی لیا، پس سفیان بسا اوقات یہ کہتے تھے کہ لوگوں کو عرفہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روزہ میں شک تھا، تو حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے آپ کی طرف (دودھ) بھیجا، پس جب سفیان سے اس حدیث کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یہ حدیث حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۶۵۸، ۱۶۶۱، ۱۹۸۸، ۵۶۰۴، ۵۶۱۸، ۵۶۳۶، صحیح مسلم: ۱۱۲۳، سنن ابوداؤد: ۲۴۴۱، مسند احمد: ۲۶۳۴۱، موطا امام مالک: ۸۴۱)

صحیح البخاری: ۵۶۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں دودھ پینے کا ذکر ہے، اور اس حدیث میں بھی یہ ذکر ہے کہ آپ نے عرفہ کے دن دودھ پیا، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابقت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حُمیدی کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن زبیر ہیں اور ان کے اجداد میں سے ایک حُمید ہیں، یہ ان کی طرف نسبت ہے، اور ان کا ذکر بھی صحیح بخاری میں متعدد بار آیا ہے اور سفیان، ابن عیینہ ہیں، اور ابوالنضر میں نون پر زبر ہے اور ضاد ساکن ہے اور عُمیر تصغیر کا صیغہ ہے، یہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت ام الفضل کے آزاد شدہ غلام تھے اور یہ حدیث کتاب الحج اور کتاب الصوم میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: "فاذا وقف علیہ" اس کا معنی یہ ہے کہ بسا اوقات سفیان اس حدیث کو مُرسلاً روایت کرتے ہیں، اور اسناد کے دوران از ام الفضل نہیں کہتے تھے، اور جب ان سے پوچھا جاتا کہ یہ حدیث موصول ہے یا مرسل ہے، تو وہ کہتے: یہ حضرت ام الفضل سے مروی ہے، اور یہ موصول کی قوت میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۰۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ وَأَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ جَاءَ أَبُو حُمَيْدٍ بِقَدَحٍ مِنْ لَبَنٍ مِنَ النَّقِيعِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَلَا خَمَّرْتَهُ وَلَوْ أَنْ تَعْرُضَ عَلَيْهِ عُودًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی صالح وابی سفیان از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو حُمید دودھ کا ایک پیالہ مقام نقیع سے لے کر آئے، تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس دودھ کو ڈھک کیوں نہیں دیا، کاش تم اس کے عرض کے اوپر ایک لکڑی رکھ دیتے۔

(صحیح البخاری: ۵۶۰۶، صحیح مسلم: ۲۰۱۰، مسند احمد: ۱۳۷۲۳، سنن دارمی: ۲۱۳۱)

صحیح البخاری: ۵۶۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "دودھ کو پینا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو حُمید سے کہا کہ تم نے اس دودھ

کو کیوں نہیں ڈھکا؟ کاش تم اس کو لکڑی سے ڈھک دیتے! اس طرح یہ حدیث باب کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، یہ ابن عبدالحمید ہیں، اور اس میں مذکور ہے اعمش، یہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوصالح، یہ ذکوان ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوسفیان، یہ طلحہ بن نافع القرشی ہیں۔

''النقیع'' کا محل وقوع

اس حدیث میں ''النقیع'' کا ذکر ہے، یہ وادی العقیق میں ایک جگہ ہے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ لفظ البقیع ہے، لیکن یہ غلط ہے، کیونکہ البقیع مدینہ منورہ کا قبرستان ہے، علامہ قرطبی نے کہا ہے: اکثر علماء نے کہا ہے کہ یہ لفظ النقیع ہے اور یہ وادی عقیق کی ایک جانب میں ہے اور مدینہ منورہ سے بیس (۲۰) فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''خمرته'' یعنی تم نے اس کو ڈھانپا کیوں نہیں، اور اسی سے خمار کا لفظ ماخوذ ہے جو عورت کے دوپٹے کو کہتے ہیں، کیونکہ وہ بھی عورت کے بالوں کو چھپالیتا ہے۔

دودھ کو ڈھانپنے کے حکم کی توجیہ

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ جب کسی برتن کو ڈھانپ دیا جائے تو شیطان اس کو نہیں کھولتا، اور اس برتن میں جو کھانے پینے کی چیزیں ہوں، وہ شیطان سے محفوظ رہتی ہیں۔ اسی طرح آسمان سے زمین کی طرف جو وبائیں نازل ہوتی ہیں، ان سے بھی محفوظ رہتی ہیں، اور نجاست سے بھی محفوظ رہتی ہیں، اور حشرات الارض وغیرہ کے وقوع سے محفوظ رہتی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۰۶۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ يَذْكُرُ أُرَاهُ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ أَبُو حُمَيْدٍ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ مِنَ النَّقِيعِ بِإِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَلَا خَمَّرْتَهُ وَلَوْ أَنْ تَعْرُضَ عَلَيْهِ عُودًا وَحَدَّثَنِي أَبُو سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِهَذَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابوصالح سے سنا، وہ ذکر کر رہے تھے کہ مجھے یہ گمان کرایا گیا ہے کہ انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوحمید آئے جو انصار کے ایک مرد تھے، وہ النقیع سے ایک برتن میں دودھ لے کر نبی ﷺ کے پاس آئے، تو نبی ﷺ نے فرمایا: تم نے اس کو ڈھانپا کیوں نہیں؟ اور اگر تم اس کے عرض میں ایک لکڑی رکھ دیتے۔

اور مجھے ابوسفیان نے حدیث بیان کی از جابر از نبی ﷺ یہی حدیث۔

(صحیح البخاری: ۵۶۰۶، صحیح مسلم: ۲۰۱۰، مسند احمد: ۱۳۲۲۷، سنن دارمی: ۲۱۳۱)

اس حدیث کی شرح بھی حدیث سابق کی شرح کی مثل ہے۔

۵۶۰۷۔ حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رضی الله عنه قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ مَكَّةَ وَأَبُو بَكْرٍ مَعَهُ قَالَ أَبُو بَكْرٍ مَرَرْنَا بِرَاعٍ وَقَدْ عَطِشَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رضی الله عنه فَحَلَبْتُ كُثْبَةً مِنْ لَبَنٍ فِي قَدَحٍ فَشَرِبَ حَتَّى رَضِيتُ وَأَتَانَا سُرَاقَةُ بْنُ جُعْشُمٍ عَلَى فَرَسٍ فَدَعَا عَلَيْهِ فَطَلَبَ إِلَيْهِ سُرَاقَةُ أَنْ لَا يَدْعُوَ عَلَيْهِ وَأَنْ يَرْجِعَ فَفَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں النضر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از ابی اسحاق، انہوں نے کہا: کہ میں نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے کہا: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے آئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم ایک چرواہے کے پاس سے گزرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیاس لگی ہوئی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے تھوڑا سا دودھ ایک پیالہ میں نکالا، سو آپ نے پیا حتیٰ کہ میں راضی ہو گیا اور ہمارے پاس سراقہ بن جعشم ایک گھوڑے پر سوار ہو کر آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف دعائے ضرر کی، پھر سراقہ نے یہ مطالبہ کیا کہ آپ اس کے خلاف دعا نہ کریں اور وہ واپس لوٹ جائے گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کر لیا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۳۹، ۳۶۱۵، ۳۶۵۲، ۳۹۰۸، ۳۹۱۷، ۵۶۰۷، صحیح مسلم: ۲۰۰۹، مسند احمد: ۳)

صحیح البخاری: ۵۶۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں دودھ پینے کا ذکر ہے، اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھوڑا سا دودھ نکال کر پیالہ میں دیا اور آپ نے اس کو پیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں محمود کا ذکر ہے، وہ ابن غیلان ہیں، اور النضر کا ذکر ہے، وہ ابن شمیل ہیں اور ابو اسحاق کا ذکر ہے، وہ عمرو سبیعی ہیں، اور حضرت البراء کا ذکر ہے، وہ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما ہیں۔

یہ حدیث اس باب میں گزر چکی ہے "باب هجرة النبی ﷺ واصحابه الی المدینة" اور وہاں اس حدیث کی مفصل شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فحلبت" یعنی میں نے بکری سے دودھ نکالا۔

اس حدیث میں دودھ نکالنے کی نسبت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف مجازاً کی ہے، اور اس سے پہلے حدیث میں مذکور تھا کہ میں نے چرواہے کو حکم دیا تو اس نے دودھ نکال کر دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''کثبة'' اس کا معنی ہے: دودھ کا ایک حصہ یا کھجور کا ایک حصہ۔ الخلیل نے کہا ہے کہ جو چیز تھوڑی سی ہو، اس کو کثبہ کہتے ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے: ''آپ نے دودھ پیا حتیٰ کہ میں راضی ہو گیا'' یعنی حتیٰ کہ میں نے جان لیا کہ آپ نے اپنی ضرورت کے مطابق دودھ پی لیا ہے۔

اس سوال کا جواب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غیر سے دودھ کس طرح پی لیا؟

اس سوال کے چند جوابات ہیں:

(۱) وہ چرواہا حربی تھا اور حربی کے مال کی کوئی امان نہیں ہے۔

(۲) یا وہ چرواہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست تھا یا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دوست تھا، اور وہ پسند کرتا تھا کہ آپ اس کی بکریوں سے دودھ پییں۔

(۳) یا اس زمانہ کے لوگوں کا یہ عرف تھا کہ وہ اتنی مقدار دودھ ضرورت مندوں اور پیاسوں کو پلا دیتے تھے۔

(۴) بکریوں کے مالک نے چرواہے کو اجازت دی تھی کہ وہ اتنی مقدار دودھ ضرورت مندوں کو اور پیاسوں کو پلا دیا کرے۔

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ حالت، حالتِ اضطرار تھی اور حالتِ اضطرار میں دوسروں کی چیز کو لے کر کھانا جائز ہوتا ہے۔

اس حدیث میں سراقہ بن جعشم کا ذکر ہے، سُراقہ میں سین پر پیش ہے اور جُعشم میں جیم پر پیش ہے اور عین ساکن ہے۔ یہ آخر میں اسلام لے آئے تھے اور انہوں نے اسلام میں نیک کام کیے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر دعائے ضرر کی'' یعنی آپ نے اس کے خلاف دعائے ضرر کا ارادہ کیا تو سُراقہ نے کہا: کہ آپ میرے خلاف دعائے ضرر نہ کریں، میں واپس چلا جاتا ہوں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف دعا ترک کر دی، اور یہ حدیث کتاب المناقب میں پوری تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

صحیح البخاری: ۵۶۰۷ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اللہ عزوجل کی نشانیاں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنا ہے، پس سراقہ بن مالک اس وقت اسلام نہیں لائے ہوئے تھے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ تشریف لے جا رہے تھے، اور قریش نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر لائے گا اور حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو تو اس کو سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے، پس سراقہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیا، پس اس نے اپنا گھوڑا آپ کے پیچھے دوڑایا، حتیٰ کہ اس جگہ پہنچا جہاں اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی اور اچانک اس کے گھوڑے کے قدم زمین میں دھنسنے لگے حالانکہ وہ زمین بہت سخت تھی، لیکن اس سخت زمین میں اس کے گھوڑے کے پیر دھنس رہے تھے، وہ گھوڑے کو جھڑک رہا تھا لیکن اس گھوڑے کو زمین سے نکالنے

پر قادر نہ ہو سکا، تب اس نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی مدد کر دی ہے، پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امان کی ندا کی اور آپ سے کہا کہ عنقریب وہ لوگوں کو آپ کی طرف سے واپس کر دے گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا کی اور اس کا گھوڑا کھڑا ہو گیا اور سراقہ وہاں سے چلا گیا، اور جو بھی سراقہ کو ملتا تو وہ اس سے کہتا کہ تمہاری یہ اتنی مشقت کافی ہے اب یہاں سے لوٹ جاؤ، اور یہ اللہ عزوجل کی نشانی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے ضرر سے ڈرتے تھے اور ان کا یہ ایمان تھا کہ آپ کی دعا مقبول ہوتی ہے، اسی لیے سراقہ نے یہ مطالبہ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خلاف دعائے ضرر نہ کریں۔

نیز اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ جب کسی بکری کے اردگرد کوئی آدمی نہ ہو تو اس بکری کا دودھ نکال کر پینا جائز ہے لیکن وہ صرف دودھ کو پیئے اس کو ذخیرہ نہ کرے۔ (یہ اس صورت میں ہے جب اضطرار کی حالت ہو یا یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے، عام لوگوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر اضطرار کے کسی کی بکری کا دودھ نکال کر پی لیں۔ سعیدی غفرلہٗ)

نیز اس حدیث سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفرِ ہجرت کے اندر ان کو اپنے ساتھ رکھا اور ان کو اپنی خدمت کا موقع فراہم کیا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۲۱۔ ۳۲۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ عظیم فضیلت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا چاہتا ہے اور آپ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رضا چاہتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۶۰۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ نِعْمَ الصَّدَقَةُ اللِّقْحَةُ الصَّفِيُّ مِنْحَةً وَالشَّاةُ الصَّفِيُّ مِنْحَةً تَغْدُو بِإِنَاءٍ وَتَرُوحُ بِآخَرَ۔ (صحیح البخاری: ۲۶۲۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے خبر دی از عبدالرحمن از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ اونٹنی ہے جو چند دنوں کے لیے کسی کو بہ طور عطیہ دی گئی ہو، اور بہترین صدقہ وہ بکری ہے جو چند دنوں کے لیے کسی کو بہ طور عطیہ دی گئی ہو، جس سے صبح کو برتن میں دودھ نکالا جائے اور شام کو برتن میں دودھ نکالا جائے۔

صحیح البخاری: ۵۶۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''اللقحة'' کا ذکر ہے، اس لفظ میں لام کے نیچے زیر ہے اور قاف ساکن ہے، علامہ کرمانی نے کہا ہے: دودھ دینے والی اونٹنی کو ''اللقحة'' کہتے ہیں۔ اور بعض شارحین نے کہا ہے: جس اونٹنی کے بچہ دینے کا زمانہ قریب ہو جائے، اس کو ''اللقحة'' کہتے ہیں۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ پہلا معنی زیادہ اولیٰ اور زیادہ ظاہر ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "الصفی" اس کا معنی ہے پسندیدہ یا جو زیادہ دودھ دینے والی ہو۔ اور یہ فعیل کے وزن پر ہے اور مفعول کے معنی میں ہے، اس میں مذکر اور مونث دونوں برابر ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "منحة" یعنی عطیہ۔ جو اونٹنی تم کسی دوسرے شخص کو دو تاکہ وہ اس سے دودھ نکال کر پیئے، پھر چند دنوں کے بعد تم کو واپس کر دے، اس کو منحة کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تغدو" اور یہ دن کا ابتدائی وقت ہے، اور اس حدیث میں مذکور ہے "تروح" یہ دن کا آخری وقت ہے، اور اس میں یہ کنایہ ہے کہ اس بکری اور اونٹنی کا دودھ بہت زیادہ ہوتا تھا جو صبح کو بھی نکالا جاتا تھا اور شام کو بھی نکالا جاتا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۸-۲۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۰۹- حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ وَقَالَ إِنَّ لَهُ دَسَمًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی از الاوزاعی از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبد اللہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا، پس آپ نے کلی کی اور فرمایا کہ اس دودھ میں چکنائی ہوتی ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۱۱، ۵۶۰۹، صحیح مسلم: ۳۵۸، سنن ترمذی: ۸۹، سنن نسائی: ۱۸۷، سنن ابوداؤد: ۱۹۶، سنن ابن ماجہ: ۴۹۸، مسند احمد: ۱۹۵۲)

صحیح البخاری: ۵۶۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں ابو عاصم کا ذکر ہے، اور وہ النبیل الضحاک بن مخلد ہیں۔ اور اوزاعی کا ذکر ہے، وہ عبد الرحمٰن بن عمرو ہیں، اور عبید اللہ بن عبد اللہ کا ذکر ہے، وہ ابن عتبہ ہیں۔ یہ حدیث کتاب الوضو میں اس باب میں گزر چکی ہے "باب هل يمضمض من اللبن؟" اور اس حدیث کی شرح وہاں کی جا چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پینے کے بعد کلی کرنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ دودھ میں چکنائی ہوتی ہے، سو آپ نے چکنائی سے بچنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ بہت ساری بیماریوں کا سبب چکنائی سے پرہیز نہ کرنا ہے، چکنائی کی وجہ سے خون میں کولیسٹرول بڑھ جاتا ہے، اور خون کی شریانیں تنگ ہو جاتی ہیں اور ان شریانوں میں سے خون کا گزرنا مشکل ہو جاتا ہے جس سے ہائی بلڈ پریشر ہو جاتا ہے اور متعدد دل کے امراض ہو جاتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۶۱۰- وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم رُفِعْتُ إِلَى السِّدْرَةِ فَإِذَا أَرْبَعَةُ أَنْهَارٍ نَهَرَانِ ظَاهِرَانِ وَنَهَرَانِ بَاطِنَانِ فَأَمَّا الظَّاهِرَانِ النِّيلُ

اور ابراہیم بن طہمان نے کہا از شعبہ از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے سدرہ کی طرف بلند کیا گیا، وہاں چار دریا تھے، دو دریا ظاہر تھے اور دو دریا باطن تھے، جو دریا ظاہر تھے وہ نیل اور فرات ہیں

وَالْفُرَاتُ وَأَمَّا الْبَاطِنَانِ فَنَهَرَانِ فِي الْجَنَّةِ فَأُتِيتُ بِثَلَاثَةِ أَقْدَاحٍ قَدَحٌ فِيهِ لَبَنٌ وَقَدَحٌ فِيهِ عَسَلٌ وَقَدَحٌ فِيهِ خَمْرٌ فَأَخَذْتُ الَّذِي فِيهِ اللَّبَنُ فَشَرِبْتُ فَقِيلَ لِي أَصَبْتَ الْفِطْرَةَ أَنْتَ وَأُمَّتُكَ قَالَ هِشَامٌ وَسَعِيدٌ وَهَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْأَنْهَارِ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرُوا ثَلَاثَةَ أَقْدَاحٍ۔ (مسند احمد: ۱۷۸۳۷)

اور جو دریا باطن تھے وہ جنت کے دو دریا ہیں، پھر میرے پاس تین پیالے لائے گئے، ایک پیالہ میں دودھ تھا، ایک پیالہ میں شہد تھا اور ایک پیالہ میں خمر تھی، تو میں نے اس پیالہ کو لے لیا جس میں دودھ تھا، سو (میں نے) اس دودھ کو پیا، تو مجھ سے کہا گیا: آپ نے اور آپ کی امت نے فطرت کو پالیا۔
ہشام اور سعید اور ہمام نے کہا از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ از حضرت مالک بن صعصعہ از نبی ﷺ، اس روایت میں اسی طرح انہار کا لفظ ہے، اور اس روایت میں تین پیالوں کا ذکر نہیں ہے۔

صحیح البخاری: ۵۶۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ''ابراہیم بن طہمان'' (طاء پر زبر اور ھاء ساکن) یہ الہروی ابو سعید ہیں، یہ نیشاپور میں رہتے تھے، پھر مکہ میں رہائش اختیار کر لی اور ایک سو ساٹھ ہجری (۱۶۰ھ) میں ان کی وفات ہوگئی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''سدرۃ'' کا ذکر ہے، اس کو سدرۃ المنتہیٰ کہا جاتا ہے، کیونکہ اس پر ملائکہ کے علم کی انتہا ہو جاتی ہے۔
اس حدیث میں ''نیل'' کا ذکر ہے، یہ مصر کا دریا ہے اور ''فرات'' کا ذکر ہے، علامہ کرمانی نے کہا: یہ بغداد کا دریا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: اس طرح نہیں ہے بلکہ ''فرات'' کوفہ کا دریا ہے۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''دو جنت کے دریا ہیں'' کہا گیا ہے کہ یہ دو دریا سلسبیل اور کوثر ہیں اور یہی دو باطنی دریا ہیں۔
اس حدیث میں مذکور ہے: ''میرے پاس تین پیالے لائے گئے'' اور اس سے پہلے حدیث میں گزرا ہے کہ دو پیالے لائے گئے تھے، لیکن ان میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ عدد کا مفہوم معتبر نہیں ہوتا جب کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کے بلند کیے جانے سے پہلے دو پیالے لائے گئے ہوں اور سدرۃ المنتہیٰ کے بلند کیے جانے کے بعد تین پیالے لائے گئے ہوں۔
اس حدیث میں مذکور ہے: ''آپ نے فطرت کو پالیا'' یعنی اسلام کی علامت کو اور استقامت کو پالیا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۹۔۲۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۱۰ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نیل اور فرات کے جنت کے دریاؤں میں سے ہونے کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نیل اور فرات دو ظاہری دریا ہیں، اور آپ نے ان کو سدرہ کے پاس دیکھا، یعنی اصل میں یہ دو دریا سدرہ کے پاس تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین کی طرف نکال کر جاری کر دیا اور اس سے نہ شرع میں ممانعت ہے اور نہ عقل میں ممانعت ہے۔

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ یہ باب تشبیہ سے ہے، یعنی نیل اور فرات اپنی صفائی میں اور اپنی منفعت میں جنت کے دریاؤں کی طرح ہیں، انہوں نے کہا کہ اس حدیث کو حقیقت پر محمول کرنے سے مانع یہ ہے کہ ان دونوں دریاؤں کا منبع معلوم اور معروف ہے، اور جب کہ ان دونوں کا منبع معلوم اور معروف ہے تو متعین ہو گیا کہ حدیث میں جو آپ نے فرمایا ہے کہ آپ نے سدرہ کے پاس ان دو دریاؤں کو دیکھا، تو اس میں تشبیہ ہے یعنی نیل اور فرات جنت کے دریاؤں کے مشابہ تھے۔

سو جس نے واقع اور حس کی طرف نظر کی، اس نے کہا: واجب ہے کہ یہ دو دریا جنت کے دریاؤں میں سے ہوں اپنی صفائی میں اپنی مٹھاس میں اور اپنی منفعت میں، اور جس نے ظاہر حدیث کی طرف نظر کی تو اس نے کہا: یہ حقیقتاً جنت کے دریاؤں میں سے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب نیل اور فرات جنت کے دریاؤں میں سے ہیں، تو پھر دنیا میں یہ دریا دنیا کے دریاؤں کی صفت پر کیسے ہو گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ان دریاؤں کی طبیعت میں ایسی چیز پیدا کر دے جو زمین کی طبیعت کے موافق ہو۔ بہر حال یہاں پر گنجائش ہے، اگر ہم چاہیں تو کہیں کہ نیل اور فرات جنت کے دریاؤں کے مشابہ ہیں اور اگر ہم چاہیں تو یہ کہیں کہ یہ حقیقتاً جنت کے دریاؤں میں سے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کو زمین کی مناسبت کی صفت پر بنا دیا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۲۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۴۔ بَابُ: اسْتِعْذَابِ الْمَاءِ — میٹھا پانی طلب کرنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ میٹھے پانی کو طلب کرنا جائز ہے۔

۵۶۱۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَكْثَرَ أَنْصَارِيٍّ بِالْمَدِينَةِ مَالًا مِنْ نَخْلٍ وَكَانَ أَحَبُّ مَالِهِ إِلَيْهِ بَيْرُحَاءَ وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيهَا طَيِّبٍ قَالَ أَنَسٌ فَلَمَّا نَزَلَتْ ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (آل عمران: ۹۲) قَامَ أَبُو طَلْحَةَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ اللهَ يَقُولُ ﴿لَنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از اسحاق بن عبداللہ، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انصار مدینہ میں سے سب سے زیادہ کھجوروں کے باغات کے مالک تھے اور ان کا پسندیدہ مال بیرحاء کا باغ تھا اور وہ باغ مسجد کے سامنے تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں داخل ہوتے اور اس کا عمدہ پانی پیتے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پس جب یہ آیت نازل ہوئی: تم ہرگز نیکی

تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ وَإِنَّ أَحَبَّ مَالِي إِلَيَّ بَيْرُحَاءَ وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ أَرْجُو بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللهِ فَضَعْهَا يَا رَسُولَ اللهِ حَيْثُ أَرَاكَ اللهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بَخٍ ذَلِكَ مَالٌ رَابِحٌ أَوْ رَايِحٌ شَكَّ عَبْدُ اللهِ وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِينَ فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ أَفْعَلُ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَسَمَهَا أَبُو طَلْحَةَ فِي أَقَارِبِهِ وَفِي بَنِي عَمِّهِ وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ وَيَحْيَى بْنُ يَحْيَى رَايِحٌ۔

نہیں حاصل کر سکو گے حتیٰ کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو۔ تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، پس انہوں نے کہا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکو گے حتیٰ کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو۔ اور میرے نزدیک سب سے پسندیدہ مال وہ ہے جو بیرحاء ہے اور یہ باغ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے، میں اس کی نیکی اور اس کے اللہ کے پاس ذخیرہ ہونے کی امید رکھتا ہوں، سو یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس کو جہاں چاہیں خرچ کر دیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑو یہ نفع والا مال ہے، یا فرمایا: یہ نفع والا ہے، اس میں عبداللہ کو شک ہے کہ آپ نے کیا فرمایا تھا، اور میں نے سن لیا جو تم نے کہا ہے اور میری رائے یہ ہے، تم یہ باغ اپنے قرابت داروں کو دے دو، تو ابوطلحہ نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایسا کرتا ہوں، پھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے وہ باغ اپنے قرابت داروں میں اور اپنے چچا کے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔
اسماعیل اور یحییٰ بن یحییٰ کی روایت میں رایح (نفع والا) کا لفظ ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۶۱، ۲۳۱۸، ۲۷۵۲، ۲۷۵۸، ۲۷۶۹، ۴۵۵۴، ۴۵۵۵، ۵۶۱۱، صحیح مسلم: ۹۹۸، مسند احمد: ۱۲۰۳۰، موطا امام مالک: ۱۸۷۵، سنن دارمی: ۱۶۵۵)

صحیح البخاری: ۵۶۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''میٹھے پانی کو طلب کرنا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں داخل ہوتے تھے اور اس کا عمدہ پانی پیتے تھے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میٹھے پانی کو طلب کرتے تھے، اور علامہ واقدی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابورافع کی بیوی سلمٰی روایت کرتی ہیں کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس ٹھہرے تو آپ مالک بن نضر کے کنوئیں سے میٹھا پانی طلب کرتے تھے، اور مالک بن نضر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ نے کہا ہے: میٹھے پانی کو طلب کرنا زُہد کے منافی نہیں ہے اور نہ یہ اس تکبر میں داخل ہے جو مذموم ہے، اس کے برخلاف پانی میں مُشک وغیرہ کی خوشبو ڈالنا یہ وہ چیز ہے جس کو امام مالک نے مکروہ کہا ہے، کیونکہ اس میں

اسراف ہے لیکن میٹھا پانی پینا اور اس کو طلب کرنا مباح ہے اور صالحین امت نے اس طرح کیا ہے، اور کھارا پانی پینے میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس حدیث میں مذکور ہے "بخ" یہ وہ کلمہ ہے جو مدح کے وقت کہا جاتا ہے اور کسی چیز پر راضی ہونے کے وقت کہا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۴۔ بَابُ: شَوْبِ اللَّبَنِ بِالْمَاءِ دودھ میں پانی ملا کر پینے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دودھ میں پانی ملا کر پینا جائز ہے، امام بخاری نے پینے کی قید لگائی ہے تاکہ اس سے احتراز ہو کہ دودھ میں پانی ملا کر فروخت کرنا جائز ہے، ایک قول یہ ہے کہ امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ خلیطین کی جو ممانعت کی گئی تھی، یعنی دو قسم کی کھجوروں کو ملا کر پانی میں ڈال کر نبیذ بنانے کی جو ممانعت کی گئی تھی، وہ ممانعت دودھ میں پانی ملانے کے اندر نہیں ہے، کیونکہ عرب لوگ دودھ پیتے وقت اس میں پانی ملا لیتے تھے، کیونکہ جب دودھ کو بکری سے تازہ نکالا جائے تو وہ گرم ہوتا ہے اور وہ شہر گرم تھے تو وہ دودھ کی گرمی کو ٹھنڈے پانی سے توڑتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۱۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضی الله عنه أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللهِ ﷺ شَرِبَ لَبَنًا وَأَتَى دَارَهُ فَحَلَبْتُ شَاةً فَشُبْتُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ مِنَ الْبِئْرِ فَتَنَاوَلَ الْقَدَحَ فَشَرِبَ وَعَنْ يَسَارِهِ أَبُو بَكْرٍ وَعَنْ يَمِينِهِ أَعْرَابِيٌّ فَأَعْطَى الْأَعْرَابِيَّ فَضْلَهُ ثُمَّ قَالَ الْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے خبر دی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا اور آپ اپنے گھر آئے، پس میں نے بکری کا دودھ نکالا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس دودھ میں کنوئیں سے پانی نکال کر ملایا۔ پس آپ نے پیالہ لے کر وہ دودھ پیا اور آپ کی بائیں طرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے اور دائیں طرف ایک اعرابی تھا، تو آپ نے اپنا بچا ہوا دودھ اعرابی کو دے دیا، پھر آپ نے فرمایا: دائیں جانب سے ابتداء کرو، پس دائیں جانب سے ابتداء کرو۔

(صحیح مسلم: ۲۰۲۹، سنن ترمذی: ۱۸۹۳، سنن ابوداؤد: ۳۷۲۶، سنن ابن ماجہ: ۳۴۲۵، مسند احمد: ۱۱۷۱۱، موطا امام مالک: ۱۷۲۳، سنن دارمی: ۲۱۱۶)

صحیح البخاری: ۵۶۱۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدان کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عثمان المروزی کا لقب ہے اور اس کا ذکر کئی بار آچکا ہے، اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المبارک المروزی ہیں، اور یونس کا ذکر ہے، یہ ابن یزید الایلی ہیں۔ اور الزہری کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اتی دارہ" یعنی آپ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر آئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فشبت" یہ لفظ شوب سے ماخوذ ہے اور متکلم کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہے: "میں نے دودھ میں کنوئیں کا پانی ملایا"۔

اس حدیث میں مذکور ہے: "آپ نے اپنا بچا ہوا دودھ اعرابی کو دے دیا"۔ ایک قول ہے کہ وہ اعرابی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت خالد ایسے صحابی کے لیے اعرابی نہیں کہا جاتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الایمن" یعنی دائیں طرف والے کو مقدم کیا جائے گا، کیونکہ دائیں جانب والے کو بائیں جانب والے پر فضیلت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اشخاص کی رعایت کی بجائے اصول کی رعایت کرنا

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اصول کو ہر حال میں مقدم رکھا جائے گا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں افضل تھے اور ان کے افضل ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بچا ہوا دودھ ان کو عطا فرماتے، لیکن چونکہ وہ بائیں جانب بیٹھے ہوئے تھے اور دائیں جانب ایک اعرابی تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بچا ہوا دودھ اعرابی کو عطا فرما دیا، اور یہ ظاہر فرمایا کہ یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مؤخر کر دیا جائے، لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ اصول کو مؤخر کیا جائے، کیونکہ اصول یہ ہے کہ دائیں جانب سے ابتداء کی جاتی ہے۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ رہنمائی کی ہے کہ شخصی رعایت نہ کی جائے بلکہ اصول کی رعایت کی جائے۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۶۱۲ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مسائل اور فوائد

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ دودھ میں پانی ملانا جائز ہے، جب کہ گھر کی ضروریات کے لیے دودھ میں پانی ملایا جائے، رہا بازار میں دودھ فروخت کرنے والا، اس کے لیے دودھ میں پانی ملانا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ملاوٹ ہے اور دھوکہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ملاوٹ کی اور دھوکہ دیا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۴۵۲، سنن ابن ماجہ: ۲۲۲۴)

نیز اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ پینے والا جب کوئی چیز پی لے تو وہ دائیں جانب سے دینے کی ابتداء

کرے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو اپنا بچا ہوا دودھ عطا کیا، کیونکہ وہ آپ کی دائیں جانب تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہیں عطا کیا، کیونکہ وہ آپ کی بائیں جانب تھے۔

نیز اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ انسان کو چاہیے کہ جب وہ کوئی مشروع کام کرے اور اس کو خطرہ ہو کہ اس کام کے کرنے سے کسی کے دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہوگا، تو وہ اس کو مطمئن کرے اور اس کی وجہ بیان کرے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دائیں جانب، پھر دائیں جانب، تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس عظیم صحابی کو کیوں چھوڑ دیا جو آپ پر سب سے پہلے ایمان لائے تھے اور اس اعرابی کو آپ نے عطا کیا، تو کہا جائے گا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعرابی کو عطا کیا تو اس کی وجہ بھی بیان کر دی، اور اسی طرح ہر کام میں انسان کو چاہیے کہ عذر بیان کر دے اور لوگوں کو اس حال میں نہ چھوڑے کے ان کے دل میں شکوک وشبہات پیدا ہو رہے ہوں اور شیطان لوگوں کے دل میں وسوسے ڈال رہا ہو۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۲۵، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۶۱۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم دَخَلَ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَمَعَهُ صَاحِبٌ لَهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنْ كَانَ عِنْدَكَ مَاءٌ بَاتَ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ فِي شَنَّةٍ وَإِلَّا كَرَعْنَا قَالَ وَالرَّجُلُ يُحَوِّلُ الْمَاءَ فِي حَائِطِهِ قَالَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللهِ عِنْدِي مَاءٌ بَائِتٌ فَانْطَلِقْ إِلَى الْعَرِيشِ قَالَ فَانْطَلَقَ بِهِمَا فَسَكَبَ فِي قَدَحٍ ثُمَّ حَلَبَ عَلَيْهِ مِنْ دَاجِنٍ لَهُ قَالَ فَشَرِبَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ شَرِبَ الرَّجُلُ الَّذِي جَاءَ مَعَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عامر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فُلیح بن سلیمان نے حدیث بیان کی از سعید بن الحارث از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک مرد کے پاس تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابی بھی تھے، تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہارے پاس رات کا رکھا ہوا پانی اس مشک میں ہے (تو ہمیں پلاؤ) ورنہ ہم اس مشک سے منہ لگا کر پانی پی لیں گے، اور وہ انصاری مرد اپنے باغ میں پانی دے رہے تھے، تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پاس رات کا رکھا ہوا پانی ہے، آپ چھپر میں تشریف لے چلیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ جو صحابی تھے، ان دونوں کو چھپر میں لے گیا اور ایک پیالے میں پانی ڈالا، پھر اس نے اپنی بکری کا دودھ نکال کر اس پانی پر ڈالا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا، پھر اس صحابی نے پانی پیا جو آپ کے ساتھ آئے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۶۲۱، سنن ابوداؤد: ۳۷۲۴، سنن ابن ماجہ: ۳۴۳۲، مسند احمد: ۱۴۱۱۰، سنن دارمی: ۲۱۲۳)

صحیح البخاری: ۵۶۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن محمد الجعفی کا ذکر ہے، یہ المسندی کے نام سے معروف ہیں، اور اس حدیث کی سند میں ابو عامر کا ذکر ہے، یہ عبدالملک بن عمرو العقدی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" آپ انصار کے ایک مرد کے پاس گئے"۔ کہا گیا ہے کہ ان کا نام ابوالہیثم بن التیہان الانصاری ہے۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ" آپ کے ساتھ آپ کے ایک صحابی تھے"، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے صحابی تھے اور وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" ورنہ ہم مشک سے منہ لگا کر پی لیں گے" اصل عبارت اس طرح ہے کہ اگر تمہارے پاس کوئی برتن ہے تو اس برتن میں ہم کو پانی پلاؤ، ورنہ ہم مشک سے منہ لگا کر پانی پی لیں گے، اور مشک سے منہ لگا کر پانی پینے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس سے انسان کو بار بار گھونٹ لینے سے مشقت ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" وہ انصاری مرد اپنے باغ میں پانی دے رہا تھا"، یعنی باغ کی ایک جگہ سے دوسری جگہ پانی کو منتقل کر رہا تھا، تا کہ تمام درختوں کو پانی پلا دیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" عریش"، اس سے مراد وہ جگہ ہے جو سائے کے لیے بنائی گئی ہو، جیسے باغ میں چھپر بنایا جاتا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ خیمہ تھا۔ اس حدیث میں مذکور ہے" من داجن" یہ وہ بکری ہے جو گھروں میں رہتی ہو۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: پھر اس مرد نے پیا جو آپ کے ساتھ آیا تھا، اور امام احمد کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیالے سے دودھ میں ملا ہوا پانی پیا اور اپنے صحابی کو پلایا۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انصاری سے رات کا ٹھنڈا پانی طلب کیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ ٹھنڈے پانی کو گرمیوں کے دنوں میں طلب کرنا جائز ہے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ٹھنڈا پانی اللہ تعالیٰ کی بہت عظیم نعمت ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے قیامت کے دن بندے سے جس چیز کا حساب لیا جائے گا، وہ یہ ہے کہ کہا جائے گا: کیا میں نے تمہارا جسم صحت مند نہیں بنایا تھا اور کیا میں نے تم کو ٹھنڈا پانی سیر ہو کر نہیں پلایا تھا؟

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دودھ میں پانی ملانا دودھ پیتے وقت جائز ہے، اور دودھ فروخت کرتے وقت جائز نہیں ہے۔

(۴) اس انصاری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیالے میں دودھ میں ملا ہوا پانی پیش کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ دریافت نہیں فرمایا کہ تم

نے یہ دودھ کہاں سے حاصل کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی آدمی کو کوئی کھانے پینے کی چیز پیش کی جائے تو یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اس سے سوال کرے کہ تم نے یہ کھانا کہاں سے حاصل کیا، سوا اس صورت کے کہ جو کھانا پیش کر رہا ہو، اس کا اکثر مال حرام ہو، تو ایسے آدمی کا طعام کھانا نہیں چاہیے، چہ جائیکہ اس سے سوال کیا جائے کہ یہ طعام کہاں سے حاصل کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸۳ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۵۔ بَابُ: شَرَابِ الْحَلْوَاءِ وَالْعَسَلِ

میٹھے مشروب اور شہد کا بیان

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: لَا يَحِلُّ شُرْبُ بَوْلِ النَّاسِ لِشِدَّةٍ تَنْزِلُ، لِأَنَّهُ رِجْسٌ، قَالَ اللهُ تَعَالَىٰ: ﴿أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ﴾ (المائدہ: ۴)

اور زہری نے کہا کہ کسی انسان کو بہت شدید ضرورت ہو، پھر بھی لوگوں کا شراب پینا جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ ناپاک ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فِي السَّكَرِ: إِنَّ اللهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَكُمْ فِيْمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نشہ آور چیزوں کے متعلق فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفاء ان چیزوں میں نہیں رکھی جن کو اس نے تم پر حرام کر دیا ہے۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۷۰۹۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۵ ص ۷۵، شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۰۸، المعجم الکبیر للطبرانی: ۹۷۱۶)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس قسم کا حلواء آج کل معروف ہے، عرب میں اس قسم کا حلواء معروف نہیں تھا، پس متعین ہو گیا کہ مقصود یہ ہے کہ حلواء سے مراد یہاں پر میٹھا پانی ہے، جس کا پینا ممکن ہو جیسے کھجور کا نبیذ ہو یا انگور کا نبیذ ہو، اور اسی طرح شہد۔ اگر تم یہ سوال کرو کہ الحلواء کا لفظ شہد کو بھی شامل ہے، پھر شہد کو خصوصیت سے بعد میں ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے: یہ خاص کا عطف عام پر ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے:

فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ۝ (الرحمٰن) ان جنتوں میں پھل اور کھجوریں اور انار ہیں ۝

اس آیت میں بھی پھل کے بعد کھجوروں اور انار کا ذکر فرمایا ہے، حالانکہ کھجور اور انار بھی پھل ہیں۔ سو یہ خاص کا عطف عام پر ہے۔ اسی طرح امام بخاری کے عنوان میں بھی الحلواء کے بعد العسل کا ذکر ہے، جب کہ الحلواء، العسل کو شامل ہے۔

باب میں مذکور پہلی تعلیق کی شرح

امام بخاری پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ انہوں نے عنوان میں تو میٹھے مشروب اور شہد کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد الزہری کی تعلیق ذکر کی ہے کہ سخت شدید ضرورت میں بھی لوگوں کا پیشاب پینا جائز نہیں ہے، اور الحلواء اور شہد کے بعد پیشاب کے ذکر میں تضاد ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کا زہری کے قول کو وارد کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ (المائدہ: ۴) تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔

اور حلواء یعنی کھجور کا نبیذ اور شہد یہ وہ چیزیں ہیں جن کے اوپر طیبات کا اطلاق آتا ہے، اس لیے پہلے انہوں نے زہری کا قول ذکر کیا اور یہ بتایا کہ پیشاب کا پینا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے اور یہ طیبات میں سے نہیں ہے۔ اور الزہری کی تعلیق کی امام عبدالرزاق نے از معمر اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

زُہری نے کہا ہے: سخت ضرورت میں بھی پیشاب کا پینا جائز نہیں ہے، اس میں جمہور کا اختلاف ہے، پھر زہری نے کہا کہ پیشاب نجس ہے، یعنی غیر طاہر ہے اور مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت بھی نجس ہے، اس کے باوجود اضطرار کی صورت میں ان کو کھانا جائز ہے، اسی لیے جمہور نے کہا کہ اضطرار کی صورت میں پیشاب کا پینا بھی جائز ہے۔ اور فقہاء شافعیہ نے کہا ہے کہ پیشاب اور دیگر نجاسات کو بہ طور دوا کے پینا جائز ہے، سوائے خمر اور نشہ آور مشروبات کے۔ امام مالک نے کہا کہ نشہ آور مشروبات کو نہ پیئے، اس لیے کہ ان کے پینے سے بھوک اور پیاس اور بڑھے گی، اور امام ابوحنیفہ نے اس کی اجازت دی ہے کہ اتنی مقدار میں اضطرار کے وقت نشہ آور مشروب کو پینا جائز ہے جس سے رمقِ حیات برقرار رہے۔

باب میں مذکور دوسری تعلیق کی شرح

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نشہ آور مشروب کے متعلق کہا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفاء ان چیزوں میں نہیں رکھی، جن چیزوں کو اس نے تم پر حرام کر دیا ہے۔

امام بخاری نے زُہری کا اثر وارد کیا تھا، اس پر جو اعتراض ہوتا تھا، وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر کو وارد کرنے پر بھی ہوتا ہے اور اس کا بھی وہی جواب ہے جو زُہری کے اثر کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شہد کے متعلق فرمایا ہے:

يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ۔ (النحل: ٦٩) ان کے پیٹوں سے رنگ برنگ کا مشروب نکلتا ہے، اس مشروب (شہد) میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔

سو یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی ضد میں شفاء نہیں رکھی۔ رہا یہ سوال کہ باقی محرمات میں سے نشہ آور مشروبات کا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے خصوصیت کے ساتھ کیوں ذکر کیا ہے؟ یعنی کسی حرام چیز میں شفاء نہیں ہے، تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے خصوصیت کے ساتھ نشہ آور مشروبات کے متعلق کیوں فرمایا کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے شفاء نہیں رکھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے خصوصیت کے ساتھ نشہ آور مشروبات کے متعلق سوال کیا گیا تھا، تو انہوں نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفاء ان چیزوں میں نہیں رکھی، جن چیزوں کو اس نے تم پر حرام کر دیا ہے۔ اور اس کی زیادہ وضاحت اس اثر سے ہوتی ہے:

از سفیان بن عیینہ از منصور از ابووائل روایت ہے کہ ہم میں سے ایک مرد نے جس کا نام خثیم بن العدا تھا، اپنے پیٹ کی بیماری کی شکایت کی، جس کو صفراء کہا جاتا تھا، تو اسے بتایا گیا کہ تم کوئی نشہ آور چیز پیو، تو اس نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا اور ان سے اس کے متعلق سوال کیا، تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جن چیزوں کو اللہ نے تم پر حرام کر دیا ہے، اس میں تمہاری شفاء نہیں رکھی، اور اس حدیث کی امام ابن ابی شیبہ نے از جریر از منصور روایت کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے اور امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔ یہ وجہ ہے کہ اس اثر میں نشہ آور مشروب کی تعیین کی گئی ہے۔

اور''السکر'' میں سین اور کاف پر زبر ہے اور اس سے مراد الخمر ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد کھجور کا گاڑھا نبیذ ہے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ سکر سے مراد نشہ آور مشروب ہے اور صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ کھجور کا گاڑھا نبیذ سکر ہے، اور انگور کا گاڑھا مشروب جب اس کو جوش آجائے تو وہ بھی سکر ہے، اور یہ دونوں مشروب حرام ہیں۔اور اس سے پہلے صاحب ہدایہ نے دو اور مشروبات کا ذکر کیا ہے اور وہ الخمر اور الطلاء ہیں۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۸۳۔۳۸۴، دارالکتب العلمیہ ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۱۴۔حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْجِبُهُ الْحَلْوَاءُ وَالْعَسَلُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ہشام نے خبر دی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کو الحلواء (میٹھی چیز) اور شہد پسند تھا۔

(صحیح البخاری: ۵۴۳۱، صحیح مسلم: ۱۴۷۴، سنن ترمذی: ۱۸۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۳۲۳، سنن دارمی: 2075)

صحیح البخاری: ۵۶۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبداللہ کا ذکر ہے اور وہ ابن المدینی ہیں، اور ابواسامہ کا ذکر ہے، وہ حماد بن اسامہ ہیں جو از ہشام بن عروہ روایت کرتے ہیں۔اور وہ اپنے والد عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔یہ حدیث کتاب الاطعمہ میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح وہاں کی جا چکی ہے۔

۱۶۔بَابٌ: الشُّرْبِ قَائِمًا — کھڑے ہو کر پینے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں کھڑے ہو کر پینے کا حکم بیان کیا گیا ہے، علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ جو احادیث کھڑے ہو کر پینے کی کراہت میں وارد ہیں، وہ امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں ہیں۔

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی) نے کہا ہے کہ علامہ ابن بطال کی یہ شرح جید نہیں ہے، بلکہ امام بخاری کے نزدیک جب احادیث متعارض ہوں تو وہ عنوان میں اس کا حکم بیان نہیں کرتے۔علامہ عینی اس کے رد میں فرماتے ہیں کہ علامہ ابن بطال کا کلام ایک وادی میں ہے اور اس قائل کا کلام دوسری وادی میں ہے۔اور امام بخاری نے جو کھڑے ہو کر پانی پینے کا حکم عنوان میں بیان نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری کی عادت یہ ہے کہ جس چیز کا حکم باب کی احادیث سے سمجھ آ رہا ہو، اس کا حکم عنوان میں بیان نہیں کرتے اور اس کے حکم کو مبہم رکھتے ہیں، نہ اس کے جواز کی تصریح کرتے ہیں اور نہ عدمِ جواز کی تصریح کرتے ہیں، بلکہ

اس کو قارئین کی فہم کے اوپر چھوڑ دیتے ہیں کہ اس کا جو بھی حکم ہے وہ حدیث سے سمجھ آ رہا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۱۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنِ النَّزَّالِ قَالَ أَتَى عَلِيٌّ رضی الله عنه عَلَى بَابِ الرَّحَبَةِ فَشَرِبَ قَائِمًا فَقَالَ إِنَّ نَاسًا يَكْرَهُ أَحَدُهُمْ أَنْ يَشْرَبَ وَهُوَ قَائِمٌ وَإِنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَعَلَ كَمَا رَأَيْتُمُونِي فَعَلْتُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسعر نے حدیث بیان کی از عبد الملک بن میسرۃ از نزال، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ باب الرحبۃ پر آئے، پس انہوں نے کھڑے ہو کر (پانی) پیا، پھر فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایک کھڑے ہو کر پینے کو مکروہ کہتا ہے، اور میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کیا جس طرح تم نے مجھے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۶۱۶، سنن نسائی: ۱۳۰، سنن ابوداؤد: ۳۷۱۸، مسند احمد: ۱۳۵۳)

صحیح البخاری: ۵۶۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے اور اس میں کھڑے ہو کر پینے کا ذکر ہے، اور یہ حدیث اس حکم کی وضاحت کرتی ہے کہ کھڑے ہو کر پینا جائز ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابونعیم کا ذکر ہے، یہ الفضل بن دُکین ہیں۔ اور مسعر کا ذکر ہے، یہ ابن کدام کوفی ہیں۔ اور عبد اللہ بن میسرہ کا ذکر ہے، یہ الزراد ہیں اور نزال کا ذکر ہے، یہ ابن سبرۃ ہیں، اور یہ تینوں ہلالی کوفی ہیں۔ اور ابونعیم بھی کوفی ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کوفہ میں آ کر ٹھہرے تھے اور وہیں پر ان کی وفات ہوئی تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''باب الرحبۃ'' کا ذکر ہے، اس سے مراد مسجد کوفہ کا وسیع صحن ہے۔ اور شعبہ کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر لوگوں کی ضروریات اور ان کے مسائل کو حل کرنے کے لیے مسجد کوفہ کی وسیع جگہ میں بیٹھ گئے اور ''الرحب'' کا معنی ہے: وسیع جگہ۔

کھڑے ہو کر پینے کے جواز کے متعلق احادیث

کھڑے ہو کر پینے کے جواز کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر زمزم کا پانی پیا۔ ان حدیثوں کی امام بخاری نے یہاں روایت کی ہے۔

اور امام ترمذی نے از نافع از ابن عمر روایت کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں چلتے تھے اور (پانی) پیتے تھے اور ہم کھڑے ہوئے ہوتے تھے، پھر امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور اس حدیث کی امام ابن ماجہ اور امام ابن حبان نے بھی روایت کی ہے۔

اور امام ترمذی نے شمائل میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے (پانی) پیتے تھے، اور اس کی سند حسن ہے۔

اور امام نسائی نے از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور بیٹھے (پانی) پیتے تھے۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور ایک مشک لٹکی ہوئی تھی، تو آپ نے مشک کے منہ سے پانی پیا اور اس وقت آپ کھڑے ہوئے تھے۔ الحدیث

اور ہمارے شیخ زین الدین نے فوائد ابو بکر الشافعی کے دسویں جز میں یہ روایت ذکر کی ہے: از زیاد بن المنذر از بشیر بن غالب از حسین بن علی رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے (پانی) پی رہے تھے۔

اور امام طبرانی نے المعجم الصغیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے زمزم کا پانی پی رہے تھے۔

اور مسند احمد میں یہ حدیث ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور گھر میں ایک مشک لٹکی ہوئی تھی تو آپ نے کھڑے ہو کر اس سے (پانی) پیا۔

اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے کبشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں داخل ہوئے تو آپ نے ایک لٹکی ہوئی مشک سے کھڑے ہو کر (پانی) پیا۔

اور امام ابو موسیٰ المدینی نے معرفۃ الصحابہ میں حضرت کلثم رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور لٹکی ہوئی مشک سے کھڑے ہو کر پانی پیا۔

اور امام عبد الرزاق نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پیا اور بیٹھ کر پیا۔

اور ابو محمد بن حاتم الرازی نے سند صحیح کے ساتھ عبد اللہ بن سائب بن خباب از والد خود از جد خود روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مٹی کے برتن کی طرف کھڑے ہوئے اور اس میں پانی تھا، تو آپ نے کھڑے ہو کر (پانی) پیا۔

کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہرگز کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی نہ پیئے، اور جو شخص بھول گیا وہ قے کر دے۔

نیز امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پینے پر زجر و توبیخ (ڈانٹ ڈپٹ) کی۔
نیز حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر (پانی) پینے پر ڈانٹ ڈپٹ کی ہے۔ اور امام ترمذی نے حضرت جارود بن معلیٰ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر (پانی) پینے سے منع فرمایا ہے، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

کھڑے ہو کر پانی پینے کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

اہل الظاہر نے ان احادیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا حرام ہے۔
اس سے پہلے جو احادیث ذکر کی تھیں، ان میں کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز کا ثبوت تھا اور ان احادیث کے اندر کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت ہے، تو علماء نے ان احادیث میں حسب ذیل طریقوں سے تطبیق دی ہے:
(۱) جن احادیث میں کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے، وہ ممانعت تنزیہہ پر محمول ہے نہ کہ تحریم پر اور جو علماء حدیث اور فقہ کے جامع ہیں، انہوں نے اسی طرح تطبیق دی ہے، مثلاً علامہ خطابی، ابو محمد البغوی، ابو عبد اللہ المازری، قاضی عیاض، ابو العباس القرطبی اور ابو زکریا النووی رحمہم اللہ تعالیٰ۔
(۲) جن احادیث میں کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے، وہاں قائم سے مراد ہے ماشی یعنی کھڑے ہونے سے مراد ہے چلنے والا، تو خلاصہ یہ ہے کہ چلتے ہوئے پانی نہ پیا جائے، اور عرب کہتے ہیں ''قم فی حاجتنا'' یعنی ہماری حاجت میں کھڑے ہو، مراد یہ ہوتی ہے کہ ہماری ضرورت میں چلو، یہ ابن التین کی تقریر ہے۔
(۳) علامہ ابو الولید الباجی اور علامہ المازری نے کہا ہے کہ ممانعت کی احادیث اس صورت پر محمول ہیں کہ کوئی مرد اپنے اصحاب کے پاس کوئی مشروب لے کر آئے اور اپنے اصحاب کے پینے سے پہلے خود کھڑے ہو کر پینا شروع کر دے، اس سے منع فرمایا ہے۔
(۴) ممانعت کی احادیث ضعیف ہیں، فقہاء مالکیہ کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے سے ممانعت کی احادیث ضعیف ہیں، ان علماء میں سے علامہ ابو عمر بن عبد البر ہیں، اور یہ جواب ضعیف ہے۔
(۵) ابو حفص بن شاہین اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں کہا ہے کہ ممانعت کی احادیث منسوخ ہیں۔
(۶) ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ ممانعت کی احادیث کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز کی احادیث کے لیے ناسخ ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ جن احادیث میں کھڑے ہو کر پانی پینے کی اجازت دی گئی تھی، وہ احادیث منسوخ ہو گئی ہیں۔
علامہ نووی نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کی احادیث مکروہ تنزیہی پر محمول ہیں، اور رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہو کر پینا تو وہ بیان جواز کے لیے ہے، سو کوئی اشکال نہیں ہے اور نہ کوئی تعارض ہے۔ نیز علامہ نووی نے کہا: ہم نے جو محمل بیان کیا ہے اس کو اختیار کرنا متعین ہے اور جس کا یہ زعم ہے کہ ممانعت کی احادیث منسوخ ہو گئی ہیں یا ضعیف ہیں تو اس نے فاحش غلطی کی اور ان احادیث کو منسوخ کیسے قرار دیا جائے گا جب کہ ان میں تطبیق ممکن ہے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں کہ: علامہ نووی نے شرح صحیح مسلم میں وثوق سے کہا ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے اور انہوں نے اپنی کتاب ''روضۃ الطالبین'' میں امام رافعی کی اتباع میں کہا ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج

۲۱ ص ۲۸۵۔۲۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۱۶۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَيْسَرَةَ سَمِعْتُ النَّزَّالَ بْنَ سَبْرَةَ يُحَدِّثُ عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ قَعَدَ فِي حَوَائِجِ النَّاسِ فِي رَحَبَةِ الْكُوفَةِ حَتَّى حَضَرَتْ صَلَاةُ الْعَصْرِ ثُمَّ أُتِيَ بِمَاءٍ فَشَرِبَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَذَكَرَ رَأْسَهُ وَرِجْلَيْهِ ثُمَّ قَامَ فَشَرِبَ فَضْلَهُ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ إِنَّ نَاسًا يَكْرَهُونَ الشُّرْبَ قِيَامًا وَإِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الملک بن میسرۃ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے نزال بن سبرۃ سے سنا، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر وہ لوگوں کی ضروریات کو حل کرنے کے لیے کوفہ کی مسجد کے وسیع صحن میں بیٹھ گئے حتیٰ کہ عصر کی نماز آ گئی، پھر ان کے پاس پانی لایا گیا، انہوں نے اس کو پیا اور اپنے چہرے کو دھویا اور ہاتھوں کو دھویا اور سر کا بھی ذکر کیا اور پیروں کو دھویا، پھر کھڑے ہوئے اور کھڑے ہو کر وضو کا بچا ہوا پانی پیا، پھر کہا کہ لوگ کھڑے ہو کر پینے کو مکروہ کہتے ہیں اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی مثل کیا جس طرح میں نے کیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۶۱۶، سنن نسائی: ۱۳۰، سنن ابوداؤد: ۳۷۱۸، مسند احمد: ۱۳۵۳)

صحیح البخاری: ۵۶۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی دوسری سند سے روایت ہے جس کی امام بخاری نے آدم بن ابی ایاس سے روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پانی لایا گیا اور اسماعیلی کی روایت میں ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کا پانی منگایا، اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک کوزے میں پانی لائے، اور اسی کی مثل سنن نسائی اور مسند ابوداؤد الطیالسی میں مذکور ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اور سر کا ذکر کیا" یعنی آدم بن ابی ایاس نے اپنی روایت میں سر کا اور پیروں کا ذکر کیا۔ اور بہز کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ میں پانی لیا، پس اپنے چہرہ پر ملا اور اپنی کلائیوں پر ملا اور اپنے سر پر ملا اور اپنے پیروں پر۔

اور مسند طیالسی میں اس طرح مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا چہرہ دھویا اور اپنے ہاتھوں کو دھویا اور اپنے سر پر اور پیروں پر مسح کیا۔ اور الاعمش کی روایت میں اس طرح مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں کو دھویا، اور کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، اور اپنے چہرے پر اور کلائیوں پر اور سر پر مسح کیا۔

اور اسماعیلی کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے چہرے پر مسح کیا اور اپنے سر پر اور اپنے پیروں پر۔ اور حدیث کے آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ یہ اس کا وضو ہے جو بے وضو نہ ہو، اور یہ اضافہ سنن نسائی کی روایت میں ہے اور اسماعیلی کی روایت میں ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا: اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سر اور پیروں کو کیوں الگ ذکر کیا اور سب کو ایک طریقے سے ذکر کیوں نہیں کیا؟ تو میں کہوں گا کہ جب کہ سر دھویا نہیں جاتا بلکہ اس پر مسح کیا جاتا ہے تو اس کو الگ ذکر کیا اور پیروں کا بھی اس پر عطف کیا، اگرچہ پیر دھوئے جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے:

وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ (المائدہ:٦) اور اپنے سروں پر مسح کرو اور اپنے پیروں کو دھوؤ۔

اور جب وضو کرنے والے نے موزہ پہنا ہوا ہو، تو جب وہ سر کا مسح کرے گا تو پیروں پر بھی مسح کرلے۔ اور اس کی توجیہ میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ دوسرا راوی سر اور پیروں کے متعلق اس بات کو بھول گیا جس بات کو پہلے راوی نے ذکر کیا تھا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مثل کیا جس طرح میں نے کیا تھا'' : یعنی آپ نے اسی طرح کھڑے ہو کر وضو کا بچا ہوا پانی پیا، اس کی اسماعیلی نے اپنی روایت میں تصریح کی ہے، پس کہا: آپ نے وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا جس طرح میں نے وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸۷۔۲۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۱۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ شَرِبَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم قَائِمًا مِنْ زَمْزَمَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عاصم الاحول از الشعبی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمزم سے کھڑے ہوئے (پانی) پیا۔

(صحیح البخاری: ۱۶۳۷، ۵۶۱۷، صحیح مسلم: ۲۰۲۷، سنن ترمذی: ۱۸۸۲، سنن نسائی: ۲۹۶۴، سنن ابن ماجہ: ۳۴۲۲، مسند احمد: ۲۶۰۳)

اس حدیث کی شرح ابھی گزری ہے۔

کھڑے ہو کر پینے کے باب کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

میری رائے یہ ہے کہ پہلے میں اس باب میں وارد احادیث کو ذکر کروں، پھر ان کے درمیان تطبیق دوں۔

کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار

امام ترمذی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور آپ نے ایک لٹکی ہوئی مشک کے منہ سے (پانی) پیا۔ (سنن ترمذی: ۱۸۹۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چلتے ہوئے کھاتے تھے اور کھڑے ہوئے پیتے تھے۔ (سنن ترمذی: ۱۸۸۱)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے (پانی) پیتے تھے، اس حدیث کی اپنی

سند کے ساتھ الضیاء نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔(المختارہ ج ۳ ص ۲۱۵)

عمرو بن شعیب از والد از جد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر بھی (پانی) پیا اور بیٹھ کر بھی (پانی) پیا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔(سنن ترمذی: ۱۸۸۳)

امام ابن شاہین اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ام سُلیم نے ان کو حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور آپ نے کھڑے ہوئے مشک سے (پانی) پیا۔(الناسخ والمنسوخ: ۵۷۲)

حضرت ام المنذر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہماری انگوروں کی بیل لٹکی ہوئی تھی، آپ نے کھڑے ہو کر اس میں سے کھایا۔(سنن ابوداؤد: ۳۸۵۶)

امام مالک روایت کرتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، یہ سب کھڑے ہو کر پانی پیتے تھے، اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔
(الموطاج ۱ ص ۵۷۶)

ابن عجلان نے حدیث بیان کی کہ میں نے ابراہیم سے کھڑے ہو کر پانی پینے سے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر تم چاہو تو کھڑے ہو کر پانی پیو اور اگر تم چاہو تو بیٹھ کر پیو۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۰۰)

کھڑے ہو کر پانی پینے کے عدم جواز کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر (پانی) پینے پر ڈانٹ ڈپٹ فرمائی۔
(صحیح مسلم: ۲۰۲۴، کتاب الاشربہ، باب کراہیۃ الشرب قائما)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کھڑے ہو کر (پانی) نہ پیئے اور جو بھول گیا تو اس کو چاہیے کہ وہ قے کر دے۔(صحیح مسلم: ۲۰۲۶، کتاب الاشربہ، باب کراہیۃ الشرب قائما)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کھڑے ہو کر پانی پیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے ساتھ بلی پیئے، اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: تمہارے ساتھ اس نے پانی پیا ہے جو بلی سے زیادہ برا ہے، وہ شیطان ہے۔(مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۱، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۳۵۱)

حضرت الجارود بن المعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر (پانی) پینے سے منع فرمایا۔
(سنن ترمذی: ۱۸۸۱)

امام طبری نے از حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ انہوں نے کھڑے ہو کر پانی پیا اور حضرت علی، حضرت سعد اور حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی اسی کی مثل روایت کی ہے اور از ابراہیم اور طاؤس اور سعید بن جبیر سے بھی اس کی مثل روایت کی ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس کی کراہت منقول ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل کراہت منقول ہے، اور اس کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ کھڑے ہو کر کھانا مباح ہے اور ہر حال میں کھانا مباح ہے اسی طرح پینا بھی ہر حال میں مباح ہے۔(المفہم ج ۵ ص ۲۸۶)

کھڑے ہو کر پینے کے جواز اور عدم جواز کی احادیث میں تطبیق

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی بیانِ جواز کے لیے پیا اور اسی طرح الخطابی نے کہا ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت تادیب کے لیے ہے، کیونکہ بیٹھ کر پانی پینا زیادہ اچھا اور زیادہ مناسب ہے۔

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: علماء میں سے کسی کا مذہب یہ نہیں ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت تحریم کے لیے ہے، اگر چہ ظاہریہ نے اس کو تحریم پر محمول کیا ہے اور جمہور کے نزدیک کھڑے ہو کر پانی پینا جائز ہے۔ سلف صالحین میں سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور جمہور فقہاء اس سے استدلال کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر زمزم کا پانی پیا، اور ان تمام کی رائے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہو کر زمزم سے پانی پینا ممانعت کی احادیث سے متاخر ہے، کیونکہ آپ کا زمزم سے کھڑے ہو کر پانی پینا حجۃ الوداع کا واقعہ ہے، اور جن صحابہ نے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کی احادیث کی روایت کی ہے، ان صحابہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صحبت متاخر ہے، لہٰذا حضرت ابن عباس نے جو کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز کی روایت کی ہے وہ ناسخ ہے، اور یہ اس سے مزید موکد ہو گیا کہ خلفاء اربعہ نے کھڑے ہو کر پانی پیا ہے اور یہ بعید ہے کہ خلفاء اربعہ سے ممانعت کی احادیث مخفی رہی ہوں۔

حافظ ابو عمر بن عبد البر نے امام مالک سے روایت کی ہے: جب ہم کو ناسخ اور منسوخ میں یہ جاننا مشکل ہو جائے کہ کون سی چیز ناسخ ہے اور کونسی چیز منسوخ ہے تو ہم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے فعل کو دیکھیں گے اور ان کے فعل کو آخر الامرین قرار دیں گے۔

(التمہید ج ۳ ص ۳۵۳۔ ۳۵۴)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ان لوگوں کی اقتداء کرو جو میرے بعد ہیں، ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما)۔

(سنن ترمذی: ۳۶۶۲، سنن ابن ماجہ: ۹۷، مسند احمد ج ۵ ص ۴۰۲)

اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا فعل اگر چہ ممانعت کی احادیث کے ناسخ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا لیکن وہ یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ ایک حدیث کو دوسری احادیث پر ترجیح دی جائے، لہٰذا جن احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوئے زمزم کا پانی پیا، اس حدیث کو ممانعت کی حدیث پر ترجیح دی جائے گی، کیونکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کھڑے ہو کر (پانی) پیا ہے۔

نیز حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے بھی کھڑے ہو کر پانی پیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۱۹۱۔ ۲۰۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۱۶ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ امام کو چاہیے کہ وہ لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اور لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لیے مسجد میں بیٹھے اور اس کا بیٹھنا ظہر کی نماز کے بعد ہو یا کسی اور مناسب وقت میں ہو۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ امام کو چاہیے کہ وہ کام کرے جس کو لوگ سمجھتے ہوں کہ یہ ناجائز ہے، پھر اس کام کی دلیل بتائے تاکہ لوگ مطمئن ہو جائیں۔ کیونکہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا جائز نہیں ہے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر پانی پیا، پھر بعد میں اس کے جواز کی دلیل بتائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کھڑے ہو کر پانی پیا تھا۔

(۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا جائز ہے، لیکن حدیث میں اس کی ممانعت بھی آئی ہے، پس جب کسی فعل کی حدیث میں ممانعت ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کام کو کیا ہو، تو اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ ممانعت تحریم کے لیے نہیں تھی، تنزیہہ کے لیے تھی اور افضل یہ ہے کہ انسان بیٹھ کر پانی پیئے، اگر اس نے کھڑے ہو کر پانی پیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر زمزم کا پانی پیا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بھی کھڑے ہو کر پانی پیا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یوں کیوں نہیں ہو سکتا کہ جب دو حدیثوں میں تعارض ہو تو قول کو فعل پر مقدم کیا جائے گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر پینے سے منع بھی فرمایا ہے اور کھڑے ہو کر خود پیا بھی ہے، تو آپ کا قول یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پینا منع ہے اور فعل یہ ہے کے کھڑے ہو کر پیا ہے، تو قول کو فعل پر مقدم کر دیا جائے اور فعل کو قول کے مقابلہ میں ترک کر دیا جائے، تو یہ کیوں جائز نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا اس وقت کیا جائے گا، جب دو حدیثوں میں ایسا تعارض ہو کہ ان میں تطبیق ممکن نہ ہو، اور یہاں پر تطبیق ممکن ہے۔ بایں طور کہ کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت بہ طور تنزیہہ ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھڑے ہو کر پینا بیانِ جواز کے لیے ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال میں ہمارے لیے عمدہ نمونہ ہے۔ تو یہ کہا جائے گا کہ یہ ممانعت تنزیہہ کے لیے ہے، تحریم کے لیے نہیں ہے۔ اور افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ بیٹھ کر پیا جائے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۲۹، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

کھڑے ہو کر پانی پینے کے متعلق مصنف کی تحقیق

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جن مواضع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیا ہے، وہاں کھڑے ہو کر پینا افضل ہے اور ان کے علاوہ دوسرے مواضع میں بیٹھ کر پینا افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پیا، تو زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا افضل ہے، اسی طرح آپ نے وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا، تو وضو کا بچا ہوا پانی بھی کھڑے ہو کر پینا افضل ہے، اور ان کے علاوہ باقی صورتوں میں بیٹھ کر پانی پینا افضل ہے۔ اور اگر ان صورتوں میں بھی کھڑے ہو کر پیا تو یہ مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہو گا۔ (سعیدی غفرلہ)

۱۷۔ بَابُ: مَنْ شَرِبَ وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى بَعِيرِهِ

اس کا بیان کہ جس نے اونٹ پر سوار ہونے کی حالت میں پیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ جو شخص اس حال میں پیئے کہ وہ اونٹ پر سوار ہو، علامہ ابن العربی نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیا، کیونکہ جو اونٹ پر سوار ہو، وہ بیٹھا ہوا ہوتا ہے، کھڑا ہوا نہیں ہوتا، اور اس کا جواب دیا گیا ہے کہ امام بخاری نے اس حالت کے حکم کو بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے اور امام بخاری اس کے درپے نہیں ہیں کہ یہ ثابت کیا جائے کہ کھڑے ہو کر پینا جائز ہے، کیونکہ جو شخص سواری پر سوار ہو، وہ اس کے مشابہ ہوتا ہے جو کھڑا ہوا ہو، کیونکہ سواری چل رہی ہے اور اس کے بھی مشابہ ہوتا ہے جو بیٹھا ہوا ہو، جب کہ سواری ایک جگہ ٹھہری ہوئی ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸۸۔۲۸۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۱۸۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَنَا أَبُو النَّضْرِ عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ أَنَّهَا أَرْسَلَتْ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِقَدَحِ لَبَنٍ وَهُوَ وَاقِفٌ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ فَأَخَذَ بِيَدِهِ فَشَرِبَهُ زَادَ مَالِكٌ عَنْ أَبِي النَّضْرِ عَلَى بَعِيرِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز بن ابی سلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالنضر نے خبر دی از عمیر مولیٰ ابن عباس از حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دودھ کا ایک پیالہ بھیجا، اور آپ عرفہ کے دن شام کے وقت کھڑے ہوئے تھے (یا اپنی سواری پر سوار تھے) تو آپ نے اپنے ہاتھ سے وہ دودھ کا پیالہ لیا اور اس کو پیا۔ امام مالک نے از ابوالنضر یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ اپنے اونٹ پر سوار تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۶۵۸، ۱۶۶۱، ۱۹۸۸، ۵۶۰۴، ۵۶۱۸، ۵۶۳۶، صحیح مسلم: ۱۱۲۳، سنن ابوداؤد: ۲۴۴۱، مسند احمد: ۱ ۲۶۳۴، موطا امام مالک: ۸۴۱)

صحیح البخاری: ۵۶۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مالک بن اسماعیل کا ذکر ہے، یہ ابوغسان النہدی الکوفی ہیں جو امام بخاری کے بڑے مشائخ میں سے ہیں، امام بخاری نے کہا: یہ ۲۱۹ھ میں فوت ہو گئے تھے اور اس حدیث کی سند میں عبد العزیز بن ابی سلمہ کا ذکر ہے، یہ الماجشون ہیں اور ابوسلمہ کا نام دینار ہے اور وہ عبد العزیز کے دادا ہیں، کیونکہ وہ ابن عبد اللہ بن ابی سلمہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو النضر کا ذکر ہے، ان کا نام سالم بن ابی امیہ ہے، یہ عمر بن عبید اللہ بن معمر القرشی التیمی المدنی کے مولیٰ ہیں۔ اور عُمیر کا ذکر ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد شدہ غلام ہیں اور حضرت ام الفضل بنت الحارث کا ذکر ہے، ان کا نام لُبابہ ہے اور ان کے خاوند حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

امام مالک نے از ابوالنضر یہ اضافہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اونٹ پر سوار تھے اور اس اضافہ سے حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور جب زمین پر کھڑے ہو کر پینا جائز ہے تو سواری پر سوار ہونے کی حالت میں پینا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا، کیونکہ سوار دونوں حالتوں کے مشابہ ہوتا ہے، یعنی کھڑے ہونے کی حالت کے بھی مشابہ ہوتا ہے اور بیٹھنے کی حالت کے بھی مشابہ ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۸۔ بَابٌ: الْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ فِي الشُّرْبِ

اس کا بیان کہ دائیں جانب سے، پھر دائیں جانب سے پینے کی ابتداء کی جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جو دائیں جانب بیٹھا ہو، اس سے پینے کی ابتداء کی جائے، کیونکہ دائیں جانب کو بائیں جانب پر فضیلت ہے۔ امام بخاری نے عنوان میں کہا ہے "فی الشرب" یعنی پینے میں، یہ عام ہے کہ پانی کا پینا ہو یا دیگر مشروبات کا۔ صرف امام مالک سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو پینے کے ساتھ خاص کیا ہے، علامہ ابن عبدالبر نے کہا کہ امام مالک سے یہ نقل صحیح نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۸۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۱۹۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أُتِيَ بِلَبَنٍ قَدْ شِيبَ بِمَاءٍ وَعَنْ يَمِينِهِ أَعْرَابِيٌّ وَعَنْ شِمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ فَشَرِبَ ثُمَّ أَعْطَى الْأَعْرَابِيَّ وَقَالَ الْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دودھ لایا گیا جس میں پانی ملایا ہوا تھا اور آپ کی دائیں طرف ایک اعرابی (دیہاتی) تھے اور بائیں طرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے دودھ پیا، پھر اپنا بچا ہوا دودھ اعرابی کو عطا فرما دیا اور آپ نے فرمایا: دائیں طرف سے، پس دائیں طرف سے۔

(صحیح مسلم: ۲۰۲۹، سنن ترمذی: ۱۸۹۳، سنن ابوداؤد: ۳۷۲۶، سنن ابن ماجہ: ۳۴۲۵، مسند احمد: ۱۱۷۱۱، موطا امام مالک: ۱۷۲۳، سنن دارمی: ۲۱۱۶)

صحیح البخاری: ۵۶۱۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں دائیں طرف سے پینے کی ابتداء کا ذکر ہے اور حدیث میں بھی مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا بچا ہوا دودھ اعرابی کو عطا فرمایا جو آپ کی دائیں طرف بیٹھا ہوا تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، یہ اسماعیل بن ابی اویس ہیں اور یہ حدیث عنقریب اس باب کے تحت گزر چکی ہے:
''باب شرب اللبن بالماء''۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ کی دائیں جانب ایک اعرابی بیٹھے ہوئے تھے:
علامہ المہلب مالکی نے لکھا ہے: کھانے پینے اور تمام چیزوں میں دائیں جانب سے ابتداء کرنا سنت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب سے محبت کرتے تھے، یہ بتانے کے لیے کہ اللہ عزوجل نے دائیں جانب والوں کو فضیلت عطا فرمائی ہے۔

دائیں جانب میں بیٹھے ہوئے اعرابی کو اپنا بچا ہوا دودھ عطا فرمانے کی توجیہ

علامہ قرطبی مالکی فرماتے ہیں: آپ نے اس اعرابی کو اس لیے اپنا بچا ہوا دودھ عطا فرمایا کہ وہ اپنی قوم میں سب سے بڑے تھے، اس لیے وہ آپ کی دائیں جانب بیٹھ گئے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: زیادہ ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کو اس لیے عطا فرمایا کہ دائیں جانب سے ابتداء کرنا سنت ہے، یا اس لیے کہ اس اعرابی نے دائیں جانب کی طرف سبقت کی تھی، اسی لیے وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وجہ سے کھڑے نہیں ہوئے، کیونکہ انہوں نے دائیں جانب کی طرف سبقت کی تھی، یہ عام مجلس کا حکم ہے اور نماز با جماعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب اس کو ہونا چاہیے جو عمر میں اور عقل میں بڑا ہو، اور اگر دائیں جانب میں کوئی عقل میں بڑا نہ ہو تو پھر اس کو مقدم ہونا چاہیے جو عمر میں بڑا ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۹۔ بَابٌ: هَلْ يَسْتَأْذِنُ الرَّجُلُ مَنْ عَنْ يَمِينِهِ فِي الشُّرْبِ لِيُعْطِيَ الْأَكْبَرَ؟

کیا دائیں جانب والے سے مرد پینے کی اجازت طلب کرے تاکہ بڑی عمر والے کو دے؟

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر مجلس میں دائیں طرف ایک کم عمر لڑکا ہو اور بائیں طرف بڑی عمر کا معزز آدمی ہو تو آیا اس کم عمر لڑکے سے اجازت طلب کر کے بڑی عمر والے معزز آدمی کو پینے کی چیز دی جائے؟
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۲۰۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي حَازِمِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ مِنْهُ وَعَنْ يَمِينِهِ غُلَامٌ وَعَنْ يَسَارِهِ الْأَشْيَاخُ فَقَالَ لِلْغُلَامِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابی حازم بن دینار از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مشروب لایا گیا،

أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أُعْطِيَ هَؤُلَاءِ فَقَالَ الْغُلَامُ وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَا أُوثِرُ بِنَصِيبِي مِنْكَ أَحَدًا قَالَ فَتَلَّهُ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي يَدِهِ.

آپ نے اس سے پیا اور آپ کی دائیں جانب ایک نوعمر لڑکا تھا اور بائیں جانب شیوخ تھے، آپ نے اس نوعمر لڑکے سے پوچھا: کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں یہ بچا ہوا مشروب ان لوگوں کو دے دوں؟ لڑکے نے کہا: اللہ کی قسم یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ سے مجھے جو حصہ ملے گا، میں اس پر کسی کو ترجیح نہیں دوں گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

(صحیح مسلم: ۲۰۳۰، مسند احمد: ۲۲۳۱۷، موطا امام مالک: ۱۷۲۴)

صحیح البخاری: ۵۶۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے سے فرمایا: کیا تم مجھے اجازت دو گے کہ میں ان شیوخ کو اپنا پس خوردہ عطا کر دوں؟

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، یہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور ابو حازم کا ذکر ہے، یہ سلمہ بن دینار ہیں اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ سہل بن سعد بن مالک الساعدی الانصاری ہیں اور صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ کی دائیں جانب ایک لڑکا تھا، زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے اور جو شیوخ تھے ان میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور دیگر بڑی عمر کے لوگ تھے۔

حدیث مذکور میں کم عمر لڑکے کو دینے کا جواز، حالانکہ دیگر احادیث میں بڑی عمر والوں کو دینے کا حکم ہے،

اس اعتراض کا جواب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں کم عمر والے لڑکے سے بڑی عمر والے شخص کو دینے کی اجازت طلب کرنے کا ذکر ہے، اگرچہ وہ دائیں جانب بیٹھا ہوا تھا، سو اس حدیث میں بڑی عمر والے پر کم عمر والے لڑکے کی ترجیح کا ذکر ہے، کیونکہ وہ کم عمر والا دائیں جانب بیٹھا ہوا تھا اور یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے معارض ہے جو عنقریب گزری ہے اور حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو قسامت میں آئے گی، اس میں بھی مذکور ہے: بڑے کو بولنے دو، بڑے کو بولنے دو، اور کتاب الطہارۃ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث گزری ہے کہ آپ نے فرمایا: مسواک بڑے کو دو، اور مسند ابو یعلیٰ میں سند قوی کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پلاتے تو فرماتے: بڑے سے ابتداء کرو۔

ان تمام احادیث میں بڑے سے ابتداء کرنے کا ذکر ہے اور حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں اس چھوٹے لڑکے سے ابتداء کا بیان ہے کیونکہ وہ دائیں جانب تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بڑے کو دینے کا حکم اس صورت پر محمول ہے جب سب برابر برابر بیٹھے ہوں یا سب رئیس مجلس کے سامنے بیٹھے ہوں یا سب بائیں جانب بیٹھے ہوں یا پیچھے بیٹھے ہوں، تو اس صورت میں بڑے کو دیا جائے گا اور دائیں جانب سے ابتداء کے حکم کی تخصیص کر لی جائے گی۔

حدیث مذکور پر ایک اشکال

اس حدیث میں مذکور ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے سے فرمایا: کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں ان شیوخ کو اپنا پس خوردہ عطا کر دوں؟" ظاہر یہ ہے کہ اگر وہ لڑکا آپ کو اجازت دیتا تو آپ شیوخ کو دے دیتے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں ایثار کرنا جائز ہے۔ اس پر یہ اشکال وارد کیا گیا ہے کہ عبادات اور قرب میں ایثار نہیں کیا جاتا اور جو ایثار پسندیدہ ہے، وہ یہ ہے کہ اپنے نفس کی ضرورت کو دوسروں کی ضرورتوں پر ترجیح دی جائے نہ کہ عبادات میں ترجیح دی جائے اور قاضی عیاض نے علماء سے نقل کیا ہے کہ عبادات میں ایثار کرنا مکروہ ہے اور اکثر لوگوں نے کہا ہے کہ عبادات اور قربات میں ایثار کرنا حرام ہے۔

میں کہتا ہوں کہ فی نفسہٖ عبادات اور قربات میں ایثار کرنا مکروہ ہے، لیکن اس حدیث میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے سے فرمایا تھا کہ تم ان شیوخ کو دینے کی اجازت دیتے ہو؟ سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے اب اس ایثار میں کراہت نہیں رہی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فتلہ"، تلّ کا معنی ہے کسی چیز کو اوپر سے نیچے گرانا اور اس حدیث میں مراد یہ ہے کہ آپ نے وہ پیالہ اس لڑکے کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۰۔۲۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۲۰ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لڑکے کا مصداق اور "تلّ" کے معنی کی تحقیق

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ لڑکا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے اور یہی زیادہ صحیح قول ہے، اور حدیث میں مذکور ہے "وتلہ فی یدہ"، اس کا معنی ہے: آپ نے وہ پیالہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر رکھ دیا، علامہ الخطابی نے کہا ہے ناگواری اور ملامت سے اور بعض اہل لغت نے اس کا انکار کیا ہے۔ (اعلام الحدیث ج ۲ ص ۱۲۱۸)

اور قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ (الصّٰفّٰت)

سو جب دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا ۝

اشیاخ کا مصداق اور حدیث مذکور کی تفصیل

متعدد سندوں سے مروی ہے کہ اشیاخ سے مراد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہیں، امام حُمیدی نے از سفیان از علی بن زید بن جدعان از عمر بن حرملۃ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی خالہ حضرت میمونہ کے ہاں گیا اور میرے ساتھ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی تھے، تو میری خالہ نے ہمارے سامنے بھنی ہوئی گوہ پیش کی، جب اس کو دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ تھوک دیا اور اسے نہیں کھایا اور ہمیں کھانے کا حکم دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک برتن میں دودھ آیا، اور میں آپ کی دائیں جانب تھا اور حضرت خالد آپ کی بائیں جانب تھے، تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لڑکے! کیا تم پیو گے اور اگر تم چاہو تو تم اس دودھ پر خالد کو ترجیح دو، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پس خوردہ پر کسی کو ترجیح نہیں دوں گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کو اللہ تعالیٰ کوئی طعام کھلائے، اسے چاہیے کہ وہ یہ دعا کرے: اے اللہ! ہمارے لیے اس طعام میں برکت دے اور ہمیں اس طعام سے زیادہ عطا فرما، کیونکہ مجھے ایسی کسی چیز کا علم نہیں جو اس کے سوا طعام اور مشروب کا قائم مقام ہو۔ (مسند الحمیدی، ج ۱ ص ۲۳۲، رقم الحدیث: ۴۸۸)

حدیث مذکور سے مستنبط فقہی مسئلہ

امام مازری نے کہا ہے: قربات اور عبادات میں تبرع کرنا جائز نہیں ہے، تبرع کرنا اپنے نفس کے حقوق میں جائز ہے، اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص پہلے رئیسِ مجلس کے پاس بیٹھ گیا یا عالم کے پاس بیٹھ گیا تو اسے وہاں سے اٹھا کر اس سے بڑے حقدار کو نہیں بٹھایا جائے گا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اس اعرابی کو نہیں اٹھایا اور نہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اس لڑکے کو اٹھایا، اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص نے عالم یا مسجد کی طرف سبقت کی، تو وہی اس جگہ بیٹھنے کا زیادہ حقدار ہے۔ اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ جب کسی چیز میں سب لوگ برابر ہوں تو پھر جو عمر میں بڑا ہو، اس سے ابتدا کی جانی چاہیے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۰۸۔۲۰۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۲۰، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کی توجیہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لڑکے سے اجازت طلب کی اور اعرابی سے اجازت طلب نہیں کی تھی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ لڑکا دائیں جانب تھا اور اس لڑکے کا نام حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما تھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لڑکے سے کہا کہ اگر تم اجازت دو تو میں اپنا بچا ہوا دودھ بڑوں کو دے دوں، اور اس سے پہلے جو حدیث گزری ہے، اس میں تھا کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں جانب تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بائیں جانب تھے، وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اعرابی سے یہ نہیں کہا کہ اگر تم اجازت دو تو میں اپنا پس خوردہ دودھ ابوبکر کو دے دوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ عموماً دیہاتی اور اعرابی درشت مزاج کے لوگ ہوتے ہیں، اور ان کی طبیعت میں شدت اور سختی ہوتی ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ سوال کرنا اس کے دین کے فساد کی طرف پہنچا تا، اس لیے آپ نے اس سے یہ سوال نہیں کیا، اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ خطرہ نہیں تھا، اس لیے آپ

نے ان سے سوال کیا کہ اگر تم اجازت دو تو میں اپنا پس خوردہ بڑوں کو یعنی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دے دوں۔

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ صالحین اور بزرگوں کے پس خوردہ کو حاصل کرنے میں رغبت کرنی چاہیے، اور یہ رغبت محمود اور لائقِ تحسین ہے۔ (الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۹ ص ۲۱۸۔۲۱۹، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد تھے اور رشتہ داریوں میں ان باتوں میں دین میں فساد کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ (سعیدی غفرلہ)

۲۰۔ بَابُ: اَلْكَرْعِ فِي الْحَوْضِ — حوض سے منہ لگا کر پینے کا جواز

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ''الکرع'' کا بیان کیا گیا ہے۔ ''الکرع'' کا معنی ہے: حوض یا دریا سے منہ لگا کر پینا، ابن سیدہ نے کہا ہے: ''کرع'' کا معنی ہے: بغیر برتن کے منہ سے پینا اور دوسرا قول ہے کہ کوئی آدمی دریا میں داخل ہو اور پیئے اور تیسرا قول ہے: کوئی آدمی اپنا سر پانی میں جھکائے، خواہ پانی نہ پیئے۔ اور التہذیب میں مذکور ہے ''کرع فی الاناء'' کا معنی ہے: جب اس نے کسی پانی کی طرف اپنے آپ کو جھکایا اور اس سے پانی پیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۲۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَمَعَهُ صَاحِبٌ لَهُ فَسَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ وَصَاحِبُهُ فَرَدَّ الرَّجُلُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي وَهِيَ سَاعَةٌ حَارَّةٌ وَهُوَ يُحَوِّلُ فِي حَائِطٍ لَهُ يَعْنِي الْمَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنْ كَانَ عِنْدَكَ مَاءٌ بَاتَ فِي شَنَّةٍ وَإِلَّا كَرَعْنَا وَالرَّجُلُ يُحَوِّلُ الْمَاءَ فِي حَائِطٍ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللهِ عِنْدِي مَاءٌ بَاتَ فِي شَنَّةٍ فَانْطَلَقَ إِلَى الْعَرِيشِ فَسَكَبَ فِي قَدَحٍ مَاءً ثُمَّ حَلَبَ عَلَيْهِ مِنْ دَاجِنٍ لَهُ فَشَرِبَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ أَعَادَ فَشَرِبَ الرَّجُلُ الَّذِي جَاءَ مَعَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فلیح بن سلیمان نے حدیث بیان کی از سعید بن الحارث از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ انصار کے ایک مرد کے پاس گئے اور آپ کے ساتھ آپ کے ایک صحابی بھی تھے، پس نبی ﷺ نے اور آپ کے صحابی نے اس مرد کو سلام کیا، سو اس مرد نے آپ کے سلام کا جواب دیا، پھر اس مرد نے کہا: یا رسول اللہ! آپ پر میرا باپ اور میری ماں فداء ہو اور یہ سخت گرمی کا وقت تھا اور وہ اپنے باغ میں پانی لگا رہا تھا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: اگر تمہارے پاس مشک میں رات کا (ٹھنڈا) پانی ہو تو فبہا ورنہ ہم اس مشک سے منہ لگا کر پی لیں گے، اور وہ مرد باغ میں پانی لگا رہا تھا، سو اس مرد نے کہا: یا رسول اللہ (ﷺ)! میرے پاس مشک میں رات کا پانی ہے، پھر وہ چھپر کی طرف گیا اور ایک پیالے میں پانی ڈالا، پھر اس نے اپنی بکری سے اس پانی کے اوپر

دودھ ڈالا، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پیا، پھر اس نے دوبارہ دیا تو جو مرد (صحابی) آپ کے ساتھ آئے تھے، انہوں نے پیا۔

(صحیح البخاری: ۵۶۲۱، سنن ابوداؤد: ۳۷۲۴، سنن ابن ماجہ: ۳۴۳۲، مسند احمد: ۱۴۱۱۰، سنن دارمی: ۲۱۲۳)

صحیح البخاری: ۵۶۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ورنہ ہم مشک سے منہ لگا کر پی لیں گے''۔ امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ جب مشک سے منہ لگا کر پینا جائز ہے تو حوض سے اور دریا سے منہ لگا کر پینا بھی جائز ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن صالح کا ذکر ہے، یہ الوحاظی ابوزکریا ہیں، اور ان کو ابو صالح شامی دمشقی کہا جاتا ہے اور الحمصی بھی کہا جاتا ہے، یہ ائمہ حنفیہ میں سے ایک ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ہیں، اور یہ امام محمد بن حسن شیبانی کے مماثل تھے، اور دو سو بائیس ہجری (۲۲۲ھ) میں ان کی وفات ہوگئی تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''وھو یحول فی حائط لہ'' تحویل کا معنی ہے: کنوئیں کی تہہ سے باہر پانی نکالنا یا پانی کو باغ کی ایک جانب سے دوسری جانب لے جانا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۲۱ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مشک یا حوض سے منہ لگا کر پینے کی ممانعت کے متعلق احادیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی چیز سے منہ لگا کر نہ پیو، لیکن اپنے ہاتھوں کو دھوؤ اور ہاتھوں میں پانی لے کر پیو، کیونکہ ہاتھوں سے بڑھ کر کوئی برتن پاکیزہ نہیں ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۰۹، رقم الحدیث: ۲۴۲۰۷)

علامہ بوصیری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں لیث ہے اور وہ ضعیف ہے۔

(زوائد ابن ماجہ ج ۱ ص ۴۴۵)

امام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ از عاصم بن محمد بن عمر از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منہ لگا کر پینے سے منع فرمایا اور ہمیں اس سے بھی منع فرمایا کہ ہم ایک ہاتھ سے پئیں۔ اور فرمایا: تم میں سے کوئی ایک برتن میں اپنا منہ اس طرح نہ ڈالے جیسا کہ کتا برتن میں اپنا منہ ڈالتا ہے اور نہ ایک ہاتھ سے پیئے جیسا کہ وہ لوگ پیتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوا اور نہ رات کو کسی برتن میں پیئے حتیٰ کہ اس برتن کو ہلا لے، سوا اس کے کہ وہ برتن ڈھکا ہوا ہو۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۴۳۳)

علامہ بوصیری نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس حدیث کی سند میں بقیہ ہے اور وہ مدلس ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۱۰۔۲۱۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

جن احادیث میں منہ لگا کر پینے سے منع کیا گیا ہے، ان کی توجیہ

میں کہتا ہوں: صحیح البخاری کی حدیث میں تصریح ہے کہ مشک سے منہ لگا کر پینا جائز ہے، اور مذکورہ احادیث میں منہ لگا کر پینے سے منع فرمایا ہے، اس کے دو جواب ہیں:

اول تو یہ کہ یہ احادیث صحیح بخاری کے پائے کی نہیں ہے اور دونوں حدیثیں فی نفسہٖ ضعیف ہیں۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ان احادیث میں جو ممانعت ہے، وہ تنزیہ کے لیے ہے، اور صحیح بخاری کی حدیث میں جو ثبوت ہے، وہ بیانِ جواز کے لیے ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۲۱۔ بَابٌ: خِدْمَةِ الصِّغَارِ الْكِبَارَ — چھوٹوں کا بڑوں کی خدمت کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ چھوٹوں کو بڑوں کی خدمت کرنی چاہیے۔

۵۶۲۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا رضی الله عنه قَالَ كُنْتُ قَائِمًا عَلَى الْحَيِّ أَسْقِيهِمْ عُمُومَتِي وَأَنَا أَصْغَرُهُمُ الْفَضِيخَ فَقِيلَ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ فَقَالَ اكْفِئْهَا فَكَفَأْنَا قُلْتُ لِأَنَسٍ مَا شَرَابُهُمْ قَالَ رُطَبٌ وَبُسْرٌ فَقَالَ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَنَسٍ وَكَانَتْ خَمْرَهُمْ فَلَمْ يُنْكِرْ أَنَسٌ وَحَدَّثَنِي بَعْضُ أَصْحَابِي أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا يَقُولُ كَانَتْ خَمْرَهُمْ يَوْمَئِذٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مُعتمر نے حدیث بیان کی از والد خود، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک قبیلہ کے اوپر کھڑا ہوا تھا اور ان میں سے اپنے چچاؤں کو الفضیخ (کچی اور پکی کھجوروں کی شراب) پلا رہا تھا، اور میں ان میں سے سب سے چھوٹا تھا، پس کہا گیا کہ الخمر کو حرام کر دیا گیا ہے، تو لوگوں نے کہا: اس شراب کو انڈیل کر بہا دو، سو ہم نے شراب کو انڈیل کر بہا دیا۔ راوی نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ان کی شراب کس قسم کی تھی؟ تو انہوں نے کہا: کچی اور پکی کھجوروں کی، پس حضرت ابوبکر بن انس نے کہا: اور یہی ان کی خمر تھی، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار نہیں کیا۔ اور مجھے میرے بعض اصحاب نے یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرما رہے تھے: ان دنوں ان کی خمر یہی تھی۔

(صحیح البخاری: ۲۴۶۴، ۴۶۱۷، ۴۶۲۰، ۵۵۸۰، ۵۵۸۲، ۵۵۸۳، ۵۵۸۴، ۵۶۰۰، ۵۶۲۲، ۷۲۵۳، صحیح مسلم: ۱۹۸۰، سنن نسائی: ۵۵۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۶۷۳، مسند احمد: ۱۲۹۶۳، موطا امام مالک: ۱۵۹۹، سنن دارمی: ۲۰۸۹)

اس حدیث کی شرح کتاب الاشربہ "باب نزل تحریم الخمر" میں گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: ہر چند کہ وہ شراب کچی اور پکی کھجوروں سے بنائی ہوئی تھی، لیکن صحابہ کرام نے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کو خمر

اس لیے فرمایا کہ وہ نشہ آور تھی اور صحابہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ہر نشہ آور مشروب کو خمر کہتے تھے اور حقیقت میں خمر وہ ہے جو انگور کا کچا شیرہ ہو اور رکھے رکھے اس میں جھاگ پیدا ہو جائے اور وہ نشہ آور ہو جائے، اس کا ایک قطرہ بھی نجس ہے اور اس کا پینا حرام قطعی ہے اور حد کا موجب ہے، خواہ نشہ ہو یا نہ ہو اور اس کی حرمت قطعی ہے اور باقی نشہ آور مشروبات کی حرمت ظنی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۲۲۔ بَابُ: تَغْطِيَةِ الْإِنَاءِ — برتنوں کو ڈھانپنے کا بیان

اس باب میں برتنوں کو ڈھانپنے کا حکم بیان کیا گیا ہے یا برتنوں کو ڈھانپنے کے متعلق احادیث بیان کی گئی ہیں۔

۵۶۲۳۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا كَانَ جُنْحُ اللَّيْلِ أَوْ أَمْسَيْتُمْ فَكُفُّوا صِبْيَانَكُمْ فَإِنَّ الشَّيَاطِينَ تَنْتَشِرُ حِينَئِذٍ فَإِذَا ذَهَبَ سَاعَةٌ مِنَ اللَّيْلِ فَحُلُّوهُمْ فَأَغْلِقُوا الْأَبْوَابَ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ بَابًا مُغْلَقًا وَأَوْكُوا قِرَبَكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ وَخَمِّرُوا آنِيَتَكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ وَلَوْ أَنْ تَعْرُضُوا عَلَيْهَا شَيْئًا وَأَطْفِئُوا مَصَابِيحَكُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن عبادہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے عطاء نے خبر دی، انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب رات اپنے پر پھیلا دے یا فرمایا: جب تمہاری شام کا وقت ہو جائے تو تم اپنے بچوں کو (گھروں میں) روک لو، کیونکہ شیاطین اس وقت منتشر ہو جاتے ہیں، پھر جب رات کا ایک حصہ گزر جائے تو انہیں چھوڑ دو اور گھر کے دروازے بند کر دو اور اللہ کے نام کا ذکر کرو، کیونکہ شیطان کسی بند دروازے کو نہیں کھولتا، اور اپنی مشکوں کے مونہوں کو باندھ دو اور اللہ کے نام کا ذکر کرو اور اپنے برتنوں کو ڈھانپ دو اور اللہ کے نام کا ذکر کرو، خواہ کسی چیز کی چوڑائی کو ان کے اوپر رکھ دو اور اپنے چراغوں کو بجھا دو۔

(صحیح البخاری: ۳۲۸۰، ۳۳۰۴، ۳۳۱۶، ۵۶۲۳، ۵۶۲۴، ۶۲۹۵، ۶۲۹۶، صحیح مسلم: ۲۰۱۲، سنن ترمذی: ۱۸۱۲، سنن ابوداؤد: ۳۷۳۱، مسند احمد: ۱۴۰۲۵)

صحیح البخاری: ۵۶۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "برتنوں کو ڈھانپنا" اور اس حدیث کے آخر میں ذکر ہے "وخمروا انیتکم" اس کا بھی یہی معنی ہے کہ اپنے برتنوں کو ڈھانپ دو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے "اسحاق بن منصور" یہ ابن بہرام الکوسج ابو یعقوب المروزی ہیں، یہ آخری عمر میں نیشاپور میں

منتقل ہو گئے تھے۔اور اس حدیث کی سند میں ابن جریج کا ذکر ہے، یہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں عطاء کا ذکر ہے، یہ عطاء بن ابی رباح ہیں۔

یہ حدیث اس سے پہلے صفت ابلیس میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی مفصل شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''جنح اللیل'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: رات کے اندھیرے کا ایک حصہ۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''فکفوا صبیانکم'' یعنی اپنے بچوں کو اس وقت میں گھر سے باہر نکلنے سے روکو، کیونکہ ان کے اوپر یہ خطرہ ہے کہ اس وقت شیاطین بہت زیادہ ہوتے ہیں تو وہ ان کو ایذاء پہنچاتے ہیں۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنات اور شیاطین کے منتشر ہونے سے یہ خطرہ تھا کہ وہ ان کو ضرر پہنچائیں گے اور مرگی میں مبتلا کر دیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنات اور شیاطین کو ایسی قوت عطا فرمائی ہے۔اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی ہے کہ ہم اپنے آپ کو فتنوں پر پیش نہ کریں اور اپنے آپ کو فتنوں سے بچائیں، اگر چہ ہمارا اپنے آپ کو فتنوں سے بچانا تقدیر کو رد نہیں کر سکتا، لیکن ہمیں اسباب کے حصول کا حکم دیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''واوکوا'' اس کا معنی ہے: مشک کے منہ کو باندھ دینا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ولو ان تعرضوا'' یعنی اگر تمہیں برتن کو ڈھانپنے کے لیے کوئی چیز نہ ملے تو کسی چیز کی چوڑائی کو برتن کے اوپر رکھ دو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتنوں کو ڈھانپنے کا حکم اس لیے دیا کہ سال میں ایک رات وبا نازل ہوتی ہے اور وہ وبا کسی کھلے ہوئے برتن پر نازل ہوتی ہے، اس لیے آپ نے برتنوں کو ڈھانپنے کا حکم دیا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''واطفؤا مصابیحکم'' یعنی تم اپنے چراغوں کو بجھا دو، اور یہ حکم اس لیے دیا ہے کہ چوہا تیل کی بتی کو گھسیٹ کر لے جاتا ہے جس سے آگ لگ جاتی ہے۔اور مساجد اور گھروں میں جو قندیلیں لٹکی ہوئی ہوتی ہیں، اگر ان سے بھی آگ لگنے کا خطرہ ہو تو ان کو بجھا دیا جائے، ورنہ ان کو بجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۲۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ أَطْفِئُوا الْمَصَابِيحَ إِذَا رَقَدْتُمْ وَغَلِّقُوا الْأَبْوَابَ وَأَوْكُوا الْأَسْقِيَةَ وَخَمِّرُوا الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَلَوْ بِعُودٍ تَعْرُضُهُ عَلَيْهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از عطاء از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سوؤ تو چراغوں کو بجھا دو اور دروازوں کو بند کر دو اور مشکوں کے مونہوں کو باندھ دو اور طعام اور مشروب کو ڈھانپ دو، اور میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر تم کسی لکڑی کی چوڑائی کسی برتن پر رکھ دو۔

(صحیح البخاری: ۳۲۸۰، ۳۳۰۴، ۳۳۱۶، ۵۶۲۳، ۵۶۲۴، ۶۲۹۵، ۶۲۹۶، صحیح مسلم: ۲۰۱۲، سنن ترمذی: ۱۸۱۲، سنن ابوداؤد: ۳۷۳۱، مسند احمد: ۱۴۰۲۵)

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے اور اس کی شرح گزر چکی ہے۔

۲۳۔ بَابُ: اخْتِنَاثِ الْأَسْقِيَةِ — مشک کا منہ مروڑ کر اس سے پینے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

''اِخْتِنَاث'' کا معنی ہے: مشک کا منہ مروڑ کر اس سے پانی پینا اور اس باب کی احادیث میں اس سے منع فرمایا ہے۔

۵۶۲۵۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی الله عنه قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ اخْتِنَاثِ الْأَسْقِيَةِ يَعْنِي أَنْ تُكْسَرَ أَفْوَاهُهَا فَيُشْرَبَ مِنْهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی از الزہری از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مشکوں کے مونہوں کو مروڑنے سے منع فرمایا ہے، یعنی مشکوں کا منہ مروڑ کر اس مشک سے پانی پیا جائے (اس سے منع فرمایا ہے)۔

(صحیح البخاری: ۵۶۲۶، صحیح مسلم: ۲۰۲۳، سنن ترمذی: ۱۸۹۰، سنن ابوداؤد: ۳۷۲۰، سنن ابن ماجہ: ۳۴۱۸، مسند احمد: ۱۰۶۴۳، سنن دارمی: ۲۱۱۹)

صحیح البخاری: ۵۶۲۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں آدم کا ذکر ہے، یہ آدم بن ابی ایاس ہیں۔ اور اس میں ابن ابی ذئب کا ذکر ہے، یہ محمد بن عبد الرحمٰن بن مغیرہ بن الحارث ہیں، یہ اہل مدینہ کے فقیہ تھے اور ان کو نیکی اور بھلائی کا حکم دیتے تھے اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام سعد بن مالک ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''یعنی ان تکسر افواھھا'' اس حدیث میں کسر سے مراد مشکوں کا منہ موڑنا ہے اور حقیقۃً اس کے منہ کو توڑنا اور الگ کرنا مراد نہیں ہے، اور افواہ، فم کی جمع ہے اور جمع تکسیر میں لفظ کو اس کی اصل کی طرف لوٹایا جاتا ہے، کیونکہ فم کی اصل ''فوہ'' ہے، علامہ خطابی نے کہا ہے کہ حدیث کا یہ جملہ یعنی ''ان تکسر افواھھا'' یہ زہری کا قول ہے اور یہ تفسیر مدرج ہے۔

مشک کا منہ مروڑ کر پانی پینے سے منع کرنے کی حکمت

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ میرا گمان ہے کہ نبی ﷺ نے بطور ادب مشک کا منہ مروڑ کر پینے سے منع

فرمایا، اس لیے ہو سکتا ہے کہ مشک کے منہ میں سانپ ہو یا اور کوئی حشرات الارض میں سے ہو جس کا پینے والے کو پتا نہ چلے اور اس کے منہ میں سانپ یا حشرات الارض چلے جائیں۔

اور امام ابن ماجہ اور حاکم نے اپنی مستدرک میں از زمعہ بن صالح از سلمہ بن وہرام روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکوں کا منہ مروڑنے سے منع فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کے بعد رات کو ایک مرد اٹھا تو اس نے مشک کا منہ مروڑا، پس اس میں سے سانپ نکلا۔ (عمدة القاری ج ۲۱ ص ۲۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۲۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَنْهَى عَنِ اخْتِنَاثِ الْأَسْقِيَةِ قَالَ عَبْدُ اللهِ قَالَ مَعْمَرٌ أَوْ غَيْرُهُ هُوَ الشُّرْبُ مِنْ أَفْوَاهِهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کر رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے مشک کا منہ مروڑنے سے منع فرمایا۔ عبد اللہ نے کہا: معمر نے بیان کیا یا ان کے علاوہ کسی اور نے بیان کیا کہ اس سے مراد ہے مشک کے منہ سے پینا، یعنی آپ نے مشک کے منہ سے پینے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۶۲۶، صحیح مسلم: ۲۰۲۳، سنن ترمذی: ۱۸۹۰، سنن ابو داؤد: ۳۷۲۰، سنن ابن ماجہ: ۳۴۱۸، مسند احمد: ۱۰۶۴۳، سنن دارمی: ۲۱۱۹)

صحیح البخاری: ۵۶۲۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ذکر ہے "عبد اللہ" نے کہا: اس سے مراد عبد اللہ بن مبارک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ذکر ہے "معمر نے کہا" اس سے مراد معمر بن راشد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ ابن حزم نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مشک کے منہ سے پیا ہے، تو ہم کہیں گے: اس میں کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کی ایک سند میں حارث بن ابی سلمہ ہے اور وہ متروک ہے، اور اس میں البراء ابن بنت انس ہے اور وہ مجہول ہے، اور دوسری سند میں ایک مجہول راوی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: جن دو حدیثوں میں سے ایک کا ابن حزم نے ذکر کیا ہے، اس کی امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام ترمذی نے الشمائل میں روایت کی ہے از عبد الکریم الجزری از البراء ابن بنت انس بن مالک از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان

کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور ایک مشک لٹکی ہوئی تھی تو آپ نے مشک کے منہ سے پانی پیا۔ الحدیث۔ اور البراء، جس کا اس نے ذکر کیا ہے، ان کا امام ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور باقی راوی بھی وہ ہیں جن سے استدلال کیا جاتا ہے، اور امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں از شریک از حُمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لٹکی ہوئی مشک سے پانی پیا اور اس وقت آپ کھڑے ہوئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۴۔ بَابُ: الشُّرْبِ مِنْ فَمِ السِّقَاءِ — مشک کے منہ سے پینے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ان احادیث کو بیان کیا گیا ہے، جن میں مشک کے منہ سے پینے کی ممانعت ہے، اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام بخاری نے اس سے پہلے باب کے عنوان پر اکتفاء کیوں نہیں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا اس لیے نہیں کیا کہ اس سے یہ سمجھا جاتا کہ یہ ممانعت صرف اس صورت میں ہے جب مشک کے منہ کو مروڑا جائے اور اس باب کے عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ ممانعت عام ہے، مشک کے منہ کو مروڑ کو اس سے پانی پیا جائے یا بغیر مروڑے اس سے پانی پیا جائے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ایسی احادیث مروی ہیں جو مشک کے منہ سے پینے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، ان احادیث کا بیان درج ذیل ہے:

(۱) امام ترمذی نے از عبد الرحمن بن ابی عمرہ از جدہ خود کبشہ روایت کی ہے کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے ایک لٹکی ہوئی مشک سے پانی پیا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲) امام ترمذی نے شمائل میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لٹکی ہوئی مشک سے پانی پیا۔ اس حدیث کو ہم نے اس سے پہلے باب میں ذکر کیا ہے۔

(۳) حضرت عبد اللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک لٹکی ہوئی مشک کی طرف کھڑے ہوئے تھے اور آپ نے اس کا گلا گھونٹا اور پھر اس کے منہ سے پیا۔ اس کی امام ترمذی نے اور امام ابوداؤد نے روایت کی ہے اور صحابہ کی ایک جماعت سے اور تابعین سے ثابت ہے کہ انہوں نے بھی اس طرح کیا ہے۔

(۴) امام ابن ابی شیبہ نے المصنف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ چمڑے کے مشکیزے سے پانی پیا جائے۔

(۵) سعید بن جُبیر سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ چمڑے کے مشکیزے سے پانی پی رہے تھے۔

(۶) نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مشک کے منہ سے پانی پیتے تھے۔

(۷) عباد بن منصور سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے دیکھا کہ سالم بن عمر چمڑے کے مشکیزے سے پی رہے تھے۔

اگر تم یہ کہو کہ یہ احادیث مشک کے منہ سے پینے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں اور ان دونوں بابوں کی حدیثیں ممانعت پر دلالت

کرتی ہیں تو ان میں کس طرح تطبیق ہوگی؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ فرق کیا جائے کہ عذر کی وجہ سے مشک کے منہ سے پانی پینا جائز ہے اور بغیر عذر کے مشک کے منہ سے پانی پینا جائز نہیں ہے، مثلاً مشک لٹکی ہوئی ہو اور جس کو پانی پینے کی ضرورت ہو وہاں کوئی ایسا برتن نہ ہو جس میں پانی ڈال کر وہ پی سکے اور وہ اپنے ہاتھ میں مشک کا پانی لے کر پینے پر بھی قادر نہ ہو تو ایسی صورت میں مشک کے منہ سے پانی پینا جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے اور یہ احادیث جن کا ذکر کیا گیا ہے، یہ اسی صورت پر محمول ہیں۔ اور جب کوئی عذر نہ ہو تو پھر ممانعت کی حدیث پر عمل کیا جائے، نیز یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ جو احادیث مشک کے منہ سے پانی پینے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بیان کیا گیا ہے اور جن احادیث میں ممانعت کی گئی ہے، ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بیان کیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول فعل پر راجح ہوتا ہے، لہٰذا مشک کے منہ سے پینے کی ممانعت کی احادیث ان احادیث پر راجح ہیں جن میں یہ بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا بعض صحابہ نے مشک کے منہ سے پانی پیا۔ (عمدۃ القاری ج۲۱ ص۲۹۵۔۲۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: مشک سے منہ لگا کر پینے میں یہ خطرہ بھی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ مشک کے منہ میں کوئی چھوٹا سا سانپ ہو یا حشرات الارض ہوں تو وہ پینے والے کے منہ میں چلے جائیں یا جب وہ مشک سے منہ لگا کر پیئے تو اتنا زیادہ پانی اس کے پیٹ میں چلا جائے جس کا وہ متحمل نہ ہو، سو اس وجہ سے بھی مشک سے منہ لگا کر پینے کی ممانعت کی احادیث ان احادیث پر راجح ہیں جن میں مشک سے منہ لگا کر پینے کا جواز بیان کیا گیا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۶۲۷۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ قَالَ لَنَا عِكْرِمَةُ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَشْيَاءَ قِصَارٍ حَدَّثَنَا بِهَا أَبُو هُرَيْرَةَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الشُّرْبِ مِنْ فَمِ الْقِرْبَةِ أَوِ السِّقَاءِ وَأَنْ يَمْنَعَ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَهُ فِي دَارِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم سے عکرمہ نے کہا: کیا میں تمہیں چند چھوٹی چھوٹی باتوں کی خبر نہ دوں، جن کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں حدیث بیان کی؟ (انہوں نے بیان کیا کہ:) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشک کے منہ سے پینے سے منع فرمایا ہے، (راوی کو شک ہے کہ حدیث میں قربۃ کا لفظ ہے یا السقاء کا لفظ ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اس سے منع کرے کہ وہ اپنا شہتیر اس کے گھر میں رکھے۔

(صحیح مسلم: ۱۶۰۹، سنن ترمذی: ۱۳۵۳، سنن ابوداؤد: ۳۶۳۴، سنن ابن ماجہ: ۲۳۳۵، مسند احمد: ۸۱۳۵، موطا امام مالک: ۱۴۶۲)

صحیح البخاری: ۵۶۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں صرف اتنا ذکر تھا "مشک کے منہ سے پینا" اس سے یہ واضح نہیں ہوتا تھا کہ مشک کے منہ سے پینا جائز ہے یا ناجائز ہے اور اس باب کی حدیث نے یہ واضح کر دیا کہ مشک کے منہ سے پینا جائز نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبد اللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، یہ سفیان بن عیینہ ہیں۔ اور ایوب کا ذکر ہے، یہ ایوب سختیانی ہیں۔ اور عکرمہ کا ذکر ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ذکر ہے: "کیا میں تمہیں ان چند چیزوں کا ذکر نہ کروں جن کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں حدیث بیان کی ہے"۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس حدیث میں تو عکرمہ نے صرف دو چیزوں کا بیان کیا ہے اور انہوں نے چند چیزوں کا ذکر کیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ عکرمہ نے اور چیزوں کا بھی بیان کیا ہو لیکن راویوں نے ان چیزوں کا ذکر نہ کیا ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے عمداً دوسری چیزوں کا بیان ترک کر دیا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بھول گئے ہوں۔ اور یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ عکرمہ کے نزدیک جمع کا اطلاق کم از کم دو چیزوں پر ہوتا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "او السقاء" یعنی راوی کو شک ہے کہ آپ نے القربۃ کا لفظ فرمایا تھا یا السقاء کا لفظ فرمایا تھا۔ اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ "القِربة" اس مشک کو کہتے ہیں جس میں پانی ہوتا ہے اور السِقاء چمڑے کی اس مشک کو کہتے ہیں جس میں پانی ہوتا ہے اور دودھ ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "آپ نے اس سے منع کیا کہ کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اپنے گھر میں شہتیر رکھنے سے منع کرے" اور ایک روایت میں ہے کہ "وہ اپنے گھر کی دیوار پر پڑوسی کو شہتیر رکھنے سے منع کرے" اور یہ زیادہ واضح ہے اور علامہ ابن ملقن نے التوضیح میں کہا ہے کہ ہمارے نزدیک اور امام مالک کے نزدیک یہ استحباب پر محمول ہے، یعنی مستحب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اپنے گھر کی دیوار کے اوپر شہتیر رکھنے سے منع نہ کرے۔ اور ہمارے نزدیک امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ یہ واجب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۲۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يُشْرَبَ مِنْ فِي السِّقَاءِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے خبر دی از عکرمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ مشک کے منہ سے پانی پیا جائے۔

(مسند احمد: ۷۱۱۳، سنن ترمذی: ۱۸۲۵، سنن نسائی: ۴۴۴۸، سنن ابوداؤد: ۳۷۱۹، سنن ابن ماجہ: ۳۴۲۰، سنن دارمی: ۲۱۱۸)

صحیح البخاری: ۵۶۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، وہ ابن علیہ ہیں، اور ایوب کا ذکر ہے، وہ السختیانی ہیں۔

مشک کے منہ سے پانی پینے کے متعلق فقہاء کے اقوال

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مشک کے منہ سے پینے کی ممانعت تنزیہ کے لیے ہے، تحریم کے لیے نہیں ہے۔

علامہ نووی کی اس عبارت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اتفاق کے دعوے پر اعتراض ہے، کیونکہ ابوبکر اثرم صاحب احمد نے کہا ہے کہ ممانعت کی احادیث اباحت کی احادیث کے لیے ناسخ ہیں، کیونکہ صحابہ پہلے مشک کے منہ سے پانی پیتے تھے حتیٰ کہ چھوٹا سا سانپ اس شخص کے پیٹ میں چلا گیا جس نے مشک کے منہ سے پانی پیا تھا، تو پھر یہ جواز منسوخ کر دیا گیا۔

مشک کے منہ سے پینے کی ممانعت کی حکمت

اور ممانعت کی یہ حکمت بیان کی گئی ہے کہ جو شخص مشک کے منہ سے پئے گا، وہ اس سے بے خوف وخطر نہیں ہوگا کہ پانی کے ساتھ حشرات الارض میں سے کوئی چیز مشک کے پیٹ میں ہو اور وہ پینے والے کے منہ کے ذریعہ اس کے پیٹ میں چلی جائے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس آدمی نے خود مشک میں پانی بھرا ہو اور وہ بغور دیکھ رہا ہو کہ مشک کے اندر صرف پانی ہی گیا ہے اور پھر وہ مشک کے منہ کو ڈوری سے باندھ دے، پھر اس کو جب ضرورت ہو تو وہ مشک کے منہ سے پی لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اب یہ خطرہ نہیں ہے کہ مشک سے کوئی چھوٹا سا سانپ یا حشرات الارض میں سے کوئی چیز منہ کے ذریعہ اس کے پیٹ میں چلی جائے گی اور اس صورت کو حدیث کی ممانعت شامل نہیں ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سند قوی کے ساتھ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشک کے منہ سے پینے سے منع فرمایا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو شخص مشک کے منہ سے پئے گا تو کبھی پانی پریشر سے اور بہت تیزی سے نکلے گا اور پینے والے کی ضرورت سے زیادہ پانی اس کے پیٹ میں چلا جائے گا یا اس کے کپڑے بھیگ جائیں گے، یا کبھی اتنے زور سے پانی نکلے گا کہ اس کی کمزور رگیں ٹوٹ جائیں گی اور بسا اوقات یہ اس کی ہلاکت کا سبب بن جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۶۔۲۹۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۲۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنِ الشُّرْبِ مِنْ فِي السِّقَاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشک کے منہ سے پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ترمذی: ۱۸۲۵، سنن نسائی: ۴۴۴۸، سنن ابوداؤد: ۳۷۱۹، سنن ابن ماجہ: ۳۴۲۱، مسند احمد: ۱۹۹۰، سنن دارمی: ۲۱۱۷)

اس حدیث کی شرح بھی حسب سابق ہے۔

۲۵۔ بَابُ: النَّهْيِ عَنِ التَّنَفُّسِ فِي الْإِنَاءِ — برتن میں سانس لینے کی ممانعت کا بیان

اس باب میں ایسی احادیث بیان کی گئی ہیں جن میں پانی پیتے وقت برتن میں سانس لینے سے منع کیا گیا ہے۔

۵۶۳۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ وَإِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَمْسَحْ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ وَإِذَا تَمَسَّحَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَمَسَّحْ بِيَمِينِهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از یحییٰ از عبداللہ بن ابی قتادہ از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی پیئے تو برتن میں سانس نہ لے اور جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنے دائیں ہاتھ کو پیشاب کے آلہ پر نہ پھیرے اور جب تم میں سے کوئی ایک استنجا کرے تو دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے۔

(صحیح البخاری: ۱۵۳، ۱۵۴، ۵۶۳۰، صحیح مسلم: ۲۶۷، سنن ترمذی: ۱۵، ۱۸۸۹، سنن نسائی: ۴۷، سنن ابوداؤد: ۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۰، مسند احمد: ۱۸۹۲۷، سنن دارمی: ۶۷۳)

صحیح البخاری: ۵۶۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابونعیم کا ذکر ہے، یہ الفضل بن دکین ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں شیبان کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالرحمن النحوی ہیں۔ اور یحییٰ کا ذکر ہے، یہ ابن ابی کثیر ہیں۔ اور ابوقتادہ کا ذکر ہے، یہ الحارث بن ربعی الانصاری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: پانی پیتے وقت برتن میں سانس لینے سے اس طرح منع کیا ہے جس طرح طعام میں اور مشروب میں پھونک مارنے سے منع کیا ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے، ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ جب وہ طعام یا مشروب میں پھونک مارے گا تو اس کے منہ سے لعاب کی چھینٹیں کھانے یا پینے میں پڑیں، پھر جو اس کے ساتھ کھانا کھا رہا ہوگا، اس کو کراہیت آئے گی اور اسے کھانے سے گھن آئے گی، اس لیے آپ نے منع فرمادیا تاکہ جو اس کے ساتھ کھانا کھا رہا ہو، وہ اس طعام کو فاسد نہ کہے۔ اور یہ اس وقت ہے کہ جب وہ کسی دوسرے کے ساتھ کھائے یا پیئے لیکن جب وہ اکیلا کھا رہا ہو یا پی رہا ہو یا اس کو علم ہو کہ اس کو گھن نہیں آئے گی تو پھر برتن میں سانس لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۳۰ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی نظیر

اس کی نظیر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے آگے سے کھائیں، اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیالہ کے اطراف میں سے کدو تلاش کر کے کھا رہے تھے، کیونکہ آپ کو علم تھا کہ آپ کا ہاتھ جو پیالہ کے اطراف میں گھوم رہا ہے، اس سے کسی کو گھن نہیں آئے گی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کس کو گھن آسکتی ہے، حالانکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغم تھوکتے تو صحابہ کرام اس بلغم کو اپنے ہاتھوں پر لے لیتے اور اس کو اپنے چہروں پر ملتے، اسی طرح جب آپ وضو کا قصد فرماتے۔ (صحیح البخاری: ۲۷۳۱) اور یہ فرق ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل میں اور آپ کے اس حکم میں کہ اپنے آگے سے کھاؤ۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب پھونک مارنے والے کو یہ علم ہو کہ کسی کو اس سے گھن نہیں آئے گی، پھر اس کے پھونک مارنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۲۵ ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

پانی کے برتن میں سانس لینے کی ممانعت کی جدید میڈیکل سائنس سے تائید

میں کہتا ہوں کہ جدید میڈیکل سائنس نے بھی پانی کے برتن میں پانی پیتے وقت سانس لینے سے منع کیا ہے، کیونکہ معدے سے جو بخارات نکلتے ہیں ان میں مختلف جراثیم ہوتے ہیں اور جب برتن میں پانی پینے والا سانس لے گا تو وہ جراثیم اس پانی میں شامل ہو جائیں گے، اسی طرح جب طعام اور مشروب میں پھونک مارے گا تو اس کی پھونک میں جو جراثیم ہوں گے وہ اس طعام اور مشروب میں شامل ہو جائیں گے، اس لیے اس سے احتراز بہتر ہے، جدید میڈیکل سائنس نے تو اس حقیقت کو کئی صدیوں کے بعد جانا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو کئی صدیوں پہلے اجاگر کر دیا۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۶۳۰ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آداب کی تعلیم دی ہے:

(۱) جب آدمی پانی پیئے تو پانی کے برتن کو منہ سے الگ کر لے اور جب منہ سے الگ کر لے تو پھر سانس لے، کیونکہ جب پانی اس کے منہ میں ہو اور وہ سانس لے تو یہ اس کے گلا گھٹ جانے کا سبب ہوگا، نیز جب وہ برتن میں سانس لے گا تو اس کے سانس سے کئی بیماریوں کے جراثیم اس پانی میں منتقل ہو جائیں گے۔

(۲) جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنے آلہ پر دایاں ہاتھ نہ پھیرے بلکہ بائیں ہاتھ سے اپنے آلہ کو پکڑے۔

(۳) جب تم میں سے کوئی ایک استنجا کرے تو دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے۔ اور اس میں یہ دلیل ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر شرف ہے، تو جو عزت والے کام ہیں ان میں تو دایاں ہاتھ استعمال کرے اور جن کاموں کا تعلق نجاست کے ازالہ کے ساتھ ہو ان میں بائیں ہاتھ کو استعمال کرے۔

۲۶۔ بَابُ: الشُّرْبِ بِنَفَسَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ دو یا تین سانس لے کر پانی پینے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ،اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پانی پینے والا دو سانس یا تین سانس لے کر پانی پیئے۔ یہاں پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث میں اور پہلی حدیث میں تعارض ہے، کیونکہ پہلی حدیث میں پانی پیتے وقت سانس لینے سے منع فرمایا ہے اور اس حدیث میں پانی پیتے وقت دو مرتبہ یا تین مرتبہ سانس لینے کا بیان فرمایا ہے، اس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں، بہترین جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے پہلے عنوان میں یہ کہا ہے کہ برتن کو سانس لینے کا ظرف نہ بنائے اور اس سے کراہیت کی وجہ سے منع کیا ہے، اور اس عنوان میں کہا ہے کہ دو سانسوں میں پانی پیئے، یعنی ایک ہی سانس کے اندر آدمی پانی نہ پیئے بلکہ پانی پینے میں فصل کرے، دو مرتبہ سانس لے یا تین مرتبہ سانس لے اور یہ سانس برتن سے باہر لے، سو پہلی حدیث میں برتن میں سانس لینے سے منع کیا ہے اور اس حدیث میں برتن کو منہ سے الگ کر کے دو یا تین مرتبہ سانس لینے کا حکم دیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۳۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ وَأَبُو نُعَيْمٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ كَانَ أَنَسٌ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا وَزَعَمَ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَتَنَفَّسُ ثَلَاثًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم اور ابو نعیم نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے کہا: ہمیں عذرہ بن ثابت نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ثمامہ بن عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ (پانی پیتے وقت) برتن میں دو مرتبہ یا تین مرتبہ سانس لیتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ سانس لیتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۲۰۲۸، سنن ترمذی: ۱۸۸۴، سنن ابن ماجہ: ۳۴۱۶، مسند احمد: ۱۲۷۹۵، سنن دارمی: ۲۱۲۰)

صحیح البخاری: ۵۶۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو عاصم کا ذکر ہے، یہ الضحاک بن مخلد النبیل ہیں۔ اور ابو نعیم کا ذکر ہے، یہ الفضل بن دکین ہیں۔ اور عذرہ کا ذکر ہے، یہ ابن ثابت الانصاری التابعی ہیں، یہ مدینہ کے رہنے والے تھے، پھر بصرہ چلے گئے، پھر انہوں نے اپنے ماں شریک دادا عبد اللہ بن یزید الخطمی سے اور حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے اور دیگر صحابہ سے احادیث کا سماع کیا۔ اور ثمامہ بن عبد اللہ کا ذکر ہے، یہ ثمامہ بن عبد اللہ بن انس ہیں اور یہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں دو یا تین بار سانس لینے کا حکم ہے، اور امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت

کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم اونٹ کی طرح ایک سانس میں پانی نہ پیو، لیکن تم دو مرتبہ یا تین مرتبہ سانس لے کر پانی پیو، اور جب تم پانی پیو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھو، اور جب تم پانی پی چکو تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرو اور الحمد للہ رب العالمین پڑھو۔ امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

اور امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پانی پیتے تو دو سانسوں میں پانی پیتے تھے، پھر امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ ان دونوں حدیثوں میں کس طرح موافقت ہوگی؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں دو مرتبہ سانس لینے کی تصریح نہیں ہے بلکہ اس میں یہ بتایا ہے کہ دو مرتبہ سانس لینا کافی ہے اور اصل اور مستحب یہ ہے کہ تین مرتبہ سانس لے کر پانی پیئے۔

ایک سانس میں پانی پینے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا ایک سانس میں پانی پینا جائز ہے؟ پس ابن المسیب اور عطاء بن ابی رباح ان دونوں نے ایک سانس میں پانی پینے کی اجازت دی ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور طاؤس اور عکرمہ نے کہا ہے کہ ایک سانس میں پانی پینا مکروہ ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ شیطان کا پینا ہے۔ اثرم نے کہا: یہ احادیث بہ ظاہر مختلف ہیں اور ہمارے نزدیک ایک سانس میں اور دو سانسوں میں اور تین سانسوں میں یا اس سے زیادہ سانسوں میں پانی کا پینا جائز ہے، کیونکہ روایات کا اختلاف تسہیل پر دلالت کرتا ہے اور اگر اس نے تین سانسوں میں پانی پیا تو یہ مستحسن ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۸-۲۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۳۱ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دو حدیثوں میں تعارض کا جواب

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس سے پہلی حدیث (صحیح البخاری: ۵۶۳۰) جو حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے، اور اس حدیث میں دو یا تین سانسوں میں پانی پینے کا حکم دیا ہے اور ان حدیثوں میں تعارض ہے؟ اس کی تطبیق اس طرح ہے کہ پانی پیتے وقت برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے اور پانی پیتے وقت برتن کو منہ سے الگ کر کے دو مرتبہ یا تین مرتبہ سانس لینے کا حکم دیا ہے، سو ان حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیتے وقت تین مرتبہ سانس لیتے تھے اور فرماتے تھے: یہ زیادہ خوشگوار ہے۔

(سنن ترمذی: ۱۸۸۴، صحیح مسلم: ۲۰۲۸)

امام مالک بن انس حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروب میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے، ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں ایک سانس میں پانی پینے سے سیر نہیں ہوتا، آپ نے فرمایا: تم پیالہ

کو اپنے منہ سے الگ کرو اور پھر سانس لو۔ (موطا امام مالک ج ۱ ص ۵۷۶)

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں:

اس باب کی حدیث میں جو مذکور ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ برتن میں دو مرتبہ سانس لیتے تھے یا تین مرتبہ، تو وہ بھی اسی صورت پر محمول ہے یعنی برتن کو منہ سے الگ کر کے دو مرتبہ یا تین مرتبہ سانس لیتے تھے۔

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص پیئے تو برتن میں سانس نہ لے اور جب وہ دوبارہ پینے کا ارادہ کرے تو برتن کو منہ سے الگ کرے اور پھر دوبارہ پیئے۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۴۲۷، علامہ البوصیری نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ زوائد ابن ماجہ ص ۴۴۵)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشروب میں پھونک مارنے سے منع فرمایا، ایک مرد نے کہا: میں برتن میں تنکا دیکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: اس مشروب کو گرا دو، اس نے کہا: میں ایک سانس میں سیر نہیں ہوتا، آپ نے فرمایا: پیالے کو اپنے منہ سے الگ کر کے (دوسرا) سانس لے لو۔ (سنن ترمذی: ۱۸۸۷، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے)

علامہ ابن المنذر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص برتن میں سانس نہ لے، لیکن جب وہ سانس لینے کا ارادہ کرے تو برتن کو اپنے منہ سے الگ کر کے پھر سانس لے۔

(الاشراف علی مذاہب اہل العلم ج ۳ ص ۲۳۹)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۲۶۔ ۲۲۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۲۷۔ بَابُ: الشُّرْبِ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ — سونے کے برتنوں میں پینے کا بیان

اس باب میں سونے کے برتنوں میں کسی مشروب کو پینے کا حکم بیان کیا گیا ہے، امام بخاری نے اس حکم کی تصریح بیان نہیں کی، کیونکہ اس باب کی احادیث سے اس کا حکم معلوم ہو جاتا ہے کہ سونے کے برتنوں میں پینا جائز نہیں ہے۔

۵۶۳۲۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ كَانَ حُذَيْفَةُ بِالْمَدَائِنِ فَاسْتَسْقَى فَأَتَاهُ دِهْقَانٌ بِقَدَحِ فِضَّةٍ فَرَمَاهُ بِهِ فَقَالَ إِنِّي لَمْ أَرْمِهِ إِلَّا أَنِّي نَهَيْتُهُ فَلَمْ يَنْتَهِ وَإِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نَهَانَا عَنِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ وَالشُّرْبِ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَقَالَ هُنَّ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَهِيَ لَكُمْ فِي الْآخِرَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الحکم از ابن ابی لیلیٰ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدائن میں تھے، پس انہوں نے پانی طلب کیا تو ان کے پاس دہقان چاندی کے پیالہ میں پانی لے کر آیا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے وہ پیالہ اس کے اوپر پھینک دیا، پس فرمایا: میں نے اس پر یہ پیالہ اس لیے پھینکا ہے کہ میں نے اسے کئی مرتبہ (چاندی کے پیالہ میں پانی دینے سے) منع کیا ہے مگر یہ باز نہیں آیا، اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو ریشم، دیباج اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں پینے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا:

یہ (نعمتیں) ان کے لیے دنیا میں ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۳۲، ۵۶۳۳، ۵۸۳۱، ۵۸۳۷، صحیح مسلم: ۲۰۶۷، سنن ترمذی: ۱۸۷۸، سنن نسائی: ۵۳۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۷۲۳، سنن ابن ماجہ: ۳۴۱۴، مسند احمد: ۲۲۸۰۳)

صحیح البخاری: ۵۶۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "سونے کے برتنوں میں پینے کا بیان" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سونے اور چاندی کے برتنوں میں پینے سے منع فرمایا ہے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے "الحکم" یہ ابن عُتیبہ ہیں اور عُتیبہ "عتبة الدار" کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے: ابن ابی لیلیٰ، یہ عبدالرحمٰن ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حذیفہ، یہ حضرت حذیفہ بن الیمان ہیں، اور الیمان کا نام حسل بن جابر ہے اور الیمان لقب ہے اور یہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں "المدائن" کا ذکر ہے، یہ دجلہ کے کنارے بہت بڑا شہر ہے، دجلہ اور بغداد کے درمیان سات فرسخ کا فاصلہ ہے، یہ فارس کے بادشاہوں کا مسکن ہے اور یہاں پر کسریٰ کے مشہور ایوان ہیں، یہ شہر ۱۰ ہجری (۱۰ھ) میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فتح ہوا تھا اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس شہر کے گورنر تھے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی اس شہر کے گورنر رہے یہاں تک کہ ۳۶ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ابتداء میں ان کی وفات ہوئی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "دھقان" یہ لفظ دال کی زیر اور دال کے پیش دونوں سے پڑھا گیا ہے اور اس کے بعد ہاء ساکن ہے پھر قاف ہے اور قاف کے بعد الف اور نون ہے۔ دھقان قوم کے بڑے اور بستی کے امیر کو کہتے ہیں۔ سنن ترمذی کی روایت میں ہے "پس حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک انسان وہ چاندی کا پیالہ لایا تھا" اور کتاب الاطعمہ میں گزر چکا ہے کہ ایک مجوسی وہ پیالہ لے کر آیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "میں نے یہ پیالہ صرف اس لیے پھینکا" اور اسماعیلی کی روایت میں ہے "میں نے یہ پیالہ صرف اس لیے توڑا"، یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عذر ہے، کیونکہ انہوں نے اس دہقان کو کئی مرتبہ کہا تھا کہ چاندی کے پیالہ میں پانی نہ لایا کرو مگر وہ دہقان باز نہیں آیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''دیباج'' اس کا معنی ہے: ریشم سے بنایا ہوا کپڑا۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے''یہ (نعمتیں) ان کے لیے دنیا میں ہیں'' اس کا معنی یہ ہے کہ کفار ان نعمتوں کو دنیا میں استعمال کرتے ہیں اور یہ مسلمانوں کے طریقہ کے خلاف ہے۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے''تمہارے لیے یہ (نعمتیں) آخرت میں ہیں'' یعنی تم آخرت میں ان نعمتوں کو استعمال کرو گے، اور یہ اس کی جزا ہے کہ تم نے دنیا میں ان کو ترک کر دیا۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ جو ان نعمتوں کو دنیا میں استعمال کرے گا، آخرت میں اس کو یہ نعمتیں نہیں ملیں گی، جیسا کہ الخمر کے پینے کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۹۹۔ ۳۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۳۲ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سونے اور چاندی کے استعمال کی بعض صورتیں

یہ حدیث کتاب الاطعمہ میں بھی مذکور تھی، اور امام بخاری نے اس کو یہاں پر مکرر ذکر کیا ہے اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں پینا بالاجماع حرام ہے اور جس کا قول اس کے خلاف شاذ ہے، اس کا اعتبار نہیں ہے اور اس لیے کہ اس میں اسراف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سونے اور چاندی کو لوگوں کے لیے قیمت کا اور ثمن کا ذریعہ بنایا ہے، تاکہ وہ اپنی معاش میں سونے اور چاندی کے بدلہ میں اپنی ضرورت کی اشیاء خریدیں، اس لیے قیمت کے علاوہ ان کا استعمال کرنا حرام ہے، مگر ان کا جو استعمال مردوں کے لیے سنت سے ثابت ہے، تلوار، انگوٹھی، مصحف اور عورتوں کے زیورات۔ اسی طرح علامہ ابن بطال نے ذکر کیا ہے۔
علامہ ابن بطال نے جو تلوار کو آراستہ کرنے کا ذکر کیا ہے تو وہ چاندی کے ساتھ ہے اور انگوٹھی بھی چاندی کے ساتھ ہے، اور مصحف کو بھی مرد کے لیے چاندی سے آراستہ کیا جاتا ہے اور عورت کے لیے سونے سے۔ اور عورت کے زیورات کے استعمال پر اجماع ہے۔
اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کے متعلق فرمایا ہے کہ ریشم کا لباس وہ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔
(صحیح البخاری: ۸۸۶، کتاب الجمعہ، باب یلبس احسن ما یجد)
اور وہ کفار ہیں، کیونکہ جب انہوں نے دنیا میں ریشم کو اپنا لباس بنا لیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے لیے آخرت میں جو نعمتیں تیار کی ہیں ان پر ریشم کو ترجیح دی اور دنیاوی نعمتوں کو پسند کیا، تو شارع علیہ السلام نے ان کی مذمت کی اور مسلمانوں کو منع کیا کہ وہ ان کفار کی مشابہت اختیار کریں جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور تاکہ وہ اس آیت کی وعید میں داخل نہ ہوں:

وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝ (الاحقاف: ۲۰)

اور جس دن کفار کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا (تو ان سے کہا جائے گا:) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو، اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو، پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور کیونکہ تم نافرمانی

کرتے تھے O

چاندی اور سونے کے برتن بنانے میں دو قول ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ برتن بنانے بھی ممنوع ہیں جیسا کہ ان کا استعمال ممنوع ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۳۱-۲۳۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۲۸- بَابٌ: آنِيَةِ الْفِضَّةِ — چاندی کے برتنوں کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں چاندی کے برتنوں کے استعمال کا حکم بیان کیا گیا ہے، امام بخاری نے یہ عنوان الگ قائم کیا ہے، حالانکہ یہ عنوان بھی باب سابق کے عنوان میں داخل ہے، کیونکہ باب سابق کی پہلی حدیث میں سونے اور چاندی کے برتنوں کے استعمال کی تحریم بیان کی گئی ہے، فرق یہ ہے کہ پہلی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سونے اور چاندی کے برتنوں میں پینے سے منع فرمایا ہے، اور اس حدیث میں صراحۃً نہی کے صیغہ کا ذکر ہے "لا تشربوا" یعنی نہ پیو۔

۵۶۳۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ خَرَجْنَا مَعَ حُذَيْفَةَ وَذَكَرَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَا تَشْرَبُوا فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا تَلْبَسُوا الْحَرِيرَ وَالدِّيبَاجَ فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَكُمْ فِي الْآخِرَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی از ابن عون از مجاہد از ابن ابی لیلیٰ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا کہ آپ نے فرمایا ہے: تم سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو اور نہ ریشم اور دیباج پہنو، کیونکہ یہ (نعمتیں) ان کے لیے دنیا میں ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۳۲، ۵۶۳۳، ۵۸۳۱، ۵۸۳۷، صحیح مسلم: ۲۰۶۷، سنن ترمذی: ۱۸۷۸، سنن نسائی: ۵۳۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۷۲۳، سنن ابن ماجہ: ۳۴۱۴، مسند احمد: ۲۲۸۰۳)

صحیح البخاری: ۵۶۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابن ابی عدی کا ذکر ہے، یہ محمد ہیں اور ابن ابی عدی کا نام ابراہیم البصری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن عون کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عون ہیں۔ اور ابن ابی لیلیٰ کا ذکر ہے، یہ عبدالرحمٰن ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ذکر ہے کہ "ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا" یہاں کچھ عبارت

محذوف ہے جس کا اسماعیلی نے بیان کیا ہے، انہوں نے کہا کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہر کے کسی حصہ میں گئے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پانی طلب کیا تو ان کے پاس دہقان چاندی کے برتن میں پانی لے کر آیا، تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے وہ برتن اس دہقان کے منہ پر کھینچ مارا۔ اسماعیلی نے بیان کیا، پس ہم نے کہا: خاموش رہو، کیونکہ اگر ہم نے ان سے سوال کیا تو یہ ہم کو حدیث بیان نہیں کریں گے، پس ہم خاموش رہے، پھر اس کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: کیا تم نے سمجھ لیا کہ میں نے وہ برتن اس کے منہ پر کیوں کھینچ کر مارا؟ تو ہم نے کہا: نہیں، تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس کو کئی مرتبہ منع کیا کہ چاندی کے برتن میں پانی نہ لایا کرو، پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا کہ آپ نے فرمایا: سونے اور چاندی میں نہ پیو، اس حدیث کی اصل صحیح مسلم میں ہے، مگر انہوں نے بعض عبارت تقطیع کے ساتھ بیان کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۰۔۳۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۳۴۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ الَّذِي يَشْرَبُ فِي إِنَاءِ الْفِضَّةِ إِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک بن انس نے حدیث بیان کی از نافع از زید بن عبد اللہ بن عمر از عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی بکر الصدیق از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو چاندی کے برتن میں پیئے گا تو وہ شخص اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھڑکائے گا۔

(صحیح مسلم: ۲۰۶۵، سنن ابن ماجہ: ۳۴۱۳، مسند احمد: ۲۶۰۲۸، موطا امام مالک: ۱۷۱۷، سنن دارمی: ۲۱۲۹)

صحیح البخاری: ۵۶۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، وہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور زید بن عبد اللہ بن عمر کا ذکر ہے، وہ تابعی ثقہ ہیں اور ان کی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے متعلق گزر چکی ہے اور صحیح بخاری میں ان کی صرف یہ دو حدیثیں ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی بکر صدیق کا ذکر ہے، یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں جو اس حدیث کی روایت کرنے والی ہیں، اور ان کی والدہ قریبہ بنت ابی امیہ بن المغیرہ المخزومیہ ہیں، اور یہ ثقہ راوی ہیں، بخاری میں ان کی صرف یہی حدیث ہے۔ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، ام المومنین ہیں، ان کا نام ہند بنت ابی امیہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یُجَرْجِرُ" یہ الجرجرۃ سے ماخوذ ہے، یہ وہ آواز ہے کہ جب اونٹ جوش میں آتا ہے تو اس آواز کو سانس کی نالی میں دہراتا ہے، جیسے گھوڑے کے جبڑے میں لگام کی آواز ہوتی ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص چاندی کے برتن

میں کوئی مشروب پیتا ہے تو وہ مشروب دوزخ کی آگ میں اس کے پیٹ میں چلائے گا۔اور علامہ داؤدی نے کہا: وہ شخص جہنم کی آگ کو گھونٹ گھونٹ بھر کر پیئے گا۔کہا جاتا ہے "جرجر فلان الماء" یعنی جب کوئی شخص مسلسل گھونٹ بھر کر پیئے تو اس سے جو آواز نکلے، پس معنی یہ ہے گویا کہ وہ دوزخ کی آگ کو گھونٹ بھر بھر کر پیئے گا اور حقیقت میں دوزخ کی آگ اس کے پیٹ میں گھونٹ نہیں بھر رہی ہوگی، لیکن یہ ایسی آواز ہوگی جیسے گھونٹ بھر بھر کے پینے سے آواز نکلتی ہے، تو جو شخص ان برتنوں میں پیئے گا، تو دوزخ میں اس کے پیٹ سے ایسی آواز آئے گی جیسے گھونٹ بھر بھر کر پینے سے آواز آتی ہے گویا کہ یہ جہنم کی آگ اس کے پیٹ میں گھونٹ بھر رہی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۱۔۳۰۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۳۴، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

"یُجَرجِرُ کا معنی ہے: اس کے پیٹ میں مشروب کے گھونٹ بھرنے کی آواز آئے گی اور اس میں دوزخ کی آگ ڈال دی جائے گی اور یہ بطور تمثیل کے فرمایا ہے، کیونکہ جو دنیا میں سونے یا چاندی کے برتن میں پیئے گا تو وہ ایسا ہے جیسے وہ دوزخ کی آگ کو گھونٹ بھر بھر کر اپنے پیٹ میں ڈال رہا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یتیم کا مال کھانے والے کی سزا کو بطور مثال کے بیان فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ۝ (النساء)

بے شک جو لوگ ناجائز طریقہ سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں، اور وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے ۝

یہاں پر ممانعت تحریم کے لیے ہے، کیونکہ سونے اور چاندی کے برتنوں کے استعمال پر وعید ہے، کیونکہ جو سونے اور چاندی کے برتنوں کو دنیا میں استعمال کرے گا وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ کے گھونٹ بھرے گا۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا اور پینا حرام ہے۔

(۲) سونے اور چاندی کے برتن جنت کے پیالے ہیں اور یہ اہل جنت کی نعمتوں میں زیادہ تکریم کے لیے ہے، کیونکہ اکثر اہل جنت فقراء اور مساکین ہوں گے تو یہ جنت میں ان کے برتن ہوں گے۔

(۳) اس حدیث میں گمراہوں اور کفار کے لیے شدید وعید ہے کہ جو دنیا میں سونے اور چاندی کے برتنوں کو استعمال کرے گا تو دوزخ کی آگ ان کے پیٹ میں گھونٹ بھرے گی۔ (الشرح المیسر لصحیح البخاری، ج ۵ ص ۲۲۸۔۲۲۹، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۵۶۳۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ أَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعِ الْجِنَازَةِ وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ وَإِجَابَةِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از الاشعث بن سلیم از معاویہ بن سوید بن مقرن از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سات چیزوں کا حکم دیا اور ہم کو سات

الدَّاعِي وَإِفْشَاءِ السَّلَامِ وَنَصْرِ الْمَظْلُومِ وَإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ وَنَهَانَا عَنْ خَوَاتِيمِ الذَّهَبِ وَعَنِ الشُّرْبِ فِي الْفِضَّةِ أَوْ قَالَ آنِيَةِ الْفِضَّةِ وَعَنِ الْمَيَاثِرِ وَالْقَسِّيِّ وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ وَالْإِسْتَبْرَقِ۔

چیزوں سے منع فرمایا، ہم کو حکم دیا مریض کی عیادت کریں، اور جنازہ کے ساتھ جائیں، چھینک لینے والے کے جواب میں یرحمک اللہ کہیں، جو دعوت دے اس کی دعوت کو قبول کریں، اور سلام کو پھیلائیں، اور مظلوم کی مدد کریں، اور قسم کھانے والے کی قسم کو سچا کریں، اور ہم کو سونے کی انگوٹھیوں کے پہننے سے اور چاندی کے برتنوں میں پینے سے اور ریشمی زین سے اور قسی سے اور ریشم اور دیباج اور استبرق کے پہننے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۰۶۶، سنن ترمذی: ۲۸۰۹، سنن نسائی: ۱۹۳۹، سنن ابن ماجہ: ۲۱۱۵، مسند احمد: ۱۸۰۳۴)

صحیح البخاری: ۵۶۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "چاندی کے برتنوں کا بیان" اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں سے منع فرمایا ہے اور ان سات چیزوں میں چاندی کے برتنوں میں پینے سے ممانعت کا بھی ذکر ہے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوعوانہ کا ذکر ہے، ان کا نام الوضاح الیشکری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں الاشعث کا ذکر ہے، یہ ابن سُلیم ہیں جو سلم کی تصغیر ہے۔ اور سوید کا ذکر ہے، یہ سود کی تصغیر ہے۔ اور مُقَرِّن کا ذکر ہے، یہ تقرین کا اسم فاعل ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں "تشمیت العاطس" کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: جس شخص کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو دوسرا شخص اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے۔

نیز اس حدیث میں "افشاء السلام" کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: بہ کثرت سلام کرنا اور لوگوں کے درمیان سلام کو پھیلانا؛ کتاب الجنازہ میں فرمایا تھا: سلام کا جواب دینا اور یہاں فرمایا ہے: سلام کو پھیلانا، کیونکہ سلام سے مقصود یہ ہے کہ مسلمان جب ایک دوسرے سے ملاقات کریں تو اپنے بھائی کے لیے دعائے خیر کریں، پھر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان سات امور میں سے بعض سنت ہیں اور بعض فرض ہیں، پس سلام کا جواب دینا واجب ہے اور سلام کرنا سنت ہے۔ اور ایک لفظ سے فرض اور سنت دونوں کا ارادہ کرنا جائز ہے اور وہ لفظ ہے "ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا" تو احناف کے نزدیک یہ حکم کا معنی عام ہے خواہ فرض ہو یا سنت ہو اور اس کو عموم المجاز کہتے ہیں اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک حقیقت اور مجاز کو ایک لفظ میں جمع کرنا جائز ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''ابرار المقسم'' یعنی جو شخص قسم کھائے، اس کی قسم کو پورا کرنے میں مدد کی جائے۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے ''خواتیم الذھب'' خواتیم، خاتم کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: انگوٹھی یا چھلہ۔
اور اس حدیث میں ''میاثر'' کا ذکر ہے، یہ مِیثرۃ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: زین کے اوپر ریشمی چادر، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سرخ رنگ کی چادر ہوتی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ درندوں کی کھال ہوتی ہے۔ اور ابوعبیدہ نے کہا: المیاثِر سرخ رنگ کی دیباج یا ریشم کی چادریں ہوتی ہیں جو زین کے اوپر ڈالی جاتی ہیں۔
علامہ ابن التین نے کہا: یہ زیادہ واضح ہے، کیونکہ سرخ رنگ کی تحریم وارد نہیں ہے اور نہ درندوں کی کھال رنگنے کے بعد حرام کی گئی ہے۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''وعن القسی'' علامہ کرمانی نے کہا کہ قسی شام کے شہر کی طرف منسوب ہے، یہ ایک چوکور ریشمی کپڑا ہوتا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: اس طرح نہیں ہے بلکہ قسی وہ کپڑا ہوتا ہے جو ریشم اور سوتی دھاگے سے ملا کر بنایا جاتا ہے اور مصر سے لایا جاتا ہے اور اس کی نسبت ساحل سمندر کے قریب ایک بستی کی طرف ہے جس کو القس کہا جاتا ہے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: قس اور تنیس اور القرماء، یہ سب سمندر کے قریب بستیوں کے نام ہیں، اب یہ ویران ہو چکی ہیں اور مٹ چکی ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ قسی کی اصل القزی ہے، یہ القز کی طرف منسوب ہے، اور یہ بھی ریشم کی ایک قسم ہے۔ اور دیباج اور استبرق یہ بھی ریشم کی اقسام ہیں، استبرق موٹا ریشم ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۲۔ ۳۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۳۵ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں مریض کی عیادت کرنے کا حکم ہے۔
سوال: کیا ہم مریض کی عیادت ہر دن کریں یا ہر ہفتہ کریں یا ہر مہینے کریں؟
جواب: یہ عیادت مقتضائے حال کے مطابق ہوگی، کیونکہ کبھی مرض میں شدت ہوتی ہے اور کبھی شدت نہیں ہوتی، پس جس مرض میں شدت ہو اس میں بار بار عیادت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، پھر کبھی عیادت کرنے سے مریض خوش ہوتا ہے اور کبھی عیادت کرنے سے مریض تنگ ہوتا ہے اور کبھی عیادت قریب سے کی جاتی ہے اور کبھی دور سے کی جاتی ہے تو جس طرح حالات کا تقاضا ہو، اس طریقہ سے مریض کی عیادت کی جائے۔
سوال: مریض کی عیادت کرنا آیا فرض ہے یا سنت ہے؟
جواب: مریض کی عیادت کرنا فرض کفایہ ہے، اور مسلمانوں کے جو ایک دوسرے پر حقوق ہیں، عیادت کرنا بھی ان حقوق میں سے ہے، کیونکہ مسلمان جب بیمار ہو اور اس کے بھائیوں اور عزیزوں میں سے کوئی شخص اس کی عیادت نہ کرے تو وہ مریض اپنے آپ کو لوگوں سے منفصل اور بہت دور سمجھتا ہے، لہٰذا مریض کی عیادت کرنا فرضِ کفایہ ہے، اگر چند لوگ مریض کی عیادت کرلیں تو باقی لوگوں سے عیادت کرنے کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے، لیکن بعض صورتوں میں مریض کی عیادت کرنا فرضِ عین ہوتی ہے، مثلاً جو شخص مریض کا قریبی رشتہ دار ہو تو اس کا مریض کی عیادت کرنا صلۂ رحم کے باب سے ہے اور یہ معلوم ہے کہ صلۂ رحم کرنا فرضِ عین ہے۔

سوال: ہم مریض سے کیا کہیں؟

جواب: ہمیں سنت کے مطابق کہنا چاہیے کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں ہے، یہ مرض ان شاء اللہ تمہیں گناہوں سے پاک کردے گا اور علماء نے کہا ہے کہ اس سے تسلی کے کلمات کہیں، اسے کہیں کہ تم خیریت سے ہو اور اسے بتائیں کہ تم کو جو تکلیف پہنچی ہے لوگوں کو اس سے بڑی بڑی تکلیفیں پہنچتی ہیں اور اس کو اعمالِ صالحہ یاد دلائے اور اس سے پوچھے: وہ کیسے نماز پڑھتا ہے، کیونکہ کئی بیمار نہیں جانتے کہ بیماری کی حالت میں کس طرح نماز پڑھنی چاہیے۔

سوال: کیا مریض کے پاس زیادہ دیر بیٹھنا چاہیے یا نہیں؟

جواب: یہ بھی مقتضائے حال کے مطابق ہے، جب تم دیکھو کہ وہ مریض تمہارے آنے سے اور تمہارے باتیں کرنے سے خوش ہو رہا ہے تو اس کے پاس زیادہ دیر بیٹھنا چاہیے اور جب یہ دیکھو کہ مریض جب تمہارے آنے سے اور باتیں کرنے سے تنگ ہو رہا ہے تو پھر اس کے پاس زیادہ دیر نہیں بیٹھنا چاہیے۔

نیز اس حدیث میں اتباع الجنائز کا حکم ہے، یعنی جنازہ کے ساتھ ساتھ جانا اور یہ فرضِ کفایہ ہے۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی جنازہ کے ساتھ جائے تاکہ اس کی تدفین ہو جائے اور جب چند لوگ جنازہ کے ساتھ چلے جائیں گے تو پھر باقی لوگوں سے جنازہ کے ساتھ جانے کی فرضیت ساقط ہو جائے گی۔ اور جنازہ کے ساتھ جانے میں فضیلت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جو جنازہ پر حاضر ہوا حتیٰ کہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھ لی گئی، اس کو ایک قیراط اجر ملے گا اور جو جنازہ پر حاضر ہوا حتیٰ کہ اس کی تدفین کر دی گئی تو اس کو دو قیراط اجر ملے گا۔

نیز اس حدیث میں ''تشمیت العاطس'' کا ذکر ہے، اور تشمیت کا معنی یہ ہے کہ جب چھینکنے والا الحمد للہ کہے تو سننے والا اس کے جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہے اور پھر چھینکنے والا اس سے کہے ''یھدیکم اللہ ویصلح بالکم''۔ اور جمہور علماء نے کہا ہے کہ چھینکنے والے کو جواب دینا بھی فرضِ کفایہ ہے۔

نیز اس حدیث میں دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرنے کا حکم ہے، یعنی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جو شخص ہمیں اپنے گھر میں بلائے، اس کی دعوت کو قبول کریں لیکن اس کی چند شرائط ہیں:

ایک یہ ہے کہ وہ دعوت امورِ مباحہ میں سے ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ اس مجلس میں کوئی برائی نہ ہو، کوئی خلافِ شرع کام نہ ہو، تیسری شرط یہ ہے کہ دعوت دینے والا مسلمان ہو، چوتھی شرط یہ ہے کہ اس دعوت میں کوئی حرام یا حرام کے مشابہ کوئی چیز نہ ہو، اور پانچویں شرط یہ ہے کہ اس دعوت کو قبول کرنے سے تمہیں کوئی ضرر نہ ہو۔ اور جمہور نے یہ کہا ہے کہ ایک شرط یہ ہے کہ وہ دعوت شادی کے موقع پر ہو اور انہوں نے کہا ہے کہ شادی کے علاوہ جو دوسری دعوتیں ہیں، ان میں جانا واجب نہیں ہے، لیکن ظاہر نصوص کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بھی واجب ہیں۔

سوال: دعوت کو قبول کرنا اللہ کا حق ہے یا دعوت دینے والے کا حق ہے؟

جواب: یہ اللہ کا حق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے حکم دیا ہے دعوت کو قبول کیا جائے۔

نیز اس حدیث میں ''افشاء السلام'' کا حکم ہے، افشاء کے معنی ہیں: کسی چیز کو ظاہر کرنا اور پھیلانا، مطلب یہ ہے کہ بکثرت

سلام کر کے سلام کو پھیلایا جائے، لیکن سلام کو پھیلانے کی بھی چند شرائط ہیں:
اول یہ ہے کہ جس کو تم سلام کر رہے ہو، وہ مسلمان ہو، پس اگر وہ غیر مسلم ہو تو اس کو تم سلام نہ کرو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہود اور نصاریٰ کو سلام کے ساتھ ابتداء نہ کرو۔
میں کہتا ہوں: اگر کسی شخص کا دفتر میں افسر یہودی یا عیسائی ہو یا اور کوئی بد مذہب ہو اور اس کو سلام کرنا ناگزیر ہو تو اس کے دائیں بائیں جو فرشتے ہیں ان کی نیت کر کے اس کو سلام کر لیا جائے تا کہ حدیث کی مخالفت بھی نہ ہو اور انسان فتنہ میں مبتلا ہونے سے بھی محفوظ رہے اور اس کو اس غیر مسلم سے کوئی ضرر نہ پہنچے۔ (سعیدی غفرلہٗ)
دوسری شرط یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کو سلام کرنا ہو تو یہ ضروری ہے کہ اس وقت وہ مسلمان کوئی معصیت کا کام نہ کر رہا ہو، مثلاً وہ جوا کھیل رہا ہے یا مزامیر میں مشغول ہے تو اس وقت اس کو سلام کرنا ممنوع ہے۔
جس کو سلام کیا گیا ہے، اس کے لیے جواب دینا ضروری ہے۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے "مظلوم کی مدد کرنا"۔ مظلوم وہ ہے جس کی جان یا اس کی عزت یا اس کے مال پر حملہ کیا گیا ہو، سو اس کی مدد کرنا واجب ہے اور اس کو ظالم کے ظلم سے چھڑانا ضروری ہے، کیونکہ مظلوم کی مدد کرنا فرض کفایہ ہے۔
سوال: کیا مظلوم میں بھی یہ شرط ہے کہ وہ مسلمان ہو؟
جواب: نہیں! کیونکہ مقصود ظلم کا ازالہ ہے۔
اور ساتواں حکم ہے "قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنا"، مثلاً کسی شخص نے قسم کھائی کہ میں تم سے پہلے گھر میں داخل نہیں ہوں گا تو اس کی قسم پوری کی جائے اور اس سے پہلے گھر میں داخل نہ ہو۔
علماء نے اس کے لیے بھی یہ شرط بیان کی ہے کہ قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنے سے اس شخص کا اپنا کوئی نقصان نہ ہو، اگر اس شخص کا اپنا کوئی نقصان ہو تو اس کے لیے پھر ضروری نہیں ہے کہ وہ قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرے۔
اس کے بعد حدیث میں ان سات چیزوں کا ذکر ہے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "ہم کو سونے کی انگوٹھیوں سے منع فرمایا ہے"۔ یہ ممانعت تحریم کے لیے ہے۔
سوال: کیا یہ تحریم مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے؟
جواب: صحیح یہ ہے کہ جمہور اہل علم کا موقف یہ ہے کہ یہ ممانعت مردوں کے ساتھ خاص ہے اور عورتوں کے لیے جائز ہے کہ وہ سونے کی انگوٹھیاں پہنیں اور اس سلسلہ میں بہ کثرت احادیث وارد ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال ہے۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ "چاندی کے برتنوں میں پینے سے منع فرمایا ہے"۔ یہ حدیث عام ہے اور اس میں ممانعت تحریم کے لیے ہے، کیونکہ چاندی کے برتنوں میں پینے پر وعید وارد ہے۔ پھر حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میاثر اور قسی سے منع فرمایا اور ریشم اور دیباج اور استبرق سے منع فرمایا۔ یہ سب ریشم کی قسمیں ہیں اور ان سب کا تعلق زینت کے ساتھ ہے۔ اور قسی اور حریر اور دیباج اور استبرق ریشم کی تمام اقسام عورتوں کے لیے حلال ہیں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۳۶۔۳۳۸، مکتبۃ الطبری

القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۹۔ بَابُ: الشُّرْبِ فِي الْأَقْدَاحِ پیالوں میں پینے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

پیالوں کی اقسام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالوں کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پیالوں میں پینا جائز ہے، اقداح، قدح کی جمع ہے۔ لغت کی کتاب المغرب میں لکھا ہے: القدح (اس میں دو زبر ہیں) یہ اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ پیا جاتا ہو۔ بعض شارحین نے کہا ہے: شاید امام بخاری نے اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ اگرچہ پیالوں میں پینا فاسقوں کا شعار ہے لیکن یہ مشروب کے اعتبار سے اور ہیئت مخصوصہ کے اعتبار سے ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ عبارت درست نہیں ہے اور اس قائل نے یہ کیسے کہا کہ پیالوں میں پینا فاسقوں کا شعار ہے، حالانکہ امام بخاری نے اس باب کے بعد یہ باب قائم کیا ہے "باب الشرب من قدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم" اور اس باب میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیالہ تھا جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیالہ تھا جس کو ریان کہتے تھے اور ایک دوسرا پیالہ تھا جس کو المغیث کہتے تھے۔ اور ایک اور پیالہ تھا جس کے اوپر چاندی کی تین پتریاں چمٹی ہوئی تھیں اور ایک لوہے کا پیالہ تھا اور اس میں ایک چھوٹا سا حلقہ تھا۔

اور وہ پیالہ جس میں فساق و فجار پیتے ہیں، وہ لوگوں کے درمیان معلوم ہے کہ وہ شیشہ کا ہوتا ہے یا بلور کا ہوتا ہے یا چاندی کا ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جتنے پیالے تھے وہ سب لکڑی کی جنس سے تھے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ المقوقس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شیشے کے پیالے ہدیہ میں دیے اور آپ ان میں پیتے تھے، تو میں کہوں گا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور اگر ہم مان لیں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو ہم کہیں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان پیالوں میں اتنا نہیں پیتے تھے جتنا دوسرے پیالوں میں پیتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۳۶۔ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى أُمِّ الْفَضْلِ عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ أَنَّهُمْ شَكُّوا فِي صَوْمِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ عَرَفَةَ فَبَعَثَتْ إِلَيْهِ بِقَدَحٍ مِنْ لَبَنٍ فَشَرِبَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عباس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از سالم ابی النضر از عمیر مولیٰ حضرت ام الفضل از حضرت ام الفضل، وہ بیان کرتی ہیں کہ لوگوں کو شک تھا کہ عرفہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ سے ہیں یا نہیں؟ تو میں نے آپ کی طرف دودھ کا

ایک پیالہ بھیجا، سو آپ نے اس دودھ کو پیا۔

(صحیح البخاری: ۱۶۵۸، ۱۶۶۱، ۱۹۸۸، ۵۶۰۴، ۵۶۱۸، ۵۶۳۶، صحیح مسلم: ۱۱۲۳، سنن ابوداؤد: ۲۴۴۱، مسند احمد: ۲۶۳۴۴، موطا امام مالک: ۸۴۱)

صحیح البخاری: ۵۶۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تعارف

اس حدیث کی سند میں عمرو بن عباس کا ذکر ہے، یہ بصری ہیں۔ اور عبدالرحمن کا ذکر ہے، یہ ابن مہدی ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، وہ ثوری ہیں۔ اور یہ حدیث عنقریب اس باب میں گزر چکی ہے "باب من شرب وھو واقف علی بعیرہ"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۰۔ بَابُ: الشُّرْبِ مِنْ قَدَحِ النَّبِيِّ ﷺ وَآنِيَتِهِ

نبی ﷺ کے پیالے اور آپ کے برتنوں میں پینے کا بیان

وَقَالَ أَبُو بُرْدَةَ قَالَ لِي عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ أَلَا أَسْقِيكَ فِي قَدَحٍ شَرِبَ النَّبِيُّ ﷺ فِيهِ؟

ابو بردہ نے کہا: مجھ سے حضرت عبد اللہ بن سلام نے کہا: کیا میں آپ کو اس پیالے میں نہ پلاؤں جس میں نبی ﷺ نے پیا تھا؟

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس بیان میں ہے کہ ایک جماعت نے نبی ﷺ کے پیالہ سے (پانی) پیا، اور عنوان میں "وآنیتہ" کا بھی ذکر ہے، یعنی نبی ﷺ کے برتن سے بھی پیا، اور یہ عام کا خاص پر عطف ہے کیونکہ عام کا معنی ہے وہ پیالہ ہو یا طشت ہو یا کوئی اور قسم ہو۔

کہا گیا ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان سے اس وہم کو دور کرنے کا ارادہ کیا ہے کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے پیالہ میں پینا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ملکِ غیر میں اجازت کے بغیر تصرف کرنا ہے، سو امام بخاری نے بیان کیا کہ سلف صالحین نے اس طرح کیا ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے کسی کو اپنا وارث نہیں بنایا اور آپ نے جو بھی چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ اغنیاء بھی آپ کے پیالے سے پیتے تھے اور صدقہ تو اغنیاء کے لیے حلال نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اغنیاء کے لیے وہ صدقہ حلال نہیں ہے جو صدقہ فرض ہو اور نبی ﷺ نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ مفروضہ نہیں ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: زیادہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ سلف صالحین نبی ﷺ کے پیالے سے پیتے تھے تاکہ تبرک حاصل ہو، آپ کی حیاتِ ظاہری میں تو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور آپ کی وفات کے بعد بھی اسی طرح سے ہے، کیوں کہ آپ کے استعمال کردہ برتن میں پانی پینے سے برکت حاصل ہوگی۔

یہ نہ کہا جائے کہ جن کے پاس آپ کی استعمال کردہ چیزوں میں سے کوئی چیز ہو، وہ اس پر بغیر دلیل شرعی کے قابض ہو گیا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک پیالہ تھا اور حضرت سہل رضی اللہ عنہ کے پاس بھی ایک پیالہ تھا اور حضرت عبد اللہ بن سلام

کے پاس ایک اور پیالہ تھا، اور حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ تھا اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان حضرات نے ان چیزوں کو بغیر دلیل شرعی کے حاصل کر لیا تھا۔

صحیح بخاری کی تعلیق کی شرح

امام بخاری نے یہ تعلیق ذکر کی ہے کہ ابو بردہ نے کہا: مجھ سے عبداللہ بن سلام نے کہا: کیا میں آپ کو اس پیالہ میں نہ پلاؤں جس پیالے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا تھا؟

علامہ عینی لکھتے ہیں: ابو بُردہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں اور ان کا نام عامر ہے اور حضرت عبداللہ بن سلام مشہور صحابی ہیں۔ اور یہ تعلیق کتاب الاعتصام میں عنقریب سند موصول کے ساتھ آئے گی۔

اس تعلیق کا معنی یہ ہے کہ یہ پیالہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، پھر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کسی دلیل شرعی سے اس کو حاصل کر لیا اور یہ نہ گمان کیا جائے کہ وہ بغیر کسی دلیل شرعی کے اس پیالہ پر قابض ہو گئے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۳۔ ۳۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۳۷۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی الله عنه قَالَ ذُكِرَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم امْرَأَةٌ مِنَ الْعَرَبِ فَأَمَرَ أَبَا أُسَيْدٍ السَّاعِدِيَّ أَنْ يُرْسِلَ إِلَيْهَا فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا فَقَدِمَتْ فَنَزَلَتْ فِي أُجُمِ بَنِي سَاعِدَةَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم حَتَّى جَاءَهَا فَدَخَلَ عَلَيْهَا فَإِذَا امْرَأَةٌ مُنَكِّسَةٌ رَأْسَهَا فَلَمَّا كَلَّمَهَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَتْ أَعُوذُ بِاللهِ مِنْكَ فَقَالَ قَدْ أَعَذْتُكِ مِنِّي فَقَالُوا لَهَا أَتَدْرِينَ مَنْ هَذَا قَالَتْ لَا قَالُوا هَذَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم جَاءَ لِيَخْطُبَكِ قَالَتْ كُنْتُ أَنَا أَشْقَى مِنْ ذَلِكَ فَأَقْبَلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَئِذٍ حَتَّى جَلَسَ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ هُوَ وَأَصْحَابُهُ ثُمَّ قَالَ اسْقِنَا يَا سَهْلُ فَخَرَجْتُ لَهُمْ بِهَذَا الْقَدَحِ فَأَسْقَيْتُهُمْ فِيهِ فَأَخْرَجَ لَنَا سَهْلٌ ذَلِكَ الْقَدَحَ فَشَرِبْنَا مِنْهُ قَالَ ثُمَّ اسْتَوْهَبَهُ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بَعْدَ ذَلِكَ فَوَهَبَهُ لَهُ۔

(صحیح مسلم: ۲۰۰۷، مسند احمد: ۱۵۶۳۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو غسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابو حازم نے حدیث بیان کی از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرب کی ایک عورت کا ذکر کیا گیا، آپ نے حضرت ابو اُسید الساعدی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس عورت کو بلائیں، انہوں نے اس عورت کو بلایا، وہ آئی اور بنو ساعدہ کے قلعہ میں ٹھہری، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے حتیٰ کہ اس عورت کے پاس تشریف لے گئے، اس وقت وہ عورت اپنا سر جھکائے ہوئے بیٹھی تھی، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بات کی تو اس نے کہا: میں آپ سے اللہ کی پناہ طلب کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: میں نے تم کو اپنے پاس سے پناہ دے دی۔ پھر لوگوں نے اس عورت سے کہا: کیا تم کو معلوم تھا کہ یہ کون تھے؟ اس نے کہا: نہیں! لوگوں نے بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، تمہارے پاس آئے تھے تاکہ تم کو نکاح کا پیغام دیں۔ اس عورت نے کہا: پھر تو میں اس وجہ سے بہت بد بخت ہوئی، پھر اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے حتیٰ کہ بنو ساعدہ کے چبوترے میں بیٹھ گئے آپ بھی اور آپ کے اصحاب بھی، پھر آپ نے فرمایا: اے

سہل! ہمیں پانی پلاؤ، تو میں نے آپ کے لیے یہ پیالہ نکالا، سو میں نے ان سب کو اس پیالے میں پانی پلایا، پھر حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے ہمارے لیے اس پیالہ کو نکالا، سو ہم نے اس پیالہ سے پانی پیا۔ حضرت سہل نے بتایا: پھر عمر بن عبد العزیز نے اس کے بعد وہ پیالہ مانگ لیا، سو انہوں نے ان کو یہ پیالہ ہبہ کر دیا۔

صحیح البخاری: ۵۶۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالے سے پینا'' اور اس باب کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دن بنو ساعدہ کے چبوترے میں گئے اور آپ کے اصحاب بھی، پھر آپ نے فرمایا: اے سہل ہمیں پلاؤ، تو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے یہ پیالہ نکالا اور آپ کو اور صحابہ کو پانی پلایا، پھر راوی نے کہا: پھر حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے ہمارے لیے اس پیالہ کو نکالا اور ہم نے اس سے پیا، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالہ کو نکالا اور صحابہ نے اس سے پیا اور اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے کہ صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالہ سے پیا۔ اور عمر بن عبد العزیز نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ پیالہ ان کو ہبہ کر دیں کیونکہ اصل میں یہ پیالہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، تو انہوں نے اس سے تبرک حاصل کرنے کے لیے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے وہ پیالہ مانگ لیا، اور یہ چیز بالکل ظاہر ہے اور اس میں کوئی خفا نہیں ہے۔ اور میں نے نہیں دیکھا کہ شارحین میں سے اور صحیح بخاری کے تراجم بیان کرنے والوں میں سے کسی نے اس طرح سے اس حدیث کی مطابقت باب کے ساتھ بیان کی ہو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سعید بن ابی مریم کا ذکر ہے، اور وہ سعید بن محمد بن الحکم ہیں یا الحکم بن محمد بن ابی مریم ہیں۔ اور ابو مریم کا نام سالم الجمحی ہے جو ان کے مصری مولیٰ ہیں۔ ان کی وفات ۲۲۴ھ میں ہوئی۔

اور اس حدیث کی سند میں ابو غسان کا ذکر ہے، ان کا نام محمد بن مطرف ہے، یہ تطریف سے اسم فاعل ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں ابو حازم کا ذکر ہے، یہ سلمہ بن دینار ہیں۔ اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام سہل بن سعد بن مالک الساعدی الانصاری رضی اللہ عنہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرب کی ایک عورت کا ذکر کیا گیا، یہی الجونیہ ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ان کا نام اُمیمہ ہے اور کتاب الطلاق کے شروع میں ان کی منگنی کا قصہ گزر چکا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ بنو ساعدہ کے اُجم میں ٹھہری۔ علامہ خطابی نے کہا ہے: الاجم کا معنی الاطم ہے یعنی قلعہ۔ اور

علامہ داؤدی کا یہ غریب قول ہے، انہوں نے کہا: اس کے معنی ہیں: درخت اور باغات۔ اور علامہ الجوہری نے کہا: یہ اہل مدینہ کے وہ قلعے ہیں جو پتھروں سے بنائے ہوئے ہیں اور یہی صحیح معنی ہے۔

اس عورت نے کہا کہ میں تو بہت بد نصیب ہوں، یعنی انہوں نے اس پر افسوس کا اظہار کیا کہ ان کو پتا نہیں چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تھے اور وہ مجھ سے نکاح کرنا چاہتے تھے، تو اس فضیلت کے فوت ہونے کی وجہ سے انہوں نے افسوس کیا۔

اس حدیث میں ثقیفہ بنو ساعدہ کا ذکر ہے، یہ انصار میں سے بنو ساعدہ کے چبوترے تھے، یہی وہ جگہ ہے جہاں پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خلافت کی بیعت کی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاخرج لنا سهل" اس قول کے قائل ابو حازم راوی ہیں، انہوں نے بتایا کہ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ نکالا اور اس میں پانی ڈال کر ہم سب کو پینے کے لیے دیا۔ پھر بعد میں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے ان سے وہ پیالہ مانگ لیا، اس وقت عمر بن عبد العزیز مدینہ کے متولی تھے۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالے اور آپ کے برتنوں میں سے پینا آپ کے آثار سے تبرک حاصل کرنا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کی دوسری مثال وہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ان جگہوں میں نماز پڑھتے تھے جن جگہوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے مکہ کے سفر کے درمیان نمازیں پڑھی تھیں اور اپنی اونٹنی کو اسی طرح گھماتے تھے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کو گھمایا تھا تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء حاصل ہو جائے، کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی اتباع کرنے پر بہت حریص تھے۔

اور اس حدیث میں یہ ہے کہ اپنے صحابی سے کھانے یا پینے کی چیز طلب کی جائے۔

اور اس میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کو ابا اُسید کہہ کر حکم دیا۔ اس میں کنیت کے ساتھ بلانے کی دلیل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۴۔ ۳۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۳۸۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُدْرِكٍ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ قَالَ رَأَيْتُ قَدَحَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم عِنْدَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَ قَدِ انْصَدَعَ فَسَلْسَلَهُ بِفِضَّةٍ قَالَ وَهُوَ قَدَحٌ جَيِّدٌ عَرِيضٌ مِنْ نُضَارٍ قَالَ قَالَ أَنَسٌ لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي هَذَا الْقَدَحِ أَكْثَرَ مِنْ كَذَا وَكَذَا قَالَ وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ إِنَّهُ كَانَ فِيهِ حَلْقَةٌ مِنْ حَدِيدٍ فَأَرَادَ أَنَسٌ أَنْ يَجْعَلَ مَكَانَهَا حَلْقَةً مِنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن مدرک نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ بن حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے خبر دی از عاصم الاحول، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس دیکھا، وہ ٹوٹ گیا تھا تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس کو چاندی سے جوڑ دیا اور وہ بہت عمدہ اور چوڑا پیالہ تھا جو لکڑی سے بنا ہوا تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیالے میں بہت زیادہ پلایا

ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ فَقَالَ لَهُ أَبُو طَلْحَةَ لَا تُغَيِّرَنَّ شَيْئًا صَنَعَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَتَرَكَهُ۔

(صحیح البخاری:۳۱۰۹، ۵۶۳۸، مسند احمد:۱۳۳۱۰)

ہے، اتنی اور اتنی مرتبہ۔ عاصم نے کہا: اور ابن سیرین نے بیان کیا کہ اس پیالے میں لوہے کا حلقہ تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ اس کی جگہ سونے یا چاندی کا حلقہ لگادیں، تو ان سے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم ہرگز اس چیز میں تغیر نہ کرنا جس کو رسول اللہ ﷺ نے بنایا تھا، تو پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا۔

صحیح البخاری: ۵۶۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان ہے: "نبی ﷺ کے پیالے سے پینا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اس پیالے میں رسول اللہ ﷺ کو بہت مرتبہ پلایا ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں ابوعوانہ کا ذکر ہے، یہ الوضاح الیشکری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "انصدع" یعنی وہ پیالہ ٹوٹ گیا، پھر اس حدیث میں مذکور ہے "فسلسلہ بفضۃ" اس کا معنی ہے: اس ٹوٹے ہوئے پیالہ کو چاندی سے جوڑ دیا، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جوڑا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی ﷺ نے جوڑا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وھو قدح عریض من نضار" یعنی وہ پیالہ چوڑا تھا، زیادہ لمبا نہیں تھا بلکہ اس کی لمبائی اس کی گہرائی سے کم تھی اور "نضار" کا معنی ہے: عمدہ قسم کی لکڑی۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ٹوٹے ہوئے برتن کو چاندی سے جوڑنا جائز ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: صحابہ اور تابعین کی جماعت نے اس سے مطلقاً منع کیا ہے اور امام مالک اور لیث کا یہی قول ہے اور امام مالک سے دوسری روایت یہ ہے کہ تھوڑی سی چاندی کے ساتھ جوڑنا جائز ہے اور امام شافعی نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ اگر پیالہ سے پیتے وقت چاندی کی جگہ سے اپنے آپ کو بچایا جاسکے تو اس میں کوئی حرج نہیں، امام احمد، اسحاق اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے اور سونے سے پیالہ کو جوڑنا مطلقاً حرام ہے۔ اور بعض نے چاندی اور سونے سے جوڑنے کو جائز قرار دیا ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام الدارقطنی اور حاکم اور بیہقی نے از زکریا بن ابراہیم بن عبد اللہ بن مطیع از والد خود از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے سونے یا چاندی کے برتن میں پیا یا اس برتن میں پیا جس میں کچھ سونا یا

چاندی لگا ہوا تھا، تو اس کے پیٹ میں جہنم کی آگ بھڑکتی رہے گی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: ابوالحسن بن القطان نے کہا ہے: زکریا اور ان کے والد دونوں غیر معروف ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ حدیث ابراہیم کی وجہ سے معلول ہے، کیونکہ وہ مجہول ہے اسی طرح ان کا بیٹا بھی مجہول ہے۔

اور امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں از ام عطیہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا سونے کو پہننے سے اور پیالے کو چاندی سے جوڑنے سے، پھر آپ نے پیالہ کو چاندی سے جوڑنے کی اجازت دے دی اور یہ حدیث امام شافعی پر حجت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۶۔۳۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۳۸، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ الزرکشی نے کہا کہ ابوالعباس نے بیان کیا کہ میں نے اس پیالہ کو بصرہ میں دیکھا ہے اور اس سے پیا، اور انہوں نے بیان کیا کہ انہوں نے النضر بن انس کی میراث میں سے اس پیالہ کو آٹھ لاکھ (۸۰۰۰۰۰) میں خریدا تھا، اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ صالحین کے آثار کو بطور تبرک حاصل کرنا جائز ہے خاص طور پر سید الاولین والآخرین کے آثار کو۔ اور اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ ٹوٹے ہوئے پیالہ کو چاندی سے جوڑنا جائز ہے، اور امام احمد نے کہا: اگر چاندی تھوڑی ہو اور پینے کی جگہ پر نہ لگی ہو، تو جائز ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ سونا یا چاندی اگر تھوڑا ہو یا زیادہ ہو، تو اس سے پیالے کو جوڑا جا سکتا ہے۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۹ ص ۲۱۷، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ نے صرف چاندی کے ساتھ ٹوٹے ہوئے پیالے کو جوڑنے کو جائز کہا ہے اور سونے کے ساتھ ٹوٹے ہوئے پیالہ کو جوڑنے کو وہ حرام فرماتے ہیں، یہاں علامہ کورانی کو تسامح ہوا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۳۱۔ بَابُ: شُرْبِ الْبَرَكَةِ وَالْمَاءِ الْمُبَارَكِ — برکت کو پینا اور برکت والے پانی کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں برکت کو پینے کا بیان ہے، اور امام بخاری نے برکت سے برکت والے پانی کا ارادہ کیا ہے، یعنی برکت والے پانی کو پینا۔ اور عرب برکت والی چیز کو برکت کہتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ پانی برکت والا تھا۔ اسی لیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس باب کی حدیث میں کہا: پس مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ برکت ہے اور اسی کے مطابق حضرت ایوب علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہوں، تو انہوں نے سونے کو برکت فرمایا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ غسل کر رہے تھے تو ان کے اوپر سونے کی ایک ٹڈی گری، تو حضرت ایوب علیہ السلام اس کو اپنے کپڑے میں پکڑنے لگے تو ان کے رب عزوجل نے ان کو نداء کی: اے ایوب! کیا میں

نے تم کو اس سے مستغنی نہیں کر دیا جو تم دیکھ رہے ہو؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں اے رب! لیکن میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۳۹ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما هٰذَا الْحَدِيثَ قَالَ قَدْ رَأَيْتُنِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ حَضَرَتِ الْعَصْرُ وَلَيْسَ مَعَنَا مَاءٌ غَيْرَ فَضْلَةٍ فَجُعِلَ فِي إِنَاءٍ فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِهِ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهِ وَفَرَّجَ أَصَابِعَهُ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى أَهْلِ الْوُضُوءِ الْبَرَكَةُ مِنَ اللهِ فَلَقَدْ رَأَيْتُ الْمَاءَ يَتَفَجَّرُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ فَتَوَضَّأَ النَّاسُ وَشَرِبُوا فَجَعَلْتُ لَا آلُوا مَا جَعَلْتُ فِي بَطْنِي مِنْهُ فَعَلِمْتُ أَنَّهُ بَرَكَةٌ قُلْتُ لِجَابِرٍ كَمْ كُنْتُمْ يَوْمَئِذٍ قَالَ أَلْفًا وَأَرْبَعَ مِائَةٍ تَابَعَهُ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ جَابِرٍ وَقَالَ حُصَيْنٌ وَعَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ جَابِرٍ خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً وَتَابَعَهُ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ جَابِرٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش، انہوں نے کہا: مجھے سالم بن ابی الجعد نے یہ حدیث بیان کی از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ ہوں اور عصر کی نماز کا وقت آ گیا ہے اور ہمارے پاس تھوڑے سے بچے ہوئے پانی کے سوا اور پانی نہیں تھا، پس وہ تھوڑا سا پانی ایک برتن میں ڈال دیا گیا، پھر نبی ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اپنا ہاتھ اس برتن میں رکھا اور اپنی انگلیوں کو پھیلا دیا، پھر آپ نے فرمایا: آؤ وضو کرنے کے پانی پر۔ یہ اللہ کی طرف سے برکت ہے، پس بے شک میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ کر نکل رہا تھا۔ پس سب لوگوں نے وضو کیا اور پانی پیا۔ پس میں اس کی پرواہ نہیں کر رہا تھا کہ میرے پیٹ میں کتنا پانی جا رہا ہے، کیوں کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ برکت ہے۔ راوی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کی تعداد اس دن کتنی تھی، تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا: چودہ سو (۱۴۰۰)۔

اس حدیث کی متابعت عمرو بن دینار نے از حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے اور حصین اور عمرو بن مرہ نے از سالم از حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ وہ پندرہ سو (۱۵۰۰) تھے۔ سالم کی متابعت سعید بن المسیب نے کی ہے از حضرت جابر رضی اللہ عنہ۔

(صحیح البخاری: ۳۵۷۶، ۴۱۵۲، ۴۱۵۳، ۴۱۵۴، ۴۸۴۰، ۵۶۳۹، مسند احمد: ۱۴۱۱۳)

صحیح البخاری: ۵۶۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "برکت کو پینا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے وہ پانی پیا اور کہا: میں نے پرواہ

نہیں کی کہ میرے پیٹ میں کتنا پانی ہے، کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ یہ برکت ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اور عصر کا وقت آ گیا تھا" یعنی نمازِ عصر کا وقت آ گیا تھا اور یہ واقعہ حدیبیہ کا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حی علی اهل الوضوء" بعض شارحین نے کہا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ آؤ اس برکت والے وضو کے پانی کی طرف اے اہلِ وضو۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: اس طرح نہیں ہے بلکہ اصل عبارت یوں ہے کہ آؤ میرے پاس، یعنی اے وضو کرنے والو جلدی آؤ۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ رہا تھا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود ان انگلیوں سے پانی پھوٹ کر نکل رہا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انگلیوں کے درمیان سے نکل رہا ہو اور ہر تقدیر پر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ عظیمہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۷۔۳۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کی عظمت کا بیان

میں کہتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر لاٹھی ماری تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، یہ بھی بہت بڑا معجزہ ہے لیکن پتھروں اور زمین میں پانی ہوتا ہے، اگر پانی تک کھدائی کی جائے تو وہ پانی نکل آتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ یہ تھا کہ زمین میں کھدائی کیے بغیر صرف لاٹھی مارنے سے زمین سے پانی نکل آیا، اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں سے پانی نکال دیا، جب کہ انگلیوں میں پانی ہوتا ہی نہیں ہے، سو انگلیوں سے پانی نکالنا زمین سے پانی نکالنے کی بہ نسبت بہت بڑا معجزہ ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۶۳۹ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور سے مستنبط فقہی مسئلہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں وہ پانی پیتا رہا اور میں نے اس کی پرواہ نہیں کی کہ میرے پیٹ میں کتنا پانی جا رہا ہے، کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ یہ برکت والا پانی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ طعام اور مشروب میں ضرورت سے زیادہ کھانا مکروہ ہے، سوا ان چیزوں کے جن میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھ دی ہے اور اس برکت کے اوپر کوئی علامت قائم ہے، تو اب ضرورت سے زیادہ کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس میں نہ اسراف ہے اور نہ کراہیت ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۲۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: کتاب الاشربہ میں اکیانوے (۹۱) احادیث مرفوعہ ہیں، ان میں سے انیس (۱۹) تعلیقات ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں۔ اور ستر (۷۰) احادیث مکررہ ہیں، اور دو خالص احادیث ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ! یہاں پر کتاب الاشربہ ختم ہو گئی، اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز کتاب المرضیٰ شروع ہو گی۔

اَشرِبہ کے متعلق صدرالشریعہ علامہ امجد علی کی تحقیق

صدرالشریعہ بدرالطریقۃ علامہ امجد علی رحمہ اللہ اعظمی متوفی ۱۳۶۷ھ تحریر فرماتے ہیں:

حدیث ۱: صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشک میں ہم نبیذ بناتے صبح کو بناتے تو عشا تک پیتے تو صبح تک یہ (گرمی کے زمانے میں ہوتا تھا)۔ (صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، الحدیث: ۸۵، (۲۰۰۵) ص ۱۱۱۱)

حدیث ۲: صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اول شب میں نبیذ بنائی جاتی صبح کے وقت اسے پیتے، دن میں اور رات میں پھر دوسرے روز دن اور رات میں اور تیسرے دن عصر تک، پھر اگر بچ جاتی تو خادم کو پلا دیتے یا گرادی جاتی، (یہ جاڑے کے زمانے میں ہوتا)۔ (صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، الحدیث: ۷۹، (۲۰۰۴) ص ۱۱۱۰)

حدیث ۳: صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشک میں نبیذ بنائی جاتی، مشک نہ ہوتی تو پتھر کے برتن میں بنائی جاتی۔ (صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، الحدیث: ۶۲، (۱۹۹۹) ص ۱۱۰۷)

حدیث ۴: امام بخاری اپنی صحیح میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو اُسید ساعدی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شادی کی دعوت دی (جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے) تو ان کی زوجہ جو دلہن تھیں وہی خدم کا کام انجام دے رہی تھیں، انہوں نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے پانی میں کھجوریں رات میں ڈال دی تھیں وہی پانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پلایا۔
(صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب حق اجابۃ الولیمۃ، الحدیث: ۵۱۷۶، ج ۳ ص ۴۵۵)

حدیث ۵: امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر اور ابو عبیدہ اور معاذ رضی اللہ عنہم نے مُثلّث (انگور کا شیرہ جو پکانے کے بعد ایک تہائی رہ جائے) کے پینے کو جائز فرمایا ہے اور حضرت براء بن عازب و ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہم سے نصف حصہ پکا دینے کے بعد انگور کا شیرہ پیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ انگور کا رس جب تک تازہ ہے پیو۔
(صحیح البخاری، کتاب الاشربہ، باب الباذق ومن نھی... الخ، ج ۳ ص ۵۸۴)

حدیث ۶: بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابو جویریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے باذق (ایک قسم کی شراب ہے) کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم باذق سے پہلے گزر چکے ہیں لہٰذا جو نشہ پیدا کرے وہ حرام ہے اور فرمایا کہ پینے کی چیزیں حلال وطیب ہیں اور حلال وطیب کے علاوہ حرام وخبیث ہیں۔
(صحیح البخاری، کتاب الاشربہ، باب الباذق ومن نھی الحدیث: ۵۵۹۸، ج ۳ ص ۵۸۵)

حدیث ۷: امام بخاری اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک معراج کی رات ایلیا (بیت المقدس) میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے دو پیالے پیش کیے گئے ایک شراب کا دوسرا دودھ کا، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دونوں کو دیکھ کر دودھ کا پیالہ لے لیا۔ حضرت جبریل (علیہ السلام) نے کہا: الحمد للہ خدا تعالیٰ نے آپ کو فطرت کی ہدایت کی اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ (صحیح البخاری، کتاب الاشربہ، باب قول اللہ تعالیٰ (انما الخمر... الخ) الحدیث: ۵۵۷۶، ج ۳ ص ۵۷۹)

حدیث ۸: ابوداؤد و ابن ماجہ نے ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت کے کچھ لوگ خمر (شراب) پییں گے اور اس کا نام کچھ دوسرا رکھ لیں گے''۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الاشربہ، باب فی الداذی، الحدیث: ۳۶۸۸، ج ۳ ص ۴۶۱)

اَشربہ کے متعلق مسائل فقہیہ

لغت میں پینے کی چیز کو شراب کہتے ہیں اور اصطلاح فقہاء میں شراب اسے کہتے ہیں جس سے نشہ ہوتا ہے، اس کی بہت قسمیں ہیں، خمر انگور کی شراب کو کہتے ہیں یعنی انگور کا کچا پانی جس میں جوش آ جائے اور شدت پیدا ہو جائے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں جھاگ پیدا ہوا اور کبھی ہر شراب کو مجازاً خمر کہہ دیتے ہیں۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الاشربہ، الباب الاول فی تفسیرہ الاشربہ۔۔الخ، ج ۵ ص ۴۰۹، الدر المختار، کتاب الاشربہ، ج ۱۰ ص ۳۲)

مسئلہ ۱: خمر حرام بعینہ ہے اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے اور اس کی حرمت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اس کا قلیل وکثیر سب پر حرام ہے اور یہ پیشاب کی طرح نجس ہے اور اس کی نجاست غلیظہ ہے جو اس کو حلال بتائے کافر ہے کہ نص قرآنی کا منکر ہے، مسلم کے حق میں یہ متقوم نہیں یعنی اگر کسی نے مسلمان کی یہ شراب تلف کر دی تو اس پر ضمان نہیں اور اس کو خریدنا صحیح نہیں اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں نہ دوا کے طور پر استعمال کر سکتا ہے نہ جانور کو پلا سکتا ہے نہ اس سے مٹی بھگو سکتا ہے نہ حقنہ کے کام میں لائی جا سکتی ہے، اس کے پینے والے کو حد ماری جائے گی اگرچہ نشہ نہ ہوا ہو۔ (الدر المختار، کتاب الاشربہ، ج ۱۰ ص ۳۳)

مسئلہ ۲: جانوروں کے زخم میں بھی بطور علاج اس کو نہیں لگا سکتے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الاشربہ، الباب الاول فی تفسیرہ، الخ ج ۵ ص ۴۱۰)

مسئلہ ۳: شیرہ انگور کو پکایا یہاں تک کہ دو تہائی سے کم جل گیا یعنی ایک تہائی سے زیادہ باقی ہے اور اس میں نشہ ہو یہ بھی حرام اور نجس ہے۔ (الدر المختار، کتاب الاشربہ، ج ۱۰ ص ۳۶)

مسئلہ ۴: رطب یعنی تر کھجور کا پانی اور منقی کو پانی میں بھگویا گیا، جب یہ پانی تیز ہو جائے اور جھاگ پھینکنے یہ بھی حرام نجس ہیں۔

(الدر المختار، کتاب الاشربہ، ج ۱۰ ص ۳۷)

مسئلہ ۵: شہد، انجیر، گیہوں (گندم)، جو وغیرہ کی شرابیں بھی حرام ہیں مثلاً یہاں ہندوستان میں مہوے (ایک قسم کا درخت جس کے پتے سرخ، زردی مائل اور خوشبو دار ہوتے ہیں، پھل گول چھوہارے کی مانند ہوتا ہے اس سے شراب بھی بنائی جاتی ہے) کی شراب بنتی ہے جب ان میں نشہ ہو حرام ہیں۔ (الدر المختار، کتاب الاشربہ، ج ۱۰ ص ۳۹، ۴۰)

مسئلہ ۶: کافر یا بچہ کو شراب پلانا بھی حرام ہے اگرچہ بطور علاج پلائے اور گناہ اسی پلانے والے کے ذمہ ہے۔

(البدایہ، کتاب الاشربہ، ج ۲ ص ۳۹۸)

بعض مسلمان انگریزوں کی دعوت کرتے ہیں اور شراب بھی پلاتے ہیں، وہ گنہگار ہیں اس شراب نوشی کا وبال انہیں پر ہے۔

مسئلہ ۷: نبیذ یعنی کھجور یا منقی کو پانی میں بھگویا جائے، وہ پانی نشہ پیدا ہونے سے پہلے پیا جائے یہ جائز ہے، احادیث سے اس کا جواز ثابت ہے۔ (الدر المختار، کتاب الاشربہ، ج ۱۰ ص ۳۹)

مسئلہ ۸: تونبے (اندر سے خالی اور خشک کیا ہوا کدو) اور ہر قسم کے برتنوں میں نبیذ بنانا جائز ہے، بعض خاص برتنوں میں نبیذ بنانے کی ابتدا میں ممانعت آئی تھی مگر بعد میں یہ ممانعت منسوخ ہو گئی۔

(صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب النھی عن الانتباذ۔۔الخ، الحدیث: ۶۴، ۶۵ـ(۹۷۷) ص ۱۱۰۷)

مسئلہ ۹: گھوڑی کے دودھ میں بھی نشہ ہوتا ہے، اس کا پینا بھی ناجائز ہے۔ (الدرالمختار، کتاب الاشربہ، ج ۱۰ ص ۴۴)

مسئلہ ۱۰: بھنگ (ایک قسم کا نشہ آور پتوں والا پودا جس کے پتوں کو گھوٹ کر پیتے ہیں) اور افیون (ایک نشہ آور چیز جو پوست کے رس کو منجمد کر کے بنائی جاتی ہے)، افیم، اتنی استعمال کرنا کہ عقل فاسد ہو جائے ناجائز ہے جیسا کہ افیونی اور بھنگیڑے (افیون اور بھنگ کا نشہ کرنے والے افراد) استعمال کرتے ہیں اور اگر کمی کے ساتھ اتنی استعمال کی گئی کہ عقل میں فتور (خرابی، فساد) نہیں آیا جیسا کہ بعض نسخوں میں افیون قلیل جز ہوتا ہے کہ فی خوراک اس کا اتنا خفیف جز ہوتا ہے کہ استعمال کرنے والے کو پتا بھی نہیں چلتا کہ افیون کھائی ہے اس میں حرج نہیں۔ (الدرالمختار، کتاب الاشربہ، ج ۱۰ ص ۴۶، ۴۸)

مسئلہ ۱۱: بعض عورتیں بچوں کو افیون کھلایا کرتی ہیں اور ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس کے نشہ میں پڑا رہے گا پریشان نہیں کرے گا، یہ بھی ناجائز ہے، کیونکہ بچہ کو اگرچہ تھوڑی مقدار میں دی جاتی ہے مگر وہ اتنی ضرور ہے کہ اس کی عقل میں فتور آ جائے۔

مسئلہ ۱۲: چانڈو (افیون کا ایک نشہ جس میں افیون کو پانی میں پکا کر حقے کی طرح پیا جاتا ہے) اور مدک (افیون کا ایک نشہ جس میں افیون تمباکو کی طرح چلم بھر کر پیتے ہیں) بھی افیون کے استعمال کے طریقہ ہیں کہ اس کا دھواں پیا جاتا ہے جیسا کہ تمباکو پیتے ہیں، یہ بھی ناجائز ہے بلکہ غالباً افیون استعمال کرنے کی سب صورتوں میں یہ صورت زیادہ قبیح و مضر (نقصان دہ) ہے۔

مسئلہ ۱۳: چرس (ایک نشہ جو بھنگ کے پتوں اور افیون سے تیار کیا جاتا ہے، اسے تمباکو کی طرح پیتے ہیں) گانجا (بھنگ کی قسم کا ایک پودا جس کے پتے اور بیج نشہ آور ہوتے ہیں اور وہ چلم میں بھر کر پیتے ہیں) یہ بھی ایسی چیز ہے کہ اس سے عقل میں فتور آ جاتا ہے اس کا پینا ناجائز ہے۔

مسئلہ ۱۴: جوز الطیب (ایک قسم کا خوشبودار پھل) میں نشہ ہوتا ہے، اس کا استعمال بھی اتنی مقدار میں ناجائز ہے کہ نشہ پیدا ہو جائے اگرچہ اس کا حکم بھنگ سے کم درجہ کا ہے۔

مسئلہ ۱۵: خشک چیزیں جو نشہ لاتی ہیں جیسے بھنگ وغیرہ یہ نجس نہیں ہے، لہٰذا ضماد (جسم پر لیپ کرنا، جسم پر لگانا) وغیرہ میں خارجی طور پر ان کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ اس طرح استعمال میں نشہ نہیں پیدا ہوگا پھر نا جائز کیوں۔

مسئلہ ۱۶: حقہ کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں، مگر قول فیصل یہ ہے کہ اس کی متعدد صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ حقہ پی کر عقل جاتی رہتی ہے جیسا کہ رامپور، بریلی، شاہجہانپور (ہندوستان میں علاقوں کے نام ہیں) میں بعض لوگ رمضان شریف میں افطار کے بعد خاص اہتمام سے حقہ بھرتے ہیں اور اس زور سے دم لگاتے ہیں کہ چلم سے اونچی اونچی لو اٹھتی ہے اور پینے والے بیہوش ہو کر گر پڑتے ہیں اور بہت دیر تک بے ہوش پڑے رہتے ہیں، پانی کے چھینٹے دینے اور پانی پلانے سے ہوش آتا ہے اس طرح حقہ پینا حرام ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ نہ بیہوش ہو، نہ عقل میں فتور پیدا ہو مگر گھٹیا خراب تمباکو پیا جائے اور حقہ تازہ کرنے کا بھی چنداں خیال نہ ہو جس سے منہ میں بدبو ہو جاتی ہے ایسا حقہ مکروہ ہے اور اس حقہ کو پی کر بغیر منہ صاف کیے مسجد میں جانا منع ہے اس کا وہی حکم ہے جو کچے لہسن، پیاز کھانے کا ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ تمباکو بھی اچھا ہو اور حقہ بھی بار بار تازہ کیا جاتا ہو کہ پینے سے منہ میں بدبو نہ پیدا ہو یہ مباح ہے، اس میں اصلاً کراہت نہیں، بعض لوگوں نے حقہ کے حرام بتانے میں نہایت غلو کیا اور حد سے تجاوز کیا یہاں

تک کہ اس کے متعلق حدیثیں بھی معاذ اللہ وضع کر ڈالیں ان کی باتیں قابل اعتبار نہیں۔

مسئلہ ۱۷: قہوہ، کافی، چائے کا پینا جائز ہے کہ ان میں نہ نشہ ہے نہ تفتیرِ عقل (عقل کی خرابی، فتور) البتہ یہ چیزیں خشکی لاتی ہیں اور نیند کو دفع کرتی ہیں، اسی لیے مشائخ ان کو پیتے ہیں کہ نیند کا غلبہ جاتا رہے اور شب بیداری میں مدد ملے اور کسل (سستی) اور کاہلی کو بھی یہ چیزیں دفع کرتی ہیں۔

مسئلہ ۱۸: جس شخص کو افیون کی عادت ہے اسے لازم ہے کہ ترک کرے اگر ایک دم چھوڑنے میں ہلاکت کا اندیشہ ہے تو آہستہ آہستہ کمی کرتا رہے یہاں تک کہ عادت جاتی رہے اور ایسا نہ کیا تو گنہگار و فاسق ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الاشربہ، ج ۱۰ ص ۵۶)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۷۵۔ کِتَابُ الْمَرْضٰی

مریضوں کا بیان

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

مرضٰی، مریض کی جمع ہے، اور مرض کا معنی ہے: جسم کا اپنی طبعی حالت سے نکلنا اور اس کو ایسی حالت سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس میں مریض کے افعال سلامت روی سے صادر نہ ہوں۔

۱۔ بَابُ: مَا جَاءَ فِی کَفَّارَةِ الْمَرَضِ

مرض کے کفارہ ہونے کے متعلق جو احادیث وارد ہیں، ان کا بیان

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی: مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ (النساء: ۱۲۳)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص کوئی برا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں وہ احادیث روایت کی گئی ہیں، جن میں مرض کے کفارہ ہونے کا ذکر ہے۔ کفارہ کا لفظ، کفر کا مبالغہ ہے اور کفر کا معنی ہے ڈھانپنا۔ یعنی مرض، مریض کے گناہوں کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ (النساء: ۱۲۳) جو شخص کوئی برا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی۔

علامہ کرمانی نے لکھا ہے: اس آیت کی کتاب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ یہ آیت قیامت کے دن کے عذاب سے عام ہے، پس یہ اس سزا کو شامل ہے جو بندے کو دنیا میں ملی بایں طور کہ اس کا مرض اس کے گناہ کی سزا ہو جائے، پھر اس مرض کی وجہ سے اس کی مغفرت ہو جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مرض جس طرح سے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، اسی طرح گناہوں کی سزا بھی ہوتا ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مسلمان کو اس کے گناہوں کی سزا دنیا میں ان مصائب سے دی جاتی ہے جو اس پر نازل ہوتے ہیں، پھر وہ مصائب اس کے لیے کفارہ ہو جاتے ہیں۔ اور اللیث نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو میری امت کے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، پھر آپ نے اس آیت کو پڑھا، پھر فرمایا: بے شک بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے، پھر اس کو کوئی شدت یا مصیبت دنیا میں پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ کریم ہے کہ اس کو دوبارہ عذاب دے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۹-۳۱۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۶۴۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ رضی الله عنها زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا مِنْ مُصِيبَةٍ تُصِيبُ الْمُسْلِمَ إِلَّا كَفَّرَ اللهُ بِهَا عَنْهُ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان الحکم بن نافع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجۂ نبی ﷺ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو اس کے لیے کفارہ بنا دیتا ہے، حتیٰ کہ جو کانٹا اس کو چبھتا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۵۷۲، سنن ترمذی: ۹۶۵، مسند احمد: ۲۴۳۰۷، موطا امام مالک: ۱۷۵۱)

صحیح البخاری: ۵۶۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''مسلمان کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے'': مصیبت کا اصل معنی ہے: تیر پھینکنا، پھر یہ لفظ ہر نازل ہونے والی چیز میں استعمال ہونے لگا۔ امام راغب اصفہانی نے کہا ہے: اصاب کا لفظ خیر اور شر دونوں میں استعمال ہوتا ہے، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِیْبَةٌ یَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَیَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝ (التوبہ)

اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچے (آسمانی مدد یا مال غنیمت) تو ان کو برا لگتا ہے، اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی احتیاط کر لی تھی (کہ جہاد میں نہیں گئے تھے) اور یہ خوشیاں مناتے ہوئے لوٹتے ہیں ۝

اور دوسرا قول یہ ہے کہ ''الاصابۃ فی الخیر'' یعنی خیر کا پہنچنا، یہ الصوب سے ماخوذ ہے، ''صوب'' اس بارش کو کہتے ہیں جو بقدر ضرورت نازل ہوتی ہے اور اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، اور ''اصابۃ فی الشر'' یہ تیر کے پھینکنے سے ماخوذ ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: لغت میں مصیبت اس کو کہتے ہیں جو انسان پر مطلقاً نازل ہو، اور عرف میں مصیبت اس کو کہتے ہیں جو خصوصیت کے ساتھ کوئی ناپسندیدہ چیز ہو اور یہاں پر وہی مراد ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۴۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مومن پر مصائب اور امراض نازل ہونے کے متعلق دیگر احادیث

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام السائب یا ام المسیب کے پاس آئے، تو آپ

نے فرمایا: اے ام السائب، یا فرمایا: اے ام المسیب! تم کیوں آوازیں نکال رہی ہو؟ انہوں نے کہا: بخار، اللہ اس میں برکت نہ دے، آپ نے فرمایا: تم بخار کو برا نہ کہو، کیونکہ یہ بنو آدم کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے جیسا کہ بھٹی لوہے کے زنگ کو مٹا دیتی ہے۔
(صحیح مسلم: ۲۵۷۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیشہ بندہ مومن پر یا مومنہ پر مصیبت نازل ہوتی ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ سے وہ ملاقات کرے گا اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۰۸۱۱، ۱۰۸۱۷، سنن ترمذی: ۲۳۹۹)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیشہ بندے پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ مصیبت اس بندہ کو اس حال میں چھوڑتی ہے کہ وہ زمین پر چلتا ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔
(سنن ترمذی: ۲۳۹۸، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ جب بندے کے جسم کو کسی مصیبت میں مبتلاء کرتا ہے تو فرشتے سے فرماتا ہے: اس کے ان نیک اعمال کو لکھو جو یہ (تندرستی میں) کیا کرتا تھا، پس اگر اس کو اللہ تعالیٰ شفاء دے دے تو اس کے گناہوں کو دھوڈالتا ہے اور اس کو پاک کر دیتا ہے اور اگر اس کی روح کو قبض کر لے تو اس کی مغفرت کرتا ہے اور اس پر رحم فرماتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۰۸۳۱)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے لکھ دیتا ہے ان نیک اعمال کو جو وہ حالتِ اقامت اور صحت میں کرتا تھا۔ (صحیح البخاری: ۲۹۹۶)

دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں:

جب بندہ کوئی نیک عمل کرتا ہے، پھر بیماری یا سفر کی وجہ سے وہ عمل نہیں کر سکتا، تو اس کی صحت اور اقامت میں جو وہ نیک عمل کرتا تھا، وہ لکھ دیے جاتے ہیں۔ (سنن ابوداؤد: ۳۰۹۱)

ابو الملیح از محمد بن خالد از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی بندے کا کوئی مرتبہ ہو جس پر وہ نہ پہنچا ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کے جسم میں، اس کے مال میں اور اس کی اولاد میں کوئی مصیبت طاری کر دیتا ہے، پھر وہ بندہ اس پر صبر کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ بندہ اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس بندے کا پہلے مرتبہ ہوتا ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۲ ص ۳۱۸، المعجم الاوسط: ۱۰۸۵)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کو کسی مرض کی اذیت پہنچتی ہو یا کوئی اور مصیبت پہنچتی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کے گناہوں کو ساقط کر دیتا ہے۔ اور ابو اُمامہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان بھی کسی بیماری سے گرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں سے پاک کر کے اٹھاتا ہے۔
(المعجم الکبیر للطبرانی: ۷۴۸۵، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۲)

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ عامر الرام جو خضر کے بھائی ہیں، ان سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک جب مومن کو کوئی بیماری پہنچے، پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس مرض سے عافیت دے دے تو یہ اس کے گناہوں کا

کفارہ ہوجاتا ہے اور آئندہ کے لیے نصیحت ہوجاتی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۰۸۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کے حال پر تعجب ہے، اگر اس کو معلوم ہوجائے کہ اس کو بیماری میں کتنا اجر ملتا ہے تو وہ پسند کرے گا کہ وہ بیمار ہی رہے حتیٰ کہ اپنے رب سے ملاقات کرے۔ اور بے شک جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین سے فرماتا ہے: میرے بندہ کے لیے وہ عمل لکھو جو وہ دن اور رات میں کیا کرتا تھا اور اس میں بالکل کمی نہ کرو۔ اور اس کو اس کا بھی اجر ہوگا جو اس کو نیک اعمال سے روک دیا گیا اور جو وہ عمل کیا کرتا تھا اس کا بھی اجر ہوگا۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ج ۳ ص ۱۴)

اور حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جب میں اپنے مومن بندوں میں سے کسی مومن بندے کو کسی بیماری میں مبتلا کرتا ہوں، سو وہ میری حمد کرتا ہے اور جس مرض میں مبتلا ہے، اس پر صبر کرتا ہے، تو وہ اپنے بستر سے جس دن اٹھے گا تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہوگا جیسے جس دن وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین سے فرمائے گا: میرے بندہ کے لیے وہ جزا لکھو جو تم اس سے پہلے لکھتے تھے جب وہ تندرست تھا۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۳، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۷ ص ۷۹ ۲، المعجم الاوسط ج ۵ ص ۴۷۔ ۴۳، حافظ الہیثمی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند میں اسماعیل بن عیاش ہے اور وہ ضعیف راوی ہے، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۳)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۵۶۔ ۲۶۲ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۶۴۱، ۵۶۴۲۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا أَذًى وَلَا غَمٍّ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا إِلَّا كَفَّرَ اللهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ۔

(صحیح مسلم: ۲۵۷۳، سنن ترمذی: ۹۶۶، مسند احمد: ۷۹۶۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالملک بن عمرو نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر بن محمد نے حدیث بیان کی، از محمد بن عمرو بن حلحلۃ، از العطاء بن یسار از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ واز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: مسلمان پر جو بھی تھکاوٹ آتی ہے یا بیماری آتی ہے یا پریشانی آتی ہے یا غم آتا ہے، یا کوئی تکلیف آتی ہے اور صدمہ پہنچتا ہے، حتیٰ کہ اس کو جو کانٹا بھی چبھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کے گناہوں کا کفارہ کردیتا ہے۔

صحیح البخاری: ۵۶۴۱، ۵۶۴۲ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن محمد، یہ المسندی کے نام سے معروف ہیں۔ اور عبدالملک بن عمرو کا ذکر ہے، یہ ابو عامر العقدی ہیں جو اپنی کنیت سے نام کی بہ نسبت زیادہ مشہور ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں زہیر کا ذکر ہے، یہ الزہر کی تصغیر

ہے، یہ ابن محمد ابو منذر التیمی ہیں، ان کے حافظہ کے متعلق کلام کیا گیا ہے، امام بخاری نے التاریخ الصغیر میں کہا ہے: اہل شام جوان سے روایت کرتے ہیں وہ مناکیر ہیں اور اہل بصرہ جوان سے روایت کرتے ہیں وہ صحیح ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''نصب'' کا ذکر ہے، اس کا معنی تھکاوٹ ہے۔ اور اس حدیث میں ''وصب'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: مرض اور بیماری۔ اور اس حدیث میں ''هم'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: ایسی ناپسندیدہ چیز جو انسان کو اس کے ارادہ میں ملتی ہے۔ اور اس حدیث میں ''حزن'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: زمانہ ماضی میں جو انسان کو ناپسندیدہ چیز ملتی ہے، اور یہ دونوں باطن کے امراض ہیں یعنی هم اور حزن۔

اور اس حدیث میں ''اذی'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: جو انسان پر دوسرے شخص کی زیادتی سے تکلیف پہنچتی ہے، اور غم کا ذکر ہے، وہ چیز جو اس کے دل میں تنگی پیدا کرتی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ تینوں چیزیں یعنی هم، غم اور حزن، ان میں سے هم وہ ہے جس کے حصول کی انسان کو توقع ہوتی ہے اور اس سے انسان کو ایذاء پہنچتی ہے۔ اور غم اس رنج کی کیفیت کو کہتے ہیں جو اس کے دل میں تکلیف پہنچ چکی ہوتی ہے اور حزن اسے کہتے ہیں کہ جس چیز کے نہ ہونے سے انسان کو دشواری ہوتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ غم اور حزن دونوں کا ایک معنی ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: غم تمام ناپسندیدہ چیزوں کو شامل ہے، کیونکہ یہ اس سبب سے ہوتا ہے جو بدن کو عارض ہوتا ہے یا اس کی روح کو عارض ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۴۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سَعْدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَالْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ تُفَيِّئُهَا الرِّيحُ مَرَّةً وَتَعْدِلُهَا مَرَّةً وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ كَالْأَرْزَةِ لَا تَزَالُ حَتَّى يَكُونَ انْجِعَافُهَا مَرَّةً وَاحِدَةً وَقَالَ زَكَرِيَّاءُ حَدَّثَنِي سَعْدٌ حَدَّثَنَا ابْنُ كَعْبٍ عَنْ أَبِيهِ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

(صحیح مسلم: ۲۸۱۰، مسند احمد: ۱۵۳۴۳، سنن دارمی: ۲۷۴۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از سفیان از سعد از عبد اللہ بن کعب از والد خود از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: مومن کی مثال کھیت کی پہلی کونپل کی مثل ہے، کبھی ہوا اس کو جھکا دیتی ہے اور کبھی اس کو سیدھا کر دیتی ہے اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی طرح ہے، وہ سیدھا ہی کھڑا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ ایک ہی بار جڑ سے اکھڑ جاتا ہے۔

اور زکریا نے کہا: مجھے سعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن کعب نے حدیث بیان کی از والد خود حضرت کعب رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ۔

صحیح البخاری: ۵۶۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب میں مرض کے کفارہ کا بیان ہے۔ اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ مومن کی مثال کھیت کی کونپل کی طرح ہے، مومن کو کھیت کی کونپل کے ساتھ تشبیہ دینے سے مقصود یہ ہے کہ کبھی وہ کونپل ہوا سے جھک جاتی ہے اور کبھی سیدھی رہتی ہے۔ اسی طرح مومن کبھی تندرست ہوتا ہے اور کبھی کمزور ہو جاتا ہے۔ اور کبھی پودا سرخ ہوتا ہے اور کبھی زرد رنگ کا ہو جاتا ہے تو ایک حالت پر نہیں رہتا، سو اسی طرح مومن بھی ایک حالت پر نہیں رہتا کبھی بیمار ہوتا ہے اور کبھی صحت مند ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، وہ ثوری ہیں۔ اور سعد کا ذکر ہے، وہ ابن ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف ہیں۔ اور عبد اللہ بن کعب کا ذکر ہے جو اپنے والد حضرت کعب بن مالک ابو عبد الرحمٰن انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ ان تین میں سے ایک ہیں جن کی توبہ قبول کی گئی تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "کالخامة" یہ نبات کا پہلا پودا ہے جو تر و تازہ ہوتا ہے، اور المحکم میں لکھا ہے: یہ پہلا پودا ہے جو اپنی ساق کے اوپر کھڑا رہتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تفیئها الریح" یعنی ہوا اس کو جھکا دیتی ہے۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے "وتعدلها اخریٰ" اور کبھی اس کو بلند کر دیتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۴۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المہلب نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مومن تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اطاعت کرتا رہتا ہے، اگر اس کو خیر حاصل ہو تو خوش ہوتا ہے اور شکر ادا کرتا ہے، اور اگر اس کو بیماری یا ناپسندیدہ چیز عارض ہو تو وہ اس میں خیر کی اور اجر کی امید رکھتا ہے اور جب اس سے وہ مکروہ چیز دور ہو جائے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔ اور کافر اس طرح نہیں کرتا بلکہ اس کو دنیا میں آسانی حاصل ہوتی ہے اور آخرت میں اس کو مشکل در پیش ہوتی ہے، حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو ایک ہی مرتبہ اس کو ہلاک کر دیتا ہے اور اس کی موت اس کے اوپر زیادہ شدید عذاب ہوتی ہے۔

اور دوسروں نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مومن کے اوپر جو حوادث آتے ہیں، تو وہ اس طرح جھک جاتا ہے جس طرح نئی کونپل ہوا کے زور سے جھک جاتی ہے اور کافر اس کے برخلاف اپنی حالت پر قائم رہتا ہے اور ایک ہی مرتبہ اس کو موت آ جاتی ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۹۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۷۷۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۴۳ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ دونوں حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ مومن کھیت کی پہلے نکلنے والی کونپل کی طرح ہے، یعنی ایسی شاخ جو ابھی اپنی انتہا کو نہیں پہنچی، وہ دائیں بائیں جھکتی رہتی ہے پھر سیدھی رہتی ہے۔ اسی طرح مومن کو مصائب اور تکالیف پہنچتی ہیں لیکن وہ صابر و شاکر رہتا ہے، کیونکہ اس کو یہ علم ہوتا ہے کہ یہ اللہ عزوجل کی طرف سے اس پر مصائب آئے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ ہے۔ رہا منافق، العیاذ باللہ! اس کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے، وہ صنوبر کے اس پودے کی طرح ہے جو سیدھا کھڑا رہتا ہے، اور ہوائیں چلتی ہیں اور اس کا حال متغیر نہیں ہوتا۔ یعنی اس پر جو مصائب وارد ہوتے ہیں، ان مصائب کے ورود اور نزول سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا، پھر اللہ تعالیٰ ایک ہی مرتبہ اس کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

اور اس حدیث سے غرض یہ ہے کہ مومن کو چاہیے کہ وہ مصائب کے اوپر ثابت قدم رہے اور یہ جان لے کہ جو مصائب اس پر نازل ہوئے ہیں، اس میں اس کے لیے بہتری ہے، اگر وہ ان مصائب پر صبر کرے گا اور ثواب کی نیت کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان مصائب کو اس کے لیے کفارہ بنادے گا، اور اگر وہ کوئی گناہِ کبیرہ نہیں کرے گا تو ان مصائب کی وجہ سے اس کے درجات بلند فرمادے گا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۴۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۶۴۴۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ مِنْ بَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ مِنْ حَيْثُ أَتَتْهَا الرِّيحُ كَفَأَتْهَا فَإِذَا اعْتَدَلَتْ تَكَفَّأُ بِالْبَلَاءِ وَالْفَاجِرُ كَالْأَرْزَةِ صَمَّاءَ مُعْتَدِلَةً حَتَّى يَقْصِمَهَا اللهُ إِذَا شَاءَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے محمد بن فلیح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از ہلال بن علی جو بنی عامر بن لوی سے ہیں از عطاء بن یسار از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کی مثال کھیت سے نکلنے والی پہلی کونپل کی طرح ہے، جہاں سے ہوا آئے اس کو جھکا دیتی ہے، پھر جب وہ سیدھا کھڑا ہو جائے تو پھر وہ مصائب کو برداشت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے اور فاجر کی مثال صنوبر کے درخت کی طرح ہے جو سیدھا کھڑا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے، اس کو ہلاک کر کے گرا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۷۴۶۶، صحیح مسلم: ۲۸۰۹، سنن ترمذی: ۲۸۶۶، مسند احمد: ۷۱۵۲)

صحیح البخاری: ۵۶۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن المنذر کا ذکر ہے، یہ ابن عبداللہ ابو اسحاق الحزامی المدینی ہیں، اور اس حدیث کی سند میں محمد بن فلیح کا ذکر ہے، فلیح، افلح کی تصغیر ہے، یہ اپنے والد فلیح بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس میں ہلال بن علی کا ذکر ہے جو

بنو عامر بن لوی سے ہیں، ان کو ہلال بن ابی میمونہ بھی کہا جاتا ہے۔ اور ہلال بن ابی ہلال کم عمر تابعی ہیں، مدنی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "کفأتھا" یعنی ہوا اس کونپل کو جھکا دیتی ہے۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے: "جب وہ کونپل سیدھی ہو تو مصائب کو برداشت کرنے کے قابل ہو جاتی ہے"۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: بلاء اور مصائب کا استعمال صرف مومن کے متعلق ہوتا ہے، پس مناسب یہ تھا کہ یہاں ہوا کا ذکر کیا جاتا، پس اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہوا اور آندھی بھی نرم اور پہلی کونپل کی نسبت سے بلاء اور مصیبت ہے۔ یا جب کہ مومن کو پہلی نکلنے والی کونپل کے ساتھ تشبیہ دی گئی تو مشبہ بہ کے لیے اس چیز کو ثابت کیا جو مشبہ کے خواص میں سے ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "صماء" اس کا معنی ہے: سخت اور شدید، جو کھوکھلا اور کمزور نہ ہو۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "حتی یقسم اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ اس کو توڑ دیتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۴۵ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ يَسَارٍ أَبَا الْحُبَابِ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُصِبْ مِنْهُ۔

(مسند احمد: ۷۱۹۴، موطا امام مالک: ۱۷۵۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از محمد بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی صعصعہ، انہوں نے کہا کہ میں نے سعید بن یسار ابو الحباب سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے، اس کو اپنی طرف سے مصائب پہنچاتا ہے۔

صحیح البخاری: ۵۶۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یصب منه" اور اس کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے، اس کو مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے، یہ محی السنۃ کی تشریح ہے اور المظہری نے کہا: اللہ تعالیٰ اس کو ایک مصیبت کی طرف پہنچاتا ہے تاکہ اس کو گناہوں سے پاک کر دے۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ اکثر محدثین اس لفظ کو معروف کے صیغہ سے یُصِب پڑھتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ پہنچاتا ہے، اور میں نے ابن الخشاب سے سنا کہ یہ مجہول کا صیغہ ہے اور صاد پر زبر ہے اور یہ زیادہ اچھا اور زیادہ لائق ہے۔ علامہ الطیبی نے کہا کہ زبر ادب کے زیادہ مناسب ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ۝ (الشعراء) اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے ○

اور مجہول کے صیغہ کے اعتبار سے اس حدیث کا معنی ہوگا کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے، اس کو مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابٌ: شِدَّةِ الْمَرَضِ — مرض کی شدت اور سختی کا بیان

اس باب میں ایسی احادیث بیان کی گئی ہیں جن میں بیماری کی شدت کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔

۵۶۴۶۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ ح حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَشَدَّ عَلَيْهِ الْوَجَعُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش ح اور انہوں نے کہا: مجھے بشر بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از الاعمش از ابی وائل از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: میں نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ شدید درد میں مبتلا نہیں دیکھا۔

(صحیح مسلم: ۲۵۷۰، سنن ترمذی: ۲۳۹۷، سنن ابن ماجہ: ۱۶۲۲، مسند احمد: ۲۴۸۷۰)

صحیح البخاری: ۵۶۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کی دو سندوں کے ساتھ روایت کی ہے، پہلی سند قبیصہ سے شروع ہوتی ہے اور دوسری سند بشر بن محمد سے شروع ہوتی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں "الوجع" کا ذکر ہے، اس سے مراد ہے مرض اور بیماری۔ اور عرب ہر درد کو مرض کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو درد کی شدت کے ساتھ مخصوص رکھا ہے اور بیماریوں کی شدت کے ساتھ مخصوص رکھا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یقین کی قوت عطاء کی ہے اور صبر کی شدت عطاء کی ہے اور ثواب کی نیت عطاء کی ہے تاکہ ان کے لیے ثواب مکمل ہو اور ان پر خیر کا عمومی فیضان ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۴۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شدت مرض کے متعلق دیگر احادیث

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! سب سے زیادہ مصیبت میں کون

مبتلاء ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء، اس نے پوچھا: پھر کون سب سے زیادہ مصیبت میں مبتلاء ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اولیاء، اس نے پوچھا: پھر کون سب سے زیادہ مصیبت میں مبتلاء ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: صالحین یعنی اللہ کے نیک بندے۔

(سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۷۲)

امام ترمذی از مصعب بن سعد از والد خود روایت کرتے ہیں: انہوں نے کہا: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں میں سب سے زیادہ مصائب میں کون مبتلاء ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء، پھر صالحین، پھر لوگوں میں سے جو ان کے قریب ہو، پس مرد اپنے دین کی کیفیت کے اعتبار سے مصیبت میں مبتلاء ہوتا ہے، اگر اس کا دین سخت اور شدید ہو تو اس پر مصیبت بھی سخت اور شدید نازل ہوتی ہے، اور اگر اس کے دین میں نرمی ہو تو اس کے اوپر اس کے اعتبار سے مصیبت نازل ہوتی ہے، پھر بندہ پر ہمیشہ مصیبت آتی رہتی ہے، حتیٰ کہ وہ زمین پر اس طرح چلتا ہے کہ اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

(سنن ترمذی: ۲۳۹۸، سنن ابن ماجہ: ۴۰۲۳، المستدرک ج ۱ ص ۴۰)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۶۹۔ ۲۷۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۴۶ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام پر بیماری کی شدت کی توجیہ

یہ اللہ عزوجل کی نعمتوں میں سے ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بیماری میں اور بخار میں بہت شدت کی جاتی تھی تاکہ آپ کو صبر کا اعلیٰ درجہ حاصل ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر صبر کرنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے رکنے پر سب سے زیادہ صبر کرنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر سب سے زیادہ مطمئن اور شاکر رہنے والے تھے، اسی وجہ سے آپ کے اوپر مرض میں شدت کی جاتی اور آپ پر عام لوگوں سے دگنا بخار طاری کیا جاتا تھا، تاکہ آپ اس بلند درجہ کو حاصل کرلیں کیونکہ صبر کا بہت بلند درجہ ہے۔ سو یہ حکمت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کی شدت طاری کرنے میں۔

(شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۳۴۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۴۶، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کو بیماری کی شدت میں مبتلاء کرنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو بیماری اور درد کی شدت کے ساتھ خاص کرلیا، کیونکہ ان میں ایمان اور یقین کی زیادہ قوت ہوتی ہے اور شدت صبر کی طاقت ہوتی ہے، تاکہ ان کا ثواب مکمل ہو۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾ (الانبیاء) اور ایوب کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک مجھے (سخت) تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے

زیادہ رحم فرمانے والا ہے O

بے شک اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت ایوب علیہ السلام عبد شاکر اور عبد صابر کا بہترین نمونہ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا کشادہ کردی اور ان کو رزق میں بہت وسعت دی، حضرت ایوب علیہ السلام مسکینوں پر بہت رحم کرنے والے تھے، بیواؤں اور یتیموں کی کفالت کرتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو مصائب کی شدت میں مبتلاء کیا، ان کے بیٹے فوت ہو گئے، ان کا مال چلا گیا اور ان کے جسم میں شدید بیماری پیدا ہو گئی اور اٹھارہ (۱۸) سال تک وہ ان مصائب میں مبتلاء رہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے او پر صبر کرنے والے تھے۔ اسی لیے ان کا صبر ضرب المثل بن گیا اور کہا جاتا ہے: "اللهم صبرا كصبر ايوب" یعنی اے اللہ! حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر جیسا صبر عطا فرما۔ اسی طرح باقی انبیاء علیہم السلام پر بھی مصائب اور آلام نازل کیے گئے، اور انہوں نے ان مصائب اور آلام پر صبر کیا۔ (الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمیٰ الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۳۹، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی دعا مانگنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ ایک شخص نے صبر کی دعا کی تو آپ نے فرمایا: تم نے مصیبت کی دعا کی کیوں کہ صبر تو تم جب کرو گے جب مصیبت آئے گی، اس لیے ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے مصائب و آلام سے پناہ طلب کرنی چاہیے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۶۴۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضى الله عنه أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي مَرَضِهِ وَهُوَ يُوعَكُ وَعْكًا شَدِيدًا وَقُلْتُ إِنَّكَ لَتُوعَكُ وَعْكًا شَدِيدًا قُلْتُ إِنَّ ذَاكَ بِأَنَّ لَكَ أَجْرَيْنِ قَالَ أَجَلْ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى إِلَّا حَاتَ اللهُ عَنْهُ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتُّ وَرَقُ الشَّجَرِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم التیمی از الحارث بن سوید از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کی بیماری کے ایام میں حاضر ہوا اور اس وقت آپ کو سخت بخار چڑھا ہوا تھا، میں نے کہا: بے شک آپ کو تو سخت بخار چڑھا ہوا ہے، پھر میں نے کہا: بے شک یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کے لیے دو اجر ہیں، آپ نے فرمایا: ہاں! ہر وہ مسلمان جس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کے سبب سے اس کے گناہ اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۴۸، ۵۶۶۰، ۵۶۶۱، ۵۶۶۷، صحیح مسلم: ۲۵۷۱، مسند احمد: ۳۶۱۱، سنن داری: ۲۷۷۱)

صحیح البخاری: ۵۶۴۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "مرض کی شدت" اور اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت اور شدید بخار چڑھا ہوا تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن یوسف کا ذکر ہے، اور وہ الفریابی ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، وہ ثوری ہیں۔ اور الاعمش کا ذکر ہے، وہ سلیمان ہیں۔ اور ابراہیم التیمی کا ذکر ہے، وہ ابراہیم بن یزید بن شریک التیمی ہیں تیم الرباب الکوفی۔ اور الحارث بن سوید کا ذکر ہے، سُوید، سود کی تصغیر ہے، یہ کوفی ہیں۔ اور عبداللہ کا ذکر ہے، وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''وھو یوعك'' اس کا معنی ہے: آپ کو سخت بخار آیا ہوا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد درد اور تھکاوٹ ہے۔ صاحب المطالع نے کہا ہے: ''الوعك'' کا معنی ہے: بخار کا لرزانا۔ الاصمعی نے کہا ''الوعك'' کا معنی ہے: حرارت کی شدت، انہوں نے بخار کی شدت اور حرارت کا ارادہ کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کو جو بخار زیادہ آیا ہوا ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو دو اجر ملتے ہیں، آپ نے فرمایا: ہاں!

اس حدیث میں مذکور ہے ''مسلمان کو جب بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس تکلیف کے سبب سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں''۔ اور بیماری سے گناہ بھی جھڑتے ہیں اور درجات بھی بلند ہوتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ بیماری سے گناہ بھی جھڑتے ہیں اور درجات بھی بلند ہوتے ہیں اور بعض علماء نے کہا: بیماری سے فقط گناہ جھڑتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابٌ: أَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ

سب سے زیادہ آزمائش انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے، پھر جو انبیاء علیہم السلام کے زیادہ قریب ہو، پھر جو ان کے قریب ہو

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے زیادہ آزمائش انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے، اور یہ عنوان امام ترمذی کی اس روایت کے مطابق ہے:

از قتیبہ از شریک از عاصم بن مصعب بن سعد از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائش کس کی ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء کی، پھر جو ان کے قریب ہو، پھر جو ان کے قریب ہو۔ الحدیث

اس حدیث کی امام ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے، فرق یہ ہے کہ سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں مذکور ہے ''ثم الامثل فالامثل'' اور امام بخاری نے جو عنوان قائم کیا ہے اس میں مذکور ہے: ''ثم الاول فالاول''۔ اور ممکن ہے کہ ''ثم الاول فالاول'' میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہو جس کی امام نسائی اور امام حاکم نے روایت کی ہے:

از فاطمہ بنت الیمان جو حضرت حذیفہ کی بہن ہیں، وہ کہتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند خواتین کے ساتھ حاضر ہوئی، ہم آپ کی عیادت کر رہے تھے، اس وقت پانی کی مَشک سے آپ کے اوپر پانی کے قطرے ٹپکائے جا رہے تھے، کیونکہ آپ کو بہت تیز بخار تھا۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ شدید آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے، پھر ان کی جو انبیاء کے قریب ہوں، اور آپ نے پہلے اولاً کہا، پھر آپ نے اَمثل کہا، پھر دوبارہ فالامثل کہا۔ اور فاء کو لا کر انبیاء علیہم السلام اور دوسروں کے درمیان جو مرتبہ ہے، اس میں بُعد اور تراخی کی طرف اشارہ کیا۔ اور انبیاء کے علاوہ دوسروں کے اندر ایسا بُعد نہیں ہے، کیونکہ نبی اور ولی کے درمیان جو بُعد ہے، وہ اس سے زیادہ ہے جو ولی اور ولی کے درمیان بُعد ہے، کیونکہ اولیاء کے مراتب ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں، اور لفظ الاول، اَمثل کی تفسیر ہے، کیونکہ اول کا معنی ہے: جو فضیلت میں مقدم ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۵۔۳۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۴۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ يُوعَكُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّكَ لَتُوعَكُ وَعْكًا شَدِيدًا قَالَ أَجَلْ إِنِّي أُوعَكُ كَمَا يُوعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ قُلْتُ ذٰلِكَ أَنَّ لَكَ أَجْرَيْنِ قَالَ أَجَلْ ذٰلِكَ كَذٰلِكَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى شَوْكَةٌ فَمَا فَوْقَهَا إِلَّا كَفَّرَ اللهُ بِهَا سَيِّئَاتِهِ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی از ابی حمزہ از الاعمش از ابراہیم التیمی از الحارث بن سوید از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ کو بخار چڑھا ہوا تھا، میں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کو تو بہت شدید بخار چڑھا ہوا ہے، آپ نے فرمایا: ہاں! مجھے اتنا بخار چڑھتا ہے جتنا تم میں سے دو مردوں کو بخار چڑھتا ہے، میں نے عرض کیا: اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو دگنا اجر ملتا ہے، آپ نے فرمایا: ہاں! یہ اسی طرح ہے، جس مسلمان کو بھی کسی کانٹے کی تکلیف پہنچتی ہے یا اس سے کم تکلیف پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کے گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے، جیسے درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۴۸، ۵۶۶۰، ۵۶۶۱، ۵۶۶۷، صحیح مسلم: ۲۵۷۱، مسند احمد: ۳۶۱۱، سنن دارمی: ۲۷۷۱)

صحیح البخاری: ۵۶۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ”سب سے زیادہ آزمائش انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے، پھر جو ان کے قریب ہو، پھر جو ان کے قریب ہو“۔ اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید بخار کا ذکر ہے، تو گویا انبیاء علیہم السلام کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس کیا ہے، اور اولیاء کرام کو ان کے ساتھ لاحق کر دیا ہے، اگرچہ اولیاء کرام کا درجہ انبیاء علیہم السلام سے کم ہوتا ہے، اور اس میں راز یہ ہے کہ آزمائش نعمت کے مقابلہ میں ہوتی ہے، پس جس پر اللہ کی نعمت جتنی زیادہ ہوگی، اس کی آزمائش اتنی زیادہ شدید ہوگی، یہی وجہ ہے کہ آزاد مرد کی حد دگنی ہوتی

ہے بہ نسبت غلام کی حد کے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''جس مسلمان کو کانٹا چبھنے کی یا اس سے کم کسی چیز سے تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کی سیئات (خطاؤں) کو مٹا دیتا ہے''۔ سیئات میں جمع مضاف ہے اور جب جمع مضاف ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتی ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ تمام گناہ مٹ جاتے ہیں، خواہ صغیرہ ہوں خواہ کبیرہ ہوں۔

اے اکرم الاکرمین اور اے ارحم الراحمین! ہم تیرے کرم اور تیرے رحم سے یہ امید رکھتے ہیں کہ ہم پر جو مصائب وارد ہوئے ہیں اور بیماریاں نازل ہوئی ہیں اور تکلیفیں پہنچی ہیں، تو ان کی وجہ سے ہمارے تمام گناہوں کا کفارہ کر دے گا اور ہمارے صغیرہ اور کبیرہ سارے گناہ مٹا دے گا۔ آمین

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں''۔ خلاصہ یہ ہے کہ مرض جب شدت سے بڑھتا ہے تو اجر دگنا چوگنا ہو جاتا ہے، پھر جیسے جیسے مرض بڑھتا رہتا ہے، اجر زیادہ ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس بیمار بندے کے تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ اور امام احمد اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ مومن سے آزمائش زائل نہیں ہوتی حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرتا ہے کہ اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

الٰہ العلمین! تو ہم کو اس حدیث کا مصداق بنا دے۔ آمین (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۔ بَابُ: وُجُوبِ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ — بیمار کی عیادت کے واجب ہونے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب بیمار کی عیادت کے وجوب کے بیان میں ہے۔ مریض کی عیادت پر امام بخاری نے وجوب کا اطلاق کیا ہے کیونکہ ظاہر حدیث میں اسی طرح ہے، سو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مریض کی عیادت کرنا فرضِ کفایہ میں سے ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مستحب ہو، اور بعض لوگوں کے حق میں یہ مؤکد ہو جاتا ہے۔ علامہ داؤدی نے کہا: مریض کی عیادت کرنا فرض ہے، جس کا بوجھ لوگ ایک دوسرے سے اٹھاتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۶۔۳۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۴۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُودُوا الْمَرِيضَ وَفُكُّوا الْعَانِيَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از منصور از ابی وائل از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بھوکے کو کھلاؤ، اور مریض کی عیادت کرو اور قیدی کو قید سے چھڑاؤ۔

(صحیح البخاری: ۳۰۴۶، ۵۱۷۴، ۵۳۷۳، ۵۶۴۹، ۷۱۷۳، سنن ابوداؤد: ۳۱۰۵، مسند احمد: ۱۹۱۴۴، سنن دارمی: ۲۴۶۵)

صحیح البخاری: ۵۶۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: ''مریض کی عیادت کا وجوب'' اور حدیث میں یہ جملہ ہے ''مریض کی عیادت کرو'' اور یہ امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے ابوعوانہ، یہ الوضاح ہیں۔ اور اس میں مذکور ہے منصور، یہ ابن معتمر ہیں۔ اور اس میں مذکور ہے ابو وائل، یہ شقیق بن سلمہ ہیں۔ اور اس میں مذکور ہے ابوموسیٰ، یہ حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فکوا العانی'' العانی کا معنی ہے: اسیر یعنی قیدی، اور اس کو قید سے چھڑانا اس طرح ہوگا کہ اس کا فدیہ ادا کر دیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مریض کی عیادت کرو''۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر مرض میں عیادت کرنا واجب ہے، بعض علماء نے اس سے ارمد کا استثناء کیا ہے، ارمد کا معنی ہے: آشوب چشم لیکن اس کا رد اس حدیث سے ہوتا ہے:

امام ابوداؤد حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری عیادت فرمائی جب میری آنکھوں میں درد تھا۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ امام بیہقی اور امام طبرانی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین بیماروں کی عیادت نہیں ہے: آنکھ کی تکلیف میں، اور پھوڑے پھنسی میں اور داڑھ کے درد میں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ امام بیہقی نے تصحیح کی ہے کہ یہ حدیث یحییٰ بن ابی کثیر پر موقوف ہے، اور صحیح بخاری کی حدیث کے عموم سے استدلال کیا گیا ہے کہ اس میں نہ کسی مرض کی قید ہے نہ کسی زمانے کی قید ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ تین دن گزرنے کے بعد عیادت کرنی چاہیے، اور امام ابن ماجہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مریض کی تین دن کے بعد عیادت کرتے تھے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ حدیث بہت ضعیف ہے، اس کی روایت میں مسلمہ بن علی منفرد ہیں اور وہ متروک ہیں، اور اس حدیث کے متعلق امام ابوحاتم سے سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: یہ حدیث باطل ہے۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا ایک شاہد ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے امام طبرانی نے اوسط میں اسی طرح روایت کی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس حدیث کی سند کا بھی ایک راوی متروک ہے اور صحیح بخاری کی اس حدیث سے یہ

استدلال کیا جاتا ہے کہ اس میں بغیر کسی قید کے مطلقاً مریض کی عیادت کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن عادت اس طرح جاری ہے کہ دن کی دو طرفوں میں سے کسی ایک طرف میں عیادت کی جاتی ہے اور امام بخاری نے الادب المفرد میں یہ عنوان قائم کیا ہے "رات میں عیادت کرنا"۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۵۰۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَشْعَثُ بْنُ سُلَيْمٍ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضى الله عنهما قَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ نَهَانَا عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ وَلُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ وَالْإِسْتَبْرَقِ وَعَنِ الْقَسِّيِّ وَالْمِيثَرَةِ وَأَمَرَنَا أَنْ نَتْبَعَ الْجَنَائِزَ وَنَعُودَ الْمَرِيضَ وَنُفْشِيَ السَّلَامَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اشعث بن سلیم نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے معاویہ بن سوید بن مقرن سے سنا از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سات چیزوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع فرمایا، ہمیں آپ نے سونے کی انگوٹھی سے منع فرمایا اور ریشم پہننے سے اور دیباج اور استبرق پہننے سے منع فرمایا، اور قسی اور میثرہ (یہ بھی ریشم کی اقسام ہیں) سے منع فرمایا، اور ہمیں حکم دیا کہ ہم جنازوں کے ساتھ جائیں اور مریض کی عیادت کریں اور سلام کو پھیلائیں۔

(صحیح مسلم: ۲۰۶۶، سنن ترمذی: ۲۸۰۹، سنن نسائی: ۱۹۳۹، سنن ابن ماجہ: ۲۱۱۵، مسند احمد: ۱۸۰۳۴)

صحیح البخاری: ۵۶۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث عنقریب کتاب الاشربہ میں "باب آنیة الفضة" میں گزر چکی ہے۔ اور یہ کتاب الجنائز میں بھی "باب الامر باتباع الجنائز" میں گزر چکی ہے۔ اور یہاں صرف پانچ چیزوں کی ممانعت پر اختصار کیا اور حکم میں صرف تین چیزوں پر اختصار کیا اور ابرار المقسم، یعنی قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنے اور دعوت کو قبول کرنے اور مظلوم کی مدد کرنے اور چھینکنے والے کو جواب دینے کے حکم کا ذکر نہیں کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۔ بَابٌ: عِيَادَةِ الْمُغْمٰى عَلَيْهِ — بے ہوش کی عیادت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں بے ہوش کی عیادت کا بیان ہے، "المغمی" کا لفظ الاغماء سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ہیں: بے ہوشی۔ اور اس سے مراد ہے: اہم قوت محرکہ اور قوتِ حساسہ کا معطل ہو جانا، مثلاً دل کا ضعف اور پوری روح کا اس کی طرف مجتمع ہونا۔ کہا گیا ہے: اس عنوان کا فائدہ یہ ہے کہ یہ اعتقاد نہ کیا جائے کہ بے ہوش کی عیادت ساقط الفائدہ ہے، کیونکہ بے ہوش شخص کو پتا نہیں ہوتا کہ کون

اس کی عیادت کر رہا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۵۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رضی الله عنهما يَقُوْلُ مَرِضْتُ مَرَضًا فَأَتَانِي النَّبِيُّ ﷺ يَعُوْدُنِي وَأَبُوْ بَكْرٍ وَهُمَا مَاشِيَانِ فَوَجَدَانِي أُغْمِيَ عَلَيَّ فَتَوَضَّأَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ صَبَّ وَضُوْءَهُ عَلَيَّ فَأَفَقْتُ فَإِذَا النَّبِيُّ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ أَصْنَعُ فِي مَالِي كَيْفَ أَقْضِي فِي مَالِي فَلَمْ يُجِبْنِي بِشَيْءٍ حَتَّى نَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابن المنکدر، انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرض میں مبتلا ہو گیا، پس میرے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے آئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آئے اور وہ دونوں پیدل چلتے ہوئے آئے، ان دونوں نے مجھے اس حال میں پایا کہ مجھ پر بے ہوشی طاری تھی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، پھر وضو کے بچے ہوئے پانی کو میرے اوپر ڈالا تو مجھے ہوش آ گیا، تو اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود تھے، میں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں اپنے مال کو کیا کروں؟ اور اپنے مال میں کس طرح فیصلہ کروں، تو آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ میراث کی آیت نازل ہو گئی۔

(صحیح مسلم: ۱۶۱۶، سنن ترمذی: ۲۰۹۶، سنن نسائی: ۱۳۸، سنن ابوداؤد: ۲۸۸۶، سنن ابن ماجہ: ۲۷۲۸، مسند احمد: ۱۳۸۸۶، سنن دارمی: ۷۳۳)

صحیح البخاری: ۵۶۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے" بے ہوش کی عیادت کرنا" اور اس باب میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے اس حال میں پایا کہ مجھ پر بے ہوشی طاری تھی، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد اللہ بن محمد، یہ مسندی کے نام سے معروف ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور ابن المنکدر کا ذکر ہے، یہ محمد بن المنکدر بن عبد اللہ المدنی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الطہارۃ میں گزر چکی ہے، وہاں امام بخاری نے اس حدیث کو اس باب میں روایت کیا ہے" باب صب النبی ﷺ وضوءہ علی المغمیٰ علیہ"۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" پس آیت میراث نازل ہو گئی" اور وہاں مذکور تھا حتیٰ کہ فرائض کی آیت نازل ہو گئی، اور یہ حدیث

سورۃ النساء کی تفسیر میں بھی گزر چکی ہے، وہاں اس آیت کی تفسیر میں گزری ہے "یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِكُمْ" (النساء:۱۱)
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے اس حدیث کی "کتاب الوضوء" میں بھی شرح کی ہے، اور وہاں لکھا ہے:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں کی برکت ہر بیماری کو زائل کر دیتی ہے، اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ اکابر کو اصاغر کی عیادت کرنی چاہیے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بے ہوشی دیگر امراض کی طرح ہے اور بے ہوش شخص کی بھی عیادت کرنی چاہیے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنکھوں کی بیماری میں عیادت نہیں کرنی چاہیے، اور بے ہوشی کی حالت آنکھوں کی بیماری سے زیادہ شدید ہے، کیونکہ جو شخص بے ہوش ہو اس کی عقل کام نہیں کرتی اور شارع علیہ السلام حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بے ہوشی کے حال میں ان کے گھر میں بیٹھے حتیٰ کہ وہ ہوش میں آ گئے، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ بے ہوش شخص کی عیادت کرنی چاہیے اور جس کی آنکھوں میں بیماری ہو اس کی بھی عیادت کرنی چاہیے۔

(۲) اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مریض کی عیادت کرنے والا کبھی بیمار کے پاس زیادہ دیر بیٹھتا ہے، جب وہ اس کی کوئی وجہ محسوس کرے۔

(۳) اس حدیث میں وَضو کا لفظ ہے، اس سے مراد ہے: وُضو کرنے کا پانی، اور جب واؤ پر پیش ہو تو اس سے مراد ہوتا ہے: وضو کرنے کا فعل اور مصدر۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۷۷۔۲۷۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۱ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) جو شخص بے ہوش ہو، اس کی عیادت کرنی چاہیے، خواہ اس کو تمہارے عیادت کرنے کا پتا چلے یا نہ چلے، پس تم جاؤ اور اس کی عیادت کرو اور اس کو دیکھو، اور کتنے ہی بیمار بسا اوقات اپنی بیماری میں بے ہوش ہو جاتے ہیں یا کسی حادثے کی وجہ سے بے ہوش ہو جاتے ہیں، سو تم ان کی عیادت کرو اور عیادت کی شرط سے یہ نہیں ہے کہ مریض بیدار ہو۔

(۲) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے بچے ہوئے پانی کی برکت کا ثبوت ہے۔

(۳) بے ہوش مرد کے اوپر پانی ڈالنا چاہیے، کیونکہ بے ہوش شخص پر پانی چھڑکنا اس کے ہوش میں آنے اور افاقہ کا سبب ہے۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جس چیز کی وحی نہ کی گئی ہو، اور وحی سے آپ کو کسی مسئلہ کا حکم نہ بتایا گیا ہو تو آپ اس کے متعلق جواب نہیں دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ میں اپنے مال کو کس طرح تقسیم کروں تو آپ نے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ میراث کی آیت نازل ہوگئی۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جب تک آپ پر وحی نازل نہیں ہوتی تھی تو آپ ان مسائل میں توقف کرتے تھے جن مسائل کا حکم آپ کو وحی سے نہ بتایا گیا ہو، تو ہمیں بغیر علم کے کسی مسئلے کا حکم نہیں بیان کرنا چاہیے۔

(۵) اس حدیث سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور صحبت کا کمال ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں جاتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ جاتے تھے، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی عیادت کرنے میں بھی حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۵۰۔۳۵۱، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۔ بَابُ: فَضْلِ مَنْ يُصْرَعُ مِنَ الرِّيحِ
ریح کے سبب سے مرگی کا دورہ پڑنے کی فضیلت کا بیان

مرگی کے مرض کا بیان

مرگی ایک مرض ہے جس میں آدمی اچانک زمین پر گر کر بے ہوش ہو جاتا ہے، ہاتھ پیر ٹیڑھے ہو جاتے ہیں اور منہ سے جھاگ نکلتا ہے۔ (فیروز اللغات ص ۱۲۳۳، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، کراچی)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں ریح کے سبب سے مرگی کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس عنوان میں ''مِن'' کا لفظ سبب اور تعلیل کے لیے ہے، یعنی جس شخص کو ریح کے سبب سے مرگی کی بیماری عارض ہو، یعنی وہ ریح اور ہوا جو دماغ کے منافذ میں محبوس ہو جائے اور رک جائے اور اعضاء رئیسہ کو مکمل اپنا کام کرنے سے روک دے، یا وہ بخارات ہیں جو بعض اعضاء کی طرف چڑھتے ہیں۔ اور ریح اور ہوا مرگی کا سبب اور منشاء ہیں۔ اور وہ ایسی شدت ہے جو دماغ کے بطون میں عارض ہوتی ہے اور حرکت کرنے والے اعصاب اور پٹھوں میں نافذ ہو جاتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ریح سے مراد ہیں جنات، کیونکہ جنات کے اجسام بھی ہوا کی طرح ہوتے ہیں۔ اور جنات میں سے جو نفوس خبیثہ ہوتے ہیں، وہ انسان کے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ شیخ ابوالعباس نے کہا ہے: کبھی کوئی جن کسی انسان کے اندر شہوت اور عشق کے غلبہ کی وجہ سے داخل ہو جاتا ہے، جیسا کہ انسان ایک دوسرے سے عشق اور محبت کرتے ہیں۔ اور انسان اور جن آپس میں نکاح کرتے ہیں اور اس سے ان کے درمیان اولاد بھی پیدا ہوتی ہے اور کبھی کوئی جن انسان کے اندر بغض اور کینہ کی وجہ سے داخل ہوتا ہے، مثلاً یہ کہ بعض انسان جنات کو ایذاء پہنچاتے ہیں یا ان کے اوپر پیشاب کر دیتے ہیں یا ان پر گرم پانی ڈال دیتے ہیں، اگرچہ انسان کو یہ پتا نہیں چلتا کہ وہ یہ کام جنات کے ساتھ کر رہے ہیں۔

معتزلہ میں سے جبائی نے اور ابوبکر رازی نے اور محمد بن زکریا نے اور دوسروں نے اس کا انکار کیا ہے کہ جنات مرگی زدہ کے

بدن میں داخل ہو جاتے ہیں، اور انہوں نے کہا کہ یہ محال ہے کہ ایک جسم میں دو روحیں ہوں اور وہ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ جنات کا وجود ہے اور یہ غلط ہے۔

علامہ ابوالحسن الاشعری نے مقالات اہل السنۃ والجماعت میں لکھا ہے کہ جن مرگی زدہ کے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (البقرہ:۲۷۵) جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو۔

اور امام ابوداؤد وغیرہ نے حضرت ام ابان رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نکل اللہ کے دشمن! اور اسی طرح حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے، آپ نے فرمایا: اے اللہ کے دشمن! نکل، کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم)، اور قاضی عبدالجبار نے کہا کہ جنات کے اجسام ہوا کی طرح ہوتے ہیں تو ان کا انسان کے بدن میں داخل ہونا محال نہیں ہے جیسا کہ ہوا اور سانس انسان کے جسم میں آتا اور جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج۲۱ ص ۳۱۸۔۳۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

جنات کے انسانوں میں داخل ہونے کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں: جنات کا وجود قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ جنات انسان کے اجسام میں داخل ہوتے ہیں جیسا کہ حسب ذیل حدیث میں ہے:

امام احمد بن حنبل اپنی سند کے ساتھ از یعلیٰ بن مرۃ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک عورت اپنے بیٹے کو لے کر آئی، اس بیٹے کو کچھ جنون تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نکل اللہ کے دشمن! میں اللہ کا رسول ہوں، حضرت یعلیٰ نے بتایا: پس وہ بچہ تندرست ہو گیا اور اس عورت نے آپ کو دو مینڈھے اور تھوڑا سا پنیر اور گھی پیش کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے یعلیٰ! تم یہ پنیر اور گھی اور ایک مینڈھا رکھ لو اور دوسرا اس عورت کو واپس کر دو۔ (مسند احمد: ۱۸۰۲۹، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۹ھ)

لیکن جیسا کہ عوام میں مشہور ہے کہ جنات انسانوں کے اجسام میں داخل ہو جاتے ہیں اور پھر اعضاء انسان کے ہوتے ہیں اور تصرف جنات کرتے ہیں مثلاً زبان انسان کی ہوتی ہے اور اس سے کلام جن کرتا ہے یہ چیز صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر ایسا ہو تو ایک انسان کسی کو قتل کر دے اور بعد میں کہے کہ میں نے اس کو قتل نہیں کیا، مجھ پر تو جن چڑھا ہوا تھا اور یہ قتل اس جن نے کیا ہے، تو اس کو دنیا کی کوئی عدالت قبول نہیں کرے گی اور نہ شریعت میں اس کی نظیر ہے۔

۵۶۵۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عِمْرَانَ أَبِي بَكْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ أَلَا أُرِيكَ امْرَأَةً مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ قُلْتُ بَلَى قَالَ هَذِهِ الْمَرْأَةُ السَّوْدَاءُ أَتَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ إِنِّي أُصْرَعُ وَإِنِّي أَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللَّهَ لِي قَالَ إِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ وَإِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللَّهَ أَنْ يُعَافِيَكِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عمران ابی بکر، انہوں نے کہا: مجھے عطاء بن ابی رباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ عورت نہ دکھاؤں جو اہل جنت میں سے ہے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا:

فَقَالَتْ أَصْبِرُ فَقَالَتْ إِنِّي أَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللهَ لِي أَنْ لَا أَتَكَشَّفَ فَدَعَا لَهَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا مَخْلَدٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ أَنَّهُ رَأَى أُمَّ زُفَرَ تِلْكَ امْرَأَةً طَوِيلَةً سَوْدَاءَ عَلَى سِتْرِ الْكَعْبَةِ۔

(صحیح مسلم: ۲۵۷۶، مسند احمد: ۳۲۴۰)

یہ سیاہ فام عورت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تھی، اس نے کہا: مجھ پر مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میں برہنہ ہو جاتی ہوں، آپ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو تم صبر کرو اور تم کو جنت مل جائے گی، اور اگر تم چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تندرست کر دے، تو اس عورت نے کہا کہ میں صبر کرتی ہوں، پھر اس عورت نے کہا: میں برہنہ ہو جاتی ہوں، آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا کریں کہ میرا ستر نہ کھلے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا کی۔ ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مخلد نے خبر دی از ابن جریج، انہوں نے کہا: مجھے عطاء نے خبر دی کہ انہوں نے ام زفر کو دیکھا، یہ وہی عورت تھی جو طویل القامت تھی اور سیہ فام تھی، اس کو انہوں نے کعبہ کے پردوں کے پاس دیکھا۔

صحیح البخاری: ۵۶۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

صاحب التلویح نے کہا ہے: اس حدیث میں ہوا کا ذکر نہیں ہے جس کا امام بخاری نے عنوان میں ذکر کیا ہے، لہٰذا یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس باب کا عنوان ہے "مرگی زدہ کی فضیلت" اور حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس کو مرگی ہو اور وہ اس پر صبر کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائے گا اور امام بخاری نے جو "من الریح" کہا تھا، اس سے ان کا مقصد مرگی کا سبب بیان کرنا تھا، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ یا تو مرگی اس سبب سے ہوتی ہے کہ انسان کے جسم میں ہوا رک جاتی ہے اور دماغ کے منافذ سے نکل نہیں سکتی تو انسان کا دماغ ماؤف ہو جاتا ہے اور وہ بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اور یا ہوا سے مراد ہیں جنات، جنات انسان کے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں اور اس کو تنگ کرتے ہیں یا تکلیف پہنچاتے ہیں، تو اس کا اثر مرگی کے دورے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، یہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور عمران کا ذکر ہے، یہ ابن مسلم بصری تابعی صغیر ہیں اور ان کی کنیت ابو بکر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میں برہنہ ہو جاتی ہوں"۔ یعنی اس عورت نے یہ ارادہ کیا کہ اس کو ڈر

ہے کہ دورہ کی حالت کے اندر اس کی شرمگاہ نہ کھل جائے اور اس کو پتا نہ چلے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اگر تم چاہو تو صبر کرو''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کو اختیار دیا کہ وہ اسی حالت میں صبر کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائے گا اور یہ اختیار بھی دیا کہ اگر وہ چاہے تو آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور اللہ تعالیٰ اس کو تندرست کر دے، تو اس عورت نے صبر کرنے کو اختیار کر لیا۔ پھر اس عورت نے کہا: میں ڈرتی ہوں کہ کہیں میرا ستر نہ کھل جائے تو اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی اور پھر اس کا ستر نہیں کھلتا تھا۔

اس حدیث میں اس کی فضیلت ہے جو مرگی کے دورے پر صبر کرے اور یہ کہ مصیبت کو اختیار کرنا اور اس پر صبر کرنا جنت کے حصول کا سبب ہے۔ اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ شدت کو اختیار کرنا رخصت کے اختیار کرنے سے افضل ہے، جس شخص کو یہ علم ہو کہ وہ شدت کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور اس کے لزوم سے وہ کمزور نہیں ہوگا۔

امام بخاری نے اس حدیث کے آخر میں تعلیق لکھی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اس عورت کا نام ام زفر تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۱۹۔ ۳۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۲، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے الفاظ کی شرح

اس حدیث میں مذکور ہے ''اصرع'' یعنی مجھے الصرع کا مرض پہنچتا ہے تو میں اپنے نفس اور اپنی عقل سے غائب ہو جاتی ہوں اور الصرع یا تو جسمانی علت کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے اعضاء میں تشنج ہو جاتا ہے (پٹھے اینٹھ جاتے ہیں، ان میں زبردست کھچاؤ ہوتا ہے اور وہ جکڑ جاتے ہیں) اور آدمی گر جاتا ہے اور اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگتا ہے۔

اور کبھی الصرع جن کی وجہ سے ہوتا ہے، یعنی جن انسان کو چھوتا ہے تو اس کی وجہ سے انسان پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس کو مرگی کہتے ہیں۔ اس حدیث میں مذکور ہے ''اتکشف'' یعنی کبھی کبھی میری شرمگاہ ظاہر ہو جاتی ہے اور مجھے اس کا شعور نہیں ہوتا اور میں اپنی شرمگاہ کے کھلنے سے ڈرتی ہوں۔

حدیث مذکور کا خلاصہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عطاء کو خبر دی کہ ایک سیاہ فام حبشی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور آپ سے یہ طلب کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو مرگی کے مرض سے شفاء دے دے، جو مرگی کا مرض اس پر نازل ہو گیا ہے اور یہ عورت ام زفر کہلاتی تھی، یہ عورت کعبہ کی سیڑھی کے اوپر بیٹھتی تھی اور کعبہ کے پردوں سے لٹک جاتی تھی، اور جب اس عورت کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزرتے تو آپ سے طلب کرتی کہ آپ اس کے لیے شفاء کی دعا کریں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: اگر تم اس مرض کے اوپر صبر کرو تو تم کو جنت مل جائے گی اور اگر تم چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے دعا کروں، اللہ تعالیٰ تم کو شفاء دے گا، اس نے کہا: بلکہ میں صبر کرتی ہوں یا رسول اللہ! پھر اس عورت نے کہا کہ کبھی کبھی میں برہنہ ہو جاتی ہوں اور میری شرمگاہ کھل جاتی ہے، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ میری شرمگاہ نہ کھلے، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کے لیے دعا

کی، پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عطاء سے کہتے تھے: اس عورت کو دیکھو، اس عورت کے لیے جنت ہے، کیونکہ اس نے مصیبت اور مرض پر صبر کیا۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں اس انسان کی فضیلت ہے، جس کو مرگی کا مرض ہو جائے اور یہ کہ دورہ کے مصائب کے اوپر صبر کرنا جنت کو لازم کرتا ہے اور اس کا انجام جنت کی کامیابی اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

(۲) اس حدیث میں دوادارو کو ترک کرنے کے جواز پر دلیل ہے، سوا اس صورت کے کہ کسی انسان پر مرض کا اتنا غلبہ ہو جو اس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روک دے۔

(۳) بیماریوں کا علاج جس طرح دوا سے ہوتا ہے، اسی طرح دعا سے بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے التجا کرنے سے بھی ہوتا ہے، اور قرآن کے پڑھنے سے بھی ہوتا ہے، بلکہ قرآن مجید کا پڑھنا جڑی بوٹیوں کی بہ نسبت زیادہ نفع آور ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (الاسراء: ۸۲)

اور ہم قرآن میں وہ چیز نازل فرماتے ہیں جو مؤمنین کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور ظالموں کے لیے سوا نقصان کے اور کچھ زیادتی نہیں۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری، ج ۵ ص ۲۴۱-۲۴۲، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۷- بَابُ: فَضْلِ مَنْ ذَهَبَ بَصَرُهُ
اس شخص کی فضیلت جس کی بینائی چلی جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بزار نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: کسی بندہ کے قرض ڈوبنے کے بعد سب سے زیادہ شدید اس کی بینائی کا چلا جانا ہے اور جس شخص کی بینائی چلی گئی سو اس نے صبر کیا حتیٰ کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تو اللہ تعالیٰ اس سے کوئی حساب نہیں لے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں دوادارو کے ترک پر کوئی دلیل نہیں بلکہ دوا کو ترک کرنا اپنے آپ کو محض ہلاکت میں ڈالنا ہے اور دوا کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی دوا سے علاج کیا ہے جیسا کہ سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا نے غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے زخم میں خون روکنے کے لیے راکھ بھری تھی۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۶۵۳- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ الْهَادِ عَنْ عَمْرٍو مَوْلَى الْمُطَّلِبِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ إِنَّ اللّٰهَ قَالَ إِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن الہاد نے حدیث بیان کی از عمرو مولی المطلب از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، انہوں نے

بِحَبِيبَتَيْهِ فَصَبَرَ عَوَّضْتُهُ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ يُرِيدُ عَيْنَيْهِ تَابَعَهُ أَشْعَثُ بْنُ جَابِرٍ وَأَبُو ظِلَالِ بْنُ هِلَالٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(سنن ترمذی: ۲۴۰۰، مسند احمد: ۱۲۰۵۹)

کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: بے شک جب میں اپنے بندہ کو اس کی دو محبوب چیزوں میں مبتلاء کرتا ہوں، پس وہ اس پر صبر کرتا ہے تو میں ان دو محبوب چیزوں کے عوض میں اس کو جنت عطا فرماتا ہوں، اور دو محبوب چیزوں سے مراد بندہ کی دو آنکھیں ہیں۔ اشعث بن جابر اور ابوظلال بن ہلال نے عمرو کی متابعت کی ہے از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

صحیح البخاری: ۵۶۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''اس کی فضیلت جس کی بینائی چلی جائے'' اور اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے بندہ کو دو آنکھوں کی بینائی کے چلے جانے میں مبتلاء کرتا ہوں اور اس کے عوض اس کو جنت عطا فرماتا ہوں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابن الہاد کا ذکر ہے، یہ یزید بن عبد اللہ بن اسامہ اللیثی ہیں۔ اور اس میں عمرو کا ذکر ہے، یہ ابن ابی عمرو ہیں اور میسرہ مولی المطلب بن عبد اللہ بن حنطب ہیں از حضرت انس رضی اللہ عنہ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''حبیبتیه'' کا ذکر ہے، جس کی حدیث کے آخر میں تفصیل کردی کہ اس سے مراد ''عینیه'' ہے، یعنی اس کی دو آنکھیں ہیں، اور حبیبتیه کا معنی ہے محبوبتیه، کیونکہ انسان کو تمام اعضاء میں سب سے زیادہ محبوب اس کی آنکھیں ہوتی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فصبر'' اور امام ترمذی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اس نے صبر کیا اور ثواب کی نیت کی اور یہ امید رکھی کہ اللہ تعالیٰ اس کو وہ اجر عطا فرمائے گا جو صبر کرنے والوں کو اجر عطا فرماتا ہے، اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ صرف صبر کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کے اجر کی امید بھی رکھے، کیونکہ اعمال کا دارومدار نیات پر ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ صبر سے مراد یہ ہے کہ وہ بینائی کے نہ ہونے کی کسی سے شکایت نہ کرے اور نہ اس پر قلق کرے اور نہ اس پر اپنے راضی نہ ہونے کو ظاہر کرے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یرید عینیه'' یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عبارت ہے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حبیبتیه سے اس کی دو آنکھوں کا ارادہ کیا۔

امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جب میں دنیا میں اپنے بندہ کی دو آنکھیں لے لیتا ہوں، تو میرے پاس جنت کے سوا اس کی اور کوئی جزا نہیں

ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف با بن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور کی حدیث کے مناسب دیگر احادیث

امام البغوی الکبیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اس وقت آپ کے پاس حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ کا رب عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ جب میں اپنے بندہ کی دو آنکھیں لیتا ہوں تو میں اس کے لیے جنت کے سوا اور کوئی اجر نہیں پاتا۔

اس حدیث کا شاہد سنن ترمذی میں ہے۔(سنن ترمذی: ۲۴۰۱)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری آنکھ میں کچھ تکلیف ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری عیادت کی، جب میری آنکھ ٹھیک ہوگئی تو آپ نے مجھ سے فرمایا: اے زید! یہ بتاؤ اگر تمہاری دونوں آنکھوں کے اندر یہ تکلیف ہو جاتی تو کیا کرتے؟ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں صبر کرتا اور ثواب کی نیت کرتا، آپ نے فرمایا: تب تم اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرتے کہ تمہارا کوئی گناہ نہ ہوتا۔(الادب المفرد: ۵۳۲، الطبرانی: ۵۰۵۲)

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: یہ حدیث نیز اس بات پر حجت ہے کہ مصائب پر اور امراض پر صبر کرنے کا ثواب جنت ہے، اور صبر کی نعمت بندہ پر اللہ کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے صبر کا عوض جنت فرمایا، کیونکہ دنیا میں انسان کے لیے سب سے بڑی نعمت اس کی آنکھیں ہیں تو اس لیے اللہ تعالیٰ نے بینائی کو لینے کی جزا جنت رکھی ہے جو سب سے بڑی نعمت ہے۔ اسی طرح مصیبت کی تمام انواع ہیں جیسے شارع علیہ السلام نے بتایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ مصائب انبیاء پر آتے ہیں، پھر جو ان کے قریب ہوتے ہیں، پھر جو ان کے قریب ہوتے ہیں۔ مرد جتنا دین دار ہوتا ہے اتنے زیادہ اس پر مصائب آتے ہیں۔

امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ جو دنیا میں عافیت کے ساتھ رہے، وہ یہ خواہش کریں گے کہ کاش ان کے گوشت کو قینچی سے دنیا میں کاٹ دیا جاتا۔(سنن ترمذی: ۲۴۰۲، سنن بیہقی: ج ۳ ص ۵۲۶، شعب الایمان: ج ۷ ص ۱۸۰، المعجم الصغیر للطبرانی ج ۱ ص ۱۵۶)

یعنی جب اہل عافیت آخرت میں اہلِ مصائب کے لیے اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ثواب دیکھیں گے تو اس وقت وہ یہ خواہش کریں گے کہ کاش دنیا میں ان کے جسم کو قینچی سے کاٹ دیا جاتا، سو جس شخص کی بینائی چلی جائے یا اس کے اعضاء میں سے کوئی عضو بیکار ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس پر صبر کرے اور اللہ کا شکر ادا کرے اور ثواب کی نیت رکھے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں بہترین عوض عطا فرمائے اور بہترین عوض جنت ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۸۳۔ ۲۸۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۸۔ بَابُ: عِيَادَةِ النِّسَاءِ الرِّجَالَ
عورتوں کا مردوں کی عیادت کرنے کا بیان

وَعَادَتْ أُمُّ الدَّرْدَاءِ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْمَسْجِدِ مِنَ

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے انصار کے اہل مسجد میں سے ایک مرد

الْأَنْصَارِ۔ کی عیادت کی۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورتوں کا مردوں کی عیادت کرنا جائز ہے، خواہ وہ مرد ان کے لیے اجنبی ہوں، جب کہ اس کی معتبر شرط پائی جائے۔ امام بخاری نے کہا: حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے انصار کے اہل مسجد میں سے ایک مرد کی عیادت کی۔

تعلیق مذکور کی شرح اور حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کی تعیین اور ان کا تذکرہ

یہ حضرت ام الدرداء، حضرت ابوالدرداء عویمر رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں۔ اور مسجد سے مراد مسجد مدینہ ہے۔

پس اگر تم سوال کرو کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں اور ان میں سے ہر ایک کا نام ام الدرداء تھا، ان میں سے ایک ام الدرداء کبریٰ ہیں جن کا نام خیرہ بنت ابی حدرد ہے اور ان کا نام عبد اللہ الاسلمی ہے، اور حضرت خیرہ صحابیہ تھیں اور خواتین میں فاضلہ اور عاقلہ تھیں، ان کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حضرت ابوالدرداء کی وفات سے دو سال پہلے انتقال ہو گیا تھا، اور دوسری حضرت ام الدرداء صغریٰ تھیں، ان کا نام ہجیمۃ بنت حیی الوصابیہ تھا۔ حافظ ابو عمر بن عبد البر نے کہا ہے: مجھے ان کے متعلق کسی حدیث کا علم نہیں ہے، جو ان کی صحبت پر دلالت کرے یا ان کی رویت پر دلالت کرے یعنی جس حدیث سے یہ معلوم ہو کہ یہ صحابیہ تھیں یا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ ان کی خبر جو معلوم ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابوالدرداء کی وفات کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا، سو انہوں نے حضرت معاویہ کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کر دیا۔ پس ان دونوں میں سے وہ کون سی ام درداء تھیں جنہوں نے انصار کے اہل مسجد میں سے کسی مرد کی عیادت کی تھی؟

میں کہتا ہوں کہ علامہ کرمانی نے کہا ہے: ظاہر یہ ہے کہ ان سے مراد حضرت ام الدرداء کبریٰ ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس طرح نہیں ہے بلکہ یہ ام الدرداء صغریٰ تھیں، کیونکہ امام بخاری نے الادب المفرد میں الحارث بن عبید کی سند سے جس اثر کی روایت کی ہے اور وہ شامی تابعی صغیر ہیں اور وہ حضرت ام الدرداء کبریٰ سے نہیں ملے، کیونکہ حضرت ام الدرداء کبریٰ حضرت ابودرداء کی وفات سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہو گئی تھیں، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

(میں کہتا ہوں کہ صحیح یہ ہے کہ جنہوں نے مرد کی تیمارداری کی وہ ام الدرداء کبریٰ ہیں جیسا کہ آگے علامہ ابن ملقن نے کہا ہے کہ یہ واقعہ آیات حجاب سے پہلے کا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

حارث بن عبید نے کہا کہ میں نے حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کو سواری پر دیکھا جس کا پالان اور پردہ نہیں تھا اور وہ انصار کے ایک مرد کی مسجد میں عیادت کر رہی تھیں۔ اور حضرت ام الدرداء صغریٰ عبد الملک بن مروان کی خلافت کے اواخر تک زندہ رہیں اور اکیاسی ہجری (۸۱ھ) میں حضرت ام الدرداء کبریٰ کی وفات کے تقریباً پانچ سال بعد فوت ہوئیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۱-۳۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ام الدرداء کبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کے متعلق دو قول ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۶۵۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْمَدِينَةَ وُعِكَ أَبُو بَكْرٍ وَبِلَالٌ رضی اللہ عنہما قَالَتْ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِمَا قُلْتُ يَا أَبَتِ كَيْفَ تَجِدُكَ وَيَا بِلَالُ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَتْ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ إِذَا أَخَذَتْهُ الْحُمَّى يَقُولُ

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ
وَالْمَوْتُ أَدْنَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

وَكَانَ بِلَالٌ إِذَا أُقْلِعَتْ عَنْهُ يَقُولُ

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً
بِوَادٍ وَحَوْلِي إِذْخِرٌ وَجَلِيلُ
وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مِجَنَّةٍ
وَهَلْ تَبْدُوَنْ لِي شَامَةٌ وَطَفِيلُ

قَالَتْ عَائِشَةُ فَجِئْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ اللَّهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ اللَّهُمَّ وَصَحِّحْهَا وَبَارِكْ لَنَا فِي مُدِّهَا وَصَاعِهَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی از مالک از ہشام بن عروہ از والد خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بخار چڑھ گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ میں ان دونوں کے پاس گئی تو میں نے کہا: اے ابا جان! آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں اور اے بلال آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب بخار چڑھتا تو وہ یہ شعر پڑھتے تھے:

ہر مرد اپنے گھر میں صبح کو ہوتا ہے
اور موت اس کی جوتی کے تسمہ سے زیادہ قریب ہوتی ہے

اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے جب بخار اتر جاتا تو وہ یوں کہتے تھے:

سنو! کاش میں پھر اس وادی میں ایک رات رہوں
اور میرے گرد اذخر اور جلیل گھاس ہو
اور کیا میں پھر کسی دن مجنہ کے پانی پر وارد ہوں گا
اور کیا پھر میرے لیے شامہ اور طفیل پہاڑ ظاہر ہوں گے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور آپ کو اس کی خبر دی تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! ہماری طرف مدینہ بھی اس طرح محبوب کر دے جس طرح ہم کو مکہ سے محبت ہے یا اس سے بھی زیادہ۔ اے اللہ! مدینہ کی ہوا کو صحت افزاء بنا دے اور ہمارے لیے مدینہ کے مد (دو کلو کا پیمانہ) اور صاع (چار کلو کا پیمانہ) میں برکت نازل فرما اور مدینہ کے بخار کو منتقل کر دے اور اس کو الجحفہ میں کر دے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۸۹، ۳۹۲۶، ۵۶۵۴، ۵۶۷۷، ۶۳۷۲، صحیح مسلم: ۱۳۷۶، مسند احمد: ۲۵۷۰۸، موطا امام مالک: ۱۶۴۹)

صحیح البخاری: ۵۶۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''عورتوں کا مردوں کی عیادت کرنا'' اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کی عیادت کی اور ان دونوں کو بخار چڑھا ہوا تھا، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''بواد'' یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جو شعر پڑھا، اس میں وادی کا ذکر ہے، اس سے مراد ہے مکہ کی وادی اور اس شعر میں اذخر اور جلیل کا ذکر ہے اور یہ دونوں گھاس کی قسمیں ہیں، اور اس میں مجنّۃ کا ذکر ہے، یہ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے اور زمانہ جاہلیت میں وہاں پر بازار تھا۔

اور اس حدیث میں ''یبدون'' کا ذکر ہے، یعنی کیا کبھی میرے لیے ظاہر ہوں گے شامہ اور طفیل، یہ مکہ کے دو پہاڑ ہیں۔

اور اس حدیث میں ''الجحفہ'' کا ذکر ہے، یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے اور یہ اہلِ شام کا میقات ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ! مدینہ کے بخار کو جحفہ میں منتقل کر دے۔ بخار تو ایک عرض ہے اور عرض منتقل نہیں ہوتی، تو صحیح معنی یہ ہے کہ مدینہ سے بخار کو معدوم کر دے اور الجحفہ میں بخار کو ظاہر کر دے، کیونکہ الجحفہ کے رہنے والے یہودی تھے اور وہ مسلمانوں سے شدید عداوت رکھتے تھے اور ان کو بہت ایذاء پہنچاتے تھے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعاءِ ضرر کی اور اہلِ اسلام کے لیے خیر کا ارادہ کیا۔

اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری: ۱۸۸۹ میں جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۲۔ ۳۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے کسی اجنبی مرد کی عیادت کس طرح کی جب کہ عورتوں کے لیے اجنبی مرد کی عیادت کرنا جائز نہیں ہے؟

(۱) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ حجاب کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

(۲) دعا سے وبا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتی ہے اور مرض بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے۔

(۳) جو عورت مالکہ ہو، وہ اپنے غلاموں کی عیادت کر سکتی ہے، کیونکہ حضرت بلال اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہما کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آزاد کیا تھا، سو اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی عیادت کرنا جائز ہوا۔

(۴) حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے جس انصاری کی عیادت کی تھی، ہو سکتا ہے کہ وہ بھی حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کا غلام ہو۔

علامہ ابن حبیب نے کہا ہے: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی کہ مدینہ کے بخار کو الجحفہ میں منتقل کر دے، جب سے الجحفہ میں

تمام شہروں سے زیادہ بخار آتا ہے اور الجحفہ میں ایک چشمہ ہے جس کا نام ہے "عین حم" اور جو شخص بھی اس چشمہ کا پانی پیتا ہے اس کو بخار چڑھ جاتا ہے، میں کہتا ہوں: ایسا کیوں نہیں ہوگا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مسترد نہیں ہوتی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۸۵۔۲۸۷ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۹۔ بَابُ: عِيَادَةِ الصِّبْيَانِ

بچوں کی عیادت کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مردوں کا بچوں کی عیادت کرنا جائز ہے۔

۵۶۵۵۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَاصِمٌ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عُثْمَانَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ ابْنَةً لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَرْسَلَتْ إِلَيْهِ وَهُوَ مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَسَعْدٌ وَأُبَيٌّ نَحْسِبُ أَنَّ ابْنَتِي قَدْ حُضِرَتْ فَاشْهَدْنَا فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا السَّلَامَ وَيَقُولُ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَمَا أَعْطَى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ مُسَمًّى فَلْتَحْتَسِبْ وَلْتَصْبِرْ فَأَرْسَلَتْ تُقْسِمُ عَلَيْهِ فَقَامَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَقُمْنَا فَرُفِعَ الصَّبِيُّ فِي حَجْرِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَنَفْسُهُ تَقَعْقَعُ فَفَاضَتْ عَيْنَا النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لَهُ سَعْدٌ مَا هَذَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ هَذِهِ رَحْمَةٌ وَضَعَهَا اللّٰهُ فِي قُلُوبِ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادِهِ وَلَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ إِلَّا الرُّحَمَاءَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عاصم نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے ابوعثمان سے سنا از حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے آپ کی طرف پیغام بھیجا اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت ابی بن کعب تھے، ہم گمان کرتے ہیں کہ آپ کی صاحبزادی نے یہ پیغام بھیجا کہ میری بیٹی بستر مرگ پر ہے، تو آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سلام بھیجا اور آپ فرما رہے تھے: بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو وہ لے لیتا ہے اور جو وہ عطا فرماتا ہے اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کے پاس ایک معین مدت تک ہے، پس تم ثواب کی نیت کرو اور صبر کرو تو آپ کی صاحبزادی نے دوبارہ پیغام بھیجا اور آپ کو قسم دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور ہم بھی کھڑے ہو گئے، سو اس بچہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں رکھا گیا اور وہ بچہ جانکنی کے عالم میں تھا اور اس کا سانس اکھڑ رہا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، تو آپ سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) یہ کیا ہے، آپ نے فرمایا: یہ رحمت ہے، اللہ تعالیٰ اس رحمت کو اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے رکھ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے انہیں پر رحم فرماتا ہے جو رحم کرنے والے ہوں۔

(صحیح البخاری: ۱۲۸۴، ۵۶۵۵، ۶۶۰۲، ۶۶۵۵، ۷۳۷۷، ۷۴۴۸، صحیح مسلم: ۹۲۳، سنن نسائی: ۱۸۶۸، سنن ابوداؤد: ۳۱۲۵، مسند احمد: ۲۱۲۶۹)

صحیح البخاری: ۵۶۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "بچوں کی عیادت کرنا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی کے پاس گئے اور ان کے بیٹے کو اٹھا کر اپنی گود میں رکھا اور یہ ان کی بلاشک وشبہ عیادت ہے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عاصم، اور وہ ابن سلیمان ہیں۔ اور اس میں مذکور ہے ابو عثمان، اور وہ عبد الرحمن بن مل النہدی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے آپ کو پیغام بھیج کر بلایا": صاحب التلویح نے کہا ہے: آپ کی جس صاحبزادی نے آپ کو پیغام دے کر بلایا تھا، وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں اور ان کے بیٹے کا نام علی تھا۔

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس حدیث کو راوی منضبط نہیں کر سکا، پس ایک مرتبہ اس نے کہا کہ آپ کی صاحبزادی نے کہا کہ میری بیٹی قریب المرگ ہے، اور دوسری مرتبہ کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو اٹھایا اور اس کا سانس اکھڑ رہا تھا، پس ایک مرتبہ خبر دی کہ بچہ قریب المرگ تھا اور دوسری مرتبہ خبر دی کہ بچی قریب المرگ تھی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے"، یعنی حال یہ ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور حضرت سعد بن عبادہ اور ابی بن کعب آپ کے ساتھ تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کل شیء مسمی" یعنی ہر چیز ایک مدت معینہ تک ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "فلتحتسب" یعنی اللہ عزوجل کے پاس جو اجر ہے، اس کو طلب کرنا چاہیے اور بچے کو اللہ کی مشیت کی طرف مفوض کر دینا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنا چاہیے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تقعقع" یعنی وہ بچہ مضطرب ہو رہا تھا اور اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت سعد نے کہا: یہ کیا ہے؟" حضرت سعد نے یہ اسی لیے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ان کو تعجب ہوا کہ آنکھوں میں آنسو آنا شاید مصیبت پر صبر کے منافی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "آپ نے فرمایا: یہ رحمت ہے" یعنی یہ اس رحمت کا اثر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رحم دل لوگوں کے دلوں میں رکھا ہے اور یہ بے قراری اور بے صبری نہیں ہے اور صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں، جس میں سے ایک رحمت اللہ تعالیٰ نے جنات، انسانوں، بہائم اور حشرات الارض میں رکھی ہے، اس ایک رحمت کی وجہ سے وہ سب ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں، اسی رحمت کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتیں اپنے پاس موخر رکھی

ہیں جن سے قیامت کے دن وہ اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا، اس حدیث کی امام مسلم اور امام بخاری نے روایت کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۳۔ ۳۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی فقہ

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ رئیسوں اور اہل فضل کو بیمار بچوں کی عیادت کرنی چاہیے، اور بیمار بچوں کی عیادت سے ان کے والدین کے ساتھ صلۂ رحم ہوتا ہے اور اس سے بیمار بچوں کے لیے دعا کی برکت حاصل ہوتی ہے اور ان کے والدین کے لیے نصیحت حاصل ہوتی ہے کہ ان کو صبر کی تلقین کی جائے اور ان سے یہ کہا جائے کہ جب مصیبت آئے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور مصیبت میں صبر کر کے ثواب کی نیت کرنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آنسوؤں کے متعلق فرمایا کہ یہ رحمت ہیں۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا، اس دن اللہ تعالیٰ نے سو رحمتیں پیدا فرمائیں، ہر رحمت آسمان اور زمین کے درمیان منطبق ہے، پس ان میں سے ایک رحمت زمین میں رکھی، اسی رحمت کی وجہ سے والدہ اپنے بچے پر شفقت کرتی ہے اور وحشی جانور اور پرندے ایک دوسرے پر رحمت کرتے ہیں، پس جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان رحمتوں کو مکمل کرلے گا۔ (صحیح مسلم: ۲۷۵۳، کتاب التوبہ، باب فی سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ)

اور صحیح حدیث میں ہے: بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے سو رحمتیں ہیں، ان میں سے اللہ تعالیٰ نے ایک رحمت جنات، انسانوں، جانوروں، حشرات الارض کے درمیان نازل کی ہے، جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر شفقت کرتے ہیں اور رحمت کرتے ہیں، اسی رحمت کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتیں مؤخر کرلی ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ (صحیح البخاری: ۶۰۰۰، کتاب الادب، باب: جعل اللہ الرحمۃ مائۃ جزء)

نیز حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سو رحمتیں پیدا فرمائیں، پس ان میں سے ننانوے رحمتیں اپنے پاس رکھ لیں اور اپنے بندوں میں ایک رحمت رکھی، اس ایک رحمت کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور ماں اپنے بچے پر رحم کرتی ہے، پس جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس ایک رحمت کو ننانوے رحمتوں کے ساتھ ملائے گا، پھر ان رحمتوں سے اپنی مخلوق پر سایہ کرے گا حتیٰ کہ ابلیس جو کفر کا سردار ہے وہ بھی یہ طمع کرے گا کہ اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۸۹۔ ۲۹۰ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۱۰۔ بَابُ: عِيَادَةِ الْأَعْرَابِ — دیہاتیوں کی عیادت کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں دیہاتیوں کی عیادت کرنے کا بیان ہے، اس باب کے عنوان میں الاعراب کا ذکر ہے، اور ''الأعراب'' ان

لوگوں کو کہتے ہیں جو دیہاتوں میں رہتے ہیں اور شہروں میں نہیں رہتے اور بغیر ضرورت کے شہروں میں نہیں جاتے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۵۶۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُخْتَارٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم دَخَلَ عَلَى أَعْرَابِيٍّ يَعُودُهُ قَالَ وَكَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا دَخَلَ عَلَى مَرِيضٍ يَعُودُهُ فَقَالَ لَهُ لَا بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللهُ قَالَ قُلْتَ طَهُورٌ كَلَّا بَلْ هِيَ حُمَّى تَفُورُ أَوْ تَثُورُ عَلَى شَيْخٍ كَبِيرٍ تُزِيرُهُ الْقُبُورَ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَنَعَمْ إِذًا۔ (صحیح البخاری: ۳۶۱۶، ۵۶۵۶، ۵۶۶۲، ۷۴۷۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معلی بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن مختار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دیہاتی کے پاس اس کی عیادت کرنے کے لیے تشریف لے گئے، انہوں نے بیان کیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی بیمار کے پاس عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو اس سے فرماتے: کوئی خطرے کی بات نہیں ہے، یہ بیماری ان شاء اللہ پاک کرنے والی ہے، اس دیہاتی نے کہا: آپ نے کہا: پاک کرنے والی ہے؟ ہرگز نہیں! بلکہ یہ تو بخار ہے جو جوش میں آرہا ہے یا کہا: یہ بخار ایک بہت بوڑھے پر غالب آگیا ہے اور اسے قبروں کی زیارت کرا کے رہے گا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! پھر ایسا ہی ہوگا۔

صحیح البخاری: ۵۶۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے خالد، وہ الحذاء ہیں، یہ حدیث اسی سند اور اسی متن کے ساتھ علامات نبوت میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" طهور " یعنی یہ بخار تم کو تمہارے گناہوں سے پاک کرنے والا ہے۔ اس کے بعد فرمایا ہے" ان شاء اللہ " یہ دعا ہے، خبر نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" قُلْتَ " یعنی آپ نے کہا: وہ اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ آپ نے کہا کہ یہ بیماری پاک کرنے والی ہے؟ ہرگز نہیں! یہ پاک کرنے والی نہیں ہے بلکہ یہ بخار ہے اور دوسری روایت میں ہے: بلکہ یہ مرض ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" تفور او تثور " اس میں راوی کو شک ہے کہ اس اعرابی نے تفور کہا تھا یا تثور کہا تھا اور دونوں کا معنی ایک ہے کہ یہ بخار جوش میں آرہا ہے اور اس کی حرارت اور تپش ظاہر ہو رہی ہے۔ پھر اس نے کہا" تزیرہ القبور " یعنی یہ بخار اس بوڑھے کو قبروں کی زیارت کرانے والا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فنعم" یعنی جب تم نے انکار کیا تو پھر ایسا ہی ہوگا جیسا کہ تم نے زعم کیا ہے یا مطلب یہ ہے کہ عنقریب ایسا ہی ہوگا اور امام طبرانی نے روایت کی ہے کہ وہ اعرابی صبح کو فوت ہو چکا تھا۔

حدیث مذکور کے فوائد

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: اس حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ اگر امام اپنی رعیت کے کسی فرد کی عیادت کے لیے جائے تو اس سے امام کی شان میں کوئی کمی نہیں ہوتی، خواہ وہ کسی ننگے پیر دیہاتی کی عیادت کے لیے جائے۔ اسی طرح اگر عالم جاہل کی عیادت کے لیے جائے تو اس سے بھی اس کی شان میں کوئی کمی نہیں ہوتی اور عالم جاہل کی عیادت کے لیے جائے گا تو اس کو اس کے فائدے کی چیزوں کی نصیحت کرے گا اور اس کو دین کی تعلیم دے گا، اس کو صبر کی تلقین کرے گا، نیز اس میں اس بیمار کی دلجوئی ہوگی اور اس کے گھر والوں کی دلجوئی ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۴۔۳۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن، شیخ عثیمین اور دیگر شارحین نے بھی صحیح البخاری: ۵۶۵۶ کی اسی طرح شرح کی ہے۔

۱۱۔ بَابُ: عِيَادَةِ الْمُشْرِكِ — مشرک کی عیادت کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب مشرک کی عیادت کرنے کے بیان میں ہے، علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ مشرک کی عیادت اس لیے کرنی چاہیے تا کہ اس کو اسلام کی دعوت دی جائے جب یہ توقع ہو کہ وہ اسلام کی دعوت کو قبول کر لے گا ورنہ پھر اس کی عیادت نہ کی جائے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ مشرک کی عیادت اختلافِ مقاصد سے مختلف ہوتی ہے، کبھی اس کی عیادت کسی اور مصلحت کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۵۷۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ رضى الله عنه أَنَّ غُلَامًا لِيَهُودَ كَانَ يَخْدُمُ النَّبِيَّ ﷺ فَمَرِضَ فَأَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُهُ فَقَالَ أَسْلِمْ فَأَسْلَمَ وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ لَمَّا حُضِرَ أَبُو طَالِبٍ جَاءَهُ النَّبِيُّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی کا لڑکا نبی ﷺ کی خدمت کرتا تھا، سو وہ بیمار ہو گیا، پس نبی ﷺ اس کی عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے، آپ نے اس سے فرمایا: اسلام قبول کر لو، سو اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اور سعید بن المسیب نے کہا از والد خود کہ جب ابو طالب کی موت کا وقت آیا تو نبی ﷺ اس کے پاس آئے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۵۶، ۵۶۵۷، سنن ابو داؤد: ۳۰۹۵، مسند احمد: ۱۲۹۶۲)

صحیح البخاری: ۵۶۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں سعید بن المسیب کا ذکر ہے جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، ان کے والد المسیب بن حزن ہیں جو صحابی ہیں اور یہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی اور ابو طالب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور ان کا نام عبد مناف تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ مشرک کی عیادت اس لئے کی جائے تا کہ اس کو اسلام کی دعوت دی جائے جب کہ یہ امید ہو کہ وہ اسلام کی دعوت کو قبول کرلے گا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے اسلام قبول کرلیا، اسی طرح آپ نے اپنے چچا ابو طالب پر اسلام کو پیش کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقدر نہیں کیا تھا، اور جب مشرک کے اسلام کی توقع نہ ہو تو پھر اس کی عیادت نہیں کرنی چاہیے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۹۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۷ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی التوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مشرک کی عیادت کی تین صورتیں ہیں:

(۱) مشرک کی عیادت اس پر اسلام کو پیش کرنے کے لیے کی جائے، اس صورت میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، بشرطیکہ اس کے اسلام قبول کرنے کی توقع ہو۔

(۲) اس کے اسلام قبول کرنے کی توقع تو نہ ہو لیکن وہ رشتہ دار ہو یا پڑوسی ہو تب بھی اس کی عیادت کرنا جائز ہے، لیکن مرتد کی عیادت نہیں کی جائے گی۔

(۳) نہ اس کے اسلام کی توقع ہو اور نہ وہ رشتہ دار یا پڑوسی ہو، تو پھر اس کی عیادت نہیں کی جائے گی۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۵۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۱۲۔ بَابٌ: إِذَا عَادَ مَرِيضًا فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى بِهِمْ جَمَاعَةً

جب کوئی شخص مریض کی عیادت کرے اور اس دوران نماز کا وقت آجائے تو وہ مریض لوگوں کو باجماعت نماز پڑھائے

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب لوگ کسی مریض کی عیادت کریں اور اس اثناء میں نماز کا وقت آجائے تو وہ مریض عیادت کرنے والوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھائے۔

۵۶۵۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهِ نَاسٌ يَعُودُونَهُ فِي مَرَضِهِ فَصَلَّى بِهِمْ جَالِسًا فَجَعَلُوا يُصَلُّونَ قِيَامًا فَأَشَارَ إِلَيْهِمُ اجْلِسُوا فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ إِنَّ الْإِمَامَ لَيُؤْتَمُّ بِهِ فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا وَإِنْ صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ قَالَ الْحُمَيْدِيُّ هَذَا الْحَدِيثُ مَنْسُوخٌ لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ آخِرَ مَا صَلَّى صَلَّى قَاعِدًا وَالنَّاسُ خَلْفَهُ قِيَامٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی، از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس لوگ آپ کی بیماری میں آپ کی عیادت کرنے کے لیے آئے، آپ نے ان کو بیٹھ کر نماز پڑھائی، وہ لوگ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ وہ بیٹھ جائیں، پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ امام اس لئے ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، پس جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو، جب وہ رکوع سے سر اٹھائے تو تم رکوع سے سر اٹھاؤ، اور اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔ امام ابوعبداللہ (بخاری) نے بیان کیا کہ حمیدی نے کہا: یہ حدیث منسوخ ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے جو آخری نماز پڑھی تو اس میں آپ بیٹھے ہوئے تھے اور صحابہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔

(صحیح البخاری: ۶۸۸، ۱۱۱۳، ۱۲۳۶، ۵۶۵۸، صحیح مسلم: ۴۱۲، سنن ابوداؤد: ۶۰۵، سنن ابن ماجہ: ۱۲۳۷، مسند احمد: ۲۴۶۲۵، موطا امام مالک: ۳۰۷)

صحیح البخاری: ۵۶۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور ہشام کا ذکر ہے، وہ ابن عروہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قیاما" یہ قائم کی جمع ہے، یا مصدر ہے اور اس کا معنی ہے کہ وہ عیادت کرنے والے کھڑے ہوئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جب امام سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ اور اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو"، یعنی اگر امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی اس کی اقتداء کرنے کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھو۔

امام بخاری نے کہا کہ یہ حدیث منسوخ ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے جو آخری نماز پڑھی تو آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی تھی اور صحابہ

آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔
امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا ہے کہ مقتدیوں کا بیٹھنا فقط منسوخ ہو گیا ہے اور امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق نے اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے کہ امام جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے نماز میں قیام کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝ (البقرہ) اور اللہ کے سامنے ادب سے قیام کرو O

لہٰذا قیام فرض ہے، اور جس حدیث میں بیٹھنے کا حکم دیا ہے، وہ حدیث خبر واحد ہے۔ اگر اس حدیث پر عمل کیا جائے تو خبر واحد سے قرآن مجید کے حکم کا منسوخ کرنا لازم آئے گا، اس لئے اگر امام کسی عذر کی وجہ سے نماز میں بیٹھا ہوا ہے تو مقتدیوں کو قیام ترک نہیں کرنا چاہیے، جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل بھی اسی کا مؤید ہے۔
رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ''کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو'' تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ کی مکمل اقتداء کی جائے لیکن بعد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور صحابہ نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پچھلے امر کو منسوخ فرما دیا۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۸ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
جب کوئی انسان قوم کا رئیس اور کبیر ہو اور وہ بیمار ہو اور لوگ اس کی عیادت کے لیے آئیں اور نماز کا وقت آ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ مریض ان لوگوں کو نماز پڑھائے اور وہ ان کے ساتھ نماز پڑھ لیں، لیکن جب وہ مرد قوم کا رئیس اور کبیر نہ ہو تو عیادت کرنے والوں کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ اس کی اقتداء میں نماز پڑھیں، وہ عیادت کر کے چلے جائیں اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، کیونکہ مریض کی عیادت کرنا ایسا عذر نہیں ہے جس کی وجہ سے نماز باجماعت کو ترک کر دیا جائے۔

جب مریض بیٹھ کر نماز پڑھائے تو آیا اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے بیٹھ کر نماز پڑھیں یا کھڑے ہو کر نماز پڑھیں؟

حمیدی نے کہا: یہ حدیث منسوخ ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث محکم ہے اور وہ یہ ہے کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر پڑھے، اور کسی حدیث کو منسوخ اس وقت قرار دیا جاتا ہے جب دو حدیثوں کے درمیان تطبیق نہ ہو سکے اور یہاں تطبیق ممکن ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے اور اس کی توجیہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے، لیکن مرض الموت میں آپ کی نماز میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس مرض کا ذکر کیا ہے، اس میں آپ کی نماز میں فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو حدیث بیان کی ہے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء سے نماز پڑھ رہے تھے اور آپ بیٹھے ہوئے تھے اور وہ جو مرض الموت میں آپ نے نماز پڑھی اس میں لوگ آپ کے آنے سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے تو

آپ نے انہیں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا، کیونکہ انہوں نے نماز کی ابتداء جب کی تو وہ کھڑے ہوئے تھے، تو حکمت یہ تھی کہ ان کو اسی حال پر باقی رکھا جائے جس حال پر وہ پہلے تھے اور یہی امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب امام بیٹھا ہوا ہو تو لوگ اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں اور بیٹھ کر بھی پڑھیں، مگر جب انہوں نے نماز کی ابتداء کھڑے ہو کر کی تھی، پھر کوئی سبب پیش آ گیا جس کی وجہ سے امام بیٹھ گیا تو وہ نماز کھڑے ہو کر پوری کریں گے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۵۸-۳۵۹، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سنت معروفہ یہ ہے کہ گھر والے سے جو لوگ ملنے کیلئے اس کے گھر آئیں، ان کی امامت گھر والا کرے، سوا اس کے کہ گھر والا خود کسی کو مقدم کر دے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیماری میں عیادت کرنے والوں کو نماز پڑھانا دو وجہوں سے واجب تھا، اول یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر والے تھے اور گھر والا نماز پڑھانے کا زیادہ مستحق ہے اور ثانی یہ کہ کسی بھی جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی کا امام بننا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مقدم ہونا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس دور میں جو شخص بیمار ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر میں کسی کو بیٹھ کر نماز پڑھائے، کیونکہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی امامت اکثر علماء کے نزدیک منسوخ ہو گئی ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۳۸۱)

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: صرف ان کا بیٹھنا منسوخ ہوا ہے اور مریض کی امامت کرانا منسوخ نہیں ہوا، کیونکہ امام مالک یہ کہتے ہیں کہ مریض شخص تندرست لوگوں کی امامت نہ کرے۔ (المدونہ ج ۱ ص ۸۱)

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد کوئی آدمی بیٹھ کر امامت نہ کرے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۴۰۸۷، ۴۰۸۸، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۹۸، سنن بیہقی: ج ۳ ص ۸)

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور علامہ ابن القاسم نے کہا ہے کہ اس باب کی حدیث نفل پر محمول ہے اور یہ غلط ہے۔ امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق نے اس حدیث کو ظاہر پر محمول کیا ہے کہ امام جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی اس کی اتباع کریں اور بیٹھ کر نماز پڑھیں۔ (المغنی ج ۳ ص ۶۳-۶۱)

اور حدیث جابر سے یہ معلوم ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عیادت کرنے والوں کو بیٹھنے کا حکم دیا تھا، یہ تو اضعاً دیا تھا اور اہل فارس کی مخالفت میں حکم دیا تھا، کیونکہ اہل فارس اپنے بادشاہوں کے سامنے کھڑے رہتے تھے یعنی ان کا بادشاہ بیٹھا ہوا ہوتا تھا اور وہ بادشاہ کی تعظیم میں کھڑے ہوئے ہوتے تھے۔ سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب امام بیٹھا ہو تو تم بھی بیٹھ جاؤ۔

اور حمیدی نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم آپ کے بعد کے فعل سے منسوخ ہو گیا ہے، کیونکہ آپ نے آخری نماز بیٹھ کر پڑھائی اور آپ کے پیچھے صحابہ کھڑے ہوئے تھے اور آپ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۹۴-۲۹۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۱۳۔ بَابُ: وَضْعِ الْيَدِ عَلَى الْمَرِيضِ — بیمار کے اوپر ہاتھ رکھنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مریض کی عیادت کرنے والا اپنا ہاتھ مریض کے اوپر رکھے تاکہ مریض کو اس کے ساتھ اُنس ہو اور عیادت کرنے والے کو مرض کی معرفت ہو اور وہ اس کے لیے دعا کرے اور بعض اوقات اپنے ہاتھ سے اس کے اوپر دم کرے اور اس کے اوپر اپنا ہاتھ پھیرے جس سے بیمار کو نفع ہو، خصوصاً جب عیادت کرنے والا نیک شخص ہو اور اس کے ہاتھ سے تبرک حاصل کیا جاتا ہو اور اس کی دعا سے نفع حاصل ہوتا ہو جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے، اور یہ حسن ادب سے ہے اور بیمار کے اوپر شفقت کے قبیل سے ہے، اور کبھی ہاتھ رکھنے والا علاج کو جاننے والا ہوتا ہے تو وہ اس کو کوئی مناسب دوا یا پرہیز بتائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۵۹۔ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا الْجُعَيْدُ عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ سَعْدٍ أَنَّ أَبَاهَا قَالَ تَشَكَّيْتُ بِمَكَّةَ شَكْوًا شَدِيدًا فَجَاءَنِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَعُودُنِي فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ إِنِّي أَتْرُكُ مَالًا وَإِنِّي لَمْ أَتْرُكْ إِلَّا ابْنَةً وَاحِدَةً فَأُوصِي بِثُلُثَيْ مَالِي وَأَتْرُكُ الثُّلُثَ فَقَالَ لَا قُلْتُ فَأُوصِي بِالنِّصْفِ وَأَتْرُكُ النِّصْفَ قَالَ لَا قُلْتُ فَأُوصِي بِالثُّلُثِ وَأَتْرُكُ لَهَا الثُّلُثَيْنِ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ عَلَى جَبْهَتِهِ ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ عَلَى وَجْهِي وَبَطْنِي ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ اشْفِ سَعْدًا وَأَتْمِمْ لَهُ هِجْرَتَهُ فَمَا زِلْتُ أَجِدُ بَرْدَهُ عَلَى كَبِدِي فِيمَا يُخَالُ إِلَيَّ حَتَّى السَّاعَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں المکی بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الجعید نے خبر دی از حضرت عائشہ بنت سعد رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے والد (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) نے بیان کیا کہ میں مکہ میں بہت شدید بیمار ہو گیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس میری عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے، سو میں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی! میں مال چھوڑ رہا ہوں اور میں نے صرف ایک بیٹی چھوڑی ہے، تو کیا میں دو تہائی مال کی وصیت کردوں اور ایک تہائی (بیٹی کیلئے) چھوڑ دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے کہا: اچھا میں نصف مال کی وصیت کروں اور نصف مال اس کے لیے چھوڑ دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے کہا: اچھا میں ایک تہائی مال کی وصیت کروں اور دو تہائی مال چھوڑ دوں؟ آپ نے فرمایا: تہائی، اور تہائی بہت ہے۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھا، پھر اپنے ہاتھ کو میرے چہرے پر اور میرے پیٹ پر پھیرا اور پھر آپ نے دعا کی: اے اللہ! سعد کو شفاء عطا کر اور اس کی ہجرت کو مکمل کر۔ پس اس وقت سے لے کر اب تک جب بھی مجھے خیال آتا ہے، میں ہمیشہ آپ کے ہاتھ کی ٹھنڈک کو اپنے جگر پر محسوس کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم: ۱۶۲۸، سنن ترمذی: ۲۱۱۶، سنن نسائی: ۳۶۲۶، سنن ابوداؤد: ۲۸۶۴، مسند احمد: ۱۴۴۳، موطا امام مالک: ۱۴۹۵، سنن دارمی: ۳۱۹۶)

صحیح البخاری: ۵۶۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "مریض پر ہاتھ رکھنا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھا، پھر اپنا ہاتھ میرے چہرے پر اور میرے پیٹ پر پھیرا، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مکی بن ابراہیم کا ذکر ہے، یہ ابن بشیر بن فرقد البرجی التمیمی الحنظلی البلخی ہیں، یہ ۲۱۵ ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں الجُعید کا ذکر ہے، یہ ابن عبد الرحمٰن الکندی ہیں اور ان کو بغیر تصغیر کے الجعد بھی کہا جاتا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بنت سعد کا ذکر ہے، یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "تشکیت" یہ باب تفعیل سے ہے جو مبالغہ پر دلالت کرتا ہے، اور اس حدیث میں "شکویٰ" کا ذکر ہے، یہ لفظ تنوین اور بغیر تنوین دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، اس کا معنی ہے مرض۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اور اس کی ہجرت کو مکمل فرمادے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے ہجرت کے مکمل ہونے کی دعا اس لئے کی کہ وہ بیمار تھے اور ان کو یہ خطرہ تھا کہ وہ اسی جگہ وفات پا جائیں گے جس جگہ سے انہوں نے ہجرت کی تھی، تو اللہ عزوجل نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کو قبول فرمایا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو شفاء دے دی اور وہ اس کے بعد مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیما یخال" یعنی جس کا تخیل اور تصور کیا جاتا ہے، علامہ ابن التین نے کہا: صحیح یہ ہے کہ مجھے یہ خیال آتا تھا یا یہ تصور آتا تھا کہ آپ کے ہاتھ کی ٹھنڈک میں اب تک پا رہا ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۵۹ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مریض کی دلجوئی اور اس کے اطمینان کے لیے اس پر ہاتھ پھیرنا

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مریض کے اوپر ہاتھ پھیرنا مستحب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے اوپر ہاتھ پھیرا، کیونکہ اس سے اس کو اطمینان ہوگا اور اس کو راحت ہوگی اور اس کا سینہ کشادہ ہوگا، سوا اس کے کہ عیادت کرنے والے کو معلوم ہو کہ مریض اس کو ناپسند کرتا ہے، نیز اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے اصحاب کے اوپر رحمت کا ثبوت ہے، کیونکہ آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کے لیے دعا کی اور یہ دعا کی: اے اللہ! ان کی ہجرت کو مکمل کر دے، اور یہ دعا اس لیے کی کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے تھے، اور مہاجرین اس کو ناپسند کرتے تھے کہ اس شہر میں ان کو موت آ جائے جس شہر

سے انہوں نے ہجرت کی ہے۔اسی وجہ سے بعض احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کے اوپر افسوس کیا کیونکہ وہ مکہ میں فوت ہو گئے تھے۔اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی عمر طویل ہوئی اور وہ باقی رہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: شاید کہ تم زندہ رہو گے حتیٰ کہ تم سے کچھ قومیں نفع حاصل کریں گی اور کچھ قوموں کو تم سے نقصان ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو باقی رکھا اور ان کے ہاتھوں پر عراق میں فتوحاتِ کثیرہ ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے کئی قوموں کو ان سے نفع پہنچایا وہ مسلمان تھے اور کئی قوموں کو ان سے نقصان پہنچایا وہ کفار تھے، اور انہوں نے بہت اولاد چھوڑی اور اس وقت ان کی صرف ایک بیٹی تھی۔(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۶۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۵۶۶۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ يُوعَكُ وَعْكًا شَدِيدًا فَمَسِسْتُهُ بِيَدِي فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّكَ لَتُوعَكُ وَعْكًا شَدِيدًا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَجَلْ إِنِّي أُوعَكُ كَمَا يُوعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ فَقُلْتُ ذٰلِكَ أَنَّ لَكَ أَجْرَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَجَلْ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى مَرَضٌ فَمَا سِوَاهُ إِلَّا حَطَّ اللّٰهُ لَهُ سَيِّئَاتِهِ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم التیمی از الحارث بن سوید، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور اس وقت آپ کو بہت سخت بخار چڑھا ہوا تھا، سو میں نے آپ کو اپنے ہاتھ سے چھوا، پس میں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کو تو بہت تیز بخار ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! مجھے اتنا بخار چڑھتا ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو چڑھتا ہے، میں نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو دوگنا اجر ملتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے وہ کوئی بیماری ہو یا اس کے سوا کوئی اور چیز ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۴۸، ۵۶۶۰، ۵۶۶۱، ۵۶۶۷، صحیح مسلم: ۲۵۷۱، مسند احمد: ۳۶۱۱، سنن دارمی: ۲۷۷۱)

صحیح البخاری: ۵۶۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث عنقریب اس باب میں گزر چکی ہے "اشد الناس بلاء الانبیاء" اس حدیث میں "اذی" کا لفظ مذکور ہے اور اس کے بعد اس کا بیان ہے مرض۔ اور علامہ کرمانی نے کہا ہے: روایت ہے کہ ادنیٰ مرض ہو یا اس سے زیادہ، یعنی کم سے کم مرض ہو یا اس سے زیادہ ہو۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۴۔ بَابٌ: مَا يُقَالُ لِلْمَرِيضِ وَمَا يُجِيبُ

مریض سے کیا کہا جائے اور وہ کیا جواب دے، اس کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عیادت کے وقت مریض سے کیا کہا جائے، اور مریض اس کو کیا جواب دے۔

۵۶۶۱۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي مَرَضِهِ فَمَسِسْتُهُ وَهُوَ يُوعَكُ وَعْكًا شَدِيدًا فَقُلْتُ إِنَّكَ لَتُوعَكُ وَعْكًا شَدِيدًا وَذٰلِكَ أَنَّ لَكَ أَجْرَيْنِ قَالَ أَجَلْ وَمَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى إِلَّا حَاتَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتُّ وَرَقُ الشَّجَرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم التیمی از الحارث بن سوید از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے مرض میں حاضر ہوا، پس میں نے آپ کو چھوا اور آپ کو سخت بخار چڑھا ہوا تھا، میں نے کہا: بے شک آپ کو تو سخت بخار چڑھا ہوا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو دو اجر ملتے ہیں، آپ نے فرمایا: ہاں! اور جس مسلمان کو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۴۸، ۵۶۶۰، ۵۶۶۱، ۵۶۶۷، صحیح مسلم: ۲۵۷۱، مسند احمد: ۳۶۱۱، سنن دارمی: ۲۷۷۱)

صحیح البخاری: ۵۶۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے کہ "عیادت کرنے والا مریض سے کیا کہے اور مریض کیا جواب دے" اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کرنے والے تھے اور انہوں نے یہ کہا کہ آپ کو تو سخت بخار چڑھا ہوا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو دو اجر ملتے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: جس مسلمان کو بھی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں، سو اس حدیث میں عیادت کرنے والے کے قول کا بھی ذکر ہے اور مریض کے جواب کا بھی ذکر ہے۔ اس حدیث کی اس سے پہلے شرح کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۸، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۶۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مریض سے تسلی کے کلمات کہنے کا بیان

علامہ المہلب مالکی نے لکھا ہے کہ سنت یہ ہے کہ بیمار سے ایسی باتیں کی جائیں جن سے اس کے درد اور تکلیف کے اندر کمی ہو

اور اس کو تسلی ہو اور اس کو بتایا جائے کہ اس بیماری کے سبب سے تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا اور تم گناہوں سے پاک ہو جاؤ گے، مثلاً یوں کہے: کوئی خطرہ کی بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس بیماری کے سبب سے تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا، پھر تم پر کشادگی کرے گا اور تمہارے لیے اجر اور عافیت کو جمع کرے گا تا کہ وہ مریض تقدیر پر ناراض نہ ہو اور رحمت کے اسباب نہ ملنے کی وجہ سے بے چین اور مضطرب نہ ہو۔ اور عیادت کرنے والے کو چاہیے کہ مریض کو شیطان کے نرغہ میں نہ چھوڑے، پس بسا اوقات شیطان مریض کو ایسے کلمات کہنے پر اکساتا ہے جس سے ناشکری کا اظہار ہوتا ہے اور تقدیر پر راضی نہ رہنے کا وہم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی بدگمانی کا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے مریض کے سامنے تسلی آمیز باتیں کرنی چاہئیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۲۹۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۶۶۲- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَخَلَ عَلَى رَجُلٍ يَعُودُهُ فَقَالَ لَا بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللهُ فَقَالَ كَلَّا بَلْ حُمَّى تَفُورُ عَلَى شَيْخٍ كَبِيرٍ كَيْمَا تُزِيرَهُ الْقُبُورَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَنَعَمْ إِذًا۔

(صحیح البخاری: ۳۶۱۶، ۵۶۵۶، ۵۶۶۲، ۷۴۷۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی از خالد از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرد کے پاس اس کی عیادت کرنے کے لیے تشریف لے گئے، آپ نے فرمایا: کوئی خطرہ کی بات نہیں، یہ بیماری ان شاء اللہ پاک کرنے والی ہے، اس مرد نے کہا: ہرگز نہیں! بلکہ یہ بخار ہے جو بہت بوڑھے مرد کے اوپر جوش میں آ رہا ہے تا کہ اس کو قبروں کی زیارت کرائے، نبی ﷺ نے فرمایا: اچھا! پھر ایسا ہی ہوگا۔

اس حدیث کی شرح عنقریب گزر چکی ہے۔

۱۵- بَابُ: عِيَادَةِ الْمَرِيضِ رَاكِبًا وَمَاشِيًا وَرِدْفًا عَلَى الْحِمَارِ

سوار ہو کر اور پیدل اور کسی کے پیچھے گدھے پر بیٹھ کر مریض کی عیادت کے لیے جانے کا بیان

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مریض کی عیادت کے لیے سوار ہو کر جانا، پیدل جانا اور کسی کے پیچھے گدھے پر بیٹھ کر جانا ہر طرح جائز ہے۔

۵۶۶۳- حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَكِبَ عَلَى حِمَارٍ عَلَى إِكَافٍ عَلَى قَطِيفَةٍ فَدَكِيَّةٍ وَأَرْدَفَ أُسَامَةَ وَرَاءَهُ يَعُودُ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ قَبْلَ وَقْعَةِ بَدْرٍ فَسَارَ حَتَّى مَرَّ بِمَجْلِسٍ فِيهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ وَذَلِكَ قَبْلَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عُقیل از ابن شہاب از عروہ، کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ نبی ﷺ دراز گوش پر سوار ہوئے اور فدک کی چادر پالان پر بچھا کر بیٹھے، اور اپنے پیچھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بٹھایا، آپ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف

أَنْ يُسْلِمَ عَبْدُ اللهِ وَفِي الْمَجْلِسِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُشْرِكِينَ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ وَالْيَهُودِ وَفِي الْمَجْلِسِ عَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَلَمَّا غَشِيَتِ الْمَجْلِسَ عَجَاجَةُ الدَّابَّةِ خَمَّرَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ أَنْفَهُ بِرِدَائِهِ قَالَ لَا تُغَبِّرُوا عَلَيْنَا فَسَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ وَوَقَفَ وَنَزَلَ فَدَعَاهُمْ إِلَى اللهِ فَقَرَأَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ يَا أَيُّهَا الْمَرْءُ إِنَّهُ لَا أَحْسَنَ مِمَّا تَقُولُ إِنْ كَانَ حَقًّا فَلَا تُؤْذِنَا بِهِ فِي مَجْلِسِنَا وَارْجِعْ إِلَى رَحْلِكَ فَمَنْ جَاءَكَ فَاقْصُصْ عَلَيْهِ قَالَ ابْنُ رَوَاحَةَ بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ فَاغْشَنَا بِهِ فِي مَجَالِسِنَا فَإِنَّا نُحِبُّ ذٰلِكَ فَاسْتَبَّ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْيَهُودُ حَتّٰى كَادُوا يَتَثَاوَرُونَ فَلَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى سَكَتُوا فَرَكِبَ النَّبِيُّ ﷺ دَابَّتَهُ حَتّٰى دَخَلَ عَلٰى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ لَهُ أَيْ سَعْدُ أَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالَ أَبُو حُبَابٍ يُرِيدُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ قَالَ سَعْدٌ يَا رَسُولَ اللهِ اعْفُ عَنْهُ وَاصْفَحْ فَلَقَدْ أَعْطَاكَ اللهُ مَا أَعْطَاكَ وَلَقَدِ اجْتَمَعَ أَهْلُ هٰذِهِ الْبَحْرَةِ عَلٰى أَنْ يُتَوِّجُوهُ فَيُعَصِّبُوهُ فَلَمَّا رَدَّ ذٰلِكَ بِالْحَقِّ الَّذِي أَعْطَاكَ شَرِقَ بِذٰلِكَ فَذٰلِكَ الَّذِي فَعَلَ بِهِ مَا رَأَيْتَ۔

لے جارہے تھے، یہ غزوہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے، پس آپ روانہ ہوئے حتیٰ کہ اس مجلس کے پاس سے گزرے جس میں عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا اور یہ اس کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کا واقعہ ہے، اور اس مجلس میں چند مسلمان اور مشرکین اور بت پرست اور یہودی ملے جلے بیٹھے تھے، اور اس مجلس میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے، پھر جب سواری کے گرد وغبار نے مجلس کو ڈھانپ لیا تو عبداللہ بن ابی نے اپنی چادر کا پلو اپنی ناک پر رکھا اور کہا: ہم پر گرد وغبار نہ اڑائیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا اور ٹھہر گئے اور سواری سے اترے اور ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، پھر ان پر قرآن مجید کی آیات پڑھیں، تو آپ سے عبداللہ بن ابی نے کہا: اے مرد آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ زیادہ اچھا نہیں ہے، اگر یہ حق ہے تو آپ ہماری مجالس میں اس ہمیں ایذاء نہ پہنچائیں اور اپنے گھر جائیں، پس جو آپ کے پاس آئے اس کے سامنے بیان کریں تو حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اس قرآن کو ہماری مجلس میں پیش کریں، ہم اس کو پسند کرتے ہیں، پھر مسلمانوں اور مشرکوں اور یہود نے ایک دوسرے کو برا کہا حتیٰ کہ قریب تھا کہ وہ لڑ پڑتے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل ان کو ٹھنڈا کرتے رہے حتیٰ کہ وہ سب خاموش ہو گئے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار ہوئے حتیٰ کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، پس آپ نے ان سے فرمایا: اے سعد! کیا تم نے نہیں سنا کہ ابو حباب نے کیا کہا ہے، آپ کی مراد تھی عبداللہ بن ابی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس کو معاف کر دیں اور اس سے درگزر کریں، اللہ تعالیٰ نے بے شک آپ کو عطا کیا ہے جو عطا کیا ہے اور اس بستی کے لوگ اس پر متفق ہو چکے تھے کہ اس کو سرداری کا تاج پہنائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو منصب نبوت عطا فرمایا ہے، اس کی وجہ سے اس کی یہ تاج پوشی مسترد ہو گئی لہٰذا یہ غضب

ناک ہو گیا، پس اسی وجہ سے اس نے وہ سلوک کیا جو آپ نے دیکھا۔

(صحیح البخاری: ۲۹۸۷، ۴۵۶۶، ۵۶۶۳، ۵۹۶۴، ۶۲۰۷، ۶۲۵۴، صحیح مسلم: ۱۷۹۸، مسند احمد: ۲۱۲۶۰)

صحیح البخاری: ۵۶۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''عیادت کے لیے گدھے پر سوار ہو کر جانا اور کسی کے پیچھے بیٹھ کر جانا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے دراز گوش پر سوار ہو کر گئے اور آپ نے اپنے پیچھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بٹھایا ہوا تھا۔

یہ حدیث سورۂ آل عمران کی تفسیر کے آخر میں گزر چکی ہے، وہاں اس حدیث کی از ابوالیمان از شعیب از زہری از عروہ روایت کی تھی کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے بیان کیا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''علی اکاف'' یعنی اس دراز گوش کے اوپر ایک پالان تھا اور اس پر فدک کی چادر بچھائی ہوئی تھی اور فدک، خیبر کی ایک بستی ہے اور وہ چادر فدک میں بنی ہوئی تھی۔

اس حدیث میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ خزرج کے سردار تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''عبد اللہ بن اُبی ابن سلول'': سلول، عبد اللہ بن اُبی کی ماں کا نام ہے، اس لیے لفظِ ابن پر پیش پڑھا جائے گا کیونکہ یہ عبد اللہ کی صفت ہے اُبی کی صفت نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''عجاجة الدابة'' اس کا معنی ہے: سواری کا گرد و غبار۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''یتثاورون'' یعنی وہ سب لوگ جوش میں آ گئے اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''عبد اللہ بن ابی نے کہا: آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ زیادہ اچھا نہیں ہے'' یعنی آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ اچھا کلام ہے، لیکن زیادہ اچھا کلام نہیں ہے، یہ عبد اللہ بن ابی نے استہزاءً کہا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ابو حباب''، یہ عبد اللہ بن ابی کی کنیت ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''البحرة''، اس سے مراد ہے البلدة یعنی یہ شہر یا یہ بستی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''شرق'' یعنی وہ غصہ ہو گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۶۳ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جدید دور میں عیادت کا طریقہ

یعنی یہ جائز ہے کہ انسان مریض کی عیادت کرے خواہ کسی چیز پر سوار ہو کر جائے، مثلاً وہ بس میں سوار ہو کر جائے اور مریض کی عیادت کرے تو کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر پیدل چل کر جائے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر ٹیلیفون پر مریض کی عیادت کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اس سے بھی عیادت حاصل ہو جاتی ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ لوگوں کے طریقے مختلف ہیں، پس بعض لوگ وہ ہیں جو ٹیلیفون پر عیادت کرنے کو کافی نہیں سمجھتے اور بعض لوگ وہ ہیں جو ٹیلی فون پر عیادت کرنے کو کافی سمجھتے ہیں اور ہر انسان کو اس کے مرتبہ میں رکھنا چاہیے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یہ عبداللہ بن ابی کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے" یعنی اس کے ظاہراً اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے، کیونکہ عبداللہ بن ابی نفاق پر مرا تھا۔ العیاذ باللہ! اور منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور ان کا نفاق دوزخ کے عذاب سے ان کو نجات نہیں دے سکتا۔

اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواضع تھے اور آپ دراز گوش پر بھی سوار ہو جاتے تھے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۹۲، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

گدھے پر سواری کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر سوار ہو کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، اس لیے گدھے پر سوار ہونے کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ ملا علی قاری نے لکھا ہے: جو شخص گدھے پر سواری کو کم تر اور حقیر جانتا ہے، وہ خود گدھے سے بھی زیادہ کمتر اور حقیر ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گدھے پر سوار ہونا سنت ہے، گاؤں اور دیہات میں گدھے پر سواری کے مواقع ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۶۶۴۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدٍ هُوَ ابْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَنِي النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَعُودُنِي لَيْسَ بِرَاكِبِ بَغْلٍ وَلَا بِرْذَوْنٍ

(سنن ابوداؤد: ۳۰۹۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عباس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرحمن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از محمد اور وہ ابن المنکدر ہیں از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، میری عیادت کر رہے تھے، نہ آپ خچر پر سوار تھے اور نہ ٹٹو کسی گھوڑے پر۔

صحیح البخاری: ۵۶۶۴، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

"بِرذَوْن" کا معنی

بِرذَوْن ایسا جانور ہے جس کے اعضاء بہت وزنی اور بھاری ہوتے ہیں اور اس کے پیر بہت قوی ہوتے ہیں اور اس کے کھُر

بہت عظیم ہوتے ہیں، لیکن وہ عربی گھوڑوں کی نسل سے نہیں ہے، گھوڑوں کے مشابہ ہوتا ہے لیکن اس کا جسم ضخیم ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کی شرح

اس حدیث میں بیان ہے کہ سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے اور آپ دونوں پیدل جا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ دراز گوش پر سوار تھے اور نہ گھوڑے پر۔

یہ حدیث مریض کی زیارت کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ مریض کی زیارت کرنا اسلام کی سنتوں میں سے ہے اور ہمارے دین اسلام میں اس کی رغبت دی گئی ہے، اس سے مریض کے ساتھ محبت بڑھتی ہے اور اخوتِ ایمانی میں اضافہ ہوتا ہے، حدیث میں ہے:

امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ جس شخص نے مریض کی عیادت کی یا اللہ کی محبت میں اپنے بھائی کی زیارت کی تو ایک منادی اسے پکار کر کہتا ہے: تم پاکیزہ ہو اور تمہارا چلنا بھی پاکیزہ ہے اور تم نے جنت میں اپنا ٹھکانا بنا لیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جنت میں گھر بنا دیا ہے جس میں تم ٹھہرو گے اور رہو گے، کیونکہ تم نے اللہ کی رضا کے لیے اپنے بھائی کی زیارت کی ہے اور یہ حدیث مریض کی عیادت کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ مریض کی عیادت کرنا مستحب ہے، خواہ پیدل چل کر جائے یا سوار ہو کر جائے یا کسی کے پیچھے سواری پر بیٹھ کر جائے جیسا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھ کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے گئے تھے۔

(الشرح الميسر لصحيح البخاری، ج ۵ ص ۲۴۴، المکتبة العصریة، ۱۴۳۲ھ)

۱۶۔ بَابُ: مَا رُخِّصَ لِلْمَرِيضِ أَنْ يَقُولَ: إِنِّي وَجِعٌ أَوْ وَا رَأْسَاهُ أَوِ اشْتَدَّ بِي الْوَجَعُ

اس کا بیان کہ مریض کو یہ کہنے کی اجازت دی گئی ہے کہ مجھے درد ہے، یا ہائے میرا سر، یا میرا درد بہت زیادہ ہو گیا ہے

وَقَوْلِ أَيُّوبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿۸۳﴾ (الانبیاء)

اور حضرت ایوب علیہ السلام کا یہ کہنا: بے شک مجھے (سخت) تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مریض کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ وہ کہے کہ مجھے درد ہے یا تکلیف ہے، صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ مریض کو اس کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ کہے کہ مجھے درد ہے یا تکلیف ہے، اور یا مریض کہے: ہائے میرا سر،

یعنی جب اس کے سر میں شدید درد ہو اور اس کا ذکر اس حدیث میں صراحۃً ہے، یا کہے کہ میرے سر میں بہت شدید درد ہے۔ اور مریض کے قول پر حضرت ایوب علیہ السلام کے قول کا عطف کیا گیا ہے، لیکن حضرت ایوب علیہ السلام کا یہ قول باب کے عنوان کی مثل نہیں ہے، کیونکہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بہ طور دعا کہا تھا اور مخلوق سے ذکر نہیں کیا تھا۔ اور ایوب علیہ السلام کی اس دعا میں جاہل صوفیاء کے اس زعم کے رد کی طرف اشارہ ہے جو کہتے ہیں کہ بیماری اور تکلیف کو دور کرنے کے لیے دعا کرنا تسلیم و رضا کے خلاف ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ مذموم یہ ہے کہ اپنی بیماری کی شکایت مخلوق سے کی جائے، لیکن خالق سے اپنے درد اور تکلیف کی شکایت کرنا یہ مذموم نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے درد کی شکایت کی اور آپ کے اصحاب نے اور فقہاء تابعین نے بھی درد کی شکایت کی، روایت ہے کہ حسن بصری اپنے اصحاب کے پاس داخل ہوئے اور ان کی داڑھ میں تکلیف تھی اور وہ شکایت کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے میرے رب! مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے، اور بنو آدم میں سے ہر شخص کو درد میں تکلیف ہوتی ہے اور وہ مرض کی شکایت کرتا ہے، مگر مذموم یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے بے قرار ظاہر کرنے کے لیے اور اللہ کی دی ہوئی تکلیف پر ناراضگی کے اظہار کے لیے شکایت کرے، لیکن اگر کوئی شخص اپنے بھائیوں کے سامنے اپنے درد اور تکلیف کا اظہار کرے تا کہ وہ اس کے لیے شفاء کی اور عافیت کی دعا کریں اور اس کا آہ و بکا کرنا تا کہ اس کو درد سے راحت ملے، یہ شکایت نہیں ہے۔ اور ابوطیب اور ابن صباغ اور فقہاء شافعیہ کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ مریض کا ہائے ہائے کرنا اور آہ و بکا کرنا مکروہ ہے، اور علامہ نووی نے کہا ہے: یہ قول ضعیف ہے یا باطل ہے، کیونکہ مکروہ وہ کام ہوتا ہے کہ جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہو اور مریض جو اپنی تکلیف میں ہائے ہائے کرتا ہے یا آہ و بکا کرتا ہے، اس سے ممانعت ثابت نہیں ہے۔

اور اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مذکور سے مریض کے آہ و بکا اور ہائے میرا سر کہنے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۰۔۳۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۶۵۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ وَأَيُّوبَ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رضی الله عنه مَرَّ بِيَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَنَا أُوقِدُ تَحْتَ الْقِدْرِ فَقَالَ أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّ رَأْسِكَ قُلْتُ نَعَمْ فَدَعَا الْحَلَّاقَ فَحَلَقَهُ ثُمَّ أَمَرَنِي بِالْفِدَاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابن ابی نجیح و ایوب از مجاہد از عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ از حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور میں پتیلی کے نیچے آگ جلا رہا تھا، آپ نے فرمایا: کیا تمہیں تمہارے سر کی جوئیں تکلیف دے رہی ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے سر مونڈنے والے کو بلایا، سو اس نے میرا سر مونڈ دیا، پھر آپ نے مجھے فدیہ دینے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری: ۱۸۱۴، ۱۸۱۵، ۱۸۱۶، ۱۸۱۷، ۱۸۱۸، ۴۱۵۹، ۴۱۹۰، ۴۱۹۱، ۴۵۱۷، ۵۶۶۵، ۵۷۰۳، ۶۸۰۸، صحیح مسلم: ۱۲۰۱، سنن ترمذی: ۲۹۷۴، سنن نسائی: ۲۸۵۱، سنن ابوداؤد: ۱۸۵۶، سنن ابن ماجہ: ۳۰۷۹، مسند احمد: ۱۶۶۶۵، موطا امام مالک: ۹۵۵)

صحیح البخاری: ۵۶۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں مذکور ہے کہ "بیمار کہے: مجھے درد ہے یا تکلیف ہے، یا کہے: ہائے میرا سر یا کہے: مجھے شدید درد ہے"، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تمہاری جوئیں تمہیں تکلیف دے رہی ہیں؟ تو انہوں نے کہا: جی ہاں! یعنی جوئیں ان کے سر کو تکلیف دے رہی تھیں اور یہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے شکایت نہیں کی بلکہ انہوں نے واقع کے بیان کی خبر دی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی نجیح، یہ عبداللہ ہیں اور ابو نجیح کا نام یسار ہے۔ اور اس میں ایوب کا ذکر ہے، وہ السختیانی ہیں۔

جس مُحرم کو جوؤں کی تکلیف کی وجہ سے سر منڈانے کی ضرورت ہو، اس کے فدیہ کا بیان

یعنی جب کسی شخص کو سر کے بال مونڈنے کی حاجت ہو تا کہ وہ جوؤں سے نجات پائے تو وہ اپنے سر کے بال مونڈے اور اس کے فدیہ میں تین دن کے روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو صدقہ دے، ہر مسکین کو دو کلو گندم دے یا ایک قربانی کرے، اس میں اعلیٰ درجہ اونٹ کی قربانی ہے اور اوسط درجہ گائے کی قربانی ہے اور ادنیٰ درجہ بکری کی قربانی ہے۔

یہ حدیث کتاب الحج میں گزر چکی ہے اس باب کے تحت فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ (البقرہ:۱۹۶) اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۱، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنی تکلیف کی اللہ تعالیٰ سے شکایت کرنے کا عدم جواز اور اپنے بھائیوں سے اپنی تکلیف کا اظہار کرنے کا جواز

امام طبری نے اس باب میں کہا ہے کہ ایک جماعت نے کہا ہے کہ بنی آدم میں سے ہر شخص کو درد سے تکلیف ہوتی ہے اور وہ مرض میں شکایت کرتا ہے، اس لئے کہ بنو آدم کے نفوس بے صبری اور بے قراری پر مبنی ہیں اور کوئی شخص اس پر قادر نہیں ہے کہ اس کو بیماری کی وجہ سے جو درد ہو رہا ہے وہ اس درد میں تکلیف کا اظہار نہ کرے، کیونکہ ہر شخص کی جبلت میں اور فطرت میں مرکوز ہے کہ جب اس کو تکلیف ہو تو وہ اس کا اظہار کرتا ہے اور کوئی شخص اپنی فطرت کو متغیر کرنے پر قادر نہیں ہے اور کسی شخص کو اس کی جبلت کے خلاف مکلف نہیں کیا جاتا۔ بندے کو صرف اس کا مکلف کیا گیا ہے کہ وہ مصیبت کے حال میں ایسا کام نہ کرے جس کو ترک کرنے کی کوئی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ مصیبت کے وقت آہ و بکا نہ کرے اور مرض میں ہائے ہائے نہ کرے، پس جس نے مصیبت کے وقت ہائے ہائے کی یا بے قراری کا اظہار کیا تو وہ صابرین کے معانی سے نکل جائے گا اور بے صبری کے معانی میں داخل ہو جائے گا۔

امام ابن ابی شیبہ نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ مریض کی ہر بات کو لکھا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ ہائے ہائے جو کرتا ہے اس کو بھی لکھا جاتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۴۴، رقم الحدیث: ۱۰۸۳۰)

اور لیث نے بیان کیا کہ میں نے طلحہ بن مُصرف سے کہا کہ طاؤس بیماری میں ہائے ہائے کرنے کو مکروہ کہتے ہیں، پس طلحہ سے ہائے ہائے نہیں سنی گئی حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۲۱۳، رقم الحدیث: ۳۵۴۰۱)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر سب کا اجماع ہے کہ بندے کو جو تکلیف یا شدت پہنچی ہے یا کوئی نقصان پہنچا ہے تو اس پر بندے کا اپنے رب سے شکایت کرنا مکروہ ہے، اور شکایت یہ ہے کہ وہ لوگوں سے ذکر کرے کہ اس کو رب نے اس امتحان میں ڈالا ہے، اور اس طرح ذکر کرے جس سے بے صبری ظاہر ہو، اور انہوں نے کہا ہے جو بیماری کی حالت میں آہ وبکا کرتا ہے وہ بھی اسی معنی میں ہے۔

اور لیث نے کہا: رب سے شکایت کرنے والا وہ ہے جو اپنی تکلیف اور مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ناراض ہو اور پھر اپنی تکلیف کی اللہ تعالیٰ کو خبر دے، لیکن جو اپنے بھائیوں اور دوستوں کو اپنی مصیبت اور بیماری کی خبر دے تاکہ وہ اس کے لیے شفاء اور عافیت کی دعا کریں اور اس حال میں اگر وہ ہائے ہائے کر رہا ہو تو وہ اپنے رب سے شکایت کرنے والا نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے اصحاب نے اور متقدمین کی ایک جماعت نے اپنی تکلیف اور درد کی شکایت کی ہے۔

اور حسن بصری سے روایت ہے کہ ان کے پاس ان کے اصحاب آئے اور وہ ضرب کی شکایت کر رہے تھے اور یہ قول صحت اور صواب کے قریب ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا فعل اس کا شاہد ہے، کیونکہ درد کی حالت میں انسان کے منہ سے بے اختیار ہائے ہائے کے کلمات نکل جاتے ہیں اور جو چیز انسان کے اختیار میں نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا مکلف نہیں کرتا، اس لیے درد کی شدت میں اگر انسان کے منہ سے ہائے ہائے نکلے تو یہ ممنوع نہیں ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۳۰۵۔۳۰۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

٥٦٦٦۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَبُو زَكَرِيَّاءَ أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ وَا رَأْسَاهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم ذَاكِ لَوْ كَانَ وَأَنَا حَيٌّ فَأَسْتَغْفِرَ لَكِ وَأَدْعُوَ لَكِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ وَا ثُكْلِيَاهْ وَاللهِ إِنِّي لَأَظُنُّكَ تُحِبُّ مَوْتِي وَلَوْ كَانَ ذَاكَ لَظَلِلْتَ آخِرَ يَوْمِكَ مُعَرِّسًا بِبَعْضِ أَزْوَاجِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَلْ أَنَا وَا رَأْسَاهُ لَقَدْ هَمَمْتُ أَوْ أَرَدْتُ أَنْ أُرْسِلَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَابْنِهِ وَأَعْهَدَ أَنْ يَقُولَ الْقَائِلُونَ أَوْ يَتَمَنَّى الْمُتَمَنُّونَ ثُمَّ قُلْتُ يَأْبَى اللهُ وَيَدْفَعُ الْمُؤْمِنُونَ أَوْ يَدْفَعُ اللهُ وَيَأْبَى الْمُؤْمِنُونَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن یحییٰ ابو زکریاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن بلال نے خبر دی از یحییٰ بن سعید، انہوں نے کہا: میں نے القاسم بن محمد سے سنا، انہوں نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (سر کے شدید درد کی وجہ سے) کہا: ہائے سر! اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ایسا میری زندگی میں ہو گیا (یعنی میری زندگی میں تمہاری وفات ہو گئی) تو میں تمہارے لیے استغفار کروں گا اور تمہارے لیے دعا کروں گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے مصیبت، اللہ کی قسم! میں یہ گمان کرتی ہوں کہ آپ میری موت کو پسند کرتے ہیں اور اگر ایسا ہو گیا تو آپ دن کے آخر میں اپنی ازواج میں سے کسی اور کے ساتھ دولہا بن چکے ہوں گے، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ

(صحیح البخاری: ۷۲۱۷، صحیح مسلم: ۲۳۸۷)

میں بھی کہتا ہوں: ہائے سر! (یعنی میرے سر میں بھی شدید درد ہے) اور میں نے بھی ارادہ کیا ہے کہ میں ابوبکر اور ان کے بیٹے کی طرف کسی کو بھیج کر بلاؤں اور میں وصیت کروں، کیونکہ کہنے والے کہیں گے (کہ ہم کو خلیفہ بنا دیا جائے) یا تمنا کرنے والے (خلافت کی) تمنا کریں گے، پھر میں نے (دل میں) کہا کہ اللہ تعالیٰ (ابوبکر کے غیر کا) انکار کر دے گا اور مومنین اس کو دفع کر دیں گے یا اللہ دفع کر دے گا اور مومنین انکار کر دیں گے۔

صحیح البخاری: ۵۶۶۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں ہائے سر کہنے کا ذکر ہے اور اس حدیث میں بھی مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے سر!

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں یحییٰ بن یحییٰ کا ذکر ہے، یہ ابن بکر بن عبدالرحمٰن ابوزکریا، التمیمی الحنظلی النیشاپوری ہیں اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں اور امام بخاری نے ان سے صرف چند جگہ روایت کی ہے۔ زکوٰۃ میں، وکالت میں، تفسیر میں اور احکام میں، اور امام مسلم نے ان سے زیادہ روایات لی ہیں۔ الدمیاطی نے کہا ہے کہ یہ عابد زاہد اور فاضل تھے۔ اور امام بخاری نے کہا: یہ صفر ۲۲۶ھ میں بدھ کے دن فوت ہو گئے تھے۔

اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے، وہ انصاری ہیں۔ اور القاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے سر، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ذاک'' اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر سر درد کی وجہ سے آپ کی وفات ہو گئی اور میں زندہ ہوا تو میں آپ کے لیے استغفار کروں گا اور عبداللہ بن عتبہ کی روایت میں ہے کہ اگر آپ مجھ سے پہلے فوت ہو گئیں تو میں آپ کو کفن پہناؤں گا، پھر میں آپ کی نماز جنازہ پڑھوں گا اور آپ کی تدفین کروں گا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''واثکلیاہ'' یہ لفظ یا تو مصدر ہے یا اس عورت کی صفت ہے جس کا بچہ گم ہو گیا ہو، پس اگر یہ مصدر ہو تو اس میں ثاء پر پیش ہے اور لام کے نیچے زیر ہے، اگر یہ اسم ہو تو ثاء پر زبر ہے اور لام کے نیچے زیر ہے، کہا جاتا ہے ''ثکلتہ امہ ثکلا'' اور ''ثُکل'' کے معنی ہیں کہ عورت کا بچہ گم ہو جائے۔ اور اسی طرح ''اَلثَّکل'' کا معنی ہے۔ اور اس لفظ سے اس کی حقیقت کا ارادہ نہیں کیا جاتا بلکہ یہ وہ کلمہ ہے جو عربوں کی زبان پر اس وقت جاری ہوتا ہے جب ان کو کوئی مصیبت پہنچے یا اس وقت جب ان کو کسی چیز کا خوف ہو تو وہ اس طرح کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے مصیبت، اللہ کی قسم! میں یہ گمان کرتی ہوں کہ آپ میری موت کو پسند کرتے ہیں''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام سے نکالی جو آپ نے فرمایا تھا: ''اگر تم مجھ سے پہلے فوت ہو گئیں'' اور آپ نے فرمایا تھا اور اگر ایسا ہو گیا تو، اور اس میں اشارہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی طرف تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''آپ دن کے اخیر میں اپنی ازواج میں سے کسی کے پاس دولہا بن چکے ہوں گے''۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنی زوجہ کے ساتھ شب عروس منائے یا اس کے ساتھ عمل تزویج کرتے ہوئے اس کو ڈھانپ لے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''بلکہ میں کہتا ہوں ہائے سر!'' اس کا معنی یہ ہے: تمہارے جو سر میں درد ہو رہا ہے اور تمہارے دل میں جو خیال آ رہا ہے، اس کو چھوڑو اور میرے ساتھ مشغول ہو، کیونکہ تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے تم میرے بعد زندہ رہو گی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وحی سے جان لیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور میں نے بھی ارادہ کیا ہے کہ میں ابوبکر اور ان کے بیٹے کی طرف کسی کو بھیج کر بلاؤں اور میں وصیت کروں''۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں ابوبکر کے پاس آؤں، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ غلط ہے، اس کا صحیح معنی اس طرح ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے: میرے لیے اپنے باپ اور اپنے بھائی کو بلاؤ، آپ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف جانا مشکل تھا، کیونکہ آپ تو مسجد میں نماز پڑھانے کے لیے جانے سے بھی عاجز تھے جب کہ مسجد مکان کے قریب تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور میں وصیت کروں'' یعنی میں خلافت کی وصیت کروں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے ذکر کرنے کا کیا فائدہ ہے، کیونکہ ان کا خلافت میں کوئی دخل نہیں ہے، اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ مقام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دلجوئی کا تھا، یعنی یہ امر تمہارے والد کی طرف مفوض ہے، اسی طرح تمہارے بھائی کے آنے کی طرف مفوض ہے، کیونکہ وہ بھی اہل مشورہ میں سے ہیں، یا جب آپ نے ارادہ کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف معاملہ مفوض کر دیا جائے تو آپ نے چاہا کہ ان کے بعض محارم کو بھی حاضر کر لیا جائے حتیٰ کہ اگر کسی کی طرف پیغام بھیجنے کی حاجت ہو تو وہ اس کام کو کر سکے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر میں نے (دل میں) کہا کہ اللہ تعالیٰ (ابوبکر کے غیر کا) انکار کر دے گا اور مومنین اس کو دفع کر دیں گے یا اللہ دفع کر دے گا اور مومنین انکار کر دیں گے''۔

راوی کو شک ہے کہ کون سا جملہ مقدم ہے اور کون سا جملہ مؤخر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۲-۳۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٥٦٦٧- حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضي الله عنه قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ يُوعَكُ فَمَسِسْتُهُ بِيَدِي فَقُلْتُ إِنَّكَ لَتُوعَكُ وَعْكًا شَدِيدًا قَالَ أَجَلْ كَمَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی از ابراہیم التیمی از الحارث بن سوید از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور اس وقت آپ

يُوعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ قَالَ لَكَ أَجْرَانِ قَالَ نَعَمْ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى مَرَضٌ فَمَا سِوَاهُ إِلَّا حَطَّ اللهُ سَيِّئَاتِهِ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا۔

کو بخار چڑھا ہوا تھا، میں نے اپنے ہاتھ سے آپ کو چھوا تو میں نے کہا: آپ کو تو بہت تیز بخار چڑھا ہوا ہے، آپ نے فرمایا: ہاں! جتنا بخار تم میں سے دو آدمیوں کو چڑھتا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ کے لیے دو اجر ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! جس مسلمان کو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور بیماری پہنچتی ہے یا اس کے سوا کوئی مصیبت ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو جھاڑ دیتا ہے جیسے درخت سے اس کے پتے جھڑتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۴۸، ۵۶۶۰، ۵۶۶۱، ۵۶۶۷، صحیح مسلم: ۲۵۷۱، مسند احمد: ۳۶۱۱، سنن دارمی: ۲۷۷۱)

صحیح البخاری: ۵۶۶۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے معنی سے سمجھ آ رہی ہے، کیونکہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مجھے اتنا (سخت) بخار چڑھتا ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو چڑھتا ہے" اور آپ کے اس ارشاد میں بھی تکلیف کا اظہار ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں موسیٰ کا ذکر ہے، وہ ابن اسماعیل المنقری ہیں۔ اور سلیمان کا ذکر ہے، وہ الاعمش ہیں۔ اور یہ حدیث عنقریب "باب شدۃ المرض" میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۶۷، کی شرح از علامہ صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی شرح

یہ عجیب و غریب قصہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو آپ نے دیکھا کہ وہ سر کے درد کی وجہ سے بیمار تھیں اور ہائے سر ہائے سر کہہ رہی تھیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ لطف کا ارادہ کیا اور فرمایا: بلکہ میں کہتا ہوں: ہائے سر! گویا کہ آپ ان سے فرما رہے تھے کہ تمہارے علاوہ میرے سر میں بھی درد ہو رہا ہے، پھر آپ نے ان سے مزاح فرمایا اور ارشاد فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر تم مجھ سے پہلے فوت ہو گئیں تو میں تم کو غسل دوں گا، تم کو کفن پہناؤں گا اور تم کو اپنے ہاتھ سے قبر میں اتاروں گا، یعنی کیا تم خوش نہیں ہوتیں؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے کہا: گویا آپ میری موت کی تمنا کر رہے ہیں اور اگر ایسا ہو گیا اور میں آپ سے پہلے فوت ہو گئی تو آپ شام کو میری سوکنوں میں سے کسی ایک کے ساتھ دولہا بنے ہوئے ہوں گے اور مجھے بھول جائیں گے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب سے مسکرائے، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ عورتوں میں کتنی غیرت ہوتی ہے۔ پھر ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ارادہ کیا ہے کہ تمہارے والد کو بلاؤں اور ان کو خلافت کی وصیت کر دوں اور تمہارے بھائی عبد

الرحمٰن اس پر گواہ ہوں گے، اس خطرہ کی وجہ سے کہ کہنے والے لوگ کہیں گے اور تمنا کرنے والے لوگ تمنا کریں گے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غیر خلیفہ بنے، لیکن میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوگا اور نہ مومنین راضی ہوں گے کہ میرے بعد ان کا خلیفہ میرے صاحب ابوبکر کے علاوہ کوئی اور ہو اور مجھے چونکہ یقین تھا کہ اسی طرح ہوگا، اسی لیے میں نے تمہارے والد کے لیے خلافت کی وصیت کو ترک کر دیا تاکہ مسلمان ان کو خود اپنے اختیار سے خلیفہ بنالیں۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں اس غیرت کو بیان کیا گیا ہے جو عورتوں کی طبیعت میں ہوتی ہے۔

(۲) اس حدیث میں مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی کرنے کا بیان ہے۔

(۳) اس حدیث میں درد کا ذکر ہے جو بطور شکایت نہیں ہے اور اس کا اعتماد دل کے عمل پر ہے نہ کہ زبان سے کلام پر۔

(۴) اس حدیث میں مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ بیماری کی حالت میں اُنس کا اظہار ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا جب آپ نے دیکھا کہ ان کے سر میں درد ہو رہا ہے تو آپ نے فرمایا: بلکہ میرے سر میں بھی درد ہو رہا ہے۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری، ج ۵ ص ۲۴۶۔ ۲۴۷، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۲ھ)

۵۶۶۸۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ جَاءَنَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَعُودُنِي مِنْ وَجَعٍ اشْتَدَّ بِي زَمَنَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَقُلْتُ بَلَغَ بِي مَا تَرَى وَأَنَا ذُو مَالٍ وَلَا يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَةٌ لِي أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي قَالَ لَا قُلْتُ بِالشَّطْرِ قَالَ لَا قُلْتُ الثُّلُثُ قَالَ الثُّلُثُ كَثِيرٌ أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ وَلَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللهِ إِلَّا أُجِرْتَ عَلَيْهَا حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فِي امْرَأَتِكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز بن عبد اللہ بن ابی سلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے خبر دی از عامر بن سعد از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کرنے کے لیے آئے، اس شدید درد کی وجہ سے جو حجۃ الوداع کے زمانہ میں مجھے ہوا تھا، پس میں نے کہا: آپ دیکھ رہے ہیں کہ مجھے کتنا درد ہو رہا ہے اور میں مالدار ہوں، اور میری وارث میری صرف ایک بیٹی ہے، کیا میں دو تہائی مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے کہا: نصف مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے کہا: تہائی مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: تہائی بہت ہے، بے شک تم اگر اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑو تو وہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقراء چھوڑ دو، وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں اور تم ہرگز کوئی خرچ نہیں کرو گے جس سے تم اللہ کی رضا کا ارادہ کرو مگر تمہیں اس پر اجر دیا جائے گا، حتیٰ کہ جو تم اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ رکھتے ہو، اس میں بھی تمہیں اجر دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم: ۱۶۲۸، سنن ترمذی: ۲۱۱۶، سنن نسائی: ۳۶۲۶، سنن ابوداؤد: ۲۸۶۴، مسند احمد: ۱۴۴۳، موطا امام مالک: ۱۴۹۵، سنن داری: ۳۱۹۶)

صحیح البخاری: ۵۶۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں مذکور ہے "یا مجھے شدید درد ہے" اور اس حدیث میں بھی ذکر ہے کہ حجۃ الوداع کے زمانہ میں مجھے شدید درد ہوا تھا جب آپ میری عیادت کے لیے تشریف لائے تھے۔

یہ حدیث عامر بن سعد سے مروی ہے، ان کے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں جو ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جن کو جنت کی بشارت دی گئی ہے، یہ حدیث بھی اس سے پہلے کئی بار گزر چکی ہے اور اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۷۔ بَابُ: قَوْلِ الْمَرِيضِ قُومُوا عَنِّي — بیمار کا یہ کہنا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مریض کا عیادت کرنے والوں سے یہ کہنا جائز ہے کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ، جب عیادت کرنے والوں سے کوئی ایسی بات ظاہر ہو جو اس قول کا تقاضا کرتی ہو۔

۵۶۶۹۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ وَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ لَمَّا حُضِرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَفِي الْبَيْتِ رِجَالٌ فِيهِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَلُمَّ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدَهُ فَقَالَ عُمَرُ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَدْ غَلَبَ عَلَيْهِ الْوَجَعُ وَعِنْدَكُمُ الْقُرْآنُ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ فَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْبَيْتِ فَاخْتَصَمُوا مِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ قَرِّبُوا يَكْتُبْ لَكُمُ النَّبِيُّ ﷺ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ مَا قَالَ عُمَرُ فَلَمَّا أَكْثَرُوا اللَّغْوَ وَالِاخْتِلَافَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قُومُوا قَالَ عُبَيْدُ اللهِ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ إِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از معمر، اور انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از عبید اللہ بن عبد اللہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات کا وقت قریب آیا اور اس وقت گھر میں چند مرد تھے، ان میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آؤ میں تم کو ایسا مکتوب لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درد کا غلبہ ہے اور تم لوگوں کے پاس قرآن موجود ہے، ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔ پس گھر کے لوگوں میں اختلاف ہو گیا، انہوں نے آپس میں بحث کی۔ بعض یہ کہتے تھے: وہ چیز قریب لاؤ جس سے تمہارے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا مکتوب لکھ دیں جس کے بعد

رَسُولِ اللهِ ﷺ وَبَيْنَ أَنْ يَكْتُبَ لَهُمْ ذَلِكَ الْكِتَابَ مِنْ اخْتِلَافِهِمْ وَلَغَطِهِمْ۔

تم گمراہ نہیں ہوگے، اور گھر والوں میں سے بعض وہ کہتے تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا، جب فضول باتیں بہت زیادہ ہوئیں اور نبی ﷺ کے پاس اختلاف بھی بہت زیادہ ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اٹھ جاؤ! عبید اللہ نے کہا: پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ کہتے تھے کہ مصیبت جو سب سے بڑی مصیبت تھی یہ وہ تھی کہ صحابہ کے اختلاف اور شور کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے درمیان اور آپ کے اس مکتوب کو لکھوانے کے درمیان حائل ہوئی۔

(صحیح البخاری: ۱۱۴، ۳۰۵۳، ۳۱۶۸، ۴۴۳۱، ۴۴۳۲، ۵۶۶۹، ۷۳۶۶، صحیح مسلم: ۱۶۳۷، مسند احمد: ۲۹۸۳)

صحیح البخاری: ۵۶۶۹ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور سے مستنبط فقہی مسئلہ

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جب بیمار پر مرض کی شدت ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ عیادت کرنے والوں سے کہے: میرے پاس سے اٹھ جاؤ اور ان کو گھر سے نکلنے کا حکم دے تا کہ مریض صرف اپنے گھر والوں اور ذوی الارحام کے ساتھ اکیلا رہ جائے۔ اور اس کو زائرین کے اوپر سختی نہیں کہا جائے گا بلکہ زائرین کی طرف سے سختی یہ ہے کہ وہ زیادہ دیر تک مریض کے پاس بیٹھے رہے اور اس کا مرض زیادہ ہو رہا تھا اور عیادت کرنے والوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ کم وقت مریض کے پاس بیٹھیں اور زیادہ وقت بیٹھ کر اس کو اذیت میں مبتلا نہ کریں۔

نبی ﷺ کے مکتوب منگوانے کی حکمت

الشیخ ابو الحسن نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے نبی ﷺ نے جو فرمایا تھا "میرے پاس ایک مکتوب لاؤ تا کہ میں ایسی چیز لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو" تو آپ کا یہ ارشاد صحابہ کرام کی فہم کے امتحان کے لیے تھا اور نبی ﷺ کا منشاء یہ نہیں تھا کہ لازماً اور وجوباً لکھنے کے لیے کوئی چیز لا کر دو، پس جب آپ نے صحابہ پر یہ سوال ڈالا تو جو ذہین صحابہ تھے انہوں نے غور کیا اور کہا: ہمارے پاس ہمارے اللہ اور ہمارے رب کی کتاب موجود ہے۔ تو جو بھی کوئی نیا حادثہ پیش آئے گا تو اس کا حکم ہم اس کتاب سے نکال لیں گے اور وہ آپ کو لکھنے کے لیے کوئی چیز دینے سے رک گئے اور یہ ان کی فقہ میں باریک بینی تھی اور نبی ﷺ نے اسی جماعت کی رائے کو اختیار کیا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر نبی ﷺ کا منشاء یہ ہوتا کہ لازماً ایسی چیز لائی جائے جس پر میں کوئی ایسی بات لکھ دوں تو پھر نبی ﷺ ضرور وہ چیز منگواتے اور صحابہ کرام کے اختلاف کی وجہ سے لکھوانے کو ترک نہ فرماتے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۳۱۱۔ ۳۱۲، ملخصاً و منتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری ۵۶۶۹، کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا چیز لکھوانا چاہتے تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کے متعلق لکھوانا چاہتے تھے، یا اور اہم کام لکھوانا چاہتے تھے کہ جب کسی حکم کے متعلق نصِ صریح آجائے تو پھر اس میں شک نہ کیا جائے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درد کی شدت ہے، تو آپ کو لکھوانے میں مبتلا کر کے مزید مشقت میں نہ ڈالا جائے، کیونکہ اس سے آپ کے درد میں اور اضافہ ہوگا اور تمہارے پاس قرآن مجید موجود ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب کافی ہے جس میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا اور تمہارے لیے اللہ نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے تو قیامت تک کوئی واقعہ پیش نہیں آئے گا مگر قرآن اور سنت میں اس کا بیان اور اس کی تصریح ہوگی یا صراحۃً حکم ہوگا یا اس پر دلالت ہوگی، اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی باریک بینی تھی، تو اس طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تخفیف کا مشورہ دیا اور تاکہ اجتہاد اور مسائل کے استنباط کا دروازہ بند نہ ہو جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کی رائے پر انکار نہیں کیا، اس میں دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے صحیح تھی۔

(ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۴۶۵، دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۶۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عیادت کرنے کے آداب

اس حدیث سے عیادت کرنے کرنے کے حسب ذیل آداب مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) مریض کے پاس زیادہ دیر تک نہ بیٹھا جائے حتیٰ کہ مریض کو بے چینی اور بے قراری ہو۔

(۲) مریض کے پاس ایسی باتیں نہ کی جائیں جس سے مریض رنجیدہ ہو۔

(۳) مریض کے گھر کا دروازہ زور سے نہ کھٹکھٹایا جائے اور اپنا نام واضح طور پر لیا جائے، یوں نہ کہا جائے کہ میں ہوں۔

(۴) ایسے وقت میں مریض کے پاس نہ جائے جو عیادت کے لائق نہ ہو، مثلاً وہ اس کی دوا پینے کا وقت ہے۔

(۵) مریض کے پاس کم وقت بیٹھے اور نظر نیچی رکھے اور سوال کم کرے اور رقت کو ظاہر کرے اور اخلاص سے دعا کرے اور مریض کی امید میں توسیع کرے اور اس کو صبر کی تلقین کرے جس سے عظیم اجر حاصل ہو۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۲۶، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۷۰۹، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

اس حدیث کی مفصل اور مبسوط شرح کتاب العلم میں گزر چکی ہے۔

۱۸۔ بَابُ: مَنْ ذَهَبَ بِالصَّبِيِّ الْمَرِيضِ لِيُدْعَى لَهُ

بیمار بچے کو (کسی بزرگ کے پاس) لے جانا تا کہ اس کے لیے دعا کی جائے

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی بیمار بچے کو صالحین کی طرف اور ارباب فضیلت کی طرف لے جایا جائے تا کہ اس بچے کو ان کی دعا سے نفع حاصل ہو۔

۵۶۷۰۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ هُوَ ابْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنِ الْجُعَيْدِ قَالَ سَمِعْتُ السَّائِبَ يَقُولُ ذَهَبَتْ بِي خَالَتِي إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ ابْنَ أُخْتِي وَجِعٌ فَمَسَحَ رَأْسِي وَدَعَا لِي بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ تَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوئِهِ وَقُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَنَظَرْتُ إِلَى خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن حمزہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حاتم نے حدیث بیان کی، وہ ابن اسماعیل ہیں از الجعید، انہوں نے کہا: میں نے السائب سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: مجھے میری خالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں، پس انہوں نے کہا: یارسول اللہ! یہ میرا بھانجا ہے اور اس کے سر میں درد ہے، سو آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور مجھے برکت کی دعا دی، پھر آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے پیا، اور میں آپ کی پیٹھ کے پیچھے کھڑا ہو گیا تو میں نے آپ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا جو حجلہ عروس کی گھنڈی کی مثل تھی۔

(صحیح البخاری: ۱۱۴، ۳۰۵۳، ۳۱۶۸، ۴۴۳۱، ۴۴۳۲، ۵۶۶۹، ۷۳۶۶، صحیح مسلم: ۷۱۲۳، مسند احمد: ۲۹۸۳)

صحیح البخاری: ۵۶۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن حمزہ کا ذکر ہے، یہ ابو اسحاق الزبیری الاسدی المدنی ہیں، ۲۳۰ھ میں ان کی وفات ہو گئی تھی۔ اور اس حدیث کی سند میں حاتم بن اسماعیل کا ذکر ہے، یہ کوفی ہیں، انہوں نے مدینہ منورہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اور جعید کا ذکر ہے، یہ ابن عبد الرحمٰن الکندی التیمی ہیں، ان کو جعد بھی کہا جاتا ہے۔ اور السائب بن یزید کا ذکر ہے، یہ خود اور ان کے والد دونوں صحابی ہیں۔

اس حدیث میں بیان ہے کہ آپ کی مہر نبوت چھپر کھٹ کی گھنڈی کی مثل تھی، اس کے متعلق اور بھی روایات ہیں:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت میں مہر نبوت کو دیکھا، وہ کبوتر کے انڈے کی مثل تھی۔

''زر'' کا معنی ہے: بٹن کی مثل گول سی کوئی چیز جس کو قمیص کے کاج میں پھنسا دیتے ہیں، اب اس کا رواج نہیں ہے اور اب اس

کی جگہ بٹن لگاتے ہیں۔ اور اس حدیث میں حجلہ کا ذکر ہے، یہ وہ پلنگ ہے جو دولہا دلہن کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔
یہ حدیث کتاب الطہارۃ میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح وہاں کی جا چکی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۹۔ بَابُ: تَمَنِّي الْمَرِيضِ الْمَوْتَ — بیمار کا موت کی تمنا کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرض کی شدت کی وجہ سے مریض موت کی تمنا نہ کرے۔

۵۶۷۱۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ أَصَابَهُ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلِ اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ثابت البنانی نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کسی تکلیف کے پہنچنے کی وجہ سے ہرگز موت کی تمنا نہ کرے، پس اگر اس نے ضرور ہی تمنا کرنی ہو تو وہ یوں کہے "اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہو اور جب میرے لیے وفات بہتر ہو تو مجھ کو وفات عطا کر دے"۔

(صحیح البخاری: ۵۱، ۶۳۵۱، ۷۲۳۳، صحیح مسلم: ۲۶۸۰، سنن ترمذی: ۹۷۱، سنن نسائی: ۱۸۲۰، سنن ابوداؤد: ۳۱۰۸، سنن ابن ماجہ: ۴۲۶۵، مسند احمد: ۱۱۵۶۸)

صحیح البخاری: ۵۶۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے": یہ خطاب صحابہ کرام کو ہے اور مراد صحابہ بھی ہیں اور ان کے بعد مسلمان بھی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اس تکلیف کی وجہ سے جو اس کو پہنچی ہے": یہ مرض کو بھی شامل ہے اور دوسری چیزیں جو تکلیف کی اقسام سے ہیں ان کو بھی شامل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اگر وہ کرنے والا ہو" یعنی اگر وہ تمنا کرنے والا ہو، اور الدعوات کی روایت میں ہے: اگر وہ ضرور موت کی تمنا کرنے والا ہو۔

آیا موت کی تمنا کرنا منسوخ ہے یا نہیں؟

اس حدیث میں مصیبت نازل ہونے کے وقت موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی تھی:

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ (یوسف) مجھے (دنیا سے) مسلمان اٹھانا، اور مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا O

اور اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے موت کی دعا کی:

وَ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ (النمل) اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے O

اور اس باب کی حدیث صحیح البخاری: ۵۶۷۴ میں مذکور ہے: "اے اللہ! میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملا دے"۔ اور حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہما نے موت کی دعا کی ہے۔ اور اس استدلال کو رد کر دیا گیا ہے، کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ دعا کی جب موت متعین ہو گئی تھی اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہمیں ان کاملین کے درجات کے ساتھ ملا دے اور حضرت عمر کی حدیث ضعیف ہے۔ اس حدیث کی روایت معمر نے از علی بن زید کی ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۵، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۷۱ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف با بن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

موت کی تمنا کے متعلق دیگر احادیث

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ از سلمہ بن ابی زید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کی تمنا نہ کرو، کیونکہ موت کی ہولناکی شدید ہے اور مرد کی سعادت اس میں ہے کہ اس کی عمر لمبی ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف رجوع کی توفیق عطا فرمائے۔

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ از عبد اللہ بن قیس روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی عمر طویل ہو اور اس کے عمل نیک ہوں۔ (سنن ترمذی: ۲۳۲۹، مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۸)

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ از عبد الرحمٰن بن ابی بکرہ از والد خود روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں میں سب سے بہتر کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: جس کی عمر طویل ہو اور عمل اچھے ہوں، پھر اس نے کہا: لوگوں میں سب سے برا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی عمر طویل ہو اور عمل برے ہوں۔ (سنن ترمذی: ۲۳۳۰)

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حارثہ بن مضرب سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا انہوں نے اپنے پیٹ میں لوہے سے داغ لگوایا ہوا تھا، انہوں نے کہا: میرے علم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی ایک پر بھی اتنے مصائب نہیں آئے جتنے مصائب مجھ پر آئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مجھے ایک درہم بھی میسر نہ تھا، اور اب میرے گھر کی ایک جانب میں چالیس ہزار درہم ہیں اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع نہ کیا ہوتا یا کہا: ہمیں موت کی تمنا کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں ضرور موت کی تمنا کرتا۔ (سنن ترمذی: ۹۷۰، مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۹)

حدیث مذکور کی فقہ

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: اس باب کا حکم یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس سے منع فرمایا ہے کہ کسی مصیبت کے نازل ہونے کے وقت وہ موت کی تمنا کرے، اور ان کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ یہ دعا کریں کہ جب ان کے لیے موت میں خیر ہو تو اس وقت ان پر موت آئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے موت کی دعا کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ ملا دے اور حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہما نے موت کی دعا کی، سو یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان حضرات نے اس وقت یہ دعا کی جب موت مقارن ہو گئی تھی اور ان کی مراد یہ تھی کہ ہمیں صالحین کے درجات کے ساتھ ملا دے۔
علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: اور شاید مراد یہ تھی کہ جب تو مجھے وفات عطا کرے تو ایسا کرنا۔ سو یہ دعا ہے، تمنا نہیں ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا کی کہ مجھے رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ ملا دے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے یہ خبر دی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو موت کا اختیار دیا جاتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب آپ کو موت کا اختیار دیا گیا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اسی دن متحقق ہو گئی تھی، کیونکہ فرشتے آپ کے پاس یہ بشارت دینے کے لیے آئے تھے کہ آپ کی اپنے رب کے ساتھ ملاقات ہو گی اور اللہ نے جو آپ کے لیے نعمتیں تیار فرمائی ہیں ان سے آپ ملاقات کریں گے۔
کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تمہارے والد پر آج کے بعد کوئی کرب اور تکلیف نہیں ہو گی۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۶۲۹)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موت کی تمنا کا قصہ یہ ہے کہ معمر نے از الحسن از سعید بن ابی العاص روایت کی ہے کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک رات دیکھ رہا تھا، آپ البقیع میں گئے اور یہ صبح کا وقت تھا، میں بھی آپ کے پیچھے گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! میری عمر زیادہ ہو گئی ہے اور میری بصارت کمزور ہو گئی ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ میری رعیت میں انتشار ہو گا تو مجھے اپنے طرف اٹھا لے دراں حالیکہ میں نہ عاجز ہوں اور نہ ملامت کیا ہوا۔
زہری نے کہا از ابن المسیب ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۱۱ ص ۳۱۵)
اور اس حدیث کی سند میں ایک راوی علی بن زید ہے اور وہ ضعیف ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۳۱۸۔ ۳۲۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)
میں کہتا ہوں کہ حضرت یوسف اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے موت کی تمنا نہیں کی بلکہ خاتمہ بالخیر کی دعا کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند میں ضعف ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۶۷۲۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى خَبَّابٍ نَعُودُهُ وَقَدِ اكْتَوَى سَبْعَ كَيَّاتٍ فَقَالَ إِنَّ أَصْحَابَنَا الَّذِينَ سَلَفُوا مَضَوْا وَلَمْ تَنْقُصْهُمُ الدُّنْيَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از اسماعیل بن ابی خالد از قیس بن ابی حازم، انہوں نے کہا: ہم حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی عیادت کرنے کے لیے گئے،

وَإِنَّا أَصَبْنَا مَا لَا نَجِدُ لَهُ مَوْضِعًا إِلَّا التُّرَابَ وَلَوْلَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَانَا أَنْ نَدْعُوَ بِالْمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِهِ ثُمَّ أَتَيْنَاهُ مَرَّةً أُخْرَى وَهُوَ يَبْنِي حَائِطًا لَهُ فَقَالَ إِنَّ الْمُسْلِمَ لَيُؤْجَرُ فِي كُلِّ شَيْءٍ يُنْفِقُهُ إِلَّا فِي شَيْءٍ يَجْعَلُهُ فِي هَذَا التُّرَابِ۔

اور انہوں نے گرم لوہے سے سات داغ لگائے ہوئے تھے، تو انہوں نے کہا: بے شک ہمارے اصحاب گزر گئے اور چلے گئے اور انہوں نے دنیا میں کوئی کمی نہیں کی اور بے شک ہم نے اتنا مال پایا کہ ہم اس کو رکھنے کے لیے جگہ بھی نہیں پاتے سوائے مٹی کے اور اگر نبی ﷺ نے ہمیں موت کی دعا سے منع نہ کیا ہوتا تو میں ضرور موت کی دعا کرتا، پھر ہم دوبارہ ان کے پاس گئے اور وہ اپنی ایک دیوار بنا رہے تھے، پس انہوں نے کہا کہ بے شک مسلمان کو ہر اس چیز میں اجر دیا جاتا ہے جس کو وہ خرچ کرتا ہے، سوائے اس چیز کے جس کو وہ اس مٹی میں بناتا ہے، (یعنی عمارت بناتا ہے)۔

(صحیح البخاری: ۶۳۴۹، ۶۳۵۰، ۶۴۳۰، ۶۴۳۱، ۷۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۶۸۱، سنن ترمذی: ۲۴۸۳، سنن نسائی: ۱۸۲۳، مسند احمد: ۲۰۵۶۷)

صحیح البخاری: ۵۶۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "بیمار کا موت کی تمنا کرنا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے مرض کی وجہ سے گرم لوہے کے سات داغ لگوائے ہوئے تھے اور انہوں نے کہا کہ اگر نبی ﷺ نے ہمیں موت کی دعا کرنے سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں ضرور موت کی دعا کرتا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں آدم کا ذکر ہے، وہ ابن ابی ایاس ہیں۔ اور اسماعیل بن ابی خالد کا ذکر ہے، وہ البجلی ہیں اور ابو خالد کا نام سعد ہے، دوسرا قول ہے کہ ہرمز ہے اور تیسرا قول ہے کہ کثیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں قیس بن ابی حازم کا ذکر ہے، یہ لفظ حاء اور زاء کے ساتھ ہے۔ اور خباب کا ذکر ہے، ان کا نام خباب بن الارت (رضی اللہ عنہ) ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ نے اپنے پیٹ پر گرم لوہے کے ساتھ داغ لگوائے ہوئے تھے"۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ حدیث میں تو لوہے سے داغ لگوانے سے منع فرمایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت اس کے لیے ہے جس کا یہ اعتقاد ہو کہ داغ لگوانے سے شفاء ہوتی ہے لیکن جس کا یہ اعتقاد ہو کہ شفاء دینے والا اللہ عزوجل ہے تو وہ اگر گرم لوہے سے داغ لگوائے تو کوئی حرج نہیں ہے، یا ممانعت اس کے لیے ہے جو کوئی اور دوا کے حصول پر قادر ہو اور جو کوئی اور دوا کے حصول پر قادر نہ ہو تو وہ اگر گرم لوہے سے داغ لگوائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "بے شک ہمارے اصحاب چلے گئے اور گزر گئے"۔اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین فوت ہو گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انہوں نے دنیا سے کوئی کمی نہیں کی" یعنی انہوں نے نہایت تنگی میں زندگی گزاری لیکن ان کے بعد جو لوگ آئے ان پر دنیا وسیع کر دی گئی، کیونکہ فتوحات بہت زیادہ ہو گئی تھیں اور جس کو دنیا زیادہ ملتی ہے آخرت میں اس کا اجر کم ہوتا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ "مسلمان کو ہر اس چیز میں اجر دیا جاتا ہے جس کو وہ خرچ کرتا ہے سوا اس چیز کے جس کو وہ اس مٹی میں بناتا ہے" یعنی جو عمارت بناتا ہے، پس معلوم ہوا کہ مال کو عمارت بنانے میں خرچ کرنا مذموم ہے۔اور یہ اس وقت مذموم ہے جب آدمی بلا ضرورت مکان بنائے یا عمارت بنائے لیکن جو ضرورت کی وجہ سے مکان یا عمارت بناتا ہے تو وہ مذموم نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۷۳ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو عُبَيْدٍ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ لَنْ يُدْخِلَ أَحَدًا عَمَلُهُ الْجَنَّةَ قَالُوا وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ لَا وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللّٰهُ بِفَضْلٍ وَرَحْمَةٍ فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَلَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَزْدَادَ خَيْرًا وَإِمَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَعْتِبَ۔

(صحیح مسلم: ۲۸۱۶، سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۱، مسند احمد: ۷۱۶۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے خبر دی ابو عبید مولیٰ عبد الرحمٰن بن عوف نے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: کسی شخص کو اس کا عمل ہرگز جنت میں داخل نہیں کرے گا، صحابہ نے عرض کیا: اور آپ کو بھی یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: نہیں! مجھ کو بھی نہیں، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل اور رحمت سے ڈھانپ لے، پس تم ٹھیک ٹھیک کام کرو اور صحت کے قریب کام کرو، اور تم میں سے کوئی شخص ہرگز موت کی تمنا نہ کرے، یا تو وہ شخص نیک ہوگا، پس ہو سکتا ہے کہ اس کی نیکیوں میں اضافہ ہو، اور یا وہ شخص بدکار ہوگا تو ہو سکتا ہے کہ وہ توبہ کر لے۔

صحیح البخاری: ۵۶۷۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "بیمار کا موت کی تمنا کرنا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے، اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو الیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعیب، یہ ابن ابی حمزہ ہیں اور اس میں مذکور ہے الزہری، یہ محمد بن مسلم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو عبید، عُبید عبد کی تصغیر ہے اور وہ مولیٰ ابن ازہر ہیں اور ان کا نام سعد بن عبید ہے اور ابن ازہر وہ ہیں جن کی طرف عبد الرحمٰن بن ازہر بن عوف منسوب ہیں اور وہ عبد الرحمٰن بن عوف الزہری کے بھتیجے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فسددوا" یعنی ٹھیک ٹھیک کام کرو۔

یہ حدیث مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہے، جو حسب ذیل ہیں:

(۱) از بشر بن سعید از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا، ایک مرد نے کہا: اور نہ آپ کو یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: اور نہ مجھ کو، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے لیکن تم ٹھیک ٹھیک کام کرو۔

(۲) از محمد بن سیرین از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جس کو اس کا عمل جنت میں داخل کر دے، پس کہا گیا اور نہ آپ یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: اور نہ میں، سوا اس کے کہ میرا رب مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

(۳) از سہیل از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا، صحابہ نے کہا: اور آپ کو بھی یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: اور مجھ کو بھی، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے میری تلافی کر لے۔

(۴) از ابی عبید مولیٰ عبد الرحمٰن بن عوف از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، یہ روایت امام بخاری کی روایت کی مثل ہے۔

(۵) از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صحت کے قریب کام کرو اور صحیح ٹھیک کام کرو اور جان لو کہ تم میں سے کسی ایک کو ہرگز اس کا عمل نجات نہیں دے گا، الحدیث۔

اس حدیث میں مذکور ہے: "سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ڈھانپ لے"۔ اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کو چھپا لے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کا لباس بن جائے، "تغمد" کا لفظ غمد سے بنا ہے اور یہ تلوار کی میان کو کہتے ہیں، سو جس طرح میان تلوار کو مکمل طور پر ڈھانپ لیتی ہے، اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی رحمت بندہ کو مکمل طور پر ڈھانپ لے تو اس کی نجات ہو جائے گی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ مومنین میں سے ہر ایک جنت میں اسی وقت داخل ہوگا جب اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے ڈھانپ لے گا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے تخصیص کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ڈھانپ لینا یقینی اور قطعی ہے اور عام مومنین کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ڈھانپ لینا ظنی ہے یا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے فضل کی احتیاج ہے تو دوسروں کو تو بہ طریق اولیٰ اللہ تعالیٰ کے

فضل کی احتیاج ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں دخول پر ایک اشکال کا جواب

پس اگر تم یہ اعتراض کرو کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ نُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ (الاعراف)

اور ان کو یہ ندا کی جائے گی کہ تم اپنے (نیک) اعمال کی وجہ سے جنت کے وارث کیے گئے ہو O

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اپنے نیک اعمال کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ باء، سبب کے لیے نہیں ہے بلکہ الصاق یا مصاحبت کے لیے ہے اور اس کا معنی ہے: تم جنت کے وارث کیے گئے ہو اس حال میں کہ تم اپنے اعمال کے ثواب کے ساتھ مصاحب ہو یا ملابس ہو۔

میں کہتا ہوں: اس سوال کا یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ نیک اعمال جنت میں دخول کا ظاہری سبب ہیں اور جنت میں دخول کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے، سو اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جنت میں دخول کا ظاہری سبب نیک اعمال ہیں اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مومنین کو جنت عطا فرمائے گا، اس کی دلیل قرآن مجید کی درج ذیل آیات ہیں:

جنت کے حصول کا سبب اللہ کا فضل ہے، اس کے متعلق قرآن مجید کی آیات

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا۝ (النساء)

سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو اللہ ان کو ان کا پورا پورا اجر عطا فرمائے گا اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ اجر دے گا، اور جن لوگوں نے (عبادت کو) عار سمجھا اور تکبر کیا تو اللہ ان کو دردناک عذاب دے گا، اور وہ لوگ اللہ کے سوا اپنا کوئی کارساز اور مددگار نہیں پائیں گے O

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّ يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۝ (النساء)

سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس (کے دامنِ رحمت) کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو اللہ ان کو عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف پہنچانے والا سیدھا راستہ دکھائے گا O

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۚ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا۝ (النساء)

جو لوگ اللہ اور (اس کے) رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا جو کہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں O اور یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے اور وہ کافی جاننے والا ہے O

الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ (فاطر: ۳۵)

جس نے ہم کو اپنے فضل سے دائمی مقام میں اتارا۔

ثواب اور عذاب کے متعلق اہل سنت کا مذہب

علامہ عینی فرماتے ہیں: اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ عقل سے نہ ثواب ثابت ہوتا ہے اور نہ عذاب ثابت ہوتا ہے بلکہ ثواب اور عذاب دونوں کا ثبوت شریعت سے ہے حتیٰ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام مومنین کو عذاب دے تو یہ اس کا عدل ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا بلکہ مومنین کی مغفرت فرمائے گا اور کافروں کو عذاب فرمائے گا اور معتزلہ ثواب اور عذاب کو عقل سے ثابت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ثواب کا سبب موجب قرار دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو عذاب کا سبب موجب قرار دیتے ہیں اور یہ حدیث ان کا رد کرتی ہے۔

''فسددوا'' کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فسددوا'' اس کا معنی ہے: تم صحت اور ثواب کو طلب کرو اور صحت اور ثواب وہ ہے جو افراط اور تفریط کے درمیان ہو، یعنی نہ تم کسی نیکی میں غلو کرو اور نہ کسی نیکی میں تقصیر کرو اور نیک عمل کرتے رہو اور اگر تم نیک عمل کرنے سے عاجز ہو، تو نیک عمل کے قریب عمل کرو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سددو کا معنی ہے: اپنے اعمال کو مستقیم کرو اور اللہ تعالیٰ کے قرب کو طلب کرو۔

''استعتاب'' کا معنی

''اِستعتاب'' کا معنی ہے: عتاب کے زوال کو طلب کرنا، یعنی اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنا، یا یہ العتبیٰ سے ماخوذ ہے جس کے معنی اللہ تعالیٰ کی رضا ہیں، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو طلب کرے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ اگر وہ بدکار ہوگا تو ''فلعله ان یستعتب'' اس کا معنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو طلب کرے گا اور اس نے جو لوگوں کے حقوق غصب کیے ہیں، وہ ان حقوق کو واپس کر دے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۷۔۳۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۷۳ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الاعراف: ۴۳ میں یہ تصریح ہے کہ جنت میں دخول اعمال سے ہوگا اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ عمل سے کسی شخص کی نجات نہیں ہوگی، اس آیت اور اس حدیث میں جو تعارض ہے اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) مسلمان جو نیک عمل کرتا ہے اس نیک عمل کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ دیتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نیک اعمال کی توفیق نہ دے تو کوئی شخص نیک عمل نہیں کر سکتا، سو اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا، سو نیک عمل کی توفیق دینا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل ہے، لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل کے بغیر کسی کی نجات نہیں ہوگی۔

(۲) بندہ اپنے مالک اور مولیٰ کی جو خدمت کرتا ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے یہ مالک اور مولیٰ کا اس بندے پر حق ہے، اور وہ اس خدمت اور اطاعت کے عوض کسی اجر کا مستحق نہیں ہوتا، اور اگر اس کا مالک اور مولیٰ اس کو کوئی اجر عطا کر دے تو یہ اس کا فضل ہے، اس لیے فرمایا کہ نجات صرف اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہوگی بندے کے عمل سے نہیں ہوگی۔

(۳) جنت میں نفسِ دخول اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے ہے اور جنت میں درجات کا حصول بندہ کے نیک اعمال سے ہے، تو حدیث میں جو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نجات ہوگی، یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں داخلہ ہوگا اور الاعراف: ۴۳ میں جو فرمایا ہے: تم اس جنت کے وارث اپنے اعمال کی وجہ سے کیے گئے ہو، اس کا معنی ہے: جنت کے درجات تمہیں اپنے نیک اعمال کی وجہ سے ملے ہیں۔

(۴) بندہ جو نیک عمل کرتا ہے، وہ محدود زمانہ میں کرتا ہے اور جنت میں جو اس کا اجر ہوگا وہ لامحدود زمانہ تک ہوگا، تو اللہ تعالیٰ کا بندے کو غیر متناہی اجر عطا فرمانا، یہ محض اس کا فضل ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۳۲۱۔ ۳۲۲ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۶۷۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ مُسْتَنِدٌ إِلَيَّ يَقُولُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَأَلْحِقْنِي بِالرَّفِيقِ الْأَعْلَى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام از عباد بن عبد اللہ بن زبیر، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور آپ میری طرف ٹیک لگائے ہوئے تھے، آپ فرما رہے تھے: اے اللہ! میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ ملا دے۔

(صحیح البخاری: ۴۴۴۰، ۵۶۷۴، صحیح مسلم: ۲۴۴۴، سنن ترمذی: ۳۴۹۶، مسند احمد: ۲۵۴۱۶، موطا امام مالک: ۵۶۲)

صحیح البخاری: ۵۶۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کیا رفیق اعلیٰ سے ملنے کی دعا کرنا موت کی دعا کو مستلزم ہے؟

اس مقام پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کی تمنا کی ہے، کیونکہ آپ نے دعا میں کہا ہے: ''مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملا دے۔'' اور رفیق سے مراد اصحاب ملا الاعلیٰ ہیں اور ان کے ساتھ ملنا موت کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔

اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں آپ نے موت کی تمنا نہیں کی، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے ملاء اعلیٰ اور رفیق اعلیٰ سے ملنے کی تمنا کی ہے اور ان سے ملنا موت کے بعد متصور ہے، تو یہاں پر موت کی تمنا مقصود لذاتہٖ نہیں ہے مقصود لذاتہٖ تو رفیق اعلیٰ سے ملنا ہے اور رفیقِ اعلیٰ سے ملنا موت کو مستلزم ہے، اور موت کی تمنا سے جو منع کیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بالذات موت کی تمنا نہ کی جائے اور یہاں پر بالذات رفیقِ اعلیٰ سے ملنے کی تمنا ہے، جیسے کوئی مسلمان دعا کرے اے اللہ! مجھے جنت الفردوس عطا فرما، سو یہ دعا کرنا جائز ہے بلکہ حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو، حالانکہ جنت الفردوس بھی مسلمان کو موت کے بعد ملے گی تو اس دعا میں موت کی تمنا نہیں ہے، اس دعا میں جنت

الفردوس کی تمنا ہے اور وہ موت کو مستلزم ہے۔اسی طرح رفیق اعلیٰ سے ملنے کی دعا موت کو مستلزم ہے بالذات موت کی دعا نہیں ہے۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ موت کی تمنا سے مقید صورت میں منع کیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ کسی دکھ تکلیف یا بیماری سے گھبرا کر آدمی موت کی تمنا کرے، اس سے منع کیا گیا ہے۔اور اگر رفیقِ اعلیٰ سے ملنے کے اشتیاق کی وجہ سے موت کی تمنا کرے تو یہ ممنوع نہیں ہے، تیسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا اس وقت کی تھی جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ آپ آج ہی کے دن وفات پانے والے ہیں اور آپ نے فرشتوں کو دیکھا، وہ آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے سرورِ کامل کی بشارت دینے کے لیے آئے، اسی لیے آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تمہارے باپ کے اوپر آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور آپ کا نفس اللہ تعالیٰ کی کرامت کے ساتھ ملنے کے لیے فارغ ہو چکا تھا اور سعادتِ ابدی کے حصول کے لیے تیار تھا اور یہ آپ کے لیے دنیا میں رہنے سے بہتر تھا، اسی لیے آپ نے اپنی امت کو حکم دیا ہے کہ وہ یہ دعا کریں کہ اے اللہ مجھے اس وقت وفات عطا کرنا جب وفات میرے لیے بہتر ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۷۴ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کی تحقیق کہ رفیقِ اعلیٰ سے ملنے کی دعا موت کی دعا نہیں ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔
سوال: کیا یہ موت کی تمنا ہے؟
جواب: نہیں! کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا اس وقت فرمائی تھی جب آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ اب آپ کی وفات ہونے والی ہے لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ آپ کو رفیقِ اعلیٰ میں کر دے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ رفیق اعلیٰ ہی میں ہوں گے، لیکن آپ نے یہ دعا اس لیے کی تا کہ آپ کو بلند درجات حاصل ہو جائیں۔
سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جب رفیقِ اعلیٰ سے ملنا متحقق تھا تو پھر آپ نے دعا کیسے کی؟
جواب: اس کی نظیر یہ ہے جیسا کہ ہم اذان کے بعد دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ یعنی جنت میں بلند مقام عطا فرما، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وسیلہ اور جنت میں بلند مقام متحقق ہے پھر بھی ہم دعا کرتے ہیں۔اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رفیق اعلیٰ سے ملنا متحقق ہے پھر بھی آپ نے رفیقِ اعلیٰ سے ملنے کی دعا کی۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۷۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

رفیقِ اعلیٰ سے ملنے کی دعا کی تحقیق از مصنف

میں کہتا ہوں: یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ رفیق اعلیٰ سے ملنا آپ کے لیے متحقق تھا پھر بھی آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، کیونکہ دعا کرنے سے بندہ کی مولیٰ کی طرف احتیاج کا اظہار ہوتا ہے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج کے اظہار کے لیے دعا کی، اسی طرح اس حدیث میں ہے کہ آپ نے دعا کی، اے اللہ! میری مغفرت فرما، حالانکہ آپ قطعاً مغفور ہیں بلکہ قرآن مجید میں ہے:
اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ (اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کے لیے کھلی ہوئی فتح عطا

مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح ۲-۱)

فرمائی O تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرمادے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلافِ اولیٰ سب کام۔

سو اس آیت سے واضح ہو گیا کہ آپ مغفور ہیں، اس کے باوجود آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! میری مغفرت فرما۔ اسی طرح اس حدیث میں ہے: آپ نے دعا کی: اے اللہ! مجھ پر رحم فرما، حالانکہ آپ قطعاً مرحوم ہیں بلکہ رحمۃ للعالمین ہیں۔ اور مومنین کے لیے رؤف الرحیم ہیں۔ سو جس طرح آپ نے مرحوم ہونے کے باوجود دعا کی: اے اللہ! مجھ پر رحم فرما اور مغفور ہونے کے باوجود آپ نے دعا کی: اے اللہ! میری مغفرت فرما، اسی طرح آپ کے لیے رفیقِ اعلیٰ سے ملنا محقق تھا، اس کے باوجود آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے رفیقِ اعلیٰ سے ملا دے۔ (سعیدی غفرلہ)

۲۰ - بَابُ: دُعَاءِ الْعَائِدِ لِلْمَرِيضِ

عیادت کرنے والے کی مریض کے لیے دعا کا بیان

وَقَالَتْ عَائِشَةُ بِنْتُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهَا قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا۔

حضرت عائشہ بنت سعد اپنے والد سے روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! سعد کو شفاء عطا فرما۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب عیادت کرنے والا مریض کے پاس داخل ہو تو وہ کس کیفیت سے دعا کرے۔

اس تعلیق میں سعد کا ذکر ہے، یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ وصیت کی طویل حدیث کی ایک طرف ہے جس میں آپ نے تہائی مال کی وصیت کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ حدیث عنقریب سندِ موصول کے ساتھ اس باب میں عنقریب گزر چکی ہے ''باب وضع الید علی المریض''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۸-۳۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۷۵ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ إِذَا أَتَى مَرِيضًا أَوْ أُتِيَ بِهِ قَالَ أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ اشْفِ وَأَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا قَالَ عَمْرُو بْنُ أَبِي قَيْسٍ وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ وَأَبِي الضُّحَى إِذَا أُتِيَ بِالْمَرِيضِ وَقَالَ جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي الضُّحَى وَحْدَهُ وَقَالَ إِذَا أَتَى مَرِيضًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مریض کے پاس جاتے یا مریض آپ کے پاس لایا جاتا تو آپ یہ دعا فرماتے: ''اے لوگوں کے رب! اس تکلیف اور غم کو دور کر دے، شفاء دے تو ہی شفاء دینے والا ہے، تیری شفاء کے سوا اور کوئی شفاء نہیں ہے جو کسی بیماری کو نہیں چھوڑتی''۔ عمرو بن ابی قیس اور ابراہیم بن طہمان نے کہا از منصور از ابراہیم اور ابی الضحیٰ، جب آپ کے پاس مریض کو لایا جاتا اور جریر نے کہا از منصور از ابی

الضحی فقط اور کہا جب آپ مریض کے پاس جاتے۔

(صحیح البخاری: ۵۷۴۳، ۵۷۴۴، ۵۷۵۰، صحیح مسلم: ۲۱۹۱، سنن ابن ماجہ: ۳۵۲۰، مسند احمد: ۲۳۶۵۵)

صحیح البخاری: ۵۶۷۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''البأس'' اس کا معنی ہے: شدت، عذاب اور حزن، یعنی اے اللہ! بیماری کی سختی کو اور بیماری کے عذاب اور بیماری کے غم کو دور کردے۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے ''رب الناس'' اس میں حرفِ نداء محذوف ہے یعنی اے لوگوں کے رب۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے ''تو ہی شفاء دینے والا ہے''، یہ وہم نہ ہو کہ دوا بھی شفاء دیتی ہے، اس لیے کہ دوا اس وقت شفاء دیتی ہے جب اللہ تعالیٰ اس میں شفاء پیدا کرتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ اس میں شفاء پیدا نہ کرے تو وہ شفاء نہیں دیتی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے: ''لا یغادر سقما'' ایسی شفاء جو کسی بیماری کو نہیں چھوڑتی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۷۵ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مصائب اور بیماریوں کی فضیلت اور بیماریوں میں شفاء کی دعا کی توجیہ

علامہ طبری نے کہا ہے: ان آثار کی فقہ یہ ہے کہ جسم میں عافیت کا ہونا بندہ کے لیے زیادہ افضل ہے بہ نسبت اس کے کہ جسم کے اندر بیماری ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیماروں کے لیے ان کی بیماریوں سے شفاء کی دعا کرتے تھے، اگر تم یہ سوال کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص کے لیے شفاء کی دعا کی اور بہ کثرت احادیث میں ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے پوچھا: کون اس سے محبت رکھتا ہے جو تندرست رہے اور بیمار نہ ہو؟ صحابہ نے کہا: ہم یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم حملہ کرنے والے گدھے کی مثل ہو جاؤ؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا، پھر آپ نے فرمایا: کیا تم اس سے محبت نہیں کرتے کہ تم بیماریوں اور مصائب والے ہو اور کفارات والے ہو، صحابہ نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم کہ ابو القاسم جس کے قبضہ وقدرت میں ہے! بے شک اللہ تعالیٰ مومن کو بیماریوں اور مصائب میں مبتلا کرتا ہے اور وہ صرف اس لیے بیماریوں میں اور مصائب میں مبتلا کرتا ہے کہ مومن اس کے نزدیک مکرم ہوتا ہے، اور اللہ کے نزدیک مومن کا ایک مرتبہ ہوتا ہے جس مرتبہ تک وہ مومن اپنے عمل سے نہیں پہنچ سکتا، سوا اس کے کہ وہ مصائب اور بیماریوں سے اس مرتبہ تک پہنچتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے عظیم جزا سب سے عظیم مصیبت میں ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اس کو کسی بیماری یا مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے، پس جو اس بیماری سے راضی رہے تو اس سے اللہ راضی ہوتا ہے اور جو اس بیماری سے ناراض ہو تو اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۳۹۶، سنن ابن ماجہ: ۴۰۳۱)

سلف صالحین نے کہا ہے کہ ان احادیث میں تعارض نہیں ہے اور ہر ایک کی ایک توجیہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مصائب اور امراض اہل ایمان کے لیے کفارہ ہوتے ہیں اور دنیا میں سزائیں ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ جس کو گناہوں کے میل سے پاک کرنا چاہتا ہے تو ان کی وجہ سے اس کو گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔

پس جب کہ مصائب اور بیماریاں سزائیں ہیں تو ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کی بیماریوں میں شفاء کی دعا کی، یہ وہ لوگ ہیں جن کا کوئی گناہ کبیرہ نہیں تھا، اور یہ ان گناہوں سے پاک تھے جو سزا کا موجب ہوتے ہیں اور اللہ کے بندوں پر ظلم کرنے سے بری تھے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۳۲۵-۳۲۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۶۷۵ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مریض کے پاس جاتے یا آپ کے پاس کوئی مریض لایا جاتا تو آپ دعا کرتے: اے لوگوں کے رب! اس بیماری کو دور فرما اور شفا دے اور تو ہی شفا دینے والا ہے اور تیری شفا کے علاوہ اور کوئی شفا نہیں ہے، ایسی شفاء دے جو کوئی بیماری کو نہ چھوڑے''۔

شیخ عثیمین لکھتے ہیں: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ دعا سے پہلے اللہ عزوجل کی ثناء کرنا شرط نہیں ہے اور نہ دعا سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنا شرط ہے نہ اول میں اور نہ آخر میں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور اس سے پہلے اللہ عزوجل کی ثناء نہیں کی۔

دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا ثبوت اور شیخ عثیمین کا رد از مصنف

میں کہتا ہوں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر بیانِ جواز کے لیے دعا سے پہلے اللہ عزوجل کی ثناء نہیں کی اور اپنے اوپر درود نہیں پڑھا، ورنہ دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ دعا سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھی جائے۔

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے کہا کہ دعا آسمان اور زمین کے درمیان موقوف رہتی ہے اور اس میں سے کوئی چیز بھی اوپر نہیں چڑھتی حتیٰ کہ تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو۔
(سنن ترمذی: ۴۸۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

امام ترمذی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے، پس جب میں بیٹھا تو پہلے میں نے اللہ عزوجل کی حمد وثناء کی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا اور پھر اپنے لیے دعا کی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سوال کرو تم کو عطا کیا جائے گا تم سوال کرو تم کو عطا کیا جائے گا۔ امام ابوعیسیٰ نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی: ۵۹۳، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۳ھ)

نیز شیخ عثیمین لکھتے ہیں کہ مریض کے لیے دعا کرنا اس کے ساتھ حسنِ سلوک ہے اور اللہ عزوجل کی عبادت ہے اور جو انسان دعا کرتا ہے اس کو اس دعا پر اجر دیا جاتا ہے، پس جو انسان مریض کی عیادت کرنے والا ہو، اس کو چاہیے کہ وہ یہ دعا کرے یا اور وہ دعائیں کرے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مریض کے دل کو خوش کرنا چاہیے۔

سوال: کیا مریض کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی نیک سے کہے کہ وہ اس کے لیے دعا کرے؟

جواب: نہیں! کیونکہ یہ وارد نہیں ہے، پس یہ نہیں چاہیے کہ مریض کسی سے یہ طلب کرے کہ وہ اس کے لیے دعا کرے، لیکن اگر اس نے ایسا کیا تو اس پر انکار نہیں کیا جائے گا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۷۴، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۱۔ بَابٌ: وُضُوءِ الْعَائِدِ لِلْمَرِيضِ　مریض کی عیادت کرنے والے کے وضو کرنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی مریض کی عیادت کرنے کے لیے اس کے پاس جائے تو اس کا وضو کرنا جائز ہے۔

۵۶۷۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما قَالَ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا مَرِيضٌ فَتَوَضَّأَ فَصَبَّ عَلَيَّ أَوْ قَالَ صُبُّوا عَلَيْهِ فَعَقَلْتُ فَقُلْتُ لَا يَرِثُنِي إِلَّا كَلَالَةٌ فَكَيْفَ الْمِيرَاثُ فَنَزَلَتْ آيَةُ الْفَرَائِضِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از محمد بن المنکدر، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس نبی ﷺ تشریف لائے اور میں اس وقت بیمار تھا، پس آپ نے وضو کیا اور میرے اوپر وضو کا پانی ڈالا، یا آپ نے فرمایا کہ اس کے اوپر پانی ڈالو، پس مجھے ہوش آ گیا تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ)! میرا کوئی وارث نہیں ہوگا مگر کلالہ، پس میری وراثت کیسے تقسیم ہوگی؟ تو فرائض کی آیت نازل ہوگئی۔

(صحیح البخاری: ۱۹۴، ۴۵۷۷، ۵۶۵۱، ۵۶۶۴، ۵۶۷۶، ۶۷۲۳، ۶۷۴۳، ۷۳۰۹، صحیح مسلم: ۱۶۱۶، سنن ترمذی: ۲۰۹۶، سنن نسائی: ۱۳۸، سنن ابوداؤد: ۲۸۸۶، سنن ابن ماجہ: ۲۷۲۸، مسند احمد: ۳۷۷۴، سنن دارمی: ۷۳۳)

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے "مجھے ہوش نہیں تھا، آپ نے وضو کیا اور مجھ پر وضو کا پانی ڈالا"۔

کلالہ اور فرائض کا معنی

اس حدیث میں کلالہ کا لفظ ہے، کلالہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کا نہ والد ہو اور نہ اس کی اولاد ہو۔

اور اس حدیث میں وراثت اور فرائض کا لفظ ہے، فرائض سے مراد ہے: کتاب اللہ میں وارثوں کے جو حصص مقدر ہیں۔

علامہ بدر الدین عینی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی ﷺ کے مبارک ہاتھوں کی برکت ہر بیماری کو زائل کر دیتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۳۰، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۱ھ)

۲۲۔ بَابٌ: مَنْ دَعَا بِرَفْعِ الْوَبَاءِ وَالْحُمَّى — جس نے وبا اور بخار کے اٹھ جانے کی دعا کی

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے وبا کے اٹھ جانے کی دعا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، وبا سے مراد ہے: طاعون اور عام مرض، اور حمیٰ کے معنی ہیں: بخار، یعنی جس نے بخار کے اٹھ جانے کی دعا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۷۷۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّهَا قَالَتْ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وُعِكَ أَبُو بَكْرٍ وَبِلَالٌ قَالَتْ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِمَا فَقُلْتُ يَا أَبَتِ كَيْفَ تَجِدُكَ وَيَا بِلَالُ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَتْ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ إِذَا أَخَذَتْهُ الْحُمَّى يَقُولُ

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ
وَالْمَوْتُ أَدْنَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

وَكَانَ بِلَالٌ إِذَا أُقْلِعَ عَنْهُ يَرْفَعُ عَقِيرَتَهُ فَيَقُولُ

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً
بِوَادٍ وَحَوْلِي إِذْخِرٌ وَجَلِيلُ
وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مِجَنَّةٍ
وَهَلْ تَبْدُوَنْ لِي شَامَةٌ وَطَفِيلُ

قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ فَجِئْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ اللَّهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ وَصَحِّحْهَا وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِهَا وَمُدِّهَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مدینہ) آئے اور حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کو بخار ہو گیا تو میں ان دونوں کے پاس گئی، پس میں نے عرض کیا: اے ابا جان! آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں؟ اور اے بلال! آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں؟ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب بخار چڑھتا تو وہ یہ (شعر) پڑھتے تھے:

ہر شخص اپنے گھر والوں میں صبح کرتا ہے
اور موت اس کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے

اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا جب بخار اتر جاتا تھا تو وہ بلند آواز سے یہ اشعار پڑھتے تھے:

کاش مجھے معلوم ہوتا کہ کیا میں ایک رات اس طرح گزار سکوں گا کہ میں اس وادی میں ہوں گا کہ میرے گرد اذخر اور جلیل نام کی گھاس ہوگی
اور کیا پھر کبھی میں مجنہ کے پانی پر وارد ہوں گا
اور کیا میرے لئے شامہ اور طفیل پہاڑ ظاہر ہوں گے

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور میں نے آپ کو اس کی خبر دی تو آپ نے دعا کی اے اللہ! ہمارے نزدیک مدینہ کو بھی اتنا محبوب

کردے جتنا ہمارے نزدیک مکہ محبوب ہے یا اس سے بھی زیادہ۔
اور مدینہ کی آب و ہوا کو صحت مند بنا دے اور مدینہ کے صاع اور مد
میں برکت عطا فرما اور مدینہ کے بخار کو منتقل کردے اور اس کو الجحفہ
میں رکھ دے۔

(صحیح البخاری:۱۸۸۹،۳۹۲۶،۵۶۵۴،۵۶۷۷،۶۳۷۲، صحیح مسلم:۱۳۷۶،مسند احمد:۲۵۷۰۸،موطا امام مالک:۱۶۴۸)

صحیح البخاری:۵۶۷۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے،وہ ابن ابی اویس ہیں۔
یہ حدیث عنقریب ''باب عیادۃ النساء للرجال'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی مفصل شرح کی جا چکی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۴۰،دارالکتب العلمیہ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا مقبول ہوئی اور مدینہ کی آب و ہوا نہایت عمدہ اور نفیس ہوگئی اور الجحفہ اپنی آب و ہوا کی خرابی میں اب تک مشہور ہے۔شامہ اور طفیل مکہ کی دو پہاڑیاں ہیں،اذخر اور جلیل مکہ کے جنگلوں میں پیدا ہونے والی دو جڑی بوٹیاں ہیں اور جُحفہ پانی کے ایک چشمہ کا نام ہے،جہاں عرب اپنے اونٹوں کو پانی پلاتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ! مدینہ کو ہمارے دلوں میں مکہ کی طرح محبوب کردے بلکہ اس سے بھی زیادہ کردے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بھی مقبول ہوئی اور آج مسلمانوں کے دلوں میں مدینہ منورہ مکہ سے بھی زیادہ محبوب ہے۔

تنبیہ: کتاب المرضیٰ میں اڑتالیس (۴۸) احادیث مرفوعہ ہیں،ان میں سے سات (۷) تعلیقات ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں اور ان میں سے چونتیس (۳۴) احادیث مکررہ ہیں اور باقی سات (۷) احادیث خالص ہیں۔

نعم الباری کی گیارہویں (۱۱) جلد کی تکمیل

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین! کتاب المرضیٰ مکمل ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی نعم الباری کی گیارہویں جلد کی بھی تکمیل ہوگئی۔

۲۵ شعبان/1433ھ/16/جولائی 2012ء بروز پیر کو نعم الباری کی گیارہویں جلد کی ابتداء ہوئی تھی اور آج ۱۹ ذوالقعدہ/۱۴۳۳ھ/7/اکتوبر 2012ء بروز اتوار بوقت سحر اس جلد کی تکمیل ہوگئی۔اس جلد کی تکمیل میں دو ماہ اور اکیس دن لگے اور اس سرعت سے تکمیل کی وجہ یہ ہے کہ یہ جلد کمپیوٹر کے ذریعہ تحریر کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کرم میں مشکور فرمائے اور اس کتاب کو رہتی دنیا تک قبول عام عطا فرمائے اور میرے ہاتھوں صحیح بخاری کی شرح کو مکمل کرادے اور اس شرح کو موافقین کے لیے موجب رحمت

اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنادے۔ اے ارحم الراحمین! میرے تمام گناہوں کو معاف فرما اور مجھ پر رحم اور کرم فرما اور مجھے دنیا کے مصائب سے محفوظ رکھ اور بیماریوں میں شفاء عطا فرما اور آخرت کے مراحل کو آسان فرما اور قبر اور برزخ کے عذاب، قیامت کی ہولناکیوں اور حشر کی سختیوں سے محفوظ اور مامون رکھ اور اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور آپ کے وسیلہ سے مجھ کو جنت الفردوس عطا فرما۔ آمین یارب العالمین بجاہ حبیبک خاتم النبیین سید المرسلین شفیع المذنبین علیہ الف الف صلوات وتسلیمات وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ اجمعین وامتہ من المفسرین والمحدثین والشارحین والفقہاء المجتہدین وسائر المسلمین۔

آخر میں، میں اپنے تمام معاونین اور کرم فرماؤں کے لیے دعا کرتا ہوں خصوصاً مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن زید حبہم ودامت الطافہم اور محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب شکر اللہ مساعیہم اور سید عمیر الحسن البرنی زید حبہم اور بیرون ملک کرم فرماؤں میں سے صاحبزادہ حبیب الرحمٰن محبوبی (بریڈ فورڈ) اور مولانا حافظ عبدالمجید (برسٹل) اور ثمینہ بہن (برسٹل) اور مولانا حامد قیوم (ناروے) دامت الطافہم اور حافظ محمد اکرم ساجد (لیکچرر شعبہ عربی گورنمنٹ دیال سنگھ کالج، لاہور) جنہوں نے اس کتاب کی تصحیح کی اور حافظ محمد جمشید ہاشمی جنہوں نے اس کتاب کو کمپوز کیا ہے اور دیگر اپنے تمام محبین، معاونین اور قارئین کے لیے دعا کرتا ہوں اور اپنی بڑی بہن کے لیے صحت اور توانائی کی دعا کرتا ہوں اور اپنے لیے بھی دعا کرتا ہوں کہ مجھے جس قدر امراض لاحق ہیں، شوگر ہے، ہائی بلڈ پریشر ہے، کمر کا درد ہے اور اب دونوں گھٹنوں میں بھی فاصلہ (Space) پیدا ہو گیا ہے، جس کی وجہ سے گھٹنوں کی نقل وحرکت اور چلنا پھرنا مشکل ہو گیا ہے اور بڑھاپے کی کمزوری ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام امراض اور عوارض میں مجھے شفاء عطا فرمائے اور امت مسلمہ میں جس قدر مسلمان بیمار ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو شفاء عطا فرمائے، ایمان اور اعمالِ صالحہ پر دوام عطا فرمائے، کبائر اور صغائر سے مجتنب رکھے اور اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور ہمیں دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اہل بنادے اور آخرت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے اور آخرت کے مراحل کو ہمارے لیے آسان فرمائے، قبر کے عذاب، دوزخ کے عذاب، قیامت کی ہولناکیوں اور میدانِ حشر کی سختیوں سے ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے اور اپنے بے پایاں فضل سے ہم کو اپنا دیدار عطا فرمائے۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ، کراچی
بلاک نمبر ۱۵ فیڈرل بی ایریا، کراچی ۳۸

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین حمد الشاکرین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد خاتم النبیین اکرم الاولین والآخرین شفیع المذنبین وعلیٰ الہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین۔

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد حادی عشر (۱۱) کی ڈائری

افتتاح: ۲۵ شعبان/ 1433ھ/ 16/جولائی 2012ء بروز پیر

تقویم میلادی	تقویم ہجری	دن	ایک ماہ کے صفحات	کل صفحات	ایک ماہ کی احادیث	تعداد حدیث
16/جولائی 2012ء	۲۵ شعبان ۱۴۳۳ھ	پیر	=	=		=
کیم اگست 2012ء	۱۲ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ	بدھ	۲۷۰	۲۷۰	۴۰	۵۳۹۰
کیم ستمبر 2012ء	۱۳ شوال المکرم ۱۴۳۳ھ	ہفتہ	۳۴۶	۶۱۶	۲۲	۵۴۱۲
کیم اکتوبر 2012ء	۱۴ ذیقعد ۱۴۳۳ھ	اتوار	۳۱۴	۹۳۰	۲۳۹	۵۶۵۱
7/اکتوبر 2012ء	۱۹ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ	اتوار	۹۳	۱۰۲۳	۲۶	۵۶۷۷

مصادر التحقیق فی نعم الباری

کتب سماویہ

۱۔ قرآن مجید

۲۔ تورات

۳۔ زبور

۴۔ انجیل

کتب احادیث

۵۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی 150ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی، المکتبۃ الامدادیہ، مکہ مکرمہ ۱۴۳۱ھ

۶۔ امام مالک بن انس اصبحی، متوفی 179ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1409ھ، المکتبۃ التوفیقیہ، دار المعرفہ بیروت، 1420ھ

۷۔ امام عبداللہ بن مبارک حنفی، متوفی 181ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۸۔ امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی، متوفی 183ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۹۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ: نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۱۰۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1407ھ

۱۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، المسند، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1400ھ

۱۲۔ امام سلیمان بن داؤد الجارود شافعی، متوفی 204ھ، مسند ابوداؤد الطیالسی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1425ھ

۱۳۔ امام محمد بن عمر بن واقد شافعی، متوفی 207ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت، 1404ھ

۱۴۔ امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی شیعی، متوفی 211ھ، مصنف عبد الرزاق، مطبوعہ: مکتب اسلامی بیروت 1390ھ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۵۔ الامام الجلیل ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی، متوفی 216ھ، مسند ابوعوانہ، دار المعرفہ بیروت

۱۶۔ امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی شافعی، متوفی 219ھ، المسند، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت

۱۷۔ امام سعید بن منصور خراسانی کی شافعی، متوفی 227ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، دار الصمیعی 1428ھ

۱۸۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، المصنف، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی 1406ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۱۹۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۲۰۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: مجلس علمی، بیروت 1427ھ

۲۱۔ امام احمد بن حنبل، متوفی 241ھ، المسند، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت، 1398ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دار الفکر، بیروت 1415ھ، موسسۃ الرسالہ، بیروت 1420، عالم الکتب، بیروت 1419ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ

۲۲۔ امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی شافعی، متوفی 255ھ، سنن دارمی، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1407ھ، دار المعرفہ، بیروت 1420ھ

۲۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1430ھ، دار ارقم، بیروت، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1431ھ، دار الفکر بیروت 1421ھ، موسسۃ الرسالہ 1431ھ، دار المعرفہ، بیروت 1425ھ، دار العلم الحدیث: 1426ھ

۲۴۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، الادب المفرد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412ھ

۲۵۔ امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری شافعی، متوفی 261ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ، دار الفکر، بیروت 1424ھ

۲۶۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ شافعی، متوفی 273ھ، سنن ابن ماجہ: مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1415ھ، دار الجیل، بیروت، دار الفکر، بیروت 1421ھ

۲۷۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی 275ھ، سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ، دار الفکر بیروت، 1421ھ

۲۸۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی 275ھ، مراسیل ابوداؤد، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۲۹۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1422ھ، دار الجیل، بیروت 1998ء، دار المعرفہ بیروت 1423ھ

۳۰۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، 1415ھ

۳۱۔ حافظ ابوبکر عمرو بن ضحاک بن مخلد الشیبانی، متوفی، 287ھ، کتاب السنہ، المکتب الاسلامی 1400ھ

۳۲۔ امام ابن ابی عاصم شافعی، متوفی 287ھ، الاحاد والمثانی، مطبوعہ: دار الرایہ، ریاض، 1411ھ

۳۳۔ امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار شافعی، متوفی 292ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت

۳۴۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن نسائی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412ھ، دار الفکر، بیروت، 1421ھ

۳۵۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، عمل الیوم واللیلہ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت 1408ھ

۳۶۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفّٰی 303ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1411ھ موسسۃ الرسالہ 1421ھ
۳۷۔ امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی شافعی، متوفّٰی 307ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۳۸۔ امام احمد بن عالی المثنی التمیمی شافعی، متوفّٰی 307ھ، مسند ابویعلیٰ موصلی، مطبوعہ: دارالمامون التراث، بیروت، 1404ھ
۳۹۔ امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری شافعی، متوفّٰی 307ھ، المنتقیٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1417ھ
۴۰۔ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ شافعی، متوفّٰی 311ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت 1395ھ
۴۱۔ امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق شافعی، متوفّٰی 316ھ، مسند ابوعوانہ، مطبوعہ: دارالباز، مکہ مکرمہ
۴۲۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفّٰی 321ھ، تحفۃ الاخیار، مطبوعہ: داربلنسیہ، ریاض 1420ھ
۴۳۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفّٰی 321ھ، مشکل الآثار، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز 1415ھ
۴۴۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفّٰی 321ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ: مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، 1404ھ، قدیمی کتب خانہ کراچی
۴۵۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفّٰی 321ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1427ھ
۴۶۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفّٰی 321ھ مسند الطحاوی، مطبوعہ: مکتبۃ الحرمین، دبئی 1426ھ
۴۷۔ امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی شافعی، متوفّٰی 322ھ، کتاب الضعفاء الکبیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ
۴۸۔ امام ابوبکر احمد بن مروان بن محمد الدینوری القاضی المالکی، متوفّٰی 333ھ، المجالسۃ وجواھر العلم، دار ابن حزم بیروت، 1419ھ
۴۹۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفّٰی 354ھ، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1407ھ
۵۰۔ امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفّٰی 354ھ، الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1425ھ
۵۱۔ امام ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری الشافعی، متوفّٰی 360ھ، کتاب الشریعہ، مطبوعہ: موسسۃ الریان 1429ھ
۵۲۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفّٰی 360ھ، معجم صغیر، مطبوعہ: مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ 1388ھ، مکتبہ اسلامی، بیروت 1405ھ
۵۳۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفّٰی 360ھ، معجم کبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت
۵۴۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفّٰی 360ھ، معجم اوسط، مطبوعہ: مکتبۃ المعارف، ریاض 1405ھ، دارالفکر بیروت، 1420ھ
۵۵۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفّٰی 360ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1409ھ
۵۶۔ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق الدینوری المعروف بابن السنی، شافعی، متوفّٰی 364ھ، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، 1408ھ

۵۷۔ امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی شافعی، متوفی 365ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۵۸۔ امام ابوحفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین شافعی، متوفی 385ھ، الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۵۹۔ امام الحافظ علی بن عمر الدار قطنی، متوفی 385ھ، سنن الدار قطنی، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، لبنان 1422ھ

۶۰۔ امام عبد اللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ شافعی، متوفی 396ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۶۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری شافعی، متوفی 405ھ، المستدرک، مطبوعہ: دار الباز، مکہ مکرمہ، دار المعرفہ بیروت، 1427ھ، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1420ھ

۶۲۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عمر واقد الواقدی شافعی، متوفی 407ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۶۳۔ امام ابونعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ، دار الکتب العربی 1407ھ

۶۴۔ امام ابونعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دار النفائس، بیروت

۶۵۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان

۶۶۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

۶۷۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۶۸۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ،، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1423ھ

۶۹۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ،، کتاب الآداب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۰۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ: مکتبۃ المنارہ، مکہ مکرمہ 1410ھ

۷۱۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ

۷۲۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، الجامع لشعب الایمان، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1423ھ

۷۳۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، البعث والنشور، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ

۷۴۔ امام ابوعمر یوسف ابن عبد البر قرطبی مالکی، متوفی 463ھ، جامع بیان العلم وفضلہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۷۵۔ حافظ ابی بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید بن سفیان القرشی المعروف بابن ابی الدنیا، متوفی 184ھ، موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، مکتبۃ العصریہ، بیروت

۷۶۔ امام محمد بن فتوح الحمیدی شافعی، متوفی 488ھ، الجمع بین الصحیحین، مطبوعہ: دار ابن حزم 1423ھ

۷۷۔ امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی شافعی، متوفی 509ھ، الفردوس بماثور الخطاب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۸۔ امام حسین بن مسعود بغوی شافعی، متوفی 516ھ، شرح السنہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ
۷۹۔ علامہ عمر بن عبد العزیز ابن مازہ البخاری الحنفی الملقب بالصدر الشہید المتوفی 536ھ، شرح الجامع الصغیر، دار الکتب العلمیہ بیروت 1427ھ
۸۰۔ امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تاریخ دمشق الکبیر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ
۸۱۔ امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1407ھ
۸۲۔ امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، جامع المسانید، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ
۸۳۔ امام مجد الدین بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری شافعی، متوفی 606ھ، جامع الاصول، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ، دار ابن کثیر، بیروت 1432ھ
۸۴۔ امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری شافعی، متوفی 656ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ: دار الحدیث، قاہرہ 1407ھ، دار ابن کثیر، بیروت 1414ھ
۸۵۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، التذکرہ فی امور الآخرہ، مطبوعہ: دار البخاری، مدینہ منورہ
۸۶۔ امام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی شافعی، متوفی 676ھ، الاذکار من کلام سید الابرار، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1417ھ
۸۷۔ امام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی، متوفی 676ھ، ریاض الصالحین، قدیمی کتب خانہ، کراچی
۸۸۔ امام ابو محمد علی بن زکریا المنبجی الحنفی، متوفی 686ھ، اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب، دار خضر، بیروت 1419ھ
۸۹۔ امام محی الدین تبریزی شافعی، متوفی 742ھ، مشکوٰۃ، مطبوعہ: اصح المطابع، دہلی، دار ارقم، بیروت، دار ابن حزم 1423ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت
۹۰۔ امام علی بن عبد الکافی تقی الدین سبکی الشافعی، متوفی 746ھ، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، مطبوعہ: الدائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد، دکن
۹۱۔ تاج الدین علی بن عبد اللہ بن الحسن الارزدیلی التبریزی الشافعی، متوفی 746ھ، المعیار فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ التی استشہد بہا الفقہاء، دار الاصلاح 2009ء
۹۲۔ امام شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابو بکر المعروف بابن قیم الجوزیہ حنبلی، متوفی 751ھ، جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد خیر الانام، مطبوعہ: دار الکتاب العربی، بیروت 1417ھ، دار الطباعۃ المحمدیہ 1388ھ
۹۳۔ حافظ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زیلعی حنفی، متوفی 762ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ: مجلس علمی سورۃ ہند، 1357ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۹۴۔ حافظ ابو الفرج زین الدین عبد الرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی البغدادی الدمشقی، متوفی 795ھ، احوال القبور واحوال اھلھا الی النشور، دار الکتب العربی، بیروت 1418ھ
۹۵۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ: دار الکتاب العربی، بیروت 1402ھ، دار الفکر،

بیروت 1414ھ
۹۶۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، کشف الاستار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1404ھ
۹۷۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1420ھ
۹۸۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرہ، مطبوعہ: مکتبہ دارالکتب العلمیہ، بیروت 1442ھ
۹۹۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، زوائد ابن ماجہ علی الکتب الخمسہ، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1414ھ،
۱۰۰۔ حافظ علاؤالدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی حنفی، متوفی 845ھ، الجوھر النقی، مطبوعہ: نشرالسنہ ملتان
۱۰۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 848ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز، مکہ مکرمہ
۱۰۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ: مکتبۃ دارالباز، مکہ مکرمہ، درالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۱۰۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی احادیث الاذکار، مطبوعہ: دارابن کثیر، 1421ھ
۱۰۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث رافعی الکبیر، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، 1417ھ
۱۰۵۔ امام زین الدین ابوالعباس احمد بن عبداللطیف الزبیری حنفی متوفی 893ھ، التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت، 1430ھ
۱۰۶۔ امام عبدالرحمٰن بن عبدالسلام بن عبدالرحمٰن بن عثمان الصفوری الشافعی، متوفی 894ھ، نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ
۱۰۷۔ حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی الشافعی، متوفی 902ھ، القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع، مطبوعہ: مکتبۃ المؤید، دمشق 1408ھ
۱۰۸۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ
۱۰۹۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ
۱۱۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جمع الجوامع، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ
۱۱۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، البدور السافرہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ، دارابن حزم، بیروت 1414ھ
۱۱۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، شرح الصدور بشرح حال الموتٰی والقبور، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۱۱۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۱۱۴۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اہل البدع والزندقۃ، مطبوعہ: مکتبۃ القاہرہ، مصر 1385ھ

۱۱۵۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری حنفی، متوفی 975ھ، کنز العمال، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت

۱۱۶۔ حافظ عبد الرؤف بن علی بن زین العابدین المناوی الشافعی، متوفی 1031ھ، کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۱۱۷۔ امام محمد بن سلیمان المغربی المالکی، متوفی 1094ھ، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، مطبوعہ: مکتبہ ابن کثیر 1418ھ

۱۱۸۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن درویش الحوت البیروتی الحنفی، متوفی 1276ھ، اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1412ھ

۱۱۹۔ الحافظ ابو الفیض احمد بن محمد بن الصدیق الغماری الحسنی الشافعی، متوفی 1380ھ، المداوی لعلل الجامع الصغیر وشرح المناوی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1996ھ

۱۲۰۔ علامہ محمد ناصر الدین البانی المتوفی 1420ھ، سلسلہ احادیث صحیحہ، انصار السنہ پبلی کیشنز لاہور، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع 1420ھ

۱۲۱۔ مولانا صالح بن عبد اللہ بن حمید، نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم، دار الوسیلہ للنشر والتوزیع 1425ھ

۱۲۲۔ مولانا عبد السلام بن محمد بن عمر علوش، کتاب الجامع فی الاحادیث القدسیہ، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامی، 1426ھ

کتب تفاسیر

۱۲۳۔ امام ابو زکریا یحییٰ بن زیاد فراء حنفی، متوفی 207ھ، معانی القرآن، مطبوعہ: بیروت

۱۲۴۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، جامع البیان، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1409ھ، دار الفکر بیروت

۱۲۵۔ امام عبد الرحمن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی شافعی، متوفی 327ھ، تفسیر القرآن العظیم، مطبوعہ: نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ

۱۲۶۔ امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی، متوفی 333ھ، تاویلات اہل السنہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۲۷۔ امام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی، متوفی 370ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، 1400ھ

۱۲۸۔ امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی، متوفی 427ھ، تفسیر الثعلبی، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1422ھ

۱۲۹۔ امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن بن عبد الملک القشیری الشافعی، متوفی 465ھ، تفسیر القشیری المسمیٰ لطائف الاسرار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۱۳۰۔ علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری شافعی، متوفی 468ھ، الوسیط، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۳۱۔ امام شیخ الاسلام ابو المظفر السمعانی الشافعی، متوفی 489ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ: دار الوطن، ریاض 1418ھ

۱۳۲۔ علامہ محمود بن عمر زمخشری معتزلی، متوفی 538ھ، الکشاف، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ،

۱۳۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی 543ھ، احکام القرآن، مطبوعہ: دارالفکر بیروت

۱۳۴۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ تفسیر کبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ

۱۳۵۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ، اسرار التنزیل وانوار التاویل، مطبوعہ: دارالکتب الوثاق، بغداد، عراق 1990ء

۱۳۶۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1415ھ

۱۳۷۔ قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی 685ھ، انوار التنزیل واسرار التاویل، مطبوعہ: دارفراس للنشر والتوزیع مصر

۱۳۸۔ علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی، متوفی 710ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ: دارالکتب العربیہ، پشاور

۱۳۹۔ علامہ عبدالرحمن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی 857ھ تفسیر الثعالبی، مطبوعہ: موسسۃ العالمی للمطبوعات، بیروت

۱۴۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جلالین، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۱۴۱۔ علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی 1137ھ، روح البیان، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ

۱۴۲۔ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، متوفی 1223ھ تفسیر صاوی، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1421ھ

۱۴۳۔ علامہ السید عبداللہ سبر، متوفی 1242ھ تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ: دارالاسوہ للطباعۃ والنشر، 1421ھ

۱۴۴۔ علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی 1270ھ، روح المعانی، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت، دارالفکر بیروت 1417ھ

۱۴۵۔ نواب صدیق حسن بھوپالی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، فتح البیان، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۱۴۶۔ شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور

۱۴۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، بیان القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور

۱۴۸۔ علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی بریلوی، متوفی 1367ھ خزائن العرفان

۱۴۹۔ مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1391ھ، نور العرفان، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، گجرات

۱۵۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور

۱۵۱۔ غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی بریلوی، متوفی 1406ھ، التبیان العظیم فی تفسیر سورۃ التحریم، مطبوعہ: مکتبہ فانوس پبلی کیشنز، پاکستان 2003ء

۱۵۲۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی بریلوی، متوفی 1418ھ ضیاء القرآن، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

۱۵۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ

۱۵۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، انوار تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1431ھ

۱۵۵۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، ترجمہ وتحقیق وتخریج تفسیر خازن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور 1427ھ

۱۵۶۔ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی حنفی بریلوی غفرلہ، برکات القرآن، ترجمہ تفسیر مدارک التنزیل، فرید بک اسٹال لاہور 1430ھ

شروح احادیث

۱۵۷۔ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری التوفی 318ھ، الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، مطبوعہ: دار الفلاح 1430ھ

۱۵۸۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، معالم السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۵۹۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، اعلام السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۶۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالکی، متوفی 449ھ، شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1420ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۶۱۔ حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستذکار (شرح الموطا)، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1413ھ

۱۶۲۔ حافظ ابوعمرو بن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، التمہید، مطبوعہ: مکتبۃ القدوسیہ لاہور 1404ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۳۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، القبس فی شرح موطا بن انس، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۴۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی، دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ

۱۶۵۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، اکمال المعلم بفوائد مسلم، مطبوعہ: دار الوفاء بیروت 1419ھ

۱۶۶۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، کشف المشکل علی صحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1444ھ

۱۶۷۔ امام ابومحمد عبدالجلیل بن موسیٰ اندلسی مالکی، متوفی 608ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1416ھ

۱۶۸۔ امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری شافعی، متوفی 656ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت

۱۶۹۔ علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، متوفی 656ھ، المفہم، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت 1417ھ

۱۷۰۔ علامہ ابوعبداللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی 661ھ، کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنہ، مکتبہ نزار مصطفیٰ 1422ھ

۱۷۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، شرح مسلم، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی 1375ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1417ھ

۱۷۲۔ امام ابومحمد عبداللہ بن ابی حمزہ الاندلسی المالکی، متوفی 699ھ، بہجۃ النفوس، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1428ھ

۱۷۳۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، فتح الباری، دار ابن الجوزی، ریاض 1417ھ

۱۷۴۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، الاحادیث والآثار، مطبوعہ: مکتبۃ الرشید 1429ھ

۱۷۵۔ علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی، متوفی 743ھ، شرح الطیبی، ادارۃ القرآن 1413ھ

۱۷۶۔ حافظ علاء الدین مغلطائی ابن قلیج بن عبداللہ الحنفی التوفی 762ھ، شرح ابن ماجہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1424ھ

۱۷۷۔ علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی، متوفی 786ھ، تحقیق الکواکب الدراری شرح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ

۱۷۸۔ علامہ محمد بن بہادر الزرکشی المتوفی 794ھ، التنقیح لالفاظ الجامع الصحیح، دار الکتب العلمیہ بیروت 1424ھ
۱۷۹۔ علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن، متوفی 804ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح، مطبوعہ: وزارۃ الاوقاف، قطر 1429ھ
۱۸۰۔ امام قاضی بدر الدین الدمامینی المالکی، متوفی 827ھ، مصابیح الجامع، مطبوعہ: دار النور 1431ھ
۱۸۱۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلیفہ وشتانی مالکی، متوفی 828ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۱۸۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری، المکتب الاسلامی بیروت 1420ھ
۱۸۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، فتح الباری، مطبوعہ: دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور 1401ھ، بیروت 1420ھ، دار المعرفہ، بیروت 1426ھ
۱۸۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری، مکتبۃ الرشد، ریاض 1418ھ
۱۸۵۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت
۱۸۶۔ حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ: ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر 1348ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۱۸۷۔ حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، شرح سنن ابوداؤد، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع 1420ھ
۱۸۸۔ علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی، متوفی 895ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۱۸۹۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ: مطبع میمنہ مصر 1306ھ
۱۹۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت 1420ھ
۱۹۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1412ھ
۱۹۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، بیروت 1418ھ
۱۹۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الرسائل العشر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1409ھ
۱۹۴۔ علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، تحفۃ الباری فی شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1425ھ
۱۹۵۔ علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1426ھ
۱۹۶۔ علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ
۱۹۷۔ علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، فیض القدیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز،

مکہ مکرمہ 1418ھ
۱۹۸۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ: اصح المطابع، کراچی
۱۹۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۲۰۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ
۲۰۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، مرقات، مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ، ملتان 1390ھ
۲۰۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ
۲۰۳۔ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی غیر مقلد، متوفی 1025ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی، مصر 1350ھ
۲۰۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ: مطبع تیج کمار لکھنو، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۲۰۵۔ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی المصری الحنفی، متوفی 1069ھ، نسیم الریاض فی شرح الشفاء قاضی عیاض، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۲۰۶۔ شیخ نورالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1073ھ، تیسیر القاری فی شرح صحیح بخاری، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۲۰۷۔ امام محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المصری المالکی، متوفی 1122ھ، شرح الزرقانی (شرح موطا امام مالک)، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ
۲۰۸۔ شیخ ابوالطیب صدیق بن حسن الحسینی القنوجی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، عون الباری لحل ادلۃ الصحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ
۲۰۹۔ امام محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی، متوفی 1398ھ، الفجر الساطع علی الصحیح الجامع، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1430ھ
۲۱۰۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، لامع الدراری علی جامع البخاری، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی
۲۱۱۔ شیخ عبدالرحمن مبارک پوری غیر مقلد، متوفی 1325ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ
۲۱۲۔ شیخ وحید الزمان غیر مقلد، متوفی 1328ھ، تیسیر الباری ترجمہ وتشریح صحیح بخاری، مطبوعہ: نعمانی کتب خانہ، لاہور 1990ھ
۲۱۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جامع الاحادیث مطبوعہ: مکتبہ مرکز اہلسنت برکات رضا، گجرات 1422ھ
۲۱۴۔ شیخ انور شاہ کشمیری دیوبندی، متوفی 1352ھ، فیض الباری، مطبوعہ: مطبع حجازی، مصر 1375ھ
۲۱۵۔ شیخ شبیر احمد عثمانی دیوبندی، متوفی 1369ھ، فتح الملہم، مطبوعہ: مکتبۃ الحجاز، کراچی
۲۱۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی الحنفی، متوفی 1414ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دارالکلم الطیب، بیروت 1430ھ
۲۱۷۔ شیخ محمد بن زکریا بن محمد کاندھلوی دیوبندی، اوجز المسالک الی موطا امام مالک، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۲۱۸۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی، متوفی 1421ھ، شرح صحیح بخاری، مکتبۃ الطبری، 1429ھ
۲۱۹۔ ابومحمد عبداللہ بن مانع الروقی، الحلل الابریزیہ من التعلیقات البازیہ علی صحیح البخاری، دارالتدمریہ، ریاض 1428ھ

۲۲۰۔ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی، کشف الباری، مطبوعہ: مکتبہ فاروقیہ، کراچی
۲۲۱۔ شیخ محمد تقی عثمانی دیوبندی، انعام الباری شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الحراء

کتب اصول احادیث

۲۲۲۔ علامہ ابوبکر محمد بن موسیٰ بن عثمان بن حازم الحازمی الہمدانی التوفی 584ھ، کتاب الفیصل فی علم الحدیث، مکتبۃ الرشد، ریاض 1428ھ
۲۲۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تقریب النواوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ
۲۲۴۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تدریب الراوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ
۲۲۵۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح نخبۃ الفکر، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ

کتب اسماء الرجال

۲۲۶۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، التاریخ الکبیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ
۲۲۷۔ امام احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، منہج الامام النسائی فی الجرح والتعدیل، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1424ھ
۲۲۸۔ امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی شافعی، متوفی 436ھ، تاریخ بغداد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۲۲۹۔ حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی شافعی، متوفی 742ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ
۲۳۰۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، میزان الاعتدال، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۲۳۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، الکاشف، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1418ھ
۲۳۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۳۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ج تقریب التہذیب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۳۴۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ اللآلی المصنوعہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۲۳۵۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، طبقات الحفاظ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۲۳۶۔ حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی الشافعی، متوفی 923ھ، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ
۲۳۷۔ علامہ محمد بن طولون شافعی، متوفی 953ھ، الشذرہ فی الاحادیث المشتہرہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ
۲۳۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی شافعی، متوفی 963ھ، تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشریعۃ الموضوعۃ
۲۳۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ

۲۴۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، موضوعاتِ کبیر، مطبوعہ: مکتبہ مجتبائی دہلی
۲۴۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، مطبوعہ: دار الباز للنشر والتوزیع 1405ھ
۲۴۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، مطبوعہ: مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ، حلب 1389ھ
۲۴۳۔ علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی 1164ھ، کشف الخفاء ومزیل الالباس، مطبوعہ: مکتبہ الغزالی، دمشق
۲۴۴۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1415ھ
۲۴۵۔ یوسف عبد الرحمن المرعشلی، معجم المعاجم والمشیخات، مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

کتب لغت

۲۴۶۔ امام اللغۃ خلیل بن احمد فراہیدی، متوفی 175ھ، کتاب العین، مطبوعہ: انتشارات اسوہ، ایران 1414ھ
۲۴۷۔ امام ابو عبید القاسم بن سلام الہروی الشافعی، متوفی 224ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۲۴۸۔ امام ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری، متوفی 276ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1408ھ
۲۴۹۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی، متوفی 398ھ، الصحاح، مطبوعہ: دار العلم، بیروت 1404ھ
۲۵۰۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی شافعی، متوفی 502ھ، المفردات، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ
۲۵۱۔ علامہ نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد النسفی الحنفی، متوفی 537ھ، طلبۃ الطلبہ فی الاصلاحات الفقہیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۵۲۔ امام ابو نصر احمد بن محمد سمرقندی حنفی، متوفی 550ھ، انیس الفقہاء، فی تعریفات الالفاظ المتداولۃ بین الفقہاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ،
۲۵۳۔ علامہ محمد بن اثیر الجزری الشافعی، متوفی 606ھ، نہایہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۵۴۔ علامہ محمد بن ابو بکر بن عبد القادر رازی حنفی، متوفی 660ھ، مختار الصحاح، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ
۲۵۵۔ علامہ یحیی بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۵۶۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی 711ھ، لسان العرب، مطبوعہ: نشر ادب الحوزہ، قم ایران، دار صادر، بیروت 2003ء
۲۵۷۔ علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی، متوفی 816ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت
۲۵۸۔ علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، متوفی 817ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت
۲۵۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ: مکتبہ دار الایمان، مدینہ منورہ 1415ھ

۲۶۰۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی 1205ھ، تاج العروس، مطبوعہ: المطبعة الخیریہ، مصر
۲۶۱۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد، مطبوعہ المطبع الکاثولیکہ، بیروت 1927ء
۲۶۲۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد مترجم، مطبوعہ: دار الاشاعت، کراچی
۲۶۳۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی الاعلام، مطبوعہ: دار المشرق، بیروت 1976ء
۲۶۴۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی اللغت، مطبوعہ: انتشارات اسلام 1379ء
۲۶۵۔ مولانا محمد غیاث الدین، غیاث اللغات (فارسی)، مطبوعہ: مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۲۶۶۔ الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات (اردو)، مطبوعہ، مطبع فیروز سنز لمیٹڈ
۲۶۷۔ سعدی الوجیب، القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، پاکستان
۲۶۸۔ غلام احمد پرویز، متوفی 1985، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام گلبرگ لاہور 1984ء
۲۶۹۔ قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری حنفی، دستور العلماء، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، بیروت 1421ھ
۲۷۰۔ ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور

کتب تاریخ، سیرت وفضائل

۲۷۱۔ امام ابومحمد عبدالملک بن ہشام المعافری، متوفی 218ھ، السیرۃ النبویہ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ
۲۷۲۔ امام محمد بن سعد، متوفی 230ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ: دار صادر، بیروت 1388ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ
۲۷۳۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ: دار القلم، بیروت
۲۷۴۔ امام ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سھل السامری الخرائطی، متوفی 327ھ، مکارم الاخلاق ومعالیہا ومحمود طرائقہا ومرضیہا، مطبوعہ: مطبع المدنی، موسسۃ السعودیہ، 1411ھ
۲۷۵۔ امام ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی، متوفی 405ھ، اعلام النبوۃ، دار احیاء العلوم، بیروت 1408ھ
۲۷۶۔ امام ابوسعید عبدالملک بن ابی عثمان نیشاپوری شافعی، متوفی 406ھ، شرف المصطفیٰ، مطبوعہ: دار البشائر الاسلامیہ، مکہ مکرمہ 1424ھ
۲۷۷۔ امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، متوفی 463ھ، تاریخ بغداد، دار الفکر بیروت، 1424ھ
۲۷۸۔ حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستیعاب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۷۹۔ امام محی السنۃ الحسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی الشافعی، متوفی 510ھ، الانوار فی شمائل النبی المختار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۲۸۰۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، الشفاء، مطبوعہ: عبدالتواب اکیڈمی، ملتان، دار الفکر بیروت 1415ھ
۲۸۱۔ امام ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ بن احمد الخثعمی السہیلی، متوفی 581ھ، الروض الانف فی تفسیر سیرۃ النبویہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۸۲۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، الوفاء، مطبوعہ: مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
۲۸۳۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، مولد العروس الشہیر بابن الجوزی، مطبوعہ: المکتبۃ الثقافیہ، بیروت
۲۸۴۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر شافعی، متوفی 630ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، دارالفکر بیروت
۲۸۵۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی 630ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۸۶۔ علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان شافعی، متوفی 681ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ: منشورات الشریف الرضی، ایران
۲۸۷۔ امام ابوجعفر احمد الشہیر بالمحب الطبری، متوفی 694ھ، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۸۸۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1417ھ
۲۸۹۔ شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ الحنبلی، متوفی 751ھ، زاد المعاد، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1419ھ
۲۹۰۔ حافظ علاؤالدین ابوعبداللہ مغلطائی بن قلیج، متوفی 762ھ، الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ وتاریخ من بعدہ من الخلفاء، مطبوعہ: دارالقلم، دمشق 1416ھ
۲۹۱۔ علامہ تاج الدین ابونصر عبدالوہاب سبکی شافعی، متوفی 771ھ، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۲۹۲۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی 774ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1418ھ
۲۹۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، الاصابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۹۴۔ شیخ عبدالرحمٰن الثعلبی، متوفی 875ھ، الانوار فی آیات النبی المختار، مطبوعہ: دار ابن حزم 1426ھ
۲۹۵۔ علامہ نورالدین علی بن احمد سمہودی شافعی، متوفی 911ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ
۲۹۶۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۲۹۷۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی 942ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۲۹۸۔ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، مدارج النبوۃ، مکتبہ نوریہ، سکھر پاکستان 1397ھ
۲۹۹۔ علامہ محمد عبدالباقی زرقانی مالکی، متوفی 1124ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1393ھ
۳۰۰۔ شیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی، متوفی 1242ھ، مختصر سیرۃ الرسول، مطبوعہ: المکتبۃ السلفیہ 1399ھ

کتب فقہ حنفی

۳۰۱۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (کتاب الاصل)، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی
۳۰۲۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (شرح الکافی)، مطبوعہ: دارالمعرفہ بیروت، 1398ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۳۰۳۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: مصطفائی ہند 1291ھ

۳۰۴۔ امام محمد بن الشھیر الحاکم الشھید البلخی الحنفی، متوفی 344ھ، الکافی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۳۰۵۔ امام ابوبکر الرازی الجصاص المتوفی 370ھ، شرح مختصر الطحاوی، فتاوی فی الفقہ الحنفی، مکتبۃ الکریمیہ کانسی روڈ کوئٹہ

۳۰۶۔ ابواللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، امجد اکیڈمی، لاہور 1397ھ

۳۰۷۔ امام ابواللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی المتوفی 373ھ، فتاویٰ ابواللیث سمرقندی، السیاۃ بمختلف الروایۃ، مکتبہ محمدیہ 1423ھ

۳۰۸۔ امام ابواللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، المکتبۃ الغفوریہ العاصمیہ، کراچی

۳۰۹۔ شیخ الاسلام قاضی القضاۃ ابوالحفص علی بن الحسن بن محمد السغدی الحنفی المتوفی 461ھ، النتف فی الفتاوی، مکتبہ عثمانیہ، کوئٹہ

۳۱۰۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، المبسوط، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت 1398ھ

۳۱۱۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامیہ، افغانستان 1405ھ

۳۱۲۔ علامہ علاؤ الدین محمد السمر قندی، متوفی 539ھ، تحفۃ الفقہاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۳۱۳۔ الامام الاکمل الفقیہ الامجد طاہر بن عبدالرشید البخاری، متوفی 542ھ، خلاصۃ الفتاویٰ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۳۱۴۔ الوزیر عون الدین ابوالمظفر یحییٰ بن محمد ہبیرہ، متوفی 560ھ، الافصاح عن معانی الصحاح، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۱۵۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی 587ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۱۶۔ علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفی 592ھ، فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ: کبریٰ بولاق، مصر 1310ھ

۳۱۷۔ علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفی 592ھ، شرح الزیادات، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۱۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، ہدایہ اولین وآخرین، مطبوعہ: شرکت علمیہ، ملتان

۳۱۹۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، کتاب التجنیس والمزید، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1424ھ

۳۲۰۔ علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری، متوفی 616ھ، المحیط البرہانی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1424ھ

۳۲۱۔ علامہ عبداللہ بن محمود بن مودود حنفی، متوفی 683ھ، الاختیار لتعلیل المختار، مطبوعہ: دار فراس للنشر والتوزیع

۳۲۲۔ امام فخر الدین عثمان بن علی، متوفی 743ھ، تبیین الحقائق، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی 1421ھ

۳۲۳۔ علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی 786ھ، عنایہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت 1415ھ

۳۲۴۔ علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی 786ھ، فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ: ادارۃ القرآن کراچی 1411ھ

۳۲۵۔ علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، بنایہ، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1411ھ

۳۲۶۔ علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی 861ھ، فتح القدیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۳۲۷۔ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی 956ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور 1412ھ

۳۲۸۔ امام شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی، متوفی 962ھ، جامع الرموز، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

۳۲۹۔ علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی 970ھ، البحر الرائق، مطبوعہ: علمیہ، مصر 1311ھ

۳۴۰۔ امام شہاب الدین احمد محمد بن علی بن حجر الہیتمی، متوفی 974ھ، الفتاوی الکبری الفقہیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۴۱۔ امام سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم الحنفی، متوفی 1005ھ، النہر الفائق، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی

۳۴۲۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، فتح باب العنایہ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۴۳۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، مناسک ملا علی قاری، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1417ھ

۳۴۴۔ ملا نظام الدین، متوفی 1061ھ، فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ: مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، 1310ھ

۳۴۵۔ علامہ ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی الفقیہ المصری الحنفی، متوفی 1069ھ، امداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجات الارواح، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ،

۳۴۶۔ علامہ محمد سلیمان داماد آفندی، متوفی 1078ھ، مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، مطبوعہ: المکتبۃ الغفاریہ، کوئٹہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۳۴۷۔ علامہ خیر الدین رملی، متوفی 1081ھ، جامع الفصولین، مکتبۃ القدس، کوئٹہ 1300ھ

۳۴۸۔ علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی 1088ھ، الدر المختار، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۴۹۔ علامہ السید اسعد بن ابی بکر آفندی الحنفی المتوفی 110ھ، الفتاوی الاسعدیہ فی الفقہ الحنفیہ، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ

۳۵۰۔ علامہ شاہ عبد العزیز محمد دہلوی، متوفی 1229ھ، فتاویٰ عزیزی، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1390ھ

۳۵۱۔ علامہ احمد بن محمد طحطاوی، متوفی 1231ھ، حاشیۃ الطحطاوی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۵۲۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مصر 1311ھ

۳۵۳۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، تنقیح الفتاوی الحامدیہ، مطبوعہ: دار الاشاعۃ العربی، کوئٹہ

۳۵۴۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رسائل ابن عابدین شامی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور

۳۵۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رد المحتار، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۳۵۶۔ علامہ شاہ محمد مسعود محدث دہلوی، متوفی 1309ھ، فتاویٰ مسعودی، سرہند پبلی کیشنز 1407ھ

۳۵۷۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، فتاویٰ رشیدیہ، مطبوعہ: محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

۳۵۸۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، احسن الفتاویٰ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی 1425ھ

۳۵۹۔ امام احمد رضا خان بریلوی، متوفی 1340ھ، العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور 1427ھ

۳۶۰۔ علامہ سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی، متوفی 1356ھ، فتاویٰ مہریہ، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور 1418ھ

۳۶۱۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، بہار شریعت، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1416ھ

۳۶۲۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، فتاویٰ امجدیہ، مطبوعہ: مکتبہ رضویہ 1419ھ

۳۶۳۔ شیخ محمد شفیع دیوبندی، متوفی 1396ھ، جواہر الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی 1395ھ

۳۶۴۔ مولانا نور اللہ نعیمی بصیر پوری حنفی بریلوی، متوفی 1403ھ، فتاویٰ نوریہ، مطبوعہ: کمبائن پرنٹرز، لاہور 1983ء

۳۶۵۔ مولانا وقار الدین حنفی بریلوی، متوفی 1413ھ، وقار الفتاویٰ، مطبوعہ: بزم وقار الدین 1997ء

۳۶۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاگرجی الحنفی المتوفی 1414ھ، الفقہ الحنفی وادلتہ، دار الکلم الطیب، بیروت 1420ھ

۳۶۷۔ مولانا محمد عبداللہ نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1982ء، فتاویٰ مجددیہ نعیمیہ، ناشر: مفتی اعظم سندھ اکیڈمی 1411ھ

۳۶۸۔ شیخ الاسلام علامہ الشیخ عبد الغنی النابلسی الحنفی النقشبندی المتوفی 1123ھ، فتاویٰ النابلسی المسماۃ بنھایۃ المراد فی شرح ہدایہ، ابن العماد، مکتبہ حقانیہ کوئٹہ 1429ھ

۳۶۹۔ مفتی اہلسنت علامہ سید شجاعت علی قادری حنفی بریلوی، متوفی 1993ء، فقہ اہلسنت، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1978ء

۳۷۰۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن حنفی بریلوی غفرلہ، تفہیم المسائل، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، 1407ھ

۳۷۱۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی، انوار الفتاویٰ، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ

۳۷۲۔ شیخ سعید بن علی السمرقندی الحنفی الفتاویٰ فی الحیل والمخارج المسمی بجنۃ الاحکام وجنۃ الخصام، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ

۳۷۳۔ شیخ عبد الحمید محمود طہماز، الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید، المکتبۃ الحقانیہ کوئٹہ 1418ھ

کتب فقہ شافعیہ

۳۷۴۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الام، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1403ھ

۳۷۵۔ علامہ ابو الحسین علی بن محمد حبیب الماوردی شافعی، متوفی 450ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1414ھ

۳۷۶۔ علامہ ابو اسحاق شیرازی، متوفی 455ھ، المہذب، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، 1393ھ

۳۷۷۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی 676ھ، شرح المہذب، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت 1423ھ

۳۷۸۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی 676ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۳۷۹۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، الفتاویٰ الحدیثیہ، 1419ھ

کتب فقہ مالکیہ

۳۸۰۔ امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفی 256ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

۳۸۱۔ امام ابو الولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی، متوفی 494ھ، المنتقی شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1331ھ

۳۸۲۔ قاضی عبد الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفی 595ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۳۸۳۔ علامہ ابو عبداللہ محمد بن الخطاب المغربی، متوفی 954ھ، مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل، مطبوعہ: مکتبۃ النجاح، لیبیا

۳۸۴۔ علامہ علی بن عبداللہ بن الخرشی، متوفی 1101ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ: دار صادر، بیروت

۳۸۵۔ علامہ ابو البرکات، احمد دردیر مالکی، متوفی 1197ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۳۸۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی 1219ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۸۷۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، المغنی، مطبوعہ: دار الحدیث قاہرہ، 1425ھ

۳۸۸۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، الکافی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۳۸۹۔ شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، مجموعۃ الفتاوی، مطبوعہ: ریاض، دار الجیل، بیروت 1418ھ

۳۹۰۔ شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1424ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت 1426ھ

۳۹۱۔ علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن مفلح مقدسی، متوفی 763ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت

۳۹۲۔ علامہ ابو الحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی 885ھ، الانصاف، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1387ھ

۳۹۳۔ علامہ موسیٰ بن احمد صالحی، متوفی 960ھ، الاقناع، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ

۳۹۴۔ شیخ منصور بن یونس البہوتی الحنبلی، متوفی 1015ھ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۹۵۔ شیخ عبد العزیز بن عبداللہ بن عبد الرحمن ابن باز حنبلی، متوفی 1420ھ، 1999ء، مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعہ، مکتبۃ المورد، ریاض 1427ھ

کتب فقہ غیر مقلدین

۳۹۶۔ شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفی 456ھ، المحلی بالآثار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۳۹۷۔ شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی 1250ھ، نیل الاوطار، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، مصر 1398ھ، دار الوفاء، 1421ھ

۳۹۸۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، متوفی 1367ھ، فتاویٰ ثنائیہ، مطبوعہ: النور اکیڈمی، مکتبہ ثنائیہ سرگودھا

۳۹۹۔ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، متوفی 1805ھ، فتاویٰ نذیریہ، مکتبۃ المعارف الاسلامیہ، پاکستان 1333ھ

۴۰۰۔ شیخ حافظ عبداللہ محدث روپڑی، متوفی 1920ھ، فتاویٰ اہلحدیث، مطبوعہ: دار احیاء السنۃ النبویہ، پاکستان 1404ھ

کتب اصول فقہ

۴۰۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الرسالہ، مطبوعہ: مطبع امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1312ھ

۴۰۲۔ فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی حنفی، متوفی 482ھ، اصول بزدوی، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۴۰۳۔ علامہ ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی الحنفی، متوفی 483ھ، اصول السرخسی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت

۴۰۴۔ امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی 505ھ، مستصفی، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ

۴۰۵۔ علامہ علاؤ الدین عبد العزیز بن احمد البخاری الحنفی، متوفی 730ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1411ھ

۴۰۶۔ علامہ جمال الدین اسنوی، متوفی 772ھ، شرح المنہاج، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ

۴۰۷۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی، متوفی 861ھ، تحریر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1403ھ

۴۰۸۔ علامہ ابن امیر الحاج حنفی، متوفی 879ھ، التقریر والتحریر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ

۴۰۹۔ بحر العلوم عبد العلی بن نظام الدین حنفی، متوفی 1225ھ، فواتح الرحموت، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ

۴۱۰۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۴۱۱۔ علامہ محمد امین بن عمر بن عابدین شامی حنفی، متوفی 1252ھ، شرح شرح المنار للعلامۃ الشامی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی

مذاہب اربعہ

۴۱۲۔ امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص الرازی المتوفی 370ھ، مختصر اختلاف العلماء، دار البشاء الاسلامیہ، 1417ھ

۴۱۳۔ علامہ عبد الوہاب شعرانی حنفی، متوفی 973ھ، میزان الشریعۃ الکبریٰ، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر 1359ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۴۱۴۔ علامہ عبد الرحمن الجزیری، الفقہ علی مذاہب الاربعہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت

۴۱۵۔ الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ القاہرہ، 1400ھ

۴۱۶۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1405ھ

۴۱۷۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی، مطبوعہ: القاہرہ 1410ھ

کتب شیعہ

۴۱۸۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الاصول من الکافی، دار الکتب الاسلامیہ، تہران

۴۱۹۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران

۴۲۰۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، تہذیب الاحکام، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران

۴۲۱۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، الاستبصار، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران

۴۲۲۔ نہج البلاغہ (مع فارسی)، مطبوعہ: انتشارات زرین، ایران

۴۲۳۔ نہج البلاغہ (مع اردو)، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز

۴۲۴۔ شیخ عز الدین عبد الحمید بن ابی الحدید، متوفی 656ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ: موسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان ایران

۴۲۵۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، بحار الانوار، مطبوعہ المطبعۃ الاسلامیہ، تہران 1392ھ

۴۲۶۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حق الیقین، مطبوعہ: خیابان ناصر خسرو، ایران 1347ھ

۴۲۷۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، جلاء العیون (مترجم)، مطبوعہ: انصاف پریس، لاہور

۴۲۸۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حیات القلوب (مترجم) مطبوعہ: حمایت اہل بیت وقف، لاہور

۴۲۹۔ شیخ محمد بن حسین طباطبائی، متوفی 1293ھ، المیزان، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، ایران 1302ھ

کتب متفرقات

۴۳۰۔ ابوالمعالی عبد الملک الجوینی الشہیر بامام الحرمین الشافعی، متوفی 478ھ، مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق، مطبوعہ: مکتبہ قدوسیہ، لاہور 1400ھ

۴۳۱۔ امام ابوالفتح ظہیر الدین الولوالجیہ حنفی، متوفی 540ھ، الفتاویٰ الولوالجیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۴۳۲۔ ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن ابوبکر الدمشقی المعروف بابن قیم حنبلی، متوفی 751ھ، الداء والدواء، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، 1410ھ

۴۳۳۔ علامہ علی بن سلطان القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، القائلین بوحدۃ الوجود، مطبوعہ: دار المامون للتراث 1415ھ

۴۳۴۔ میر عبدالواحد بلگرامی حنفی، متوفی 1016ھ، سبع سنابل، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1402ھ

۴۳۵۔ ملا باقر مجلسی شیعی، متوفی 1110ھ، ضیاء العیون، مطبوعہ: ایرانی کتب خانہ

۴۳۶۔ شیخ سید محمد اسماعیل دہلوی دیوبندی، متوفی 1246ھ، تقویۃ الایمان، مطبوعہ: مطبع علیمی، اندرون لاہور

۴۳۷۔ مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حنفی، متوفی 1258ھ، شمائم امدادیہ، مطبوعہ: مدنی کتب خانہ، ملتان 1405ھ

۴۳۸۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، آب حیات، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان 1413ھ

۴۳۹۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، تحذیر الناس، دار الاشاعت، کراچی

۴۴۰۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی حنفی، متوفی 1304ھ، سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت 1408ھ

۴۴۱۔ شیخ محمود بن حسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، الجہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل، مکتبہ مدینہ، لاہور 1409ھ

۴۴۲۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، ملفوظات، حامد اینڈ کمپنی، لاہور

۴۴۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، 1401ھ

۴۴۴۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، احکام شریعت، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2002ء

۴۴۵۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الامن والعلی، شبیر برادرز، لاہور 1396ھ

۴۴۶۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیۃ، صدیقی پبلشرز 2009ء

۴۴۷۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، مطبوعہ: موسسۃ رضا الجامعۃ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ

۴۴۸۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، انباء الحی، موسسۃ رضا الجامعہ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ

۴۴۹۔ شیخ خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی، متوفی 1346ھ، البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ، مطبوعہ: مطبع بلالی، ڈھونڈ

۴۵۰۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، گولڑہ شریف، اسلام آباد 1421ھ

۴۵۱۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، ملفوظات مہریہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ، لاہور 1406ھ

۴۵۲۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اھل بہ لغیر اللہ، گولڑہ شریف، کتب خانہ درگاہ غوثیہ 1421ھ

۴۵۳۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور، 1406ھ

۴۵۴۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز 1415ھ

۴۵۵۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تصفیہ مابین السنی والشیعہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور 1399ھ

۴۵۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، حفظ الایمان مع بسط البنان وتغیر العنوان، مکتبہ تھانوی، کراچی

۴۵۸۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق

۴۵۹۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، جمال الاولیاء

۴۶۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور 1975ھ

۴۶۱۔ مولانا محمد عبداللہ معمار امرتسری غیر مقلد، محمدیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک، المکتبۃ السلفیہ، لاہور 1391ھ

۴۶۲۔ ابوالحسنات علامہ محمد اشرف سیالوی حنفی بریلوی، انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1998ء

۴۶۳۔ شیخ عبدالحی الکتانی، نظام الحکومت النبویہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۴۶۴۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، متوفی 1985ء، دو اسلام، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی

۴۶۵۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، انشورنس اسلامی معیشت میں، مطبوعہ: اسلامی پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور 1982ء

۴۶۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ: دانش گاہ پنجاب، لاہور

۴۶۷۔ میر عبدالواحد بلگرامی، سبع سنابل، حامد اینڈ کمپنی، لاہور

۴۶۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، صحیفہ ہمام بن منبہ، اکیڈمی آف لائف اینڈ لیٹرز

۴۶۹۔ عقیدہ ختم نبوت، الادارہ لتحفظ العقائد الاسلامیہ، پاکستان

۴۷۰۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، دیوبندی، متوفی 1346ھ، المہند علی المفند، ادارہ اسلامیات 1404ھ

۴۷۱۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، منظور نعمانی، عقائد علماء دیوبند اور حسام الحرمین، دار الاشاعت، کراچی

۴۷۲۔ شیخ حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، میر محمد کتب خانہ، کراچی

۴۷۳۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور، ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ 1407ھ

۴۷۴۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، عبارات اکابر، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ

۴۷۵۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، تحفہ قادیانیت، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان 2001ء

۴۷۶۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، اختلاف امت اور صراط مستقیم، مکتبہ بینات، بنوری ٹاؤن، کراچی 1399ھ

۴۷۷۔ مخدوم محمد ہاشم سندھی، متوفی 1174ھ، ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول، مکتبہ لدھیانوی، کراچی 1995ء
۴۷۸۔ محمد الیاس برنی، قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت 2001ء
۴۷۹۔ مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری بریلوی، متوفی 1354ھ، فتاویٰ دیداریہ، مطبوعہ: مکتبۃ العصر، گجرات
۴۸۰۔ مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی حنفی بریلوی، متوفی 2003ء، مقالات مفتی اعظم، مطبوعہ: بزم رضا، لاہور 1428ھ
۴۸۱۔ مولانا محمد منشاء تابش قصوری حنفی بریلوی غفرلہ، دعوت فکر، مطبوعہ: مکتبہ اشرفیہ، مرید کے شیخوپورہ 1403ھ
۴۸۲۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، حیات استاذ العلماء، مطبوعہ: دار الاسلام لاہور 1433ھ
۴۸۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، توضیح البیان، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1422ھ
۴۸۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، ذکر بالجہر، مطبوعہ فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ
۴۸۵۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تذکرۃ المحدثین، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ
۴۸۶۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقالات سعیدی، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ
۴۸۷۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقام ولایت ونبوت، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ
۴۸۸۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تاریخ نجد وحجاز، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 2004ء
۴۸۹۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، حقائق شرح صحیح مسلم ودقائق تبیان القرآن، فرید بک اسٹال لاہور، 1425ھ
۴۹۰۔ مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی حنفی بریلوی، غفرلہ سفر آخرت کی منازل، فرید بک اسٹال لاہور، 1427ھ